فہرست مضامین "امداد الاحکام" جلد دوم

مضمون — صفحہ

کتاب الزکوٰۃ

پیشگی زکوٰۃ اگر زائد ادا کردی جائے تو اسکا حکم۔ ۱
وکیل زکوٰۃ کا زکوٰۃ کی رقم میں خیانت کرنا۔ 〃
مسافر کو زادِ راہ کے واسطے زکوٰۃ دی اگر وہ مسافر بعد میں واپس کردے تو کیا زکوٰۃ ادا ہو جائیگی؟ ۲
دیون مثل مہر پر وجوب زکوٰۃ کا حکم۔ ۳
مال مخلوط بالحرام پر وجوب زکوٰۃ کا حکم۔
حکم ادائے زکوٰۃ بصورت سپردگی وکیل۔ ۹
ادائے زکوٰۃ بعنوان قرض اور اسکے بعد رجوع کی ایک صورت کا حکم۔ 〃
زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد اس مال سے کوئی تجارت نہیں کی تو دوسرے سال اسپر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ ۱۰
بذریعہ نوٹ زکوٰۃ ادا کرنیکا حکم۔ ۱۱
کیا منی آرڈر کے ذریعہ زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے؟ 〃
ایک شخص پر کئی سالوں کی زکوٰۃ واجب تھی بعد میں مال ضائع ہوگیا، تو سنینِ گذشتہ کی زکوٰۃ اسپر واجب رہے گی یا نہیں؟ ۱۲
ایک شخص اس واسطے محتاج کو زکوٰۃ کی نیت سے رقم دیدے تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ ۱۳
نوٹ سے زکوٰۃ ادا کرنیکا حکم۔ ۱۳
حکم زکوٰۃ بر منافع کارخانہ۔ ۱۴
امانتِ زکوٰۃ بطورِ قرض دینے کا حکم۔ ۱۵
ختم سال پر جتنی رقم ہو سب پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ 〃
دینِ محیط مانع وجوبِ زکوٰۃ ہے۔ ۱۶
پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ کا مسئلہ۔ 〃
نابالغ کے نکاح میں والدین نے زوجہ کو زیور چڑھایا، بلوغ کے بعد والدین نے کہا کہ زیور ہم تمہیں ہبہ کر چکے ہیں، تو اس پر زکوٰۃ کب سے واجب ہوگی؟ ۸
کیا موتی پر زکوٰۃ ہے؟ ۱۹
بیوی صاحبِ نصاب ہو تو زکوٰۃ و قربانی اسی پر واجب ہوگی۔ 〃
زکوٰۃ یکمشت کے بجائے سال بھر میں تھوڑی تھوڑی ادا کرنا۔ ۲۰
بذریعہ منی آرڈر زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟ 〃
مقدارِ قرض سے زائد زکوٰۃ ادا کی تو وہ آئندہ سال زکوٰۃ میں محسوب ہو سکتی ہے یا نہیں؟ ۲۲

مضمون — صفحہ
نصاب زکوٰۃ کی تحقیق۔ ۲۲
مسئلہ وجوب زکوٰۃ۔ ۲۳
پراویڈنٹ فنڈ پر وجوب زکوٰۃ کا مسئلہ۔ 〃
جبکہ دیوالہ نکل جائے تو اس میں جمع کردہ روپے پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ ۲۵
مسئلہ وجوب زکوٰۃ۔ 〃
مہر مؤجل مانع وجوب زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ 〃
قرض پر وجوب زکوٰۃ کی ایک صورت کا حکم۔ ۲۶
مثل سوال مذکور۔ 〃
اگر اپنے مال کے ساتھ زکوٰۃ کا مال بھی چوری ہو گیا، تو زکوٰۃ ادا ہوئی یا نہیں؟ ۲۷
حکم وجوب زکوٰۃ در زیورات۔ 〃
مسئلہ زکوٰۃ۔ 〃
قرض ہر حال میں مانع وجوب زکوٰۃ ہے۔ ۲۸
مصرف زکوٰۃ بل کے بارہ میں ایک استفتاء۔ 〃

باب زکوٰۃ مال التجارۃ

کتب تجارت میں زکوٰۃ کا حکم ۳۰

باب صدقۃ السوائم

بکریوں کی زکوٰۃ کا حکم۔ ۳۲
عروض اور تجارتی مواشی پر وجوب زکوٰۃ کا حکم۔ ۳۳

باب العشر والخراج

مسجد کی زمین پر عشر کا حکم۔ ۳۵

مضمون — صفحہ
زمین عشری اور خراجی کی تعریف، اور بعض زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے کی تحقیق ۳۵
انگریزی حکومت کو مالگزاری دینے سے عشر ادا نہ ہوگا۔ ۳۷
ارض حربی میں عشر و خراج کا واجب نہ ہونا۔ 〃
ہندوستان کی زمینوں پر عشر واجب ہے یا نہیں؟ ۳۸
وجوب عشر و خراج کی ایک صورت کا حکم۔ 〃
حکومت کے لگان سے عشر ادا نہیں ہوتا۔ ۳۹
کچا فصل کی کٹائی میں عشر ہے یا نہیں؟ 〃

باب صدقۃ الفطر

صدقۂ فطر کی ادائیگی میں دوسرے شہر کے بھاؤ کا اعتبار نہیں۔ ۳۹
صدقۂ فطر میں غیر منصوص چیزوں میں قیمت کا اعتبار ہے۔ 〃
چاول و دھان سے صدقۂ فطر ادا کرنے کا حکم۔ ۴۰
صدقۂ فطر میں موضع مال کی قیمت کا اعتبار ہوگا یا صدقہ ادا کرنے کی جگہ کا؟ 〃
صدقۂ فطر کن مستحقوں کو دیں ۴۱
غیر منصوص اشیاء میں صدقۂ فطر ادا کرنے کا طریقہ۔ 〃
وزن صاع کی تحقیق۔ ۴۲
فطرہ اور چرم قربانی کی قیمت میں تملیک شرط ہے۔ ۴۳
تحقیق مدار صدقہ۔ 〃
غیر منصوص اشیاء میں قیمت کا اعتبار ہے۔ ۴۴
صدقۂ فطر وصول کرنے کی غرض سے کمیٹیاں قائم کرنا۔ ۴۵

باب المصارف

مضمون	صفحہ
سو بیگھہ زمین کے مالک کا عیالدار ہونیکی صورت میں زکوٰۃ لینا ۔	۴۵
تراویح سنانیوالے کو اجرت میں دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی ۔	۴۶
بیوی، شوہر، باپ اور بیٹے کو صدقہ وغیرہ دینا جائز نہیں ۔	〃
زکوٰۃ کے روپیہ سے ضیافت کرکے فقیروں کو کھانا کھلانا ۔	۴۷
کافر کو زکوٰۃ و دیگر صدقاتِ واجبہ دینے کے متعلق "بہشتی زیور" کے مسئلہ پر شبہ کا جواب ۔	〃
اپنے لڑکے کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ۔	۴۹
جس پر قربانی واجب ہو، زکوٰۃ واجب نہ ہو، وہ زکوٰۃ لے سکتا ہے ؟	
ایضاً ایضاً ایضاً	〃
الاحتیاط اللازم فی التصدق علی بنی ہاشم ۔	۵۰
رسالہ رفع التشکیک فی دفع الزکوٰۃ بالتملیک ۔	۵۵
مبلغین کی تنخواہ میں زکوٰۃ صرف کرنا ۔	۸۳
اولویت صرف زکوٰۃ بلدے کہ مال موجود باشد ۔	۸۶
واپسی زکوٰۃ کی ایک صورت کا حکم	۸۷
وکیل نے زکوٰۃ کی رقم ہاشمی کو دیدی تو وکیل پر ضمان لازم آئیگا یا نہیں ؟	۸۸
ہاشمی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے ۔	۸۹

مضمون	صفحہ
بغیر اجازتِ مزکی غیر مصرف میں زکوٰۃ خرچ کرنے کا حکم ۔	۸۹
مدارس عربیہ میں زکوٰۃ دینے کے متعلق ایک استفتاء مشتمل بر چند سوالات ۔	۹۰
مالِ وصیت بالتصدق سے اغنیاء کو دینا ۔	۹۵
صاحبِ نصاب کے لئے زکوٰۃ، صدقۂ فطر وغیرہ لینے کا حکم ۔	〃
جسکا صرف باپ سید ہو اسکو زکوٰۃ دینا کیسا ہے ؟	۹۶

کمپنی کے شیئرز کی زکوٰۃ

مضمون	صفحہ
ریلوے کمپنی کے حصص پر وجوبِ زکوٰۃ کا حکم ۔	۹۷

کتاب الصوم

مضمون	صفحہ
افطار میں جلدی کرنا ۔	۹۸
حکم صوم یوم الشک	۱۰۰
مسجد میں افطار کرنا جائز ہے یا نہیں ؟	۱۰۳
ایضاً ایضاً ایضاً	
تفصیل الآثار فی تعجیل الافطار ۔	۱۰۴
نیتِ معلق سے صوم متحقق نہیں ہوتا ۔	۱۰۸
سحری کے وقت طلوعِ فجر سے قبل اذان دینے کا حکم ۔	۱۰۹
حکم افطار قبل از اذان ۔	۱۱۰
فصل فی رؤیۃ الہلال	〃

مضمون	صفحہ
رویت ہلال کی شہادت عید کے دن غروب آفتاب سے قبل مل جائے تو کیا حکم ہے؟	۱۱۰
کیا خطوط اور تار کے ذریعہ رویت ہلال کی خبر معتبر ہے؟	۱۱۲
تحقیق رویت ہلال و مسائل تار و ٹیلیفون وغیرہ	〃
رویت ہلال اور صوم یوم الشک کے بارے میں ایک استفتاء	۱۱۷
شعبان کے تیس دن پورے ہونے پر چاند نظر نہ آئے تو کیا حکم ہے؟	۱۱۹
رویت ہلال کے متعلق ایک استفتاء	۱۲۰
تار اور ٹیلیفون کے ذریعہ رویت ہلال کی خبر کا حکم	۱۲۱
رویت ہلال کے متعلق سرکاری منادی کا حکم	۱۲۳
ثبوت رویت کے بارے میں	〃
ٹیلیفون کے ذریعہ رویت ہلال کی خبر کا اعتبار ہے یا نہیں؟	۱۲۵

فصل فیما یفسد الصوم وما یکرہ للصائم

مضمون	صفحہ
روزہ کی نیت میں [illegible] مبارک [illegible] میں رکھنا	۱۲۸
[illegible] سبب سے بیماری بے ہوشی [illegible] صوم	〃
[illegible] ٹیکہ لگانا مفسد صوم ہے یا نہیں؟	۱۳۰
بعد اذان بلا علم زوال دوا رکھی تو بحالت صوم باقی رہی تو کیا حکم ہے؟	۱۳۳
طاقتی ٹیکہ اور فصد لگوانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا	〃
صوم معتاد کا حکم	۱۳۴
کیا اگربتی کا دھواں حلق میں جانے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے؟	۱۳۴

فصل فی القضاء والکفارۃ

مضمون	صفحہ
مسافر روزہ افطار کرے تو کفارہ نہیں۔	۱۳۵
کفارہ میں بہت بوڑھے کو کھلانا جائز ہے۔	〃
حکم نیت کفارہ در رمضان بہ تعلیق۔	۱۳۶
کفارۂ صوم میں رمضان کا توسط مسقط تتابع ہے۔	〃
تندرستی سے اگر کسی عذر کی وجہ سے نہ رکھ سکے تو کتنا کفارہ ہوگا؟	۱۳۷
استفتاء متعلق کفارۂ صوم۔	〃

فصل فی الاعذار المبیحۃ للافطار

مضمون	صفحہ
فصل کی کٹائی کے لئے روزہ افطار کرنے کا حکم۔	۱۳۸
عذر کی بنا پر افطار کرنے والے کو [illegible] کا لحاظ [illegible] چاہئے؟	۱۳۹
عورت کو حالت روزہ میں حیض آ جائے تو کھا پی سکتی ہے یا نہیں؟	〃
معذور کے لئے افطار کا حکم۔	۱۴۰

فصل فی صوم النذر والقضاء

مضمون	صفحہ
نفل روزے رکھنے والے اگر مطلق قضاء رمضان کی نیت کرے تو کیا حکم ہے؟	۱۴۱

مضمون | صفحہ

باب الاعتکاف

معتکف کیلئے مسجد میں ریح صادر کرنیکا حکم ۱۴۱
معتکف کیلئے خارج مسجد نماز ادا کرنیکا حکم۔ ۱۴۲
معتکف حاجت ضروریہ سے نکلنے کے بعد کیا غسل جمعہ کرسکتا ہے؟ 〃
گاؤں میں اعتکاف کرنیوالے کیلئے نماز جمعہ کا حکم۔ 〃
کسی عذر کی بناء پر اعتکاف ترک کرنیکا حکم۔ ۱۴۳
سحری کھانے کے بعد کلی کرنے کے لیے معتکف کا مسجد سے نکلنا۔ ۱۴۴
جو حجرہ جزو مسجد نہ ہو اس میں اعتکاف باطل ہے۔ ۱۴۵
کیا معتکف اذان دینے کے لیے مسجد سے باہر جا سکتا ہے؟ 〃
معتکف مسجد میں جہاں چاہے اُٹھ بیٹھ سکتا ہے 〃
معتکف کے بارے میں متعدد سوالات پر مشتمل ایک استفتاء۔ 〃
عشرۂ اخیرہ کا اعتکاف سنت مؤکدہ ہے۔ ۱۴۶
معتکف کے متعلق متعدد سوالات پر مشتمل ایک اور استفتاء۔ ۱۴۸
مثل استفتاء مذکورہ۔ ۱۴۹
اعتکاف میں مسجد کی خدمت کرنا۔ ۱۵۰
اعتکاف میں ورزش کرنا اور خط لکھنا۔ 〃
جسکو ریح کا عارضہ ہو کیا وہ مسجد میں اعتکاف کرسکتا ہے؟

مضمون | صفحہ

کتاب الحج

فصل فیمن یفترض علیہ الحج

صاحب استطاعت معذور شخص کے حج کا حکم ۱۵۱
جس کے پاس صرف جائیداد ہو اسکے وجوب حج کا حکم۔ ۱۵۲
تعمیر مکان سے حج فرض مقدم ہے ۱۵۳
جسکا ذریعہ آمدنی صرف جائیداد ہو تو کیا اس پر حج فرض ہے؟ 〃
ایضاً ایضاً ایضاً ۱۵۵
اولاد ادائے قرض کا وعدہ کرے تو مدیون باپ کو حج پر جانا جائز ہے۔ 〃
مہر مؤجل مانع وجوب حج نہیں ہے۔ ۱۵۶
عورت سے پاک لڑکے یا ہمسایہ عورتوں کے ساتھ حج پر نہیں جا سکتی۔ 〃
مسئلہ وجوب حج علی الفور اور کیا ۱۵۷
بعد وجوب حج وہ رقم حوائج ضروریہ میں صرف کرنا جائز ہے۔ 〃
ادائے حج سے قبل زیارت روضۂ اقدس کا حکم۔ ۱۵۸
کیا چندے روپیہ قرض لیکر حج کرنا بہتر ہے؟ ۱۵۹
جس نے حج فرض ہونے سے پہلے کر لیا تو کیا فرض ادا ہو جائے گا؟ 〃
کیا حاجی سفر میں اپنا پیشہ اختیار کر سکتا ہے؟ 〃

مضمون	صفحہ
بارھویں کی رمی زوال سے پہلے جائز نہیں۔	١٦٠
کیا بارھویں کو بعد مغرب طواف زیارت ہو سکتا ہے؟	〃
حج فرض ہو چکے بعد سستی تاخیر کرنا جائز نہیں۔	〃
کسی نے راستہ مخدوش ہونے کی وجہ سے حج نہ کیا پھر مال خرچ ہو گیا تو کیا حکم ہے۔	١٦١
جس روپیہ سے زکوٰۃ نہیں نکالی اس سے اور قرض کے روپیہ سے حج کرنا۔	〃
عدم بدنی قدرت میں نیابت کا حکم۔	١٦٢
کیا بیت اللہ دیکھنے سے بچہ پر حج فرض ہو جاتا ہے؟	١٦٣
ملازمت ختم ہو جانے کے خوف سے حج میں تاخیر کرنا۔	〃
صاحب جائیداد وسیع کے پاس نقد روپیہ نہ ہو تو کیا جائداد سے سودی قرض لیکر حج کر سکتا ہے؟	١٦٤
اشہر حج میں حج سے پہلے مدینہ جایا جاتا ہے۔	١٦٥

فصل فی الاحرام بما ہو محظور فیہ

مضمون	صفحہ
محرم یا حلال کا حدود حرم کے اندر شکار لانے کے متعلق غنیۃ اور زبدہ کی عبارتوں میں تعارض کی تحقیق۔	١٦٦
احرام میں اعذار متعددہ کی وجہ سے مختلف سلے ہوئے کپڑے پہننے سے کفارہ واحدہ واجب ہوگا یا متعددہ؟	١٦٧
رفض احرام حج سے ایک دم اور ایک حج لازم ہوگا یا دو دم اور دو حج؟	١٧٣
احرام میں ازار بدلنا جائز ہے۔	١٧٦
احرام میں ہمیانی باندھنے کا حکم۔	١٧٧
محظورات احرام کا ارتکاب عمداً کرے اور دم و صدقہ ادا کرنے سے عاجز ہو تو کیا حکم ہے؟	〃
عورت حالت احرام سے چہرہ کس چیز سے ڈھانپے؟	١٧٩
حالت احرام میں عورت کو مردانہ جوتا پہننا کیسا ہے؟	〃
مکہ جانے کا ارادہ نہ ہو تو میقات سے احرام باندھنے کا حکم۔	١٨٠
محرم عینک لگا سکتا ہے یا نہیں؟	〃

فصل فی القران والتمتع

مضمون	صفحہ
آفاقی میقات سے احرام باندھ کر عمرہ کر کے مدینہ چلا جائے تو واپسی میں قران یا تمتع کر سکتا ہے یا نہیں؟	〃

فصل فی الوصیۃ بالحج والحج عن الغیر

مضمون	صفحہ
حج بدل کرنے والے کیلئے تمتع کا حکم۔	١٨٣
ایضاح، تخریج مسائل الحج عن الغیر۔	١٨٤

مضمون	صفحہ
والدین کی طرف سے حج بدل کرنا جبکہ انہوں نے وصیت نہ کی ہو۔	۱۸۸
حج بدل کرنے والے کے پاس خرچ نہ رہے اور وہ قرض لے تو کیا حکم ہے؟	؍؍
اجنبی کے مال سے بغیر وصیت و اذن ورثہ حج بدل کی ایک صورت۔	۱۸۹
متعلق حج بدل۔	۱۹۰
مامور اپنی جائے قیام سے حج کرے تو کیا حج آمر کا صحیح ہو جائے گا؟	۱۹۳
حج بدل میں واپسی شرط نہیں۔	۱۹۴
ایضاً ایضاً۔	؍؍
معذور کے حج بدل کرانے کی ایک صورت کا حکم۔	۱۹۵
حج بدل اور ضمان مامور کی ایک صورت کا حکم۔	۱۹۶
جس نے اپنا حج نہ کیا ہو اس کے حج بدل کرنے کا حکم۔	۱۹۷
سفر حج سے عاجز ہونے کی صورت میں حج بدل کرانے کا حکم۔	۱۹۸
حج بدل کی ایک صورت کا حکم۔	؍؍
جس نے اپنا حج نہ کیا ہو اسکے حج بدل کا حکم۔	۱۹۹

بحری اور ہوائی جہازوں پر سفر اور متعلقہ احکام

مضمون	صفحہ
ہوائی جہاز میں عید و قربانی نماز و طواف کعبہ کا حکم۔	؍؍

کتاب النکاح

مضمون	صفحہ
دولہا نے وقت نکاح صرف الحمد للہ کہا تو کیا حکم ہے؟	۲۰۱
منگنی کے وقت کا ایجاب و قبول ایک قسم کا وعدہ ہے۔	؍؍
منگنی میں اولیاء طرفین کا ایجاب و قبول ایک قسم کا وعدہ ہے۔	۲۰۲
نکاح بیوہ کا حکم۔	؍؍
زنا سے حاملہ کے نکاح کا حکم۔	۲۰۳
سنی عورت کا شیعہ کے ساتھ نکاح کا حکم۔	؍؍
اس شرط کیساتھ نکاح کرنا کہ بیوی شوہر کے وطن سے باہر نہیں جائیگی۔	۲۰۵
طلاق کے بعد نکاح کا حکم جبکہ محلل منکر وطی ہو۔	۲۰۷
منگنی کے وقت ایجاب و قبول کا حکم۔	۲۰۸
مشرک عورت کو جبراً مسلمان کرکے اس سے نکاح کرنا۔	۲۱۰
حکم نکاح سنیہ با رافضی۔	۲۱۱
جو زوج اول سے اپنا مطلقہ ہونا بیان کرے اس سے نکاح کرنا۔	۲۱۳
اس شرط پر نکاح کرنا کہ پانچ سال یہیں رہنا ہوگا	۲۱۶
مطلقہ ثلاثہ کا بغیر حلالہ کے نکاح کرنے کا حکم۔	؍؍
نومسلم معتدہ کے دار الاسلام میں آکر نکاح کرنے کا حکم۔	۲۱۷

مضمون	صفحہ
زنا سے نکاح نہیں ٹوٹتا۔	۲۱۹
منکوحہ عورت نے مرتد ہوکر کافر سے نکاح کر لیا اگر اس نے طلاق دی تو کیا مسلمان ہونے کے بعد وہ زوج اول کیلئے حلال ہوگی۔	؍؍
حکم نکاح بالکتابت۔	۲۲۰
رافضی کے ساتھ سنی لڑکی کی نکاح کے بعض صورتوں کی تفصیل۔	۲۲۱
بوقت نکاح غلطی سے دوسری لڑکی کا نام بتادیا تو کیا حکم ہے۔	۲۲۴
کیا بیوہ یا مطلقہ پر والد کے حکم سے نکاح ثانی فرض ہوجاتا ہے۔	۲۲۷
جواز نکاح بالکتابت کی ایک صورت۔	؍؍
احتیاط وطی زوجۂ صغیرہ۔	۲۲۸
بصیغۂ سوال قبول کافی ہے یا نہیں؟	۲۳۰
بوقت نکاح لڑکی کا نام سمجھنے میں لڑکے کو	؍؍
اشتباہ ہوگیا مگر وہ لڑکی کو جانتا ہے۔	؍؍
نکاح کو مخفی رکھنا گناہ ہے۔	۲۳۱
زنا سے نکاح فاسد نہیں ہوتا۔	۲۳۲
اجنبی عورت اور مرد نے کہا کہ ہمارے نکاح میں کوئی شرعی امر مانع نہیں تو کیا قاضی انکا نکاح کراسکتا ہے؟	۲۳۳
استفتا۔ ضمیمہ سابق۔	۲۳۴
نکاح سری کی تعریف اور اس کا حکم۔	۲۳۶
اجنبی عورت کو جبراً اپنے ساتھ اسکا نکاح کرنا۔	؍؍
چار بیویوں میں سے ایک کا انتقال ہوجائے تو دوسری عورت سے فوراً نکاح جائز ہے۔	۲۳۸
لونڈی سے کراہت نکاح کی وجہ۔	؍؍
عورت مجلس نکاح میں موجود ہو تو شاہدوں کو نام وغیرہ بتانا ضروری نہیں۔	؍؍
ملکی و عرفی اضافت کی ایک صورت کا حکم۔	۲۳۹
مسئلہ نکاح۔	۲۴۰

فصل فی المحرمات

مضمون	صفحہ
ممانی اور چچی سے نکاح جائز ہے۔	۲۴۲
ولد زانی کے مزنیہ کی بیٹی سے نکاح کی ایک صورت کا حکم۔	؍؍
بھتیجے کی بیوہ سے نکاح جائز ہے۔	۲۴۳
جمع بین الاختین کے متعلق ایک استفتاء۔	۲۴۵
دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔	؍؍
زانی کی اولاد کا نکاح فروع مزنیہ سے جائز ہے۔	۲۴۶
ایضاً ایضاً	۲۴۷
سوتیلی ماں کی بہن سے نکاح جائز ہے۔	؍؍
کیا بیوی کے انتقال کے فوراً بعد سالی سے نکاح جائز ہے؟	؍؍
سوتیلی والدہ کی بہن سے نکاح جائز ہے۔	۲۴۸
اپنے بیٹے کی سالی سے نکاح جائز ہے۔	۲۴۹
ماں کے شوہر کی بیٹی سے نکاح جائز ہے۔	؍؍
سوتیلی ماں کی بہن سے نکاح جائز ہے۔	۲۵۰

مضمون	صفحہ
بیوی کے انتقال کے بعد فوراً سالی سے نکاح جائز ہے	۲۵۰
ساس کی سوتیلی ماں محرمات میں داخل نہیں ہے۔	〃
حکم نکاح دختر پسر اخت عینیہ و علاتیہ و اخیافیہ۔	〃
مزنیہ کے لڑکے سے زانی کی لڑکی کے نکاح کا حکم۔	۲۵۱
باپ کی ربیبہ سے نکاح جائز ہے۔	〃
رضیعہ مزنیہ سے نکاح حرام ہے۔	〃
حکم نکاح کتابیہ۔	۲۵۴
پھوپھی، بھتیجی ایک نکاح میں جمع نہیں ہو سکتیں۔	۲۵۵

فصل فی الانکحۃ الفاسدۃ

مضمون	صفحہ
شوہر قید ہو تو زوجہ کا نکاحِ ثانی کرنا باطل ہے۔	۲۵۵
غیر کی منکوحہ سے نکاح باطل اور اسکی اولاد حرامی ہے	۲۵۷
زوجۂ عنین کا بغیر طلاق کے نکاح ثانی کرنا باطل ہے	۲۵۸
زوجہ کی موجودگی میں اسکی بھانجی سے نکاح فاسد ہے۔	۲۵۹
غیر کی منکوحہ سے نکاح کرنا اور اس سے اولاد ہونا۔	۲۶۰
عورت کا عدتِ وفات میں نکاح کرنا اور شرائط متارکہ۔	۲۶۴
مزنیہ کی بیٹی سے نکاح کا حکم اور طریق متارکت۔	۲۶۷
باپ نے نابالغہ کا نکاح کیا، بعد میں معلوم ہوا شوہر شرابی ہے۔	۲۶۸
عدتِ وفات میں نکاح کرنے اور چھ ماہ بعد تجدیدِ نکاح کرنے کا حکم۔	۲۶۹
نکاحِ باطل و فاسد کی تعریف اور مزید چند صورتوں کا حکم۔	۲۷۴

مضمون	صفحہ
نکاح معتدہ۔	۲۷۶
نوسلمہ سے قبل از انقضاء عدت نکاح کا حکم۔	۲۷۷
حکم نکاح بین الرضیعین۔	〃
نوسلمہ سے قبل از انقضاء عدت نکاح جائز نہیں۔	۲۸۰
دورانِ عدت نکاح کی خاص صورت کا حکم۔	〃
ایضاً ایضاً	۲۸۱
اقرار نامہ کے خلاف ورزی کی صورت میں بیوی کے نکاحِ ثانی کی ایک صورت۔	۲۸۴

فصل فی الاولیاء والاکفاء

مضمون	صفحہ
نابالغہ کا نکاح چچا نے کردیا اور ولی ناراض ہے۔	۲۸۵
والدین کی رضامندی سے نکاح ہو تو لڑکی کو خیارِ بلوغ نہیں ہے۔	۲۸۶
ولی ابعد نکاح کرا دے اور ولی اقرب سکوت اختیار کرے تو کیا حکم ہے۔	〃
احکام کفاءت اور نسب مرد میں معتبر ہے یا عورت میں؟	۲۸۸
جہاں سیدہ کا نکاح غیر سید کے ساتھ عار سمجھا جاتا ہو وہاں یہ دونوں کفو نہیں ہیں۔	۲۸۹
دھوکے سے غیر کفو میں نکاح کا حکم۔	۲۹۰
مسلمان کنندہ کی ولایت سے نابالغہ نومسلمہ کے نکاح کا حکم۔	۲۹۴
چودہ سال کی عمر میں لڑکی کا دعویٰ بلوغ اور باپ کا غیر کفو میں بلا اجازت نکاح کرنا۔	۲۹۵

مضمون	صفحہ
حکم تولیت نکاح یتیمہ ۔	۲۹۸
گونگے نے اشارہ سے اذن دیکر نابالغہ لڑکی کا نکاح کرادیا تو کیا حکم ہے ؟	۲۹۹
صورت ولایت نکاح وجائیداد نابالغان ۔	۳۰۰
کفاءت کا اعتبار مرد کی جانب سے ہے ۔	۳۰۱
بالغہ حرّہ کا نکاح بلا اجازت انکے باپ نے کردیا ۔	۳۰۲
ماموں اور خالو نے بالغہ کا نکاح بلا اسکی اجازت کے کردیا تو کیا نکاح ہوجائیگا ۔	۳۰۳
باپ کا لڑکی کے نکاح پر روپیہ طلب کرنا کیا اسکی رضامندی کی دلیل ہے ۔	۳۰۶
قاضی ولی کی غیر موجودگی میں نابالغ لڑکے اور لڑکی کا ایجاب وقبول کرادے تو کیا حکم ہے ۔	۳۰۷
ماں کی ولایت سے نابالغ کے نکاح کی ایک صورت ۔	۳۰۸
ماموں نے نابالغ بھائی کی موجودگی میں نابالغہ کا نکاح کردیا ۔	۳۰۹
جس گونگی بہری لڑکی کا کوئی ولی نہ ہو اس کا نکاح کس طرح کیا جائے ۔	۳۱۱
اب وجد کے کئے ہوئے نکاح صغیر میں خیار بلوغ نہ ہونے کی دلیل ۔	〃
نابالغہ لڑکی کا غیر کفو میں بلا اجازت اولیاء نکاح باطل ہے ۔	۳۱۳
باپ نے نابالغہ لڑکی کا نکاح کیا بعدہٗ معلوم ہوا کہ لڑکا شرابی اور فاسق ہے ۔	۳۱۴
ولایت نکاح میں حقیقی بہن علاتی اور اخیافی بھائی سے مقدم ہے	۳۱۵
ولی نے نابالغہ کا حق نکاح ماں کو دیا ، ماں نے نکاح کردیا پھر ولی نے بھی کسی اور سے نکاح کردیا ۔	۳۱۵
بالغہ بدون اذن ولی کفو میں مہر مثل سے کم پر اپنا نکاح کرے تو نکاح صحیح ہوگا یا نہیں ۔	۳۱۶
نکاح بالغہ کی ایک صورت کا حکم ۔	۳۱۹
باپ نے ایک جگہ نکاح کی وصیت کی تو ولی دوسری جگہ نکاح کرسکتا ہے ؟	۳۲۲
باپ بالغہ کا نکاح اس کے اذن سے غیر کفو میں کردے تو نکاح ہوجائیگا ۔	〃
ولی خود نابالغہ سے نکاح کرے تو کس کی ولایت سے نکاح ہوگا ۔	۳۲۳
دھوکہ سے غیر کفو میں نکاح ہوگیا تو فسخ نکاح کا حق ہوگا ۔	۳۲۶
بیان الحق والصواب فی مسئلۃ الکفاءۃ بالانساب	۳۲۷

باب الوکالۃ بالنکاح !

مضمون	صفحہ
ولی نے بوقت نکاح عورت کے نام میں غلطی کردی تو نکاح نہیں ہوا ۔	۳۵۰
معتدہ نے کسی کو وکیل بنایا جب اس نے نکاح کروادیا تو کسی اور سے خود نکاح کرلیا ۔	۳۵۱
غیر ولی کی اجازت طلب کرنے پر بالغہ کا سکوت اذن سمجھا جائیگا یا نہیں ؟	۳۵۲
حکم ایجاب وکیل بالفاظ اذن دادہ است ۔	۳۵۴

مضمون	صفحہ

فصل فی الجہاز والمہر

مضمون	صفحہ
زوجہ کے مہر میں جبراً اضافہ کرنا۔	۳۵۴
ناقابلِ جماع عورت کے مہر کا حکم۔	۳۵۵
ولی صغیرہ کے معاف کرنے سے مہر ساقط نہیں ہوتا	۳۵۶
مطالبہ مہر کیواسطے ڈگری کرنا جائز ہے یا نہیں۔	۳۵۷
الزیادۃ فی مہر احدی الزوجتین بعد العقد ھل توجب تسویۃ الاخری فیہا أم لا؟	〃
رضاعی بہن سے لاعلمی میں نکاح ہوجائے تو اس کے مہر کا حکم۔	۳۶۲
مہر کو یکمشت ادا کیا جائے یا قسطوار۔	۳۶۳
حکم منع المرأۃ نفسہا عن زوجہا لقبض المعجل۔	۳۶۴
صحیح مہر معلوم نہ ہو اور وارث کے دعوی پر گواہ نہ ہو تو مہر مثل پر فیصلہ ہوگا۔	۳۶۵
جس کی مہر ادا کرنے کی نیت نہ ہو تو کیا اس کی اولاد کو ولد الحرام کہہ سکتے ہیں۔	۳۶۶
مجلسِ نکاح میں زیادتِ مہر کے لئے دوبارہ نکاح پڑھا گیا تو کونسا مہر واجب ہوگا۔	〃
جو عورت جماع کے قابل نہ ہو اسکے مہر کا حکم۔	۳۶۸
ایضاً ایضاً	۳۷۰
جہیز وغیرہ دینے کا حکم۔	۳۷۱
ادائیگی مہر میں میاں بیوی کے درمیان بعض شرائط کا حکم۔	۳۷۲
مہر مثل کی تحقیق نہ ہوسکے تو کس مہر پر فیصلہ کیا جائے۔	۳۷۳
سقوطِ مہر کے متعلق "بیان القرآن" کی ایک عبارت کی تشریح۔	۳۴۴
عورت مہر کا روپیہ کس کس کام میں لاسکتی ہے۔	〃
مہر مثل کے بارے میں۔	۳۴۵

فصل فی القسم عند تعدد الازواج

مضمون	صفحہ
دن میں بیویوں کے درمیان عدل کرنا واجب نہیں۔	۳۷۷
بیویوں کے درمیان عدل کرنے کے معنی اور فقہاء کے کلام پر ایک اشکال کا جواب۔	〃

مسائل متفرقہ متعلقہ نکاح

مضمون	صفحہ
حضرت حسینؓ اور حضرت شہربانو کے نکاح کی تحقیق۔	۳۷۷
بیوی پر گھر کا کام اور روٹی پکانا واجب ہے یا نہیں؟	۳۷۸
نومسلم اگر بت خانہ جاکر افعالِ شرکیہ کرے تو مسلمان ہے یا نہیں۔	۳۷۹
سالی سے زنا کرنے سے بیوی حرام نہیں ہوتی۔	〃
شوہر اپنی بیوی کو والدین کے گھر سے جبراً لاسکتا ہے۔	۳۸۰
بیوی سے کتنی مدت تک نہ ملنے کی اجازت ہے۔	۳۸۱
کیا عورت کا مرد پر حق ہے کہ وہ اسے رات کو اپنے بستر پر لٹائے۔	〃
خریدی ہوئی آزاد عورت سے بغیر نکاح وطی کا حکم۔	〃
کیا بدون ادائیگی مہر معجل بیوی سے مجامعت درست ہے۔	۳۸۲

مضمون	صفحہ
بیوی کے بعض حقوق کی وضاحت ۔	۳۸۲

کتاب الطلاق

باب ایقاع الطلاق

مضمون	صفحہ
بیوی کو کہا کہ میں نے تجھے صاف دل سے چھوڑ دیا ہے	۳۸۴
"جو تم کو طلاق دے دینے کے" کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی	۳۸۵
انتہائی غصہ کی حالت میں طلاق دینے کا کیا حکم ہے ۔	۳۸۶
شوہر نے طلاق دی مگر یاد نہیں کہ دو دیں یا تین ۔	〃
صیغۂ مضارع سے طلاق دینے کا حکم ۔	۳۸۷
"طلاق دادم" کہنے کے بعد طلاق بائن دی ۔	۳۸۸
عصا سے تین لکیریں کھینچیں اور کہا "ایک دو تین میرے گھر سے چلی جا"	۳۸۹
کابین نامہ کے مطابق طلاق واقع ہو جانے کا حکم	۳۹۱
زوج طلاق کا منکر ہے اور ایک مرد و ایک عورت طلاق کے گواہ ہیں ۔	〃
ازالۃ الاغلاق عن اضافۃ الطلاق ۔	۳۹۲
تفصیل الجواب ۔	۳۹۵
طلاق کے بارے میں زوجین میں اختلاف ہو تو عورت کے قول کا اعتبار ہے ۔	۴۰۲
کابین نامہ میں لکھا کہ دوسرا عقد کروں تو اس پر ایک دو تین طلاق ہو جائیگی پھر اس کی طلاق دیدی	۴۰۳
"مجھ کو تمہاری لڑکی کی ضرورت نہیں" کہنے سے طلاق نہیں ہوتی ۔	۴۰۶
حکم طلاق بلفظ "اگر تجھے نزد تو لایم دشمن خدا گردم تا بعد نکاح تو بر جانم سہ طلاق خواہد شد"	۴۰۶
اگر تو اپنے باپ سے ملے گی یا اپنے باپ کے گھر جائیگی تو تجھ پر طلاق ، اور عورت باپ کے مرنے کے بعد گھر گئی ۔	۴۰۷
اگر تو پانچ سو بیس حدیث نہیں پڑھتی تو تجھے تین طلاق کہنے سے طلاق نہیں ہوگی ۔	۴۰۸
بطور وظیفہ صیغۂ طلاق کہنے سے قضاءً طلاق ہو جاتی ہے ۔	۴۰۹
حکم طلاق ہزل ۔	۴۱۰
طلاق کی ایک صورت کا حکم ۔	۴۱۲
طلاق اور رجعت کی ایک صورت کا حکم ۔	۴۱۳
طلاق کے سوال پر نشد نشد باشد باشد کہنا ۔	۴۱۵
طلاق کا مطالبہ کرنے پر شوہر نے کہا "طلاق دی کی ہے"	۴۱۶
مسئلہ طلاق ۔	۴۱۷
طلاق اور طلقہ وغیرہ الفاظ سے بیوی کو مخاطب کرنا ۔	۴۱۸
طلاق کے مطالبہ پر شوہر نے کہا جا دی ، جا دی ، اسکی بیوی کہتی ہے کہ تین مرتبہ یہ لفظ کہا ۔	۴۱۹
بوقت نکاح یہ طے ہوا کہ شوہر کے کہیں اور چلے جانے کو تین طلاق سمجھی جائیگی اس کے بعد شوہر چلا گیا تو کیا حکم ہے ۔	۴۲۱
بیوی کا نام بدل کر طلاق دینا ۔	۴۲۳
حکم طلاق بلفظ طلاق دیا سمجھو ۔	〃

مضمون	صفحہ
تعیین مسئلہ بہم بزبان عربی۔	۴۳۳
شوہر نے کہا خدا کی قسم میرے ہاتھ کا کھانا کھاؤں تو اپنی ماں سے زنا کروں، اور پھر اس کے ہاتھ کا کھانا کھایا۔	۴۳۸
وقوع طلاق یعنی الفاظ طلاق کا تلفظ شرط ہے۔	〃
حکم طلاق مدہوش وغیرہ۔	۴۴۰
فصل فی الطلاق بالصریح	
طلاق صریح میں نیت کا کوئی اعتبار نہیں۔	۴۴۲
لفظ چھوڑدی سے بغیر نیت کے بھی طلاق صریح واقع ہو جائیگی۔	۴۴۳
"جا تجھے طلاق دیدیا" شوہر نے کئی بار کہا تو کیا حکم ہے۔	۴۴۴
شوہر نے دو مرتبہ کہا "میں نے تجھے آزاد کیا تو میری بہن ہے"۔	〃
"جا تجھ کو چھوڑ دیا" استقبال کی نیت سے کہنے کا حکم۔	۴۴۵
تجھے الطلاق یا آزاد کیا کے الفاظ سے وقوع طلاق کا حکم۔	۴۴۷
مرد نے پوچھا بیوی چھوڑدی، زید نے جواب دیا چھوڑدی۔	۴۴۸
دو طلاق صریح دینے کے بعد شوہر نے کہا کہ فلاں کی لڑکی کو طلاق بائن دیا تو تین طلاقیں ہو گئیں۔	۴۴۹
حکم طلاق بلفظ بہشتم اورا۔	۴۵۰
فصل فی الطلاق بالکنایات	۴۵۲
اس کی ماں کو کہہ دیا کہ دوسری شادی کرلے ہم اس کو نہیں چاہتے، کنایہ کے حکم میں ہے۔	۴۵۳
بیوی کو کہا "تم کو حرام کیا"۔	۴۵۴
شوہر کی نیت کے مطابق ایک طلاق بائن یا تین طلاق کا وقوع ہوگا۔	۴۵۵
شوہر نے کہا "میں تم سے علیحدگی اختیار کرتا ہوں"۔	۴۵۶
میرا اس عورت پر کچھ دعویٰ نہیں، شوہر نے کہا۔	۴۵۷
میں تیرا روادار نہیں، نہ تو میری کچھ لگتی ہے نہ میں تیرا کچھ۔	۴۵۸
طلاق بلفظ "جا نکاح کر" و تفصیل حکم کنایات دیانۃً و قضاءً۔	۴۵۹
"تیرے ساتھ جماع کروں تو ماں بہن سے جماع کروں۔ میں نے تجھ کو چھوڑ دیا تیرا میرا کچھ تعلق نہیں۔"	۴۶۱
شوہر نے بیوی سے کہا "تجھ کو میری طرف سے جواب ہے"۔	۴۶۲
لفظ "صاف جواب ہے" کہنے کا حکم۔	۴۶۳
لفظ حرام سے بلا نیت طلاق بائن واقع ہوتی ہے۔	〃
تو میری زوجیت سے باہر ہے، وہ میرے سے مرگئی میں اس سے مرگیا۔	۴۶۴
تجھ سے کوئی سروکار نہیں، نہ میں شوہر نہ تو بیوی کہنے کا حکم۔	۴۶۵

مضمون	صفحہ
"رنڈی کو مت بلاؤ میرے کام کی نہیں" بلانیت طلاق کہا۔	۴۶۵
لفظ "آزاد ہو" کے کنایہ ہونے اور نہ ہونے کی تحقیق۔	۴۶۷
کنایات میں اگر نیت میں شک ہو تو طلاق نہیں ہوگی۔	۴۷۱
مکرہ نے فرار عن الطلاق کی نیت سے کہا	۴۷۲
"تلا ہے، تلاب ہے، تلاہ ہے"	۴۷۲
میں نے ہندہ کو اجازت دی ہے کہ جس سے چاہے نکاح کرے، مجھ کو کچھ غرض نہیں۔	۴۷۳
حکم بعض الفاظ کنایہ۔	۴۷۴
طلاق بائن کی ایک صورت کا حکم۔	۴۷۵
دو طلاق صریح کے بعد ایک طلاق بائن دینا۔	۴۷۹
طلاق بالکتابت کی ایک صورت۔	۴۸۰
فصل فی تفویض الطلاق	۴۸۱
تفویض طلاق کی ایک صورت اور اسکا حکم۔	۴۸۱
تفویض طلاق میں مجلس علم میں طلاق واقع کرنا شرط ہے	۴۸۲
ایضاً ایضاً ایضاً	۴۸۴
ایضاً ایضاً ایضاً	۴۸۵
ایضاً ایضاً ایضاً	۴۸۷
تفویض طلاق کی ایک صورت۔	۴۸۸
اپنے باپ کو وکیل بالطلاق بنایا، باپ نے اس کے خسر کو اختیار دیدیا تو کیا حکم ہے۔	۴۸۹
اگر میں کسی شرط کے خلاف کروں تو مجھ کو تین طلاق دینے کے لئے اپنا اختیار زوجہ کو سپرد کیا۔	〃

مضمون	صفحہ
تفویض معلق میں عورت کو وقوع طلاق کا اختیار مجلسِ وقوعِ شرط یا مجلس علم بالوقوع تک ہے۔	۴۹۱
نکاح کے بعد عورتوں کو پیش آنیوالے مصائب کا سہل علاج۔	۴۹۳
فصل فی تعلیق الطلاق	۴۹۵
اگر تو اس گھر میں آئی تو تجھے سات طلاق ہیں	۴۹۵
تعلیقِ طلاق کی ایک خاص صورت اور اسکا حکم۔	۴۹۶
تعلیقِ طلاق کی ایک صورت۔	۴۹۷
اگر اس گھر میں جاؤنگی تو طلاق ہوجاویگی۔	۴۹۸
اگر تو اس بات کا تذکرہ کسی سے کریگی تو تجھ پر تین طلاق، اور پھر خود تذکرہ کو کرنیکی اجازت دیدی۔	۵۰۰
اگر اپنے بچہ کو فلاں جگہ پانچ سال تک روانہ کروں تو اسکی ماں پر تین طلاق، پھر بچہ کو خود وہاں لے گیا۔	۵۰۱
اگر تو فلاں سے بات کرے تو تجھ پر تین طلاق، اور بوقتِ ضرورت اجازت دینے کا خیال تھا پھر اجازت دیدی۔	۵۰۳
حالتِ اکراہ میں تعلیق طلاق کا حکم۔	〃
اگر تو زبان درازی کریگی تو تجھ سے تعلق نہ رکھونگا اور کچھ نیت نہیں کی۔	۵۰۹
اگر تو نہ آویگی تو تین طلاق کہنے کا حکم۔	۵۱۰
اگر کسی ایک شرط کی خلاف ورزی کی تو وہ بمنزلہ طلاقِ بائن متصور ہوگی۔	۵۱۱

مضمون	صفحہ
تعلیق طلاق کی ایک صورت ۔	۵۱۳
لفظ طلاق واقع خواہد شد سے تعلیق پر شبہ کا جواب ۔	۵۱۵
تمہارے سوا کسی سے نکاح کروں تو اسکو طلاق ہوگی، بچنے کا حکم ۔	۵۱۶
تعلیق طلاق کی ایک صورت ۔	۵۱۷
اگر فلاں کام کروں تو میں جو نکاح کروں اور جب کروں ، جس سے اسے تین طلاق ، پھر وہ کام کرلیا تو کس حیلہ سے نکاح کرے ۔	۵۲۰
طلاق معلق کے بارے میں ایک فتویٰ ۔	۵۲۳
نکاح سے قبل کابین نامہ میں لکھ دیا کہ اگر تمہارے زندہ رہنے کی حالت میں نکاح کروں تو دوسری مطلقہ ثلاثہ ہو جائیگی، پھر بیوی کو طلاق دے کر دوسرا نکاح کرلیا ۔	۵۲۴
تعلیق کے بعد تنجیز طلاق کا حکم ۔	۵۲۶
تعلیق طلاق کی ایک خاص صورت کا حکم ۔	〃
اگر فلاں کام نہ کروں تو مجھ پر زن طلاق ہے ، بچنے کا حکم ۔	۵۳۰
بیوی کے ہاتھ کے پکائے ہوئے کھانے گیا تھا تعلیق طلاق کی ایک صورت ۔	۵۳۱
طلاق معلق بلفظ "اگر" میں مرۃ واحدہ سے یمین منحل ہو جاتی ہے ۔	۵۳۲
وقوع شرط میں تردد ہو تو طلاق نہ ہوگی ۔	〃
اگر یہ فعل کرونگا تو جو عورت نکاح میں لاؤنگا مجھ پر طلاق ہے ۔	۵۳۳
بیوی کو تین طلاقیں معلق کرنے کا یقین ہے اور شوہر کو عدد میں شک ہے تو کیا حکم ہے ۔	۵۳۴
تعلیق طلاق باواردین کی ایک صورت کا حکم ۔	۵۳۵
تعلیق طلاق کی ایک صورت ۔	۵۳۶
کابین نامہ میں لکھا کہ اگر آپکی زندگی میں دوسرا نکاح کروں تو وہ عورتیں (۱) ، (۲) ، (۳) طلاق ہوئیں ، اگر دوسرے نکاح کی ضرورت ہوئی تو آپ اور آپکے اولیاء سے علیحدہ اذن لے کر کروں گا ۔	۵۳۸
ارتداد سے یمین باطل ہوتی ہے ، تعلیق باطل نہیں ہوتی ۔	۵۴۲
تعلیق طلاق کا ایک مسئلہ ۔	۷۴۳
سسر نے داماد سے لکھوایا کہ اگر تو میرے حکم اور مرضی کے بغیر گھر سے نکلے گا تو میری لڑکی کو تین طلاق ، پھر لڑکا مظالم سے تنگ آکر بلا اذن نکل گیا ۔	۵۵۰
نکاح سے قبل کابین نامہ میں لکھا کہ نکاح قائم رہتے ہوئے اگر بلا اجازت تمہاری دوسرا نکاح کریں تو اسکو طلاق ، پھر ایسا کرلیا ۔	۵۵۱
طلاق معلق سے بچنے کا حیلہ ۔	۵۵۳
حکم تعلیق طلاق زوجۂ ثانیہ بحیات زوجۂ اولیٰ ۔	۵۵۵
شوہر نے واپسی زیور کی رضامندی پر طلاق معلق کی ، بیوی کی رضامندی کے بعد شوہر نے طلاق لکھوا دی ، لیکن بیوی نے زیورات نہیں دیے ۔	۵۵۶

مضمون	صفحہ
فصل فی طلاق المریض والصبی والسکران الخ	۵۵۹
الوشح المتفرش فی حکم طلاق المدہوش۔	۵۵۹
عقل زائل ہونے کی صورت میں طلاق نہیں ہوتی۔	۵۶۵
نابالغ کی طلاق کا حکم۔	۵۶۶
نابالغ نہ خود طلاق دے سکتا ہے، نہ اس کا ولی۔	۵۶۷
حکم تفسیری زوجۂ نابالغ۔	〃
فصل فی الطلاق الثلاث واحکامہ	۵۷۰
مطلقۂ ثلاثہ کا حکم۔	۵۷۰
ایک وقت میں تین طلاقیں دینے سے تینوں واقع ہوگئیں۔	〃
متعدد الفاظ کنایہ استعمال کرنے کے بعد ایک طلاق صریح دی تو تین طلاقیں ہوگئیں۔	۵۷۱
یکبارگی تین طلاق دینے کے حکم کی تحقیق اور اعتراضات کا جواب۔	۵۷۳
لفظ طلاق تین بار کہنے سے طلاق مغلظہ ہوگی۔	۵۸۵
"جا تجھ کو طلاق دی میں نے" پھر کہا "تجھ کو دو طلاق دی"؟	۵۸۶
حکم طلاق ثلاث بدون اضافت۔	〃
تجھ کو آزاد کی اور طلاق دی، تو چلی جا کہنے کا حکم۔	۵۸۷
تجھ کو قطعاً چھوڑ دیا، تو میری بیوی گری سے نکل گئی اور تم کو قطعاً بائیکاٹ کر دیا ہے۔	۵۸۸

مضمون	صفحہ
شوہر نے تین مرتبہ کہا، اگر مجھے مارنے کا اختیار نہیں تو میں نے طلاق دی۔	۵۹۰
طلاق بائن کے بعد تین صریح طلاق اس سے ملحق ہوگی۔	۵۹۱
حکم طلاق ثلاث نابالغہ غیر مدخولہ۔	۵۹۳
ایک دو تین طلاق کہنے کا حکم۔	۵۹۴
دو بیویوں کو کہا "دونوں کو ایک دو تین طلاق دی ہوں"۔	۵۹۶
طلاق مغلظہ کی ایک صورت۔	۵۹۷
یک دو سہ طلاق ہستی سے کتنی طلاقیں ہوں گی۔	۵۹۸
طلاق مغلظہ کی ایک صورت کا حکم۔	۵۹۹
دو بیویوں کو مخاطب کر کے کہا، شمارا یک طلاق، دو طلاق، سہ طلاق دادم۔	۶۰۱
مذاکرۂ طلاق میں کہا، ایک دو تین تو طلاق مغلظہ ہو جائے گی۔	۶۰۲
دو بیویوں کو کہا "اشترا" حکم شمارا طلاق دادم	〃
تم دونوں کو تین طلاق دیدی کہنے کا حکم۔	۶۰۳
مطلقۂ ثلاث کے ارتداد سے طلاق کا حکم باطل نہیں ہوتا۔	۶۰۴
والدہ سے کہا "ماں تیری بہو کو تین طلاق" تو طلاق مغلظہ ہوگی۔	۶۰۵
میں اس کو چھوڑ چکا، وہ میری بیوی نہیں ہے مجھے اس سے کوئی تعلق نہیں، وہ میری طرف سے آزاد ہے، کہنے کا حکم۔	〃

مضمون	صفحہ
"طلاق دی" تین مرتبہ کہا تو باتفاق ائمہ اربعہ طلاق مغلظہ ہو جائیگی۔	٦١٣
حکم الدیانۃ علانات شرذمۃ من الازواج الطلقات الثلاث۔	٦١٥
فصل فی الخلع و احکام الطلاق علی المال	٦٧٦
والدین کے کہنے سے عورت خلع لے سکتی ہے یا نہیں	٦٧٦
بشرط معافی مہر طلاق کی ایک صورت۔	״
شوہر اپنے والد کو وکیل بالخلع بنا کر خلع کرے تو کیا حکم ہے۔	٦٧٧
رسالۃ قطع اللجاج فی بعض احکام الخلع و الطلاق و تعدد الازواج۔	٦٧٩
فصل فی فسخ النکاح عند کون الزوج مفقوداً او عنیناً او متعنتاً فی النفقۃ او مجنوناً	٦٩٠
زوجۂ مجنون کا حکم۔	٦٩٠
ایضاً ایضاً	״
زوجۂ عنین کا حکم اور اسکی عدت و مہر کا بیان	٦٩١
مفقود الخبر پر حکم بالموت کیلئے قضاء قاضی شرط ہے	٦٩٣
ایضاً ایضاً ایضاً	٦٩٥
زوجۂ عنین کا حکم۔	٦٩٧

مضمون	صفحہ
زوجۂ مجنون کا حکم۔	٦٩٩
زوجۂ مفقود کے نکاح ثانی کی ایک صورت کا حکم	״
زوجۂ مفقود کے نکاح ثانی اور واپسی مفقود کی ایک صورت۔	٧٠١
زوجۂ مجنون کا حکم۔	٧٠٢
جس کا شوہر غائب ہو اور نفقہ نہ بھیجتا ہو اس کا نکاح فسخ کرنا۔	٧٠٣
حکم زوجۂ مجنون محبوس مدام۔	٧٠٩
زوجۂ مفقود کے لئے چار سال کی مدت انتظار بعد رفع الی الحاکم سے شمار ہوگی۔	٧١١
حکم زوجۂ مجنون مفقود۔	٧١٥
صورت تفریق زوجۂ عنین۔	٧١٧
تحقیق مذہب مالکیؒ در زوجۂ مفقود و رسالہ "غایۃ المقصود فی نہایۃ المفقود"۔	٧٢٠
حکم زوجۂ مجنون۔	٧٥٨
ایضاً ایضاً	٧٥٩
فصل فی احکام الحرمۃ المصاہرۃ	٧٦١
سوتیلی ماں کے مس کرنے کا حکم	٧٦١
خسر کا اپنی بہو سے زنا کرنے کا حکم۔	٧٦٣
حرمت مصاہرت میں نفی شہوت کی تحقیق اور مس بالشہوت کا حکم۔	٧٦٥
بیٹی سے زنا کیا تو بیوی حرام ہو جائے گی۔	٧٦٨

مضمون	صفحہ
حرمت مصاہرت کی ایک صورت کے متعلق مدرسہ سہارنپور و خانقاہ امدادیہ کا دو مختلف فتویٰ۔	۷۶۹
شوہر اس اقرار کے بعد کہ اس کے باپ نے اس کی بیوی سے زنا کیا ہے، انکار کرے اور عورت بھی مدعیہ زنا ہو۔	۷۷۲
خسر نے شہوت کے ساتھ بہو کا ہاتھ پکڑا تو وہ اپنے شوہر پر حرام ہو جائیگی۔	۷۷۳
حرمت مصاہرت کے متعلق ایک استفتاء۔	۷۷۴
مصاہرت کی ایک خاص صورت کا حکم۔	۷۷۸
حدیث سے حرمت مصاہرت بالزنا کا ثبوت۔	۷۸۱
جبتک مس بالشہوت نہ ہو موجب حرمت نہیں۔	۷۸۲
منہ یا رخسار پر بوسہ لیا تو انکار شہوت معتبر نہیں۔	۷۸۴
مساحقت موجب حرمت مصاہرت ہے یا نہیں۔	۷۸۵
ھل یجوز للمفتی الافتاء بقول الشافعی فی مسئلۃ المصاہرۃ ام لا۔	〃
عورت دو گواہوں کی شہادت کے ساتھ دعویٰ کرے کہ خسر نے اس کے ساتھ زنا کیا ہے، اور شوہر تصدیق نہ کرے۔	۷۸۶
بیوی کی سوتیلی ماں سے زنا کیا تو بیوی حرام نہیں ہوگی۔	۷۸۷
وطی ربیبہ سے بیوی کا حرام ہونا۔	۷۸۸
حرمت مصاہرت کے متعلق چند سوالوں پر مشتمل ایک استفتاء۔	〃
مسئلہ مصاہرت۔	۷۹۰
حسن المعاشرۃ فی تحقیق بعض جزئیات حرمۃ المصاہرۃ	۷۹۳
حکم حرمت مصاہرت از تقبیل فم و معانقہ۔	۸۱۰

فصل فی ارتداد الزوجین او احدھما

مضمون	صفحہ
عورت کا اس شریعت کو نعوذ ابہم سمجھنے کا حکم اور تین طلاق کے بعد ارتداد کا حکم۔	۸۱۲
حکم نکاح مرتدہ کہ بعد ازاں اسلام آوردہ۔	۸۱۴
عورت کے مرتد ہونے سے نکاح فسخ نہیں ہوتا۔	۸۱۶

فصل فی الظہار والایلاء واللعان

مضمون	صفحہ
شوہر نے کہا اگر تیرے ساتھ جیسا کروں تو تیرے پیٹ سے پیدا ہوئے سر کا کے۔	۸۱۸
تمہارے گھر جاؤں تو ماں کے گھر جاؤں کہنے کا حکم۔	〃

باب العدۃ

مضمون	صفحہ
نومسلمہ کی عدت کا حکم۔	۸۱۹
حاملہ کی عدت مطلقاً وضع حمل ہے۔	۸۲۰
زوجۂ عنین مطلقہ غیر مدخولہ پر بوجہ خلوت صحیحہ عدت لازم ہے۔	۸۲۱
مسئلہ ممتدۃ الطہر۔	۸۲۲
رضاع کی وجہ سے حیض بند ہو تو عدت کس طرح شمار ہوگی۔	۸۲۳
خلع کی عدت کتنی ہے	۸۲۴

مضمون	صفحہ
وجوب عدت ثبوتِ نسب کے تابع ہے۔	۸۲۵
مطلقۂ ثلاث بعد از حلالہ مرتد ہوگئی تو مسلمان ہونے کے بعد زوجِ اوّل سے بدونِ عدت نکاح جائز نہیں۔	〃
زنا کی عدت نہیں ہے۔	۸۲۶
فصل فی الحداد	۸۲۶
بغرض دفع غم معتدۂ وفات گھر سے نکلنا درست ہے یا نہیں۔	〃
حکم خروج معتدۂ وفات از خانۂ شوہر بعذر	۸۲۷
ضرورتِ نفقہ کے علاوہ دیگر ضروریات کے لئے معتدۂ وفات کا گھر سے نکلنا۔	۸۲۸
شوہر کے انتقال کے وقت ایک بیوی دوسروں کے گھر میں بغرض عیادت مقیم ہو تو عدت کہاں گذارے۔	〃
باب ثبوت النسب و مدۃ الحمل	۸۳۰
حکم نکاح زنِ مطلقہ کہ حاملہ شدہ و بیانِ نسب ولدِ آں۔	۸۳۰
اکثر مدتِ حمل پر شبہ اور اسکا جواب۔	۸۳۲
زوج کی وفات کے دو سال بعد اور نکاحِ ثانی سے اقل مدتِ حمل سے بچہ پیدا ہوا۔	۸۳۴
حکم نفی نسب بتہمت زنا۔	۸۳۸
ثبوتِ نسب کی ایک صورت کا حکم۔	〃
بدون لعان کے نسب منتفی نہیں ہوسکتا۔	۸۴۱
داشتہ کی اولادِ زنا کا ثابت النسب نہ ہونا۔	〃
زوجِ ثالث کے طلاق دینے کے بعد انقضاءِ عدت سے قبل زوجِ اوّل نے وطی کی اور حمل ٹھہر گیا تو یہ حمل کس سے متصور ہوگا۔	۸۴۲
کتاب الرضاع	۸۴۳
مسئلہ رضاعت کی ایک صورت۔	۸۴۴
جس نے دودھ پیا ہے وہی حرام ہوگا یا سب	〃
رضاعت کی ایک صورت اور اس کا حکم۔	〃
ایضاً ایضاً	〃
رضاعی خالہ سے نکاح حرام ہے۔	۸۴۵
تنہا مرضعہ کی شہادت سے حرمتِ رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔	〃
رضاعت کی ایک صورت۔	۸۴۸
تحقیق اختلاف روایات در باب ثبوتِ رضاع	۸۵۰
مدتِ رضاعت کے بعد دودھ پلانے کا اعتبار نہیں۔	۸۵۱
مسئلہ رضاعت۔	۸۵۲
بیٹے کی اختِ رضاعیہ سے نکاح جائز ہے۔	۸۵۳
پستان سے دودھ نکل کر آٹے میں مل گیا تو اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں۔	〃
رضاع کے متعلق ایک مفصل فتویٰ	۸۵۴
مسئلہ رضاعت۔	۸۶۳

مضمون	صفحہ
رضاعی بھتیجی سے نکاح حرام ہے۔	٨٦٢
تنہا مرضعہ کی شہادت ثبوت رضاعت کے لئے کافی نہیں۔	٨٦٣
رضاعت کا ایک مسئلہ۔	٨٦٤
مسئلہ رضاعت۔	٨٦٥
دو سال سے بڑے بچہ کو دودھ پلانے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔	٨٦٦

باب الحضانۃ

مضمون	صفحہ
نابالغ کے حق ولایت میں دادی، چچیرا اور پھوپھی زاد بھائی میں کون مقدم ہے۔	٨٦٧
حق حضانت اور ولایت نکاح کا ایک مسئلہ۔	٨٦٨
احکام حضانت اور یتیم کے مال میں حاضنہ کے تصرف کا حکم۔	٨٦٩
بچہ کے غیر محرم سے حاضنہ کا نکاح مسقط حق حضانت ہے۔	٨٧٣
سات سال کے لڑکے کی پرورش کا حق ولی عصبہ کو ہے۔	٨٧٥
بالغ ہونے تک لڑکیوں کی پرورش کا حق ماں کو ہے	٨٧٦
باپ، ماں کی خالہ، دادا، دادی میں کون احق بالحضانت ہے۔	٨٧٧
حاضنہ ایام حضانت میں خرچ ہوئی رقم کہاں سے لے۔	٨٧٨
ملازم صغیر بیٹے کے کھانے میں سے ایندھن کے عوض باپ کو کھانا جائز ہے یا نہیں۔	٨٧٩

کتاب النفقات

فصل فی نفقۃ الزوجۃ وسکناہا

مضمون	صفحہ
زوجہ شوہر کی اجازت کے بغیر اسکا مال خرچ نہیں کر سکتی۔	٨٨٠
ناشزہ عورت اپنے نان ونفقہ اور مہر کا مطالبہ کرے۔	″
عورت شوہر کے ساتھ سفر میں جانے سے انکار کردے تب بھی نفقہ واجب ہے۔	٨٨١
ناشزہ مطلقہ کے نان ونفقہ کا شوہر کے ذمہ واجب نہ ہونا۔	٨٨٣
زوجہ اور والدین میں نا اتفاقی کی صورت میں والدین سے علیحدہ رہنا۔	٨٨٤
حکم نفقہ ناشزہ اور کن امور میں زوج کی اطاعت واجب ہے۔	″
زوجہ کے والدین اور اقارب سے ملاقات کی مدت اور اس عرصہ کے نفقہ کا حکم۔	٨٨٥
ایسی دو بیویوں کے نفقہ کا حکم جن میں ایک کی اولاد زیادہ ہو۔	٨٨٧

فصل فی نفقۃ الاولاد والآباء والامہات

مضمون	صفحہ
دوسرے شوہر پر بیوی کی پہلی اولاد کی کفالت شرعاً واجب نہیں۔	٨٨٩

مضمون	صفحہ
حاجتمند باپ کا نفقہ غنی اولاد کے ذمہ واجب ہے	۸۸۹
رسالہ خیر الرشاد فی العدل بین الاولاد	〃

فصل فی نفقۃ ذوی الارحام

مضمون	صفحہ
بہن کے مصارف نکاح باپ و دوسرے بھائیوں سے لے سکتی ہے یا نہیں۔	۸۹۵
چچا کے ذمہ بھتیجے کے نفقہ کا حکم	۸۹۵
یتیم کے مال سے اس کے معلم کو تنخواہ وغیرہ دینا۔	۸۹۶
حکم نفقہ ذوی الارحام۔	۸۹۷

فہرست ختم شد

امداد الاحکام جلد ثانی

امداد الاحکام جلد دوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب الزکوٰۃ

پیشگی زکوٰۃ اگر زائد ادا کردی جائے تو اس کا حکم

سوال (۱) اگر پیشگی زکوٰۃ غلطی سے زائد ادا کر دی جائے تو آئندہ سالوں میں محسوب کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ مثلاً دس ہزار کی مالیت کو اندازہ کر کے سال حال اور ایک سال آئندہ کی زکوٰۃ ادا کر دی، اور بعد میں حساب کے جانچ کرنے سے معلوم ہوا کہ اصل مالیت آٹھ ہی ہزار کی ہے، تو یہ جو دو ہزار سال حال اور دو ہزار سال آئندہ کی جملہ چار ہزار کی زکوٰۃ غلطی سے پیشگی ادا ہو گئی ہے یہ اس کے بعد کے سال میں وضع کی جا سکتی ہے؟

الجواب: وضع کی جا سکتی ہے قال فی العالمگیریۃ: رجل لہ اربعمائۃ درھم فظن ان عندہ خمسمائۃ فادی زکوٰۃ خمسمائۃ ثم علم فلہ ان یحتسب الزیادۃ للسنۃ الثانیۃ اھ (ص ۱۲۳ ج ۱) ۲۶ ربیع الثانی ۴۳ھ۔

وکیل زکوٰۃ کا زکوٰۃ کی رقم میں خیانت کرنا

سوال (۲) ایک شخص کو وکیل بنایا کہ وہ رقم زکوٰۃ اپنی ماں کو دے جاکر دیدے، اس نے درمیان میں خیانت کی کہ کچھ رقم خود صرف کر ڈالی اور کچھ اپنی ماں کو دیدی، وہ شخص خود بھی مصرف زکوٰۃ ہے مگر اس کو وکیل بنایا گیا تھا مالک نہیں بنایا گیا تھا، اس صورت میں زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا بقدر خیانت پھر ادا کرنا پڑے گی؟

الجواب: اگر وکیل خود بھی فقیر ہے جب بھی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، البتہ جس قدر اس نے اپنی ماں کو دیا ہے اس قدر زکوٰۃ ادا ہو گئی، باقی کا ضمان وکیل سے لے سکتے ہیں۔ قال فی الدر: ولو خلط زکوٰۃ موکلیہ ضمن وللوکیل ان یدفع لولدہ الفقیر وزوجتہ لا لنفسہ الا اذا قال ربہا ضعها حیث شئت اھ وقال فی الشامیۃ: وھذا حیث لم یأمرہ بالدفع الی معین اذ لو خالف ففیہ قولان اھ (ص ۱۶ ج ۲) ۲۶ ربیع الثانی ۴۳ھ۔

کسی مسافر کو زادِ راہ کے واسطے کچھ رقم بطور زکوٰۃ دی، اگر وہ مسافر رقم واپس کردے تو کیا زکوٰۃ ادا ہوجائے گی

سوال (۳): ایک مسافر کہ جس نے بطور قرض زادِ راہ مانگا مگر میں نے یہ کہہ کر دیا کہ یہ قرض نہیں ہے تم واپس نہ کرنا اور بہ نیت زکوٰۃ اسے دیدیا اور وہ بحالتِ قیام بھی مصرفِ زکوٰۃ ہے، اب وہ روپیہ واپس کرنا چاہتا ہے، اس صورت میں زکوٰۃ ادا ہوگئی یا نہیں؟

الجواب: ادا ہوگئی۔

(بقیہ سوال) اگر ادا ہوگئی تو اس کا واپس کیا ہوا روپیہ کیا کیا جائے؟

الجواب: بہتر یہ ہے کہ وہ روپیہ واپس نہ لیا جائے، اور اگر لے لیا ہے تو افضل یہ ہے کہ اس کو صدقہ کردیا جائے، اور اگر خود بھی رکھ لیں تو جائز ہے۔

دلیل الجواب: ما ذکروا فی الدر بقوله: وتسقط الزکوٰۃ عن موهوب له فی نصاب مرجوع فیه مطلقا سواء رجع بقضاء او غیره بعد الحول لورود الاستحقاق علی عین الموهوب ولذا لا یرجع بعد هلاکه، قید به رای بقوله عن موهوب له؛ لانه لا زکوٰۃ علی الواهب اتفاقا لعدم الملك اھ قال الشامی: قوله اتفاقا لعدم الملك، لان ملك الواهب انقطع بالهبة واشار بقوله اتفاقا الی ان فی سقوطها عن الموهوب له خلافا لان زفر یقول بعدمه ان رجع الواهب بلا قضاء لانه لما ابطل ملکه باختیاره صار ذلك کهبة جدیدة وکستهلاك، قلنا بل هو غیر مختار لانه لو امتنع عن الرد اجبر بالقضاء فصار کانه هلك، شرح درر البحار اھ ص ۲۵ ج ۲۔ قلت: واما فی الصورة المسئولة فلا شك فی کون رد الموهوب له هبة جدیدة لانه لا جبر علیه من الواهب فیسقط الزکوٰۃ عن الواهب قطعا الا انه ینبغی للواهب ان لا یقبل هذا الرد لما ورد فی الصحیح عن عمر رضی الله عنه انه حمل رجلا علی فرس فی سبیل الله ثم رآه یباع فی السوق فاراد شراءه فنهاه النبی صلی الله علیه وسلم عن ذلك وقال لا تعد فی صدقتك اھ۔ والله اعلم۔

۱۷ رمضان ۳۲ھ

مدیون بدین مہر پر وجوبِ زکوٰۃ کا حکم

سوال (۴): اگر کسی کے ذمہ اب تک دینِ مہر باقی ہے تو اس پر احکام نصاب عائد ہوتے ہیں یا نہیں، درآں حالیکہ علاوہ دینِ مہر سے زیادہ مالیت کے موجود ہوں؟

الجواب: احکام نصاب دو قسم کے ہیں ایک وجوب زکوٰۃ، دوسری جواز اخذ مال زکوٰۃ۔ وجوب زکوٰۃ تو محض عاقلہ کے موجود ہونے سے نہیں ہوتا جب تک چاندی یا سونا بقدر نصاب موجود نہ ہو اور اس پر حولان حول نہ ہو یا مال تجارت نہ ہو، ہاں عاقلہ کی پیداوار پر عشر ہوگا اگر یہ خود کاشت کرتا ہے، پس اگر اس شخص کے پاس چاندی یا سونا یا مال تجارت بقدر نصاب فاضل از حوائج اصلیہ ضروریہ موجود ہو اور اس پر سال بھی گذر جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اور دَین مہر وجوب زکوٰۃ سے اس وقت مانع ہے جبکہ اس رقم کو دَین مہر میں ادا کرنے کی نیت ہو، اور اگر مہر میں ادا کرنے کی نیت نہیں تو زکوٰۃ واجب ہوگی، اور صورت اولیٰ میں بھی قدر مالیت مہر سے زائد رقم میں زکوٰۃ واجب ہوگی اگر وہ نصاب کو پہونچ جائے، اور زکوٰۃ لینے کا جواز اس وقت ہے جبکہ زمین کی آمدنی اس کے اہل وعیال کے نفقہ قوت کو سال بھر کے لئے کافی نہ ہوتی ہو مگر سوال کرنا جائز نہیں، کوئی خود دیدے تو لینا جائز ہوگا، اور اگر آمدنی نفقہ سالانہ کے لئے کافی ہے تو زکوٰۃ کا روپیہ لینا اس شخص کو جائز نہیں، اسی طرح صدقہ فطر و چرم قربانی کا حکم ہے۔ قال فی العالمگیریۃ ولو کان له ضیعة تساوی ثلثة آلاف ولا تخرج ما یکفی له ولعیاله اختلفوا فیه قال محمد بن مقاتل یجوز له اخذ الزکوٰۃ اھ (ص ۲۲ ج ۱) وفیه ذکر البزدوی فی شرح الجامع الکبیر قال مشائخنا رحمهم الله فی رجل علیه مهر مؤجل لامرأته وهو لا یرید اداءه لا یجعل مانعا من الزکوٰۃ لعدم المطالبة به عادة وانه حسن ایضا هکذا فی جواهر الفتاوی اھ (ص ۱۱۳ ج ۱) ۔ ۲۵ رشعبان ۱۳۴۳ھ ۔

مال مخلوط بالحرام پر وجوب زکوٰۃ کا حکم

سوال (۵): ایک شخص ہے جس کو دس ہزار روپے سالانہ آمدنی تو جائز مثلاً زمین کے اناج وغیرہ سے اور پانچ ہزار مشکوک ذرائع سے مثلاً لاٹری و جوا، گھوڑدوڑ کے انعام و رشوت سے آتا ہے، تو کیا یہ شخص اگر اپنے نوکروں کو تنخواہ دے گا، تو ملازم لوگوں کی آمدنی جائز ہے یا کہ نہیں، اور زکوٰۃ اس کو دس ہزار روپے پر دینا چاہئے یا کہ پندرہ ہزار پر جس میں کہ پانچ ہزار مشکوک رقم ہے؟

الجواب: گھوڑدوڑ کے انعام میں جو رقم اس کو ملتی ہے اس کو تو مطلقاً حرام نہیں کہا جا سکتا بلکہ اس کی بعض صورتیں حلال بھی ہیں، البتہ جوا اور سود و رشوت سے جو رقم آتی ہے وہ حرام ہے، اور اس کو اگر جائز آمدنی سے مخلوط نہیں کرتا تو اس پر زکوٰۃ

ہیں بلکہ اصل مالکوں کو واپس کرنا لازم ہے، اور اگر حلال آمدنی سے اس کو مخلوط کر دیا ہے اور دونوں میں تمیز نہیں ہو سکتی تو زکوٰۃ مجموعہ پر فرض ہو گی، اور اصل مالکوں کو مال واپس کرنا بھی لازم ہے، اور ملازموں کو اس حرام آمدنی سے عدم خلط کی حالت میں تنخواہ لینا جائز نہیں اور حلال آمدنی کے ساتھ خلط کی صورت میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے۔

قال فی الدر ولو خلط السلطان المال المغصوب بماله ملکه فتجب فیه الزکوٰۃ ویورث عنه لان الخلط استهلاک اذا لم یمکن تمییزه الخ قال الشامی قوله بماله متعلق بخلط واما لو خلطه بمغصوب آخر فلا زکوٰۃ فیه کما یاتی کرد فی قوله کما لو کان الکل خبیثا اھ (ص ۵ ج ۲) قلت ظهر من ذلك انه لا یملك شیئا بخلط مال القمار والربا ما لم یخلط بماله و قال فی قاضی خان ان کان غالب مال المهدی من الحلال لا باس بان یقبل الهدیة ویاکل ما لم یتبین عنده انه حرام لان اموال الناس لا تخلو عن قلیل حرام فیعتبر الغالب کما مر فی ص۳ من هذا الجزء الملقب بالقول المضبوط رفعة الکلام علی الجواب فی حکم المال المخلوط، قال فی الدر وجاز اخذ دین علی کافر من ثمن خمر لصحة بیعه بخلاف دین علی المسلم لبطلانه الا اذا وکل ذمیا ببیعه فیجوز عنده خلافا لهما وعلی هذا لو مات مسلم وترك ثمن خمر باعه مسلم لا یحل لورثته کما بسطه الزیلعی وفی الاشباه الحرمة تنتقل مع العلم الا للوارث الا اذا علم ربه قلت ومر فی البیع الفاسد لکن فی المجتبی مات وکسبه حرام فالمیراث حلال ثم رمز وقال لا ناخذ بهذه الروایة اھ قال الشامی تحت قوله کما بسطه الزیلعی الخ حیث قال لانه کالمغصوب وقال فی النهایة قال بعض مشائخنا کسب المغنیة کالمغصوب لم یحل اخذه وعلی هذا قالوا لو مات الرجل وکسبه من بیع الباذق او الظلم او اخذ الرشوة یتورع الورثة ولا یاخذون منه شیئا وهو اولی بهم ویردونها علی اربابها ان عرفوهم والا تصدقوا بها لان سبیل الکسب الخبیث التصدق اذا تعذر الرد علی صاحبه اھ وتحت قوله فی الاشباه الخ قال الشیخ عبد الوهاب الشعرانی فی کتاب المنن

وما نقل عن بعض الحنفية من ان الحرام لا يتعدى الى ذمتين سألت عنه الشهاب ابن الشلبي (الحنفي) فقال هو محمول على ما اذا لم يعلم بذلك اما من رأى المكاس يأخذ من احد شيئا من المكس ثم يعطيه آخر ثم يأخذه من ذلك الآخر فهو حرام اه وفي الذخيرة سئل ابو جعفر عمن اكتسب ماله من امر السلطان والغرامات المحرمة وغير ذلك هل يحل لمن عرف ذلك ان يأكل من طعامه قال احب الي في دينه ان لا يأكل ويسعه حكما ان لم يكن غصبا او رشوة اه وفي الخانية امرأة زوجها في ارض الجور اذا اكلت من طعامه ولم يكن عينه غصبا او اشترى طعاما او كسوة من مال اصله ليس بطيب فهي في سعة من ذلك والاثم على الزوج اه حموي تحت قوله وهو حرام مطلقا على الورثة اه اي سواء علموا اربابه اولا فان علموا اربابه ردوه عليهم والا تصدقوا به كما قدمناه آنفا عن الزيلعي اقول ولا يشكل ذلك بما قدمناه آنفا عن الذخيرة والخانية لان الطعام او الكسوة ليس عين المال الحرام فانه اذا اشترى به شيئا يحل اكله على تفصيل تقدم في كتاب الغصب بخلاف ما تركه ميراثا فانه عين المال الحرام وان ملكه بالقبض والخلط عند الامام عه فانه لا يحل له التصرف فيه قبل اداء ضمانه وكذا الوارثه في الديانة لا الحكم فلا يجوز لوصي القاصر التصدق به ويضمنه القاصر اذا بلغ تأمل اه (ص ۳۰۰ ج ۵) وفي الدر في باب الغصب فان غصب وغير المغصوب فزال اسمه واعظم منافعه اي اكثر مقاصده او اختلط المغصوب بملك الغاصب بحيث يمتنع امتيازه كاختلاط بر ببرة او يمكن بحرج كبرة بشعيرة ضمنه وملكه بلا انتفاع قبل اداء ضمانه اي رضا مالكه باداء او ابراء او تضمين قاض و القياس حله وهو رواية فلو غصب طعاما فمضغه حتى صار مستهلكا يبتلعه حلالا في رواية وحراما عه على المعتمد لحرمة الفساد اه قال الشامي

عه قلت هذا مبني على قولهما لا على قوله كما لا يخفى ١٢ منه

عه قلت نعم يفتى بالحرمة في حق الغاصب وهو كاف لحسم مادة الفساد واما في حق غيره فالاشتباه بالحل ارفق لدفع الحرج كما سيأتي ١٢

تحت قوله وهو رواية اي جعلها في الخلاصة وغيرها قول الامام والاستحسان قولهما وفي البزازية وكان الامام نجم الدين النسفي ينكر ان يكون هذا قول الامام ويقول اجمع المحققون من اصحابنا انه لا يملكه الا باحدى الامور الثلثة عـه وقالوا جميعا الفتوى على قولهما اه قلت ما قاله المحققون مخالف لعامة المتون كما مر فتدبر ثم رأيت بعضهم نقل ان العلامة قاسم تعقبه اه (ص ۱۸۴ ج ۵) قلت وقد ذكر الشامي قبل ذلك في (ص ۱۸۶ ج ۵) وما افاده كلامه اي كلام المصنف من ان الملك في المغصوب ثابت قبل اداء الضمان وانما المتوقف على اداء الضمان الحل هو ما في عامة المتون اه ثم رد على صاحب النوازل في توقيفه الملك ايضا عليه وفي الدر في باب البيع الفاسد الحرام ينتقل فلو دخل بامان واخذ مال حربي بلا رضاه و اخرجه الينا ملكه وصح بيعه لكن لا يطيب له ولا للمشتري منه بخلاف البيع الفاسد فانه لا يطيب له لفساد عقده ويطيب للمشتري منه لصحة عقده وفي حظر الاشباه الحرمة تتعدى مع العلم بها الا في حق الوارث وقيده في الظهيرية بان لا يعلم ارباب الاموال وسنحققه ثمه اه قال الشامي وفي منية المفتي مات رجل ويعلم وارثه ان اباه كان يكسب من حيث لا يحل ولكن لا يعلم الطالب بعينه ليرد عليه حل له الارث والافضل ان يتورع ويتصدق بنية خصماء ابيه اه وكذا لا يحل اذا علم عين الغصب مثلا وان لم يعلم مالكه لما في البزازية اخذ مورثه رشوة او ظلما ان علم ذلك بعينه لا يحل له اخذه والا فله اخذه حكما اما في الديانة فيتصدق به بنية ارضاء الخصماء اه والحاصل انه ان علم ارباب الاموال وجب رده عليهم والا فان علم عين الحرام لا يحل له ويتصدق به بنية صاحبه وان كان مالا مختلطا مجتمعا من الحرام ولا يعلم اربابه ولا شيئا منه بعينه حل له حكما والاحسن ديانة

عـه اي بالاداء او الابراء او تضمين قاض قلت ومقتضاه ان لا يجب على الخالط الزكوة بعد الخلط وقد صرح اصحاب المتون بخلافه كما ذكرناه ۱۲ منه

التنزه عنه اه (ص ۱۰۱ ج ۴) قلت ومفاده ان الحرمة انما تتعدى لو اخذوا شيئا بعينه حراما وعلم ربه ولا يحل له اخذه والورع التنزه عنه وهذا هو الذي قلته في الخلط وقريب منه ما في قاضي خان ان كان غالب مال المهدي حلالا لا بأس بان يقبل الهدية ويأكل ما لم يتبين عنده انه حرام لان اموال الناس لا تخلو عن قليل حرام فيعتبر الغالب اه قيل ليس فيه تصريح بالخلط قلت قوله لان اموال الناس لا تخلو عن قليل حرام يشعر بالخلط والاتصال الآن احدا لا يخلو عن كسب حرام والاتفاق بالحكم يدور مع العلة وهي في المسئلة المذكورة دفع الحرج ولا يخفى كثرة اختلاط اموال الناس بقليل حرام وفي الافتاء بحرمة اخذها حرج عظيم فيعتبر الغالب مطلقا سواء كان قليل الحرام مخلوطا او غير مخلوط وفي الدر ولو خلط السلطان المال المغصوب بماله ملكه فتجب الزكوة فيه ويورث عنه لان الخلط استهلاك اذا لم يمكن تمييزه عند ابي حنيفة وقوله ارفق اذ قلما يخلو مال عن غصب اه (ص ۲۹ ج ۲) قلت فيه دلالة على انتفاء الحرمة عن الآخذ لان المال المختلط بالحرام بحيث لا يمكن تمييزه والا فلا رفق بالناس مع بقاء الحرمة وفي الهندية ولا يجوز قبول هدية امراء الجور لان الغالب في مالهم الحرمة الا اذا علم ان اكثر ماله حلال بان كان صاحب زرع او تجارة فلا بأس به لان اموال الناس لا تخلو عن قليل حرام فالمعتبر الغالب وكذا اكل طعامهم كذا في الاختيار (ص ۲۸ ج ۵) وحمله على غير المخلوط بعيد وكيف يقال ان مقتضاه ان اموال الناس الغير المخلوطة لا تخلو عن قليل حرام اي والمخلوطة تخلو عنه كلا فان التفسير بهذا المعنى لا يقبله احد. وفيه ايضا قال الفقيه ابو الليث اختلف الناس في اخذ الجائزة من السلطان قال بعضهم يجوز ما لم يعلم انه يعطيه من حرام قال محمد وبه نأخذ ما لم نعرف شيئا حراما بعينه وهو قول ابي حنيفة واصحابه كذا في الظهيرية وفيه ايضا ولا ينبغي للناس ان يأكلوا من اطعمة الظلمة لتقبيح الامر عليهم وزجرهم عما يرتكبون وان كان يحل كذا في الغرائب اه وفيه ايضا وان فقيرا يأخذ جائزة السلطان

مع علمہ ان السلطان یأخذھا غصبا أیحل لہ قال ان خلط ذلک بدراھم اخری فانہ لا بأس بہ وان دفع عین المغصوب من غیر خلط لم یجز قال الفقیہ و ھذا الجواب خرج علی قیاس قول ابی حنیفۃ لان من اصلہ ان الدراھم المغصوبۃ من اناس متی خلط البعض بالبعض فقد ملکھا الغاصب ووجب علیہ مثل ما غصب وقالا لا یملک تلک الدراھم وھی علی ملک صاحبھا فلا یحل لہ الاخذ کذا فی الحاوی اھ (ص ۲۲۸ ج ۲)۔

وحاصل الکلام ان خلط دراھم الغیر بمالہ بحیث لا یمکن التمییز بینھما سبب الملک عند الامام فیملکہ الغاصب ولا یحل لہ الانتفاع بھا قبل الضمان بالامور الثلثۃ فی روایۃ ویحل قبلہ فی روایۃ والمعتمد فی حق الغاصب الافتاء بالروایۃ الاولی ای لا یجوز لہ الانتفاع بھا قبل الاداء واما فی حق الغیر فینبغی الافتاء لہ بالحل والجواز فی قبول الھدیۃ واکل الطعام والبیع والشراء معہ اذا کان غالب مالہ حلالا ولم یعرف شیئا بعینہ حراما لان اموال الناس لا تخلو عن قلیل حرام فالمعتبر الغالب فی الافتاء بخلاف ذلک حرج عظیم علی الامۃ والحرج مدفوع والمتورع ماجور واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ ۸ ج ۲ سنہ ۳۵ھ

احقر اشرف علی جو ان روایات کے مجموعے سے سمجھا ہے جس سے سب روایات عملاً جمع ہو جاتی ہیں یہ ہے کہ حرام غیر مخلوط تو یقیناً حرام ہے، اور اس میں جہاں حل کا حکم کیا گیا ہے، مراد اس سے حرمت خاصہ کی نفی ہے، یعنی جو حرمت بلک غیر ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے، اور نفی خاص سے نفی عام لازم نہیں، اور مخلوط میں یہ تفصیل ہے کہ جہاں خلط یقینی نہ ہو محض بنا بر عادۃ عامہ مظنون ہو وہاں غالب کا اعتبار ہے، اور جہاں خلط یقینی ہو وہاں خالط کے لئے تو مطلقاً حرام ہے، گو حرام قلیل ہو، اور غیر خالط کے لئے اگر وہ غیر مضطر ہے یعنی بچ سکتا ہے بدون حرج، غلبہ حلال کے وقت قضاءً حلال اور دیانۃً حرام ہے، اور مضطر کے لئے جو بچنے سے حرج میں داخل ہو جائے غلبہ حلال کے وقت گنجائش ہے دیانۃً بھی۔

۹ ج ۲ سنہ ۳۵ھ

حکم ادائے زکوٰۃ بصورت سپردگی بوکیل

سوال (۶) کیا زکوٰۃ دینے والا جب زکوٰۃ کا روپیہ کسی شخص کو تقسیم کرنے کے واسطے دیدے یا بذریعہ منی آرڈر وغیرہ کے بھیجدے، پھر بھی وہ اس بات کا ذمہ دار رہتا ہے کہ جس شخص کو روپیہ تقسیم کرنے کو دیا ہے وہ اس کو مستحق لوگوں کو دے گا، اور جائز مصرف میں صرف کرے گا؟

الجواب: قاعدہ یہ ہے کہ محض وکیل کو دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی جب تک کہ وکیل اس کو مستحقین میں صرف نہ کردے، پس اگر وکیل ثقہ معتبر دیندار ہے جس پر اطمینان ہے کہ وہ مستحقین ہی میں صرف کرے گا غیر مستحقین کو نہ دے گا، اس وکیل کو رقم دیکر مؤکل اپنے کو فرض زکوٰۃ سے سبکدوش سمجھ سکتا ہے، ہاں اگر بعد میں تحقیق سے معلوم ہوا کہ وکیل نے مستحقین کو نہیں دیا بلکہ غیر مستحقین کو دیا ہے اور وکیل بھی دیتے وقت ان کو غیر مستحق جانتا تھا، تو اس صورت میں مؤکل کو زکوٰۃ دوبارہ دینا پڑے گی، لیکن جب وکیل معتبر دیندار ثقہ ہے تو مؤکل کے ذمہ یہ تحقیق واجب نہیں، ہاں اگر بعد میں خود معلوم ہو جائے کہ وکیل نے بے موقع صرف کیا، تو اب آئندہ اس وکیل کو ثقہ نہ سمجھے اور گذشتہ زکوٰۃ جو اس نے بے موقع صرف کی ہے دوبارہ ادا کرے، واللہ اعلم۔ ۲ رجب ۴۵ھ

ادائے زکوٰۃ بلفظ قرض اور عدم نیت رجوع کی ایک صورت کا حکم

سوال (۷) زید نے عمرو سے کہا کہ ہمیں دس روپے قرض دو ہم چند روز میں ادا کر دیں گے، عمرو نے خیال کیا کہ بیچارہ زید غریب ہے اور مستحق زکوٰۃ ہے مگر غیرت مانع ہو رہی ہے، اس نے دس روپے زکوٰۃ کے دیدیئے زکوٰۃ کی نیت سے اور بری الذمہ ہو گیا، مگر سوال یہ ہے کہ زید بعد میں اگر دس روپے لاکر عمرو کو دے کہ بھائی آپ کے دس روپے، تو عمرو کو لینے جائز ہیں یا نہیں؟ جبکہ یہ بھی خطرہ ہو کہ اگر نہ لوں گا تو زید بگڑے گا، اور کہے گا کہ کیا تم نے ہمیں ایسا گمان کیا، اور کوئی سبیل بھی زید کے سمجھانے کی نہ ہو؛ اور اگر جائز ہے تو پھر اس دس روپے کو اور کسی غریب مستحق زکوٰۃ کو دینے ضروری ہوں گے یا کہ عمرو اپنے کام میں لانے جائز ہیں؟

الجواب: اگر زید نے عمرو کو روپے دیتے ہوئے یہ کہہ دیا تھا کہ یہ روپیہ قرض مت سمجھنا، بلکہ تمھاری ملک ہیں تم کو دیے ہی ہیں بلا قرض دیتا ہوں (گو یہ نہ کہا ہو کہ زکوٰۃ دیتا ہوں) تب تو زید سے زکوٰۃ ساقط ہو گئی، اور اس صورت میں عمرو اگر اس کو دس روپے دے گا تو یہ ہبہ مستانفہ ہوگا، اس کا لینا جائز ہے، مگر خلاف اولیٰ ہے،

اور لے لینے کے بعد صدقہ کر دینا بہتر ہے احترازاً عن صورۃ العود فی الصدقۃ، اور اگر زید نے عمرو سے اس کے سوال قرض کے بعد یہ نہیں کہا کہ یہ روپیہ قرض نہیں بلکہ ہبہ ہے تو زکوٰۃ بوجہ نیت زکوٰۃ کے اس صورت میں بھی ادا ہوگئی، لیکن اس رقم کو عمرو سے واپس لینا جائز نہیں کیونکہ اس صورت میں یہ بالکل عود فی الصدقہ ہے، عمرو اس رقم کو اپنے اوپر قرض سمجھ کر واپس کر رہا ہے، اور زید کی نیت قرض دینے کی نہ تھی، تو اب زید کو اس کی واپسی کا کچھ حق نہیں بخلاف صورت اولیٰ کے کہ وہاں عمرو کو بوقت عطا یہ معلوم ہوگیا تھا کہ یہ رقم قرض نہیں، پس صورت ثانیہ میں اگر زید نے اس رقم کو واپس لے لیا تو لازم ہے کہ اس کو پھر کسی حیلہ سے عمرو ہی کو واپس کر دے، ورنہ ادائے زکوٰۃ میں شبہ رہے گا، قال فی الشامیۃ تحت قول الدر وشرط صحۃ ادائہا نیۃ مقارنۃ لہ ای للاداء ومانصہ اشار الی انہ لا اعتبار للتسمیۃ فلو سماہا ہبۃ او قرضا تجزیہ علی الاصح اھ (ص ۱۶ ج ۲)۔ قلت ای وراعی مع تسمیتہ قرضا حقیقۃ معنی التصدق بالنیۃ ولم یرجع علی الفقیر اما لو رجع علیہ بما ادی فالحکم عدم جواز الرجوع لاخذہ ملک الغیر وشبہۃ عدم سقوط الزکوٰۃ عنہ لو رجع علی الفقیر واللہ تعالیٰ اعلم۔

قال الشامی فی مسئلۃ تصادق الدائن والمدیون علی ان لا دین علیہ یستردہ الدافع ولیس للمدیون ان یاخذہ زیلعی اھ ثم قال نقلا عن النہر: ان اطلاق مسئلۃ التصادق محمول علی ما اذا کان الدفع بغیر امر المدیون اما لو کان بامرہ فینبغی ان یرجع علی المدیون الخ قال وہو ملخص من کلام الفتح لکن قولہ فینبغی ان یرجع علی المدیون لیس فی عبارۃ الفتح وہو مبنی فلولا ان ہذا اذا لم ینو بالدفع الزکوٰۃ کما قدمناہ والکلام الآن فیما اذا نواہا وحینئذ لا رجوع لہ ای للدافع علی احد لوقوعہ زکوٰۃ اھ (ص ۱۰۰ ج ۲)۔

زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد اس مال سے کوئی تجارت نہیں کی ویسا ہی پڑا رہا تو دوسرے سال اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

سوال (۸) زکوٰۃ جس مال کی دیدی گئی ہے اور اس مال سے کوئی تجارت وغیرہ نہیں کی وہ بدستور موجود ہے تو اب دوسرے سال آئندہ اس مال پر کیا پھر زکوٰۃ دی جاوے گی یا نہیں؟

الجواب: جب تک یہ رقم مقدار نصاب یا اس سے زائد رہے گی اس وقت تک

ہر سال اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، ہاں جب زکوٰۃ ادا کرتے کرتے مقدارِ نصاب سے کم رہ جائے پھر سال پورا ہونے سے زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، مگر یہ کہ سال پورا ہونے سے پہلے کچھ اور رقم اس میں مل کر نصاب کامل ہو جائے، تو پھر زکوٰۃ واجب ہوگی وعلیٰ ہذا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۵ ذی الحجہ ۴۲ھ

بذریعہ نوٹ زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم

سوال (۹) بدون سیم وزرِ خالص کے نوٹ اور گلٹ کی اکنی دونی چونی اور تانبہ کے پیسہ سے زکوٰۃ ادا ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب: چونکہ نوٹ مال نہیں ہے بلکہ سند ہے مال کی، درحقیقت حوالہ ہے، یعنی سرکار کے ذمہ جو قرض ہے اس کے وصول کرنے کا، اور زکوٰۃ مال کی تملیک سے ادا ہوتی ہے، بدون تملیک مال ادا نہیں ہوتی، اور فقط وصولِ قرض کا وکیل بنانے سے وکیل مالک نہیں ہو جاتا، بلکہ جب وصول کرے اور قبضہ کرلے اس وقت مالک ہوتا ہے، اس لئے نوٹ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، لیکن جس کو زکوٰۃ میں نوٹ دیئے گئے ہیں اگر وہ ان کے بدلے میں کسی سے روپیہ وغیرہ لے لے تو ادا ہو جائے گی، اور اگر اس نے یعنی جس کو زکوٰۃ میں نوٹ دیئے گئے تھے کسی کو قرض یا ادائیگی قرض میں نوٹ ہی دیدیئے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔

فی تنویر الابصار متن الدر المختار هی تملیك جزء مال عینه الشارع الخ اور بعد وکیل بالقبض قبضہ ہونے سے ادائے زکوٰۃ کی روایت صفحہ آئندہ میں درج ہے، باقی اکنی دونی وغیرہ سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے کیونکہ زکوٰۃ خلاف جنس سے ادا کرنا جائز ہے جس چیز پر زکوٰۃ واجب ہے اس کی قیمت کا چالیسواں حصہ ان سکوں سے دیا جاوے، کما فی الشامی ص ۲۲ تحت قول الدر والمعتبر وزنهما اداءً ووجوبًا، واجمعوا علی انه لو ادی من خلاف جنسه اعتبرت القیمة. واللہ اعلم۔ احقر عبدالکریم عفی عنہ ۲ شوال ۴۳ھ

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ ۱۶ شوال ۴۳ھ

کیا منی آرڈر کے ذریعہ زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے؟

سوال (۱۰) ڈاکخانہ کے ذریعہ زکوٰۃ کا روپیہ کسی مستحق کے پاس بھیجنے کی صورت میں جو روپیہ ڈاکخانہ میں داخل کیا جاتا ہے، وہ روپیہ مستحق کو نہیں ملتا بلکہ اس کے عوض میں دوسرا روپیہ ملتا ہے تو اس طرح پر زکوٰۃ ادا ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب: فی الدر المختار وتملیك الدین ممن لیس علیه الدین

باطل (الا) فی ثلاث حوالۃ ووصیۃ و(اذا سلطہ) ای سلط المملک غیر المدیون (علی قبضہ) ای الدین (فیصح حینئذ) ومنہ ما لو وھبت من ابنہا ما علی ابیہ فالمعتمد الصحۃ للتسلیط، وقال الشامی تحت (قولہ علی قبضہ) و حینئذ یصیر وکیلا فی القبض عن الآمر ثم اصیلا فی القبض لنفسہ ومقتضاہ صحۃ عزلہ عن التسلیط قبل القبض واذا قبض بدل الدراھم دنانیر صح لانہ صار الحق للموھوب لہ فملک للاستبدال واذا نوی فی ذلک التصدق بالزکوٰۃ اجزأہ کما فی الاشباہ (شامی ج۲ ص ۹۵)۔

اس میں تصریح ہے کہ اگر کسی شخص کو اپنا قرض وصول کرنے کے لئے کہہ دیا جاوے تو وہ شخص وکیل بالقبض ہو جاتا ہے، اور جب وہ وصول کرے گا تو مؤکل کی طرف سے وکیل اور اپنی طرف سے اصیل ہو کر وصول کرے گا، اور اگر وہ درہم کی جگہ دینار وصول کرلے تب بھی صحیح ہے، پس جب ڈاک خانہ داخل شدہ روپے کو بعینہ نہیں پہنچاتا تو وہ اس کے ذمہ قرض ہو جاتا ہے، اور مرسل الیہ وکیل عن الآمر اور اصیل عن نفسہ ہونے کی حیثیت سے اس کو وصول کرتا ہے، تو وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے اور زکوٰۃ کی نیت روانگی منی آرڈر کے وقت کر چکا تھا، اس لئے زکوٰۃ ادا ہو گئی، دوبارہ یعنی وقت قبض نیت ادائیگی زکوٰۃ کی ضرورت نہیں ہے، (کما ہو مصرح فی قولہ واذا نوی من ذلک التصدق بالزکوٰۃ اجزأہ) واللہ اعلم۔ البتہ اگر ڈاک خانہ سے مرسل الیہ کو نوٹ وصول ہوئے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، بلکہ ان کے بدلہ میں روپیہ وغیرہ جب کسی سے لے گا تب ادا ہوگی، کما مر فی الجواب عن السوال الاول۔ احقر عبد الکریم عفی عنہ ۱۹؍ شوال ۴۳ھ۔ الجواب صحیح۔ ظفر احمد عفا عنہ ۱۶؍ شوال ۴۳ھ

ایک شخص پر کئی سالوں کی زکوٰۃ واجب تھی بعد میں مال ضائع ہو کر وہ مقروض ہو گیا، تو سنین گذشتہ کی زکوٰۃ اس پر واجب رہیگی یا نہیں۔

سوال (۱۱) ایک شخص کے ذمہ پر کئی سال کی زکوٰۃ ادا کرنی واجب تھی، اس شخص نے اپنے مال کو جس کی زکوٰۃ واجب تھی تجارت میں لگایا، تجارت میں نقصان ہوا یعنی خسارہ آیا، اور تجارت کے باعث وہ مقروض ہو گیا، تو اس صورت میں اس شخص کے ذمہ سے زکوٰۃ معاف ہو گئی یا واجب رہی؟ بہشتی زیور کے تیسرے حصہ میں زکوٰۃ کے بیان میں اس طرح لکھا ہے: کسی کے مال پر پورا سال گذر گیا، لیکن ابھی زکوٰۃ نہیں نکالی تھی کہ سارا مال چوری ہو گیا، یا اور کسی طرح جاتا رہا، تو زکوٰۃ بھی معاف ہو گئی،

زکوٰۃ کے بیان کے ختم کے دو مسئلوں سے پیشتر مسئلہ ہے۔

الجواب: فی الدر المختار والتوی بعد القبض والاعارة واستبدال مال التجارة بمال التجارة هلاک ویجبر مال التجارة وان تلف ثمنه بالتلف ثمه استهلاک. وفی الشامی تحت قوله (ویجبر مال التجارة الخ) فمه وحکم النقود مثل مال التجارة فی الفتح رجل له الف حال حولها فاشتری بها عبدا للتجارة فمات او عروض التجارة فهلکت بطلت عنه زکوٰة الالف ولو کان العبد للخدمة لم تسقط بموته وتمامه فیه (ص ۲۳ ج ۲)۔

اس سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں یعنی جب کہ اپنے مال کو تجارت میں لگایا جس میں زکوٰۃ واجب تھی اور اس تجارت میں خسارہ ہوا تو زکوٰۃ ساقط ہوگئی البتہ اگر تجارت میں بیع و شراء غبن فاحش کے ساتھ کی ہو تو غبن کی مقدار ساقط نہ ہوگی، کما فی الشامی: (ص ۲۳ ج ۲) عن البدائع وان حابی بما لا یتغابن فیه ضمن قدر زکوٰة المحاباة الخ

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ ۲۶ رجب ۴۴ھ الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ ۲۹ رجب ۴۴ھ

ایک شخص اس واسطے محتاج کو ماہوار دیتا ہو شعبان اور رمضان کے مہینہ میں اگر زکوٰۃ کی نیت کرے تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں

سوال (۲): ایک محتاج شخص کو عمرو پانچ روپیہ ماہوار بلا کسی محنت و خدمت کے بدلہ دیا کرتا ہے، عمرو پر دس روپیہ زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، ماہ شعبان و رمضان شریف میں پانچ روپے دیتے وقت ادائیگی زکوٰۃ کی نیت کر لیتا ہے کیا اس صورت سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

الجواب: ہاں زکوٰۃ ادا ہو جائے گی: زکوٰۃ دینے کے لئے زبان سے کہنا ضروری نہیں کہ یہ رقم زکوٰۃ کی ہے، واللہ اعلم۔ ۱۱ شعبان ۴۳ھ

نوٹ سے زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم

سوال (۳): ۱ زکوٰۃ یا عشر ادا کرنے کے لئے نوٹ اگر فقیر کو دیا جائے تو زکوٰۃ یا عشر ادا ہو جائے گا یا نہیں؟

۲ اگر نوٹ زکوٰۃ میں دینا جائز نہیں تو جو لاعلمی کی وجہ سے زکوٰۃ میں نوٹ دئے جا چکے ہیں جن کی تعداد بھی معلوم اور یاد نہیں اس کا کیا حکم ہے، وہ زکوٰۃ یا عشر ادا ہوا یا نہیں؟

الجواب: اصل یہ ہے کہ نوٹ خود مال نہیں ہے بلکہ سند مال ہے، اس لئے اس کے دینے سے زکوٰۃ اس وقت تک ادا نہ ہوگی جب تک فقیر اس کو بھنا کر اس کی رقم پر

قبضہ نہ کرے یا اس سے کوئی شے خرید کر اس شے پر قبضہ نہ کرے، اگر اس نوٹ کو بھنا کر روپیہ پر قبضہ نہ کیا اور نہ اس سے کوئی شے خرید کر قبضہ میں کی بلکہ بعینہ وہی نوٹ کسی کو اپنے قرضہ میں دیدیا یا نوٹ اس کے پاس سے گم ہو گیا یا وہ اس نے کسی کو ہبہ کر دیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی کیونکہ فقیر کے قبضہ میں مال نہیں پہنچا۔

۲۔ گذشتہ کے متعلق دو صورتیں ہیں، ایک تو تحقیق: کہ جس قدر بدون تعب شدید کے تحقیق ہو سکے، دریافت کر کے معلوم کیا جائے کہ جن لوگوں کو زکوٰۃ میں نوٹ دیا گیا تھا انھوں نے اس کو کس طرح صرف کیا، دوسرے تحری: کہ جس مقدار کے متعلق تحقیق دشوار ہو اس کے متعلق یہ سوچا جائے کہ عادۃً اتنے آدمیوں میں جن کو ہم نے نوٹ دیئے ہیں ایسے آدمی کتنے ہوں گے جنھوں نے نوٹ کو ہم سے لیتے ہی اپنے قرضہ میں دیدیا ہوگا یا ضائع کر دیا ہوگا یا کسی کو ہبہ کر دیا ہوگا، اس کو سوچا جائے، اندازہ سے اگر کوئی مقدار ذہن میں آئے تو جو مقدار راجح اور غالب ہو اس کے موافق زکوٰۃ کا اعادہ کر دیا جائے، اور اس اندازہ میں دو چار احباب سے امداد لینے کا مضائقہ نہیں۔ واللہ اعلم۔ ۲۰ر رمضان شریف سنہ ۴۵ھ

حکم زکوٰۃ بر منافع کارخانہ **سوال** (۱۳) میرے یہاں جو کارخانہ ہے اس میں ہڈی کی پسائی ہوتی ہے اور چکی سے آٹا پیسا جاتا ہے، ہڈی کی فروختگی پر اور چکی کی پسائی پر زکوٰۃ پوری قیمت ہڈی اور پوری قیمت چکی کی پسائی پر ہوگی یا قیمت خرید ہڈی اور خرچ تیل اور تنخواہ ملازماں غرضکہ کل اخراجات مجری ہو کر منافع پر ہوگی؟ جواب سے مطلع فرمایا جاوے۔ خاکسار حسین علی عفی عنہ

الجواب: ہڈی کی فروختگی پر زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ یہ ہو کہ زکوٰۃ ختم سال سے پہلے واجب نہیں ہوتی، حولان حول (سال تمام) ہونے پر واجب ہوتی ہے، پس سال تمام ہونے کے بعد دیکھا جاوے کہ اس وقت کتنا مال موجود ہے، اور کتنی رقم موجود اور کتنے لوگوں کے ذمہ چکی کی ہوتی ہے، پس ختم سال پر جتنی ہڈی موجود ہو اور جتنی رقم باقی ہو اس پر زکوٰۃ واجب ہے، اور اس کا چالیسواں حصہ نکال دیا جاوے، اور درمیان سال میں جتنی رقم تنخواہ ملازماں اور صرفہ تیل وغیرہ میں خرچ ہو چکی یا جو اپنی ذاتی ضروریات میں صرف ہو گئی یا قرضہ میں دی گئی اس پر زکوٰۃ نہیں، زکوٰۃ صرف اس سرمایہ پر ہے جو اس دن موجود ہو جس دن سال ختم ہوا اور اس کے ساتھ وہ رقم بھی ملائی جائے گی جو کارخانہ کے منافع سے جمع ہوا یا خریداروں کے ذمہ قرض ہوا اور پسائی آٹا میں جو کم آتا ہے وعلیٰ

دوسروں کا ہوتا ہے، اپنا سرمایہ نہیں ہوتا، اس میں زکوٰۃ کی صورت یہ ہے کہ ختم سال پر پسائی آٹا کی جو رقم موجود ہو یا پسوانے والوں کے ذمہ ہو اُس کا چالیسواں حصہ نکال دیا جائے اور جو رقم خرچ ہوگئی اس پر زکوٰۃ نہیں۔

یہ جواب حضرت مولانا کا فرمودہ ہے، والسلام۔ ۱۷ رجب سنہ ۴۶ھ

امانتِ زکوٰۃ بطور قرض دینے کا حکم

سوال (۱۵) زید کے پاس بکر کے زکوٰۃ کے روپے ہیں، اور اس کو زکوٰۃ کی ادائیگی کا وکیل بنایا ہے، چنانچہ حسبِ موقع و محل اُس زکوٰۃ کی امانت کو فقراء و مساکین پر تقسیم کرتا ہے، اور کبھی کوئی حاجت مند اگر قرض مانگتا ہے تو قرض کی نیت سے اس کو دیدیتا ہے، اور واپسی پر پھر اس روپیہ کو زکوٰۃ کے مد میں رکھ دیتا ہے، اور اس قرض کے ثواب کو بھی بکر کو بخش دیتا ہے، چونکہ زید کو معلوم ہے کہ بکر میرے اس تصرف کو بخوشی اجازت دیدے گا، اس لئے ایسا کرتا ہے، تو ایسی صورت میں یہ تصرفِ اقراض زکوٰۃ کے روپے میں جائز ہے یا نہیں، یا صریح اجازت کی ضرورت ہوگی؟ ایسے تصرف کے بعد تدارک کی کیا صورت ہوگی، آیا بکر کو اطلاع دینا کافی ہوگا؟

الجواب: زکوٰۃ کی رقم کو بمدِ قرض استعمال کرنا چونکہ غرضِ معطی کے خلاف ہے اس لئے اس کا ایک ثمرہ تو یہ ہوگا کہ درصورتِ ضیاعِ رقم کے وکیل قرض دینے کی صورت میں اس رقم کا ضامن ہوگا، اور اگر وہ قرض نہ دیتا بلکہ اس رقم کو بجنسہٖ محفوظ رکھتا تو ضامن نہ ہوتا، دوسرے اس میں احتیاط کے بھی خلاف ہے، کہ بدون صریح اجازت مؤکّل کے اس کے خلاف تصرّف کیا جائے، پس لازم ہے کہ وکیل ماضی و مستقبل دونوں کے متعلق مؤکّل کو اطلاع کرے، اور اجازت حاصل کرے، اور جب بکر کو معلوم ہے کہ زید اُس کے اس تصرّف کو بخوشی قبول کرے گا تو اطلاع کرنے میں کیا حرج ہے، واللہ اعلم ۱۲ شعبان سنہ ۴۶ھ

ختم سال پر جتنی رقم ہو سب پر زکوٰۃ واجب ہوگی

سوال (۱۶) بندہ صاحبِ نصاب تمام سال رہا، اور بندہ زکوٰۃ کا حساب ہر سال ۲۸ رشعبان کو کرتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ بندہ نے اپنی زمین اجارہ پر ۸ ر ذیقعدہ میں بعوض مبلغ ۵۰۰ پانچسو روپے دی اور یہ وعدہ جانبین سے ہوا کہ فصل کٹنے کے بعد یعنی آئندہ ذیقعدہ میں مبلغ ۵۰۰ روپے دوں گا، کیونکہ ہمارے یہاں اسی طرح اجارہ پر دیتے ہیں، اس مدت سے قبل نہ میں مانگ سکتا ہوں نہ وہ دیتا ہے، اب جبکہ بندہ ۲۸ رشعبان کو زکوٰۃ کا حساب کرے گا، تو جس قدر روپیہ زیور ہونگے اس کے

ساتھ اجارہ کی اجرت کے روپے پانچ سو کی بھی زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں ؟

الجواب ؛ ختم سال پر زکوٰۃ اسی رقم کی واجب ہوتی ہے جو ختم سال پر اُس شخص کے پاس ہو، اور دینِ قوی پر زکوٰۃ واجب ہے، مگر بعد وصول کم از کم چالیسؔ درہم کے ادا واجب ہوتی ہے، اور دین مؤجل جس کی اجل ختم سال سے متجاوز ہو اس کے مطالبہ کا قبل از اجل حق نہیں نہ اُس پر قبضہ ہے، اس لئے وہ اس رقم کے ساتھ شمار کرنا واجب نہیں جس کی زکوٰۃ ختمِ سال پر واجب الادا ہے، لیکن اس رقم کی زکوٰۃ بھی قبل از وصول دیدی جاوے تو ادا ہوجائے گی، اور اسی میں سہولت ہو، ورنہ بعد وصول کے ادا کرنا واجب ہے۔

۳۰ ر رمضان المبارک سنہ ۴۶ھ

دَینِ محیط مانعِ وجوبِ زکوٰۃ ہے

سوال (۱۷) میری جائداد تقریباً ڈیڑھ ہزار کی ہے، اس پر بارہ سو روپے قرضہ ہو، اور جائداد میں اپنی دخلی رہن کرچکا ہوں، اس کا منافع مجھے کچھ نہیں ملتا، اور سود بھی دینا نہیں پڑتا، میرے پاس تقریباً چار سو ساڑھے چار سو روپیہ کا زیور طلائی ونقرئی ہے، ایسی صورت میں مجھ پر زکوٰۃ واجب ہو یا نہیں ؟

الجواب ؛ صورتِ مسئولہ میں قرض کی وجہ سے زیور پر زکوٰۃ واجب نہیں، قال فی الدر مع الشامیۃ یصرف الدین اولا الی مال الزکوٰۃ لا الی غیرہ ولو من جنس الدین خلافا لزفرؒ اھ واللہ اعلم۔ ۲۵ ر شوال سنہ ۴۷ھ

پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ کا مسئلہ

سوال (۱۸) زید محکمہ تعلیم میں ملازم ہے، اس کے ایک نابالغ لڑکی ہے، جس کی ماں مرچکی ہے، زید نے مرتے وقت لڑکی کی ماں سے مہر معاف کرایا تھا، بعد میں حساب کرکے جملہ حقداروں کو مہر دیا گیا، چونکہ لڑکی کے حصہ کا مہر زیادہ تھا اور زید کی طاقت سے باہر تھا، کہ ایک دم سے ادا کرسکے، لہٰذا اس نے ایک ماہوار رقم کے ذریعہ سے ادا کرنے کا ارادہ کیا، پھر یہ خیال کرکے کہ روپے کی کافی حفاظت نہ ہوسکے گی اس نے اپنی تنخواہ سے پراویڈنٹ فنڈ کٹوانا شروع کردیا، یعنی وہ ماہوار رقم جو سرکار ہر ماہ میں تنخواہ سے کاٹ لیتی ہے، اور اس پر سود دیتی ہے، اور سرکار میں لکھ دیا کہ اگر زید کی موت واقع ہوجائے تو یہ کُل رقم جو جمع ہو زید کی لڑکی کو دی جائے، اور اگر لڑکی اُس وقت بھی نابالغ ہو تو ولی کے ذریعہ سے دی جاوے، چنانچہ اب وہ رقم ماہ بماہ جمع ہوتے ہوتے ایک خاصی تعداد میں ہوچکی ہے، مگر ابھی بہت دنوں تک اسی طرح

جمع ہونا چاہئے، لیکن سال سے یہ رقم جمع ہو رہی ہے، اور سود اور اصل دونوں مل کر اس کا ماہ بماہ اضافہ ہو رہا ہے، اب تک یہ خیال نہ کیا گیا، مگر اب یکایک خیال آیا کہ زکوٰۃ نہیں دی گئی، لہٰذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ زکوٰۃ اس مال پر واجب ہے یا نہیں، اور یہ کہ اصل ہی پر زکوٰۃ ہوگی یا سود اور اصل دونوں پر، اگر زکوٰۃ واجب ہو تو اس کا طریقہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہو کہ آئندہ جو رقم ماہوار جمع ہوتی ہے اس میں سے زکوٰۃ بھر کے کاٹ نکال کر زکوٰۃ ادا کر دی جائے اور بقیہ جمع کر دیا جائے، کیونکہ جو روپیہ جمع ہو چکا ہے اس میں سے واپس ملنا فی الحال بہت مشکل ہے یا اگر کوئی اور طریقہ ادائیگی کا ہو تو اس سے مطلع کیا جائے، زید یہ بھی سمجھتا ہے کہ جو کچھ اصل روپیہ جمع ہو رہا ہے اتنا ہی مہر کے قرضہ سے وضع ہو رہا ہے، باقی جو سود ملتا ہے وہ نابالغ کے مال پر ہے، وہ مہر کے قرضہ میں وضع نہیں ہو سکتا، کیا زید کا یہ خیال صحیح ہے، جواب باصواب سے مطلع فرمایا جاوے؟

الجواب: صورت مسئولہ میں یہ رقم ابھی زید کی ملک میں نہیں آئی، اس لئے ابھی ادائے زکوٰۃ واجب نہیں، ہاں یہ رقم چونکہ گورنمنٹ کے ذمہ دین ہے، اور یہ دین ضعیف ہے اس لئے ادائے زکوٰۃ بعد قبضِ مال و حولانِ حول کے واجب ہوگا، ہاں اگر مال پر زید نے اپنی زندگی ہی میں قبضہ کر لیا اور وقت قبضہ کے اس کے پاس پہلے سے نصاب موجود ہو تو اس کے ساتھ ملا کر سب کی زکوٰۃ دیدے، یعنی جس وقت نصاب سابق کا سال پورا ہوا اسی وقت اس رقم کی بھی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے، اور اگر زندگی میں قبضہ نہ ہوا تو زید کے ذمہ اس کے متعلق وصیت کرنا لازم نہیں اور نہ وارث کے ذمہ گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ ہے،

قال الشامي مقتضى ما مر من ان الدين القوي والمتوسط لا يجب اداء زكوته الا بعد القبض ان المورث لو مات بعد سنين قبل قبضه لا يلزمه الايصاء باخراج الزكوة عند قبضه لانه لم يجب عليه الاداء في حياته اى فكان كما اذا مات قبل الحول اھ ولا على الوارث ايضا لانه لا يملكه الا بعد موت مورثه فابتداء الحول من وقت الموت وفيه ايضا عن المحيط ان اجرة دار التجارة او عبد التجارة على الرواية الاولى من الدين الضعيف لان المنفعة ليست بمال حقيقة فصارت كالمهر، وعلى ظاهر الرواية من المتوسط لان المنافع مال حقيقة لكنها ليست بمحل لوجوب الزكوة لانها لا تصلح

نصاباً اولا تبقی ستۃ؛ ووقع فی البحر عن الفتح انہ کالقوی فی صحیح الروایۃ ثم رأیت فی الولوالجیۃ التصریح بان فیہ ثلاث روایات اھ (ص ۵۰۰ ج ۲)۔

قلت: وھذا انما ھو فی اجرۃ دار التجارۃ وعبد التجارۃ واما اجرۃ العقار فینبغی ان تکون کالمھر بلا خلاف لان منافع العقار لیست بمال حقیقۃ وعلی ھذا فھی من الضعیف لا تجب فیہ الاداء الا بعد القبض وحولان الحول ....

واللہ اعلم۔

تتمہ: اور اس رقم میں جو بطور قرض کے وضع کرائی گئی ہے بعد وصول کے صرف اصل تنخواہ پر زکوٰۃ واجب ہے، اور سود کی رقم کو بتمامہ صدقہ کر دیا جاوے، اور یہ تصدق زید پر واجب ہے، لڑکی پر واجب نہیں، جبکہ اس کے قرض میں اصل اور سود کو ملا کر دیا جاتا ہے، فقط۔ ۴ ذیقعدہ سنہ ۴۳ھ

نابالغ کے نکاح میں والدین نے زوجہ کو زیور چڑھایا، بلوغ کے دس بارہ سال بعد انہوں نے کہا کہ زیور ہم تمہیں ہبہ کر چکے ہیں تو اس کی زکوٰۃ کب سے واجب ہوگی، زمانۂ بلوغ سے یا علم بالہبہ سے

سوال (۱۰) زید نابالغ کا نکاح ہوا، اس کے والدین نے بیوی کو زیور چڑھایا، بعدہٗ زید بالغ ہوا اور بلوغت سے دس بارہ سال کے بعد والدین سے یہ کہا کہ میں علیحدہ ہوتا ہوں، اور یہ زیور جو تم نے میری زوجہ کو دیا تھا واپس لیلو، والدین نے کہا کہ یہ زیور تو ہم تمہیں ہبہ کر چکے ہیں، چڑھانے کے ہی وقت سے، مگر زید کو اس ہبہ کا علم نہ تھا، صورت ہذا میں زید پر زکوٰۃ اس وقت سے ہے کہ جب سے اُسے ہبہ کا علم ہوا ہے، یا اُس وقت سے جبکہ والدین نے زیور چڑھایا ہے، اور بے علمی کے زمانے کی قربانی کی قضا ہے یا نہیں، زید کے والدین اپنے مال سے کبھی کبھی زید کی طرف سے قربانی کرتے تھے، اگر زید پر قربانی واجب ہوئی ہو تو یہ قربانی جو والدین زید کی طرف سے کرتے تھے زید کی قضاء قربانی میں مجری ہو سکتی ہے یا نہیں، اگر قربانی واجب ہوئی تو ہر سال کتنے دام نکالنے چاہئیں؟

الجواب: زید پر اس زیور کی زکوٰۃ وقت بلوغ سے ہے، زمانۂ قبل بلوغ کی زکوٰۃ واجب نہیں، اور وہ بھی اس شرط پر واجب ہے کہ زید والدین کے قول کو سچا سمجھتا ہو اور اگر گمان غالب یہ ہو کہ اس وقت انہوں نے مجھے شرما کر یا اور کسی وجہ سے یہ بات کہدی ہے تو زید پر اس زیور کی زکوٰۃ اُس وقت سے واجب ہے جس وقت سے اس کو ہبہ کا علم ہوا،

خود سے معلوم ہو، اس لئے زید بلا وجہ والدین پر بدگمانی نہ کرے، ہاں اگر واقعی کسی وجہ سے گمان غالب ان کے قول کے خلاف ہو جاوے تو گمان غالب پر عمل کرنا جائز ہے، اور یہی حکم تفصیل کے ساتھ قربانی کا ہے، اور قربانی کی قضا متوسط بکری کی قیمت صدقہ کرنے سے ہوتی ہے، ہمارے یہاں تو پانچ چھ روپے متوسط بکری کی قیمت ہے، زید اپنے یہاں کا نرخ بھی دیکھ لے اگر اس کے یہاں اس سے کم یا زائد ہو تو اسی جگہ کا نرخ معتبر ہے، پس ہر سال کی طرف سے ایک متوسط بکری کی قیمت مساکین وغرباء کو صدقہ کر دی جائے، اور صدقہ میں اپنے خاندان کے غرباء کو مقدم کرنا چاہئے، نانا، نانی، دادا، دادی، باپ، ماں، اولاد، میاں بیوی کے سوا اور سب قرابت داروں کو زکوٰۃ وغیرہ دینا جائز ہے، واللہ اعلم، ۱ر رمضان ۴۲ھ

موٹر اگر تجارت کے لئے نہ ہو اس پر زکوٰۃ نہیں البتہ اس کے حاصل شدہ کرایہ پر زکوٰۃ واجب ہوگی

سوال (۳۰) زید کے پاس تعداد کی چار ہزار روپیہ نقد ہے، جس میں سے اس نے دو ہزار دے کر مبلغ چار ہزار روپیہ کا موٹر کرایہ پر چلانے کے واسطے خرید لیا، اور کمپنی کا دو ہزار روپیہ اس پر قرض رہا، خریدنے کے بعد پانچ مہینہ موٹر چلا اور بذریعہ کرایہ مبلغ پانچ سو روپیہ وصول ہوا، اب زید کا زکوٰۃ نکالنے کا سال پورا ہو گیا، اور حال یہ ہے کہ زید دو ہزار روپیہ موٹر کی قیمت میں دے چکا ہے اور دو ہزار نقد پاس موجود ہیں، مگر دو ہی ہزار کا کمپنی کا قرضہ ہے اور مبلغ پانچسو روپیہ منافع موٹر کا موجود ہے۔ تو اب کمپنی کے قرض کو علیحدہ کر کے صرف پانچسو جو منافع موٹر کے ہیں ان کی زکوٰۃ ادا کرے، یا دو ہزار جو گھر میں ہیں ان کو بھی ملا کر زکوٰۃ دے، یا اس منافع اور ان دو ہزار کو جو گھر میں ہیں اور ان دو ہزار کو جو قیمت موٹر میں دے چکا یعنی کل ساڑھے چار ہزار کی زکوٰۃ نکالے، ہر سہ صورت میں کون صورت اختیار کرے، اور یہ موٹر مال تجارت مانا جائے گا یا آلہ تجارت؟ بینوا توجروا، فقط۔

الجواب: زید کے ذمہ صرف پانچسو روپے کی زکوٰۃ واجب ہے جو منافع میں وصول ہوئے، موٹر پر اور دو ہزار جمع پر زکوٰۃ واجب نہیں، یہ موٹر مال تجارت نہیں بلکہ مثل مکان کرایہ کے ہے، ولا زکوٰۃ فیہ الا فی منافعہ، اور دو ہزار جمع فاضل عن الدین نہیں، فلا زکوٰۃ فیہ ایضاً، واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۳ر رمضان ۴۲ھ

بیوی صاحب نصاب ہو تو زکوٰۃ وقربانی اسی پر واجب ہوگی، شوہر پر واجب نہیں اور یہ کہ بیوی کو شوہر کی خدمت کا معاوضہ لینا جائز نہیں

سوال (۳۱) کسی عورت کو مہر کے عوض شوہر کے

چاندی یا سونے کے زیورات ملے، اس کے سوا اور کچھ مال اس کے پاس نہیں، اب اس پر زکوٰۃ و قربانی واجب ہے تو کیونکر ادا کرے، کیا زیورات بیچ کر دے گی یا اس کے شوہر کو اپنی بیوی کی طرف سے ادا کرنا لازم ہوگا، کیونکہ عورت مرد کے لئے ایک نوکرنی کا کام بھی انجام دیتی ہے، لیکن اجرت کے لئے کوئی عقد نہیں، یوں ہی شوہر کی رضاجوئی کے لئے اپنے غیر متعلق کام تک کو بھی انجام دیتی ہے، اس صورت میں اگر شوہر اپنی بیوی کی طرف سے زکوٰۃ یا قربانی نہ دے تو مواخذہ عورت پر ہوگا یا مرد پر؟

الجواب: زکوٰۃ و قربانی عورت پر واجب ہے، اس کی طرف سے مرد پر ادا کرنا واجب نہیں، اور عورت کو شوہر سے اپنی خدمت کا معاوضہ لینا بھی جائز نہیں، کیونکہ خدمت زوج طاعت ہے اور طاعت کی اجرت لینا حرام ہے، الاما استثناہ الفقہاء للضرورۃ البتہ عورت اپنے مہر کا زوج سے مطالبہ کر سکتی ہے، اگر مرد مہر بھی نہ دے تو عورت زیور بیچ کر زکوٰۃ و قربانی ادا کرے، فقط۔ ۲۹ ربیع الآخر ۴۸ھ

زکوٰۃ یکمشت کے بجائے سال بھر میں تھوڑی تھوڑی ادا کرنا

سوال (۲۲) زید صاحب نصاب ہے اور بجائے سال تمام پر حساب کر کے کل رقم زکوٰۃ یکمشت ادا کرنے کے دوران سال میں اپنی سہولت کے لئے وقتاً فوقتاً تھوڑی تھوڑی رقم علی الحساب شروع سال سے ادا کرتا رہتا ہے، ختم سال پر حساب سے اگر کمی رہتی ہے تو اس کو پورا کر دیتا ہے، اور اگر زیادتی ہو جاتی ہے تو اس کو آئندہ سال کی زکوٰۃ کی ادائیگی میں درج کر لیتا ہے، اور ختم سال پہ حساب کے وقت اس پچھلی زیادتی کو اس سال کی ادائیگی میں شمار کر لیتا ہے، اسی طرح آئندہ بھی، دریافت طلب یہ ہے کہ یہ عمل شرعاً جائز ہے یا نہیں اور زکوٰۃ ادا ہوتی یا نہیں؟

الجواب: یہ صورت بھی جائز ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ سال تمام پر اس سال کی کل زائد زکوٰۃ ادا کر دی جائے، کیونکہ موت و حیات کا اعتبار نہیں، اگر مرض موت میں مبتلا ہوگیا تو وہ رقم جو زکوٰۃ کے لئے الگ رکھی ہے ورثہ کی ملک ہو جائے گی، پھر وہ کیا خبر دیں یا نہ دیں۔

۲۰ جمادی الاول ۴۸ھ

بذریعہ منی آرڈر زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے یا نہیں

سوال (۲۳) زکوٰۃ بذریعہ منی آرڈر ارسال کرنے میں بڑی دشواری ہوتی ہے، کہ ڈاک خانہ اس کا پابند نہیں ہے کہ وہاں روپیہ ہی ادا کرے بلکہ اکثر نوٹ ہی ادا کئے جاتے ہیں، اور نوٹ سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، اگر قواعد فقہیہ سے

قطع نظر کرکے منشاء شارع پر نظر کی جاوے تو نوٹ سے زکوٰۃ علی وجہ الکمال ادا ہونا چاہئے، ایک تو اس لئے کہ نوٹ میں بھی اغنائے مساکین حاصل ہے، بلکہ بعض اعتبارات سے یہ روپئے سے بھی انفع ہے، روپیہ میں تو کھرا کھوٹا بھی ہے اور پھر کھرے میں آواز بے آواز اور آواز دار میں تجسس اور بے کھٹکا بھی دیکھا جاتا ہے، اور نوٹ پھٹا چٹا میلا کچیلا ہر طرح کا آسانی سے چل جاتا ہے، پھر جس شخص نے نوٹ ہی پائے ہوں یا حولان حول کے وقت اس کے پاس نوٹ ہی ہوں تو وہ اور بھی زیادہ اس کا مستحق ہے کہ نوٹوں میں سے نوٹ ہی زکوٰۃ میں دیدے۔

الجواب: من حضرت حکیم الامت مد فیضہم: نص کے ہوتے ہوئے مجوّز کا قیاس کافی نہیں، اور پھر قیاس بھی حقیقی قیاس نہیں، جس میں علت جامعہ سے حکم متعدی ہوتا ہے، یہاں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ حکمت ہے، اور حکمت سے حکم کا تعدیہ نہیں ہوتا، وجہ یہ کہ حکمت حکم پر مرتب ہوتی ہے، اور علت پر حکم مرتب ہوتا ہے، سو اوّل حکم کا تحقق ہونا چاہئے، اس میں حکمتیں نکالی جاسکتی ہیں، اور حکم ہے زکوٰۃ کا، اور زکوٰۃ کا محل مال ہے اور نوٹ مال نہیں سند مال ہے، اور منی آرڈر سے ادا ہونے کی صرف یہ صورت ہے کہ کسی اور شخص کے پاس بھیجدے کہ وہ اس کے روپے بھنا کر مسکین کو دیدے، فقط۔

اس کے بعد ان کا دوسرا خط آیا، جس کا جواب جامع امداد الاحکام نے تحریر فرمایا، جو مع جواب کے ذیل میں مذکور ہے۔

خط

در اصل ابتلائے عام کی وجہ سے حیلہ کی ضرورت ہے، بذریعہ منی آرڈر دوسرے کے نام سے بھیجنے میں اوّل تو مسکین کی دل شکنی اور اس دوسرے شخص کی بددیانتی کا احتمال ہے، سوائے اس کے کہ روپے کا پارسل کیا جائے، دوسرے اگر زکوٰۃ اس طرح ادا ہو سکتی ہے کہ زید نے ایک رقعہ عمرو کو لکھدیا کہ حامل ہذا کو اتنا روپیہ ہمارے حساب میں دیدیا جاوے، اور اسے یہ ہدایت کی کہ تم ہمارے جس ایجنٹ یا وکیل یا نمائندہ کو چاہو یہ رقعہ دکھلا کے اتنے روپئے لے لینا، اور زید نے اپنی جگہ پر یہ نیت کرلی کہ جو کچھ دلا رہا ہوں یہ زکوٰۃ ہے، اگر اس طرح زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے تو پھر نوٹ بھی اسی طرح کی سند ہوا کرتا ہے، اب اسی نوٹ سے وہ مسکین جو روپیہ وصول کرے وہ زکوٰۃ ہے یا جو دوسری اشیاء حاصل کرے وہ بھی زکوٰۃ ہیں، یہ نوٹ خود زکوٰۃ نہیں؟

الجواب من جامع امداد الاحکام: آپ نے جو صورت بیان کی ہے اس میں بھی محض رقعہ دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، جب تک وہ شخص کسی ایجنٹ سے روپیہ وصول نہ کرے، اور اگر ایجنٹ نے اس کو روپیہ نہ دیئے بلکہ کاغذ ہی دیدیا کہ فلاں سے لے لو تب بھی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی جب تک وہ روپیہ وصول نہ کرے، اور اگر فقیر نے تاجر کا رقعہ کسی کو اپنے قرض میں دیدیا کہ تم فلاں ایجنٹ سے اپنا قرض یہ رقعہ دکھلا کر وصول کرلو تو زکوٰۃ بالکل ادا نہ ہوگی، پس یہ صورت منی نوٹ کے خلاف حکم نہیں رکھتی، بلکہ جو احکام اس کے ہیں وہی اس کے ہیں، اور نوٹ سے زکوٰۃ کا ادا نہ ہونا صرف اس صورت میں ہے جبکہ فقیر بعینہ اس نوٹ کو اپنے قرض میں دیدے یا ہبہ کردے یا اس سے چوری ہوجائے یا چھوڑ کر مرجائے، اور اگر اس کے روپے وصول کرکے اپنے قبضہ میں لائے یا اس سے سودا خرید کر اپنی ملک میں لے آئے، تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی، پس دشواری کچھ نہیں، صرف اتنی ضرورت ہے کہ مرسل الیہ کو پہلے ہی تنبیہ کردی جائے کہ پوسٹ مین سے نوٹ نہ لے، اور اگر لے تو نوٹ کو بعینہ اپنے قرض وغیرہ میں نہ دے، بلکہ روپیہ حاصل کرکے قرض ادا کرے، یا جمع رکھے۔

مقدار فرض سے زائد زکوٰۃ دی تو وہ آئندہ سال زکوٰۃ میں محسوب ہوسکتی ہے یا نہیں

سوال (۲۴): یہ امر دریافت طلب ہے کہ دوران سال میں وقتاً فوقتاً زکوٰۃ تقسیم کی جاتی ہے، اور سال تمام پر حساب پورا کردیا جاتا ہے، اگر زکوٰۃ امسال مقدار فرض سے زائد تقسیم ہوجائے تو اس زائد رقم تقسیم شدہ کو آئندہ سال کی زکوٰۃ میں مجری و محسوب کردیا جائے یا نہیں؟

الجواب: مقدار واجب سے زائد جو رقم زکوٰۃ میں دی گئی ہے وہ آئندہ سال کی زکوٰۃ میں محسوب ہوسکتی ہے، کما فی الشامی ص ۲۴ ج ۲: وفی الولوالجیۃ لو کانت عندہ اربعمائۃ درہم فادی زکوٰۃ خمسمائۃ ظناً انہا کذلک کان لہ ان یحسب الزیادۃ للسنۃ الثانیۃ لانہ امکن ان تجعل الزیادۃ تعجیلاً۔

احقر عبدالکریم عفی عنہ ۲۲ / صفر ۵۳ھ۔ الجواب صحیح ظفر احمد ۲۵ / صفر ۵۳ھ۔

نصاب زکوٰۃ کی تحقیق

سوال (۲۵): صاحب زکوٰۃ فریضہ کس کو کہتے ہیں، اور اس پر کب زکوٰۃ کا حکم دیا جائے گا، کہتے ہیں کہ اگر اس کے پاس دو سو درہم ہوں تو اس کو

نصاب کہتے ہیں اور اس پر پانچ درہم زکوٰۃ واجب ہے، لیکن یہ یقینی نہیں معلوم ہوا کہ درہم کی کیا قیمت ہے، کچھ بعض علماء سے معلوم ہوتا ہے کہ ۳۹ یا ۴۰ یا ۵۰ یا ۵۲ ہو یا اس قدر کی چاندی ہو تو صاحب نصاب ہے، اور پھر ایک روپیہ چار آنہ زکوٰۃ واجب ہے، سکہ مروجہ سے ایک روپیہ چار آنہ؎ ہے اور دوسروں سے پانچ درہم، نہ معلوم درہم سکہ مروجہ انگریزی سے کتنے کا ہوتا ہے، اور اختلاف ابین علمائے کرام میں کیوں ہے؟ صحیح قول بالآخر مفتی بہ کون ہے؟ حساب سے الگ الگ کر کے صورت بتلائی جائے جو کہ ذہن نشین علی الفور ہو، ایسا ہی سونے کے بارے میں جب دریافت کیا جاتا ہے کہ سونے پر کس قدر زکوٰۃ واجب ہے؟ تو جواب دیا جاتا ہے کہ بیس مثقال سونے پر نصف مثقال، پھر علماء ہم پر فرماتے ہیں کہ سات مثقال دس درہم کا ہوتا ہے، بلکہ دوسری جگہ ہے کہ فی کل اربعۃ مثاقیل قیراطان، لہٰذا دونوں شقوں کو لکھ دیا جائے کہ پہلی صورت سے کیا مراد ہے؟ اور ثانی سے کیا؟ وجہ اختلاف کیا ہے؟ حساب کی صورت میں مکرر تحریر فرمایئے کہ بیس مثقال انگریزی تول کے حساب سے کس قدر ہوگا اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ بیس مثقال ساڑھے سات تولہ کا وزن ہوتا ہے اور اس میں ۲ ماشہ؎ اڑھائی رتی زکوٰۃ نکلتا ہے، یہ کس حساب کی بنا پر ہے؟ خلاصہ حساب صحیح تحریر فرما کر ممنون و مشکور فرمایا جائے، نیز یہ بھی تحریر کیجئے کہ جتنا وزن زکوٰۃ کا سونا نکلے بعینہ وہی سونا بطور وجہ زکوٰۃ دیا جائے یا اس کی قیمت دی جائے؟ مدلل اور مصرح جواب تحریر فرمایا جائے؟ بیّنوا بالدلیل وتوجروا عند اللہ الاجر الجزیل من جناب رب الجلیل۔

الجواب: حساب مذکورۂ بالا کی رو سے صاحب مظاہر حق وغیرہ علمائے کرام کے نزدیک چاندی کا نصاب باون تولہ چھ ماشہ ہے، ہمارے اکابر اسی پر فتویٰ دیتے ہیں، دوسرے اقوال کی بنا وہی اختلاف فی الوزن ہے۔

نوٹ (۱): سونے چاندی میں وزن کا اعتبار ہے، قیمت معلوم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، وہ ہر زمانہ میں بدلتی رہتی ہے، البتہ وزن کے اعتبار سے حساب کر کے پھر اس کی قیمت وقتیہ ادا کردے تو یہ جائز ہے۔

نوٹ (۲): قول فقہاء فی کل اربعۃ مثاقیل قیراطان، محض تمثیل کے طور پر ہے۔

؎ صحیح حساب سے ایک روپیہ ۹ آنہ ہوتے ہیں ۱۲ مجیب۔ ؎ صحیح یہ ہے کہ ۲ ماشہ ۲ رتی زکوٰۃ نکلتی ہے ۱۲ مجیب۔

یا بیس مثقال سے زائد کا حساب ہے، اس سے یہ مقصود نہیں کہ فقط چار مثقال میں زکوٰۃ واجب ہے۔ کتبہ الاحقر عبد الکریم، ۱۳ جمادی الاولیٰ ۵۳ھ۔

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ ۱۳ جمادی الاولیٰ ۵۳ھ۔

مسئلہ وجوب زکوٰۃ

سوال (۲۶) فرض کیا زید کے پاس سو روپے ہیں، اس نے سال کے آخر میں جب یہ دیکھا کہ یہ سو روپے اس کے خرچ سے بچ رہا ہے، تو اس نے ڈھائی روپے زکوٰۃ دیدی، لیکن یہی ساڑھے ستانوے روپے جو اس سو روپے میں ڈھائی روپے زکوٰۃ دینے کے بعد بچا ہے پھر سال تمام کے اخراجات کے بعد بچ گیا تو کیا اس ساڑھے ستانوے روپے کی بھی زکوٰۃ دی جاوے یا وہی اڑھائی روپے جو سو روپے کی زکوٰۃ تھا، اس رقم کے لئے کافی تھا، غرض یہ ہے کہ وہی سو روپیہ کی رقم رکھی ہے، نہ اس میں شامل کوئی رقم کی گئی نہ اس میں سے کوئی رقم لی، اس کی زکوٰۃ کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب: دو روپیہ آٹھ آنہ تو ایک سال کی زکوٰۃ تھی، دوسرے سال اگر یہ روپیہ رہ گیا تو اس کی زکوٰۃ دوبارہ دینی پڑے گی، اسی طرح آئندہ بھی ہر سال موجودہ رقم کا چالیسواں حصہ دینا چاہئے جب تک کہ مقدار نصاب رہے، اور جب مقدار نصاب نہ رہے تب واجب نہ رہے گی۔ احقر عبد الکریم عفی عنہ، ۱۰ جمادی الاولیٰ ۵۳ھ۔

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ، ۱۰ جمادی الاولیٰ ۵۳ھ۔

پراویڈنٹ فنڈ پر وجوب زکوٰۃ کا مسئلہ

سوال (۲۷) زید سرکاری ملازم ہے، اس کی تنخواہ سے بیس روپے ماہوار سرکار کاٹ لیا کرتی ہے، وہ رقم اس کی جو بیس روپے ماہوار سرکار میں جمع ہو رہی ہے بعد پنشن یکمشت سرکار ادا کردے گی، تو ایسی رقم پر بھی زکوٰۃ واجب ہے؟

الجواب: صورت مسئولہ میں زکوٰۃ اس وقت واجب نہیں، بلکہ یہ رقم جب اس کے قبضہ میں آجائے اور حولان حول ہوجائے تب زکوٰۃ واجب[عہ] ہوگی۔ قال قاضی خان: اذا اٰجر داره او عبده بمائتی درهم لا تجب الزكوة ما لم يحل الحول بعد

[عہ] اور اگر اس پر اس رقم کے آنے سے پہلے بھی زکوٰۃ واجب ہو تو اس رقم کے وصول ہونے کے بعد جب پہلے مال کا سال تمام ہو اسی وقت اس سب رقم کی زکوٰۃ بھی اس کے ساتھ دی جاوے ۱۲

القبض وفی قول ابی حنیفۃؒ فان کانت الدار او العبد للتجارۃ وقبض اربعین درھما بعد الحول کان علیہ درھم بحکم الحول الماضی قبل القبض الخ (الزاھدیہ) فقط واذا لم یکن علیہ الزکوٰۃ فی اجرۃ الدار والعبد الا اذا کانا للتجارۃ فاجرۃ نفسہ اولی فان الحر لیس بمال ۔ احقر عبدالکریم عفی عنہ ۱۰ رجمادی الاولیٰ ۵۴ھ

الجواب صحیح ، ظفر احمد عفا عنہ ، ۸ رجمادی الاولیٰ ۵۴ھ

بنک کا دیوالہ نکل جائے تو اس میں جمع کردہ روپے پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں

سوال (۲۸) : زید نے کچھ روپیہ بنک میں جمع کیا۔ بنک کا دیوالہ نکل گیا، بنک سے روپیہ ملنے کی امید بھی ہے اور اسی قدر ناامیدی بھی کیونکہ پتہ نہیں کہ روپیہ بھی کہ نہ ملے یا کچھ ملے اور کچھ نہ ملے، ایسی صورت میں کیا جمع کنندہ پر زکوٰۃ واجب ہے؟

الجواب : اس روپے کی زکوٰۃ واجب رہے گی، مگر سردست ادا کرنا لازم نہیں، بلکہ جب وہ روپے آئیں گے ان کی وصولی کے بعد وصول شدہ رقم کی سب گذشتہ برسوں کے متعلق زکوٰۃ ادا کرنی پڑے گی۔ احقر عبدالکریم عفی عنہ ۱۰ رجمادی الاولیٰ ۵۴ھ

الجواب صحیح ، ظفر احمد عفا عنہ ، ۱۸ رجمادی الاولیٰ ۵۴ھ

مسئلہ وجوب زکوٰۃ

سوال (۲۹) : زید کے پاس دس ہزار روپے کی مالیت کی زمین ہے اور اس زمین کو کچھ حصہ بعوض پانچ ہزار رہن ہے، اور شخص مذکور زید کے پاس پانچ سو روپے کی مالیت کا زیور ہے، آیا اس زیور پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب : اس زیور پر زکوٰۃ واجب ہے۔ عبدالکریم عفا عنہ ۶ رج ۲ ۵۴ھ

الجواب صحیح ، ظفر احمد عفا عنہ ، رجمادی الثانیہ ۵۴ھ

مہر مؤجل مانع وجوب زکوٰۃ ہے یا نہیں

سوال (۳۰) : زید کے پاس پانچ سو روپے کا زیور ہے، اور ایک ہزار روپیہ اس کی زوجہ کا مہر اس کے ذمہ واجب الادا ہے، آیا اس زیور پر مرد کے ذمہ زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب : اگر باوجود مہر مؤجل ہونے کے یہ شخص فی الحال ادا کرنے کی فکر میں ہو تب تو اس زیور پر زکوٰۃ واجب نہیں، ورنہ واجب ہے کما فی العالمگیریۃ وذکر البزدوی فی شرح الجامع الصغیر قال مشائخنا فی رجل علیہ دین مؤجل لامرأتہ وھو لا یرید اداءہ (ای فی الحال) لا یجعل مانعا من الزکوٰۃ لعدم المطالبۃ فی

العادة انه حسن ایضاً هکذا فی جواهر الفتاوی فقط - عبد الکریم عفا عنہ، ۲ ج ۲ ۴۸ھ

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ، جمادی الثانیہ ۴۸ھ۔

قرض پر وجوب زکوٰۃ کی ایک صورت کا حکم

سوال (۴۱): کسی کے پاس کچھ روپیہ تھا جس پر وہ زکوٰۃ نکالا کرتا تھا اب وہ روپیہ دوسرے شخص کو قرض دیدیا، اب وہ مقروض کہتا ہے کہ مجھ سے نقد روپیہ نہیں ادا ہو سکتا، بلکہ اس کے عوض کچھ جائداد مجھ سے لکھالو اور اس کو بھی ادائیگی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی ایسی صورت میں زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اس صورت میں مدیون منکر تو نہیں ہے بلکہ قرض کا مقر ہے، اور جائداد رقم قرض کے عوض دینے کو تیار ہے، اس لئے قرض دینے والے کے ذمہ سے سنین ماضیہ کی زکوٰۃ ساقط نہیں ہاں جب جائداد لے لے گا تو آئندہ زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

واستبدال مال التجارة بمال التجارة هلاك وبغير مال التجارة استهلاك، قال الشامي تحت ما لو استبدله بعرض ما ليس بمال اصلا او بعرض هو مال لكنه ليس بمال الزكوٰة بان باعه بعبد الخدمة او ثياب البذلة فيضمن الزكوٰة في ذلك كله لانه استهلاك اه (شامی ۲۳ ج ۲)۔

مثل سوال مذکور

سوال (۴۲): کسی شخص کے ذمہ کچھ روپیہ باقی ہے، اور وہ کہتا ہے کہ ایک دم روپیہ نہیں ادا ہو سکتا ہے، بلکہ دفعہ دفعہ ادا کریں گے، اور دفعہ دفعہ کر کے روپیہ اس قدر نہیں ہوتا ہے کہ جس کی زکوٰۃ فرض ہو، بلکہ کل روپیہ جو اس کے ذمہ ہے یکمشت ادا کرنے سے زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے، تو ایسی صورت میں کیا حکم ہے؟

الجواب: جب اس قرض میں سے گیارہ روپے چار آنہ وصول ہوں خواہ یکمشت یا تدریجاً تو اس گیارہ روپے چار آنہ کی زکوٰۃ یعنی چالیسواں حصہ دینا واجب ہوگا، اور جتنے برسوں کے بعد وصول ہوا ہو سب کی طرف سے اس گیارہ روپے چار آنہ کی زکوٰۃ واجب ہے، اس کے بعد پھر جب کبھی گیارہ روپے چار آنہ وصول ہوں تو اس کا بھی یہی حکم ہے، جب تک پورے گیارہ روپے چار آنے پر قبضہ نہ ہو اس وقت تک زکوٰۃ واجب نہیں، قال الشامي فاذا قبض ذلك تحقق اربعين درهما منه بانقطاع ذلك من اجرة الدار تجب زكوته لما مضى من السنين والناس عنه غافلون (ص ۵۹ ج ۲)۔ کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ ۱۲ رجب ۴۸ھ۔ الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ ۵ شعبان ۴۸ھ۔

زکوٰۃ کی رقم اور دیگر سامان دینے کی نیت سے علیحدہ رکھا تھا مگر اپنے مال کے ساتھ زکوٰۃ کا مال بھی چوری ہو گیا تو زکوٰۃ ادا ہوئی یا نہیں

سوال (۳۳) زید نے اپنے مال کی زکوٰۃ نکالی اور اس زکوٰۃ کے پیسے سے کچھ تو مستحقین زکوٰۃ پر خرچ کیا اور کچھ کپڑے مستحقین کے واسطے خرید کر رکھ لئے، اور کچھ بھی کچھ نقد باقی رہ گئے تھے کہ اس کے ہاں چوری ہوئی چوری میں زکوٰۃ کے پیسے اور کپڑے اور اس کا اپنا مال بھی چوری ہو گیا، سوال یہ ہے کہ زکوٰۃ سے سبکدوش ہوا یا نہیں، اگر نہیں تو کس طریقے سے ادا کرے، بینوا بالصواب توجروا بالثواب!

الجواب: اگر فقط وہ مال چوری ہوتا جو کہ زکوٰۃ کی نیت سے الگ رکھا ہوا تھا تب تو زکوٰۃ سے سبکدوشی نہ ہوتی لیکن جب دوسرا مال بھی چوری ہو گیا ہے تو اس مال مسروقہ کی زکوٰۃ معاف ہو گئی ہے، البتہ اگر کچھ مال صاحب واقعہ کے پاس باقی رہ گیا ہو تو اس باقی کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے، کما فی الدر المختار ولا یخرج عن العہدۃ بالعزل بل بالاداء للفقراء وقال الشامی فلو ضاعت لا تسقط عنہ الزکوٰۃ الخ (ص ۱۰ ج ۲) ولا فی ہلاک بعد وجوبہا ومنع الساعی فی الاصح لتعلقہا بالعین لا بالذمۃ وان ہلک سقط حظہ فقط واللہ اعلم ۲۰ رجب سنہ ۴۳ھ۔

حکم وجوب زکوٰۃ در زیورات

سوال (۳۴) کسی عورت کے پاس دو سو تولہ کے زیورات ہیں اس کے ہاتھ پیر کان اور گلے میں مدام باون تولہ سے زائد رہتا ہے، اور یہ اس کی عمر بھر سے ہے، اس کو پورے زیورات کی زکوٰۃ دینی ہو گی یا بقیہ زیور کی دینی ہو گی، کتاب کا حوالہ مرسل خدمت ہے آپ کی اصلاح تحریر اولیٰ ہو گا۔

الجواب: اس عورت کے تمام زیورات پر زکوٰۃ واجب ہے ان پر بھی جو رکھے ہوئے ہیں اور ان پر بھی جو استعمال میں رہتے ہیں، صرح بہ فی الدر وغیرہ من المتون والشروح: واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۶ ذیقعدہ سنہ ۱۳۴۳ھ۔

مسئلہ زکوٰۃ

سوال (۳۵) گورنمنٹ نے بعض فوجی پنشنر اشخاص کو مربعہ جات اراضی جو نہر کے پانی سے سیراب ہوں بطور عطیہ کے عطا کئے ہیں جن پر مطالبہ مالی آبیانہ ششماہی لگتا رہتا ہے، علاوہ ازیں یہ شرط ٹھہرائی گئی کہ عرصہ پانچ سال تک بیع معاملہ کچھ رقم بطور مالکانہ ادا کرنی پڑے گی اس وقت معینہ کے بعد مبلغ گیارہ صد روپیہ قیمت فی مربع ادا کرنے پر شخص مالک مربع ہو سکتا ہے، اور وہ مالکانہ بند ہو جاتا ہے ورنہ تو بھی اختیار دیا گیا ہے کہ اگر وہ مالکانہ [illegible]

بتدریج ادا کرنا ہے جبکہ قیمت زمین کی ہوگی، اب اس شخص کے پاس قیمت مربعہ قبل از قبضہ موجود ہے اور اس نے اس نیت سے رکھی ہوئی ہے کہ قیمت مربعہ ادا کرکے، تب مربعہ قبول کرے گا اس پر بعد گذرنے سال کے زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: ہاں اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہے، کیونکہ وہ قرض سے فارغ ہے، گورنمنٹ کی رقم اس پر قرض نہیں، جبکہ یہ خود مختار ہے کہ اس رقبہ کا مالک بنے یا نہ بنے، اور اس زمین کو خریدے یا نہ خریدے، تو عقد کا تحقق نہ ہوا، اور نہ ثمن اس کے ذمہ لازم ہوا، واللہ اعلم۔

۱۰ ذیقعدہ سنہ ۸۳ھ

قرض ہر حال میں مانع وجوب زکوٰۃ ہے

سوال (۳۶) ایک شخص نے چار ہزار روپے میں ایک زمین خریدی، جس کی ادا دس قسطوں میں قرار پائی ہے، ایک قسط وہ ادا کر چکا اور زمین پر قابض ہو گیا، دوسری قسط کے لئے ۴۵۰ روپیہ اس کے پاس رکھا ہے جس پر حولانِ حول ہو چکا ہے، تو اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں، اور زمین کا قرض مانع وجوب زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

الجواب: اس رقم پر زکوٰۃ واجب نہیں، قرض ہر حال مانع وجوب زکوٰۃ ہے، خواہ زمین کی وجہ سے ہو یا کسی اور وجہ سے، اور خواہ اس کی ادا بالاقساط مشروط ہو یا بلا اقساط، واللہ اعلم۔ ۳ ذی الحجہ سنہ ۸۲ھ۔

مسودۂ زکوٰۃ بل کے بارے میں ایک استفتاء

سوال (۳۷) حضرت حکیم الامۃ دام مجدہم کی خدمت میں ایک سوال اس مضمون کا آیا تھا کہ تنظیم زکوٰۃ کے لئے مرکزی اسمبلی میں زکوٰۃ بل پیش کرنے کا ارادہ ہے جس کا مسودہ ارسالِ خدمت ہے، شرعی نقطۂ نظر سے اس مسودے کے متعلق جو رائے ہو اس سے مطلع فرمایا جائے، اس کا جواب حضرت کے ایماء سے یہ دیا گیا۔

الجواب: مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مسودۂ زکوٰۃ بل دیکھا گیا، آپ کی نیت کے نیک ہونے اور خیر خواہی پر مبنی ہونے میں شبہ نہیں، مگر ہم اس بل کی تائید سے بوجوہ چند معذور ہیں:۔

الف: کافر گورنمنٹ کے ذریعے سے شرائع اسلام کی ترقی جب طلب کی جاتی ہے بجائے ترقی کے تنزل ہی ہوتا ہے، وقف بل، اور خلع بل کی نظائر سامنے ہیں، کہ ان دونوں سے بجائے فائدہ کے شرعی حیثیت سے نقصان ہی ہوا۔

ب: چونکہ قانون کا پاس کرنا صرف مسلمانوں کے ہاتھ میں نہیں بلکہ اکثریت کے ہاتھ میں ہے، اس لئے جس صورت سے بل پیش کیا جاتا ہے اس سے بدتر صورت میں پاس ہوتا ہے، چنانچہ خلع بل جس صورت سے پاس ہوا ہے وہ سب کے سامنے ہے کہ حاکم مسلم کی شرط جو اس بل کی جان تھی حذف کردی گئی، اور سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ خود مسلمان ہی بوجہ جہل کے مخالف ہو جاتے ہیں، اور احکام شرعیہ میں رائے زنی کرتے ہیں، کہ اس قید کی کیا ضرورت ہے!

ج: اموال باطنہ کی زکوٰۃ میں خلیفۃ المسلمین و امیر المؤمنین کو بھی جبر کا حق نہیں، یہ بل ان میں بھی جبر کا حق دیتا ہے۔

د: اموال ظاہرہ میں خلیفہ و امام کو حق جبر ضرور حاصل ہے، مگر اس کو عشر یا ربع عشر سے زیادہ مسلمانوں سے وصول کرنے کا حق نہیں، یہاں کافر حکومت پہلے ہی سے زمینوں پر لگان اور تجارتوں پر ٹیکس وصول کر رہی ہے، اور اب کانگریسی حکومت رات دن مسلمانوں کو پیسنے کی فکر میں لگی ہوئی ہے، اگر اس کو عشر و ربع عشر کے وصول کا حق بھی دیدیا گیا اور اس کی تشخیص بھی اسی کے ہاتھ میں رکھی گئی جیسا کہ بل میں ظاہر کیا گیا ہے تو مسلم مزارعین اور مسلم تجار پر وہ جتنا بار ڈالیں گے ظاہر ہے۔

ہ: زکوٰۃ کی رقوم میں سے ۱۰ فی صد گورنمنٹ کے عاملین کے لئے رکھا گیا ہے جس میں کچھ تصریح نہیں کہ وہ عاملین مسلمان ہی ہوں گے، یا مسلم و غیر مسلم دونوں ہو سکتے ہیں، شق ثانی میں یہ حصہ زکوٰۃ کا غیر مصرف میں جائے گا۔

و: زکوٰۃ کا ۲۰ فی صد دیگر اغراض کے لئے رکھا گیا ہے اس کی کوئی تشریح نہیں کی گئی، کہ کن مصارف میں صرف ہوگا، صرف کرنے والے مسلمان بھی ہوں گے تو مسائل سے ناواقف ہوں گے نہ معلوم کہاں کہاں صرف کریں اور مسلمانوں کی زکوٰۃ برباد ہو، اسی طرح ۱۰ فی صد بطور سرمایہ محفوظ رکھا گیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ زکوٰۃ دینے والوں کی پوری زکوٰۃ ہر سال ادا نہ ہوگی، بلکہ اس کا کچھ ادا سے رہ جائے گا۔

ز: افسر تشخیص کا مسلم ہونا تو بل میں مصرح ہے، مگر اس کے فیصلہ کی اپیل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے یہاں رکھی گئی ہے، جس کا مسلم ہونا شرط نہیں کیا گیا، اگر وہ غیر مسلم ہوا تو اس کے فیصلہ سے زکوٰۃ کا جو حشر ہوگا ظاہر ہے۔

ح: انجمنوں کے اور ان کے بیت المال کے معائنہ کے لئے جو انسپکٹر اور انسپکٹروں کے

تقرر کا اختیار گورنمنٹ کو دیا گیا ہے، اس میں بھی یہ تصریح نہیں کہ وہ انسپکٹر مسلم ہوں گے یا غیر مسلم بھی ہو سکتے ہیں، شق ثانی میں اُن کی تنخواہ وجوہ زکوٰۃ کی مد سے دی جائے گی وہ محض حرام ہوگی، اور کافروں کو مسلمانوں کی زکوٰۃ اور بیت المال پر جو حق تصرف ہوگا وہ جدا رہا، اس آئندہ جو کچھ خرابیاں پیدا ہوں گی وہ اس وقت کے حالات سے باخبر طبقہ پر مخفی نہیں۔

ط: وزیر اوقاف اور افسر مخصوص اگر نام کا مسلمان ہوا اور عقیدۃً قادیانی یا اور کسی فرقہ کا ہوا (جو عامۂ مسلمین کے نزدیک مسلمان نہیں بلکہ مرتد ہیں) اور پورے مسائل سے سب ہی ناواقف ہوں گے، تو اس کے برائے نام اسلام سے بجائے نفع کے ضرر کا اندیشہ ہے، اس خطرہ سے حفاظت کی کیا سبیل ہے؟

ی: خلیفہ اسلام جو عاملین کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے مقرر کرتا ہے، چونکہ خلیفہ تمام مسلمانوں کا نائب ہے جن میں فقراء بھی داخل ہیں تو خلیفہ یا اس کے عاملین کے ہاتھ میں زکوٰۃ پہنچتے ہی ارباب اموال کے ذمہ سے ادا ہو جاتی ہے، گویا فقراء کے ہاتھ میں پہنچ گئی مگر حاکم غیر مسلم یعنی غیر مسلم گورنمنٹ کا شرعاً یہ حکم نہیں، اس کے یا اس کے عاملین کے قبضہ میں زکوٰۃ پہنچنے سے فوراً ادا ہونا شرعاً باطل ہے، پس اگر کوئی شخص زکوٰۃ ادا کر کے مر گیا، اور اس کی زکوٰۃ ابھی تک مصرف میں صرف نہ ہوئی تھی تو وہ رقم ورثہ کی طرف منتقل ہو کر ترکہ میں داخل ہوگی، اور اس کو مصارف زکوٰۃ میں صرف کرنا جائز نہ ہوگا، اس کا کوئی حل اس بل میں نہیں۔

الغرض جب تک باقاعدہ اسلامی حکومت نہ ہو زکوٰۃ کا انتظام غیر مسلم حکومت کے ذریعہ سے نہیں کیا جا سکتا، اس کی واحد صورت یہی ہے کہ گورنمنٹ مسلمانوں کو اجازت دے کہ وہ اپنا ایک حاکم مسلم مقرر کر لیں جس پر گورنمنٹ کا ویسا ہی اقتدار ہو جیسا والیانِ ریاست پر ہوتا ہے، اندرونی نظم و نسق میں وہ بالکل آزاد ہو، پھر حاکم مسلم زکوٰۃ کو قاعدہ شرعیہ کے موافق وصول کرے تو یہ صورت جائز ہے۔

آپ نے اس بل کی ضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے ہندوؤں کے کھاتوں کا تذکرہ کیا ہے، مگر ہندوؤں کا کھاتہ گورنمنٹ کے قانون کی طاقت سے نہیں چل رہا بلکہ خود ہندوؤں کی قومی طاقت سے چل رہا ہے، اگر مسلمان بھی اپنے یہاں کوئی خیراتی فنڈ ایسا قائم

کریں جو قومی طاقت سے چلے تو یہ ایک مفید صورت ہوگی اور ہم خوشی سے ساتھ اس کی تائید کریں گے۔

اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں کا اس وقت دس فی صد زکوٰۃ دینے والے ہوں گے مگر غالباً یہی وسط نماز پڑھنے والوں کا ہے، تو کیا کل کو نماز کے لئے بھی کوئی قانون بنوایا جائے گا، اور غالباً حج کرنے والے تو اس سے بھی بہت کم ہوں گے، تو کیا حج کے واسطے قانون بنوایا جائے گا؟ اگر نہیں تو زکوٰۃ ہی کے لئے قانون بنوانے کی کیا ضرورت ہے؟

دراصل ضرورت اس کی ہے کہ مسلمانوں کو احکام دین سے واقف کیا جائے، مذہبی تعلیم کو عام طور سے رواج دیا جائے، تبلیغ کی طرف پوری توجہ کی جائے، مسلمانوں کو نماز اور زکوٰۃ، روزہ اور حج اور تمام احکام کی ضرورت سے مطلع کیا جائے، ایسی انجمنیں قائم کی جائیں جن کا فریضہ تبلیغ احکام ہو جن کا کام مسلمانوں میں مذہبی روح پیدا کرنا ہو جس دن قوم میں مذہبی بیداری پیدا ہو جائے گی وہ ہندوؤں کے کھاتہ پُن سے بہتر نظام قائم کرے گی، اور اگر مذہب اور احکام مذہب سے یہی غفلت رہی تو اس وقت سے تو زکوٰۃ بل بھی کچھ مفید نہ ہوگا، بجائے مصارف خیر کے گورنمنٹ کا عملہ اور افسر مخصوص یا نذرانا کا خاندان اس بیت المال کو لقمۂ تر سمجھ کر ہضم کر جائے گا، اور مسلمان دیکھتے کے دیکھتے رہ جائیں گے۔

جس چیز کی ضرورت ہے کہ مسلمانوں کو حقیقی معنی میں مسلمان بنایا جائے، اور اس کی عمل صورت یہی تھی کہ مسلمانوں کا اونچا طبقہ جو علمی اور مالی اعتبار سے بڑا ہے وہ دین کی طرف توجہ کرتا خود دیندار بنتا اور دوسروں کے لئے نمونہ بنتا، جس سے ادنیٰ درجہ کی تنظیم ہو جاتی، اب یہ تو سب اونچا گروہ ہی آزاد ہو گیا، بجائے اس کے اپنی عبادات تک گورنمنٹ کے ہاتھ میں دیئے جاتے ہیں جس کا نتیجہ بہت ہی خراب ہے۔ ظفر احمد والسلام

بابُ زکوٰۃ مال التجارۃ

کتب تجارت میں زکوٰۃ کا حکم

سوال (۱): میں نے دو سو پچپن روپے خرچ کر کے ۱۵۵۵ کتاب چھپوائیں اور فروخت کے لئے دکان والے کے پاس رکھ دیا ہے، میرے ہاتھ میں نقد پیسہ کچھ بھی نہیں، ختم سال پر تخمینہ کر ۲۵۵ روپے نہیں گئے، پھر وہی ۲۵۵ روپے بھی دوسری بار کتاب چھاپنے میں خرچ کیا جائے گا، میرا کچھ اور مال و متاع نہیں ہے، اب کیا مجھ پر زکوٰۃ واجب

ہے یا نہیں؟

الجواب: آپ پر زکوٰۃ واجب ہے اور مال تجارت کی زکوٰۃ کے لئے روپیہ پیسہ ہاتھ میں ہونے کی ضرورت نہیں، بلکہ مال تجارت کا موجود ہونا اور اس پر سال گذرنا شرط ہے، پس جب وہ ۱۰۰۰ کتابیں آپ کے پاس موجود ہیں، اور ان پر سال گذر گیا تو اپنی ایک ہزار میں سے ۲۵ عدد کتابیں زکوٰۃ میں نکال دی جائیں، یا ۲۵ کتابوں کی قیمت دیدی جائے جو آسان ہو اور انفع للفقراء ہو، واللہ اعلم۔ ۱۲ رمضان ۴۵ھ۔

باب صدقۃ السوائم

بکریوں کی زکوٰۃ کا حکم و نیز سرکاری اور زمیندار کی زمین میں ان کے چرانے کا حکم

سوال (۱): ایک شخص رئیس کے پاس کچھ بکریاں بھی ہیں، اور اس کی زمین میں اس کے نوکر چرا لیتے ہیں، ان میں زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

الجواب: بکریاں اگر چالیس یا اس سے زیادہ ہوں تو سال گذر جانے پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اگر بکریاں محض کھانے کے واسطے نہیں پالتا بلکہ اصل مقصود نسل کا بڑھانا ہے: گو طبعاً کبھی کھا بھی لیتا ہو جس کا مفصل بیان کتب فقہ میں موجود ہے: خواہ وہ اپنی زمین میں چراتا ہو یا سرکاری زمین میں یا زمیندار کی زمین میں، سب صورتیں برابر ہیں، البتہ اگر چالیس سے کم ہوں تو زکوٰۃ واجب نہیں۔

سوال ۲: ایک شخص کے پاس بکریاں ہیں، دو سو، مگر زمین نہیں، ایک آدھ، سرکاری زمین میں یا زمینداروں کی زمین میں چرا کر لاتا ہے، بازار میں دودھ بیچ کر گذر کرتا ہے، اس میں زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

الجواب: سرکاری اور زمیندار کی زمین میں چرانا درست ہے، بشرطیکہ کھیتوں اور درختوں کا نقصان نہ کرے، خود رو گھاس یا پتے چراتے، اور جس شخص کے پاس دو سو بکریاں ہیں اور وہ دودھ بیچ کر گذارا کرتا ہے اس کا مقصود بکریوں کے پالنے سے کیا ہے، آیا صرف دودھ بیچنے ہی کے واسطے بکریاں پالتا ہے، یا مقصود نسل کا بڑھانا ہے، اور بکریوں سے بچے لینا اور تبعاً دودھ سے بھی نفع حاصل کر لیتا ہے۔ ان دونوں باتوں میں سے جو مقصود ہو اس کو واضح لکھا جائے تو جواب دیا جائے گا۔

سوال ۳ : چند زمیندار آپس میں ایک دوسرے کی زمین میں ڈنگر بکریاں چرا لیتے ہیں آپس کی رضامندی سے عام رواج ہے یہ کیسا ہے؟

الجواب : جائز ہے بشرطیکہ کھیتوں اور درختوں کا نقصان نہ کرے۔ ۱۸ رمضان سنہ ۴۳ھ

علوفہ اور تجارتی مواشی پر وجوب زکوٰۃ کا مسئلہ

سوال (۲) : زید کے پاس ایک سو علوفہ بھینسیں ہیں جن کا دودھ فروخت کرتا رہتا ہے، اور جب کبھی ان بھینسوں میں سے کسی بھینس کا دودھ کم ہو جاتا ہے تو معاً بھینس کا خسارہ برداشت کرتے ہوئے اگرچہ سو کی بھی ہو تب بھی ایک سو یا کچھ کم و بیش سے قصابوں کو فروخت کر دی جاتی ہے، اور فوراً اس کی جگہ پر دوسری بھینس خرید کر کے ایک سو کی تعداد پوری کر دی جاتی ہے، چھ یا سات ماہ کے بعد ہر ایک بھینس کا دودھ کم ہو جانا ظاہری امر ہے، اور دودھ کم ہونے پر اسے فروخت کر دینا اور اس کے قائم مقام دوسری رکھ چھوڑنا بھی ضروری ہے، غرض کہ کامل سال کسی بھینس پر بھی نہیں گذرتا بلکہ مرقومہ بالا صورت سے فروخت ہوتی رہتی ہیں، دوسری آتی رہتی ہیں۔

زید روزانہ اپنا حساب اس طور سے کرتا رہتا ہے کہ روزانہ جس قدر آمدنی ہوتی ہے اس میں سے خرچ شدہ رقم کے علاوہ ہر ایک بھینس کے عوض میں ایک روپیہ کاٹتا رہتا ہے، اور اسی ایک روپیہ کے عوض میں بھینس کو روزانہ ایک روپیہ کم قیمت کی سمجھتا رہتا ہے، مثلاً ایک روز دودھ ما/ ۲۵۰ روپیہ کا فروخت ہوا تو ان میں سے سو خرچ کے نکال دیئے اور ایک سو روپے ہر ایک بھینس کی قیمت سے یک ایک کاٹا ہوا الگ خرچ میں لیا گیا تو گویا کل ۲۰۰ روپے خرچ ہو کر ۵۰ روپے باقی بچے، ان کو اس روز کا نفع تصور کرتے ہوئے حساب میں لاتا ہے، اور بھینس کی قیمت میں سے کم کرنے کی مثال یہ ہے کہ مثلاً تین سو روپے کی ایک بھینس دودھ فروخت کرنے کے لئے آج خریدی، تو آج ہی سے اس کی قیمت میں سے ایک روپیہ کم کرتے ہوئے وہ بھینس ۲۹۹ کی تصور کی گئی، علیٰ ہذا القیاس ایک روپیہ روزانہ اس کی قیمت میں سے کم سمجھتا رہا، حتیٰ کہ دو سو دنوں کے بعد دو سو روپے کم تصور کرتے ہوئے بھینس صرف ۱۰۰ کی تصور کی گئی، اور دودھ کم ہونے پر ۱۰۰ روپے میں قصاب کو فروخت کر دی گئی اور اپنے دل کو طفل تسلی کے طور پر یوں سمجھا لیا کہ ڈھائی سو کی بھینس گویا ڈھائی سو ہی میں فروخت ہو گئی، اب جو اس کی جگہ پر نئی بھینس خریدی جائے گی اس کے لئے پچاس روپے تو یہ بھینس کی قیمت کے وصول شدہ موجود ہیں، اور دو سو ایک ایک روپیہ روزانہ قیمت کے

کم کئے ہوئے اور آدمیوں سے کاشت کرکے خرچ میں لئے ہوئے موجود ہیں. تو اس صورت سے کاٹنے سے کیا علوفہ بھینس تجارت کی بن جاتی ہے؟ بینوا، توجروا۔

ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ دودھ فروخت کرنے کی وجہ سے یہ کل علوفہ بھینسیں مال تجارت بن چکیں، لہٰذا اُن پر زکوٰۃ واجب ہے، حالانکہ متون میں سے کسی کتاب سے بھی علوفہ پر زکوٰۃ ثابت نہیں ہے، بلکہ تمام میں نفی موجود ہے، صاحب درمختار وجوب زکوٰۃ کے لئے نیت تجارت کو شرط نہ قرار دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں، ولا فی العوامل والعلوفة ما لم تکن العلوفة للتجارة، جلد دوم۔

صاحب ہدایہ علوفہ پر عدم وجوب زکوٰۃ کی علت بایں طور تحریر فرماتے ہیں کہ لان فی العلوفة تتراکم المؤنة، صورت مسئولہ میں تو ہجوم مؤنت و نفقات کا یہ عالم ہے کہ طویلہ کا کرایہ الگ دیا جاتا ہے اور بھینسوں کی خدمت کے لئے جو نوکر رکھے جاتے ہیں ان کو تنخواہیں الگ دی جاتی ہیں اور دونوں وقت صبح و شام بھینسوں کو چارہ بانٹا الگ دیا جاتا ہے، فقہاء نے چوپایوں میں علت وجوب زکوٰۃ نمو کو قرار دی ہے، کہ نما خواہ حقیقۃً ہو خواہ حکماً، لیکن زید کی نیت اپنی موجودہ بھینسوں کے متعلق بھی اور آئندہ جو خرید کرے گا اُن کے بارے میں بھی یہ ہوتی ہے کہ جب بھی کسی بھینس کا دودھ کم ہو جائے گا تو خسارہ برداشت کرتے ہوئے چار سو کی بھینس بھی سو یا سوا سو تک قصابوں کو فروخت کر ڈالوں گا، تو اس صورت میں بایں طور نیت کرنے سے نما تو حقیقی پایا گیا، اور حکمی بھی، پھر کیا یہ نیت وجوب زکوٰۃ کے لئے مؤثر ثابت ہوگی یا لغو جائے گی؟

حضرت مولانا مولوی مفتی محمد حسین صاحب صدر المدرس مدرسہ نذیریہ تحریر فرماتے ہیں کہ صورت مسئولہ میں زکوٰۃ واجب نہیں، درمختار کی یہ عبارت اس کے لئے شاہد ہے کہ ولو نوی التجارة بعد العقد او اشتری شیئا للقنیة ناویا انه ان وجد ربحا باعه لا زکوٰۃ علیه، جلد دوم قبیل باب السائمة۔

لیکن مولوی صاحب موصوف اسے تسلیم نہیں کرتے، براہ کرم ان تمام امور کو مدنظر رکھتے ہوئے جواب مع حوالہ کتب محققہ مدلل تحریر فرماتے ہوئے عند اللہ ماجور ہوں۔

سوال ۲، جوہرہ نیرہ مطبوعہ خیریہ جلد اول صفحہ ۱۲۰ میں سائمہ کے متعلق قوله والسائمة الخ کے تحت یوں درج ہے کہ لان اصحاب المواشی قد لا یجدون بدا من

او یعلفوا سوائمهم فی بعض الاوقات فیجعل الاقل تابعا للاکثر ثم هذا الذی ذکرہ من الاسامۃ فی حق ایجاب زکوٰۃ السوائم انما یصح ان لو کانت الاسامۃ للدر والنسل اما اذا کانت للتجارۃ او للحمل والرکوب فلا تجب فیہا الزکوٰۃ اصلا۔ یہ عبارت کسی اور کتاب میں نہیں ہے، لہذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا یہ عبارت صحیح ہے یا غلط؟ بینوا توجروا۔

الجواب وهو الموفق للصواب: یہ بات تو ظاہر ہے کہ جب وہ بھینسیں علوفہ ہیں تو ان پر زکوٰۃ سوائم واجب نہیں، اور در مختار کی عبارت ولا فی العوامل والعلوفۃ میں زکوٰۃ سوائم ہی کی نفی ہے، و نیز جوہرہ نیرہ کی عبارت مرقومہ بالا یعنی اما اذا کانت للتجارۃ او للحمل والرکوب فلا تجب فیہا الزکوٰۃ اصلا میں زکوٰۃ سوائم ہی کی نفی ہے، اور در مختار کی عبارت مذکورہ ولو نوی التجارۃ بعد العقد الخ سے معلوم ہوا کہ اگر فروخت کرنے کا حتمی قصد نہیں ہے تو علوفہ میں زکوٰۃ تجارت بھی واجب نہیں۔

اب رہی یہ بات کہ زید کی نیت مذکورہ فی السوال حتمی نیت ہے یا نہیں اور دودھ فروخت کرنا بھی تجارت ہو سکتی ہے یا نہیں، سو بظاہر یہ نیت بیع مواشی کی حتمی نہیں اور نہ تجارت لبن کو تجارت مواشی کہہ سکتے ہیں لہذا زکوٰۃ تجارت ان بھینسوں پر نہ ہوگی واللہ اعلم۔

عبدالکریم عفی عنہ۔ ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ

باب العشر والخراج

مسجد کی زمین پر عشر کا حکم

سوال (۱): کیا وقف زمین متعلق مسجد پر عشر ہے؟

الجواب: زمین وقف متعلق مسجد پر بھی عشر ہے، قال فی العالمگیریۃ وکذلک ملک الارض لیس بشرط للوجوب لوجوبہ فی الاراضی الموقوفۃ آہ (ص ۱۹۰ ج ۱)۔

۲۶ ربیع الثانی ۱۳۴۲ھ

زمین عشری اور خراجی کی تعریف اور بعض زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے کی تحقیق

سوال (۲): زمین عشری کی تعریف کیا ہے اور زمین خراجی کس کو کہتے ہیں، اور دوسرے سوال میں جو جو ریاستیں مرقوم ہیں وہ عشری ہیں یا خراجی؟

عـ: لاخراج بازیمی اس زمین کو کہتے ہیں جو نصاریٰ کے تسلط کے قبل لاخراج تھی۔

اور اس میں خزانہ وغیرہ دینا نہیں پڑتا تھا جب اُن کا غلبہ ہوا اور مالک زمین لاخراج ہونیکا کوئی ثبوت نہ دے سکا تو سرکار نے کچھ خزانہ و ٹیکس مقرر کر کے مالک زمین کو وہ زمین واپس کردی ہے

۳ ؛ نیا باد اس زمین کو کہتے ہیں جسکو رعایا نے گورنمنٹ سے میعادی اجازت لیکر آباد کیا، اور جو خزانہ سرکار نے اس پر مقرر کیا وہ ادا کرتا ہے، اور جب میعاد اجازت ختم ہوجاتی ہے گورنمنٹ خزانہ وغیرہ بڑھادیتی ہے، اگر وہ لوگ زیادتی کو قبول کریں تو زمین ان کے پاس بحالہ رہتی ہے، ورنہ جو اس پر راضی ہو اس کو دیدیتے ہیں۔

۴ ؛ طرف دوسری قسم کی زمین والوں سے سرکار نے بوجہ ضرورت کے ایک روپیہ خزانہ کے مقابلہ میں دس روپے لیکر انھیں دائمی بندوبستی دیا، اور اُن سے وعدہ کیا کہ میں اُس زمین کو تم لوگوں سے لے کر دوسروں کو نہ دوں گا۔

۵ ؛ دو رعایتی اس زمین کو کہتے ہیں جسکو زمینداروں نے سرکار سے خزانہ پر بندوبستی کر کے رعایا کو میعادی بندوبستی دیا بعض سے کچھ نذر وغیرہ لے کر بعض کو یوں ہی مثلاً ۵ سال کے لئے بندوبستی دیا اور ان سے وعدہ کیا میں یہ زمین تم لوگوں سے واپس نہ کروں گا، لیکن زمیندار اگر ان سے واپس کرنا چاہیں رعایا کو رکھنے کی کچھ قدرت نہیں۔

۶ ؛ زمین خراجی میں جو غلہ ایک سال کی خورد و نوش سے زائد پیدا ہوتا ہو اس کی زکوٰۃ دینا واجب ہے یا نہیں، بر تقدیر اول اس کا حکم مال تجارت کی طرح ہے یا نہیں ؟

الجواب : (۱) الارض العشرية ما فتحها المسلمون عنوة وقسموها بين الغانمين او اسلم اهلها برضاهم واقروا عليها ولم يملكها كافر منذ فتحوها الى الآن، والخراجية ما فتحوها صلحا واقر اهلها عليها او كانت عشرية فملكها كافر في وقت۔

(۲) یہ زمین عشری ہے۔ (۳) یہ زمین خراجی ہے (۴) یہ بھی خراجی ہے،

(۵) اگر وہ زمین پہلے سے مسلمانوں ہی کے قبضہ میں تھی تو عشری اور اگر کسی وقت بعد قبضہ اہل اسلام کے کسی کافر کی ملک میں آچکی ہے تو خراجی ہے، اور اگر مسلمانوں کے قبضہ میں اس وقت ہے اور پہلے کسی کافر کے قبضہ میں آنا معلوم نہیں تب بھی عشری ہے۔ (۶) زمین خراجی یا عشری کی پیداوار میں زکوٰۃ نہیں البتہ پیداوار کو فروخت کر کے جو قیمت لی جاوے اگر وہ بقدر نصاب ہے یا زائد ہو تو بعد حولان حول کے اس میں زکوٰۃ ہوگی۔

۴ رجب سنہ ۴۲ھ

انگریزی حکومت کو مالگذاری دینے سے عشر ادا نہ ہوگا

سوال (۳) زمینداری میں یہ ہے کہ چالیسواں حصہ غلہ سے زکوٰۃ دیا جاتا ہے، عشر نہیں دیا جاتا ہے، صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ جب کہ اس زمین کی مالگذاری (جیسا کہ اس زمانہ میں سب) اگر نہ دی جاوے اس وقت عشر ہوگا اس وقت زمین کی ہم گورنمنٹ کو مالگذاری دیتے ہیں، تو اس وقت میں عشر یا چالیسواں حصہ ساقط ہو جانا چاہئے، یا کچھ زکوٰۃ آنا چاہئے!

الجواب: انگریزوں کو مالگذاری دینے سے عشر ادا نہ ہوگا، اگر زمین عشری ہے تو عشر کا ادا کرنا لازم ہے، زمین کی پیداوار میں زکوٰۃ نہیں بلکہ عشر ہی واجب ہے۔ ۸ رجب ۱۳۲۲ھ

ارض حربی میں عشر و خراج کا واجب نہ ہونا

سوال (۴) ایک شخص کے پاس ہزار بیگہ زمین ہے، اور جو آنہ بیگہ سرکار میں بھرتا ہے، باقی پھر کچھ کاشت کرتا ہے، کچھ دوسرے لوگوں کو مع بیگہ مال کے کر دیتا ہے، وہ اس میں کھیتی کرتے ہیں، کچھ تہائی چوتھائی حصہ بٹائی پر دیتا ہے: وہ لوگ کاشت کرتے ہیں، اگر نہر کا پانی دیتے ہیں تو اس کا الگ مال دیتے ہیں، کنوئیں کا دیتے ہیں تو خود دیتے ہیں، بعض بارش کے پانی سے کھیتی کرتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ جس کی زمین ہے وہ کیا زکوٰۃ نکالے یا نہیں، اور نکالے تو کس قدر نکالے، دسواں یا بیسواں یا چالیسواں، روپیہ سے یا جنس سے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ انگریزی میں جو زمیندار ہیں اُن پر زکوٰۃ فرض نہیں، یہ مسئلہ صحیح ہے؟ اور جو لوگ دوسرے زمیندار کی زمین لے کر کھیتی کرتے ہیں، بتفصیل مذکور الصدر تو ان پر زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں، اگر ہے تو کس قدر اور روپیہ سے یا جنس سے؟

الجواب: قال فی رد المحتار تحت قول الدرر فی تعریف الرکاز وجده مسلم او ذمی فی ارض خراجیة او عشریة ما نصه قال فی النهر التقیید بالخراجیة والعشریة لیخرج الدار فانه لا شیء فیها لکن ورد علیه الارض التی لا وظیفة فیها کالمفازة اذ یقتضی انه لا شیء فی الماخوذ منها ولیس کذلک فالصواب ان لا یجعل ذلک لقصد الاحتراز واقول یمکن الجواب بان المراد بالعشریة والخراجیة ما تکون وظیفتهما العشر والخراج سواء کانت بید احد او لا فتدخل المفازة وغیرها بدلیل ما قدمناه عن الخانیة من ارض الجبل عشریة فیکون المراد الاحتراز بها عن دار الحرب ویدل علیه انه فی متن درر البحار عبر بمعدن غیر الحرب فعلم ان المراد معدن ارضنا ولهذا قال القهستانی بعد قوله فی ارض خراج او عشر

الاختصاص ارضنا سواء کانت جبلاً او سهلاً مواتاً او مملوکاً احترز به عن داره وارضهم وارض الحرب اھ ثم رأیت عین ما قلته فی شرح الشیخ اسمعیل حیث قال ویحتمل ان یکون احترازا عما وجد فی دار الحرب فان ارضها لیست ارض خراج او عشر اھ (ص ۲۰۲ ج ۲) وفی العالمگیریة ثم هذه الدار (ای دار الاسلام) اذا صارت دار الحرب لو افتتحها الامام ثم جاء اهلها قبل القسمة اخذوها بغیر شیء وبعد القسمة بالقیمة ولو افتتحها الامام اعادت الی الحکم الاول الخراجی یصیر خراجیا والعشری یصیر عشریا اھ (ص ۱۰۷ ج ۲) قلت فیه دلالة علی ان ارض الاسلام اذا صارت دار الحرب لا تبقی خراجیة ولا عشریة دل علیه قوله عادت الی الحکم الاول فافهم۔

ان عبارات کا مقتضی یہ ہے کہ اس وقت ہندوستان کی زمین نہ خراجی ہے نہ عشری، پس زمیندار پر زمین کی پیداوار میں کچھ واجب ہے، نہ کاشتکار پر۔ وایضاً یؤیدہ ما فی رد المحتار (ص ۳۲۳ ج ۲) تحت قول الدر کما یمنع لو وضع علیه (ای علی الحربی المستامن) الخراج بان الزم به واخذ منه عند حلول وقته لان خراج الارض کخراج الراس اھ ونصه: ای فی انه اذا التزمه صار ملتزما المقام فی دارنا بحرام، دل علی اختصاص الخراج بدارنا کالجزیة، قال الشامی ناقلا عن السرخسی ولا یترک ان یخرج الی داره لان خراج الارض لا یجب الا علی من هو من اهل دار الاسلام اھ (ص ۳۰۲ ج ۳) ۱۰ر رمضان ۴۲ھ۔

ہندوستان کی زمینوں پر عشر واجب ہے یا کیا

سوال (۵) اس ملک کی پیداوار پر عشر واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: روایات فقہیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دار الحرب میں عشر واجب نہیں لیکن اس ملک کے دار الحرب ہونے میں علماء کا اختلاف ہے، اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ عشر دیا جاوے، واللہ اعلم۔ احقر عبد الکریم عفا اللہ عنہ ۹ر ر ۲ ۴۲ھ

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۸ر ربیع الثانی ۴۲ھ۔

وجوب عشر وخراج کی ایک صورت کا حکم

سوال (۶) ہنود کے یہاں ۲۰ر شعبان کو دس بیس من روئی بک کر آئی اور نصف سے زائد ابھی کھیت میں کھڑی ہے، (وہ) ۲۰ر رمضان تک تمام آجاوے گی، تو ۲۰ر شعبان کو اگر زکوٰۃ کا حساب لگاوے تو اس روئی پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی یا

اس کی قیمت کا اندازہ کرکے دینا واجب ہے یا نہیں، اور اگر زکوٰۃ واجب ہوگی تو جس قدر مکان میں آگئی اسی قدر پر واجب ہوگی یا جو بچ رہے اس پر بھی دینا ہوگا؟

الجواب: یہ روئی تجارتی ہے یا تجارتی نہیں، اگر اپنی زمین کی پیداوار ہے تو اس پر حولانِ حول واجب نہیں، بلکہ جب پیداوار حاصل ہو جائے اسی وقت عشر یا خراج واجب ہے، اگر زمین عشری ہو یا خراجی، اور اگر تجارتی ہو تو سوال واضح لکھا جائے۔ ۲ر رمضان سنہ ۴۶ھ۔

حکومت کے لگان سے عشر ادا نہیں ہوتا

سوال (۲): ہمارے علاقہ کی زمین صرف بارش کے پانی سے سیراب ہوتی ہے، کوئی نہر وغیرہ نہیں، لہٰذا گورنمنٹ کی طرف سے آبیانہ وغیرہ کچھ نہیں لگتا صرف مطالبہ مال یعنی زرِ لگان بحساب مقررہ گورنمنٹ ہر ششماہی لگ جاتا ہے، کیا یہ زرِ لگان عشر میں سے منہا کر لیا جا سکتا ہے، یا عشر پورا الگ دیا جائے اور گورنمنٹ کو مطالبہ الگ؟

الجواب: گورنمنٹ کے زرِ لگان سے عشر نہیں ادا ہو سکتا۔ ۸ر ذیقعدہ سنہ ۴۸ھ۔

کچی فصل کی کٹائی میں عشر ہے یا نہیں

سوال (۳): ہمارے یہاں بہت فصل کچی کاٹ لی جاتی ہے، مثلاً جوار، چری وغیرہ اور دانہ اُن سے نہیں حاصل ہوتا، ایسی سبز کاٹی ہوئی فصل پر عشر ہے یا نہیں؟

الجواب: امام صاحبؒ کے نزدیک اس پر بھی عشر ہے، جتنا کاٹا جائے اس کا دسواں حصہ نکال دیا جائے۔ ۱۰ر ذیقعدہ سنہ ۴۸ھ۔

باب صدقۃ الفطر

صدقۂ فطر کی ادائیگی میں دوسرے شہر کے بھاؤ کا اعتبار نہیں

سوال (۱): جہاں گیہوں نہ ملے اور آٹا نہایت گراں قیمت ہو تو اگر دوسرا اسی اور شہر کے گیہوں کے بھاؤ سے صدقۂ فطر ادا کرے تو جائز ہوگا یا نہ؟

الجواب: دوسرے شہر کی قیمت کا اعتبار نہ ہوگا، اگر گیہوں نہ ملے تو ایک صاع جَو کی قیمت ادا کرے، اور اگر کچھ نہ ملے تو تجار سے پوچھے کہ اگر یہاں گیہوں اس وقت ہوتا تو اس کا کیا بھاؤ ہوتا، اس کے حساب سے قیمت ادا کرے، واللہ اعلم۔ ۲۲ر رمضان سنہ ۴۳ھ۔

صدقۂ فطر غیر منصوص چیزوں میں قیمت کا اعتبار ہے مقدار کا نہیں

سوال (۲): چاول فطرہ میں گیہوں یا جَو کی قیمت کے حساب سے دیا جائے گا یا ہر ایک کی مقدار شرعی کے حساب سے دیا جائے

چاول کا اصل گیہوں ہو یا نہیں ہو فقط۔

الجواب: فطرہ میں چاول دینا جائز ہے، مگر وزن اس کا معتبر نہیں، بلکہ نصف صاع گندم کی جو قیمت ہو اتنی قیمت کے چاول دیوے یا قیمت ہی دیدے، کما فی الدر المختار ص ۱۰۳ ج ۲ وما لم ینص علیہ کذرۃ وخبز یعتبر فیہ القیمۃ فقط۔

احقر عبدالکریم عفی عنہ ۱۰؍ شوال ۴۳ھ   الجواب صحیح ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۱۰؍ شوال ۴۳ھ

چاول اور دھان سے صدقۂ فطر ادا کرنے کا مسئلہ

سوال (۳) ہمارے ملک بنگالہ میں گیہوں نہیں ہے، دھان ہے اور چاول ہے، اگر کسی نے روزہ کا فطرہ چاول سے یا دھان سے ادا کرنا چاہا تو ادا کرسکتا ہے یا نہیں، اور اگر ادا کرسکتا ہے تو کس طور پر حساب لگانا پڑے گا، گیہوں چار آنہ سیر اور چاول پونے تین آنہ سیر اور دھان دو آنہ سیر ہے، امید قوی ہے کہ اہل آباد کے لئے ایک خلاصہ حکم فرماکر اطمینان فرماویں؟

الجواب: نصف صاع گندم وغیرہ یا ایک صاع جو وغیرہ کی جو قیمت ہو اس قیمت کے جتنے چاول یا دھان آتے ہوں اتنے دیئے جاویں، فی الدر المختار مع الشامی ج ۲ ص ۱۰۳: وما لم ینص علیہ کذرۃ وخبز یعتبر فیہ القیمۃ اھ احقر عبدالکریم عفی عنہ۔

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۱۲؍ شوال ۴۳ھ۔

صدقۂ فطر میں موضع مال کی قیمت کا اعتبار ہوگا یا صدقہ ادا کرنے کی جگہ کا

سوال (۴) ایک آدمی تھانہ بھون میں رہتا ہے، اور یہاں سے گیہوں سیر بھر آٹھ آنہ کرکے خرید کرتا ہے، اور شہر مرادآباد میں تاجر لوگ گیہوں چار آنہ کرکے خرید کرتا ہے، اس تقدیر پر جو آدمی تھانہ بھون کا رہنے والا ہے وہ اگر مرادآباد کے بھاؤ سے فطرہ ادا کرے تو ادا ہوگا یا نہیں، یا تھانہ بھون کے بھاؤ سے دینا ہوگا!

الجواب: قیمت صدقۂ فطر میں قیاس علی الزکوٰۃ کا مقتضیٰ تو یہ ہے کہ موضع مال کی قیمت کا اعتبار ہو، قال فی الدر ویقوم فی البلد الذی فیہ المال ولو فی مفازۃ ففی اقرب المواضع الیہ اھ (ص ۳۵ ج ۲) وفیہ ایضاً صدقۃ الفطر کالزکوٰۃ فی المصارف وفی کل حال الا فی جواز الدفع الی الذمی وعدم سقوطہا بہلاک المال وقد مر اھ (ص ۱۰۶ ج ۲) اور اس فرق پر نظر کی جائے کہ زکوٰۃ کا سبب وجوب مال ہے، اس لئے موضع مال معتبر ہوا، اور صدقۂ فطر کا سبب وجوب راس ہے تو اس کا مقتضا یہ ہے کہ صدقۂ فطر

میں اسی جگہ کی قیمت کا اعتبار کیا جاوے جہاں متصدق وقت ادائے صدقۂ فطر کے موجود ہے، والثانی رجح عندی نظراً الی العلۃ والمدار صریحا فلیراجع، واللہ اعلم۔ ۲۴؍ رجب سنہ ۳۵ھ۔

ایک شخص ایک مسکین کو صدقۂ فطر دے یا کئی مسکینوں کو دینا بھی جائز ہے

سوال (۵) فتاوی امدادیہ میں ہے: وجاز دفع کل شخص فطرتہ الی مسکین علی المذہب کما جاز دفع صدقۃ جماعۃ الی مسکین واحد بلا خلاف، اور عالمگیریہ جلد اول کتاب الزکوٰۃ میں ہے کہ: ویجب دفع صدقۃ فطر کل شخص الی مسکین واحد حتی لو فرقہ علی مسکینین او اکثر لم یجز ویجوز دفع ما یجب علی الجماعۃ الی مسکین واحد کذا فی التبیین ص ۱۲۳ ج ۱، پس ان دونوں قول میں کس کو قول مرجح ہے، اور کس پر عمل کرے، ازراہ کرم ارشاد فرماویں؟

الجواب: قال فی الدر: وجاز دفع کل شخص فطرتہ الی مسکین او مساکین علی ما علیہ الاکثر وبہ جزم فی الولوالجیۃ والخانیۃ والبدائع والمحیط وتبعہم الزیلعی فی الظہار من غیر ذکر خلاف وصححہ فی البرہان فکان ہو المذہب کتفریق الزکوٰۃ والامر فی حدیث اغنوہم للندب فیفید الاولویۃ کما جاز دفع صدقۃ جماعۃ الی مسکین واحد بلا خلاف یعتد بہ اھ ص ۱۰۱ ج ۲۔

اس سے معلوم ہوا کہ فتاوی امدادیہ میں جو لکھا ہے وہی صحیح ہے، اور عالمگیریہ میں جو ایک شخص کا صدقۂ فطر ایک ہی مسکین کو دینا واجب اور تفریق کو غیر جائز لکھا ہے وہ قول ضعیف پر مبنی ہے، ہاں عمل میں اولیٰ وہی ہے جو عالمگیریہ میں ہے، مگر اس کے خلاف بھی جائز ہے۔ واللہ اعلم

۲۲؍ جمادی الثانیہ سنہ ۳۲ھ۔

جس جگہ گندم اور دوسری منصوص اشیاء موجود نہ ہوں وہاں صدقۂ فطر کیا ادا کرے

سوال (۶) در دیار ما زراعت گندم نیست، اگر بعوض گندم قیمتش دادہ شود پس قیمت گندم وغیرہ منصوص علیہ کدام جا کردہ صدقۂ فطر دادہ شود، از روئے مہربانی رفع اشتباہ فرمایند؟

الجواب: والمعتبر فی الزکوٰۃ مکان المال وفی الوصیۃ مکان الموصی وفی الفطرۃ مکان المؤدی عند محمد وہو الاصح در، بل صرح فی النہایۃ والعنایۃ بانہ ظاہر الروایۃ وہو المذہب کما فی البحر، شامی (ص ۱۱۲ ج ۲) وفی الدر ایضا ولو فی مفازۃ ففی اقرب الامصار الیہ، فتح (ص ۳۵ ج ۲)۔

جس شہر میں گندم نہ ہو اگر وہاں جو (شعیر) موجود ہو یا اور کوئی منصوص (صدقۂ فطر) ایک صاع جو کی یا دوسرے منصوص کی قیمت سے ادا کیا جائے، اگر گندم اور جو وغیرہ منصوص نہ ہوں تو اس شہر سے قریب تر شہر جو ایسا ہو جس میں گندم وجو موجود ہوں تو اس قریب تر شہر میں نصف صاع گندم یا ایک صاع جو کی قیمت جو کچھ ہو اس سے صدقۂ فطر ادا کیا جائے، واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ ذیقعدہ ۴۳ھ

وزن صاع کی تحقیق

سوال (۵): صدقۂ فطر جو کہ ہر شخص کے ذمہ نصف صاع گیہوں یا ایک صاع جو وغیرہ واجب بتلایا جاتا ہے، مگر یقینی نہیں جتلایا جاتا کہ نصف صاع یا ایک صاع انگریزی تول کے حساب سے جو کہ اسی تولہ کا ہوتا ہے، کیا ہونا چاہیے! بعض کہتے ہیں کہ احناف کے نزدیک ایک صاع آٹھ رطل کا ہوتا ہے، مگر یہ معلوم نہیں کہ رطل کتنے وزن کا ہوتا ہے، اور کیا قیمت رکھتا ہے! بعض کا قول ہے کہ صاع انگریزی تول کے حساب سے ساڑھے تین سیر یا تین سیر دس چھٹانک کا ہوتا ہے، اور نصف صاع ایک سیر تیرہ چھٹانک یا ساڑھے بارہ چھٹانک یا ساڑھے نو چھٹانک تک یا دو سیر بتاتے ہیں۔ اب یہ بات دریافت طلب ہے کہ صاع اور نصف صاع کو حساب کی شکل میں لاکر بتفصیل تحریر فرمایا جاوے تاکہ یقینی طور پر صاع اور نصف صاع کی بابت معلوم ہو جائے کہ وہ اسی تولہ کے حساب سے کتنے کا ہوتا ہے، بینوا!

الجواب: درمختار میں صاع کا وزن ایک ہزار چالیس درہم لکھا ہے، اور درہم کے بارے میں اختلاف ہے، لیکن شرح وقایہ میں دس درہم کو سات مثقال کے برابر لکھا ہے اور مثقال کا صحیح وزن بقول غیاث اللغات ۴، ماشہ ہے، پس درہم ۳ ماشہ ۱⅕ رتی کا ہوا (مظاہر حق میں بھی درہم کا یہی وزن لیا ہے) اور صاع دو سو ستر تولہ کا ہوا، جیسا کہ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے اپنی بیاض میں درج کر دیا ہے، اب اس کے سیر ہر شخص اپنے اپنے علاقہ کے مطابق کر سکتا ہے، اسی کے حساب سے نصف صاع پونے دو سیر کا ہوتا ہے، اور ہمارے علمائے کرام کا یہی قول ہے، مگر احتیاطاً پورے دو سیر ادا کرنے کے لئے فرما دیا کرتے ہیں، اسی پر عمل کرنا چاہیے، اور دوسرے اقوال جو صاع کے متعلق ہیں ان کی بناء درہم کے وزن

عہ خاکسار اس وجہ سے کہ مذکورہ وزن ماش یا مسور کا ہی یعنی جس برتن میں دو سو ستر تولہ مسور سماتی ہو اس میں گیہوں بھر کر دینا چاہیے اور ظاہر ہے کہ گیہوں کا وزن اور ماش و مسور کا وزن متفاوت ہے، م

م ونیز گیہوں خرد و کلاں و بھاری ہوتی ہے پس احتیاط دو سیر میں ہے تاکہ یقیناً صدقۂ فطر ادا ہو جاوے ۱۲ منہ

ہیں اور خود صاع کے وزن میں کہ وہ کتنے درہم کا ہے اختلاف ہوتا ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

فائدہ عظیمہ: حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے پاس ایک مُد تھا جس کی سند حضرت زید بن ثابتؓ تک مسلسل ہے کہ حضرت زیدؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مُد سے ناپ کر وہ مُد بنایا تھا۔ اس مُد کو حضرت مولانا تھانوی مدظلہم العالی نے دو مرتبہ بھر کر وزن کیا تو اسی کے سیر سے پونے دو سیر ہوا تھا، جو حساب مذکورہ بالا کے مطابق ہے، والحمد للہ علیٰ ذلک حمداً کثیراً کثیراً۔

نوٹ: نصف صاع ۲ ماشہ، ۱۳۹ تولہ کا ہوا اور چونکہ روپیہ ۱۱ ماشہ کا ہوتا ہے اس واسطے ۲ رتی ۵ ماشہ تولہ کا اضافہ کرکے روپیوں کے حساب سے نصف صاع ۳ رتی ۲ ماشہ ۱۴۳ روپیہ بھر ہوتا ہے، کتبہ الاحقر عبد الکریم، ۱۳؍ جمادی الاولیٰ سنہ ۴۳ھ۔

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ ۱۳؍ جمادی الاولیٰ سنہ ۴۳ھ۔

فطرہ اور چرم قربانی کی قیمت میں تملیک شرط ہے

سوال (۸): میرے محلہ والے لوگ اکثر قرضدار ہیں اور بعضے تونگر بھی ہیں، اس لئے چاہتا ہوں کہ اپنے محلہ کی قربانیوں کے چمڑے اور روزوں کے فطرے ایک جگہ جمع کرکے ایک تحویل بناکے اس کے روپے سے محلہ والوں کو نفع پہونچاؤں، خواہ نسیئۃً بیع کے طریقہ پر خواہ قرض حسنہ کی روش پر تاکہ محلہ والے لوگ سودی قرض سے بچیں، شرعاً یہ معاملہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: یہ صورت جائز نہیں، کیونکہ چرم قربانی کی قیمت اور صدقہ فطر کا بطور تملیک دینا ضروری ہے، اور صورت مذکورہ فی السوال میں تملیک مفقود ہے کما لا یخفی، واللہ اعلم، احقر عبد الکریم عفا عنہ، ۵؍ رمضان سنہ ۴۳ھ۔

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ۔

تحقیق مقدار صدقۂ فطر

سوال (۹): مقدار صدقۂ فطر بحساب بنگالہ کہ از دوازدہ ماشہ تولہ و از پنج تولہ چھٹانک و از شانزدہ چھٹانک یا ہشتاد تولہ سیر باشد چیست؟

الجواب: تقدیرش موقوف بر تحقیق صاع است، لما روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم أدوا صدقۃ الفطر الخ، و دراں اختلاف کثیر است، لیکن بقول فقہائے محققین وزن صاع ۱۰۴۰ درم است (کذا فی الدر المختار وغیرہ)، و دہ درم از آنہا وزن ہفت مثقال (کذا فی الدرر وشرح الوقایہ وغیرہما)، و مثقال بقول صحیح چہار و نیم ماشہ (کذا فی الغیاث)

پس از ۵۴۰ درم مبلغ ۳۳۶ ماشہ وبحساب مسئول از یک صاع ۲۷۰ تولہ ماشہ (چنانچہ در بیاض یعقوبی و مظاہر حق ہمیں حساب موجود است) وصدقہ فطر نصف صاع از گندم یک سیر یازدہ چھٹانک یک تولہ شش ماشہ گردید پس قریب یک تولہ بوزن بارہ ماشہ گرفتہ شود (چنانچہ در بیاض یعقوبی و مظاہر حق ہمیں حساب موجود است) لیکن علمائے کرام یک سیر دوازدہ چھٹانک بلکہ برائے مزید احتیاط دو سیر فرمودہ اند۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ احقر عبدالکریم عفی عنہ ۵ شوال المکرم ۱۳۴۳ھ الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ۔

غیر منصوص اشیاء سے صدقہ فطر ادا کرنے میں قیمت کا اعتبار ہے مقدار کا نہیں

سوال (۵۰) آفتاب دولت سراج ملت جناب حکیم الامت دام ظلہ۔ السلام علیکم۔ چند تمنائے قدم بوسی عرض خدمت اقدس یہ ہے کہ فدوی کو بوجہ کم علمی ذیل کے مسئلوں میں نہایت شک پیدا ہوا، لہذا امید واثق ہے کہ جواب بالمراد عطا فرما کر فلاح دارین بخشیں گے۔

(۱) صدقہ فطر گیہوں اور جو وغیرہ کے علاوہ چاول جو ہمارے ملک میں خاص غذا ہے سال بسال انگریزی تول سے ڈھائی سیر بمقابل نصف صاع دینے سے ادا ہوگا یا نہ یا ہندوستان سے گیہوں کا بھاؤ سال بسال دریافت کرکے اس کی قیمت کے مقابل جتنے سیر چاول آئے دینا ہوگا؟ یہاں کے بعض عالم یہ بتلاتے ہیں کہ جس ملک میں جس غلہ کا زیادہ تر رواج ہے اس ہی سے اوقات بسری ہوتی ہے، مذکورہ بالا مقدار دینے سے ادا ہوگا، اگرچہ یہ حنفی مذہب میں ہے یا نہ، مگر یہاں کی اصلی خوراک صرف چاول ہے۔

الجواب: قال فی الدر (ومکان المؤدی) عنہ (معتبر) وھو الاصح اھ وفیہ البحث وما لم ینص علیہ کذرۃ وخبز یعتبر فیہ القیمۃ اھ (ص ۱۲۲ ج ۲) جس ملک میں چاول کا رواج زیادہ ہو وہاں چاول کا نصف صاع ادا کرنے سے صدقہ فطر ادا نہ ہوگا، بلکہ نصف صاع گیہوں یا ایک صاع جو یا ایک صاع چھوہارہ کی قیمت ادا کرنے سے صدقہ فطر ادا ہوگا، اور گیہوں کی ہندوستانی قیمت سال بسال معلوم کرنا معتبر نہیں، بلکہ بنگال ہی میں نصف صاع گیہوں کی جو قیمت ہو اس کا لحاظ لازم ہوگا پس یا تو نصف صاع گیہوں یا ایک صاع جو یا ایک صاع چھوارہ ادا کیا جائے یا ان میں سے کسی ایک کی قیمت نقد یا اس قیمت کے برابر چاول ادا کئے جائیں۔

سوال (۵۱) کتاب صدقہ فطر میں جو ایک صاع مذکور ہے چاول اس کے مقابل

تھا دو چھٹانک ہے انگریزی تول سے اس کی مقدار کتنی ہوگی؟

الجواب: اس سوال کی حاجت کیا ہے، نصف صاع گیہوں کا وزن پونے دو سیر ہے اسی کے سیر سے اس کا دو چھٹانک خود معلوم کر لیا جاتا ہے، لیکن اگر ایک صاع چاول بھی نصف صاع گیہوں کی یا ایک صاع جو و چھوارہ کی قیمت کو نہ پہونچے تو صدقہ فطر ادا نہ ہوگا۔ ۸ ذیقعدہ

صدقۂ فطر وصول کرنے کی غرض سے کمیٹیاں قائم کرنا

سوال (۱۱): بعض لوگ کوشش کر رہے ہیں کہ جا بجا کمیٹیاں قائم کر کے لوگوں سے صدقۃ الفطر وصول کریں اور اس کی تقسیم کا انتظام کمیٹیاں کریں، آیا یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: آج کل کمیٹیوں کی جو حالت ہے اس سے یہ امید نہیں کہ صدقۃ الفطر کو صحیح طور پر مصارف میں صرف کیا جائے گا، نیز یہ بھی اندیشہ ہے کہ کمیٹی والے مسلمانوں سے صدقۃ الفطر جبراً وصول کریں گے، حالانکہ اس میں جبر کا کسی کو حق نہیں، اس لئے یہ صورت درست نہیں، ہر شخص جہاں چاہے اور جس کو چاہے اپنا صدقہ دے، یہی بہتر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

ظفر احمد عفا عنہ ۲۴ رجب ۵۵ھ الجواب صحیح الصواب۔ اشرف علی عفی عنہ ۲۵ رجب ۵۵ھ

باب المصارف

بنجر زمین کے مالک کو عیال دار ہونے کی صورت میں زکوٰۃ لینے کا حکم

سوال (۱۲): زید غریب بے مسکین ہے، مگر اس کی دختر مرحومہ کا زیور مثلاً ہزار دو ہزار روپے زید کے داماد کے ذمہ واجب ہے، جو کہ نالش کرنے پر ممکن ہے وصول ہو جائے اور ممکن ہے وصول نہ ہو سکے، مگر زید کا عزم نالش کر کے وصول کرنے کا یا معاف کرنے کا نہیں ہے۔

اور ایسے ہی بکر مفلس خستہ حال عیال دار ہے مگر اس کے نام ایک موضع ویران شدہ میں اراضی زرعی ہزار بیگہ ہے، جو کہ موضع ویران ہو جانے سے محض بیکار پڑی ہے، کچھ آمد نہیں، البتہ فروخت کرنے پر کئی ہزار مل سکتے ہیں، تو ایسے دونوں شخصوں کو زکوٰۃ کا مال شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ جواب باصواب معہ دستخط مرحمت فرما دیں؟

الجواب: صورت مسئولہ میں ان دونوں شخصوں کو زکوٰۃ لینا جائز ہے، مگر جس کے پاس افتادہ زمین ہے اس کو لازم ہے کہ اس کو فروخت کرنے کی کوشش کرے، اور جب تک خریدار نہ پیدا ہو زکوٰۃ کا مال لے سکتا ہے، قال فی التنویر ولو کان مالہ مؤجلاً او

علی شئ. او محسن او جاحد ولو له بينة في الاصح اھ قال الشامي وفي الفتح دفع الى فقيرة لها دين مهر على زوجها يبلغ نصابا وهو موسر بحيث لو طلبت اعطاها لا يجوز وان كان لا يعطي لو طلبت جاز اھ ص ۹۹ ج ۲ وذكر في الفتاوى في من له حوانيت ودور للغلة لكن غلتها لا تكفيه ولعياله انه فقير ويحل له اخذ الصدقة عند محمد وعند ابي يوسف لا يحل اھ ص ۱۰۳ ج ۲ شامی ولو كان له ضيعة تساوي ثلثة آلاف ولا تخرج ما يكفي له ولعياله اختلفوا فيه قال محمد بن مقاتل يجوز له اخذ الزكوة عالمگیریہ ص ۲۰۳ ج ۱، ۲۲ ر ا سنہ ۴۳ھ

تراویح سنانے والے کو اجرت میں رقم دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی

سوال (۲) میرے ملک میں بعض حافظ بعض مسجدوں میں باجرت تراویح میں قرآن سناتے ہیں اور بعض کو بعد ختم کے لڈو وغیرہ کہہ کر دیتے ہیں، ایسے ملک میں جو حافظ اجرت و شبہ اجرت کو ناجائز جانتے ہیں اگر اس کو مقتدیوں نے صدقہ فطر و زکوٰۃ کہہ کر کچھ روپیہ پیسہ دیں، لینا جائز ہے یا نہیں!

الجواب: جو حافظ اجرت پر قرآن سناتے ہیں ان کو زکوٰۃ و فطرہ دینے سے واجب ذمہ سے ساقط نہ ہوگا، کیونکہ مال زکوٰۃ و فطرہ کا تصدق و تملیک مجانا ضروری ہے، اور یہاں اجرت میں دیا گیا، البتہ جو حفاظ باجرت نہیں سناتے، بلکہ اجرت و شبہ اجرت کو ناجائز سمجھتے ہیں اگر وہ فقیر ہوں صاحب نصاب نہ ہوں ان کو زکوٰۃ و فطرہ کا روپیہ دینا جائز ہے، مگر یہ تصریح کر دینی چاہئے کہ یہ تم کو اجرت میں نہیں دیا گیا نہ تمہارا کچھ حق تھا، محض غریب سمجھ کر دیا گیا ہے، نیز جب ان حفاظ کے پاس قدر نصاب رقم جمع ہو جاوے اس کے بعد ان کو زکوٰۃ و فطرہ نہ دیا جاوے، ورنہ واجب ادا نہ ہوگا، الا ان یکون مدیونا بقدر ما یحیط بمالہ فیصح فافہم۔ ۳ر شعبان سنہ ۴۳ھ۔

بیوی شوہر، باپ بیٹے کو صدقہ نذر دینا جائز نہیں

سوال (۳) معروض اینکہ حضور فیض گنجور دریں یار و مسئلہ مذکور اختلاف افتاد، و لہذا بخدمت حضور عرض کنم تا کہ از تشکیک ما تنہا بیخبر و حق ظہور شود فقط امید آنکہ ان بزرگ حضور مد جناب از روئے مہربانی مسئلہ مرقومۃ الذیل را بیان فرمودہ فیصلہ کنند کہ گر زوج محتاج باشد زوجہ صدقہ نذر خود را دادن جائز است یا نہ یا بالعکس، و اگر پدر محتاج باشد پسر پدر خود را صدقہ نذر دادن جائز است یا نہ یا بالعکس مستفسر فتاوی عزیزی مولانا شاہ عبد العزیز صاحب دہلویؒ جلد دوم صفحہ ۱۰۶

مرقوم است در مجموعہ فتاویٰ جلد دوم ص ۲۹۱ و جلد سوم ص ۳۰۲ از مولانا عبدالحئی صاحب مرقوم است و بہشتی زیور حصہ سوم ص ۱۳ مرقوم است لیکن بجستن ایں را ازیں کتب مسئلہ مذکورہ بالا صحیح در فہم نمی آید لاجرم بخدمت حضور عرض نمایم زیادہ والسلام۔

الجواب: فی العالمگیریۃ (ص ۲۱۲ ج ۱) ولا یدفع الی اصلہ وان علا وفرعہ وان سفل کذا فی الکافی ولا یدفع الی امرأتہ للاشتراک فی المنافع عادۃ ولا تدفع المرأۃ الی زوجہا عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ کذا فی الہدایۃ وھکذا فی الدر وقال الشامی تحت قول الدر مصرف الزکوٰۃ الخ وھو مصرف لصدقۃ الفطر والکفارۃ والنذر وغیر ذلک من الصدقات الواجبۃ کما فی القہستانی، پس زوج و زوجہ دیگر روپیہ را صرف نذر دادن جائز نیست، فقط

کتبہ عبدالکریم عفی عنہ ۸ جمادی الاول ۴۳ھ الجواب صحیح ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔

زکوٰۃ کے روپیہ سے ضیافت کرکے فقیروں کو کھلانے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی

سوال (۴) زکوٰۃ کے روپیہ سے اگر ضیافت کرکے فقیروں کو کھلا دیوے تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب: فقیروں کو کھانا کھلانے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ البتہ اگر ان کو کھانا بطور تملیک دیدیا جاوے تو ادا عہ ہو جاوے گی۔ کما فی الشامی (ص ۳ ج ۲) فلو اطعم یتیماً ناویاً للزکوٰۃ لا یجزیہ الا اذا دفع الیہ المطعوم اھ حررہ الاحقر ظفر عفی عنہ جمادی الاولیٰ ۴۳ھ۔

کافر کو زکوٰۃ و دیگر صدقات واجبہ دینے کے متعلق بہشتی زیور کے مسئلہ پر شبہ کا جواب

سوال (۵) بہشتی زیور مدلل و مکمل جلد سوم صفحہ ۳۲ مسئلہ نمبر ۸ میں بحوالہ درمختار صفحہ ۲ ج مرقوم ہے کہ زکوٰۃ کا پیسہ کسی کافر کو دینا درست نہیں، مسلمان ہی کو دیوے، اور زکوٰۃ اور عشر اور صدقہ فطر اور نذر اور کفارہ کے سوا اور خیر خیرات کافر کو بھی دینا درست ہے، درمختار میں دیکھا گیا تو یہ عبارت ملی ہے۔

وجاز دفع غیرها وغیر العشر والخراج الیہ أی الذمی ولو واجباً کنذر وکفارۃ وفطرۃ خلافاً للثانی وبقولہ یفتی حاوی القدسی، اور شامی میں خلافاً للثانی کے تحت مرقوم ہے حیث قال ان دفع سائر الصدقات الواجبۃ الیہ

عہ بقدر اس کھانے کے قیمت کے خواہ اس کی تیاری میں لاگت کم لگی ہو یا زیادہ ۱۲ از حضرت مولانا دام ظلہم العالی۔

لا یجوز اعتبارا بالزکوٰۃ وصرح فی البدائع وغیرھا بان ھذہ الروایۃ عن الثانی و ظاھرہ ان قولہ المشھور کقولھما اور بقولہ یفتی کے تحت میں ہے "الذی فی حاشیۃ الرملی عن الحاوی وبقولہ ناخذ قلت ولکن کلام البدائع وغیرھا یفید ترجیح قولھما وعلیہ المتون۔ ان عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو یوسفؒ سے صرف ایک روایت ہے کہ نذر و کفارہ و دیگر صدقات واجبہ کافر کو دینا جائز نہیں ہے، مگر طرفین کے نزدیک اور خود امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جیسا کہ ان کی مشہور روایت سے ظاہر ہے، زکوٰۃ کے علاوہ باقی تمام صدقات واجبہ اور نافلہ کو دینا جائز ہے۔

اور بہشتی زیور کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ و صدقات واجبہ کے سوا کافر کو دینا جائز ہے اور صدقات واجبہ نہیں دے سکتے۔ اب شبہ یہ ہو رہا ہے کہ متون اور طرفین رحمہما اللہ کے خلاف بہشتی زیور میں کیوں درج ہوا، کیا کوئی دوسری دلیل ان سب دلائل پر فوقیت رکھنے والی موجود ہے، اگر موجود تھی تو کیوں نہیں درج فرمائی گئی، اور اگر نہیں موجود ہے تو یہ دلائل کیوں نظر انداز کر دیئے گئے، امید کہ شافی جواب سے تشفی بخشی جاوے؟

الجواب: چونکہ امام ابو یوسفؒ کی وہ روایت مفتی بہ ہے جس میں نذر و کفارہ کو زکوٰۃ کے حکم میں داخل کیا ہے۔ (جیسا کہ خود سوال میں بقولہ یفتی وبقولہ ناخذ منقول ہے) اسی بنا پر بہشتی زیور میں نذر و کفارہ کو زکوٰۃ کے ساتھ درج کیا ہے، باقی رہی یہ بات کہ متون کے خلاف کیوں لکھا، اس کا جواب یہ ہے کہ متون کے خلاف اگر فتوی کی تصریح موجود ہو تو فتوے پر عمل کیا جاوے گا، کما فی الشامی (ص ۳ ج ۱) اما لو ذکرت مسئلۃ فی المتون ولم یصرحوا بتصحیحھا بل صرحوا بتصحیح مقابلھا فقد افاد العلامۃ قاسم ترجیح الثانی لانہ تصحیح صریح وما فی المتون تصحیح التزامی والتصحیح الصریح مقدم علی التصحیح الالتزامی۔ اور ہم کو فقہاء کی تصریح کے بعد وجہ تلاش کرنے کی چنداں ضرورت نہیں، لیکن ان کی تصریح بالفتوی کے بعد ہم کو کہنے کی جرأت ہو سکتی ہے کہ امام ابو یوسفؒ کی روایت میں احتیاط ہے، اس لئے وہی مفتی بہ ہے، کافر کو نذر وغیرہ دے کر ادا ہونا محتمل ہے کما ھو الظاھر، نیز ہندوستان میں تو طرفینؒ کے قول کو لے کر بھی نذر وغیرہ صدقات واجبہ نہ دینا چاہئے، کیونکہ طرفین کے نزدیک بھی ہر کافر کو دینا جائز نہیں، بلکہ ذمی کی قید ہے، جیسا کہ سوال کی عبارت میں موجود ہے۔ نیز درمختار کی یہ عبارت مذکورۃ فی السوال کے بعد ہے: واما

وان الحربی ولو مستأمنا فجمیع الصدقات لا تجوز له اتفاقا بحر عن الغایة وشامی ص ۸۰ ج ۲۔ اور ہندوستان کے کفار کو ذمی کہنا محض فریب ہے، ہاں مستامن ہیں واللہ اعلم بالصواب، کتبہ الاحقر عبدالکریم ۷ رمضان المبارک ۱۳۴۳ھ۔

زکوٰۃ اپنی اولاد کو دینے سے ادا نہیں ہوتی

سوال (۶) خالد اپنے مال کی زکوٰۃ خود نکالتا ہے اور زکوٰۃ کے پیسے سے اپنے لڑکے کے لئے کتابیں خرید دیتا ہے، آیا زکوٰۃ ادا ہوئی یا نہیں، اور لڑکا حقیقی اور شامل حال ہو تو شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: اس صورت میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، کیونکہ اولاد و والدین و زوجین زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہیں۔ واللہ اعلم، ۲۱ شعبان ۱۳۴۵ھ۔

جس شخص پر قربانی واجب ہو مگر زکوٰۃ واجب نہ ہو وہ زکوٰۃ لے سکتا ہے یا نہیں

سوال (۷) بندہ کے اسباب مکان کی رو سے قربانی تو واجب ہے اور بوجہ نہ ہونے روپیہ کے زکوٰۃ واجب نہیں، اب میرے پاس جاڑے کا لحاف نہیں ہے، جو کچھ روپیہ حساب کو ہے وہ اگر لحاف میں خرچ کیا جاوے تو ضروری خرچ میں تنگی ہوگی۔ اب مدرسہ میں جو لحاف زکوٰۃ کے ہیں بندہ کو لینا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب: جو شخص صاحب نصاب زکوٰۃ نہ ہو مگر صاحب نصاب صدقۃ الفطر و قربانی ہو اس کو زکوٰۃ لینا جائز نہیں، قال فی الدر فی بیان نصاب صدقۃ الفطر وبه ای بهذا النصاب تحرم الصدقة کما مر وتجب الاضحیة اھ (ص ۲۰ ج ۲)۔ قال الشامی قوله تحرم الصدقة ای الواجبة اما النافلة فانما یحرم علیه سؤالها اذا کان النصاب لمن کان مستغرقا بحاجته فلا تحرم علیه المسئلة ولا یجب به ما ذکر عنها اھ قلت ولکن القول بنفی فراغ النصاب عن الحاجة لقول الشامی انه ممن تجب علیه الاضحیة وهی لا تجب الا علی الغنی عنده لا بنصاب غیر نام فارغ عن الحاجة الاصلیة فلا یجوز للسائل ان یاخذ مال الزکوٰۃ، واللہ اعلم، ۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۳ھ۔

ایضاً

سوال (۸) السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، گذارش ہے کہ بندہ پر بوجہ اسباب مکان کے قربانی اور صدقۃ الفطر تو واجب ہے، مگر بوجہ نہ ہونے نقد مالی کے زکوٰۃ واجب نہیں، اور اس وقت مسافری کی حالت میں وطن جانے کے واسطے

لحاف کی ضرورت ہو، اور اگر اپنے پاس سے خرچ دے کر تیار کرایا جاوے تو آئندہ ضروری خرچ میں تنگی کا احتمال ہے، پس اس صورت میں مدرسہ میں جو لحاف بمد زکوٰۃ آتے ہیں، بندہ کو لینا جائز ہوگا، والسلام۔

الجواب: ہاں اس صورت میں بوجہ ابن السبیل ہونے کے آپ کو زکوٰۃ کی چیز لینا جائز ہے، لیکن سوال کرنا جائز نہیں، بدون سوال کے مل جائے تو جائز ہے، اور اگر مال زکوٰۃ تقسیم کرنے والا یہ کہے کہ جس کو حاجت ہو وہ درخواست پیش کرے خواہ آپ سے کہے یا عام طور پر خانقاہ والوں سے کہا جائے تو اس صورت میں حاجت کی اطلاع کرنا سوال میں داخل نہیں، پس اطلاع کر دینا جائز ہے، واللہ اعلم۔ ۱۰ رجمادی الاولیٰ ۴۴ھ۔

الاحتیاط اللازم فی الصدقات علی بنی ہاشم زماننا ہذا والقول المحکم فی حرمۃ الزکوٰۃ علی بنی ہاشم

سوال (۹): ما قولکم دام ظلکم فی رجل اعطی زکوٰۃ مالہ سنین عدیدۃ لبنی ہاشم عارفاً ایاہم وہو یظن انہم من مصارف الزکوٰۃ فہل یجب علیہ ان یعید ما دفعہ الیہم بعد ما علم انہ لا یجوز لہم دفع الزکوٰۃ ام کیف الامر وہل ترون دفع الزکوٰۃ الی بنی ہاشم فی زماننا ہذا بناء علی روایۃ ابی عصمۃ رحمہ اللہ فانہ لا تخفی علی سیادتکم الحالۃ البائسۃ التی نزلت بالمسلمین عامۃ و بنی ہاشم خاصۃ بالدیار الہندیۃ والناس لا یکادون ان یتوجہوا الیہم بما یسد فاقتہم بید ان البعض ممن یخاف اللہ سبحانہ تکاد نفسہ ان تسمح بدفع بعض الصدقات الواجبۃ ہذا وللہ الفضل والمنۃ ولرسولہ ثم لکم۔

الجواب عن مسئلۃ الصدقۃ علی بنی ہاشم

اقول لا یخفی علی فضیلتکم ان مذہب ائمتنا الثلاثۃ تحریم الصدقۃ علی بنی ہاشم مطلقاً فریضتہا ونافلتہا الا ما کانت بطریق الہدیۃ والہبۃ کما ذکرہ الطحاوی فی شرح الآثار وقواہ بالدلائل النقلیۃ والنظریۃ ثم قال فلما حرم علی بنی ہاشم اخذ الصدقات المفروضات حرم علیہم اخذ الصدقات غیر المفروضات ہذا ہو النظر فی ہذا الباب وہو قول ابی حنیفۃ وابی یوسف ومحمد رحمہم اللہ (ص ۳۰۳ ج ۱) قال المحقق ابن الہمام فی الفتح

وهو يرى تحريم الصدقة عليهم مطلقا ۲ منه الموافق للعمومات فوجب اعتباره فلا يدفع اليهم النافلة الا على وجه الهبة مع الادب وخفض الجناح تكرمة لاهل بيت رسول الله صلى الله عليه وسلم (ص ۲۱۲ ج ۲) ولكن المشائخ توسعوا في ذلك وقالوا بجواز النافلة لهم واجابوا عن العمومات بانها وان كانت عامة لفظا كقوله صلى الله عليه وسلم انا آل محمد لا ناكل الصدقة وفي رواية انا اهل بيت قد نهينا ان ناكل الصدقة تحرف لفظان آل محمد لا يحل لهم الصدقة ولكنها مخصوصة معنى بدليل ما اخرجه مسلم من رواية عبد المطلب بن ربيعة مرفوعا ان هذه الصدقات انما هي اوساخ الناس وانها لا تحل لمحمد ولا لآل محمد الحديث ففيه ما يشعر بعلة حرمة الصدقة عليهم وهي كونها من اوساخ الناس والنافلة ليس بنجس وانما يتنجس على خلاف القياس باسقاط الفرض ضرورة انه صار مطهرا بالنص وهو قوله تعالى خذ من اموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم بها لا يقال ان الصدقة النافلة مطهرة ايضا لانا نقول لا دليل على كونها مطهرة بل يجوز ان تكون محسنة مزكية بمعنيه التحسين والتزيين والجلاء معنى بعد التطهير فلا يلزم منه تدنس ما يحصل به ذلك فبقي ما وراءه على ما يقتضيه القياس من الطهارة الاصلية فان الثابت خلاف القياس يقتصر على مورده والنص هو قوله من اوساخ الناس ورد في المكتوبة خاصة كما هو ظاهر حديث عبد المطلب بن ربيعة فيجوز ما سوى الزكوة ونحوها من الواجبات لبني هاشم وهذه التوسعة التي وسع بها المشائخ على بني هاشم هي غاية ما يصار اليه ولا يتصور عنه الزيادة

منه ويرد عليه ان حرمة الصدقة على بني هاشم كحرمتها على النبي صلى الله عليه وسلم سواء بسواء كما هو ظاهر النصوص وليس فيها ما يعين الفرق ولا يخفى انها كانت محرمة على النبي صلى الله عليه وسلم مطلقا يدل عليه حديث سلمان انه اتى النبي صلى الله عليه وسلم بصدقة فحين قدم اليه بينه فردها عليه وقال انا لا ناكل الصدقة وكان سلمان عبدا محضا لا يجب عليه الزكوة وعن ابي هريرة انه صلى الله عليه وسلم اذا علم بشيء انه صدقة امسك عنه مطلقا ولم يسئل انه صدقة من زكوة او غيرها فتامل ۱۲ ظ

عليهم. وأما ما رواه أبو عصمة عن الإمام وأشار إليه الطحاوي أيضا أنه يجوز دفع سائر الصدقات إليهم في زمانه لأن عوضها وهو خمس الخمس لم يصل إليهم الخ كما في رد المحتار (ص ١٠١ ج ٢) فهو ضعيف رواية ودراية لا يجوز الأخذ به أصلا. أما ضعفه رواية فلأن أبا عصمة ضعيف رماه ابن المبارك وغيره بالكذب والوضع وأما ضعفه دراية فلأن مبناه على كون خمس الخمس لبني هاشم عوضا عن تحريم الصدقة عليهم فإن كان قاله الإمام بالرأي قلنا هذا تعليل بمعنى من النص فإن حديث عبد المطلب بن ربيعة عند مسلم دال على أن علة التحريم كون الصدقة من أوساخ الناس وإن قاله بالنص فلا بد له من نص يدل على كون ذلك عوضا عن هذا ولم يرد نص صحيح بل لذلك أصلا فيما علمناه. وأما اللفظ الذي رواه صاحب الهداية أنه صلى الله عليه وسلم قال يا بني هاشم إن الله تعالى حرم عليكم غسالة الناس وأوساخهم وعوضكم منها بخمس الخمس فغريب جدا كما صرح به الزيلعي وإنما الصحيح ما أخرجه مسلم بلفظ إن هذه الصدقات إنما هي أوساخ الناس وإنها لا تحل لمحمد ولا لآل محمد وليس فيه ما زاده في الهداية من قوله وعوضكم منها بخمس الخمس نعم قد رواه الطبراني بطريق حنش عن عكرمة عن ابن عباس في الحديث فقال لهما صلى الله عليه وسلم إنه لا يحل لكم أهل البيت من الصدقات شيء وإن لكم في خمس الخمس ما يغنيكم انتهى كما في نصب الراية (ص ٤١٨ ج ١) ولكن ليس فيه دلالة على كون خمس الخمس لبني هاشم عوضا عن تحريم الصدقات عليهم بل يحتمل أن يكون قوله إن لكم في خمس الخمس ما يغنيكم تسلية لهما ومعناه أنه لا حاجة لكم إلى الصدقات الآن لأن لكم في خمس الخمس ما يغنيكم ولا يجب عموم التسلية وإبقاؤها على حالها دائما بل يجوز أن يسلي واحد بشيء وآخر بشيء وأن يكون التسلية في زمان بشيء وفي زمان آخر بشيء آخر وذلك لأن التسلية لا تكون علة للحكم بل المقصود منها حض المخاطب على الامتثال وتقوية قلبه لذلك كما لا يخفى.

وإن سلمنا كونه دالا على معنى التعويض فنقول لفظ الطبراني هذا لم يصح سنده لأن حنشا متروك ولا يروي عن عكرمة مولى ابن عباس أحد غيره

ممن يلقب بحنش كما لا يخفى على من مارس الأسماء) واسمه حسين بن قيس ابو علي الرحبي (تقريب) وروى ابن ابي شيبة في مصنفه حدثنا وكيع ثنا شريك عن خصيف عن مجاهد قال كان آل محمد صلى الله عليه وسلم لا تحل لهم الصدقة فجعل لهم خمس الخمس ورواه الطبري في تفسيره ثنا ابن وكيع به (سندا ومتنا) كما في نصب الراية وفيه تأييد للفظ الهداية فانه مشعر بكون خمس الخمس عوضا عن تحريم الصدقة عليهم ولكنه موقوف على مجاهد وفي سنده خصيف وهو صدوق سيء الحفظ خلط بآخره وللقائل ان يقول ان حديث مثله حسن في الدرجة الثانية وهو صالح للاحتجاج به والاعتضاد ووقفه ممكن بان معناه مما لا يدرك بالرأي واذا روى التابعي ما لا يدرك بالرأي كان في حكم المرسل المرفوع وهو حجة عند الحنفية. تأمل ويرد عليه ان الاحتجاج بقول مجاهد يقتضي ان يكون سهم ذوي القربى وهو خمس الخمس باقيا. ويجب على الامام ان يصرف خمس الخمس من الغنيمة على بني هاشم وهذا الشاهد قول الشافعي دون ابي حنيفة فعنده يقسم الخمس على ثلاثة اسهم سهم لليتامى وسهم للمساكين وسهم لابن السبيل يدخل فقراء ذوي القربى فيهم ولا يدفع الى اغنيائهم كما صرح به في الهداية (ص ٥٠٥ ج ١) وليس لهم خمس الخمس عنده متعينا ولو كان ذلك عوضا عن تحريم الصدقات عليهم لوجب صرفه اليهم وذلك يقتضي تخميس القسمة لا تثليثه وهذا خلاف المشهور من مذهب ابي حنيفة وصاحبيه كما لا يخفى على من مارس الفقه واذا كان كذلك فالقول باباحة صرف الصدقات الى بني هاشم لعدم وصول خمس الخمس اليهم انما يتجه لمن قال بتعين حقهم في خمس الخمس في حياة النبي صلى الله عليه وسلم وبعد وفاته كما قاله ابن عباس واخذ به الشافعي واما من قال ان خمس الخمس لم يكن لبني هاشم لا في حياة النبي صلى الله عليه وسلم ولا بعد مماته وانما ذكر الله ذوي القربى في الآية مع اليتامى والمساكين، بيانا لفقرهم وحاجتهم فدخلهم مع الفقراء والمساكين وقدّم فقراءهم ومساكينهم على فقراء غيرهم فلا يخرج لهم سهم من الغنيمة على حدة بل سهم الفقراء والمساكين يكفيهم ويقدمون على غيرهم من الفقراء كما هو مذهب ابي حنيفة

واصحابه فلا يجوز له القول باباحة صرف الصدقات الى بني هاشم الآن لعدم وصول خمس الخمس اليهم ولا يصح منه القول بذلك ابدا لانه لا يقول بحقهم في خمس الخمس فافهم والله تعالى اعلم وهذا ما عندنا ولا يخفى ان الاول في المذهب هو الصحيح رواية ودراية ولا يجوز الافتاء بالضعيف مع العلم بضعفه وبعد ذلك فالازم على الرجل المسئول عنه اعادة زكوته هذه السنين التي انفق زكوتها على بني هاشم عارفا اياهم وظنا انهم من مصارف الزكوة باطلا فعليه ان يعيد زكوتها وان لم يستطع ذلك لعدم المال فيعيدها بحيلة الاستقراض من الغير والاستيهاب منه وهي لا تخفى على مثلكم واما ما ذكرتم من العالة البائسة التي نزلت بالمسلمين فهي لا تختص ببني هاشم منهم بل تعمهم وغيرهم ولو ابيح لهم الحرام لاجل ذلك فليبح الربوا والرشوة لغيرهم ايضا لاجل هذه العالة البائسة ولا يجترئ على ذلك احد، والسلام۔

فان قيل قال في البحر عن الحاوي القدسي وعن ابي يوسف ان الخمس يصرف لذوي القربى واليتامى والمساكين وابن السبيل وبه ناخذ اه فهذا يقتضي ان الفتوى على الصرف الى الاقرباء الاغنياء فليحفظ اه (ص ۱۱۶ ج ۵) ويؤيده رواية ابي عصمة ويندفع الايراد الذي اورد قبل على الاستدلال باثر مجاهد بانه يقتضي تخميس الخمس لا تثليثه وهذا خلاف مذهب ابي حنيفة واصحابه وانما هو مذهب الشافعي اه فان ما رواه الحاوي القدسي عن ابي يوسف يدل على بقاء التخميس في مذهب الحنفية ايضا وان كان ذلك خلاف المشهور فليؤخذ به للضرورة ....

قلت هذا لا يجدي ....
شيئا فان ما رواه الحاوي يفيد كون خمس الخمس حقا لبني هاشم كلهم غنيهم وفقيرهم فلو كان تحريم الصدقة عوضا عنه كما يفيده اثر مجاهد للزم جواز الصدقة على اغنياءهم ايضا اذا لم يصل اليهم خمس الخمس ولم يقل به احد ولو امعنت النظر لعرفت ان رواية ابي يوسف هذه تفيد تحريم الصدقة

على بني هاشم مطلقا تكون دالة على ان حقهم في خمس الخمس باق واثر مجاهد فيه اقرار ان علة التشريع في تحريم الصدقة على بني هاشم كونهم قد عوضوا منها بخمس الخمس فما دام هذا التشريع باقيا كان الحكم باقيا ولا ينخرم الا بانخرام التشريع واما ظلم الولاة ومنعهم بني هاشم عن حقهم فلا ينخرم الحكم به اصلا فان مبنى الاحكام انما هو على التشريع وعلته لا على افعال الولاة والامراء واذا كان الشارع قد شرع تحريم الصدقة على ذوي القربى بعلة تعويضه خمس الخمس لهم عنه ووضعه حقهم فيه وجب ان يبقى حكم التحريم ببقاء حكم هذا التعويض لهم وهذا ظاهر جدا. وهذا الجواب على تسليم ان اثر مجاهد يدل على ان كون خمس الخمس لبني هاشم علة لتحريم الصدقة عليهم ولقائل ان يقول ان اثر مجاهد فيه بيان حكمة هذا التشريع لا علته والعلة انما هي كون الصدقة من اوساخ الناس وهي المنصوصة في كلام الشارع والحكم انما يدور مع العلة دون الحكمة والله تعالى اعلم۔ ۱۲ صفر سنہ ۱۳۴۴ھ

رسالہ رفع التشکیک فی دفع الزکوٰۃ بالتملیک

مذاکرہ در مصارف زکوٰۃ

سوال (۱): بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔ امابعد واضح ہو کہ دینی ضروریات روز بروز بڑھتی جاتی ہیں اور ان میں سے اکثر کے آمدنیوں کی قلت ہوتی ہے، اور شرعاً آجکل زکوٰۃ کے سوا کوئی ایسی مد نظر نہیں آتی جس کے ترک پر وعید شدید شرعی سنائی جائے، اور اس زکوٰۃ میں حضرات فقہائے کرام نے تملیک کی شرط لگائی ہے جس کی وجہ سے مساجد، مدارس دینی، تبلیغ واشاعت اسلام اور تصنیف وتالیف کتب دینیہ کے بہتیرے کام رک جاتے ہیں یا جیسے چلنے کی ضرورت ہے ویسے چلنے نہیں پاتے، کیونکہ ان پر مال زکوٰۃ، فطرہ اور چرم قربانی خرچ نہیں کئے جا سکتے اس لئے کہ امور مذکورہ میں تملیک نہیں ہو سکتی اور ان امور مذکورہ میں تملیک جاری کرنا ہو تو حیلہ کی تلاش کرنا پڑتی ہے جس کا ثبوت آیات واحادیث اور اقوال سلف سے نہیں ملتا ہے پس امور مذکورہ کا اجراء یا تو صدقات غیر واجبہ سے کیا جاوے، جن کے نہ دینے سے مسلمان وعید کے مستحق نہیں ہو سکتے، یا آیات واحادیث کے عموم ہی سے کیوں نہ ہو ان امور مذکورہ کو مصارف زکوٰۃ میں داخل کیا جائے۔

مسئلہ بالا کے متعلق ایک عرصہ دراز سے بندہ زمانہ طالب علمی سے خلجان رہا اور حضرات شیوخ کرامؒ کے افادات سے کچھ بھی مرتبۂ مقصود کا نشان نظر آ رہا تھا۔ بالآخر دو چار سال کے عرصے میں بعض معزز و محترم خیر خواہ حضرات اس مسئلہ کو چھیڑتے رہے جس پر فاضل محقق عالی جناب مولانا محمد عبدالوہاب صدر مدرس جامعہ دارالسلام عمرآباد نے آیت "فی سبیل اللہ" کی تعمیم اور چند حدیث سے استدلال فرما کر امور مذکورہ کو مصارف زکوٰۃ میں شامل فرمایا، مولانا ممدوح کی تحریر سے خاکسار کے خیالات میں امید و جرأت پیدا ہوئی جس کے بعد خاکسار بغرض استفادہ اپنے چند منتشر خیالات کو حضرات رہنمایان دین کی خدمات میں پیش کرتا ہے، جن کے متعلق امید کہ آنحضرات اپنے تنقیدانہ و تحقیقانہ افادات سے ممنون فرمائیں گے۔ اِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ۔

جمیع حضرات علمائے کرام پر یہ امر بخوبی روشن ہے کہ امت محمدیہ کے پاس مصارف زکوٰۃ کی دلیل آیت مفصلہ ذیل ہے:۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ

"صدقے صرف فقیروں کے لئے ہیں اور محتاجوں کے لئے اور ان لوگوں کے لئے جو صدقہ پر کام کرتے ہیں اور ان لوگوں کے لئے جن کی تالیف قلوب کی جاوے اور غلاموں کے آزاد کرنے اور قرضداروں کے قرض ادا کرنے اور اللہ کی راہ میں اور مسافر کی مد میں خرچ کرنے کے لئے، خداوند پاک کی جانب سے یہ حکم ہے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔"

(۱) للفقراء کا لام جمیع مستحقین کے پاس تملیک کے لئے ہو۔ لیکن تفاسیر و شروح حدیث کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس حرف کی بھی ائمہ کرام کی ایک جماعت قائل ہے کہ لام اس آیت میں تملیک کے لئے نہیں ہے، چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے شرح بخاری میں یہ تسلیم فرمایا ہے کہ:۔

ان اللام في قوله تعالى للفقراء لبيان المصرف لا للتمليك	"لام "للفقراء" کے شروع میں مصرف بیان کرنے کے لئے ہے تملیک کے لئے نہیں۔"

اور علامہ سیوطیؒ نے الاتقان کی کتاب الادوات میں لام کے متعدد معنی جو بیس سے زیادہ ہوں گے بیان کئے ہیں، اُن میں سے صرف لام تعلیل کے متعلق حقیقی یا مجازی معنی ہونے کا اختلاف اہلِ لسان سے ذکر کیا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ باقی معانی حقیقی ہیں۔

اصولِ فقہ کی کتاب "حصول المامول من علم الاصول" مطبوعہ مصر میں لام کے بائیس معنی ذکر کئے ہیں، جن میں سے ہر ایک کی مثال قرآن پاک سے دی گئی ہے۔

اور کتب نحو میں عموماً اور شرح جامی میں خصوصاً یوں مرقوم ہے:۔

اللام للاختصاص بملکیۃ أو بغیر ملکیۃ.	لام اختصاص کے لئے آتا ہے خواہ ملکیت کے طور پر ہو یا بلا ملکیت کے۔

امام فخر الدین رازیؒ نے اپنی تفسیر میں پہلے چار مصرفوں میں لام کے آنے اور بعد کے چار مصرفوں میں فی کے آنے کا فرق یوں بیان فرمایا ہے کہ پہلے چار مصرف والوں کو اپنے حاصل کردہ مالِ زکوٰۃ میں مالکانہ تصرف کا اختیار ہے اور پچھلے چار مصرف والوں کو اپنے حسبِ منشا تصرف کا اختیار نہیں، پس لام سے تملیک کی شرط اجتہادی محض چیز ہوئی نہ کہ قطعی اور منصوص۔

(۲) فی سبیل اللہ کے معنی میں تعیین اور اس تعیین پر اجماع ہوا ہے یا نہ! اگر تعیین اور اس پر اجماع ہو چکا ہے تو کتبِ فقہ سے پتہ چلتا ہے کہ شافعیہ کے ہاں اغنیاء مجاہدین کو مالِ زکوٰۃ سے دے سکتے ہیں، اور امام ابو حنیفہؒ کے ہاں ناجائز ہے، اور امام ابو یوسفؒ نادار مجاہدین کو ہی مال کی زکوٰۃ دینے کی اجازت دیتے ہیں، اور امام محمدؒ نادار حاجیوں کو بھی مالِ زکوٰۃ سے حج کرانے کی اجازت اسی لفظ فی سبیل اللہ سے نکالتے ہیں۔

اتنے مختلف اقوال کے بعد اگر کوئی یہ کہے کہ ان اقوال و مذاہب کے سوا نیا قول گویا اجماعِ مرکب کا خرق ہے، اس لئے وہ نیا قول ناجائز قرار دیا جائے، تو یہ عرض ہے کہ جن لوگوں نے اس مقام میں اجماع کا ذکر فرمایا ہے وہ اصولی اصطلاحی اجماع نہیں معلوم ہوتا کیونکہ اجماعِ امت کا لفظ اس مقام میں کسی نے ذکر کیا ہو دیکھنے میں نہیں آیا، بلکہ اجماعِ جمہور لکھا ہے، اجماع اور جمہور کی اضافت خود اصولی اصطلاحی اجماع ہونے سے انکار کرتی ہے۔

علاوہ بریں امام قفالؒ نے بعض ائمہ سے عام مصارفِ خیر جیسے کہ امور مذکورۃ اوقاف وغیرہ کو فی سبیل اللہ کے معنی میں نقل فرمایا ہے جس کو امام رازیؒ، علامہ بیضاویؒ اور صاحبِ خازن نے بھی اپنی تفسیروں میں بیان فرمایا ہے، اور سب کے الفاظ قریب قریب حسب ذیل ہیں:۔

وقال بعضهم ان اللفظ عام فلا یجوز قصرہ علی الغزاۃ فقط ولهذا اجاز بعض الفقهاء صرف سهم سبیل اللہ الی جمیع وجوہ الخیر من تکفین الموتی وبناء الجسور والحصون وعمارۃ المساجد وغیر ذلک وقال لان قولہ وفی سبیل اللہ عام فی الکل فلا یختص بصنف دون غیرہ اہ

"اور کہا بعض علماء نے کہ لفظ عام ہے اس کو صرف مجاہدین پر قصر کرنا جائز نہیں، اسی لئے بعض فقہائے کرام نے "سبیل اللہ" کا حصہ سب نیک کام مثلاً تکفین موتی، پلوں اور قلعوں اور مساجد وغیرہ کے بنانے میں خرچ کرنے کو جائز رکھا، اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "فی سبیل اللہ" سب نیک کاموں کو شامل ہے صرف ایک جماعت کے ساتھ خاص کرنا نہیں چاہئے۔"

اور شرح وقایہ کے حاشیہ عمدۃ الرعایہ میں حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنویؒ نے مصارف زکوٰۃ کے مقام میں فقہ کی کتاب بدائع سے نقل فرمایا ہے کہ:۔

وذکر فی البدائع انه یشمل جمیع القُرَب۔

"فی سبیل اللہ کا لفظ جمیع نیک مصارف کو شامل ہے۔"

(۳) امام بخاریؒ اپنی جامع صحیح بخاریؒ کے "باب العرض فی الزکوٰۃ" میں ابو ہریرہؓ سے ابن جمیلؓ، خالد بن ولیدؓ اور حضرت عباسؓ کے منع زکوٰۃ کی توجیہ والی حدیث نقل فرماتے ہیں اور اسی روایت کو "باب والغارمین وفی سبیل اللہ" میں لے کر آئے ہیں۔ امام بخاریؒ کا مدعا امام ابن حجرؒ نے فتح الباری میں یوں ذکر فرمایا ہے:۔

واستدل البخاری بقصة خالد علی مشروعیة تحبیس الحیوان والسلاح وان الوقف یجوز بقاؤہ تحت ید محتبسه وعلی جواز اخراج العروض فی الزکوٰۃ۔

"امام بخاریؒ نے حضرت خالدؓ کے قصہ سے جانوروں اور ہتھیاروں کے وقف کرنے اور وقف کی ہوئی چیزوں کا واقف کی نگرانی میں رہنے اور زکوٰۃ میں نقد کے عوض متاع کے دینے پر دلیل پکڑی ہے (بہرحال زکوٰۃ وقف میں دیا گیا)۔

پس شروح بخاریؒ سے معلوم ہوا کہ امام بخاریؒ نے خالدؓ کے واقعہ وقف کو زکوٰۃ میں شمار فرمایا، اور آیت "فی سبیل اللہ" میں تملیک کو غیر ضروری سمجھا جو حضرات احناف کرام

کے خلاف پڑا اور وقف منقول کو بھی جائز سمجھا اور یہ امر فقہائے کوفہ کے مخالف ہے، اور زکوٰۃ میں نقد کے عوض متاع دینا ثابت کیا جو فقہ حنفیہ کے موافق ہے جس کو مولانا حافظ احمد علی صاحب حنفی محدث سہارنپوری محشی صحیح بخاری نے اپنے حاشیہ بخاری میں یوں رقم فرمایا ہے:۔

قال العینی احتج اصحابنا فی جواز دفع القیم فی الزکوٰۃ وبھذا قال ابن رشید وافق البخاری فی ھذہ المسئلۃ الحنفیۃ مع کثرۃ مخالفتہ لھم، قال الکرمانی: وفیہ دلیل علی صحۃ وقف المنقول وبہ قالت الامۃ باسرھا الا بعض الکوفیین۔

"علامہ عینیؒ نے فرمایا کہ ہمارے حضرات نے زکوٰۃ میں قیمتوں یعنی متاع کو دینا جائز کہا، اور اسی پر اس حدیث سے دلیل پکڑی، اور اسی لئے ابن رشید نے کہا کہ بخاریؒ نے اس مسئلہ میں حنفیہ کی موافقت کی حالانکہ وہ ان سے اکثر مسائل میں مخالفت کرتے ہیں، علامہ کرمانیؒ نے فرمایا کہ اس حدیث میں منقولات کے وقف کی جواز ثابت ہوئی، جس کی قائل بعض اہل کوفہ کے سوا ساری امت ہے۔"

الحاصل امام بخاریؒ کے استدلال کے جواب میں کوئی آیت یا حدیث صریح حضرات مانعین پیش فرما سکتے ہیں؟ رہے مانعین کے احتمالات وہ مجوزین کے ہاں ناشی عن الدلیل نہ ہوں، اور مجوزین کی تجویزیں مانعین کے احتمالات کی بہ نسبت وسیع تر ہیں اور اقرب الی الدلیل ہو تو امام بخاریؒ کے استدلالات کا شفی اور تشفی بخش جواب کیا ہوگا؟

مذکورہ بالا مصرف متعین کرنے کے بعد مجوزین کا مطلب یہ سمجھ میں آتا ہے کہ آیت مصارف میں سے سات حصے خاص خاص افراد یا جماعتوں پر خرچ کئے جاتے ہیں، اور ایک حصہ عام مصارف خیر کے لئے رکھ دیا جاوے تاکہ آٹھویں مصرف میں سہولت کے ساتھ امور مفیدہ ادا کئے جائیں، ورنہ تبرعات اور تطوعات اختیاری امور ہیں جن پر جبر و اکراہ نہیں کیا جا سکتا اور نہ کرنے والوں پر وعید بھی نہیں ہوتی، اور بنا بریں جدید مدارس دینی اور مصارف تبلیغ وغیرہ خدانخواستہ بالکل متروک کئے جائیں گے۔

چونکہ زمانہ موجودہ میں یہ مستحدثات مسائل میں سے ہے، لہٰذا بغرض استفادہ یہ امر بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ بوقت شدت حاجت حضرات فقہائے کرام نے بھی

اپنے امام کے خلاف دوسرے امام کے فتوے پر عمل کرنے کی اجازت دی ہے۔ چنانچہ اجرت تعلیم قرآن کی بابت صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے کہ اجرت علی تعلیم القرآن جائز نہیں۔ مگر متاخرین نے بوجہ ضرورت اجازت دی ہے۔ تاکہ تعلیم قرآن معدوم نہ ہو۔ اور اسی طرح مفقود الزوج کے نکاح کا مسئلہ معروف بین العلماء ہے۔

انہی امور کو مدنظر رکھ کر حضرت شیخ الاسلام شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں گویا امام بخاریؒ کا مسلک اختیار فرماتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا ہے۔

وعن ابی الاسؓ حملنا النبی صلعم علی ابل الصدقة للحج وفی الصحیح واما خالد فانکم تظلمون خالدا وقد احتبس ادرعه واعتده فی سبیل الله وفیه شیئان جواز ان یعطی مکان شیءٍ شیئًا اذا کان انفع للفقراء وان الحبس مجزئ عن الصدقة قلت وعلی هذا فالحصر فی قوله إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ اضافی بالنسبة الی ما طلبه المنافقون فی صرفها فیما یشتهون علی یقتضیه سیاق الآیة والسر فی ذلک ان الحاجات غیر محصورة ولیس فی بیت المال فی البلاد الخالصة للمسلمین غیر الزکوٰة کثیر مال فلابد من توسعة لتکفی نوائب المدینة والله اعلم۔

"ابوالاسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو صدقہ (زکوٰۃ) کے اونٹوں پر حج کے لئے سوار کرایا۔ اور صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم خالد پر ظلم کرتے ہو جو اس سے زکوٰۃ طلب کرتے ہو حالانکہ اس نے زرہیں اور ہتھیار اللہ کی راہ میں وقف کئے ہیں اس حدیث سے دو چیزیں ثابت ہوئیں ایک تو ایک چیز کے عوض دوسری چیز زکوٰۃ میں دے سکتے ہیں۔ جبکہ دوسری چیز فقراء کے لئے زیادہ نافع ہو اور یہ کہ وقف صدقہ زکوٰۃ کے بدلے کافی ہے۔ میں کہتا ہوں یعنی حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں حصر فرمان خداوندی اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ کے جملے میں اضافی ہے۔ منافقوں کے مطلب کے مقابلہ میں کہ وہ چاہتے تھے کہ ان کی خواہشوں کے مطابق زکوٰۃ کی رقم بیجا خرچ کی جائے۔ جیسا کہ آیت کی روانی کا مقتضا ہے۔ اور زکوٰۃ کے مصرف میں وقف کو داخل کرنے میں راز یہ ہے کہ ضروریات بے شمار ہیں۔ اور مسلمانوں کے خالص شہروں

میں زکوٰۃ کے سوا کوئی معتبر مد نہیں ہوتی لہٰذا ضروری ہوا کہ مصرف زکوٰۃ میں وسعت ہو جو کافی مہیا ہو جیسا کہ آیت کے نزول کے موقع پر مدینہ مسلمانوں کا خالص شہر تھا۔ واللہ اعلم

الجواب: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی لاسیما علی سیدنا النبی محمد الذی قد افلح من بہ اقتدی وبسنتہ وسنۃ خلفائہ المہدیین المجتہدین اہتدی وبہا اکتفی ومن احتذی فی امرہ وشرعہ ما لیس منہ واتبع ہواہ فقد خاب وخسر وظلم نفسہ وجفاہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ رؤس اہل الوفاء وافضل الخلق بعد الانبیاء وسادات اہل الصفاء۔

اما بعد: اس سوال کے جواب میں سب سے پہلے ان دلائل کو ذکر کر دینا ضروری ہے جن کی بنا پر ائمہ مجتہدین نے زکوٰۃ کی تعریف میں تملیک فقیر کی قید بڑھائی اور بدون اس کے عدم ادائے زکوٰۃ کا حکم فرمایا ہے۔

مبحث اول: دلائل رکنیتِ تملیک برائے زکوٰۃ:

(۱) اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نماز کے حکم کے ساتھ جہاں بھی زکوٰۃ کا حکم فرمایا ہے وہاں لفظ ایتاء اختیار فرمایا ہے۔ اقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ، وآتی المال علیٰ حبہ ذوی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب الیٰ قولہ واقام الصلوٰۃ واٰتی الزکوٰۃ، وقولہ رجال لا تلہیہم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ وغیرہا من الآیات اور ایتاء کے معنی اعطاء یعنی تملیک کے ہیں، صاحب بدائع فرماتے ہیں: وقد امر اللہ تعالیٰ الملاک بایتاء الزکوٰۃ لقولہ عز وجل وآتوا الزکوٰۃ والایتاء ہو التملیک اھ (ص ۳۹ ج ۲)

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ نے مالکان اموال کو ایتاء زکوٰۃ کا حکم فرمایا ہے اور ایتاء کے معنی مالک بنا دینا ہے، وفی الحدیث المشہور بنی الاسلام علی خمس شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ الحدیث اخرجہ الشیخان والجماعۃ۔

(۲) مصارف زکوٰۃ کے متعلق جو آیت عظیمہ ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو صدقات سے تعبیر فرمایا ہے: انما الصدقات للفقراء والمساکین الآیۃ اور صدقہ اور تصدق

بھی تملیک کو چاہتا ہو، صاحب بدائع فرماتے ہیں: ولہذا سمی اللہ تعالیٰ الزکوٰۃ صدقۃ بقولہ إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ والتصدق تملیک الخ (ص ۳۹ ج ۲) اور شرح سیر کبیر للامام محمد بن الحسن میں ہے لان ہذا جعل ثلث مالہ فی سبیل اللہ علی وجہ الصدقۃ والصدقۃ تملیک من اہل الحاجۃ قال اللہ تعالیٰ انما الصدقات للفقراء الخ (ص ۲۲۴ ج ۴)

اور محمد بن حسن رحمہ اللہ امام عربیت ہیں، ان کا قول لغت میں حجت ہے، اسی شرح سیر کبیر میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول وقف منقول کے بارہ میں جو ذکر کیا ہے اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ کے معنی تملیک ہیں۔ فاما ابو حنیفۃ رحمہ اللہ فانہ کان لا یجوز الوقف والحبس فی حالۃ الحیوۃ فلا یجوز عند اذا اوصی بعد موتہ الا ما کان لہ اصل فی الشریعۃ والوصیۃ بالغلۃ لہا اصل فی الشریعۃ فانہ لو اوصی بان یتصدق غلۃ بستانہ علی الفقیر فذلک جائز لما یتم فیہ من التملیک فکذلک حبس الاراضی والعبد والدار لیکون غلتہا فی سبیل اللہ یجوز لان فیہ معنی التملیک لان الغلۃ یتصدق بہا علی اہل الحاجۃ ممن یغزو فتصیر ملکا لہ یأخذہا یصنع بہا ما شاء فاما ما لیس فیہ معنی التملیک ولکن فیہ انتفاع بالعین نحو سکنی الدار ورکوب الفرس وقراءۃ المصحف ولبس السلاح وخدمۃ العبید فلا فی جوازہ فی الشرع اذا وقع لاقوام مجہولین والحق فی ذلک انہ اذا لم یکن فیہ تملیک العین لم یکن صدقۃ الخ (ص ۲۲۳ ج ۴)۔

اس میں صاف تصریح ہے کہ شریعت میں صدقہ بدون تملیک عین کے کوئی اصل نہیں۔ نیز اس سے پہلے امام ابو یوسفؒ کا قول وقف منقول میں اس طرح مذکور ہے،

وکان ابو یوسفؒ یقول القیاس ان لا یجوز وقف الاراضی لما فیہ من تعطیل الملک ولا تملیک من احد الا ان الشرع عطل ملکنا عن المساجد لقربۃ تعلقت بہا عاجلا نفعہا الینا من حیث الثواب فجوزنا فی مثلہ فی وقف الاراضی لانہا من جنس المساجد فانہا تبقی ویعاش نفعہا کالمساجد، فاما الاموال المنقولۃ ما وجدنا فیہا قربۃ اوجبہا اللہ تعالیٰ الا قربۃ تقع بتملیک الفقیر فکذلک لا یجوز ایجاب القربۃ من العبد الا علی وجہ التملیک اذا ایجاب العبد معتبر بایجاب اللہ تعالیٰ، اس میں صاف تصریح ہے کہ کوئی قربۃ

مالیہ واجبہ منقولات میں بدون تملیک فقیر کے شریعت میں نہیں، اور امام ابو یوسفؒ کے اس دعویٰ میں کوئی کلام نہیں کر سکتا، نہ کسی کو کلام ہے، اور جو لوگ وقف منقول کو جائز کرتے ہیں وہ اس کے جواب میں صرف یوں کہیں گے کہ قربت نافلہ تو شریعت میں بدون تملیک کے واقع ہے، پس ایجاب قربت من العبد کے لئے قربت نافلہ کی نظیر کافی ہے، قربت واجبہ کے مثل ہونا لازم نہیں، بہرحال امام ابو یوسفؒ کا یہ ارشاد کہ کوئی قربت مالیہ واجبہ منقولات میں شرعاً بدون تملیک فقیر نہیں ہے، اس بات کو بتلا رہا ہے کہ صدقہ کے معنی تملیک کے ہیں۔

اور کشاف اصطلاحات الفنون میں ہے الصدقۃ بفتحتین من الصدق سمی بہا عطیۃ یراد بہا المثوبۃ لا التکرمۃ لان بہا یظہر صدق الرغبۃ فی العبودیۃ کما فی جامع الرموز (ص ۱۵۸) اس میں صدقہ کی تفسیر عطیہ سے کی ہے، اور عطیہ میں تملیک ظاہر ہے، کیونکہ عطیہ و ہبہ لغۃً متحد ہیں، اسی لئے فقہاء نے فرمایا ہے، الصدقۃ کالہبۃ فلا تجوز الا مقبوضۃ کذا فی الدر۔

(۳) حدیث مشہور قصہ بعث معاذ الی الیمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:- فان ہم اطاعوا لذالک فاخبرہم ان اللہ قد فرض علیہم صدقۃ تؤخذ من اغنیاءہم فترد علی فقراءہم، الحدیث رواہ الشیخان وغیرہما۔

(ترجمہ) "اگر وہ لوگ اس بارہ میں (یعنی نماز کی فرضیت کے بارہ میں) تمہاری اطاعت کرلیں تو اس کے بعد اُن کو خبر کرو کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر صدقہ فرض کیا ہے، جو اُن کے اغنیاء سے لیا جائے گا، پھر اُن کے فقراء پر واپس کیا جائے گا"، یہ حدیث بھی اس بات کو بتلاتی ہے کہ زکوٰۃ تملیک فقیر ہی کے لئے موضوع ہے۔

اور اسی کے مثل حدیث ضمام بن ثعلبہ میں وارد ہے:- قال انشدک اللہ آللہ امرک ان تأخذ ہذہ الصدقۃ من اغنیائنا فتقسمہا فی فقرائنا فقال اللّٰہم نعم، الحدیث رواہ الشیخان وغیرہما وہو مشہور ایضاً۔

(ترجمہ) "ضمام بن ثعلبہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی عرض کیا کہ میں آپ کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ امر فرمایا ہے کہ آپ یہ صدقہ ہمارے اغنیاء سے لیں، پھر اس کو ہمارے فقراء میں تقسیم فرمادیں؟ حضورؐ نے فرمایا ہاں (اللہ تعالیٰ ہی نے مجھ کو یہ حکم دیا ہے) یہ حدیث بھی بتلا رہی ہے کہ زکوٰۃ فقراء

میں تقسیم کرنے کے موضوع ہے، اور یہ تقسیم بطور تملیک ہی کے ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔

(۴) تعریف زکوٰۃ میں شرعاً تملیک فقیر بالاتفاق معتبر ہے، قال الحافظ فی الفتح قال ابن العربی وتعریفها فی الشرع اعطاء جزء من النصاب الحولی الی فقیر ونحوه غیر هاشمی ولا مطلبی ثم لها رکن وهو الاخلاص وشرط هو السبب وهو ملک النصاب الحولی وشرط من تجب علیه وهو العقل والبلوغ والحریة اھ قال الحافظ وهو حسن لکن فی شرط من تجب علیه اختلاف اھ (ص ۲۰۴ ج ۳)

قلت فدل علی ان ما سواه متفق علیه عند الکل، یہ عبارت صاف بتلا رہی ہے کہ زکوٰۃ کی تعریف میں تملیک فقیر اتفاقاً معتبر ہے۔

کشاف اصطلاحات الفنون (ص ۶۲۳) میں ہے: الزکوٰۃ فی اللغة النماء الحاصل من برکة اللہ تعالیٰ وفی الشریعة جزء معین من النصاب الحولی یخرجه الحر المسلم المکلف للہ تعالیٰ الی الفقیر المسلم الغیر الهاشمی ولا مولاه مع قطع المنفعة عنه من کل وجه، وفی جامع الرموز ان الزکوٰۃ فی الشریعة القدر الذی یخرجه الی الفقیر وفی الکرمانی انها فی الفعل ومجاز شرعاً فی ایتاء ذلک القدر وعلیه المحققون کما فی المضمرات انتهی ویؤیده انها توصف بالوجوب وهو من صفات الافعال ویؤید الاول قوله تعالیٰ وآتوا الزکوٰۃ اذ ایتاء الایتاء محال والاظهر ان الزکوٰۃ فی الشرع حقیقة بکلا المعنیین کذا فی البرجندی اھ، اس میں زکوٰۃ کے شرعاً دو معنی بیان کئے ہیں، اور دونوں میں تملیک فقیر معتبر ہے جیسا کہ اہل علم پر مخفی نہیں۔

(۵) مال زکوٰۃ کو ایسے مواقع میں صرف کرنا جن میں تملیک نہ ہو، باتفاق ائمہ مذاہب و باجماع جملہ مجتہدین جائز نہیں، رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ میں تصریح ہے۔

واتفقوا علی منع الاخراج لبناء مسجد او تکفین میت اھ (ص ۴۵)

(ترجمہ) "اور علماء نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ زکوٰۃ بناء مسجد اور کفن میت میں صرف کرنا ممنوع ہے۔" اور یہ اتفاق صرف ائمہ اربعہ ہی کا نہیں، بلکہ جملہ ائمہ مجتہدین کا اتفاق ہے، مثل اوزاعیؒ و مکحولؒ و سفیان ثوریؒ و حسن بصریؒ وغیرہم، کیونکہ صاحب رحمۃ الامۃ نے مقدمہ کتاب میں اس کی تصریح کی ہے کہ جس مسئلہ میں ائمہ اربعہ کا اتفاق ہو اور

کسی دوسرے کا اختلاف ہو تو میں مخالف کا قول بھی نقل کروں گا تاکہ مسئلہ کا اختلافی ہونا معلوم ہو جائے، اور یہاں کسی کا اختلاف نقل نہیں کیا، اس سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں تمام مجتہدین کا اتفاق ہے، وھذا نصہ اذا کان فی المسئلۃ خلاف لاحد من الائمۃ الاربعۃ اکتفیت بذلک ولا اذکر من خالف فیہا من غیرھم فان لم یکن احد منہم خالف فی تلک المسئلۃ وکان فیہا خلاف لغیرھم احتجت الی ذکر المخالف لیظہر ان فی المسئلۃ خلافاً اھ (ص ۳۰۲)۔

مبحث دوم: سائل کے جواب سے پہلے میں اس کو بھی ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ آیت انما الصدقات للفقراء میں حصر حقیقی مقصود ہے کہ زکوٰۃ مفروضہ کے مصارف یہی مصارف ثمانیہ ہیں ان کے سوا مصرف زکوٰۃ کوئی نہیں۔

دلائل ملاحظہ ہوں:-

(۱) عن زیاد بن الحارث الصدائی قال اتیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فبایعتہ فاتی رجل فقال اعطنی من الصدقۃ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ لم یرض بحکم نبی ولا غیرہ فی الصدقات حتی حکم فیہا ھو فجزأھا ثمانیۃ اجزاء فان کنت من تلک الاجزاء اعطیتک، رواہ ابوداؤد وسکت عنہ وسندہ حسن عہ۔

زیاد بن حارث صدائی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے بیعت ہوا، پھر ایک شخص آیا اور کہا یا رسول اللہ مجھکو صدقہ (کے مال) میں سے دیجئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ صدقات کے بارے میں رسول کے فیصلہ پر راضی ہوا نہ کسی اور کے، یہاں تک کہ اس کا فیصلہ خود ہی فرمایا ہے، اور صدقہ کو آٹھ حصوں پر تقسیم کیا، پس اگر تو ان آٹھ حصوں میں کسی حصہ میں داخل ہو تو میں تجھ کو دیدونگا (اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے)۔

یہ حدیث صاف تصریح کر رہی ہے کہ مصرف اموال زکوٰۃ یعنی مصارف ثمانیہ میں منحصر ہے، ان کے سوا اور کسی مصرف میں صرف نہیں کی جا سکتی، اور اس کے بعد کسی دلیل کے

عہ فیہ عبدالرحمن بن زیاد بن انعم الافریقی وثقہ غیر واحد وتکلم فیہ بعضھم وھذا حسن الحدیث وقد حسن الترمذی۔ منہ ۱۲

بیان کی حاجت نہیں، مگر تائیداً اور دلائل بھی ذکر کئے جاتے ہیں۔

(۲) امام رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں: المسئلة الاولیٰ قوله انما الصدقات للفقراء الآیة تدل علی انه لاحق فی الصدقات لاحد الا لهذه الاصناف الثمانیة و ذلک مجمع علیه وایضا فلفظة انما تفید الحصر ویدل علیه وجوه ثم ذکرها وطال (ص ۱۰۱م ۴ ج ۴)۔

تفسیر کبیر ہی میں ص ۲۱۲ ج ۴ میں ہے: اتفقوا علی ان مال الزکوٰة لا یخرج عن هذه الثمانیة واختلفوا انه هل یجوز وضعه فی بعض الاصناف فقط وقد سبق ذکر دلائل المثبتین اھ اس میں صاف تصریح ہے کہ مال زکوٰة کا ان مصارف ثمانیہ میں منحصر ہونا متفق علیہ اجماعی مسئلہ ہے۔

(۳) صاحب کشاف اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: انما الصدقات للفقراء قصر لجنس الصدقات علی الاصناف المعدودة وانها مختصة بها لا تتجاوزها الی غیرها کانه قیل انما هی لهم لا لغیرهم ونحوه قولک انما الخلافة لقریش ترید لا تتعداهم ولا تکون لغیرهم اھ (ص ۲۳۰ ج ۲) اس میں بھی صاف تصریح ہے کہ آیت کا مقصود و مطلب یہ ہے کہ جنس صدقات اصناف ثمانیہ پر مقتصر اور انہی میں منحصر ہے ان کے سوا دوسروں کو صدقہ زکوٰة نہیں دیا جا سکتا، اور صاحب کشاف امام عربیت ہیں، ان کی تفسیر معانی عربیت میں حجت ہے۔

مبحث سوم فی سبیل اللہ کے معنی میں: چونکہ سائل نے فی سبیل اللہ کے معنی میں تعمیم کی کوشش کی ہے، اس لئے اس پر بھی گفتگو لازم ہے، اس میں کچھ شبہ نہیں کہ لغۃً لفظ فی سبیل اللہ ہر طاعت کو عام ہے، مگر مصطلح قرآن و حدیث میں غزوات و مجاہدین کے ساتھ مخصوص ہے، مفسرین کا اس پر اتفاق ہے۔

(۱) امام رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں: الصنف السابع قوله تعالیٰ وفی سبیل الله، قال المفسرون یعنی الغزاة اھ (ص ۶۳ ج ۴) المفسرون جمع معرف باللام ہے جو عموم کے لئے موضوع ہے، مطلب یہ ہے کہ تمام مفسرین نے فی سبیل اللہ کی تفسیر غزاۃ سے کی ہے۔

(۲) امام حافظ امام علامہ طبری نے بھی فی سبیل اللہ کی تفسیر یہی کی ہے اور فرمایا کہ

کہ اہل تفسیر کا یہی قول ہے۔

(ومن النصہ) واما قولہ فی سبیل اللہ فانہ یعنی وفی النفقۃ فی نصرۃ دین اللہ وطریقتہ وشریعتہ التی شرعہا لعبادہ بقتال اعدائہ وھو غزو الکفار وبالذی قلنا فی ذلک قال اھل التاویل ذکر من قال ذلک حدثنی یونس انا ابن وھب قال قال ابن زید فی قولہ وفی سبیل اللہ قال الغازی فی سبیل اللہ اھ (ص ۱۱۴ ج ۱۰) ثم سرد احادیث عن بدۃ۔

اہل علم جانتے ہیں کہ امام ابن جریر طبریؒ اپنی تفسیر میں ہر آیت کے تحت میں علماء قرآن وائمہ تفسیر کے مختلف اقوال بکثرت بیان کرتے ہیں، اور اختلاف نقل کرنے کے بعد کسی ایک معنی کو ترجیح دیا کرتے ہیں، لیکن فی سبیل اللہ کی تفسیر میں انھوں نے بجز غزو کفار کے کچھ نہیں بیان کیا، اور حصر کے ساتھ یہ دعویٰ کیا ہے وبالذی قلنا فی ذلک قال اھل التاویل فان تقدیم ما حقہ التاخیر یفید الحصر فتقدیم الجار والمجرور فی قولہ وبالذی قلنا افاد انھم لم یقولوا بغیر ذلک اصلاً، کہ جو تفسیر ہم نے کی ہے ائمہ تفسیر نے بھی صرف یہی تفسیر کی ہے، اس سے یہ بات روشن ہو کہ مفسرین کا اس پر اتفاق ہے، اور اگر کسی کا خلاف منقول ہے تو وہ ائمہ تفسیر میں سے نہیں ہے بلکہ علماء حدیث وفقہ میں سے ہوگا۔

اور درمنثور میں جو ابن ابی شیبہ وابن المنذر کے حوالے سے ابن عباسؓ کا (جو ائمہ تفسیر میں سے ہیں) یہ قول مذکور ہے: بانہ کان لایری بأساً ان یعطی الرجل من زکوتہ فی الحج اھ (ص ۱۵۲ ج ۳) اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ابن عباسؓ نے فی سبیل اللہ کی تفسیر بمعنی عام کی اور حج میں زکوٰۃ دینا اس لئے جائز سمجھا ہے کہ ان کے نزدیک حج بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے، بلکہ ممکن ہے کہ انھوں نے حاج کو ابن السبیل میں داخل کرکے زکوٰۃ سے اس کی امداد کو جائز سمجھا ہو جیسا کہ مدونہ میں امام مالکؒ سے منقول ہے کہ انھوں نے حاج منقطع کو ابن السبیل میں داخل کرکے مستحق زکوٰۃ قرار دیا۔ (ومن النصہ) قال مالک یعطی من الزکوۃ ابن السبیل وان کان غنیاً فی بلدہ قلت فالحاج المنقطع بہ فقال قال مالک ھو ابن السبیل یعطی من الزکوۃ اھ (ص ۲۵۴ ج ۱)۔

اس توجیہ سے میرا مقصود یہ ہے کہ فی سبیل اللہ کی تفسیر میں ائمہ تفسیر کا اس پر اتفاق ہے کہ مراد غازی ہے، مفسرین سے اس کا خلاف منقول نہیں، بلکہ سب اس پر متفق ہیں کہ ابن عبا

ہے جو منقول ہو وہ اس کے خلاف میں نص نہیں۔

(۳) علامہ امام ابوبکر بن العربیؒ نے احکام القرآن میں امام مالکؒ سے نقل کیا ہے کہ مجھے اس میں کسی اختلاف کا علم نہیں ہے کہ فی سبیل اللہ سے آیت صدقات میں صرف غزو و جہاد مراد ہے، اس کے بعد امام ابن العربیؒ نے احمدؒ و اسحٰقؒ سے نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک سبیل اللہ صرف حج ہے، پھر یہ کہا کہ ان کا صحیح قول یہ ہے کہ حج بھی غزو کے ساتھ سبیل اللہ میں داخل ہے، اس پر امام ابن العربیؒ فرماتے ہیں کہ یہ قول قانون شریعت کو توڑنا اور قیاس کی لڑی کو بکھیرنا اور مضبوط گرہ کو کھولنا ہے، اور ہرگز کسی اثر میں یہ وارد نہیں ہوا کہ زکوٰۃ حج میں دی جائے، وھذا نصہ قولہ فی سبیل اللہ قال مالکؒ سُبُل اللہ کثیرۃ ولکنی لا اعلم خلافا فی ان المراد بسبیل اللہ ھھنا الغزو من جملۃ سبیل اللہ الا ما یؤثر عن احمدؒ و اسحٰقؒ فانھما قالا انہ الحج والذی یصح عندی من قولھما ان الحج من جملۃ السبیل مع الغزو لانہ طریق بر فاعطی منہ باسم السبیل وھذا یحل عقد الباب ویخرم قانون الشریعۃ وینثر سلک النظر وما جاء قط باعطاء الزکوٰۃ فی الحج اثر اھ (ص ۳۹۲ ج ۱)۔

امام مالکؒ کا لا اعلم خلافا فرمانا اس امر کی دلیل ہے کہ سلف صالح اور مشائخ و معاصرین مالکؒ کا طبقہ اس پر متفق تھا کہ فی سبیل اللہ سے مراد غزاۃ ہیں، اور اصولی قاعدہ ہے کہ اجماع لاحق خلاف سابق کو رفع کر دیتا ہے، اور خلاف لاحق اجماع سابق کو منقوض نہیں کر سکتا، پس اگر صحابہؓ میں سے کسی نے (مثل عبداللہ بن عمرؓ) حج کو فی سبیل اللہ[عہ] میں داخل کیا ہو تو

[عہ] جملہ شرطیہ کے ساتھ اس کو اس لئے تعبیر کیا گیا کہ عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ سے جو فی سبیل اللہ میں ادخال حج منقول ہے وہ آیت زکوٰۃ کی تفسیر میں نہیں بلکہ وصیت کے باب میں ہے، کہ ایک شخص نے اپنے مال کے متعلق وصیت کی کہ اس کو سبیل اللہ میں صرف کیا جائے تو عبداللہ بن عمرؓ نے حج میں اس کے صرف کو جائز کیا اور فرمایا یہ بھی سبیل اللہ میں سے ہے، کما فی شرح السیر صفحہ ۲۲ ج ۳، اور وصیت کا مبنیٰ عرف عام پہ ہے ممکن ہے عرف عام میں سبیل اللہ حج کو عام ہو، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عرف شرع میں بھی سبیل اللہ حج کو عام ہو، اور آیت قرآن کی تفسیر عرف شرع کے ساتھ لازم ہے، عرف عام کے ساتھ صحیح نہیں، پس عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ کے اس قول سے آیت مصارف میں فی سبیل اللہ کی تفسیر میں حج کو داخل کرنا صحیح نہیں، اسی لئے امام ابن عربیؒ نے احمدؒ و اسحٰقؒ کے قول کو ہادم قانون شریعت کہا، اور در مختار میں محمدؒ کے قول کو قیل سے تعبیر کیا ہے جو

[عہ] ضعف پر دال ہے ۱۲ منہ

اجماع مابعد سے یہ اختلاف مرتفع ہوجائے گا، اور اس اجماع کو اختلاف لاحق منقوض نہیں کرسکتا۔

(۴) احمد و اسحٰق اور اسی طرح امام محمد بن حسنؒ نے جو فی سبیل اللہ کی تفسیر میں حج کو داخل کیا ہے ہرچند کہ یہ قول ضعیف ہے، اور بقول امام ابن العربی خادم قانونِ شریعت کے مگر ان کا بھی یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حج میں زکوٰۃ کا مال بدون تملیک کے دیدیا جائے، کیونکہ باتفاق ائمہ مجتہدین ادائے زکوٰۃ میں تملیک شرط ہے کما مر، بلکہ ان کا مطلب یہ ہے کہ حاج منقطع کو بطور تملیک کے مالِ زکوٰۃ دینا جائز ہے، کیونکہ وہ بھی فی سبیل اللہ کا فرد ہے۔ شرح سیر کبیر میں امام محمدؒ کا قول مذکور ہے وان اعطاها حاجا منقطعا علی وجه الصدقة علیه جاز اھ۔ اس میں لفظ اعطاء اور علی وجه الصدقة معنی تملیک میں صریح ہے، مگر اسی کے ساتھ امام محمدؒ کو یہ بھی تسلیم ہے کہ فی سبیل اللہ کا اطلاق اصل میں معنی جہاد و غزو ہی کے لئے ہے، چنانچہ شرح سیر ہی میں ہے لان کل خیر طاعة وان کان فی سبیل اللہ ولکن مطلقه یستعمل فی الغزو والجهاد قال اللہ تعالیٰ قاتلوا فی سبیل اللہ والمراد منه الجهاد اھ (ص ۲۲۴ ج ۴) اگر کوئی شخص اپنے ثلث مال کے متعلق وصیت کرے کہ اس کو سبیل اللہ میں صرف کیا جائے تو محمدؒ فرماتے ہیں کہ اس کو محتاج غازی پر صرف کیا جائے یہی افضل ہے، گو حاج منقطع پر بھی صرف کرنا ان کے نزدیک جائز ہے، شرح سیر میں ہے:
ولکن الافضل ان یعطی المحتاج الذی یخرج فی سبیل اللہ لما بینا ان سبیل اللہ اذا اطلق یراد به الغزو والجهاد دون غیره فکان صرفه الیه اولی الیه اھ (ص ۲۲۵ ج ۴) جب وصیت کے باب میں محمدؒ کا یہ قول ہے حالانکہ اس کا مبنی عرفِ عام پر ہے نہ عرفِ شرع پر تو زکوٰۃ کے بارہ میں آیت مصارف کے جز فی سبیل اللہ کی تفسیر تو غازی کے ساتھ یقیناً لازم ہے، کیونکہ عرفِ شرع میں فی سبیل اللہ کا اطلاق جہاد و غزو ہی کے ساتھ خاص ہے، جیسا کہ مفسرین کے اتفاق اور امام مالکؒ کے قول لا اعلم فی ذلک خلافاً سے ظاہر ہے، یہ گفتگو بطور تتمیم کلام کے تھی، اصل مقصود اس مقام پر یہ ہے کہ جن ائمہ مجتہدین نے فی سبیل اللہ میں حج کو داخل کیا ہے، ان کی مراد یہ ہے کہ حاج منقطع کو مالِ زکوٰۃ بطور تملیک کے دیا جائے، بہرحال اس تعمیم کا اثر شرطِ تملیک پر اصلاً عائد نہیں۔

(۵) اسی طرح صاحب بدائع نے جو فی سبیل اللہ میں تمام قُرب کو داخل کیا ہے اگر

مراد بھی یہی ہے کہ بطور تملیک کے ہر مشغول قربت کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، یہ مراد نہیں کہ بغیر تملیک کے بھی صرف زکوٰۃ جائز ہے، چنانچہ اُن کے الفاظ ملاحظہ ہوں، واما قولہ تعالیٰ وفی سبیل اللہ عبارۃ عن جمیع القرب فیدخل فیہ کل من سعی فی طاعۃ اللہ و سبیل الخیرات اذا کان محتاجا اھ (ص ۴۵ ج ۲) اس میں قول کل من سعی فی طاعۃ اللہ صاف بتلا رہا ہے کہ صاحب بدائع کی مراد سبیل اللہ کے عموم جمیع قرب سے یہ ہے کہ اس میں وہ سب لوگ داخل ہیں جو مشغول طاعت اور محتاج ہوں، اور یقیناً اُن پر جو کچھ صرف ہوگا تملیکاً ہوگا، پس اس سے یہ سمجھنا کہ صاحب بدائع فی سبیل اللہ میں تکفین موتیٰ و بناء مساجد وغیرہ کو بھی داخل کرتے ہیں، بالکل غلط ہے، کیونکہ صاحب بدائع نے اس سے پہلے تملیک کے رکن زکوٰۃ ہونے کی تصریح کی ہے، اور اس پر یہ حکم متفرع کیا ہے کہ بناء مساجد و رباطات و سقایات و اصلاح قناطر و تکفین موتیٰ وغیرہ میں صرف زکوٰۃ بوجہ عدم تملیک کے جائز نہیں، وھذا نصہ فرکن الزکوٰۃ ھو اخراج جزء من النصاب الی اللہ تعالیٰ و تسلیم ذلک الیہ بقطع المالک یدہ عنہ بتملیکہ من الفقیر و تسلیمہ الیہ او الی ید من ھو نائب عنہ وھو المصدق الی ان قال وعلی ھذا یخرج صرف الزکوٰۃ الی وجوہ البر من بناء المساجد والرباطات والسقایات و اصلاح القناطر و تکفین الموتیٰ و دفنھم انہ لا یجوز لانہ لم یوجد التملیک اصلاً اھ ص ۳۹ ج ۲

ان ابحاثِ ثلاثہ سے فراغت کے بعد میں سائل کے دلائل پر توجہ کرتا ہوں:

(۱) سائل نے سب سے پہلے للفقراء کے لام میں بحث کی ہے کہ یہ لام ملک کے لئے ہے یا نہ؟ پھر حافظ ابن حجرؒ کا قول فتح الباری سے نقل کیا ہے ان اللام فی قولہ تعالیٰ للفقراء لبیان المصرف لا للتملیک اھ۔ اس بحث کا حاصل یہ معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ میں تملیک کی شرط اسی پر موقوف ہے کہ لام للفقراء میں ملک کے لئے ہے، اور اس میں اختلاف ہے، لہٰذا زکوٰۃ میں قید تملیک بھی مختلف فیہ ہوگی، مگر اس سے ہر شخص کو جو فقہ

عہ اس مقام پر یہ بات قابل تنبیہ ہے کہ حافظ ابن حجرؒ نے یہ قول اپنی طرف سے بیان نہیں کیا، بلکہ امام حسن بصریؒ کے قول کی توجیہ میں بیان فرمایا ہے، پوری عبارت یہ ہے وقیدہ بعضہم الی ان اللام فی قولہ للفقراء لبیان المصرف لا للتملیک فلو صرف الزکوٰۃ فی صنف واحد کفی اھ، پس نقل میں سائل نے مسامحت کی ہے جس سے اہل علم کو احتراز لازم ہے ۱۲ منہ

سے مناسبت رکھتا ہو، سائل کے قصور نظر پر تعجب ہوگا کہ سائل کو معلوم نہیں کہ ائمہ حنفیہ زکوٰۃ میں تملیک کو رکن کہتے ہیں، اور اس کے ساتھ ہی وہ لام للفقراء کو ملک کے لئے نہیں مانتے اور حافظ ابن حجرؒ کا قول حنفیہ کے عین موافق ہے، بنایہ میں ہے فہذہ جہات الزکوٰۃ فللمالک ان یدفع الی کل واحد منہم ولہ ان یقتصر علی صنف واحد وقال الشافعی لایجوز الا ان یصرف الی ثلثۃ من کل صنف لان الاضافۃ بحرف اللام للاستحقاق ولنا ان الاضافۃ لبیان انہم مصارف لا لاثبات الاستحقاق الی ان قال ولا یبنی بہا مسجد ولا یکفن بہا میت لانعدام التملیک وھو الرکن اھ، اس میں صاف تصریح ہے کہ لام للفقراء حنفیہ کے نزدیک بیان مصارف کے لئے ہے، استحقاق وملک کے لئے نہیں، مگر پھر بھی وہ تملیک کو زکوٰۃ میں رکن قرار دیتے ہیں، اس سے صاف معلوم ہوا کہ شرط تملیک کی دلیل لام للفقراء نہیں بلکہ اس کے علاوہ ہے، جس کا مفصل بیان بحث اول میں گذر چکا، پس سائل کا لام میں گفتگو کرنا محض فضول ولاطائل ہے۔

(۲) اس کے بعد سائل نے فی سبیل اللہ کے معنی میں بحث کی ہے، کہ اس کے معنی میں تعیین اور اس تعیین پر اجماع ہوا ہے یا نہیں، اس کا جواب بحث سوم سے بخوبی واضح ہو چکا ہے کہ مفسرین کا اس پر اتفاق ہے، اور امام مالکؒ کے زمانہ تک اس میں اختلاف نہ تھا کہ فی سبیل اللہ سے مراد غازی ہیں، اختلاف ان کے بعد حادث ہوا اور علماء امت نے اس قول کو کہ فی سبیل اللہ میں حج بھی داخل ہے تمام فقہاء نے مرجوح اور ضعیف کہہ کر رد کر دیا ہے اور اگر تسلیم کر لیا جائے کہ فی سبیل اللہ میں حج یا دیگر قربات کو بھی تو ائمہ مجتہدین میں کسی کا یہ قول ہرگز نہیں کہ حج یا جمیع قرب میں بدون تملیک کے زکوٰۃ کا دینا جائز ہے، بلکہ جو لوگ حج کو اس میں داخل کرتے ہیں یا جمیع قرب کو عام کہتے ہیں وہ تملیک کی شرط کو ضروری کہتے ہیں، ائمہ اربعہ اور جمیع مجتہدین کا اس پر اتفاق ہے کہ تملیک رکن زکوٰۃ ہے، محمدؒ نے جو حج کو فی سبیل اللہ میں داخل کرتے ہیں اس کی تصریح کی ہے کہ حاج منقطع کو تملیک کے طور پر صدقہ دیا جائے، صاحب بدائع نے جمیع قرب کو فی سبیل اللہ میں شامل کیا ہے، مگر تملیک کی شرط کو بار بار ذکر کرتے ہیں، پس یہ بحث بھی سائل کو کچھ مفید نہیں کیونکہ فی سبیل اللہ کا عموم شرط تملیک کی نفی نہیں کرتا، ہاں سائل نے تفسیر کبیر و بیضاوی اور خازن کے حوالہ سے بعض فقہاء کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اسم سبیل اللہ کو تمام وجوہ خیر مثل تکفین موتیٰ و بناء جسور و عمارت مساجد وغیرہ میں صرف کرنا جائز ہے، کہ

www.ahlehad.org

کیونکہ لفظ سبیل اللہ سب کو عام ہے، یہ قول البتہ بظاہر شرط تملیک کی نفی کرتا ہے مگر سبیل اللہ سے مراد ہر نیکی ہو جب بھی یہ قول لغو بالکل ہے؟ کیونکہ عرف شرع میں فی سبیل اللہ جہاد و غزوہ کے ساتھ مخصوص ہے جیسا کہ اوپر گذر چکا، اور امام ابوبکر ابن العربی نے جب احمد و اسحٰق کے اس قول کو کہ حج فی سبیل اللہ میں داخل ہے خارم قانون شریعت وناثر سلک تفلسف کہہ دیا، حالانکہ حج کو جہاد سے شرعاً مناسبت بھی ہے کیونکہ حدیث میں عورتوں کے لئے وارد ہے جہادکن الحج کہ تمہارا جہاد حج ہے، تو یہ قول خارم قانون شریعت کیونکر نہ ہوگا، جس میں حج کے سوا جمیع وجوہ خیر کو سبیل اللہ میں داخل کیا ہے، پھر یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ بعض فقہاء کون ہیں؟ مقلد ہیں یا مجتہد یا اہل ظاہر[عہ] میں سے ہیں؟ اور جب تک قائل معلوم نہ ہو اس وقت تک کوئی قول مسموع نہیں ہو سکتا، ان ھذا الامر دین فانظروا عمن تاخذون دینکم ولولا الاسناد لقال من شاء ما شاء، اور بحمداللہ قول اول میں شرط تملیک کی دلیل میں نص قرآنی و احادیث مشہورہ و اجماع مجتہدین مذکور ہوا ہے، اس کے مقابلہ میں قول مجہول کیونکر مسموع ہو سکتا ہے؟ فقہ میں محض قال بعض الفقہاء یا قال بعضہم سے کام نہیں چل سکتا، جب تک قائل معلوم نہ ہو جیسا حدیث میں روایت مجہول معتبر نہیں اسی سے زیادہ فقہ میں مجہول کا قول قابل اعتبار نہیں۔ فافہم۔

علاوہ ازیں یہ کہ سائل نے تفاسیر کو غور سے دیکھا ہوتا تو اس کو معلوم ہو جاتا کہ انما الصدقات کے متعلق فقہاء میں اختلاف ہوا ہے، کہ اس سے صرف زکوٰۃ واجب مراد ہے یا اس میں صدقات نافلہ بھی داخل ہیں، بعض فقہاء کا قول یہ ہے کہ اس میں صدقات نافلہ بھی داخل ہیں، تو ممکن ہے کہ یہ بعض فقہاء جو فی سبیل اللہ میں جمیع وجوہ خیر کو داخل کرتے ہیں وہی ہوں جو انما الصدقات میں صدقات نافلہ کو بھی داخل کرتے ہیں اور چونکہ بالاتفاق صدقات نافلہ کا صرف کرنا جمیع وجوہ خیر میں جائز ہے مثل تکفین موتٰی و بناء مساجد و بناء حصون وغیرہ کے، اس لئے وہ اس طرف مضطر ہوئے کہ فی سبیل اللہ کو عام کہیں، مگر اس تعمیم کا حاصل صرف یہ ہوگا کہ صدقات نافلہ کا جمیع وجوہ خیر میں صرف کرنا جائز ہے، نہ یہ کہ زکوٰۃ واجبہ بھی بدون تملیک کے تمام وجوہ خیر میں صرف ہو سکتی ہے۔ تفسیر کبیر ملاحظہ ہو: اتفقوا علی ان قولہ تعالٰی انما الصدقات دخل فیہ الزکوٰۃ الواجبۃ لان الزکوٰۃ الواجبۃ مسماۃ بالصدقۃ قال

[عہ] اور ظاہر ہے کہ مقلد و اہل ظاہر کا خلاف کسی درجہ میں معتبر نہیں ۱۲ منہ

تعالیٰ خذ من اموالہم صدقۃ تطہرہم وقال علیہ السلام لیس فیما دون خمسۃ اوسق صدقۃ واختلفوا فی انہ ھل تدخل فیہ الصدقۃ النافلۃ فمنہم من قال تدخل فیہا لان لفظ الصدقۃ مختص بالنافلۃ فاذا ادخلنا فیہ الزکوٰۃ الواجبۃ فلا اقل من ان تدخل فیہا الصدقۃ المندوبۃ وتکون الفائدۃ ان مصارف جمیع الصدقات لیس الا ھؤلاء اھ (ص ۳۰۳ ج ۴)

(۳) اس کے بعد سائل نے امام بخاریؒ کے ایک ترجمۃ الباب سے استدلال کیا ہے کہ امام بخاریؒ زکوٰۃ میں تملیک کو واجب نہیں سمجھتے اور مانعین سے امام بخاریؒ کے استدلال کے جواب میں آیت یا حدیث صریح کا مطالبہ کیا ہے اور قطعی و تشفی بخش جواب مانگا ہے،

مگر میں کہتا ہوں کہ پہلے سائل امام بخاریؒ کا صریح قول تو دکھلائے اس کے بعد ہی اس کے جواب کے لئے آیت یا حدیث صریح و قطعی و تشفی بخش جواب کا مطالبہ کرے۔ امام بخاریؒ نے صراحۃً کہیں یہ نہیں کہا کہ زکوٰۃ میں تملیک شرط نہیں، انھوں نے تو صرف ایک ترجمۃ الباب قائم کیا ہے، باب العرض فی الزکوٰۃ، جس کے معنی ہیں کہ زکوٰۃ میں متاع و اسباب کا دینا بھی (بجائے نقود کے) جائز ہے یا نہیں، پھر اس باب کے تحت میں چند احادیث لائے ہیں، اب اس ترجمہ کو اور ان احادیث کو ملا کر جو کچھ مطلب نکالا جائے گا وہ صراحۃً امام بخاریؒ کا قول نہ ہوگا، بلکہ شارحین کا قول ہوگا کیونکہ یہ بات اہل علم پر ظاہر ہے کہ امام بخاریؒ کے تراجم ابواب کی مطابقت احادیث باب سے بہت دقیق ہوتی ہے اور بہت جگہ مطابقت ظاہر میں کچھ نہیں معلوم ہوتی، امام بخاریؒ کے تراجم ابواب چیستان سے کم نہیں، جن کی تطبیق احادیث پر جا بجا نہایت دشوار اور دقیق ہوتی ہے، تو ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں ترجمۃ الباب اور احادیث باب میں تطبیق دیتے ہوئے جو وجوہ مختلف شارحین بیان کرتے ہیں اُن سے امام بخاریؒ کا مذہب کیونکر متعین ہو سکتا ہے، اور اس کو جزماً امام بخاریؒ کا قول کیونکر کہا جا سکتا ہے۔

اب سنئے، اس مقام پر ترجمۃ الباب یہ قائم کیا گیا ہے، باب العروض فی الزکوٰۃ، اور اس کے تحت میں حضرت خالدؓ کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے واما خالد فقد احتبس ادراعہ واعتدہ فی سبیل اللہ کہ جب حضرت خالدؓ سے زکوٰۃ کا مطالبہ کیا گیا اور انھوں نے زکوٰۃ نہ دی اور حضرت عمرؓ نے حضورؐ سے شکایت کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ خالد نے تو اپنی زرہیں اور سامان سب کا سب اللہ کے راستے میں وقف کر دیا ہے۔ شارحین نے ترجمے کے ساتھ اس حدیث کی مطابقت میں مختلف وجوہ اور متعدد تاویلیں ذکر کی ہیں۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں: مطابقته للترجمة من حيث ان ادراع خالد واعتده من العرض ولولا انه وقفهما لاعطاهما في وجه الزكوة، او لما صح منه صرفهما في سبيل الله دخلا في احد مصارف الزكوة الثمانية المذكورة في قوله تعالى انما الصدقات للفقراء، فلم يبق عليه شيء اھ (ص ۳۴۹ ج ۴)

(ترجمہ) حدیث کی مطابقت ترجمۃ الباب سے اس طرح ہے کہ حضرت خالدؓ کی زرہیں اور سامان عروض کی قسم سے تھا، اور اگر وہ اُن کو وقف نہ کر چکے تو زکوٰۃ میں انہی کو دیتے، (معلوم ہوا کہ زکوٰۃ میں عروض کا دینا جائز ہے) یا یہ کہ جب حضرت خالدؓ کا زرہ اور سامان کو سبیل اللہ میں صرف کرنا صحیح ہو گیا، تو یہ سامان مصارف زکوٰۃ کے ایک مصرف میں داخل ہو گیا، جو آیت صدقات میں مذکور ہیں تو اب اُن کے ذمہ کچھ نہیں رہا۔ اھ۔

اس میں توجیہ اول تو حنفیہ اور جمہور امت کے موافق ہے، اس سے شرط تملیک کا بطلان لازم نہیں آتا، ہاں توجیہ ثانی سے شبہ ہو سکتا ہے کہ وقف ہی سے بدون تملیک کے زکوٰۃ ادا ہو گئی، مگر علامہ عینیؒ کا یہ مطلب ہرگز نہیں، بلکہ اُن کا مطلب یہ ہے کہ زرہ اور سامان حرب کو سبیل اللہ میں وقف کر دینے سے زکوٰۃ ساقط ہو گئی، کیونکہ اموال موقوفہ محل زکوٰۃ نہیں، جیسا کہ صفحہ ۹۶ ج ۴ میں تصریح کے ساتھ علامہ عینیؒ نے حدیث خالد ہی کی شرح میں فرمایا ہے وفیہ اسقاط الزکوٰۃ عن الاموال اھ۔ کہ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اموال موقوفہ سے زکوٰۃ ساقط کر دی جاتی ہے، اور یہ بات حنفیہ کے موافق ہے کہ

---

[1] اس مقام پر یہ بات قابل تنبیہ ہے کہ سائل نے سوال میں یہ ظاہر کیا ہے کہ قصہ خالدؓ سے بخاریؒ نے زکوٰۃ میں نقد کے عوض متاع دینا ثابت کیا جو فقہائے حنفیہ کے موافق ہے، اس کے بعد سائل نے مولانا احمد علی صاحبؒ محشی بخاری کی عبارت نقل کی ہے جس سے دیکھنے والوں کو یہ وہم ہو گا کہ حنفیہ نے بھی حدیث خالدؓ سے یہی سمجھا ہے جو بزعم سائل امام بخاریؒ نے سمجھا کہ حضرت خالدؓ نے زرہ بجائے زکوٰۃ میں نکالا، اور ان کو بدون تملیک کے وقف کر دیا، حالانکہ حنفیہ نے ادائے عروض و ادائے قیمت فی الزکوٰۃ کا مسئلہ صرف حدیث خالدؓ سے مستنبط نہیں کیا، بلکہ دراصل حدیث معاذؓ و انسؓ سے مستنبط کیا ہے، اور جو عبارت دفع القیم فی الزکوٰۃ کے متعلق سائل نے حاشیہ بخاری سے نقل کی ہے وہ محشی مولانا احمد علی صاحبؒ نے حدیث معاذؓ ہی پر تحریر کیا ہے نہ حدیث خالدؓ پر، اور علامہ عینیؒ نے بھی اس مسئلہ کو اولاً (ص ۳۴ ج ۴) میں حدیث معاذؓ و حدیث انسؓ ہی کے تحت میں بیان کیا ہے، سائل کو ایسی صریح مسامحت سے احتراز کرنا لازم تھا۔ ۱۲ منہ

مال وقف منقول میں زکوٰۃ واجب نہیں، جبکہ حولانِ حول سے پہلے وقف کر دیا گیا ہو، اور حضرت خالدؓ نے حولانِ حول سے پہلے ہی اپنا سامان وقف کر دیا تھا، کیونکہ جب انھوں نے مصدق سے انکار کر دیا اور جو حولانِ حول پر زکوٰۃ وصول کیا کرتا ہے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صیغہ ماضی کے ساتھ فرمایا کہ خالدؓ تو اپنا سامانِ حرب وقف کر چکے ہیں، تم مطالبۂ زکوٰۃ پر اُن پہ ظلم کرتے ہو، اور وقف قبل حولانِ حول کی بحث عنقریب مفصل آئے گی۔

اور ایک توجیہ حافظ ابن حجرؒ نے کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے قصۂ خالدؓ سے اس امر پر استدلال کیا ہے کہ زکوٰۃ کے مال کو ہتھیار و آلاتِ حرب کی خرید میں لگانا اور جہاد میں اُن سے مدد کرنا جائز ہے، اس بنا پر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالدؓ کو اس امر کی اجازت دی کہ وہ اپنے محبوس کو زکوٰۃ واجبہ کے حساب میں لگالیں اھ (ج ۲۶۲)۔ یہ توجیہ البتہ ظاہر میں شرط تملیک کے غیر ضروری ہونے پر مبنی ہے، مگر تاویل کے ساتھ اس کو بھی علامہ عینیؒ کی تاویل ثالث کی طرف راجع کیا جا سکتا ہے۔

اور ایک توجیہ جمہور نے کی ہے انه لو کان نوی باخراجها عن ملکه الزکوٰۃ عن ماله لان احد الاصناف سبیل الله وهم المجاهدون وهذا یقوله من یجیز اخراج القیم فی الزکوٰۃ کالحنفیة ومن یجیز التعجیل کالشافعیة ذکره الحافظ فی الفتح (ص ۲۶۲ ج ۳) کہ حضرت خالدؓ نے ان زرہوں وغیرہ کو اپنی ملک سے نکالتے ہوئے اپنے مال کی زکوٰۃ کی نیت کی تھی، کیونکہ سبیل اللہ یعنی مجاہدین بھی زکوٰۃ کا ایک مصرف ہے۔ اور یہ توجیہ وہ لوگ کرتے ہیں جو زکوٰۃ میں قیمت کا ادا کرنا جائز سمجھتے ہیں، جیسے حنفیہ اور زکوٰۃ پیشگی ادا کرنا جائز سمجھتے ہیں، جیسے شافعیہ اھ، اس توجیہ کا حاصل یہ ہے کہ حضرت خالدؓ نے زکوٰۃ میں زرہیں وغیرہ نکالی اور اُن کو جہاد کے واسطے رکھ چھوڑا کہ ضرورت کے وقت مجاہدین کو دیدی جائیں گی، اس توجیہ میں اخراج عن الملک سے مراد عزل ہے، اور حبس سے مراد حبس لغوی ہے، وقف مراد نہیں، کیونکہ حنفیہ و شافعیہ کے مذہب پر یہی صورت منطبق ہو سکتی ہے، اور حافظ نے اس کو حنفیہ و شافعیہ کی طرف منسوب کیا ہے، پس ان کے مذہب پر انطباق لازم ہے، علامہ عینیؒ کی عبارت حافظ کی عبارت سے زیادہ واضح ہے، انھوں نے اس میں اتنا اور زیادہ کیا ہے فصرفها فی الحال کصرفها فی المآل اھ کہ زکوٰۃ کا اس وقت صرف کرنا اور بعد میں صرف کرنا برابر ہے، اس کا وہی مطلب ہے کہ حضرت خالدؓ نے ان

اشیاء کو زکوٰۃ کی نیت سے الگ کر کے آئندہ مجاہدین پر صرف کرنے کے لئے روک لیا تھا۔

ایک توجیہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے شرح تراجم بخاری میں بیان فرمائی ہے۔

واستدلال المؤلف بقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم واما خالد الخ استدلال ببعض محتملاتہ بان یقال معناہ انہ اشتری بمال الزکوٰۃ الادراع والعبید ووقفها فی سبیل اللہ فقد سقطت زکوٰتہ واما لو حمل الکلام علی معان اخر فلا یدل علی الترجمۃ اھ (ص ۱۰۱)۔

مؤلف کا قصۂ خالدؓ سے استدلال بعض معانی محتملہ سے استدلال ہے، کہ یوں کہا جائے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت خالدؓ نے مال زکوٰۃ سے زرہیں اور غلام خرید کر کے ان کو سبیل اللہ میں وقف کر دیا ہے، اس لئے ان پر سے زکوٰۃ ساقط ہو گئی۔ اور اگر کلام کو دوسرے معنی پر محمول کیا گیا تو ترجمہ پر دلالت نہ ہوگی۔

میں کہتا ہوں اس کا حاصل وہی ہے جو علامہ عینیؒ کی توجیہ ثانی کا حاصل ہے، کہ خالدؓ نے حولان حول سے پہلے زکوٰۃ کے مال سے آلات حرب خرید کر کے وقف کر دیے ہیں اس لئے زکوٰۃ ساقط ہو گئی، اور اس کو حنفیہ تسلیم کرتے ہیں، جبکہ تمام حول پر نصاب کامل باقی نہ رہے۔

ایک توجیہ ہمارے بعض مشائخ حدیث نے یہ کی ہے کہ امام بخاریؒ نے زکوٰۃ کو وقف پر قیاس کر کے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ جب عروض کا وقف جائز ہے (جو کہ صدقہ کی ایک قسم ہے) تو زکوٰۃ میں بھی عروض کا دینا جائز ہے، کیونکہ زکوٰۃ بھی صدقہ ہی ہے، جب صدقہ ہونے میں دونوں مساوی ہیں تو عروض کے ساتھ جواز تعلق میں بھی دونوں مساوی ہوں گے اور یہ توجیہ ہمارے نزدیک تمام توجیہات سے اقرب ہے، کیونکہ بقیہ توجیہات کی بنا محض احتمالی امور پر ہے، مثلاً یہ کہ حضرت خالدؓ نے سلاح و اعتاد وغیرہ کو زکوٰۃ میں محسوب کر کے وقف کیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس حساب کو جائز رکھا۔

یا حضرت خالدؓ نے مال زکوٰۃ سے ان اشیاء کو خرید کر وقف کیا تھا، اور ظاہر ہے کہ الفاظ حدیث میں ان احتمالات پر کوئی دلیل و قرینہ قائم نہیں، نہ حضرت خالدؓ کے حساب لگانے پر نہ حضورؐ کی اجازت حساب پر، نہ حضرت خالدؓ کے شراء و بیع پر، حدیث کا مدلول تو صرف اس قدر ہے کہ مصدق نے حضرت خالدؓ سے زکوٰۃ مانگی انھوں نے دینے سے انکار کیا، مصدق نے حضورؐ سے شکایت کی، حضورؐ نے حضرت خالدؓ کی طرف سے یہ عذر بیان کیا

کردہ تو اپنا سامانِ حرب زرہ و غلام و سامان وغیرہ سبیل اللہ میں وقف کرچکے ہیں، تم اُن پر مطالبۂ زکوٰۃ سے ظلم کرتے ہو۔ اس حدیث سے ظاہر صرف اس قدر ہے کہ مصدق نے حضرت خالدؓ کے سامانِ حرب کو بمقدارِ کثیر دیکھ کر یہ سمجھا کہ یہ تجارتی مال ہے (کیونکہ استعمالی اسباب اتنا زیادہ نہیں ہوتا، اور اس کثرت کی دلیل حدیث میں صیغۂ جمع ادراع و اعتُد اعبد ہے) اس لئے زکوٰۃ کا مطالبہ کیا، حضورؐ نے جتلادیا کہ وہ تو اس کو وقف کرچکے ہیں، اس سے امام بخاریؒ نے یہ استدلال کیا کہ جب عروض کا وقف جائز ہے تو زکوٰۃ میں بھی عروض کا دینا جائز ہے۔

امام شوکانیؒ نیل الاوطار میں فرماتے ہیں: ومعنی ذلک انہم طلبوا من خالدٍ زکوٰۃ اعتادہ ظنّاً منہم انہا للتجارۃ (ای تکثیر بہا ۱۲) وان الزکوٰۃ فیہا واجبۃ فقال لہم لا زکوٰۃ فیہا علیّ فقالوا للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ان خالداً منع الزکوٰۃ فقال انکم تظلمونہ لانہ حبسہا ووقفہا فی سبیل اللہ تعالیٰ قبل الحول علیہا فلا زکوٰۃ فیہا الخ (ص ۳۴ ج ۴)۔

اب اتنی توجیہ کے بعد یہ دعویٰ کرنا کہ امام بخاریؒ کی مراد وہی توجیہ ہے جو حافظ ابن حجرؒ نے بیان کی ہے دعویٰ بلا دلیل ہے، اور اس پر یہ تفریع کرنا کہ امام بخاریؒ کا اس قصۂ خالدؓ کے ذکر سے یہ مقصود ہے کہ اداءِ زکوٰۃ میں تملیک شرط نہیں بناء الفاسد علی الفاسد ہے۔

اور اگر تسلیم کرلیا جائے کہ امام بخاریؒ کا یہ مقصود ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کا مذہب بھی یہی ہے، کہ زکوٰۃ میں تملیک شرط نہیں، کیونکہ محدثین اپنی کتابوں میں مختلف احادیث مختلف تراجم کے ساتھ بیان کرتے ہیں، اور ان کا مذہب ان میں سے ایک ہوتا ہے، جیسا کہ ترمذی و نسائیؒ نے باب القراءۃ خلف الامام، والرخصۃ فی ترک القراءۃ خلف الامام منعقد کیا ہے، اور دونوں ان کا مذہب نہیں، اسی طرح ممکن ہے کہ امام بخاریؒ نے اس ترجمہ و حدیث سے اس بات پر تنبیہ کی ہو کہ حدیث خالدؓ سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ زکوٰۃ وقف سے بھی ادا ہوسکتی ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ امام بخاریؒ کا مذہب یہی ہے۔

اب رہا یہ کہ حدیث خالدؓ سے یہ مطلب قطعی طور پر حاصل ہوتا ہے یا بطور احتمال کے، تو اس کو شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے واضح کردیا کہ یہ استدلال بعض محتملات سے

استدلال ہے۔ اور اصولی قاعدہ ہے اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔ کہ احتمال کے ساتھ استدلال باطل ہے۔ پھر یہ احتمال اُن دلائل صریحہ کے مقابلہ میں کیا وقعت رکھ سکتا ہے جو بحث اول میں تملیک کی ضرورت پر نصوص قرآنیہ واحادیث مشہورہ واجماع مجتہدین سے بیان کئے گئے ہیں۔

تیسرے ہم یہ کہتے ہیں کہ بعد تسلیم اگر مان لیا جائے کہ امام بخاری کا مذہب وہی ہے جو سائل نے سمجھا ہے تو اس کے بعد وہ یہ ثابت کرے کہ امام بخاری مقلد ہیں۔ یا مجتہد، اگر مقلد ہیں تو مجتہدین کے اقوال کو چھوڑ کر مقلد کا قول لینا کب جائز ہے؟ خصوصاً جبکہ اُن کا استدلال بھی بوجہ استدلال بالمحتمل ہونے کے باطل ہو اور اگر مجتہد ہیں تو اُن کا قول ائمہ مجتہدین سابقین کے خلاف ہے، اور اجماع سابق کو خلاف لاحق منقوض نہیں کر سکتا، بلکہ خلاف لاحق خود باطل ہے۔

اور کوئی یہ کہے کہ گو حافظ ابن حجرؒ کی توجیہ سے امام بخاریؒ کا مذہب متعین نہیں ہو سکتا مگر خود حافظؒ کے نزدیک تو اس توجیہ کا صحیح ہونا معلوم ہوتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حافظ کا مذہب وہی ہے جو اس توجیہ میں مذکور ہے کیونکہ شارح کا کام صرف یہ ہے کہ مؤلف کتاب کے قول کی شرح کردے خواہ وہ شرح شارح کے موافق ہو یا مخالف، اور جب اس سے حافظ کا مذہب متعین نہ ہوا تو اس کو اخذ کرنا جائز نہیں، کیونکہ جس قول کے خلاف خود قائل کا مذہب ہو وہ قول قائل ہی کے نزدیک باطل ہے، اور ہم جانتے ہیں کہ حافظ ابن حجرؒ امام شافعیؒ کے مقلد ہیں، اس لئے یہ توجیہ حافظ کا مذہب ہرگز نہیں، بلکہ اُن کے مذہب کے خلاف ہونے سے ان کے نزدیک باطل ہے، نیز اس میں وہ جوابات بھی جاری ہیں جو امام بخاریؒ کے مقلد و مجتہد ہونے کی صورت میں اوپر مذکور ہوتے ہیں۔

اس کے بعد سائل نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی عبارت حجۃ اللہ البالغہ سے

عہ اس مقام پر یہ امر قابل تنبیہ ہے کہ سائل نے عبارت حجۃ اللہ البالغہ کے ترجمہ میں غلطی کی ہے کیونکہ ترجمہ میں یہ جملہ "جیسا کہ آیت کے نزول کے موقع پر مدینہ مسلمانوں کا خاص شہر تھا" نہ معلوم کس جملہ کا ترجمہ ہے اور اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ مترجم نے لفظ نوائب المدینۃ میں المدینۃ سے شہر مدینہ مراد لیا ہے، اور اس کا غلط ہونا ظاہر ہے۔ یہاں تو نوائب المدینۃ سے حوادث البلد مراد ہے، جو ہر بلد کو عام ہے ۱۲ منہ

انفس کی ہے اس میں شاہ صاحبؒ کا یہ قول ہے کہ حدیث خالد سے معلوم ہوتا ہے کہ وقف زکوٰۃ کی جانب سے کافی ہے۔ دوسرے یہ کہ آیت صدقات میں حصر اضافی ہے۔ اور یہ کہ مصارف زکوٰۃ میں توسیع کی ضرورت ہے الخ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے خود شرح تراجم ابواب میں تصریح کر دی ہے کہ حدیث خالدؓ میں مختلف احتمالات ہیں۔ اور امام بخاریؒ کا استدلال حدیث خالدؓ سے بطور احتمال کے ماخوذ ہے اور اور محتمل سے استدلال باطل ہے۔ اس لئے شاہ صاحبؒ کا یہ استدلال ساقط ہے۔ اگر ان کی مراد یہ ہے جو سائل نے اس سے سمجھی ہے نیز آیت میں حصر کو اضافی کہنا بھی حدیث و اجماع کے خلاف ہے جس کا بحث دوم میں ذکر ہو چکا۔

دوسرے شاہ صاحبؒ نے شرح تراجم میں جو توجیہ بیان کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ مال زکوٰۃ کے وقف کرنے سے زکوٰۃ ساقط ہو جاتی ہے۔ اور حجۃ اللہ البالغہ میں یہ کہا ہے کہ وقف زکوٰۃ کی طرف سے کافی ہے۔ دونوں میں اختلاف ہے۔ اور ایک شخص کے مختلف اقوال میں تطبیق یا ترجیح لازم ہے۔ پس اول یہ ثابت کرنا چاہئے کہ ان دونوں میں سے مقدم و مؤخر کونسا ہے۔ اگر یہ ثابت نہ ہو سکے تو ترجیح نہ ہو سکنے کی صورت میں دونوں ساقط ہیں۔ اور ایسے قول سے احتجاج و استدلال نہیں ہو سکتا خصوصاً جبکہ حضرت شاہ صاحبؒ خود مقلد ہیں۔ اور ان کا مرتبہ امام بخاریؒ اور حافظ ابن حجرؒ سے بھی پیچھے ہے۔ تو ان کا قول ائمہ مجتہدین کے خلاف معتبر نہیں ہو سکتا۔

نیز حضرت شاہ صاحبؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں صدقات کی تقسیم اولاً اس طرح کی ہے: والبلاد الخاصة بالمسلمين عمدتها يتحصل فيها من المال نوعان بازاء نوعين من المصرف، نوع هو المال الذي زالت عنه يد مالكه كتركة الميت لا وارث له وضوال من البهائم لا مالك لها او اللقطة

الخ سائل نے شاہ صاحبؒ کی عبارت کا ترجمہ بھی نقل کیا ہے۔ وغیرہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کی [illegible] سے معلوم ہوتا ہے کہ سائل کو یہ ثابت کرنا مقصود ہے۔ اگر یہ مقصود ہے کہ فی سبیل اللہ میں ذکر [illegible] خاص نہیں بلکہ حج بھی اس میں داخل ہے تو اس کو یہ ثابت کرنا لازم ہے کہ اونٹ جن پر حجاج کو سوار کیا گیا تھا سہم سبیل اللہ کے تھے سہم ابن السبیل کے نہ تھے۔ اور اگر یہ مقصود ہے کہ یہ اونٹ زکوٰۃ کے بدون تملیک کے بطور وقف کے استعمال کئے گئے تو اس کو [illegible] دلیل کا محتاج ہے کیونکہ [illegible] نہیں بلکہ تملیک کے ساتھ بھی اطلاق ہوتا ہے ۱ھ منہ

الحق هذا او ان بیت المال وعرفت فلم یعرف لمن هی ومن حقه ان یصرف الی المنافع المشترکة التی مما لیس فیها تملیك لاحد ککری الانهار وبناء القناطر والمساجد وحفر الآبار والعیون وامثال ذلك ونوع هو صدقات المسلمین جمعت فی بیت المال ومن حقه ان یصرف الی ما فیه تملیك لاحد وفی ذلك قوله تعالی انما الصدقات للفقراء الآیة (ص ۲۳۲، ۲۳۳)۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ مسلمانوں کے بلاد خاصہ میں دو قسم کے اموال دو قسم کے مصرف کے مقابلہ میں ہیں، ایک قسم کا مال تو وہ ہے جس پر سے مالک کا قبضہ زائل ہو گیا جیسے لاوارثی ترکہ، گم شدہ جانور اور لقطہ وغیرہ، اس کا مصرف تو منافع مشترکہ ہیں جن میں تملیک کسی کی نہیں ہوتی، جیسے بناء مساجد و قناطر اور نہریں اور کنواں اور چشمہ کھودنا وغیرہ۔

اور ایک نوع اموال کی وہ ہے جو مسلمانوں کے صدقات سے بیت المال میں جمع ہوتی ہے اس کا حق یہ ہے کہ ایسے مصرف میں صرف ہو جس میں کسی کی تملیک ہو اور آیت انما الصدقات للفقراء اسی قسم کے اموال کے متعلق ہے۔ اھ

اس عبارت کے سیاق سے ہر عاقل سمجھ سکتا ہے کہ اس میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس میں قانون شرعی کی ترجمانی کی گئی ہے کیونکہ اس سے پہلے یہ جملہ ہے فجعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم لکل من هذین سنة وجعل الجبایة بحسب المصارف اھ

اور اخیر میں فرمایا ہے کہ اموال کی نوع ثانی کا حق یہ ہے کہ ایسے مصرف میں صرف ہو جس میں کسی کی تملیک ہو پھر فرمایا کہ آیت انما الصدقات اسی قسم کے اموال کے متعلق ہے۔

اس سے صاف عیاں ہے کہ اس مقام پر شاہ صاحبؒ نے اموال و مصارف کی جو تقسیم کی ہے وہ ان کے نزدیک شرعی تقسیم ہے، محض اجتہادی نہیں، کیونکہ خدا و رسول کی طرف شاہ صاحبؒ نے اس کو منسوب کیا ہے، پس جب حضرت شاہ صاحبؒ کے نزدیک اموال کی نوع ثانی کے لئے شرعاً تملیک کا ضروری ہونا محقق ہے تو اب ان کے آئندہ کلام کو جو محض استدلالی کلام ہے ایسے معنی پر محمول کرنا جس سے تملیک کا ابطال ہوتا ہو ان کے کلام کو مختل کرنا اور آخر کلامہ ینقض اولہ کا مصداق بنانا ہے، پس لازم ہے کہ آخر کلام کی ایسی توجیہ کی جائے جس سے پہلے کلام کا ابطال نہ ہو، اور وہ یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب کا مقصود آخر کلام سے یہ ہے کہ مال زکوٰۃ کا وقف قبل حولان حول[عہ] جائز ہونا چاہئے۔

[عہ] اور چونکہ اس میں لفظ ابطال زکوٰۃ اور فرار عن الزکوٰۃ ہے جس کو بعض فقہاء نے جائز نہیں سمجھا، اس لئے شاہ صاحبؒ کو کہ اس میں گفتگو کی ضرورت ہوئی ۱۲ منہ

اور اس سے زکوٰۃ ساقط ہوجانا چاہئے، نیز زکوٰۃ کے اموال میں وسعت ہوجائے، اور اس صورت میں حصر کو اضافی ان صدقات کے لحاظ سے کہا گیا جو باعتبار اصل کے اموالِ زکوٰۃ تھے اور باعتبار انتہاء کے اموالِ زکوٰۃ نہیں رہے، ولا کلام فیہ، اس صورت میں کلام میں تعارض نہ رہیگا، اور حاصل یہ ہوگا کہ مالِ زکوٰۃ کو قبل حولانِ حول، دوسری نوع کی طرف منتقل کردینا جائز ہے، اور ہم حضرت خالدؓ کے واقعہ کی تاویل میں علامہ شوکانیؒ سے بعینہ یہی نقل کرچکے ہیں کہ انہوں نے قبل حولانِ حول اپنی ادراع واعتاد کو وقف کردیا تھا، اور حضرت شاہ صاحبؒ کو حجۃ اللہ البالغہ میں، حبس یجری مجری الصدقۃ فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ وقف قبل حول سے زکوٰۃ ساقط ہوجاتی ہے، اس صورت میں شرح تراجم کی عبارت اور حجۃ اللہ البالغہ کی اول وآخر عبارت میں تعارض نہ رہیگا، اور اجزاء عنہ کا بمعنی سقوط مستعمل ہونا اہل علم پر مخفی نہیں، محاورات فقہاء میں اس کے نظائر ملیں گے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

بہرحال شاہ صاحبؒ کے مرتبۂ عالیہ پر نظر کرکے اُن کے کلام کی یہ توجیہ کردی گئی ورنہ ان کا کلام واضح بھی ہوتا جب بھی ائمہ کے مقابلہ میں کسی درجہ میں حجت نہ تھا، اور متعارض کلام تو کسی کے مقابلہ میں بھی کافی نہیں۔

وهذا وقت إيفاء ما وعدنا سابقا من البحث في كون الوقف قبل الحول مسقطا للزكاة ودليله ما في الدر ولا زكوة في هالك بعد وجوبها بخلاف المستهلك بعد الحول لوجود التعدي منه اهـ وقال الشامي أما قبله فلو استهلكه قبل تمام الحول فلا زكوة عليه لعدم الشرط وإذا فعل حيلة لدفع الوجوب قال أبو يوسفؒ لا يكره لأنه امتناع عن الوجوب لا إبطال حق الغير وفي المحيط أنه الأصح وقال محمدؒ يكره واختاره الشيخ حميد الدين الضرير لأن فيه إضرارا بالفقراء وإبطال حقهم مآلا اهـ (ص ۳۲ ج ۲)۔

قلت ووقف مال الزكوة استهلاك فيسقط الزكوة إن كان قبل الحول ولا يسقطها بعده فافهم۔

تتمہ (۱) سائل نے شروع سوال میں یہ ظاہر کیا ہے کہ مالِ زکوٰۃ، فطرہ، اور چرم قربانی (یعنی اس کی قیمت) کو بہت سے مصارف میں بدونِ تملیک کے صرف کرنے کی آجکل ضرورت ہے، اور تملیک ضروری کرنا ہو تو حیلہ تلاش کرنا پڑتا ہے جس کا

ثبوت آیات واحادیث واقوال سلف سے نہیں ملتا ہے الخ اس قول میں سائل نے فقہاء حنفیہ پر دربردہ اعتراض کیا ہے کہ انھوں نے حیلۂ تملیک ایسا بیان کیا ہے جو شریعت میں کچھ اصل نہیں رکھتا، افسوس سائل کو پہلے کسی فقہی کتاب میں دلیل تلاش کرنے کی مشقت تو برداشت کرنا چاہئے تھی، اس کے بعد ہی یہ بات قلم سے نکالنا زیبا تھی، اس حیلہ کی دلیل تو سائل کو امام بخاریؒ ہی سے معلوم ہو جاتی جن کے قول مبہم ومتشابہ کی تقلید کا اس کو بہت شوق ہو رہا ہے، امام بخاریؒ نے حدیث بریرہؓ کو تقریباً چالیس مقام سے زیادہ میں اعادہ کیا ہے، اور اس سے مسائل کثیرہ مستنبط کئے ہیں، منجملہ اُن کے ایک یہ مسئلہ بھی مستنبط کیا ہے کہ اگر فقیر کو صدقہ دیا جائے، پھر فقیر وہ صدقہ غنی کو دیدے تو غنی کے لئے جائز ہے، لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو لہا صدقۃ ولنا منہا ھدیۃ (ملاحظہ ہو بخاری ص ۲۰۲ ج ۱ باب اذا تحولت الصدقۃ) یہی اصل اس حیلہ کی ہے جو حنفیہ نے تملیک زکوٰۃ میں بیان کیا ہے۔

نیز ابوداؤد وابن ماجہ اور حاکم نے ابوسعید خدریؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے:

لا تحل الصدقۃ لغنی الا لخمسۃ لعامل علیہا او لغاز[عہ] فی سبیل اللہ او غنی اشتراھا بمالہ او فقیر تصدق علیہ فاھدی لغنی او غارم وقال الحاکم صحیح علی شرط الشیخین کذا فی العمدۃ للعینی (ص ۳۹۲ ج ۴)۔

اس میں او فقیر تصدق علیہ فاھدی لغنی، اس حیلہ کی دلیل ہے جو تملیک زکوٰۃ میں فقہاء نے بیان کیا ہے، اس کا حاصل یہی تو ہے کہ زکوٰۃ فقیر کو دی جاتی ہے پھر وہ اپنی طرف سے غنی کو یا مدرسہ ومسجد میں دیدیتا ہے۔

(۳) اشکل علی البعض عدولہ تعالٰی عن اللام الی فی فی قولہ وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل وعسی ان یتوھم منہ لبعض لقاصرین

[عہ] یہ حدیث بھی اسی کی دلیل ہے کہ آیت صدقات میں فی سبیل اللہ سے مراد غزاۃ ہیں، ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی سبیل اللہ کو غازی کے ساتھ مقید نہ فرماتے، اس قید ہی کی وجہ سے شراح حدیث نے اُن روایات کی جن میں فی سبیل اللہ مطلق ہو، غازی کے ساتھ تفسیر کی ہے، ملاحظہ ہو نیل الاوطار باب فی سبیل اللہ وابن السبیل ۱۲ منہ

ان ظاهره يقتضي ان هؤلاء الاربعة لا يملكون ما يعطون من الصدقات كالاوائل وان لا يكون سهم سبيل الله كله مقصورا على الغزاة بل ينفق منه فيهم شئ والباقي في مصرف آخر فتدبر قال صاحب الكشاف انه تعالى انما عدل عن اللام الى في في الاربعة الاخيرة للايذان بانهم ارسخ في استحقاق التصدق عليهم ممن سبق ذكره لان في للوعاء فنبه على انهم احقاء بان توضع فيهم الصدقات ويجعلوا مظنة لها ومصبا الخ۔

مبلغین کی تنخواہ میں زکوٰۃ صرف کرنا ضمیمہ سوال مذکورہ	سوال (۱۱) مبلغین کی تنخواہ میں زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: مصارف ثمانیہ میں وفی سبیل اللہ جو ایک مصرف ہے اس میں طلبہ علم اور مبلغین احکام اسلام اور واعظین مسلمانان اور فتنۂ ارتداد سے روکنے والے اور حفاظت اسلام کرنے والے سب داخل ہیں، ان سب کو زکوٰۃ کا روپیہ دینا خواہ متفرق غیر معین طریق پر دیں یا ماہانہ مقرر کر کے دیں درست ہے، اور زکوٰۃ ادا ہو جاوے گی بشرطیکہ وہ نصاب کے مالک نہ ہوں، کما فی فتاوی شامی جلد ۲ صفحہ ۶۳ (مصری) ایں وقد قال فی البدائع فی سبیل اللہ جمیع القرب فیدخل فیہ کل من سعی فی طاعۃ اللہ وسبیل الخیرات اذا کان محتاجا الخ

اور کما فی التفسیر المظہری ص ۱۰ ہ سورۂ توبہ میں قلت ولما کان الفقر ماخوذا من جمیع الاصناف فالاولی ان لا یخص سبیل اللہ بالحج ولا بالغزو بل یترک اعم منہما ومن سائر ابواب الخیر فمن انفق مالہ فی طلبۃ العلم صدق انہ انفق فی سبیل اللہ الخ البتہ جو مصارف دیگر تبلیغ اسلام کے ہیں، مثلاً ڈاک تار، طباعت وکاغذات وغیرہ، ان میں زکوٰۃ کا روپیہ خرچ نہیں ہو سکتا، کہ کسی کی ملک میں نہیں آتا، البتہ کسی غریب یا غیر مالک نصاب زکوٰۃ کی ملک پہلے کر دیں، اور اس سے ان کاموں میں خرچ کرا دیں تو یہ صورت ہو سکتی ہے، کیونکہ زکوٰۃ میں مالک بنا دینا شرط ہے، بعض اشخاص جو مہتممین مدارس کے پاس زکوٰۃ کا روپیہ بھیجدیتے ہیں، اُن کی غرض یہ ہوتی ہے کہ مہتمم صاحب محتاجین کو تقسیم کر کے اس کا مالک بنا دیں، اور جو مہتمم کسی مدرسہ کا یا کسی نیک کام کا منتظم زکوٰۃ کے روپے مرسلہ کو طلبہ یا غیر طلبہ غیر مالک نصاب کی

بنک میں اس روپے کو نہیں کرے گا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

الجواب من الخانقاہ الامدادیہ تھانہ بھون: یہ جواب مذکورہ بالا جس میں زکوٰۃ کی رقم کو معاوضہ تبلیغ وغیرہ میں دینا بھی جائز کیا ہے صحیح نہیں، اور جس عبارت سے استدلال کیا ہے اس کا حاصل صرف یہ ہے کہ فی سبیل اللہ کے مفہوم میں تمام قرب وطاعات داخل ہیں، رہا یہ کہ ادائے زکوٰۃ کے لئے محل صرف کا قربت وطاعت ہونا کافی ہے، اس کے سوا کچھ شرط نہیں، یہ اس عبارت سے مفہوم نہیں ہوتا، بدائع میں تملیک (بلاعوض) کی قید خود مصرح ہے اور اس کو رکن ادائے زکوٰۃ قرار دیا ہے، اور یہی مطلب تفسیر مظہری کا ہے کہ طلبۃ العلم پر انفاق کرنا انفاق فی سبیل اللہ میں داخل ہے، یعنی جبکہ یہ انفاق بطریق تملیک بلاعوض کے ہو، ومن اراد البسط فی الدلائل فلیراجع رسالتنا "رفع التشکیک فی دفع الزکوٰۃ بالتملیک"۔

قال فی البدائع رکن الزکوٰۃ ہو اخراج جزء من النصاب الی اللہ تعالیٰ وتسلیم ذلک الیہ بقطع المالک یدہ عنہ بتملیک الفقیر وتسلیمہ الیہ او الی ید من ہو نائب عنہ وبالملک للفقیر یثبت من اللہ تعالیٰ وصاحب المال نائب عن اللہ تعالیٰ فی التملیک والتسلیم الی الفقیر بدلیل قولہ تعالیٰ الم یعلموا ان اللہ ہو یقبل التوبۃ عن عبادہ ویأخذ الصدقات وقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم الصدقۃ تقع فی ید الرحمٰن ولان امر اللہ تعالیٰ بایتاء الزکوٰۃ والایتاء ہو التملیک ولذا سمی اللہ تعالیٰ الزکوٰۃ صدقۃ بقولہ انما الصدقات للفقراء والتصدق تملیک ولان الزکوٰۃ عبادۃ والعبادۃ اخلاص العمل بکلیتہ للہ تعالیٰ ویکون معنی القربۃ فی الاخراج الی اللہ تعالیٰ بابطال ملکہ عنہ لا فی التملیک من الفقیر بل التملیک من اللہ تعالیٰ حقیقۃ وصاحب المال نائب عن اللہ تعالیٰ اھ ص ۳۹ ج ۲، قلت والاخراج الی اللہ تعالیٰ یقتضی ان یکون التملیک فی الزکوٰۃ بلاعوض وان کان بعوض لم یکن اخراجا الی اللہ ولم تکن صدقۃ ولا عبادۃ کما لا یخفی فان الصدقۃ انما ہی تملیک العین من الفقیر مجانا قال فی الدر والصدقۃ کالہبۃ بجامع التبرع لان المقصود فیہا الثواب لا العوض اھ ص ۴۹۱ ج ۲۔

(۲) قال في البدائع واما العاملون عليها فهم الذين نصبهم الامام لجباية الصدقات واختلف فيما يعطون قال اصحابنا يعطيهم الامام كفايتهم منها وقال الشافعي يعطيهم الثمن لنا ان ما يستحقه العامل انما يستحقه بطريق العمالة لا بطريق الزكوٰة بدليل انه يعطى وان كان غنيا بالاجماع ولو كان صدقة لما حلت للغني ودل انه انما يستحقه بعمله لكن على سبيل الكفاية لا على سبيل الاجرة لان الاجرة مجهولة لان قدر الكفاية له ولاعوانه مجهول غير معلوم وجهالة احد البدلين تمنع جواز الاجارة فدل ان الاستحقاق ليس على سبيل الاجرة بل على طريق الكفاية له اھ (ص ۴۴ ج ۲)۔

اس عبارت سے امور ذیل مستفاد ہوئے: (۱) عاملین زکوٰۃ کو جو کچھ دیا جاتا ہے وہ اجرت نہیں بلکہ نفقہ ہے جیسے زوجہ کا نفقہ زوج پر بوجہ حبس کے لازم ہوتا ہے یا مضارب کا نفقہ مال مضاربت میں ہوتا ہے۔

(۲) امام شافعی اس کو زکوٰۃ ہی قرار دیتے ہیں۔

(۳) عاملین وہ ہیں جن کو امام نے زکوٰۃ وصدقات وصول کرنے کے لئے مقرر کیا ہو، اس کے بعد ظاہر ہے کہ مبلغین چندہ وصول کرنے والوں کو عاملین میں داخل نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ وہ امام کے مقرر کردہ نہیں، اور ان کو زکوٰۃ وصدقات میں سے نہ تنخواہ دی جا سکتی ہے نہ نفقہ، کیونکہ یہ لوگ منصوص عاملین میں داخل ہیں نہ ان پر ان کو قیاس کیا جا سکتا ہے، کیونکہ خود عاملین کو زکوٰۃ سے حق عمالت دینا خلاف قیاس نص سے ثابت ہوا ہے، اور خلاف قیاس کا تعدیہ نہیں ہو سکتا، رہا یہ کہ ان لوگوں کو یہ تنخواہ زکوٰۃ سے بوجہ سبیل اللہ کے مصداق ہونے کے ہے، اس کا جواب اوپر گزر چکا کہ جو لوگ فی سبیل اللہ کے مصداق ہیں ان کو زکوٰۃ تملیک بلا عوض کے طور پر دی جائے گی، معاوضہ کی صورت سے نہیں دی جا سکتی۔

قال في الدر وكذا يدفع المعلم لخليفته ان كان بحيث يعمل له لو لم يعطه صح والا لا (ص ۳۱۲ ج ۲) ومثل ذلك في كتب الفقه كثير، والله تعالى اعلم۔

ظفر احمد عفا عنہ ۲۲ ر شوال سنہ ۴۸ھ

بے شک مبلغ وغیرہ کی تنخواہ میں زکوٰۃ کی رقم وغیرہ خرچ کرنا جائز نہیں، اس طرح زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، اور خرچ کرنے والے پہ ضمان آتا ہے۔ زکوٰۃ کا مصرف زکوٰۃ کو مفت بلا کی

معارضہ کے دینا ایسا امر ہو کہ ہمیں اس میں کسی کا اختلاف معلوم نہیں، نہ آئندہ کسی کے خلاف کی توقع، واللہ اعلم، احقر عبد الکریم عفی عنہ ۲۲ شوال سنہ ۴۸ھ۔

وقال الامام ناصر الدين ابن المنير المالكي رحمه الله سر آخر هو اظهر واقرب وذلك ان الاصناف الاربعة الاوائل ملاك لما عساه يدفع اليهم وانما يأخذونه ملكا فكان دخول اللام لائقا بهم واما الاربعة الاواخر فلا يملكون ما يصرف نحوهم بل ولا يصرف اليهم ولكن فى مصالح تتعلق بهم فالمال الذى يصرف فى الرقاب انما يتناوله السادة المكاتبون وكذلك الغارمون انما يصرف نصيبهم لارباب ديونهم تخليصا لذممهم لا لهم واما سبيل الله فواضح فيه ذلك واما ابن السبيل فكأنه كان مندرجا فى سبيل الله وانما افرد بالذكر تنبيها على خصوصيته اه اى فانه ايضا لا يملك ما يعطاه بل يصرفه فى الزاد والراحلة معا فليس نصيبهم مصروفا الى ايديهم حتى يعبر عن ذلك باللام المشعرة بتملكهم لما يصرف نحوهم وانما هم محال لهذا الصرف فقط والمصلحة فتوهم ان لا يكون سهم سبيل الله مصروفا الى الغزاة كله بلفظة فى لا يتأتى على مذهب الحنفية الذين لا يوجبون تقسيم الصدقات على ثمانية اسهم ولكن كون اللام للملك والعدول عن اللام الى فى اشارة الى نفيه وانما يتأتى ذلك على مذهب الشافعية ويجيبون عن هذا التوهم بما ذكرناه فى وجه العدول عن اللام الى فى فافهم والله تعالى اعلم ولكن هذا آخر الكلام ومسك الختام فى مسئلة التمليك فى الزكوة الواجبة فى النقود والعروض والزروع والانعام، وصلى الله تعالى وسلم على خير خلقه سيدنا النبي محمد افضل الصلوة وازكى السلام وعلى آله واصحابه البررة الكرام الى يوم القيام،

ظفر احمد عفا عنہ، ۳ صفر سنہ ۴۸ھ۔

ادائے صرف زکوٰۃ بجائے کہ مال موجود باشد

سوال (۱۲) ایک شخص سوداگر ہے، وہ اپنے مال کو سوداگری کے لئے مال فروخت کرنے کو آتا ہے، جب مال فروخت ہو جاتا ہے مکان چلا جاتا ہے، وہ شخص صاحب زکوٰۃ ہے، وہ شخص زکوٰۃ یہاں والوں کو دے یا اپنے وطن کے لوگوں کو دے؟

الجواب: اس مسئلہ کی نظیر مضارب کا مسئلہ ہے، اور اس میں علامہ شامی نے قیل اجمع کہکر تامل ظاہر کیا ہے (ص ۲۱ ج ۲) اصل مسئلہ کی یہ ہے کہ زکوٰۃ میں مکان مال معتبر ہے پس اگر اس سوداگر کے مال پر وہیں سال گذر جائے جہاں وہ تجارت کرتا ہے، تو ظاہر ہے کہ اس کے ذمہ اسی جگہ کے فقراء کو زکوٰۃ دینا ہے، اور اگر حولان حول یہاں سے وطن واپس آکر ہوا ہے اور مال وطن میں ساتھ ہے تو اس صورت میں ظاہر یہ ہے کہ فقراء وطن کو زکوٰۃ دے، فقد اعتبروا یوم الاداء فی تقویم المال فکذا یکون معتبراً ههنا وهو الظاهر لکون وجوب الاداء بحولان الحول فحیث کان حولان الحول یعتبر مکانه فان کان حقاً فمن الله وان کان باطلاً فمن الشیطان: اور اگر حولان حول وطن آکر ہوا مگر مال وطن میں ساتھ نہیں، بلکہ مال جائے تجارت ہی میں ہے تو زکوٰۃ مکان مال کے فقراء کو دی جائے، کما هو مقتضی قولهم المعتبر فی الزکوٰۃ مکان المال فافهم۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۵ رمضان سنہ ۴۴ھ

واپسی زکوٰۃ کی ایک صورت کا حکم

سوال (۱۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو سے قرض رقم طلب کی، اس پر عمرو نے زکوٰۃ کی نیت سے اس کو دام دیئے (اس لئے کہ زید معزز ہونے کی وجہ سے غربت کی حالت میں بھی لینا پسند نہیں کرتا) زکوٰۃ تو ادا ہوگئی، مگر چند روز کے بعد زید اتنی ہی رقم عمرو کی خدمت میں لے کر آیا، اور کہتا ہے کہ تمہارے دام ہیں اب عمرو اس کو کسی صورت سے سمجھا نہیں سکتا، کہ بھائی ہم نہیں لیتے، اگر یہ کہا جائے تو زید بگڑتا ہے، اور کہتا ہے کہ کیا آپ نے مجھے ایسا سمجھا تھا؟ تو ایسی حالت میں اس رقم کو زید سے عمرو لے سکتا ہے؟ اگر لے سکتا ہے تو کون سے قاعدہ سے، ایک صاحب فرماتے ہیں عمرو لے سکتا ہے اور یہ عمرو کے لئے ہبہ ہو جائے گا، کہ ہبہ کی تعریف یہ ہے تملیک العین مجاناً اسے بلا عوض، اور وہ بلا عوض مالک بنانا یہاں صادق آرہا ہے، اس لئے جائز ہے۔۔۔ دوسرے صاحب فرماتے ہیں کہ یہ تعریف صادق نہیں آتی، کیونکہ یہ زید کا عمرو کو پھر دام دینا یہ تملیک بلا عوض نہیں، بلکہ زید بعوض دَین یہ دے رہا ہے، ورنہ پھر روزانہ یا دوسری شے کیوں نہیں دیتا، وہ اس نیت سے دے رہا ہے کہ اس کا ہم پر دَین ہے، اور اس کو ادا کریں۔ کس کا قول صحیح ہے اور صحیح جواب مسئلہ کا کیا ہے؟

الجواب: اگر زید نے یہ رقم عمرو کو دیتے ہوئے یہ کہدیا تھا کہ یہ رقم قرض نہیں

بلکہ ہبہ ہو تب تو زید کو عمرو کی دی ہوئی رقم قبول کرلینا جائز ہے، لکون ہذہ ہبۃ مستانفۃ لا عوداً فی الصدقۃ، اور اگر زید نے عمرو کو وہ رقم دیتے ہوئے نفی قرض و اثبات ہبہ کی تصریح نہیں کی تھی تو زید کو عمرو سے اس رقم کا لینا جائز نہیں، کیونکہ عمرو ہبہ مستانفہ کی وجہ سے نہیں لے رہا بلکہ بعوض ادائے قرض کے لئے دے رہا ہے، اور زید کا قرض عمرو پر ہے نہیں، پھر یہ کیونکر اس رقم کو لے سکتا ہے، اور اگر کسی وجہ سے اس وقت عمرو کو نہ سمجھا سکے تو دوسرے وقت کسی حیلہ سے یہ رقم عمرو کو دیدے، واللہ اعلم، وان شئت تفصیل الجواب فاطلب فتوے مفصلۃ بارسال اجرۃ النقل والبرید۔ ۱۲؍ رمضان ۴۵ھ ظفر احمد عفا عنہ۔

الجواب: صورت مذکورہ میں عمرو زید سے زکوٰۃ دی ہوئی واپس نہیں لے سکتا، مگر بسبب ناراض ہونے و بگڑنے زید کے، عمرو سے زید اس وقت تو لے لے، لیکن کوئی اور چیز خرید کرکے بطور تحفہ و ہدیہ کے عمرو کی تملیک کردے، واللہ اعلم۔

اجابہ و کتبہ حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی۔

التصحیح: نائب مفتی مدرسہ امینیہ کا یہ لکھنا کہ "لیکن کوئی چیز خرید کرکے بطور تحفہ و ہدیہ عمرو کی تملیک کردے الخ" یہ صورت ٹھیک نہیں، کیونکہ اس میں اول تو عمرو کی رقم میں تصرف بلا اذن لازم آتا ہے، اور چونکہ وہ رقم زید کے پاس امانت ہوگی اور امانت میں بلا اذن تصرف کرنا خیانت ہے، اس لئے یہ تصرف جائز نہیں، دوسرے اس رقم سے خرید کر جو چیز عمرو کو دی جاتی ہے وہ جنس حق سے نہ ہوگی، بلکہ غیر جنس سے ہوگی، اور غیر جنس سے ادائے حق مختلف فیہ ہے، اس لئے یہ صورت درست نہیں۔ بلکہ بہتر صورت یہ ہے کہ زید اسی رقم کو دوسرے وقت ہدیہ کے طور پر عمرو کو دیدے، اور یہ کہدے کہ میرا جی چاہتا ہے کہ تم کو بچوں کے واسطے کچھ ہدیہ دوں، واللہ اعلم، ظفر احمد ۲۲؍ رمضان ۴۵ھ۔

وکیل نے زکوٰۃ کی رقم ہاشمی کو دیدی تو وکیل پر ضمان لازم آئیگا یا نہیں، یا اس کی اطلاع لازم ہو، ضمان لازم نہیں

سوال (۱۴) زید نے بکر کو رقم فدیہ یا زکوٰۃ کے دینے کا وکیل بنایا، اتفاق سے بکر نے اس کو کسی ہاشمی کو دیدیا، اب ظاہر ہے کہ زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، اس صورت میں بکر کو اپنی طرف سے رقم زکوٰۃ کی ادا کرنی چاہئے، یا صرف اس کی اطلاع دینی زید کو لازم ہوگی، اور زید کو وہ رقم پھر سے ادا کرنی چاہئے، اور اگر وہ ہاشمی یہ معلوم کرے کہ جو رقم مجھ کو دی گئی ہے زکوٰۃ کی ہے، اور قبل معلوم ہونے کے وہ رقم خرچ بھی

ہو چکی ہے تو وہ رقم خود بکر کو دینا چاہتا ہے اپنی طرف سے تو بکر کو وہ رقم لینا اس ہاشمی سے اور پھر اس کو زکوٰۃ میں دوسرے کو دینا زید کی طرف سے جس کا وہ موکل ہے جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب: اگر بکر کو ہاشمی کا ہاشمی ہونا معلوم نہ تھا نہ اس کا شبہ تھا، یا معلوم تھا مگر مسئلہ معلوم نہ تھا، اس لئے اس کو زکوٰۃ دیدی، تو صورت اول میں تو زکوٰۃ ادا ہوگئی، اور صورت ثانیہ میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، مگر بکر کے ذمہ ضمان بھی نہیں، بلکہ زید کو اطلاع کر دینا کافی ہے، لکون المسئلۃ مختلفا فیہا فیعتذر بالجہل بہا ولا یعد متعدیا، اور اگر ہاشمی ہونا بھی معلوم تھا اور ہاشمی کا مصرف نہ ہونا بھی معلوم تھا تو بکر ضامن ہے، صرف زید کو اطلاع کرنا کافی نہیں، لکونہ خالف امر الموکل فان التوکیل بصرف الزکوٰۃ وارادتہا ینصرف الی اعطائہا محلا قابلا لہا حتی لو اعطاہا ولدہ ووالدیہ یضمن کذا ہہنا، واللہ اعلم بالصواب۔

اور اگر ہاشمی خوشی سے رقم زکوٰۃ واپس کرے لے لی جاوے، ورنہ جبر کا حق نہیں، قال الشامی ولا یسترد منہ لو ظہر انہ عبدہ او حربی وفی الہاشمی روایتان وہل یطیب لہ فیہ خلاف واذا لم یطب قیل یتصدق وقیل یرد علی المعطی اھ (ص ۱۹ ج ۲) ولکن المختار عندنا عدم الاسترداد من الہاشمی ایضا لکون روایۃ فی المذہب فی جواز اعطائہم الزکوٰۃ وہل یطیب لہ المختار عندنا لا بل یرد علی المعطی، واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۰ ذی الحجہ س۳۴ھ۔

ہاشمی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے

سوال (۱۵) ہاشمی کو زکوٰۃ دینا اس روایت فقہی کی بناء پر کہ "خمس الخمس نہ ملنے کے وقت ان کو زکوٰۃ دینا جائز ہے" آجکل عمل کرنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب: وہ روایت نوادر سے ہے، ظاہر مذہب کے مقابلہ میں قابل عمل نہیں ہے، ضرورت شدیدہ کے وقت حیلۂ تملیک کے بعد ہاشمی کی خدمت ہو سکتی ہے، واللہ اعلم۔

بغیر اجازت مزکی غیر مصرف میں زکوٰۃ خرچ کرنے کا حکم

سوال (۱۶) آجکل جو سکہ چاندی کا یہاں رائج ہے اس کا وزن دو روپے بھر ہے، اور قیمت ایک روپیہ چھ آنہ ہے، پس جس کے ذمہ سو روپیہ زکوٰۃ کے واجب ہوں اس کی طرف سے ایک سو پینتالیس روپیہ وزن بھر چاندی زکوٰۃ میں صرف کی گئی جس میں دو چار شخص بنی ہاشم یا غنی شکل آدمی تو بظاہر تو ادائی زکوٰۃ یقینی معلوم ہوتی ہے؟

الجواب: بظاہر اس تصرف کی اجازت مزکی سے لینا ضروری ہے، اس کی اجازت بغیر مصرف زکوٰۃ کے علاوہ خرچ کرنا جائز نہیں ہے، اور اگر مصرف سمجھ کر دیا بعد میں غیر مصرف نکل آیا تو زکوٰۃ ادا ہو گئی۔ رمضان المبارک سنہ ۴۳ھ۔

مدارس عربیہ میں زکوٰۃ دینے کے متعلق ایک استفتاء مشتمل بر چند سوالات

سوال (۲): جو لوگ مدارس اسلامیہ کو چندہ مد زکوٰۃ سے دیتے ہیں اُن کا مقصد تو صرف یہ ہوتا ہے کہ ادائگی زکوٰۃ سے وہ عند اللہ بری الذمہ ہو جاویں، مدرسہ کی امداد اس سے ہو جائے یا نہ، جو قواعد مدرسہ کے موافق ہو تو خیر ورنہ ان کو تو اپنی بری الذمگی عند اللہ مقصود ہے، اگر اس کے ساتھ دوسرا دینی فائدہ یعنی امداد مدرسہ میسر ہو جائے تو خیر ورنہ حصول مقصود مقدم، پس مہتمم مدرسہ کا یہ شرط کرنا کہ اگر طالب علم ایسا ہے یا اس قابلیت کا ہے تو ہم وظیفہ دیں گے ورنہ نہیں کہاں تک درست ہے؟

الجواب: مدرسہ میں غیر زکوٰۃ کی رقم داخل کرنے سے تو مدرسہ کی ملک ہو جاتی ہے پس اس کو قواعد مدرسہ کے موافق ہی صرف کیا جائے گا، اور قواعد میں امداد کے لئے مناسب شرط لگانا مضائقہ نہیں رکھتا، اور زکوٰۃ کی رقم مدرسہ میں داخل کرنے سے گو ملک مدرسہ نہیں ہوتی، مگر مزکی نے جب اس کو طلبہ کو دینے کا وکیل بنایا ہے تو غیر طلبہ کو دینا جائز نہیں بدون اذن الموکل اور یہ بھی ظاہر ہے کہ مہتمم مدرسہ کو مہتمم ہونے کی وجہ سے وکیل بنایا گیا ہے، اس لئے مجلس شوریٰ وغیرہ کی تجاویز و قواعد کے خلاف مہتمم کو صرف کرنا جائز نہیں، کیونکہ مدرسہ میں زکوٰۃ داخل کرنا ان تمام شرائط کے ماتحت وکیل بنانا ہے جو قواعد مدرسہ کے لحاظ سے مہتمم کے ذمہ ہوں، واللہ اعلم۔

سوال: اگر طالب علم غبی یا کم محنت یا بدخلق یا لعاب ہو مگر مسکین مصرف زکوٰۃ ہے تو مہتمم مدرسہ کو باوجود وکیل ادائے زکوٰۃ ہونے کے ایسے طالب علم کی امداد نہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: مدرسہ سے زکوٰۃ دینے کے لئے صرف مصرف زکوٰۃ ہونا کافی نہیں بلکہ قواعد مدرسہ سے استحقاق ہونے کی بھی ضرورت ہے، اور بدون استحقاق کے اگر مہتمم اپنی مصلحت سے دے تو جائز نہیں، اور مدرسہ کی تعلیمی مصلحت سے دے تو جائز ہے جب کہ طالب علم مصرف زکوٰۃ ہے۔

سوال: زکوٰۃ دینے والے شخص کو جب معلوم ہے کہ مثلاً زید مصرف زکوٰۃ و مستحق ہے مگر وہ زید کو دینے سے منع کر کے عمرو کو دلا دے تو کیا حکم ہے؟ خصوصاً اس صورت میں کہ عمرو میں کوئی وجہ ترجیح نہیں ہے!

الجواب: چونکہ زکوٰۃ کی رقم صرف ہونے سے پہلے پہلے معطی کی ملک ہے لہٰذا اس کو یہ حق حاصل ہے کہ کسی خاص شخص کے دینے سے منع کرے۔

سوال: زکوٰۃ دینے والے کے وکیل یعنی مہتمم مدرسہ کو اپنے قواعد مجوزہ یا مصالح مدرسہ کی بنا پر رقم زکوٰۃ کو روک روک کر خرچ کرنا یعنی دو دو تین تین برس تک موخر کرنا کہاں تک درست ہے، اور ایسی صورت میں موکل کی زکوٰۃ وکیل کے قبضہ کرنے کے ساتھ ہی ادا ہو گئی یا جب وکیل مصرف زکوٰۃ میں خرچ کرے گا اس وقت ادا ہو گی؟

الجواب: جب وکیل مصرف میں خرچ کرے گا ادائے زکوٰۃ کا حکم اس وقت کیا جائے گا اور جب موکل کی تاخیر میں کوئی مصلحت نہ ہو تو پھر دیر کرنا ٹھیک نہیں، اس لئے بہترین صورت یہ ہے کہ وکیل اسی وقت زکوٰۃ ادا کر دے، اور اگر مدرسہ کی ضرورت سے رکھنا پڑے تو اسی وقت حیلہ تملیک کر کے مدرسہ میں داخل کرے، تاکہ زکوٰۃ فوراً ادا ہو جائے، اور مدرسہ کی مصلحت بھی فوت نہ ہو، نیز اس تاخیر میں اور بھی خرابیاں ہیں، اس لئے یہ صورت کر لینا نہایت ضروری ہے۔

سوال: جس شخص کے ذمہ سو روپے زکوٰۃ کے واجب الادا تھے، اس نے سو روپیہ کا نوٹ مہتمم مدرسہ کو دیا کہ یہ مد زکوٰۃ کے ہیں، مہتمم مدرسہ اس کو سونے کے ساتھ بدلے گا کیونکہ چاندی کے ساتھ بدلنے میں ربوا واقع ہوتا ہے، اب یہ سونا جو اس نوٹ کے عوض میں آیا ہے اس شخص کی واجب الادا زکوٰۃ ہے، یا وہی سو روپیہ بھر چاندی، اور پھر اس سونے کو چاندی کے دوسرے مصرف میں خرچ کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: جس طرح نوٹ کے عوض زائد چاندی لینا جائز نہیں بوجہ لزوم ربا الفضل، اسی طرح بوجہ تقابض متحقق نہ ہونے کے نوٹ سے سونا لینے میں بھی ربا کا یعنی ربا النسیۃ کا، کما ھو مصرح فی العالمگیریۃ عن الکافی ونصہ علی المحیل دراہم ودین المحیل دنانیر فاحالہ علی ان یعطیہ الدنانیر او علی ان یعطیہ دراہم من الدنانیر التی علیہ بطلت اھ، پس نوٹ کے عوض روپیہ ہی لینا چاہیے۔

پھر اگر چاہیں تو روپیوں سے سونا لے لیا جاوے، اور اگر اولاً ہی سونا لینا مقصود ہو اور معطی کی طرف سے اس کی اجازت بھی ہو تو یہ حیلہ ہو سکتا ہے، کہ صراف سے مثلاً سو روپے قرض لے لے پھر اُن روپیوں سے سونا خرید لے، اور نوٹ خواہ سونا خریدنے سے پیشتر یا بعد صراف کو ادائے قرض میں دیدے، اور سوال ہٰذا کے جزو اول کے متعلق پیشتر معروض ہو چکا ہے کہ یہ تصرف بدون اذن معطی جائز نہیں، واللہ اعلم۔

سوال: چندہ دینے والے جبکہ ہر طرح سے مہتمم کو وکیل و مفوض صراحتاً یا دلالۃً قرار دیتے ہیں، تو پھر جزئیاتِ واقعہ کی صحت کے واسطے ان کے استمزاج کی ضرورت ہے یا نہیں؟

الجواب: کوئی حاجت نہیں۔

السوال: مدرس کو اس کی تنخواہ معینہ کے علاوہ مہتمم مدرسہ اس کے مصرفِ زکوٰۃ ہونے کی صورت میں مدِ زکوٰۃ سے اس کی امداد کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر مد میں محض اعانتِ مساکین کی مد ہو جیسا کہ عام طور سے یہاں کے مدارس میں نہیں ہے، تب تو امدادِ مدرس جائز نہیں، اور اگر کوئی مدِ اعانتِ مساکین وغیرہ کی موجود ہو تو جائز ہے۔

السوال: جبکہ مہتمم مدرسہ کے پاس مدِ زکوٰۃ کی رقم مصرفِ زکوٰۃ میں خرچ کرنے کے واسطے موجود ہے، اور یہ بھی بدیہی اور واضح ہے کہ صاحبِ زکوٰۃ کو ادائے زکوٰۃ سے سبکدوش ہونا اہم ہے، پس طلبا یا مدرسین و متعلقینِ مدرسہ کے علاوہ شخص مستحق مصرفِ زکوٰۃ موجود ہونے پر مہتمم کو اس کی اعانت نہ کرنے کا استحقاق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب: اس کی اعانت کرنے کا استحقاق نہیں ہے، الا آنکہ محض مساکین کی اعانت کی مد موجود ہو کما مر۔

السوال: اپنے موکل سے اجازت حاصل کرنا تو اس وجہ سے غیر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ایسے موکل کا اہم مقصود ادائے زکوٰۃ ہے نہ کہ تخصیص زید یا عمرو، البتہ رامتعلق اعانۃ امر دینی آخر کو اولیٰ وانسب سمجھتا ہے۔

الجواب: پیشتر لکھا گیا ہے کہ جو رقم زکوٰۃ مدرسہ میں اعانتِ طلبہ کے لئے داخل ہوگی قواعدِ مدرسہ کے خلاف صرف نہیں ہو سکتی، لکون الوکالۃ مقیدۃ۔

سوال: مدارس اسلامیہ میں اکثر ہر طرح کی رقوم مخلوط ہوا کرتی ہیں، البتہ ان کا حساب کتاب دفتروں میں ممیز و مہذب ہوتا ہے، پس اسی قدر ادائگی زکوٰۃ کے واسطے کافی ہے یا کسی اور احتیاط کی بھی ضرورت ہے؟

الجواب: رقوم کا خلط کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ خود زکوٰۃ کی رقمیں جو کئی شخصوں نے دی ہوں ان کو بھی یکجا مخلوط کر دینا جائز نہیں ہے، اور خلط کی صورت میں وکیل ضامن ہو جاتا ہے، اور وکالت ختم ہو چکی، لہٰذا جب تک صریحاً یا دلالۃً ادا کا امر دوبارہ نہ پایا جائے اس وقت تک اس کو ادا کرنا کافی نہیں ہے۔ البتہ اگر خلط عام طور پر مروج ہو اور دافع کو بھی اس کو علم ہے تو پھر خلط اور بعد خلط ادا کی گنجائش نکل سکتی ہے بشرطیکہ رقوم زکوٰۃ ہی کو باہم مخلوط کیا جائے، غیر زکوٰۃ کی رقوم زکوٰۃ کی رقوم سے مخلوط نہ ہوں، کہ اس کی گنجائش نہیں۔

سوال: وکیل ادائگی زکوٰۃ کے پاس جبکہ زکوٰۃ واجبہ اور صدقات نافلہ ہر طرح کی رقوم کا مجموعہ مخلوطاً موجود ہے، اور وہ بلا تمیز و تعیین مصرف زکوٰۃ و غیر مصرف زکوٰۃ پر خرچ کر رہا ہے، مگر ظن غالب ہے کہ زکوٰۃ واجبہ کی مقدار مصرف زکوٰۃ ہی میں خرچ ہوتی ہے البتہ تحقیق و تمیز تام حاصل ہونا مشکل ہونے کی وجہ سے متروک ہو رہا ہے، تو ایسی صورت میں توسع کی گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب: یہ خلط جائز نہیں کما مر، اور مکمل حساب کرنا ضروری ہے۔ اور آئندہ رقوم جداگانہ رکھنا لازم ہے، جب سبیل یقینی یعنی حساب لکھا ہوا موجود ہے تو میزانوں کی دشواری ایسی چیز نہیں جس کے باعث غلبہ ظن کو کافی سمجھا جائے۔

السوال: اطفال کو اگر ماہوار رقم مد زکوٰۃ سے دی جائے اور ان پر لازم قرار دیا جائے کہ وہ اس رقم سے اپنی ضروریات تعلیم کاغذ قلم دوات وغیرہ خریدیں، تو یہ شرط تملیک لازم میں تو مخل نہیں ہوگی؟

الجواب: کچھ مخل نہیں۔

السوال: جو روپیہ مد زکوٰۃ کا لوگ مدرسہ اسلامیہ میں علوم دینیہ حاصل کرنے والے طلبہ کے واسطے دیتے ہیں، اگر ان طلبہ کو آدھے دن علوم دینیہ و دنیویہ مثل حساب وغیرہ کے محض پڑھا کر بقیہ آدھے دن میں صنعت و حرفت طلبہ کو سکھلائی جائے اور اس حالت میں بہ تعلیم صنعت و حرفت ان

اطفال کی غذا وغیرہ کے لئے کی ادائی زکوٰۃ میں تو کوئی حرج واقع نہ ہوگا؟

الجواب: مصرف زکوٰۃ کے واسطے تعلیم دین بلکہ مطلق تعلیم بھی شرط نہیں ہے، پس اگر کسی کام کے واسطے چندہ دیا جاوے تو زکوٰۃ ادا ہو جاوے گی، لیکن جو چندہ تعلیم کے لئے آیا ہو اس کو خرچ نہیں کر سکتے۔

سوال: مدارس تعلیم صنعت وحرفت میں جو کام سیکھنے والے طلباء صاحب عمل کو کر دیتے ہیں اس کی اجرت کا استحقاق ان طلباء کو ہے یا نہیں؟ اور اگر صاحب عمل اپنی شرائط کی بناء پر کوئی اجرت نہ دے تو وہ عند اللہ مسئول ہوگا یا نہیں؟

الجواب: جب اس کے شرائط میں ہے کہ اجرت نہ ملے گی تو طلبہ کو اجرت کا کوئی استحقاق نہیں، اجرت جب واجب ہوتی ہے کہ عقد اجارہ کیا گیا ہو، پس بلا اجارہ بلکہ تصریح عدم اجارہ میں اجرت کا حق کیسے ہو سکتا ہے؟

سوال: انعام میں فنڈ زکوٰۃ کی رقم سے کتب یا دیگر ضروریات تعلیم مثل قلم، دوات، کاغذ وغیرہ خرید کر طلباء کو دینا محتاج حیلہ شرعی کا ہے یا نہیں؟

الجواب: رقم زکوٰۃ سے اشیاء خریدنے کے بعد وہ اشیاء مصرف زکوٰۃ کو تملیکاً دیدینا کافی ہے، خریدنے سے پہلے حیلہ کی حاجت نہیں، مگر معطی زکوٰۃ کا اذن شرط ہے۔

سوال: شریعت نے جو شروط مصرف زکوٰۃ ہونے کے ملحوظ فرمائے ہیں ان سے تجاوز کر کے مہتمم مدرسہ کا اپنے مدرسہ کے بعض شرائط کو ملحوظ رکھنا تجاوز عن حدود الشرع تو نہیں شمار ہوگا؟ کیونکہ مبنیٰ ان شرائط زائدہ کا محض مصلحت دینی ہے، نہ غرض ذاتی والمجتہد یخطی ویصیب؟

الجواب: تجاوز عن الحدود تو یہ ہے کہ غیر مصرف کو دیدے، اور جو لوگ مصرف ہیں ان میں سے بعض کو دینا بعض کو نہ دینا اگر بدون وجہ ترجیح محض اپنی رائے سے بھی ہو تب بھی منافی نہیں، اور جب ترجیح کی وجہ ہو تو پھر کوئی شبہ ہی نہیں ہو سکتا۔

سوال: جو صورت کہ تملیک لفظی وصوری قرار دی گئی اس میں اگر مصرف حکمت ومسائل سے واقف ہو مگر رغبۃ فی اللہ کوئی بات اس پر گراں نہیں ہوتی تو یہ تملیک حقیقی متصور ہوگی یا نہیں؟

الجواب: اس حیلہ معروفہ کو محض لفظی تملیک تو اس بنا پر قرار دیا گیا ہے کہ

دینے والے کی نیت تملیک کی نہیں ہوتی، بلکہ وہ صرف ہیر پھیر کا قصد کرتا ہے، اور مملک لہ کے اخلاص سے یہ محذور مرتفع نہیں ہو سکتا، کما لا یخفی۔

سوال: وکیل کے قبضہ کرنے اور اپنے مال میں ملا لینے سے رقم موکل کے قبضہ سے نکل جاتی ہے، یا باقی رہتی ہے، غالب گمان ہے کہ نکل جاتی ہے، اور اس حالت میں وکیل مدیون شمار ہوتا ہے، ایسی حالت میں وکیل کو کن امور کی احتیاط اشد ضروری ہے!

الجواب: بیشک اس صورت میں وکیل مدیون ہے، لیکن پیشتر گزر چکا ہے کہ بعد خلط وکیل کو بلا اذن مستقل (صراحۃً یا دلالۃً) ادائے زکوٰۃ کا اختیار نہیں، پس موکل سے دوبارہ اذن لے لینا چاہئے۔ حررہ: احقر عبد الکریم عفی عنہ رمضان المبارک ۵۳ھ

الجواب صحیح۔ ظفر احمد ۵ رمضان ۵۳ھ۔

وصیت بالتصدق اور اغنیاء کے لئے ایسے صدقہ کا حکم

سوال (۱۸) ایک شخص نے کہا کہ پچاس من غلہ خیرات کر دو، اس کے خدام نے کہا کہ کل کر دیں گے، اس پر اس نے کہا کہ اگر میں زندہ نہ رہا تو بھی خیرات کر دینا، بعد ازاں وہ شخص اسی روز فوت ہو گیا ہے، اب سوال یہ ہے کہ اس صدقہ میں سے غنی صاحب نصاب کو دینا اور لینا جائز ہے یا نہیں!

الجواب: جائز نہیں ہے، بلکہ صرف فقراء کو دیا جاوے، لما فی الدر المختار (والوصیة المطلقة) کقوله هذا القدر من مالی او ثلث مالی وصیة (لا تحل للغنی) لانها صدقة وهی علی الغنی حرام (وان عممت کقوله یأکل منها الغنی والفقیر) لان اکل الغنی منها انما یصح بطریق التملیك والتملیك انما یصح لمعین والغنی لا یتعین ولا یحصی (ولو خصصت) الوصیة (به) ای بالغنی کقوله هذا القدر من مالی وصیة لزید وهو غنی (او لقوم) اغنیاء (محصورین حلت لهم) لصحة تملیکهم قال الشامی تحت قوله (علی الغنی حرام): ولا یمکن جعلها هبة له بعد موت الموصی بخلاف الصدقة علیه حالا فانها تجعل هبة لما قالوا ان الصدقة علی الغنی هبة والهبة للفقیر صدقة ط رج ۵)۔

۲۹ رجب ۵۳ھ۔

صاحب نصاب کے لئے زکوٰۃ صدقہ فطر اور عشر وغیرہ لینے کا حکم

سوال (۱۹) ایں عامی را از مطالعہ کتب معلوم گردید کہ ملکیت مبلغ پنجاہ و پنج روپیہ کلدار بالغ

از اخذ زکوٰۃ و عشر غلہ و صدقہ فطر می شود یا مقدار بیس زر با ملایان مساجد حصول ایں ہا از باب محض عرف جائز نیست دیگر ایں تنخواہ وغیرہ معین است و ایں راقم نیز بریں معاش گرفتار است و تا اندازِ نصاب مذکور زیور و یا نقدی در ملکیت خود موجود میدارد و برائے حوائج خانگی از معالجہ بیماری یا برائے تجہیز و تکفین میت از حد ضرورت است بندہ باندازِ نصاب شرعی کار یک مہم نیز لبس انجامی کافی نمیشود و بر سر ضرورت قرضہ ہمیشہ میشود پس ازیں قدر مایہ داری لابدی است و دریں امر از روئے شرع شریف بصورت اگر بنظر فیض اثر بطور آیہ تحریر کنند کہ بریں عامل شدہ نجات اخروی یا ہم دیگر ہیچ حصول در کار امامت میسر نمی شود حسبتہ للہ علاج کافی و نسخہ شافی ارشاد فرمایند۔

الجواب: قال فی البحر یجوز دفع الزکوٰۃ الی من یملک ما دون النصاب او قدر نصاب غیر نام وہو مستغرق فی الحاجۃ اھ (ص ۲۴۰ ج ۲) لاریب کہ دفع زکوٰۃ بہر کسے کہ مالک نصاب نامی باشد یا مالک نصاب غیر نامی فاضل از حاجت اصلیہ باشد روا نیست و او را اخذ زکوٰۃ ہم جائز نیست پس ایں چنیں کسان را اخذ زکوٰۃ و صدقات واجبہ نشاید مگر آنکہ نصاب نامی را بملک زوجات یا اولاد خود نمایند و نصاب غیر نامی را مستغرق حاجت سازند مثلاً بعوض آں غلہ برائے خوردن خرید کنند کہ از حوائج اصلیہ ہست، واللہ تعالیٰ اعلم۔

دیگر آنکہ اخذ زکوٰۃ و عشر و صدقہ فطر بعوض خدمت امامت روا نیست و زکوٰۃ و عشر و صدقہ فطر از ذمہ ادا کنندہ ساقط نخواہد شد، زیرا کہ در صدقات واجبہ تملیک فقیر بلا عوض واجب است و امام مسجد اگر صاحب نصاب ہم نباشد چوں بعوض عمل می گیرد او را زکوٰۃ و عشر وغیرہ دادن بعوض امامت ہرگز روا نیست، ولا حیلۃ لجواز ذلک اصلاً۔

۹ محرم الحرام ۴۹ھ۔

جس کی ماں جولاہن اور باپ سید ہو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟

سوال (۲۰) ایک لڑکی جس کا باپ سید اور ماں جولاہن ہے، یہ لڑکی یتیم ہے، صاحب نصاب نہیں، بیوہ ہے کیا اس کی مدد زکوٰۃ سے کی جا سکتی ہے؟

الجواب: نسب میں شرعاً باپ کا اعتبار ہے، ماں کا اعتبار نہیں، پس یہ لڑکی سید زادی ہے، اس کو زکوٰۃ کی رقم بجنسہ نہ دی جائے، بلکہ یہ حیلہ کیا جائے کہ ایک غریب سے جو سید نہ ہو کہا جائے کہ تم اپنے پاس سے یا کسی سے قرض لے کر اس سید زادی کو اتنے روپیہ سے

امداد کردو تم کو ثواب ہوگا اور ہم تم کو اس قدر رقم اپنے پاس سے دیدیں گے، پس دنیا میں تمہارا نقصان نہیں اور آخرت میں ثواب ہوگا، جب وہ غریب اس سیدزادی کی امداد اپنے پاس سے یا قرض لے کر کردے، تو اس کو اس کے بعد زکوٰۃ کی رقم دیدی جائے کہ اس سے تم اپنا قرض ادا کردو یا اپنی رقم کی تلافی کرلو، اس صورت میں سیدزادی کی امداد بھی ہوجائے گی، اور زکوٰۃ ادا ہونے میں شبہ بھی نہ رہے گا، گو بعض علماء نے آجکل سیدوں کو زکوٰۃ دینا ایک روایت کی بناء پر جائز کردیا ہے، مگر احتیاط کے خلاف ہے، کہ قرض کو اختلاف روایت میں ڈالا جائے خصوصاً جبکہ حیلہ با آسانی ہوسکتا ہے، واللہ اعلم، ۲۴ محرم سنہ ۵۱ھ۔

کمپنی، اس کے شیئرز اور مشترک اموالِ تجارت کی زکوٰۃ؛

ریلوے کمپنی کے حصص پر وجوبِ زکوٰۃ کا حکم

سوال (۱) زید نے ریلوے کمپنی کے حصص خریدے اور ٹرام کے بھی خریدے، اور مذکورہ دونوں کمپنیاں کرایہ کا کام کرتی ہیں تو جس قدر روپے سے حصص خریدے ہوں، مثلاً ۲۰۰۰ دو ہزار کو خریدے ہوں۔ تو دو ہزار پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا اس کی آمدنی پر واجب ہوگی؟

الجواب: ریلوے کمپنی وغیرہ کو جو روپیہ دیا جاتا ہے اور اس سے حصص خریدے جاتے ہیں بظاہر اس کی حقیقت یہ ہے کہ کمپنی کو یہ روپیہ قرض دے کر ریلوے کے کارخانہ میں یہ شخص شریک ہوجاتا ہے، اور ریلوے اس روپے کو اپنے کام میں لگا لیتی ہے، اس صورت میں دو ہزار کی رقم جو سائل نے ریلوے کمپنی وغیرہ کو دی ہے، اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی، اور اس کے منافع پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی، کذا فی حوادث الفتاوی ص ۲۹ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۰ رمضان سنہ ۴۶ھ۔

کتاب الصوم

افطار میں جلدی کرنا

سوال (۱) الحمد للہ والسلام علی عبادہ الذین اصطفی، علماء دیار ما در تعیین وقت افطار و صلوٰۃ مغرب مختلف دو فریق شدند فریق اول بمجرد غروب آفتاب از افق حسی و ظہور ظلام شرقی حکم بافطار صوم و صلوٰۃ مغرب می کنند بحجت دلائل ذیل حدیث اذا اقبل اللیل من ھھنا و ادبر النہار من ھھنا فقد افطر الصائم، و قول امام محمدؒ فی المؤطا تعجیل الافطار افضل من تاخیرہا وھو قول ابی حنیفۃ والعامۃ۔ قال شارح المؤطا قولہ والعامۃ ای جمہور اھل السنۃ وبکثرۃ احادیث، دیگر در تاکید تعجیل مغرب و اجتناب از تاخیر آن حسب عمل ابن عمرؓ اخر الصلوٰۃ یوما الی ان بدا نجم فاعتق رقبۃ کما ذکر فی فتح القدیر و دیگر حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کہ امت من بخیر باشند تا اینکہ در صلوٰۃ مغرب تاخیر نکنند، فریق ثانی بعد زوال حمرۃ شرقی و بلند شدن سواد شرقی تا نصف سما حکم بافطار وغیرہ می نمایند بدلائل ذیل احتجوا بما رواہ النسائی والطحاوی عن ابی بصرۃ الغفاریؓ قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ العصر بالمخمص فقال ان ھذہ الصلوٰۃ عرضت علی من کان قبلکم فضیعوھا فمن حافظ علیہا منکم اوتی اجرہ مرتین ولا صلوٰۃ بعدھا حتی یطلع الشاھد، والشاھد النجم قالوا فطلوع النجم ھو اول وقتہا قال الطحاوی وما حاصلہ یحتمل ان یکون الشاھد ھو اللیل۔ و علمائے خطۂ پشاور و سمرقند و امثال ہا برین متفق شدند کہ ازین حدیث در ضمن لفظ شاھد اختلاف واقع شدہ بعضے از شاھد نجم مراد گرفتہ و بعضے لیل پس بنا بر قاعدہ اصول عمل باحتیاط کردہ و معنی شاھد کہ نجم است عمل را برآن قرار دادہ اند و از ہر دو فریق در بارہ مدعائے خویش رسائل اشاعت یافتہ پس این لاشئ از مطالعہ ہر دو رسائل باز جہت کم علمی و نافہمی در تلاطم تحیر و تفکر غوطہ زن ماندہ لہذا بخدمت عالی التماس است کہ از اقوال و دلائل فریقین ہر کدام بسند قوی و با آثار نبوی و صحابہ کرام مستند باشد بدلائل کتب معتبرہ تطبیق نمودہ با حقیر رواں فرمایند کہ با حجت دلائل کتب جواب مخاصم ازان کردہ شود و بلا سند کتب غیر قبول و نامسموع مخاصم باشد

دہلوہ سکونت این جگہ در موضعے ہست کہ مغرباً آنجا فاصلہ شش میل جبل واقع است این در ینجا چگونہ صورت مغرب باشد؟

الجواب: قال العلامة الشامي والمراد بالغروب زمان غيبوبة جرم الشمس بحيث تظهر الظلمة في جهة المشرق وقال صلى الله عليه وسلم إذا أقبل الليل من ههنا فقد أفطر الصائم أي إذا وجدت الظلمة حسا في جهة المشرق فقد ظهر وقت الفطر أو صار مفطرا في الحكم لأن الليل ليس ظرفا للصوم وإنما أدى بصورة الإخبار ترغيبا في تعجيل الإفطار كما في فتح الباري اهـ ص ۱۰۳ ج ۲ قال الحافظ ابن حجر في الفتح تحت حديث ابن أبي أوفى قال كنا مع النبي صلى الله عليه وسلم في سفر فلما غابت الشمس قال لبعض القوم يا فلان قم فاجدح لنا فقال يا رسول الله لو أمسيت قال انزل فاجدح قال إن عليك نهارا قال انزل فاجدح لنا الحديث ما نصه وفي الحديث أيضا استحباب تعجيل الفطر وأنه لا يجب إمساك جزء من الليل مطلقا بل متى تحقق غروب الشمس حل الفطر اهـ وقال تحت حديث سهل بن سعد أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا يزال الناس بخير ما عجلوا الفطر ما نصه زاد أبو هريرة في حديثه لأن اليهود والنصارى يؤخرون أخرجه أبو داود وابن خزيمة وغيرهما وتأخير أهل الكتاب له أمد وهو ظهور النجم وقد روى ابن حبان والحاكم من حديث سهل أيضا بلفظ لا تزال أمتي على سنتي ما لم تنتظر بفطرها النجوم إلى أن قال قال ابن دقيق العيد في هذا الحديث رد على الشيعة في تأخيرهم الفطر إلى ظهور النجوم اهـ ص ۱۶۳ ج ۴ وفي رد المحتار لأن ظاهر مذهب أصحابنا جواز الإفطار بالتحري كما نقله في المعراج عن شمس الأئمة السرخسي لأن التحري تفيد غلبة الظن وهي كاليقين كما تقدم فلو لم يتحر لا يحل له الفطر لأن الأصل بقاء النهار وفي البحر عن البزازية لا يفطر ما لم يغلب على ظنه الغروب وإن أذن المؤذن اهـ ص ۱۰۷ ج ۲۔

ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ غروب آفتاب کے تحقق کے بعد معاً افطار و نماز

جائز ہے بلکہ تعجیل فی الافطار مستحب ہو البتہ شرط یہ کہ ظن غالب غروب کا ہوجاوے، اور سائل کو تحری وغلبۂ ظن سے افطار کرنا جائز ہے، باقی طحاوی ونسائی کی روایت ان احادیث کے متعارض نہیں کیونکہ ایک دو ستارہ غروب کے ساتھ ہی طلوع ہوجاتا ہے، البتہ اشتباک نجوم غروب کے بعد دیر میں ہوتا ہے، اور اشتباک نجوم کا انتظار مکروہ ہے، ۲۰ ر ۴۲ھ

حکم صوم یوم الشک

سوال (۲): ما قولکم رحمکم اللہ فی صوم یوم الشک وما الراجح فیہ عندکم

الجواب: قلت اخرج الشیخان وغیرہما عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال لا یتقدمن احدکم رمضان بصوم یوم او یومین الا ان یکون رجل کان یصوم صوما فلیصم ذلک الیوم، وللترمذی وصححہ بلفظ الا ان یوافق ذلک صوما کان یصومہ احدکم، قال الحافظ ابن حجر قال العلماء معنی الحدیث لا تستقبلوا رمضان بصیام علی نیۃ الاحتیاط لرمضان، ای لا یتقدم رمضان بصوم یعد منہ لقصد الاحتیاط لہ فان صومہ مرتبط بالرؤیۃ فلا حاجۃ الی التکلف، و (قیل) الحکمۃ فیہ التقوی بالفطر لرمضان لیدخل فیہ بقوۃ ونشاط وھذا فیہ نظر لان مقتضی الحدیث انہ لو تقدمہ بصیام ثلاثۃ ایام او اربعۃ جاز وسنذکر ما فیہ قریبا، وقیل الحکمۃ فیہ خشیۃ اختلاط النفل بالفرض وفیہ نظر ایضا لانہ یجوز لمن لہ عادۃ کما فی الحدیث، وقیل لان الحکم علق بالرؤیۃ فمن تقدمہ بیوم او یومین فقد حاول الطعن فی ذلک الحکم وھذا ھو المعتمد، ومعنی الاستثناء ان من کان لہ ورد فقد اذن لہ فیہ لانہ اعتادہ والفہ وترک المالوف شدید ولیس ذلک من استقبال رمضان فی شیء، وفیہ رد علی من یری بتقدیم الصوم علی الرؤیۃ کالرافضۃ ورد علی من قال بجواز النفل المطلق وابعد من قال المراد بالنھی التقدم بنیۃ رمضان واستدل بلفظ التقدم لان التقدم علی الشیء بالشیء انما یتحقق اذا کان من جنسہ فعلی ھذا یجوز الصیام بنیۃ النفل المطلق لکن السیاق یابی ھذا التاویل ویدفعہ، وفیہ منع انشاء الصوم قبل رمضان اذا کان لاجل الاحتیاط اھ (ص ۱۰۱ ج ۴) ملخصا۔

واخرج الترمذی عن عمار بن یاسر من صام الیوم الذی یشک فیه فقد عصی ابا القاسم صلی اللہ علیہ وسلم وقال حسن صحیح والعمل علی ھذا عند اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومن بعدھم کرھوا ان یصوم الرجل الیوم الذی یشک فیہ اھ (ص۹۱ ج۱) قلت واخرجہ البخاری تعلیقا ووصلہ اصحاب السنن الاربعۃ واخرجہ ایضاً ابن خزیمۃ وابن حبان والحاکم وقال صحیح علی شرطھما ولم یخرجاہ کذا فی العمدۃ للعینی (ص۱۹۰ و۱۹۱ ج۵) قلت ولا یخفی انہ موقوف فی حکم المرفوع وقال العینی ان فیہ تفصیلا واختلافا للعلماء فذھب داود الی انہ لا یصح صومہ اصلا ولو وافق عادۃ لہ وذھبت طائفۃ الی انہ لا یجوز ان یصام آخر یوم من شعبان تطوعاً الا ان یوافق صوماً کان یصومہ واخذوا بظاھر ھذا الحدیث روی ذلک عن عمر بن الخطابؓ وعلیؓ وعمارؓ وحذیفۃؓ وابن مسعودؓ ومن التابعین سعید بن المسیبؒ والشعبیؒ والنخعیؒ والحسنؒ وابن سیرینؒ وھو قول الشافعیؒ وکان ابن عباسؓ وابو ھریرۃؓ یامران بفصل یوم او یومین کما استحبوا ان یفصلوا بین الصلوۃ الفریضۃ والنافلۃ بکلام او قیام او تقدم او تاخر وقال عکرمۃؒ من صام یوم الشک فقد عصی اللہ ورسولہ واجازت طائفۃ صومہ تطوعاً وھو قول اللیثؒ والاوزاعیؒ وابی حنیفۃؒ واحمدؒ واسحقؒ روی عن عائشۃؓ واسماءؓ اختھا انھما کانتا تصومان یوم الشک اھ (ص۲۰۰ و۲۰۱ ج۵) ملخصاً۔ وقال فی الھدایۃ والمراد بقولہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تتقدموا رمضان بصوم یوم ولا بصوم یومین الحدیث۔ التقدم بصوم رمضان لانہ یؤدیہ قبل اوانہ ثم ان وافق صوماً کان یصومہ فالصوم افضل بالاجماع وکذا اذا صام ثلثۃ ایام من آخر الشھر فصاعداً وان افردہ (ای یوم الشک) فقد قیل الفطر افضل احترازاً عن ظاھر النھی (والقائل الفقیہ محمد بن مسلمۃ کذا فی العنایۃ) وقد قیل الصوم افضل اقتداء بعلیؓ وعائشۃؓ رضی اللہ عنھما فانھما کانا یصومانہ والمختار ان یصوم المفتی بنفسہ اخذا بالاحتیاط اھ (مع فتح القدیر ص۲۳۴ ج۲) قلت اما تاویل صاحب الھدایۃ فی معنی الحدیث فما ابعدہ من السیاق کما قالہ

الحافظ ابن حجر واما استن لانهم بفعل علیؓ فلا يصح فان مذهب علیؓ خلاف ذلك كما مر عن العینیؒ ومثله في فتح القدير نقلا عن الغاية واما بفعل عائشةؓ فلا يستقيم ايضا لان المنقول من قولها انها قالت لان اصوم يوما من شعبان احب الی من ان افطر يوما من رمضان كما في الفتح وذكره العيني ايضا وصوم يوم الشك بنية كذلك لا يجيزه اصحابنا قال العلامة ابن الهمامؒ والاولی في التمسك على الافضلية حديث السرار (ص ۲۳۴ ج ۲) قلت وحديث السرار ما اخرجه الشيخان انه صلی الله علیه وسلم قال لرجل هل صمت من سرر شعبان قال لا قال فاذا افطرت فصم يوما مكانه وفي لفظ فصم يوما من سرر الشهر اخره كذا ذكره ابن الهمام في الفتح ايضا (ص ۲۳۵ ج ۲) قلت ولا يخفى ما فيه فانه يمكن حمل حديث السرر على صوم كان يعتاده الرجل وحينئذ فلا منافاة بينه وبين حديث النهي عن التقدم على رمضان ذكره الحافظ ابن حجرؒ في الفتح (ص ۱۰۲ ج ۴) وايضا فقد قيل السرر وسط الشهر حكاه ابوداؤد ورجحه بعضهم ووجهه بان السرر جمع سرة وسرة الشيء وسطه ويؤيده الندب الى صيام البيض وهي وسط الشهر (والندب الى صوم يوم النصف من شعبان خاصة ۱۲) وانه لم يرد في صيام آخر الشهر (من شعبان) ندب بل ورد فيه نهي خاص ام قاله الحافظ ايضا وبالجملة فدليل من منع عن صوم يوم الشك الا لمعتاد اقوى رواية ودراية وما ذكره اصحابنا في تاويل النهي بين ومن استثناء الخواص عن هذا النهي محض تاويل في مورد النص هذا ولكني لا افتي على كراهته للخواص لكوني مقلدا للامام الاعظم ابی حنيفةؒ واصحابه ولكن الاولی عندي قول محمد بن سلمةؒ من الحنفية ان افراد يوم الشك بصومه خلاف الاولی والفطر فيه افضل للعوام والخواص جميعا خصوصا وقد قال اصحابنا ان الخروج من خلاف العلماء مستحب وفيه خلاف كما تری والله اعلم، ولا سيما في هذا الزمان فان صوم المفتي والعالم قلما يخفى على العامة كما هو مشاهد والحنفية انما اجازوه للخواص بشرط الاختفاء التام عن العوام كما ذكره في فتح القدير (ص ۲۳۴، ۲۳۳ ج ۲) وان كان الصوم

بشرط الاختفاء ایضاً خلافہ الافضل عندی وبہ قال محمد بن مسلمۃؒ من اصحابنا وکفی بہ فی قدوۃ اذا تأید قولہ بالحدیث وتقوی روایۃ ودرایۃ ھذا واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم، ۳۰ر شعبان سنہ ۴۵ھ۔

مسجد میں افطار کرنا جائز ہے یا نہیں؟

سوال (۳) مسجد میں روزہ افطار کرنا اس خیال سے کہ اگر افطار کرکے مسجد میں گئے تو جماعت کا کچھ حصہ نہیں ملے گا، افطار سے مطلب یہ ہے کہ افطاری میں کھانا وغیرہ اچھی طرح سے کھا لیا جاوے، ورنہ یہ ممکن ہے کہ اگر ایک گھونٹ پانی یا صرف چھوارا وغیرہ کھا کر چلے تو اول رکعت میں بخوبی شامل ہو سکتا ہے، اور مسجد والوں سے یہ دشوار ہے کہ وہ اذان و تکبیر میں اس قدر توقف کریں کہ گھر سے افطار کرنے والے جماعت کی اول رکعت میں شامل ہو جاویں، تو ایسی صورت میں مسجد میں افطار کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: ایسی حالت میں افطار مسجد میں کیا جائے، مگر مسجد کی حد کے اندر نہ کھایا بلکہ باہر کھائیں، اور باہر کوئی جگہ مناسب نہ ہو تو مسجد ہی میں کھا لیں، اور کھانے سے کچھ دیر پہلے اعتکاف کی نیت کرکے مسجد میں آجایا کریں، امام محمدؒ کے نزدیک اعتکاف قلیل زمان کا بھی صحیح ہے، قال فی الدر وکرہ اکل ونوم الا لمعتکف اھ قال الشامی فی قولہ اکل ونوم الخ واذا اراد ذلک ینبغی ان ینوی الاعتکاف فیدخل ویذکر اللہ تعالیٰ بقدر ما نوی او یصلی ثم یفعل ما شاء اھ فتاوی ہندیۃ (ص ۱۹۱ ج ۱) واللہ اعلم ۲۵ رمضان سنہ ۴۵ھ۔

ایضاً

سوال (۴) رمضان شریف میں اہل محلہ کا بخوف ترک جماعت نماز مغرب مسجد محلہ میں جمع ہو کر شربت وغیرہ قلیل اشیاء سے روزہ افطار کرنا بلا کراہت جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب: مسجد میں اکل وشرب مکروہ ہے، مگر ضرورت کے وقت بلا کراہت جائز ہے، کالمسافر یباح لہ النوم فیہ اور ترک جماعت کا اندیشہ بھی عذر ہے اس لئے اگر مسجد سے باہر کوئی جگہ ایسی نہ ہو جہاں افطار کر سکیں تو مسجد ہی میں افطار کر لینا جائز ہے بشرطیکہ مسجد کو ملوث نہ کیا جائے، قال علی القاری فی وجہ تاخیر عمرؓ وعثمانؓ الافطار عن الصلوٰۃ انہما کانا فی المسجد وکانا غیر معتکفین ورأیا الاکل والشرب لغیر المعتکف مکروھین فی المسجد، لکن اطلاق احادیث التعجیل ظاہر فی استثناء حال الافطار (ص ۲۱۳ ج ۲) کوئی کپڑا وغیرہ ایسا بچھا لیا جائے جس سے مسجد کی حفاظت رہے، اور بہتر یہ ہے کہ اس وقت افطار سے کچھ پہلے اعتکاف کی نیت کرکے

مسجد میں داخل ہوں، و امام محمدؒ کے نزدیک اعتکاف ساعت بھی درست ہے، وبہ یفتی، پھر یہ کراہت کلیہ مرتفع ہو جاوے گی، واللہ اعلم۔ ۱۷ رمضان سنہ ۵۲ھ

تفصیل الآثار فی تعجیل الافطار

سوال (۵۰) موطا امام مالکؒ میں کتاب الصوم میں ہے۔

ان عمر بن الخطابؓ وعثمان بن عفان کانا یصلیان المغرب حین ینظران الی اللیل الاسود قبل ان یفطرا ثم یفطران بعد الصلوٰۃ وذلک فی رمضان۔

اس پر مسوّی میں شاہ ولی اللہ محدثؒ نے کہا ہے وعلیہ اھل العلم انہ یستحب ذلک مالم یقع فی شک الاستثناء التاخیر، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تعجیل فطر پر احادیث کثیرہ موجود، خود موطا میں یستحب تعجیل الفطر کا ایک باب ہے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ و حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تاخیر کیسے فرماتے تھے؟ اور پھر شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اس تاخیر کو مستحب لکھ دیا، اگر تاخیر کے مشتبہ میں نہ پڑے، غالباً شاہ صاحبؒ کا منشا یہ ہے کہ مشتبہ کی وجہ سے تاخیر کرے، اور بلا شبہ تاخیر کرے تو مستحب ہو، پھر تعجیل فطر کا استحباب کہاں رہا؟

الجواب الملقب بتفصیل الآثار فی تعجیل الافطار:

قال الحافظ فی الفتح قال ابن عبد البر احادیث تعجیل الافطار وتاخیر السحور صحاح متواترۃ وعند عبد الرزاق وغیرہ باسناد صحیح عن عمرو بن میمون الاودی قال کان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسرع الناس افطارا وابطأھم سحورا واخرج البخاری عن سہل بن سعد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لایزال الناس بخیر ما عجلوا الفطر زاد ابوداؤد فی حدیثہ واخروا السحور اخرجہ احمد وزاد ابوھریرۃ فی حدیثہ لان الیھود والنصاری یؤخرون اخرجہ ابوداؤد وابن خزیمۃ وغیرھما وتاخیر اھل الکتاب لہ امد وھو ظھور النجم وقد روی ابن حبان والحاکم من حدیث سہل ایضا بلفظ لاتزال امتی علی سنتی مالم تنتظر بفطرھا النجوم۔ قال المھلب والحکمۃ فی ذلک ان لایزاد فی النھار من اللیل ولانہ ارفق بالصائم واقوی لہ علی العبادۃ واتفق العلماء علی ان محل ذلک اذا تحقق غروب الشمس بالرؤیۃ او باخبار عدلین وکذا عدل واحد فی الارجح

(ص ۱۷۳ ج ۵) وفیه دلالة علی اتفاق العلماء علی ان التعجیل المذکور فی الحدیث الموافق للخیر بالتاخیر عنه محله ما اذا تحقق الغروب ثم نبه الحافظ فی الصحیح المذکورة علی ما حدث فی زمانه من البدعة المنکرة من ایقاع الاذان الثانی قبل الفجر بنحو ثلث ساعة فی رمضان واطفاء المصابیح التی جعلت علامة لتحریم الاکل والشرب علی من یرید الصیام زعما ممن احدثه انه للاحتیاط فی العبادة وقد جرهم ذلک الی ان صاروا لا یؤذنون الا بعد المغرب بدرجة لتمکین الوقت زعموا فاخروا الفطر وعجلوا السحور وخالفوا السنة فلذلک قل عنهم الخیر وکثر فیهم الشر والله المستعان (ص ۱۷۳ ج ۴) وهو یدل علی ان التاخیر بدرجة بعد تحقق الغروب خلاف السنة ایضا وروی مسلم والترمذی والنسائی من روایة ابی عطیة قال دخلت انا ومسروق علی عائشة فقلنا یا ام المؤمنین رجلان من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم احدهما یعجل الافطار ویعجل الصلوة والآخر یؤخر الافطار ویؤخر الصلوة قالت ایهما یعجل الافطار ویعجل الصلوة قلنا عبد الله بن مسعود قالت هکذا کان یصنع رسول الله صلی الله علیه وسلم والآخر ابو موسیٰ۔

واخرج ابو یعلی فی مسنده عن انس رضی الله عنه قال ما رأیت النبی صلی الله علیه وسلم قط صلی صلوة المغرب حتی یفطر ولو کان علی شربة من ماء واسناده جید کذا فی العینی علی البخاری (ص ۲۹۲ ج ۵)

واخرج البخاری عن عمر بن الخطاب رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا اقبل اللیل من ههنا وادبر النهار من ههنا وغربت الشمس فقد افطر الصائم اه وقال ابن خزیمة قوله فقد افطر الصائم لفظ خبر ومعناه الامر ای فلیفطر الصائم ولو کان المراد فقد صار مفطرا کما زعمه بعضهم لم یکن للترغیب فی تعجیل الافطار معنی وکان فطر جمیع الصوام واحدا کذا فی الفتح ایضا (ص ۱۷۴ ج ۴) وفیه ایضا فی باب صوم الوصال واحتجوا للتحریم ای تحریم الوصال بقوله فی الحدیث المتقدم اذا اقبل اللیل من ههنا فقد افطر الصائم اذ لم یجعل اللیل محلا سوی

الفطر فالصوم فیه مخالفة لوضعه کیوم الفطر (ص ۴۸۰، ج ۳)۔

وفی حاشیته لحدیث بشیر بن الخصاصیة اخرجه احمد والطبرانی وسعید بن منصور وعبد بن حمید وابن ابی حاتم فی تفسیرهما بسند صحیح الی امرأته عنه مرفوعًا صوموا کما امرکم الله تعالی اتموا الصیام الی اللیل فاذا کان اللیل فافطروا (ص ۱۴۶، ج ۴) وقال العینی فی العمدة قال ابوعمر فی الاستذکار اجمع العلماء علی انه اذا حلت صلوة المغرب فقد حل الفطر للصائم فرضًا وتطوعًا و اجمعوا علی ان صلوة المغرب من صلوة اللیل اھ (ص ۳۶۲، ج ۵) وفی الترغیب للمنذری عن انس رضی الله عنه قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یفطر قبل ان یصلی علی رطبات فان لم تکن حسی حسوات من ماء رواه ابوداود والترمذی وحسنه اھ (ص ۱۰۵) وقال علی القاری فی شرح المشکوٰة تحت حدیث لا یزال الناس بخیر ما عجلوا الفطر ای ما داموا علی هذه السنة ویسن تقدیمه علی الصلوة للخبر الصحیح به وقال التوربشتی فان فی التعجیل مخالفة لاهل الکتاب فانهم یؤخرونه ثم صار عادة لاهل البدعة فی ملتنا اھ قال بعض علمائنا ولو اخر لتأدیب النفس غیر معتقد وجوب التاخیر لم یضره ذلک۔ اقول بل یضره حیث یفوته السنة وتعجیل الافطار بشربة ماء لا ینافی التأدیب ثم رأیت التوربشتی قال وهذه الخصلة التی لم یرضها رسول الله صلی الله علیه وسلم و اقول یشابه هذا التاخیر تقدیم صوم یوم او یومین علی صوم رمضان الی ان قال ومما یؤیده ما صح ان الصحابة کانوا اعجل الناس افطارًا وابطأهم سحورًا (ص ۵۱۰ ج ۲) قلت ومقتضی هذا الذی ذکرنا کون تقدیم الافطار علی صلوة المغرب سنة وان التاخیر عنها خلاف السنة وما کان خلاف السنة وان کان مباحا فلا یخلو عن کراهة ولو تنزیها لا سیما اذا انضم الی ذلک قوله صلی الله علیه وسلم اذا اقبل اللیل فافطروا وقوله اذا اقبل اللیل من ههنا وادبر النهار من ههنا وغربت الشمس فقد افطر الصائم ای فلیفطر۔ ولما ما روی بسند صحیح عند مالک فی مؤطاه وعند محمد به ان عمر بن الخطاب وعثمان بن عفان کانا یصلیان المغرب حین ینظران اللیل

الاسود ذی سواد فی اقبل ان یدخل انهم یفطرون بعد الصلوة فی رمضان اھ فلا یحتج الی الجواب لکونه خلاف عمل الرسول ومعظم اصحابه وایضا لا ندری هل اخرا الفطر بعد ذلک او قدموه اھ وقال القاری فی المرقاة لبیان الجواز اشعارا بان مثل هذا لا خلل فی الامر بالتعجیل او لعله ما یفطر به عنده قبل الصلوة او یحمل الافطار علی التعشی بالطعام لان الافطار المتعارف عندهم ان یفطروا بطعام یمکن فی تعلیق الممجد محشاة (ص ۲۸۰) وحاصله انهم لم یکونوا یتعشون قبل الصلوة بالطعام ویقتصرون علی شربة من ماء ونحوه ولم یکن ذلک الافطار متعارفا بینهم فقال الزرقی بناء علی ذلک انهما کانا یفطران بعد الصلوة وبالجملة ففی الاثر حکایة حال لا عموم لها ویحتمل الوجوه العدیدة فلا یعارض به ما ثبت عنه صلی الله علیه وسلم قولا وفعلا وامرا وترغیبا والحاصل ان تقدیم الفطر علی صلوة المغرب هو السنة وتاخیره عنها خلاف السنة ولکن لا یبلغ فی حد الکراهة ما لم یشتبک النجوم لا یقال ینافی ما قلت قول محمد رح فی الموطا بعد تخریجه اثر عمر وعثمان هذا کله واسع فمن شاء افطر قبل الصلوة ومن شاء افطر بعدها وکل ذلک لا باس به اھ لان قوله وسع ولا باس به اھ لا ینافی کونه خلاف السنة فربما یطلق الفقهاء لا باس به علی ما یکون مکروها تنزیها وخلاف الاولی کما لا یخفی ولا من تقیید قوله وسع ولا باس به بان لا یبلغ مبلغ اشتباک النجوم کما قید به المحشی۔

واما ما فی رد المحتار عن شرح المجمع لقاضی خان التعجیل المستحب قبل اشتباک النجوم اھ (ص ۱۸۲ ج ۲) فهو یفید بظاهره ان کل ما کان قبل اشتباک النجوم فهو من التعجیل المستحب فیعارضه ما مر من القاری من تصریحه بکون تقدیمه علی الصلوة سنة وکون تاخیره عنها خلاف السنة وتاویله فی اثر عمر وعثمان بوجوه عدیدة فکیف یکون ما بعد المغرب الی اشتباک النجوم کله وقت مستحب للتعجیل وقال فی البدائع ویسن تعجیل الافطار اذا غربت الشمس هکذا روی عن ابی حنیفة لما روینا من حدیث

ثلاث من سنن المرسلين ومن جملتها التعجيل الافطار وروى عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال لاتزال امتي بخير مالم ينتظر بالافطار طلوع النجم والتاخير يؤدي اليه اه اى الى الانتظار طلوع النجوم (ص ۱۰۶ ج ۲) وهذا يفيد ان التعجيل المسنون المستحب ما كان قبل طلوع النجم وما بعده داخل فى التاخير نعم تاخيره الى طلوع النجم لا يكره كراهة التحريم وانما التاخير المكروه كذلك ما كان الى اشتباك النجوم لانه هو الذى يفضى الى مشابهة اهل الكتاب فكانوا يؤخرون الى حين الاشتباك، والله اعلم۔

ہمارے نزدیک جو امر تعجیلِ افطار کے متعلق کتب احادیث وفقہ سے منقح ہوا ہے وہ یہ ہے کہ تحقق غروب کے بعد متصلاً قبل نماز مغرب افطار کرنا مسنون ہے اور بعد نماز کے افطار کرنا خلاف سنت ہے، مگر حدِ اشتباک سے پہلے پہلے افطار کرے تو تاخیر مکروہ میں داخل نہ ہوگا، اور حدِ اشتباک تک تاخیر مکروہ تحریمی ہے، اور مسوّی کی عبارت کے متعلق بدون کتاب دیکھے ہوئے ہم کچھ نہیں کہہ سکتے، سوال میں اس کی عبارت ناتمام نقل کی گئی ہے، اور وہ کچھ پڑھی بھی نہیں گئی اور حضرت عمرؓ وعثمانؓ کے اثر کا جواب چند وجوہ سے دیا گیا ہے، جو عبارت عربیہ میں مذکور ہیں۔ واللہ اعلم، ۱۷ رمضان ۴۸ھ۔

نیت معلق سے صوم متحقق نہیں ہوتا تحقق صوم کے لئے قصد جازم شرط ہے۔

سوال (۶) ایک عورت نے رمضان شریف کے قضاء روزہ رکھنے کا رات کو ارادہ کیا، یہ عورت رمضان شریف کے علاوہ اور روزہ خواہ وہ رمضان شریف کا قضا شدہ کیوں نہ ہو اپنی ساس سے اجازت لے کر رکھا کرتی تھی اس روز بھی اس نے یہ ارادہ کیا کہ نماز صبح کے وقت اپنی ساس سے دریافت کروں گی، اگر ساس نے اجازت دی رکھوں گی ورنہ نہیں، لیکن گمان یہی تھا کہ ساس ضرور اجازت دے گی، صبح کی نماز کے وقت دریافت کیا تو ساس نے انکار کر دیا، اس عورت نے روزہ نہیں رکھا، دریافت طلب یہ ہے کہ آیا اس روزہ کی قضا رکھنی چاہئے، یا کفارہ دینا پڑے گا اور کفارہ کیا ہوگا، اگر ساٹھ روزے رکھنے کے بجائے ساٹھ آدمیوں کو پیٹ بھر کر کھانا کھلادے تو کفارہ ادا ہو جاویگا یا نہیں، یہ ایک بات۔ اور اظہار طلب یہ کہ یہ عورت ہمیشہ اپنی ساس سے روزہ کے متعلق رات کو دریافت کر لیا کرتی تھی، اگر اس نے اجازت دی تو روزہ رکھا ورنہ نہیں، اس روز رات کو دریافت کرنا یاد نہیں رہا تھا اور صبح کی نماز کے

بعد دریافت کیا تھا جیسا کہ میں پیشتر تحریر کر چکا ہوں۔

الجواب: صورت مسئولہ میں نہ قضا واجب ہوئی نہ کفارہ کیونکہ روزہ کا تحقق ہی نہیں ہوا، تو یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ روزہ کو توڑ دیا گیا کیونکہ تحقق صوم کے لئے نیت شرط ہے اور نیت کی حقیقت قصد جازم ہے جو صورت مسئولہ میں نہیں پایا گیا، بلکہ نیت معلق تھی ساس کی اجازت پر اور ایسی نیت سے صوم کا تحقق نہیں ہوتا، پس افساد صوم بھی نہیں پایا گیا، قال فی مراقی الفلاح: وحقیقۃ النیۃ قصدہ عازما بقلبہ صوم غد الخ (ص ۳۶۰) وفیہ ایضا واما القسم الثانی وھو ما یشترط لہ تعیین النیۃ وتبییتہا فھو قضاء رمضان وقضاء ما افسدہ من نفل وصوم الکفارات بانواعہا ککفارۃ الیمین وصوم المتعۃ والقران والنذر المطلق اھ (ص ۳۶۲)۔

۴ رشعبان سنہ ۵۰ھ

سحری کے وقت طلوع فجر سے قبل اذان دینے اور ایسے اذان کے اعادہ کا حکم

سوال (۷) حضرت! دیہات میں اکثر لوگ اذان سن کر کھانا پینا بند کرتے ہیں، نہ گھڑی ہی بھی ٹھیک نہیں ہوتی کیونکہ کوئی بہتر ذریعہ ملنے کا نہیں ہوتا، کبھی کبھی طلوع وغروب سے بھی بوجہ ابر ہونے کے نہیں ملا سکتے، تو ایسی حالت میں ان لوگوں کا روزہ ہوگا یا کچھ نقصان پڑے گا، اسی خیال سے کہ لوگ کھانے سے بند ہو جائیں گے اذان صبح صادق سے دس یا پانچ منٹ قبل پڑھنا جائز ہے یا کہ نہیں، کیونکہ دیہات میں کوئی ذریعہ دیگر بند کرنے کا نہیں ہوتا، حکم شرعی سے حضور اطلاع بخشیں؟

الجواب: اگر یہ لوگ اذان کے بھروسہ پر نہ رہتے ہوں بلکہ اپنے دل کی گواہی کے موافق کھاتے ہوں اور بند کرتے ہوں تو ان کے روزہ میں شبہ نہ ہوگا، اور دل کی گواہی وہ معتبر ہے جو خوف خدا کے ساتھ ہو اور وقت کی پہچان بھی ہو، اور اگر اذان کے بھروسہ ہی پر رہتے ہوں تو ان کے روزوں میں شبہ رہے گا، اگر مؤذن صبح ہونے کے بعد اذان کہتے ہوں، اور ایسی حالت میں مؤذن کو یہ جائز ہے کہ اذان فجر صبح صادق سے دس پندرہ منٹ پہلے کہہ دیا کرے تاکہ لوگ کھانے پینے سے رک جائیں، مگر صبح صادق ہونے کے بعد اس اذان کا اعادہ کر دیا جائے گو اعادہ زیادہ بلند آواز سے نہ ہو معمولی ہی آواز سے ہو۔ قلت وعلی ذلک حملت الحنفیۃ الاذانین فی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان الاول کان لمصلحۃ اخری غیر اعلام الوقت وھذہ ایضا مصلحۃ قد مست الحاجۃ الیہا فی القری فان

لصــــنها لا یمتنعون عن الاکل الا بالاذان، مگر اس کے لئے خاص انتظام کی ضرورت ہے کہ ہر گاؤں کے سربرآوردہ لوگ ایک دو مؤذن اس کام کے لئے مخصوص کر دیں ورنہ گڑبڑ ہوگی۔

۱۱؍ رمضان سنہ ۴۸ھ

حکم افطار قبل از اذان

سوال (۸) در رمضان المبارک از اذان و افطار کدام را مقدم مؤذن مسنون است و در تاخیر نماز از افطار کلام نیست، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم با اصحاب رضہ اول افطار کردند یا اذان کردند دریں بارہ حدیث صحیح ارشاد فرمایند؟

الجواب: تقدیم افطار قبل از نماز مغرب مسنون است، و اما اذان پس مؤذن قبل اذان افطار کند و غیر مؤذن مع الاذان الا ان یکون عارفا بالوقت، او یفعل المؤذن فمنہ ان یقدم الفطر علی الاذان، مراد از افطار شبع بالطعام نیست بلکہ افطار بر تمر یا شربۃ ماء ونحوہ، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلث من سنن المرسلین تعجیل الافطار وتاخیر السحور الخ رواہ الطبرانی زیلعی ص ۲۴۵ ج ۱، ولاشک ان فی الافطار بعد الصلوۃ تاخیرا وما روی عن بعض الصحابۃ انہم کانوا یفطرون بعد المغرب ای بعد الصلوۃ فمحمول علی الشبع ای کان یاکل الطعام بعد المغرب دون تاخیر الفطر مطلقا، واللہ اعلم۔

۱۰؍ رمضان سنہ ۳۸ھ

فصل فی رؤیۃ الہلال

اگر رویت ہلال کی شہادت عید کے دن طلوع آفتاب سے قبل مل گئی، تو مجمع کے خیال سے اگلے دن تک تاخیر کرنا صحیح نہیں

سوال (۱) ایک شہر میں انتیس تاریخ رمضان المبارک کو رویت ہلال نہ ہوئی، تیس تاریخ کی صبح کو فجر کی نماز کے متصل ہی اطول ایام میں رویت پر شہادت گذری، اور قبول ہونے کے بعد ہی فوراً شہر میں اعلان افطار کا امام شہر کی جانب سے کر دیا گیا، اور اس کا بھی اعلان ہوا کہ نماز عیدگاہ میں اپنے مقررہ وقت پر آج ہی پڑھی جائیگی، اس اعلان پر بعض حضرات شہر نے امام شہر سے یہ کہا کہ آج نماز کو ملتوی رکھنا چاہئے کیونکہ کامل اجتماع ساکنان شہر و نیز اہل قریات کا آج دشوار ہے، اس کو امام صاحب نے تسلیم کر کے دوبارہ دوسرے روز نماز کی ادائیگی کا اعلان کرایا، چنانچہ عیدگاہ میں نماز دوسرے ہی روز ہو گئی، لیکن چند مساجد شہر میں افطار کے روز ہی نماز عید وقت پر پڑھ لی، اس پر بہت سے

لوگوں کا اعتراض ہوا کہ یہ امر تفریق بین المسلمین ہے اور حکم امام کے خلاف ہے، اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ اگر اطول ایام میں آفتاب طلوع ہونے کے متصل ہی رویت پر شہادت گذر جائے اور قبول ہونے پر روزہ افطار کر لیا جائے تو نماز عید اسی روز پڑھنا واجب ہے یا امر موہوم عدم اجتماع کثیر کے احتمال پر ان لوگوں کی نماز دوسرے روز پر ملتوی کر دی جائے؟ در مختار کتاب الاضحیۃ میں تحت عبارۃ کرہ تحریماً الذبح لیلاً پر صاحب شامی تحریر فرماتے ہیں لو شہدوا بعد نصف النہار انہ العاشر جاز لہم ان یضحوا ویخرج الامام من الغد فیصلی بہم العید وان علم فی صدر النہار انہ یوم النحر فشغل الامام عن الخروج او غفل فلم یخرج ولم یأمر احداً ان یصلی بہم فلا ینبغی لاحد ان یضحی حتی یصلی بہم الامام الی ان تزول الشمس فاذا زالت قبل ان یخرج الامام ضحی الناس اھ، یہ عبارت مفید اس حکم کو ہے کہ اگر صدر نہار میں اس امر پر شہادت گذری کہ آج عید کا روز ہے تو امام پر واجب ہے کہ اسی روز نماز عید پڑھا دے، اور حدیث سے جو یہ امر ثابت ہے کہ ایسی صورت میں دوسرے روز نماز پڑھی گئی، تو بعض روایت میں تصریح اس امر کی ہے کہ اطلاع رویت کی بعد الزوال ہوئی تھی، اور مذکورہ صورت میں اگر امام عید کی نماز دوسرے روز پڑھنے کا اعلان کرے تو شہر کے لوگوں کو کیا کرنا چاہئے؟ آیا وہ اپنے اپنے محلوں کی مساجد میں نماز عید پڑھ لیں یا دوسرے ہی روز پڑھیں؟ کتب فقہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قول راجح پر دوسرے روز عذر کی بنا پر ہے، نماز قضا ہوتی ہے ادا نہیں ہوتی، اور بلا عذر کے نیز ایسے عذر کی بنا پر کہ شرع شریف میں وہ معتد بہ عذر شمار نہ ہو، دوسرے روز نماز پڑھنا صحیح نہیں، بلکہ شغل بہ لا یصح میں داخل ہو کر محظوریوں کو مستلزم ہوتا ہے۔

الجواب: جب فجر کی نماز سے متصل شہادت رویت گذری ہے تو اب محض بہانہ والوں یا سست مزاج شہریوں کے عدم اجتماع کے خیال سے عید الفطر کو اگلے دن کے لئے امام کا مؤخر کرنا جائز نہ تھا، بلکہ یہ تاخیر چونکہ بلا عذر ہوئی ہے اس لئے اگلے دن نماز صحیح نہیں ہوئی، اس صورت میں جن مسلمانوں نے اپنی اپنی مساجد میں نماز عید ادا کی ان کا فعل موافق شرع ہے، ایسا ہی کرنا چاہئے تھا، اور تفریق جماعۃ المسلمین اس وقت حرام ہے جبکہ دوسری طرف بھی گنجائش ہو، اور اگر دوسری طرف شریعت کی مخالفت ہو تو حسب قدرت اُن سے مفارقت کا اظہار ضروری ہے، قال فی الدر وتؤخر ای صلوٰۃ عید الفطر ۱۲:

بعذر كمطر إلى الزوال من الغد فقط، ووقتها من الثاني كالأول وتكون قضاء لا أداء اھ وفيه أيضاً فالعذر ههنا لنفي الكراهة وفي الفطر للصحة اھ وقال الشامي قوله بعذر كمطر دخل فيه ما إذا لم يخرج الإمام وما إذا غم الهلال وشهدوا به بعد الزوال أو قبله بحيث لا يمكن جمع الناس اھ (ص ۵۵۰ ج ۱)

قلت والمراد بالإمام هو الإمام الأعظم أو نائبه فإن خلافه لا يطاق فعدم خروجه عذر في حق العامة ولو كان هو آثما وأما إمام العيدين والجمعة في بلادنا فعدم خروجه ليس بعذر لأن خلافه لا يضر فإذا لم يخرج بلا عذر و خالف حكم الشريعة لا تترك العامة صلوتهم بل يجتمعون على إمام غيره أو يصلون في مساجد مختلفة باختلاف المحال قال في مراقي الفلاح وقيد العذر للجواز لا لنفي الكراهة فإذا لم يكن عذر لا تصح في الغد اھ (ص ۳۱۱) ۲۲ صفر م

خط و تار کے ذریعہ رویت ہلال کی خبر معتبر ہے یا نہیں؟

سوال (۲) رویت ہلال میں خط یا تار کا اعتبار ہے یا نہیں فی زمانہ جو تاریں موصول ہوتی ہیں ان کے مرسل کا بھی حال عموماً مستور ہی ہوتا ہے، اور بسا اوقات مرسل اہل ہنود نکلتے ہیں، ایسے حال میں کیا حکم ہے؟

الجواب: رویت ہلال میں تار بالکل معتبر نہیں، ہاں خط کا چند قیود سے اعتبار کیا جاتا ہے، جس کی تفصیل امداد الفتاوی ص ۲۰۱ جلد اول و صفحہ ۳۴ جلد اول تتمہ امداد الفتاوی میں موجود ہے، اور اس کے ساتھ صفحہ ۱۲ تتمہ مذکور کو بھی ضرور دیکھا جاوے۔

۱۴ جمادی الثانی ۴۵ھ

تحقیق رویت ہلال در حالت غیم و قبول شہادت وغیرہ

سوال (۳) **احکام الادلۃ فی احکام الاہلۃ**

اگر ہلال رمضان یا شوال نزد روز غیم یک کس عادل حر عاقل یا دو کس دیدہ پیش عالم ثقہ در قریہ یا مصر گواہی دادند، عالم ثقہ گواہی ایشان قبول کردہ حکم صوم یا افطار کرد و در دیگر قری بذریعہ یک مردم یا دو مردم اطلاع داد، در نزد ما ثبوت ہلال بقواعد شرعیہ شدہ است آیا مردم ہمہ قریہ یا بقول ایں عالم ثقہ صوم و افطار واجب است یا خود بخود از بینندگان ہلال شنوند و گواہی قبول کنند یا قبول کردن گواہی عالم ثقہ کافی است، ہرچہ حکم شریعت مطہرہ است بسند کتاب مطلع فرمایند؟

الجواب: في الدر المختار وتقبل شهادة واحد على آخر كعبد وأنثى ولو

مثلهما وقال الشامی (قوله وتقبل شهادة واحد على آخر) بخلاف الشهادة على الشهادة فی سائر الاحکام حیث لا تقبل ما لم یشهد على شهادة کل رجل رجلان او رجل وامرأتان (قوله کعبد وانثى) ای کما تقبل شهادة عبد وانثى (قوله ولو على مثلهما) افاد بهذا التعمیم قبول شهادتهما على شهادة حر وذکر وهو بحث لصاحب النهر وقال ولم اره (ص ١٢٦ ج ٢)۔

(٢) ولا یشترط فی هذه الشهادة لفظ الشهادة ولا الدعوى وحکم الحاکم حتى انه لو شهد عند الحاکم وسمع رجل شهادته عند الحاکم وظاهره العدالة وجب على السامع ان یصوم ولا یحتاج الى حکم الحاکم (عالمگیریہ ص ١٢٧ ج ١)۔

(٣) ثم انما یلزم الصوم على متأخری الرؤیة اذا ثبت عندهم رؤیة اولئك بطریق موجب حتى لو شهد جماعة ان اهل بلدة قد رأوا هلال رمضان قبلکم بیوم فصاموا وهذا الیوم ثلثون بحسابهم ولم یر هؤلاء الهلال لا یباح فطر غد ولا یترك التراویح فی هذه اللیلة لانهم لم یشهدوا بالرؤیة ولا على شهادة غیرهم وانما حکوا رؤیة غیرهم (عالمگیریة ص ١٢٠ ج ١)۔

(٤) فی الدر نعم لو استفاض الخبر فی البلدة الاخرى لزمهم على الصحیح من المذهب مجتبى وغیره وقال الشامی تحت (قوله نعم) قال الرحمتی معنى الاستفاضة ان تأتی من تلك البلدة جماعات متعددون کل منهم یخبر عن اهل تلك البلدة انهم صاموا عن رؤیة لا مجرد الشیوع من غیر علم بمن اشاعه کما قد تشیع اخبار یتحدث بها سائر اهل البلدة ولا یعلم من اشاعها (ص ١٠١ ج ٢)۔

(٥) (ولو کانوا ببلدة لا حاکم فیها صاموا بقول ثقة وافطروا باخبار عدلین) مع العلة (للضرورة) وقال الشامی (قوله لا حاکم فیها) ای لا قاضی ولا والی کما فی الفتح (قوله صاموا بقول ثقة) ای افتراضا لقول المصنف فی شرحه وعلیهم ان یصوموا بقوله اذا کان عدلا اه (قوله وافطروا الخ) عبارة غیره لا بأس ان یفطروا۔ والظاهر ان المراد به الوجوب ایضا والتعبیر بنفی البأس لانه مظنة الحرمة کما فی نفی الجناح فی قوله تعالى فلا جناح علیکم ان تقصروا من الصلوة ومثله کثیر فی کلامهم فافهم (ص ١٢٦ ج ٢)۔

(۶) (وشرط للفطر) مع العلة والعدالة (نصاب الشهادة ولفظ اشهد) وعدم الحد فی قذف لتعلق نفع العبد الخ ص ۱۴۲ ج ۲، درمختار مع الشامی)۔

(۷) لا یجوز علی شهادة رجل اقل من شهادة رجلین او رجل وامرأتین وکذا علی شهادة المرأة وهذا عندنا کذا فی الخلاصة رجلان شهدا علی شهادة رجل وعلی شهادة آخر جاز عندنا کذا فی فتاوی قاضی خان (عالمگیریه ص ۲۲۳ ج ۳)۔

(۸) (ای مقبولة) (وان کثرت استحسانا) قال الشامی تحت قوله (وان کثرت) اعنی الشهادة علی شهادة الفرع ثم وثم الخ ص ۴۰۰ ج ۴ شامی۔

(۹) فی الدر المختار (و) هلال (الاضحی) وبقیة الاشهر التسعة (کالفطر) علی المذهب وقال الشامی (قوله والاضحی کالفطر) ای ذو الحجة کشوال فلا یثبت بالغیم الا برجلین او رجل وامرأتین وفی الصحو لابد من زیادة العدد علی ما قدمناه وفی النوادر عن الامام انه کرمضان وصححه فی التحفة والاول ظاهر المذهب وصححه فی الهدایة وشروحها والتبیین فاختلف التصحیح وتأید الاول بانه المذهب بحر (قوله وبقیة الاشهر التسعة) فلا یقبل فیها الا شهادة رجلین او رجل وامرأتین عدول احرار غیر محدودین کما فی سائر الاحکام عن شرح مختصر الطحاوی للامام الاسبیجابی وذکر فی الامداد اتفاق الصحو کرمضان والفطر ای فلا بد من الجمع العظیم ولم یعزه لاحد لکن قال الخیر الرملی الظاهر انه فی الاهلة التسعة لا فرق بین الغیم والصحو فی قبول الرجلین لفقد العلة الموجبة لاشتراط الجمع الکثیر وهی توجه الکل طالبین وهو صریح قوله کما فی سائر الاحکام فلو شهدا فی الصحو بهلال شعبان وثبت بشروط الثبوت الشرعی یثبت رمضان بعد ثلاثین یوما من شعبان وان کان رمضان فی الصحو لا یثبت بخبرهما لان ثبوته حینئذ ضمنی ویغتفر فی الضمنیات ما لا یغتفر فی القصدیات اهـ (شامی ص ۱۵۲ ج ۲)۔

رویت ہلال رمضان کی شہادت میں ابر وغیرہ کے وقت جس طرح ایک عادل مرد یا عورت کافی ہے، اسی طرح ایک عادل مرد یا عورت اگر یہ شہادت دے کہ فلاں عادل عورت یا مرد نے رویت کی شہادت دی ہے تب بھی رویت ثابت ہو جاتی ہے (جیسا کہ روایت ۸ میں ہے) اور رمضان کے لئے شہادت کا لفظ بھی ضروری نہیں، اگر یوں کہہ دے کہ میں نے

چاند دیکھا ہے تب بھی کافی ہے، نیز قاضی وغیرہ کا حکم بھی شرط نہیں بلکہ بدون حکم حاکم بھی شہادت عدول پر عمل واجب ہے اور مستور الحال بھی عادل کے حکم میں ہے، (ملاحظہ ہو روایت نمبر ۲) اور ظاہر یہ ہے کہ شہادت علی الشہادت میں بھی لفظ شہادت شرط نہیں، بلکہ یہ خبر دینا بھی کافی ہے کہ فلاں شخص نے رؤیت ہلال کی شہادت یا خبر دی ہے) اور اگر شہادت کی خبر نہیں دی بلکہ ویسے ہی ذکر کیا کہ فلاں شہر والوں نے یا فلاں شخص نے چاند دیکھا ہے تو رؤیت ثابت نہیں ہوئی، (جیسا کہ روایت نمبر ۲ سے معلوم ہوتا ہے) البتہ اگر کسی جگہ عام طور پر بطریق معتبر روزہ رکھا جاوے اور وہاں کی خبر بطریق شہرت پہنچے تو روزہ واجب ہو گیا، اس میں یہ ضروری نہیں کہ شہادت علی الشہادت کے طریق پر کہا جاوے (ملاحظہ ہو روایت نمبر ۴) اور جس طرح ہلال رمضان بدون حکم حاکم ثابت ہو جاتا ہے اسی طرح ہلال عید الفطر بھی فقط شہادت سے ثابت ہو جاتا ہے، جبکہ وہاں حاکم و قاضی وغیرہ نہ ہو (روایت نمبر ۵ ملاحظہ ہو) لیکن ہلال فطر میں لفظ شہادت ہونا ضروری ہے البتہ اگر شہادت حاکم و قاضی کے پاس نہیں تو بحر و ردالمحتار سے (معلوم ہوتا ہے کہ بدون لفظ شہادت بھی رؤیت ثابت ہو جاتی ہے (لیکن لفظ شہادت کا استعمال کرنے میں احتیاط ہے) نیز ابر وغیرہ میں دو شاہد ہونا شرط ہے، (جیسا روایت نمبر ۵ میں ہے) اور ہلال فطر میں شہادت علی الشہادت کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ہر ایک گواہ کیلئے نصاب کامل ہو یعنی دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہی دیں کہ فلاں شخص نے گواہی دی ہے، اور دوسرے شخص کے لئے بھی اسی طرح ایک مرد دو عورت یا دو مرد گواہ ہوں، البتہ اگر دو مرد (یا ایک مرد اور دو عورتیں) یہ گواہی دیں کہ ہمارے سامنے ان دونوں گواہوں نے گواہی دی ہے تب ایک ہی نصاب کافی ہے (ملاحظہ ہو روایت ۶) پس اگر وہ فرستادہ خود بھی شہادت کے وقت موجود تھا تو اس کی خبر معتبر ہے، اور اگر فرستادہ وقت شہادت موجود نہ تھا تو جو اس وقت موجود تھے وہ فرستادہ کے پاس شہادت دیکر بھیجیں (ملاحظہ ہو روایت نمبر ۹) اور فرستادہ رمضان میں ایک مرد یا عورت کافی ہے، اور شوال میں دو مرد یا ایک مرد دو عورت کی ضرورت ہے، جبکہ دونوں شاہدوں نے ان کے سامنے شہادت دی ہو، ورنہ ہر شاہد کی شہادت پر نصاب کامل کی ضرورت ہے کما مر، اور اگر یہ فرستادہ نہ تو وقت شہادت رؤیت موجود ہو اور نہ ان کے پاس اس

وقت کے شاہدوں نے شہادت دی بلکہ ویسے ہی بھیجدیا کہ جاکر رمضان یا شوال کی اطلاع کردو تو اس سے ان دیگر اہل قریٰ پر نہ روزہ واجب ہوگا نہ عید جائز ہوگی، کما ہو الظاہر اور شامی ص ۱۵۰ ج ۲ میں ہے قلت وکذا لو شہدوا برؤیۃ غیرہم وان قاضی تلک المصر امر الناس بصوم رمضان لانہ حکایۃ لفعل القاضی ایضا ولیس بحجۃ بخلاف قضائہ الخ وایضا فی الصفحۃ المذکورۃ قلت وجہ الاستدراک ان ہذہ الاستفاضۃ لیس فیہا شہادۃ علی قضاء قاض ولا علی شہادۃ لکن لما کانت بمنزلۃ الخبر المتواتر وقد ثبت بہا ان اہل تلک البلدۃ صاموا یوم کذا لزم العمل بہا لان البلدۃ لا تخلو عن حاکم شرعی عادۃ فلا بد من ان یکون صومہم مبنیا علی حکم حاکمہم الشرعی فکانت تلک الاستفاضۃ بمعنی نقل الحکم المذکور وہی اقوی من الشہادۃ بان اہل تلک البلدۃ رأوا الہلال وصاموا لا تفید الیقین فلذا لم تقبل الا اذا کانت علی الحکم او علی شہادۃ غیرہم لتکون شہادۃ معتبرۃ والا فہی مجرد اخبار بخلاف الاستفاضۃ فانہا تفید الیقین فلا ینافی ما قبلہ ہذا ما ظہر لی فتأمل اھ۔

وایضا فی صفحہ ۱۵۵ تحت (قولہ بطریق موجب) کان یتحمل اثنان الشہادۃ او یشہدا علی حکم القاضی او یستفیض الخبر الخ۔

اس سے معلوم ہوا کہ قاضی وحاکم کے حکم کی شہادت اگر پہونچ جاوے تب بھی رؤیت ثابت ہوجاتی ہے، خواہ شہادت علی الحکم کے ساتھ شہادت رؤیت کا بیان ہو یا نہ ہو۔

اب رہی یہ بات کہ مفتی کا حکم اور فتوی حکم حاکم کے قائم مقام ہوگا یا نہیں، اس کی تصریح تو کہیں ملی نہیں، مگر ضرورت کی وجہ سے قاضی وغیرہ نہ ہونے کی حالت میں جیسے خطیب جمعہ مسلمانوں کے مقرر کرنے سے ہوجاتا ہے، کما فی الدر ونصب العامۃ الخطیب (غیر معتبر مع وجود من ذکر) اما مع عدمہم فیجوز للضرورۃ اھ۔ اسی طرح اس میں گنجائش معلوم ہوتی ہے، مگر زیادہ احتیاط اسی میں ہے کہ عالم فقط اپنا فیصلہ سنا کر کسی کو نہ بھیجے، بلکہ اشہاد کے بعد بھیجے، اور رمضان میں ایک عادل اور فطر میں دو عادل جب کافی ہیں جبکہ ابر یا غبار ہو، ورنہ جم غفیر کی حاجت ہے، البتہ اگر کسی جگہ جم غفیر نے شہادت دی اور پھر اس شہادت پر دو شاہد دوسری جگہ شہادت دیں تب بھی

ثم ذکر فی الدر: فیلزم اهل المشرق برؤیة اهل المغرب اذا ثبت عندهم رؤیة اولئک بطریق موجب کما مر وقال الشامی تحت قوله بطریق موجب: کأن یتحمل اثنان الشهادة او یشهدا علی حکم القاضی او یستفیض الخبر بخلاف ما اذا اخبر ان اهل بلدة کذا رأوه لانه حکایة اھ ۔ اور عید الاضحیٰ کا حکم عید الفطر کی طرح ہے اور بقیہ مہینوں کا چاند ہر حال میں دو مرد یا ایک مرد و دو عورتوں کی شہادت سے ثابت ہو جاتا ہے خواہ ابر ہو یا نہ ہو جیسا کہ روایت نمبر ۲ سے ثابت ہے، اور اگر کسی جگہ رؤیت نہ ہو اور کہیں سے معتبر شہادت نہ پہونچے تو [illegible] اُن پر یہ واجب نہیں کہ دوسری جگہ سے رؤیت کی تحقیق کریں جیسا کہ عالمگیریہ ص ۲۰۷ ج ۱ سے معلوم ہوتا ہے، یجب ان یلتمس الناس الهلال فی التاسع والعشرین من شعبان وقت الغروب فان رأوه صاموا وان غم اکملوا ثلثین یوما کذا فی الاختیار شرح المختار اھ ۔

حررہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ ۔

(قلت) والالتماس هو طلب الشیء بنفسه لا التفتیش من الغیر فقط ورد فی لیلة القدر التمسوه فی العشر الاواخر ای اطلبوه منفردین لا ان تسئلوه عن کل احد والاجوبة کلها صحیحة، ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۳۰ رشوال سنہ ۴۶ھ ۔

رؤیت ہلال اور صوم یوم الشک کے بارے میں ایک استفتاء

سوال (۴) اس سال ہلال رمضان کے ثابت ہونے کے بارہ میں سخت اختلاف پڑا ہے، چھ سات محلہ کے آدمی بوجہ شہادت پانچ شخص کے برؤیة ہلال فی الصحراء نزدیک ایک فقیہ کے اور قبول ہونے شہادت ان کے بدھ کے دن سے روزہ رکھیں، اور تیسویں تاریخ جمعرات کو ہلال شوال نہ دیکھنے کی وجہ سے جمعہ کے دن بھی روزہ رکھیں، اور روزے ان کے اکتیس ہوگئے، اور جمعرات کے روزہ داروں کے تیس ہوگئے، اب بعضے عالم بدھ کے دن کے روزہ کو صوم یوم الشک بنیة رمضان پر حمل کرکے مکروہ تحریمی فرماتے ہیں، لما فی الدر المختار ولا یصام ان یکون من رمضان کرہ تحریما، اور بدھ کے دن کے روزہ دار کہتے ہیں جب حسب عبارت رد المحتار و بحر و بدائع وغیرہ روایت حسنؒ از امام بصوم رمضان بشهادة الاثنین عند الصحو ایضا مفتی بہ ہونا قرار پایا تو ہمارا روزہ رکھنا حسب شریعت صحیح اور درست ہوا، پھر مکروہ ہونیکا کیا معنی؟ فی رد المحتار ج ۲ ص ۱۰۱ مصری قوله وعن الامام انه یکتفی بشاهدین

واختاره في البحر حيث قال وينبغي العمل على هذه الرواية في زماننا لان الناس تكاسلت عن ترائي الاهلة فانتفى قولهم مع توجههم طالبين لما توجه هو اليه فكان التفرد غير ظاهر في الغلط ثم ايد ذلك بان ظاهر الولوالجية والظهيرية يدل على ان ظاهر الرواية هو اشتراط العدد لا الجمع العظيم والعدد يصدق باثنين اھ اقره في النهر والمنح ونازعه محشيه الرملي بان ظاهر المذهب اشتراط الجمع العظيم فيتعين العمل به لغلبة الفسق والافتراء في الشهر الخ اقول انت خبير بان كثيرا من الاحكام تغيرت لتغير الازمان ولو اشترط في زماننا الجمع العظيم لزم ان لا يصوم الناس الا بعد ليلتين او ثلاث لما هو مشاهد من تكاسل الناس بل كثيرا ما رأيناهم يشتمون من يشهد بالشهر ويؤذونه وحينئذ فليس في شهادة الاثنين تفرد من بين الجم الغفير حتى يظهر غلط الشاهد فانتفت علة ظاهر الرواية فتعين الافتاء بالرواية الاخرى انتهى۔

بلکہ دیگر ممالک سے جمعہ کے دن عید ہونے کی خبر سن کے فرماتے ہیں کہ جمعرات سے روزہ داروں پر ایک روزہ قضا کرنا ضروری ہے۔ فی البدائع ج ۲ ص ۸۳ مصری ولو صام اہل بلد ثلثين يوما وصام اهل بلد آخر تسعة وعشرين يوما فان كان صوم اهل ذلك البلد برؤية الهلال وثبت ذلك عند قاضيهم او عدوا شعبان ثلاثين يوما ثم صاموا رمضان فعلى اهل البلد الآخر قضاء يوم لانهم افطروا يوما من رمضان لثبوت الرمضانية برؤية اهل ذلك البلد وعدم رؤية اهل البلد الآخر لا يقدح في رؤية اولئك اذ العدم لا يعارض الوجود الخ۔

اب معروض خدمت میں یہ ہے کہ (۱) بدھ کے دن کے روزہ کا کیا حکم ہے؟ (۲) اور جمعرات کے روزہ رکھنے والوں پر ایک روزہ قضا ادا کرنا واجب ہے یا نہیں (۳) اور باوجود سننے خبر رویت ہلال کے بدھ کے دن روزہ نہ رکھنے والوں پر اور رکھ کر توڑ دینے والوں پر کفارہ واجب ہے یا نہیں؟ حضور عالی کے دستخط نہایت ضروری ہے، بجز اس کے لوگ اعتبار نہ کریں گے۔

الجواب: بدھ کے دن سے روزہ رکھنے والوں پر کراہت صوم یوم الشک کا الزام صحیح نہیں، جبکہ انھوں نے فقیہ کے سامنے شہادت گذرنے اور اس کے قبول ہو جانے کی

بنا پر روزہ رکھا، گو اس فقیہ نے روایت متون کے خلاف حالت صحو میں جم غفیر کے بغیر ثبوت ہلال کا فتویٰ دیا، مگر عوام کو تو علماء کا اتباع لازم ہے جبکہ اس کا فتویٰ کسی ایک روایت کے موافق ہے۔

(۲ و ۳) جمعرات سے روزہ رکھنے والے دو قسم کے ہیں ایک علماء، دوسرے جہلاء۔ علماء کو اگر فقیہ مذکور کا فتویٰ اس وجہ سے مسلم نہ ہوا کہ اس نے روایت متون کے خلاف فتویٰ دیا تو ان کو گناہ نہیں ہوا اور یہی حکم ان جہلاء کا ہے جو ان علماء کے معتقد ہیں جنہوں نے اُن علماء کے اختلاف کی وجہ سے فقیہ مذکور کے فتویٰ کو تسلیم نہیں کیا اور اس کی صحت میں ان کو شبہ ہو گیا۔ رہے وہ جہلاء جن کو فقیہ مذکور کے فتویٰ کا علم ہوا اور دوسرے علماء کے خلاف کا علم نہیں ہوا ان کو بدھ کے دن روزہ نہ رکھنے سے گناہ ہوا۔

رہا یہ کہ ان لوگوں کے ذمہ ایک روزہ کی قضا اور اس کے عمداً توڑنے سے کفارہ واجب ہوگا یا نہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ شہادت مذکورہ کے موافق تیس دن پورا کرنے کے بعد بھی چاند نہ ہونے سے شہادت مذکورہ کا کذب و غلط محقق ہو گیا، اس لئے بدھ کے دن ثبوت رمضان قطعی نہ رہا، پس وجوب کفارہ کی کوئی وجہ نہیں اور نہ قضا واجب ہے، البتہ جن مقامات سے جمعہ کی عید کی خبر آئی ہے اگر وہاں سے بدھ کے دن یکم رمضان ہونے کی بھی اطلاع آجائے، اور یہ اطلاع بطریق موجب شرعی حاصل ہو تو ان لوگوں پر بدھ کے دن ایک روزہ کی قضا واجب ہوگی، ورنہ نہیں۔ ۲؍ شوال سنہ ۴۲ھ۔

دو شخص مقبول الشہادت ۲۹ رجب کو رویت ہلال کی شہادت دیں تو بصورت قبول شہادت شعبان کے تیس دن پورے ہونے پر چاند نظر آوے یا نہ روزہ رکھا جائے گا یا نہیں، اور اس حساب سے تیس روزے پورے ہونے کے بعد عید منائی جائے گی یا نہیں؟

سوال (۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر رجب المرجب کی ۲۹ تاریخ کو باوجود مطلع صاف ہونے کے دو شخص مقبول الشہادت اور عادل رویت ہلال کی شہادت دیں تو ان کی شہادت سے شعبان کا چاند ثابت ہوگا یا نہیں، در صورت ثبوت شعبان کے تیس دن پورے ہو جانے کے بعد اگرچہ چاند نظر نہ آوے خواہ مطلع صاف ہو یا نہ ہو تو رمضان مان کر روزہ رکھا جاوے اور تراویح پڑھی جائیں یا نہیں، صورت ہذا میں اگر روزہ رکھنا ضروری ہے تو تیس روزے رکھنے کے بعد چاند نظر نہ آنے کی صورت میں عید منائی جائے گی، یا

اکتیسواں روزہ رکھنا ضروری ہوگا، اور درصورت عدم ثبوت ہلال شعبان شامی کی عبارت تحت قول وبقیۃ الاشہر التسعۃ الخ و بحرالرائق، ص ۲۶۹ ج ۲ اور عبارات دیگر کتب فقہ کا کیا جواب ہوگا، مفصل اور مدلل بحوالہ کتب جواب تحریر فرما کر ماجور ہوجئے۔

الجواب: صورت مسئولہ میں دو عادل گواہوں کی شہادت سے ثبوت ہلال شعبان ہوجائے گا، اور شعبان کے تیس دن پورے ہوجانے پر رمضان کا ثبوت ہوجائیگا مگر اس امر کو خوب اچھی طرح دیکھ لیا جاوے کہ ہلال رجب کا ثبوت شرعی ہوگیا تھا یا نہیں اور گواہ عادل تھے یا نہیں، اگر عادل تھے تو ان کو رویت ہلال کا جزم تھا، اور ایسا جزم تھا کہ اس پر قسم کھا سکتے تھے یا محض شبہ اور خیال ہی تھا۔

قال الشامی نقلا عن الخیر الرملی فلو شہدا فی الصحو بہلال شعبان وثبت بشروط الثبوت الشرعی یثبت رمضان بعد ثلاثین یوما من شعبان وان کان رمضان فی الصحو لا یثبت بخبرہما لان ثبوتہ حینئذ ضمنی ویغتفر فی الضمنیات ما لا یغتفر فی القصدیات اھ (ص ۱۵۲ ج ۲) ۲۷ رمضان ۴۳ھ

اس کے بعد یہ جواب اس طرح بدلا گیا کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے، شامی نے رد المحتار میں تو امام اسبیجابی اور رملی کے قول پر اکتفا کیا ہے، اور صاحب امداد کے قول پر زیادہ زور نہیں دیا، مگر حاشیہ بحر میں رملی کا قول نقل کر کے فرمایا ہے، لکن صرح فی الامداد بخلافہ فاشترط الجمع العظیم فی سائر الاشہر ووافقہ اطلاق عبارۃ مواہب الرحمن فذکرہا، چونکہ صاحب امداد نے بہت صراحت کے ساتھ جمیع اشہر میں بحالت صحو جمع عظیم کو شرط کہا ہے پس اس کے خلاف فتوی پر جرأت کرنا نص صریح مذہب کا محتاج ہے، علامہ رملی کا محض اظہار کرنا کافی نہیں، واللہ اعلم۔ ۱۰ رمضان ۴۳ھ

رویت ہلال کے متعلق ایک استفتاء

سوال (۹۰) چاند ریاست نظام دکن میں بروز جمعہ چاند نظر آیا، اور رمضان المبارک پہلی تاریخ شنبہ قرار پائی، اور شنبہ کے روز روزہ بھی رکھا گیا، ۲۹ رمضان المبارک روز شنبہ کچھ یمنی (یمن) کے دو ملازم کھانا پکانیوالوں نے صرف چاند دیکھا، اور اس کی اطلاع قاضی صاحب صدر بازار کو دی، قاضی صاحب نے ان کا بیان لیا، اور اس کی تائید میں ایک مدینہ منورہ کا یمن صاحبان نے پیش کیا کہ مدینہ منورہ میں چاند رمضان کا بروز پنجشنبہ دیکھا گیا، اور جمعہ کے روز پہلا روزہ

رکھا گیا، اس لحاظ سے مورخہ یعنی ۳۰ رمضان ہے، یہاں (۳) سو آبادی ہے، صدر بازار، جالنہ قدیم وقادر آباد اور اس روز ابر بھی نہ تھا۔ ان دونوں ملازموں کے سوائے اور کسی نے نہ دیکھا اور قرب وجوار سے آنے والے اور موٹر سے آنے والے صاحب سے معلوم ہوا کہ آج چاند نہیں دیکھا یعنی بروز شنبہ ۲۹ رمضان کو۔

الجواب: جب مطلع صاف تھا تو دو گواہ ہرگز کافی نہ تھے، اس حالت میں جن لوگوں نے روزہ نہیں رکھا، یا رکھکر توڑ دیا، انھوں نے سخت غلطی کی اور قاضی صاحب نے جو فتویٰ دیا وہ صحیح نہیں ہے۔

سوال: قاضی صاحب نے ان واقعات کے معلوم ہونے کے بعد بھی تحصیلدار صاحب جالنہ کے پاس خط مدینہ منورہ کا اور ان دو کا بیان پیش کیا، تحصیلدار صاحب نے منادی کرانے سے انکار کیا اور یہ کہا کہ گواہ عادل نہیں ہے اور خط دور دراز مقام کا ہے، (۳۹) میل کے فاصلے سے زائد ہے۔

الجواب: مطلع صاف ہونے کی حالت میں تو دو عادل بھی ہوتے تو قبول نہ کیا جاتا، خط خود حجت نہیں ہے، اور فاصلہ زیادہ ہونا تو معتبر نہیں، لیکن جہاں سے بھی خبر آوے معتبر شاہدین کے ذریعہ آنا شرط ہے۔

سوال: قاضی صاحب صدر بازار نے خود روزہ توڑ دیا اور لوگوں سے کہا روزہ مت رکھو تقریباً دو سو یا تین سو حضرات نے روزہ توڑ دیا، جن لوگوں نے روزہ توڑ دیا، ان کو ایک روزہ رکھنا ہوگا یا ۶۰ روزے؟

الجواب: مطلع صاف ہوتے ہوئے کوئی وجہ شبہ کی نہ تھی، لیکن قاضی صاحب کے فتویٰ کی وجہ سے عوام کو ایک گونہ شبہ ہو جاتا ہے، اس لئے کفارہ واجب نہیں، فقط قضا رکھنا کافی ہے، ونظیرہ فی الدر المختار (او احتجم) فظن فطرہ بہ فاکل عمدًا قضی وکفر، لانہ ظن فی غیر محلہ، حتی لو افتاہ مفتی یعتمد علی قولہ او سمع حدیثا ولم یعلم تاویلہ لم یکفر للشبہۃ وان اخطاء المفتی الخ واللہ اعلم۔

تار، خط و ٹیلیفون کے ذریعہ رویت ہلال کی خبر معتبر نہیں

سوال (۵) تار یا ٹیلیفون کے ذریعہ چاند کی اطلاع آوے تو اس کا اعتبار کرنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب: تار اور ٹیلیفون کی خبر معتبر نہیں ہے۔

سوال: خط کتنے میل سے آیا ہوا ہو تا اس کا اعتبار اور قابل سند ہے؟

الجواب: میل کی کوئی تفصیل نہیں ہے، مگر یہ ضروری ہے کہ چند خط ہوں، اور ان کے لکھنے والے عادل ہوں، اور ان کا خط شناخت کر لیا ہو، اور جو خبر ان میں لکھی ہو وہ محض سنی سنائی بات نہ ہو بلکہ پختہ شاہدوں کی شہادت ہو۔

سوال: تار یا ٹیلیفون کے ذریعہ ریاست نظام حیدرآباد سے اطلاع آوے یا قرب و جوار سے مقامی عہدہ دار منصف صاحب یا تحصیلدار صاحب کے، اور اس روز ابر نہ ہو یا ابر ہو اور ابھی مدت ختم نہ ہوئی ہو تو کیا عمل کرنا چاہیے؟

الجواب: تار اور ٹیلیفون کا کسی حال میں اعتبار نہیں۔

رویت ہلال کے متعلق سرکاری منادی کا حکم

سوال (۸) اگر منادی کرائی جائے منجانب سرکار کہ آج عید ہے، کیا روزہ توڑ دینا اور دوگانہ ادا کرنے جانا ہوگا؟

الجواب: اس کی بناء دیکھی جاوے، اگر شہادت معتبرہ کی وجہ سے منادی ہوئی ہے تو عید کرنا لازم ہے، اور تار وغیرہ کی بناء پر منادی کر دی تو اس کا کچھ اعتبار نہیں، واللہ اعلم۔

احقر عبدالکریم، ۹؍ شوال ۵۲ھ الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ ۹؍ شوال ۵۲ھ

ثبوت رویت کے بارے میں

سوال (۹) بجواب استفتاء مسلمانان بیکانیر جملہ کاغذات بابت تحقیقات کہ انتیس رمضان شنبہ کو مطلع صاف تھا یا نہیں واپس موصول ہوئے، جواباً بذریعہ عریضہ ہذا بجملہ کاغذات واپس بھیجکر التماس ہے کہ جہاں تک ہمارا خیال ہے ۲۹ شعبان کو مطلع غبار آلود تھا، اور نہ ہمارے شہر میں کسی کو رویت ہلال ہوئی، البتہ ۳۰ شعبان بروز جمعہ کو چاند دیکھکر بالاتفاق تمام اہل شہر نے شنبہ سے روزہ رکھنا شروع کیے، پھر ۲۹ رمضان المبارک شنبہ کو حالانکہ مطلع صاف تھا ہمارے یہاں کے مطابق چاند نظر نہ آیا چنانچہ یکشنبہ کو ہم نے چاند دیکھا اور دوشنبہ کو نماز عید پڑھی، مگر ہمارے مخالفین نے یکشنبہ ہی کو بغیر چاند دیکھے عید کرلی، ان کا استدلال یہ ہے کہ "اخبار زمیندار میں قاضی [illegible] کا فتویٰ شائع ہوا تھا کہ بڑودہ کے علاقہ میں روزے جمعہ سے شروع کیے گئے" مگر ہم نے اس استدلال کو نہیں تسلیم کیا اور کہدیا کہ یہ اخبار کا فتویٰ ہے، ہم نہیں مانتے۔ ان کا دوسرا استدلال یہ ہے کہ "حافظ یسین پیش امام مسجد علاقہ جیسلمیر میں اپنے دو مریدوں سے یہ سنکر آیا ہے کہ جیسلمیر میں بھی چاند جمعرات کو دیکھا گیا تھا۔ مگر ہم نے

حافظ یسین کے اس بیان پر بھی اپنے روزے موقوف نہیں کئے، اور کہا کہ ہمارے سامنے یہ بیان ایک شخص کا ہے کہ آج ہم عید نہیں مانتے، اس کے ساتھ ہی ساتھ ہم نے مزید اطمینان کے لئے ایک تار مولوی کفایت اللہ صاحب کو دیا تو جواب آیا کہ عید آج نہیں ہے، کل ۳ر مارچ بروز پیر کو ہوگی، اب ہم کو کسی قدر اطمینان ہو گیا، ہم نے روزہ موقوف نہیں کیا، شام کو چاند دیکھ کر دوشنبہ کو عید کی۔

اب مخالفین تو یہ کہتے ہیں کہ ۲۹ر رمضان کو مطلع غبار آلود تھا، ہم کہتے ہیں کہ نہیں، مطلع صاف تھا، ورنہ دہلی میں تو نظر آجاتا، وہاں بھی تو عید دوشنبہ کو ہوئی۔

دوسری تنقیح سامی کہ بچھاسر والوں کا بیان متفقہ لکھو، اس کے جواب میں یہ گذارش ہے کہ بچھاسر والوں نے ہمارے ساتھ دوشنبہ کے دن نماز عید پڑھی ہے، ان کا چاند کے متعلق کوئی بیان نہیں گذرا، ورنہ ہم خود اسی روز کیوں نہ نماز ادا کرتے؟

اب حل طلب تین سوال نکلے:-

(۱) ایک تو یہ کہ حافظ یسین کا اپنے دو مریدوں سے کسی گاؤں میں سنکر آنا کہ وہاں جمعہ سے روزے رکھے گئے تھے ہمارے لئے شرعاً فطر کے لئے کافی تھا یا نہیں؟

جواب: کافی نہ تھا۔

سوال (۲) دوسرا یہ کہ فتویٰ قاضی انب مطبوعہ زمیندار کہ روزے موثق شہادت پر جمعہ سے شروع کئے گئے ہیں، ہمارے لئے موجب فطر تھا یا نہیں؟

جواب: موجب فطر نہ تھا۔

سوال: اس وقت تک ہمارے صرف ۲۹ روزے ہوتے تھے، کیونکہ ہم اپنے شہر نے شنبہ کو چاند دیکھ کر روزہ رکھا تھا، شوال کا چاند یکشنبہ کو نظر نہیں آیا، تار سے دہلی میں بھی عید نہ ہونا پایا گیا، پھر کیا ہم کو اپنے روزے ان وجوہ پر کھول دینے چاہئے تھے؟ لہٰذا استفسار ہے کہ ہمارا دوشنبہ کے دن عید کرنا صحیح تھا یا ہمارے مخالفین کا یکشنبہ کے دن کرلینا؟

جواب: آپ کا دوشنبہ کو عید کرنا صحیح ہوا، اور مخالفین کے دلائل اگر وہی ہیں جو اوپر مذکور ہیں تو ان کا یکشنبہ کو افطار کرنا غلط تھا۔

سوال: ہم دونوں میں سے بر سر صحت و موقع ملامت شرعاً کون تھا؟

جواب: اوپر لکھ دیا گیا۔

سوال: قاضی صاحب انبہٹ نے یہ کیسے شائع کر دیا کہ موثق شرعی شہادت سے روزے جمعہ کو شروع کئے گئے ہیں، لہٰذا اتوار کو عید کرلو، حالانکہ دہلی، لکھنؤ، دیوبند، لاہور میں سب جگہ عید دوشنبہ کو ہی ہوئی ہے۔

الجواب: یہ سوال قاضی صاحب سے کیا جائے۔

سوال: اور ان شہر والوں نے قاضی انبہٹ کے فتویٰ کو کیوں نہیں تسلیم کیا؟

الجواب: اس لئے کہ اس میں کتاب القاضی کے شروط متحقق نہ تھے۔

سوال: ذمہ داران کو ایسا فتویٰ قبل از وقت شائع بھی کرنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب: ہرگز نہیں، کیونکہ یہ کتاب القاضی کی صورت میں داخل نہیں، جو حجت ہو، پھر بجز تشویش عوام کے اس سے کیا نفع تھا؟

سوال: مطبوعہ فتویٰ اخبارات کا واجب العمل ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں نہیں، بدلائل شرعیہ جواب مرحمت فرمایا جائے؟

الجواب: تحریر وہ معتبر ہے جو شاہد کی ہو، یعنی جس نے خود چاند دیکھا ہو اور خود اس کے قلم کی ہو اور اس تحریر کو بہت لوگ وثوق سے پہچانتے ہوں، یا قاضی کی دستخطی تحریر ہو جو کسی قاضی یا عالم کے نام ہو اور اس میں قاضی نے شہود کا نام اور پتہ لکھ کر صحیح اُن کے بیان اور اپنے فیصلہ کے دستخط کے ساتھ تحریر کیا ہو اور دو معتبر مسلم گواہوں کے ہاتھ اس خط کو روانہ کر کے قاضی یا عالم کے پاس بھیجا ہو، جو اس کی گواہی دیں کہ یہ خط ہمارے سامنے قاضی نے لکھا ہے، اور جس کے نام خط ہو وہ قاضی کی تحریر کو خوب پہچانتا ہو، ورنہ اس کی بھی ضرورت ہوگی کہ دو گواہ مسلمان اس کی بھی شہادت دیں کہ ہمارے سامنے قاضی کے پاس شاہدین کا یہ بیان ہوا، اور اس پر قاضی نے یہ فیصلہ کیا، وہذا کلہ مذکور فی الہدایۃ وغیرہا فی کتاب القاضی الی القاضی، چونکہ اخباری تاری اس شرط سے خالی ہوتے ہیں، اس لئے وہ حجت نہیں ہوسکتی۔ واللہ اعلم۔

نوٹ: یہ جواب تو اس امر کے متعلق تھا کہ عید کے موقع پر بوجہ مذکورہ سوال کی بنا پر کس فریق کا عمل صحیح ہوا، لیکن اب مختلف و متعدد خبروں سے جو اس ایک ہفتہ میں موصول ہوئیں، اور استفاضہ کی حد کو پہونچ گئیں، یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے رمضان جمعہ سے شروع نہیں کیا وہ ایک روزہ رکھ لیں۔ ۱۲ ر ذیقعدہ ۴۶ھ م۔

ٹیلیفون کے ذریعہ رویت ہلال کی خبر کا اعتبار ہے یا نہیں!

سوال (۱): اگر رویت ہلال کی خبر مختلف مقامات سے ٹیلیفون کے ذریعہ آرہی ہے اور ٹیلیفون میں بولنے والے کی آواز کو وہ شخص شناخت بھی کرے کہ فلاں شخص بول رہا ہے، اور ٹیلیفون میں بولنے والے کی آواز کو وہ شخص شناخت کر سکتا ہے جس کو اس کا کام پڑتا ہے اور اس کا محاورہ ہے، اور اس وجہ سے ٹیلیفون کی خبر کو ٹیلیگرام کی خبر سے زیادہ معتبر سمجھا جاتا ہے، اور سننے والے کو متفرق مقامات کی خبریں سننے سے سکون و اطمینان بھی ہوجاتا ہے کہ یہ خبریں سچی ہیں، اور ضرور چاند ہوگیا ہے تو ایسی صورت میں ٹیلیفون کی خبر کا اعتبار کر کے روزہ رکھنے یا افطار کا شرعاً حکم دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: اس سوال کا جواب لکھنے سے پیشتر چند امور ضروریہ درج ہیں:

۱. جب مطلع صاف نہ ہو یعنی چاند نظر آنے کی جگہ ابر یا غبار وغیرہ ہو تو ہلال رمضان میں اصطلاحی شہادت شرط نہیں، بلکہ ایک عادل یا مستور الحال کی خبر رویت مقبول ہے، خواہ وہ خبر دہندہ غلام یا عورت ہی ہو، فی الدر المختار وقبل بلا دعوی وبلا لفظ اشہد وبلا حکم ومجلس قضاء لانہ خبر لا شہادۃ للصوم مع علۃ کغیم وغبار خبر عدل او مستور علی ما صححہ البزازی علی خلاف ظاہر الروایۃ لا فاسق اتفاقاً وھل لہ ان یشہد مع علمہ بفسقہ قال البزازی نعم لان القاضی ربما قبلہ (ولو) کان العدل (قنا او انثی او محدودا فی قذف تاب) بین کیفیۃ الرویۃ او لا علی المذہب وتقبل شہادۃ واحد علی آخر کعبد وانثی ولو علی مثلہما (شامی ص ۱۳۵ ج ۲)۔

۲. ہلال فطر میں شہادت اصطلاحیہ شرط ہے، اس لئے لفظ شہادت بھی ضروری ہے اور شاہد کا عادل ہونا بھی لازمی ہے، مستور الحال کی شہادت قابل قبول نہیں، نصاب شہادت بھی شرط ہے، یعنی دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں، نیز غلام ومحدود فی القذف کا قول بھی اس باب میں معتبر نہیں، فی الدر (وشرط للفطر) مع العلۃ والعدالۃ (نصاب الشہادۃ ولفظ اشہد) وعدم حد فی قذف لتعلق نفع العبد لکن (لا) تشترط (الدعوی) کما لا تشترط فی عتق الامۃ وطلاق الحرۃ (شامی ص ۱۳۶ ج ۲)۔

۳. چونکہ اخبار میں خط مقبول ہے اور شہادت میں مقبول نہیں، اس لئے ہلال فطر میں زبانی شہادت شرط ہے، خط غیر معتبر اور ناقابل قبول ہے، اور ہلال رمضان میں خط

بھی قابل قبول ہے، جبکہ اس کو بخوبی شناخت کرلیا ہو۔

عہ، یہ سب احکام مذکورہ اس جگہ کے لئے مصرح موجود ہیں جہاں قاضی وغیرہ موجود ہو اور جہاں اسلامی حکام نہ ہوں، چونکہ وہاں ادائے شہادت ممکن نہیں، لأن من أركانها مجلس القضاء، اس لئے ایسی جگہ کے واسطے فقہائے کرام نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ ولو كانوا ببلدة لا حاكم فيها صاموا بقول ثقة وأفطروا بإخبار عدلين مع العلة للضرورة (در مختار) وقال العلامة الشامي تحت قوله لا حاكم فيها: أي لا قاضي ولا والي كما في الفتح، وتحت قوله للضرورة أي ضرورة عدم وجود حاكم يشهد عنده، اس کے جزو اول یعنی صاموا بقول ثقة میں تو کوئی تامل نہیں، کیونکہ ہلال رمضان کی شہادت وجود حاکم کے وقت بھی خبر ہی کے حکم میں ہے، اور مجلس حاکم اس کے لئے فی نفسہ شرط نہیں، بلکہ صرف انتظام کی وجہ سے حاکم کے ہاں بیان دینے کی ضرورت ہے، مگر جزو ثانی یعنی افطروا باخبار عدلین میں یہ سوال ہے کہ اس حالت میں ہلال فطر کی شہادت اخبار محض کے ساتھ ملحق ہو کر اس میں شہادت کے تمام شرائط علاوہ نصاب وعدالت غیر ضروری ہو گئے، یا صرف مجلس حاکم ہی کی شرط کو غیر ضروری قرار دیا گیا ہے، سو لفظ اخبار کے اطلاق سے تو شق اول مفہوم ہوتی ہے، مگر جو علت بیان کی گئی ہے اس سے شق ثانی متبادر ہے، کیونکہ عدم حاکم کی وجہ سے صرف اسی کی ضرورت پیدا ہوئی ہے کہ مجلس قضا کی شرط کو اٹھا دیا جائے، اور بقیہ شرائط کے ارتفاع کی کوئی ضرورت نہیں، لہذا ان کو بحالہا رکھا جائے گا، اور بحر الرائق میں ہے: فيشترط فيه ما يشترط في سائر حقوقهم من العدالة والحرية والعدد وعدم الحد في قذف ولفظ الشهادة والدعوى على خلاف فيه إن أمكن ذلك وإلا فقد تقدم أنهم لو كانوا في بلدة لا قاضي فيها ولا والي فإن الناس يصومون بقول الثقة ويفطرون بإخبار عدلين للضرورة۔ اس سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ حاکم نہ ہونے کی صورت میں جو شرط غیر ممکن ہوگی بس صرف وہی مرتفع ہوگی، یعنی دعویٰ اور لفظ شہادت اور بقیہ شرائط پر کوئی اثر نہ پڑے گا، اور گو قواعد سے یہ شق ثانی ظاہراً راجح معلوم ہوتی ہے، مگر چونکہ اس میں تصریح صریح نہیں ہوا، اس لئے علمائے کرام سے مراجعت کرلی جاوے۔

عہ، خط کے متعلق جو تفصیل عہ میں گزر چکی ہے جہاں حاکم نہ ہو وہاں غیر حاکم کو

بھی اسی تفصیل کا پابند ہونا ضروری ہے، کما لا یخفی، پس ہلال رمضان میں خط کو بشرط شناخت قبول کیا جائے گا، اور شناخت میں شبہ ہو تو بالکل غیر معتبر ہے، اور ہلال فطر میں جس طرح حاکم خط کو قبول نہیں کر سکتا اسی طرح غیر حاکم بھی قبول نہیں کر سکتا، خواہ ۲؎ کے جزو ثانی میں شق اول کو لیا جاوے، (یعنی ہلال فطر کی شہادت کو عدم الحاکم کے وقت تمام شرائط میں اخبار کے ساتھ ملحق کیا جاوے) خواہ شق ثانی کو (یعنی عدم الحاکم کے وقت مجلس قضا کے علاوہ بقیہ شرائط میں شہادت کا حکم رکھا جاوے) ہر دو شق کا ایک ہی حکم ہے، صرف اتنا فرق ہے کہ شق ثانی اختیار کرنے کی صورت میں تو خط کے عدم قبول کا حکم اصلی ہوگا، اور شق اول اختیار کی جاوے تو فی نفسہ قبول خط کی گنجائش ہے، بشرط شناخت، مگر عام بے احتیاطی پر نظر کر کے علی الاطلاق عدم قبول ہی کا فتویٰ دیا جاتا ہے۔

۲؎، ٹیلیفون گو اپنی اصل کے اعتبار سے خط کے مثل ہے، لان النغمۃ تشبہ النغمۃ کما ان الخط یشبہ الخط، لیکن غور کیا جائے تو اس میں خط سے زیادہ اشتباہ ہے، کیونکہ خط میں مکرر نظر کر کے بخوبی شناخت کا موقع ملتا ہے، اور ٹیلیفون میں قلت وقت کی وجہ سے مکرر غور کی نوبت نہیں آسکتی، نیز خط کو دوسرے لوگ بھی دیکھ سکتے ہیں اور ٹیلیفون کو صرف سننے والا تنہا سنتا ہے، اس واسطے اس کی خبر میں خط سے بھی زیادہ احتمال ہے۔

ان امور مندرجہ بالا سے بخوبی واضح ہو گیا کہ اگر ٹیلیفون میں آواز کی بخوبی شناخت نہ ہو تب تو وہ بالکل ہی قابل التفات نہیں، اور اگر بخوبی شناخت ہو جائے تو ہلال فطر میں اس وقت بھی قابل قبول نہیں، اور ہلال رمضان میں بخوبی شناخت کے بعد فی نفسہ قبول کی گنجائش ہو سکتی ہے، لیکن عام طور پر لوگوں کی بے احتیاطی کا غالب اندیشہ ہے اس لئے اس میں بھی عدم قبول ہی کا فتویٰ دیا جاتا ہے، واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

تنبیہ: آجکل رویت ہلال کے بارے میں یہ بھی کوتاہی کی جاتی ہے کہ ہر قسم کی خبر کو معتبر سمجھ لیتے ہیں، اس کا امتیاز نہیں کرتے، کہ یہ شہادت ہے یا شہادت علی الشہادت یا مجرد حکایت، حالانکہ اس میں تفصیل طویل ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ تفصیل معلوم کر لی جاوے، فقط کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ ۲۵؍ شعبان ۵۳ھ۔

الجواب عندی صحیح۔ اشرف علی ۱۲ رمضان ۵۳ھ۔

فصل فیما یفسد الصوم وما یکرہ للصائم

روزہ کی حالت میں سفوف تمباکو منہ میں رکھنا

سوال (۱) سفوف تمباکو مرکب برادۂ ورق نارجیل یا تخم صدم کا استعمال کرنا باحتیاط اور بغیر احتیاط اور دو تین منٹ کے بعد کلی کرنا جائز ہے یا نہیں، اور حلق کے نیچے یقیناً نہیں اترتا ہے احتیاط کی صورت میں؟

الجواب: قال فی العالمگیریة ولو مضغ الهلیلج فدخل البزاق حلقه لم یفسد ما لم یدخل عینه کذا فی الظهیریة اھ ص ۲۰۳ ج ۱۔

اس سے معلوم ہوا کہ سفوف تمباکو مرکب کا اس طرح دانتوں میں استعمال کرنا کہ حلق سے نیچے یقیناً نہ اترے مفسد صوم نہیں، اور اگر ذرا سا بھی حلق سے نیچے اتر جائے گا تو روزہ فاسد ہے، اور اس سفوف کا استعمال بحالت صوم بلا ضرورت مکروہ ہے، لما فیه من تعریض الصوم للفساد ولا یصح قیاسه علی السواک لانه ثبت بالسنة علی خلاف القیاس ولا علی العلک لکونه ملتئم الاجزاء دون السفوف کذا قال الشیخ مد ظله، اور ضرورت بعد مغرب کے استعمال کرنے سے بھی رفع ہو سکتی ہے۔ ۲۲ رمضان [illegible]

ازالۂ اشتباہ بواسیری بعد مسئلہ در صوم

سوال (۲) پچیس برس سے زائد زید کے بواسیری مسے ہیں، وقت رفع حاجت باہر آجاتے ہیں، ان کو پانی سے دھو کر کپڑے وغیرہ سے خشک کرتا ہے تو بہت جلن ہوتی ہے، قبض سخت ہو جاتا اور خون تک آجاتا ہے، صرف پانی سے دھو کر تر گیلے آہستہ آہستہ اندر کو چڑھا دیتا ہے، تو تکلیف نہیں ہوتی، زید ہمیشہ بفضلہ تعالیٰ رمضان شریف کے باقی ہر ماہ نفل روزہ بھی رکھتا ہے، حال میں اس کو معلوم ہوا کہ تر گیلے سے اندر چڑھ جانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے قضا لازم آتی ہے، اب ایسی صورت میں پچیس برس سے زائد روزوں کا وہ کیا کرے، اور آئندہ روزہ کس طرح رکھے، تکلیف کی وجہ سے اس کو بوجہ عذر کے اندر گیلے تر چڑھانا کس طرح چاہئے، اور روزہ کس طرح رکھنا چاہئے؟ فدیہ کی بالکل مقدرت میں قوت نہیں ہے۔

الجواب: قال فی الدر ولو بالغ فی الاستنجاء حتی بلغ موضع الحقنة

فسد وهذا قلما يكون، ولو كان فيه رطوبة فسد لوصولها اه قال الشامي ثم في بعض النسخ
المحقنة بالميم وهي ادل، قال في الفتح والحد الذي يتعلق بالوصول اليه
الفساد قدر المحقنة اه اي قدر ما يصل اليه رأس المحقنة التي هي آلة
الاحتقان وعلى الاول فالمراد الموضع الذي ينصب منه الدواء الى الامعاء
اه (ص ۱۵۸ ج ۲) قلت وثبور البواسير التي تخرج وقت الاستنجاء انما تكون
داخلة قدر الاصبع والقدر الذي يصل اليه رأس المحقنة هو خمسة اصابع
الى ستة لا يكون اقل من ذلك كما افاده الطبيب الحاذق القاضي بشير الدين
الكنوي فالبلة الكائنة على تلك البثور لا تبلغ قدر المحقنة اصلا فلزم
القول بعدم فساد الصوم بتلك البلة والله اعلم وقول الدر ولو الاصبع
مبتلة فسد قيده الشامي بما لو ادخل الاصبع الى موضع المحقنة (ص ۱۵۸ ج ۲)

عبارات درمختار وشامی اور فتح القدیر سے معلوم ہوا کہ استنجے میں تری کا اندر پہنچنا جب مفسد صوم ہے کہ تری قدر محقنہ پر پہنچ جائے اس سے کم مقدار میں اندر تری پہنچنا مفسد نہیں، اور ہم کو طبیب حاذق کے قول سے جن پر ہم کو اعتماد ووثوق ہے معلوم ہوا ہے کہ حالت احتقان میں راس محقنہ پانچ چھ انگل اندر پہنچایا جاتا ہے، تب احتقان ہو سکتا ہے، اس سے کم میں نہیں، اور بواسیری مسے اتنے اندر نہیں ہوتے بلکہ ایک دو انگل اندر ہوتے ہیں، تو ان پر تری کا لگا رہنا اور اسی حالت سے اندر پہنچنا قدر محقنہ تک تری پہنچنے کو مستلزم نہ ہوگا، لہذا اس حالت میں روزہ بھی فاسد نہ ہوگا، باقی احتیاط یہ ہے کہ ایسا مریض حتی الامکان جس قدر تری کو بلا مشقت خشک کر سکتا ہو اس کے خشک کرنے میں کوتاہی نہ کرے، باقی مسوں کے خشک کرنے میں مبالغہ کی ضرورت نہیں، قال في مراقي الفلاح او ادخل اصبعه مبلولة بماء او دهن في دبره او استنجى فوصل الماء الى داخل دبره او فرجها الداخل بالمبالغة فيه والحد الفاصل الذي يتعلق بالوصول اليه الفساد قدر المحقنة اه قال الطحطاوي اي قدر ما تاخذ من المحل الذي تصل اليه اه (ص ۳۹۳ و ۳۹۲) وفي الدر ولو بالغ في فيه يعني المضمضة او ابتلعه مع الريق اه قال الشامي وينبغي اشتراط المص بعد جمع الماء لاجل

الماء بالبصاق فلا يخرج بمجرد المج نعم لا يشترط المبالغة في البصق لان الباقي بعده مجرد بلل ورطوبة لا يمكن التحرز عنه اھ (ص ۱۰۵ ج ۲) واللہ اعلم۔

۴ر ذیقعدہ سنہ ۴۳ھ۔

طاعون ٹیکہ لگوانا مفسد صوم ہے یا نہیں

سوال (۳) روزہ کی حالت میں ٹیکہ لگوانا کیسا ہے؟ ٹیکہ لگانے سے روزہ جاتا رہتا ہے یا نہیں، تحریر فرمائیں!

الجواب: قال في الدر: ولو اقطر في احليله ماء او دهنا وان وصل الى المثانة على المذهب اي لا يفسد، واما في قبلها فمفسد اجماعا لانه كالحقنة اھ قال الشامي على المذهب اي قول ابي حنيفة ومحمد معه في الاظهر، وقال ابو يوسف يفطر والاختلاف مبني على انه هل بين المثانة والجوف منفذ اولا وهو ليس باختلاف على التحقيق والاظهر انه لا منفذ له كذا يقول الاطباء زيلعي وافاد انه لو بقي في قصبة الذكر لا يفسد اتفاقا لان العلة من الجانبين الوصول الى الجوف وعدمه بناء على وجود المنفذ وعدمه لكن هذا يقتضي عدم الفساد في حشو الدبر وفرج المراة الداخل ولا مخلص الا باثبات ان المدخل فيهما تجذبه الطبيعة فلا يعود الا مع الخارج المعتاد وتمامه في الفتح، قلت الاقرب التخلص بان الدبر والفرج الداخل من الجوف اذ لا حاجز بينهما وبينه فهما في حكمه والفم والانف وان لم يكن بينهما وبين الجوف حاجز الا ان الشارع اعتبرهما في الصوم من الخارج وهذا بخلاف قصبة الذكر فان المثانة لا منفذ لها على قولهم اھ (ص ۱۴۱ ج ۲)۔

وفي الدر ايضا او اكتحل او ادهن ولو وجد طعمه في حلقه اھ قال الشامي اي طعم الكحل او الدهن وكذا لو بزق فوجد لونه في الاصح بحر قال في النهر لان الموجود في حلقه اثر داخل من المسام الذي هو خلل البدن والمفطر انما هو الداخل من المنافذ اھ (ص ۱۴۲ ج ۲) وفي الكنز وان احتقن او استعط او اقطر في اذنه او داوى جائفة او آمة بدواء ووصل الدواء الى جوفه او دماغه افطر اھ وكذا هو في اكثر المتون قال الشامي الجائفة الطعنة التي بلغت الجوف او نفذته والآمة من اممته بالعصا اذا ضربت ام راسه

وهی الجلدة التی تجمع الدماغ قال فی البحر والتحقیق ان بین جوف الرأس وجوف المعدة منفذا اصلیا فما وصل الی جوف الرأس یصل الی جوف البطن (امداد ص ۱۶۴ ج ۲) وفی البدائع وما وصل الی الجوف او الی الدماغ من المخارق الاصلیة کالانف والاذن والدبر بان استعط او احتقن او اقطر فی اذنه فوصل الی الجوف او الی الدماغ فسد صومه اما اذا وصل الی الجوف فلا شک فیه لوجود الاکل من حیث الصورة وکذا اذا وصل الی الدماغ لانه له منفذا الی الجوف فکان بمنزلة زاویة من زوایا الجوف وقد روی عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قال للقیط بن صبرة بالغ فی المضمضة والاستنشاق الا ان تکون صائما ومعلوم ان استثناء حالة الصوم للاحتراز عن فساد الصوم والا لم یکن للاستثناء معنی واما ما وصل الی الجوف او الی الدماغ عن غیر المخارق الاصلیة بان داوی الجائفة والآمة فان داواها بدواء یابس لا یفسد لانه لم یصل الی الجوف ولا الی الدماغ ولو علم انه وصل یفسد فی قول ابی حنیفة رح وان داواها بدواء رطب یفسد عند ابی حنیفة رح وعندهما لا یفسد هما اعتبرا المخارق الاصلیة لان الوصول الی الجوف من المخارق الاصلیة متیقن به ومن غیرها مشکوک فیه فلا نحکم بالفساد مع الشک، ولابی حنیفة ان الدواء اذا کان رطبا فالظاهر هو الوصول لوجود المنفذ الی الجوف فیبنی الحکم علی الظاهر، واما الاقطار فی الاحلیل فلا یفسد عند ابی حنیفة وعندهما یفسد، قیل ان الاختلاف بینهم بناء علی امر خفی وهو کیفیة خروج البول من الاحلیل فعندهما ان خروجه منه لان له منفذا فاذا اقطر فیه یصل الی الجوف کالاقطار فی الاذن وعند ابی حنیفة ان خروج البول منه من طریق الترشح کترشح الماء من الخزف الجدید فلا یصل بالاقطار فیه الی الجوف والظاهر ان البول یخرج منه خروج الشیء من منفذه کما قالا وروی الحسن عن ابی حنیفة مثل قولهما وعلی هذه الروایة اعتمد استاذی، واما الاقطار فی قبل المرأة فقد قال مشایخنا انه یفسد صومها

عه قلت حدیث صحیح صححه ابن القطان کمافی الاستن زالی الحسن ۱۲ منه

بالاجماع لان للمثانۃ منفذاً فیصل الی الجوف کالاقطار فی الاذن اھ ص ۲۰۴ ج ۲

ان عبارات سے چند مقدمات ممہد ہوئے :۔

(۱) جو چیز جوف کی طرف بدون منفذ کے پہونچے وہ مفطر نہیں، ودلیلہ مسئلۃ الاکتحال وغیرہ

(۲) افطار کا مدار دخول من المنفذ پر ہے، صاحبینؒ کے نزدیک تو منافذ اصلیہ سے دخول شرط ہے، اور امام صاحبؒ کے نزدیک منافذ اصلیہ کے سوا دوسرے منافذ سے بھی دخول مفطر ہے۔

(۳) منفذ سے مراد یہ ہے کہ دماغ یا جوف تک بلا واسطہ عروق کے راستہ ہو جائے چنانچہ مخارق غیر اصلیہ کی شان میں جائفہ اور آمّہ کا بیان کرنا اس کی دلیل ہے، تمام متون وشروح میں مخارق غیر اصلیہ میں امامؒ وصاحبینؒ کے اختلاف کو جائفہ اور آمّہ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگر جراحت جائفہ اور آمہ کی حد تک نہ پہونچے، اور جوف و دماغ تک بلا واسطہ منفذ نہ ہو تو امام صاحبؒ کے نزدیک بھی اس کے ذریعہ سے وصول مفطر نہیں، لان المفطر انما ہو الداخل من المنافذ۔

اور صاحب بدائعؒ نے امام صاحب کی طرف سے جو دلیل بیان کی ہے وہ اس پر صاف دلالت کر رہی ہے، "وجہ قول ابی حنیفۃ ان الدواء اذا کان رطباً فالظاہر ہو الوصول لوجود المنفذ الی الجوف"۔ اس سے معلوم ہوا کہ جائفہ اور آمہ میں دواء رطب کا استعمال اسی لئے مفطر ہے کہ اس صورت میں دخول الی الجوف منفذ سے ہو رہا ہے، اور ظاہر ہے کہ یہاں منفذ سے وہ راستہ مراد ہے جو بلا واسطہ جوف سے متصل ہو، نہ کہ بواسطہ عروق کے، ورنہ امام صاحبؒ اقطار فی الاحلیل میں صاحبینؒ کے خلاف نہ کرتے، کیونکہ گو وہاں منفذ بلا واسطہ نہ ہو مگر منفذ بواسطہ تو یقیناً ہے، جس سے ترشح بول بعد ادرار کثیر ہوتا ہے، مگر اس کو امام صاحب منفذ نہیں مانتے، پس معلوم ہوا کہ امام صاحب مخارق اصلیہ کے سوا دیگر مخارق کو بحکم مخارق اصلیہ اس وقت مانتے ہیں جبکہ وہ مخارق اصلیہ کی طرح بلا واسطہ جوف و دماغ تک متصل ہوں۔

اس تمہید کے بعد طاعون ٹیکہ کا حکم ظاہر ہے، کہ وہ مفطر صوم نہیں، کیونکہ جس مقام پر وہ لگایا جاتا ہے وہاں سے جوف و دماغ تک منفذ نہیں، اور اگر منفذ ہو بھی تو بلا واسطہ نہیں بلکہ بواسطہ عروق کے ہے، پس اس سے دوا کا جوف میں وصول ایسا ہی ہوگا جیسا کہ احلیل سے جوف میں دوا کا اثر ہوتا ہے، کہ وہ بھی بلا منفذ ہے، اور عروق

کے واسطے سے ہے، علاوہ ازیں طاعونی ٹیکہ میں دوا کے چند قطرات ہوتے ہیں جو اول بازو کے خون میں پہونچتے ہیں، پھر اس خون کے دوران سے بقیہ جسم کے خون میں پہونچتے ہیں، اسی طرح اگر کچھ جزء اس دوا کا فرض کیے ہوئے جوف میں بھی پہونچتا ہو تو اس سے افطار کیونکر ہو سکتا ہے، کیونکہ اس وقت وہ جوف میں تلاشی کے بعد پہونچتا ہے، کما لو مضغ العلک والجسم ثم ابتلعہ، نیز ہم کو ایک طبیب سے معلوم ہوا ہے کہ ٹیکہ کی دوا جوف میں نہیں پہنچتی بلکہ صرف عروق جسم میں سرایت کرتی ہے، مگر اس پر مدار فتویٰ نہیں، بلکہ مدار پہلی دلیلوں پر ہے، اس کو محض تائید کے درجہ میں لکھ دیا گیا، واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
۱۲ر شوال ۱۳۴۳ھ

نعم التحقیق یا عیون التحقیق
کتبہ اشرف علی ۲۲ر شوال ۱۳۴۳ھ

بعد افطار اندام نہانی میں کوئی دوا بحالت صوم باقی رہے تو روزہ پر اس کا کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟

سوال (۴) اس امر کا تو ہدایہ سے پتہ چل گیا کہ اقبال نسا میں اگر دوا پہنچائی جاوے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، مگر یہ اس سے بھی نہ معلوم ہوا کہ بعد افطار اگر کوئی ذی جرم دوا اس میں رکھدی جاوے اور وہ بحالت صوم بھی باقی رہے تو روزہ پر اس کا کیا اثر ہوگا، اسی امر کے معلوم ہونے کی ضرورت ہے؟

الجواب: او ادخل قطنة او خرقة او خشبة او حجرا فی دبرہ او ادخلته فی فرجها الداخل وغیبها لانه تم الدخول بخلاف ما اذا بقی طرفه خارجا لان عدم تمام الدخول کعدم دخول شیء بالمرة اھ (ص ۳۶۳ مراقی الفلاح) بعد افطار کے جو شے داخل کی جائے خواہ تر یا خشک اس کے بقاء بحال صوم سے تو فطر کا کچھ شبہ نہیں، اسی لئے فقہاء نے اس سے تعرض نہیں کیا، اس صورت میں روزہ صحیح ہے، اور خشک چیز کا تو بحال صوم رکھنا بھی اس وقت موجب فطر ہے، جبکہ پوری اندر ہو، اور اگر کچھ حصہ باہر فرج خارج میں نکلا ہے تو مفطر نہیں، واللہ اعلم۔

طاعونی ٹیکہ اور فصد لگوانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا

سوال (۵) رمضان میں ٹیکہ لگانا یا فصد کرانا یا بذریعہ آلہ دوا بازو میں پہنچانا جیسا کہ اس نواح میں اب ڈاکٹر لوگ بوجہ پلیگ کے کرتے ہیں، روزہ میں نقصان کرے گا یا نہیں، اللہ سے امید ہے کہ حضور تسلی بخش جواب دے کر مشکور فرما دیں گے؟

الجواب: طاعون، ٹیکہ یا چیچک کا ٹیکہ یا فصد لگوانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

۱۲ ر رمضان ۵۲ھ

صوم معذور کا حکم سوال (۶) زید کا دماغ یا پھیپھڑا یا مسوڑھوں کے پھول جانے یا دانتوں کے ہلنے کے سبب منہ کے راہ خون آتا رہتا ہے، یہاں تک کہ سانس کے ذریعے فرو حلق بھی جاگتے سوتے ہوتا ہے، ایسی حالت میں اگر زید روزے رکھے تو اس کا روزہ ادا ہوگا یا نہیں، اگر روزہ اس کا اس سبب سے نہیں ادا ہوتا ہے تو بدلے ان روزوں کے زید کو شرعاً کیا کرنا چاہیے؟ بینوا بالکتاب توجروا بالصواب۔

الجواب: جس شخص کے دانتوں میں سے اکثر خون آتا رہتا ہو، اور بلا اختیار جاگتے ہوئے یا سوتے ہوئے حلق میں بھی داخل ہو جائے اس کا حکم کسی جگہ صریح نہیں ملا، مگر علامہ شامیؒ نے اتنا لکھا ہے کہ: (ومن هذا يعلم حكم من قلع ضرسه في رمضان ودخل الدم الى جوفه في النهار ولو نائما فيجب عليه القضاء الا ان يفرق بعدم امكان التحرز عنه فيكون كالقيء الذي عاد بنفسه فليراجع) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کے روزہ کو صحیح کہنے کی گنجائش ہے، اور اگر شامی کی عبارت ذیل پر نظر کی جاوے تو اور بھی زیادہ گنجائش معلوم ہوتی ہے، (قوله ولم يصل الى جوفه) ظاهر اطلاق المتن انه لا يفطر وان كان الدم غالبا على الريق وصححه في الوجيز كما في السراج وقال وجهه انه لا يمكن الاحتراز عنه عادة فصار بمنزلة ما بين اسنانه اهـ، پس صاحب وجیز بدون مرض بھی دم خارج من بین الاسنان کو غیر ممکن الاحتراز قرار دے کر موجب فساد قرار نہیں دیتے، تو حالت مذکورہ فی السوال میں تو بدرجہ اولیٰ دخول دم فی الجوف کو غیر مفسد کہیں گے، جس میں احتراز کا عدم امکان مسلم ہے، واللہ اعلم۔

ہدایت حضرتی: چونکہ یہ مسئلہ قیاس سے لکھا گیا ہے اس واسطے دوسرے علماء کو دکھا لینا ضروری ہے۔

۱۱ ر رجب ۵۲ھ

عود اور اگربتی کا دھواں حلق میں جانے سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے یا نہیں سوال (۷) حالت روزہ میں قرآن مجید پڑھتے وقت نزدیک عود اور اگربتی جلائی جائے اور اس سے دھواں حلق میں جائے تو روزہ فاسد ہوگا یا نہیں؟

الجواب: اس صورت میں تو روزہ فاسد نہیں، ہاں، اگر بتی کو پاس رکھ کر اس کے دھویں کو سونگھا جائے، اور حلق میں داخل کیا جائے، تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔ قال فی الدر (ص ۱۵۲ ج ۲) او دخل حلقه غبار او ذباب او دخان ولو ذاکرا استحسانا لعدم امکان التحرز عنه ومفاده انه لو ادخل حلقه الدخان افطر ای دخان کان ولو عودا او عنبرا قال الشامی حتی لو تبخر ببخور وآواه الی نفسه واشتمه ذاکرا للصومه افطر لامکنت فیه التقیه احترازه فلو تبخر ولم یؤده الی نفسه ولم یتعمد لم یفطر فان ذلک من خواص الدخان لا من ادخاله۔ واللہ اعلم

خلاصہ یہ کہ دھویں کو پاس رکھ کر سونگھا نہ جائے، دور رکھ کر بیٹھا جائے اور خوشبو آتی رہے تو مضائقہ نہیں، ۲۰ ر محرم ۳۲ھ۔

فصل فی القضاء والکفارہ

مسافر اگر روزہ افطار کرے تو کفارہ نہیں

سوال (۱) مسافر در سفر بوجود قصر روزہ رمضان روزہ نہاد پس بیان نیمروز آں روزہ نہادہ را عمداً افطار ساخت آیا کفارہ واجب گردد یا قضا؟

الجواب: وللمسافر الذی انشأ السفر قبل طلوع الفجر اذ لا یباح له الفطر بانشائه بعد ما اصبح صائما قال الطحطاوی لکن ان افطر لا کفارة علیه، نور الایضاح مع الطحطاوی، اس سے معلوم ہوا کہ مسافر افطار کرے تو کفارہ نہیں۔ ۲۹ ر ذیقعدہ ۳۲ھ۔

کفارہ صیام میں بہت بوڑھے اور بڑھیا کو کھلانا جائز ہے یا نہیں!

سوال (۲) بہشتی زیور میں روزہ کے کفارہ کے لئے ساٹھ مسکینوں کو کھلانے کے متعلق لکھا ہے، اگر بعضے بالکل چھوٹے بچے ہوں تو جائز نہیں، سوال یہ ہے کہ اگر بالکل بوڑھا بوڑھی ہوں تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بہت بوڑھا اور بوڑھی کو کفارہ میں کھلانا جائز ہے، قال فی الہندیة فان غدّاهم وعشاهم جاز قلیلا کان ما اکلوا او کثیرا اھ وقال صاحب النہایة لان المعتبر هو الشبع لا المقدار اھ وقال الشامی عن البحر والمنح ولو کان فیمن اطعمهم صبی فطیم لم یجزه لانه لا یستوفی

کاملاً ہو وفی التاتارخانیۃ تغذی عشرۃ مساکین واحد منھم صبی فطیم او فوق ذلک لایجزیہ کذا ذکر فی الاصل وفی المعتبر اذا کانوا اعلمنا یعنی مثلہم یجزیہم وبہ ظہر ایضاً ان المراد بالفطیم ونحوہ المراھق من لا یستوفی الطعام المعتاد وفیہ ایضاً ولو کان فیہم شبعان قبل الاکل او صبی لم یجزہ (ص ۵۹ و ۶۰ ج ۲)؛ قلت والکبیر والکبیرۃ ممن یستوفی الطعام عادۃ وخلافہ نادر، واللہ اعلم۔

مورخہ ۴ ربیع الثانی سنہ ۱۳۴۵ھ

حکم نیت کفارۂ رمضان بالتعلیق

سوال (۳) ایک شخص نے رات کو کفارۂ صوم کی نیت اس طرح کی کہ اگر کل کو یہ محقق ہو گیا کہ شروع ماہ سے روزہ شروع کرنے سے ساٹھ روزے پورے کرنے نہ پڑیں گے، بلکہ دو مہینے کا روزے رکھنا کافی ہو جائے گا، نیز شیخ نے بھی روزہ رکھنے کی اجازت دیدی تو کل کو میں ضرور کفارہ کا روزہ رکھوں گا، اس طرح نیت درست ہوئی یا نہیں؟

الجواب: اس صورت میں نیت صحیح نہیں ہوئی، کیونکہ جزم نہیں پایا گیا بلکہ نیت معلق ہے اور تعلیق کے ساتھ نیت قضاء و کفارات صحیح نہیں ہوتی، قال فی مراقی الفلاح: واما القسم الثانی وھو ما یشترط لہ تعیین النیۃ وتبییتہا فہو قضاء رمضان وقضاء ما افسدہ من نفل وصوم الکفارات بانواعہا الی ان قال: ولا تبطل النیۃ بقولہ اصوم غداً ان شاء اللہ تعالیٰ لانہ بمعنی الاستعانۃ وطلب التوفیق الا ان یرید حقیقۃ الاستثناء اھ وقال الطحطاوی ہو التعلیل یفید ان المشیئۃ لا تبطل مطلقاً لو قصد حقیقتہ (ای لکونہ بمعنی الاستعانۃ) ولکن لکلام المؤلف وجہ وھو انہ اذا قصد التعلیق کان غیر جازم بالنیۃ وھو ظاہر واللہ تعالیٰ اعلم۔ (ص ۳۴۶)۔

کفارۂ صوم میں رمضان اور عید الفطر مبطل ہوتا ہے

سوال (۴) اگر رجب کی یکم کو کفارۂ رمضان کا روزہ شروع نہ کر سکا، تو اب اگر یہ شخص ۲ رجب سے صیام کفارہ کو شروع کرے تو درمیان میں رمضان و عید الفطر کے واقع ہونے سے تتابع باطل تو نہ ہوگا یا باطل ہو جائے گا اور اس کو از سر نو استیناف کرنا ہوگا؟

الجواب: صورت مسئولہ میں رمضان و عید الفطر کا توسط مبطل تتابع ہے،

بعد رمضان کے پورے ساٹھ روزے از سر نو رکھنے پڑیں گے، قال فی الدر: صام شہرین متتابعین ولو ثمانیۃ وخمسین یوما بالہلال والا فستین یوما لیس فیہما رمضان وایام نہی عن صومہا وکذا کل صوم شرط فیہ التتابع فان افطر بعذر کسفر ونفاس بخلاف الحیض او بغیرہ او وطئہا الظاہر استانف الصوم اھ (ص ۹۵۶ و ۹۵۷ ج ۲) واللہ اعلم۔ غرۃ رجب ۱۳۳۵ھ۔

نذر روزے اگر کسی عذر مثلاً بیماری کی وجہ سے نہ رکھ سکے تو کتنا کفارہ لازم ہوگا

سوال (۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین کہ ایک آدمی نے نذر کی ہے کہ اے اللہ تعالیٰ میری بلا ومصیبت اگر دور ہو جائے تو میں تیرے واسطے ہر چاند میں یعنی ہر مہینہ میں پانچ پانچ روزے رکھوں گا، اب وہ بلا ومصیبت دور ہو گئی ہے، اب وہ شخص ہر مہینہ میں روزے رکھے یا نہیں؟ اور اس کے اوپر عمر بھر کے روزے رکھنا واجب ہے یا نہیں؟ اگر واجب ہو گیا تو اگر یہ روزہ ادا نہ کرے تو کفارہ دینے سے عمر بھر کے روزے ادا ہوں گے یا نہیں، اگر ادا ہو جائیں تو کتنا کفارہ دینے سے ادا ہوگا، یعنی کیا چیز دے گا اور یہ شخص بیماری کی وجہ سے لاچار ہے لہذا فتویٰ منگوایا جاتا ہے؟

الجواب: جب یہ شخص بیماری کی وجہ سے روزہ رکھنے سے عاجز ہے تو اس کو چاہیے کہ ہر ماہ میں پانچ روزوں کا فدیہ دیا کرے یعنی ہر روزے کے عوض صدقہ فطر کے برابر گیہوں وغیرہ دیدے، یا ایک مسکین کو پیٹ بھر کر دو وقت کھانا کھلا دے، کما فی العالمگیریۃ (ص ۱۳۵ ج ۱) ولو اخر القضاء حتی صار شیخا فانیا او کان النذر بصیام الابد فعجز لذلک او باشتغالہ بالمعیشۃ لکون صناعتہ شاقۃ لہ ان یفطر ویطعم لکل یوم مسکینا علی ما تقدم اھ وفیہ ایضا (ص ۱۳۳/۱) فالشیخ الفانی الذی لا یقدر علی الصیام یفطر ویطعم لکل یوم مسکینا کما یطعم فی الکفارۃ وھو فی المجلد الثانی منہ (ص ۱۰۱) فان غداہم وعشاہم واشبعہم جاز سواء حصل الشبع بالقلیل او بالکثیر کذا فی شرح النقایۃ لابی المکارم۔ ۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۳ھ۔

استفتاء متعلق کفارۂ صوم

سوال (۶) ایک عرض ہے کہ عید الفطر کی تعطیل میں احقر جناب کا قدم بوس ہوا تھا، جناب سے اپنے ٹوٹے ہوئے روزوں کے متعلق دریافت

کیا تھا، آنحضور نے فرمایا تھا کہ اقصر ایام شتا میں کفارہ ادا کیجیو، سو اب سردی کا زمانہ آ گیا ہے اور احقر کا ارادہ ہے کہ ۱۵ جمادی الاولیٰ سے روزے شروع کر دوں، اول تو جناب والا سے دوبارہ اجازت چاہتا ہوں، دوسرے یہ کہ ۱۵ رجب تک رکھنے چاہئیں یا ۱۵ جمادی الاولیٰ سے شمار کرکے ۶۰ روزے رکھنے چاہئیں؟ تیسرے یہ کہ اگر کسی روز نیت کرنی بھول جاؤں یا صبح صادق کے بعد آنکھ کھلے تو کیا کرنا چاہئے؟ اس کے علاوہ بھی جو بات قابل عمل ہو تحریر فرما دیں۔ فقط

الجواب: فی الدر المختار: صام شهرين (ولو ثمانية وخمسين) بالهلال وإلا فستين يوما، وفي الشامي: قوله بالهلال حال من لفظ الشهرين المقدرين بعد (و) وفي بعض النسخ أو بالهلال، وحاصله أنه إذا ابتدأ الصوم في أول الشهر كفاه صوم شهرين تامين أو ناقصين، أو كان أحدهما تاما والآخر ناقصا، (قوله وإلا) أي وإن لم يكن صومه في أول الشهر برؤية الهلال بأن غم أو صام في أثناء شهر فإنه يصوم ستين يوما كما في العالمگیریة وإن صام شهرا بالهلال تسعة وعشرين وقد صام قبله خمسة عشر وبعده خمسة عشر يوما أجزأه (ص ۲۵۲ ج ۲) وفي البحر وغيره كما في رد المحتار (قلت) وفيه الاحتياط۔

پس صورت مسئولہ میں پورے ساٹھ روزے رکھے جاویں اور روزۂ کفارہ کی نیت غروب شمس و طلوع فجر کے درمیان ضروری ہے، اگر اس وقت میں نیت نہ ہوئی تو استیناف کرنا ہوگا اس لئے بہت اہتمام کیا جاوے۔ فی تنویر الابصار: وشرط للباقی النیة وتعیینها وقال الشامی تحت قوله للباقی (وهو قضاء رمضان) الی قوله وکفارة الظهار والقتل والیمین والافطار (ص ۱۹۳ ج ۲) کتبہ الاحقر عبد الکریم

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ ۴ر جمادی الاولیٰ سنہ ۵۲ھ

فصل فی الاعذار المبیحة للافطار

فصل کی کٹائی کے واسطے روزہ افطار کرنا جائز ہے یا نہیں؟

سوال (۱) فصل کٹائی یا کسی ایسے ہی سخت مشقت والے کام کے لئے روزہ کا افطار جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر فصل کاٹنے میں تاخیر کرنے سے زراعت کے ضائع ہونے کا خطرہ نہ ہو تب تو کاشتکار کو لازم ہے کہ فصل کو بعد رمضان کے کاٹے، اور اگر تاخیر سے زراعت کے

کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو اس لئے رمضان ہی میں کاٹنا پڑے اور کٹائی کی حالت میں روزہ دشوار ہو تو کاشتکار کو اس حالت میں افطار جائز ہے اور درست ہے کہ بعد رمضان کے ان ایام کی قضا کرے کفارہ نہ ہوگا۔ قال فی الفتاوی الکاملیۃ سئلت عن حصاد لم یقدر علی حصاد زرعہ مع الصوم وان اخرہ یھلک ھل یجوز لہ الافطار حینئذ۔ فالجواب نعم یجوز لہ ذلک حینئذ فقد نقل المحقق ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی حواشیہ علی الدر عن الخیر الرملی ما نصہ وعلی ھذا الحصاد اذا لم یقدر علیہ مع الصوم ویھلک الزرع بالتاخیر لاشک فی جواز الفطر والقضاء اھ واللہ اعلم۔ ص ۱۶۰ و ۱۶۱ ۱۱ر رمضان ۱۳۴۲ھ

عذر کی بنا پر افطار کرنے والے کو افطار کا اعلان نہیں چاہئے

سوال (۲) معذور علی الاعلان لوگوں کو کہہ کر روزہ نہیں رکھے گا، اور ظاہراً کھاتا پیتا پھرے یا اپنے معاملہ کو محفوظ و پوشیدہ رکھے؟

الجواب: جو لوگ عذر کی وجہ سے افطار کریں ان کو اپنے افطار کا اعلان نہ کرنا چاہئے چھپ کر کھانا پینا چاہئے، اور اپنے حال کو پوشیدہ رکھنا چاہئے، اور جو اتفاقاً کسی کو معلوم ہو جاوے تو اس سے اپنا عذر بیان کر دے۔ ۲۱ر رمضان ۱۳۴۲ھ

عورت کو حالت روزہ میں حیض آجائے تو باقی وقت میں کھا پی سکتی ہے یا نہیں؟

سوال (۳) روزہ دار کو بحالت روزہ حیض آگیا تو اب باقی وقت اسی طرح پورا کرے یا کچھ کھا پی لیوے، اگر کچھ کھا لیوے تو گناہ تو نہیں ہوا؟ اور افضل کونسا ہے؟

الجواب: حیض کی حالت میں عورت کو روزہ داروں کی طرح رہنا جائز نہیں، بلکہ اس کو کھا پی لینا چاہئے، لیکن کھلم کھلا نہ کھانا چاہئے، چھپ کر کھالے، قال فی نور الایضاح یجب علی الصحیح وقیل یستحب الامساک بقیۃ الیوم علی من فسد صومہ ولو بعذر ثم زال وعلی حائض ونفساء طھرتا بعد طلوع الفجر قال الطحطاوی فی حاشیتہ واما فی حالۃ تحقق الحیض والنفاس فیحرم الامساک لان الصوم منھما حرام والتشبہ بالحرام حرام وکذلک لا یجب الامساک علی المریض والمسافر لان الرخصۃ الافطار فی حقھما باعتبار الحرج ولو الزمناھما التشبہ لعاد الشیء علی موضوعہ بالنقض ولکن لا یاکلون جھراً بل سراً اھ قلت التعلیل یشمل الحائض وقت طلوع الفجر والحائض بعدہ فکلاھما یحرم علیھما الصوم نعم

بینھما فرق من وجه وھو ان الاولی فمن صومھا بعد النشء جزئیه والثانیة حرم علیھما الصوم ابتداءً ولکنھما تشترکان فی حرمة الصوم بعد تحقق الحیض، واللہ اعلم۔ ۳۰؍ شعبان ؁۴۵ھ

استفتاء عن القلب اور معذور کیلئے افطار کا حکم

سوال (۴): فدوی نے پہلا روزہ رکھا دن بھر طبیعت خراب رہی بعد افطار بہت ہی خراب ہو گئی کہ عرض نہیں کر سکتا، فدوی جانتا ہے یا فدوی کا خدا بموجب حکم حضور پُرنور دل سے فتویٰ لیا، دل نے کہا کہ بموجب حکم اللہ تعالیٰ جل شانہٗ ہم کو روزہ نہیں رکھنا چاہیے۔

اوّل حکم: اپنے کو ہلاکت میں مت ڈالو۔

دوسرا حکم: اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ و جل شانہٗ کسی نفس کو تکلیف نہیں دیتا ہے جو وہ برداشت نہ کر سکے۔

تیسرا حکم: جان بچانی فرض ہے۔

اب فدوی روزہ نہیں رکھتا ہے، دل کا فتویٰ صحیح ہے یا کیا؟

الجواب: دل سے فتویٰ لینا اور اس کے فتوے پر عمل کرنا ہر شخص کو جائز نہیں اور نہ ہر مسئلہ میں جائز ہے، بلکہ اس کا محل وہ امور ہیں جن میں دلیلیں متعارض ہوں، اور کسی دلیل کو دوسری پر ترجیح نہ ہو تو ایسے مواقع میں فتویٰ قلب پر وہ شخص عمل کر سکتا ہے جو کامل الایمان ہو اور سلیم الفہم عارف بدقائق النفس ہو، مصرح باصلاح الشیخ فی رسالۃ التشرف (ص ۱) پس آپ کا روزہ کے معاملہ میں قلب سے فتویٰ لینا بالکل غلط تھا جبکہ احکام شرعی بتلانے والے موجود تھے جو معرفت و علم و کمال ایمان میں آپ سے زائد ہیں، پس اول آپ کسی طبیب حاذق عادل سے نبض وغیرہ دکھلا کر دریافت کیجئے کہ روزہ رکھنا آپ کو حالت موجودہ میں مضر ہے یا نہیں، اگر وہ صوم کو مضر بتلائے اور یہ کہے کہ روزہ سے مرض شدید ہو جائے گا جس کا تحمل دشوار ہوگا، تو آپ کو روزہ نہ رکھنا جائز ہوگا، اور رمضان کے بعد قضا واجب ہوگی، خواہ سردیوں میں قضا کر دی جاوے، اور اگر روزہ کو مضر نہ بتلائے تو روزہ رکھنا فرض ہے، اور بقدر قلیل تعب و سوء مزاج قابل اعتبار نہیں۔ واللہ اعلم۔

۱۲؍ رمضان ؁۴۵ھ

فصل فی صوم النذر، صوم القضاء، صوم النفل

جس کے ذمہ دو رمضان کے روزے قضا ہوں اور وہ مطلق قضاء رمضان کی نیت کرے تو کیا حکم ہے؟

سوال (۱) ایک شخص کے ذمہ دو رمضانوں کے روزے ہیں، اس نے رات کو قضاء رمضان کا روزہ رکھنے کی نیت کی، لیکن پہلے رمضان اور دوسرے رمضان کی تعیین نہیں کی مطلق قضاء رمضان کی نیت کرلی تو وہ روزہ قضاء کی جانب سے صحیح ہوجائیگا یا نفل ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مسئولہ میں وہ روزہ قضاء رمضان میں محسوب ہوجائے گا، نفل نہ ہوگا، قال فی العالمگیریۃ ص ۱۲۱ ج ۱: اذا وجب علیہ قضاء یومین من رمضان واحد ینبغی ان ینوی اول یوم وجب علیہ قضاءہ من ہذا الرمضان، وان لم یعین الاول یجوز وکذا لو کان علیہ قضاء یومین من رمضانین ہو المختار وینوی القضاء لا غیر یجوز وان لم یعین کذا فی الخلاصۃ اھ واللہ اعلم۔

۱ر شوال سنہ ۴۳ھ

باب الاعتکاف

معتکف کے لئے مسجد میں ریح صادر کرنے کا حکم

سوال (۱) معتکف کو اگر ریح صادر کرنے کی ضرورت ہو تو وہ کیا کرے، آیا مسجد ہی میں ریح صادر کردے یا مسجد سے باہر نکل کر صادر کرے؟

الجواب: اصح یہ ہے کہ مسجد سے باہر نکل کر صادر کرے، قال فی العالمگیریۃ: سئل ابو حنیفۃ رحمہ اللہ عن المعتکف اذا احتاج الی الفصد والحجامۃ ہل یخرج فقال لا، وفی الاصل واختلف فی الذی یفسو فی المسجد فلم یر بعضہم باسا وبعضہم قالوا لا یفسو ویخرج اذا احتاج الیہ وہو الاصح کذا فی التمرتاشی اھ ص ۲۱۵ ج ۱۔ واللہ اعلم۔

۹ جمادی الاولیٰ سنہ ۴۳ھ

معتکفین کے لیے خارج مسجد نماز ادا کرنے کا حکم

سوال (۲): مسجد کے سامنے جو صحن ہے جس میں موسم گرمی میں نماز مغرب وعشاء ادا کرتے ہیں، لیکن اس کو لوگ نہ داخل مسجد سمجھتے ہیں نہ اس کی حرمت مسجد کی سی کرتے ہیں اور بانی کے طرز عمل سے بھی خارج مسجد ہونا معلوم ہوتا ہے، جب ایسی جگہ جماعت ہو معتکفین تراویح ونوافل ادا کرنے کے لئے وہاں آسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: جب بانی کے طرز عمل سے وہ جگہ مسجد سے خارج ہے تو معتکفین اس جگہ میں نماز نہیں پڑھ سکتے، ورنہ اعتکاف باطل ہو جائے گا۔

معتکف اگر حاجت ضروریہ سے باہر جائے اور وہاں جمعہ کا غسل کرلے تو کیا مسئلہ ہے؟

سوال (۳): معتکفین غسل ما لابد منہ کے سوا اور دیگر غسل خارج مسجد ہو کر کرسکتے ہیں یا نہیں، حاجت ضروریہ طبعیہ یا شرعیہ کے لئے باہر ہونے سے آتے وقت غسل غیر ضروری کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: قال فی رد المحتار ولیس کالمکث بعدها ما لو خرج لهما ای للحاجة الطبعية او الشرعية ثم ذهب لعيادة مريض او صلوة جنازة من غير ان يكون خرج لذلك قصدا فانه جائز كما في البحر عن البدائع اھ ص ۲۱۲ ج ۲ وفيه ايضا ويجوز حمل الرخصة على ما لو خرج لوجه مباح كحاجة الانسان او الجمعة وعاد مريضا او صلى على جنازة من غير ان يخرج لذلك قصدا وذلك جائز اھ وبه علم انه بعد الخروج لوجه مباح انما يضر المكث لو في غير معين لغير عبادة اھ ص ۲۱۳/۲ قلت ولا يخفى ان غسل الجمعة عبادة فلا يضره اذا خرج لحاجة الانسان ان يمكث لغسل الجمعة فافهم۔ حاجت ضروریہ کے لئے نکلنے کے بعد غسل جمعہ معتکف کرسکتا ہے، مگر اس کو چاہیے کہ پہلے کسی خادم یا دوست کے ذریعے غسل کا پانی بھروا کر رکھ لے تاکہ زیادہ دیر نہ ہو، اور اگر کوئی کام کرنے والا نہ ہو تو خود بھی گھڑا بھر سکتا ہے، مگر جہاں تک ممکن ہو جلدی کرے۔

۶ر شعبان

گاؤں میں اعتکاف کرنے والے کے لیے نماز جمعہ کا حکم

سوال (۴): عرض یہ ہے کہ بندہ کا گھر دیہات میں ہے، یہاں کی مسجد میں علاوہ نماز پنجگانہ کے جمعہ کی نماز بھی پڑھی جاتی ہے، گزشتہ رمضان میں بندہ اسی مسجد میں معتکف تھا، چونکہ نماز جمعہ کے وقت عدم مشارکت کے مشابہت منافقین لازم آتی ہے اس خوف سے ابتداء سے اعتکاف ہی میں روز جمعہ کو ۱۱ بجے سے ۲ بجے تک استثناء کرلیا تھا، اس وقت جاکر اپنے گھر میں بیٹھا رہتا تھا اور بعد اس کے

پھر مسجد میں آ جاتا ہوں۔ ایک مولوی صاحب کی مشورت ہی سے کیا تھا، مگر تردد ہے کہ اعتکاف مسنونہ ادا ہو گیا ہے یا نہیں، کیونکہ پورے عشرہ میں تو کچھ نقص رہ گیا ہے، از روئے مہربانی اطلاع فرما کر ممنون فرما دیں؟

دوسری غرض یہ ہے کہ ہماری دیہات سے شہر کی بڑی جامع دو ڈھائی میل کی مسافت پر ہے کیا میں اپنی دیہات کی مسجد میں معتکف ہو کر شہر میں جا کر جمعہ پڑھ سکتا ہوں یا [illegible]

تیسری غرض یہ ہے کہ حالت اعتکاف میں وقت جمعہ میں گھر جا کر ان کے ساتھ بہ نیت نفل جمعہ ادا کر سکتا ہوں یا نہیں، مگر اس سے ایک مفسدہ پیدا ہو جاوے گا کہ دیکھو اب ہمارے ساتھ جمعہ پڑھ رہا ہے اخیر جو مصلحت ہو حضور والا ارشاد فرماویں، بندہ ہمیشہ اگر عذر نہ ہو شہر ہی میں جا کر جمعہ ادا کرتا ہے، ہمارا گاؤں فنائے شہر سے بھی باہر ہے، اس لئے وہاں جمعہ خود بھی نہیں پڑھتا ہوں، دوسروں کو بھی منع کرتا ہوں، مگر لوگ اس طرف کم التفات کرتے ہیں۔

الجواب: قال فی الخلاصۃ: ولا یخرج المعتکف من المسجد الا لحاجۃ طبیعیۃ الخ ص ۲۶۶ ج ۱ وفی الدر المختار وفی التاتارخانیۃ عن الحجۃ: لو شرط وقت النذر ان یخرج لعیادۃ مریض او صلاۃ جنازۃ وحضور مجلس علم جاز ذلک فلیحفظ، قال الشامی: یشیر الیہ قولہ فی النہایۃ وغیرہا عند قولہ ولا یخرج الا لحاجۃ الانسان لانہ معلوم وقوعہا فلا بد من الخروج فیصیر مستثنی، والحاصل ان ما یغلب وقوعہ یصیر مستثنی حکما وان لم یشترطہ وما لا فلا الا اذا شرطہ اھ ص ۲۱۶ ج ۲۔

عبارت خلاصہ سے معلوم ہوا کہ گاؤں میں اعتکاف کرنے والے کو جمعہ کے لئے شہر میں جانا جائز نہیں کیونکہ وہ حاجت لازمہ نہیں، لیکن اگر مستثنی کر لے تو جانا جائز ہے، اور اس صورت میں یہ خروج ویسا ہوگا جیسا خروج لحاجۃ الانسان اور وہ مفسد نہیں تو یہ بھی مفسد نہیں، اور جب اعتکاف فاسد نہ ہوا اور اکثر عشرہ بحالت اعتکاف گذرا تو اعتکاف مسنون ادا ہو گیا لان للاکثر حکم الکل۔ گاؤں میں بہ نیت نفل جمعہ ادا کرنا مقتدی کو جائز نہیں، بہتر یہ ہے کہ جمعہ کے لئے وقت مستثنی کر لیں، اور شہر میں جا کر جمعہ ادا کر لیا کریں۔ واللہ اعلم۔ ۲۲ رمضان سنہ ۴۴ھ

کسی عذر کی بنا پر اعتکاف ترک کرنے کا حکم

سوال (۵) ایک مسافر مولوی صاحب قریب دو سال سے یہاں سکونت فرماتے، اعتکاف کے بارہ میں وعظ یوں فرمایا:

رمضان شریف میں لوگوں کا اعتکاف میں بیٹھنا بہت اچھی بات ہے اگر یہ نہ ہو سکے تو ایک آدمی بیٹھ جائے تو بھی سب کی طرف سے ادا ہو جاتا ہے، لوگ سمجھتے ہیں کہ خود کیوں نہیں بیٹھتے، ہاں ضرور بیٹھ سکتا ہوں مجھے تو بہت خواہش ہے کیا کروں چند وجوہات کے سبب سے نہیں بیٹھ سکتا ہوں، میرے مکان میں ہمراہ رہنے کے لئے کوئی نہیں ہے، یہاں میرے خویش واقربہ میں سے بھی کوئی نہیں، میرے گھر کے سامنے ایک خالی میدان ہے، گھر میں عورت بچے بہت گھبراتے ہیں، اس لئے میں اعتکاف میں نہیں بیٹھ سکتا۔ سائل بھی ان وجوہات کو جو مولوی صاحب نے بیان فرمائے صحیح سمجھتا ہے اور ان کے گھر میں راتوں کو بھی کبھی کبھی چور آکر گرتا بھی سائل کو معلوم ہے، آیا مولوی صاحب نے جو عذر بیان کئے شرع میں یہ مقبول ہوں گے یا نہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب: یہ عذر مقبول ہیں واللہ اعلم، بلکہ اس حالت میں ان کو اعتکاف مناسب بھی نہیں۔ ۲۵ شعبان ۱۳۴۳ھ۔

سحری کھانے کے بعد کلی کرنے کے واسطے معتکف کا مسجد سے باہر جانا

سوال (۹) اعتکاف کی حالت میں سحری کھانے کے بعد کلی کے لئے مسجد سے باہر معتکف گیا، اس وقت مسجد کے اندر بھی پانی موجود تھا، مگر یہ خیال نہ تھا اور نہ اعتکاف کا خیال رہا، مگر کلی کرتے ہی فوراً اپنی جگہ آگیا، اس صورت میں اعتکاف رہا یا نہیں، اور سحری کھانے کے بعد کلی کرنا ضرورت طبعی ہے یا نہیں، اگر اعتکاف ٹوٹ گیا تو اب اس کی قضا ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: سحری کے بعد صائم کے لئے کلی کرنا ضرورت شرعیہ ہے، لما فیہ من صیانۃ الصوم عن بقایا الطعام فی الفم، اس لئے اس کو مسجد سے باہر نکلنا جائز ہے بشرطیکہ مسجد میں پانی موجود نہ ہو، یا کلی کا موقع صحن مسجد سے متصل نہ ہو، اور اگر پانی مسجد کے اندر ہو، اور کلی کی جگہ بھی صحن مسجد سے متصل ہے، اس صورت میں خروج سے اعتکاف نفل ختم ہو جائیگا، وکذلک فی حکم الاعتکاف المسنون، اور اعتکاف واجب یعنی منذور فاسد ہو جائے گا، لما فی مراقی الفلاح فان خرج ساعۃ بلا عذر معتبر (فی عدم الفساد) فسد الواجب وانتہی به غیرہ ای غیر الواجب وہو النفل اھ (ص ۴۰۹، ۳۰۴) پس کلی کے لئے نکلنا خروج بعذر ہے، اور مسجد کے اندر پانی کا موجود ہونا اس عذر کو جب زائل کرتا ہے، جبکہ صائم کو معلوم ہو کہ پانی یہاں موجود ہے، اگر معلوم نہ ہو یا یاد نہ ہو تو اس خروج سے اعتکاف منذور باطل نہ ہوگا، اور اعتکاف نفل ومسنون ختم نہ ہوگا، ہذا ما عندی والعلم عند ربی، واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۴ شوال ۱۳۴۳ھ۔

جو حجرہ جزو مسجد نہ ہو اس میں اعتکاف باطل ہے

سوال (۷) مسجد کی چہار دیواری کے اندر کوئی حجرہ میں عشرہ اواخر کے اعتکاف میں بیٹھ سکتا ہے یا نہیں، یا جامع مسجد کے اندر ہی اعتکاف کر لینا چاہیے؟

الجواب: اعتکاف کے لئے مسجد شرط ہے، بدون مسجد اعتکاف صحیح نہیں ہوتا، قال فی العالمگیریۃ: ومنها ای من الشرائط مسجد الجماعۃ فیصح فی کل مسجد له اذان واقامۃ هو الصحیح کذا فی الخلاصۃ، البتہ جامع مسجد شرط نہیں، بلکہ ہر مسجد میں ہو سکتا ہے جہاں جماعت ہوتی ہو، مگر فقط ایسی حجرہ میں جو کہ مسجد کا جزو نہیں، اعتکاف باطل ہے، البتہ حجرہ جزو مسجد ہو تو اس میں اعتکاف صحیح ہوگا، یعنی محض احاطہ میں ہونا کافی نہیں، بلکہ جزئیت ضروری ہے۔

احقر عبد الکریم عفی عنہ ۱۰ شوال سنہ ۴۳ھ

الجواب صحیح ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۱۰ شوال سنہ ۴۳ھ

معتکف اذان کہنے کے لئے مسجد سے باہر جا سکتا ہے یا نہیں

سوال (۸) معتکف کے لئے اذان کہنے کو اور کوئی جگہ نہ ہونے کی تقدیر پر مسجد سے باہر جانا اعتکاف میں کسی قسم کی خرابی ہے یا نہیں، اس کا جواب صرف نفی یا اثبات میں لکھ دیا، دلیل کی ضرورت نہیں؟

الجواب: اس ضرورت کے لئے مسجد سے نہ نکلے، مسجد پر ہی اذان کہہ دے، ولا یکفیہ الاذان داخل المسجد للنص ورد بہا لا یخفی علی الرائی المصنف النبیہ والشیخ (توفیقہ)، پس اگر اذان کے لئے مسجد سے نکلے گا تو اعتکاف نفل و مسنون ناقص ہو جائے گا، اور اعتکاف واجب باطل ہو جاوے گا۔ ۲۷ رجب سنہ ۴۳ھ

معتکف مسجد میں جہاں چاہے اٹھ بیٹھ سکتا ہے

سوال (۹) معتکف جو گوشہ اپنے لئے مقرر کرے اس کو علاوہ ضروری حاجت کے ہر وقت اس میں ہی رہنا چاہئے، یا مسجد و در فرش مسجد میں بلا ضرورت سونا کھانا بیٹھنا و تلاوت قرآن شریف اور نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: ہر وقت گوشہ میں رہنا ضروری نہیں، بلکہ عبادت نماز و ذکر کے لئے سب جا رہنا بہتر ہے، رہی نشست سو مسجد کے اندر جہاں چاہے اٹھے بیٹھے۔ ۱۵ ذیقعدہ سنہ ۴۵ھ

معتکف کے بارے میں متعدد سوالات پر مشتمل ایک استفتاء

سوال (۱۰) معتکف علاوہ فرض نماز کے نوافل اور تلاوت قرآن و ذکر کے لئے سقاوہ سے جو مسجد کے اندر نہیں، یا [illegible]

اونہیں، سنہ ۴۵ھ میں میں نے دریافت کیا تھا تو آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ وضو خانہ کے نہ ہونے پر وضو کے لئے باہر جا کر پانی لا سکتا ہے، تلاوت اور نفل نماز کے لئے باہر نہیں ہو سکتا۔ اگر باہر سے کیا تو اعتکاف ناقص ہو جائے گا، اور دیوبند کے مفتی صاحب نے اس طرح پانی لانے کو ضرورت میں داخل فرمایا ہے۔

جواب: مفتی صاحب کا جواب صحیح ہے، اور میں بھی یہی فتویٰ دیتا ہوں، نہ معلوم آپ کو اس کے خلاف کس طرح جواب دیا گیا۔ فاستغفر اللہ واتوب الیہ۔ ۲۲ رمضان سنہ ۴۵ھ

سوال: مجھے خیال پڑتا ہے کہ جب میں تھانہ بھون حاضر ہوا تھا تو مسجد میں جو ہدایات معتکف کے لئے تحریر تھیں اس میں تحریر کیا تھا کہ ریح خارج کرنے کے لئے مسجد سے باہر جانا چاہئے تو دیوبند کے مفتی صاحب دریافت کرنے پر تحریر فرماتے ہیں کہ "اخراج ریح کے لئے معتکف کو مسجد سے نکلنا جائز نہیں ہے۔" اس مسئلہ میں جو محقق حکم ہو تحریر فرمایا جاوے۔ اگر میری سمجھ میں نہ آیا ہو تو توضیح فرما دی جاوے؟

جواب: ہمارا دیوبند و سہارنپور سب کا یہی خیال ہے جو مفتی صاحب نے تحریر فرمایا، مگر میں ایک جزئیہ کی بنا پر مسجد میں اخراج ریح کی اجازت معتکف و غیر معتکف کو دیتا تھا، نہیں سمجھتا، لیکن اس وقت مجھے بھی اس مسئلہ میں تردد ہو گیا ہے، تحقیق کر رہا ہوں، تاہم احوط یہی ہے کہ مفتی صاحب کے قول پر عمل کیا جائے۔ تاریخ بالا۔

سوال: معتکف کو مسجد میں خط بنوانا بال کٹوانا کیسا ہے؟

الجواب: جائز ہے جبکہ حجام باہر رہے۔ تاریخ بالا۔

بقیہ سوال: اور غسل کے لئے جانا جبکہ حاجت جنابت نہ ہو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جائز نہیں۔

سوال: معتکف کی طبیعت دوسرے سے پانی لینے کو نہیں چاہتی تو خود مسجد سے باہر ہو کر پانی لینا بہتر ہے یا دوسرے شخص سے لینا؟

الجواب: اگر دوسرے شخص سے بے تکلفی نہ ہو جس سے خدمت لینے سے اپنے اوپر بار یا اس کو گرانی کا شبہ ہو تو خود مسجد سے باہر جا کر پانی لینا اولیٰ ہے، ہاں بے تکلفی ہو تو خروج جائز نہیں۔ واللہ اعلم۔ ظفر احمد عفا عنہ ۲۲ رمضان سنہ ۴۵ھ

عشرۂ اخیرہ کامل کا اعتکاف سنت مؤکدہ ہے

سوال (۱): زید کہتا ہے اعتکاف رمضان یعنی عشرۂ اخیرہ کاملہ کا سنت مؤکدہ ہے، اس سے کم مدت میں سنت ادا نہ ہوگی ہو اس

مولانا عبدالحی صاحب کے رسالہ الانصاف فی حکم الاعتکاف کو دیکھا ہے، عمدہ لکھا ہے کہ کامل دس روز شرط نہیں، بلکہ اقل عشرہ سے بھی سنت ادا ہو جاوے گی اپنے قول کے ثبوت میں خلاصۃ الفتاویٰ کی یہ عبارت پیش کرتا ہے۔ وقال القاضی الامام الاعتکاف فی المسجد الجامع افضل اذا کان یصلی فیہ الصلوات الخمس بالجماعۃ اما اذا لم یکن فالاعتکاف فی مسجدہ افضل کیلا یحتاج الی الخروج عن معتکفہ فان اراد ان یعتکف اقل من سبعۃ ایام یعتکف فی مسجد حیہ وان اراد ان یعتکف فی الجامع الخ

نیز مولانا بحر العلوم کے رسائل الارکان کو دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اعتکاف مذکور سنت مؤکدہ نہیں، بلکہ مندوب محض ہے، جیسا کہ ان کی یہ عبارت شاہد ہے۔ واعلم انہ لا شک فی مواظبۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی اعتکاف العشر الاواخر من شہر رمضان لکن قد ثبت من الصحابۃ العظام ترک الاعتکاف ومنہم الخلفاء الراشدون فللاعتکاف نوع اختصاص بہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو انہ یلقی جبرئیل فیہ او القرآن ومدارسۃ القرآن جبرئیل کانت مختصۃ بہ صلی اللہ علیہ وسلم فلہذا یکون للاعتکاف اختصاص بہ صلی اللہ علیہ وسلم فترک الاعتکاف من الائمۃ لا یلحقہم الاساءۃ ولو کان صلی اللہ علیہ وسلم لا یترک الاعتکاف کما یترکہ فی غیرہ من السنن ولا یعیب واحدا من الصحابۃ علی ترک الاعتکاف فالاعتکاف اما سنۃ مختصۃ بہ صلی اللہ علیہ وسلم غیر مؤکدۃ علی الامۃ بل ہی فی حقہم مثل السنن الغیر المؤکدۃ او کان واجبا علیہ صلی اللہ علیہ وسلم حتما نفعلہ لامتثال الوجوب فلا یکون علی الامۃ سنۃ بل مندوبا محضا وہذا غیر بعید الخ

حضور والا کے نزدیک اقوال مذکورہ بالا سے کونسا قول راجح ہے؟

الجواب: صحیح یہی ہے کہ تمام عشرہ اخیرہ کا اعتکاف سنت مؤکدہ ہے علی الکفایہ۔ جیسا مراقی الفلاح، عالمگیریہ، شامی وغیرہ میں ہے، اور خلاصۃ الفتاویٰ کی عبارت مندرجہ سوال سے عشرہ کا مقصود کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتا ہے، اس عبارت کو مقصود مجیب سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس عبارت کا تو محض یہ منشا ہے کہ اگر سات روز سے کم کا اعتکاف کرے اور ان ایام میں جمعہ نہ واقع ہوتا ہو کہ ہو الظاہر، تب تو مسجد محلہ میں اعتکاف افضل ہے۔ اور اگر سات روز یا اس سے زائد کا اعتکاف کرنا ہو یا سات روز سے کم کا اعتکاف ہو مگر

ان ایام میں جمعہ واقع ہوتا ہو تو جامع مسجد میں اعتکاف کرنا افضل ہو، کیونکہ اس صورت میں مسجد محلہ سے جمعہ کے لئے جانا پڑے گا۔ اور معتکف سے نکلنا خلاف اولیٰ ہے۔ اس عبارت میں اس کا ذکر بالکل نہیں کہ کتنے دن کا اعتکاف مسنون ہے۔ اس سے یہ کیسے سمجھ لیا کہ سات روز سے کم کا اعتکاف کرنے سے سنت ادا ہو جاوے گی۔ اور سوال ثالث کی تقریر کا جواب شامی نے عنایہ سے نقل کیا ہے کہ مواظبت بلا تکیر سے بھی سنت ثابت ہو جاتی ہے اور اگر مواظبت مع الانکار علی التارک ہو تب اس سے وجوب ثابت ہوتا ہے۔ (ص ۲۰۸، ج ۲) اور جب سنت کفایہ کہا جاوے تو یہ اعتراض بالکل ہی عائد نہیں ہو سکتا کیونکہ ممکن ہے کہ کسی نے بھی اعتکاف نہ کیا ہو نہ تکیر کی نوبت آئی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ احقر عبد الکریم گمتھلوی عفی عنہ، خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون، ۱۱ ربیع الاول ۴۶؁ھ

سررت بجواب فقیہ اولی من افقہ او نصیب ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۱۱ ربیع ۱ ۴۶؁ھ

معتکف کے متعلق متعدد سوالات

سوال (۱۲): قادی ۔ در رمضان مبارک۔

بہشتی ایک استفتاء زید جس مسجد میں معتکف ہے وہاں سے ایک جامع مسجد تو قریب ہے اور دوسری کچھ فاصلہ پر ہے، اور زید کا معمول پہلے سے بعید کی مسجد میں نماز جمعہ پڑھنے کا تھا، کیا زید اب حالت اعتکاف میں قریب کی مسجد کے ہوتے ہوئے اپنی کسی مصلحت سے بعید کی مسجد میں نماز جمعہ کے لئے جا سکتا ہے؟

الجواب: اس کا جزئیہ تو نظر سے نہیں گزرا، لیکن عالمگیریہ میں ہے: وان کان له بیتان قریب وبعید قال بعضهم لا یجوز ان یمضی الی البعید فان مضی بطل اعتکافه کذا فی السراج الوهاج۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ مسئولہ میں اختلاف ہے اور احتیاط اسی میں ہے کہ مسجد قریب میں جاوے۔ واللہ اعلم۔ ۷ رمضان ۴۶؁ھ

بقیہ سوال: اور کیا زید کو وعظ سننے کی غرض سے جامع مسجد میں کچھ دیر ٹھہر جانا جائز ہے؟

جواب: مکروہ ہے، اور بہتر یہ ہے کہ بعد فراغ سنن جمعہ اپنی مسجد میں چلا آوے۔ تاریخ بالا۔

بقیہ سوال: وما المعتکف ان نوی ذلک ای صلوة الجمعة فی المسجد البعید واستماع الوعظ وقت اعتکافه؟

الجواب: اگر نیت کر لی ہو تو پھر مسجد بعید میں جمعہ پڑھنے اور وعظ کے لئے ٹھیرنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ تاریخ بالا۔

بقیہ سوال: هل للمعتكف الخروج من معتكفه للوضوء للنوافل؟

الجواب: بلا ضرورت محض خروج خلاف احتیاط ہے، ہاں جو حیلہ غسل جمعہ میں آئندہ لکھا ہے وہ یہاں بھی ہو سکتا ہے۔ تاریخ بالا۔

بقیہ سوال: غسل جمعہ ضرورت شرعیہ میں داخل ہے یا نہیں؟

الجواب: غسل جمعہ کے لئے خروج من المسجد جائز نہیں، فقط غسل احتلام کے واسطے باہر جانا جائز ہے، البتہ غسل جمعہ کے لئے (بعض علماء کے نزدیک) یہ صورت جائز ہے کہ جب استنجاء وغیرہ کے لئے باہر نکلے تو طہارت کے وقت طہارت کاملہ یعنی غسل کر لے۔

احقر عبد الکریم عفی عنہ از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون، ۶ رمضان سنہ ۴۳ھ

الجواب صحیح۔ ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔ ۶ رمضان سنہ ۴۳ھ

متعلق اعتکاف نذر کردہ مثل
پر چند سوالات۔

سوال (۱۲) معتکف اپنے گھر آ کر کھانا کھا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: معتکف کو کھانے کے واسطے گھر جانا جائز نہیں ہے، بلکہ مسجد ہی میں منگا کر کھانا چاہئے، البتہ اگر کوئی لانے والا نہ ہو تو مجبوری کو خود جا کر کھانا لے آوے اگر فوراً واپس آ جاوے اور مسجد ہی میں کھاوے، بدون سخت مجبوری کے کھانا لانے کے واسطے بھی ہرگز نہ جاوے۔ ۱۲ رمضان سنہ ۴۳ھ۔

سوال: معتکف ضرورۃً اپنے گھر آ رہا ہو اور راستہ میں کوئی آدمی اس سے بات کرنا چاہے تو جواب دے سکتا ہے یا نہیں یا خاموش چلا جاوے؟

الجواب: جب استنجاء وغیرہ کی ضرورت سے باہر نکلا ہو تو بولنے میں مضائقہ نہیں، مگر بات چیت کے لئے کھڑا نہ ہو، البتہ رفتار سست کر دینے کی گنجائش ہے، واللہ اعلم۔ تاریخ بالا۔

سوال: کیا معتکف اپنے گھر آ کر نہا سکتا ہے؟

الجواب: غسل اگر واجب ہو گیا ہو تو مسجد ہی کے غسل خانہ میں نہا لے ورنہ بدون احتلام کپڑے بدلنے وغیرہ کے واسطے نہانے کی اجازت نہیں۔ تاریخ بالا۔

عہ حضرت تھانوی مدظلہ العالی اس صورت سے بھی منع فرماتے ہیں اور ہو الاقرب الی الاحتیاط، واللہ اعلم ۱۲ منہ

سوال: نوافل وغیرہ کے لئے بار بار وضو کے لئے وضو خانہ میں جانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: نوافل کے لئے بھی وضو کرنے کے واسطے باہر جا سکتا ہے، لیکن یہ جب ہے کہ فرش کے کنارہ پر وضو ممکن نہ ہو، اگر وہاں وضو کی جگہ ہو اور پانی بھی کنارہ پہ گھڑے وغیرہ میں وہاں رکھ سکتا ہو تو فرض اور نفل سب کے واسطے یہی انتظام کرنا چاہئے۔ تاریخ بالا۔

سوال: اپنے گھر ضرورۃً آیا ہو تو اپنی ڈاک کا بکس کھول کر خطوط لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: گھر فقط استنجے کی ضرورت سے جا سکتا ہے، وہ بھی جبکہ گھر سے قریب تر کوئی جگہ ایسی نہ ہو جہاں پر استنجا کر سکے، اور استنجے سے قبل یا بعد کسی کام کے واسطے ٹھہرنے کی بالکل اجازت نہیں، فقط۔ واللہ اعلم۔ احقر عبدالکریم گمتھلوی۔

الاجوبۃ صحیحۃ، ظفر احمد عفا عنہ، ۱۳؍ رمضان ۴۶ھ

اعتکاف میں مسجد کی خدمت کرنا

سوال (۱۴) حالتِ اعتکاف میں مسجد کی خدمت کرنا اور اذان واقامت کہنا کیسا ہے؟

الجواب: معتکف کو مسجد کی خدمت کرنا اور اذان وتکبیر پڑھنا ایسا ہی ہے جیسا کہ غیر معتکف کو، لیکن خدمت ایسی نہ ہو جس میں مسجد سے باہر جانا پڑے۔ ۱۵؍ رمضان سنہ۔

حالتِ اعتکاف میں ورزش اور خط کا جواب تحریر کرنا

سوال (۱۵) جو شخص ورزش کرنے کا عادی ہے حالتِ اعتکاف میں کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: باہر جانا جائز نہیں، اور مسجد میں ورزش خلافِ ادب ہے، لہٰذا زمانۂ اعتکاف میں اس کو ترک کر دیں، اگر تکلیف ہو اور تکلیف زیادہ ناقابلِ برداشت ہو تو بمجبوری خلوت کے وقت کر لیا کریں۔ تاریخ بالا۔

سوال: اپنے خطوط یا دیگر شخص کا خط تحریر کرنا چاہیں تو تحریر کرنا کیسا ہے؟

الجواب: خط لکھنے میں مضائقہ نہیں، خواہ اپنا ہو یا دوسرے کا۔ احقر عبدالکریم

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ۔ ۱۵؍ رمضان۔

جس کو ریح اور بواسیر کا عارضہ ہو مسجد میں اعتکاف کر سکتا ہے یا نہیں

سوال (۱۶) زید ہمیشہ آخر عشرۂ رمضان شریف میں معتکف ہوا کرتا ہے، مگر ریح یا بواسیر کا عارضہ ہونے سے وضو قائم نہیں رہتا، اور مسجد میں بعض وقت ریح کو تھامنا یا خارج نہ کرنا تکلیف دہ ہوتا ہے، کیا ایسے شخص کو اعتکاف بمسجد جائز ہے؟

الجواب: جائز ہے، مگر ریح خارج کرنے میں اختلاف ہے، بعض نے کہا ہے کہ مسجد میں خروج ریح کا مضائقہ نہیں، اور بعض نے کہا ہے کہ جب ضرورت ہو مسجد سے باہر چلا جاوے جیسا کہ پیشاب پاخانہ کے واسطے جاتا ہے۔ کما فی العالمگیریۃ (ص ۲۱۵ ج ۲) واختلف فی الذی یفسو فی المسجد فلم یر بعضہم بأسا وبعضہم قالوا لا یفسو ویخرج اذا احتاج الیہ وھو الاصح کذا فی التمرتاشی اھ۔ اس لئے اخراج ریح کے واسطے باہر جانا بھی معتکف کو جائز ہے، اور جب دونوں طرف گنجائش ہے تو حسب موقع دونوں قول پر عمل کی گنجائش ہے، یعنی جب اخراج ریح فی المسجد سے لوگوں کی ایذا کا احتمال ہو تو باہر چلا جانا چاہیے، اور جب بار بار جانے میں دقت ہو تو باہر نہ جانا بھی جائز ہے، اس طرح دونوں روایتیں جمع بھی ہو گئیں۔ واللہ اعلم۔

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون مورخہ ۲ شعبان [illegible]

کتاب الحج

(فصل فیمن یفترض علیہ الحج)

معذور لیکن صاحب استطاعت شخص کے حج کا حکم

سوال (۱۸): زید پیروں سے معذور ہے، تھوڑی دور بھی مشکل سے چل سکتا ہے، استطاعت ہے، اس لئے حج کا ارادہ رکھتا ہے، ایک آدمی ساتھ رکھنا ہوگا جس کو صرف زید کو دینا ہوگا، الغرض استطاعت تو کرایہ آدمی کے خرچ کو برداشت کرے گا، ایسی معذوری میں بھی زید پر حج فرض ہے یا نہ؟

الجواب: قال فی العالمگیریۃ ومنہا سلامۃ البدن حتی ان المقعد والزمن والمفلوج ومقطوع الرجلین لا یجب علیہم حتی لا یجب علیہم الاحجاج وان ملکوا الزاد والراحلۃ ولا الایصاء فی المرض ھذا ظاھر المذھب عن ابی حنیفۃ وھو روایۃ عنہما وظاھر الروایۃ عنہما انہ یجب علیہم فان احجوا اجزاھم ما دام العجز مستمرا فان زال فعلیہم الاعادۃ بانفسہم وظاھر ما فی التحفۃ اختیارہ وانہ اقتصر علیہ لکن الاسبیجابی وقواہ المحقق فی فتح القدیر والاعمی اذا ملک الزاد والراحلۃ ان لم یجد قائدا لا یلزمہ الحج بنفسہ

فی قولهم وهل یجب الاحجاج بالمال فعن ابی حنیفۃ رح لا یجب وعنهما یجب و ان وجد قائدا عن ابی حنیفۃ رح لا یجب الحج بنفسه وعن صاحبیه فیه روایتان ولو ملک الزاد والراحلۃ وهو صحیح البدن ولم یحج حتی صار زمنا او مفلوجا لزمه الاحجاج بالمال بلا خلاف اھ ملخصا (ص ۱۳۱ ج ۱) صورت مذکورہ میں زید پر خود حج کرنا فرض نہیں لیکن حج بدل کرا دینا ضروری ہے، لیکن بعد میں اگر تندرست ہوگیا تو دوبارہ خود حج کرنا پڑے گا، اور اگر خود حج کو چلا جاوے یہ بہت ہی بہتر ہے، واللہ اعلم۔

جس پر جائیداد زیادہ ہو اور نقد روپیہ نہ ہو اس پر وجوب حج کا حکم

سوال (۲) جس شخص کے پاس زمین زیادہ ہے اور روپیہ نقد موجود نہیں، اس کے ذمہ حج فرض ہے یا نہیں یعنی ایسے شخص کو زمین فروخت کر کے حج کرنا فرض ہے یا نہیں، مثلاً ایک شخص ہو، اس کے پاس پانچ ہزار روپیہ نقد موجود ہو اور دوسرے کے پاس زمین دس ہزار روپیہ کی ہے اور نقد روپیہ نہیں ہے، اب فرمایئے کہ ان میں کس کے ذمہ حج فرض ہے، یا دونوں کے ذمہ حج کرنا فرض ہے؟

(۲) ایک شخص کے پاس پانچ ہزار روپیہ کا سامان دکان میں موجود ہے، اس پر حج فرض ہے یا نہیں؟

(۳) ایک شخص کے پاس چار ہزار روپیہ کے مویشی ہیں اس پر حج فرض ہے یا نہیں؟

(۴) ایک شخص کے پاس پانچ ہزار روپیہ کا غلہ موجود ہو اس پر حج کرنا فرض ہے یا نہیں؟

الجواب: جس شخص کے پاس اتنی زیادہ زمین ہو کہ اس کا ایک ٹکڑا مصارف حج کے لئے فروخت کرنے کے بعد بھی اتنی زمین باقی رہے جو اس کے اور اہل وعیال کے تعیش کے لئے کافی ہے تو ایسے شخص کے ذمہ اپنی زمین کا کچھ حصہ حج کے لئے فروخت کرنا لازم ہے، اور اس پر حج فرض ہو، اور اگر مصارف حج کے واسطے ایک ٹکڑا بیع کرنے کے بعد باقی زمین اس کے اور اس کے اہل وعیال کے گذارہ کو کافی نہیں رہتی، تو اس حالت میں اس پر حج فرض نہیں، اور زمین کا فروخت کرنا فرض ہے، قال فی غنیۃ الناسک وان کان له من الضیاع ما لو باع مقدار ما یکفی الزاد والراحلۃ یبقی بعد رجوعه من ضیعته قدر ما یعیش بغلته الباقی یفترض علیه الحج والا فلا کذا فی الخانیۃ اھ (ص ۷) ۲۱ رصفر ۴۳ھ

جواب سوال نمبر ۲ و ۳ و ۴: قال فی غنیۃ الناسک: السادس الاستطاعۃ وهی القدرۃ علی زاد یلیق بحاله فاضلا عن الحوائج الاصلیۃ المذکورۃ فی الزکوٰۃ کمسکنه وعبید خدمته وفرسه المحتاج الی رکوبه ولو احیانا ومرمۃ مسکنه

ورأس مال حرفته إن احتاجت لذلك، وآلات حرثه من البقر ونحو ذلك إن كان حراثاً أكاراً، ورأس مال التجارة إن كان تاجراً يعيش بالتجارة، والمراد ما يمكنه الاكتساب به قدر كفايته وكفاية عياله لا أكثر لأنه لا نهاية له۔ رد المحتار ص ۲)۔ وفيه أيضاً وإن كان له مسكن فاضل لا يسكنه أو عبد لا يستخدمه أو متاع لا يمتهنه أو كتب لا يحتاج إلى استعمالها أو كرم زائد على قدر النفقة بها ونحو ذلك مما لا يحتاج إليها يجب بيعها إن كان به وفاء بالحج اھ

پس جو شخص کے پاس بجز ایسا سامان کے جو دکان میں ہو، اگر اس میں سے بقدر مصارف حج کے فروخت کر کے اتنا سرمایہ باقی رہے کہ اس میں تجارت کر کے یہ شخص مع اہل و عیال کے متوسط حال سے گذر کر سکے تو بقدر مصارف حج کے سامان کا بیچ کرنا لازم ہے، اور اس پر حج فرض ہو، اور اگر باقی میں تجارت کر کے گذر نہ ہو سکے تو واجب نہیں بشرطیکہ اس شخص کا گذر تجارت ہی پر ہو، اور جس شخص کے پاس چار ہزار کے مواشی ہیں تو اگر یہ شخص کاشتکار یا زمیندار ہے اور یہ مواشی سب کے سب کھیتی کے کام میں مشغول ہیں یا بار برداری یا سواری کے ہیں اور گاڑی کی سواری کے کام میں آتے ہیں تو اس حالت میں اس پر حج فرض نہیں، نہ ان مواشی کا بیچنا لازم ہے، اور اگر یہ جانور دودھ پینے کے ہیں، اور اس کے اہل و عیال کا گذر ان کے دودھ ہی پر ہے، اس کے سوا اور کوئی صورت معاش کی نہیں، نہ زمین کا غلہ ہے اور نہ کچھ تب بھی اس پر ان کا بیچنا لازم نہیں بشرطیکہ اگر مصارف حج کے لئے بعض کو فروخت کیا جائے تو باقی مواشی سے گذارہ نہ ہو سکے، اور نہ حج فرض ہے، اور اگر اس کی معاش ان جانوروں کے دودھ پر موقوف نہیں یا موقوف ہو لیکن ان میں سے بقدر مصارف حج کے ایک دو یا زیادہ جانوروں کے فروخت کرنے کے بعد باقی ماندہ مواشی گذارہ کو کافی ہیں، یا یہ جانور تجارتی ہیں اور ان کی تجارت پر اس کا گذر موقوف نہیں یا موقوف ہے، مگر مصارف حج کے لئے ایک دو یا زیادہ کو بیع کرنے کے باقی ماندہ کی تجارت سے گذر کو کافی ہے، تو بقدر حج کے ایک دو یا زیادہ جانور کو بیع کر کے اس پر حج کرنا فرض ہوگا۔

رہا غلہ جو یا بجز اس کے ہو تو اگر یہ سارا غلہ صرف کھانے ہی کے صرف میں آتا ہے تب تو حج فرض نہیں، اور اگر کچھ کھایا جاتا ہے باقی بیچا جاتا ہو تو جتنا ضرورت سے زائد ہو اس کو بیع کر کے حج کرنا فرض ہوگا، اگر وہ زائد غلہ فروخت ہونے کے بعد زاد و راحلہ و مصارف حج کو کافی ہو۔ واللہ اعلم

از تھانہ بھون، ۲۱ صفر ۴۵ھ

تعمیر مکان سے حج فرض مقدم ہے

سوال (۱۳) زید کو جائز طور سے اس قدر رقم نقد ملی کہ فقط حج بیت اللہ کر سکتا ہے، مگر حال یہ ہے کہ اس کا گھر بھی کھنڈر پڑا ہے، تو زید پر اول حج بیت اللہ ادا کرنا فرض ہے یا گھر بنانا۔

الجواب: قال فی العالمگیریة وان لم یکن مسکن وعنده دراهم یبلغ به الحج ویبلغ ثمن مسکن وخادم وطعام وقوت فعلیه الحج فان جعلها فی غیر الحج اثم کذا فی الخلاصة (ص ۱۳۰ ج ۱) صورت مسئولہ میں اس شخص پر حج فرض ہے اس رقم کو مکان میں لگانا جائز نہیں بشرطیکہ یہ رقم مکہ کی آمد ورفت کے لیے کافی ہو اور اس مدت کے لیے اہل وعیال کو نفقہ بھی دے سکے۔ واللہ اعلم

۱۴ رمضان سنہ ۴۳ھ از تھانہ بھون

اگر کسی کے پاس مقدار فرضیت حج مال نہ ہو مگر صاحب جائداد ہو اور جائداد فروخت کر کے حج کر سکتا ہو تو اس پر حج فرض ہے یا نہیں

سوال (۱۴) یہ ہے کہ میری اہلیہ اپنا حج فرض پہلے ادا کر چکی ہے اب اس مرتبہ اگر وہ اپنے مرحوم لڑکے کی طرف سے حج بدل کی نیت کر لیں تو کچھ کراہت تو نہیں ہے، میرے لڑکے مرحوم کی بائیس سال کی عمر تھی اور کچھ جائداد بھی اس کے نام اس کی نانی صاحبہ نے کر دی تھی جس کی آمدنی اس کے خورد ونوش واخراجات ضروری کی کفیل نہیں ہو سکتی تھی مگر قیمت اس کی اس قدر ضرور تھی اس کو فروخت کر کے وہ بآسانی حج کر سکتا تھا ایسی صورت میں اس کے ذمہ حج فرض ہو گیا یا نہیں؟

الجواب: فی العالمگیریة (ص ۱۳۲ ج ۱) وان کان صاحب ضیعة ان کان له من الضیاع ما لو باع مقدار ما یکفی الزاد والراحلة ذاهبا وجائیا ونفقة عیاله واولاده ویبقی له من الضیعة قدر ما یعیش بغلة الباقی یفترض علیه الحج والا فلا۔ اس سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں اگر اس کے پاس اس جائداد کے علاوہ مقدار فرضیت حج مال نہ تھا تو حج فرض نہ ہوا تھا۔

احقر عبد الکریم عفی عنہ، ۲۸ شعبان سنہ ۴۳ھ۔

الجواب صحیح۔

ظفر احمد عفا اللہ عنہ از تھانہ بھون۔

۲۸ شعبان سنہ ۴۳ھ۔

ایضاً سوال (۵) ایک عورت جس کے نان ونفقہ کا متکفل اس کا شوہر ہے اور اس عورت کے پاس ایک مکان ہے جس کا کرایہ بھی گھر کے اخراجات میں صرف ہو جاتا ہے اور کچھ نہیں ہے ایسی صورت میں عورت کو اپنا مکان بیچ کر حج کرنا فرض ہے یا نہیں؟ اور مکان کی حیثیت آٹھ یا دس ہزار روپیہ ہے۔

الجواب: اور جب عورت کا نفقہ شوہر پر ہے اور دوسرے کسی شخص کا نفقہ اس کے ذمہ نہیں، تو یہ مکان حاجت اصلیہ سے زائد ہے اس لئے حج کرنا اس کے ذمہ فرض ہے۔ وفی العالمگیریة ([illegible]) وفی التجرید ان کان له دار لا یسکنها وعبد لا یستخدمه فعلیه ان یبیعه ویحج به وفیه ایضا بعد اسطر: وان کان صاحب ضیعة ان کان له من الضیاع ما لو باع مقدار ما یکفی الزاد والراحلة ذاهبا وجائیا ونفقة عیاله واولاده ویبقی له من الضیعة قدر ما یعیش بغلة الباقی یفترض علیه الحج والا فلا وفیه ایضا والعیال من یلزمه نفقته کذا فی البحر الرائق۔

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ۔

الجواب صحیح۔

احقر ظفر احمد عفا عنہ، ۳ محرم ۵۳ھ۔

اولاد ادائے قرض کا وعدہ کرے تو مدیون باپ کو حج پر جانا جائز ہے

سوال (۶) میں کاروبار بزازی کا کرتا ہوں میرے ذمہ قرضہ بارہ سو روپیہ ہے اور مال دو ہزار کا ہے۔ علاوہ مکانات زائد از رہائشی کے میری والدہ میرے فریضۂ حج کو اس طرح پر منظور کرتی ہے کہ تم حج کو چلے جاؤ ہم قرضہ ادا کر دیں گے کیا اس طرح پر شریعت مجھے اجازت ادائے فریضہ کی دے سکتی ہے بوعدہ فردائی کہ وقت روانگی تک قرضہ ادا ہو جائے۔

میری زوجہ عمر رسیدہ اور دائم المریض ہے اس کا بھی اصرار ہے کہ مجھے بھی لیکر چلو ورنہ میں اجازت نہیں دیتی، اس حال میں کہ خرچ آمد و رفت ایک کا کافی ہے۔ دوسری عورت کا خرچ بہ نسبت مرد کے زیادہ ہوتا ہے پس کیا عورت کی اجازت کا مرد شرعی طور پر ادائے فریضہ حج کے لئے پابند ہو؟

الجواب: ہاں اس صورت میں سائل کو حج کے لئے چلا جانا چاہئے اور قرضخواہوں کا اطمینان کر جائے کہ میری اولاد تمہارے قرض کا انتظام کرے گی اگر والدہ کا وعدہ سچا ہو گئے۔ مرد حج کے بارہ میں بیوی کی اجازت کا پابند نہیں ہاں یہ ضروری ہے کہ اس کے لئے واپسی تک نفقہ

کا انتظام کر جائے۔ واللہ اعلم۔

۲۵ رجب ۵۳ھ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

مہر مؤجل مانع وجوب حج نہیں ہے

سوال (۷): کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو غصہ کی حالت میں یہ لکھ دیا کہ تم اپنے میکہ سے ایک ہفتہ کے اندر نہ آئی یا میرا زیور نہ بھیجا تو تم پر ایک طلاق ہے چنانچہ وہ نہ آئی اور نہ زیور بھیجا اور معتبر ذریعہ سے یہ معلوم ہوا کہ اس کو خط نہیں ملا تو کیا اس پر ایک طلاق دینے سے طلاق ہوگئی اور کیا ایک طلاق سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیئے؟

کیا موجودہ صورت میں مستفسر حج کو جا سکتا ہے بغیر رفع منعہ کئے ہوئے عورت کے اور رضا کر دے اور مہر نہ دے کیونکہ اس کے پاس صرف ہزار روپیہ ہے کہ حج کر سکے مہر ادا نہیں کر سکتا اس کی دو لڑکیاں بھی ہیں تو کتنا حصہ مہر میں سے اس کو دیا جائے گا۔

الجواب: --------------------

حج کو جانے کے لئے عورت کا راضی کرنا یا اس کا راضی ہونا شرط نہیں ہے۔ اگر حج فرض ہو ورنہ مہر ادا کرکے جانا ضروری ہے۔ جبکہ نکاح باقی ہو اور مہر مؤجل ہو بلکہ عورت کو واپسی تک نان و نفقہ دے کر جانا واجب ہے۔ ہاں نکاح ٹوٹ چکا ہو اور عورت مہر کا مطالبہ کرے تو حج سے دین مہر ادا کرنا مقدم ہے۔ اور یہ تفصیل اس وقت ہے جبکہ دین مہر کو دوسرے قرضوں کی برابر سمجھا جاتے بلکہ اس کی طرف سے بے التفاتی ہو جیسا کہ عام اہل ہند کی عادت ہے تو گویا دین مہر وجوب زکوٰۃ و حج کے منافی نہیں الا بوقت طلاق و مطالبہ زن۔ اور جو شخص دین مہر کو بھی دیون الناس کی طرح سمجھتا ہو اور اس کی ادائی کی فکر بھی ہو اور حسب ہمت قلیل و کثیر ادا کرتا ہو اس پر حج اس وقت تک فرض نہ ہوگا جب تک دین مہر ادا نہ ہو جائے یا اتنی رقم اس کے پاس جمع ہو جائے جو ادائے دین مہر کے بعد مصارف حج و نفقہ اہل و عیال کو تا واپسی کافی ہو۔ واللہ اعلم۔

۱۹ رمضان شریف۔

نابالغ لڑکے اور دوسری عورتوں کے ساتھ سفر حج پر جانا جائز نہیں

سوال (۸): ایک عورت حج کو جانا چاہتی ہے مگر کوئی اس کا محرم نہیں ہے شوہر اور سب محرم مر گئے صرف اکیلی عورت ہے اور ایک لڑکا لے پالک ہے لڑکے کا سن ۱۰ برس کا ہے عورت کی عمر بھی ۵۰ برس کی ہے عورت پر حج فرض بھی ہے کیونکہ خدا نے حج بھر کو روپیہ بھی دیا ہے پالے ہوئے لڑکے کے ساتھ حج کو جا سکتی

ہے یا محلہ کی عورت اپنے محرم کے ساتھ جاتی ہو تو یہ عورت بھی اس عورت کے ساتھ جا سکتی ہے یا نہیں یا مرنے پر حج بدل کرا دے کیونکہ اگر عورت مر گئی تو اس کا حج بدل کوئی نہیں کرائے گا تینوں مسئلوں کا جواب براہ مہربانی بہت جلد روانہ فرمائیں آپ ہی کے مسئلہ پر اس عورت کا بہت اعتقاد ہے

الجواب: صورت مسئولہ میں اس مسماۃ کو اپنی طرف سے حج بدل کرا دینا چاہئے، اپنے لے پالک کے ساتھ یا بہن یا بہنوئی کے ساتھ جانا جائز نہیں لیکن اس وقت کا حج بدل کرایا ہوا اس شرط کے ساتھ معتبر ہوگا کہ عمر بھر کوئی محرم نہ ملے اور اگر کسی وقت محرم مل گیا مثلاً نکاح کر لیا اور شوہر ساتھ چلنے پر راضی ہوا اور اس وقت بھی روپیہ بقدر حج عورت و محرم موجود ہوا یا جمع ہو گیا تو حج دوبارہ کرنا پڑے گا قال فی الشامیۃ تحت قول الدر ما ھذا اذا کان العجز کالحبس والمرض یرجی زوالہ وان لم یمکن کذلک کالعمی والزمانۃ سقط الفرض بحج الغیر عنہ فلا اعادۃ مطلقاً سواء استمر بہ ذلک العذر ام لا اھ ملخصہ ومن العذر الذی یرجی زوالہ عدم وجود المحرم ---------- محرما ان دام عدم المحرم الی ان مات فیجوز کالمریض اذا احج ودام المرض الی ان مات اھ (ص ۳۹۰ ج ۲)

تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ ۸ رمضان ۲۶ھ

مسئلہ وجوب حج علی الفور اور یہ کہ حج واجب ہونے کے بعد رقم حج کو ضروریات میں صرف کرنا جائز نہیں ہے

سوال (۹): خدمت عالی میں عرض ہے کہ فی الحال فریضۂ حج کی ادائیگی سے بوجہ مالی حالت اس قابل نہ ہونے کے معذور ہوں حالات اس قسم کے ہیں جن کی تفصیل دشوار طویل ہونے کی وجہ سے عرض نہیں کی گئی کہ مجھ کو ایک مختصر اور قابل گزر مکان بنانے کی شدید ضرورت لاحق ہو گئی ہے۔ لہذا عرض یہ ہے کہ اگر ضرورت سے مجبور ہو کر مکان بنا لوں اور اس کے بعد جس وقت بھی مالی حالت اس قابل ہو جائے حج کروں تو شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ حضور والا مطلع فرما کر ممنون فرما دیں۔ فقط والسلام ورحمۃ اللہ۔

الجواب: حج میں مختار قول یہ ہے کہ واجب ہونے کے بعد علی الفور واجب ہے پس اگر آپ پر حج واجب ہو چکا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ سال گذشتہ میں یا اس سے پہلے کسی سال میں حج کے وقت[1] آپ کے پاس حج کرنے کے لئے کافی رقم موجود تھی تو اب اس رقم کو مکان میں صرف

---

[1] حج کا وقت ہندوستانیوں کیلئے شوال کے مہینہ سے شروع ہوتا ہے والتفصیل وتحقیقہ فی رد المحتار ص ۱۳ ظ

کرنا جائز نہیں اور اگر حج کے وقت میں کسی سال کے اندر رقم جمع نہ تھی بلکہ اس سال رقم وقت حج کے بعد جمع ہوئی ہے یا ہمیشہ حج کے وقت سے پہلے جمع ہوئی اور وقت سے پہلے ہی صرف ہو جاتی تھی تو اس صورت میں اس رقم کو مکان میں لگا دینا جائز ہے قال فی الغنیۃ ومن لا مسکن له ولا خادم وهو محتاج اليهما وله مال يكفيه لقوت عياله من ذهابه الى ايابه وله مال يبلغه فليس له صرفه اليهما ان حضر وقت خروج اهل بلده بخلاف من له مسكن يسكنه وخادم يخدمه لا يلزمه بيعهما لانه لا يتضرر بترك شراء المسكن والخادم بخلاف بيع المسكن والخادم فانه يتضرر به لباب وغيره وفيه ايضا فان ملك المال قبل الوقت فله صرفه حيث شاء لكن ان صرفه على قصد الحيلة لاسقاط الحج يكره عند محمدؒ ولا بأس به عند ابي يوسفؒ وان ملكه في الوقت فليس له صرفه الى غير الحج على القول بالفور فلو صرفه لا يسقط عنه الوجوب على القولين وان ملك في الوقت لا يقدر على اداء الحج قال القاري في منسكه و الاظهر انه لا يجب وعليه الفتوى كبير اهـ وفيه ايضا على الفور في اول سني الوجوب وهو اول سني الامكان على القول الاصح عندنا وهو قول ابي يوسف واصح الروايتين عن ابي حنيفةؒ مقدم على الحوائج الاصلية كمسكنه وخادمه والتزوج الى ان قال فان اخره الى العام الثاني بلا عذر (اي محتج شرعاً وليس المسكن منه) يأثم لترك الواجب. فقط۔

۹؍ جمادی الثانی سنہ ۳۲ھ

ادائے حج سے قبل زیارت روضۂ اقدس کا حکم

سوال (۱۰) سفر حرمین شریفین کے وقت حاجی لوگ ایک تو حج سے آگے یعنی پہلے حج سے مدینہ منورہ کی زیارت کرکے پیچھے حج کر کے وطن واپس جاتے ہیں اور ایک حاجی تو اول حج ادا کرکے پیچھے مدینہ شریف کی زیارت کو جاتے ہیں۔ اس میں سوال کا مطلب یہ ہے کہ حج سے پہلے مدینہ طیبہ یا حج سے پیچھے مدینہ عالیہ کے جانے میں کچھ فرق ہو یا نہ یا ایک ہی بات ہے سو اس کی حقیقت سے مطلع فرماویں۔

الجواب: جس نے ابھی تک حج فرض ادا نہ کیا ہو اس کے لئے اولیٰ یہ ہے کہ پہلے حج کرے پھر مدینہ جائے اور جس نے حج فرض ادا کر لیا ہو اس کے لئے دونوں صورتیں برابر ہیں جیسا

راستہ میں مدینہ واقع نہ ہو ورنہ زیارت ہی پہلے کرنا چاہیے ووجہ الاول کون الفرض اہم واقدم قال فی الغنیۃ ویبدأ بالحج لو فرضاً نحو الاحسن فلو بدأ بالزیارۃ جاز ویخیّر لو نفلاً مالم یمرّ بہ فیبدأ بزیارتہ لامحالۃ لان ترکھا مع قربھا یعد من القساوۃ والشقاوۃ اھ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۳؍جمادی الثانیہ سنہ ۴۳ھ

اس کی کیا اصل ہے کہ ہندو سے روپیہ قرض لیکر حج کرنا بہتر ہے

سوال (۱۱) مولانا عاشق الٰہی صاحب نے لکھا ہے ہندو سے قرض لیکر حج کو جانا بہتر ہے اس کی کیا اصل ہے؟

الجواب: اس کی اصل یہ ہے کہ کفار مخاطب بالفروع نہیں اس لئے ہندو سے جو قرض لیا جائے گا وہ شبہات سے خالی ہوگا۔ دوسرے اگر حج کو جانے والے کے پاس مشتبہ رقم ہو تو اس مشتبہ رقم سے حج کرنا بہتر نہیں اس کو چاہیے کہ قرض لیکر حج کو جائے مگر مسلمان سے قرض لیکر اس کے قرض کو مشتبہ مال سے ادا کرنا اشد ہے اور ہندو کے قرض کو اس سے ادا کرنا اشد نہیں گو شدید ہے۔

جس شخص پر حج فرض نہ ہو اور کسی نے تبرعاً حج کرادیا تو اس کا فرض حج ادا ہوجائے گا یا نہیں

سوال (۱۲) اگر کوئی شخص اپنے ہمراہ خدمت کے واسطے یا ویسے ہی تبرعاً ایسے شخص کو حج کو لے جاوے جس پر فی الحال حج فرض نہیں تو اس کا وہ فرض جو آئندہ ہونے والا ہے ادا ہوجاوے گا یا نہیں۔ اور نیز شخص مذکور کو بھی اس قدر روپیہ دیکر قبضہ کرادیا جائے جس سے فرضیت عائد ہوجائے تو بھی فرض ادا ہوجائے گا یا نہیں؟

الجواب: ہاں دونوں صورتوں میں اس شخص کے ذمہ سے حج فرض ادا ہوجائے گا

حجام سفر حج میں اپنا پیشہ اختیار کرسکتا ہے یا مکروہ ہے

سوال (۱۳) ایک شخص قوم حجام کا حج کو جاتا ہے اگر وہ آنے جانے کے راستہ میں یا مکہ میں رہ کر اپنے پیشہ کو اختیار کرکے کمانے تو اس کے حج میں کسی قسم کی کراہت وغیرہ کا سقم عارض ہوگا یا نہیں، یا اولویت کے خلاف ہوگا یا نہیں؟ فقط۔ بینوا توجروا۔

الجواب: جائز ہے۔ رہا یہ کہ ثواب تو کم نہ ہوگا تو اگر اصل مقصود کمائی ہے تو بیشک ثواب کم ہوجائے گا اور اگر اصل مقصود حج ہے اور کمائی تابع ہے تو ثواب کم نہ ہوگا۔ مگر شبہ عدم اخلاص کا ہے۔ اور اگر کمائی سے مقصود سفر حج کی سہولت ہے تا کہ وہاں کسی دست

آئے تو کچھ شبہ نہیں ہے غیر جائز بلکہ افضل ہے۔ واللہ اعلم۔ ۸/ رجب ۴۲ھ

بارھویں کی رمی زوال سے پہلے جائز ہے یا نہیں

سوال (۱۴) بارھویں کی رمی قبل از زوال ادا ہو جاتی ہے یا نہیں۔

الجواب: نہیں بارھویں کی رمی زوال سے پہلے جائز نہیں۔

بارھویں کو بعد مغرب طواف زیارت ہو سکتا ہے یا نہیں

سوال (۱۵) طواف زیارت بارھویں تاریخ کو بعد مغرب ادا ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: ادا ہو جائے گا مگر دم واجب ہوگا۔ طواف زیارت کا وقت واجب بارھویں تاریخ کے غروب شمس سے پہلے تک ہے اور وقت صحت ادا تمام عمر ہے۔ (غنیہ ص۹۵)

حج فرض ہونے کے بعد کسی مصلحت سے اس میں تاخیر جائز نہیں ہے

سوال (۱۶) حضرت مولانا! السلام علیکم اس عاجز نے پانچ چھ ماہ ہوئے اس سال حج کرنے کا ارادہ کیا تھا چنانچہ اس کے سامان اور انتظام کی کوشش میں رہا ایک مکان کی تعمیر میرے ذمہ تھی اور امید تھی کہ ایام حج سے پہلے مکمل ہو جائے گی صورتیں ایسی وقوع میں آئیں کہ کسی طرح بھی عمارت مذکورہ کی تکمیل ایام حج تک ہونی ناممکن ہے مصلحت کہتی ہے کہ اس سال ارادہ ملتوی کر کے آئندہ سال اس فریضہ کا انجام دوں کیونکہ حج اب مجھ پر فرض ہے لیکن مصلحت سے مقدم شریعت ہے اس لئے جناب سے استفسار کرتا ہوں کہ آیا اس سال حج کا التواء آئندہ سال کے لئے گناہ تو نہ ہوگا اور آیا کوئی صورت ایسی ہے کہ اس التواء کی اجازت ہوگی اپنے فہم میں قرآن شریف کی آیت "الحج اشهر معلومات" سے حج کی نیت اشہر حج سے پہلے معتبر ہونی چاہئے مگر میں اس لائق نہیں ہوں کہ اپنے فہم کو معتبر سمجھوں اس لئے جناب کو تکلیف دیتا ہوں کہ مجھے صحیح راہ بتائیں

الجواب: قال فی الغنیة یجب (الحج) علی الفور فی اول سنی الوجوب وهو اول سنی الامکان علی القول الاصح عندنا وهو قول ابی یوسف واصح الروایتین عن ابی حنیفة رضی الله عنهما فیقدم علی الحوائج الاصلیة لمسکنه وخادمه والتزوج وان لم یجب بها کما سیأتی اھ (ص۱) وقال محمد والشافعی فرض علی التراخی وفیه ایضاً ومن لا مسکن له ولا خادم وهو محتاج الیهما وله مال یکفیه لقوت عیاله من وقت ذهابه الی حین ایابه وله مال یبلغه فلیس له صرفه الیهما ان حضر وقت

خروج اہل بلدہ انتہی (صفحہ) صورت مسئولہ میں آپ پر اسی سال حج کرنا واجب ہے مصلحت مکان کا انتظام کر دیا جائے یا تعمیر کو درمیان میں روک دیا جائے۔ الحج اشھر معلومات کا مطلب یہ ہے کہ شہر حج سے پہلے حج کا احرام نہ باندھا جائے یہ مطلب نہیں کہ ان مہینوں میں نیت کی جائے تو حج واجب ہوگا ورنہ نہیں وجوب حج کا مدار نیت پر نہیں ہے بلکہ وقت حج میں وجود زاد و راحلہ و استطاعت پر ہے جس شخص کے پاس ہندوستان میں مثلاً شوال کے مہینے میں آمد و رفت سفر حج کا کرایہ وغیرہ اور اہل و عیال کا نفقہ واپسی تک موجود ہو اور دَین و حوائج اصلیہ سے فاضل ہو اس پر اسی سال حج فرض ہو جائے گا خواہ نیت کرے یا نہ کرے۔ واللہ اعلم۔

۲۷ رمضان سنہ ۶۳ھ

صاحب نصاب راستہ کے مخدوش ہونے کے سبب حج نہ کر سکے، بعد میں اس کے پاس مال خرچ ہو جائے تو اس پر حج فرض ہوگا یا نہیں

سوال (۱۴) جنگ یورپ کے زمانہ میں ایک شخص کے پاس اتنی رقم تھی کہ وہ حج ادا کر سکے لیکن علماء کرام کے ارشاد پر کہ راستہ کی حالت از حد مخدوش ہے وہ حج ادا نہ کر سکا اور اسی حالت جنگ میں وہ رقم اس کے پاس سے صرف ہو گئی اب گذارش ہے کہ اس کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: محض علماء کا کہنا کافی نہ تھا کیونکہ راستہ کا مخدوش ہونا یا نہ ہونا محض مسئلہ تھوڑا ہی ہے بلکہ یہ تو تحقیق اخبار سے متعلق تھا پس اگر تحقیق سے اس وقت بھی ثابت ہو تھا کہ راستہ مخدوش ہے جب تو سائل کے ذمہ اب حج فرض نہیں اور اگر تحقیق نہیں کی تو اس کے ذمہ حج فرض ہے رقم جمع کر کے حج ادا کرنے کی کوشش کرے اور یہ جواب اس صورت میں ہے جبکہ کسی سال ماہ شوال یا ذیقعدہ میں اس کے پاس بقدر حج کے رقم فاضل عن الحوائج الضروریہ جمع رہی ہو اور اگر ان مہینوں میں کبھی رقم جمع نہیں رہی تو سوال دوبارہ کیا جاوے۔ فقط

۲ ذیقعدہ سنہ ۶۳ھ

جس روپیہ سے زکوٰۃ نہیں نکالی ہو اس روپیہ سے اور قرض روپیہ سے حج کرنا

سوال (۱۵) گذارش یہ ہے کہ جس روپیہ میں زکوٰۃ نہ نکالی جاوے اس روپیہ سے حج کرنا جائز ہے یا نہیں جواز و عدم جواز سے مفصل مطلع فرمایا جائے۔ اور قرض لیکر جاتا ہے تو اس کا حج ہو جائے گا یا نہیں یعنی کچھ روپیہ تو اس کے پاس ہے جو حج کو جاتا ہے اور کچھ روپیہ قرض لیکر جاتا ہے، اس کا بالغ لڑکا ہے وہ قرض ادا کر دے گا تو اس روپیہ سے حج ادا ہوگا یا نہیں اور اگر وہ بالغ

لڑکا کہے کہ میں خود تنگدست ہوں بال بچوں کو کیا کھلاؤں گا میں قرض نہ دوں گا تو اس کا کیا حکم ہے جو والد کا کہنا نہیں مانتا۔

الجواب: جس روپیہ سے زکوٰۃ نہیں نکالی گئی اس سے اگر حج کیا جاوے تو حج تو جائز ہو جاوے گا مگر زکوٰۃ کی تاخیر کا گناہ بھی رہے گا اس لئے بہتر یہ ہے کہ اول زکوٰۃ ادا کی جاوے اس کے بعد جو رقم بچے اس سے حج کیا جاوے اگر وہ رقم کافی نہ ہو تو قرض لیکر حج کرنا اس شرط سے جائز ہے کہ ادائے قرض کے واسطے کچھ سرمایہ پیچھے چھوڑ جاوے مثلاً جائداد و مکانات وغیرہ۔ اگر سرمایہ کچھ نہ ہو تو قرض لیکر اولاد کے ذمہ ڈالنا جائز نہیں اور جو لڑکا قرض کے ادا کرنے سے انکار کرتا ہے اس کا کچھ قصور نہیں اولاد کے ذمہ ماں باپ کی اطاعت و خدمت لازم ہے قرض ادا کرنا ان کے ذمہ نہیں۔ فقط۔ ۲۹/ ربیع الثانی ۱۳۴۳ھ

بارہ تاریخ کو زوال سے قبل رمی کرنا اور بدون عذر رمی میں نیابت کا حکم

سوال (۱۹): زید نے رمی جمرات ثلاثہ بارہ تاریخ کی بکر یا ہندہ یا چند عورتوں کی طرف سے بحالت صحت و کمال کرلی اور رمی قبل زوال ہوئی۔ آیا یہ رمی صحیح ہوئی یا نہیں در صورت عدم صحت دم وغیرہ اس پر واجب ہے یا کیا۔ اگر واجب ہے تو یہاں دے سکتا ہے یا وہیں کسی سے کرایا جاوے؟

الجواب: بارہ تاریخ کو زوال سے قبل رمی کرنا صحیح نہیں ہے اور رمی میں بدون عذر نیابت بھی جائز نہیں ہے۔ اس لئے نہ خود زید کی رمی صحیح ہوئی اور نہ بکر و ہندہ وغیرہ کی اور سب پر دم واجب ہے اس لئے ہر ایک کی طرف سے ایک ایک بکری حرم میں ذبح کرائی جاوے یہاں ذبح کرنا کافی نہیں ہے۔ قال فی غنیۃ الناسک واما وقت الجواز فی الیوم الثانی والثالث من ایام النحر فمن الزوال الی طلوع الفجر من الغد فلا یجوز قبل الزوال فی ظاهر الروایة وعلیه الجمهور من اصحاب المتون والشروح والفتاوی قال فی الفیض وهو الصواب (ص۹۲) وفی (ص۹۳) السادس ان یرمی بنفسه فلا یجوز النیابة فیه عند القدرة ویجوز عند العذر وفی ص۱۳۲ ولو ترک رمی الجمار الثلث فی یوم واحد او یومین او فی الایام کلها فعلیه دم واحد لاتحاد الجنس اھ وفی ص۱۴۲ وحیث ما اطلق الدم فالمراد الشاة وتجزی فی کل موضع الا اذا جامع بعد الوقوف بعرفة او طاف للزیارة جنباً او حائضاً او نفساء فیهما تجب بدنة اھ وفی ص۱۴۳ الثامن ذبحه فی الحرم فلو ذبح

فی غیرہ لا یجزیہ عن الحج؟

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ۲۲ جمادی الاخریٰ ۴۵ھ۔

بچے کو حج پر ساتھ لیجانے سے اس پر حج فرض ہوجاتا ہے

سوال (۲۰) بچہ کو حج کے لئے لیجانا مناسب نہیں کیونکہ اب بیت اللہ شریف دیکھنے سے فرض ہوجائیگا اور اگر وہ بڑا ہوکر مالدار نہ ہوا اور مرگیا تو گنہگار مرے گا بوجہ متعلق ہوجانے فرضیت حج کے بسبب دیکھنے بیت اللہ شریف کے۔

الجواب: بچہ اگر حج کرکے چلا آئے تو بالغ ہونے کے بعد اس پر حج فرض نہیں ہوتا۔ ہاں اگر بلوغ کے بعد مالدار بھی ہوجائے تو فرض ہوگا بوجہ مالداری کے نہ بوجہ اس زیارت سابقہ کے۔ فقط۔

احقر عبدالکریم عفی عنہ ۱۰ شوال ۴۸ھ

الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ ۱۲ شوال ۴۸ھ۔

ملازمت ختم ہونے کے خوف سے حج میں تاخیر کرنا

سوال (۲۱) میری عمر اس وقت ۲۹ سال کی ہے اور میں نے ابھی تک فرض حج بھی ادا نہیں کیا ہے وجہ یہ ہے کہ اب تک کا زمانہ میرا مختلف پریشانیوں میں کٹا ہے مثلاً والد صاحب کا انتقال ہوا اور گھر بار سب میرے سر پڑا اور اپنی تعلیم کی فکر تھی۔ دوسرے اب وقت یہ ہے کہ میری ملازمت ایک سرکاری یعنی انگریزی دفتر میں ابھی تک غیر مستقل ہے اور غیر مستقل ہونے کی وجہ سے میرے حکام کو بالکل اختیار ہے کہ جاہے جس روز اور جس وقت مجھے (خواہ کوئی قصور ہو یا نہ ہو) برخواست کردیں چونکہ حج کے واسطے مجھے طویل رخصت کی درخواست دینا ہوگی لہذا بجائے رخصت کی درخواست منظور کرنے کے مجھے غالب اندیشہ ہے کہ وہ یہی حکم دیدیں گے کہ جاؤ ہم نے ہمیشہ کے واسطے آپ کو برخواست کردیا۔ دوم میں ایک سادہ لوح اور ناتجربہ کار سا آدمی ہوں۔ لہذا اس انتظار میں ہوں کہ میرے اعزا میں سے ایک عزیز چند سال کے بعد حج کو جانیوالے ہیں ان شاء اللہ ان کے ہمراہ میں بھی جاؤں گا اب پوچھنا یہ ہے کہ یہ جو میں اب تک فرض حج کو ادا کرنے نہیں گیا اور ابھی چند سال تک بوجہ مندرجہ بالا مجبوریوں کے میرا جانا ملتوی رہے گا تو میں از روئے شرع شریف تو گنہگار نہ ہونگا؟

الجواب: السلام علیکم ورحمۃ اللہ

تاخیر حج بلا عذر سے گناہ ہوتا ہے اور جو تاخیر بعذر ہو اس سے گناہ نہیں ہوتا۔ یہ تو قاعدہ کلیہ ہے۔ اب رہا یہ کہ جو عذر آپ نے بیان کیا ہے وہ عذر ہے یا نہیں مجھے

اس میں تردد ہے دیگر علماء سے رجوع کیا جاوے، واللہ اعلم۔

ظفر احمد عفا عنہ ۱۲ شوال سنہ ۴۸ھ

حضرت حکیم الامۃ سے دریافت کیا تو فرمایا کہ میرے نزدیک پریشانی روزگار عذر ہے، حکاہ عنہ المولوی عبد الکریم سلمہ۔

جس کا ملک میں وسیع زرعی زمینیں ہوں مگر نقد روپیہ نہ ہو تو ہندو سے سود پر قرض لیکر اس کو حج کرنا جائز ہے یا نہیں، اور اس سودی معاملہ سے حج مکروہ ہوگا یا نہیں

سوال (۲۲) ۱۔ شخصے است دولتمند زردار و زمینات زرعی بسیار موجود اند لیکن فی الحال نزد او روپیہ نقد موجود نہ اند آن کس می خواہد کہ روپیہ مثلاً یک ہزار بطور قرض بر سود از ہنود بگیرم و حج کنم بعدہ آن قرض بمع سود ادا خواہم نمود پس زید فتوی می دہد کہ آن کس را گرفتن قرض بر سود جائز نیست و ازین عقد ناجائز آن مال مستقرض ہم حرام گشت پس حج کردن آن را ازین مال حرام جائز نیست و عمرو فتوی می دہد کہ این مال حرام نیست چرا کہ زیادتی ربوا حرام است و حرمت عقد ازین مال مستقرض اثر نکند پس حج کردن آن شخص ازین مال جائز است کہ ازین عقد ناجائز آن مال مستقرض حرام می شود یا نہ؟

۲۔ ثانیاً در صورت مذکورہ کہ نزد آن شخص نقدیات موجود نہ اند و بر او حج اسلام ہم فرض است و ایام حج بر سر آمدہ اند اگر ہمان شخص قدرے از زمینات خودی فروشد پس ایام حج می گذرد نمی داند کہ اگر درین سال نمیرم پس مرتکب کبیرہ خواہم شد اکنون درین صورت اگر چند مبالغ بر سود بگیرد بسبب ہمین ضرورت جائز است یا نہ و ہمین ضرورت شرعی است یا نہ؟ جواب ہر دو سوال بحوالہ کتب مرحمت فرمانید کہ اطمینان قلبی حاصل شود۔

الجواب: (۱) قول زید کہ گرفتن قرض بر سود جائز نیست صحیح است و اما قول او کہ ازین عقد ناجائز آن مال مستقرض ہم حرام گشت پس حج کردن ازین مال حرام جائز

؎ اس فتوی کے متعلق خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون کے مفتی حضرت مولانا مفتی عبد الکریم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے امداد الاحکام کے رجسٹر ۵ کے شروع میں تحریر فرمایا ہے کہ "اس میں مجھے تردد ہے" افسوس کہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق اس مسئلہ میں معلوم نہیں ہو سکی۔ احقر

ناکارہ محمد رفیع عثمانی خادم طلبہ و دار الافتاء دار العلوم کراچی - ۲۸ ذی الحجہ سنہ ۱۳۹۸ھ

نیست الخ صحیح نیست زیرا کہ عقد استقراض بشرط فاسد فاسد نمی شود قال فی الدر القرض بالشرط حرام والشرط لغو اھ ص۲۶۶ ج۲ ۔ بلکہ شرط فاسد خود لغو گردید پس مال مستقرض حرام نگشت بلکہ شرط ربوا باطل گردید ۔ وچون مال ربوا بمال او مخلوط نگردید بلکہ بمال مقرض مخلوط شدہ لہٰذا مالِ مستقرض حلال باشد و حج ادا کردن باو ہم صحیح باشد اگرچہ گناہ عقد ربوا و دادن ربوا ہم بذمۂ او باشد ۔

(۳) تا وقتیکہ زمین مذکور فروخت شود و نزد مرد رقم نقد وقت خروج حجاج بدست نیاید بروے حج فرض نیست پس بدین ضرورت کہ امسال حج ادا کردہ شود قرض بر سود گرفتن جائز نباشد واللہ تعالیٰ اعلم ۔

۱۵ ذیقعدہ سنہ ۴۹ھ

اشہر حج میں عمرہ کے بعد حج سے قبل مدینہ جانا جائز ہے

سوال (۲۳) معلم الحجاج ص۲۳۵ ہے جس پر حج فرض ہے اگر وہ مکہ میں حج کے مہینوں سے پہلے آجائے تو حج کے مہینے شروع ہونے سے پہلے اس کو مدینہ جانا جائز ہے اور حج کے مہینے شروع ہونے کے بعد جانا جائز نہیں، اس کا ماخذ غنیہ اور شرح لباب باب زیارت ہے والظاهر ان هذا ان فيما قبل دخول اشهر الحج واما بعده فلا ص۲۱ اس سے صریح معلوم ہوا کہ متمتع کو بھی نہ جانا بہتر ہے ۔

الجواب : مصنف معلم الحجاج سے نقل مسئلہ میں سہو ہوا ہے یہاں کلام افضلیت و غیر افضلیت میں ہے جواز میں کلام نہیں اور یہ دیکھا جائے قد روى الحسن عن ابی حنیفة انه اذا كان الحج فرضا فالاحسن للحاج ان يبدأ بالحج ثم يثنی بالزیارة وان بدأ بالزیارة جاز وهو الظاهر اذ يجوز تقديم النفل على الفرض اذا لم يخش الفوت بالاجماع اھ عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں جبکہ خوف فوت حج نہ ہو فقد ذكر السرخسی فی المبسوط عن زيد التيمي رضی اللہ عنہ انه سأل ابن عباس رضی اللہ عنہما فقال اتينا عمارا فقضيناها ثم زرنا القبر ثم حججنا فقال انتم متمتعون ص۱۸۲ ج۲ واحتج به لابی حنیفة على ان الخروج من الميقات ليس بالمام وانما الالمام ان يصل الى اهله ، بہرحال اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اشہر حج میں عمرہ کرنے کے بعد بھی مدینہ جا سکتا ہے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔

۹ شعبان سنہ ۵۶ھ

فصل فی الاحرام وما ہو محظور فیہ او مباح

احرام میں شکار اور غیر محرم کا صید حرم کے اندر شکار لانے کا حکم اور اس کے متعلق غنیہ اور زبدہ کی عبارتوں میں تعارض کی تحقیق

سوال (۱) ذیل کے مسئلہ کی تحقیق کی ضرورت ہے۔ کسے تحقیق کرکے ارقام فرمادیں . . . .

زبدۃ المناسک مجتبائی کے صفحہ ۴۸ میں لکھا ہے کہ جو شخص احرام باندھے اور اس کی ملک میں صید ہو تو واجب ہے کہ اس شکار کو چھوڑ دے اس طرح کہ ضائع نہ ہو یا قفس میں رکھے الخ اور کچھ آگے لکھتے ہیں کہ محرم یا حلال جب حرم میں داخل ہوا اور اس کے پاس شکار ہو اگرچہ قفس میں ہو تو واجب ہے کہ اس کو چھوڑ دے کہ وہ اب حرم کا شکار ہوگیا الخ ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ حل میں احرام باندھنے کی صورت میں شکار کا اصل چھوڑ دینا واجب نہیں ہے بلکہ کسی پنجرے میں بھی رکھ دینا چاہئے اور حرم میں داخل ہونے کی صورت میں اگرچہ پنجرے میں ہو اصلاً چھوڑ دینا چاہئے کیونکہ یہ شکار اب حرم کا ہوگیا اب سوال یہ ہے کہ حل میں حلال نے شکار پکڑا پھر جب حرم میں داخل ہوا تو یہ شکار اس کی ملک سے خارج ہوا یا فقط اس کو حرم میں ہلاک نہ کرے یعنی مامون رکھے اور پھر حرم سے باہر نکال کر کام میں لا سکتا ہے۔ زبدۃ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کی ملک سے بھی خارج ہوگیا، صید حرم کا ہوگیا اور غنیۃ المناسک صفحہ ۱۶۱ اور دیگر کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ اصلاً چھوڑ دینا واجب نہیں۔ یعنی حل و حرم میں فرق نہیں ہے ولو دخل محرم او حلال بصید الحل الحرم صار حکمہ حکم صید الحرم ومن دخل الحرم بصید فعلیہ ان یرسلہ فیہ اذا کان فی یدہ حقیقۃ حتی اذا کان فی بیتہ او فی قفصہ لا یجب ارسالہ کذا فی الھدایۃ والکفایۃ وغیرھما۔ غنیۃ المناسک صفحۃ ۱۶۱ سطر ۷ ولو اخذہ فی الحل وھو حلال ثم احرم او دخل بہ الحرم ملکہ ملکا محترما فان کان الصید فی یدہ حقیقۃ وجب ارسالہ لکن لا بان یسیبہ لان تسییب الدابۃ حرام لانہ تضییع للمال بل یطلقہ علی وجہ لا یضیع بان یخلیہ فی بیتہ او یودعہ عند حلال او یرسلہ فی قفص معہ الخ اس سے صاف معلوم ہوا کہ اگر حرم میں حل کا شکار

داخل کیا جاوے تو اطلاق واجب نہیں ہے بلکہ چھوڑ دینا یا تسییب مال ہے اور پنجرے میں بند کئے رہنا بھی جائز ہے اب زید اور عمرو کی عبارات کا تعارض دفع فرما دیں یا ایک کو ترجیح دیں اس بارہ میں شامی کو بھی دیکھا اس میں شاید لکھا ہے کہ حل میں شکار پکڑ کر پھر اور حرم میں بحرم و حلال اگر شکار داخل کرے اور شکار پنجرے میں ہو یعنی فی یدہ حکمی ہو تو چھوڑنا واجب نہیں ، اور اگر فی یدہ حقیقی ہو تو حرم میں ارسال چھوڑ دینا واجب ہے اور حل میں ارسال چھوڑ واجب نہیں یہ فرق بیان کیا ہے اور غیرہ نے دونوں میں فرق نہیں کیا یہ تعارض بھی دفع فرمادیں شامی ص ۲۳۳ ومن احرم فی الحل وفی یدہ صید واما الاولی وهی لو دخل الحرم وفی یدہ صید فالواجب علیہ الارسال بمعنی الاطلاق لقولہ فی الہدایۃ.

الجواب : اقول وباللہ التوفیق : اس مسئلہ کی صورتیں چند ہیں ہر ایک کا حکم الگ الگ معلوم کرنا چاہئے (۱) احرام کے بعد شکار پکڑے خواہ حل کا ہی شکار ہو یا حرم کا شکار پکڑے خواہ یہ حلال ہی ہو محرم نہ ہو یہ تو ملک میں داخل نہ ہوگا (۲) یہ کہ احرام حل میں باندھا جاتا ہے اور احرام سے پہلے اس کے ہاتھ میں حقیقۃً صید حل ہے (۳) حل میں احرام باندھا جاتا ہے اور اس کے ہاتھ میں نہیں بلکہ قفص میں صید حل ہے (۴) حرم میں داخل ہوا اور اس کے ہاتھ میں نہیں بلکہ قفص میں صید حل ہے اور قفص اس کے ہاتھ میں ہے یہ چار صورتیں جن میں دو صورتیں اخیری محل نزاع ہیں۔ ودلیل الاولی ما فی غنیۃ الناسک ولو اخذ الصید فی الحل وهو محرم او فی الحرم وهو حلال لم یملکه ووجب ارساله سواء کان فی یده او فی قفص معه او فی بیته اھ (ص ۲۰۱) اور صورت ثانیہ کا حکم یہ ہے کہ یہ شکار محرم کی ملک ہے اور اس کے ذمہ اس کا چھوڑ دینا واجب ہے مگر اس طرح کہ ضائع نہ ہو مثلاً گھر میں بند کرکے چھوڑ دے یا کسی حلال خارج حرم کے پاس امانت رکھ دے یا قفص میں چھوڑ دے قال فی اللباب وشرحه ولو اخذ صیدا فی الحل وهو حلال ثم احرم ملکه ای ملکا مستمرا حیث لم یخرج بالاحرام من ملکه ثم ان کان الصید فی یده لزمه ارساله علی وجه لا یضیع ملکه ای ان قدر بقاءه فی ملکه بان یخلیه فی بیته مغلقا علیه فان الاستدامة علی اخذ الصید بیده فی حکم ابتداء صیده وان لم یرسله حتی مات فی یده لزمه الجزاء اھ (ص ۲۰۲) اور یہ جو کہا گیا ہے کہ اس طرح چھوڑے

کہ جانور ضائع ہو یہ اس وقت واجب ہے جبکہ اس کو اپنی ملک میں رکھنا چاہے، اور اگر بطور اباحت کے چھوڑ دے کہ جو پکڑے وہی مالک ہے اور اپنی ملک میں باقی نہ رکھنا چاہے تو یہ بھی جائز ہے قال فی الدر وفی کراہۃ جامع الفتاوی شری عصافیر واعتقہا جاز الی ان قال من اخذہا فھی لہ، قلت وحینئذ فتقید الاطارۃ بالاباحۃ فلیتامل اھ قال الشامی لکن ظاہر ما قدمناہ عن القہستانی من حکایۃ القولین فی تفسیر الارسال ان من فسرہ بالاطارۃ لم یقیدہ بالاباحۃ لانہ یقول ان الارسال واجب فلم یکن فی معنی التسییب المحظور ومن فسر الارسال بالتخلیۃ فکانہ یقول حیث امکنہ دفع التعرض للصید بہا فلا حاجۃ الی الاطارۃ المضیعۃ للملک لاندفاع الضرورۃ بدونہا اھ (۲۶۱ ج ۲) شامی کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض روایات پر اطلاق ونطارۃ مطلقاً جائز ہے اباحت کی قید کی ضرورت نہیں لیکن قواعد سے ترجیح اس کو معلوم ہوتی ہے کہ اگر قوم حاضر کو اباحت کر دے تب تو اطارۃ جائز ہے اور اگر اباحت نہ کرے تو جب تک ایداع وغیرہ کے ساتھ تضییع سے احتراز ہو سکے تو ایداع وغیرہ لازم ہے البتہ اگر ایداع وغیرہ بھی نہ ہو سکے اور نہ اس کے سامنے ایسے آدمی حلال موجود ہوں جن کو اباحت کر سکے تو پھر اطارۃ مطلقاً جائز ہے قال فی غنیۃ الناسک فان کان الصید فی یدہ حقیقۃ وجب ارسالہ لکن لا بان یسیبہ لان تسییب الدابۃ حرام لانہ تضییع للملک بل یطلقہ علی وجہ لا یضیع بان یخلیہ فی بیتہ او یودعہ عند حلال او یرسلہ فی قفص معہ فان لم یتیسر یسیبہ للضرورۃ لان ارسالہ مامور بہ اھ (ص ۵) اور صورۃ ثالثہ کا حکم یہ ہے کہ جب صید ہاتھ میں نہیں بلکہ قفص میں ہے تو صحیح قول میں اس کے ذمہ اس کا چھوڑنا واجب نہیں اور اگر قفص وغیرہ میں مر جائے تو اس کے ذمہ ضمان نہ ہوگا اور ایک ضعیف قول یہ ہے کہ اس وقت بھی ارسال لازم ہے قال فی اللباب وشرحہ وان کان الصید فی بیتہ وکذا اذا کان فی قفصہ حال احرامہ لا فی یدہ لا یجب ارسالہ حتی لو لم یرسلہ فمات لا یضمن ای علی الصحیح وقیل لو کان القفص فی یدہ یجب ارسالہ اھ (ص ۳۰۲) وکذا فی الدر مع الشامیۃ وزاد الشامی وقیل ان کان القفص فی یدہ یلزمہ ارسالہ لکن علی وجہ لا یضیع ملکہ

وهو ضعيف كما في النهر قال ح والظاهر ان مثله ما اذا كان الحبل
المشدود في رقبة الصيد في يده اور صورت رابعہ وخامسہ کا حکم یہ ہے کہ شکار تو
ان دونوں صورتوں میں بھی صاحب ید کی ملک ہے۔ لیکن صورت رابعہ میں جبکہ شکار حقیقۃً
اس کے ہاتھ میں ہو حرم میں اس کو چھوڑ دینا واجب ہے۔ اور صورت خامسہ میں جبکہ شکار
قفص میں لیکر داخل حرم ہوا اس کا ارسال واجب نہیں قال فی البحر تحت قول
الكنز ومن دخل الحرم بصيد ارسله اى فعليه ان يطلقه لانه لما حصل
في الحرم وجب ترك التعرض لحرمة الحرم اذ هو صار من صيد الحرم
فاستحق الامن اراد به ما اذا دخل وهو ممسك له بيده الجارحة لانه
صرح بانه اذا احرم وفي بيته او في قفصه صيد لا يرسله فكذلك
اذا دخل الحرم ومعه صيد في قفصه لا في يده لا يرسله لانه لا فرق
بينهما فالحاصل ان من احرم وفي يده صيد حقيقة او دخل الحرم
كذلك وجب ارساله وان كان في بيته او قفصه لا يجب ارساله فيهما
فتنبه لمسئلة دخول الحرم فانها كثيرة الوقوع ومسئلة المحرم آتية على مسئلة الحرم و
ليس المراد من ارساله تسييبه لان تسييب الدابة حرام بل يطلقه
على وجه لا يضيع ولا يخرج عن ملكه بهذا الارسال حتى لو خرج الى
الحل فله ان يمسكه ولو اخذه انسان يسترده اه (ص ۳۲ ج ۳)

اس سے معلوم ہوا جو حکم محرم کے ہاتھ میں حقیقۃً شکار کے ہونے کا ہے وہی حکم داخل حرم کے ہاتھ میں ہونے کا ہے اور جو حکم محرم کے ہاتھ میں حکماً یعنی قفص میں شکار ہونے کا ہے وہی حکم داخل حرم کے پاس قفص میں شکار کے ہونے کا ہے۔

پس شامی کی عبارت تحقیق بحر کے موافق ہے اور حضرت گنگوہی قدس سرہ نے زبدہ میں جو فرق کیا ہے کہ حرم میں داخل ہونے والے کے ذمہ مطلقاً ارسال کو لازم فرمایا ہے خواہ حقیقۃً اس کے ہاتھ میں ہو یا قفص میں ہو عبارت بحر اس کی نفی کر رہی ہے اور غالباً مولانا کے اس قول کا منشاء لباب وشرح لباب وغیرہ کا اطلاق ہے لباب میں ہے ولو دخل محرم او حلال

؎ اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس کا منشا وہ روایت ضعیفہ ہے جس کو شامی نے ہدایہ سے نقل کیا (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

صید الحل الحرم صار حکمہ حکم صید الحرم ای فعلیہ ارسالہ اھ اور شرح لباب ہے واما ان دخل الصید فی الحرم من الحل صار حکمہ حکم صید الحرم سواء کان مملوکا ام لا وسواء دخل بنفسہ او ادخلہ غیرہ حلال او محرم ولا یدخل منہ شئ فی الحرم حیا الا وجب ارسالہ اھ (ص ۲۰۶ و ۲۰۷) لیکن جب بحر سے ان اطلاقات کا اس صورت کے ساتھ مقید[1] ہونا معلوم ہوگیا جب صید حقیقۃً داخل کرنے والے کے ہاتھ میں ہو تو اس تصریح کے بعد اطلاق پر عمل نہ ہوگا اور شامی نے حاشیہ بحر میں اس مقام پر کچھ کلام نہیں کیا، رد المحتار میں اس کے خلاف کچھ کہا البتہ رد المحتار کی بعض عبارات سے یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ داخل حرم کے ذمہ مطلقاً ارسال لازم ہو کیونکہ اس میں محرم کے متعلق تفصیل کرکے لکھا ہے وقد علمت مما قدمناہ ان ھذا کلہ فیما لو اخذ صیدا ثم احرم اما لو دخل بہ الحرم فانہ یلزمہ ارسالہ بمعنی اطارتہ وانہ لیس لہ ایداعہ لانہ صار من صید الحرم اھ (ص ۳۶۱ ج ۲) لیکن رد المحتار ہی کی دوسری عبارت سے اس حکم کا اس صورت کے ساتھ مقید ہونا معلوم ہوتا ہے جبکہ شکار حقیقۃً ہاتھ میں ہو ونصہ ثم اعلم الذی یظہر من کلامہم ان ھذین القولین (فی تفسیر الارسال) فی المسئلۃ الثانیۃ فقط وھی من احرم فی الحل وفی یدہ صید اما الاولی وھی لو دخل الحرم وفی یدہ صید فالواجب علیہ الارسال بمعنی الاطارۃ (ای لا بمعنی الایداع) لقولہ فی الھدایۃ علیہ ان یرسلہ فیہ ای فی الحرم وتعلیلہ لہ بانہ لما حصل فی الحرم وجب ترک التعرض لہ لحرمۃ الحرم وصار من صید الحرم اھ (ص ۳۶۰ ج ۲) اس میں صاف تصریح ہے کہ داخل حرم پر

(حاشیہ بقیہ صفحہ گزشتہ) چونکہ وہ روایت محرم کے بارہ میں ہے اگر اس کی وجہ سے داخل حرم کی صورت میں ارسال کو مطلقاً واجب کہا جائے گا تو محرم کے مسئلہ میں بھی اطلاق ارسال ماننا پڑے گا۔ حالانکہ مولانا محرم اور داخل حرم کے حکم میں فرق کر رہے ہیں۔ ۱۲ منہ

[1] ویؤیدہ ما فی الادب المفرد للبخاری ان الصحابۃ کانوا یدخلون مکۃ بصید فی اقفاصہا۔

ارسال جب واجب ہے کہ شکار اس کے ہاتھ میں ہو وصرح بہ فی الفتح وفی الدر حیث
قال حلال دخل الحرم بصید فی یدہ ای یدہ الحقیقیۃ التی هی الجارحۃ
حتی اذا کان فی رحلہ او قفصہ لا یجب علیہ الارسال ذکرہ تاج الشریعۃ ارسلہ
ای علیہ ان یرسلہ اھ (ص ۳۵۲ ج ۱) وھذا اعنی ما صرح بہ صاحب البحر
واما ما فی التحریر المختار علی قول الدر ولو القفص فی یدہ بدلیل اخذ
المصحف الخ نازع الشیخ محمد طاھر بان قیاس القفص علی الغلاف قیاس
مع الفارق لان المامور بہ فی المصحف عدم المس فاذا اخذہ بغلافہ
لا یکون ماسّا والمامور بہ فی الصید عدم التعرض ومن اخذہ بیدہ
حال کونہ فی القفص فھو متعرض للصید لا محالۃ واعتمد ان من دخل
الحرم حلالا او محرما وفی یدہ او قفص معہ او فی ید خادمہ معہ صید لان
وجب ارسالہ الصید بعد دخولہ فی الحرم بای وجہ کان لانہ صار
صید الحرم واستند لذلک بکثیر من عبارات المؤلفین فانظرہ اھ (ص ۲۹۷ ج ۲)
ففیہ اولا انہ کلام فی الدلیل ولو تم لدل علی کون المحرم متعرضا للصید
ایضا حال کونہ فی القفص فیجب علیہ ارسالہ والمتون قاضیۃ علی خلافہ
فی مسئلۃ المحرم وان قال الشیخ طاھر بالفرق فی المحرم وفی من دخل الحرم
فعلیہ البیان وان سوی بینھما فقد مر عن البحر تضعیف القول بوجوب
الارسال علی المحرم اذا کان الصید معہ فی القفص مع ان الکلام فی الدلیل
لا یستلزم الکلام فی المسئلۃ لاحتمال بنائھا علی دلیل آخر فھنا ان نقول
ان القفص مثل البیت فکما یجوز المشی علی بیت فیہ المصحف لیس ذلک
کالمشی فوقہ بعینہ فکذلک الصید فی القفص لیس آخذہ متعرضا بل
ھو قابض علی بیتہ کما اذا دخل الحرم وفی بیتہ صید۔ ہاں ایک فرق البتہ
ہے کہ محرم کے ہاتھ میں شکار ہو تو اس کے لئے بعد احرام کے ارسال دونوں طرح جائز ہے خواہ
بطریق اطارۃ خواہ بطریق ایداع اور داخل حرم کے ہاتھ میں حقیقۃً ہو تو اس کو ایداع جائز
نہیں بلکہ ارسال بطریق اطارۃ واجب ہے جیسا غنیہ کا یہ قول ھذا اذا احرم واما اذا
دخل الحرم فیرسلہ فی قفص معہ فان المحرم یسیبہ فی الحرم اھ (ص ۱۵۰)

تحقیق شامی کے خلاف ہے اور قواعد کے بھی خلاف ہے کیونکہ جب وہ ہاتھ میں لیکر داخل حرم ہو تو وہ صید صید حرم ہوگیا جس سے عدم تعرض واجب ہے اور اس کو قفس میں بند کرنا بھی تعرض ہے ہاں اس کا یہ مطلب لیا جائے کہ دخول حرم سے پہلے اس کو قفس میں بند کر دے اور قفس میں لیکر داخل حرم ہو اور دخل بہ الحرم کو ارادۂ دخول پر محمول کیا جائے تو یہ کلام صحیح ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

حالت احرام میں اعذار متعددہ کی وجہ سے مختلف سلے ہوئے کپڑے پہننے سے کفارہ واحدہ واجب ہوگا یا متعددہ

تنبیہ: ایک سوال و جواب طویل الذیل مولوی شیر محمد صاحب ساکن گھوٹکی ضلع سکھر ملک سندھ نے یہاں بھیجا جس میں جنایت فی الحج کے ایک مسئلہ میں بعض اہل فتاویٰ سے ان کو اختلاف تھا جہاں سے انہوں نے محاکمہ چاہا اس لئے صورت مسئولہ کو منقح کر کے اور طرفین کے دلائل بیان کر کے اخیر میں محاکمہ لکھا جائے گا فقط

تحریر محل النزاع

محل نزاع یہ ہے کہ اگر ایک شخص کو ایک وقت میں دو یا زیادہ اعضاء میں لبس مخیط کی ضرورت لاحق ہو اور نوع ضرورت مختلف ہو مثلاً عمامہ درد سر کی وجہ سے باندھے اور قمیص بوجہ سردی کے پہنے تو اس صورت میں کفارہ تخییرہ واحد ہوگا یا متعدد، ایک صاحب اتحاد کفارہ کے قائل ہیں اور ان کی دلیل یہ ہے کہ تعدد سبب جو فقہاء کے نزدیک موجب تعدد کفارہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ تعدد ضرورت و عدم ضرورت کی وجہ سے ہو یا ایک ضرورت زائل ہو جانے کے بعد دوسری ضرورت پیدا ہو اور اگر تعدد ضرورت و عدم ضرورت سے ناشی نہ ہو بلکہ ضرورت ہی کے تعدد ہو گو نوع ضرورت ہر فرد میں جدا ہو تو یہ سب فعل واحد شمار ہوگا اور جزا واحد لازم ہوگی لما فی المناسك فان تعدد السبب كما اذا اضطر الى لبس ثوب فلبس ثوبين فان لبسهما على موضع الضرورة اى بعينها نحو ان يحتاج الى قميص فلبس قميصين او قميصا وجبة او يحتاج الى قلنسوة فلبسها مع العمامة فعليه كفارة واحدة لان محل الجناية متحد فلا نظر الى فعل المتعدد ويتخير فيها (اى فى الكفارة) لو تقدم ان الجناية للضرورة ما صرح به فى المحيط فكذا اذا لبسهما على موضعين لضرورة بهما فى مجلس واحد بان لبس عمامة وخفا بعذر

فيها فعليه كفارة واحدة وهي كفارة الضرورة لان اللبس على وجه واحد فيجب
كفارة واحدة وان لبسهما على موضعين مختلفين موضع الضرورة وغير
الضرورة كما اذا اضطر الى لبس العمامة فلبسها مع قميص مثلا او لبس
قميصا للضرورة وخفين من غير ضرورة فعليه كفارتان كفارة الضرورة
يتخير فيها وكفارة الاختيار لا يتخير فيها اى بل يتعين الكفارة فيها الخ
الى ان قال ناقلا عن الكرماني لان هذا اللبس غير اللبس الاول اى لاختلاف
الوصفين لو ذهب بعذر وبغيره فكانا كالشيئين متغايرين سواء في مجلس
او مجلسين اهـ (ص ۱۹۵) وفيه ايضا مافى البحر الخ اذا كان به جرح او
قرح اضطر اى مداواته بالطيب انه مادام باقيا فعليه كفارة واحدة
وان تكرر عليه الدواء لان الضرورة باقية فوقع الكل على وجه واحد
ولو برئ ذلك القرح او الجرح وحدث قرح آخر او جراحة اخرى
فداواها بالطيب يجب عليه كفارة اخرى لان الضرورة قد زالت فوقع
الثاني على غير الوجه الاول ولو جرح له جرح او اصابه قرح وهو
يداويه بالطيب فخرجت قرحة اخرى او اصابه جرح آخر والاول على
حاله لم يبرأ فداوى الثاني فعليه كفارة واحدة لان الاول لم يبرأ
والضرورة باقية فالمداواة الثانية حصلت على الجهة التى حصلت عليه
الاولى فيكفيه كفارة واحدة اهـ (ص ۱۸۱ و ۱۹۹ ج ۲)

(اس میں ایک زخم کے اچھا ہونے کے بعد دوسرا زخم یا قرح ہونے کو تو سبب آخر شمار کیا
ہے اور ایک زخم یا قرح کے ساتھ دوسرا زخم یا قرح دوسرے موقع پر ہو جائے تو اس کو سبب
آخر شمار نہیں کیا بلکہ سب کو جہت واحد میں داخل کیا ہے اور علت یہ بیان کی ہے۔ لان
الاول لم یبرأ والضرورۃ باقیۃ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بقاء عذر اول
کے ساتھ دوسرے اعضاء میں عذر کا پیدا ہونا اور اس کی وجہ سے عضو ثانی میں محظور کا ارتکاب
کرنا جنایت اخری نہیں بلکہ جنایت اولیٰ ہی میں متداخل ہے بقاء الضرورۃ ہاں عضو ثانی
میں ارتکاب محظور بلا ضرورت ہو یا بعد زوال ضرورۃ اولیٰ ہو تو کفارہ ثانیہ لازم ہوگا۔
یہ تو ایک فریق کے دلائل تھے دوسرا فریق صورت مذکورہ میں تعدد کفارہ کا قائل ہے

اور وہ مناسک کی اس عبارت سے استدلال کرتے ہیں قد یتعدد الجزاء ای کفارۃ المحظور فی لبس واحد باموراً ای خمسۃ الاول التکفیر بین اللبسین والثانی تعدد السبب ای بان لبس فی موضعین احدھما العذر والآخر بغیر عذر او لعذر آخر عه اھ (ص ۱۶۷)

فریق اول کہتا ہے کہ اس عبارت میں او لعذر آخر کا مطلب او لحدوث عذر آخر بعد زوال الاول ہے۔ یہ کہ وقت واحد میں دو موضع میں الگ الگ عذر ہو تو سر عضو میں لبس مخیط سے کفارہ متعدد ہو جائے کیونکہ یہ خلاف تصریحات سابقہ ہے اور دلیل اس تاویل کی یہ ہے کہ صاحب لباب نے جو آگے چل کر کہا ہے ولو البس لحدوث عذر آخر تو شارح نے اس کی شرح میں کہا ہے قد سبق ما یتعلق بہ فتدبر۔ اور ما تقدم گزرا اس کو شامل ہے تو اس کی یہی صورت ہے کہ سبب ثانی میں او لعذر آخر کو حدوث عذر آخر بعد زوال اول پر محمول کیا جاوے۔

حقیقت یہ ہے کہ میرے نزدیک فریق اول کے دلائل قوی ہیں اور وہی قول صحیح ہے واللہ اعلم حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ ۲۶ رمضان ۴۳ھ۔

ھذا التحقیق کاف شاف۔ اشرف علی ۲۷ رمضان ۴۳ھ

رفض احرام حج سے ایک دم اور ایک حج لازم ہوگا نہ دو دم اور دو حج

سوال (۲) ایک شخص نے احرام حج کا باندھا پھر جب جدہ میں آیا تو احرام توڑ کر کپڑے وغیرہ پہن کر مدینہ طیبہ چلا گیا پھر جب مدینہ طیبہ سے واپس ہوا تو پھر ذوالحلیفہ سے دوبارہ حج کا احرام باندھا تو آیا اس صورت میں کے حج اور کے دم لازم آتے ہیں یہاں کے بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس پر دو حج اور دو دم اور ایک عمرہ لازم ہوگا دو دم لازم ہونے میں وہ فرماتے ہیں کہ ایک دم تو اس وقت لازم ہوا جب اس نے رفض کر کے کپڑے پہنے اور دوسرا دم اس وقت لازم ہو جب دوسرے حج کا احرام باندھ کر اس کے افعال شروع کئے کیونکہ یہ رفض کے وقت فقط کپڑے پہننے سے وہ کسی طرح احرام سے باہر نہیں آیا تھا اب جب اس نے ثانی احرام سے حج کے افعال شروع کئے تو اب اس کا رفض متحقق ہوا دوسرا

عه عطف علی قولہ فی موضعین تحت قولہ لبس ومعناہ بان لبس فی موضعین او لبس لعذر آخر بعد زوال الاول سواء کان اللبس فی موضع واحد او موضعین ۱۲ ظ

دم اب لازم ہوا۔ اس میں جو تحقیق ہو ارقام فرما دیں؟

الجواب: اقول و باللہ التوفیق۔ صورت مسئولہ میں اس شخص پر جس نے جدہ میں رفض احرام حج کیا اور مدینہ چلا گیا اور واپسی میں پھر احرام حج باندھا دو حج اور دو دم لازم نہ آئیں گے بلکہ احرام ثانی عین احرام اول ہے کیونکہ اس شخص نے احرام ثانی سے حج آخر کی نیت نہیں کی بلکہ اسی حج کی نیت مراد ہے جو احرام اول سے اس پر لازم ہوا تھا اس لئے احرام ثانی سے اس پر دم آخر بھی لازم نہ آئے گا بلکہ صرف ایک دم لازم آئے گا۔ قال فی اللباب مع شرحہ للقاری ولو اھل الفائت بحجۃ اخری قبل الفراغ من الاولی فان کان ینوی بہ قضاء الفائتۃ فھی بعینھا ولا یلزم بھذا الاھلال شیء ای سوی التی ھو فیھا فیتحلل بالطواف والسعی کما لو لم یھل بہ ونیتہ بالثانیۃ لغو لا اعتبار لھا وعلیہ قضاء الاولی لا غیر لکون الثانیۃ لغوا وان نوی بہ ای باھلالہ حجۃ اخری ای قضاءھا ای الحجۃ ویحل بافعال العمرۃ لما تقدم مع ما فیہ من اختلاف[1] وعلیہ قضاء حجتین وعمرۃ ودم ای عند ابی حنیفۃ خلافا لھما لما تقدم منھما اھ (ص ۲۲۵) اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ احرام ثانی سے اگر قضاء اولی یا عود الی الاولی کی نیت ہو تو اس سے بالاتفاق حج ثانی لازم نہیں آتا۔ بلکہ حج ثانی صرف امام صاحب کے نزدیک جب لازم آتا ہے کہ احرام اول کو باقی سمجھ کر اس کے علاوہ حج آخر کی نیت سے احرام باندھے۔ اور صورت مسئولہ میں ایسا نہیں ہے کیونکہ

---

[1] ای بین الشیخین ومحمد فانہ اذا اھل بحجتین معا او بحجۃ ثم حجۃ متفرقتین لزمہ جمیع ذلک غیر انہ یرتفض احدھما فی المعیۃ والثانیۃ فی التعاقب عندھما وعند محمد یلزمہ احدھما فی المعیۃ والاولی فقط فی التعاقب وثمرۃ الخلاف تظھر فیما اذا جنی قبل السیر والشروع فی الاعمال فعلیہ دمان عند ابی حنیفۃ للجنایۃ علی الاحرامین ودم واحد عند محمد لعدم انعقاد احدھما وکذا عند ابی یوسف لان الثانی وان انعقد ولکنہ ارتفض بلا مکث کما فرغ من قولہ لبیک بحجتین کما فی المناسک ایضا (ص ۱۵۸) مؤلف

* * *

جاہل جو عمرہ سے رفض احرام کرکے واپسی آمدینہ کے وقت احرام ثانی کی نیت کرتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ احرام اول رفض سے مرتفض ہوگیا پھر اسی کی قضا کی نیت سے دوسرا احرام باندھتا ہے کما ھو ظاھر لیس اس پر دو حج کا لازم کرنا صحیح نہیں بلکہ یہ کہا جائے گا کہ احرام ثانی عین احرام اول ہے۔ رہا دم سو ہمارے نزدیک اس پر ایک دم لازم آئے گا قال الشامی عن اللباب واعلم ان المحرم اذا نوی رفض الاحرام فجعل یصنع ما یصنعه الحلال من لبس الثیاب والتطیب والحلق والجماع وقتل الصید فانه لا یخرج بذلک من الاحرام وعلیه ان یعود کما کان محرما ویجب دم واحد لجمیع ما ارتکب ولو کل المحظورات وانما یتعدد الجزاء بتعدد الجنایات اذا لم ینو الرفض اھ جلد ثانی باب الجنایات ص۲۰۲ دعنی۔

اور بعض علماء نے جو وجوب دمین کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ احرام ثانی سے رفض متحقق ہوگیا لہذا دوسرا دم تحقق رفض کی وجہ سے لازم آئے گا الخ یہ بناء الفاسد علی الفاسد ہے یعنی احرام ثانی سے تحقق رفض ہی جب ہوا کما تقدم بلکہ ثانی عین اول ہے۔ دوسرے تحقق رفض سے دم ثانی کا واجب کرنا یہ معلوم کہاں سے لکھا گیا ہے ہماری سمجھ میں نہیں آیا کہ نیت رفض سے ایک دم ہوا اور تحقق رفض سے دم آخر فان قام دلیل صریح ووجه صحیح فلا مضایقة والا فلا۔ ہاں اگر یہاں تحقق رفض ہوجاتا تو وجوب دمین کی یہ علت ہوسکتی تھی کہ ایک دم رفض کی وجہ سے اور دوسرا جمع بین النسکین کی وجہ سے کما صرح به فی اللباب مع شرحه عن البحر ص۱۱۲ وفیه اختلاف الروایتین کما فصله فیه فتدبر۔ واللہ اعلم۔ ۱۰ شوال ۳۳ھ

احرام میں ازار بدلنا جائز ہے

سوال (۱) زید کو عارضہ فتق کا ہے کثرت لینے سے مجبور رہتا ہے اور اکثر خون بواسیر کا کپڑے میں ٹپک جاتا ہے اور قطرہ پیشاب کا بعد طہارت کے کپڑے پر گرجاتا ہے جس سے وہ کپڑا ہمیشہ نجس ہوجاتا ہے چنانچہ اس کے دفعیہ ورفع شک کے لئے اس نے ہمیشہ یہ بات اختیار کی ہے کہ نماز کے وقت دوسرا تہبند باندھ کر نماز پڑھتا ہے۔ اور بعد نماز اس تہبند کو اتار کر سابق تہبند پہن لیتا ہے اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ جب کہ احرام حج کا تہبند باندھ چکا ہو ایسی حالت میں بوقت نماز دوسرے اس تہبند کو باندھ سکتا ہے یا نہیں یعنی تبدیل کرسکتا ہے یا اسی نجس تہبند سے نماز پڑھتا رہے۔

الجواب: احرام میں یہ ضرور نہیں کہ ایک ہی چادر اور ایک ہی لنگی اول سے آخر

تک بدن پر رہے بلکہ چادر اور لنگی کو بدلتے رہنا جائز ہے پس صورت مسئولہ میں سائل لنگی کو بدل سکتا ہے

احرام میں ہمیانی باندھنے کا حکم

سوال (۵) ڈوریا یعنی تھیلے سے جسے جو بغرض حفاظت نوٹ روپیہ وغیرہ کمر میں باندھا جاتا ہے آیا کمر میں باندھ سکتے ہیں یا نہیں علاوہ اس کے فتق کی کمانی جو لوہا چمڑہ اور تاگے سے بنی ہوتی ہے حالت احرام میں کمر میں باندھ سکتے ہیں؟ کیونکہ عارضہ موجود ہے۔

الجواب : نوٹ اور روپیہ کی حفاظت کے لئے کمر پر تھیلی باندھنا اور عارضہ فتق کی وجہ سے پیٹی باندھنا بھی جائز ہے۔ یہ اس مخیط میں داخل نہیں جس کی احرام میں ممانعت ہے۔ احرام میں وہ مخیط ممنوع ہے جو جسم کی وضع و تراش پر سلا ہوا ہو۔ فقط۔ ۱۱ شعبان سنہ ۵۲ھ

محظورات احرام کا ارتکاب بلا عذر کرے اور دم و صدقہ ادا کرنے سے عاجز ہو تو بعوض روزہ رکھنا کافی ہے یا نہیں

سوال (۶) محرم اگر محظورات احرام کا ارتکاب بلا عذر عمداً کرے اور دم و صدقہ ادا کرنے سے عاجز ہو تو اس کو دم کے عوض روزہ رکھنا کافی ہے یا نہیں؟

الجواب : روزہ رکھنا بھی اس حالت میں کافی ہے جب کہ وہ اراقت دم و ادا صدقہ سے عاجز ہو وقد ذکر العلامة زین الدین ابن نجیم فی البحر والملا رحمة الله السندی فی منسکہ ان المحرم اذا ارتکب المحظور علی وجہ الکمال من غیر عذر وضرورة فعلیہ الدم ولا یجزئہ الصوم عند عجزہ عن الدم قلت بل المقرر المنصوص علیہ فی کثیر من کتب المذہب المعتبرة اجزاء الصوم عند العجز عن الدم قال فی الاسرار للشیخ الاجل الامام القاضی ابی زید الدبوسی قال علماؤنا فی کفارة الحلق واللبس والتطیب والقص اذا وجبت عن عذر کان المکفر فیہا بالخیار بین النسک والصدقة والصیام و[عہ] اذا وجبت عن عمد وجبت علی ترتیب الهدی اولا فان لم یجد فالصدقة فان لم یجد فالصیام وقال یتخیر المکفر عن الحلق فی الحالین۔ ویترتب علیہ الوجوب عن اللبس والطیب فی الحالین انتہی وفی المحیط البرہانی فی نوع اللبس من الفصل الخامس وان لبس ما لا یحل لبسہ من غیر

[عہ] نقلت ہذہ العبارات الفقہیہ صدیقنا المولوی شیر محمد السندی عن رسالة المخدوم ہاشم السندی فی المناسک جزاہ اللہ خیر الجزاء۔ ۱۲ منہ

ضرورة اراق لذلك دماً وان لم يجد صام ثلثة ايام ثم ذكر بعده فى نوع
الحلق فى الاصل حلق المحرم رأسه بغير عذر اراق دماً وان لم يجد صام
ثلثة ايام وان فعل ذلك بعذر يتخير بين الكفارات الثلاثة على ما مر انتهى
وذكر فى الذخيرة ايضاً مثل ما ذكرنا فى نوع اللبس وذكر فى الظهيرية وشرح
الفارسى مثله وفى الملتقى ويلبس ما لا يحل لبسه بغير ضرورة يلزمه دم و
يفتدى بصوم ثلثة ايام انتهى ۔ فهذه نصوص صريحة فى اجزاء الصوم عند
العجز عن الدم ۔ واما تضعيف ابن نجيم كلام الظهيرية بما نقله عن الامام
الاسبيجابى فليس بصحيح اذ ليس فى كلامه صريحاً ما يخالفه ما فى الظهيرية
بل هو موافق لها على ما نبينه قال الاسبيجابى فى شرح المختصر للطحاوى
فى باب ما يجتنبه المحرم فان لبس المخيط يوماً كاملاً من غير ضرورة
فعليه لذلك دم لا يجزئه غيره الى ان قال وان فعل ذلك لعذر او ضرورة
فعليه اى الكفارات شاء وذكر مثله فى الحلق ايضاً ۔ فنقول مثل هذه
العبارات موجودة فى غيرها كالكافى للحاكم الشهيد والمبسوط للسرخسى
وغاية البيان شرح الهداية والبدائع والتمهيد لابى الفضل الكرمانى
حيث قالوا واما اذا فعل ذلك من غير ضرورة يتعين فيه الدم ولا يجزئه الصوم
انتهى ۔ فقول الاسبيجابى بعينه فعليه لذلك دم لا يجزئه غيره كلام مطلق
قابل للتقييد بما اذا كان قادراً وما فى الظهيرية والاسرار والمحيط وغيره
صريح فى جوازه عند العجز وقد تقرر فى كتب الاصول ان المطلق يحمل على المقيد
فى الادلة فيما اذا اتحد الحكم والحادثة فكيف فى الروايات ومما يدل
ايضاً على ان الكلام للامام الاسبيجابى ومن وافقه فى الاطلاق محمول
على ما اذا كان قادراً انهم قالوا اذا فعل ذلك بعذر فعليه اى
الكفارات الثلاث شاء ولا شبهة فى ان التخيير بين الكفارات الثلاثة
انما يتصور فى الغنى القادر اما الفقير العاجز فيتعين فى حقه الصوم لانه
لا قدرة له على غيره وجهد المقل دموعه فان قلت قد مر عن الامام
ان الكفارات اذا وجبت عن عمد وجبت على ترتيب الهدى ثم الصدقة

ثم الصيام والذى تقدم عن المحيط والظهيرية وغيرها وجوب الدم اولا فان لم يجد فصيام ولم يذكروا الصدقة فكيف التوفيق بين الكلامين قلت الظاهر ان الغالب ان من لم يجد الدم لا يجد الصدقة فقالوا بجواز الصوم عند عدم الدم بناء على الغالب والذى فى الاصل بناء على الامكان وحقيقة الامر فلا تنافى اھ نقلتها من رسالة السيد محمد امين بن حسن ميرغنى الحسينى المكى الحنفى من عينه. قاله المخدوم هاشم السندى التتوى بانه نحو مما مرّ العلامة ابن عابدين الشامى وله باع طويل ونظر واسع فى الفقه هذا وقال العلامة ابن عابدين فى حاشية البحر على قوله وبهذا ظهر ضعف ما قدمناه عن الظهيرية من انه ان لم يقدر على الدم صام ثلثة ايام ولم ار لغيرها اه مانصه وفى حاشية المدنى بعد ذكره كلام المؤلف و نقل المنلا رحمة الله فى منسكه الكبير نحوه ونقل عن الفارسى والبحر العميق نحو ما ذكره فى الظهيرية على وجه الاعتراض عليهما قال شيخنا مولانا السيد محمد امين ميرغنى بعد نقل عبارتهما فى رسالة له قلت بل المقرر المنصوص عليه فى كثير من كتب المذهب المعتبرة اجزاء الصوم عند العجز عن الدم كما ننبهه عليك وسرد الاقوال المؤيدة لكلامه فراجعها ان شئت اه (ص ۱۳-۲۲)   ۲ شوال سنہ ۳۶

عورت حالت احرام میں چہرہ کس چیز سے ڈھانپے

سوال (۷) عورت حالت احرام میں چہرہ کس چیز سے ڈھانپے؟ بمبئی میں جو کھجور کا پنکھا چہرہ ڈھانپنے کے لئے فروخت ہوتا ہے اس کو مولانا موصوف نے ناکافی لکھا ہے۔

الجواب: ہاں وہ پنکھا تو ناکافی ہے بہتر صورت یہ ہے کہ چھجے دار ٹوپی سر پہ رکھ کر اوپر سے برقعہ اوڑھ لے اس صورت میں چہرہ پر کپڑا نہ پڑے گا۔

بحالت احرام عورت کو مردانہ جوتا پہننا کیسا ہے

سوال (۸) سفر حج کے زمانہ میں عورت کو جہاز پر چڑھنے اترنے کی حالت میں اس اندیشے کہ زنانہ جوتا ازدحام کی وجہ سے کسی کے پیر سے دب کر عورت گر جائے گی مردانہ جوتا پہننا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: یہ اندیشہ محض وہم ہے ہزارہا مستورات زنانہ جوتا پہن کر حج کر چکی ہیں۔ کسی کی بھی نہیں گری۔

میقات سے مکہ جانیکا ارادہ نہ ہو تو میقات سے احرام باندھنا ضروری نہیں

سوال (۹) زید بارادۂ حج جا رہا ہے اور قصداً اس کا یہ ہے کہ میں اول جدہ سے مدینہ شریف جاؤں تو اس حالت میں اس کو میقات یلملم پر احرام باندھنا لازم ہوگا یا نہیں؟

الجواب: نہیں۔ میقات سے احرام باندھنا جب واجب ہے کہ میقات سے مکہ جانیکا ارادہ ہو۔

محرم عینک لگا سکتا ہے یا نہیں

سوال (۱۰) محرم چشمہ لگا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: لگا سکتا ہے۔

فصل فی القران والتمتع

آفاقی جدہ سے احرام باندھ کر مکہ جا کر عمرہ کر کے مدینہ چلا جائے تو واپسی میں قران یا تمتع کر سکتا ہے یا نہیں

سوال (۱) بخدمت جناب مولانا الحاج مولوی محمد ظفر احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ اب ذیل مسئلہ کثرت الوقوع درپیش ہے ان کو اچھی طرح واضح کر کے ارقام فرماویں تو درج کیا جاوے۔ مسئلہ۔ آفاقی اپنے وطن کو اس سال کے حج کرنے کی غرض سے اشہر حج میں نکلا اور وطن سے چلتے وقت یا میقات سے یہ قصد کیا کہ حد حرم سے باہر باہر مثلاً جدہ سے رابغ یا ینبوع سے ہوتے ہوئے پہلے مدینہ طیبہ کی زیارۃ سے مشرف ہو کر بعد میں آ کر حج کریں گے اس لئے میقات سے احرام نہ باندھا پس جب حل میں پہنچا جیسے جدہ میں آیا تو وہاں سے مدینہ طیبہ کا راستہ بند ہو گیا اس لئے مکہ مکرمہ کو جانا پڑا۔ اب جدہ سے عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ میں عمرہ بجا لایا گیا پھر مدینہ چلا گیا اب جو مدینہ سے واپسی ہوئی تو یہ شخص ذوالحلیفہ سے قران کر سکتا ہے یا نہ کیونکہ جب یہ جدہ یعنی حل سے اشہر حج میں عمرہ کا احرام باندھ کر آیا تو یہ حل کے حکم میں ہے گویا اب یہ مکی ہے اب اشہر حج میں باہر میقات سے گیا تو اب وہ قران نہیں کر سکتا اگر کرے گا تو دم اسارت لازم ہوگا۔ اور اگر وہاں سے فقط حج کرے تو متمتع بھی نہ ہوگا کیونکہ عمرہ اس کا آفاقی نہیں ہے اور دوبارہ اسے پھر تمتع کرے یعنی عمرہ کا احرام باندھے تو بھی منع ہے کیونکہ مکی کے حکم میں ہے اس مسئلہ کو میں تو یہی سمجھا ہوں منسک متوسط اور غنیۃ الناسک میں قواعد ہیں یہ مسئلہ تو غنیۃ الناسک میں صریح ہے کہ جو حاجی آفاقی اشہر حج میں آ کر عمرہ بجا لاوے پھر مدینہ طیبہ کو گیا اور وہاں سے قران کر کے آوے تو دم اسارت لازم ہے سابق صورت بھی ایسی ہی ہے تحقیق

سے جواب عنایت ہو اکثر حاجی ایسا کرتے ہیں ۔

الجواب : اقول وباللہ التوفیق قال فی شرح اللباب فی باب المواقیت وان لم یعلم المحاذاۃ فعلی مرحلتین من مکۃ کجدۃ المحروسۃ من طرف البحر اھ (ص ۳۰) وفی غنیۃ الناسک فی شرائط صحتہ (ای التمتع) ان یکون من اہل الآفاق والعبرۃ للتوطن (ص ۱۱۳) وفیہ ایضا ولا یشترط ان یکون احرام العمرۃ من المیقات ولا احرام الحج من الحرم بل ہو من الواجبات اھ وفیہ ایضا الخامس عدم الالمام الصحیح وہو ان یرجع الی اہلہ بعد العمرۃ حلالا ولو عاد الی غیر اہلہ الی موضع لا اہلہ التمتع والقران اتخذہ دارا اولا توطن لہا اولا ثم حج من عامہ یکون متمتعا عندہ لا عندہما ولو خرج من الحرم ولم یجاوز المیقات وحج من عامہ یکون متمتعا بالاتفاق اھ ص ۱۱۴ وفیہ ایضا وہو متمتع ان حج من عامہ وکذا لو خرج الی الآفاق لحاجۃ فقرن لا یکون قارنا عند ابی حنیفۃ وعلیہ رفض احدہما وبطل تمتعہ لان الاصل عندہ ان الخروج فی اشہر الحج الی غیر اہلہ کالاقامۃ بمکۃ فکانہ لم یخرج وقرن من مکۃ واما عندہما فکالرجوع الی اہلہ فاذا خرج بطل تمتعہ فلذا قرن من المیقات کان قارنا اھ (ص ۱۱۵)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ صورت مذکورہ میں صاحبین کے نزدیک جب یہ شخص مکہ سے مدینہ چلا گیا اور میقات سے تجاوز کر گیا اب یہ آفاقی ہو گیا اور دونوں میں اس کو قران وتمتع دونوں جائز ہیں کیونکہ خروج الی الآفاق وتجاوز عن المیقات سے تمتع اول باطل ہو گیا اور امام صاحب کے نزدیک تمتع باطل نہیں ہوا اس لئے اس کو مدینہ سے واپسی میں قران وتمتع نہ کرنا چاہئے اور امام صاحب کے قول پر عمرۂ اولیٰ کی وجہ سے تمتع اس طرح صحیح ہو گیا کہ تمتع کے لئے عمرہ کا آفاقیہ ہونا شرط صحت نہیں بلکہ واجبات سے ہے بدون عمرۂ آفاقیہ کے بھی تمتع ہو سکتا ہے گو دم اساءت لازم آئے گا ۔

مگر میرے نزدیک بصورت مسئولہ میں دم اساءت بھی لازم نہیں کیونکہ آفاقی ہندی کا جدہ سے احرام باندھنا بھی احرام من المیقات ہی ہے کیونکہ میقات اور محاذات میقات کا جہاز میں ہم کو علم نہیں ہو سکتا سوائے قول کافر پر اعتماد کرنے کے اور وہ معتبر نہیں پس جہاز میں احرام باندھنا صرف نفل ہے واجب نہیں بلکہ جدہ سے احرام واجب ہے اور وہی آفاقی ہندی کی اصل میقات ہے

پس عمرہ آفاقیہ ہوا اور دم اساءت لازم نہ ہوا نہ قول امام میں نہ قول صاحبین میں اور اگر قول امام پر اسقاط دم اساءت میں تکلف ہو تو قول صاحبین پر اس کا سقوط ظاہر ہے اور جب ابتلاء عام ہے تو اس مسئلہ میں قول صاحبین پر فتویٰ دینا چاہئے۔ واللہ اعلم۔ ۱۴؍ محرم سنہ ۳۶ھ

فصل فی الوصیۃ بالحج والحج عن الغیر

حج بدل کرنے والے کے لئے تمتع کا حکم

سوال (۱): آج کل رمضان کے بعد چونکہ سمندر میں طغیانی کا موسم ہوتا ہے اس لئے اکثر حجاج اس کی کوشش کرتے ہیں کہ رمضان میں یا اس سے پہلے حج کے لئے ہندوستان سے روانہ ہو جائیں مگر اس صورت میں حج بدل کرنے والوں کو سخت پریشانی پیش آتی ہے کہ اگر وہ حج کا احرام میقات سے باندھیں تو احرام بہت طویل ہو جاتا ہے جو باعث تکلیف ہے اور اگر تمتع کریں تو بعض علماء فرماتے ہیں کہ حج بدل والے کو تمتع جائز نہیں۔ امید ہے کہ اس صورت میں حکم شرعی سے مفصل و مدلل اطلاع دی جاوے تاکہ حج بدل والے اس پریشانی و حیرانی سے نجات پاویں۔ والسلام۔

الجواب: قال فی الشامیۃ تحت قول الدر (وھو الحیلۃ لمرید ذلک الا لمامور بالحج للمخالفۃ) ذکرہ فی البحر بحثاً بقولہ وینبغی ان لا تجوز ھذہ الحیلۃ للمامور بالحج لانہ حینئذ لم یکن سفرہ للحج ولانہ مامور بحجۃ آفاقیۃ واذا دخل مکۃ بغیر احرام صارت حجتہ مکیۃ فکان مخالفا وھذہ المسئلۃ یکثر وقوعھا فیمن یسافر فی البحر الملح وھو مامور بالحج ویکون ذلک فی وسط السنۃ فھل لہ ان یقصد البندر المعروف بجدۃ لیدخل مکۃ بغیر احرام حتی لا یطول الاحرام علیہ ثم احرم بالحج فان المامور لیس لہ ان یحرم بالعمرۃ اھ ای لانہ اذا اعتمر ثم احرم بالحج من مکۃ یصیر مخالفا فی قولھم کما فی التاتارخانیۃ عن المحیط وھل مخالفتہ لکونہ جعل سفرہ لغیر الحج المامور بہ او لکونہ لم یجعل حجتہ آفاقیۃ وعلی الثانی لو اعتمر او فعل الحیلۃ بان قصد البندر ثم دخل مکۃ ثم خرج وقت الحج الی المیقات فاحرم منہ لم یکن مخالفا لان حجتہ صارت آفاقیۃ۔ اما علی الاول فھو مخالف ویحتمل ان المخالفۃ بکل من العلتین کما یفیدہ اول عبارۃ

الحج المذکورة فتحقق المخالفة بالعلة الاولى لكن ذكر العلامة القاري في بعض رسائله مسئلة اضطرب فيها فقهاء عصره وهي ان الآفاقي الحاج عن الغير اذا جاوز الميقات بلا احرام للحج ثم عاد الى الميقات فاحرم هل يصح عن الآمر قيل لا وقيل نعم ومال هو الى الثاني قال وافتى به الشيخ قطب الدين وشيخنا سنان الرومي في منسكه والشيخ علي المقدسي قلت وهذا يفيد جواز الحيلة المذكورة لو عاد الى الميقات واحرم والجواب عن قوله لان سفره حينئذ لم يكن للحج انه اذا قصد البلد عند المجاوزة ليقيم به اياما لبيع او شراء مثلا ثم يدخل مكة لم يخرج عن ان يكون سفره للحج كما لو قصد مكانا آخر في طريقه ثم انتقل عنه والله تعالى اعلم فافهم منحة ۲۳

اس عبارت سے چند باتیں معلوم ہوئیں (۱) مامور بالحج کو میقات سے بلا احرام تجاوز کرنا یا احرام عمرہ باندھ کر جانا اس وجہ سے ممنوع ہے کہ اس صورت میں مخالفت آمر لازم آتی ہے (۲) وجہ مخالفت دو ہیں ایک یہ کہ اس صورت میں یہ سفر حج کے لئے نہ ہوا جس کا وہ مامور ہے۔ دوسرے یہ کہ اس صورت میں حج میقاتی نہ ہوگا جس کا وہ مامور ہے۔ پہلے اشکال کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اثناء سفر میں کسی جگہ چند روز کے لئے قیام کرنا جبکہ وہاں سے مکہ ہی کا جانے کی نیت ہے قاطع سفر نہیں بلکہ یہ تمام سفر حج ہی کے لئے شمار ہوگا۔ دوسرے اشکال کا جواب دیا گیا کہ اگر وہ میقات سے بدون حج کا احرام باندھے گذر جائے اور پھر حج کے وقت میقات سے احرام باندھ لے تو اس صورت میں بھی حج میقاتی ہو جائے گا۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ میقات خود فی نفسہ اصل حج کے لئے بھی شرط نہیں بلکہ واجبات حج میں سے ہے پھر نیابت کے لئے اس کو شرط کیونکر مانا جا سکتا ہے اگر کوئی دلیل صریح و نقل صحیح اس پر دلالت کرتی ہو تب ہی ورنہ یہ شرط باطل ہے قال العلي القاري في منسكه وفيه انه ان اراد بالميقاتية المواقيت الآفاقية ففي الاطلاق نظر ظاهر اذ تقدم ان المكي اذا اوصى بالحج ان يحج عنه من مكة ولكن الاسبق ان من اوصى ان يحج عنه من غير بلده يحج عنه مما اوصى قريب من مكة او بعيد وايضا فيه اشكال آخر حيث ان الميقات من اصله ليس شرط لمطلق الحج واصالته بل انه من واجباته فكيف يكون شرطا لوقت نيابته فان وجد نقل صريح ودليل صحيح فلا كلام مسلم و

الا نادرا واللہ سبحانہ اعلم اھ ص ۲۵۲۔

مگر یہ تفصیل اس وقت ہے جبکہ مامور کو افراد کا حکم کیا گیا ہو تمتع یا تجاوز بلا احرام کی اجازت نہ دی گئی ہو کیونکہ مخالفت کا اطلاق اسی صورت میں صادق ہو سکتا ہے۔ اور اگر آمر نے صراحۃً یا بعموم الفاظ مامور کو اجازت تمتع وغیرہ کی دے دی ہو تو اس صورت میں چونکہ مخالفت لازم نہیں آتی اس لئے اس کو تمتع کر لینا جائز ہوگا۔

فی المناسک للقاری۔ الثالث عشر عدم المخالفة فلو امره بالافراد ای للحج او للعمرة فقرن او تمتع ای بان نوی العمرة عن المیت ثم حج عنه فانه یصیر مخالفا اجماعا علی ما فی البحر الزاخر ولعل وجهه انه مامور بان یصرف السفر للحج عن المیت فانه الفرض علیه وینقص فی مطلق الامر الیه الا انه یشکل اذا امره بافراد العمرة ثم اتیان الحج بعده او صرح بالتمتع فی سفره او بتفویض الامر الیه الخ ص ۲۵۳ وقال الملا رحمة اللہ السندی فی رسالته لباب المناسک مع الشرح ص ۲۰ وینبغی للآمر ان یفوض الامر الی المامور فیقول حج عنی کیف شئت مفردا او قارنا او متمتعا اھ وقال فی الدر المختار ودم القران والتمتع والجنایة علی الحاج ان اذن له الآمر بالقران والتمتع والا کان مخالفا فیضمن الخ۔ قال فی الشامیة قوله علی الحاج ای المامور اما الاول عہ فلانه وجب شکرا علی الجمع بین النسکین وحقیقة الفعل منه وان کان الحج یقع عن الآمر لانه وقوع شرعی لا حقیقی۔ واما الثانی فباعتبار انه تعلق بجنایته۔ افاده فی البحر ص ۳۰۳ ج ۲ قلت قال فی البحر تحت قول الکنز ودم القران والجنایة علی المامور واراد بالقران دم الجمع بین النسکین قرانا کان او تمتعا کما صرح به فی غایة البیان لکن بالاذن المتقدم الخ ص ۲٦ وفی لباب المناسک حتی لو امره بالقران او التمتع فالدم علی المامور الخ ص ۲۲ فعبارة لباب المناسک والدر المختار والشامیة والبحر مصرحة بان المامور یجوز له ان یتمتع اذا اذن له الآمر وان علیه اذا تمتع دم التمتع فقط لا ضمان النفقة

عہ المراد بالاول دم القران والتمتع معا کما صرح به فی البحر ۱۲

وانما يضمن اذا لم يأذن له الآمر في ذلك فخالف امره لا يقال لزوم دم التمتع على المامور لا يستلزم وقوع الحج عن الآمر بل يحتمل ان يقع الحج عن المامور دون الآمر ولا ضمان عليه لكونه متمتعا بالاذن قلت لو كان الحج واقعا عن المامور لم يكن لذكر التمتع هناك معنى لانه لا اشكال حينئذ في لزوم الدم على المامور لانقطاع نسبته عن الآمر على ان الشامي قد صرح بكون الدم دم شكر وان الحج يقع عن الآمر وكذا صرح في البحر كما تقدم . واما ما اورده العلامه القاري على عبارة اللباب حج عني كيف شئت مفردا او قارنا او متمتعا الخ بانه هذا القيد (يعني قوله متمتعا) سهو ظاهر اذ التفويض المذكور في كلام المشائخ مقيد بالافراد والقران لا غير الخ فقد اجاب عنه في حاشية عمدة ارباب الفتوى بجواب حسن ونصه هذا . اعلم ان المامور بالحج لو اذن له الآمر بالتمتع فتمتع يقع الحج عن الآمر كما صرح به في رد المحتار ولا يكون مخالفا كما في الدر المختار وعبارته (ودم القران) والتمتع (والجناية على الحاج) ان اذن له الآمر بالقران والتمتع والا فيصير مخالفا انتهى وعلى هذا يقال اذا صح اذن الآمر للمامور بالتمتع صح ان يعبر به فيه كما ذكره صاحب المنسك الوسط وحينئذ يجوز التمتع في الصورة المذكورة ويكون ما ذكره علي القاري من التقييد في عبارة المشائخ اتفاقيا لا احترازيا وما ذكره من اشتراط ان تكون الحجة آفاقية ليس على عمومه بدليل تجويزهم التمتع عند الاذن به مع انه ليس فيه حجة آفاقية قطعا فليتامل . قلت ويؤيده ما في البرهان وخفي خلافه في بالافراد فخالف با وان نواه للآمر عند ابي حنيفة كالتمتع له اي للآمر بالافراد وانما يصير مخالفا لانه مامور بان يحج عنه من الميقات والمتمتع يحج من جوف مكة فكان هذا غير ما امر به اه ص ۲۰۲ جلد اول قلمي . قلت فقوله كالتمتع له اي للآمر بالافراد يدل على ان المتمتع انما يصير مخالفا بالتمتع اذا تمتع لمن امره بالافراد واما لو امره بالتمتع فتمتع فلا مخالفة فافهم .

خلاصہ یہ کہ مامور بالحج کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ آمر اس کو صراحۃً افراد یا حج کا حکم کرے

اور تمتع سے صراحۃً منع کردے یا ممانعت پر قرینہ قائم ہو اس صورت میں مامور بالحج کے لئے طول احرام سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ وہ اپنے گھر سے روانہ ہوتے ہوئے چند روز جدہ میں قیام کرنے کی نیت کرے اور اس سفر کو جدہ کا سفر قرار دے اور راستہ میں نہ عمرہ کا احرام باندھے نہ حج کا نہ اپنی طرف سے نہ آمر کی طرف سے اور بدون احرام کے چند روز کے بعد جدہ کے قیام سے فارغ ہو کر مکہ میں چلا جاوے اور عمرہ وغیرہ کچھ نہ کرے صرف طواف وغیرہ بدون احرام کے کرتا رہے اور وقت حج پر جدہ آکر احرام حج باندھ کر حج ادا کرے قال فی حاشیۃ السعود ینبغی التفصیل وھو انہ ان جاوز المیقات بلا احرام قاصد البستان ثم دخل مکۃ ثم خرج الی الحل وقت الاحرام فاحرم من المیقات عن الآمر یجوز لانہ صار آفاقیا کما یاتی وان فعل نسکا غیر ما امر بہ قبل احرامہ عن الآمر یکون مخالفا وان عاد الی المیقات واحرم عنہ من المیقات فتامل اھ ص۳۱

اور دوسری صورت یہ ہے کہ آمر صراحۃً تمتع کی اجازت دیدے یا یہ کہدے کہ پہلے عمرہ میری طرف سے کرنا اور پھر حج کرنا یا مامور کو اختیار عام دیدے کہ تم جس طرح چاہو کرلینا اس صورت میں مامور کو تمتع جائز مگر تمتع کے لئے شرط ہے کہ عمرہ کے لئے شوال سے پہلے نہ کیا جاوے لہذا اگر ہندوستان سے ایسے وقت میں روانگی ہو کہ مکہ میں شوال سے پہلے پہونچ جاوے تو اس صورت میں اگر تمتع کی نیت کی جاوے گی تو شوال کی پہلی تک محرم رہنا ضروری ہوگا یکم شوال کو عمرہ کے افعال ادا کرکے حلق کردیا جاوے اور بہتر یہ ہے کہ آمر سے تمتع کی بھی اور عمرہ مفردہ کرنیکی بھی صراحۃً الگ الگ اجازت لے لی جاوے یا عام اختیار لے لیا جاوے کہ مامور جس طرح چاہے گا حج کرے گا خواہ افراد سے یا قران وتمتع سے یا پہلے عمرہ مفردہ کرکے پھر حج کردے گا۔ ان سب صورتوں میں مامور کو حج کا احرام مکہ ہی سے باندھنا جائز ہوگا میقات کی طرف عود لازم نہ ہوگا بس عمرہ کرکے احرام کھول دے پھر وقت پر حج کرلے

والسلام حررہ احقر الطلبہ ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۲ محرم ۴۳ھ

الجواب صواب

اشرف علی ۳ محرم الحرام ۴۳ھ

تنبیہ :- اس مسئلہ میں شافعیہ کے قول پر بھی مامور بالحج کو تمتع کرنا باذن الآمر جائز ہے بلکہ ان کے نزدیک اگر تمتع کی اجازت بھی نہ ہو اور تمتع کرے تب بھی حج ہو جائے گا صرف اجرت میں کسی قدر کمی کردی جائے گی قال فی الوجیز ص۔ (الثانیۃ اذا خالف فی المیقات فاحرم بعمرۃ عن نفسہ

ثم احرم بحج للمستاجر من مكة ففي قول لا تجب المسافة لانه صرفه الى نفسه فيرد من اجرته بقدر التفاوت بين حجه من بلده وبين حجه من مكة فيكثر المحطوط وعلى قول تجب المسافة فلا يحط الا مقدار التفاوت بين حج من الميقات وحج من مكة فيقل المحطوط اهـ وفيه ايضا وان امر بالقران فتمتع كان كالقران على وجه وفي وجه جعل مخالفا له وعليه الدم ووجود الخلاف في حط شيئ من الاجرة اهـ ص ۳۸ ۔

ظفر احمد عفا عنہ ۱۸ رمضان سنہ ۴۳ھ

ایصال الخیر مسائل الحج عن الغیر (یعنی حج بدل کے ضروری مسائل)

حج بدل کے صحیح ہونے کی چند شرطیں ہیں (۱) اُجرت کی شرط نہ ہو (۲) بھیجنے والے کے مال ہی سے حج کیا جاوے لیکن اگر زیادہ تر خرچ میت کے مال سے کرے اور کچھ اپنا بھی خرچ ہو جائے تو جائز ہے۔ (۳) اگر حج بدل والا میت کی رقم کو اپنی رقم سے علیحدہ رکھے تب تو وہ امانت ہے اگر باوجود احتیاط کے ضائع ہو جائے تو ضامن نہ ہوگا اور اگر اپنی رقم کے ساتھ خلط کر دے گا تو ضامن ہوگا۔ (۴) اگر ثلث مال میں وسعت ہو تو حج سوار ہو کر کرنا چاہئے اگر پیادہ حج کرے گا اور کرایہ کی رقم اپنے لئے بچاوے گا تو ضمان دینا واجب ہوگا اگرچہ بھیجنے والے نے پیادہ حج کرنے کی اجازت بھی دے دی ہو اور سوار ہونا مکہ سے عرفات تک اور وہاں سے مکہ کی واپسی تک واجب ہے باقی سفر میں اگر بھیجنے والے کی اجازت سے پیادہ چلے تو جائز ہے۔ (۵) حج میت کے وطن سے کرنا چاہئے۔ (۶) میت کی طرف سے احرام کے وقت حج کی نیت کرنا چاہئے یعنی زبان سے یوں کہے کہ میں فلاں شخص کی طرف سے حج کی نیت کرتا ہوں اور اگر نام بھول جائے تو یوں کہہ لے کہ جس شخص کی طرف سے مجھ کو حج کے واسطے بھیجا گیا ہے میں اس کی طرف سے حج کی نیت کرتا ہوں (۷) احرام میقات سے باندھنا چاہئے بدون اجازت بھیجنے والے کے عمرہ کا احرام میقات سے نہ باندھے نہ تمتع کرے ہاں اگر وہ اجازت دیدے یا یوں کہہ دے کہ جس طرح چاہو حج ادا کر دینا تو تمتع بھی جائز ہے ھذا ھو الحق عندنا مگر اختلاف سے بچنا چاہیے اس لئے میقات سے احرام حج ہی کا باندھے۔ (۸) حج بدل والے کو جو روپیہ دیا جائے اس میں غایت احتیاط لازم ہے ورنہ حق العباد کا مواخذہ سر پر ہوگا سفر کے بعد جو کچھ رقم اور سامان رقم سے خریدا ہوا باقی بچے سب واپس کر دے اور بہتر یہ ہے کہ بھیجنے والا پہلے ہی یہ کہہ دے کہ اگر خرچ میں کوئی بے عنوانی اتفاقاً ہو جائے تو میری طرف سے معاف ہے۔

* * *

والدین کی طرف سے حج بدل کرنا جبکہ انہوں نے وصیت نہ کی ہو

سوال (۳) اگر والدین حج بدل کے واسطے وصیت نہ کر گئے ہوں تو کوئی شخص اپنی خوشی حج بدل کرے یا کروائے تو حج بدل ہو جائے گا ؟

الجواب: قال العلامة القاری فی مناسکه فی شرائط الحج عن الغیر الرابع الأمر ای بالحج فلا یجوز حج غیره عنه بغیر أمره ان اوصی به ای بالحج عنه۔ فان اوصی بان یحج عنه فتطوع عنه اجنبی او وارث لم یجز وان لم یوص به ای بالاحجاج فتبرع عنه الوارث وکذا من هو من اهل التبرع ونحوه فحج ای الوارث ونحوه بنفسه ای عنه او احج عنه غیره جاز ای ذلك التبرع او الحج او الاحجاج او ما ذکر جمیعه والمعنی جاز عن حجة الاسلام ان شاء الله تعالی کما قال فی الکبیر اھ ص ۲۳۹ -

صورت مسؤلہ میں اگر کوئی شخص مرحومین کی طرف سے تبرعاً حج کر دے خواہ وارث ہو یا غیر وارث ہو تو امید ہے کہ ان شاء اللہ حج فرض اس کے ذمہ سے ادا ہو جائے گا ۔

حج بدل میں اگر مامور کے پاس خرچ نہ ہو اور وہ قرض لیکر حج کرے تو کیا حکم ہے

سوال (۴) ایک عرض بندہ کی یہ ہے کہ حج بدل کرنے والے پر اگر خرچ نہ رہے اور اپنے پاس سے یا کسی سے قرض لیکر چلا آوے اور قرض اپنے ذمہ لیوے یا بدل کا بھیجنے والا دیوے تو پھر حرج تو نہیں یعنی حج میں کچھ نقص نہیں ہوا ؟ اس کا جواب بھی عنایت ہو ۔ فقط

الجواب: حج بدل کے مسئلہ میں جب حج بدل کرنے والے کے پاس خرچ نہ رہے اور وہ اپنے پاس سے یا کسی سے قرض لیکر چلا آوے تو یہ دیکھنا چاہیے کہ سفر حج کا زیادہ خرچ آمر کے مال سے ہوا ہے یا حج بدل کرنے والے کی رقم سے صورت اول میں تو حج بدل صحیح ہو گیا اور دوسری صورت میں صحیح نہیں ہوا بلکہ وہ حج خود کرنے والے کی طرف سے ہو گیا ۔ اور یہ اس صورت میں ہے جبکہ آمر (یعنی بھیجنے والے) نے اس کو اپنے پاس سے یا قرض کرکے خرچ کرنے کی اجازت نہ دی ہو اور اگر اجازت دے دی ہو کہ خرچ کم ہو جائے تو تم اپنے پاس سے یا قرض لیکر خرچ کر لینا تو ہم تم کو دیدیں گے تو بہر حالت میں حج بدل درست ہے خواہ آمر کی دی ہوئی رقم کم ہو یا زیادہ ہو قال فی شرح اللباب ففی قاضی خان اذا لم یکفه مال المیت فانفق من مال نفسه فان کان اکثر النفقة من مال المیت فهو جائز والا فهو ضامن وفی الکرمانی ان انتقص المال عن نفقة الطریق فاستدان او انفق من مال نفسه ان

www.ahlehad.org

كان محتاجا النفقة وهو صبي أو أنثى ولا نحوهما من أعراض بدنه بنت ولد الصورة الثانية ظاهرة فإن جميع ما ينفقه من مال نفسه أو يستدين أنه بالإذن نحو من مال الآمر حكماً والله أعلم ۔ ۲ رجب ۴۲ھ

حج کے مال سے غیر میت وارث و ورثہ طلب کی ایک صورت کا حکم

سوال: (۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنا حج فرض ادا کرنے کو کعبہ شریف روانہ ہو کر راستہ میں قبل میقات انتقال کر گیا اور وہ مر گئے۔ پھر یعقوب نے اس کی نیت سے اس کا حج فرض کیا مگر میت نے وصیت نہیں کی تھی اس کا روپیہ تھا یا نہیں اس نے باقی رقم میں خرچ کیا۔ اب میت کے وارث اس سے روپیہ طلب کرتے ہیں تو اس صورت مذکورہ میں میت کا حج فرض ادا ہو گیا یا نہیں اور میت کے وارث روپیہ مانگنے کے مستحق ہیں یا نہیں اگر اس کی نیت سے حج فرض ادا ہو گیا جیسا کہ عبارات کتب سے معلوم ہوتا ہے تو پھر وارث میت اس سے روپیہ واپس لینے کے حقدار کیونکر ہو سکتے ہیں اس کی وجہ بھی طرح سے تحریر کرنے کی ضرورت ہے تسلی ضرور فرمائیں زبدۃ المناسک باب الحج عن الغیر صفحہ ۱۹۷ میں لکھتے ہیں دوسری قسم یہ اگر کوئی زندہ کی طرف سے بدون امر کے حج کر دیوے گا تو فرض زندہ کا ساقط نہ ہوگا اور مردہ بھی اگر وصیت کر کے مرا ہے تو بغیر وارث کے حج مردہ کا ادا نہیں ہو سکتا مگر جو مردہ بدون وصیت حج کے مر گیا تو اگر کسی نے وارث ہو یا اجنبی تبرعاً اس کا حج فرض ادا کر دیا تو حج فرض مردہ کا ادا ہو جاوے گا انشاء اللہ تعالیٰ اور شامی باب الحج عن الغیر صفحہ ۲۵۹ وإن لم يوص فتبرع عنه الوارث یہ سب عبارت اس کو شامل ہے یا نہیں اگر شامل نہیں تو وجہ کیا ہے بالتفصیل تحریر کیجئے اور یہ روایت قابل حجت ہے یا ضعیف متین؟ فقط۔ ۲۴ ربیع الاول ۴۲ھ

الجواب: جب میت نے وصیت نہیں کی تھی تو اس کا متروکہ سب کا سب ملک ورثہ ہے میت کا اس میں کچھ حق نہیں رہا۔ میت کا حق ثلث ترکہ میں بھی وصیت سے ہوتا ہے بدون وصیت کے نہیں ہوتا۔ لیکن جب رفیق نے میت کی طرف سے حج کرنے میں یہ رقم صرف کی ہے اس نے ورثہ کا مال مملوک بدون ان کے اذن کے صرف کیا ہے لہذا اس حج بدل کرنے والے کے ذمہ اس رقم کا ضمان واجب ہے روپیہ ورثہ کو ادا کرے اور جس عبارت سے سائل نے استدلال کیا ہے اس میں تو خود لکھا ہے کہ اگر مردہ وصیت کرتا ہے تو بدون امر وارث کے حج مردہ کا ادا نہیں ہو سکتا الخ۔ پس رفیق کا حج مال میت سے بدون امر وارث یا اذن وارث کے صحیح نہیں ہو سکتا۔

اور اجنبی کے جس حج کو بدون وصیت کے بھی میت کی طرف سے درست مانا گیا ہے وہ وہ ہے جو اجنبی نے تبرعاً کیا ہو چنانچہ عبارت زبدہ میں تبرعاً کی قید مصرح ہے اور اس میں بھی یہ جزم ویقین نہیں کہ میت کی طرف سے حج ہو بھی جائے گا بلکہ امید کا لفظ ہے بہرحال صورت مسئولہ میں چونکہ اس رفیق نے میت کی طرف سے تبرعاً حج نہیں بلکہ ورثہ کے مال میں سے حج کیا ہے اور ورثہ کے بدون اجازت کیا ہے اس لئے یہ حج میت کی طرف نہیں ہوا بلکہ خود اس رفیق ہی کا حج ہوا اس پر ورثہ کو ضمان دینا واجب ولازم ہے ۔ فقط ۔

۲۲ ربیع الثانی ۳۳ھ

متعلق حج بدل

سوال (۶) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل کی نسبت از روئے شرع شریف کے ۔

اگر کسی غنی متوفی کی طرف سے زید ایسے مفلس نے حج بدل ادا کیا جس نے ابھی اپنا حج فرض ادا نہیں کیا ہے تو مرحوم کا حج ادا ہو جاتا ہے یا نہیں ۔ اور ایسے زید حج بدل کرنے والے کے ذمہ سے بھی فرضیت حج عمر بھر کو ساقط ہو جاتی ہے یا نہیں اگر ایسے زید حج بدل کرنے والے سے عمر بھر کو فرضیت حج ساقط نہیں ہوتی تو اپنے تمام کام وآرام اہل وعیال وغیرہ چھوڑ کر حج کے سفر وغیرہ کی سخت جانکاہ تکالیف ومصیبتیں اٹھا کر حج بدل کو جانے سے کیا فائدہ ہے ۔ پس اس لئے اگر حج بدل کرنے والا حج بدل کرانے والے سے ضروری مصارف حج کے سوائے اپنے نقصانات معاش کا کچھ معاوضہ نقد وغیرہ بھی لے لے تو شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب : جس مفلس نے اپنا حج نہیں کیا ہے وہ دوسرے کی طرف سے حج بدل کر سکتا ہے لیکن افضل یہ ہے کہ ایسے شخص کو بھیجا جائے جس نے اپنا حج فرض ادا کر لیا ہو ۔ باقی اس مفلس کے ذمہ سے جس نے بدون اپنا حج کئے دوسرے کا حج فرض ادا کیا ہے عمر بھر کے لئے فرض حج ساقط نہیں ہوا بلکہ اگر کسی وقت اس کے پاس مال زیادہ ہو گیا جس میں حج بشرائطہ ہو سکے تو اس کو اپنی طرف سے دوبارہ حج کرنا فرض ہوگا کیونکہ حج بدل تو دوسرے کا تھا اس کی طرف سے تھوڑا ہی تھا ۔ نعم لو حج عن الغیر تطوعاً یقع عن المأمور قال القاری فی مناسکہ وفی حج النفل یقع عن المأمور اتفاقاً ای باتفاق مشائخنا وللآمر الثواب ای ثواب النفقة لان الحدیث ورد فی الفرض دون النفل اھ (ص ۲۶۳) ولکنہ لا یسقط الفرض عن الفاعل بحال وقال فی الدر وقیل عن المأمور نفلاً وللآمر ثواب النفقة کالنفل اھ قال الشامی مقتضاہ ان النفل یقع عن المأمور اتفاقاً وللآمر ثواب

النفقة وبه صرح بعض الشراح رحمتی علیه في اللباب ورده الاتقاني في غاية البيان بانه خلاف الرواية لما قاله الحاكم الشهيد في الكافي الحج التطوع عن الصحيحات ثم قال وفي الاصل يقع الحج عن المحجوج اهـ رد ۲۹۳ / ۲۲

رہا یہ کہ جب اس کے ذمے سے حج فرض ساقط نہیں ہوتا تو اپنے کاروبار و آرام کو چھوڑ کر سفر حج کی صعوبت اٹھانے میں کیا فائدہ ہے اس کا جواب یہ ہے کہ جو اس کو بے فائدہ سمجھے اس کو کوئی بھی فائدہ نہ ہوگا وہ ہرگز نہ بھیجے بلکہ ایسے شخص کو بھیجنا چاہیے جو ایک بار اپنا حج کرکے بیت اللہ اور بیت رسول اللہ کی زیارت سے آنکھیں ٹھنڈی کر چکا ہو وہ بتلائے گا کہ اس سفر کی صعوبت برداشت کرنے میں کیا فائدہ ہے یہ تو نفع عاجل ہے جس کا علم ایک بار حج کرنے والے کو دنیا ہی میں ہو جاتا ہے اور جو ثواب مرنے کے بعد سامنے آئیگا اس کا علم قبر میں پہونچکر ہو جائے گا۔ اور دوسرے کی طرف سے حج کرنے کا ثواب بعض وجوہ سے اپنے حج کے ثواب سے بھی زیادہ ہو جاتا ہے۔

رہا یہ کہ حج بدل کرنے والا حج بدل کرانے والے سے اپنے نقصان معاش کا معاوضہ لے تو جائز ہے یا نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ معاوضہ لینا جائز نہیں کیونکہ اگر یہ معاوضہ نقصان معاش و کاروبار کا ہے تو نقصان کاروبار کوئی عین متقوم نہیں جس کا معاوضہ جائز ہو اور اگر یہ معاوضہ اپنی مشقت و محنت کا ہے جو سفر میں لاحق ہوگی تو اس صورت میں اجارہ ہوگیا اور حج بدل اجارہ کے ساتھ ناجائز ہے بعض اقوال پر وہ حج ہی نہ ہوگا اور راجح یہ ہے کہ اجارہ تو فاسد ہے اور حج ہو جائے گا۔ البتہ اگر معاوضہ کے طور پر نہ ہو بلکہ آمر اپنی خوشی سے اجازت دیدے کہ میں یہ رقم حج کے لئے دیتا ہوں اور حج کے بعد جو بچے اس کے متعلق تم کو وکیل کرتا ہوں کہ یہ فاضل رقم اپنے کو میری طرف سے ہبہ کر لینا تو اس صورت میں وہ فاضل رقم اور سامان و ثیاب و متاع جو حج کے بعد باقی ہے مامور اپنی ملک میں لا سکتا ہے اسی طرح اگر کسی شخص کے ذمہ اہل و عیال کا نفقہ واجب ہے اور دوسرا شخص اس کو حج بدل میں بھیجنا چاہتا ہے اور یہ صاحب عیال یوں کہے کہ مدت حج کے لئے میں نفقہ عیال اس وقت نہیں دے سکتا تم اگر مجھی کو بھیجنا چاہتے ہو تو میرے اہل و عیال کا نفقہ بھی اس قدر دے دو اور یہ گفتگو بطور معاوضہ اور معاہدے کے نہ ہو بلکہ دوستانہ طور پر ہو اور اس کے بعد بھیجنے والا خوشی سے اس کے اہل و عیال کا نفقہ بھی ادا کر دے تو جائز ہے بشرطیکہ حج بدل کرانیوالا خود زندہ ہو اور اگر وصیت کر کے مر گیا ہے تو اس کے حج بدل میں نفقہ سفر حج متعارف سے زیادہ دینے کا اختیار ورثہ بالغین کو ہے نابالغوں کے حصہ میں سے جائز نہیں اگر ورثہ نابالغ بھی ہوں تو بقدر کفایت معروفہ حج تو ثلث الکل ہی سے دیا جائے اور تبرع فاضل یا

نفقہ اہل وعیال کے لئے بالتعیین اپنے حصہ میں سے رقم دیا اور نفقہ اہل وعیال مامور میں تفصیل ہے کہ نفقہ معروفہ ضروریہ پر بھیجے جانیوالے دستیاب ہوں۔ یعنی ایسے مجبور لوگ بھی حج بدل کو تیار ہوں جن کے ساتھ اہل وعیال کا خرچ لگا ہوا نہیں اور وہ صرف سفر حج کا خرچ لیکر جا سکتے ہیں اور اگر بجز صاحب عیال شخص کے اور کوئی معتبر با قاعدہ حج کو صحیح ادا کرنے والا نہ ملتا ہو تو اس صورت میں ثلث الکل سے بھی مامور کی اہل وعیال کا نفقہ دیا جاتا ہے۔ بلکہ ورثہ پر لازم ہے کہ جبکہ مورث نے وصیت حج کی ہو اگر ثلث الکل میں وسعت ہو۔ لان نفقۃ الحج تختلف باختلاف الاشخاص قال القاری فی شرح المناسک ولا ینفق المامور من مال المیت علی من یخدمہ ای خدمۃ یقدر علیہ بنفسہ الا اذا کان ممن لا یخدم نفسہ ای لکبرہ او عظمتہ اھ (ص ۲۵۹) قلت فکذا یختلف الحکم لکون المامور اعزب او صاحب العیال فیعطی الاول نفقۃ اقل من الثانی لاختلاف احوالھما شرعا وعرفا ولا یعطی صاحب العیال تلک الزیادۃ عوضا عن شیء بل اعانۃ لہ فی اداء الواجب کما زیدت نفقۃ صاحب العظمۃ اعانۃ لہ فی حفظ حرمتہ واللہ اعلم ولعل ھذا الظاھر غیر خفی والعبارۃ المحررۃ ما فی الکافی للحاکم ولہ نفقۃ مثلہ و زاد ایضاحھا فی المبسوط فقال وھذہ النفقۃ لیس یستحقھا بطریق العوض بل بطریق الکفایۃ لانہ فرغ نفسہ لعمل ینتفع بہ الآمر اھ (شامی ص ۲۹۲ ج ۲) قلت فکان نفقۃ المامور بالحج کنفقۃ القاضی والعامل و نفقۃ عیالھما تدخل فی نفقتھما اذا قدر بما یکفیھما وعیالھما فکذا ھھنا اذا لم یوجد الا عزب وکانت الوصیۃ بالحج لا علی التعیین و اما لو عین الموصی رجلا ذا عیال ان یحج عنہ فلا شک فی دخول نفقۃ عیالہ فی نفقۃ الحج وتوخذ من ثلث الکل وفی الدر یشترط اھلیۃ المامور لصحۃ الافعال فجاز حج الضرورۃ (وھو من لم یحج) والمراۃ ولو امۃ و العبد وغیرہ کالمراھق وغیرھم اولی لعدم الخلاف اھ قال الشامی لا یخفی ان التعلیل یفید ان الکراھۃ تنزیھیۃ لان مراعات الخلاف مستحبۃ اھ (ص ۲۹۳ ج ۲) وفیہ ایضا وعلیہ رد ما فضل من النفقۃ وان شرطہ فالشرط باطل الا ان یوکلہ بھبۃ الفضل من نفسہ او یوصی المیت بہ لمعین اھ (ص ۳۰ ج ۲)

مامور اپنی جائے قیام سے حج کرے تو حج آمر کا صحیح ہو جائیگا یا نہیں

سوال (۱۰) حج بدل میں اگر مامور بجائے وطن آمر کے اپنی جائے قیام سے خواہ اقرب خواہ ابعد اپنی طرف سے حج کرنا چاہے تو شرعاً فریضہ کی رو سے آمر کے ذمہ سے حج فرض ساقط ہوگا یا نہیں! اور ہر دونوں (اقرب اور ابعد) صورتوں میں کس جگہ سے نفقہ کا مستحق ہوگا؟

الجواب: صورت مسئولہ میں اگر ثلث مال آمر میت میں بلد آمر میت سے حج کرنے کی گنجائش تھی اور پھر وہاں سے نہیں کیا گیا تو یہ حج آمر کی طرف سے صحیح نہیں ہوا بلکہ مامور کا حج ہوا اور وہ نفقہ کا ضامن ہوگا یعنی کل نفقہ کا الغرض اگر وہ جگہ جہاں سے مامور گیا ہے وطن آمر سے اتنی قریب ہو کہ دن میں جا کر رات کو وطن آمر میں بسیر وسط کے ساتھ ہو آ سکیں تو ضمان نہیں ہوگا اور حج بھی آمر کی طرف سے ہو جائے گا یا محجوج عنہ زندہ ہو اور اس نے غیر وطن سے حج بدل کی اجازت دے دی ہو۔ یا میت ہو اور غیر وطن سے حج کرنے کی وصیت کر گیا ہو تب بھی حج آمر اور میت کی طرف سے صحیح ہو جائے گا اور مامور پر نفقہ کا ضمان نہ ہوگا قال فی اللباب المناسک ان یحج عنه من وطنه ان اتسع الثلث ای ثلث مال المیت وان لم یتسع یحج عنه من حیث یبلغ ای استحسانا الی ان قال اذا وجب الحج من بلده فاحج الوصی من غیر بلده یضمن ای و یکون الحج له ویحج عن المیت ثانیا الا ان یکون ذلک المکان الذی احج عنه قریبا منه ای من وطنه بحیث یبلغ الیه ویرجع الی الوطن قبل اللیل ای فحینئذ لا یکون مخالفا ولا ضامنا اھ وفیه ایضا ولو اوصی من له وطن ان یحج عنه من غیر بلده یحج عنه کما اوصی ای علی وفق ما اوصی به قرب

عنه اور اگر آمر اپنے وطن ہی میں نہیں مرا بلکہ کسی دوسری جگہ مرا ہے تب بھی مامور اس کے وطن ہی سے حج کرے قال فی الغنیة سواء مات فیه ای فی وطنه او مات فی سفر التجارة ونحوها لان الواجب علیه الحج من البلد الذی یسکنه الی ان قال ولو اوصی خراسانی بمکة او مکی بالری واطلق یحج عنهما من وطنهما اھ ملخصا وفیه ایضا قال الشارح اقول معناه اذا کانا غنیین فی بلادهما واما اذا صار المکی غنیا بالری والخراسانی بمکة واوصی فینبغی ان یحج عنه من موضع فرض الحج علیهما اھ ملخصا واللّٰه هو الموفق بعینه للّٰه در العلماء الحنفیة ما اعمق نظرهم فی دقائق الشریعة۔

ای ذلک المکان الموصی به من مکة او بعد اھ (ص ۱۵۲) قلت ولکن الحی اذا اذن للمامور ان یحج عنه من غیر وطنه فلا فرق فی الحی والمیت فی ذلک حتی یکون لاحدھما اسقاط من الشرط وتغییرہ ولا یکون للآخر واللہ اعلم۔

قال فی اللباب العاشر ان یحرم من المیقات ای من میقات الآمر فیمن المکی وغیرہ قال الشارح وفیه انه ان اراد بالمیقات المواقیت الآفاقیة ففی اطلاقه نظر ظاھر اذ تقدم ان المکی اذا اوصی بالحج ان یحج عنه من مکة وکذا میقات من اوصی ای یحج عنه من غیر بلدہ یحج کما اوصی قرب من مکة او بعد والثانی فیه اشکال آخر حیث ان المیقات من اصله لیس شرطاً لمطلق الحج واصالته بل انه من واجباته فکیف یکون شرطاً وقت نیابته فان وجد نقل صریح ودلیل صحیح فلا مساغ والا فلا اھ (ص ۲۵۲) قلت والذی یظھر لی ان شرط المیقات یسقط باذن الآمر والمیت ولا یسقط اذا اطلق الآمر بالحج لانه لا بد الا ان یحج المامور کما یحج الآمر لو وقع عنه والآفاقی انما یحج عن المیقات فیشترط للنائب مراعاته والا یکون مخالفاً واللہ اعلم۔

۲۸؍رمضان ۳۳ھ

حج بدل میں واپسی شرط نہیں ہے

سوال (۸) حج بدل میں واپسی شرط ہے یا نہیں؟

الجواب: حج بدل میں وطن میت سے جانا تو شرط ہے بشرطیکہ ثلث میں گنجائش ہو باقی عود شرط نہیں قال فی العالمگیریة۔ ولو احج رجلاً یؤدی الحج ویقیم بمکة جاز والافضل ان یحج ویجیء ص۱۶۶ جلد ۱

۱۶؍شوال ۳۳ھ

ایضاً

سوال (۹) عرض ہے کہ میں کاندھلہ سے حج بدل کرنے گیا حج کرنے کے بعد وہیں قیام کیا اگلا حج کرنے کے بعد میں کاندھلہ آگیا پھر گھر آگیا جن کی طرف سے حج کرنے گیا وہ فرماتے ہیں کہ حج بدل نہیں ہوا اس کی بابت فرمایئے کہ حج بدل ہوا یا نہیں؟ فقط والسلام۔

الجواب: صورت مسئولہ میں حج بدل جائز ہو گیا فی العالمگیریة (ص ۱۶۷ ج ۱) ولو احج رجلاً یؤدی الحج ویقیم بمکة جاز والافضل ان یحج ویجیء واذا فرغ المامور بالحج ونوی الاقامة خمسة عشر یوماً فصاعداً انفق من مال نفسه ولو انفق من مال الآمر یضمن الا ان قال فان نوی الاقامة خمسة عشر یوماً

فما عن أحق سقطت نفقته من مال الآمر ثم رجع بعد ذلك هل يعود نفقته فی مال الآمر ذکر القدوری فی شرح مختصر الطحاوی انه علی قول محمد یعود وهو ظاهر الروایة وعند ابی یوسف لا یعود اهـ جس سے معلوم ہوا کہ واپسی کا خرچ تو بھیجنے والے کے ذمہ ہوگا لیکن قیام مکہ کا خرچ خود حج کرنے والا اپنے پاس سے کرے فقط والسلام۔ کتبہ الاحقر عبد الکریم گمتھلوی۔ ۱۰ صفر ۵۳ھ

الجواب صحیح۔ ظفر احمد عفی عنہ

معذور کے حج بدل کرانے کی ایک صورت کا حکم

سوال (۱۰) جناب محمد سلیم اللہ خان صاحب رئیس جوڑہ گاؤں ضلع علی گڑھ عرصہ سے مشتاق زیارت حرمین شریفین و حج شریف ہیں۔ اور اس وقت جناب خان صاحب موصوف کی عمر تقریباً ۶۰ سال کی ہے علاوہ ضعف پیری چند امراض جسمانی میں مبتلا ہیں جن کی وجہ سے چلنے پھرنے اور سفر سے معذور ہیں خصوصاً مرض فتق کی بھی تکلیف ہے اکثر دو تین پندرہ بیس روز بعد دورہ نزول آنت کا ہو جاتا ہے ایسی حالت میں ایک قدم چلنا بھی دشوار ہو جاتا ہے لہذا صورت مجبوری اور بحالت معذوری میں اگر خان صاحب موصوف کسی ایسے شخص کو جس نے حج بھی کر لیا ہے جملہ روپیہ خرچ آمد و رفت و خوراک وغیرہ دے کر اپنا حج بدل کرا دیں تو شرعاً ادائیگی حج فرض ہو سکتی ہے یا نہیں اور اگر ہو سکتی ہے تو حاجی صاحب کی اور کن کن شرائط سے مشروط ہونے کی ضرورت ہے براہ کرم مسئلہ اصول فقہ سے مطلع فرما کر ممنون و مشکور فرماویں؟

الجواب: بیشک صورت مسئولہ میں رئیس صاحب کو اگر خود حج کے لئے جانا دشوار ہے تو ان کو اب بھی یہ جائز ہے کہ اپنی طرف سے حج بدل کرا دیں لیکن اس کو دیکھ لیں جو فتق کے لیے وہ اس پیٹی کا استعمال کر کے ساتھ بھی سفر حج نہیں کر سکتے جو مرض فتق میں ڈاکٹر تجویز کیا کرتے ہیں غالباً اس پیٹی کے استعمال کے ساتھ آنت اترنے کی تکلیف زیادہ نہیں ہوتی اور جب اترے فوراً اس کو چڑھا کر کام ہو سکتا ہے اگر اس کے بعد بھی تکلیف کم نہ ہوتی ہو اور سفر دشوار ہی ہو تو حج بدل کرا دینا جائز ہے پھر اگر یہ عذر تا عمر رہا تب تو یہ حج بدل معتبر رہے گا اور اگر کسی وقت عذر موجود نہ ہوگا تو ان کو حج فرض دوبارہ خود ادا کرنا ہوگا ویصیر الحج نفلا قال فی الدر وهذا ای اشتراط دوام العجز الی الموت اذا کان العجز کالحبس والمرض یرجی زواله ای یمکن وان لم یمکن کذلک کالعمی والزمانة سقط الفرض بحج الغیر عنه فلا اعادة مطلقا سواء استمر به العذر ام لا اهـ (ص ۲۳۹ ج ۲) قلت والفتق

المعالجين كالزمانة بل المشاهد فى زمننا المبتلى به فى السعى قصيرة وطويلة بعد خمسة الحرام الذى قد ادخل له والله اعلم ۔ ۸ رمضان [illegible]

حج بدل اور ضمان مامور کی ایک صورت کا حکم

سوال (۱۱): کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید غریب نے ایک امیر حاجی بیت اللہ شریف کے جانے والے کو مبلغ لعہ ۱۲۵ دیئے اور کہا کہ مکہ معظمہ پہونچ کر میری والدہ کی طرف سے کسی سے حج کرا دینا۔ مکہ معظمہ پہونچ کر یہ حوادث پیش آگئے کہ آٹھویں کی شام تک مکہ سے عرفات جانے والے کو سواری نہ مل سکی جو شخص حج کرنے کو راضی تھا وہ بلا سواری حج کو نہ گیا اور یہ امیر اور سب ہمراہی حج کو چلے گئے اور عرفات وغیرہ میں ارکان حج ادا کر کے مدینہ ہو کر اپنے وطن میں آگئے لیکن یہ امیر حاجی مکہ معظمہ ہی سے دستوں کے مرض میں مبتلا ہوا اور گھر آکر دو مہینہ تک سخت بیمار رہ کر انتقال کر گیا۔ بہت کچھ نقد اور جائداد چھوڑ مرا۔ اس اثناء مرض میں زید غریب کو دو مرتبہ حاجی امیر سے ملنے کا اتفاق ہوا لیکن امیر حاجی کی سخت علالت کی وجہ سے نہ زید غریب نے دریافت کیا کہ میری والدہ کی طرف سے حج کرایا یا نہیں اور نہ خود امیر حاجی نے بیان کیا کہ حج کرا دیا یا نہیں حتی کہ امیر حاجی کا انتقال ہو گیا تب غریب زید نے امیر حاجی کے ورثاء سے اپنے روپیہ دیئے ہوئے طلب کئے۔ کیونکہ امیر حاجی اور ہمراہی حاجیوں سے معلوم ہوا کہ امسال [illegible] روپیہ سے کم میں مکہ والوں میں سے کوئی حج بدل نہیں کر سکتا مصارف زیادہ تھے تو اگر امیر حاجی غریب زید کی والدہ کی طرف سے حج کراتا تو غریب زید سے ضرور اپنا مطالبہ زاید وصول کرتا۔ یا اپنے ورثاء سے کہہ مرتا کہ فلاں زید غریب سے اتنا روپیہ لے لینا سو اب امیر حاجی کے وارث زید غریب کو اس کے مبلغ لعہ ۱۲۵ دیئے ہوئے واپس نہیں دیتے۔ سو اب سوال یہ ہے کہ شرعاً امیر حاجی مرحوم کے ورثاء پر امیر حاجی کے متروکہ میں سے غریب زید کو اس کے لعہ ۱۲۵ دیئے ہوئے واجب ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب: زید غریب کو امیر حاجی کے ورثاء سے اس رقم کے طلب کرنے کا حق نہیں کیونکہ اس کے پاس اس کی کیا دلیل ہے کہ امیر حاجی نے اس کی والدہ کی طرف سے حج نہیں کرایا اور جتنی باتیں سوال میں درج ہیں یہ صرف قرائن و احتمالات ہیں ان سے ثبوت نہیں ہو سکتا اور اگر امیر حاجی مرحوم کے ہمراہی اس وقت گواہی دیں تو ان کی گواہی لغو ہے کیونکہ مدعیٰ علیہ مر چکا ہے۔ دوسرے یہ گواہی نفی پر ہوگی اور شہادت علی النفی قبول نہیں علاوہ ازیں یہ بھی تو احتمال ہے کہ امیر حاجی نے کسی شخص کو حج بدل کے واسطے وہ رقم دی ہو اور اس نے نہ حج کیا ہو نہ رقم واپس دی ہو۔ یہ بھی

احتمال ہے کہ امیر حاجی نے وہ رقم مکہ میں کسی دیندار معتبر آدمی کو دے دی ہو کہ سال آئندہ اس سے حج بدل کرا دیا۔ غرض اس معاملہ میں زید غریب کے پاس اس امر کی کوئی دلیل نہیں کہ اس کی رقم امیر حاجی کے ذمہ قرض ہو گئی کیونکہ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ یہ امانت کہیں ضائع ہو گئی ہو اور امین کے اوپر ضیاع امانت کا ضمان نہیں ہوتا۔ البتہ اگر امیر حاجی کے ورثہ کے دل کو یہ بات لگ جائے کہ زید غریب کی رقم حاجی امیر مرحوم ہی کے پاس رہی ہوگی تو بہتر یہ ہے کہ یہ لوگ زید کی رقم ادا کر کے اپنے مورث کا ذمہ احتمال سے بھی بری کر دیں مگر ایسا کرنا واجب نہیں اسی لئے اگر ورثہ ایسا کریں تو صرف بالغ ورثہ اپنے اپنے حصوں میں سے یہ رقم ادا کریں نابالغوں کے حصوں میں سے ادا نہ کریں فقط والله اعلم۔

۷؍ رمضان ۴۶ھ

جس نے اپنا حج نہ کیا ہو اس کے حج بدل کرنے کا حکم

سوال (۱۲) کیا حکم ہے علماء حنفیہ کا اس مسئلہ میں کہ زید ایک غریب شخص ہے جس نے حج نہیں کیا اس کو ہندہ بدل حج کرنے کے واسطے بھیجنا چاہتی ہے اگر زید ہندہ کا روپیہ لیکر حج کو جاوے تو حج ہندہ کا ادا ہوگا یا نہیں؟

الجواب: جس شخص نے اپنا حج نہیں کیا وہ اگر حج بدل کرے تو حج بدل صحیح ہو جاتا ہے لیکن یہ مکروہ تنزیہی ہے اور افضل یہ ہے کہ ایسے شخص کو حج بدل کے لئے بھیجا جاوے جو اپنا حج کر چکا ہو اور جو شخص اپنا حج کئے بدون حج بدل کو جاوے اگر وہ اتنا مالدار ہے کہ اس پر حج فرض ہے تو اس کو حج بدل کرنا مکروہ تحریمی ہے کما فی بغیۃ الناسک ص ۱۸۰ قال فی الفتح[1] والبحر والحق انہا تنزیہیۃ علی الآمر تحریمیۃ علی الصرورۃ[2] المامور ان کان بعد تحقق الوجوب علیہ بملک الزاد والراحلۃ والصحۃ لانہ یتضیق علیہ والحالۃ ہذہ فی اول سنی الامکان فیأثم بترکہ وکذا لو تنفل لنفسہ اھ ملخصاً۔ اور اگر اس بدل کے لئے جانے والے پر حج فرض نہیں ہے تو کراہت تحریمیہ نہ ہوگی مگر کراہت تنزیہیہ سے خالی نہیں للاختلاف فی ان الحج بوصولہ الی المیقات یفترض علیہ ام لا۔ واللہ اعلم۔

نوٹ: سوال میں یہ نہیں لکھا کہ ہندہ کو خود جانے سے کیا عذر ہے اس لئے دوبارہ سوال کریں کہ اس کا عذر ایسا ہے کہ حج بدل کو بھیج سکتی ہے یا نہیں۔

احقر عبد الکریم عفی عنہ ۔ ۷؍ ربیع الاول ۴۷ھ

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

---

[1] تفصیل، باب الہدی ۲: ۹۰۳ ۔ [2] ۳: ۰۷ ۔ [3] قولہ الصرورۃ وھو الذی لم یحج اولاً عن نفسہ ۔ دلاور حسین عفا اللہ تعالیٰ عنہ ولوالدیہ ۔

سفر حج سے عاجز ہونے کی صورت میں حج بدل کرانے کا حکم

سوال (۱۳) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کے اوپر حج بیت اللہ شریف فرض ہے اور اس کی صحت اس قدر خراب ہے کہ اس کو اپنی حیات کی بھی امید نہیں ہے اور اس کے وارثوں میں سے ایک لڑکا ہے جو آوارہ ہو اور اس سے یہ امید نہیں ہے کہ وہ اپنے باپ کی وفات کے بعد حسب وصیت باپ کے اس فرض کو باپ کی طرف سے ادا کرے ایسی حالت میں جو حکم شریعت کا ہو اس سے بہت جلد مطلع فرماویں اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے گا فقط۔

الجواب: جب ایسی تکلیف ہو کہ سفر حج سے بالکل عاجز ہو جاوے تو حج بدل کے لئے کسی کو اپنی زندگی میں بھیج دینا جائز ہے پھر اگر اسی عجز کی حالت میں انتقال ہو جاوے تب تو یہ حج کافی ہو جاوے گا اور اگر یہ عجز زائل ہو جاوے تو حج ذمہ رہے گا (اور اگر حج بدل کی وصیت کرنے میں لڑکے پر اطمینان نہیں کہ وہ پورا کرے گا تو اس کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ کسی دوسرے معتمد کو حج بدل کے لئے وصیت کرے اور اس کو روپیہ خود سپرد کردے) کما فی العالمگیریۃ (ص ۱۲۲) وشرطها استدامة العجز من وقت الاحجاج الى وقت الموت كذا في البدائع حتى لو احج عن نفسه وهو مريض يكون مراعى فان مات اجزأه وان تعافى بطل وكذا لو احج عن نفسه وهو صحيح كذا في التبيين۔

الجواب صحیح
ظفر احمد عفا عنہ
۲۱ ربیع ۲ ۴۵ھ

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ از خانقاہ امدادیہ
تھانہ بھون ۲۱ ربیع الثانی ۴۵ھ

حج بدل کی ایک صورت کا حکم

سوال (۱۴) کیا فرماتے ہیں حضرات علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ میں کہ ایک شخص بزمانہ ناواقفی حج بدل کے لئے گیا اور میقات سے قبل اشہر حج کا احرام بہ نیت آمر باندھا مکہ معظمہ پہنچ کر عمرہ کرکے احرام کھول ڈالا پھر موسم حج میں احرام باندھ کر حج ادا کیا بعد کو معلوم ہوا کہ حج آمر کا ادا نہ ہوا سال آئندہ تک وہاں اقامت کرکے اپنا حج ادا کرکے واپس ہو گیا اور تیسرے سال پھر اس نیت سے روپیہ فراہم کرکے کہ حج آمر جو اپنے ذمہ باقی ہے اس سے سبکدوشی ہو جاوے اشہر حج میں عازم بیت اللہ ہو کر اور میقات سے بہ نیت آمر احرام باندھ کر باحتیاط تمام حج ادا کردیا لیکن جاتے وقت نہ آمر سے تذکرہ کیا نہ اس سے اجازت لی اب ان لوگوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ پہلا حج فاسد ہو گیا ہے اس کی قضا کے لئے دوبارہ جانے کا قصد ہے

دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس صورت میں فریضہ آمر سے سبکدوشی ہوگئی یا نہیں اگر نہیں ہوئی تو سبکدوشی کی کیا صورت اختیار کی جاوے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: فی غنیة الناسک (ص۲۸۵) فی فوات الحج عن المأمور فلو حج عن المیت بمال نفسه أجزأه وبرئ من الضمان۔ یعنی اگر حج اول آمر کی طرف سے ادا نہوا ہو تو حج ثانی اس کی جانب سے ادا ہوگیا۔ اور اگر حج اول آمر کی طرف سے ادا ہونے نہ ہونے کی تحقیق مطلوب ہے تو یہ لکھا جاوے کہ میقات سے احرام حج کے بعد عمرہ کا احرام باندھا تھا یا بدون احرام عمرہ محض افعال عمرہ کر کے حلال ہوگیا تھا۔ اور یہ جو لکھا ہے کہ ان دونوں کو معلوم ہوگیا تھا کہ پہلا حج فاسد ہوگیا ہے الخ اس میں فساد سے کیا مراد ہے آیا یہی عمرہ کر لینا یا اور کوئی بات مفسد حج پائی گئی تھی صاف صاف لکھیں۔

احقر عبد الکریم عفی عنہ از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
۱۱ جمادی الاخری ۵۳ھ

جس نے اپنا حج نہ کیا ہو اس کے حج بدل کا حکم

سوال (۱۵): سنا جاتا ہے کہ اس شخص کو جو خود حاجی نہ ہو حج بدل کے لئے جانا جائز نہیں اس لئے کہ کعبہ شریف کو دیکھنے سے حج فرض ہو جاتا ہے جب خود ان پر فرض ہوگیا تو وہ دوسرے کی جانب سے ادا نہیں کر سکتا۔

الجواب: جس نے اپنا حج نہ کیا ہو اس کو حج بدل کرنا مکروہ ہے۔ اور جب وہ کعبہ شریف پہنچتا ہے تو وہ دوسرے کا احرام باندھے ہوئے ہوتا ہے اس واسطے اس پر اس زیارت کعبہ سے حج فرض نہیں ہوتا کما ھو مصرح فی کتب الفقه۔ البتہ اگر اس کو آئندہ حج تک مکہ معظمہ میں قیام دشوار نہ ہو اور اس کے اہل و عیال کو بھی تنگی نہ پہنچے تو بعض فقہاء نے اس پر وہاں قیام کر کے آئندہ سال حج کرنے کو واجب کہا ہے۔ واللہ اعلم۔

احقر عبد الکریم عفی عنہ از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ۱۲ شوال ۵۳ھ

الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ ۱۲ شوال ۵۳ھ

بحری اور ہوائی جہازوں پر سفر اور متعلقہ احکام

ہوائی جہازوں میں وقوف عرفہ اور طواف کا حکم

(۱) جواب ان مسائل کا جن کو میں نے پچھلے پرچہ میں زیر غور کہا تھا اور وہ دو مسئلے ہیں ایک ہوائی جہاز میں طواف کرنے کا۔ دوسرے ہوائی جہاز میں وقوف عرفہ کرنے کا۔ سو اس کے متعلق جو مجھ کو مطالعہ کتب فقہ سے ظاہر ہوا ہے وہ یہ ہے کہ

مرکب ہوائی میں سوار ہو کر طواف کرنے سے طواف تو صحیح ہو جائے گا بشرطیکہ مرکب ہوائی داخل مسجد ہے لیکن بلا عذر ایسا کرنے سے دم واجب ہوگا جیسا کہ مرکب غیر ہوائی میں بھی بلا عذر سوار ہو کر طواف کرنے کا یہی حکم ہے اور مرکب ہوائی میں سوار ہو کر عرفات کے مرور سے وقوف عرفہ ادا نہ ہوگا قال فی البدائع واما مکان الطواف فمکانه حول البیت اھ (ص ۱۲۱) وفی غنیة الناسک الطواف هو الدوران حول الکعبة کیف ما حصل اھ اما ارکانه فثلاثة اتیان الاکثر وکونه بالبیت لا فیه وکونه بفعل نفسه ولو محمولا او راکب بعیر واما شرائطه فستة ثلثة منها لا بوته الحج وهی الوقت وتقدیم الاحرام وتقدیم الوقوف والباقی للکل وهی الاسلام والداخل المسجد ولو علی سطحه فلو طاف علی سطح المسجد جاز ولو مرتفعا عن البیت ولو طاف خارج المسجد مع وجود الحیطان لا یصح اجماعاً ولو کان الحیطان منهدمة لا یصح عند عامة العلماء لانه طاف بالمسجد لا بالبیت اھ (ص ۸۵) چونکہ طواف کی حقیقت دوران حول البیت ہے اور مکان طواف حول البیت ہے اور بیت کے متعلق تصریح موجود ہے کہ ہوائے کعبہ تا عنان سماء تک بیت ہے اور اسی لئے طواف بیت سے مرتفع ہو کر بھی جائز ہے اس لئے مرکب ہوائی میں بشرائط مذکورہ طواف صحیح ہو جائے گا۔ لیکن وقوف عرفہ کے متعلق کہیں یہ تصریح نہیں ملی کہ ہوائے ارض عرفہ عنان سما تک بحکم عرفہ ہے بلکہ اکثر کتب میں وقوف کو ارض کے ساتھ مقید کیا ہے قال فی البحر وشرطه ای الوقوف شیئان احدهما کونه فی ارض عرفات اھ (ص ۳۲۹ ج ۲) وفی العالمگیریة ایضاً والوقوف شرطه شیئان احدهما کونه فی ارض عرفات والثانی ان یکون فی وقته اھ (ص ۱۳۸ ج ۱) وفی الدر والقیام والنیة فیه ای الوقوف لیست بشرط ولا واجب فلو کان جالسا جاز حجه وذلک لان الشرط الکینونة فیه اھ قال الشامی ای فی محل الوقوف المعلوم من المقام وفی شرح اللباب کمکث والمعلوم لیس الا الاقامة والظاهر ان هذا الرکن لعدم تصور الوقوف بدونه نعم الوقت شرط له اھ (ص ۲۸۴ ج ۲) اور ظاہر ہے کہ وقوف بعرفہ یا کینونة بعرفة راکبا علی الدابة یا محمولا علی الایدی میں بواسطہ متحقق ہے بلاواسطہ متحقق نہیں اور مرکب ہوائی میں راکب کو وقوف بارض عرفہ کسی طرح حاصل نہیں نہ بواسطہ نہ بلاواسطہ ہاں مرور ہوائے عرفہ متحقق

ہے پس اگر کسی دلیل سے ہوائے عرفہ کا بحکم ارض عرفہ ہونا ثابت ہو جائے تو یہ مرور قائم مقام وقوف بارض عرفہ کے ہو سکتا ہے مگر ہنوز کہیں اس کی تصریح نہیں ملی ہے لہذا اقرار صحت وقوف فی ہذہ الصورۃ مشکل ہے واللہ اعلم حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۲۲ر صفر ۴۳ھ

احقر اشرف علی قیاساً علی کون ھواء الکعبۃ فی حکمھا وکون ھواء المسجد فی حکمہ صحت کو راجح سمجھتا ہے لیکن جزم نہیں کرتا ۱۲

کتاب النکاح

دولہا نے وقت نکاح "قبول کیا" کے بجائے الحمد للہ کہا تو کیا حکم ہے

سوال (۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں اگر نکاح خوانی کے وقت دولہا سے نکاح خواں نے یوں کہا مثلاً" مریم بنت زید کو دو سو روپیہ مہر کے عوض تمہارے عقد میں دیا وہ صرف الحمد للہ کہا اب نکاح ہوا یا نہیں۔ سوال صرف یہ ہے کہ "قبول کیا میں نے" کی جگہ میں اگر صرف الحمد للہ کہہ دیا تو نکاح منعقد ہوا یا نہیں ۔

(**تنقیح**) اس موقعہ پر الحمد للہ کہنے سے شہود اور حاضرین کیا سمجھتے ہیں بتلایا جائے۔ کیونکہ الحمد للہ ہمارے عرف میں صیغہ قبول کا نہیں ہے تو کیا بنگال کی کوئی خاص اصطلاح ہے۔

قال فی الخلاصۃ وفی مجموع النوازل قال زوجنی نفسک بکذا فقالت بالسمع والطاعۃ صح النکاح ولو قالت سپاس دارم لا ینعقد اھ (ص ۲۲۳)۔

اس سے معلوم ہوا کہ الحمد للہ کہنے سے نکاح منعقد نہیں ہوتا۔

منگنی کے وقت کا ایجاب و قبول ایک قسم کا وعدہ ہے

سوال (۲) جناب مولانا صاحب مولوی و مفتی اشرف علی صاحب! دام فیضکم السلام علیکم عرض ہے کہ کتنی کو واپسی خط ملا آنجناب نے تحریر فرمایا ہے کہ لفظا کس طرح کہے گئے تھے۔ اب اس طرح لکھتا ہوں پہلے بھی آنجناب کی خدمت میں عرض کر چکا ہوں کہ اس منگنی کے   سال دو سال بعد پھر نکاح و شادی کرتے ہیں اس کو منگانے مشہور کرتے ہیں گویا اس کو اصل نکاح تصور و مشہور نہیں کرتے یہ بھی معلوم ہے۔ لڑکی کا والد لڑکے کے والد کو کہتا ہے کہ میں نے اپنی لڑکی فاطمہ تمہارے لڑکے نور محمد کو بخشی، لڑکے کے والد نے کہا میں نے قبول کی تین دفعہ اس طرح کہا۔ اور جیسے نکاح کے وقت گواہ

معتبر کئے جاتے ہیں گو وہ کوئی معتبر نہیں کئے ۔ ہمارے اس ملک میں اس کا نام منگنا وشربت رکھا ہے ۔ کیونکہ اس رسم کے بعد دوبارہ دن شادی کے مقرر کرکے نکاح پڑھایا جاتا ہے ۔ اب لڑکی کا والد دوسری جگہ نسبت کرسکتا ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا ۔

الجواب: مجلس خطبہ میں یہ الفاظ وعدہ پر محمول ہوں گے لہذا نکاح نہیں ہوا اور لڑکی کا والد دوسری جگہ نسبت کرسکتا ہے ۔ قال فی الدر: اوھل اعطیتنیها ان المجلس للنکاح وان للوعد فوعد قال الشامی قوله ان المجلس للنکاح ای لانشاء عقده لانه یفهم منه التحقیق فی الحال فاذا قال الآخر اعطیتکها او نعم صح ولیس للاول ان لا یقبل اھ (ص ۳۳۲ ج ۲) قلت هذا اذا کان المجلس للنکاح واما اذا کان للوعد فقول الآخر اعطیتکها محمول علی الوعد او نعم والله اعلم حررہ الاحقر ظفر احمد ۲۲ صفر ۳۶ھ ۔

منگنی کے وقت ابوین طرفین کا ایجاب قبول کرنا محض وعدہ ہوتا ہے

سوال (۲) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اس ملک پنجاب میں رواج ہے کہ منگنی کے وقت لڑکی کا ولی لڑکے کے ولی کو کہتا ہے کہ میں نے فلانی لڑکی تیرے فلانے لڑکے کو دی اور وہ کہتا ہے کہ میں نے اپنے لڑکے کے واسطے قبول کی اور بعدہ شادی کرتے ہیں اور نکاح وغیرہ بعد میں ہوتا ہے ۔ اس صورت سے جس لڑکی کی منگنی ہوئی ہو تو اس کا نکاح دوسری جگہ ہو سکتا ہے یا نہیں بینوا بالتفصیل توجروا بالاجر الجزیل اس لئے کہ ملک پنجاب میں تمام علماء کرام اختلاف رکھتے ہیں آپ اسے صحیح نقلوں کے ساتھ بیان فرماویں ۔

الجواب: قال فی الدر: اوھل اعطیتنیها ان المجلس للنکاح وان للوعد فوعد اھ قال الشامی ای ان المجلس للنکاح ای لانشاء عقده لانه یفهم منه التحقیق فی الحال اھ ص ۳۳۲ ج ۲ ۔ اس سے معلوم ہوا کہ منگنی کے وقت لڑکی کے ولی کا یہ کہنا کہ میں نے فلانی لڑکی تیرے لڑکے کو دی الخ یہ لفظ وعدہ پر محمول ہوگا ۔ عقد نکاح پر کیونکہ مجلس وعدہ کی ہے نکاح کی مجلس نہیں ہے لہذا ان الفاظ سے نکاح نہ ہوگا پس لڑکی کا نکاح دوسری جگہ ہو سکتا ہے ۔

نکاح بیوہ کا حکم

سوال (۳) بیوہ کا نکاح افضل ہے یا یوں ہی بحالت ثیب بیٹھ رہنا بہتر ہے ۔

الجواب: اگر بیوہ صاحب اولاد نہ ہو تو اس کو نکاح کر لینا افضل ہے اور دوسرے نکاح کو عیب سمجھنا تو سخت گناہ ہے اور اگر صاحب اولاد ہے اور دوسرے نکاح سے ان بچوں کے

ضائع ہونے کا اندیشہ ہے کہ شوہر کی خدمت وغیرہ کی وجہ سے ان بچوں کی پرورش بخوبی نہ کر سکے گی تو نکاح نہ کرنا بہتر ہے اور اگر بچوں کی پرورش سے نکاح ثانی مانع نہ ہو تو اس صورت میں بھی نکاح ہی افضل ہے اور یہ تفصیل اس وقت ہے جبکہ بیوہ کو نکاح نہ کرنے کی صورت میں اپنے نفس پر پورا قابو ہو اور زنا میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو ورنہ بہر صورت نکاح کرنا لازم ہے۔

زنا سے حاملہ عورت کے نکاح کا حکم اور اس کے حمل کا اسقاط جائز نہیں ہے

سوال (۵) ایک مسلمان نوجوان کنواری عورت کو زنا سے حمل ہوگیا چھ سات مہینہ بعد حالت حمل میں ہی ایک مسلمان مرد نے باوجود علم ہونے کے ایک نائب نکاح خوان قاضی کے ذریعہ اس سے نکاح پڑھوا کر اپنے گھر میں ڈال لیا اس پر گاؤں کے باقی مسلمانوں میں اس بات کا چرچا ہوا مرد مذکور نے اپنی رسوائی چھپانے کے واسطے عورت کا حمل ساقط کر دیا۔ کیا یہ نکاح صحیح ہوا اگر نہیں ہوا تو اس کے لئے کیا تعزیر ہونی چاہئے اور حمل ساقط کرنا جائز تھا یا ناجائز اس کے لئے کونسی تعزیر ہے عورت کو کیا تعزیر ہونی چاہئے نکاح خواں اور مرد مذکور کے ساتھ ان لوگوں سے کیسا سلوک ہو اور مرد مذکور نے حمل فاحش عورت مذکورہ کا اسقاط کرنے کے بعد دوبارہ پھر نکاح پڑھا ہے۔ والسلام بینوا توجروا۔

الجواب: حاملہ من الزنا کا نکاح درست ہے خواہ زانی سے ہو یا غیر زانی سے البتہ اگر زانی سے ہو تو اس کو قبل وضع حمل وطی بھی جائز ہے اور غیر زانی کو وطی جائز نہیں جب تک وضع حمل نہ ہو لہذا صورت موجودہ میں نکاح اول درست ہوگیا تھا نکاح ثانی کی ضرورت نہ تھی لیکن چھ سات ماہ کا حمل ساقط کرنا ایک روایت پر موجب گناہ ہوا جس کا کفارہ توبہ و استغفار ہے اور ایک روایت پر گناہ نہیں ہوا فی العالمگیریۃ والعلاج لاسقاط الولد اذا استبان خلقہ لایجوز وان کان غیر مستبین الخلق یجوز واما فی زماننا یجوز علی کل حال وعلیہ الفتوی عہ اھ (ص ۲۳۴ ج ۵)۔ ۱۷ ذی الحجہ سنہ ۱۳۴۱ھ۔

شیعہ رافضی کا سنی عورت کے ساتھ نکاح کا حکم

سوال (۶) چہ فرمایند علماء ملت اہل سنت والجماعت دریں مسئلہ کہ نکاح بستن درمیان زن سنیہ و مرد رافضی تفضیلی باشد۔ سببی یا نکاح کردن مابین مرد سنی و زن رافضیہ فی زماننا کہ در روافض سب صحابہ است و تفضیلی کم اند خصوصاً در بلوچستان کہ رافضی تفضیلی یافتہ نمی شود در مذہب اہل سنت والجماعت

عہ قلت ولم یظہر لی وجہ الفتوی علی الجواز مطلقا ۱۲ ظفر

دختر در مذہب اہل شیعہ جائز است یا نہ اگر کسے بطمع دنیا یا بوجہ ناواقفیت مسئلہ ایں چنیں نکاح کرد ایں طور نکاح فسخ میگردد یا باقی می ماند واگر در صورت اول بوقت فیصلہ نزد حاکم مرد رافضی خود را تفضیلی سازد بریں تقدیر نکاح باقی می ماند یا نہ۔ چونکہ در بلوچستان علم شریعت نبوی کم تر بسیار تنازع بغیر ستر است حق ظاہر نمی شود آں کس کہ ایں نکاح را جائز میداند دو از فتاوی مولوی عبدالحی مرحوم می دہد وآں فریقے کہ جائز نمی دارد فتاوی شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی را پیش می آرد غرض قول مفتی بہ معلوم نمی شود آنچہ کہ دریں مسئلہ حکم مفتی بہ باشد بحوالہ کتب مع صفحہ ارقام فرمائید۔ بینوا توجروا۔

الجواب: ھو المصوب: جواب محقق نزد ما ایں است کہ رافضی کہ قذف حضرت سیدہ عائشہ را جائز شمارد وقائل تحریف در قرآن کریم باشد یا قائل بکفر و نفاق حضرت صدیقؓ بود کافر است و اگر تبرا و سب شیخینؓ کند از امور کفریہ ظاہر نماید فاسق است پس در صورت اول نکاح سنیہ باایں چنیں رافضی ہرگز صحیح نشود بلکہ حکم زنا دارد و ایں سنیہ را جدائی ازو لازم است واگر حاملہ باشد معاً نکاح ودخول از مرد سنی جائز است والا بعد از وضع حمل۔ و در صورت ثانیہ تفصیل است اگر زن نابالغہ است وولی آں را علم بفسق آں نبود بلکہ رافضی را صالح وعادل گمان کردہ باو نکاح کرد بعد ازاں فسق آں معلوم شد وزن سنیہ بعد از بلوغ اظہار ناراضگی ازیں نکاح کرد پس ایں نکاح ہم باطل است واگر فسق ایں جماعت از اول معلوم بود ودیدہ ودانستہ ولی شرعی زن نابالغہ یا بالغہ سنیہ بنکاح رافضی داد ایں نکاح درست شد وبدون طلاق منفسخ نگردد واگر زن سنیہ بدون اجازت ولی از خود نکاح باایں چنیں رافضی کند ہم باطل شود وحاجت بطلاق نیست و بدون طلاق بمرد دیگر از اہل سنت نکاح می تواند کرد اما بعد از تفریق عدت گزاردن لازم است اگر دخول شدہ باشد و عدت آں سہ حیض بود۔ قال العلامۃ الشامی فی رد المحتار وعلی ان الحکم علیه بالکفر مشکل لما فی الاختیار اتفق الائمة علی تضلیل اھل البدع اجمع وتخطئتھم وسب احد من الصحابة وبغضه لایکون کفراً لکن یضلل الخ. الی ان قال لاشک فی تکفیر من قذف السیدة عائشة رضی الله عنها او انکر صحبة الصدیق او اعتقد الالوھیة فی علیؓ او ان جبریل غلط فی الوحی او نحو ذلك من الکفر الصریح المخالف

للعقد اهـ ص ۳۵۳ ج ۳۔ قلت علی ہذا فمن نسب الصدیق رضی اللہ عنہ الی الکفر والنفاق فھو کافر لانہ منکر صحبتہ وھی ثابتۃ بالنص اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا الآیۃ وفی العالمگیریۃ رجل زوج ابنتہ الصغیرۃ من رجل علی ظن انہ صالح لا یشرب الخمر (مثلاً) فوجدہ الاب شریبا مدمنا وکبرت الابنۃ فقالت لا ارضی بالنکاح ان لم یعرف ابوھا بشرب الخمر وغلبۃ اھل بیتہ الصالحون فالنکاح باطل ای یبطل وھذہ المسئلۃ بالاتفاق (ای بین الامام وصاحبیہ ۱۲) وکذا فی الذخیرۃ وفیھا ایضاً ثم المرأۃ اذا زوجت نفسھا من غیر کفوء صح النکاح فی ظاھر الروایۃ وروی الحسن عن ابی حنیفۃؒ ان النکاح لا ینعقد وبہ اخذ کثیر من مشائخنا کذا فی المحیط والمختار فی زماننا للفتوی روایۃ الحسن وقال الشیخ الامام شمس الائمۃ السرخسیؒ روایۃ الحسن اقرب الی الاحتیاط اھ ص ۱۶ ج ۲۔ واللہ اعلم وقد صرح العلماء بوجوب العدۃ فی النکاح الفاسد بعد الدخول کما لا یخفی علی من لہ ادنی نظر فی الفقہ۔ ۲۱ شوال ۴۳ھ۔

اس شرط کے ساتھ نکاح کرنا کہ بیوی شوہر کے وطن سے باہر نہیں جائیگی

سوال (۷۰) السلام علیکم۔ عرض یہ ہے کہ خادم نے اس جگہ نکاح کیا مگر میری زوجہ نے یہ شرط کرلیا ہے کہ وہ میرے ہمراہ ہندوستان نہ جائے گی اب چند شخصوں نے یہ شبہ ڈال دیا ہے کہ چونکہ اس نکاح میں شرط ہوگئی ہے اس لئے یہ متعہ ہے مہربانی فرماکر مشرح حکم بتلادیں تاکہ ایسا نہ ہو کہ مغالطہ میں گنہگار رہوں اگر حقیقۃً یہ متعہ ہو تو زوجہ کو طلاق دے دونگا ورنہ خیر والسلام۔

الجواب: یہ نکاح بالکل درست اور بہر وجوہ صحیح ہے متعہ ہرگز نہیں جس نے متعہ کا شبہ ڈالا ہے وہ مسائل شرعیہ سے محض ناواقف ہے متعہ اس کو نہیں کہتے کہ نکاح کے ساتھ کوئی شرط کرلی جائے بلکہ متعہ یہ ہے کہ نکاح خاص مدت کے لئے کیا جائے مثلاً یہ کہا جائے کہ میں دو سال کے لئے نکاح کرتا ہوں یا یوں کہا جائے کہ جب تک میرا قیام بغداد میں ہے اس وقت تک کے لئے نکاح کرتا ہوں اور اگر یوں نہ کہا جائے بلکہ صرف یہ کہا جائے کہ میں تجھ سے نکاح کرتا ہوں اس پر عورت یوں کہے کہ میں اس شرط سے نکاح منظور کرتی ہوں کہ مجھ کو بغداد سے باہر نہ لے جایا جائے بلکہ یہیں رکھا جائے اور شوہر اس شرط کو منظور کرے تو یہ ہرگز متعہ نہیں بلکہ نکاح صحیح شرعی ہے

خزانۃ الروایات مینویسد در الغیاثیۃ سئل نجم الدین النسفی عمن قال دختر خویش فلانۃ بمن دادی گفت دادم و وی گفت پذیرفتم ھل ینعقد النکاح؟ فیہ اختلاف المشائخ عند بعض لا ینعقد حتی یقول بزنی دادم وعند بعض یکون نکاحا بدون ذکر ذلک وھو الاصح انتہی بنا برین روایت اصح درصورت سوال نکاح صغیر و صغیرہ منعقد شد و پدر پسر را بہیچ طرح جائز نیست کہ آں مخطوبہ منکوحہ پسر را در نکاح خود آرد۔

اور اسی طرح اسی فتاوی کے اندر دوسری جگہ اسی طرح کے استفسار کے جواب میں عربی عبارت یہ نقل فرمائی ہے:

وفی جامع مضمرات شرح مختصر قدوری می آرد فی النتفیۃ سئل عمن قال لامرأۃ بحضرۃ الشھود دختر خویش بمن دادی فقالت دادم ھل ینعقد النکاح فقال نعم لان الناس تعارفوا التزویج بھذا اللفظ وان لم یتلفظوا بلفظ النکاح، لان النکاح ینعقد عندنا بلفظ الھبۃ خلافا للشافعیؒ۔

یا صورت مسئولہ اس عبارت شامی و درمختار میں داخل ہو کر منعقد نہوگا اور منگنی پر محمول ہوگا اور وہ عبارت شامی کی تو یہ ہے قال فی شرح الطحاوی لو قال ھل اعطیتنیھا فقال اعطیت ان کان المجلس للوعد فوعد وان کان للعقد فنکاح اور درمختار کی عبارت یہ ہے ھل اعطیتنیھا ان المجلس للنکاح وان للوعد فوعد اور یہی فرق کہ اگر نکاح منعقد ہوتا ہے تو شامی و درمختار کی غرض و توجیہ کیا ہے اور فرق درمیان صورت مسئولہ میں اور مذکورہ درمختار میں کیا ہے اور اگر نکاح نہیں ہوتا بموجب ان عبارتوں کے تو پھر مولانا عبدالحیؒ کی عبارت کی توجیہ و غرض کیا ہے بالتفصیل تحریر فرما دیں بینوا توجروا۔

الجواب: لفظ دادم و پذیرفتم اگر مجلس خطبہ (منگنی) میں استعمال کیا جاوے تو اس سے نکاح منعقد نہوگا بلکہ محض وعدہ پر محمول ہوگا۔ اور مولانا عبدالحی صاحب کا مطلب یہ ہے کہ اگر مجلس نکاح میں دادم و پذیرفتم استعمال کیا گیا تو نکاح ہو جائے گا جس کا قرینہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی عبارت میں یہ اختلاف بھی نقل فرمایا ہے "عند البعض لا ینعقد حتی یقول بزنی دادم وعند البعض یکون نکاحا بدون ذکر ذلک" اھ اور یہ اختلاف مشائخ مبنی اس پر ہے کہ لفظ دادم مطلقاً معنی نکاح کی تعبیر کر سکتا ہے یا "بزنی" زیادہ کرنے کی بھی ضرورت ہے۔ یہ صاف اس کی دلیل ہے کہ مولانا عبدالحی صاحب اس صورت کو بیان فرما رہے ہیں جب کہ

اور مرد کے ذمہ عورت کی اس شرط کا ایفاء لازم ہے وہ اس کو ہندوستان لانے کا مجاز نہیں البتہ اگر وہ اپنی اس شرط کو واپس لے لے تو پھر ہندوستان لا سکتا ہے۔

قال فی الھدایۃ (ص ۳۰۹ ج ۲) ولو تزوجہا علی الف ان اقام بہا وعلی الفین ان اخرجہا فان اقام بہا فلہا الالف وان اخرجہا فلہا مہر المثل لا یزاد علی الفین ولا ینقص عن الف وہذا عند ابی حنیفۃ رح وقالا الشرطان جائزان جمیعاً حتی کان لہا الالف ان اقام بہا والالفان ان اخرجہا اھ وفیہ ایضاً (ص ۳۲۳ ج ۲) واذا اوفاہا مہرہا نقلہا حیث شاء لقولہ تعالیٰ: أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُمْ وقیل لا یخرجہا الی بلد غیر بلدہا لان الغریب یؤذی اھ قلت وعلیہ الفتوی حتی یمنع الزوج من نقلہا الی غیر بلدہا بعد ایفاء مہرہا صرح بہ فی الشامیۃ وفی الدر المختار ولیس منہ (ای من نکاح المتعۃ) ما لو نکحہا علی ان یطلقہا بعد شہر اھ وفیہ ایضاً لو عقد معہ شرط فاسد لم یبطل النکاح بل الشرط اھ (ص ۲۸۳ مع الشامی)۔

قلت ولو عقد مع شرط صحیح لم یبطل شیٔ منہما کما ہو ظاہر۔ واللہ اعلم۔ ۷ جمادی الثانی سنہ ۴۳ھ

حلالہ کے بعد نکاح کا حکم جبکہ زوج ثانی منکر وطی ہو اور عورت مدعی دخول

سوال (۸) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ کو طلاق ثلاثہ سے فارغ کر دیا بعد عدت کے عمر کے پاس حیلہ کیا یعنی عمر سے نکاح کر دیا بعد چند دن کے کسی طرح پھر طلاق دلوا کے بعد عدت کے پھر اپنے نکاح میں لایا مگر نکاح کرتے وقت اس کی زوجہ سے یہ بات نہیں پوچھا کہ عمر نے اس کے ساتھ صحبت کی ہے یا نہیں مگر یہ بات مشہور ہے کہ عمر نے طلاق دینے کے وقت جو لوگ حاضر تھے وہ لوگ کہتے ہیں کہ عمر نے طلاق دینے کے وقت صاف صاف کہہ دیا کہ زید نے اپنی بیوی کو جیسا امانت رکھا ہے ابھی ویسا ہی میرے پاس امانت ہے کسی طرح خیانت نہیں ہوئی یعنی میرے ساتھ فقط نکاح ہوا ہے صحبت نہیں ہوئی زید کے نکاح جدید کے دو یا تین مہینے کے بعد جب مشہور ہوا کہ زید نے جو نکاح کیا ہے وہ فاسد ہے تب زید کی بیوی نے قسم کھا کر کہا کہ عمر نے میرے ساتھ صحبت کی ہے حالانکہ عمر نے پہلے طلاق کے اور بعد طلاق کے بھی لوگوں کے پاس ظاہر کیا ہے کہ میں نے زید کی بیوی کو صحبت سے پہلے ہی طلاق دیا ہے موافق شرع شریف کے

عمرو کا قول معتبر ہے یا زید کی بیوی کا معتبر ہے اور کس کے قول کے موافق فیصلہ ہوگا۔ اور زید نے جو نکاح جدید کیا ہے اگر فاسد ہوا اور وہ توبہ کرکے باز نہ آوے تو اس سے اختلاط یعنی زید کے ساتھ اکل وشرب درست ہے یا نہیں کس کے قول پر ترجیح ہے کتب کی کوئی عبارت براہِ مہربانی نقل کرکے دینا تاکہ ہر طرح اطمینان ہو۔ بینوا توجروا۔ فقط۔

الجواب: قال فی الدر قال الزوج الثانی کان النکاح فاسدا او لم یدخل بها وکذبته فالقول لها اھ قال فی الشامیة کذا فی البحر وعبارة البزازیة ادعت ان الثانی جامعها وانکر الجماع حلت للاول وعلی القلب لا اھ (ص ۸۶۲ ج ۲) اس سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں عورت کا قول معتبر ہے اور زید کا نکاح جدید اس عورت سے درست ہے۔ واللہ اعلم۔

وفی العالمگیریة لو اخبرت المرأة ان زوجها الثانی جامعها وانکر الزوج الجماع حلت للاول ولو کان علی القلب بان انکرت واقر الزوج الثانی لا تحل اھ (ص ۱۲۹ ج ۲) وقوله لو اخبرت الخ یدل علی انه لا احتیاج الی قضاء القاضی فی المسئلة فافهم۔

۱۰ رشعبان ۴۳ھ۔

منگنی کے وقت ایجاب وقبول کا حکم

سوال (۹) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ زید نے مجلس عام منگنی میں روبرو گواہان کے کہا کہ میں نے اپنی لڑکی عمرو کے لڑکے کو دی اور عمرو نے اوسی وقت ایک ہی مجلس میں کہا کہ میں نے قبول کی اور زید کی لڑکی اور عمرو کا لڑکا دونوں صغیر ہیں اب فرمائیے کہ اس صورت میں زید کی لڑکی کا عمرو کے لڑکے کے ساتھ نکاح منعقد ہوجاوے گا جیسا کہ مولانا مولوی عبدالحیؒ کے فتاوی میں تصریح ہے کہ اس روایت پر صورت مذکورہ میں نکاح ہوجاتا ہے جس کی عبارت مندرجہ ذیل ہے:

استفتاء: چہ فرمایند علمای دین کثرہم اللہ تعالیٰ در صورت مسئولہ کہ یک شخص جماعت خود را دعوت خطبہ داد و مردمان جماعت بدعوت خطبہ جمع شدند و در مجلس خطبہ درمیان ولی دختر صغیرہ و ولی پسر صغیر ایجاب وقبول بالفاظ دادم و پذیرفتم جاری شد پس با این ایجاب قبول کہ بالفاظ مذکورہ در مجلس خطبہ جاری شدہ است دختر منکوحہ پسر شد یا نہ۔ بینوا توجروا۔

جواب: ھو المصوب در انعقاد نکاح بلفظ دادم و پذیرفتم اختلاف مشائخ حنفیہ ست بعض حکم بانعقادش ساختند و بعض نہ و در کتب معتبرہ قول اول را صحیح گفتہ اند و در

یہ رادم و نیز پرنم مجلس نکاح میں استعمال کیا جائے۔ یا ایسی مجلس میں استعمال کیا جائے جو نہ مجلس خطبہ ہے نہ مجلس نکاح ہے۔ باقی اگر مجلس خطبہ میں ان کو استعمال کیا گیا تو حسب تصریح در مختار بعض وعدہ پر محمول کیا جائے گا واللہ اعلم۔ ۱۸ر رمضان ۴۲ھ۔

مشرک عورت کو جبراً مسلمان کرکے اس سے نکاح کرنے کا حکم

سوال (۱۰۱) ما قولکم رحمکم اللہ تعالیٰ اس صورت میں کہ ایک عورت مشرکہ اپنے گھر میں تھی اس کی اور اس کی ساس کی باہم لڑائی ہوگئی ساس نے اس کو مارا اور کہا کہ نکل جا ہمارے گھر سے تو اس کو اس کہنے پر غصہ آیا اور اپنے میکہ کو نکل چلی کہیں راستہ میں ایک جگہ کوئی ایسا آدمی رہتا تھا کہ وہ اکثر ایسی عورتوں کو بہکا کر ادھر ادھر کر دیا کرتا تھا اس مشرکہ مذکورہ کو بھی اس نے اپنے پاس ٹھہرا کر ایک دو روز کے بعد کسی شخص کو بلا کر اور اس سے کچھ روپیہ وصول کر کے عورت مذکورہ کو اس کے ہمراہ کر کے گاڑی میں بٹھا دیا اور کہا کہ ان کے ساتھ جا یہ تجھ کو تیرے باپ کے یہاں پہونچا دیں گے وہاں سے چل کر کچھ مسافت کے بعد گاڑی سے اترے تو اس عورت نے کہا یہ تو میرے میکہ کا راستہ نہیں لانے والے نے دھمکایا اور کہا کہ ہمارے ساتھ چل اور خاموش رہو ورنہ ہم تجھ کو مار ڈالیں گے اور پھر اپنے مکان میں لا کر چند روز رکھا اور دھمکیاں دیتے رہے کہ تو مسلمان ہو جا ورنہ ہم تجھ کو مار ڈالیں گے بالآخر چار ناچار وہ راضی ہو گئی چند روز کے بعد ایک آدمی کو بلا کر چند آدمیوں کے سامنے اس کو مسلمان کیا اس عورت نے بخوبی کلمہ شریف پڑھا اور اپنے پہلے دین سے برأت اور اسلام سے اپنی رغبت ظاہر کر دی اور اقرار کیا کہ احکام اسلامی کو بجا لایا کرونگی اور اسی کو اپنا دین سمجھا کرونگی تو یہ عورت شریعت محمدیہ کی رو سے مسلمان ہوگی یا نہیں بینوا توجروا۔

تنقیح:۔ فی رد المحتار فاذا قال انا مسلم طائعاً فھو دلیل اسلامہ وفیہ فاذا اتی بھما (ای بالشہادتین) طائعاً یجب الحکم باسلامہ ج ۳ ص ۴۹۵ بنابریں روایات کے دیکھنا چاہئے کہ اظہار رضا و رغبت طائعاً ہے یا اب بھی اس کو وہی خوف ہے کہ اگر ایسا نہ کروں گی تو مجھ کو مار ڈالیں گے اور اس کے گمان میں یہ ہے کہ یہ ایسا کر سکتے ہیں جواب اس کی تنقیح پر موقوف ہے۔

جواب تنقیح:۔ اس عورت مذکورہ بالا سے جو دریافت کیا گیا کہ مسلمان ہوئی ہے تو اس نے نہایت خوشی سے مسلمان ہونے کا اظہار کیا اور جب جداگانہ پوچھا گیا ہے کہ تجھ کو پھر اپنے پہلے دین کی طرف رغبت محبت ہے اس دین پر جانا چاہتی ہے تو اس سے بالکل انکار کرتی ہے۔

اور اسلام لانے پر خوش ہے اور کسی قسم کا خوف نہیں ظاہر کرتی ہے اور جانتی ہے کہ میں ذی اختیار ہوں اگر پہلے دین کو اختیار کروں تو مجھ کو کوئی شے مانع نہیں ہے بینوا جوابا توجروا۔

الجواب: قال قاضیخان فی فتاواہ (ص ۴۲۶ ج ۴) من باب الاکراہ:

واذا اجبر الکافر علی الاسلام فاسلم صح اسلامہ فان ارتد بعد ذلک یجبر علی الاسلام ولا یقتل اھ۔

صورت مسئولہ میں اس عورت مشرکہ کا اسلام معتبر ہوگیا اب اس کو مسلمان ہی سمجھنا چاہئے اور اگر اس کا شوہر کافر زندہ ہے تو وقت اسلام سے تین حیض گذر جانے کے بعد اس کا نکاح مسلمان مرد سے ہوسکتا ہے تین حیض گذرنے سے پہلے نکاح درست نہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔ ۱۹ ذیقعدہ ۴۳ھ

مشرک سے اس کی نابالغ لڑکی خریدنے سے اس کا مالک نہ ہونا۔ اور بحالت نابالغی اس سے نکاح کا حکم

سوال (۱۱) اگر کسی نے مشرکہ لڑکی کو اس کے ماں باپ سے جو مشرک ہیں خرید لیا اور وہ لڑکی نابالغہ ہے اگر اس نے اس کو مسلمان کرلیا اور بعض ضرورتوں کی وجہ سے دو گواہوں کے سامنے اس سے نکاح اس طرح کیا کہ دو گواہ جانتے ہیں۔ اور کوئی نہیں جانتا تو یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ یہ نکاح لڑکی کے عدم بلوغ میں ہوا ہے۔

الجواب: قال الشامی فی النہر عن منیۃ المفتی اذا باع الحربی ہہنا ولدہ من مسلم عن الامام انہ لا یجوز ولا یجبر علی الرد وعن ابی یوسف یجبر علی الرد اذا خاصمہ الحربی اھ (ص ۲۷۶ ج ۳)۔

صورت مسئولہ میں یہ نکاح درست نہیں ہوا کیونکہ یہ شخص اس لڑکی کے خریدنے سے اس کا مالک نہیں ہوا اور یہ اس کا ولی بھی نہیں جو نابالغی کی حالت میں اس کا نکاح کرسکے پس بعد بلوغ کے اس لڑکی کی رضا سے نکاح کرنا چاہئے۔ قلت وفی بعض الروایات انہ یملک لو کان اہل الحرب یرون جواز ہذا البیع فعلی ہذا ایضا لا یصح النکاح لکونہ من سیدہا ونکاح الامۃ من سیدہا لا یجوز والروایۃ المشار الیہا ذکرہا العلامۃ عبد الحی فی فتاواہ عن البزازیۃ بلفظ والصحیح ان کان الباء ثم یری جواز بیعہ ملکہ مطلقا وان کان لا یری ان اشتراہ وذہب بہ ملکہ ما ملکہ بالقہر اھ (ص ۱۰۲ ج ۱) والظاہر من حال الکناسین ...... والکافرین من اہل الہند انہم یرون ذلک حسبائی الشرعۃ

فیما بینہم من غیر نکیر ولکن لا افتی بجواز الاستمتاع بھذا الملک لاختلاف الروایات فی الباب۔ واللہ اعلم۔ ۲۰ محرم سنہ ۵۳ھ۔

حکم نکاح سنیہ با رافضی

سوال (۱۲) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس معاملہ میں جس کی کیفیت ذیل میں درج ہے۔

زید کا آبائی مذہب شیعہ تھا اس کے بہن کی شادی ایک سنت جماعت سے ہوئی کچھ عرصہ کے بعد زید مع اپنے باپ کے اس مقام پر چلا آیا جہاں اس کی بہن تھی اور علیحدہ رہ کر کاروبار کرنے لگا زید کا باپ فوت ہوگیا اور اس نے کچھ عرصہ کے بعد بخوشی خود مذہب اہل سنت وجماعت اختیار کرلیا وہ بے پڑھا اور نہایت سادہ لوح آدمی تھا کسی قسم کا مذہبی تعصب نہ تھا نہ کوئی مذہبی واقفیت تھی البتہ جب سے وہ شریک اہل سنت وجماعت ہوا تھا نماز عیدین میں برابر سنت جماعتوں میں شریک ہوتا تھا اور جملہ رسومات اہل سنت وجماعت ادا کرتا تھا اس کی شادی بھی سنت جماعتوں میں ہوئی اور اس کا مذہب سنت جماعت ہے زید کی ایک لڑکی ہوئی جس کی شادی ایک درمیانی شخص نے یہ خیال کرکے کہ اس کا گھرانہ شیعہ رہا ہے ایک شیعہ گھرانے میں لڑکے کی جس کو زید نے اپنی بے تعصبی سے منظور کرلیا لڑکی کی عمر اس وقت آٹھ یا نو سال کی تھی اور وہ اپنے ماں باپ کے موجودہ مذہب یعنی سنت جماعت پر تھی نکاح کے وقت کسی قاضی یا عالم نے نکاح نہیں پڑھایا نہ ایجاب وقبول کرایا گیا نہ کوئی گواہ نہ وکیل لڑکی کی طرف کا ہے (یہ بات یقینی ہے کہ زید نے اجازت دے دی ہوگی ورنہ اقدام ہو ہی نہیں سکتا تھا لیکن اجازت دینے کا بھی کوئی گواہ لڑکی کی طرف والوں میں نہیں پایا جاتا جس کے لڑکے کے ساتھ نسبت ہوئی سنا جاتا ہے کہ اس کے چچا نے اپنی طریقہ پر صیغہ پڑھ لیا اور یہ ازدواج کی رسم ختم ہوکر کھانے کے بعد بارات رخصت ہوگئی لڑکی کی رخصت بوجہ نابالغی نہیں ہوئی چار سال بعد لڑکی کی رخصت ہوئی اور وہ چند روز اپنے سسرال میں رہ کر واپس آگئی اس وقت کوئی بات خلاف نہیں ہوئی آٹھ ماہ کے بعد وہ پھر سسرال گئی اور چار ماہ وہاں رہی اسی عرصہ میں عشرہ محرم پڑا اس گھرانے کی عورتوں نے اپنی رسم کے موافق چوڑیاں توڑیں اور سینہ کوٹ کوٹ کر ماتم کیا اس کو بھی ایسا ہی کرنے کا حکم کیا گیا چونکہ یہ سنت جماعت تھی اور بچپن سے اس کی عادی نہیں تھی اس نے انکار کیا انکار پر اس کو مار پڑی اور زبردستی چوڑیاں توڑی گئیں اور ماتم کرنے اور رونے پر مجبور کی گئی اور بھی رسوم ان لوگوں نے کیں جن کو اعمال کہتے ہیں جو بنا فساد درمیان شیعہ وسنت جماعتوں کے ہے اس کے علاوہ بھی معمولی روزمرہ کے برتاؤ میں طرح طرح کی تکلیفیں دی گئیں

لڑکی کو یہ آمد شاق گذری مگر مجبور تھی چار ماہ بعد وہ لوگ رخصت نہیں کرتے تھے لیکن کسی طرح بہزار کوشش رخصت کرائی جا کر اپنے ماں باپ کے گھر آئی اور سب حال بیان کیا اور کہا کہ اب اس گھر جانا نہیں چاہتی کسی طرح میرا وہاں سے پیچھا چھوڑایا جاوے مجھے سخت تکلیف دی جاتی ہے اور مجھے یہاں تک خیال ہے کہ اگر اب میں وہاں گئی تو پھر واپس نہ آؤں گی اس پر زید نے قصد کر لیا کہ وہ لڑکی کو وہاں نہ بھیجے گا اور خلع کرالے گا لیکن چند روز بعد زید بقضاء الٰہی فوت ہوگیا اس کی زوجہ لڑکی کو رخصت نہیں کرتی اور نہ وہ لڑکی کسی طرح جانے کو راضی ہے اب لڑکی کے سسرال والوں نے عدالت سے رخصت کرا دئے جانے کا دعویٰ کیا۔ لڑکی کہتی ہے کہ میں نابالغ تھی مجھے خبر نہیں کہ میرا نکاح کیسے سے ہوگیا مجھ سے کسی نے کچھ نہیں کہا نہ تعداد مہر کی معلوم ہے کہ کیا باندھا گیا چونکہ اب میں بالغ ہوں میں ایسی جگہ ہرگز جانا نہیں چاہتی جہاں مجھ سے وہ رسوم کرائی جائیں جو میں نے کبھی نہیں کیں اور ہر طرح کی تکلیف دی جاوے اور بزرگان دین کو برا بھلا خود کہا جاوے اور مجھ سے کہلوایا جاوے۔ میں اب اگر وہاں جاؤں گی تو پھر واپس نہیں آسکتی میرا خلع کرلیا جاوے۔

اب شرع شریف اس بارہ میں کیا حکم دیتی ہے کہ آیا باوجود اس کے کہ لڑکی کا صیغہ نابالغی میں پڑھا گیا ایجاب و قبول نہیں کرایا گیا تعداد مہر معلوم نہیں۔ نکاح اہل سنت وجماعت کے طریق پر نہیں ہوا جو کہ لڑکی اور اوس کے والدین کا مذہب ہے اس کو ہر طرح تکلیف دی جاتی ہے اپنے مرضی اور عقائد کے خلاف باتیں کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ ایسی حالت میں بھی کیا اوس کو خلع نہیں مل سکتا اور وہ جبراً سسرال بھیجے جانے پر مجبور کی جاسکتی ہے اگر وہ وہاں گئی تو پھر اون لوگوں کے اختیار میں ہوگی وہ جیسا چاہیں اس کے ساتھ برتاؤ کریں لڑکی کی طرف فریاد کرنیوالا نہیں۔ اس کی ماں بیوہ اور لڑکی کے سسرال علاقہ انگریزی میں ہے اور اس کی ماں ریاست میں رہتی ہے جواب تحریر فرما کر عنداللہ ماجور و عندالناس مشکور ہوں فقط

الجواب: روافض کے متعلق علماء سنت وجماعت کے دو قول ہیں بعض محققین کے نزدیک رافضی کافر ہیں پس ان کے قول پر کسی سنی عورت کا نکاح رافضی مرد سے درست نہیں ہوسکتا نعم یجوز نکاح الرافضة بالرجل السنی لکونها کتابیة قال فی التحریر المختار وجعل المحلی فی حاشیة المنیة المعتزلة والرافضی بمنزلة اهل الکتاب حیث قال تحت قوله وصح نکاح کتابیة اقول یدخل فی هذا الرافضة بانواعها والمعتزلة فلا یجوز ان تتزوج المسلمة السنیة

من الرافضي لأنها مسلمة وهو كافر فيدخل تحت قولهم لا يصح تزوج مسلمة بكافر اهـ وقال الرستغفني لا تقع مناكحة بين أهل السنة والاعتزال اهـ فالرافضة مثلهم أو أقبح والرملي جعلهم من قبيل أهل الكتاب فيجوز نكاح نسائهم ولا يزوجون ولعله أعدل الأقوال لأنه لا شك في كفر الرافضة اهـ سندی (ص ۱۸۳ ج ۱) اس قول کی بنا پر دختر زید کا نکاح رافضی مرد سے درست ہی نہیں ہوا اور وہ بدون طلاق ونکاح کے دوسرے مرد سنی سے نکاح کرسکتی ہے لیکن وطی بالشبہ کی وجہ سے اس کے ذمہ عدت ہوگی اور دخول کی وجہ سے مہر مثل بھی بطور عقر کے مستحق ہوگی ۔ اور محققین حنفیہ کی ایک جماعت رافضیوں کو اطلاق کے ساتھ کافر نہیں کہتی بلکہ وہ تفصیل کرتے ہیں کہ اگر رافضی قاذف حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہو یعنی نعوذ باللہ ان پر تہمت زنا لگاتا ہو یا قرآن میں تحریف وکمی بیشی کا قائل ہو تو کافر ہے اس کے ساتھ سنیہ کا نکاح باطل ہے اور دخول کے بعد عدت ومہر کا وہی حکم ہے جو اوپر گذرا اور اگر قاذف عائشہ نہیں ۔ اور نہ تحریف قرآن کا قائل ہے اور اس کے علاوہ اور بھی کوئی عقیدہ کفریہ نہیں رکھتا تو کافر نہیں بلکہ فاسق ہے اس کے ساتھ سنیہ کا نکاح بعض صورتوں میں درست ہوجاتا ہے مثلاً جب باپ دادا نے اپنی لڑکی سنیہ کا نکاح بلوغ سے پہلے کردیا ہو مگر جس طرح ہوسکے سنیہ کو طلاق یا خلع کرکے اس مرد سے علیحدگی اختیار کرلینی چاہئے کیونکہ اس کے پاس رہنے میں اس کے دین اور مذہب پر اندیشہ ہے پس صورت مسئولہ میں اگر دختر زید کا رافضی شوہر حضرت عائشہ کو متہم کرتا ہے اور قرآن میں تحریف کا یا کسی اور عقیدہ کفریہ کا قائل ہے تو وہ کافر ہے اور اس سے دختر زید کا نکاح صحیح نہیں ہوا اور اگر وہ اس عقیدہ کا نہیں ۔ تو نکاح صحیح ہوگیا ۔ لیکن حاکم کو چاہئے کہ خلع وغیرہ کرا کر اس عورت کو رافضی مرد سے طلاق دلا کر الگ کردے ورنہ عورت کو چاہئے کہ جہاں تک قدرت ہو اس سے اپنے کو بچائے قال الشامي نعم لا شك في تكفير من قذف السيدة عائشة أو أنكر صحبة الصديق أو اعتقد الألوهية في علي أو أن جبرئيل غلط في الوحي أو نحو ذلك اهـ (ص ۴۵۳ ج ۳) ۔

۲۵ محرم ۴۵ھ ۔

اس عورت سے جواز نکاح کا حکم جو شروع اول سے اپنا مطلقہ ہونا بیان کرتی تھی

سوال (۱۳) جناب دربارہ مسئلہ ذیل کیا فرماتے ہیں ۔ ایک عورت میرے یہاں دو سال سے ملازم ہے جو کہ جوان ہے

اور میں اپنے ایک ملازم سے اس کا نکاح کر دینا چاہتا ہوں کیونکہ اندیشہ ہے کہ وہ بدچلن نہ ہو جاوے لیکن اس میں صورتیں یہ پیدا ہوگئی ہیں اول یہ کہ مسماۃ کہتی ہے کہ اس کا طلاق ہو چکا ہے اور اس کے شوہر نے بذریعہ خط کلکتہ سے اپنے ماں باپ کو لکھا ہے کہ اس کو گھر سے نکال دو ہم سے اور اس سے اب کوئی واسطہ نہیں مگر اس خط کے جواب پر اس کے باپ نے یہ لکھا کہ ہم کس طرح سے نکال دیں یا تم اس کو طلاق دیتے ہو؟ اس دوسرے خط کے جواب میں اس نے یہ لکھا کہ ہم اس کو طلاق دیتے ہیں تم گھر سے نکال دو! اور اس گاؤں میں اس کو کہیں مت رہنے دو بڑی بدنامی ہوگی اور وہ دوسری عورت کو اپنے ساتھ کلکتہ لے گیا میں نے اس طلاق کی تحقیق میں بہت کوشش کی جس کا نتیجہ حسب ذیل ہے:

(۱) جو عورت اس کو اپنے ہمراہ اس کے سسرال سے لائی اس کا بیان یہ ہے کہ اگر اس کا نکاح زید سے نہ ہوا اور کہیں دوسرے سے ہو تو میں کہہ سکتی ہوں کہ طلاق ہو گیا ہے۔

(۲) اس کا جیٹھ میرے پاس خود بغرض ملازمت آیا تھا اس سے میں نے طلاق کے متعلق دریافت کیا۔ اس نے یہ ظاہر کیا کہ کسی مہاجن کا کچھ روپیہ قرضہ ہے۔ اگر مسماۃ اس کو ادا کر دے تو میں لکھ دوں گا کہ طلاق ہو گیا ہے۔

(۳) ایک مسلمان مسماۃ مذکورہ کے گاؤں کا رشتہ دار کہا جاتا ہے اس نے میرے روبرو بدریافت حال طلاق بیان کیا کہ طلاق ہو گیا ہے۔ میں اس کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ میں نے اس سے اس طریقہ سے سوال کیا تھا کہ یہ شرع کا معاملہ ہے سچ سچ بتانا جھوٹ نہ بولنا اور نہ کسی کی طرفداری کرنا ورنہ تم پر گناہ ہوگا تب اس پر اس نے کہا کہ طلاق ہو گیا ہے۔

(۴) میں نے ایک شخص خاص کو (اور وہ میرا دوست ہے) بدریافت طلاق مسماۃ کی سسرال اپنے خرچ سے بھیجا کہ وہ اس کے ماں باپ اور خاص قرابت داروں سے دریافت کرے کہ آیا مسماۃ مذکورہ کو اس کے شوہر نے (جو اب تک سنا جاتا ہے کہ کلکتہ میں ہے اور دوسری عورت اس کے پاس ہے) طلاق دیا ہے یا نہیں اس نے آکر یہ بیان کیا کہ اس کا جیٹھ یہ کہتا ہے کہ مسماۃ یہاں آکر رہے یا اس کا نکاح اس کے شوہر سے طلاق دلا کر جس کو وہ پسند کرے کر دیں گے۔ لیکن اس کے خسر نے یہ کہا کہ ہم اس کو نہیں رکھیں گے تم اگر خرچ دے سکتے ہو تو بلا کر کے رکھو۔

(۵) میں نے ایک خط اس موضع کے تھانہ دار کو اپنی جانب سے بدریافت حال طلاق لکھا تھا۔ جس کا جواب انہوں نے یہ دیا کہ میری جانچ سے یہ معلوم ہوا کہ طلاق نہیں ہوا ہے اور یہ

بھی لکھا ہے کہ اس کے شوہر کا پتہ ٹھیک معلوم نہیں ہے کہیں کلکتہ میں رہتا ہے احمد خان خسر مسماۃ اپنے ساتھ رکھنے کے لئے راضی نہیں ہے لیکن اس کا جیٹھ اپنے گھر میں رکھنا چاہتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ اپنے چھوٹے بھائی سے اس کا نکاح کرا دے ایسی صورت میں طلاق ہوگیا کہ نہیں؟ اگر طلاق نہیں ہوا تو کونسی صورت اختیار کی جاوے اس سے زیادہ جانچ میرے امکان سے باہر ہے۔ اگر مسماۃ کو قسم دی جاوے اور وہ حلفیہ بیان کرے کہ طلاق ہوگیا ذریعہ تحریر کے تو وہ طلاق از روئے شرع درست ہے یا نہیں؟ ایسی صورت میں مرد کی قسم کا اعتبار کیا جائے گا یا عورت کی؟ بینوا توجروا

تنقیح ہے۔ یہ عورت دینداری میں کیسی ہے پابند نماز وغیرہ ہے یا نہیں۔ اس کا چال چلن کیسا ہے جھوٹ سچ بولنے میں اس کے متعلق تجربہ کیا ہے ان تنقیحات کے جواب کے بعد حکم بتلایا جائے گا۔ یہ پرچہ بھی واپس کیا جاوے۔ فقط۔

جواب تنقیح ہے۔ (۱) عورت نومسلمہ ہے۔ نماز اکثر پڑھتی ہے۔ پوری نماز اس کو نہیں آتی۔ سکھایا جاتا ہے۔ گذشتہ رمضان المبارک کے روزے رکھے تھے۔

(۲) چال بظاہر اچھا ہے۔

(۳) تجربے سے میں اس کو دروغ گو نہیں کہہ سکتا ممکن ہے کہ خانہ داری کے معاملات میں بحیثیت ایک ملازمہ کے کبھی جھوٹ بول دیتی ہو (قیاساً)۔

(۴) عورت پردہ نشین نہیں ہے کام کاج کے لئے بازار وغیرہ جایا کرتی ہے۔ فقط۔

(۵) اگر عورت کے ہاتھ میں قرآن شریف دیکر قسم کھلائی جائیگی تو وہ ہرگز جھوٹی قسم نہ کھائیگی۔

الجواب: اگر یہ عورت قسم کھا کر کہے کہ مجھ کو میرے شوہر نے طلاق دے دی ہے اور عدت گذر چکی اور قلب اس کی بات کو قبول کرے تو اس کا دوسرے شخص سے نکاح کر دینا اور دوسرے شخص کو اس سے نکاح کر لینا جائز ہے جبکہ اس کا دل بھی عورت کی بات کو قبول کرے، قال فی العالمگیریۃ (ص ٢٤٠ ج ٦) ولو ان امرأۃ قالت لرجل ان زوجی طلقنی ثلاثا وانقضت عدتی فان کانت عدلۃ وسعہ ان یتزوجہا وان کانت فاسقۃ تحری وعمل بما وقع تحریہ علیہ کذا فی الذخیرۃ اھ قلت وانما قیدت بشہادۃ القلب لعدم کون عدالتہا فی الصورۃ المسؤلۃ مشتبہۃ عندی، واللہ اعلم۔

٢٧ صفر ۴۵ھ۔

اس شرط پر نکاح کا حکم کہ پانچ سال یہاں رہنا ہوگا

سوال (۱۸۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین مبلغان شرع گلزار متین اس مسئلہ میں زید بحالت تجارت اپنے وطن کو چھوڑ کر ایک قصبہ میں مقیم ہوا اور عائشہ سے اس شرط پر نکاح کیا کہ میں یہاں پر پانچ سال کامل رہوں گا اور ایک مرتبہ زید عائشہ کو اپنے وطن اصلی کو بھی لے گیا تھا پھر زید نے شرط جو پانچ سال اقرار کی تھی پوری کرنے کا انکار کیا اور پھر وہ عائشہ کو اس کے میکے چھوڑ کر اپنے وطن اصلی چلا گیا پھر آ کر زید نے عدالت میں عائشہ کو قبضہ لینے کا دعویٰ کیا یہ نکاح ثابت رہا یا نہیں جو شرط سے انکار ہے تو ضرور آپ مفصل طور سے کتبہا معتبرہ سے جواب تحریر فرمایئے؟ عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور ہوں۔

الجواب: قال فی الدر والنکاح لا یصح تعلیقہ بالشرط کتزوجتک ان رضی ابی لم ینعقد النکاح لتعلیقہ بالخطر کما فی العمادیۃ

قال الشامی حیث قال لا یصح تعلیق النکاح بالشرط مثل ان یقول لبنتہ ان دخلت الدار زوجتک فلانا فقال فلان قبلت فان التعلیق لا یصح و ان صح النکاح ولعلہ اشتبہ علیہ النکاح المعلق علی شرط بالنکاح المقرون معہ شرط فاسد وبینہما فرق واضح [illegible] ای فان الاول یبطل راسًا واساسًا والثانی یصح ویلغو الشرط۔

صورت مسئولہ میں اگر ایجاب وقبول کے ساتھ یوں کہا گیا تھا کہ اگر تو پانچ سال یہاں رہے تو فلاں عورت کا تجھ سے نکاح ہے ورنہ نہیں اس کا حکم اور ہے اور اگر ایجاب وقبول کے ساتھ یوں نہیں کہا گیا بلکہ پانچ سال رہنے کی شرط ایجاب وقبول سے پہلے طے کر لی گئی یا بعد میں کہا گیا تو حکم اور ہے سائل کو بتلانا چاہئے کہ ان دونوں میں سے کونسی صورت واقع ہوئی ہے۔

فقط۔ ۲ محرم ۴۳ھ۔

طلاق مغلظہ کے بعد بغیر حلالہ نکاح ثانی اور ان ایام میں عورت کے نفقہ کا حکم

سوال (۱۸۵) ۸۶ کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ ہندہ کو طلاق دی معہ تین طلاق کے جس کے گواہ موجود ہیں پھر دوبارہ بزور نکاح ثانی کرنے پر زید سے کہا گیا زید نکاح ثانی پر راضی نہ ہوا لیکن زچ کیا گیا اور سمجھایا گیا کہ نکاح ثانی ہو سکتا ہے زور دے کے فتویٰ کے مل جانے پر زید نے نکاح ثانی کر لیا بعد نکاح ثانی کے زید نے فتویٰ دریافت کیا فتویٰ ناجائز ٹھہرا جب ثبوت فتویٰ ناجائز کا ٹھہرا تو زید نے اپنے زوجہ ہندہ کو چھوڑ دیا [illegible]

نے زید پر مقدمہ دائر کیا ہے کہ میری لڑکی ہندہ کو دس ماہ سے خرچ خانہ داری نہیں دیتا ہے اور اس مقدمہ میں ایک طرفہ ڈگری حاصل کر لیا ہے نمبروار جواب ارسال فرماویں طلاق کہ طلاق ہوئی یا نہیں نکاح ثانی جائز ہوا یا نہیں خرچ خانہ داری عائد ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: صورت مسئولہ میں چونکہ نکاح ثانی بدون طلاق ہوا ہے اس لئے درست نہیں ہندہ پر تین طلاق ہو چکی ہیں جیسا کہ سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ زید نے اپنی زوجہ کو طلاق دیا مع تین طلاق کے۔ اور جب نکاح ثانی درست نہیں ہوا تو زید پر ایام نکاح ثانی کا نفقہ بھی لازم نہیں ہوا البتہ عورت پر زید سے علیحدگی کے بعد اس نکاح ثانی کی وجہ سے بھی عدت لازم ہو گئی اگر ہمبستری ہوئی ہو لکون الوطی فیہ بشبہۃ۔ قال فی الدر تجب للزوجۃ بنکاح صحیح فلو بان فساده او بطلانه رجع بما اخذته من النفقۃ بحر اھ وقال الشامی فلا نفقۃ علی مسلم فی نکاح فاسد لانعدام سبب الوجوب وھو حق الحبس الثابت للزوج علیھا بالنکاح وکذا فی عدته لان حق الحبس وان ثبت لکنه لم یثبت بالنکاح بل لتحصین الماء اھ (ص ۲۰۲ ج ۲) اس سے معلوم ہوا کہ مدت نکاح ثانی کا نفقہ زید پر تو واجب ہے ہی نہیں بلکہ اگر اس نے اس مدت میں ہندہ کو کچھ نفقہ دیا ہو تو اس کو ہندہ سے واپس لے سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۸ جمادی الاخری سنہ ۴۳ھ۔

نکاح نومسلمہ بعد ہجرت اسلامی ریاست میں ہجرت کر گئے تو تباین دارین موجب بینونت ہے یا نہیں

سوال (۱۴) کافرہ عورت کے متعلق مسئلہ ہے کہ کافرہ عورت ہو اور کافر کے ملک میں مسلمان ہو کر نکاح کرے تو چھ ماہ تک اس کو مسلمان ہونے کے بعد نکاح کرنا چاہئے جب جائز ہوگا اگر اس عورت کو مسلمان کرنے پر تین ماہ کے بعد کسی اسلامی سلطنت میں لے جا کر نکاح کیا جائے تو درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب: کافرہ عورت اگر خاوند والی ہو تو اس کے لئے حکم یہ ہے کہ دار الحرب میں جب اس کو تین حیض نہ آئیں گے اس وقت تک اس کا نکاح کافر شوہر سے نہیں ٹوٹتا تین حیض آنے کے بعد دونوں میں فرقت ہوگی چھ مہینے کی قید نہیں بلکہ تین حیض کا آنا ضروری ہے چاہے تین ماہ میں آ جائیں یا سال بھر میں قال فی الدر ولو اسلم احدھما ثمة ای فی دار الحرب لم تبن حتی تحیض ثلاثا او تمضی ثلاثة اشھر (ای ان کانت لا تحیض لصغر او کبر کما فی البحر اھ ش) (ص ۲۹۳ ج ۲) رہا یہ کہ اس کو اسلامی

سلطنت میں لے جاکر نکاح کیا جاوے سو اس کی چند صورتیں ہیں :-

۱ یہ کہ اسلامی سلطنت میں اُس کو اسلام لانے سے پہلے جبراً لے جایا جائے اُس کی خوشی کے ساتھ نہ لے جایا جائے اس صورت میں اسلامی سلطنت میں پہونچتے ہی اس کے ساتھ نکاح درست ہے بشرطیکہ حاملہ نہ ہو۔ لکونہا فی ہذہ الصورۃ کالاسیرۃ اخرجت من دار الحرب الی دار الاسلام فبطل النکاح بینہما لتباین الدارین۔

۲ دوسری صورت یہ ہے کہ اُس کو اسلام کے بعد یا اسلام سے پہلے اسلامی سلطنت میں خوشی کے ساتھ لے جایا جائے مگر ارادہ یہ ہو کہ اسلامی سلطنت ہی میں رہیں گے یعنی وہاں توطن کا ارادہ ہو جس کے لئے کم از کم ایک سال کے قیام کا ارادہ شرط ہے اس صورت میں بھی وہاں پہونچکر فوراً نکاح درست ہے بشرطیکہ حاملہ نہ ہو لان التوطن یبطل الوطن الاول فتباین الداران فبطل النکاح، والحربی لایمکن ان یقیم بدار الاسلام سنۃ کاملۃ واذا اتم الحول ضرب علیہ الجزیۃ وصار ذمیا۔ باقی محض دو چار روز کے واسطے اسلامی سلطنت میں لے جانا مفید نہیں اور اس سے نکاح بالکافر باطل نہ ہوگا لکونہا مستأمنۃ وبالاستیمان لایبطل الدار فلم یوجد تباین الدارین قال فی الدر والمرأۃ تبین بتباین الدارین حقیقۃ وحکما (والمراد بتباین الدارین حقیقۃ تباعدہما شخصاً وبالحکم ان لایکون فی الدار التی دخلہا علی سبیل الرجوع بل علی سبیل القرار والسکنی حتی لو دخل الحربی دارنا بامان لم تبن زوجتہ لانہ فی دارہم حکما الا اذا قبل الذمۃ ۱۲ ش) قال فی الدر ومن ہاجرت الینا مسلمۃ او ذمیۃ حاملا بانت بلا عدۃ فیحل تزوجہا (قال الشامی المہاجرۃ التارکۃ دار الحرب الی دار الاسلام علی عزم عدم العود وذلک بان تخرج مسلمۃ او ذمیۃ او صارت کذلک اھ) قال فی الدر او اخرج مسبیا وادخل فی دارنا (افاد انہ لایتحقق التباین بمجرد السبی بل لابد من الاحراز بدارنا بدائع ۱۲ ش) اھ (ص ۶۲۱ و ۶۲۲ ج ۲) وبالجملۃ فالدخول بدار الاسلام بالامان لایکفی للتباین بل لابد من الادخال مسبیۃ او دخولہا مہاجرۃ واللہ اعلم۔

۲۵ ذی الحجہ ۳۳ھ۔

زنا سے نکاح نہیں ٹوٹتا

سوال (۱۷) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی منکوحہ ہندہ نااتفاقی سے یا اور کسی وجہ سے بکر کے پاس چلی گئی دوچار سال بکر کے گھر میں بطور عورت کے رہی بلکہ ایک بچہ بھی بکر کے نطفہ حرام سے پیدا ہوا مگر زید نے طلاق نہیں دیا بعد مدت مذکورہ بالا کے زید نے سرکار کے ذریعے سے یا اور کسی وجہ سے اپنی منکوحہ ہندہ کو اپنے گھر لایا اس صورت میں زید وہندہ کا باہم پہلا نکاح کافی ہے یا کہ نکاح ثانی کرنا ہوگا یا طلاق ہو گئی؟

الجواب: زید کا نکاح باقی ہے دوبارہ نکاح کی حاجت نہیں البتہ زید کے لئے مستحب ہے کہ جب سے ہندہ نے بکر سے علیحدگی کی ہے اس وقت کے بعد حیض آنے کا انتظار کرے حیض کے قبل صحبت نہ کرے۔ کما فی رد المحتار (قوله والمزنی بها لا تحرم علی زوجها) فله وطئها بلا استبراء عندهما وقال محمد لا احب له ان یطأها ما لم یستبرأها کما مر فی فصل المحرمات وقال الشامی تحت قول الدر (ولا یقربها زوجها) ای یحرم علیه وطئها حتی تحیض وتطهر کما صرح به شارح الوهبانیة وهذا ابلغ من حمله علی قول محمد لانه یقول بالاستحباب کذا افاده المصنف فی المنح فی فصل المحرمات۔ اور بچہ زید کو ملے گا خواہ زید اس کے نسب کا انکار کرے خواہ اقرار کرے۔ قال الشامی تحت (قوله علی اربع مراتب) قوی وهو فراش المنکوحة ومعتدة الرجعی فانه فیه لا ینتفی الا باللعان (ص ۶۷۲ ج ۲) وفی البحر الرائق شرط وجوب اللعان (وهو ثلاثة) والثانی عفتها عن الزنا فان لم تکن عفیفة لا یجب اللعان بقذفها الخ (ص ۲۳۷ ج ۳) وفیه ایضا ص ۲۳۸ وعلی هذا اتفقنا ان القذف اذا لم ینعقد موجبا للعان او سقط بعد الوجوب اوجب الحد او لم یجب او لم یسقط لکنهما لم یتلاعنا بعد لا ینقطع نسب الولد وکذا اذا نفی نسب ولد حرة فصدقته لا ینقطع نسبه لتعذر اللعان اھ۔ عبدالکریم عفی عنہ۔ ۵ / ذیقعدہ ۴۳ھ۔

الجواب صحیح۔

ظفر احمد عفا عنہ۔ ۵ / ذی القعدہ ۴۳ھ۔

مطلقہ ثلاث نے زوج دوم کو مجبور کر کے خلع کر لیا بعد خلع اس کے زوج ثانی نے طلاق دی کیونکہ مسلمان ہونے کے بعد بدون زوج اول کے لیے حلالہ کی ضرورت ہے

سوال (۱۸) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ

کافرہ مسلمہ ہو کر کسی مسلم سے نکاح کیا دس برس تک اس کے ساتھ رہی بعد اس کے اس کے زوج نے تین طلاق دے دی پھر وہ عورت مرتد ہو گئی اور کسی کافر سے نکاح کر لیا اور اس نے دخول بھی کیا بعد ازاں اس نے بھی طلاق دیکر جدا کر دیا اب وہ عورت مسلمان ہو گئی اور زوج اول سے نکاح کرنا چاہتی ہے کیا یہ نکاح درست ہے یا کسی مسلم سے حلالہ کرنے کی ضرورت ہوگی؟ بینوا توجروا۔

الجواب: قال فی الدر لا ینکح مطلقة بها ای بالثلث لو حرة و ثنتین لو امة حتی یطأها غیرها ولو الغیر مراهقا یجامع مثله او خصیا او مجنونا او ذمیا لذمیة (ای ولو کان المحلل لاجل زوجها المسلم کما فی البحر ۲ شامی) بنکاح نافذ خرج الفاسد والموقوف اھ۔

اگر اس عورت نے بعد ارتداد کے کسی کافر سے باقاعدہ نکاح کر لیا تھا (گو قاعدہ کفار ہی کے موافق ہو) اور کافر زوج نے اس سے دخول کر لیا تھا تو بعد اسلام عورت کا زوج اول اس سے نکاح کر سکتا ہے اور اب تحلیل کی ضرورت نہیں زوج کافر کی تحلیل کافی ہو گئی لکونه کذمی لذمیة۔ واللہ اعلم۔ ۲۸؍ رجب ۴۵ھ۔

حکم نکاح بالکتابت

سوال (۱۹) اگر مرد عورت سے بہ رضامندی یہ تحریر لکھوائے کہ تو میرا خاوند ہے یا مجھ کو تجھ سے نکاح منظور ہے پھر مرد اس تحریر کو دو آدمیوں کو دکھلائے تو کیا نکاح ہو جائے گا جبکہ دونوں آپس میں رضامند ہوں؛ و رضامندی سے تحریر لکھوائی گئی ہو اور اس صورت میں کیا عورت کو اپنا نام یا پورا پتہ تحریر مذکورہ میں لکھنا چاہئے یا یونہی فقط خالی دستخطی تحریر سے نکاح ہو جائے گا جو کچھ شرع شریف میں حکم ہو بہت جلد جواب دیں؟

الجواب: اس صورت میں نکاح درست نہ ہوگا اور اگر نام اور پورا پتہ بھی لکھا ہوا ہو جب بھی محض تحریر دکھلانے سے نکاح درست نہ ہوگا جب تک مرد یہ بیان نہ کرے کہ فلاں عورت نے جو فلاں کی بیٹی ہے میرے پاس یہ خط لکھا ہے جس میں وہ مجھ سے نکاح کو منظور کرتی ہے میں بھی اس نکاح کو قبول کرتا ہوں اور یہ بیان دو گواہوں کے سامنے ہو اور ان کے سامنے عورت کا پتہ اس طرح بیان کیا جائے جس سے وہ ممتاز ہو جائے صرح به فی الدر و الشامی (ص ۵۲۵ ج ۲) والخلاصہ ص ۲۳۸ ج ۲ واللہ اعلم۔ ۱۰؍ شعبان ۴۵ھ۔

رافضی مرد کے ساتھ سنی لڑکی کا نکاح اور اس کی بعض صورتوں کی تفصیل

سوال (۲۰) کیا فرماتے ہیں علماء دین متین اس لڑکی کے بارے میں جس کا خاوند تبرائی شیعہ ہو گیا اور اصحاب کبار کو برائی اور بدزبانی سے یاد کرتا ہے۔ حتی کہ جانوروں کے نام انہی کے نام پر رکھ کر ان کو مارنا پیٹنا ثواب سمجھتا ہے وغیرہ وغیرہ تمام افعال شیعہ ان میں تبرائی شیعوں کے پائے جاتے ہیں لڑکی حنفی مذہب کو چھوڑنا نہیں چاہتی۔ جس کی وجہ سے اس کا خاوند اس کو ایذا پہنچاتا ہے اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ کیا وہ لڑکی از روئے مذہب حنفیہ بغیر طلاق نکاح ثانی کر سکتی ہے یا کہ نہیں تو کیا سبیل اختیار کرے بینوا توجروا۔

جواب کے لئے لفافہ ہمراہ ہے جواب باصواب بعجلت تحریر فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

(۲) تبرائی شیعہ مرد اور تبرائی شیعہ عورت ہر دو میاں بیوی مذہب شیعہ سے تائب ہو کر مذہب حنفی میں داخل ہوئے۔ کیا ان کا عقد از سر نو پڑھا جاوے گا یا وہی پہلا نکاح کافی ہے؟

(۳) تبرائی شیعہ عورت جو کہ تبرائی شیعہ مرد کے نکاح میں تھی مذہب شیعہ سے تائب ہوئی اب دوبارہ بموجب مذہب حنفی رہ سکتی ہے اس کا خاوند اس کو منع نہیں کرتا ہے لیکن وہ مرد خود تبرائی شیعہ ہی ہے کیا ان کا نکاح فسخ ہو گیا اور وہ عورت دوسری جگہ نکاح کرے یا اسی مرد کے پاس رہے اور گنہگار نہ ہوگی؟

الجواب! نکاح روافض کے متعلق جو تحقیق ہے اس سے پہلے جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اس سے منسوخ ہے ۱۲ ظفر

شیعوں کے متعلق عنایات کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے مولوی عبدالشکور صاحب رسالہ النجم عدد ۹ میں تحریر فرماتے ہیں۔ ص۱۳ شیعوں کا عقیدہ ہے کہ قرآن میں تحریف ہوئی یعنی لوگوں نے قرآن سے کچھ آیتیں نکال ڈالیں اور کچھ بڑھا دیں جن میں کفر کی باتیں شامل کر دیں کچھ الفاظ و حروف بدل ڈالے اس کے ثبوت میں حسب ذیل کتب ملاحظہ ہوں:

کتاب احتجاج طبرسی از ص۱۱۹ تا ص۱۳۱، اصول کافی از ص۲۶ تا ص۲۹۵، تفسیر قمی ص۷ الخ۔

پھر ص۱۴ میں تحریر فرماتے ہیں ہمارے معاصر مصنفین کو مذہب شیعہ سے پوری واقفیت نہیں ہو سکی جس کا اصلی سبب یہ تھا کہ شیعہ اپنا مذہب چھپانے کی بہت کوشش کرتے تھے یہی سبب کہ شیعوں کے کفر میں اختلاف رہا لیکن اب کہ شیعوں کا عقیدہ قرآن شریف کے متعلق معلوم ہو گیا جس کے کفر ہونے میں کوئی شک نہیں کر سکتا شیعوں کا خروج از اسلام ہونا قطعی ہے اھ وفی

الدر عن شرح الوهبانية للشرنبلالي ما يكون كفراً اتفاقاً يبطل العمل و النكاح وأولاده أولاد الزنا وما فيه خلاف يؤمر بالاستغفار والتوبة وتجديد النكاح اهـ (ص ۳۹۲ و ۳۶۳ ج ۳) قال الشامي وأولاده أولاد زنا كذا في فصول العمادي لكن ذكر في نور العين ويجدد بينهما النكاح إن رضيت زوجته بالعود إليه وإلا فلا تجبر والمولود بينهما قبل تجديد النكاح بالوطء بعد الردة يثبت نسبه منه لكن يكون زنا اهـ قلت ولعل ثبوت النسب لشبهة الخلاف فإنها عند الشافعي لا تبين منه تأمل اهـ (ص ۳۶۳ ج ۳) قلت وكل وطء أوجب ثبوت النسب لشبهة ما يوجب العدة احتياطاً لا سيما إذا وطئها الزوج ومكنته من نفسها ظانة بقاء النكاح بعد الردة كما هو مشاهد من حال الجهلة في الهند فإنهم يتكلمون بالكفريات ولا يدرون انفساخ النكاح لا سيما إذا كان الكفر بالرفض فإنه مما يخفى على كثير من العلماء و قد خفي علينا مدة ثم رأيته صريحاً قال في الدر ولو أخبرت بارتداد زوجها فلها التزوج بآخر بعد العدة استحساناً اهـ (ص ۶۹۹ ج ۲) قلت و الاستحسان إنما هو في الإخبار فقط وأما إذا علمت منه الردة بنفسها فلها التزوج بآخر بعد العدة قياساً واستحساناً معاً لأن القياس في الإخبار أن لا يجوز لها النكاح بآخر ما لم يشهد على ردته رجلان أو رجل و امرأتان لكون ردة الرجل يتعلق بها استحقاق القتل ولكن الأصح رواية الاستحسان لأن المقصود الإخبار بوقوع الفرقة وهو أمر ديني كالإخبار بالطلاق ثلثاً لا إثبات الردة اهـ شامي هذا هو حكم النكاح المنعقد قبل الردة أما المنعقد بعدها فيما بين الروافض الغير القديم رفضهم فحكمه ما في الدر ويبطل منه اتفاقاً ما يعتمد الملة وهي خمس النكاح والذبيحة والصيد والشهادة والإرث اهـ قال الشامي ما يعتمد الملة أي ما يكون الاعتماد في صحته على كون فاعله معتقداً ملة من الملل أي والمرتد لا ملة له أصلاً لأنه لا يقر على ما انتقل إليه وليس المراد ملة سماوية فلا يرد النكاح فإن نكاح المجوسي والوثني صحيح ولا ملة لهما سماوية بل

انتهى او لا الاعم اھ ص ۳۰۰ ج ۳ قلت ومفاد هذه العلة صحة نكاح المرتدين بالمرتدة لانه لو كفر بعد لحوقه بدار الحرب او اذا كان قد ارتدا هناك ثم في دار الاسلام فانه يقر نكاحهما على ما اتفق اليه ولا يقتله الحاكم الآن يقال انه ميت في حكم الشرع فلا يجوز النكاح لكونه لا ملة له كما اذا لم يقتله الحاكم في دار الاسلام تهاونا بالاحكام معاذ الله منه قال في الدر ولا يترك الرجل على ردته باعطاء الجزية ولا بامان مؤقت ولا مؤبد ولا يجوز استرقاقه بعد اللحاق بخلاف المرتدة اھ قال الشامي اي فانها تسترق بعد اللحاق بدار الحرب وتجبر على الاسلام بالضرب والحبس ولا تقتل اھ ص ۳۰۰ ج ۳ قال في الدر وعن الامام تسترق ولو في دار الاسلام ولو افتى به حسما لقصدها السيء لا بأس به وتكون قنة للزوج بالاستيلاء مجتبى وفي الفتح انها فيء للمسلمين يشتريها من الامام او يصرفها اليه لو مصرفا اھ قال الشامي وفي البلاد التي استولى عليها التتر واجروا احكامهم فيها ونفوا المسلمين كما وقع في خوارزم وغيرها لو استولى عليها الزوج بعد الردة ملكها لانها صارت دار حرب في الظاهر من غير حاجة الى ان يشتريها من الامام اھ قال الشامي وهذا ليس مبنيا على رواية النوادر لان الاسترقاق وقع في دار الحرب لا في دار الاسلام اھ ص ۳۰۰ ج ۳ اي المبني على رواية النوادر انما هو الاسترقاق في دار الاسلام . واما النكاح فمتفق بين الشرح والفقه التزويج وعدمه وحكمه يستفاد مما في الدر ايضا زوجان ارتدا ولحقا فولدت المرتدة ولدا وولد له اي لذلك المولود ولد فظهر عليهم جميعا فالولدان فيء كاصلهما والولد الاول يجبر بالضرب على الاسلام (اي لا يقتل بخلاف ابويه فانهما يجبران بالقتل ۱۲) وان حبلت به ثمه (اي بالاول حبلت به في دار الاسلام ووضعته في دار الحرب ۱۲) فتبعيته لابويه (في الاسلام والردة وهما يجبران فكذا هو) وان اختلفت كيفية الجبر (لان في عدم تبعية الجد على الظاهر (اي ظاهر الرواية)

فحکمه کحربي ـ (في انه يسترق او توضع عليه الجزية او يقتل) واما الجد فيقتل لا محالة لانه المرتد بالاصالة او يسلم بحر عن الفتح ۱۲ شامي ص ۲۷۲ ج ۲ ولما کان ولد الولد کالحربي فمفاده جواز نکاحه بنته والله اعلم .

بقي الاشکال في استرقاق المرأة الرافضة اذا کانت من نسل العرب فان مشرکي العرب لا يسترقون لکن قال في الدر في فصل الجزية لا على وثني عربي ومرتد فلا يقبل منهما الا الاسلام او السيف لو ظهرنا عليهم فنساءهم وصبيانهم فيء اهـ لان ابا بکر رضي الله تعالى عنه استرق نساء بني حنيفة وصبيانهم لما ارتدوا وقسمهم بين الغانمين هداية اهـ ص [illegible] فارتفع الاشکال ثم عاد الاشکال بما في الشامية عن القهستاني ولا توضع على المبتدع ولا يسترق وان کان کافرا لکن يباح قتله اذا اظهر بدعته ولم يرجع عن ذلك وتقبل توبته اهـ ص ۳۱۵ ج ۳ ـ فالجواب عنه ان المرتد نفسه لا يسترق وانما يسترق المرتدة واولاد المرتد کما مر فلا اشکال والله تعالى اعلم

وفي تحرير المختار وجعل الرملي في حاشية المنح المعتزلي والرافضي بمنزلة اهل الکتاب حيث قال قوله صح نکاح کتابية اقول يدخل في هذا الرافضة بانواعها والمعتزلة فلا يجوز ان تتزوج المسلمة السنية من الرافضي لانها مسلمة وهو کافر فيدخل تحت قولهم لا تتزوج مسلمة بکافر اهـ قال الرستغفني لا تجوز المناکحة بين اهل السنة والاعتزال اهـ فالرافضة مثلهم او اقبح والرملي جعلهم من قبيل اهل الکتاب فيجوز نکاح نسائهم ولا يزوجون ولعله اعدل الاقوال لانه لا يشك في کفر الرافضة اهـ سندي ص ۱۸۳ ج ۱ ـ

پس خلاصہ اقوال یہ ہوا کہ رافضی سے سنیہ مسلمہ کا نکاح درست نہیں ہوتا خواہ وہ قبل نکاح ہی رافضی ہو تو نکاح اول ہی سے منعقد نہ ہوگا یا بعد نکاح کے رافضی ہوگیا ہو تو نکاح فسخ ہوجائے گا۔ اور دونوں صورتوں میں اگر ہمبستری ہوچکی ہے تو زوجہ پر عدت لازم

ہے اور بعد عدت کے جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے اور ہمبستری نہ ہو چکی ہو تو عدت کی حاجت نہیں۔ لکون الردۃ من الزوج طلاقاً حکماً۔ البتہ اگر ان دونوں سے اولاد پیدا ہوئی ہو تو وہ اولاد حرامی نہ کہلائے گی بلکہ ثابت النسب ہوگی اور وہ اولاد ابوین سے وارث ہوگی لیکن زوجین میں باہم توارث نہ ہوگا لعدم التوارث فی نکاح فاسد فیما اذا کان الوطء منہا بالاولی۔ البتہ اگر شوہر رافضی بنا اور عورت کی عدت پوری نہ ہوئی تھی کہ وہ مر گیا تو ایک روایت میں عورت وارث ہوگی شامی ص ۴۴۰ ج ۲۔

جواب سوال دوم: اگر یہ دونوں مرد و عورت قدیم سے کئی پشت سے رافضی تھے تب تو سنی ہونے کے بعد دوبارہ ان کا نکاح کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ معلوم ہو چکا ہے کہ ان کا حکم اہل کتاب کا سا ہے اور کتابی مرد و عورت ساتھ مسلمان ہو جائیں تو تجدید نکاح کی ضرورت نہیں بشرطیکہ دونوں ساتھ مسلمان ہوں آگے پیچھے نہ ہوں ورنہ اگر اتنا فاصلہ ہوا کہ عورت عدت سے فارغ ہو گئی تو تجدید نکاح کی ضرورت ہوگی اور اگر عدت گزرنے سے پہلے دوسرا بھی مسلمان ہو گیا تو نکاح اول باقی ہے شامی ص ۶۴۰ ج ۲ اور اگر یہ دونوں سنی تھے پھر رافضی ہو گئے اب پھر سنی ہوئے ہیں تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر ساتھ ہی مرتد ہوئے ساتھ ہی مسلمان ہوئے تو نکاح اول باقی ہے اور اگر آگے پیچھے ہوئے تو نکاح کی تجدید لازم ہے گو عدت کے اندر اندر دونوں مسلمان ہو جائیں وبقی النکاح ان ارتدا معاً بان لم یعلم السبق ثم اسلما کذلک
بان المعیۃ الحقیقیۃ متعذرۃ ۱۲ شامی
وفسد ان اسلم احدہما قبل الآخر اھ ص ۶۴۶ ج ۲ - ۱۲ ای بان علم السبق۔

جواب سوال سوم: جب رافضی عورت سنی ہو جائے اور مرد رافضی رہے تو دونوں کا نکاح فسخ ہو گیا اور یہ عورت بعد عدت کے سنی سے نکاح کر سکتی ہے رافضی سے علیحدہ ہو جانا اس پر واجب ہے۔

اب ایک صورت یہ باقی رہی کہ مرد سنی ہو اور وہ عورت رافضیہ سے نکاح کرے جس کا رفض جدید نہیں بلکہ آباء و اجداد سے قدیم ہے اس کا حکم یہ ہے کہ یہ نکاح صحیح ہے اور وہ رافضیہ مثل کتابیہ کے اس کی زوجہ اور اس کی اولاد اس کی وارث ہوگی۔ اور زوجین میں توارث نہ ہوگا غرض سنی مرد کا نکاح تو رافضیہ سے صحیح ہے گو مکروہ ہے مگر سنیہ عورت کا نکاح رافضی مرد سے نہ ابتداءً صحیح ہے نہ بقاءً۔

ایک صورت یہ رہی کہ مرد و عورت دونوں سنی تھے پھر مرد تو سنی ہی رہا اور عورت رافضی ہو گئی۔

اس صورت میں نکاح فسخ ہوگیا لیکن اس عورت پر ملک یمین کے ساتھ شوہر قبضہ رکھ سکتا ہے دارالاسلام میں ہو تو امام سے خرید کر یا ہبہ کے طور پر لیکر اور دارالحرب میں ہو تو بدون امام سے پوچھے خود ہی اس پر قبضہ مالکانہ کرسکتا ہے ویجوز له الوطی بها لکونها کامۃ کتابیۃ کما هو المفهوم من ماخذ کی بنا ۔

اور اگر سنی مرد رافضی ہوگیا اور اس کے ساتھ بیوی بھی رافضی ہوگئی اور رافضی ہی بے سنی ہوئے تو یہ دونوں مرد وعورت تو مرتد ہیں ان کو جبراً سنی بنایا جائے گا والا فالسیف ان کی سزا ہے اور ان کی صلبی اولاد کو بھی ولکنهم لا یقتلون البتہ اولاد کی اولاد الی آخرہا پر جبر نہ ہوگا بلکہ وہ سب مثل حربی کے ہیں۔ اور یہی ہیں اور یہی احکام فرقہ قادیانیہ کے ہیں کہ وہ بھی مرتد ہیں اذا استولی احد من المسلمین علی احد منهم کان رقیقا فی یدہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۵ صفر سنہ ۴۶ھ۔

بوقت نکاح غلطی سے دوسری لڑکی کا نام لیکر نکاح پڑھایا گیا تو؟

سوال (۲) سوال یہ ہے کہ ایک شخص کے دو لڑکی تھیں ایک کا نام خدیجہ دوسری کا نام زینب۔ تو دونوں کے باپ نے خدیجہ جو بڑی لڑکی ہے اس کے نکاح کے وقت بھول کر کے زینب جو چھوٹی بیٹی ہے اس کا نام لیکر نکاح پڑھا دیا اور بڑی بیٹی کو نوشہ کے سپرد کر دیا اور دولہا اس کو اپنے گھر لے جا کر بود وباش یعنی زن وشوئی کر رہا ہے اب مسئول یہ ہے کہ یہ نکاح از روئے شریعت جائز ہوگا یا نہ؟ جواب عنایت فرماویں؟

الجواب: قال فی الدر: غلط وکیلها بالنکاح فی اسم ابیها بغیر حضورها لم یصح للجهالۃ۔ وکذا لو غلط فی اسم ابنته الا اذا کانت حاضرۃ واشار الیها فیصح ولو له بنتان اراد تزویج الکبری فغلط فسماها باسم الصغری صح للصغری خانیہ اھ ص ۳۲۵ ج ۲ کتاب النکاح۔

صورت مسئولہ میں اگر مسماۃ خدیجہ مجلس نکاح میں حاضر تھی اور اس کی طرف اشارہ نہیں کیا گیا کہ اس کا نکاح کرتا ہوں تو مسماۃ خدیجہ سے نکاح منعقد نہیں ہوا بلکہ اس عمرو کا نکاح مسماۃ زینب سے منعقد ہوگیا ہے پس اب مرد سے مسماۃ زینب کو طلاق دلوادی جائے اور خدیجہ سے اس کا نکاح دوبارہ کردیا جائے اگر ایسا نہ ہوا تو عمر بھر خدیجہ سے زنا ہوگا اور زوجین واولیائے زوجین سب گنہگار رہوں گے۔ واللہ اعلم۔

۲۴ جمادی الاولیٰ سنہ ۴۶ھ۔

بیوہ یا مطلقہ کو اپنے والد کے حکم سے نکاح ثانی فرض ہو جاتا ہے یا نہیں جبکہ عورت نکاح ثانی کو معیوب جانتی ہو

سوال (۲۲) بیوہ یا مطلقہ کو اپنے والد کے حکم سے نکاح ثانی کرنا فرض ہو جاتا ہے یا نہیں، دوران صورت کہ وہ کسی وجہ سے شرعی معذور بھی نہیں اور ایسی صورت میں وہ انکار کرنے سے کافر ہے یا نہیں! اور یہ بھی عرض ہے کہ وہ ایسی قوم کی عورت ہے جو رسماً و رواجاً نکاح ثانی کو معیوب اور برا جانتی ہو۔ والسلام۔

الجواب! ماں باپ کے حکم سے ہر کام واجب نہیں ہو جاتا بلکہ اس میں تفصیل ہے جس کے لئے رسالہ تعدیل حقوق الوالدین کا مطالعہ مفید ہوگا جو بہشتی گوہر کے آخر میں طبع جدید میں ملحق کیا گیا ہے۔

پس صورت مسئولہ کا جواب یہ ہے کہ اگر بیوہ یا مطلقہ نکاح ثانی کو معیوب سمجھتی ہے تو یہ عقیدہ کفر ہے اس سے اس کو توبہ کرنا اور ایمان کی تجدید فرض ہے اور اگر معیوب نہیں سمجھتی بلکہ پہلے شوہر کی محبت غالب ہے اور وہ اس سے مانع ہے یا بچوں کے ضائع ہونے کا خوف ہے یا اور کوئی وجہ مخفی نکاح سے مانع ہے مثلاً مجامعت سے تکلیف ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ تو اس میں تفصیل ہے اگر اس کو اپنی عفت پر خطر نہ ہو خواہش نفسانی غالب نہ ہو صبر سے بیٹھ سکے اور والدین پر اپنے نفقہ کا بار نہ ڈالے یا ان پر بار ڈالے اور وہ خوشی سے برداشت کریں تو اس کو نکاح کرنا واجب نہیں ورنہ واجب ہے بشرطیکہ حقوق نکاح کو ادا کر سکے ورنہ روزہ رکھ کر خواہش کو مغلوب کرے اور محنت و مزدوری سے پیٹ پالے اگر والدین اس کا خرچ برداشت نہ کر سکیں وھذہ خلاصۃ الدلائل الحدیثیۃ والفقہیۃ التی ذکرھا الشیخ فی رسالتہ المذکورۃ واللہ اعلم۔

۱۱ ذیقعدہ سنہ ۴۶ھ ۔

جواز نکاح بالکتابت کی ایک صورت

سوال (۲۳) بعد از نیاز و آداب و السلام علیکم کے عرض یہ ہے کہ اگر کوئی عورت بالغہ خود ایجاب اپنے ہاتھ سے اس طرح لکھ کر مرد کو دیدے۔ کہ مسماۃ فلانہ یعنی کاتبہ نے آپ کا نکاح مسمی فلاں یعنی مکتوب الیہ سے کیا بایں قدر مہر۔ پھر مکتوب الیہ وہ ایجاب دو گواہوں کو پڑھ کر سنا دے۔ اور اپنا قبول بھی ان کو سنا دے تو یہ نکاح منعقد ہو جائے گا یا نہ۔ حضرت! بندہ نے علماء سے سنا ہے یا کسی جگہ دیکھا ہے کہ کتابت بمنزلہ کلام کے ہے جب ایسا ہے تو سامعین کا سماع جو کہ شرط انعقاد نکاح کا ہے متحقق ہو گیا تو چاہئے کہ نکاح بھی منعقد ہو جاوے۔

الجواب: ہاں اس طرح نکاح صحیح ہو جاتا ہے جبکہ خط سنا کر اپنا قبول شاہدین کے سامنے بیان کرے۔ وسماع الشاهدين كلام المتعاقدين شرط انعقاد النكاح فلو قرأت الكتاب على الشهود وقالت ان فلانا كتب الي يخطبني فاشهدوا اني قد زوجت نفسي منه صح النكاح اهـ وان لم تقرأ الكتاب وقالت قد زوجت نفسي منه بمحضر من الشهود لا ينعقد النكاح فان الشهود لم يسمعوا كلام الزوج كذا في الخلاصة (ص ۲۸ و ۲۹ ج ۲)۔ ۲۲ محرم سنہ ۴۴ھ۔

احکام متعلقہ زوجہ صغیرہ

سوال (۲۴) ۱۔ خاوند کو اپنی نابالغ منکوحہ کے ساتھ جس کو جماع سے تکلیف ہوتی ہو صحبت کرنا درست ہے یا نہیں؟

۱۔ اگر کسی کی منکوحہ اس قدر کمسن ہو کہ صحبت سے کوئی سخت تکلیف ہو جانے یا جان جانے کا اندیشہ ہو تو خاوند کا اس سے صحبت کرنا جرم ہے یا نہیں اور اگر جرم ہے تو شرعاً اس کے لئے کیا سزا ہے؟

۲۔ اگر عورت کمسن ہو اور صحبت کرنے سے اس کے بیمار ہو جانے یا مر جانے کا اندیشہ ہو تو نابالغہ خود یا اس کا ولی شوہر کو صحبت سے روک سکتے ہیں یا نہیں؟

۳۔ بعد نکاح کے کسی نابالغہ عورت کا ولی اس خیال سے کہ اگر یہ اپنے شوہر کے ساتھ بھیجی اور اس سے صحبت کی جائے گی تو اس کو نقصان پہنچے گا خاوند کے گھر بھیجنے سے مانع ہو تو شوہر کوئی مطالبہ کر سکتا ہے یا نہیں اور اس روک رکھنے کی میعاد کیا ہے؟

۴۔ اگر شوہر جبراً اپنی کمسن منکوحہ کے ساتھ ہم بستر ہوا اور وہ لڑکی مر جائے یا کسی لاعلاج بیماری میں مبتلا ہو جائے تو شرعاً اس کے شوہر کو کیا سزا دی جائے گی؟

الجواب: قال في الدر المختار وللزوج المطالبة بتسليمها ان تحملت الرجل قال البزازي ولا يعتبر السن اهـ قال الشامي عبارته ولا يجبر الاب على دفع الصغيرة الى الزوج ولكن يجبر الزوج على ايفاء المعجل فان زعم الزوج انها تتحمل الرجال وانكر الاب فالقاضي يريها النساء ولا يعتبر السن اهـ قلت بل في التاتارخانية البالغة اذا لم تكن تتحمل لا يؤمر بدفعها الى الزوج اهـ (ص ۴۰۶ ج ۲) وفي الحامدية قد اجاب الخير الرملي عن هذا السؤال بقوله ان كانت ضخمة سمينة تطيق الرجال ولم [illegible]

المشروط تعجیله یجبر الاب علی تسلیمها للزوج علی الاصح من الاقوال فینظر القاضی ان کانت ممن تخرج اخرجها ونظر الیها ان صلحت للرجال امر اباها بدفعها للزوج والا فلا وان کانت ممن لا تخرج امر من یثق بهن من النساء فان قلن انها تطیق الرجال وتتحمل الجماع امر الاب بدفعها الی الزوج وان قلن لا تتحمل لا یامر بذلك واللّٰه اعلم اھ (ص ۲۶۵) وفیه ایضاً وقیل ان طلبها الزوج للمؤانسة دون الملامسة یجاب کذا فی الذخیرة والقنیة اھ (ص ۲۹)۔

وفی العالمگیریة (ص ۱۹ ج ۶) رجل جامع صغیرة لا یجامع مثلها فماتت ان کانت اجنبیة تجب الدیة علی العاقلة وان کانت منکوحة فالدیة علی العاقلة والمهر علی الزوج کذا فی الخلاصة. عن ابن رستم عن محمدؒ رجل جامع امرأته ومثلها تجامع فماتت عن ذلك فلا شیء علیه اھ۔

(عبارات فقہ کے بعد جوابات معروض ہیں)

(۱) نابالغہ اگر بدن اور اٹھان کی ایسی ہو کہ جماع سے اس کو ناقابل برداشت تکلیف نہ ہو تو اس سے جماع جائز ہے اور اگر ناقابل برداشت تکلیف ہوتی ہو تو جائز نہیں۔

(۲) ہاں جرم ہے اور اس کی سزا یہ ہے کہ اگر عورت مر جائے تو شوہر کے خاندان پر دیت لازم ہے (جو ایک ہزار دینار ہے) اور شوہر کے ذمہ مہر لازم ہے اور اگر عورت کو سخت تکلیف پہونچی ہو مری نہیں تو شوہر کے ذمہ اس کا علاج معالجہ واجب ہے۔ اور یہ اس صورت میں ہے کہ زوجہ اتنی کمسن و کمزور ہو کہ جماع کا تحمل کرنے کی اہل نہ ہو اور اگر اٹھان ایسا ہو کہ جماع کا تحمل کر سکے تو شوہر پر کچھ ضمان نہیں نہ دیت نہ کچھ تعزیر۔

(۳) ہاں روک سکتے ہیں لیکن اگر شوہر یہ دعویٰ کرے کہ اسکو تحمل جماع کی اہل ہے اور ولی نابالغہ یہ دعویٰ کرے کہ وہ متحمل جماع نہیں تو اس اختلاف کا فیصلہ حاکم شرعی کرے گا وہ معتبر عورتوں سے کہے کہ اس لڑکی کو دیکھ کر بتلائیں وہ متحمل جماع ہے یا نہیں۔

(۴) اس کا جواب ۳ سے معلوم ہو چکا اور لڑکی کو روکنے کی میعاد یہی ہے کہ قاضی کو ثقات عورتوں سے معلوم ہو جائے کہ لڑکی متحمل جماع کی ہو گئی ہے۔

(۵) اس کا جواب ۲ سے معلوم ہو چکا ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۲/ صفر سنہ ۴۳ھ۔

صیغہ حال قبول کافی ہے یا نہیں

سوال (۲۵) زید کا نکاح ہونے لگا وکیل بالنکاح نے کہا کہ مجھے فلاں شخص نے اپنی لڑکی کے نکاح کا وکیل بنا کر بھیجا ہے۔ اور اس کے یہ دو گواہ ہیں۔ میں نے اس لڑکی کو بعوض ایک ہزار سکہ رائج الوقت آپ کی زوجیت میں دیا۔ زید بجائے اس کے کہ قبول کیا کہے قبول ہے کہہ دیا تو نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟ بظاہر فقہاء کی عبارت النکاح ینعقد بالایجاب وبعضہما ماضی او مستقبل د ماضی مقتضی ہے کہ نکاح انعقاد نہ ہو کیونکہ قبول ہے نہ ماضی ہے اور نہ مستقبل۔

الجواب: صیغہ حال بھی قبول میں کافی ہے صرح بہ فی الشامی ص ۲۲۳ ج۲۔

بوقت نکاح لڑکی کے وکیل کو نام میں اشتباہ ہو گیا مگر شوہر اور گواہ جانتے تھے کہ فلاں لڑکی کا نکاح ہو رہا ہے

سوال (۲۶) وکیل بالنکاح کچھ ناک سے بولا کرتے تھے اس لئے عورت کے نام میں اشتباہ ہو گیا مرد نے اپنے دل میں یہ سمجھ کر کہ جس عورت کا وکیل بن کر آیا ہے وہ اور دوسرے ذرائع سے تو متعین ہے۔ نام سے کیا کام نام کچھ بھی ہو یہ شخص جس عورت کے وکیل بن کر آئے ہیں وہ عورت مجھے قبول ہے اور صیغہ عام میں بغیر نام کی لفظی تعیین کئے ہوئے قبول کر لیا۔ تو کیا نکاح ہوا یا نہیں۔ یا نام کی تعیین لفظی بھی ضروری ہے؟

تنقیح سوال: کیا شوہر کو پہلے سے علم تھا کہ اس کا نکاح کس لڑکی سے ہو گا یا معلوم نہ تھا۔ اور ان کے خسر کے ایک ہی لڑکی ہے یا دو اور گواہوں کو بھی علم تھا یا نہیں اور گواہوں کو بھی نام میں اشتباہ ہوا یا نہیں۔ یہ سوال دوبارہ کیا جائے جس میں اس تنقیح کا جواب بھی ہو اس کے بعد حکم بتلایا جائے گا۔ واللہ اعلم۔

جواب تنقیح: شوہر کو پہلے سے علم تھا کہ میرا نکاح فلاں لڑکی سے ہو گا۔ اس کے خسر کی لڑکیاں چار ہیں دو شادی شدہ اور دو کنواری۔ نہ گواہوں کو نام میں اشتباہ ہوا اور نہ وکیل بالنکاح کو گواہوں کو یہ معلوم تھا کہ فلاں لڑکی سے نکاح ہو گا۔

الجواب: صورت مسئولہ میں نکاح منعقد ہو گیا فانہ لو قال زوجت بنتی او بمولیتی والرجل یعرفہا صح النکاح عند الخصاف وان لم یعرفہا [illegible] فی ظاہر الروایۃ لا یصح وعلیہا الفتوی واما اذا سمت المعقد مات علی

معينة وتميزت عند الخاطب العاقد وعند الشهود ايضا يصح العقد وهي واقعة الفتوى لان المقصود نفي الجهالة وذلك حاصل بتعينها عند العاقد والشهود وان لم يصرح باسمها كذا في الشامية (ص ٣٧٤ ج ٢) وقول الخصاف في (ص ٣٢٥ ج ٢) والله تعالى اعلم ۔ ۱۷ر شعبان ۵۲ھ ۔

نکاح کو مخفی رکھنا گناہ ہے

سوال (۳۷) کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک امام صاحب نے ایک بیوہ عورت سے خفیہ نکاح پڑھالیا، دو گواہ پردیسی ایک سوالی ایک واعظ آئے ہوئے تھے ان دونوں کے سامنے ایجاب وقبول ہوا اور کسی سے ظاہر نہ کیا جب حمل چار پانچ ماہ کا ہوگیا جب عورتوں نے کہا سچ بتلاؤ تمہارا کس کا حمل ہے؟ حاملہ عورت نے کہا فلاں کا حمل ہے۔ پھر دوبارہ عورتوں نے اور حاملہ مذکورہ کے دیور وغیرہ نے دریافت کیا سچ بتلاؤ حمل کس کا ہے تب عورت مذکورہ نے کہا فلاں امام صاحب کا ہے ہمارا نکاح فلاں گاؤں میں ہوا ہے۔ اب امام صاحب سے دریافت کیا کہ آپ کا اس حاملہ عورت سے نکاح ہوچکا ہے امام صاحب نے کہا ہوچکا ہے کہیں ہوا ہے باہر کے دو مسافر ٹھہرے ہوئے تھے ان کے سامنے ایجاب وقبول ہوا ہے لوگوں کو یقین نہ آیا امام صاحب مسجد میں قرآن شریف پڑھ رہے تھے ان سے ایک پرہیزگار شخص نے دریافت کیا کہ آپ کا اس حاملہ مذکورہ سے نکاح ہوچکا ہے؟ امام صاحب نے قرآن شریف پر ہاتھ رکھ کر کہا ہاں نکاح ہوچکا ہے۔ آیا اس طرح خفیہ نکاح ہوجاتا ہے اور ایسے امام صاحب کے پیچھے نماز ہوجاتی ہے یا نہیں فقط جواب جلد مطلع فرما دیں؟

الجواب: اس طرح خفیہ نکاح منعقد تو ہوجاتا ہے اور ایسی عورت سے جس کا نکاح خفیہ ہوا ہو شوہر کو مجامعت بھی جائز ہے اور اس کی اولاد بھی حلال ہوگی۔ مگر خفیہ نکاح کرنے کے بعد عرصہ تک اس کو مخفی رکھنا گناہ ہے بلکہ اس کو جلدی ہی ظاہر کردینا چاہیے تھا کیونکہ جب عرصہ دراز تک نکاح کو مخفی رکھا جائے گا تو حمل قرار پانے کے وقت لوگوں کو عورت پر اور مرد پر زنا کا گمان ہوگا اور اس وقت لوگ اس دعویٰ کو کہ نکاح ہوچکا ہے بات بنانے پر محمول کریں گے۔

وقال النبي صلى الله عليه وسلم اتقوا مواضع التهم الحديث فالاتقاء من التهمة واجب۔ لہٰذا اس امام کو جب تک وہ اس گناہ سے (یعنی اخفاء نکاح سے) توبہ نہ کرے امامت سے الگ کردیا جائے اور توبہ اس کی یہ ہے کہ مجمع عام میں اپنی خطا کا اقرار کرے کہ میں نے جو نکاح کو عرصہ تک مخفی رکھا جس سے لوگوں کو تہمت اور بدگمانی میں مبتلا کیا۔

مجھ سے گناہ ہوا میں اللہ تعالیٰ کی جناب میں بھی اس گناہ سے توبہ کرتا ہوں اور جن لوگوں کو میں نے بدگمانی میں (اس فعل سے) مبتلا کیا ہے ان سے بھی معافی چاہتا ہوں فان التوبۃ علی قدر المعصیۃ واللہ اعلم۔ ۲۳ شوال ۴۷ھ۔

زنا سے نکاح فاسد نہیں ہوتا۔ اور ایسی عورت کا بدون طلاق شوہر اول دوسرے سے نکاح کرنا حرام ہے

سوال (۲۸) کیا فرماتے ہیں علماء دین متین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسلمان کی بی بی نے اپنے شوہر کو چھوڑ کر بازار میں گھر کرکے چند برس تک پیشہ کسبی (یعنی پیشہ زنا) کو اختیار کرکے اپنی اوقات بسر کی بعد اس کے ایک بھڑوا مرد نے اس کو وہاں سے لاکر عالموں سے دریافت کیا کہ اس کے ساتھ نکاح کرنا درست ہے یا نہیں۔ اکثر عالموں نے کہا اس عورت زانیہ سے نکاح کرنا درست نہیں کیونکہ اس کے شوہر نے طلاق نہیں دی ہے اور پیشہ زنا سے طلاق واقع نہیں ہوتی اور بعض بعض عالم نے کہا کہ اس عورت سے نکاح کرنا حلال و درست ہے اور وجہ حلال ہونے کی یہ بیان کرتے ہیں کہ جو عورت اپنے شوہر سے چھ ماہ کی مدت تک علیحدہ رہے وہ مطلقہ ہوتی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس عورت نے پیشہ زنا کو اختیار کرکے مدت تک زنا کیا ہے اس سبب سے نکاح ٹوٹ گیا اس کو نکاح کرنا بلا خطر درست و حلال ہے یہ کہہ کر چند روپیہ لیکر دو گواہ کے سامنے اسکا نکاح بھڑوے مرد سے پڑھا دیا۔ اب یہ نکاح مذہب حنفی کے موافق درست و حلال ہے یا نادرست و حرام ہے اور اگر حرام ہو تو جس عالم نے یہ حکم دیکر نکاح پڑھایا اور جو شخص وکیل و گواہ ہو کر نکاح کرایا یہ سب کافر ہیں یا مسلمان اور ان کی بی بی ان پر حرام ہوئی یا حلال بر تقدیر حرمت کے تجدید نکاح واجب ہے یا نہیں اور جب تک یہ لوگ توبہ کرکے نکاح ثانی نہ کریں تو ان سب کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور ان کو مسلمان جان کر سلام و کلام کرنا درست ہے یا نہیں؟ بینوا بالدلیل توجروا عند الجلیل۔

الجواب: قال فی الدر وصح نکاح موطوءۃ بزنا ای جاز نکاح من رآها تزنی وله وطؤها بلا استبراء[1] وفی اخر حظر المجتبی لا یجب علی الزوج تطلیق الفاجرۃ ولا علیها تسریح الفاجر الا اذا خافا ان لا یقیما

---

[1] بشرط ان لا تکون حاملا قبل النکاح من غیر الزوج واما لو ظهر بها حمل بعد النکاح من الزنا فهو من حیث الحکم للزوج لان الفراش له فتامل [illegible] ۱۲

حدود اللہ فلا بأس ان یتفرقا اھ قال ابن عابدین عن البحر بدلیل الحدیث ان رجلا اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ ان امرأتی لا ترد ید لامس فقال صلی اللہ علیہ وسلم طلقها فقال انی احبها وهی جمیلة فقال صلی اللہ علیہ وسلم استمتع بها قال فی البحر لو تزوج بامرأة الغیر عالما بذلک ودخل بها لا تجب العدة علیها حتی لا یحرم علی الزوج وطؤها وبه یفتی لانه زنا والمزنی بها لا تحرم علی زوجها (ص۳۷۹و۳۸۰ج۲)

ان عبارات فقہیہ سے ظاہر ہے کہ عورت کے زنا سے اس کا نکاح فاسد نہیں ہوتا اور وہ بدستور اپنے شوہر کے نکاح میں باقی رہتی ہے پس اس کا نکاح دوسرے مرد سے بدون طلاق شوہر اول اور بدون عدت طلاق گزرنے کے ہرگز ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا پس صحیح قول اس مسئلہ میں فریق اول علماء کا ہے اور فریق ثانی کا قول بالکل غلط ہے ان کو اپنی خطاء سے علی الاعلان توبہ کرنا چاہیے اور جب تک وہ توبہ کا اعلان نہ کریں اس وقت تک ان سے سلام و کلام تعلقات و موالات ترک کر دیئے جائیں لیکن ان کو کافر نہ سمجھا جائے اور نہ ان کے نکاح فاسد ہوئے البتہ قبل اعلان توبہ ان کی اقتداء مکروہ تحریمی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۷ محرم سنہ ۴۸ھ۔

سوال (۲۹) بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایک مرد اور عورت یہ اقرار کریں کہ ہمارے نکاح میں کوئی شرعی امر مانع نہیں لیکن اہل شہر اجنبی ہونے کے سبب اس کی تصدیق نہیں کر سکتے۔ تو قاضی دونوں کا حلفیہ بیان لیکر نکاح کر سکتا ہے یا نہیں

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین در بارۂ نکاح محمود و فریدہ۔ کہ محمود و فریدہ دونوں غریب الوطن ہیں اپنے وطن سے دور دراز فرار ہوتے ہوئے کسی شہر میں وارد ہو کر اہل شہر سے اپنے وطن اصلی کو چھپاتے ہیں اور ارادہ ظاہر کرتے ہیں کہ باہم عقد نکاح کر لیں۔ دونوں کا اقرار کہ ہمارے مابین کوئی رشتہ حرمت نہیں۔ اہل شہر کے نزدیک یہ دونوں اجانب متصور ہیں گو کہ محمود کسی سے متعارف ہو مگر فریدہ اجنبیہ ہے جس سے اہل شہر احتمال کر سکتے ہیں کہ فریدہ کسی کی منکوحہ ہوگی اور محمود کی فریب دہی سے زوجیت سے دست بردار ہو کر آئی ہوگی کسی کو کچھ خبر نہیں کہ دونوں اپنے اقرار میں سچے ہیں یا جھوٹے۔ مگر دونوں کا حلفیہ اقرار ہے کہ ہمارے مابین تزویج کے لئے کوئی شرعی امر مانع نہیں۔ تصدیق و تحقیق کے لئے یہ دونوں اہل شہر سے بھی نہیں بلکہ ابن سبیل مانے جاتے ہیں اور ان کا وطن اصلی بھی قریب نہیں بلکہ پانچ سو میل کی مسافت سے بھی تجاوز ہے

لہٰذا عرض خدمت ہے کہ محمود مذکور اور فریدہ مذکورہ بالغہ جو چودہ سالہ عمر رکھتی ہے ان دونوں کے انعقادِ نکاح کی کیا صورت ہے آیا جس شہر میں کہ یہ دونوں وارد ہیں اور استدعائے تزویج کرتے ہیں کیا باعتبار حلفی اقرار قاضی شہر کا فرض ہے کہ اہل شہر سے کوئی دو شاہد معتبر کے حسب استدعاء محمود و فریدہ سردست بلا تحقیق و تنقیح ان دونوں کا نکاح کردے یا باوجود ان دونوں کے حلفی اقرار کے مزید تحقیق ضروری ہے کہ نکاح ملتوی یا رد کردے اگر باعتبار حلفی اقرار ان دونوں کے قاضی نکاح کردے تو اس نکاح کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا رحمکم اللہ تعالیٰ۔

الجواب: اگر قاضی شہر کا قلب اس مرد و عورت کی صدق کی شہادت دے اور ان کے حلفیہ بیان پر اس کا قلب مطمئن ہو جائے تو اس کو ان دونوں کا نکاح کر دینا جائز ہے مگر نکاح مجمع عام میں کرے صرف دو گواہوں کے سامنے نہ کرے کیونکہ اگر وہ جھوٹے ہوں گے تو غالب یہ ہے کہ مجمع عام میں نکاح پر راضی نہ ہوں گے وایضاً فی نکاح السر من المفاسد مالا یخفی والاصل فی ذلک ما ذکرہ الفقہاء فی امرأۃ قالت لرجل طلقنی زوجی ثلاثا وانقضت عدتی فان شہد بصدقہا قلبہ جاز لہ ان یتزوجہا واللہ تعالیٰ اعلم۔

یکم ربیع ۴۳ھ

استفتاء ضمیمہ سابق

سوال: ہندہ کا حامد سے خطبہ ہو چکا تھا اتفاقاً زید جو مرد اجنبی ہے باکرہ مذکورہ ہندہ کو اپنے دام تزویر میں گرفتار کئے ہوئے اس کے والدین و اقارب سے جدا کر کے کہیں اور مقام پر فرار ہوا۔ ہندہ کے والدین و اقارب اس واقعہ جانگزا سے حیران ہو کر اطراف و اکناف متلاشی ہوئے بالآخر کسی مقام پر جو تقریباً یکہزار میل کے فاصلہ پر واقع ہے بعد تفتیش و تلاش بعرصہ ایک ماہ سراغ پا کر مفرورین کو گرفتار کر کے وطن لے آئے ہندہ تو اپنے والدین کے قبضۂ اختیار میں رہ گئی مگر زید جو غریب الوطن مانا جاتا تھا بعد ملامت و تشنیع اپنے وطن کو روانہ کیا گیا جو تین میل پر واقع ہے تقریباً عرصہ چھ سات ماہ گذرتا ہے کہ حالاً زید مدعی ہے کہ ہندہ مذکورہ اپنی منکوحہ ہے۔ حالانکہ ہندہ مذکورہ کا نکاح حامد مذکور الصدر کہ جس کا قبل از وقوع واقعہ مذکورہ ہندہ کے ساتھ خطبہ ہو چکا تھا تقرر پایا ہے عنقریب نکاح ہونے والا ہے لہٰذا احقر چند سوالات متعلقہ امر مذکور بخدمت اقدس مؤدبانہ پیش کرتا ہے:

(۱) زید مذکور کا جو دعوٰے ہے کہ ہندہ اپنی منکوحہ ہے کیا بصورت عدم حضور ولی و انکار

منہیات یہ دعویٰ صحیح ہے کیا ہندہ کو منکوحہ قرار دی جاتی ہے ؟

(۲) زید کا یہ دعویٰ کہ میں نے بحالت فرار کسی مقام میں ہندہ سے نکاح کیا ہے درآنحالیکہ دونوں اجانب وغریب الوطن منصور تھے۔ شاہدین کو نہ اوروں کو پتہ ہے کہ ہندہ کے ساتھ زید کو باہمی کیا مناسبت ہے گو کہ فیما بین رشتہ حرمت ہی کیوں نہ ہو بلا تحقیق شاہدین وغیرہ بجانے ہیں۔ گو کہ ہندہ زید کی محرمات ابدیہ سے ہی کیوں نہ ہو بلا تحقیق حسب استدعا زید انعقاد نکاح میں استعمال شاہدین وغیرہ درست ہے۔ کیا یہ نکاح اجانب کا بلا تحقیق و تنقیح کیا گیا صحیح ہے!

(۳) اگر کسی وجہ سے نکاح زید کی معتبر ہو تو کیا ہندہ کے اولیاء عصبہ کو حق فسخ حاصل نہیں؟

(۴) برخلاف دعویٰ زید ہندہ مذکورہ کا نکاح جو فی الحال کسی عامہ کے ساتھ تقرر پایا ہے جن کے مابین کوئی رشتہ حرمت تو نہیں ہے نفاذ نکاح کے لئے کیا کوئی امر مانع و مزاحم ہے ؟

(۵) کیا ہندہ کو بنا بینہ شرعی صرف بوجہ فرزند حرامی زید زانیہ کہہ سکتے ہیں؟

(۶) بصورت ثبوت زنا کے ہندہ پر جو غیر محصنہ ہے حد جاری کی جائے!

(۷) یہاں رسم ہے کہ زانی و زانیہ محصن خواہ غیر محصن رومال لپیٹ کر سوٹے لگائے جاتے ہیں نہیں معلوم کہ رجم کا حکم کس کے لئے ہے آیا یہ حکم ہی منسوخ ہے ؟

(۸) فی زمانہ اجراء حدود کو حکومت کی سخت ممانعت ہے تو کیا بصورت مجبوری رجم ترک کر کے مجرم و مجرمہ پر صرف کوڑے ہی لگائے جاویں!

(۹) کیا بصورت مجبوری کوڑے لگانا رجم کے قائم مقام ہو کر آیا اس طریق سے حد ساقط ہو جاتی ہے؟

(۱۰) صرف رومال لپیٹ کر دُرّے لگا دیں یا دیگر آلات سے اور دُرّہ اصطلاح شرع میں کس کو کہتے ہیں ؟

الملتمس احقر بخدمت اقدس ملتجی ہے کہ از راہ کرم کل سوالات کا جواب بالاستیعاب بحوالے اصول ثلاثہ مع حوالہ کتب و دستخطی مہر جناب و تحریر زیب رقم فرماویں کہ جملہ شبہات کا مطلب ذہن نشین ہو جائے، و خلجان کلی رفع ہو اور کسی کو مجال دم زنی نہ ہو اگرچہ جرأت احقر موجب تضییع اوقات عزیزہ آنجناب ہے معہذا بندہ عرض پرداز ہے کہ از راہ بندہ نوازی جملہ امور تمامتر توضیح سند کے ساتھ کہ کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ ہو تفصیل فرما کر ممنون فرما دیں۔ امید کہ آنجناب اپنی سعی بلیغ مبذول فرما کر مجرد جوابات سے سرفراز و ممتاز فرمائیں گے۔

الجواب ! دُرّے لگانے کا حق عوام کو نہیں بلکہ امام کو ہے اور ہندوستان میں

www.ahlehadith.org

امام نہیں البتہ اگر پنچایت کو گورنمنٹ کی طرف سے سزائے بید کا اختیار حاصل ہو تو جرائم پیشہ لوگوں کو سزائے بید دے سکتے ہیں جس کے لئے شرط ہے کہ ۳۹ بید سے زیادہ نہ مارے جائیں باقی اس نکاح کے متعلق چند امور تنقیح طلب ہیں ان کا جواب دیا جائے ۔

(۱) ہندہ زید کے دعوے کو صحیح کہتی ہے یا غلط بتلاتی ہے ؟

(۲) زید ہندہ کا ہم کفو ہے یا نہیں یعنی نسب دونوں میں کفاءت ہے یا نہیں ؟

(۳) زید اور ہندہ نکاح کے شاہد جن لوگوں کو ظاہر کرتے ہیں وہ شاہدین ان کے دعوے نکاح کی تصدیق کرتے ہیں یا نہیں، ہندہ بالغہ ہے یا نہیں، عمر کیا ہے ! ان تنقیحات کے جواب کے بعد سوال کیا جائے تو جواب ملے گا یہ پرچہ پھر واپس کیا جائے فقط ۔

۱۵ر صفر ۵۲ھ ۔

مولانا ! السلام علیکم ! اما بعد ہر چہار امور تنقیح طلب کا جواب حتی الامکان عرض کیا جاتا

امر اول ۔ ہندہ دعوی زید کی تکذیب کرتی اور غلط بتلاتی ہے ۔

امر دوم ۔ ہندہ تو اہل سادات سے ہے مگر زید کا نسب نامعلوم ۔ سادات سے تو نہیں مگر شیخ یا پٹھان خاندان سے ہوگا نیز باعتبار حرفت زید میں کوئی رذالت پائی نہیں جاتی لہٰذا زید ہندہ کا ہم کفو ہوگا ۔

امر سوم ۔ شاہدین کا پتہ نہیں نہیں معلوم کہ شاہدین نکاح کون ہیں زید کا جو دعوی ہے عدالتی نہیں ۔ چونکہ زید نے اپنا دعوی عدالت میں دائر نہیں کیا ہے صرف تخویفاً لوگوں میں ظاہر کر رہا ہے کہ ہندہ میری منکوحہ ہے حامد کے ساتھ نکاح ہونے کے بعد دعوی دائر کروں گا ، نہیں معلوم کہ یہ دعوی کہاں تک راست و درست ہے اور کہاں تک دروغ ۔ چونکہ معاملہ سراسر تصدیق طلب ہے ۔ غرض زید کا دعوی ہے کہ جس مقام میں نکاح کیا ہوں وہاں پر شاہدین موجود ہیں بعد نکاح حامد بعدالت دعوی دائر کروں گا ۔

امر چہارم ۔ ہندہ بالغہ ہے اور عمر میں چودہ سال ہے ۔

امید کہ آنجناب جملہ سوالات کا جواب مفصل زیب رقم فرما کر ممنون فرمائیں گے ۔

الجواب ! جب ہندہ نکاح سے منکر ہے اور زید کے پاس وہ گواہ نہیں جو نکاح کی شہادت دیں تو محض اس کی افواہ و تخویف سے نکاح کا ثبوت نہیں ہو سکتا ورنہ ہر شخص

دعویٰ کر دیا کرے گا کہ میرا نکاح فلاں عورت سے ہو چکا ہے، دعویٰ بلا دلیل و بلا بینہ رد ہے۔ البتہ اگر زید کے دعوے سے ولی ہندہ کو تردد ہو گیا ہو تو وہ ہندہ سے قسم وغیرہ لیکر اپنا اطمینان قلب کرکے ہندہ کا نکاح حامد سے کرے بدون اطمینان قلب کے ایسا نہ کرے۔ رہا یہ کہ زید بعد میں عدالتی دعوے کی دھمکی دے رہا ہے تو اس دھمکی کا قانونی بچاؤ قانون دان لوگوں سے معلوم کرے۔

نوٹ: سائل نے زید کی نسبی حالت کو بالکل گول مول ظاہر کیا ہے کہ شیخ ہوگا یا پٹھان اُس کو لازم ہے کہ ایک بات تحقیق کے ساتھ معین کرکے لکھے فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

یکم ربیع ۱ سنہ ۴۸ھ۔

نکاح سِرّی کی تعریف اور اس کا حکم

سوال (۴۰) تعریف نکاح سِرّی چیست و حکم آں چیست اگر شخصے نزد دو گواہان معتبر در خلوت با زنے ایجاب و قبول ساخت آیا حکم ایں نکاح سِرّی شد یا جہری؟

الجواب: نکاح سِرّ کہ ممنوع و باطل است آں است کہ در و شاہدین علاوہ ناکح و منکوحہ نباشند و اگر شاہدین یا شہود حاضر باشند ایں چنیں نکاح نکاح سِرّ باطل نباشد اما خالی از کراہت نباشد لان السنة فی النکاح الاعلان ولذا شرع له الدف ونحوه وفی الحدیث الفرق بین الحلال والحرام الدف ولان فیه القاء نفسه فی التهمة ویتهمه بالزنا من لم یعلم بالنکاح وفی الحدیث اتقوا مواضع التهم، واللہ اعلم۔

۱۸ ر ۲ سنہ ۴۸ھ۔

حُرّہ عورت کو خریدنا اور اپنے ساتھ اس کا نکاح کرنا

سوال (۴۱) کسی عورت کو روپیہ سے خرید کرکے اس کا اپنے ساتھ نکاح کرنا شرع کی رو سے جائز ہے یا ناجائز؟ امید کہ حضور والا اس سوال کے جواب مبارک سے مشرف فرماویں گے۔

الجواب: آزاد عورت کو روپیہ سے خریدنا حرام ہے جائز نہیں اور اس سے جبراً نکاح کرنا حرام ہے اگر وہ اپنی خوشی سے نکاح کرنا چاہے تو نکاح درست ہو سکتا ہے خریدنے کے دباؤ سے ہرگز درست نہ ہوگا اور خریدنے کے گناہ سے توبہ کرنا لازم ہے واللہ اعلم۔

۱۸ رجب سنہ ۴۸ھ۔

چار بیویوں میں سے ایک کا انتقال ہو جائے تو دوسری عورت سے بلا کسی مدت کے انتظار کے نکاح جائز ہے

سوال (۳۲) زید کی چار بیبیاں تھیں ان میں سے ایک انتقال کر گئی وہ دوسری ایک عورت سے بلا درنگ نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: ہاں کر سکتا ہے کیونکہ مرد کے ذمہ عدت نہیں۔

لونڈی سے کراہت نکاح کی وجہ

سوال (۳۳) لونڈی سے کراہت نکاح کی منجملہ وجوہ کراہت سے ایک یہ بھی مرقوم ہے کہ لونڈی غیر کی مملوک ہے اگر کسی وقت شوہر اس کو اپنے پاس رکھنا چاہے اور اسی وقت مالک اس سے خدمت لینا چاہے تو ضرور بے لطفی ہوگی اس خدمت سے صحبت کرنا مراد ہے یا اور کچھ؟

الجواب: خدمت سے مراد علاوہ استمتاع کے ہے فی الدر (ومن عرسه استطلال) له وطؤها فتخرج المجوسية والمكاتبة والمشتركة ومنكوحة الغير اھ شامی ص ۲۶۲ ج ۵۔ کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ۔

جب عورت مجلس نکاح میں موجود ہو تو شاہدوں کو نام وغیرہ بتلانا ضروری نہیں

سوال (۳۴) ایک عورت برقعہ پوش تنہا دو مرد گواہوں کے سامنے کھڑی ہے اور گواہوں کو اس کا مطلق علم نہیں ہے کہ یہ کون ہے اور کہاں رہتی ہے صرف اتنا معلوم ہے کہ کوئی عورت ہے اس صورت میں مرد متکلم جو عورت مذکورہ سے نکاح کرنا چاہتا ہے یہ کہہ کر کیا مجھ سے تجھے نکاح منظور ہے عورت جواب دیتی ہے مجھے قبول ہے یا قبول کیا تو کیا از روئے شرع نکاح ہو گیا؟

(۲) صورت سابقہ میں اگر مرد گواہوں سے عورت مذکورہ کا پتہ بالکل غلط بتائے تو کس طرح ہے؟

(۳) اگر مرد عورت مذکورہ کا پتہ اس طرح جھوٹ بتلائے مثلاً گواہوں سے کہدے کہ یہ عورت اجمیر رہتی ہے اور اجمیر سے آئی ہے اور میں اس سے نکاح کرتا ہوں حالانکہ در اصل وہ عورت جودھپور کی ہے اس کا جواب بھی لکھیں؟

الجواب: جب عورت سامنے موجود ہے تو شاہدوں کو اس کا نام وغیرہ بتلانا ضروری نہیں بہر صورت میں نکاح صحیح ہو جاتا ہے کما فی العالمگیریة ص ۲۲ وان كانت حاضرة متنقبة ولا يعرفها الشهود جاز النكاح وهو الصحيح۔ کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ۔

۱۰ر رمضان شریف ۴۵ھ

عـه یہاں تک کے کل جوابات حضرت مولانا صاحب مدظلہم نے بھی التزاماً ملاحظہ فرمالئے ہیں؛ باقی صفحہ آئندہ پر؛

ولی کی طرف اضافت کی ایک صورت کا حکم

سوال (۳۵) ایک نکاح خوان نے مجلس نکاح میں لڑکی کے باپ سے کہا کہ تو نے اپنی لڑکی سکینہ اس عبداللہ کے ساتھ نکاح کے لئے دی ہے اس کے لڑکے شریف اللہ کے لئے۔ لڑکی کے باپ نے جواب دیا ہے شریف اللہ کے لئے۔ پھر نکاح خوان نے عبداللہ کو کہا تو نے قبول کی ہے اپنے لڑکے شریف اللہ کے لئے؟ وہ بولا میں نے قبول کی ہے شریف اللہ کے لئے۔ نکاح خوان نے اضافت نکاح کی عبداللہ کی طرف کی ہے اور لڑکی کے باپ نے نہیں کی تو اعتبار نکاح خوان کے الفاظ کا ہوگا اور لڑکی کے باپ کے الفاظ بھی ان کے ساتھ مقید ہوں گے۔ و نکاح خود عبداللہ کا منعقد ہو جائے گا نہ اس کے لڑکے شریف اللہ کا کما قال الشامی وفیہ ایضاً قولهم زوجتك بنتي لابنك فيقول قبلت ويظهر انه ينعقد للاب لاسناد التزويج وقول الاب لابنك معناه لاجل ابنك فلا يفيد ذلك ولو قال الآخر قبلت لابني لا يفيد ايضاً۔ یا اعتبار لڑکی کے باپ کے الفاظ کا ہوگا اور نکاح عبداللہ کے لڑکے شریف اللہ کا منعقد ہوگا نہ عبداللہ کا۔ کما قال الشامی نعم لو قال اعطيتك بنتي لابنك فيقول قبلت فالظاهر انه ينعقد للابن لان قوله اعطيتك بنتي لابنك معناه في العرف اعطيتك بنتي زوجة لابنك وهذا المعنى وان كان هو المراد من قولهم زوجتك بنتي لابنك لكنه لا يساعده اللفظ كما علمت والنية وحدها لا تنفع كما مر والله سبحانه اعلم۔

حاصل سوال یہ ہے کہ نکاح بطریق مذکور عبداللہ کا ہوا ہے یا اس کے لڑکے شریف اللہ کا؟
بینوا توجروا عند الله العظيم فانه يجزي بمغفرة ورزق كريم۔

الجواب: صورت مسئولہ میں شریف اللہ کا نکاح صحیح ہوگیا ہے اور نکاح خوان کے کلام

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اس سے آگے حضرت والا نے فرصت نہ ہونے کے باعث التزام ترک فرما دیا صرف استفتاء کی بلکہ جناب مولوی ظفر احمد صاحب التزاما ملاحظہ کرنے لگے۔ ۱۲ منہ

البتہ وہی جواب مولانا مدظلہ کی تحقیق کے خلاف نہیں لکھا جاتا بلکہ جو نیا سوال ہو اس کو زبانی دریافت کر کے لکھا جاتا ہے اور کہیں کہیں ملاحظہ کی نوبت آتی ہے تو وہاں تصریحاً اس کو ظاہر کر دیا جاتا ہے۔

یعنی حضرت والا دستخط ثبت فرما دیتے ہیں۔ ۱۲ احقر عبدالکریم عفی عنہ۔

۱۴ رمضان ۴۸ھ۔

میں جو ساتھ نکاح کے واقع ہے وہ شریف النساء سے متعلق کیا جائے گا پس زوجیت مبنی لابنت پر۔ پس اس کا قیاس کرنا صحیح نہیں ہے کما لا یخفی ونیز اس استفہام کو تو ایجاب نہیں کہہ سکتے بلکہ ایجاب وہ ہے جو ولی نے کہا ہے اور ولی کے قول میں عبداللہ کے نکاح کا احتمال تھا ورنہ یہ شبہ وکذا لو قال الآخر قبلت لابنی لا یفید ایضاً معلوم ہوتا ہے کہ قول ولی کا اعتبار ہوتے سوال کا جواب یہ ہے کہ قول ولی سے مراد ایجاب ہے قبول ایجاب کے تابع ہوگا قول ولی کو قول نکاح خوان کے تابع کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔ احقر عبدالکریم عفی عنہ۔

الجواب صحیح ۔

ظفر محمد عفی عنہ ، ۲۱ ذی الحجہ ۳۳ھ ۔

مسئلہ نکاح | **سوال** (۲۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی بارات مسماۃ ہندہ سے نکاح کرنے کے لئے گئی عقد کے وقت زید کے ولی سے دریافت کیا گیا کہ زید بالغ ہے یا نابالغ تو زید کے ولی نے کہا کہ نابالغ ہے اس کے بعد پوچھا گیا کہ زید کا باپ کہاں ہے تو معلوم ہوا کہ زید کا باپ نہیں آیا ہے بلکہ اس نے ایک شخص کو یعنی بکر کو اپنا قائم مقام بنا کر بھیجا ہے تب بکر سے دریافت کیا گیا کہ تم کو زید کے باپ نے اپنا قائم مقام بنایا ہے تو بکر نے کہا کہ ہاں ہم کو اس کے باپ نے اپنا قائم مقام بنایا ہے اس کے بعد لڑکی والوں کی طرف سے دین مہر مبلغ پانچسو روپیہ کہا گیا تو لڑکے کے ولی نے انکار کیا آخر کار بضد ہو کر مبلغ ۵۰ روپیہ دین مہر سے کم کرا دیا غرضیکہ مبلغ چار سو پچاس روپیہ دین مہر قرار پایا چونکہ لڑکے کو نابالغ کہا گیا تھا اس لئے لڑکے سے ایجاب وقبول نہیں کرایا گیا بلکہ اس کے باپ کے وکیل یعنی بکر سے کرایا گیا بکر نے کہا کہ ہاں ہم اس لڑکے کے لئے قبول کرتے ہیں۔ زید جس کا عقد ہو رہا تھا اسی مجلس میں موجود تھا اور سب باتوں کو سن رہا تھا سب باتیں اس کے روبرو ہوئیں۔ بعد عقد لڑکی والوں نے باراتیوں کو کھانا وغیرہ کھلایا کھانے کے بعد بارات والوں نے بہت اصرار کیا کہ بیاہ کے ناجائز رسومات بھی ادا ہونے چاہئیں مگر لڑکی والوں نے صاف انکار کر دیا کہ ہم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم ناجائز وقبیح رسومات ادا کریں آخر کار بارات والے مجبور ہو کر چپ ہو رہے۔ بعد نماز فجر لڑکی والوں نے بارات والوں کو خبر دیا کہ تم لوگ سواری منگا لو اور لڑکی رخصت کرا لے جاؤ۔ تب بارات والوں نے کہا کہ ہم کو معلوم نہیں تھا کہ صبح کو رخصت ہوں گے اس لئے ہم اس وقت نہیں جا سکتے مگر لڑکے کے ولی نے زید کے روبرو کہا کہ اچھا ہم سواری منگاتے ہیں تو لڑکی رخصت کرا کے ہم لوگ اسی وقت چلے جائیں گے لڑکا یعنی زید یہ سب

باتیں بھی طے ہو رہا تھا کچھ دیر ہو گئی مگر سواری نہیں آئی تو لڑکے کے باپ آئے اور اظہار رنج و افسوس کیا کہ رات ہو جائے گی۔ تم سواری نہیں لا رہے ہو اور ہم کو کیوں رخصت کرتے ہو۔ جب تک لڑکی والوں نے جہیز برتن نقد روپیہ جو کچھ دینا تھا وکیل کے سپرد کر دیا۔ لڑکے کے باپ اور جو لوگ باپ کی طرف کے تھے۔ سبھوں نے اس جہیز کو منظور کر کے لے لیا۔ اور بارات واپس گھر چلے آئے۔ اور چلتے وقت یہ کہا کہ سواری اس وقت کہیں چلی گئی ہے ہر وقت نہیں مل سکتی ہے شام کے وقت سواری بھیج کر لڑکی رخصت کرا لیں گے۔ لڑکی والے نے شام تک انتظار کیا مگر سواری نہیں آئی قریب چار بجے رات کی جاتا ہے کہ بلا سواری بھیجے چنانچہ اسی وقت لڑکی کے والد سواری والوں کے پاس گئے کہ تم لوگ سواری لے جاؤ مگر اس وقت بھی سواری نہیں ملی اس کی چونکہ طبیعت اور منشار کے مطابق مذکورہ دونوں وقت لڑکی والے سے کھانا کھلا دیا۔ اور بیاہ کے رسومات رہ گئے اس لئے لڑکے کے گھر والوں کو اس کا افسوس تھا اس لئے یہ کہنے لگے کہ ابھی نکاح نہیں ہوا کیونکہ لڑکا نابالغ ہے۔ اور لڑکے سے ایجاب و قبول نہیں کرایا گیا اس لئے ہم لوگ دوبارہ بارات لے جائیں گے۔ اور عقد کریں گے اور رسم و رسومات ادا کریں گے تب لڑکی کو رخصت کرائیں گے زید کے گھر والوں نے یہ سب باتیں اس روز شام تک اور بارات رخصت ہونے سے قبل کچھ نہیں کہا تھا کہ ابھی نکاح نہیں ہوا اس لئے ہم لوگ لڑکی رخصت نہیں کرائیں گے اور نہ لڑکے نے کچھ بعد میں یہ سب تدبیریں رسم ادا کرنے کے لئے سوچی گئیں۔ تو آیا از روئے شرع محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پہلا نکاح معتبر ہوا یا نہیں؟ بینوا توجروا

تنقیحات

(۱) لڑکے کی عمر کیا ہے اور اس کی صورت سے آثار بلوغ ظاہر ہوتے ہیں یا نہیں؟

(۲) لڑکا یعنی زید اپنے کو بالغ کہتا ہے یا نابالغ؟

(۳) نکاح ہو جانے کے بعد زید سے ایسے افعال ظاہر ہوئے یا نہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ اس کے نزدیک نکاح ہو چکا مثلاً دوستوں نے نکاح کی مبارکباد دی ہو اور اس نے خوشی کا اظہار کیا ہو یا اور کوئی رسم نکاح کی ایجاب و قبول کے بعد کی گئی ہو اور اس میں اس نے حصہ لیا ہو؟

جواب تنقیح: (۱) لڑکے کی عمر سترہ اور اٹھارہ کے درمیان ہے۔

(۲) زید اپنے کو بالغ کہتا ہے۔

(۳) نکاح کے بعد زید نے لڑکی کی طرف سے انگوٹھی پہنا نکاح کا رومال کندھے پر رکھا اور نکاحانہ روپیہ لیا۔ جیسا کہ دستور ہے کہ نکاح ہو جانے کے بعد اسی مجلس میں دو ایک روپیہ

اور انگوٹھی و رومال دیا جاتا ہے اور نکاح کے بعد دوسرے روز دس بارہ رومال اور شیرینی میں کچھ خاص لڑکے کے ہاتھ میں دیا جاتا ہے ان سب رسم کو زید نے ادا کیا اور ان چیزوں کو منظور کیا۔

الجواب: صورت مسئولہ میں چونکہ لڑکا بروقت نکاح بالغ تھا جیسا کہ جواب تنقیح میں اس کی عمر سترہ اٹھارہ سال کے درمیان بتلائی گئی ہے اور لڑکے نے نکاح کے بعد ایسے افعال کئے جو اجازت نکاح پر دال تھے مثلاً انگوٹھی پہننا اور کھانا لینا اور سلامی کے روپیہ لینا لہذا گو اس نے زبان سے ایجاب وقبول نہیں کیا مگر عملاً نکاح کو نافذ کر دیا ہے لہذا یہ نکاح نافذ و کامل ہو چکا اب لڑکے والوں کا یہ کہنا کہ نکاح نہیں ہوا ہم دوبارہ بارات لے جائیں گے غلط ہے واللہ اعلم۔

۱۷ محرم سنہ ۶۹ھ۔

فصل فی المحرمات

ممانی اور چچی سے نکاح جائز ہے

سوال (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اہلسنت والجماعت اس امر میں کہ سگی ممانی اور سگی چچی سے نکاح جائز ہے یا کہ ناجائز موافق حکم شرع کے ارشاد فرما دیں؟

الجواب: سگی ممانی اور سگی چچی سے نکاح بعد گذرنے عدت کے جائز ہے۔

۳ ذی الحجہ سنہ ۶۸ھ۔

ولد زنا کا مزنیہ کی بیٹی سے نکاح کی ایک صورت

سوال (۲) زنے بعد از مطلقہ شدن و عدت گذرانیدن کوچہ گرد شد تعلق ناجائز با چندکساں می داشت ازیں تعلق او را دختری زائیدہ بعد از زائیدن بیکی از تعلق داران پیشین نکاح کرد اکنون ناکح می خواہد کہ نکاح پسر بالغ خود بایں مولودہ بالغہ کہ در ایام بدکاری زائیدہ است کند شرعاً می تواں شد یا نہ در مختار صفحہ ۲۸۲ حرم علی المتزوج ذکرا کان او انثی نکاح اصلہ وفرعہ علا او نزل وبنت اخیہ واختہ وبنتہا ولو من زنا ردالمحتار: ای بان یزنی الزانی ببکر ویمسکہا حتی تلد منہ بنتا بحر عن الفتح قال الحانوتی ولا یتصور کونہا ابنتہ من الزنا الا بذلک اذ لا یعلم کون الولد منہ الا بہ اھ ای لانہ لو لم یمسکہا یحتمل ان غیرہ زنی بہا لعدم الفراش النافی لذلک الاحتمال۔ ازیں عبارت جواز مفہوم می شود چرا کہ در صورت مسئولہ بکارت و امساک منتفی است (ردالمحتار ۲۸۲) قال فی البحر اراد بحرمۃ المصاہرۃ الحرمات الاربع حرمۃ المرأۃ علی اصول الزانی وفرعہ

نسباً ورضاعاً وحرمة اصولها وفروعها على الزانی نسباً ورضاعاً كما فى الوطی
الحلال ويحل لاصول الزانی وفروعه اصول المزنی بها وفروعها۔
ازینجا ہم جواز فہمیدہ می شود آنچہ حکم شرع است از آں آگاہ فرمائید؟

الجواب: درصورت مسئولہ مذکورہ نکاح پسر بالغ ناکح با مولودہ منکوحہ او کہ در ایام بدکاری زائیدہ است جائز نیست کہ خلاف احتیاط است قال الشامی بعد العبارة المذکورة فی السؤال (تنبیہ) ذكر فی البحر انه دخل بنت الملاعنة ايضاً فلها حكم البنت هنا لانه يحتمل من ان يكذب نفسه ويدعيها فيثبت نسبها منه كما فى الفتح قال وقدمنا فى باب المصرف عن المعراج ان ولد ام الولد الذى نفاه لا يجوز دفع الزكاة اليه ومقتضاه ثبوت البنتية فيما يبنى على الاحتياط فلا يجوز لولده ان يتزوجها لانها اخته احتياطاً ويتوقف على نقل اھ (ص ۳۵۲ ج ۲)۔

قلت والاحتياط فى باب الفروج لازم فما قاله فى الفتح والمعراج لا تخالفه القواعد ومقتضاه ما قاله فى البحر من ثبوت البنتية فيما بناه على الاحتياط فيلزم الاخذ به احتياطاً۔

(تنقیح) قال الشيخ قياسه على بنت الملاعنة قياس مع الفارق۔

قلت ولما قاس المسئلة على حكم بنت الملاعنة وولد ام الولد الذى نفاه بل بنيت الجواب على قول البحر بعده ومقتضاه ثبوت البنتية فيما يبنى على الاحتياط (ومعناه فى امور مبناها على الاحتياط كباب الفروج حيث فرع عليه بقوله: فلا يجوز لولده ان يتزوجها لانها اخته احتياطاً) وهذا القول بعمومه يوجب ثبوت البنتية فى الصورة المسئولة احتياطاً واما قوله ويتوقف على نقل فالجواب منه ان هذا الحكم الكلى بهذا

عہ واستدلال سائل بعبارت بحر مفید نیست فان معنى قوله ويحل لاصول الزانی وفروعه اصول المزنی بها وفروعها۔ ای الاصول والفروع التی هی اصول وفروع للمزنی بها فقط ودليل ذلك قوله كما فى الوطی الحلال بعد ذلك وفى الصورة المسئولة بنت المزنی بها انها مشتبهة كونها بنت الاب ومخلوقة من مائه ايضاً فافترقا ۱۲ ظ

اللفظ وإن لم نر به منقولاً ولكن احتياط الائمة في باب الفروج تقتضيه كيف لا وظاهر الرواية أن الوطء في الدبر لا يوجب حرمة المصاهرة وكذلك لو افضاها لعدم تيقن كونه في الفرج ما لم تحبل منه ذكره في البحر (۳۹۱ ج ۳) ولكن في حاشية الأشباه للحموي أقول ذكر شمس الإسلام أنه يفتى بالحرمة احتياطاً أخذاً بقول بعض المشائخ انتهى وهو لطيف حسن إذ لا يكون الوطء في الدبر أدنى حالاً من مس وهو تثبت به الحرمة فلأن تثبت به أولى إذ فيه مس وزيادة اھ (ص ۳۵ ج ۳) وأما في الافضاء فقد ذكر في الفتح عن أبي يوسف ؒ تحل له الأم والبنت وقال محمد ؒ التنزه أحب إلي اھ (ص ۱۲۶ ج ۳) وفي كل ذلك دليل على غاية الاحتياط في هذا الباب ولا يخفى أن بنت المزنية التي لم يمسكها الزاني عن غيره وإن لم يتيقن بكونها مخلوقة من مائه ولكن فيها شبهة ذلك حتماً فبنت مزنية الرجل في صورة السؤال أخت ولده احتياطاً والله تعالى أعلم۔ حرره الاحقر ظفر احمد عفا عنه۔

۲۱ محرم سنہ ۳۵ھ۔

(خلاصہ) کلام این ست کہ بمقتضائے کلام آن مشائخ کہ قید امساک مزنیہ افزودہ اند بدون امساک ثبوت بنتیت دخترش از زانی بعید است و مقتضائے تقریر سامی آنست کہ بدون امساک ہم ثبوت بنتیت بعید نیست بلکہ بنابر احتیاط این احتمال ہم قریب است و در باب احتیاط احتمالات قریبہ معتبر و احتمالات بعیدہ غیر معتبر است پس کسیکہ بدون امساک ہم ثبوت بنتیت را بعید نشمارد فتوی بعدم جواز خواہد داد و رجحان احقر کاتب حروف ہمین جانب ست۔ اما رجحان خاطر حضرت حکیم الامت دام مجدہم بسوئے جواز نکاح پسر زانی باین دختر زانیہ است بمقتضائے عبارت مذکورۂ سوال گو بنابر تنزہ و احتیاط ازین نکاح احتراز نمودن ایشان ہم اولی ست فقط۔ ۲۲ محرم سنہ ۳۵ھ۔

بھتیجے کی بیوہ سے نکاح جائز ہے

سوال (۲) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کے بھتیجے کا انتقال ہو گیا اس نے زوجہ چھوڑی اس شخص کی عورت بیوہ یعنی بھتیجے کی زوجہ سے عقد جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اگر بھتیجے کی بیوہ سے اس شخص کی اور کوئی قرابت محرمہ ہو مثلاً وہ بیوہ خود

اس کی بھتیجی اور بھانجی ہو تو بعض بھتیجے کی بیوی ہونے سے وہ اس پر حرام نہ ہوگی بلکہ اس سے نکاح درست ہے بشرطیکہ بیوہ دل سے راضی ہو اس پر کسی قسم کا جبر نہ کیا جائے جیسا کہ بعض قوموں میں رواج ہے کہ ان کے خاندان میں کوئی عورت بیوہ ہو جائے تو وہ اپنے اختیار سے خود اپنا نکاح نہیں کر سکتی بلکہ خاوند کے خاندان والے جہاں چاہیں نکاح کر دیتے ہیں چاہے بیوہ راضی ہو یا نہ ہو۔ اور اگر بھتیجے کی بیوہ اس شخص کے ساتھ قرابت محرمہ بھی رکھتی ہے یعنی وہ بھی اس کی بھتیجی یا بھانجی ہے تو اس سے نکاح نہیں ہو سکتا واللہ اعلم۔ ۲۲ ر ۲ سنہ ۴۳ھ۔

جمع بین الاختین کے متعلق ایک استفتاء کا جواب

سوال (۴) خالد نے ایک نکاح کیا زینب بنت بکر کے ساتھ بعد فوت ہونے بکر کے بی بی اس کی نکاح ثانی کیا ساتھ زید کے اور زید سے ایک لڑکی پیدا ہوئی ہندہ نامی لیکن جس روز لڑکی پیدا ہوئی اسی روز مادر ہندہ نے انتقال کیا اور مطلق دودھ اپنی ماں کا پیا نہیں بلکہ غیر کے دودھ سے پرورش پاکر بالغ ہوئی اور نکاح اس کا ساتھ ایک دوسرے شخص کے ہوا تھا لیکن شوہر کے انتقال ہونے کے بعد قریب تین سال تک بیوہ رہی اب وہی خالد مذکور جو شوہر زینب کا ہے اس کے ساتھ نکاح کیا نکاح صحیح ہوگا یا نہیں۔ آیۃ ان تجمعوا بین الاختین سے ثابت ہوتا ہے کہ حرام ہے اور رضاعت کی شرط ہے کہ نہیں اخیافی میں؟ فقط والسلام۔

الجواب: صورت مسئولہ میں ہندہ چونکہ زینب کی اخیافی بہن ہے اس لئے خالد کو زینب کے ساتھ ہندہ کا جمع کرنا جائز نہیں وان تجمعوا بین الاختین میں اخت عینی وعلاتی واخیافی سب مراد ہیں جیسا کہ واخواتکم میں۔

اور جب وہ نسب کے اعتبار سے بہن ہے تو رضاعت کی کیا ضرورت جیسا کہ حقیقی بہن اگر اپنی ماں کا دودھ نہ پیئے تب بھی وہ بہن ہے۔ عبدالکریم عفی عنہ۔

الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ۔ ۱۰ ر شوال سنہ ۴۳ھ۔

دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے

سوال (۵) بکر کی دو بیٹی ہیں ایک کو زید کے ساتھ بیاہ کر دیا بعد دو چار برس کے زید نے دوسری بیٹی کو بھی نکاح کر لیا پس دونوں کو ایک ساتھ نکاح کرنا حرام ہے کیا؟ دونوں حرام ہوگا؟ اور پہلی عورت کے بطن سے جو لڑکی پیدا ہوئی ہے کیا وہ حرامی ہوگی؟

الجواب: زید نے جب اپنی سالی سے نکاح کر لیا تو وہ نکاح تو باطل ہوا لیکن جو پہلی

زید کی پہلے سے بیوی ہے اس کا نکاح باقی ہے اور وہ بدستور حلال ہے لیکن اگر زید دوسری منکوحہ سے وطی کرچکا ہے تو پہلی منکوحہ سے بھی وطی حرام ہے یہاں تک کہ دوسری کو جدا کردے اور اس کی عدت گذر جاوے پس ہر حال میں لازم ہے کہ دوسری منکوحہ کو الگ کردے اور اگر اس سے صحبت ہوچکی ہے تو اس کی عدت ختم ہونے تک اپنی بیوی سے بھی ہمبستر نہ ہو کما فی الدر المختار (وان تزوجهما معاً) ای الاختین (او من بمعناهما) (او بعقدتين ونسی) النکاح الاول فرق القاضی (بینه وبینهما) وقال الشامی تحت قوله (ونسی الاول) فلو علم فهو الصحیح والثانی باطل وله وطء الاولی الا ان یطأ الثانیة فتحرم الاولی الی انقضاء عدة الثانیة كما لو وطئ اخت امرأته بشبهة حيث تحرم امرأته ما لم تنقض عدة ذات الشبهة اه عن البحر (ص ۳۸۳ ج ۲)۔ اور تفریق کی صورت یہ ہے کہ طلاق دیدے یا زبان سے کہدے کہ میں نے تجھ کو الگ کردیا اور اگر ہمبستری نہیں ہوئی تو فقط علیحدہ ہوجانا بھی کافی ہے زبان سے کچھ کہنا ضروری نہیں اور کسی حال میں قضاء قاضی شرط نہیں ہے بلکہ عورت خود بھی علیحدہ ہوسکتی ہے چاہے مرد الگ کرے یا نہ کرے کما فی تنویر الابصار وبعد الدخول بعد التفريق او اظهار العزم على ترك وطئها وفی الدر تحته بان يقول بلسانه تركتك ونحوه ومنه الطلاق وانكار النكاح لو بحضرتها والا لا مجرد العزم لو مدخولة والا فيكفي تفرق الابدان وقال الشامی تحت قول الدر (العزم) من التروج قال فی البحر وصححنا فی باب المهر انها تكون من المرأة ايضا (ص ۵۰۰ ج ۲)

زانی کی اولاد کا نکاح
زوجۂ مزنیہ سے جائز ہے

سوال (۶) ایک شخص ایک عورت سے بحالت باکرہ وغیرہ زنا بدفعلی کرتا رہا ہے دونوں کا نکاح غیر مرد و غیر عورت سے ہوگیا ہے اور ان کی اولاد پیدا ہوئی کچھ عرصہ بعد عورت مذکورہ کا خاوند فوت ہوگیا اسی عورت نے اسی مرد مذکور جس کے ساتھ زنا کرتی رہی ہے نکاح کرلیا، آیا! اب مرد کی اولاد سے اور اس عورت کی اولاد میں نکاح درست ہوسکتا ہے۔

الجواب: اس مرد کی اولاد کا نکاح اس عورت کی اولاد سے جائز ہے فی الشامی عن البحر ویحل لاصول الزانی وفروعه اصول المزنی بها وفروعها اھ

وقال الشامی مثله ما قدمناه قریبا عن القهستانی عن النظم وغیرہ وقوله یحل ای کما یحل ذلك بالوطی الحلال (ص ۲۵۸ ج ۲) ۔

الف

سوال (۷) ق نامی ایک مرد دوسرے ل مرد کی عورت سے بدکاری کرتا تھا ق کے مرنے کے بعد اس کی عورت نے ق کی فرزند کا ل کی دختر سے شادی کرا دیا ہے یعنی زانی مرد کا بیٹا اور مزنیہ کی بیٹی یہ آپس میں شادی کرائی گئی ہے اب یہ نکاح درست ہے یا نہیں اور دونوں آپس میں مرد و عورت جوڑا ہیں یا نہ رہیں؟

الجواب: زانی کے بیٹے کا نکاح مزنیہ کی دختر کے ساتھ جائز ہے کما فی الشامی ص ۲۵۸ ج ۲ نقلا عن البحر ویحل لاصول الزانی وفروعه اصول المزنی بها وفروعها ومثله ما قدمناه قریبا عن القهستانی عن النظم وغیرہ ۔ قوله ویحل الخ ای کما یحل ذلك بالوطی الحلال الخ

عبدالکریم عفی عنہ ۔ ۲۹ جمادی الثانی ۳۲ھ ۔

سوتیلی ماں کی بہن سے نکاح جائز ہے

سوال (۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ سوتیلی ماں کی بہن سے نکاح جائز ہے یا نہیں یعنی سوتیلی ماں ہو اور اس اپنی سوتیلی ماں کی بہن سے نکاح کر سکتا ہے مفصل جواب تحریر فرما دیں؟

الجواب: سوتیلی ماں یعنی باپ کی وہ بیوی جو اپنی ماں نہیں ہے اس شخص پر اس لئے حرام ہے کہ وہ موطوءۃ الاب ہے اور سوتیلی ماں کی بہن میں یہ علت نہیں اس لئے سوتیلی ماں کی بہن سے نکاح جائز ہے ۔

۲۲ رمضان شریف ۳۲ھ ۔

سالی سے بیوی کے انتقال کے فوراً بعد نکاح جائز ہو یا اس کے لیے کسی خاص مدت کی ضرورت ہے

سوال (۹) یہاں علماء دین میں ایک مسئلہ میں مختلف جھگڑا رہے ہیں مسئلہ یہ ہے کہ زوجہ مرنے کے بعد زوجہ کی بہن نکاح کرنے میں مرد کو عدت پالنا ہوگا یا نہیں اور عدت کے اندر یا بعد ایک دن کے زوجہ کی بہن کے ساتھ نکاح جائز ہے یا نہیں اور کتاب شامی میں یہ عبارت تحریر ہے ماتت امرأته له التزوج باختها بعد یوم من موتها کما فی الخلاصة عن الاصل وکذا فی المبسوط لصدر الاسلام والمحیط للسرخسی والبحر والتاتارخانیة اور اس کے نیچے یہ عبارت لکھا واما ما عزی الی النتف من وجوب العدة لا یعتمد علیه والتفصیل فی کتابنا تنقیح الحامدیة ۔

اور دوسری کتاب فتاویٰ برحنہ میں یہ عبارت لکھا،

اما بعد وفات زوجہ نکاح با خواہر او بیرون عدت روا نیست بخلاف خامسہ لجواز مردن رابعہ۔

پس اس عبارت کے موافق عدت وجوب ہوگا یا نہیں فتویٰ وجوب پر یا غیر وجوب پر مع حوالہ عبارات کتب فیصلہ فرماویں اجر دارین پاویں۔

الجواب: قال فی تنقیح الفتاوی الحامدیة سئل فی رجل ماتت زوجته المدخول بها ولها اخت فهل له تزوج اختها بعد موتها بيوم الجواب نعم كما فی الخلاصة عن الاصل للامام محمدؒ وكما فی المبسوط لصدر الاسلام كما نقله عنه القهستانی والمحيط للامام السرخسی والبحر والتاتارخانية عن السراجية وفتاوی الانقروی وقدری افندی ومؤيد زاده ومجمع الفتاوی وصرة الفتاوی ومجمع المنتخبات وغيرها من الكتب المعتبرة واما ما عزی الى التتمة من وجوب العدة عليه فلا يعتمد عليه وكتب تحت الجواب ما صورته قلت ؎

لعمرك ما كل القول صحيح ولا كل خل فی المودة ناصح
عليك بما قواه دليلا وما نقل وما هو فی الكتب الشهيرة راجح
ولا تعتمد الا صديقا مجربا ولكن حامد لله فالامر واضح الخ

(ص ۱۸ ج ۱)

قلت والتقييد بيوم اتفاقی والا فالظاهر الجواز بعد موت زوجته معا لان العدة انقطاع النكاح بينهما بالموت فلا يكون بذلك جامعا بين الاختين نكاحا والله اعلم۔

ان عبارات سے واضح ہے کہ زوجہ کے مرنے کے بعد عدت کے اندر یا موت کے ایک دن بعد اس کی بہن سے نکاح جائز ہے۔ ۷ رجب سنہ ۵٦ھ

سوتیلی والدہ کی بہن سے نکاح جائز ہے

سوال (۱۰) زید کی پہلی اہلیہ سے (جو فوت ہو چکی) ایک بالغ لڑکا بکر موجود ہے۔ کیا زید اپنی موجودہ دوسری منکوحہ کی حقیقی ہمشیرہ سے اپنے فرزند بکر کا عقد کر سکتا ہے؟ یعنی بکر کا نکاح اس کی سوتیلی خالہ سے ہو سکتا ہے یا نہیں۔

الجواب: ہاں بکر کا نکاح اس کی سوتیلی خالہ سے جو اس کی سوتیلی ماں کی بہن ہے جائز ہے

www.ahlehad.org

فان اخت الموطوءۃ غلا ب لیس لھا ذکر فی المحرمات واللہ اعلم۔

اپنے بیٹے کی بیوی کی بہن سے نکاح جائز ہے

سوال (۱۱) زید کی دو لڑکیاں ہیں۔ بکر نکاح کرنا چاہتا ہے ایک کو اور ایک اپنے فرزند سے کیا باپ بیٹے دونوں زید کی دو لڑکیوں سے نکاح کر سکتے ہیں یا نہیں مطلع کریں؟

الجواب: یہ صورت نکاح جائز ہے۔ اس میں کچھ حرج نہیں کہ باپ اپنے بیٹے کی بیوی کی بہن سے نکاح کرلے فان اخت حلیلۃ الابن لیست من المحرمات فی شیٔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۳۰ر شعبان ۶۶ھ۔

ماں کے شوہر کی بیٹی سے نکاح جائز ہے

سوال (۱۲) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بکر نے ہمراہ خدیجہ نکاح کیا چند مدت کے بعد بکر نے مسماۃ خدیجہ کو طلاق دے دی بعدہٗ بکر نے ہمراہ فاطمہ نکاح کیا اور خدیجہ نے بعد انقضائے عدت کے ہمراہ عمر نکاح کیا۔ بکر کے بطن فاطمہ سے ایک لڑکی عائشہ پیدا ہوئی اور عمر کا بطن خدیجہ سے ایک لڑکا مسمی ولید پیدا ہوا تو کیا صورت متذکرہ بالا میں بروئے شرع محمدی کے ولید کے نکاح میں مسماۃ عائشہ آسکتی ہے یا نہ بینوا بالصحۃ والکتاب توجروا عند الوھاب؟

تنقیح:- بکر اور عمر اور خدیجہ اور فاطمہ میں باہم کیا قرابت ہے اگر کوئی قرابت نہیں تو اسی کو ظاہر کیا جائے سوال ناتمام ہے اس لئے جواب نہیں دیا جاسکتا فقط۔ ۱۰ ربیع ۱ ۶۲ھ

الجواب عن التنقیح:- بکر اور عمر اور خدیجہ اور فاطمہ میں کوئی اور قرابت نہیں صرف یہ کہ خدیجہ پہلے بکر کے زوجہ تھی بعدہٗ خدیجہ کو بکر نے طلاق دیدی بعد انقضائے عدت کے خدیجہ نے نکاح ثانی ہمراہ عمر کیا تھا اور بکر نے نکاح ہمراہ فاطمہ کیا دوسرے خاوند کے گھر مسماۃ خدیجہ کے ولید لڑکا پیدا ہوا اور بکر کے دوسری عورت مسماۃ فاطمہ سے عائشہ لڑکی پیدا ہوئی تو عائشہ اور ولید کا آپس میں نکاح ہوسکتا ہے یا نہ؟

الغرض صرف بکر اور خدیجہ کی قرابت سابقہ بطور زوجیت کے تھی اور کوئی قرابت نہیں والسلام مع الاکرام۔

الجواب: صورت مسئولہ میں عائشہ کا نکاح ولید کے ساتھ جائز ہے۔ کیونکہ عائشہ اس ولید کی ماں کے شوہر کی بیٹی ہے اور وہ حرام نہیں بقولہٖ تعالیٰ فی الآیۃ بعد امہاتکم

زوجة أخته او ابنه فحلال اھ وفی رد المحتار قال الخیر الرملی ولا تحرم بنت زوج الام ولا أمه ولا ام زوجة الاب ولا بنتها ولا ام زوجة الابن و لا بنتها ولا زوجة الربیب ولا زوجة الراب اھ (ص ۳۵۶ ج ۲) ۔ ۲۳ ربیع ۲ سنہ ۴۶ھ

سوتیلی ماں کی بہن سے نکاح جائز ہے

سوال (۱۳) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید و عمرو آپس میں علی الترتیب حقیقی باپ بیٹے ہیں نیز زید کی بیوی یعنی عمرو کی والدہ فوت ہو چکی ہے۔ اب زید اپنا نکاح ہندہ نامی عورت سے کر چکا ہے اور ہندہ کی حقیقی بہن کو اپنے لڑکے کی زوجیت میں دینا چاہتا ہے جو بعد نکاح ہو جانے کے ہندہ اور اس کی حقیقی بہن آپس میں ساس اور بہو ہو جاویں گی ایسی صورت میں شرع شریف کا کیا حکم ہے اس مسئلہ کا جواب باصواب مستند کتب کے حوالہ سے تحریر فرما کر ارسال فرما دیں فقط بینوا توجروا۔

الجواب: یہ صورت جائز ہے کیونکہ باپ کی بیوی کی بہن محرمات میں سے نہیں ہے اس لئے بیٹے کا نکاح درست ہے وجواز ذلک مما لا یخفی علی من له نظر فی الفقه واللہ اعلم۔

بتاریخ ۲۳ شوال سنہ ۴۶ھ۔

بیوی کے انتقال کے بعد فوراً اس کی بہن سے نکاح جائز ہے

سوال (۱۴) ما قولکم رحمکم اللہ ...... زید کی بی بی انتقال کر گئی اس کی بہن کے ساتھ فی الفور اس کا نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: ہاں کر سکتا ہے (مرد کے ذمہ عدت کا انتظار طلاق اخت وطلاق رابعہ میں ہے موت اخت وموت رابعہ میں نہیں)۔

ساس کی سوتیلی ماں محرمات میں داخل نہیں ہے

سوال (۱۵) ساس کی سوتیلی ماں محرمات میں داخل ہے یا نہیں؟

الجواب: محرمات میں سے نہیں ہے جیسا کہ بیوی کی سوتیلی ماں حلال ہے فی العالمگیریة (ص ۲۰۸ ج ۲) ویجوز الجمع بین امراة وبنت زوجها پس بیوی کی ماں الخ نانی دادی حرام ہے اور بیوی کے باپ دادا نانا کی منکوحہ حرام نہیں ہے۔ فقط احقر عبدالکریم عفا عنہ۔

الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ، ۱۱ ربیع ۲ سنہ ۴۶ھ۔

حکم نکاح دختر پسر اخت عینیہ وعلاتیہ واخیافیہ

سوال (۱۶) دختر پسر اخت عینیہ وعلاتیہ واخیافیہ را نکاح کردن روا ست یا نہ، واز بنات الاخت بنات ابن الاخت داخل باشد یا چہ؟ ارشاد فرمودہ شود

الجواب: بنات الاخت میں بنات ابن الاخت و بنت بنت الاخت سب داخل ہیں ولو سفلن جیسا کہ بناتکم میں بنت الابن و بنت البنت داخل ہیں۔ واللہ اعلم۔ حررہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ ۱۵ شوال ۴۵ھ

ربیبہ کے لڑکے سے جو زانی کے نطفہ سے ہو زانی کی لڑکی کا نکاح حرام ہے

سوال (۱۵): زید کے ایک حلال زوجہ سے لڑکی ہے زینب، اس کے بعد زید نے ہندہ سے زنا کیا تو ایک لڑکا عمرو پیدا ہوا، سوال یہ کہ عمرو کا نکاح زینب سے ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: قال الشامی تحت قول الدر (وبنتها) ولو من زنا وانما التحریم علی آباء الزانی واولادہ فلاعتبار الجزئیۃ۔ پس معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں عمرو کا زینب سے نکاح حرام ہے۔ کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ، مورخہ ۲۹ ربیع ا ۴۵ھ

باپ کی ربیبہ سے نکاح جائز ہے

سوال (۱۶): کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص جس کا لڑکا پانچ سالہ موجود تھا ایک عورت حاملہ من الزنا سے حالت حمل ہی میں نکاح کیا مگر حمل کسی اور شخص کا تھا اسی واسطے اس شخص نے حکم شرعی کے موافق اس عورت کے ساتھ تا وضع حمل قربت وغیرہ نہیں کی نکاح کر کے ساتھ رکھے تھے کہ اس حمل سے لڑکی پیدا ہوئی اس کو انہیں دونوں نے پرورش کیا اور لڑکی کو اس کی ماں نے ہی دودھ پلایا اور اس لڑکی کی مدت رضاع تک کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا اب لڑکی قریب البلوغ ہے کیا یہ شخص اس لڑکی من الزنا کا نکاح اپنے لڑکے کے ساتھ جو دوسری بیوی سے ہے کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مسئولہ میں نکاح اس لڑکی کا ساتھ اس شخص کے بیٹے سے ہو سکتا ہے کیونکہ وہ لڑکی اس شخص کی صرف ربیبہ ہے نہ اس سے اس کا نسب ثابت ہوا ہے (لانہا ولدت لاقل من ستۃ اشہر) اور نہ اس شخص کی رضیعہ ہے (لان اللبن لیس منہ) اور صرف ربیبہ ہوتے ہوئے اپنے بیٹے سے نکاح جائز ہے واللہ اعلم۔ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ۔ یکم ربیع ۲ ۴۵ھ۔

رضیعہ مزنیہ سے نکاح حرام ہے

سوال (۱۷): زید نے ہندہ سے بعید مدت گذری ہے کہ زنا کیا تھا۔ اب ہندہ کو اپنے مرد سے جو دودھ اترا ہے اپنی سوت یعنی اپنے مرد کی دوسری بیوی کی لڑکی فاطمہ کو مدت رضاع میں دودھ پلایا ہے اب زید کو فاطمہ کے ساتھ نکاح کرنے کا ارادہ ہے جو کہ اسی کی مزنیہ کی رضاعی بیٹی ہے یہ نکاح صحیح ہوگا یا نہ؟

جواب من بعض العلماء

یہ نکاح صحیح ہوگا رد المحتار باب الرضاع میں تحت قول الدر المختار قبیل وکذا

الزنا والاوجہ لا فتح بعد چند سطور کے ہے وذکر الوجہ ای قول رد المحتار و قلت وذکر فی شرح المنیۃ انہ لا یعدل عن الدرایۃ اذا وافقتہا روایۃ وقد علمت ان الوجہ معہ روایۃ عدم التحریم ص ۳۶۷ ج ۲ ۔

سوال تتمہ خامسہ امداد الفتاوی جدید مطبوعہ حصہ اوّل

سوال :۔ زید کو ایک ایسی عورت سے ناجائز تعلق ہو گیا جس نے زید کی زوجہ کو دودھ پلایا تھا یعنی زید کو اپنی زوجہ کی رضاعی ماں سے زنا کا تعلق ہو گیا آیا زید کی زوجہ زید پر حلال رہی یا حرام ہو گئی خلاصہ سوال یہ ہے کہ حرمت مصاہرہ مزنیہ کے اصول و فروع رضاعیہ کی طرف متعدی ہوگی یا نہ ؟

جواب :۔ فی الدر المختار بیان المحرمات حرم الکل مما مر تحریمہ الی آخرہ فی رد المحتار تنبیہ مقتضی قولہ والکل رضاعا مع قولہ سابقا تا آخر جلد ۲ ص ۴۵۶ - ۴۵۷ : اس روایت سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں زید کی بی بی زید پر حرام ہو گئی ۔

آپ براہ نوازش جس روایت کو ترجیح فرمایا جائے اس کو مستند حوالجات کتب فرماویں اور بقیہ مرجوحہ روایت عدم تحریم کے اب چونکہ زید نے رضیعہ سے نکاح کر لیا ہے طلاق کی ضرورت ہے یا ایسے ہی تفریق اور عدم ترک کیا جائے اور نصف مہر طلاق قبل دخول کی صورت میں واجب ہو یا نہ ؟

الجواب من جامع امداد الاحکام : صورت مسئولہ میں روایت تحریم کو ترجیح ہے کیونکہ اصول مذہب کے موافق وہی ہے کیونکہ زید کی رضیعہ مزنیہ کی بیٹی ہے وھو ظاہر اور عورت موطوءہ کی بیٹی واطی پر حرام ہے پس رضیعہ مزنیہ زانی پر حرام ہے قال فی البدائع وکذا یحرم بالوطء ام الموطوءۃ وبنتہا من الرضاع سواء کان الوطء حلالا بان کان بملک الیمین او بنکاح او بنکاح فاسد او شبہۃ نکاح او کان زنا لان الاصل انہ یحرم بسبب الرضاع ما یحرم بسبب النسب وبسبب المصاہرۃ اھ (ص ۲۶۲ ج ۴) ومثلہ فی المجلد الرابع ص ۴۳ ۔

رہا صاحب فتح القدیر نے عدم تحریم کی روایت کی ترجیح کی جو وجہ بیان کی ہے اور صاحب رد المحتار نے جو اس کی تقریر کی ہے اس کا جواب صاحب تحریر مختار نے بہت اچھا دیا ہے جو آگے مذکور ہوگا اور صاحب بدائع نے اس مسئلہ میں صرف تحریم ہی کو بیان کیا ہے عدم تحریم کی کوئی روایت نہیں بیان کی پس قہستانی نے جو اس مسئلہ میں دو روایتیں بیان کی ہیں وقصہ لو زنی بامرأۃ فولدت وارضعت صبیۃ فان لذلک ان یتزوجہا کما فی شرح الطحاوی ولکن

فی الخلاصة انه لا یجوز وقدمنا ان فیه روایتین اهـ (حاشیۃ البحر لابن عابدین ص ۲۲۶ ج ۳)۔ یہ دو روایتیں مذہب کی نہیں ہیں بلکہ دوسرے ائمہ کے اقوال کو خلط کرکے صاحب مذہب کی روایت کے ساتھ بیان کر دیا ہے ورنہ صاحب بدائع وغیرہ اس سے صاف انکار کرتے اور صاحب بحر نے تصریح کی ہے کہ رضیعہ مزنیہ زانی کے لئے اتفاقا حرام ہے ولفظه واشار بذکر التزوج الی ان بنت الزنا لیس کالحلال حتی لو ولدت من الزنا بنتا فارضعت صبیة یجوز لاصول الزانی وفروعه التزوج بها ولا تثبت الحرمة الا من جانب الام خاصة الی ان قال وانما قیدنا محل الخلاف باصول الزانی وفروعه لانها لا تحل للزانی اتفاقا لانها بنت المنفی بها وقدمنا ان فروع المنفی بها من الرضاع حرام علی الزانی ولذا قال فی الخلاصة بعد ما ذکر حرمتها علی فروع ولکن الولد تحل من الزنا او ارضعت لا بلبن الزنا فانها تحرم علی الزانی تحرم بنتها من النسب علیه اهـ (ص ۲۲۲ ج ۳) اور صاحب فتح القدیر کے کلام کو صاحب بحر نے تو اصول و فروع زانی پر محمول کیا ہے کہ وہ رضیعہ مزنیہ کو اصول و فروع زانی کے لئے جائز کہتے ہیں نہ خود زانی کے لئے مگر علامہ شامی نے عموم پر حمل کرکے خود زانی کے لئے بھی اس کو جائز کہا ہے مگر یہ اصول مذہب کے بالکل خلاف ہے جو ہرگز قابل اعتماد و اعتبار نہیں ہے۔ چنانچہ صاحب تحریر مختار نے علامہ شامی کے اس کلام کو اس طرح رد کیا ہے؛

قوله یخالف المسطور فی الکتب الخ قد یقال ان عدم تحریم المرضعة بلبن غیر الزوج لعدم دخوله بالزوجة اذ هو المحرم للبنات واثبات الحرمة علی الزانی فی مسئلة الخلاصة لتحقق امومة الزانیة للرضیعة بارضاعها لبنها فتحقق انها بنتها والزانی قد دخل بها فیحرم علیه فرعها الرضاعی کالنسبی

ع قلت قد صرح فی البدائع بخصوص هذا القید ای بالتحریم بعد الدخول بنفسه وکذا کل من یحرم بسبب المصاهرة من الفرق الاربع الذین ذکرناهم فی کتاب النکاح یحرم بسبب الرضاع فیحرم علی الرجل ام زوجته وبنتها من زوجها اختها من الرضاع کما فی النسب الا ان الام تحرم بنفس العقد علی البنت اذا کان صحیحا والبنت لا تحرم الا بالدخول بالام کما فی النسب اهـ (بدائع) قلت ورضیعة المنفی بها هی بنت المنفی بها وقد دخل بامها فتحرم علی الزانی ایضا ۱۲ منه

فاثبات الحرمة فی مسئلة الخلاصة لا لان الرضیعة بعضه بواسطة اللبن حتی یقال انه لیس من منیه بل لان هذه الرضیعة تحقق انها بنت موطوءته فتحرم علیه بوطء امها الرضاعیة کما تحرم علیه بنتها النسبیة کما هو مسطور فی الکتب المشهورة لا یخالف ما فی الخلاصة مع ظهور وجه ما فیها فان الرضیعة وان لم تنتسب الی الزانی لان اللبن لیس من منیه تنتسب للام بواسطة اللبن المنسوب الیها وقد دخل بها ام (ص ۲۱۱ ج ۲)۔

اور جن لوگوں کو رضیعہ مزنیہ کے زانی کے لئے حلال ہونے کا وہم ہوا ہے ان کے وہم کا منشا دو امر ہیں، ایک یہ کہ رضیعہ مزنیہ کا تعلق نسب صرف مزنیہ ہی سے ہے نہ زانی سے الخ مگر اس علت کا مقتضا یہ ہوگا کہ جہاں سبب حرمت تعلق نسب ہو وہاں اس رضاع سے تحریم نہ ہوگی مثلاً اصول و فروع زانی کے لئے یہ رضیعہ حلال ہوگی مگر زانی کے حق میں ثبوت حرمت کے لئے ثبوت نسب من الزانی ضروری نہیں بلکہ بنت الموطوءہ ہونا کافی ہے اور رضیعۃ المزنیہ کو بنت موطوءۃ زانی ہونا متحقق ہے۔

دوسرا منشاء وہم یہ ہوا کہ کتب مذہب میں یہ مسئلہ مسطور و مشہور ہے کہ مرضعہ بلبن غیر الزوج زوج پر حرام نہیں۔ علامہ شامی نے اس کو مطلق سمجھ کر کلام صاحب خلاصہ کو اس کے خلاف سمجھ لیا حالانکہ یہ مسئلہ اس قید کے ساتھ مقید ہے کہ زوج نے مرضعہ سے رضاعت سے پہلے دخول نہ کیا ہو ورنہ دخول کے بعد مرضعہ بلبن غیر الزوج زوج کے لئے حرام ہے اس کو کتب مشہورہ میں صاف نہیں کیا گیا فافہم وکن من الشاکرین۔ اور جو نکاح رضیعہ مزنیہ سے کیا گیا ہے وہ نکاح فاسد ہے اور نکاح فاسد میں قبل الدخول مہر واجب نہیں ہوتا نہ نصف نہ کل اور بعد الدخول کے مہر مثل واجب ہوتا ہے کذا فی الدر فی باب المہر واللہ تعالیٰ اعلم اور صورت مسئولہ میں متارکت بھی کافی ہے طلاق کی حاجت نہیں فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ۔

حکم نکاح کتابیہ **سوال** (۲۰۰): فی زمانہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کی عورتوں کے ساتھ بالکل عقد جائز ہے یا نہیں بعض کہتے ہیں حنفی مذہب میں جائز ہے اور بعض کہتے ہیں پہلے زمانہ کے یہود و نصاریٰ کی عورتوں کے ساتھ عقد بلاکلام جائز تھا کیونکہ اس وقت میں وہ سب موحد تھے اور فی زمانہ اہل کتاب مشرک ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ وغیرہ کہتے ہیں۔

الجواب: جو اہل کتاب عیسیٰ علیہ السلام و موسیٰ علیہ السلام کے اتباع کا دعویٰ کرتے

جیسے عزیر ابن اللہ کہیں یا مسیح ابن اللہ کہکر ان کی عورتوں سے نکاح جائز تو ہے مگر مکروہ ہے اور جو محقق دہریہ ہوں جیسا کہ آج کل عموماً انگریز دہریہ ہیں ان کی عورتوں سے نکاح جائز نہیں۔

پھوپھی بھتیجی ایک نکاح میں جمع نہیں ہو سکتیں

سوال (۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اور وہ عورت اپنے خاوند کے پاس ۹ برس تک رہی اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ وہ دو برس کا ہو کر فوت ہو گیا اور وہ عورت اس کی منکوحہ کسی رنج یا تکلیف کے سبب سے اپنے والدین کے مکان پر آگئی اور کچھ عرصہ کے بعد اس کے شوہر نے اپنی زوجہ کی حقیقی بھتیجی سے نکاح کر لیا اب ایک شخص کے نکاح میں یہ ہر دو پھوپھی بھتیجی جائز ہو سکتی ہیں یا نہیں۔ اور بعد نکاح بھتیجی کے لوگوں کے کہنے سننے سے چند روز کے بعد پہلی زوجہ یعنی پھوپھی کو طلاق دیدیا اب کون جائز ہو سکتی ہے یا کوئی نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: پھوپھی اور بھتیجی دونوں ایک شخص کے نکاح میں جمع نہیں ہو سکتیں اس لئے پھوپھی کی موجودگی نکاح میں جو اس کی بھتیجی سے نکاح کیا گیا ہے وہ فاسد ہے درست نہیں ہوا البتہ پھوپھی کو طلاق دیکر اس کی عدت طلاق تمام ہو جانے کے بعد بھتیجی سے نکاح ہو سکتا ہے۔ پس صورت مسئولہ میں اس شخص نے اپنی بیوی کی بھتیجی سے پھوپھی کو نکاح میں رکھتے ہوئے جو نکاح کیا ہے یہ صحیح نہیں ہوا۔ اس سے توبہ لازم ہے اور بھتیجی سے علیحدگی واجب ہے پھر چونکہ اس نے پہلی بیوی کو طلاق دے دی ہے تو جب اس کی عدت طلاق تین حیض پوری ہو جائے اس کے بعد اس کی بھتیجی سے دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔ ۲ ذوالقعدہ ۱۳۶۹ھ۔

فصل فی الانکحۃ الفاسدہ

شوہر گر قید ہو تو زوجہ کا نکاح ثانی کرنا باطل ہے

سوال (۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کی ماں مسلمان ہوئی اور ہندہ کی والدہ کا ایک مسلمان پردیسی سے نکاح کر دیا جب ہندہ چھ برس یا سات برس کی عمر ہوئی ہندہ کے والدین کا انتقال ہوا اور کوئی ولی و عصبہ موجود نہ تھا اور ہندہ اپنی خالہ بدچلن کی پرورش میں چند روز رہی پھر چند خود غرض لوگوں نے مشورہ کر کے کسی خود کے ذریعہ سے ہندہ کا نکاح کر دیا جو مسلمان تھا در حقیقت میں ہندہ کے باپ کا مزدور تھا اور قومیت فریقین میں سے کسی کی کو معلوم نہیں ملازم پیشہ لوگ تھے بعد نکاح کے کئی سال تک ہندہ زید کے پاس رہی اتفاق سے کسی بدچلنی کی وجہ سے زید قید ہو گیا زید کے عزیز و اقارب ہندہ کو تنگ رکھتے تھے

ہندہ نے اپنی تنگی اپنی خالہ سے بیان کی تو خالہ نے اس کو چکلہ میں بٹھا دیا چکلہ والوں نے کسی سے کچھ روپیہ ٹھہرا کر ہندہ کے پاس بھیجا تو ہندہ بھاگ گئی قابو میں نہ آئی اور اسلامی مسائل سے بالکل ناواقف تھی ناٹک والوں میں مسلمان سمجھ کر شامل ہو گئی پھر بعد بلوغ کے بوجہ غلبۂ شہوت ایک غیر مسلم سے تعلق ناجائز ہو گیا اس ناجائز تعلق سے چند اولاد ہوئیں اتفاق سے ایک مسلمان شخص سے ہندہ ملی اور اپنا کل حال بیان کیا اس شخص نے اس کو وعید سنائی اور یہ کہا کہ تو مسلمان ہے اور یہ شخص جس سے تیرا تعلق ہے غیر مسلم ہے ہندہ پر خوف الٰہی پیدا ہوا اور مسائل دریافت کئے اور اولاد کو چھوڑنے پر آمادہ ہوئی تو اس غیر مسلم نے کہا میں تیری خاطر اپنے گھر والوں سے علیحدہ ہوا اور یہ تیری اولاد ہے ان سب کو چھوڑ کر کہاں جاتی ہے میں بھی مسلمان ہوتا ہوں مگر نہ جانا چاہئے ہندہ نے کہا میرا شوہر اصلی قید میں ہے اور یہ اولاد حرامی ہے تو غیر مسلم ہے میں تیرے پاس نہ رہوں گی پھر ہندہ نے اپنا کل حال عمرو سے بیان کیا عمرو نے کہا تو کسی اور مسلمان سے نکاح کر لے ہندہ نے کہا میرا نکاح ہو چکا تھا اور شوہر قید میں ہے نہ وہ مرا ہے اور نہ طلاق دی ہے میں کیسے نکاح کر سکتی ہوں عمرو نے چند مسلمان غیر عالم سے ہندہ کی تسلی کرا دی کہ تیرا شوہر قید میں ہے تو نکاح کر لے تیرے کئی اولاد ناجائز تعلقات سے پیدا ہو چکی اب نکاح ٹوٹ گیا ہے نکاح رہنا درست نہیں ہندہ نے مسئلہ کا خیال کر کے عمرو سے ہی نکاح کر لیا پھر ایک شخص مسلمان اس کو ملا اس سے تمام حال اپنا سنایا وہ مسلمان عالم نہ تھا کچھ مسائل سے واقف تھا اس کو دیکھ کر اور علماء اسلام سے ہندہ خوش ہوئی وہ مفصل حال سنایا تو اس شخص نے کہا کہ دوسرا نکاح نہیں ہوا اب اور زیادہ ہندہ کو تشویش ہوئی لہذا عرض ہے کہ پہلا نکاح درست تھا یا نہ اور بدون طلاق کے یہ دوسرا نکاح درست ہوا یا نہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ولی عصبہ کے نہ ہونے کی صورت میں ذوی الارحام کو حنفیہ کے نزدیک ولایت نکاح نابالغہ حاصل ہے اسی طرح اگر ولی عصبہ موجود ہو مگر لاپتہ ہو کسی کو اس کا پتہ معلوم ہو جب بھی ولی ابعد کو نکاح کی ولایت حاصل ہوتی ہے۔ قال فی العالمگیریہ (ص ۱۱ ج ۲) وعند عدم العصبة کل قریب یرث الصغیر والصغیرة من ذوی الارحام یملک تزویجهما فی ظاهر الروایة عن ابی حنیفة اه وفیه (ص ۱۲ ج ۲) وان کان الاقرب غائب

عہ سائل سے دریافت کیا گیا کہ ہندہ کا پہلا نکاح مہر مثل پر ہوا تھا یا نہیں اس نے جواب دیا کہ مہر مثل پر ہوا تھا ۱۲ ظفر

غیبۃ منقطعۃ جاز نکاح الابعد کذا فی المحیط پس صورت مسئولہ میں ہندہ کی خالہ اس کی ولی تھی اور اس کا بیگن ہونا مسقط ولایت نہ تھا قال فی العالمگیریۃ (ص ۱۲۳ ج ۲) والفسق لا یمنع الولایۃ کذا فی فتاوی قاضی خان اھ البتہ اگر ولی فاسق گو باپ ہی ہو کسی نابالغ کا نکاح غیر کفو میں یا مہر مثل سے بہت زیادہ قلیل مہر پر کرے اس صورت میں نکاح نہیں ہوتا قال فی البحر فمعانی الجوامع ان الاب اذا کان فاسقاً للقاضی ان یزوج الصغیرۃ من غیر کفو غیر معروف نعم اذا کان متہتکا لا ینفذ تزویجہ ایاھا بنقص عن مہر المثل ومن غیر کفوء وسیاتی ھذا اھ (ص ۱۲۴ ج ۳) اور ولی ابعد اگر ایسے کرے کہ غیر کفو میں یا مہر مثل سے کم پر نکاح کرے تو وہ تو مطلقاً باطل ہے اگرچہ ولی فاسق بھی نہ ہو صالح ہی ہو قال فی الدر وان کان المزوج غیرھما ای غیر الاب وابیہ ولو الام لا یصح النکاح من غیر کفو او بغبن فاحش اصلا وما فی صدر الشریعۃ صح ولھما فسخہ وھم وان کان من کفو وبمھر المثل صح اھ (ص ۵۰۰ ج ۲) ملخصاً۔

پس صورت مسئولہ میں اگر ہندہ کا پہلا نکاح زید سے مہر مثل پر اور کفو میں ہوا ہے تو چونکہ خالہ ولی تھی اور اس کی اجازت سے نکاح ہوا اس لئے وہ نکاح صحیح ہو گیا اب ہندہ کا کسی دوسرے سے نکاح کرنا بغیر زید شوہر اول سے طلاق حاصل کئے اور بدون عدت طلاق گذرنے کے ہرگز جائز نہیں اگر پہلے شوہر سے طلاق حاصل کئے بغیر اس نے کسی سے نکاح کر لیا ہے تو وہ نکاح باطل ہے ہندہ کو اس سے فوراً الگ ہو جانا چاہئے شوہر اول کے قبضہ میں آجانے یا کسی غیر مسلم سے ہندہ کے ناجائز تعلق کر لینے سے پہلا نکاح باطل نہیں ہو سکتا وہ بدستور باقی ہے البتہ ہندہ نے اس ناجائز تعلق پیدا کرنے میں گناہ عظیم کا ارتکاب کیا ہے بالخصوص غیر مسلم کے ساتھ فانہ اشد ذنبا فی الاسلام۔ لہذا ہندہ کو دوسرے خاوند سے فوراً علیحدگی اختیار کر کے ان تمام گناہوں سے بصدق دل توبہ واستغفار کرنا چاہئے اور بارگاہ الٰہی میں رو رو کر دعا کرنی چاہئے کیا عجب ہے کہ مغفرت ہو جائے وہ اپنی رحمت سے شرک وکفر کے علاوہ تمام گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں

واللہ اعلم ولا عاصم من امر اللہ الا من رحم۔ ۲۲ ربیع الثانی سنہ ۶۳ھ۔

غیر کفو سے نکاح کرنیکے بعد وجود اولاد دعویٰ فسخ بے کار ہے

سوال (۲) مندرجہ ذیل سوالات کے جواب کا منتظر ہوں کیا حکم ارشاد ہوتا ہے۔ پہلے سوال کے باعث بڑی پریشانی ہے کوئی صورت کی عزت بچے تو بہتر ہے۔

ایک مسلمان صاحب نے ایک مسلمان عورت کو بلا نکاح عرصہ بارہ سال سے رکھے ہے اس کا شوہر زندہ ہے طلاق دینے سے صاف انکار کرتا ہے ہرگز نہ دوں گا کبھی کہتا ہے مجھے معلوم ہی نہیں کہ میری عورت کونسی ہے پاگل نہیں ملازم سرکاری جنگل میں ہے ہر طرح نصیحت کی کارگر نہ ہوئی گذر اوقات کے لئے شروع سے اب تک ایک کوڑی نہیں دی اس خاوند سے تین بچے بھی ہوگئے اس عورت کی شادی بہت کم عمری میں ہوئی تھی تقریب سات۔ آٹھ سال کی عمر تھی اور جب کی سے کچھ دن بعد الگ ہے کیا اس کا نکاح کسی بھی طرح ہو سکتا ہے یا تا عمر جب تک طلاق نہ دے ممکن نہیں یا نابالغی میں شادی ہو جائے اور بالغی عورت شوہر کو منظور نہ کرے تو دوسرے کے ساتھ نکاح ممکن ہے یا ہو ہی نہیں سکتا یہاں دو مثالیں موجود ہیں جو بلا نکاح اسی طرح زندگی برباد کر رہی ہیں اور اولاد ہو رہی ہے۔

ایسی حالت میں اس کا عقیقہ جائز ہوگا یا نہیں دوسروں کو اس کے یہاں کھانا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب : اس صورت میں جب تک پہلا شوہر طلاق نہ دے دوسرے سے کسی طرح نکاح نہیں ہو سکتا اور اگر وہ ابتداء سے زوجہ کو نفقہ نہیں دیتا یا نابالغی میں نکاح ہوا تھا اور بلوغ کے بعد وہ اس کو پسند نہیں کرتی اس صورت میں جبر کر کے اس پہلے شوہر سے طلاق لیا جا سکتا ہے مگر بدون طلاق کے دوسرے سے نکاح ہرگز نہیں ہو سکتا۔

(۲) ایسی حالت میں جو اولاد ہوتی ہے وہ حرامی ہے ایسے شخص کے گھر کا کھانا وغیرہ نہ کھانا چاہئے جب تک کہ وہ اس حرکت سے توبہ نہ کرے باقی عقیقہ حرامی لڑکے کا بھی جائز ہے۔

زوجہ عنین کا بغیر طلاق کے نکاح ثانی کرنا باطل ہے

سوال (۴) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی عمر ۱۴ سال کی نابالغہ اور اس کا شوہر عمر ۱۹ سال کا وہ لڑکی شوہر کے یہاں سے باپ کے یہاں بھاگ آئی جس کے پیچھے اس کا شوہر اور شوہر کا بھائی آئے لے جانے کو لڑکی بولی میرا شوہر دیوث اور نامرد ہے ناک کان چھیدا اور پیر میں گھونگرو باندھ کر ناچتا گاتا ہے ایک مرتبہ اس نے ایک غیر آدمی کو گھر میں بھیجا اور آپ باہر کھڑا رہا میں نے شور غل کیا تو وہ شخص بھاگ گیا اس نے مجھے ایک لات ماری کہ کیوں شور کیا یہ کل باتیں لڑکی نے اپنے شوہر کے روبرو کہیں لڑکی کے باپ نے کہا تم جماعت میں آؤ تصفیہ ہوگا اور تب دوبارہ ملاحظہ کیا جائے گا تب لڑکی بھیجوں گا اس دہشت سے وہ بھاگ گیا اس بعد لڑکی کی طرف سے نوٹس دیا گیا تو واپس کیا اور کئی خط دئے مگر جواب نہیں آیا کچھ

دن بعد اس کے باپ بھائی آئے جماعت نے کہا لڑکے کو لاؤ وہ پندرہ روز کا وعدہ کرکے گیا ایک ماہ میں اکیلا آیا اور کہا کہ ایک ہفتہ میں لاؤں گا جس کو ڈیڑھ ماہ ہوا پتہ نہیں ہے نہ کچھ خط ہے اب لڑکی بالغ ہوگئی ہے اور ۲ ماہ سے باپ کے یہاں بیٹھی ہے اور اس کا باپ بہت غریب شخص ہے کفالت نہیں کرسکتا اور وہ ایسی جگہ ہے کہ کوئی مسلمانان وہاں نہیں ہے۔ اب کیا کیا جاوے معروض ہے کہ جو حکم شرع میں ہو اصلاح بخشیں تو اپنا عمل میں لاویں گے فقط۔

الجواب: صورت اولیٰ میں جب تک شوہر اپنی بی بی کو طلاق نہ دیوے اور عدت نہ گذر جاوے اس وقت تک اوس کا نکاح دوسرے سے نہیں ہوسکتا۔

زوجہ کی موجودگی میں اس کی بھانجی سے نکاح فاسد ہے اور مہر واجب ہوگا

سوال (۲) زید کا نکاح ہندہ سے ہوا جس کو ایک مدت دراز گذر گئی۔ اور کوئی اولاد اس وقت تک ہندہ کے بطن سے نہیں ہوئی عرصہ تین سال کا ہوا کہ زید نے ہندہ کی حقیقی ہمشیرہ زادی کے ساتھ لباز یا بعلم ہندہ تعلق ناجائز کرلیا اس درمیان میں ہندہ کی ہمشیرہ زادی کے تعلق ناجائز سے حمل قرار پا گیا جس کا علاج حکماء سے کرایا گیا اور استقرار ظاہر کیا گیا بعد گذرنے نو ماہ کے فروری ۱۹۲۲ء کو ہندہ کی ہمشیرہ زادی کے تعلق ناجائز سے دختر پیدا ہوئی کہ جو اب چھ ماہ کی ہے اور موجود ہے بروقت پیدائش دختر کے زید نے یہ ظاہر کیا کہ ہندہ کی ہمشیرہ زادی سے جب سے وہ دختر پیدا ہوئی ہے میں نے نکاح کرلیا ہے جس کا علم زید کو ہوگا اور باقی نکاح کا علم یہاں کسی کو نہیں ہے۔ ایسی صورت میں ہندہ اور اس کی ہمشیرہ زادی دونوں کا اجتماع بموجودگی ہندہ زید کے گھر میں جائز طور سے ہوا اور دونوں خالہ بھانجی زید کے زوجگان جائز قرار دی جاسکتی ہیں اور وہ دختر جو پیدا ہوئی ہے اور موجود ہے ولد جائز ہے۔ اب زید کا انتقال ہوگیا اب زید نے ہندہ اور اس کی ہمشیرہ زادی مع دختر کے اور تیسری اور زوجہ لاولد نکاح سے چھوڑی ایسی صورت میں تینوں زوجگان میں سے کونسی زوجہ جائز قرار دی جاوے گی اور کون زوجہ ناجائز ہے اور مہر تینوں زوجگان میں سے کس کس کا زید پر واجب تھا اور بعد انتقال کس کس کا واجب الادا ہے اور وہ دختر جو ہندہ کی ہمشیرہ زادی سے موجود ہے وہ مستحق ترکہ پدری یعنی زید کا ہے یا نہیں اور زید کے مرنے کے بعد علاوہ ان عورتوں کے ایک قرا بھائی حقیقی بھی موجود ہے ایسی حالت میں شرع شریف کا کیا حکم ہے مفصل حال سے معزز فرمائے؟

الجواب: صورت مسئولہ میں زید کی دو زوجوں سے نکاح صحیح ہوا ہے یعنی ہندہ اور زوجہ لاولد نکاحی وارث ہیں اور ہندہ کی بھانجی جس سے زید نے ہندہ کی موجودگی میں نکاح کرنے کا

دعویٰ کیا گیا وارث نہیں ہے کیونکہ اس سے زید کا نکاح فاسد ہوا ہے البتہ ہندہ کی بھانجی سے جو لڑکی پیدا ہوئی ہے وہ بیشک زید کی وارث ہے یہ حکم تو میراث کا ہے مہر کا حکم یہ ہے کہ زید کی دونوں زوجہ یعنی ہندہ اور زوجہ لاولد ثانی کو مہر مسمیٰ کامل ملے گا اور ہندہ کی بھانجی کا مہر مثل بعد تحقیق کے دیا جائے گا خواہ مہر مثل کتنا ہو لیکن اگر وہ مہر مسمیٰ سے زیادہ ہو تو اس سے زائد نہیں دیا جائے گا اور اگر مہر مسمیٰ مہر مثل سے زیادہ ہو تو مہر مثل دیا جائے گا خلاصہ یہ کہ مہر مسمیٰ اور مہر مثل میں جو کم ہو وہی اس کو ملے گا قال فی الدر و یجب مهر المثل فی نکاح فاسد وهو الذی فقد شرطا من شرائط الصحة کشهود بالوطء فی القبل لا بغیره کالخلوة لحرمة وطئها ولم یزد مهر المثل علی المسمی لرضاها بالحط ولو کان دون المسمی لزم مهر المثل لفساد التسمیة بفساد العقد ولو لم یسم او جهل لزم بالغا ما بلغ (الی ان قال) ویثبت النسب احتیاطا بلا دعوة اهـ (ص ۲۷۵ نهایت ۲۷۷ ج ۲) وفی رد المحتار قوله کشهود ومثله تزوج الاختین معا ونکاح الاخت فی عدة الاخت ونکاح المعتدة اهـ (ص ۲۷۵ ج ۲) وفیه ایضا قوله ویثبت النسب اما الارث فلا یثبت فیه وکذا النکاح الموقوف کما فی ابی السعود اهـ (ص ۲۷۷ ج ۲)۔ پس صورت مسئولہ میں اگر زید کا وارث بجز ان لوگوں کے جن کا ذکر سوال میں ہے اور کوئی نہیں تو بعد ادائے دین مہر و قرض وغیرہ کے جو ترکہ بچے اس کے آٹھ سہام کر کے ایک سہم دونوں زوجہ کو اور چار سہام زید کی بیٹی کو جو ہندہ کی بھانجی سے ہوئی ہے اور تین سہام زید کے بھائی کو ملیں گے واللہ اعلم۔ ۸ ذیحجہ سنہ ۴۶ھ۔

غیر کی منکوحہ سے نکاح باطل ہے اور اگر اس سے اولاد ہو جائے تو اس کا حکم

سوال (۵): کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ موتی اپنی زوجہ نابالغہ عیدو کو نیز ہمراہ لیکر عبدالغنی کے مکان پر آیا کچھ دنوں کے بعد موتی مذکور بیمار ہو گیا اور موتی خرچ وغیرہ سے بہت تنگدست ہو گیا اس وقت موتی نے عبدالغنی سے کہا کہ میں خرچ سے تنگدست ہو گیا ہوں تم میرا علاج معالجہ کرو اور مسماۃ عیدو سے تم اپنا نکاح کرلو اور میں نے مسماۃ مذکورہ سے صحبت دری نہیں کی۔ عبدالغنی نے مسماۃ عیدو سے نکاح کر لیا۔ تقریباً بارہ گھنٹہ کے بعد موتی مر گیا آیا نکاح جائز ہوا یا نہیں؟

جواب از حضرت مولانا مدظلہ: نہیں اور یہ بالکل ظاہر ہے۔

بقیہ سوال بالا

اور عیدو مذکورہ عبدالغنی کے یہاں بیس سال تک رہی اور پانچ چھ اولاد بھی عبدالغنی سے

ہوئیں جن سے ایک دختر ہندی عبدالغنی کی موجود ہے اور عبدالغنی فوت ہوگیا آیا عبدالغنی کے ترکہ میں سے مساۃ عیدو و دختر ہندی کو حق پہنچتا ہے یا نہیں۔ عبدالغنی کی دو بیوی مساۃ بخش زوجہ اول و مساۃ عیدو مذکورہ ایک دختر ہندی ایک چچازاد بھائی اسمی بندو چھوڑا اور اپنے ذمہ کچھ قرضہ چھوڑا ایک دوکان اور کچھ روپیہ نقد جو کہ امانت میں ہے اور سامان استعمالی چھوڑا اور عبدالغنی اپنی زندگی میں اپنے بھائی بندو مذکور سے ناراض تھا اور تندرستی کے وقت عبدالغنی کہا کرتا تھا کہ میں دوکان مسجد کے نام کردونگا تاکہ دوکان میرے بھائی بندو مذکور کو نہ ملے اور بیماری کے وقت بھی عبدالغنی نے دو تین مرتبہ دوکان مسجد میں کرنے کو کہا مگر ان دونوں عورتوں مساۃ بخش و عیدو نے نہ کرنے دی عبدالغنی فوت ہوگیا مساۃ بخش و عیدو نے بعد عدت کے نکاح کرلئے بخش مذکورہ نے برادری کے بھائی سے نکاح کیا اور عیدو نے عبدالغنی کے چچازاد بھائی بندو سے نکاح کرلیا اور ہندی مذکورہ اپنی ماں مساۃ عیدو کے پاس موجود ہے اب ترکہ کس طرح تقسیم ہونا چاہئے اور ہندی کا کون ولی ہونا چاہئے؟

الجواب: صورت مسئولہ میں مولی نے اپنی زوجہ عیدو کو نہ طلاق دی ہے نہ طلاق کا کوئی لفظ استعمال کیا ہے لہٰذا اس کا نکاح زوجہ مذکورہ سے باقی تھا اس حالت میں عبدالغنی کا اس سے نکاح کرنا بالکل باطل اور حرام ہوا اور اگر مولی نے کوئی لفظ طلاق کا استعمال کیا ہو تو سائل کو لکھنا چاہئے لیکن اس صورت میں بھی اگر مولی اور عیدو میں تنہائی کسی وقت ہوچکی ہے تو صحبت ہوئی ہو تو زوجہ مذکورہ پر عدت کا گذارنا واجب تھا اور عبدالغنی نے عدت میں اس سے نکاح کیا ہے اس لئے بھی یہ نکاح باطل ہے مگر بہر صورت مساۃ عیدو کو عبدالغنی کے ترکہ میں مہر مثل بعد عقد کے ملے گا بشرطیکہ عبدالغنی نے اپنی حیات میں مہر نہ دیا ہو اور نہ عیدو نے معاف کیا ہو جس کا حکم یہ ہے کہ اگر نکاح کے وقت کچھ مقدار مہر کی مقرر کی گئی تھی اور وہ مقدار مہر مثل (یعنی خاندانی مہر) سے کم یا اس کی برابر ہے تب تو وہی ملے گا جو مہر نکاح میں مقرر ہوا ہے اور اگر مہر مسمی مہر مثل سے زیادہ ہے تو مہر مسمی نہ ملے گا بلکہ مہر مثل دیا جائے گا اور عیدو کو عبدالغنی کے ترکہ میں سے میراث کچھ نہ ملے گی البتہ مساۃ ہندی جو عبدالغنی کے نکاح کے بعد عیدو سے پیدا ہوئی ہے اس کو عبدالغنی کے ترکہ میں سے میراث ملے گی پس بعد ادائے دین مہر ہر دو زوجگان اور دیگر قرض وغیرہ کے جو عبدالغنی کے ذمہ ہو اس کے باقی ماندہ ترکہ کو اس طرح تقسیم کیا جائے گا۔

(نقشہ تقسیم برصفحہ آئندہ)

مسئلہ **عبدالغنی**

برادر عم زاد	دختر	زوجۂ حرام	زوجۂ اولیٰ
ہندو	ہندی	عیدو	بخشن
۳	۴	م	۱

اور عبدالغنی جو زندگی میں ہندو سے ناراض تھا اس سے ہندو میراث سے محروم نہ ہوگا اور جس دوکان کو عبدالغنی مسجد میں دینا چاہتا تھا چونکہ تندرستی میں وہ اس کو وقف نہ کر سکا اس لئے وہ دوکان بھی سب وارثوں میں تقسیم ہوگی پس جس قدر سامان بعد ادائے قرض و ادائے دین مہر وغیرہ کے باقی ہے اس کے آٹھ سہام کر کے ایک سہم مسماۃ بخشن زوجۂ اولیٰ کو دیا جائے اور ۴ سہام مسماۃ ہندی کو اور ۳ سہام ہندو کو دیئے جاویں مسماۃ عیدو کو میراث کچھ نہ ملے گی۔ قال فی الدر ویجب مهر المثل فی نکاح فاسد وهو الذی فقد شرطا من شرائط الصحة کشهود بالوطء فی القبل لا بغیره کالخلوة لحرمة وطئها ولم یزد مهر المثل علی المسمی لرضاها بالحط ولو کان دون المسمی لزم مهر المثل لفساد التسمیة بفساد العقد ولو لم یسم او جهل لزم بالغا ما بلغ (الی ان قال) ویثبت النسب احتیاطا بلا دعوة اھ (ص ۴۷۲ لغایت ص ۴۷۷ ج ۲) وفی الشامیة قوله کشهود ومثله تزوج الاختین معا ونکاح الاخت فی عدة الاخت ونکاح المعتدة الخ (ص ۴۷۳ ج ۲) وفیه ایضا قوله ویثبت النسب اما الارث فلا یثبت فیه کما فی النکاح الموقوف عن ابی السعود اھ (ص ۴۷۷ ج ۲) واللہ اعلم۔

۲۱ ذی الحجہ سنہ ۳۳ھ۔

عورت کا عدت وفات میں نکاح کر لینے کا حکم اور شرائط متارکہ

سوال (۲) علمائے دین و مفتیان شرع متین مسائل ذیل میں کیا فرماتے ہیں؟

سوال اول: ہندہ کے شوہر نے انتقال کیا اور ہندہ نے قبل تمام ہونے عدت وفات کے زید سے نکاح کیا تو آیا یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟

سوال دوم: ہندہ ایک سال تک بعد نکاح مذکور کے زید کے ساتھ رہی جب پنچوں نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ عدت کے اندر ہندہ کا نکاح ہوا ہے اس لئے پنچوں نے ہندہ کو اس کے باپ کے یہاں بھیج دیا جس کو عرصہ تین ماہ کا ہوا اب اگر ہندہ دوسرے شخص سے نکاح کرنا چاہے

تو اس میں عدت کی ضرورت ہے یا نہیں؟

سوال سوم: صورت مسئولہ میں اگر عدت واجب ہے تو عدت کی ابتداء کب سے ہوگی اور کونسی عدت واجب ہوگی اور دوسرے مرد سے کب اس کا نکاح جائز ہوگا؟

سوال چہارم: صورت مسئولہ میں پنچوں نے پنچایت کرکے ہندہ کا جہیز زید کے بھائی وغیرہ کے ذریعہ منگا کر ہندہ کو واپس کردیا لیکن زید پنچایت میں آیا اور نہ اس نے کوئی لفظ بابت انکار نکاح کہا تو اس پر متارکہ کا اطلاق ہوسکتا ہے یا نہیں اگر نہیں تو متارکہ کی کیا تعریف ہے؟

سوال پنجم: اگر زید مذکور متارکہ نہ کرے تو اس ملک میں جہاں غیر مسلم کی حکومت ہے اور قاضی شرع مقرر نہیں ہے تفریق کی کیا صورت ہے اور کیا پنچوں کو تفریق کا حق شرعاً حاصل ہے یا نہیں؟

سوالات مذکورہ بالا کا جواب بالتفصیل معہ حوالہ کتب معتبرہ رقم فرماکر اجر عظیم حاصل فرمایئے؟

ھو الموفق للصواب۔

(جواب بعض علماء)

جواب سوال اول: ہندہ کا نکاح جو عدت کے اندر ہوا ہے صحیح نہیں ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ

جواب سوال دوم: ہندہ نے جو عدت کے اندر نکاح کیا ہے یہ نکاح فاسد ہے۔ در المختار میں ہے۔ ویجب مھر المثل فی نکاح فاسد وھو الذی فقد شرطا من شرائط الصحۃ کشھود۔ رد المحتار حاشیہ در المختار میں علامہ ابن عابدین تحت قولہ (کشھود) فرماتے ہیں (ومثلہ تزوج الاختین معا ونکاح الاخت فی عدۃ الاخت ونکاح المعتدۃ والخامسۃ فی عدۃ الرابعۃ الخ) اور فتاوی عالمگیری باب نکاح فاسد میں ہے۔ لو تزوجت فی عدۃ الوفات فدخل بھا فان فرق بینھما انتھی۔ اور نکاح فاسد میں بعد دخول عدت واجب ہوتی ہے فتاوی عالمگیری میں ہے۔ لو کان النکاح فاسدا ففرق القاضی ان فرق قبل الدخول لا یجب العدۃ وکذا الفرق بعد الخلوۃ وان فرق بعد الدخول کان علیھا الاعتداد من وقت التفریق وکذا لو کانت الفرقۃ بغیر قضاء کذا فی الظھیریۃ۔ رد المحتار میں ہے۔ لکل واحد منھما فسخہ دخل بھا او لا فی الاصح خروجا عن المعصیۃ بل یجب علی القاضی التفریق بینھما وتجب العدۃ بعد الوطئ لا للخلوۃ للطلاق لا للموت من وقت التفریق

او متارکۃ الزوج انتہی رد المحتار حاشیہ در المختار میں ہے۔ وتقدم فی باب المھر ان الدخول فی النکاح الفاسد موجب للعدۃ اھ فتاوی عالمگیری میں ہے۔ ولو تزوجت فی عدۃ الوفات فدخل بہا الثانی ففرق بینہما فعلیہا بقیۃ عدتہا من الاول تمام اربعۃ اشہر وعشرا وعلیہا ثلاث حیض من الاخیر ویحتسب بما حاضت بعد التفریق من عدۃ الوفات کذا فی معراج الدرایۃ۔ انتہی۔

عبارات مذکورہ سے ثابت اور متحقق ہوا کہ نکاح فاسد میں بعد دخول عدت واجب ہوتی ہے اور چونکہ ہندہ سال بھر تک زید کے ساتھ رہی ہے لہذا اس پر عدت واجب ہے۔

جواب سوال سوم: صورت مسئولہ میں ہندہ پر تفریق قاضی یا متارکہ زوج کے بعد سے عدت کی ابتداء ہوگی در مختار میں ہے۔ وتجب العدۃ بعد الوطی لا الخلوۃ للطلاق لا للموت من وقت التفریق او متارکۃ الزوج۔ انتہی۔ فتاوی عالمگیری میں ہے۔ و العدۃ فی النکاح الفاسد عقیب التفریق او عزم الوطی علی ترک وطیہا۔ اور یہ عدت عدت طلاق کی ہوگی یعنی حائضہ کے لئے تین حیض اور آئسہ کے لئے تین ماہ اور حاملہ کے لئے وضع حمل عدت ہوگی۔ تنویر الابصار میں ہے۔ والمنکوحۃ نکاحا فاسدا والموطوءۃ بشبہۃ وام الولد غیر الآئسۃ والحامل الحیض للموت وغیرہ انتہی۔ رد المحتار میں ہے۔ ای عدۃ المذکورات ثلاث حیض ان کن من ذوات الحیض والا فالاشہر او وضع الحمل وھذا اذا کانت المنکوحۃ نکاحا فاسدا الخ۔

الحاصل تفریق قاضی یا متارکہ زوج کے بعد سے عدت کی ابتداء ہوگی۔ اور جب تک عدت پوری نہ ہو دوسرے مرد سے ہندہ کا نکاح صحیح نہ ہوگا۔

جواب سوال چہارم: ہندہ کا اپنے باپ کے یہاں چلے آنا اور جہیز و سامان واپس پانے سے متارکہ صحیح نہ ہوگا۔ متارکہ کے لئے ضروری ہے کہ شوہر یعنی مرد ترک وطی کا ارادہ کرکے زبان سے بھی اس کا اظہار کرے کہ میں نے تجھ کو علیحدہ کیا یا میں نے تجھ کو چھوڑ دیا یا میں نے تیری راہ خالی کی یا میں نے تجھ کو طلاق دی وغیرہ۔ قال العینی فی شرح الکنز ولا یتحقق المتارکۃ الا بالقول بان یقول تارکتک او تارکتہا او خلیت سبیلک او خلیتہا الخ۔ وفی العالمگیریۃ۔ والمتارکۃ فی الفاسد بعد الدخول لا یکون الا بالقول کخلیت سبیلک او ترکتک ومجرد انکار النکاح لا یکون متارکۃ الخ

وبعدم مجیء احدہما الی الآخر بعد الدخول لا یحصل متارکۃ۔ انتہی فی رد المحتار فی البزازیۃ المتارکۃ فی الفاسد بعد الدخول لا یکون الا بالقول کخلیت سبیلک او ترکتک ومجرد انکار النکاح لا یکون متارکۃ اما لو انکر وقال اذہبی وتزوجی کان متارکۃ والطلاق فیہ متارکۃ لکن لا ینقص بہ عدد الطلاق وعدم مجیء احدہما الی الآخر بعد الدخول لیس متارکۃ لانہا لا یحصل الا بالقول۔ انتہی۔

جواب سوال پنجم: تفریق کے لئے قاضی کا ہونا ضروری ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ لو کان النکاح فاسداً فرق القاضی بینہما الخ۔ در المختار میں ہے۔ بل یجب علی القاضی التفریق بینہما الخ اور یہاں کوئی تفریق حاصل نہیں ہے۔ در ایسے مسائل جن میں قاضی شرعی کی ضرورت ہوتی ہے ہند کی اسلامی ریاستیں جیسے ریاست بھوپال ریاست رامپور ریاست حیدرآباد دکن کے قاضی سے تفریق حاصل ہو سکتی ہے۔ خود وہاں جاکر یا بذریعہ تحریر حکم تفریق طلب کرنے سے۔ مجموعہ فتاویٰ حضرت مولانا عبدالحی میں ہے۔ در بلادیکہ زیر حکومت کفار اند وقضای قاضی در انجا مفقود است اگر بچنیں واقعات ضرورت است کہ صاحب معاملہ بہ بلاد اسلام کہ درآں قضاء قاضی موجود مثلاً بلاد حجاز و بلاد روم وغیرہ واز بلاد ہند رامپور وبھوپال وغیرہ رفتہ انفصال سازد یا بذریعہ تحریر از قضاۃ بلاد اسلام حکم فسخ طلب سازد۔ انتہی۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔ حررہ الراجی عفو ربہ اللطیف ابو الطیب محمد حنیف عفی عنہ ومن والدیہ المدرس بالمدرسۃ انوار العلوم الواقعۃ فی قصبہ مئو آئمہ من مضافات الہ آباد۔

الجواب من جامع امداد الاحکام

(۱) جواب دوم صحیح نہیں کیونکہ علامہ شامی نے اول نکاح فاسد کی بہت سی مثالیں بیان کرکے آگے چل کر مجتبیٰ سے قاعدہ کلیہ نقل کیا ہے اور تصریح کردی ہے کہ نکاح معتدہ موجب عدت نہیں پس نکاح معتدہ کو فاسد کہنا بمعنی باطل ہے جو اصلاً منعقد نہیں ہوتا۔ قال الشامی اوائل فی باب العدۃ انہ لا عدۃ فی نکاح باطل وذکر فی البحر عن المجتبیٰ ان کل نکاح اختلف العلماء فی جوازہ کالنکاح بلا شہود فالدخول فیہ موجب للعدۃ اما نکاح منکوحۃ الغیر ومعتدتہ فالدخول فیہ لا یوجب العدۃ ان علم انہا للغیر لانہ

لم يقل احد بجوازه فلم ينعقد اصلاً قال فعلى هذا يفرق بين فاسده و
باطله في العدة ولهذا يجب الحد مع العلم بالحرمة لانه زنا كما في القنية وغيرها
اھ (ص ۵۷۵ ج ۲) پس ہندہ پر نکاح زید کی وجہ سے کوئی عدت نہیں۔

(۲) جواب سوال سوم بھی صحیح نہیں کیونکہ نکاح فاسد میں زوجین میں سے ہر ایک کو فسخ نکاح
کا حق حاصل ہے۔ اور متارکت و فسخ میں کچھ فرق نہیں البتہ اگر نکاح اصل سے صحیح ہوا اور فساد بعد
میں طاری ہوا ہو۔ اس صورت میں متارکت زوج کے ساتھ مخصوص ہے اور صورت موجودہ میں
فساد اصل عقد میں ہے لہذا ہندہ کا بھی فسخ و متارکت کافی ہے قال علامۃ الشامی وخص
الشارح المتاركة بالزوج كما في البحر لان ظاهر كلامهم انها لا تكون
من المرأة اصلا مع ان فسخ هذا النكاح يصح من كل منهما بمحضر الآخر اتفاقا
والفرق بين المتاركة والفسخ بعيد كما في البحر. وفرق في النهر بان المتاركة
في معنى الطلاق فيختص به الزوج اما الفسخ فرفع العقد فلا يختص به وان كان
في معنى المتاركة ورده الخير الرملي بان الطلاق لا يتحقق في الفاسد فكيف يقال
ان المتاركة في معنى الطلاق. فالحق عدم الفرق ولذا جزم به المقدسي حيث
نظمه كما ذكرنا وتمامه في ما علقناه على البحر اھ (ص ۵۷۵ ج ۲) وفي البحر ظاهر
كلامهم ان المتاركة لا تكون من المرأة اصلا كما قيده الزيلعي بالزوج لكن
في القنية لكل واحد منهما ان يستبد بفسخه قبل الدخول بالاجماع وبعد
الدخول مختلف فيه وفي الذخيرة ولكل واحد من الزوجين فسخ هذا النكاح
بغير محضر من صاحبه عند بعض المشائخ وعند بعضهم ان لم يدخل بها فكذلك
وان دخل بها فليس لواحد منهما حق الفسخ الا بمحضر من صاحبه. اھ وهكذا
في الخلاصة وهذا يدل على ان للمرأة فسخه بمحضر الزوج اتفاقا فلا شك
ان الفسخ متاركة الا ان يفرق بينهما وهو بعيدٌ والله سبحانه وتعالى اعلم.
اھ (ص ۱۴۱ ج ۳) وفي الدر ويثبت لكل واحد منهما فسخه ولو بغير محضر
من صاحبه دخل بها او لا في الاصح خروجا عن المعصية اھ (ص ۵۷۵ ج ۲)۔

عہ الفرق بينهما على رأي سيدي حكيم الامة ۱۲ ظ

جب مطلقاً نکاح فاسد میں یہ حکم ہے تو نکاح معتدہ میں جو کہ باطل ہے بدرجہ اولیٰ متارکت کی ضرورت نہیں لانہ لا ینعقد اصلاً ۔

(۳) پھر مجیب نے قضای قاضی کی صورت اہل ہند کے لئے بیان کرکے جو یہ لکھا ہے کہ خود وہاں جاکر یا بذریعہ تحریر حکم تفریق طلب کرنے سے الخ یہ تردید بھی صحیح نہیں کیونکہ جن مسائل میں قضا شرط ہے ان میں قاضی کی تحریر کافی نہیں ہوتی۔ اگر تحریر مثل کتاب القاضی الی القاضی کے ہو تو معتبر ہو سکتی ہے البتہ اس کے لئے پھر یہاں قاضی کے ہونے کی ضرورت ہے۔ پس مسائل قضا میں بجز ریاستوں میں جاکر دعویٰ دائر کرنے کے کوئی صورت نہیں۔ واللہ اعلم۔ ۲۱ صفر سنہ ۳۷ھ ۔

مزنیہ کی بیٹی سے نکاح کی عدم صحت اور تفریق و متارکت

سوال (۷) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین صورت مسئولہ میں کہ آٹھ سالہ نابالغہ لڑکی کا نکاح اس کے والد کے فوت ہو جانے کے بعد اس کی والدہ نے ایسی صورت میں کہ ایک شخص سے اس کا ناجائز تعلق ہو گیا تھا اسی سے اپنی لڑکی کا نکاح کر دیا لڑکی اب بعمر ۱۳ سالہ ہے جس کا اب تک خاوند سے کوئی تعلق صرف اسی وجہ سے نہیں ہے کہ اس نے اپنی ماں کو ناجائز تعلق کرتے ہوئے یعنی مباشرت فاحشہ میں خاوند کے ساتھ بارہا دیکھا ہے از روئے شرع شریف لڑکی خاوند کے نکاح میں رہ سکتی ہے یا نہیں نیز خاوند سے طلاق لینے کی ضرورت ہے یا بغیر طلاق خاوند سے جدا ہو سکتی ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: جب لڑکی کی ماں کا ناجائز تعلق اپنے داماد سے قبل نکاح بنت ہی ہو چکا ہے تو اس صورت میں لڑکی کا نکاح اس شخص سے صحیح نہیں ہوا بشرطیکہ لڑکی نے اپنے نکاح سے پہلے ماں کا ناجائز تعلق خود دیکھا ہو یا دو معتبر دیکھنے والوں نے اس سے بیان کیا ہو یہ ضروری نہیں کہ مباشرت فاحشہ کرتے ہوئے ہی دیکھا ہو بلکہ اگر پاس سوتے ہوئے یا تقبیل وغیرہ کرتے ہوئے بھی دیکھ لیا ہو تب بھی کافی ہے جب نکاح صحیح نہ ہوا تو لڑکی کو شوہر سے طلاق لینے کی ضرورت نہیں بلکہ چند آدمیوں کے سامنے اسے اتنا کہہ دینا چاہئے کہ میں اپنے نکاح کو جو فلاں شخص سے ہوا تھا فسخ کرتی ہوں اور بہتر یہ ہے کہ شوہر کے سامنے بھی یہ بات کہہ دے گو ضرورت نہیں۔ پھر اگر شوہر سے لڑکی کی ہمبستری نہیں ہوئی جیسا کہ سوال سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے تب تو اس پر عدت بھی واجب نہیں بلکہ بدون عدت کے مذکورہ بالا کلمات کہہ کر وہ اپنا نکاح دوسرے شخص سے جو اس کا کفو ہو خاندانی مہر پر کر سکتی ہے اور اگر ہمبستری ہو چکی ہے تو مذکورہ بالا کلمات کہنے کے بعد تین حیض گذرنے پر وہ اپنا نکاح دوسرے سے کر سکتی ہے۔ قال فی الخلاصۃ اما بالخلوۃ الصحیحۃ و الفاسد فی النکاح الفا

فلا یجب العدة وکمال المہر والنکاح الفاسد لا حکم لہ قبل الدخول حتی لو تزوج امرأة نکاحا فاسدا بان مس امہا بشہوة ثم تزوجہا ثم تارکہا لہ ان یتزوج الام والمتارکة فی النکاح الفاسد بعد الدخول لا یکون الا بالقول ترکتک او خلیت سبیلک الی ان قال وفی المحیط لکل واحد فسخ ھذا العقد بغیر محضر صاحبہ قبل الدخول وبعد الدخول لیس لکل واحد منہما حق الفسخ الا بمحضر صاحبہ کالبیع الفاسد وعند بعض المشائخ لکل واحد حق الفسخ بعد الدخول دقبلہ اھ ص ۳۳۱ ج ۲ ۔ اور اگر لڑکی کے نکاح سے پہلے اس کی ماں کا ناجائز تعلق داماد سے نہ ہوا ہو بلکہ بعد نکاح کے ناجائز تعلق ہوا ہو تو سوال دوبارہ کریں واللہ اعلم۔ ۹ رجب ۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ بامر سیدی حکیم الامت دام مجدہم ۔

باپ نے نابالغہ کا نکاح کیا بعد میں معلوم ہوا شوہر مست شرابی ہے تو

سوال (۷) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی دختر کا نکاح پنج سال کی عمر میں ایک لڑکے کے ساتھ کر دیا بعد ازیں معلوم ہوا کہ وہ لڑکا جوئے باز اور شرابی ہے اور جب وہ لڑکا اپنی منکوحہ کو لینے کے واسطے اپنے خسر سے آ کر متقاضی ہوا تو اس کے خسر نے کہا کہ جب تک تو جوئے کے کھیلنے اور شراب کے پینے سے باز نہ آئے گا تب تک میں اپنی دختر کو تمہارے ساتھ روانہ نہ کروں گا کیونکہ ہمارے کنبے میں نہ کوئی شرابی ہے اور نہ قمار باز اس شخص نے کہا کہ میں شراب کے پینے اور جوئے کے کھیلنے سے ہرگز تائب نہ ہوں گا تو اس کے خسر نے کہا کہ میں اپنی بچی کو تمہارے ساتھ نہیں بھیجوں گا حاصل کلام شخص مذکور خالی پھر گیا جب اس بات کو پنج سال کا عرصہ گذر گیا تو اس لڑکی کے والد نے بدیں غرض کہ شاید وہ تنگ آ کر بدعادتوں کو چھوڑ دے اور میری دختر کو اپنے گھر آباد کر لیوے عدالت میں دعوی دائر کر دیا عدالت نے بذریعہ سپاہ سے سخت تلاش کی لیکن اس کا کچھ پتہ نہ چلا کہ وہ کہاں گیا بعد ازاں عدالت نے اس کے مہر کی یکطرفہ ڈگری دیدی جب اس فیصلہ کو تخمیناً پنج سال گذر گئے تو اس عورت نے نان ونفقہ سے تنگ آ کر ایک شخص کے ساتھ ناجائز علاقہ پیدا کر لیا اور صاحب اولاد ہو گئی، جب انکے گاؤں والوں نے اس کو تنگ کیا اور حقہ پانی اس کا بند کر دیا تو اس نے ناچار آپ کی جناب عالی میں عریضہ بصورت استفتاء پیش کیا کہ میرا نکاح بوجہ مفقودیت زوج یا ان صورتوں کے جو ذکر کی گئی ہیں دیگر سے ہو سکتا ہے؟ اگر ہو سکتا ہے تو براہ مہربانی تحریر فرما کر مشکور فرما دیں۔

الجواب: قال فی العالمگیریة رجل زوج ابنتہ الصغیرة من رجل

علی ظن انہ صالح لا یشرب الخمر فوجدہ الاب شریبا مدمنا وکبرت الابنۃ فقالت لا ارضی بالنکاح ان لم یعرف ابوھا بشرب الخمر وغلبۃ اھل بیتہ الصالحون فالنکاح باطل ای یبطل وھذہ المسئلۃ بالاتفاق کذا فی الذخیرۃ اھ ص ۱۰ ج ۲ ۔ وفی رد المحتار قال فی البزازیۃ زوج بنتہ من رجل ظنہ مصلحا لا یشرب مسکرا فاذا ھو مدمن فقالت بعد الکبر لا ارضی بالنکاح ان لم یکن ابوھا یشرب المسکر ولا عرف بہ وغلبۃ اھل بیتہا الصالحون فالنکاح باطل بالاتفاق اھ ص ۵۳۶ ج ۲ ، وفیہ ایضا فرجح ان المعتبر صلاح الآباء فقط وانہ لا عبرۃ لفسقہا بعد کونہا من بنات الصالحین اھ ۔

صورت مسئولہ میں اگر لڑکی نے بعد جوان ہونے کے اس نکاح سے اپنی ناراضی ظاہر کی تھی تو یہ نکاح باطل ہوگیا اور یہ لڑکی دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے اور اگر جوان ہونے کے بعد اس نے نکاح سے ناراضی ظاہر نہیں کی یا رضامندی ظاہر کی تھی تو سوال دوبارہ کیا جائے واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد بامر سیدی حکیم الامت ۲۸ رجب ۴۴ھ ۔

معتدۂ وفات نے عدت کے اندر نکاح کرلیا اور چھ ماہ بعد تجدید نکاح کی تو نیا نکاح صحیح ہوگیا؟

سوال (۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ متوفی زید کی بی بی کو عدۃ وفات کے اندر یعنی چالیس دن رہتے عمرو نے نکاح کرکے اس سے وطی کرتا رہا اور نکاح کے بعد ان دونوں کے تفریق نہ ہوئی اور نہ اس عورت نے مابقی عدۃ وفات کو بھی پورا کیا اس حالت میں رہتے ہوئے زید کی وفات کی مدت چھ مہینے گزر جانے کے بعد عمرو نے اس عورت کو بعض مولوی صاحب کے حکم سے ثانیا نکاح کرلیا ہے فتاوی عالمگیری میں باب العدۃ میں مرقوم ہے ۔ ولو تزوجت فی عدۃ الوفاۃ فدخل بہا الثانی ففرق بینہما فعلیہا بقیۃ عدتہا من الاول تمام اربعۃ اشہر وعشر وعلیہا ثلث حیض من الآخر ویحتسب بما حاضت بعد التفریق من عدۃ الوفاۃ کذا فی معراج الدرایۃ وھکذا فی المبسوط والبنایۃ المطلقۃ اذا حاضت حیضۃ ثم تزوجت بزوج آخر ووطئہا الثانی وفرق بینہما وحاضت حیضتین بعد التفریق کان لہذا الزوج الثانی ان یتزوجہا لانقضاء عدۃ الاول الخ ان عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مابقی عدۃ وفات پورا کرنا اس عورت پر واجب ہے بغیر پورا کرنے عدت وفات کے عمرو کا نکاح

اس سے ثانیاً بھی درست نہیں اگرچہ مدت وفات زید کی چھ مہینے سے گذر گئی ہو لیکن بعض مولوی صاحب
کا قول ہے کہ جب عمر نے اس عورت کو زید کے مرنے سے چھ مہینہ کے بعد پھر ثانیاً نکاح کر لیا ہے تو وہ نکاح
درست ہوا ہے اور ما بقی عدت وفات بغیر تفریق کے بھی اسی حالت میں پوری ہو گئی ہے چونکہ مسئلہ مذکورہ
کے بارہ میں چول تنازع ہوتا ہے اور جناب عالی دین متین و وارث سید المرسلین ہیں لہذا دفع تنازع
اور حقیقت مسئلہ دریافت کے لئے جناب عالی میں عرض پرداز ہوں کہ متوفی زید کی بی بی کو اس وقت
عمر سے جدا کر کے ما بقیہ عدۃ وفات پوری کرنا اس پر واجب ہے یا نہیں جناب از روئے مہربانی و شرع
پرور کے بادلائل شرعیہ بیان فرمائیں اور نکاح ثانی جائز اور عدت وفات پورا نہ ہونے کی تقدیر پر
عمر اگر اس عورت کو پھر نکاح کرے تو عالمگیری و مبسوط کے قول ولو تزوجت فی عدۃ الوفاۃ
کے رو سے تین حیض پورا گذر جانے یا صرف ما بقیہ عدۃ وفات چالیس دن گذر جانے کے بعد نکاح
کرے از روئے شرع ارشاد فرمائیں ۔ بینوا توجروا ۔

الجواب: اگر معتدۃ الوفاۃ عدۃ کے اندر نکاح کرے تو عدت وفات کا تمام ہونا تفریق پر
موقوف نہیں بلکہ چار ماہ دس دن گذر جائیں گے (وهی غیر حامل) تو عدت پوری ہو جائے گی
اب اگر یہ مدت تفریق سے پہلے ہی گذر گئی تو زوج ثانی کو اس سے ثانیاً نکاح کر لینا معاً درست ہے
اور اگر چار ماہ دس دن گذرنے سے پہلے ان دونوں میں تفریق ہو گئی تو عورت کو ما بقی عدت کا پورا کرنا
ضروری ہے ما بقی عدت پورا ہو جانے کے بعد زوج ثانی کو تو معاً اس سے نکاح درست ہے اور
دوسروں کو بعد تفریق کے تین حیض گذر جانے کا بھی انتظار کرنا لازم ہوگا عالمگیری کی عبارت
مرقومۃ السوال کا مطلب یہ ہے کہ عورت نے عدت وفات میں نکاح کر لیا اور عدت ہی میں زوج
ثانی نے دخول کیا اور عدۃ ہی کے اندر دونوں میں تفریق کر دی گئی تو اس عورت پر زوج اول کی باقی
عدۃ کا پورا کرنا ضروری ہے اور چونکہ زوج ثانی کے دخول سے بھی اس کے ذمہ عدۃ وطی بالشبہ لازم ہو گئی
ہے تو اگر وہ زوج ثانی کے علاوہ کسی اور سے نکاح کرنا چاہتی ہے تو اس پر تین حیض کا بھی تفریق کے
بعد سے انتظار کرنا ضروری ہے اور تین حیض کے گذرنے کے ساتھ ساتھ عدۃ وفات بھی گذرتی رہے
گی اھ ۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر عدۃ وفات بحالت نکاح فاسد پوری ہو چکی ہو تب بھی دونوں میں تفریق
کی اور تفریق کے بعد عدۃ وفات پورا کرنے کی ضرورت ہے ۔ کلا وحاشا ۔ قال فی الدر
مبدأ العدۃ بعد الطلاق وبعد الموت علی الفور وتنقضی العدۃ وان جهلت
المرأۃ بهما ای بالطلاق والموت لانها اجل فلا یشترط العلم بمضیه اھ ص ۱۰۳ ج ۲

فی البحر والدلیل علی انها اسم للاجل لا للفعل انها تنقضی من غیر فعل التربص بان لم تجتنب عن محظورات العدة حتی انقضت المدة ولو کانت فعلا لما تصور انقضاؤها مع ضدها وهو الترک سلمنا انه کف لکنه لیس برکن فی الباب بل هو تابع بدلیل انه تنقضی العدة بدونه (ای بدون الکف عن المحظورات، الی ان قال ولما کان الرکن هو الاجل عندنا وهو مضی الزمان لا یتوقف وجوبه علی العلم به کمضی سائر الازمنة ثم قد ثبت انه لا یتوقف علی فعلها اصلا وهو الکف فانها لو علمت (بالموت) فلم تکف ثم تجتنب ما تجتنبه المعتدة حتی انقضت المدة انقضت عدتها اھ

ص ۱۹۰ و ۱۹۱ ج ۳ ۔ اس عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ انقضاء عدت عورت کے تربص اور کف عن المحظورات پر موقوف نہیں بلکہ انقضاء عدت کے لیے صرف مدت کا پورا ہو جانا کافی ہے پس صورت مسئولہ میں جب معتدہ ۶ ماہ تک زوج ثانی کے پاس رہی تو اگر وہ غیر حاملہ ہو اس کی عدت پوری ہوگئی اور عمرو کا نکاح جو پہلے شوہر کی موت کے ۶ ماہ بعد کیا ہے اس کے ساتھ درست ہوگیا اور عدت وفات ختم ہو جانے کے بعد تین حیض کے گذرنے کا انتظار عمرو پر لازم نہیں ہاں اگر یہ عورت عمرو سے تفریق حاصل کرکے کسی دوسرے سے نکاح کرنا چاہتی تو دوسری کو عدۃ وفات گذرنے کے ساتھ بعد از تفریق عمرو تین حیض گذرنے کا بھی انتظار لازم ہوتا قال فی رد المحتار عن البحر واذا تمت عدۃ الاول یحل للثانی ان یتزوجها لا لغیرہ ما لم تتم عدۃ الثانی بثلاث حیض من حین التفریق اھ ص ۲۲۳ ج ۲ ۔

(تنبیہ) عدت وفات کا تمام ہونا تو اس پر موقوف نہیں کہ جو نکاح فاسد عدت میں کیا گیا ہے اس سے تفریق ہو تب ہی عدت گذرے عدت وفات بحالت بقاء نکاح فاسد بھی تمام ہو جائے گی البتہ تداخل عدتین تفریق پر موقوف ہے ۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ معتدہ وفات پر عدت میں نکاح و دخول بالثانی کرنے سے دوسری عدت وطی بالشبہ کی وجہ سے لازم ہو جاتی ہے جبکہ وہ زوج ثانی کے علاوہ کسی اور سے نکاح کرنا چاہے اور اگر وہ زوج ثانی ہی سے نکاح کرنا چاہے اس کا حکم اوپر گذر چکا ہے ۔ اب اس کی دو صورتیں ہیں (۱) یہ کہ ان دونوں میں عدت کے اندر ہی تفریق ہو جائے اس صورت میں تین حیض تفریق کے بعد گذرنے کے ساتھ عدت وفات بھی پوری ہو جائے گی ۔ (۲) یہ کہ ان دونوں میں عدت وفات کے اندر تفریق نہیں ہوئی بلکہ چار ماہ دس دن

www.ahlehad.org

کے بعد تفریق ہوئی اور ان چار مہینوں اس کو تین حیض بھی آ چکے بس صورت میں صرف عدت وفات تمام ہوئی عدت وطی بالشبہ باقی ہے اگر یہ عورت کسی تیسرے سے نکاح کرنا چاہے تو اس کو تین حیض تفریق کے بعد گذارنا واجب ہے قال فی الدر المختار فلو کانت وطئت بعد حیضة من (العدة) الاولى فعليها حيضتان تكملة للاولى وتحتسب بهما من عدة الثاني فاذا حاضت واحدة بعد ذلك تمت الثانية ايضا نهر وهذا اذا كان بعد التفريق بينها وبين الواطي الثاني اما اذا حاضت حيضة قبله (اي قبل التفريق) فهي من عدة الاولى خاصة اھ ص ۲۰۰ ج ۲۔

اس عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ زوج اول کی عدت تو بدون تفریق کے تفریق سے پہلے بھی تمام ہو سکتی ہے البتہ واطی عدت اول وثانی بدون تفریق کے نہیں ہو سکتی۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ بامر سیدی حکیم الامۃ ۔ ۱۰ شوال سنہ ۴۳ھ۔

نکاح باطل وفاسد کی تعریف اور بعض صورتوں کا حکم

سوال (۱۰۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نکاح فاسد اور باطل کسے کہتے ہیں۔ باعتبار تعریف واحکام وغیرہ ان دونوں میں کچھ فرق ہے یا نہیں شامی نے الدر میں لکھا ہے کہ ان دونوں میں کچھ فرق نہیں بعض دوسرے فقہاء نے فرق لکھا ہے۔ ایسی صورت میں ترجیح کس قول کو ہوگی؟

ایک عورت منکوحہ ہوتے ہوئے اس کی بہن سے بھی نکاح کر لیا فاسد ہے یا باطل۔ فتاوی عالمگیری القسم الرابع المحرمات بالجمع میں ہے وان تزوجهما في عقدتين فنكاح الاخيرة فاسد ويجب عليه ان يفارقها ولو علم القاضي بذلك يفرق بينهما فان فارقها قبل الدخول لا يثبت شيء من الاحكام وان فارقها بعد الدخول فلها المهر ويجب الاقل من المسمى ومن مهر المثل وعليها العدة ويثبت النسب ويعتزل عن امرأته حتى تنقضي عدة اختها كذا في محيط السرخسي اس میں ثانی کو فاسد کہا ہے رد المحتار اور دیگر کتب میں باطل لکھا ہے ان دونوں میں قول محقق ومفتی بہ کیا ہے؟

اس دوسری عورت سے جو اولاد پیدا ہوگی وہ عبارت عالمگیری کی بناء پر ثابت النسب ہو کر ناکح کی وارث ہوگی یا نہیں؟ جن فقہاء نے نکاح ثانی کو باطل کہا ہے ان کے نزدیک ثبوت نسب اور وراثت کا کیا حکم ہے دونوں کے نزدیک عورت ناکح سے وارث ہوگی یا محروم؟

اس کے اور نیز ولد کے وارث ہونے کے متعلق بھی تحقیق و مفتیٰ بہ قول رقام فرمائیں ان تمام سوالات کے متعلق ذرا مفصل اور مدلل جواب تحریر فرمایا جائے جس سے طالب علم تردد اور خلجان سے محفوظ رہے والسلام۔

الجواب: قال فی الدر ویجب مهر المثل فی نکاح فاسد وهو الذی فقد شرطا من شروط الصحة کشهود اه وفیه ایضا ویثبت النسب احتیاطا بلا دعوة اه قال الشامی ومثله تزوج الاختین معا ونکاح الاخت فی عدة الاخت ونکاح المعتدة والخامسة فی عدة الرابعة والامة علی الحرة وفی المحیط تزوج مسلمة فرق بینهما لانه وقع فاسدا اه فظاهره انهما لا یحدان وان النسب یثبت فیه والعدة ان دخل بحر؛ قلت لکن سیذکر الشارح فی آخر فصل فی ثبوت النسب عن مجمع الفتاویٰ نکح کافر مسلمة فولدت منه لا یثبت النسب منه ولا تجب العدة لانه نکاح باطل اه وهذا صریح فیقدم علی المفهوم فافهم ومقتضاه الفرق بین الفاسد والباطل فی النکاح لکن فی الفتح قبیل التکلم علی نکاح المتعة انه لا فرق بینهما فی النکاح بخلاف البیع نعم فی البزازیة حکایة قولین فی ان نکاح المحارم باطل او فاسد والظاهر ان المراد بالباطل ما وجوده کعدمه ولذا لا یثبت النسب ولا العدة فی نکاح المحارم ایضا کما یعلم مما سیأتی فی الحدود الی ان قال وسیأتی فی باب العدة انه لا عدة فی نکاح باطل وذکر فی البحر هناک عن المجتبیٰ ان کل نکاح اختلف العلماء فی جوازه کالنکاح بلا شهود فالدخول فیه موجب للعدة اما نکاح منکوحة الغیر ومعتدته فالدخول فیه لا یوجب العدة ان علم انها للغیر لانه لم یقل احد بجوازه فلم ینعقد اصلا قال فعلی هذا یفرق بین فاسده وباطله فی العدة ولهذا یجب الحد مع العلم بالحرمة لانه زنا کما فی القنیة وغیرها اه والحاصل انه لا فرق بینهما فی غیر العدة اما فیها فالفرق ثابت وعلی هذا فیقید قول البحر هنا ونکاح المعتدة بما اذا لم یعلم بانها معتدة لکن یرد علی ما فی المجتبیٰ مثل نکاح الاختین معا فان الظاهر انه لم یقل

لحد بجوازه ولكن لينظر وجه التقييد بالمعية والظاهر ان المعية في العقد لان ملك المتعة اذ لو تأخر احدهما عن الآخر فالمتأخر باطل قطعاً اهـ (ص ٥٠٥ ج ٢) وفيه ايضاً عن الخانية لو تزوج محرمه لاحد عليه عند الامام وعليه مهر مثلها بالغا ما بلغ اهـ وصرح في البحر ان المواضع التي يجب فيها المهر بسبب الوطء بشبهة فليس المراد بالمهر فيها مهر المثل المذكور هنا لما في الخلاصة ان المراد بالمهر العقر وتفسير العقر أنه بكم تستأجر لنا فلو كان حلالا يجب ذلك القدر اهـ ملخصا وقال ابن عابدين في حاشيته ان في التاتارخانية في وجوب المهر بلا نكاح ذكر ما هنا معزيا الى المحيط ثم اعقبه بقوله وفي الحجة روي عن ابي حنيفة قال تفسير العقر هو ما يتزوج به مثلها وعليه الفتوى اهـ فظهر ان في المسألة خلافا وان المفتى به خلاف ما هنا اهـ (ص ١٤٣ ج ٣) وفي الدر في باب الحد ولا حد ايضا بشبهة العقد اي عقد النكاح عنده اي الامام كوطء محرم نكحها وقالا ان علم الحرمة حد وعليه الفتوى خلاصة، لكن المرجح في جميع الشروح قول الامام فكان الفتوى عليه اولى قاله القاسم في تصحيحه لكن في القهستاني عن المضمرات على قولهما الفتوى وحرر في الفتح انها من شبهة المحل وفيها يثبت النسب اهـ قال الشامي وكذلك نقل في الفتح عن الخلاصة ان الفتوى على قولهما ثم وجهه بان الشبهة تقتضي تحقق الحل من وجه وهو غير ثابت والا لوجب العدة والنسب ثم دفع ذلك بان من المشائخ من التزم وجوبهما ولو سلم عدم وجوبهما لعدم تحقق الحل من وجه فالشبهة لا تقتضي تحقق الحل من وجه لان الشبهة ما يشبه الثابت وليس بثابت اهـ ملخصا وحاصله ان عدم تحقق الحل من وجه في المحارم لكونه زنا محضا يلزم منه عدم ثبوت النسب والعدة ولا يلزم منه عدم الشبهة الدارئة للحد ولا يخفى ان في هذا ترجيحا لقول الامام قوله وحرر في الفتح الخ صوابه في النهر قال وهذا انما يتم بناء على انها شبهة اشتباه قال في البداية وهو

قول بعض المشائخ والصحیح انہا شبهة عقد لانه روی عن محمدؒ انه قال سقوط الحد بشبهة حكمية فيثبت النسب وهكذا ذكر في المنية اھ وهذا اصريح بان الشبهة في المحل وفيها يثبت النسب على ما مر اھ كلام النهر قلت وفي هذا زيادة تحقيق لقول الامام لما فيه من تحقيق الشبهة حتى ثبت النسب ويؤيده ما ذكره الخير الرملي في باب المهر عن العيني ومجمع الفتاوى انه يثبت النسب عنده لا عندهما اھ (ص ۲۲۴ ج ۳) وفيه ايضا تحت قول الدر وطئ محرم نكحها اي عقد عليها اطلق في المحرم فشمل المحرم نسبًا ورضاعًا وصهرية واشار الى انه لو عقد على منكوحة الغير او معتدته او مطلقته الثلاث او امة على حرة او تزوج مجوسية او امة بلا اذن سيدها او تزوج العبد بلا اذن سيده او تزوج خمسا في عقدة فوطئهن او جمع بين اختين في عقدة فوطئهما او الاخيرة لو متعاقبًا بعد التزوج فانه لا حد وهو بالاتفاق على الاظهر اما عنده فظاهر واما عندهما فلان الشبهة انما تنتفي عندهما اذا كان مجمعا على تحريمه وهي محرمة على التابيد بحر قلت وهذا هو الذي حرره في فتح القدير وقال ان الذين يعتمد على نقلهم كابن المنذر ذكروا انه انما يحد عندهما في ذات المحرم لا في غيرها كمجوسية ومعتدة وكذا عبارة الحاكم في الكافي تفيد ذلك ثم ذكرها فليراجع (ص ۳۳۲ ج ۳) وفي الدر في كتاب الفرائض (ص ۲۵۰ ج ۵) ويستحق الارث باحد ثلاثة برحم ونكاح صحيح فلا توارث بفاسد ولا باطل اجماعا اھ۔

ان عبارات سے امور ذیل مستفاد ہوئے:

(۱) نکاح میں بھی بطلان وفساد ہے اور فتح القدیر میں جو یہ کہا ہے کہ نکاح میں باطل وفاسد کی تقسیم جاری نہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ نکاح باطل نکاح ہی نہیں ہے پس اس کو نکاح سے موصوف کر کے باطل کہنا فضول ہے صرح به الشامي في حاشية البحر بقوله والذي ظهر لي ان المراد بالباطل في كلام البزازية في قوله نكاح المحارم فاسد ام باطل هو الذي وجوده كعدمه لا ان النكاح ينقسم الى باطل وفاسد اھ (ص ۴۰ ج ۳)

(۲) نکاح باطل وفاسد میں صرف باب عدۃ میں فرق ہے کہ باطل موجب عدہ نہیں ہے

اور فاسد موجب عدت ہے بقیہ احکام میں فرق نہیں۔

(۳) اور بعض عبارات میں جو نکاح باطل کی بعض صورتوں میں ثبوت نسب کی نفی کی ہے جس سے باطل و فاسد میں ثبوت نسب میں بھی افتراق معلوم ہوتا ہے وہ صاحبین کے قول پر مبنی ہے جو بعض کے نزدیک مفتی بہ ہے ورنہ امام صاحب تو نکاح محارم میں بھی ثبوت نسب کے قائل ہیں اور اس کو شبہۂ عقد میں داخل کرتے ہیں۔ اور شامی نے باب الحدود میں اسی کی تصحیح نقل کی ہے۔

(۴) نکاح باطل و فاسد دونوں میں عورت اور مرد میں توارث نہیں ہوتا۔

(۵) رہا مہر تو فاسد میں مہر مثل لازم آتا ہے جو مسمی سے زیادہ نہ ہوگا اور باطل میں بھی مہر مثل لازم ہے جتنا بھی ہو خواہ مسمی کے برابر یا زائد کما مر عن الصحابیۃ فی نکاح المحرم

(۶) دو بہنوں سے آگے پیچھے نکاح کیا جائے تو دوسرا باطل ہے دوسری عورت مرد کی وارث نہ ہوگی مگر دوسری عورت قربت و وطی سے مہر خاندانی کی مستحق ہے اور امام صاحب کے نزدیک دوسری کی اولاد ثابت النسب بھی ہے اور صاحبین کے نزدیک بظاہر ثابت النسب نہ ہونا چاہئے مگر عبارت باب الحدود سے معلوم ہوتا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ امام سے صاحبین کا اختلاف صرف نکاح محارم کا ہے جیسے محارم ابدیہ میں بقیہ محرمات کے نکاح میں اختلاف نہیں اور ان میں وہ بھی نکاح کو موجب شبہہ مانتے ہیں تو اس بنا پر نکاح اختین میں صاحبین کے نزدیک بھی اولاد کا نسب ثابت ہونا چاہئے پس صورت مسئولہ میں دوسری عورت مسماۃ افضل خود یا زاہد کی وارث نہیں نہ اس کے ذمہ عدت واجب ہوئی البتہ اس کی اولاد مثل اولاد زوجۂ اولیٰ کے ساتھ ترکہ کی وارث ہے۔ اور مسماۃ افضل مہر مثل کی مستحق ہے۔ تقسیم ترکہ و خروج البطون خود فرمائیں۔ واللہ اعلم۔ ۲ ربیع الاول ۳۵ھ

نکاح معتدہ **سوال** (۱) میری بیٹی کو خاوند نے طلاق دیدی اور عدت کے صرف آٹھ دن کے بعد میں نے اس کا نکاح دوسری جگہ کر دیا تھا۔ اب سنا ہے کہ یہ نکاح نہیں ہوا اس کو کئی سال سے گذر گئے اولاد بھی ہو چکی اب کیا کیا جائے یہ اولاد حلالی ہے یا حرامی اب دونوں کا نکاح کر دیا جائے تو آئندہ کے لئے گناہ سے حفاظت ہو جاوے گی یا نہیں؟

الجواب: بیشک یہ نکاح ثانی عدت کے اندر ہوا ہے اس لئے درست نہیں ہوا اور ان دونوں کا اب دوبارہ نکاح کر دینا ضروری ہے اور اس زمانہ میں جو وطی ہوئی ہے وہ وطی بالشبہ کے حکم میں ہے اگر زوجین اپنے نکاح کو نکاح ہی سمجھتے تھے۔ اور وطی بالشبہ سے اولاد حرامی نہیں ہوتی اور اگر زوجین اول ہی سے اپنے نکاح کو حرام سمجھے ہوئے تھے تو صرف دوبارہ کیا جائے اور صورت

مذکورہ میں زوج اول کی عدت تو تمام ہو چکی ہے پس اگر اس وقت نکاح صحیح زوج ثانی کے ساتھ ہی کیا جائے تو پس اور عدت کی ضرورت نہیں اور اگر زوج ثانی کے علاوہ کسی اور سے کیا جائے تو ایک اور عدت لازم ہوگی والسلام ۔ ۲۰ جمادی الاولیٰ سنہ ۴۲ھ ۔

نو مسلمہ سے قبل از انقضاء عدت نکاح کا حکم

سوال (۲) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس صورت میں کہ زید نے ایک غیر مسلمہ منکوحہ کو اغوا کر کے مسلمہ بنا لیا اور بغیر انقضاء عدت کے اس کے ساتھ وطی کرتا رہا اور وہ عورت زید سے حاملہ بھی ہو گئی اور بعد دو ماہ کے زید نے اس عورت سے نکاح کر لیا تو آیا یہ نکاح جائز ہے یا ناجائز ہے بینوا توجروا ۔

الجواب ! فی العالمگیریۃ (ص ۲۹۵ ج ۲) واذا اسلم احد الزوجین فی دار الحرب ولم یکونا من اھل الکتاب او کانا والمرأۃ ھی التی اسلمت فانہ یتوقف انقضاء النکاح بینھما علی مضی ثلاث حیض سواء دخل بھا او لم یدخل بھا کذا فی الکافی فان اسلم الآخر قبل ذلک فالنکاح باق ولو کانا مستامنین فالبینونۃ انما بعرض الاسلام او بانقضاء ثلث حیض کذا فی العنایۃ اھ اس عورت سے جواز نکاح تین حیض گذرنے پر موقوف ہے پس اگر وقت نکاح زید تک اس عورت کو تین حیض آچکے تھے تب تو یہ نکاح درست ہو گیا اور اگر تین حیض نہیں آئے تھے تو یہ نکاح درست نہیں ہوا بعد وضع حمل کے تجدید نکاح کی جائے اور اس وقت تک اس عورت سے قربت وغیرہ اور تقبیل و لمس سب حرام ہے ۔ واللہ اعلم ۔ ۲۲ رجب سنہ ۴۲ھ ۔

حکم نکاح بین الرضیعین

سوال (۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید و بکر دونوں آپس میں رضاعی بھائی بہن اس طرح پر کہ ایام رضاعت میں زید نے بکر کی ماں کا دودھ پیا اور بکر نے زید کی ماں کا ۔ زید و بکر کی مائیں خالدہ و زبیدہ دونوں حقیقی بہنیں ہیں ۔ زید کا عقد (ہندہ) کے ساتھ سنہ ۴۰ھ میں ہوا جو بکر کی علاتی حقیقی (یعنی نسبی) بھتیجی ہے اور اسی طرح (ہندہ) زید کی رضاعی بھتیجی ہے ۔ زید و بکر کی رضاعت کا علم بوقت نکاح و قبل نکاح خاندان کے ہر چھوٹے بڑے کو تھا اور خود ہندہ و زید اور اس کے والدین بھی بخوبی جانتے تھے لیکن زید و بکر کے رضاع سے اس کا خیال کسی کو قبل نکاح یا بوقت نکاح نہ ہوا کہ اس رضاعت کی حرمت کا اثر (ہندہ) تک جاتا ہے اور ہندہ زید کے لئے محل نکاح نہیں ہے اور بعد نکاح بھی عرصہ تک کسی کا خیال باوجود علم رضاعت منتقل نہ ہوا کہ زید و ہندہ بوجہ رضاع چچا اور بھتیجی ہیں ۔

مسئلہ کی تحقیق و آگاہی ہو۔ جبکہ نکاح کو بارہ تیرہ سال گذر چکے اور چند اولاد بھی ہوگئیں اور دونوں بیٹے زندہ موجود بھی ہیں (بکر) کا چھوٹا بھائی (عمر) جو بزمانہ عقد اپنی پھوپی ہندہ کے بہت کم سن تھا جب سن تمیز کو پہونچا اور تحصیل علوم وغیرہ میں مشغول ہوا تو فقہ کی کتابوں میں اس نے رضاعت کا بیان پڑھا اس وقت سے یہ خیال ہوا کہ میری پھوپی ہندہ کا جو عقد زید سے ہوا وہ بوجہ رضاعت غلط ہوا چونکہ رضاعت کا علم خاندان کے ہر چھوٹے بڑے کو تھا وہ سب جانتے تھے کہ زید و بکر رضاعی بھائی ہیں اس کی تحقیق و صحت کو معلوم کرنا تھا عمر نے اپنی پھوپی ہندہ کو خاموشی سے حرمت و فساد نکاح سے آگاہ کیا اور چونکہ ہندہ بھی ایک خاندان کی لڑکی ہے اور رضاعت مذکورہ کا اس کو ہمیشہ سے علم بھی تھا اور اسی طرح زید بھی بخوبی واقف تھا، بوجہ آگاہی مسئلہ دونوں نے خاموشی کے ساتھ علیحدگی اختیار کی اور اس وقت سے جس کو عرصہ تخمینًا ۸ سال کا ہوتا ہے بوجہ خوف حرمت رضاعت ایک دوسرے سے علیحدہ ہیں اور اس خاموش علیحدگی کو خاندان کے بہت سے لوگ جانتے ہیں مثلاً بکر، عمر زید کا باپ ہندہ کی ماں بہن بہنوئی وغیرہ۔ ہاں عام طور پر اعلان نہیں ہے اب بعض لوگ ایسے یہ کہتے ہیں کہ چونکہ حرمت رضاعت کا علم بہت عرصہ کے بعد ہوا ہے لہذا یہ معتبر نہیں ہے تم جس طرح آپس میں زن و شوہر کی طرح رہتے تھے رہو لیکن زید اس کو منظور نہیں کرتا زید کہتا ہے کہ عمر کا بیان شہادت نہیں ہے وہ تو ایک غلطی کی اطلاع ہے اگر خود میری نظر سے گذرتا تو بھی میں یہی کرتا اس لئے کہ رضاعت کا تو مجھ کو قبل نکاح علم تھا اور میں نے بچپن میں بارہا اپنی رضاعی ماں اور اپنی ماں سے اس وقت کے حالات سنے ہیں اور خاندان کے چھوٹے بڑے رضاعت سے آگاہ تھے اور میں جو کچھ لاعلمی اور جہالت سے ہوا وہ خدا معاف کرے اب علم و یقین ہوتے ہوئے کس طرح کروں۔ پس واقعات حالات مذکورہ کے بنا پر اب زید و ہندہ کو کیا کرنا چاہئے باہم زن و شوہر کے تعلقات پھر قائم کر لینا چاہئے یا ترک رکھنا چاہئے۔ نان و نفقہ بحالت علیحدگی زید پر واجب ہے گا یا نہیں۔ نکاح جو ہوا اعتبار کیا جائے گا اور اولاد کا نسب صحیح ہے یا نہیں مہر ذمہ زید کے کل واجب ہے یا نصف

بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مسئولہ میں زید کو لازم ہے کہ ہندہ کو اپنے لئے حرام سمجھے اور چونکہ ۸ سال سے دونوں میں علیحدگی ہو چکی ہے تو ظاہر ہے کہ عدت تین حیض بھی گذر چکی ہوگی پس اگر زید نے علیحدگی کے وقت ہندہ سے یہ لفظ بھی زبانی کہہ دیا ہو کہ تو میرے لئے حلال نہیں اس لئے اب میں تیرے ساتھ میاں بیوی کے تعلقات نہیں رکھتا بلکہ تجھ سے الگ رہوں گا تو

اب ہندہ کو اپنا نکاح جس سے چاہے کرسکتی ہے اور اگر بالفرض تین حیض نہ آئے ہوں تو تین حیض کے بعد جس سے چاہے نکاح کرے اور اگر زید نے صرف عملی علیحدگی اختیار کی ہے اور زبان سے علیحدگی اختیار نہیں کی تو ابھی ہندہ دوسرے سے نکاح نہیں کرسکتی بلکہ جب زید کسی سے زبانی علیحدگی ظاہر کردے اور اس کے بعد تین حیض گزر جائیں تب وہ اس کے نکاح فاسد سے علیحدہ ہوگی اور یہ علیحدگی دونوں پر واجب ہے زید کو چاہئے کہ اس کو طلاق دیدے یا زبان سے اتنا کہدے کہ میں تجھے الگ ہوتا ہوں اگر زید یہ لفظ نہ کہے تو ہندہ کو چاہئے کہ وہ شوہر کے سامنے یہ لفظ کہدے کہ میں تجھ سے الگ ہوتی ہوں ہر صورت میں یہ تعلق فاسد منقطع ہو جائے گا اور اس صورت مذکورہ میں اولاد سب حلال ہے اور ثابت النسب ہے اور ہندہ کے لئے زید پر مہر مثل بھی لازم ہے اگر مہر مقررہ مہر مثل سے زیادہ ہو اور اگر مہر مثل مہر مقررہ سے کم ہو تب بھی مہر مثل ہی دیا جائیگا قال فی الشامیة تحت قول الدر وعدة المنكوحة نكاحا فاسدا ای المنكوحة بغير شهود ونكاح امرأة الغير بلا علم بانها متزوجة و نكاح المحارم مع العلم بعدم الحل فاسد عنده خلافا لهما الى ان قال وتقدم فی باب المهر ان الدخول فی النكاح الفاسد موجب للعدة وثبوت النسب ومثل له فی البحر هناك بالتزوج بلا شهود وتزوج الاختين معا و الاخت فی عدة الاخت ونكاح المعتدة والخامسة فی عدة الرابعة والامة على الحرة اھ (۱۹۹ ج ۲) قلت وفی صورة المسئولة تزوج بالمحرمة مع عدم العلم بالحرمة فهو فاسد بالاتفاق لا باطل وفی الدر ويجب اى فی النكاح الفاسد بعد التفريق من القاضی او المتاركة ای اظهار العزم من الزوج على ترك وطئها بان يقول بلسانه تركتك بلا وطء ونحوه (كخليت سبيلك او فارقتك) ومنه الطلاق او انكار النكاح لو بحضرتها والا لا. لا مجرد العزم لو مدخولة والا فيكفی تفرق الابدان اھ قال الشامی قوله من الزوج قيد به لان ظاهر كلامهم انها لا تكون من المرأة قال فی البحر ورجحنا فی باب المهر انها لا تكون من المرأة ايضا ولكن ذكر مسكين موردها ان تقول فارقتك اھ ورجحه باتفاقهم على ان لكل منهما فسخ هذا النكاح والفسخ متاركة اھ (ص ۱۰۰۴ ج ۲) فی الدر المختار (و يجب مهر المثل فی نكاح فاسد بالوطء) فی القبل (لا بغيره) ولم يزد مهر المثل (على المسمى) لرضاها بالحط ولو كان دون المسمى لزم مهر المثل (۵۲۵ ج ۲ شامی)۔ ۸ شعبان سنہ ۴۴

نو مسلمہ شوہر دار کافرہ کا قبل از انقضاء عدت نکاح جائز نہیں ہے

سوال (۱۱۳) کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس صورت میں کہ ہندوستان میں موجودہ حالت میں اگر کوئی غیر مسلمہ مشرف باسلام ہو۔ اور حالت کفر میں منکوحہ بھی ہو۔ زوج اور با اسلام سے انکاری بھی ہو۔ اس صورت میں نو مسلمہ کا نکاح وقت اسلام سے کتنے دن بعد جائز ہے۔ اگر فقہ حنفیہ کے اس اصل کو مد نظر رکھا جائے۔ کہ عورت مہاجرہ نہ ہو تو بعد گزرنے تین حیض کے بائنہ ہوتی ہے۔ زمانہ موجودہ میں اتنی مدت کا انتظار موجب ارتداد ظاہر ہوتا ہے۔ ضرورت وقت و اصل مذہب کے توافق کی صورت رقم فرما کر شکریہ کا مستحق بنئیں۔

الجواب : جب تک اس نو مسلمہ کو اسلام لانے کے بعد تین حیض نہ آجائیں اس وقت تک اس کا نکاح کسی دوسرے شخص سے جائز نہیں۔ اور جس عورت کے لئے اتنی مدت کا انتظار موجب ارتداد ہو اس کا اسلام ہی قابل اعتبار نہیں۔ کیونکہ اسلام یہ ہے کہ مسلمان ہونے والا حکم شرعی کا پابند ہو نہ یہ کہ وہ قانون شرعی کو اپنا پابند بنانا چاہے پس ایسے شخص کے مرتد ہونے سے کچھ رنج نہیں۔ بس ہم سمجھیں گے کہ اس نے پہلے ہی سے اسلام کو اسلام سمجھ کر قبول نہیں کیا تھا۔ بلکہ محض شہوت رانی کے لئے اس نے اسلام کا نام لیا ہے۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ، ۲۰ محرم سنہ ۵۳ھ۔

نعم الجواب الذی لا یتجاوز عنہ الصواب۔ اشرف علی، ۲۲ محرم سنہ ۵۳ھ۔

دوران عدت نکاح کی ایک صورت کا حکم

سوال (۱۱۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ زید نے مسماۃ ہندہ کو طلاق دیدی بعد از طلاق پانچ یوم بعد قبل انقضائے عدت ہندہ نے عمرو سے نکاح کر لیا دس برس تک عمرو کے گھر میں اسی نکاح سے یعنی جو کہ قبل از انقضاء عدت ہوا تھا رہی، عمرو کو لوگ کہتے رہے کہ تو عدت گزار کر نکاح پھر سے کر لو تب عمرو نے دس برس بعد ایک روز بیٹھے بیٹھے نکاح پھر کر لیا اور دوبارہ نکاح ہونے کے بعد عمرو نے ہندہ کو طلاق ثلثہ دیدی اب پھر ہندہ اور عمرو کا باہمی سلوک ہو گیا ہے اور پھر وہ باہمی نکاح کرنا چاہتے ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ عمرو نے جو نکاح دس برس بعد کیا تھا اس میں بھی طلاق کی عدت گزارنی چاہیے تھی بعدہ نکاح کرنا چاہیے تھا انہوں نے ایسا نہیں کیا لہذا بعد از طلاق بلا حلالہ نکاح عمرو کے ساتھ ہو سکتا ہے اب دریافت طلب صرف یہ امر ہے کہ ہندہ کا نکاح عمرو سے بلا حلالہ ہو سکتا ہے یا حلالہ کرنے کے بعد ہو سکتا ہے جواب باصواب دیجئے۔

الجواب : صورت مسئولہ میں دوبارہ جو نکاح کیا گیا وہ صحیح ہو گیا تھا اس لئے اس کے بعد تین طلاق دینے سے حرمت مغلظہ ہو گئی اب بدون حلالہ عمرو سے نکاح نہیں ہو سکتا جو لوگ

یہ کہتے ہیں کہ دس سال کے بعد جو نکاح کیا گیا اس میں بھی عدت طلاق لازم تھی یعنی عورت کو زوج ثانی کے جدا کردینے اور تفریق کے بعد عدت گذرنے پر نکاح کیا جاتا تب صحیح ہو سکتا تھا، ان کا یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ عدت کے اندر نکاح کرنے سے اس عدت میں اضافہ نہیں ہوتا وہ مدت از وقت طلاق سے تین حیض آنے تک ختم ہو جاتی ہے البتہ بعض صورتوں میں خود اس نکاح فاسد کی وجہ سے دوسرے شخص کے لئے عدت واجب ہوتی ہے یعنی دوسرا کوئی شخص نکاح کرنا چاہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ بدون تفریق اور تفریق کے بعد عدت گذرے بغیر نکاح کرے اور اگر خود وہی شخص نکاح کرے کہ جس نے عدت سابق میں نکاح کیا تھا تو اس کے لئے اس نکاح فاسد کی وجہ سے عدت واجب نہیں کی

قال الشامي فلو كانت وطئت بعد حيضة من الاول فعليها حيضتان تكملة للاول وتحتسب بهما من عدة الثاني فاذا حاضت واحدة بعد ذلك تمت الثانية ايضا نهر وهذا اذا كان بعد التفريق بينهما وطئ الواطئ الثاني اما اذا حاضت حيضة قبله فهي من عدة الاول خاصة وتمامه في البحر عن الجوهرة (ص ٥٠٣ ج ٢) وفي الصفحة الاتية واذا تمت عدة الاول حل للثاني ان يتزوجها لا لغيره ما لم يتم عدة الثاني بثلاث حيض من التفريق وفيه ايضا (ص ٥٠٥ ج ٢) اما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة ان علم انها للغير لانه لم يقل احد بجوازه فلم ينعقد اصلا وبعد سطر قال فعلى هذا فيقيد قول البحر هنا ونكاح المعتدة بما اذا لم يعلم بانها معتدة الخ

کتبہ الاحقر عبد الکریم گمتھلوی عفی عنہ ٢٠ر٢ر ٣٥ھ

الجواب صحیح، ظفر احمد عفی عنہ۔

دوران عدت نکاح ثانی کی ناجائز صورت کا حکم

سوال (١٤) عرض ہے کہ ایک لڑکی کا نکاح گیارہ سال کی عمر میں نابالغی کی حالت میں ہوا اور دو ایک مرتبہ خاوند کے مکان پر بھیجی گئی لیکن ایک شب کے واسطے بلائی گئی اور خاوند کے ساتھ تنہا لیٹنے کا اتفاق ہوا ممکن ہے کہ صحبت ہوئی ہو لیکن لڑکی نابالغ تھی پھر وہاں کبھی خاوند کے مکان پر نہیں گئی باہمی تکرار کی وجہ سے اور چار سال ماں باپ کے مکان پر بیٹھی رہی آئندہ اتفاق کی صورت نظر نہ آنے کی وجہ سے چار سال بعد جبکہ لڑکی بالغ ہو چکی

عه ای فی وجوب العدة منه

تھی اور عمر بھی پندرہ سال ہو چکی تھی خاوند نے طلاق دیدی طلاق دینے کے بعد ایک ماہ چار دن کے لڑکی نے دوسرا نکاح کرلیا نکاح سے پہلے تحقیقات کرنے سے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ خاوند سابقہ کے یہاں جو شب کو رہی تھی خاوند سے علیحدہ رکھی گئی تھی اسی پر علماء نے بلا عدت نکاح کا حکم دے دیا نکاح ثانی ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ خاوند سابقہ سے صحبت یا خلوت کا اتفاق رہا اب اس صورت میں جبکہ طلاق کے ایک ماہ اور چار دن بعد بلا عدت ہونے کے ناواقفی کی وجہ سے نکاح کرلیا یہ نکاح جائز ہوا یا نہیں اور اگر نکاح ناجائز ہو تو عدت کب سے شمار کی جاوے۔ تاریخ طلاق سے جو کہ لڑکی کو خاوند نے دی تھی یا جب سے صحبت کا پوچھا تا کہ خاوند سے معلوم ہوا تھا اس وقت سے کیونکہ طلاق سے ایک ماہ چار دن بعد تو نکاح ہوا اور نکاح ہونے کو پندرہ روز ہوئے کل ایک ماہ انیس دن ہو چکے ہیں یہ عدت میں شمار کئے جائیں گے یا کیا اور ایام عدت میں موجودہ خاوند سے عورت علیحدہ رہے یا کیا بعد طلاق لڑکی کو ایک مرتبہ حیض بھی بیس یوم کے بعد آیا فقط جواب جلد مطلع فرمایا جاوے؟

تنقیح: (۱) اس سوال کے متعلق چند امور دریافت طلب ہیں ان کا جواب آنے کے بعد انشاء اللہ حکم شرعی لکھا جاوے گا۔

(۱) دوسرے نکاح سے قبل خلوت و صحبت کی تحقیق کس سے کی گئی تھی؟

(۲) اور اب کون کون صحبت کو بیان کرتا ہے اگر پہلے اس لڑکی یا زوج سابق نے انکار کیا تھا اور اب وہی اقرار کرتے ہیں تو انکار سابق کی وجہ کیا بیان کرتے ہیں؟

(۳) اگر لڑکی اور زوج سابق خلوت اور صحبت کے بارے میں اختلاف رکھتے ہیں تو یہ بھی لکھا جاوے کہ دوسرے گھر والے کیا کہتے ہیں؟

(۴) دوسرے خاوند سے اب تک صحبت یا خلوت ہوئی یا نہیں؟

(۵) اگر ہوئی تو زوج سابق سے صحبت کا علم ہونے کے قبل یا بعد؟

تمام واقعات اور بیانات مع اس سوال و تنقیح کے واپس کیا جاوے فقط۔ ۲۰ ربیع ۱ ۴۸ھ

جواب تنقیح: (۱) لڑکی کے والدین سے پوچھا گیا تو معلوم ہوا کہ سابق خاوند سے خلوت کا اتفاق ہی نہیں ہوا (۲) دوسرا نکاح ہونے کے بعد خود لڑکی نے دریافت کرنے پر اقرار کیا کہ سابق خاوند سے مجھے خلوت اور صحبت دونوں کا اتفاق ہوا ہے۔ اتفاق سابق شادی کے دن صرف دو تین گھنٹہ کے لئے ہوا اس کے بعد پھر سابق خاوند سے ملنے کا اتفاق ہی نہیں ہوا۔

جس کو چار سال ہو گئے۔

(۳) سابق خاوند سے تو پوچھنے کا اتفاق نہیں ہوا لیکن لڑکی خود خلوت اور صحبت دونوں کی معترف ہے لیکن اس کے گھر والے اس کے خلاف ہیں۔

(۴) دوسرے (یعنی موجودہ) خاوند سے صحبت کا کئی مرتبہ اتفاق ہوا اور اب تک ہے۔

(۵) زوج سابق سے صحبت کا علم ہونے کے بعد صحبت کا کئی مرتبہ اتفاق ہوا۔ لڑکی بیان کرتی ہے کہ جب سے مجھے سابق خاوند نے تین طلاق دی ہیں اس کے بعد ایک حیض آیا اور پھر دوسرا نکاح ہونے کے بعد ایک حیض آیا اور اب ان دنوں میں تیسرا حیض جاری ہے۔

یہ بھی لڑکی سے کہا گیا کہ تو نے نکاح کے پہلے خلوت کا ذکر کیوں نہیں کیا تو لڑکی نے جواب دیا کہ مجھ سے کسی نے اس بارے میں کچھ نہیں پوچھا۔

یہ بھی واضح ہو کہ دوسرا نکاح ہونے کے بعد پہلی ہی رات کو غالباً صحبت کے بعد اول خاوند کو صحبت ہونے کا علم ہو گیا اور اس دوسرے خاوند کو بھی نکاح ہونے میں شک رہا بلکہ بار بار یہ خیال اس کے دل میں آتا رہا کہ نکاح نہیں ہوا لیکن پھر بھی وہ اس وقت تک اس سے صحبت کرتا رہا اور پھر لڑکی سے بھی کہہ دیا کہ نکاح نہیں ہوا۔ البتہ دوسرے لوگوں اور اس کے والدین کو ابھی تک اس کا علم نہیں۔ اب شرعی حکم بتلایا جاوے کہ نکاح ہوا یا نہیں اگر نہیں ہوا تو اب پھر نکاح کر سکتا ہے یا نہیں۔ نیز جبکہ لڑکی کو طلاق کے بعد تیسرا حیض بھی شروع ہو گیا، اب اس حیض کے پورا ہونے کے بعد نکاح کرے یا کیا؟

(نوٹ) زوجین کو اس دیدہ دانستہ جسارت اور احکام شرعیہ کی مخالفت پر سخت تنبیہ کی گئی اور زوجین میں علیحدگی اور توبہ و استغفار کی تاکید کر کے سوال پھیر کر واپس کر دیا کہ توبہ و استغفار کے بعد مکرر سوال کیا جائے۔ پھر سوال مکرر آیا جس میں زوجین کا علیحدہ ہو جانا ظاہر کیا اس پر زوجین کو آئندہ کے لئے عاجزی کے ساتھ توبہ و استغفار کرتے رہنے کی ترغیب دی گئی اور مندرجہ ذیل جواب دیا گیا۔

الجواب: اب دوبارہ اس زوج ثانی سے نکاح ہو سکتا ہے تیسرے حیض ختم ہونے کے بعد زوج اول کی عدت طلاق گزر چکی ہے اور زوج ثانی سے نکاح ہو سکتا ہے البتہ اگر کوئی اور شخص اس زوج ثانی کے علاوہ اس عورت سے نکاح کرنا چاہے تو اس سے ابھی نکاح نہیں ہو سکتا بلکہ اس عورت کو زوج ثانی کے جدا کر دینے کے بعد سے تین حیض آنا شرط ہے کما فی الشامی

تحت قول الدر: والمرئی من الحیض منهما، وهذا اذا كان بعد التفریق بینهما وبین الواطی الثانی اما اذا حاضت حیضة قبله فهی من عدة الاول خاصة وتمامه فی البحر عن الجوهرة الی ان قال وفی البحر عن الخانیة واذا تمت عدة الاول حل للثانی ان یتزوجها لا لغیره ما لم تتم عدة الثانی بثلاث حیض من التفریق وهكذا فی العالمگیریة الا انه لم یذکر حکم الحیض قبل التفریق واللہ اعلم بالصواب۔ احقر عبد الکریم عفا عنہ، ۱۶ ربیع ۲ ۵۳ھ۔

الجواب صحیح: ظفر احمد عفا عنہ۔

اقرار نامہ کے خلاف ورزی کی صورت میں بیوی کے نکاح ثانی کی ایک صورت

سوال (۲۱): کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت اپنے خاوند سے ناراض ہو کر اپنے باپ کے گھر چلی گئی۔ کچھ عرصہ کے بعد شوہر نے رضامندی کے ساتھ حسب ذیل اقرار نامہ تحریر کیا۔ اس میں مبلغ چھ روپیہ ماہوار دینے قرار پائے۔ جبکہ شوہر نے تقریباً آٹھ ماہ تک کچھ نہیں دیا تو زوجہ نے اس کے بعد اس اقرار نامہ کی رُو سے اپنے آپ کو مطلقہ سمجھ کر شوہر مذکور کی زندگی میں دوسرا نکاح کرلیا اور کئی سال اس کے گھر میں رہی۔ مگر کسی نے زوج سے اس رقم کا مطالبہ بھی نہیں کیا جو اس نے اپنے ذمہ مقرر کرلی تھی لہذا یہ عقد جائز ہوا یا نہیں۔

نقل اقرار نامہ

منکہ حفیظ ولد نبی بخش قوم شیخ ساکن گوٹھ منگشیسر کا ہوں۔ جو کہ بابت نفقہ کے مبلغ چھ روپیہ ماہوار دینے قرار پائے اس کے ادا کرنے میں مجھ کو کسی وقت کوئی عذر نہ ہوگا اور مبلغ دو روپیہ ماہوار بچوں کے کپڑا دوا وغیرہ کے صرف کے واسطے میں نے مقرر کردئے ہیں۔ جو میں اس اقرار سے کسی قسم کا کوئی عذر کروں تو حق بی بی بچوں کے بالکل نفقے کی دست بردار ہوں گا۔ لہذا یہ چند کلمے بطریق اقرار نامہ کے لکھ دئے کہ سند ہوں اور بوقت ضرورت کام آوے۔ فقط۔

تنقیح: اقرار نامہ میں جو یہ لکھا ہے کہ "اس کے ادا کرنے میں مجھ کو کسی وقت کوئی عذر نہ ہوگا" اس کے متعلق وہاں کے محاورہ شناس لوگوں سے دریافت کر کے لکھا جائے کہ وہاں کے لوگ اس کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ میں خود رقم مقررہ دیدیا کروں گا یا یہ مطلب ہے کہ جب مانگا کرے گی جب ادا کرنے میں عذر اور حیلہ بہانہ نہ کروں گا۔

جواب تنقیح: اس عبارت کا محاورہ میں یہ مطلب ہوتا ہے کہ بلا مطالبہ رقم معینہ ادا ہوگا

ادا کرتا رہوں گا۔

الجواب: اگر جواب تنقیح کے موافق اس عبارت کا یہی مطلب متعین ہو کہ بلا مطالبہ ادا کرتا رہوں گا اور وہاں کے لوگوں کو سن کر اس کے خلاف کا شبہ نہ ہوتا ہو تو طلاق واقع ہو چکی ہے اور شوہر ثانی کا نکاح صحیح ہو گیا بشرطیکہ عدت کے بعد ہوا ہو اور اگر اس عبارت میں یہ شبہ بھی ہوتا ہو کہ مطالبہ کرنے پر رقم معینہ ادا کروں گا تو طلاق واقع نہیں ہوئی اور نکاح باطل ہے کما ھو الظاہر لیکن بہر حال زوج ثانی پر مہر واجب ہے صحت نکاح کی صورت میں تو مہر مقررہ اور فساد نکاح کی صورت میں مہر مثل اور مہر مقررہ دونوں میں سے جو کم ہو وہ واجب ہے کیونکہ ہمبستری کے بعد نکاح فاسد میں بھی مہر واجب ہوتا ہے فی العالمگیریہ (ص ۲۲۲ ج ۲) فان کان قد دخل بہا فلہا الاقل مما سمی لہا ومن مہر مثلہا ان کان ثمہ اھ فقط واللہ اعلم۔ کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ، مورخہ ۷ ربیع الثانی سنہ ۵۳ھ (ہ ضمیمہ ص ۶۲)

فصل فی الاولیاء والاکفاء

نابالغہ کا نکاح چچا نے کر دیا اور ماں ناراض ہو

سوال (۱): کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ دختر زید نابالغہ کا اس کا برادر حقیقی عمرو بعد وفات زید بلا رضامندی زوجہ زید جبراً نکاح اپنے فرزند سے کرے اس نیت سے کہ دختر مذکور کی والدہ یا اس کا ماموں کہ جو بعد وفات زید اس کے ہر طرح کے خرچ وغیرہ کا کفیل ہو رہا ہے کسی دوسری جگہ کر دیوے درست ہے یا نہیں؟ دختر مذکور مع اپنی والدہ کے جو قصبہ چھپرولی ضلع میرٹھ اپنے ماموں کے یہاں رہتی ہے کسی تقریب میں قصبہ شاملی گئی ہوئی تھی واپسی میں جس وقت گاڑی کیرانہ کے قریب آئی تو عمرو مذکور مع چند مردمان مسلح ہو کر آیا اور لڑکی کو زبردستی اتار کر اپنے مکان پر لے گیا اور اس کا نکاح بیٹے سے کر کے دختر مذکور کو چھپرولی اس کی والدہ کے پاس چھپرولی اس کے ماموں کے یہاں پہونچا دیا یہ نکاح درست ہے یا نہیں۔

الجواب: صورت مذکورہ میں دختر زید نابالغہ کا ولی شرعاً اس کا برادر حقیقی عمرو ہے دختر مذکور کی ماں یا اس کا ماموں ولی نہیں ہے لہذا عمرو نے جو نکاح اس دختر کا اپنے بیٹے سے کیا ہے وہ صحیح ہے بشرطیکہ نکاح خاندانی مہر پر ہوا ہو اور خاندانی مہر سے بہت زیادہ قلیل مہر پر نکاح نہ کیا ہو۔ قال فی الدر وان کان المزوج غیرہما ای غیر الاب وابیہ لا یصح

النكاح من غير كفو او بغبن فاحش اصلاً وان كان بكفو وبمهر المثل صح ولكن لهما اى الصغير والصغيرة خيار الفسخ بالبلوغ او العلم بالنكاح بعده اھ ملخصاً (ص ۵۰۰ و ۵۰۱ ج ۲ مصری) واللہ اعلم ۔ ۱۰ ربیع الثانی سنہ ۳۲ھ

اگر ماں باپ کی رضامندی سے نکاح ہو تو لڑکی کو خیار بلوغ نہیں ہے

سوال (۲) اس مسئلہ میں علماء دین کیا فرماتے ہیں جبکہ ایک شخص نے اپنی نابالغ دختر کا نکاح ایک بالغ لڑکے سے کیا اور اس لڑکی کا والد ہمیشہ شراب پیتا تھا نیز اس نے قبل از نکاح شراب پی ہوئی تھی اور بیہوشی کی حالت میں تھا اس نے عین نکاح کے وقت بکواس شروع کر دیا تو اس کے قریبی رشتہ داروں نے اس کو ایک مکان میں بند کر دیا لڑکی کی والدہ اور دادی اس جگہ موجود تھیں ان کی بھی مرضی تھی مگر بعد کچھ جدوجہد کے مشورہ کر کے لڑکے کی طرف سے ایک اقرار نامہ سرکاری کاغذ پر لکھوایا گیا پیشتر نکاح پڑھنے کے کہ میں اپنی زوجہ کو اپنی تمام زندگی میں رواج گزار کر اپنے گھر نہ لے جاؤں گا ہمیشہ بود و باش اپنے سسرال کے گھر رکھوں گا اور پانچسو روپیہ بابت مہر مؤجل عند الطلب ادا کروں گا نیز اگر میں اپنے شہر سے باہر کسی اور شہر یا ملک میں برائے روزگار چلا جاؤں تو پانچ روپیہ ماہوار خرچ نان پارچہ ادا کرتا رہوں گا بعد لکھا کر دینے کے اس کاغذ اقرار نامہ سے لڑکی کے والد کی تسلی کر دی گئی اور کاغذ دیدیا گیا یعنی لڑکی کے والد کو۔ اب اس نکاح کو عرصہ چھ سال کا گزر گیا اور لڑکی اب بالغ ہو گئی ہے اس عرصہ میں اس کا شوہر نہ اپنی زوجہ کو اپنے گھر لے گیا اور نہ بموجب اقرار نامہ اپنے سسرال میں آ کر رہا اور نہ کوئی خرچ نان پارچہ ادا کیا اب لڑکی اپنے بالغ ہونے پر بموجب شرع محمدی بذریعہ فتوا علماء صاحب اس نکاح کو فسخ کر کے اپنی مرضی سے اور کسی دوسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: خیار بلوغ اس وقت ہوتا ہے جبکہ باپ اور دادا کے سوا کوئی اور ولی نکاح نابالغہ کرے اور صورت مذکورہ میں یہ نکاح باپ کی اجازت سے ہوا ہے کیونکہ وہ بعد نکاح کے اس پر راضی رہا اس لئے صورت موجودہ میں لڑکی کو خیار بلوغ حاصل نہیں ہے واللہ اعلم ۔ ۱۸ رجب سنہ ۴۳ھ

ولی اقرب کے ہوتے ہوئے اگر ولی بعید نابالغہ کا نکاح پڑھا دے اور ولی اقرب سکوت اختیار کرے تو کیا حکم ہے

سوال (۳) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسئلہ مندرجہ ذیل مسائل میں: مسماۃ ہندہ یتیمہ نابالغہ کے دو حقیقی چچا عمرو و بکر اور ایک حقیقی چچا زاد بھائی زید جو ہندہ کا بہنوئی بھی ہے موجود ہیں زید نے اپنی حقیقی چچیری بہن مسماۃ ہندہ کا اپنی ولایت سے خالد کے ساتھ نکاح پڑھا دیا چونکہ عمرو و بکر دونوں چچا اپنے اپنے لڑکوں سے ہندہ کا

نکاح کرنا چاہتے تھے شریک مجلس نکاح نہ ہوئے نہ مجلس نکاح میں نکاح کے وقت خاموش رہے سو نکاح پڑھانے سے انکار کیا اور نہ ان کے پاس جا کر ہندہ کے نکاح مذکورہ کی اجازت حاصل کی گئی لیکن اب کچھ عرصہ کے بعد یہ کہتے پھرتے ہیں کہ ہندہ کا نکاح ہی نہیں ہوا۔ مندرجہ ذیل سوالات کی ضرورت

(۱) حقیقی چچا کی موجودگی میں حقیقی چچا زاد بھائی کی ولایت معتبر ہو سکتی ہے یا نہیں؟

(۲) یہ نکاح جائز ہوا یا نہیں، ورنہ ناجائز کی وجہ کیا ہے؟

(۳) کیا زید کا حقیقی بہنوئی اور حقیقی چچا زاد بھائی ہونا ہندہ کے معاملہ نکاح میں اس کی ولایت کو چچاؤں کی ولایت پر ترجیح دیتا ہے؟

(۴) اگر نکاح جائز ہو گیا تو کیا اب حقیقی چچاؤں کے انکار سے وہ فسخ ہو گیا؟

استفسار از مجیب: (۱) کیا اب بھی ہندہ نابالغ ہی ہے؟ (۲) جب اس نکاح کی خبر عمرو و بکر کو پہنچی انہوں نے سکوت کیا یا کچھ کہا اگر کہا تو کیا کہا یا خبر پہنچنے کے وقت سکوت کیا اور پھر کچھ کہا؟

جواب از سائل: (۱) ہندہ اب بھی نابالغہ ہے (۲) جب اس نکاح کی خبر عمرو و بکر کو پہنچی تو انہوں نے سکوت کیا چنانچہ ہندہ نکاح کے بعد کچھ عرصہ اپنے خاوند کے مکان پر رہ بھی گئی ہے۔ اب اہل محلہ کے کہنے سننے سے عمرو و بکر نے ایسا کہنا شروع کیا۔

الجواب: قال فی الخلاصۃ فی بیان ترتیب الاولیاء ثم العم لاب وام ثم لاب ثم بنوہم علی ھذا الترتیب اھ ص ۸ ج ۲، وفی الدر فلو زوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازتہ۔ قال الشامی تقدم ان البالغۃ لو زوجت نفسہا غیر کفو فللولی الاعتراض ما لم یرض صریحا او دلالۃ کقبض المہر ونحوہ فلم یجعلوا سکوتہ اجازۃ والظاہر ان سکوتہ ھنا کذلک فلا یکون سکوتہ اجازۃ لنکاح الابعد وان کان حاضرا فی مجلس العقد ما لم یرض صریحا او دلالۃ تامل اھ ص ۵۱۶ ج ۲۔ صورت مسئولہ میں حقیقی چچا کی موجودگی میں حقیقی چچا زاد بھائی ولی نہیں ہو سکتا اگرچہ وہ بہنوئی بھی ہو پس ہندہ کا نکاح چونکہ بلا اجازت ولی اقرب کے ہوا تھا وہ اولاً موقوف تھا اگر ولی اقرب اس کو جائز کر دیتا جائز ہو جاتا اور اس کا سکوت اجازت نہیں اب چونکہ ولی نے اس نکاح سے اپنی ناراضی ظاہر کر دی اور اس سے پہلے کوئی قول و فعل دال بر اجازت اس سے صادر نہیں ہوا بجز سکوت کے اس لئے ہندہ کا نکاح عقد سے باطل ہو گیا واللہ اعلم۔ ر شعبان سنہ ۳۱ھ -

احکام کفاءت اور اس بات کا بیان کہ نسب مرد میں معتبر ہے نہ کہ عورت میں

سوال (۲) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ (۱) کفاءت نسب شرعاً کن کن امور میں قابل اعتبار ہے؟

(۲) ایک شخص زید نے ایک عورت نومسلمہ سے جس کا باپ مشرک ہے نکاح کیا اس کی اولاد ہوئی وہ اولاد اور ایک شخص والدین کی جانب سے صدیقی ہے ان میں کون از روئے نسب افضل ہے اور ایک شخص سید ہو کہ جس کی ماں نومسلمہ ہو تو اس کی لڑکی کا کفو عربی النسل غیر قریشی ہو سکتا ہے یا نہیں اور قریشی اس کا کفو ہے یا نہیں؟

(۳) جس جگہ عربی النسل غیر قریشی باعزت سمجھا جاتا ہے اس جگہ وہ شخص کہ جس کی ماں مشرکہ ہو بعد میں مسلمان ہو گئی اور باپ سید ہے باعزت از روئے نسب ہے یا نہیں؟

(۴) ایک شخص کہ جس کے والدین سید ہیں اور ایک شخص کہ باپ سید ہے وہ اس کا کفو ہو سکتا ہے یا نہیں مع حوالہ کتب تحریر فرمایا جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: (۱) کفاءت نسب و اسلام و حریت و دیانت و مال و حرفت میں معتبر ہے۔

(۲) نسب کا اعتبار مرد سے ہوتا ہے نہ کہ عورت سے اگر عورت عجمی ہو اور باپ عربی ہو تو اولاد عربی صاحب نسب ہوگی اور کفاءت میں وہ ان لوگوں کے برابر ہے جن کے ماں باپ دونوں عربی النسل ہیں۔ قال العلامة عبد الحی فی فتاواه ناقلا عن شرح النخبة الولد يتبع الاب فی النسب لانه للتعريف والام لا تشتهر اهـ ونقل عن البرجندی لو تزوج هاشمی امة انسان فاتت بولد فهو هاشمی تبعا لابيه ورقيق تبعا لامه كما فی فتح القدير۔ وعن حاشية الدر للطحطاوی قوله ولا فی نسب ای لا يتبع امه فی نسب هذا نص صريح فی ان ابن الشريفة ليس بشريف وان كان له شرف۔ حموی اهـ ص ۲۹۲ ج ۲۔ وعن رد المحتار لابن عابدين من كانت امها علوية وابوه عجمی يكون العجمی كفوا لها وان كان لها شرف ما لان النسب للاباء ولذا اجاز دفع الزكوٰة اليها۔ فلا يعتبر التفاوت بينهما من جهة شرف الام ولم ار من صرح بهذا والله اعلم اهـ ص ۵۲۲ ج ۲۔ وفيه ايضا الكفاءة معتبرة من جانبه ای الرجل لان الشريفة تابی ان تكون فراشا للدنی ولذا لا تعتبر من جانبها لان الزوج مستفرش فلا تغيظه دناءة الفراش وهذا عند الكل

فی الصحیح اھ ص ۵۲۰ ج ۲۔ پس جس صدیقی کی ماں نومسلمہ ہے وہ اس صدیقی کا کفو ہے جس کے ماں باپ دونوں صدیقی ہیں گو اس کو فی الجملہ ایک شرف حاصل ہے مگر کفاءت میں اس کا اعتبار نہیں۔ اور وہ سید جس کی ماں نومسلمہ ہے نسباً سید ہے اور اس کی اولاد بھی سید ہے لہذا اس کی بیٹی کا کفو عربی النسل غیر قریشی نہیں ہو سکتا۔ ہاں قریشی اس کا کفو ہو سکتا ہے۔

(۲) بعض مشائخ کے نزدیک حسیب معزز نسیب کا کفو ہے۔ مگر یہ قول ضعیف ہے صحیح یہ ہے کہ حسیب نسیب کا کفو نہیں قال لو الحسیب کفو للنسیب حتی ان الفقیہ کفو للعلویۃ ذکرہ فی قاضی خان والعتابی فی جوامع الفقہ وفی الینابیع العالم کفو للعربیۃ والعلویۃ والاصح انہ لا یکون کفوا للعلویۃ کذا فی غایۃ السروجی اھ (ص ۱۵ ج ۲) عالمگیریہ۔ پس وہ سید جس کی ماں نومسلمہ ہے اس کا کفو عربی النسل غیر قریشی نہیں ہے گو معزز کیسا ہی ہو۔

(۴) ہاں کفو ہے۔ واللہ اعلم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفی عنہ بامر سیدی حکیم الامۃ دام مجدہم۔

۲۹، ذی القعدہ ۱۳۴۳ھ

جس جگہ سیدہ کا نکاح غیر سید کے ساتھ عار سمجھا جاتا ہو وہاں سید اور غیر سید میں کفاءت کا نہ ہونا

سوال (۵) جس ملک میں عورت سیدہ کے نکاح کرنے سے ساتھ غیر سید کے اس قدر فتنہ ہوتا ہو کہ ناکح اور اس کے اعوان شہود وغیرہ کو قتل کئے بغیر نہیں چھوڑتے ایسے ملک میں کہ تمام اقوام مسلمان عورت سیدہ کو مثل ماں بہن پھوپھی وغیرہ محرمات ابدیہ کے خیال کرتے ہیں ابتداء سید الشہداء سے تا حال اس جگہ سیدہ کا نکاح کسی غیر شخص سے نہ کیا اور نہ کسی نے ارادہ کیا۔ ایسی حالت میں فقہاء بعضہم اکثر بعض پر عمل کرکے فتوی جواز نکاح سیدہ با غیر سید کر اس کو قتل کرایا جائے یا کہ بنا بر قول محمدؒ بعد عبارت مذکورہ الا ان یکون نسبا مشہورا کاھل بیت الخلافۃ جس پر علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں حتی لا یکافؤ اھل بیت الخلافۃ غیرھم من القرشیین فی ذلک ان قصد بہ عدم المکافاۃ لا ان قصد بہ تسکین الفتنۃ اور ایک حدیث کی تحقیق کرکے فرماتے ہیں فبین ان الحکم مع العرف حتی یکون الحائک کفوا للعطار بالاسکندریۃ لما ھناک من حسن اعتبارھا وعدم عدھا نقصا غرض بنا بر عرف الناس کا قصدا ثارۂ فتنہ عدم جواز کا حکم ہوگا یا نہ؟ اور پھر اسے باب الکفو میں فرماتے ہیں وبالجملۃ فللحدیث اصل فاذا ثبت فیمکن تعصیلھا بالنظر الی عرف الناس فیما یحقرانہ

ویعیرونہ بہ جس سے صاف ظاہر ہے کہ ایسے ملک میں سیدہ کا نکاح ساتھ غیر سید کے زبوں جانتے بینوا توجروا۔

الجواب: قال فی الهدایة ولا یعتبر التفاضل فیما بین قریش لما روینا وعن محمد کذلک الا ان یکون نسبا مشهورا کاهل بیت الخلافة کانه قال تعظیما للخلافة وتسکینا للفتنة اھ قال فی العنایة یعنی قال محمد لا یعتبر التفاضل فیما بین قریش الا ان یکون النسب مشهورا فی الحرمة کاهل بیت الخلافة فحینئذ یعتبر التفاضل حتی لو تزوجت قرشیة من اولاد الخلفاء قرشیا لیس من اولادهم کان للاولیاء حق الاعتراض قال المصنف کانه یعنی محمدا قال ذلک تعظیما للخلافة وتسکینا للفتنة لا لانه اصل الکفاءة اھ وفی فتح القدیر حکی قول للشافعی ان الهاشمی والمطلبی اکفاء دون غیرهم بالنسبة الیهم اھ (ص ۱۹ ج ۳) ۔ جس ملک میں سیدہ کا نکاح غیر سید قرشی سے کیا جانا موجب عار شدید ہو جیسا کہ سوال سے معلوم ہوتا ہے وہاں قول محمدؒ کے موافق تسکین فتنہ کے لئے یہ فتوی دینا جائز ہے کہ قرشی غیر سید سیدہ کا کفو نہیں جس کی تائید امام شافعی کے قول سے بھی ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

۵ ذی الحجہ ۴۳ھ۔

دھوکہ سے غیر کفو میں نکاح کا حکم

سوال (۶) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسمی زید جس کا دماغ خراب تھا اور ایک عرصہ تک مجنونانہ حالت میں رہا تھا اور اس کے اقرباء نے ایک شخص مسمی بکر کو دھوکہ دیکر کہ اب اس کی حالت درست ہو گئی ہے زید کا نکاح ہمراہ دختر بکر کے پڑھوا دیا نکاح کے وقت لڑکی و لڑکا ہر دو بالغ تھے مجلس نکاح میں ایجاب و قبول زید کے ساتھ ہوا تھا مجلس نکاح میں جب وقت زید کو لایا گیا اس کے چہرے سے آثار جنون ضرور نمایاں تھے لیکن زید کے اقرباء نے بکر کو لفظوں سے ایسا اطمینان کیا کہ اس نے یعنی بکر نے اپنی دختر کنواری مسماۃ ہندہ بالغہ کا نکاح اپنی وکالت سے پڑھوا دیا لیکن لڑکی سے ایجاب قبول نہیں کرایا اور نہ حسب رواج اس وقت ہندہ کو رخصت کر کے زید کے گھر بھیجا گیا یہ قرار پایا تھا کہ ایک ہفتہ میں انتظام کر کے رخصتی ہو جاوے گی لیکن زید نے ہفتہ بھی ختم ہونے نہ دیا دو تین یوم کے بعد بلا اطلاع کسی طرف کو چلا گیا جس کو عرصہ تین سال سے زائد ہو گیا ہے مسماۃ ہندہ بدستور اپنے والدین کے گھر میں ہے اور تین سال سے زید کی اطلاع کبھی کہیں کبھی کہیں سے معلوم ہو جاتی ہے کہ فلاں مقام پر دیکھا گیا ہے ایسی حالت میں یہ نکاح جو ایک دھوکہ دیکر کیا گیا۔

بروئے شریعت جائز ہے یا ناجائز رہا؟ جو کچھ الفاظ تحریر کیے گئے ہیں ان میں سر مو فرق نہیں حلفیہ صدق دل سے بلا رو رعایت بخوف خداوند عالم و حضور سرور کائنات تحریر کئے گئے ہیں ۔

تنقیح :- (۱) لڑکی سے جو ایجاب قبول کرانا لکھا ہے اس کا کیا مطلب ہے آیا زبان سے تو نہیں کہتی یا باذن بھی نہیں یا اگر اذن لیا گیا تو وہ خاموش ہوئی یا کچھ کہا اور اگر نکاح کے وقت اذن نہیں لیا تو بعد نکاح کے جب اس کو اطلاع ہوئی تو کیا کہا اور اطلاع کس کے ذریعہ سے ہوئی؟

(۲) ایسا ہی سوال شاکر الدین صاحب محمد اللہ دیاں نے بھیجا تھا اس میں یہ بھی تھا کہ جب وہ مجنونانہ حالت میں کبھی کہیں کبھی کہیں ایسا دیکھا جاتا ہے۔ اس میں اس کے متعلق کچھ نہیں لکھا اگر یہ صحیح ہے تو اس حالت کو بیان کرنے والے عادل ہیں یا نہیں؟

(۳) نیز یہ بھی لکھا جائے کہ زید کا جنون مطبق ہے جو سال بھر یا سال کے اکثر حصہ میں رہتا تھا یا غیر مطبق ہے جو سال کے کچھ حصہ میں رہتا تھا اور زیادہ حصہ سال کا افاقہ میں گزرتا تھا ان سوالات کا جواب دیا جائے اور جواب کے ساتھ یہ پرچہ ضرور واپس کیا جاوے بھیجے پرچے کے واپس نہ کرنے کی وجہ سے دوبارہ تنقیح کی ضرورت ہوگی ۔

جواب تنقیحات :- (۱) یہ کہ لڑکی سے نہ اذن لیا گیا نہ ایجاب قبول کرایا گیا بلکہ بچی کی بلا رضا والدین نے اس کا نکاح بزعم ولایت پڑھوا دیا بعد نکاح جب اس کو اطلاع نکاح کی ہوئی تو اس نے ناراضی ظاہر کی اور یہ بھی کہا کہ میرے باپ نے مجھکو کیوں ڈبو دیا لیکن شرم و لحاظ کی وجہ سے والدین کے سامنے کچھ کہہ نہیں سکتی ۔

(۲) سوال شاکر الدین احمد کے متعلق تھا زید کی مجنونانہ حالت کی خبر اکثر بذریعہ مسلمان و معتبر اشخاص سے معلوم ہوئی ہے جس کو جھوٹ باور کرنے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی ۔

(۳) زید کا جنون مطبق ہے سال کا زیادہ حصہ جنون میں گزرتا ہے اور تھوڑا حصہ سکون میں اور جنون کی یہ حالت ہے کہ یا تو ہر وقت بولتا رہتا ہے یا یہ خاموش ہو جاتا ہے کہ ہفتوں بالکل چپ رہتا ہے لہذا التماس ہے کہ جواب باصواب سے مطلع فرمایا جائے ؟

الجواب واللہ موفق بالصواب ۔ صورت مسئولہ میں ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ بوجہ عدم کفاءت کے اور اولیاء زید کے دھوکہ دینے کے صحیح نہیں ہوا قال فی الدر ولکن فی النہر عن البحر عیبا فی المجنون لیس بکفو للعاقلۃ اھ قال الشامی نقلا عن النہر لانہ یفوت مقاصد النکاح فکان اشد من الفقر و دناءۃ الحرفۃ وینبغی اعتمادہ

لأن الناس يعيرون بتزويج العجوز أكثر من ذي الحرفة الدنيئة اهـ (ص ۳۲۳ ج ۲)
وفيه أيضاً الكفاءة معتبرة في ابتداء النكاح للزومه أو لصحته من جانبه أي
الرجل لأن الشريفة تأبى أن تكون فراشاً للدنيء اهـ قال الشامي معناه معتبرة في
اللزوم على الأولياء حتى أن عند عدمها فللولي الفسخ اهـ فتح وهذا بناء
على ظاهر الرواية من أن العقد صحيح وللولي الاعتراض أما على رواية الحسن
المختارة للفتوى من أنه لا يصح فمعتبرة في الصحة وكذا لو كانت الزوجة
صغيرة والعاقد غير الأب والجد فقد مر أن العقد لا يصح اهـ (ص ۴۱۰ ج ۲)
وفي الدر أيضاً ويفتى في غير الكفؤ بعدم جوازه أصلاً وهو المختار للفتوى لفساد
الزمان فلا تحل مطلقة ثلاثاً نكحت غير كفؤ بلا رضى ولي بعد معرفته إياه
فليحفظ اهـ قال الشامي قال شمس الأئمة وهذا أقرب إلى الاحتياط
كذا في تصحيح العلامة قاسم لأنه ليس كل ولي يحسن المرافعة والخصومة
ولا كل قاض يعدل ولو أحسن الولي وعدل القاضي فقد يترك أنفة للتردد
على أبواب الحكام واستثقالاً لنفس الخصومات فيتقرر الضرر فكان منعه
دفعاً له فتح قال وقوله نكحت نعت لمطلقة وقوله بلا رضى متعلق نكحت
وقوله بعد ظرف للرضى والضمير في معرفته للولي وفي إياه لغير الكفؤ وقوله
بلا رضى نفي منصب على المقيد الذي هو رضى الولي والقيد الذي هو بعد
معرفته إياه فيصدق بنفي الرضى بعد المعرفة وبعدمها وبوجود الرضى مع
عدم المعرفة ففي هذه الصور الثلاثة لا تحل وإنما تحل في الصورة
الرابعة وهي رضى الولي بغير الكفؤ مع علمه بأنه كذلك اهـ (ص ۴۱۳ ج ۲)
قلت والمسئلة وإن كانت مفروضة فيما إذا نكحت المرأة عاقلة بنفسها
ولكن لا فرق بين مباشرة الولي العقد وكونه عاقداً وبين مباشرة
المرأة برضى الولي وكونها عاقدة فكما لا يصح النكاح في الثاني بدون
معرفة الولي بالكفاءة فكذا إذا باشر الولي بنفسه العقد ولم يعلم
بها ودعوى الفرق بينهما لا يبالى إلا بالفارق المعتبر فإن الولي في نكاح
البالغة ليس إلا سفيراً محضاً وإنما يشترط وجوده حال عدم الكفاءة

لحصول اذنه ورضاه نطقاً ومباشرته العقد ومباشرة المرأة له برضاه فى ذلك سواء فكان حكمهما واحداً نعم ذكر فى بعض العبارات الفقهية ان الولى لو زوجها برضاها ولم يعلم بعدم الكفاءة ثم علم لا خيار لأحد الا اذا شرط الكفاءة او اخبروه بها وقت العقد فزوجها على ذلك ثم ظهر انه غير كفو كان له الخيار" ولوالجية" المتعين بصحة النكاح وثبوت الخيار للولى مبنى على ظاهر الرواية دون رواية الحسن المختارة للفتوى.

خلاصہ یہ ہے کہ درمختار میں جو بالغہ مطلقہ کے نکاح کو غیر کفو کے ساتھ بلا رضائے ولی کے ناجائز کہا ہے شامی نے اس کی چار صورتیں کی ہیں (۱) ولی کو اس شخص کا غیر کفو ہونا معلوم ہو اور ولی راضی ہو (۲) ولی راضی بھی نہیں اور اس کو عدم کفاءت کا علم بھی نہیں (۳) ولی راضی ہے مگر عدم کفاءت کا اس کو علم نہیں۔ ان تین صورتوں میں روایت حسن پر نکاح صحیح نہیں ہوتا صرف ایک صورت میں جائز ہے کہ ولی کو عدم کفاءت کا علم ہو اور اس پر وہ راضی ہو۔ میں کہتا ہوں کہ عورت کا خود بذاتہا نکاح کرنا اور ولی کا عدم الکفاءت سے ناواقف ہو کر اس عقد پر راضی ہونا۔ اور ولی کا عاقد نکاح ہونا اور عدم کفاءت سے ناواقف ہو کر راضی ہونا ان دونوں میں کچھ فرق نہیں۔ اس لئے جب کفاءت میں دھوکہ دیا جائے گا تو جو حکم خود عورت کے نکاح کرنے کا ہے وہی حکم ولی کے نکاح کرنے کا ہونا چاہئے اور جیسا کہ شق اول میں رضا ولی مع عدم معرفت بالکفاءت صحت نکاح کو کافی نہیں ایسا ہی ولی کے عاقد ہونے میں بھی اس کی رضا مع عدم المعرفۃ کافی نہیں۔

وايضاً فان المرأة فى صورة السوال بالغة وليس للولى ولاية الاجبار عليها بل يجب لصحة النكاح اذنها صراحة فى غير الكفو ويكفى سكوتها رضاً فى الكفو وههنا لم يوجد منها ما يدل على رضاها واذنها بل اظهرت عدم الرضا لما بلغها الخبر فلم يصح النكاح لهذا الوجه ايضاً قال فى الدر ولا تجبر البالغة البكر على النكاح فان استأذنها هو اى الولى وهو السنة او وكيله او رسوله او زوجها وليها واخبرها رسولها او فضولى عدل فسكتت او ضحكت غير مستهزئة او بكت بلا صوت فلو بصوت لم يكن اذنا فهو اذن اهـ قال الشامى واختلف فيما اذا زوجها غير كفو فبلغها فسكتت فقالا لا يكون رضا وقيل فى قول ابى حنيفة يكون رضا ان كان المزوج ابا او جدا وان كان غيرهما فلا كما فى الخانية اخذاً من

مسألة الصغيرة المزوجة من غير كفوء اھ قال في النھر وجزم في الھداية بالاول بلفظ قالوا اھ (ص ۴۲۷ ج ۲) قلت وظاھر كون المسئلة اتفاقية وعدم ذكر فيه خلاف ابي حنيفة ليس عنه رواية عنه وانما اخذه من مسئلة الصغير ولذا ذكره الشامي بلفظ قيل الدال على تضعيفه والله اعلم.

پس ہندہ صورت مسئولہ میں بدون طلاق وعدت کے کسی اپنے ہم کفو سے دوسرا نکاح کر سکتی ہے کیونکہ زید سے اس کا نکاح صحیح ہی نہیں ہوا اس لئے کہ ولی کو عدم کفاءت کا یعنی زید کے پاگل ہونے کا علم نہ تھا اور اس کو دھوکہ دیا گیا اور لڑکی نے بھی یعنی ہندہ نے خبر نکاح سنکر صراحۃً اجازت نہیں دی حالانکہ اس صورت میں صریح اذن کی ضرورت تھی محض سکوت کافی نہ تھا، واللہ اعلم۔

۶ صفر سنہ ۵۲ھ۔

مسلمان کنندہ کے ولایت سے نابالغہ نو مسلمہ کے نکاح کا حکم

سوال (۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ:

مسماۃ عیدیا جس کی عمر اس وقت میں ۱۱ سال کی ہے چمار کی لڑکی تھی۔ اس کی ماں مسماۃ جھنکویا نے بلا معاوضہ مسماۃ نصیباً کو (جو غیر قوم کی ڈھیمر تھی اور قریب ۱۵ سال ہوئے کہ مسلمان ہو گئی تھی) جبکہ مسماۃ عیدیا ۴ ماہ کی تھی نصیباً کو دے دیا مسماۃ نصیباً نے ۴ ماہ کی عمر مسماۃ عیدیا لڑکی کو مسلمان کرایا اب مسماۃ عیدیا ۱۱ سال کی ہے ۹ سال کی عمر میں نکاح برضامندی اپنے شوہر مسمی کریم کی اجازت سے زید کے نکاح میں دے دی گئی تو ایسی حالت میں نکاح جائز ہے یا نہیں یا پھر دوبارہ مسلمان ہو کر نکاح ہونا چاہئے؟ بینوا توجروا۔

تنقیح:- (۱) یہ نکاح مسماۃ عیدیا کے مسلمان ہونے کے بعد ہوا یا مسلمان ہونے سے پہلے؟

(۲) اس وقت مسماۃ عیدیا بالغ تھی یا نابالغ؟ کیونکہ بعض لڑکیاں نو سال کی عمر میں بھی بالغ ہو جاتی ہیں جس کی علامت حیض کا آنا ہے۔

(۳) اگر مسماۃ عیدیا نکاح کے وقت بالغ تھی تو اس نے اپنی زبان سے نکاح کی اجازت دی تھی یا نہیں؟ ان تنقیحات کے جواب کے بعد حکم نکاح بتلایا جائے گا اور طلاق کا حکم بھی صحت نکاح پر موقوف ہے اس کا حکم بھی بعد جواب تنقیحات بتلایا جائے گا جواب کے ساتھ یہ دونوں پرچے بھی بجنسہ واپس ہوں فقط۔ ۳۰ محرم سنہ ۵۲ھ۔

جواب تنقیحات: (۱) مسماۃ عیدیا ۴ ماہ کی عمر میں مسلمان ہوئی تھی۔ اور اسی مسلمانی کی حالت میں جب عمر ۹ سال ہوئی تو نکاح کیا گیا۔

(۲) مسماۃ عیدیا اس وقت میں نابالغ تھی۔ کوئی علامت بلوغ کی نہیں تھی (یعنی نکاح کے وقت وہ بالغ نہ تھی۔

(۳) مسماۃ عیدیا اس وقت میں یعنی نکاح کے وقت نابالغ تھی۔ اگر بالغ ہوتی تو اجازت دیتی۔ نابالغی کی صورت میں تعلقات زوجین اور زناشوئی کے معاملات سے قطعاً ناواقف تھی۔ اجازت دینا کیا۔

الجواب: مسماۃ عیدیا کا نکاح جو بحالت نابالغی مسمی زید سے ہوا تھا وہ نکاح شرعاً درست نہیں ہوا کیونکہ اس وقت مسماۃ عیدیا نابالغ تھی اور مسماۃ نصیبا یا اس کا شوہر کریم بخش شرعاً اس کے ولی نہیں تھے تو یہ نکاح صغیرہ بدون ولی ہوا۔ اور نکاح صغیرہ بدون ولی کے باطل ہے لہذا یہ نکاح باطل ہوا اور جب تک مسماۃ عیدیا بالغ ہو جائے اس وقت تک اس کا نکاح کسی کی ولایت سے نہیں ہو سکتا الا بولایۃ القاضی وہو مفقود فی بلادنا قال فی الدر ولا ینعقد للمسلط علیہ نکاح وبیع وکذا الاجارۃ فی الاصح لان الولایۃ علیہ فی مالہ ونفسہ للسلطان لحدیث السلطان ولی من لا ولی لہ اھ قال الشامی قولہ ولا ینعقد علیہ نکاح لانہ یعتمد الولایۃ من القرابۃ والملک والسلطنۃ ولا وجود لواحد منہا انتہی (ص ۲۹۰ ج ۲) بعد بلوغ کے مسماۃ عیدیا کی صریح رضا و صریح اجازت سے اس کا نکاح دوبارہ کیا جائے خواہ مسمی زید کے ساتھ یا جس کے ساتھ مسماۃ مذکورہ راضی ہو اور بلوغ کے بعد بھی اس کا سکوت قبل نکاح اذن نہ ہوگا واللہ اعلم۔ ۶ صفر سنہ ۴۵ھ۔

چودہ سال کی عمر میں لڑکی کا دعوی بلوغ اور باپ کا غیر کفو میں بلا اجازت اس کے نکاح کی ایک صورت کا حکم

سوال (۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر کے فریب میں آکر اپنی لڑکی ہندہ چودہ سالہ کا نکاح بکر کے لڑکے عمرو کے ساتھ ہونا منظور کیا اور بکر نے فوراً اپنے ہی مکان پر زید کی موجودگی میں نکاح براہ چالاکی کر دیا۔ زید کی لڑکی کو قطعی خبر نہیں وہ اپنے میکہ میں یعنی دوسرے گاؤں میں تھی ۱۱ ربیع الثانی ۴۴ھ کا دن گزر شب میں یہ واقعہ ہوا ۱۲ کی صبح کو جب زید اپنے مکان پر واپس گیا تو لڑکی کو اس نکاح سے منکر اور غیر رضامند پایا اور اپنے جملہ اہل قرابت کے طرف ملامت ہوا کیونکہ وجوہات مختلف یہ نکاح ناموزوں اور زید کو دھوکہ میں لاکر ہوا تھا زید

الگ ہیں زن ہندہ علیحدہ نالاں اس سال میں ۱۱ر تاریخ کا دن گذر گیا ۱۳ر تاریخ کو بکر کے گھوتوں کا ایک شخص آگیا جس سے بکر کے پاس زید کی جانب سے یہ پیام بھیجا گیا کہ ہندہ کو اس نکاح سے جس میں اس کے باپ زید کو مغالطہ دیکر رضا حاصل کی گئی سخت اختلاف اور قطعی انکار ہے اور وہ اس غم میں بیہوش ہے لہذا بکر اس نکاح کو فسخ و باطل متصور کرکے زید اور ہندہ کی جان چھوڑ دے کوئی فتنہ نہ کرے بکر اور اس کا لڑکا اس نکاح کو جائز اور باطل ہونے کے بیان کے ساتھ مصر ہے کہ ہندہ کی شادی اب دوسری نہیں ہوسکتی ازدواج مکرر شرعاً اور قانوناً نادرست ہے۔ ہندہ نے نکاح کی خبر پانے کے چودھویں یا پندرھویں روز اپنی جانب سے ایک نوٹس بنام بکر و ابن بکر بذریعہ ڈاک بھیجا کہ باپ بوڑھا کم عقل ہے، تو لوگوں کے فریب میں آگیا میں شرعاً بالغہ ہوں (لڑکی کی عمر نکاح کے روز تک پورے ۱۴ سال کی تھی) اس لئے بذریعہ نوٹس ہذا نکاح کی منظوری سے قطعی انکار کرتی ہوں آئندہ اس کا خیال ہرگز نہ کیا جائے پس بلحاظ حالات مذکورہ نکاح مذکورہ جائز ہے یا ناجائز اور ہندہ اپنا نکاح اپنی رضا سے کسی دوسرے شخص سے شرعاً کر سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

تنقیح:۔ ہندہ کی عمر جب نکاح کے وقت پوری چودہ سال کی تھی اور اس حالت میں وہ دعویٰ بلوغ کا کرتی تھی تو دریافت کیا جائے کہ اس وقت اس میں کونسی علامت بلوغ کی پائی گئی تھی اور یہ سوال اس طرح کیا جائے کہ کوئی عورت اس کو جواب سمجھانے نہ پائے۔

(۲) کیا ہندہ نے اس نکاح کی خبر سنکر اسی مجلس میں نکاح سے انکار کیا جس مجلس میں اس کو خبر پہونچی تھی یا اس مجلس میں سکوت کیا اور دوسری مجلس میں انکار کیا صاف لکھا جائے۔

(۳) بکر نے زید کو کیا فریب دیا اس فریب کی تشریح کی جائے اور زید بکر کے فریب میں کیوں آیا اس کو بھی واضح کیا جائے۔ اس کے بعد جواب دیا جائے گا یہ پرچہ بھی جواب تنقیح کے ساتھ واپس ہو فقط۔ ۲۸ ربیع الاول سنہ ۳۵ھ۔

جواب تنقیح:۔ عرض یہ ہے کہ لڑکی کے باپ نے کنبہ کی دو شناسا عورتوں کو لڑکی کے پاس بھیجکر دریافت کیا کہ نکاح کے روز تک کن علامات کی بنا پر اس نے اپنے کو بالغ سمجھا لڑکی نے جواب دیا کہ جو علامات بلوغ دنیا میں مسلمہ ہیں یا مجھ میں موجود تھیں چونکہ باپ بھی قریب سامنے موجود تھا لڑکی نے کہا کہ آپ کیوں نہیں لکھ دیتے کہ لڑکی بلاشبہ بطور علامات بلوغ بالغہ تھی؟ اس سے زیادہ کن لفظوں میں کہوں۔ کیا شرم و حیا کوئی چیز نہیں۔ عورتوں نے باپ کی ملامت کی اور کہا کہ بات تو صاف ہو گئی اب کیا صراحت چاہتے ہو وہ خاموش ہو گیا۔

(۳) نکاح کی خبر اندازاً آدھی رات کے وقت لڑکی کو ملی تو اس نے اظہار نفرت اور بالفاظ انکار رونے اور بین کے ساتھ ظاہر کئے اور فرط غم میں بیہوش ہو گئی لڑکی کی ماں نیز لڑکی بہن ہمخیال اور گھر میں شریک حال تھی اس بنا پر: کیا مجلس میں انکار سمجھا جا سکتا ہے۔

(۴) بکر نے زید کو یہ فریب دیا کہ کفو اور طبقہ حیدری اور رسم و رواج کے لحاظ سے وہ زید کے خاندان میں نہ بھی شادی کر سکتا تھا بحالت اعلان شادی کا ذرہ بھی ممکن تھی زید کے کنبہ کے لوگ بکر کے خاندانی حالات کو مختلف اعتبارات سے بہتر نہیں سمجھتے علاوہ ازیں بکر از قوم ملک وزید از قوم شیخ ذی رتبہ ہے دونوں میں باعتبار مختلف فرق امتیازی ہے بکر نے زید کو فریب اور مغالطہ دیکر یوں ہاں کہلوا لیا اگر یہ طریقہ مغالطہ آمیز بکر نہ اختیار کرتا تو بالاعلان مناکحت ناممکن تھی اور زید کے بھائی بشمول کنبہ و زید کی بیوی و لڑکی کبھی اس عقد ناموزوں کو گوارا نہ کرتے نہ کیا۔ زید بکر کے فریب میں یوں آیا کہ اس کے دروازہ پر بکر کا پڑھانے کے سلسلے میں مقیم تھا اور بوجہ قرابت یکم اعتبار کیا تھا اور چونکہ قدرۃً و خلقۃً زید نہایت کم عقل اور سادہ لوح ہے اس وجہ سے فریب میں آگیا۔ تنقیحوں کے جوابات بالتفصیل بحوالہ کتب جواب باصواب سے ممنون فرمایا جائے فقط والسلام۔

الجواب: قال في الدر وأدنى مدته له اثنتا عشرة سنة ولها تسع سنين هو المختار كما في أحكام الصغار فإن راهقا بأن بلغا هذا السن فقالا بلغنا صدقا إن لم يكذبهما الظاهر كذا قيده في العمادية وغيرها فبعد ثنتي عشرة سنة يشترط شرط آخر لصحة إقراره بالبلوغ وهو أن يكون بحال يحتلم مثله وإلا لا يقبل قوله شرح وهبانية وهما حينئذ كبالغ حكما فلا يقبل جحوده البلوغ بعد إقراره وفي الشرنبلالية يقبل قول المراهقين قد بلغنا مع تفسير كل منهما إذا بلغ بلا يمين اهـ قال الشامي وفي الشرنبلالية وعبارتها يعني وتفسير ما به علما بلوغهما وتقبل عليهما بيمين اهـ قال أبو السعود والظاهر أن هذا هو المراد بما نقله الحموي عن شرح درر البحار من أنه يشترط لقبول قولهما أن يبينا كيفية المراهقة حين السؤال عنه اهـ (ص ۱۳۸ ج ۵) وفي تنقيح الحامدية نقل عن شيخ الإسلام وهذا من باب الاحتياط (أي مطالبة التفسير عنهما) وإنما يقبل قوله بغير هذا التفسير وكذا الجارية إنها أتت بالحيض القول المشهور في كتب المذهب صحة الإقرار بالبلوغ من الغلام بعد اثني عشر

سنۃ ومن الجاریۃ بعد تسع سنین وقول شیخ الاسلام ان ھذا الاستفسار من باب الاحتیاط یفید انہ فعلہ القاضی فھو الاولی ثم قال بعد ذکر عبارۃ الحموی عن درر البحار وفی السراج عن الخانیۃ صبی اقر انہ بالغ وقاسم وصی المیت قال ابن الفضل ان کان مراھقا ویحتلم مثلہ یقبل قولہ وان کان مراھقا ویعلم ان مثلہ لا یحتلم لا تجوز قسمتہ ولا یقبل قولہ لانہ یکذب ظاھرا وتبین بھذا ان بعد اثنی عشرۃ سنۃ اذا کان بحال لا یحتلم مثلہ اذا اقر بالبلوغ لا یقبل اھ (ص ۵۰ ج ۲) قلت واطلاق المتون یدل علی قبول قول المراھقین بدون التفسیر اذا کانوا بحال یحتلم او تحیض مثلھم فلیعول علیہ ۔

صورت مسئولہ میں اگر یہ لڑکی جسم اور نقصان میں ایسی ہو کہ عادۃً ایسی لڑکی کو حیض آسکتا ہو اس کا دعویٰ بلوغ قبول کیا جائے گا اور جب وہ ایسی ہو تو اس کا نکاح مذکور کو سنتے ہی رد کرنا اس نکاح کے لیے مبطل ہوگا اور اگر وہ امتحان میں ایسی نہ ہو کہ اسے حیض آسکے تو سوال دوبارہ کیا جائے فقط۔

۳۰ ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ ۔

حکم تولیت نکاح یتیمہ

سوال (۹) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسمی زید فوت ہوگیا اس نے ایک بنت صغیرہ مسماۃ کریمہ زوجہ مسماۃ ہندہ اور اُم مسماۃ زینب چھوڑی اور اپنے حیات میں ایک ذی علم متدین شخص کو وصی مقرر کیا اور صغیرہ مسماۃ کریمہ کی تزویج کو بھی اپنے وصی کے حوالے کیا اب سوء اتفاق سے زندگی زوجہ ہندہ کو ایک شخص مفلس قلاش نے بغرض طمع اس کے جائداد کے برباد کرکے اس کو اس پر آمادہ کیا ہے کہ اپنا نکاح اس سے اور صغیرہ کریمہ کا نکاح اس کے بیٹے سے کردے لیکن صغیرہ کریمہ کی جدہ صحیحہ مسماۃ زینب کو اس امر سے سخت صدمہ اور الم اور اضطراب ہوتا ہے اور صغیرہ کو بھی تمام ضرر اور نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے پس اس صورت میں جب وصی کو ولایت نکاح نہیں اور متون عند عدم العصبات اُم کو اُم الاب پر مقدم لکھتے ہیں لیکن صاحب درالمختار نے ولی کی تعریف میں ما لم یکن متہتکا کا قید بھی لگایا ہے اور مسماۃ ہندہ بلا شک فاسقہ متہتکہ ہے پس بوجہ مصلحت وضرورۃ وتحفظا من الضرر التام للیتیمہ جدہ صحیحہ مسماۃ زینب یتیمہ کریمہ کا نکاح کسی اہل علم متدین الوالد سے کردے تو نکاح صحیح ہوگا یا نہیں بینوا توجروا مہربانی فرماکر جواب شافی مدلل عنایت فرماویں جو مسئلہ واقعی اور ضروری ہے۔

الجواب : قال فی الدر فان لم یکن عصبة فالولایة للام ثم لام الاب وفی القنیة عکسه اھ قال الشامی ای حیث قال فیہا ام الاب اولی فی التزویج من الام قال فی النہر وحکی عن خواہر زادہ وعمم النسفی تقدیم الاخت علی الام لانہا من قوم الاب ای فیکون من اعتبر تقدیم قوم الاب یرجح الجدة للاب والاخت علی الام لکن المتون علی ذکر الام عقب العصبات اھ

(ص ۵۱۲ ج ۲)

قال فی الدر ابا او جدا لم یعرف منہما سوء الاختیار مجانة وفسقا وان عرف لم یصح النکاح اتفاقا اھ قال الشامی والحاصل ان المانع ھو کون الاب مشہورا بسوء الاختیار قبل العقد فاذا لم یکن مشہورا بذلک ثم زوج بنتہ من فاسق صح وان تحقق بذلک انہ سیئ الاختیار واشتہر بہ عند الناس فلو زوج بنتا اخری من فاسق لم یصح العقد الثانی لانہ کان مشہورا بسوء الاختیار قبلہ بخلاف العقد الاول لعدم وجود المانع قبلہ اھ (ص ۴۹۹ ج ۲) قلت فعلی ھذا لا یمکن سلب الولایة عن الام بمجرد تنکبہا نعم لو افتی مفت فی مثل تلک الحالة بتقدیم ام الاب علی الام فللافتاء بذلک مجال لذھاب بعض المشائخ الی تقدیم قوم الاب علی الام فلینظر واللہ اعلم۔

صورت مسئولہ میں اگر جدہ صحیحہ یتیمہ مذکورہ کا نکاح بدون اجازت ام کر دے اور لڑکی کے مصالح دینیہ و دنیویہ کی پوری طرح رعایت کرے تو جدہ صحیحہ کا کیا ہوا نکاح صحیح ہوگا اور اگر بعد عدم بلوغ نکاح کیا جائے تو لحاظ کفو اور مہر مثل ضروری ہے غیر کفو میں یا مہر مثل سے کم میں نکاح نہ کیا جائے فقط واللہ اعلم۔

۲۶ جمادی الاولیٰ سنہ ۴۳ھ

سوال (۱۰) گونگے نے اپنی نابالغ لڑکی کی اشارہ سے بدون دیگر شادی کرادی بعد بلوغ لڑکی اس نکاح کو فسخ کرا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب : اگر وہ اشارہ ولایت میں کافی تھا تو وہ نکاح لازم ہوگیا بعد بلوغ فسخ نہیں کرا سکتی ۔

گونگے نے اشارے سے بدون دیگر
نابالغ لڑکی کی شادی کرادی تو
نکاح صحیح و لازم ہو جائے گا

فی الاشباہ والنظائر (ص ۲۹۲) الاشارة من الاخرس معتبرة قائمة مقام

العادة في كل شيئ الا ان تدل الآلة الحدود اهـ وفيه ايضا ولابد في اشارة الاخرس ان تكون معهودة والا لا تعتبر فقط۔ كتبه الاحقر عبد الكريم عفي عنه۔

صورت ذیل نکاح و جائداد نابالغاں

سوال (۱۱): کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ محمودہ نے انتقال کیا اور حمیدہ، سعیدہ اور صالحہ تین لڑکیاں نابالغان اور مسماۃ واجدہ ماں اور زید باپ کو وارث شرعی چھوڑا۔ حمیدہ، سعیدہ اور صالحہ نابالغان کے نکاح کے ولی ان کے حقیقی چچا کے لڑکے ہیں اور نابالغان کے پرورش کا حق شرعاً مسماۃ واجدہ کو ہے جو کہ نابالغان کی نانی ہے۔ مسئلہ جواب طلب یہ ہے کہ نابالغان حمیدہ، سعیدہ اور صالحہ کے مال واسباب وجائداد کی ولایت کس کو حاصل ہے آیا نانی جائداد وغیرہ کا انتظام کرکے اور تحصیل وصول کراکے نابالغان کی پرورش کرے یا وہ لوگ جائداد کا انتظام کریں جو کہ نکاح کے ولی ہیں اس مسئلہ میں سخت اختلاف واقع ہو رہا ہے جس سے نابالغان کو نقصان پہونچنے کا خطرہ ہے لہذا مفصل اور مدلل جواب تحریر فرماکر عنداللہ ماجور ہوں اور جو کچھ تحریر فرماویں اس کی دلیل شرعی بھی تحریر فرماویں ورنہ یتیموں اور نابالغوں کو نقصان پہونچے گا۔ بینوا توجروا۔

الجواب: ولایت مال یعنی تصرف وحفظ کی اصلاً باپ کے لئے ہے وہ نہ ہو تو اس کا وصی وہ نہ ہو تو دادا اور دادا کے بعد دادا کا وصی ولایت مال کا مستحق ہے ان چاروں میں سے اگر کوئی موجود ہو تو مال پر کسی قسم کی ولایت دوسرے شخص کو حاصل نہیں ہوتی لیکن جب یہ چاروں نہ ہوں تو جس کو پرورش کا حق ہے اس کو حفظ مال کی ولایت حاصل ہوتی ہے نہ ولایت تصرف یعنی جس کو ولایت حفظ حاصل ہے وہ بلا ضرورت مال یتیم میں تصرف نہیں کرسکتا نہ بلا ضرورت کوئی شے خریدنا جائز ہے نہ کسی شے کا فروخت کرنا جائز ہے بلکہ فقط ضرورت کی وجہ سے خرید وفروخت جائز ہے مثلاً کھانا کپڑا وغیرہ خریدنا جائز ہے اور اسی طرح نفقہ وغیرہ کی ضرورت سے کسی شے کا فروخت کرنا بھی جائز ہے البتہ جائداد غیر منقولہ کو کسی حال میں فروخت کرنے کی اجازت نہیں۔ فی کتاب الهبة من الهداية: واذا وهب لليتيم هبة فقبضها له وليه وهو وصي الاب او جد اليتيم او وصيه جاز لان لهؤلاء ولاية عليه لقيامهم مقام الاب وان كان في حجر امه فقبضها له جائز لان لها الولاية فيما يرجع الى حفظه وحفظ ماله وهذا من

نایبه لانه لایلی الا بالمال فلابد من ولایة التحصیل وقال صاحب الکفایة تحت قوله لان نفوذه الخ وفی لایتم ولا یجوز قبض غیر هؤلاء الاربعة اذا یملک الاربعة الاب ووصیه والجد اب الاب ووصیه مع وجود واحد منهم سواء کان الصبی فی عیال القابض اولم یکن وسواء کان ذا رحم محرم منه او اجنبیا لانه لیست لهؤلاء ولایة التصرف فی المال فقیام ولایة من یملک التصرف فی المال یمنع ثبوت حق القبض له ثم قال وان لم یکن احد من هؤلاء الاربعة جاز قبض من کان الصبی فی حجره وعیاله ولم یجز قبض من لم یکن فی عیاله لانه اذا کان فی عیاله فله علیه ضرب ولایة الخ (فتح القدیر ج ۷ ص ۱۲۳) وفی الهدایة ونوع آخر ما کان من ضرورة حال الصغار وهو شراء ما لا بد للصغیر منه وبیعه واجارة الاظآر وذلک جائز ممن یعوله وینفق علیه کالاخ والعم والام والملتقط اذا کان فی حجرهم واذا ملک هؤلاء هذا النوع فالولی اولی به الا انه لا یشترط فی الولی ان یکون الصبی فی حجره (هدایة اخیرین ص ۴۶۲ متفرقات کتاب الکراهیة) وفی الفتاوی الحامدیة ج ۲ ص ثم ان ما مر ان عامل الیتیم یملک بیع ما لا بد منه من نحو العقار من نحو المنقولات اما العقار فلیس له بیعه ولو مع وجود مسوغ له فی الدر المختار حیث قال وهذا ای بیع العقار لمسوغ لو الاب او وصی لا من قبل ام او اخ فانهما لا یملکان بیع العقار مطلقا ولا شراء غیر طعام وکسوة الخ تأمل اھ وقال صاحب البدائع فی تفصیل هذه المسئلة لان الوصی خلف الموصی قائم مقامه فلا یثبت له الا قدر ما کان للموصی وهو قضاء الدین والحفظ الخ (بدائع جلد ۵ ص ۱۵۵) جب معلوم ہوگیا کہ اولیاء اربعہ کے سوا ولایت مال اس کو پہنچتی ہے جس کو حق حضانت حاصل ہو اور یہ ظاہر ہے کہ صورت مسئولہ میں حق حضانت نانی کو حاصل ہے پس ولایت حفظ مال بھی نانی کو حاصل ہے۔

واللہ اعلم۔ احقر عبدالکریم عفی عنہ ۱۲ شوال ۴۳ھ۔

الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ۔ ۱۵ شوال ۴۳ھ۔

کفاءت کا اعتبار مرد کی جانب ہے

سوال (۱۲۲) معروض آنکہ زید نے اپنی بی بی ہندہ کو طلاق

مغلظہ دیدی پھر زید نے ہندہ کو بعد طلاق مغلظہ رکھ لیا اب وہ دونوں رہنے لگے بعدہٗ چند اولاد پیدا ہوئیں ایک لڑکا اور دو لڑکیاں زینب و بتول جب دونوں لڑکیاں بالغ ہوگئیں تو زید نے ان دونوں کی شادی کردیا زینب کے ایک لڑکا پیدا ہوا اس کے بعد اس کا شوہر انتقال کر گیا اب عمرو ایک ایسا شخص جس کی خاندان اپنے فعل شنیع اور ایسی نفسانیت سے بالکل پاک ہے بلکہ پشتہا پشت سے اس کی خاندان اچھا سمجھا جاتا ہے کہ بہت ہی لائق سلیم الطبع و دیندار تھے وہ زینب مذکورہ سے شادی کرنا چاہتا ہے تو اس کا نکاح اس سے بکراہت ہوگا یا بلا کسی کراہت کے اور جو اولاد اس سے پیدا ہوگی اس کے نسب میں نقصان پہنچے گا یا نہیں اور آئندہ نسل خراب ہونے کا ڈر ہے یا نہیں؟

الجواب ! فی العالمگیریۃ (ص۳ ج ۲) الکفاءۃ معتبرۃ فی الرجال للنساء للزوم النکاح کذا فی محیط السرخسی ولا تعتبر فی جانب النساء للرجال کذا فی البدائع فاذا تزوجت رجلا غیر کفء لھا فلیس للولی (ای لولی الرجل) ان یفرق بینھما فان الولی لا یتعیر بان یکون تحت الرجل من لا یکافئہ کذا فی شرح المبسوط للامام السرخسی وفی الدر المختار (ولا تعتبر من جانبھا) لان الزوج مستفرش فلا تغیظہ دناءۃ الفراش وھذا عند الکل فی الصحیح کما فی الخبازیۃ (شامی ص ۵۲۰ ج ۲) وفی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ (ص ۱۲ ج ۱) وجزم بعدم حمولہ علی احکام القرشیین لتصریح الفقہاء بان الولد یتبع اباہ یقین الخ ان عبارتوں سے معلوم ہوگیا کہ اگر کم درجہ کی عورت سے نکاح کر لیا جائے تو یہ موجب عار نہیں اور نہ اس سے نسب میں کچھ فرق آئے گا کیونکہ نسب باپ سے ثابت ہوتا ہے واللہ اعلم۔ احقر عبد الکریم عفی عنہ۔ ۸ جمادی الثانیہ سنہ ۳۳ھ۔

البتہ اس صورت میں جو اولاد پیدا ہوگی وہ نجیب الطرفین نہ ہوگی اس سے نسب میں تو فرق نہ ہوگا البتہ عمدگی نسب کی کم ہو جائے گی۔ ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔

بالغہ کا نکاح بلا اجازت اس کے باپ نے کر دیا الخ

سوال (۱۳) علماء دین و مفتیان شرع متین اس باب میں کیا ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک لڑکی بالغہ کے نکاح کے وقت اس کے ولی نے نہ تو اس کو مطلع کیا نہ اس سے اجازت چاہی بغیر اس کی اطلاع کے اس کا عقد کر دیا بعد عقد ہو جانے کے لڑکی بہت روئی اور بوقت رخصت بھی بہت روئی اور اس کے شوہر نے اس پر ہر قسم کا ظلم و تعدی کرنے میں کوئی کمی نہیں کی اور اس لڑکی کو اپنی جان تلف ہونے کا اندیشہ قوی ہے اور اب وہ اپنے

والد کے گھر ہے شوہر کے گھر جانے سے انکار کرتی ہے لہذا گذارش ہے کہ کوئی صورت عندالشرع اس کی خلاصی کی ہو سکتی ہے یا نہیں اور اگر ہو سکتی ہے تو وہ کیا صورت ہو سکتی ہے اور عقد مذکور صورت مذکورہ میں جائز ہوا یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: فی الشامی (ص ۲۹۰ ج ۲) وصرح به ایضاً فی الذخیرة حیث قال بعد حکایة الروایتین وبعضهم قالوا ان کان مع الصیاح والصوت فهو رد والا فهو رضی وهو الاوجه وعلیه الفتوی اھ اس سے معلوم ہوا کہ اس لڑکی کا رونا اگر ناراضگی کا اظہار کرنے کے واسطے آواز کے ساتھ چلا کر تھا تو نکاح صحیح نہیں ہوا البتہ یہ ضروری ہے کہ یہ رونا نکاح کی اطلاع ہوتے ہی پایا گیا ہو اگر نکاح کی خبر پا کر ذرا بھی اپنے اختیار سے خاموش رہی تو نکاح صحیح ہو گیا اور اس کے بعد رونے سے نکاح میں فرق نہ آئے گا۔ فی الدر (فسکتت) عنده مختارة قال الشامی اما لو اخذها عطاس او سعال حین اخبرت فلما ذهب قالت لا ارضی او اخذ فمها ثم ترک فقالت ذلک صح ردها لان سکوتها کان عن اضطرار اھ (ص ۲۹۰ ج ۲) اور جس صورت میں نکاح صحیح ہو گیا ہے اس صورت میں علاوہ طلاق کے کوئی صورت علیحدگی کی نہیں۔ احقر عبدالکریم ۲۷ رجب ۴۳ھ۔

الجواب صحیح۔ ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔ ۲۹ رجب ۴۳ھ۔

ماموں اور خالو نے بلا اطلاع نکاح بلا اس کی رضامندی کے کر دیا تو نکاح منعقد ہو جاتا ہے یا نہیں

سوال (۱۴۳): عرض خدمت میں یہ ہے کہ ایک لڑکی کے ماں باپ فوت ہو گئے تھے اس وقت وہ لڑکی تقریباً چودہ سال کی عمر کی تھی جس وقت اس لڑکی کے ماں باپ فوت ہوئے لیکن اس لڑکی کے ماں باپ نے اپنی زندگی میں رشتہ سگائی کر دی بعد فوت ہونے ماں باپ کے وہ لڑکی اپنے ماموں خالو کے یہاں اسی موضع میں آ گئی تھی جس موضع میں اس کے ماں باپ نے رشتہ سگائی کر دی تھی وہاں وہ آ کر کچھ عرصہ کے بعد ایک اپنے پھوپی برادری کے لڑکے کے اوپر عاشق ہو گئی یعنی جب یہ لڑکی عاشق ہوئی اسی سے اپنا نکاح چاہتی تھی اس کے ماموں خالو نے جس وقت یہ بات سنی کہ ایک اور دوسری جگہ اس لڑکی کا نکاح کر دیا براہ زبردستی کے وہ لڑکی وہاں دو تین مہینے رو رو کر چلی آئی اپنے ماموں کے گھر میں جس میں اس کے ماموں خالو بیٹھے تھے وہاں آ کر بعد ایک مہینہ کے اس لڑکے کو کہیں لے کر چلی گئی جس پر وہ عاشق تھی لہذا حضور اب وہ طلاق نہیں دیتے ہیں جن کے ساتھ میں اس لڑکی کا نکاح ہوا تھا اور نہ وہ اس کو اپنی زوجیت میں لیتے ہیں پس حضور سے ہم لوگ امیدوار ہیں کہ اس لڑکی کا نکاح اس

لڑکے کے ساتھ رہتی معشوق کے ، درست ہوسکتا ہے یا نہیں اور وہ لوگ طلاق تمام عمر نہیں دیتے ہیں عار دنیا کے سبب سے ۔

تنقیح : (۱) نکاح کے وقت لڑکی نے زبان سے اجازت دی تھی یا صاف انکار کیا تھا یا خاموش رہی تھی صاف لکھیں ۔

(۲) نکاح کے بعد خاوند کو ہمبستری کا موقع دیا تھا یا نہیں ان دونوں نمبروں کا جواب آنے پر مسئلہ بتلایا جاویگا اور یہ دونوں پرچے بھی ساتھ بھیجیں اور کسی صاف لکھنے والے سے لکھوا کر بھیجیں ۔

جواب تنقیح : جس وقت وہ لڑکی لڑکے کے ساتھ نکل گئی ۱۳۴۲ھ میں لڑکی کی عمر اس وقت بیس سال کی ہوگئی تھی اور اس لڑکے کے ساتھ میں گئے ہوئے عرصہ دو سال کا ہوگیا ہے اب عمر لڑکی کی بائیس سال ہوئی ہے جس وقت وہ لڑکی ماموں اور خالو کے یہاں آئی اس وقت اس کی عمر بیس سال کی تھی اور نکاح جس وقت اس کے ماموں اور خالو نے اس کی بلا مرضی کے دوسری جگہ کیا اور اس وقت بھی عمر لڑکی کی بیس سال کی ہوگئی تھی اور اس نکاح پر رضامند نہیں تھی ہم نے خوب اچھی طرح سے حال دریافت کیا ہے ان لوگوں سے جو اس وقت نکاح کے وقت موجود تھے ان لوگوں نے یہ بات کہی ہے کہ ہمارے سامنے نکاح لڑکی کا ہوا ہے مکان چوپال میں، در مکان زنانہ میں نکاح نہیں ہوا ہے بوجہ اس کے کہ وہ لڑکی مسماۃ مقصودن صاف انکار کریگی کیونکہ اس لڑکی کی رضامندی تو اسی لڑکے سے ہے جس پر وہ ہمیشہ سے رضامند ہے لہذا حضور کو معلوم ہو کہ اس لڑکی کے ماموں اور خالو نے نکاح چوپال میں اس واسطے کیا تاکہ ہماری ہتک ان دس آدمیوں میں انکاری ہونے سے نہ ہوئے یہ کام نکاح کا سب پردہ ہو جائے ایسا ہی ہوا نکاح پڑھنے کے بعد وقت دس بجے رات کے اس لڑکی کا ماموں بنام میر حجت رضا او ولی محمد اور عمرا نمبردار ان تینوں آدمیوں نے اپنی ایک رائے ملا کر اس لڑکی کے پاس گئے اور اس کا انگوٹھا زبرا ایک کتاب پر لگانے گئے وہ لڑکی تمام رات سوچتی رہی انگوٹھا لگانے کے بارے میں کہ میرا انگوٹھا زبرا لگایا گئے بعد اس بات کے اگلے روز لڑکی کو واں بھیج دی ڈولے میں بٹھا کر جہاں کی وہ بارات آئی تھی وہاں جاکر وہ لڑکے کو لیکر چلی گئی جس پر وہ عاشق تھی عرصہ دو سال ہوگئے ہیں علاوہ اس کے ہم نے اور عورتوں کے ہاتھ دریافت کیا ہمبستری کا تو ان عورتوں نے بھی یہی کہا کہ ہمبستری اس لڑکے کے ساتھ نہیں ہوئی جس کے ساتھ نکاح چوپال میں ہوا اور وہ عورتیں تینوں اس لڑکی مقصودن کی پھوپھی اور

مجبوری اور بے بسی تھی اور اس لڑکے کی ماں اور بہن سے بھی یہی بات معلوم ہوئی کہ جانے وٹے کے ساتھ وہ لڑکی ہمبستر نہیں ہوئی اور مسماۃ مقصوداں کا بھی یہی بیان ہے کہ نہ میں نے اجازت نکاح کی دی اور نہ کسی نے مجھ سے پوچھا بوجہ اس کے کہ وہ خود ہی جانتے تھے کہ اگر ہم پوچھیں گے تو صاف انکار کر دے گی بیں اگر وہ مجھ سے پوچھتے بھی تو میں صاف انکار کر دیتی کیونکہ میں رضامند نہ تھی اور نہ میں آج تک اس لڑکے سے ہمبستر ہوئی۔ یہ حقوق معلوم ہوئے ہم نے سب حال آپ کی خدمت عرض کر دیا دریافت کرتے تحریر کر دیے آپ مسئلہ نکاح کا تحریر کر کے روانہ فرما دیں۔

الجواب: وباللہ التوفیق للصواب قال فی الدر: فان استاذنها غیر الاقرب کاجنبی او ولی بعید فلا عبرة لسکوتها بل لا بد من القول کالثیب البالغة او ما هو فی معناه من فعل یدل علی الرضا کطلب مهرها ونفقتها وتمکینها من الوطی ودخوله بها برضاها ظهیریة وقبول التهنئة والضحك سرورا ونحو ذلك بخلاف خدمته او قبول هدیته اهـ قال الشامی فی المحیط والظهیریة و لو کانت من عادتها خدمته قبله کانت فلیس برضا لانه اهـ وفیه ایضا تحته بسطر عن الخانیة الولی اذا زوج الثیب فبعثت نفقتها ولم تظهر الرضا بانها کان لها ان ترد لان العقد یجیزها القول بالقبول او الفعل الذی یدل علی الرضا نحو التمکین من الوطی وطلب المهر وقبول المهر دون قبول الهدیة وکذا فی حق الغلام (ج ۲ ص ۲۹۳)۔

سائل نے جو صورت واقعہ بیان کی ہے کہ مسماۃ مقصوداں کی عمر نکاح کے وقت بیس سال کے قریب تھی اور اس کا نکاح ماموں اور خالو نے بدون اس سے پوچھے کر دیا اس سے اجازت نہیں لی اور وہ جانتے تھے کہ مسماۃ کی رضا اس جگہ نکاح کی نہیں ہے تو یہ نکاح فضولی کا عقد ہوا جس کی صحت اس پر موقوف تھی کہ مسماۃ کی طرف سے یا تو صریح رضامندی کے الفاظ بعد علم نکاح کے پائے جاتے یا کوئی ایسا فعل پایا جاتا جس سے رضا پر دلالت ہوتی۔ صورت واقعہ سے معلوم ہوا کہ مسماۃ نے خبر نکاح سنکر رضا ظاہر نہیں کی اور نہ وہ خوشی سے بارات کے ساتھ گئی بلکہ ماموں وغیرہ کے جبر سے گئی اور نہ وہاں جا کر ناکح سے ہمبستر ہوئی نہ اس کو اس کا موقع دیا اور نہ اب تک رضا کا کوئی اظہار کیا تو اگر یہ سب بیانات صحیح و واقعہ کے مطابق ہیں تو جزئیات مذکورہ کی بنا پر یہ نکاح صحیح نہیں ہوا بلکہ جب مسماۃ نے اس سے ناراضی ظاہر کی اسی وقت کالعدم ہو گیا اور اب مسماۃ مقصوداں

رہنا چاہتی ہے یا نکاح کر سکتی ہے۔ واللہ اعلم۔ ۲۰ رجب ۵۳ھ۔

سوال (۱۵): ہندہ نام دختر کا باپ چھاؤنی میں تھا [illegible] ہندہ کے برادر کلاں بالغ نے زید سے ہندہ کا نکاح کرنے کی بات چیت درست کی رخصتی کے روز باپ بھی آ گیا اور کہا کہ اگر زید مجھ کو ۵۰ روپیہ دیوے تو میں نکاح کر دینے میں راضی ہوں۔ پس زید نے روپیہ دیدیا اور وہ راضی ہو گیا اور اس کی رضا پر برادر کلاں زید کے مکان میں لڑکی لے جا کر نکاح کر دیا ہندہ ایک ماہ تک زید کے پاس رہی باپ اور برادر و دیگر خویش و اقارب چند بار آئے گئے بعد ایک ماہ کے بوجہ ناچاقی زوجین کے ہندہ کو باپ نے اپنے گھر بٹھا رکھا اور کہنے لگا میں تو زید کے ہمراہ نکاح کر دینے پر راضی نہ تھا میرے بیٹے نے نکاح کر دیا ہے پھر وہ لڑکی عمر کو دیدی۔ اس کے بعد ایک عالم کو ثالث مقرر کیا اس نے دعویٰ از جانبین علی اصالتہ [illegible] کا لحاظ کر کے دونوں زوج اور ہندہ کا باپ اور ہندہ کا وکیل یعنی اس کا برادر کلاں وغیرہ کے سامنے ایک مجلس میں موافق طریقہ شرعیہ دعویٰ سنا زید کی طرف سے نصاب شہود عدول مسلم جرح موثر سے پاک گیا کہ باپ ۵۰ روپیہ ملنے کے سامنے ہی راضی ہوا اور بیٹے نے موافق مرضی باپ کے جا کر نکاح کر دیا۔ قاضی صاحب نے وکیل مسماۃ اور زوج ثانی اور باپ کو کہا کہ گواہوں کو قسم دیتے ہو سب نے کہا کہ ہم نے اس کی بات پر اعتبار کر لیا ہم ان کو قسم نہیں دیتے پس قاضی نے بحضور وکیل ہندہ و زوج ثانی و والد ہندہ و جملہ حاضرین حکم دیدیا کہ زید کا نکاح درست ہے اور عمر کا باطل ہے بعدہ مسماۃ کے وکیل اور والد و زوج ثانی نے کہا کہ ہم ۵۰ روپیہ دیتے ہیں اور خلع ہو جانا چاہئے اور خلع کے معنی بھی سمجھائے گئے کہ خلع طلاق بائن ہوتی ہے۔ اب عرض یہ ہے کہ یہ شہادت بلا عذر [illegible] واسطے راضی ہونے کے اور ثبوت اس رضامندی کا عام و خاص پر اور عدم اعتراض باپ کا بوقت رخصتی کے اور ایک ماہ تک کمال اطمینان مسماۃ اور بغیر قسم کے گواہی کی تصدیق اور التماس خلع یعنی طلاق بائن یعنی طلاق متعلق صلح قاطع نزاع۔ آیا یہ کل امر مثبت رضا والد ہندہ کے اور موجب صحت نکاح زید کے ہیں یا نہیں بصورت وجود دعویٰ عبارت کتاب و فصل و باب تحریر فرما دیں جزاک اللہ تعالیٰ خیر الجزاء فقط۔

الجواب: قال فی الدر ولہ ای للولی اذا کان عصبۃ الاعتراض فی غیر الکفو ما لم یسکت حتی تلد منه اھ قال الشامی زاد لفظ یسکت للاشارۃ الی ان سکوته قبل الولادۃ لا یکون رضا وان طال کما فی المسائل التی نص

فیہا السکوت منزلۃ القول اھ (۲: ۳۸۶) ثم قال فی الدر ثم قبض من
الاولیاء قبل العقد او بعدہ کالقول الی ان قال وقبضہ ای
المہر ونحوہ مما یدل علی الرضا دلالۃ اھ قال الشامی قولہ قبل
العقد وبعدہ فیہ ان الرضا قبل العقد یتوقف علی کل من الاول والثانی ای النکاح
بالکفؤ وبمہر الکفؤ اھ وقولہ ونحوہ بالرفع عطفا علی قبضہ ای ومثل قبض
المہر قبض النفقۃ او المخاصمۃ فی احدہما وان لم یقبض وکالتجہیز ونحوہ
فتم اھ (ص ۳۸۸ ج ۲)

صورت مسئولہ میں ہندہ نابالغہ کے باپ کا یہ قول کہ زید مجھ کو اتنے روپیہ دیدے تو میں نکاح کر دینے پر راضی ہوں اس کی رضا پر دلالۃً دال ہے جبکہ اس کو اتنے روپیہ دیدیا گیا تو ان روپوں کا لینا اس کو جائز تھا اگر بطور مہر معجل کے تھے پھر روپیہ لینے کے بعد ان کے صریح الفاظ کی ضرورت نہیں بلکہ دلالت بھی کافی ہے جیسا کہ عبارت مذکورہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قبض مہر و قبض نفقہ و تجہیز ومثلہا صریح فی المہر والنفقہ بھی بمنزلہ قول رضا کے ہے اور چونکہ آج کل ہندوستان میں جاہل لوگوں میں لڑکی پر کچھ رقم لینے کا رواج ہو رہا ہے تو اس رقم کا مانگنا اور اس پر وصول کرنا اور بعد میں اس رقم پر قبضہ کر لینا بھی قرائن رضا سے ہے پس زید کا نکاح صحیح ہو گیا۔ اور بکر کا باطل ہو گیا باقی آمد و رفت قائم مقام قول رضا کے نہیں اسی طرح بکر اور والد ہندہ کا یہ کہنا کہ قطع ہو جانا چاہئے یہ بھی اقرار بالنکاح نہیں قال فی الدر۔ وقولہ لعبدہ طلقہا رجعیۃ اجازۃ للنکاح الموقوف لا طلقہا او فارقہا لانہ یستعمل للمتارکۃ اھ قال الشامی ای قولہ طلقہا او فارقہا لانہ یستعمل للمتارکۃ فیکون ردا او یحتمل الاجازۃ فحمل علی الرد لانہ ادنی لان الدفع اسہل من الرفع اھ (ص ۶۱۳ ج ۲) قلت وایضا فطلب الخلع یحتمل الصلح فی الصورۃ المسئولۃ فلا یکون اقرارا بصحۃ النکاح واللہ اعلم۔ ۲۲ ذیقعدہ ۳۵ھ۔

سوال (۱۶) اگر ولی قصداً یا اجازت دیدے تو قاضی نابالغ لڑکے اور لڑکی کا ایجاب وقبول کرائے اور ولی حاضر ہو تو نکاح منعقد ہو جائے گا یا نہیں وقت نکاح کے مع قریب مخصوص لڑکی کا ولی مگر اور سامان دونوں طرف کے ولی سب کریں مثلاً نسبت ٹھیک کرنا فرش فروش چھوہارہ وغیرہ لوگوں کا بلانا اور اسی قبیل کے تمام کام کریں لیکن قاضی صرف نابالغ لڑکی و لڑکے سے ایجاب وقبول

کرا دے تو ایسی صورت میں نکاح ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب : اگر قاضی کو لڑکی کے یا لڑکے کے ولی نے بلایا ہے کہ تم جا کر میری لڑکی یا لڑکے کا نکاح کر دو تب تو اس کی طرف سے قاضی وکیل ہو گیا صرف دوسرے ولی کی طرف سے اجازت کی ضرورت رہی۔ اگر دوسرے ولی نے عقد کے بعد اجازت صراحۃً نہ دی یا کوئی فعل ایسا کیا جو اجازت پر دلالت کرے مثلاً لڑکی کے ولی نے جہیز وغیرہ دیا اور لڑکے کے ولی نے جہیز پر قبضہ کیا تو اب دوسرے کی طرف سے بھی اجازت پائی گئی اور نکاح صحیح ہو گیا اور جو افعال سوال میں مذکور ہیں وہ اجازت کے لئے کافی نہیں کیونکہ وہ عقد کے پہلے کے افعال ہیں نہ بعد کے۔ اور اگر قاضی کو لڑکی اور لڑکے کے ولی میں سے کسی نے نہیں بلایا بلکہ وہ خود ہی خبر نکاح سن کر آ گیا یا کسی اور شخص کے بلانے پر آ گیا اور بدون اجازت اولیائین کے اس نے نکاح پڑھا تو یہ نکاح موقوف رہا جو بعد اجازت اولیاء طرفین کے نافذ ہو گا۔ اور اگر ان اولیاء میں سے کسی نے اس نکاح کو صراحۃً یا دلالۃً نافذ نہ کیا تو یہ نکاح موقوف ہی رہے گا جس کو یہ صغیرین بعد بلوغ کے نافذ کر سکتے ہیں، بشرطیکہ نکاح کے وقت دونوں عاقل تمیزدار ہوں کہ نکاح کے معنی کو سمجھتے ہوں اور اگر وہ نکاح کو سمجھتے بھی نہ ہوں تو نکاح باطل ہے۔ قال فی الدر وقبضہ ای الولی المھر ونحوہ مما یدل علی الرضا رضا دلالۃ اھ وقال الشامی کقبض النفقۃ او المخاصمۃ فی احدھما وان لم یقبض وکالتجہیز ونحوہ اھ (ص ۳۸۸ ج ۲) وفیہ ایضاً صغیرۃ زوجت نفسھا ولا ولی ولا حاکم ثمہ توقف ونفذ باجازتھا بعد بلوغھا لان لہ مجیزاً وھو السلطان اھ قال الشامی والصغیر کالصغیرۃ اھ وقال ایضاً قولہ صغیرۃ زوجت نفسھا ای من کفؤ بمھر المثل والا لم یتوقف لان الحاکم لا یملک العقد علیھا بذلک فلا یملک اجازتہ فکان عقداً بلا مجیز نعم لو کان لھا اب او جد وزوجت نفسھا کذلک توقف لان لہ مجیزاً وقت العقد لان الاب والجد یملکان العقد بذلک اھ (ص ۵۱۵ ج ۲) وفی الخلاصۃ عن الاجناس کل عقد لہ مجیز حال وقوعہ یتوقف علی الاجازۃ ومالا مجیز لہ حال وقوعہ لا یتوقف اھ (ص ۱۰ ج ۲)۔ ۸ محرم سنہ ۳۶ھ۔

ماں کی ولایت نابالغ کے نکاح کی ایک صورت

سوال (۱۷) کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ایک عورت کے ساتھ نکاح کیا تھا اور اس کے ساتھ ایک

لڑکا تھا اب اس لڑکے کی شادی اس شخص نے گاؤں میں کردی لڑکا ۱۲ نابالغ تھا اور لڑکی بالغ تھی جس عورت کے ساتھ نکاح کیا تھا وہ عورت اس کے یہاں سے چلی گئی اب وہ لڑکا اور لڑکے کی بیوی گئی اب اس شخص نے اپنے سوتیلے لڑکے کی منکوحہ بہو کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے وہ جائز ہے یا نہیں۔

الجواب: جب تک یہ لڑکا بالغ ہو اور بالغ ہو کر اس عورت کو طلاق نہ دے اور طلاق کی عدت گذر جائے اس وقت تک اس عورت سے کسی کا نکاح درست نہیں کیونکہ اس لڑکے کا نکاح اس لڑکی سے درست ہو گیا ہے گو یہ سوتیلا باپ اس کا ولی نہیں مگر لڑکے کی ماں اس کی ولی تھی اور ظاہر یہ ہے کہ ماں کے علاوہ اس کا کوئی ولی نہیں اور یہ نکاح ماں کی رائے ورضا سے ہوا ہے لیکن اگر ماں کی رائے اور رضا سے نہیں ہوا تو سوال دوبارہ کیا جائے اور یہ بھی بتلایا جائے کہ اس لڑکے کا کوئی ولی ماں کے علاوہ ہے یا نہیں اور ماں نے یا اس ولی نے اس نکاح کی خبر سن کر نکاح کو منظور کیا یا اس پر ناراضی وانکار کا اظہار کیا فقط۔ ۸ر رجب ۵۳ھ

ماموں نے نابالغ بھائی کی موجودگی میں نابالغہ کا نکاح کردیا الخ

سوال (۱۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمیان زید وہندہ کو جبکہ ان دونوں کے والدین کا وفات ہو گیا بوجہ نابالغی بغرض پرورش مسمی عمر جو ان دونوں یعنی زید وہندہ کا ماموں ہے اپنے مکان پر لے گیا اور اپنے لڑکے مسمی بکر پدرے ہندہ کا بغیر اجازت زید نکاح کردیا حالانکہ زید وہندہ اب تک نکاح مذکور پر راضی نہیں ہیں اور اب ہندہ تقریباً دو برس سے بالغہ ہے اور عرصہ آٹھ مہینے سے اپنے بھائی مسمی زید کے یہاں چلی آئی ہے تو صورت مذکورہ میں ہندہ کا نکاح بکر پدرے از روئے شرع درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مذکورہ میں چونکہ ہندہ قبل بلوغ وبعد بلوغ اپنے ماموں کے نکاح پر کارہ تھی لہٰذا نکاح مذکور صحیح نہیں ہوا مطابق حدیث لا نکاح الا بولی کے ولی کا ہونا ضروری اس لئے نکاح صحیح نہیں ہوا ہندہ دوسرا نکاح کرسکتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ محمد عبداللہ مدرس مدرسہ فیض عام۔ ۳۰ جمادی الاولی ۵۶ھ۔

احمد علی عفی عنہ مدرس فیض عام۔ ۳۰ ج ۱ ۵۶ھ۔

ماموں بھی ولی ہے جیسا کہ صاحب ہدایہ نے اس کی تحقیق کی ہے اور اس اعتبار سے نکاح ہو جاتا مگر بلوغ اور علم بالنکاح کے بعد خیار فسخ حاصل رہتا ہے۔ امام محمدؒ کے نزدیک ماموں ولی نہیں اور امام ابو یوسف صاحب کی اشہر الروایتین یہی ہے دیکھو ہدایہ اور حسن بن زیاد نے بھی

امام صاحب سے بھی روایت کیا ہے اور الولایۃ الی العصبات بھی اسی کی مؤید ہے اور خیار فسخ کی تاثیر کے لیے قضاء قاضی شرط ہے جو مشکل قریبا اس دیار میں متعذر الحصول ہے اس لیے اگر کوئی حنفی امام صاحب علیہ الرحمۃ کی دوسری روایت پر فتویٰ دے دوسرے سے نکاح کے انعقاد ہی کا انکار کرے تو اس ہیچ مدان کے نزدیک کوئی حرج نہیں۔ بہتر ہوگا اس مسئلہ کی تحقیق حضرت مولانا اشرف علی صاحب مدظلہ العالی سے کر لی جاوے۔ تحریر عبداللطیف نعمانی مدرس دار العلوم مئو اعظم گڑھ۔

الجواب من تھانہ بھون:

صورت مسئولہ میں چونکہ نکاح بولایت ولی صحیح منعقد ہو چکا ہے بشرطیکہ کفو سے مہر مثل پر ہوا ہو پس اگر ہندہ اس کو بعد بلوغ کے فسخ کرنا چاہتی ہے تو قاضی اسلام کے یہاں مرافعہ کرے اور اگر قاضی اسلام میسر نہیں تو صبر کرے یا کسی طرح خاوند کو خلع پر راضی کرے مگر بدون قضاء قاضی یا طلاق زوج کے یہ نکاح فسخ نہیں ہو سکتا اور بدون اس کے ہندہ کو کسی دوسرے شخص کے ساتھ نکاح جائز نہیں۔

پہلا جواب کسی غیر مقلد کا معلوم ہوتا ہے وہ بالکل غلط ہے کیونکہ حدیث لا نکاح الا بولی سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ بدون ولی کے نکاح صحیح نہیں لیکن اس کے کیا معنی ہیں آیا یہ کہ باطل ہے یا مناسب نہیں دونوں محتمل ہیں انہوں نے بدون حجت کے ایک احتمال کو ترجیح کیونکر دی۔ اور اگر ایما امرأۃ نکحت نفسہا بغیر اذن ولیہا فنکاحہا باطل پیش کریں تو اس کی صحت ثابت کریں اور تصحیح حدیث میں کسی محدث کی تقلید نہ کریں ورنہ فہم حدیث میں فقہاء کی تقلید سے کیوں عار ہے۔ دوسرے اگر اس کو بھی تسلیم کر لیا جائے تو وہ حدیث سے یہ ثابت کریں کہ خال ولی نہیں اگر حدیث الولایۃ الی العصبات پیش کریں تو اس کی صحت بدون تقلید محدثین کے ثابت کریں۔ پھر حدیث ہی سے عصبات کے ایسے معنی ثابت کریں جو خال پر صادق نہ آتے ہوں۔ نیز یہ بھی بتلائیں کہ اس حدیث میں تو صرف اتنا ہی ہے کہ عصبات کو ولایت حاصل ہوتی ہے یہ کہاں ہے کہ غیر عصبات کو کسی وقت بھی ولایت حاصل نہیں ہوتی حدیث میں کوئی لفظ نفی کا نہیں ہے اگر ان امور کو حدیث ہی سے ثابت نہ کر سکیں تو اہل حدیث ہونے کا اور حدیث سے فتویٰ دینے کا دعویٰ نہ کریں۔

مجیب ثانی حنفی معلوم ہوتا ہے مگر اس نے امام صاحب کی دوسری روایت ضعیفہ پر فتویٰ

دینے کا خیال ہو رہا ہے۔ مگر یہ خیال غلط ہے۔ کیونکہ ایسے مسائل تو اجتہادات میں بہت کم نکلیں گے جن میں اختلاف علماء یا اختلاف روایات ہو دیکھنا یہ ہے اختلاف کے وقت قوت کس کو ہے قول ضعیف پر فتوی جائز نہیں سو ظاہر ہے کہ امام صاحبؒ سے جو روایت اہل متون نے نقل کی ہے اور متون ہی نقل مذہب کے لئے موضوع ہیں وہ یہی ہے کہ عدم عصبات کے وقت ماں کو اور ذوی الارحام کو ولایت تزویج حاصل ہے اور دلیل سے بھی قوت اسی کو ہے اور امام ابو یوسفؒ بھی امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ ہیں فهذا هو الاصح الارجح كما صرح به في فتح القدير وبسط الكلام في الدلالة ص ۱۸۲ ج ۲ وفی رد المحتار ص ۵۱۳ ج ۲ باب الولی واللہ اعلم۔ ۱۰ رمضان سنہ ۴۶ھ

کوئی بہری لڑکی جس کا کوئی ولی نہ ہو اس کا نکاح کس طرح کیا جائے

سوال (۱۹) علماء دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک عورت ہے نہ اس کو سنتا ہے اور نہ کچھ وہ زبان سے کہہ سکتی ہے اور عمر اس کی ۲۱ سال کی ہے اور اشارہ بھی کچھ نہیں سمجھتی مگر کھانے اور پینے کا اور پاخانہ اور پیشاب کی جس وقت ضرورت ہوتی ہے خود کہہ دیتی ہے اور نہ اس کے کوئی ولی ہے اب اس کا نکاح کس صورت سے کرنا چاہئے فقط والسلام۔

الجواب: نہیں ہو سکتا کہ اس لڑکی کا عصبہ کوئی نہ ہو ہاں یہ ممکن ہے کہ عصبہ قریب نہ ہو لیکن عصبہ بعید ضرور ہوگا۔ اگر یہ لڑکی شیخ زادی ہے تو سارے شیخ زادے اس کے عصبہ ہیں ان میں جو زیادہ دور نہ ہو وہ اس کا ولی ہوگا مثلاً جو شیخ زادہ اس کی بستی میں ہے وہ دوسری بستی کے شیخ زادے سے مقدم ہے اور اگر شیخ زادی نہیں بلکہ مغل پٹھان یا جلاہی وغیرہ ہے تب بھی اتنی بات معلوم ہو سکتی ہے کہ اس لڑکی کے باپ کی رشتہ داری کن کن مواضع میں تھی انہی مواضع میں اس کے باپ کی رشتہ داری میں جو شخص سب سے زیادہ قریب ہوگا وہی اس کا عصبہ اور ولی ہوگا۔ ولی کی اجازت سے اس کا نکاح ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔ ۸ رمضان سنہ ۴۶ھ

اب وجد کے کئے ہوئے نکاح میں صغیر و صغیرہ کو خیار بلوغ حاصل ہونے کی دلیل

سوال (۲۰) سید سلیمان ندوی نے حنفیہ کے خلاف لکھا ہے کہ اب وجد اگر صغیر و صغیرہ کا نکاح کر دیں تو انہیں خیار بلوغ حاصل ہونا چاہئے کیونکہ خیار نہ ہونے پر حدیث سے ثبوت نہیں۔ بلکہ حدیث میں ہے کہ جن عورتوں نے آکر دربار رسالت میں باپ کے نکاح پر ناگواری ظاہر کی حضورؐ نے بلا اس کے دریافت فرمائے کہ تم بوقت نکاح نابالغ تھیں یا بالغ نکاح فسخ کر دیا جس سے معلوم ہوا کہ تزویج اب کے بعد حق فسخ رہتا ہے۔

مبسوط، بدائع، بذل وغیرہ میں حضرت عائشہؓ کے واقعۂ نکاح سے ثبوت دیا ہے مگر حدیث میں خیار نہ ہونے کا ذکر ہے نہیں اور عدم ذکر سے استدلال کیسے ہو سکتا ہے۔ انت ومالك لابيك سے بھی استدلال بظاہر نہیں ہوتا۔ آپ کی تزویج کے بعد صغیرہ بکر کو خیار بلوغ نہ ہونے پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے مگر ثبوت نہیں ملتا حضرت کچھ ارشاد فرما دیں کہ ثبوت کہاں سے ہوا۔

الجواب: اس مسئلہ کی دلیل اجماع امت کافی ہے۔ آپ کی تزویج کے بعد صغیرہ بکر کو خیار بلوغ نہ ہونے پر امت کا اجماع ہے۔ اور اجماع خبر واحد سے اقوی ہے۔ فلا حاجة الى الاستدلال بالاخبار ايضا والاستدلال بنكاح عائشةؓ تام فقد ثبت انه صلى الله عليه وسلم خير بريرة حين عتقت وقال لبنت حمزة حين زوجها وهي صغيرة لها الخيار اذا بلغت فلو كان الخيار ثابتا للصغيرة اذا زوجها ابوها لصرح النبي صلى الله عليه وسلم حين تزوج عائشة بان لها الخيار اذا بلغت والسكوت في موضع البيان بيان فثبت ان لاخيار للصغيرة والحال هذه وايضا فقوله تعالى وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ اطلق للاولياء انكاح موليتهم التي لا زوج لها وهذا هو معنى الايم لغة والاطلاق ذلك لهم يقتضي تمام العقد بانكاحهم وثبوت الخيار بعد تمام العقد خلاف القياس فيقتصر على مورده وقد خير صلى الله عليه وسلم الثيب والبكر البالغة ولم يخير الصغيرة الا اذا زوجها غير الاب كما ورد انه زوج امامة بنت حمزة وقال لها الخيار اذا بلغت (فتح القدير ص ۵، ج ۳) ولم يثبت انه خير صغيرة زوجها ابوها فلا خيار لها، والله تعالى اعلم۔ ۱۵ر صفر ۴۶ھ۔

(تتمہ) وفي الجوهر النقي قال ابن المنذر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ولا تنكح البكر حتى تستأذن وهو قول عام وكل من عقد على خلاف ما شرع رسول الله صلى الله عليه وسلم فهو باطل لانه الحجة على الخلق وليس لاحد ان يستثني من السنة الا سنة مثلها فلما ثبت ان ابا بكر الصديق زوج عائشة من النبي صلى الله عليه وسلم وهي صغيرة لا امر لها في نفسها كان ذلك مستثنى منه انتهى كلامه (ص ۹۶، ۱۱، ج ۲) وهذا صريح في ثبوت نفي الخيار لعائشة

اما نقلہ ابن الحسن فحجة فی النقل واما السکوت فبعض البیانات بیانٌ نفسہ تاکید لما قلنا اولاً فافہم ۔

بالغ لڑکی اگر غیر کفو میں نکاح بلا اجازت اولیاء کرے تو نکاح باطل ہے

سوال (۲۱) (۱) علمائے دین اس مسئلہ میں کیا ارشاد فرماتے ہیں کہ مومن قوم کا ایک مرد کا نکاح شیخ، سید، پٹھان وغیرہ اقوام کی عورتوں سے ہو سکتا ہے یا نہیں ۔

(۲) اور کیا اس عورت کے اولیاء کو ایسی صورت میں جب اس نے برضائے خاطر اور بعد بلوغت کسی مومن دیندار ذی علم سے نکاح کیا ہے، حق فسخ حاصل ہے؟ بینوا توجروا ۔

الجواب: (۱) بدون رضاء عورت کے اولیاء کے نہیں ہو سکتا ۔

(۲) اگر کوئی شریف سید شیخ مغل پٹھان عورت اپنے اولیاء کی بدون رضاء و اجازت جلاہے سے نکاح کرے تو یہ نکاح منعقد ہی نہ ہوگا بلکہ ابتداء ہی سے باطل ہے فسخ کی بھی ضرورت نہیں ۔ وظاهر الروایة ان النکاح ینعقد وللاولیاء حق الفسخ والاعتراض ولکن المختار للفتوی روایة الحسن عن ابی حنیفة انه لا یصح ولا ینعقد یہ تو سوال کا جواب ہے مگر اس مسئلہ کی بنا اس پر نہیں کہ قوم مومن شرعاً ذلیل ہے قال تعالیٰ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ ۔ فالکرم انما هو بالتقوی والرذالة بالمعصیة ۔ بلکہ اس کی بنا اس پر ہے کہ نکاح کے مصالح عادةً ہم کفو ہی میں حاصل ہو سکتے ہیں اور یہ مشاہد ہے اس کا انکار نہیں ہو سکتا، اس لئے شریعت نے نکاح میں کفاءت کا لحاظ کیا ہے تاکہ مصالح نکاح بخوبی حاصل ہوں البتہ اگر عورت کے اولیاء راضی ہو کر غیر کفو سے کر دیں تو ان کا راضی ہونا اس کی علامت ہوگی اس غیر کفو سے بھی مصالح نکاح حاصل ہونے کی امید ہے تو اس صورت میں غیر کفو سے بھی عورت کا نکاح درست ہے ۔ اور مصالح نکاح صرف میاں بیوی کی رضامندی میں منحصر نہیں بلکہ اس کے ساتھ زوج و زوجہ کی قرابت میں رابطہ اتحاد و محبت و تعاضد و تناصر پیدا ہونا بھی ملحوظ ہے اور یہ بات غیر کفو کے نکاح میں مفقود ہے اِلَّا نادراً والنادر کالمعدوم فلا یعتبر فی الاحکام اور غیر کفو سے نکاح کرکے اگر عورت کا خاوند جلد مر جائے اور وہ مر جائے یا بچے چھوٹے چھوٹے ہوں تو اب اس عورت کی امداد اس کا خاندان تو ناراضی کی وجہ سے کرے گا نہیں تو اس کو بہت تکلیف ہوتی ہے وغیر ذلک من المصالح اس لئے کفاءت کا نکاح میں لحاظ ہے اور یہ امر قوم مومن ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اگر کوئی سیدزادی یا شیخزادی

پٹھان یا مغل مرد سے بدون اپنے اولیاء کی اجازت کے نکاح کرے تو اس کو بھی یہی حکم ہے اور اگر عدم کفاءت میں وہ مرد بڑھا ہوا ہو تو نکاح درست ہے عورت کے ادنیٰ ہونے سے وہ مصالح فوت نہیں ہوتے۔ واللہ اعلم۔

۲۴ رجب سنہ ۴۴ھ۔

باپ نے نا سمجھی میں نابالغہ لڑکی کا نکاح فاسق سے کر دیا نکاح کے بعد معلوم ہوا کہ وہ شرابی و بدچلن ہے تو باپ کا کیا ہوا نکاح صحیح ہوا یا نہیں

سوال (۲۲۳) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ لڑکی نابالغہ کا عقد لڑکی کے باپ نے پینتیس ۳۵ سالہ عمر والے شخص کے ساتھ کر دیا لڑکی نے بالغ ہوتے ہی اس کے ساتھ جانے یا رہنے سے انکار کر دیا کیونکہ وہ شخص شراب خوری اور بدچلنی وغیرہ کے کاموں میں مصروف رہتا ہے اور نماز وغیرہ کا قطعی پابند نہیں محض عیدین کی نماز شاذ و نادر پڑھ لیتا ہے اور لڑکی قرآن شریف و مسائل ضروری سے واقف ہے اور نماز کی بھی پابند ہے شوہر سے طلاق کے لئے کہا جاتا ہے مگر انکار کرتا ہے لڑکی کا باپ بھی اسے شوہر کے ایسے حالات دیکھ کر نہیں چاہتا کہ میں ایک ایسی شائستہ اور دیندار لڑکی کو ایسے گمراہ شخص کے ساتھ کر دوں جو بالکل احکام شرع کا پابند نہ ہو بروقت عقد ولی جائز کو اس کے ناشائستہ حرکات سے بالکل بے خبری تھی پس ایسی صورت میں اس سے طلاق حاصل کرنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے اور لڑکی کا طلاق مانگنا حق بجانب ہے یا نہیں اور ایسے شخص کے ساتھ ولی جائز کا بے جانے بوجھے نکاح کر دینا جائز ہوا یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: اگر سوال واقع کے مطابق ہے کہ ولی کو اس شخص کی بدچلنی وغیرہ کا نکاح کے وقت علم نہ تھا اور بعد میں علم ہوا اور ولی خود بدچلن نہیں تو یہ نکاح بالکل صحیح نہیں ہوا لڑکی کو طلاق لینے کی کچھ ضرورت نہیں، وہ بدون طلاق کے دوسرے نیک شخص سے نکاح کر سکتی ہے۔

قال فی رد المحتار واما اذا کانت صغیرۃ فزوجها ابوها من فاسق فان کان عالما بفسقه صح العقد ولا خیار لها اذا کبرت لان الاب له ذلک ای عند الامام لا عندهما ۱۲ مالم یکن ماجنا کما مر فی الباب السابق واما اذا کان الاب صالحا وظن الزوج صالحا فلا یصح قال فی البزازیة زوج بنته رجلا ظنه مصلحا لا یشرب مسکرا فاذا هو مدمن فقالت بعد الکبر لا ارضی بالنکاح ان لم یکن ابوها یشرب المسکر ولا عرف به وغلبة اهل بیتها مصلحون فالنکاح باطل بالاتفاق اھ (ص ۵۳۶ ج ۲) واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳ ذیقعدہ سنہ ۴۷ھ۔

ولایت نکاح میں حقیقی بہن ماموں اور اخیافی بھائی سے مقدم ہے

سوال (۲۲) ایک نابالغہ کے والدین فوت ہوگئے اس وقت اس کا ماموں اور اخیافی بھائی اور حقیقی بہن اور ماں کا پہلا شوہر زندہ ہے، ولایت نکاح ان میں سے کس کو حاصل ہے؟

الجواب: صورت مسئولہ میں ولایت نکاح حقیقی ہمشیرہ کو ہے قال فی الدر فان لم یکن عصبة فالولایة للام ثم لام الاب ثم للاخت لاب وام ثم للاخت لاب ثم لولد الام الذکر والانثی سواء الخ (ص ۲۱۵ ج ۲) واللہ اعلم۔

۲ ذیقعدہ ۱۳۴ھ۔

ولی عصبہ نابالغہ کے نکاح کا حق ماں کو تفویض کردے تفویض کے بعد ماں نابالغہ کا نکاح کسی سے کردے پھر ولی عصبہ کسی اور سے اس کا نکاح کردے تو کون سا نکاح صحیح ہے

سوال (۲۳) ایک شخص نعمت اللہ مر گیا اور اس نے مرنے سے پہلے اپنے عصبہ کو اور زوجہ کو وصیت کی کہ میری لڑکی نابالغہ شریفن کا نکاح میرے سالے کے لڑکے کر دینا۔ عصبہ نے بعد موت مورث کے ایک اقرار نامہ اسٹامپ پر تحریر کرکے مسماۃ شریفن کی ماں کے حوالے کیا جس میں یہ لکھا کہ:

"مسماۃ شریفن کا نکاح حسب وصیت نعمت اللہ مسماۃ رحمت (مادر شریفن) کردے گی مجھے یا میرے قائم مقام کو کوئی عذر نہ ہوگا شادی کا خرچہ مسماۃ رحمت برداشت کرے گی"

اس کے بعد لکھتا ہے:

"اور جس کو مسماۃ رحمت پسند کرے گی وہاں مسماۃ شریفن کا نکاح برضی خود کر سکے گی مجھے عذر نہ ہوگا"

اس کے بعد قادر بخش اور مسماۃ رحمت میں کچھ تنازعہ ہوگیا۔ مسماۃ رحمت نے اس خیال سے کہ مبادا تنازعہ کی وجہ سے یہ شریفن کے نکاح میں بھی گڑبڑ کرے شریفن کا نکاح حسب وصیت نعمت اللہ اپنے بھتیجے سے کر دیا یہ خبر پا کر قادر بخش نے شریفن کا نکاح دوسرے شخص سے کر دیا اب ان دونوں نکاحوں میں سے کونسا نکاح صحیح ہے؟

الجواب: صورت مسئولہ میں شریفن کا نکاح وہی صحیح ہے جو اس کی ماں بیوہ نعمت اللہ نے کیا ہے اور جو نکاح اس کے بعد قادر بخش نے کیا ہے وہ صحیح نہیں کیونکہ گو قادر بخش عصبہ ہے اور در اصل ولایت نکاح اسی کو حاصل تھی مگر اس نے بذریعہ اقرار نامہ تحریری شریفن کے نکاح

کا اختیار اس کی ماں کو سپرد کردیا ہے اس کے الفاظ متضمن جو اقرار نامہ تفویض پر صاف دلالت کرتا ہے اور جو عقد بعد تفویض من الولی صادر ہو وہ صحیح ہوتا ہے قال فی البحر وقولها (ای البالغة للولی) ذلک الیک اذن مطلقاً ثم ذکر مسئلة ذکر الولی بین یدیها اقواما لا یحصون فسکتت فلیس برضا ثم قال وهذا کله اذا لم تفوض الامر الیه اما اذا قالت انا راضیة بما تفعله او زوجنی ممن تختاره ونحوه فهو استیذان صحیح اهـ (ص ۱۱۲ ج ۳) ولا یخفی وجود التفویض من الولی الی الام فی الصورة المسئولة فهو اذن لها مطلقاً بنکاح مولیته والاذن قبل العقد کالاجازة بعده لما فی الدر واذنه اجیزه فی النکاح ینتظم جائزه ونافذه کبیع العبد لمن نکحها فاسدا بعد اذنه اهـ وفیه قبله وقوله لعبد طلقها رجعیة اجازة للعقد الموقوف اهـ (ص ۱۱۶ ج ۲) وفی الهدایة فی بیع الفضولی واذن المالک بعده لان الاجازة اللاحقة بمنزلة الوکالة السابقة اهـ (ص ۴۳ ج ۳) . دوسرے قادر بخش نے شریفن کا دوسرا نکاح محض ضد اور نفسانیت اور نزاع باہمی کی وجہ سے کیا ہے لڑکی کی مصلحت پر نظر کر کے نہیں کیا اور یہ درست نہیں فکان کمن زوج مولیته برجل مفسد فی ماله بعطاء رشوة فهذا ابطل الولایة کما اهمنه واللہ تعالیٰ اعلم۔

ظفر احمد عفا عنہ۔ ۲۱ ذیقعدہ ۴۷ھ۔

الجواب صحیح عفی عنہ، اشرف علی عفی عنہ۔ ۲۱ ذیقعدہ ۴۷ھ۔

بلا ضرورت بدون اذن ولی کفو میں مہر مثل سے کم پر اپنا نکاح کرے تو نکاح صحیح ہوگا یا نہیں

سوال (۲۵) کیا فرماتے ہیں علمائے حنفیان مسئلہ میں: اگر کسی عاقلہ بالغہ ذات الولی کا نکاح اپنے کفو کے ساتھ اپنی رائے سے مہر مثل سے کم پر نکاح کرے تو وہ مثل نکاح بغیر الکفو کے غیر صحیح ہوگا یا بنا بر اس فرق کے جو ذیل کی عبارات میں مذکور ہے صحیح ہوگا اور اولیاء کو صرف اتمام مہر کا مطالبہ ہوگا وہ عبارت یہ ہے۔ فی الدر المختار ولو نکحت باقل من مهرها فللولی الاعتراض حتی یتم مهر مثلها او یفرق القاضی بینهما فی رد المحتار (قوله فللولی الاعتراض) افاد ان العقد صحیح وتقدم انها لو نکحت غیر کفو فالمختار روایة الحسن انه لا یصح العقد ولم ار من ذکر مثل هذه الروایة (ای روایة عدم الصحة) ههنا ومقتضاه انه لا خلاف فی صحة العقد ولعل وجهه انه لا یمکن الاستدراک هنا

بتمام مهر المثل بخلاف عدم الكفاءة (باب الكفاءة) قلت والمراد بما تقدم ما في الدر المختار وله الاعتراض في غير الكفو الى قوله ويفتى في غير الكفو بعدم جوازه اصلا وهو المختار للفتوى لفساد الزمان۔

الجواب: علامہ شامی نے اس مقام پر جو لکھا ہے محض ان کی رائے ہے نقل نہیں ہے اور اس رائے پر صاحب تحریر مختار نے اعتراض کیا ہے بلفظہ ولكن التعليل المذكور للافتاء بعدم الجواز في غير الكفو جار في مسئلة التزويج بدون مهر المثل ومقتضى لعدم الجواز تامل اھ (ص ۱۵ ج ۱) وفيه ايضا على قوله ومقتضاه انه لا خلاف الخ ما نصه تقدم ان مقتضى العلة انه لا فرق بين المسئلتين اھ ص ۱۹۱ ج ۱ واللہ اعلم۔

قال في العالمگيرية: ولو زوج ولده الصغير من غير كفؤ بان زوج ابنه امة او ابنته عبدا او زوج بغبن فاحش بان زوج البنت ونقص من مهرها او زوج ابنه وزاد على مهر امرأته جاز وهذا عند ابي حنيفة وعندهما لا يجوز الزيادة والحط الا بما يتغابن الناس فيه قال بعضهم فما اصل النكاح صحيح والاصح ان النكاح باطل عندهما هكذا في الكافي والصحيح قول ابي حنيفة كذا في المضمرات واجمعوا على انه لا يجوز ذلك من غير الاب والجد ولا من القاضي اھ (ص ۱۸ ج ۲)۔

قلت ومقتضى تعليل المتاخرين لرواية الحسن عن ابي حنيفة عدم الجواز عندهما ايضا۔ خلاصہ یہ کہ اس مسئلہ میں یعنی مہر مثل سے کم کرنے میں صاحبین کا قول تو یہ ہے کہ نکاح صحیح نہیں جبکہ عورت نے خود بلا رضاء اولیاء مہر کم کیا ہو یا ولی نے بلا رضاء عورت کے کم کیا ہو اور امام صاحب کے نزدیک نکاح صحیح ہے اور مضمرات میں قول امام ہی کو صحیح کہا ہے۔ لہذا فتویٰ تو صحت نکاح کے باب میں امام صاحب ہی کے قول پر دیا جائے گا مگر احوط یہ ہے کہ مہر مثل سے مہر کم نہ باندھا جائے کیونکہ تقویٰ یہی اولیٰ ہے۔ ولیتنبه لهذا فان الناس

ف وليس الحكم خاصا بنكاح الصغيرين بل عام للبالغين ايضا كما في البحر الخ وسياق ۱۲

عنه غافلون فيرون نقص المهر سنة وثوابا ولا يعلمون ان في ذلك نقص حق المرأة وسكوت المرأة البالغة البكر انما يكون رضا لقبول النكاح فقط لا لنقص المهر فان السكوت لا يكون حجة في الاموال والله تعالى اعلم.

قال في البدائع ومنها كمال مهر المثل في النكاح الحرة العاقلة البالغة نفسها من غير كفو بغير رضا الاولياء في قول ابي حنيفة حتى لو زوجت نفسها من كفو باقل من مهر مثلها مقدار ما لا يتغابن فيه الناس بغير رضا الاولياء فللاولياء حق الاعتراض عنده فاما ان يبلغ الزوج الى مهر مثلها او يفرق بينهما وعند ابي يوسف ومحمد هذا ليس بشرط ويلزم النكاح بدونه حتى يثبت للاولياء حق الاعتراض وهاتان المسئلتان اعني هذه المسئلة والمسئلة المتقدمة عليها وهي ما اذا زوجت نفسها من غير كفو ولغير رضا الاولياء ولا شك انهما يتفرعان على اصل ابي حنيفة وزفر واحدى الروايتين عن ابي يوسف ورواية الرجوع عن محمد لان النكاح جائز واما على اصل محمد في ظاهر الرواية عنه واحدى الروايتين عن ابي يوسف فلا يجوز هذا النكاح فيشكل التفريع فتصور المسئلة فيما اذا اذن الولي لها بالتزويج فزوجت نفسها من غير كفو باقل من مهر مثلها اھ (ص ۳۲۲ ج ۲)۔

وفي البحر تحت قول الكنز نكحت غير كفو فرق الولي ما نصه وظاهره في انعقاده صحيحا وهو ظاهر الرواية عن الثلاثة والمفتى به رواية الحسن عن الامام من عدم الانعقاد اصلا اذا كان لها ولي لم يرض به قبل العقد وفي الخلاصة وكثير من مشائخنا افتوا بظاهر الرواية وهذا يدل على ان كثيرا من المشائخ افتوا بانعقاده فقد اختلف الافتاء اھ ملخصا (ص ۱۲۸ ج ۳)

قلت ولم يثبت افتاؤهم بقول الصاحبين ولا بمقتضى تعليل رواية الحسن في مسئلة تقليل المهر عن المثل بل صرح في الهندية ان الصحيح في مسئلة تقليل المهر عن المثل قول ابي حنيفة ان اصل النكاح صحيح ورواية الحسن عن الامام ليست صريحة في هذه المسئلة وانما هي في الكفاءة فالاحوط الافتاء بالمنع من ذلك اي التقليل واذا وقع التزويج بالاقل من الاب والجد

فینبغی الافتاء بالانعقاد واما من غیرھا ولی صغیرۃ فلا واللہ اعلم ۔

یکم صفر سنہ ۵۲ھ ۔

نکاح نابالغہ کی ایک صورت کا حکم

سوال (۲۶) علمائے دین و مفتیان شرع متین ایسی حالت میں کیا فرماتے ہیں ۔ ہندہ جس کی عمر دس سال یا کچھ زائد ہے سن تمیز کو پوری طرح پہونچ چکی ہے اور نیک و بد کا بخوبی امتیاز ہے لیکن نابالغ ہے والد اس کا بجبر و جبر زید کے ساتھ کہ جس کی عمر ساٹھ سال کہی جاتی ہے عقد کرنا چاہتا ہے ہندہ زید کے ساتھ کسی طرح راضی نہیں ہے بلکہ خودکشی و جان کھونے پر آمادہ ہے اس کے والد نے مجبور ہو کر ظاہر کیا کہ زید کے ساتھ نہیں بلکہ بکر کے ساتھ کہ جس کی عمر بھی مناسب ہے عقد ہوتا ہے روز نکاح جب ہندہ کو معلوم ہوا کہ وہی زید بوڑھا آدمی ہے دھوکا دیا جاتا ہے نکاح کے خوف سے بھاگ کر دوسرے شخص کے مکان میں چھپی اس کے والد کو جب خبر ہوئی چھری وغیرہ لیکر اس مقام پہونچا اور قتل کرنے پر آمادگی ظاہر کی ۔ وہ جبرا اپنے مکان میں پکڑ لایا اور بلا رضامندی ہندہ کے نکاح ہو گیا مگر ہندہ نے ایجاب و قبول نہیں کیا برابر انکار رہا ہندہ رخصت ہو کر زید کے یہاں نہیں گئی بعد چار سال کے محض دباؤ ڈرانے کی غرض سے ایک مقدمہ فوجداری میں ہندہ کے باپ اور اس کے خاص عزیزوں پر زید نے دائر کیا زید کے خاص عزیزوں نے اپنی رہائی و گلوخلاصی ہندہ کے رخصت ہو جانے پر سمجھ کر بزور و جبر رخصت کرا دیا لاحق خوف سے ہندہ وہاں جا کر بیمار رہ گئی اور وہاں بھی وہی نارضامندی برابر رہی اور یکجائی کی نوبت نہیں آئی اب عمر ہندہ کی بیس برس ہے اور اپنے باپ کے مکان میں ہے جان کھونے پر آمادہ ہے مگر زید کے ساتھ رہنے یا اس کے گھر جانے پر رضامند نہیں ہے ، فقط اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید کے ساتھ جو نکاح ہندہ کا بحالت نابالغی بلا رضامندی ہندہ ، ہندہ کے باپ نے کر دیا تھا وہ صحیح نکاح ہوا تھا یا نہیں اور اب ہندہ بالغ ہو گئی ہے اور دوسرا نکاح دوسرے شخص کے ساتھ کرنا چاہتی ہے بلا زید کے طلاق دئے ہوئے ہو سکتا ہے یا نہیں اور کس طرح سے دوسرا نکاح ہو سکتا ہے ؟

تنقیح : س ۱ کیا ہندہ کے باپ نے اس نکاح میں زید سے کچھ رقم لی ہے یا کچھ رقم لینا طے ہوا تھا ۔ یا ہندہ کے باپ کو زید سے کچھ اور طمع تھی صاف صاف لکھا جائے نیز ہندہ کے باپ نے اس نکاح سے پہلے کسی اور لڑکی کے نکاح میں لڑکے والوں سے روپئے

لے ہیں یا نہیں ؟

۲۔ بروقت نکاح ہندہ کا کوئی اور ولی باپ کے سوا موجود تھا یا نہیں مثلاً ماں بھائی وغیرہ اور یہ لوگ زید سے ہندہ کا نکاح ہونے پر راضی تھے یا نہیں ؟

۳۔ زید خاندان وغیرہ کی حیثیت سے ہندہ کا ہم کفو ہے یا نہیں ؟

ان سوالات کے جواب پر حکم نکاح بتلایا جائے گا۔ فقط حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ۔

۵ صفر ۴۵ھ۔

جواب تنقیح: ۱۔ رقم کی بابت زید اور اس کے بہنوئی نے کچھ لوگوں کے سامنے یہ ظاہر کیا کہ روپیہ دے کر نکاح کیا ہوں بلا رقم خرچ کئے ہوئے بھلا وہ کیوں ہوتا اور ایسا نکاح ہونے کے بعد کثرت رائے اس بات پر اتفاق کرتی ہے کہ ضرور کچھ رقم لی گئی اور قبل نکاح زید ہندہ کے باپ کو بہت سے تحفہ تحائف دیتا تھا اور لڑکوں کی شادی نہ تو اس طرح ہوئی ہے جس میں کوئی خاص عزیز مثل بہن ولی خواہ بہن وغیرہ کے شریک کئے گئے ہوں اور نہ اس طرح کا بے جوڑ معاملہ کہ جس سے لڑکی خود انکار کر بیٹھے اور زبردستی نکاح مشہور ہو۔

۲۔ بروقت نکاح ہندہ کی ماں موجود تھی کہ جس کا ارادہ قطعی نکاح کرنے کا نہیں تھا مگر بلحاظ شوہر کے کچھ بس و دم نہیں مار سکتی تھی سوائے ماں کے اور کوئی دوسرا وارث یا عزیز موجود نہیں تھا۔

۳۔ زید خاندان کی حیثیت سے ہندہ کا ہم کفو نہیں ہے ہندہ کا حسب نسب زید سے کہیں اچھا ہے۔ زید و ہندہ کے باپ سے کبھی کی جان پہچان نہ تھی اور نہ آمد و رفت تقریباً بھی تھا۔

دوبارہ تنقیح: زید کس بات میں ہندہ سے گھٹا ہوا ہے دونوں کی ذات کیا کیا ہے اس کے جواب کے بعد حکم بتلایا جائے گا نیز یہ بھی لکھیں کہ جن لوگوں کے سامنے زید اور اس کے بہنوئی نے اس نکاح میں رقم لینا بیان کیا ہے وہ لوگ دیندار معتبر ہیں یا نہیں؟ فقط ظفر احمد۔

جواب تنقیح دوبارہ: زید ہندہ کے مقابلہ میں نہیں ہے۔ کیونکہ حسب نسب بلحیثیت سے اپنے خاندان وغیرہ برادری میں اچھا سمجھا جاتا ہے اور اب تک اچھا ہے۔ اور اس کا قاعدہ خاص طریقہ اسلام یہ ہے اور فرقہ اسلام و طریقہ مسلمانی کو باقاعدہ ادا کرتی ہے۔ زید کا حسب نسب معمولی درجہ کا ہے اور قاعدہ بالکل خراب ہے یعنی زید کے یہاں کی عورتیں گھر گھر بازار جاتی یا

کہیں دوسری جگہ جانا ہو تو بلا کسی پردہ کے اور بلا کسی امداد یعنی دوسرا مرد جوان کے گھر کا ہو اس کے ساتھ جانا بلکہ خود تنہا دوسری جگہ جانا جو دیگر اشخاص کے دیکھنے میں بالکل معیوب بات سمجھی جاتی ہے اور بات چیت بالکل اہل ہنود کے قاعدہ سے ملتی ہے۔

۲۔ زید و ہندہ ہم قوم ہیں اور شیخ کہے جاتے ہیں۔

۳۔ رقم کے بابت زید اور اس کے بہنوئی نے ایسے شخص کے سامنے بیان کیا ہے جو دیندار اور نہایت معتبر شخص ہیں اور احکام خدا اور رسول سے واقف ہیں علاوہ بریں اور کئی جگہ رقم کا تذکرہ برادری و غیر برادری میں بذریعہ زید و اس کے عزیزان مثلاً بہن و بہنوئی وغیرہ سے آچکا ہے۔

الجواب! فی الدر المختار (ولزم النکاح ولو بغبن فاحش) بنقص مہرھا وزیادۃ مہرہ (او) زوجھا (بغیر کفؤ ان کان الولی) المزوج بنفسہ بغبن (ابا او جدا) وکذا المولی وابن المجنونۃ (لم یعرف منھما سوء الاختیار) مجانۃ وفسقا (وان عرف لا) یصح النکاح اتفاقا وقال الشامی تحت (قولہ وان عرف لا) بعد الاشکال والجواب والحاصل ان المانع کون الاب مشھورا بسوء الاختیار قبل العقد فاذا لم یکن مشھورا بذلک ثم زوج بنتہ من فاسق صح وان تحقق بذلک انہ سیء الاختیار واشتھر بہ عند الناس فلو زوج بنتا اخری من فاسق لم یصح الثانی لانہ کان مشھورا بسوء الاختیار قبلہ بخلاف العقد الاول لعدم وجود المانع قبلہ (ص ۲۹۹ ج ۲)۔

وفی العالمگیریۃ (ص ۱۸ ج ۲) ولو زوج ولدہ الصغیر من غیر کفؤ بان زوج ابنہ امۃ او ابنتہ عبدا او زوج بغبن فاحش بان زوج البنت ونقص من مھرھا او زوج ابنہ وزاد علی مھر امرأتہ جاز وھذا عند ابی حنیفۃ رح ھکذا فی التبیین وعندھما لا یجوز الزیادۃ والحط الا بما یتغابن الناس فیہ قال بعضھم اما اصل النکاح فصحیح والاصح ان النکاح باطل عندھما ھکذا فی الکافی والصحیح قول ابی حنیفۃ رح کذا فی المضمرات وفی السطر الآتیۃ منہ والخلاف فیما اذا لم یعرف سوء اختیار الاب مجانۃ او فسقا اما اذا عرف ذلک منہ فالنکاح باطل اجماعا

(د) فی تنقیح الفتاوی الحامدیة (ص ۲۲ ج ۱) سئل فی هاشمی زوج صغیرته بغیر هاشمی عالماً بذلك راضیاً به فهل یتم النکاح۔
(الجواب) نعم والحالة هذه اه۔

ان سب عبارتوں سے معلوم ہوا کہ اس سوال میں اگر زید کو دین کے اعتبار سے ہندہ کا کفو بھی تسلیم نہ کیا جائے (جس کو جواب تنقیح میں مجمل بیان کیا گیا ہے) تب بھی نکاح صحیح ہو گیا پس ہندہ زید سے طلاق لئے بدون دوسرے شخص سے نکاح نہیں کر سکتی کیونکہ ہندہ کے والد کی طمع (اگر وہ ثابت ہو جائے) اسی نکاح ہندہ میں معلوم ہوتا ہے اس سے پیشتر ان سے ایسا واقعہ نہیں ہوا جو سوء اختیار کی شرط ہے۔ واللہ اعلم کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ۔ ۵ ربیع الاول ۵۳ھ۔

باپ نے ایک جگہ نکاح کی وصیت کی تو ولی دوسری جگہ لڑکی کا نکاح کر سکتا ہے

سوال (۲۷) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ پھول بہار کے والد مسمی عبد الجلیل نے دختر مذکورہ کی نسبت زید سے کی تھی اور مرتے وقت یہ وصیت اس کی والدہ اور دادی سے کی تھی کہ پھول بہار کا نکاح زید سے کرنا جس سے کہ میں نے نسبت کی ہے پس صورت مذکورہ میں پھول بہار کا ولی نکاح بلا اس کی والدہ کی اطلاع کے اس کے والد کی وصیت کے خلاف پھول بہار کا عقد کسی دوسرے سے کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اس وصیت پر عمل ضروری نہیں ہے اس لئے ولی بلا اطلاع والدہ کے وصیت کے خلاف کر سکتا ہے البتہ اگر اس جگہ نکاح کرنے میں کوئی شرعی خرابی نہ ہو تو وصیت کا لحاظ کرنا جائز ہے مگر واجب نہیں۔ فقط الاحقر عبد الکریم عفی عنہ۔ ۱۹ جمادی الاخری ۵۳ھ۔

الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ۔ ۱۹ جمادی الاخری ۵۳ھ۔

باپ بالغہ لڑکی کا نکاح اس کی رضامندی سے غیر کفو میں کرے تو نکاح منعقد ہو جائیگا

سوال (۲۸) چہ می فرمایند علمائے دین و مفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ زید و عمر نجیب الطرفین یا بمعلوم ولاۃ ہیں زید اپنی آبائی خاندان سادات سے ہے اور عمر اپنے آبائی خاندان پٹھان سے ہے زید کی رشتہ داری علاوہ سادات کے دیگر خاندان یعنی پٹھان اور شیخوں سے بھی مشترک ہے علی ھذا القیاس عمر کی رشتہ داری بھی علاوہ پٹھانوں کے خاندان سادات اور شیخوں میں مشترک ہے حتی کہ عمر کا نانا خاندان سادات سے ہے کیا ایسی صورت میں زید کی لڑکی عمر کے لڑکے سے منسلک ہو سکتی ہے یا نہیں جواب باصواب سے مطلع فرمایئے؟

تنقیح:- لڑکی بالغہ ہے یا نہیں اگر بالغہ ہے تو وہ اس رشتہ پر راضی ہے یا نہیں اور بالغہ نہیں ہے تو زید لڑکی کی کس مصلحت سے اس جگہ نکاح کرتا ہے یا کسی اپنی غرض سے کہ آپ مفصل لکھیں اور زید کے باپ دادوں میں تو کوئی پٹھان تو نہیں کیونکہ رشتہ داری کا مفہوم اس کو بھی عام ہے۔ فقط۔

جواب تنقیح:- لڑکی بفضلہ تعالیٰ بالغہ ہے سن پندرھواں سال ہے مگر اس ملک کا یہ رواج نہیں ہے کہ اس کو اس قدر آزادی حاصل ہو کہ اپنے والدین کی موجودگی میں بوجہ شرم و لحاظ کے اپنے منہ سے رضامندی ظاہر کرسکے۔

(۲) زید کو کوئی مصلحت یا غرض دنیوی نہیں ہے محض خداوند تعالیٰ کی رضامندی و رضا جوئی درکار ہے بدیں خیال خاندان سادات یا شیخوں میں ہنوز کوئی لڑکا پابند صوم و صلوٰۃ دستیاب نہیں ہوا اور جو ہیں بھی ہیں وہ زمانہ کے بگڑے ہوئے روشن خیال جنٹلمین وضع میں نظر آتے ہیں۔ برعکس اس کے عمر اور اس کے اولاد بفضلہ تعالیٰ نجیب الطرفین اور پابند صوم و صلوٰۃ ہیں لہٰذا ایسی صورت میں شریعت کیا اجازت دیتی ہے؟

(۳) زید کے آباء و اجداد میں سوائے سادات کے کوئی شیخ یا پٹھان نہیں گذرا البتہ فرقہ اناث سے جملہ مشترک ہیں فقط۔

الجواب: اگر لڑکی بالغہ ہے اور باکرہ ہے اور اس کا ولی غیر کفو سے نکاح کرتا ہے اور لڑکی اس نکاح پر خاموش رہے یا زبان سے اس کو منظور کرے تو نکاح صحیح ہے غیر کفو سے نکاح کرنا اس صورت میں مضائقہ نہیں رکھتا واللہ اعلم۔ احقر عبدالکریم عفی عنہ ۸ رجب ۴۶ھ

الجواب صحیح: ظفر احمد عفا عنہ۔ ۸ رجب ۴۶ھ

ولی خود نابالغہ سے نکاح کرے تو کس کی ولایت و اجازت سے نکاح ہوگا

سوال (۲۸) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ عمر نے انتقال کیا ایک زوجہ و دختر مسماۃ ہندہ و برادر زادہ حقیقی مسمی بہ زید و نیز پھوپھی و خالہ زاد و برادر پھوپھی زاد ظاہر ہے کہ برادر زادہ حقیقی ولی نابالغہ لڑکی کا ہے اب ولی مذکور کی خواہش ہے کہ اپنا نکاح خود نابالغہ سے کرے دریافت طلب یہ ہے کہ اس نکاح کا ولی کون شخص ہوگا اور

عہ یعنی یا اس کو حیض آنے لگا ہو یا پورے پندرہ سال کی ہوگئی ہو اور اگر حیض نہ آتا ہو اور پورے پندرہ سال کی نہ ہو تو نابالغہ ہے اگر ایسا ہو دوبارہ سوال کیا جائے۔ از حضرت مدظلہم العالی۔

یہ نکاح کس کی اجازت سے ہوگا۔ بحوالۂ کتاب جواب دیں اللہ آپ لوگوں کو اجر دے گا۔

الجواب من بعض العلماء:

صورت مسئولہ میں برادر زادہ حقیقی خود نکاح کر سکتا ہے اور وہ خود اجازت دے گا بشرطیکہ لڑکی نابالغہ کا نقصان کسی قسم کا متصور نہ ہو۔ اور دیانت و امانت سے اس عقد کو کرے۔ اگر برادر زادہ حقیقی نے نکاح کر لیا اور اس میں نابالغہ کا نقصان ہوا تو بعد بلوغ نابالغہ کو حق فسخ کا ہوگا جیسا کہ عبارت شرح وقایہ جلد ثانی صفحہ ۱۳ سے ظاہر ہے وصح انکاح الاب والجد عند عدم الاب الصغیر والصغیرۃ بغبن فاحش فی المہر او من غیر کفو لا لغیرھما ای لا یصح لغیر الاب والجد انکاح الصغیر والصغیرۃ بغبن فاحش فی المہر او من غیر کفو لان فی ذلک ضررا۔ واللہ اعلم بالصواب کتبہ عبد الحمید عفی عنہ ساکن قصبہ ننگر ہار۔

نقل دستخط جناب محمد عبد الاحد عفی عنہ ساکن قصبہ ننگر ہار۔

۲۶ شوال ۱۳۴۲ھ

جرح من بعض العلماء:

مفتی نے جو یہ جواب لکھا ہے کہ صورت مسئولہ میں برادر زادہ حقیقی خود نکاح کر سکتا ہے اور وہ خود اجازت دے گا بشرطیکہ لڑکی نابالغہ کا نقصان کسی قسم کا متصور نہ ہو اور دیانت و امانت سے اس عقد کو کرے۔ اس مسئلہ میں مفتی رحمۃ اللہ علیہ کا اس انعقاد سے کیا مراد ہے اگر عقد نافذ مراد ہے تو عقد لازم ہوگا موقوف ہوگا۔ اور مفتی رحمۃ اللہ علیہ نے جو جواب دیا ہے کہ اگر برادر زادہ حقیقی نے نکاح کر لیا اور اس میں نابالغہ کا نقصان ہو تو بعد بلوغ نابالغہ کو حق فسخ کا ہوگا۔ یہ مفتی صاحب کا قول قابل [illegible] ہے کیونکہ اگر چچیرے بھائی نے نابالغہ سے غبن فاحش مہر میں اپنے ساتھ نکاح کر لیا تو یہ نکاح باطل ہوگا موقوف نہ ہوگا۔ اسی واسطے وقایہ متن والا بولتا ہے وصح انکاح الاب والجد عند عدم الاب الصغیر والصغیرۃ بغبن فاحش فی المہر او من غیر کفو لا لغیرھما۔ اگر کوئی کہے کہ اگر چچیرے بھائی نے نابالغہ سے مہر میں غبن فاحش کر کے نکاح کر لیا تو یہ نکاح صحیح ہوگا جیسا کہ شرح وقایہ میں ہے وان فعل غیرھما فلھما ان یفسخا بعد البلوغ تو اس کا جواب یہ ہے کہ شارح وقایہ سے یہاں وہم واقع ہوا ہے جو اس نکاح کو صحیح ہونا بتاتا ہے حالانکہ نفس الامر میں کوئی نکاح نہیں ہوا۔ چنانچہ در مختار میں ہے وان کان المزوج غیرھما ای غیر الاب وابیہ لا یصح النکاح من غیر کفو او بغبن فاحش اصلا وما فی صدر الشریعۃ

ولهما فسخه وهم وان كان من كفو وبمهر المثل صح ولكن لهما اى الصغير والصغيرة خيار الفسخ بالبلوغ او العلم بالنكاح بعده انتهى ملخصاً۔

اور در مختار کی شرح شامی میں ہے قوله صح ولهما فسخه اى بعد بلوغهما والجملة فصل بها لفظها مرفوعة المحل على انها بدل من ما او محكية بقول محذوف اى قائلا وقوله وهم خبر عن ما وعبارة صدر الشريعة فى متنه وصح انكاح الاب والجد عند عدم الاب الصغير والصغيرة بغبن فاحش ومن غير كفو لا غيرهما وقال فى شرحه اى لو فعل الاب او الجد عند عدم الاب لا يكون للصغير والصغيرة حق الفسخ بعد البلوغ وان فعل غيرهما فلهما ان يفسخا بعد البلوغ اه ولا يخفى ان الوهم فى عبارة الشرح وقد نبه على ذلك ابن الكمال وكذا المحقق التفتازانى فى التلويح فى بحث العوارض وذكر انه لا يوجد رواية اصلا واجاب القهستانى بان صحته بالغبن الفاحش نقلها فى الجواهر عن بعضهم وبغير كفو نقلها فى الجامع عن بعضهم قال وهذا يدل على وجود الرواية اه قلت وفيه نظر فان ما كان قولا لبعض المشائخ لا يلزم ان يكون فيه رواية عن ائمة المذهب ولا سيما اذا كان قولا ضعيفا مخالفا لما فى مشاهير كتب المذهب المعتمدة انتهى كلامه، وقال فى حاشية شرح الوقاية وهذا يدل على وجود الرواية وفيه انه قول غير معتبر والاصح بطلان انكاح غيرهما بغبن فاحش ومن غير كفو من اصله انتهى۔

اب صورت مسئولہ کا جواب لکھا جاتا ہے کہ نابالغہ کا چچیرا بھائی جو ولی ہے اگر وہ اپنے ساتھ نکاح کرنے کی خواہش رکھتا ہے تو ایسی صورت میں بھی ولی چچیرا بھائی ہی ہوگا اور اپنے ساتھ ولی کی اجازت سے مہر مثل میں نکاح کرسکتا ہے مگر نابالغہ کو اختیار ہے کہ بعد بلوغ اس نکاح کو قائم رکھے یا فسخ کردے۔ ہدایہ میں ہے ویجوز نکاح الصغیر والصغیرة اذا زوجهما الولی فان زوجهما الاب او الجد یعنی الصغیر والصغیرة فلا خیار لهما بعد بلوغهما وان زوجهما غیر الاب والجد فلکل واحد منهما الخیار اذا بلغ ان شاء اقام علی النکاح وان شاء فسخ انتهی ملخصا اور بتانا یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں چچیرا بھائی نابالغہ کا ولی اصیل ہے یعنی خود اپنے ساتھ اگر مہر مثل میں نکاح کرنا چاہتا ہے تو نکاح

صحیح ہوگا مگر نابالغہ کو بعد بلوغ فسخ و عدم فسخ کا اختیار ہے شرح وقایہ میں ہے ویتولی طرفی النکاح واحد لیس بفضولی من جانب وھو علی اقسام منھا ان یکون الواحد اصیلا وولیا کابن العم یزوج بنت عمہ الصغیرۃ انتہی بتغییرما ۔ حاصل کلام اگر مجیر اصغیرہ [illegible] زوجین سے بمہر مثل میں کیا یا بغیر نقصان فاحش نکاح کرے گا تو صحیح ہوگا ورنہ نہیں واللہ اعلم وعلمہ اتم ۔ کتبہ عبد الرشید بن شوق نیموی عظیم آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ

۲۰ شوال ۱۳۲۳ھ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم

الجواب من جامع امداد الاحکام

الجواب الثانی صحیح ۔ ولکن خیار الفسخ بعد البلوغ یقتضی قضاء القاضی ویتوقف علیہ ولا تتفرد المرأۃ بفسخ نکاحہا بعد البلوغ بدون القضاء و لیس لنا فی الھند قاض شرعی یتولی فسخ مثل ھذا النکاح واللہ اعلم ۔

ظفر احمد عفا عنہ ۔ ۵ ذیقعدہ ۴۶ھ ۔

دھوکہ سے غیر کفو میں نکاح ہو گیا تو لڑکی اور اولیاء کو فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہوگا

سوال (۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ بالغہ کا نکاح اس کے سوتیلے باپ نے زید کے ساتھ کر دیا جس نے اپنے کو شیخ انصاری بتایا بعد نکاح معلوم ہوا کہ زید نور باف ہے چونکہ یہ نکاح لاعلمی میں غیر کفو میں ہو گیا کیا شرعاً یہ نکاح درست اور جائز ہے بینوا توجروا ۔

الجواب : صورت مسئولہ میں نکاح تو ہو گیا لیکن چونکہ زید نے ہندہ اور اس کے اولیاء کو دھوکہ دیا کہ اپنے کو انصاری ظاہر کیا اور یہ سمجھ کر وہ لوگ نکاح پر راضی ہوئے اس لئے ہندہ کو اور اس کے اولیاء کو اس نکاح کے فسخ کرانے کا حق حاصل ہے وہ عدالت میں دعویٰ کر کے نکاح کو فسخ کرا سکتے ہیں اگر حاکم عدالت مسلمان ہو تو اس کا فسخ شرعاً بھی معتبر ہے اگر مسلمان نہ ہو تو اس کے بعد ہندہ کو اپنا مقدمہ برادری کی پنچایت کے سامنے بھی پیش کرنا چاہئے جس میں کسی عالم کو بھی شریک کیا جائے برادری اس نکاح کو فسخ کر دے گی تو شرعاً نکاح فسخ ہو جائے گا جس کے بعد ہندہ دوسری جگہ اپنا نکاح کفو میں کر سکے گی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو رسالہ الحیلۃ الناجزۃ واللہ تعالیٰ اعلم ۔ ظفر احمد عفا عنہ ۔ ۲۶ شعبان ۵۲ھ ۔

⁂

بیان الحق والصواب
فی
مسئلۃ الکفاءۃ بالانساب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مبسملا و حامدا و مصلیا ۔

مخدوم و مکرم حضرت مولانا! السلام علیکم، چونکہ میرا اور آپ کا نیز کل اہل حق کا اعتقاد یہ ہے کہ سوا انبیاءؑ کے کوئی معصوم عن الخطاء نہیں ہے اس لئے اس عریضہ کے لکھنے کی جرأت کرتا ہوں وہ یہ کہ اگر مسلم ہے کہ احکام قرآن کی تنسیخ صرف آیات قرآن سے ہی ہو سکتی ہے حسب لا ینسخ کلامی کلام اللہ حدیث متواتر سے بھی قرآن کے احکام نہیں ترک ہو سکتے ہیں اور اس لئے حضرت عمرؓ نے زینب کی حدیث پر عمل نہیں کیا جب یہ امور مسلمہ ہیں تو کیا استحسان سے نصوص قرآنیہ کو چھوڑنا جائز ہے؟ حال یہ ہے کہ استحسان بھی قیاس ہی کا ایک قسم ہے یقیناً میرا اور آپ کا اعتقاد یہ ہے کہ جائز نہیں ہے اب عرض یہ ہے کہ تراضی زوجین فی النکاح بفلا تعضلوهن ان ینکحن ازواجهن اذا تراضوا بینهم کے نص صریح سے ثابت ہے اور اس لئے کل فقہاء نے بالاتفاق نکاح کے

بعد الحمد والصلوٰۃ ۔ کلامی لا ینسخ کلام اللہ حدیث بنا بھی نہیں، متواتر تو کیا ہوتی اس کی سند میں ایک راوی متہم بالوضع ہے ملاحظہ ہو تنقیح المشکوٰۃ ص ۴۵، اور آیت فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ الآیۃ ثیبات کے متعلق ہے جو پہلے ذوات ازواج رہ چکی ہیں اس سے مطلقاً تراضی کے اشتراط پر استدلال کرنا عربیت سے ناواقفی پر مبنی ہے۔ فقہاء نے تراضی کو ضرور شرط کیا ہے مگر وہ شرط عام ہے خواہ تراضی زوجین ہو اگر دونوں عاقل بالغ ہوں یا تراضی اولیاء و موالی ہو اگر نابالغ یا غلام باندی ہوں اس آیت سے فقہاء کے اس قول کی تائید نہیں ہوتی کیونکہ یہ آیت مطلقاً ثیبات بالغات کے حق میں ہے۔ اور اگر بالفرض اس سے مطلقاً اشتراط تراضی پر استدلال کیا جاوے تو آگے بالمعروف کی قید بھی تو مذکور ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ تراضی مطلقاً معتبر نہیں بلکہ اسی وقت معتبر ہے جبکہ قاعدۂ معروفہ کے

انعقاد میں تراضی زوجین شرط اور قید لگایا ہے وینعقد بالایجاب والقبول بالتراضی آپ کے سامنے ہے اور یہ بھی مسلم ہے کہ قبل از بلوغ تراضی نہیں ہے پس اگر کسی نے نابالغ کا نکاح کیا خواہ باپ ہو یا دادا ہو پس وہ نکاح تراضی بعد البلوغ پر موقوف رہنا چاہئے اس لئے کہ باپ دادا کو حق نہیں ہے بغیر رضی لڑکی کے نکاح کرنے کا خواہ وہ بالغ ہو یا نابالغ چنانچہ خنساء کی حدیث میں اس کی تصریح موجود ہے اور قرآن کے نص مذکور سے ثابت ہوتا ہے پھر یہ فتویٰ دینا جیسے کہ آپ نے بہشتی زیور میں تقلیداً درج فرمایا ہے کہ صغیرہ لڑکی کا نکاح باپ دادا نے کیا ہو تو بعد بالغ ہونے کے اس کو توڑنے اور فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہے کتنی بڑی جرأت ہے کہ نص قرآن تو باواز بلند تراضی کا اعلان کرتی ہے اور احناف محض تقلید کی وجہ سے ایک صورت میں بدون تراضی نکاح نافذ قرار دیتے ہیں لڑکی بعد بالغ ہونے کے صاف انکار کرتی ہے کہ میرے باپ نے نکاح میری ناراضی میں قبل از بلوغ کیا ہے وہ مجھ کو منظور نہیں ہے اور احناف کہتے ہیں کہ اگرچہ تم راضی نہ ہو اور اس نکاح کو ناپسند کرتی ہو مگر تم کو توڑنے اور فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہے اس لئے کہ تمہارے باپ یا دادا نے کیا ہے تو کیا خدا کے یہاں ابو حنیفہ احناف کو اس جرأت علی کتاب اللہ سے نجات موافق ہو اور قاعدہ معروفہ اسلام میں یہی ہے کہ نابالغ لڑکی کا نکاح ولی کی رضا سے ہوتا ہے اور ولی اگر باپ ہو تو لڑکی کو بعد بلوغ کے خیار نہیں ہوتا جیسا آنحضرت و حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح سے۔ اس کا ثبوت آتا ہے اسی قید بالمعروف سے حنفیہ نے یہ کہا ہے کہ اگر عورت مہر مثل سے کم پر یا غیر کفو سے نکاح پر راضی ہو جائے تو یہ رضا معتبر نہیں کیونکہ خلاف معروف ہے اس وقت ولی کو حق فسخ حاصل ہوگا۔ پس اذا تراضوا بینہم کو دیکھ لینا اور بالمعروف سے قطع نظر کرنا علم نہیں ہے جہل ہے۔ قال ابن العربی المالکی فی احکام القرآن قولہ تعالیٰ اذا تراضوا بینہم بالمعروف یعنی اذا کان کفواً لہا لان الایۃ نزلت فی ثیب مالکۃ امرہا فدل علی ان المعروف المراد بالآیۃ ہو الکفاءۃ وفیہا حق عظیم للاولیاء لما فی ترکہا من ادخال العار علیہم وذلک اجماع من الامۃ اھ ص ۸۵ ج ۱

وانکحوا الایامی منکم میں اولیاء کو خطاب ہے کہ جن عورتوں کے شوہر نہ ہوں ان کا نکاح کر دو۔ ایامی عام ہے ہر غیر ذات زوج کو۔ آگے ارشاد ہے والصالحین من عبادکم وامائکم اپنے غلام اور باندیوں

دلا سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں پھر کیونکر ایسی تقلید کو زندگی وجہ سے عمر کے تنگ احاطہ میں مسلمانوں کو قید کیا جاتا ہے اور قرآن کے میدان وسیع میں جانے کی اجازت نہیں دیتے ہیں؟ قرآن تو یوں فرماتا ہے ویوم ینادیہم فیقول ماذا اجبتم المرسلین کیا یہ بھی کہیں سے ثابت ہے کہ خدا ائمہ اربعہ یا اور کسی بزرگ کی تقلید کے بارے پوچھے گا؟

دوسری غرض یہ ہے کہ ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم عام ہے اور اس کا یہی معنی ہے کہ اکرم عند اللہ فی الدنیا والآخرۃ متقی اور پرہیزگار ہے خواہ وہ کوئی ذات ہو عرب یا عجم یا جولاہا یا دھنیا یا شیخ یا پٹھان یا سید یا علوی یا انصاری یا اور کوئی کام گو ہو اور احادیث صحیحہ میں اس کی تصریح ہے۔ فاظفر بذات الدین سے عام ذات الدین مراد ہے خواہ کوئی ذات اور کوئی قوم ہو اور کوئی پیشہ گر ہو اس سے نہ آپ انکار کر سکتے ہیں نہ اور کوئی منصف مزاج مسلمان اور انکاح میں جو یہ ارشاد ہے اذا وجدت لها كفوا اس کو

میں سے جو نیک ہوں ان کا بھی نکاح کر دو اس سے یہ معلوم ہوا کہ نابالغہ اور غلام باندی کے نکاح میں ولی یعنی مولیٰ کی رضا کافی ہے نابالغہ اور غلام باندی کی رضا شرط نہیں ورنہ یہاں بھی اذا تراضوا کی شرط مذکور ہوتی۔ احناف اور شوافع وغیرہ جو تعصب دین کے واسطے سے قرآن وحدیث کو سمجھتے ہیں وہ جرأت علی اللہ نہیں کرتے، جرأت علی اللہ وہ کرتے ہیں جو محض قرآن وحدیث کا ترجمہ دیکھ کر مجتہد بنے بیٹھے ہیں حالانکہ وہ محض مطالعہ ترجمہ سے نہ طبیب و ڈاکٹر بن سکتے ہیں نہ وکیل و بیرسٹر، یہ محض دین سے بے اعتنائی ہی تو ہے کہ ہر شخص اس میں اپنی رائے کو دخل دیتا ہے۔

آیت ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم میں تفاخر بالانساب کی ممانعت ہے مسئلہ کفاءت کی نفی کہاں ہے، اور جو شخص مسئلہ کفاءت کو فخر بالانساب سمجھتا ہے وہ جاہل ہے مسئلہ کفاءت کا مدار اسی تعارف پر ہے جس کا ذکر اسی آیت میں ہے وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا۔ جس سے معلوم ہوا کہ شعوب وقبائل کو تعارف میں دخل ہے اور نکاح کی بنیاد بھی تعارف پر ہے بدون تعارف کے جو نکاح ہوگا اس میں مقصد نکاح فوت ہوگا دیکھیں بے الفت عہ

عہ (حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

وہی ذات الدین مراد ہے چنانچہ دوسری حدیث صحیح میں اس کی تصریح ہے اذا خطب الیکم من ترضون دینہ وخلقہ فزوجوا الا تفعلوا تکن فتنۃ فی الارض وفساد عریض۔ ہر مومن باللہ ورسولہ سے اس حدیث میں پر اس مسلمان کو زواج کرے گا جو موصوف بالدین المرضی والخلق المرضی ہو خواہ وہ کوئی ذات ہو بلکہ تفریق بین المومنین جو آپ نے تفصیلا بہشتی زیور میں درج کیا ہے کہ فلانے کے یہاں نکاح بے جوڑ ہے اور فلانے کے یہاں باجوڑ ہے اور نصوص قرآن وحدیث پر غور نہیں فرمایا ہے اس کا جواب خدا کو دیں گے کیا ابو حنیفہ یا صاحب ہدایہ وغیرہ کی تقلید حجت عند اللہ ہو سکتی ہے؟ ہاں مولانا یہ جو کچھ ہے کفار اور زمانۂ جاہلیت کا رسم ہے جو بدنصیبی اور تقلید کورانہ سے مسلمانوں میں چلی آتی ہے آپ کے سامنے حدیث صحیح موجود ہے جس میں آنحضرتؐ نے فخر بالانساب کو مانند ضحک عن الضرطۃ زمانۂ جاہلیت یا کفار کا رسم بد قرار دیا ہے پس کیونکر نصوص قرآن وحدیث سے چشم پوشی کی جاتی ہے اور محض رسم ورواج کی بنا پر اور تقلید کورانہ کی وجہ سے وہ چیز جس کو آنحضرتؐ

ومحبت نہ ہوگی اس لئے نکاح میں تعارف کی ضرورت ہے جو شعوب وقبائل پر موقوف ہے، اس سے کسی خاندان پر کسی خاندان کی ایسی فضیلت لازم نہیں آتی کہ محل ہی احتقار ہو جائے ان اکرمکم عند اللہ اتقکم کا یہی مطلب ہے۔ پس جو لوگ اس آیت سے ابطال کفاءت پر استدلال کرتے ہیں وہ قرآن میں اپنی رائے سے زیادتی کرتے ہیں۔ اگر وہ تدبر سے کام لیتے تو اسی آیت سے کفاءت کے مسئلہ کو سمجھ لیتے۔

فاظفر بذات الدین میں مردوں کو خطاب ہے کہ دیندار عورت کو تلاش کرو۔ اور مردوں کے واسطے فقہاء نے کفاءت کی شرط کہاں لگائی ہے، مرد جس مسلمان عورت سے چاہے نکاح کر سکتا ہے، کفاءت کی شرط عورتوں کے واسطے ہے، اس لئے اس حدیث میں کچھ تعرض نہیں اور جو شخص اس سے عورتوں کے لئے خطاب سمجھے وہ عربیت سے محض نابلد ہے۔ البتہ اذا خطب الیکم من ترضون دینہ وخلقہ میں عورتوں کی بابت مردوں کو خطاب ہے کہ جب تمہارے پاس

حاشیہ صفحہ گذشتہ: حدیث میں ہے کہ الارواح جنود مجندۃ فما تعارف منها ائتلف وما تناکر منها اختلف فلا دلیل لکون التعارف فی الآیۃ مخصوصاً بتعارف الاشخاص بل هو عام لتعارف الارواح والاشخاص جمیعاً ۱۲ ظ

کفو کو جاہلیت کی رسم بد فرماتے ہیں حکم اسلام اعتقاد کیا جاتا ہے اور فقہاء نے جو احادیث اپنی کتابوں میں درج کئے ہیں کفاءت کے بارے میں ان کو کون تسلیم کر سکتا ہے جو نصوص قرآن و احادیث صحیحہ کے خلاف ہیں۔

کوئی ایسا شخص پیغام لائے جس کے دین اور اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو اس سے اپنی عورتوں کی شادی کر دو۔ مگر یہاں لفظ دین پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ خلقہ بھی فرمایا گیا ہے اور مشاہدہ ہے کہ شیوخ و قبائل کے اخلاق میں باہم زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے، ایک قریشی سید کے جو اخلاق عالیہ ہوں گے وہ کسی جلاہے یا تیلی کے نہیں ہو سکتے۔ اس قید سے خود کفاءت کے اعتبار پر اشارہ موجود ہے مگر ولی نہ سمجھے تو اس کا کیا علاج۔ نیز اس حدیث میں لفظ ترضون دینہ سے یہ بھی نکل رہا ہے کہ نکاح میں ولی کی رضا کافی ہے کیونکہ یہاں اولیاء ہی کو خطاب ہے پس نابالغ لڑکیوں کی رضا کو شرط بنانا حدیث میں رائے کو دخل دینا ہے۔

اس سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ ابو حنیفہؒ اور صاحب ہدایہ نے جو کچھ کہا ہے حدیث و قرآن سے سمجھ کر کہا ہے۔ مگر یہ اس چودھویں صدی کی حریت اور آزادی کا اثر ہے کہ اختلاف امت سلف کو تو برا کہتے ہیں اور اپنی رائے سے دین کو سمجھنا چاہتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فخر بالانساب کی ضرور مذمت کی ہے مگر اعتبار کفاءت کی مذمت نہیں فرمائی اور دونوں کو ایک سمجھنا سراسر جہالت ہے کیا حدیث میں یہ نہیں کہ

ائمہ احادیث نے جیسی انکی سمجھ ان چھ کتابوں میں ایسی احادیث کو درج کئے ہیں جو ان کی تحقیق اور تنقید میں صحیح تھیں اور جن کو اس وقت تک اہل السنۃ والجماعۃ مانتے چلے آئے ہیں پس ان سے خلاف جو احادیث فقہاء نے نقل کئے ہیں ان کو کون تسلیم کر سکتا ہے حضرت مولانا اگر آپ قرآن اور احادیث کو پھر غور فرمائیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ کفاءت کے مسائل جو فقہاء نے درج کئے ہیں شاید ان میں سے ایک آدھ قابل عمل ہو۔ قرآن کے بارے خدا فرماتا ہے ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر۔ پس قرآن تو ہر ذی عقل

الناس معادن کمعادن الذہب و الفضۃ خیارہم فی الجاہلیۃ خیارہم فی الاسلام اذا فقھوا اور حدیث میں یہ نہیں ہے الائمۃ من قریش اور کیا قرآن میں نہیں ہے لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح و قاتل۔ جس میں مہاجرین کو غیر مہاجرین پر افضل کہا گیا ہے، کیا قرآن میں نہیں ہے، ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون، جس میں عالم کو جاہل سے افضل کہا گیا ہے، کیا قرآن میں نہیں ہے ام نجعل المتقین کالفجار، جس میں صلحاء کو فساق سے افضل کہا گیا ہے یہی وہ امور ہیں جن کی کفاءت میں رعایت ہے۔

اوپر بتلایا جاچکا ہے کہ مسئلہ کفاءت صرف احادیث ہی سے نہیں بلکہ نص قرآن سے بھی ثابت ہے مگر کوئی نہ سمجھے تو اس کا کیا علاج؟ کفاءت کے متعلق جو احادیث ہیں ان میں سے ایک آدھ بھی قابل عمل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد کیا کافی نہیں؟ پھر اس کا انکار کرنے والا منکر حکم رسول ہوگا یا نہیں؟

ولقد یسرنا القرآن للذکر کی جو تفسیر آپ نے سمجھی ہے وہ تفسیر بالرائے ہے۔ یقیناً قرآن عربی فصیح و بلیغ ہے اس کا سمجھنا فصحاء و بلغاء عرب ہی کا منصب ہے محض ترجمہ

عربی داں نحوی یا سمجھ سکتا ہے خدا نے قرآن میں یہ فرمایا ہے انا خلقناکم الآیۃ اور شعوب اور قبائل بنایا ہے یہ صرف تعارف کے لئے ہے نہ نسب کے لئے و لا تنکحوا المشرکین حتی یومنوا اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جو ایمان لایا وہ ہر مسلمان کا کفو ہوا اور ہر مسلم کا نکاح اس سے جائز ہے نسب جو خواہ وہ عرب ہو یا عجم یا جولاہا یا دھنیا یا اور کوئی پیشہ کرتا ہو ۔	جاننے سے قرآن سمجھ میں نہیں آسکتا چنانچہ اوپر آیات و احادیث مذکورہ یا ان کے سمجھنے میں آپ نے غلط فاحش کا ارتکاب کیا ہے ۔ پھر قرآن اگر ذکر کے لئے آسان ہے تو کیا استنباط احکام کے لئے بھی آسان ہے ؟ جو اس کا دعوی کرے یقیناً جرأت علی اللہ کا ارتکاب کرتا ہے ذکر و استنباط میں زمین و آسمان کا فرق ہے ۔ و لا تنکحوا المشرکین حتی یومنوا میں صرف یہ کہا گیا ہے کہ کافروں سے مسلمان عورتوں کا نکاح نہ کرو ۔ اس سے یہ کہاں معلوم ہوا کہ اسلام لانے کے بعد سب کے سب برابر ہیں جو یہ دعوی کرتا ہے وہ قرآن میں اپنی رائے سے اضافہ کرتا ہے ۔ پھر و لا تنکحوا میں صاف اشارہ ہے کہ عورتوں کا نکاح کرنا نہ کرنا مردوں کے ہاتھ ہے اس لئے تو مردوں کو خطاب کیا گیا کہ تم ان کا نکاح کافروں سے نہ کرو ۔
ان احادیث میں جو خلق مرضی اور دین مرضی کفاءت فی النکاح کا معیار قرار دیا گیا ہے وہ ضروری اور قابل لحاظ اور طول بالمال اور استطاعت بالباءۃ بھی شرط ہے اور قرآن و حدیث سے ثابت ہے مگر یہ جو احناف نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے کہ کفار نو مسلم کے لئے کم از کم ابوان فی الاسلام	حدیث میں خلق مرضی کی رعایت کا حکم ہے وہی تو فقہاء کی شروط کفاءت کی دلیل ہے کیونکہ شعوب و قبائل کے اخلاق میں زمین آسمان کا فرق ہے ۔ حضرات صحابہ تو سب کے سب ایسے ہی تھے کہ کفر سے اسلام میں داخل ہوئے تھے اس لئے وہ سب کفو تھے ان میں کسی کے

ہونا چاہیے جو نص قرآن سے بالکل خلاف ہے کیوں ۔ ناجانا جو صحابہ کرام کے پاک ذہنوں میں ہرگز یہ خلاف نصوص خیالات نہ تھے بلکہ لاکھوں کو مشرف باسلام کیا اور جو مسلمان ہوا اگرچہ اس کا باپ کافر ہو وہ کل اہل اسلام کا کفو اور حقوق میں مساوی ہوتا تھا خود صدیق اکبر حضرت ابوبکرؓ کا باپ ابو قحافہ مکہ میں کفار کے ساتھ تھا اور غالباً وہ فتح مکہ سے قبل اسلام نہیں لایا تھا مگر حضرت ابوبکرؓ کو کسی نے یہ طعن نہیں کیا کہ تمہارا باپ کافر ہے اس لئے تم ہمارا کفو نہیں ہو ایسے ہزارہا امثلہ موجود ہیں اور آپ کے سامنے ہیں پھر کیونکر تقلید کورانہ کی وجہ سے نصوص قرآن و حدیث اور تعامل صحابہ کرام بالائے طاق رکھا جاتا ہے اور تفریق بین المومنین کے گناہ کبیرہ میں مبتلا ہوتے ہیں فرقہ ناجیہ حسب ھم الذین علی ما انا علیہ واصحابی وہی ہیں جو صحابہ کرام کے تعامل کو اپنا دستور العمل بناتے ہیں اور واللہ باللہ ثم باللہ صحابہ کرام میں کفاءت کے یہ خیالات نہ تھے جن کو احناف نے اپنا ایمان و اسلام قرار دیا ہے۔

باپ کے کافر ہونے سے دوسرے پر فوقیت لازم تھی لہٰذا دونوں اخوان فی الاسلام معیار کفاءت کیونکر ہوتا اس کا ثبوت دینا چاہئے کہ صحابہ نے نکاح میں عرب و عجم کا بھی لحاظ نہیں کیا اور حنفیہ کے پاس اس کی دلیل موجود ہے کہ اس کا لحاظ کیا گیا ہے۔ روی البزار بسندہ عن سلمان رضی اللہ عنہ قال تفضلکم یا معشر العرب بتفضیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ ایاکم لا ننکح نساءکم ولا نؤمکم فی الصلوٰۃ قال الحافظ ابن تیمیۃ فی اقتضاء الصراط المستقیم وھذا اسناد جید رواہ الثوری عن ابی اسحٰق عن ابی لیلیٰ عن سلمان انہ قال نفضلکم یا معشر العرب باثنتین لا نؤمکم ولا ننکح نساءکم اھ ص ۷۶ ۔ حافظ ابن تیمیہ نے بتلایا ہے کہ حدیث ان فقہا کی حجت ہے جو کفاءت میں عرب و عجمی کے مقابلہ کیا کرتے ہیں اور جو شخص احادیث صحیحہ کو صرف صحاح ستہ میں منحصر کرتا ہے وہ اپنی جہالت کا ثبوت دیتا ہے، مؤطا مالک، مسند احمد، مسند شافعی، مسند ابی حنیفہ، مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ، مسند بزار، مسند ابی یعلیٰ، جامع سفیان ثوری، جامع وکیع، مستدرک حاکم وغیرہ میں ہزارہا احادیث صحیحہ موجود ہیں۔

آج کل آریہ سماجی پلیٹ فارم پر کھڑے ہو کر کہتے ہیں کہ اسلام لانے سے اپنے آپ کو نہ صرف عقبیٰ کے عذاب ہی کی گرفت نہ ہو بلکہ دنیا میں بھی عذاب میں پڑتا ہے اس لئے کہ تم کو مسلمان اپنی برادری میں شامل نہ کریں گے نہ تم کو لڑکی دیں گے اور نہ تمہاری لڑکی سے شادی کریں گے ہاں اگر آریہ سماجی ہو جاؤ اور شدھ ہو جاؤ تو تم کو ہم لوگ اپنی برادری میں شامل کرتے ہیں تم کو لڑکی دیں گے تمہاری لڑکی سے شادی کریں گے۔ آخرت کے بارے میں تو آریہ سماجیوں کا کہنا اگرچہ غلط ہے مگر دنیا کے لیے بالکل درست ہے: اسی وجہ سے دیگر مذاہب والے اسلام قبول نہیں کرتے ہیں خادم کا تجربہ ہے: واقعہ ہے بہار کے علاقہ ترہت کے ستون کا ایک خاندان مسلمان ہو گیا جن میں بڑے بڑے لوگ تھے ایک ان میں خان بہادر وکیل محمد جان تھے ان کو اسلام لانے کے بعد لڑکوں اور لڑکیوں کی شادی کرنے میں بڑی دقت پیش آئی یہ دیکھ کر آریہ سماجیوں نے دعوت دی اور کہا کہ تم شدھ ہو کر آریہ ہو جاؤ ہم ابھی تمہاری لڑکیوں اور لڑکوں کی شادی اچھے سے اچھے گھرانے میں کرتے ہیں مگر چونکہ وہ راسخ الاعتقاد تھے مرتد نہ ہوئے۔

حدیث مذکور میں جو تکن فتنۃ فی الارض وفساد عریض وارد ہے وہ بھی آریہ سماج کے مسئلہ کفاءت پر اعتراض کرنے سے اگرچہ مسئلہ غلط ہو جائے گا تو مسئلہ تعدد نکاح کو اٹھا کر دیکھو! تم میں اسلام کے علاوہ تعدد ازدواج کا بھی حکم اڑا دیا گیا ہے تو کیا دوسروں کے اعتراض سے اپنے سارے مذہب کو برباد کرو گے تم تو یہ کہتے ہو کہ مسئلہ کفاءت کفار کو اسلام سے روک رہا ہے اور دوسرا کہتا ہے کہ قربانی ان کو اسلام سے روکتی ہے۔ تیسرا کہتا ہے کہ ختنہ کا مسئلہ مانع ہو رہا ہے چوتھا کہتا ہے کہ نماز کا حکم مانع ہو رہا ہے تو تم اسلام ہی ان کی خاطر ترک کردو۔

پھر مسئلہ کفاءت کا یہ مطلب کس نے بتلایا کہ عورت مسلمہ کا نکاح غیر کفو میں ہو ہی نہیں سکتا! اس کا حاصل صرف یہ ہے کہ نابالغ لڑکی کا نکاح غیر کفو میں نہ کیا جائے کیونکہ نابالغ لڑکی کے نکاح میں تمام مصالح کی رعایت ضروری ہے کیونکہ وہ خود اپنی مصالح کو نہیں سمجھ سکتی۔ اور بالغ عورت کا نکاح غیر کفو میں بدون اس کی مرضی کے نہ کیا جائے۔ تراضی طرفین کی ضرورت کا تم کو خود اعتراف ہے نیز عورت بالغہ غیر کفو میں بدون اولیاء کی رضا کے خود نکاح نہ کرے کیونکہ اذا اتاکم من ترضون دینہ وخلقہ فزوجوہ سے رضائے اولیاء کی ضرورت بھی ثابت ہے نیز ترمذی کی حدیث ہے ایما امرأۃ نکحت

کفاءت کے نام سے جو مسائل ہیں جو زمانہ جاہلیت کے تفاخر کی رسم بد ہیں اور حدیث صحیح اس کا گواہ ہے اور اشاعت اسلام کے لئے سد باب ہیں مگر تعصب اور تقلید کورانہ آبائی سے احناف نے ان کو منزل من اللہ اعتقاد کر لیا ہے۔ یہ میں جو عرض کر رہا ہوں نہ صرف میری رائے ہے بلکہ بڑے بڑے ائمہ سلف کی رائے ہے۔ کفایہ شرح ہدایہ میں سفیان زہری کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ اس کفاءت سے جو حنفیوں نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے سخت منکر تھے اور فرماتے تھے کہ عرب اور عجم وغیرہ سب برابر ہیں ان میں تفاضل صرف باعتبار تقویٰ کے ہے اور کفاءت میں اس کی تردید میں متعدد احادیث ہیں ایک ان میں سے یہ ہے الناس سواسیۃ کاسنان المشط علامہ شامی جو بڑے حنفی ہیں اس کی تردید کرتے ہیں آپ کے سامنے یہ کتابیں موجود ہیں آپ نے ضرور ملاحظہ کی ہوں گی علاوہ بریں نصوص احادیث صحیحہ اور نصوص قرآن سے یہ مسائل احناف خلاف ہیں اور جیسے کہ عرض کر چکا ہوں ولا تنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا صاف بتاتی ہے کہ ہر کافر و مشرک بعد ایمان لانے کے ہر مسلم مسلمہ کا کفو ہے۔ اور اس سے نکاح کرنا بے جوڑ نہیں ہے بلکہ با جوڑ ہے بشرطیکہ اس میں دین مرضی اور خلق مرضی ہو اور استطاعت

نفسها من غیر ولی فنکاحها باطل باطل باطل۔ حدیث ہے کہ اہل حدیث نکاح بدون ولی کو جائز نہیں کہتے اور غیر کفو میں بدون ولی کی مرضی کے نکاح کو جائز کرنا چاہتے ہیں۔ اور اگر عورت اور اس کے اولیاء غیر کفو میں نکاح پر راضی ہوں تو اس سے حنفیہ نے کب منع کیا ہے؟ لہٰذا آپ کا اعتراض حنفیہ کے مذہب پر نہیں ہو سکتا حنفیہ تو صرف اتنا کہتے ہیں کہ تراضی عورت و اولیاء شرط ہے یہ نہیں کہتے کہ نکاح مطلقاً صحیح نہیں۔ یا عورتوں اور مردوں کو غیر کفو سے راضی ہونا چاہئے۔

سفیان زہری کون ہیں؟ آپ کو نام بھی صحیح نہ آیا۔ اور اگر ثوری ہیں تو میں جتا چکا ہوں کہ کفاءت کا ثبوت احادیث صحیحہ اور قرآن کی دلالت سے موجود ہے۔ اس کے مقابلہ میں حنفیہ پر کسی کا قول حجت نہیں۔

الناس سواسیۃ کاسنان المشط

یہ حدیث صحاح میں ہے تو دکھلائی جائے اور غیر صحاح میں ہے تو اس سے احتجاج کا آپ کو کیا حق ہے؟ پھر اس سے مسئلہ کفاءت کی نفی کیونکر ہو گئی آدمی آدمی سب برابر ہیں مگر پھر بھی علم و جہل، صلاح و فسق اخلاق وغیرہ کا فرق موجود ہے اس فرق سے کیونکر آنکھیں بند کی جائیں گی پھر شعوب و قبائل کا تعارف

www.ahlehad.org

بالمال و باءۃ رکھتا ہو لہ صاحب چہ جائیکہ وہ سیکڑوں پشتوں سے مسلمان ہو خواہ کسی قوم سے ہو یا کوئی پیشہ کرتا ہو ۔

کے لئے ہونا نص قرآن میں موجود ہے تو تعارف سے مراد کفاءت ہے کیونکہ تعارف کی تفسیر حدیث میں ما تعارف منها ائتلف آئی ہے جس کے لئے ائتلاف لازم ہے اور وہ کفاءت ہی میں ہوتا ہے ۔ الا نادرًا والنادر کالمعدوم حدیث میں جس مساوات کا ذکر ہے وہ اخوت دینی کی مساوات ہے اس میں واقعی سب برابر ہیں اس سے مساوات نکاح کیونکر معلوم ہوئی ۔

ولا تنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا کی تفسیر آپ نے غلط کی ہے ۔ ورنہ تنبیہ کر چکا ہوں خلق مرضی کی قید مسئلہ کفاءت پر دال ہے کما مر ۔

جب آپ نے استطاعت بالمال والباءۃ کی ضرورت بھی تسلیم کی ہے ، ذرا بتلا دیا جائے کہ ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم میں مال اور باءۃ کا کہاں ذکر ہے ؟ تم قرآن پر جو چاہو زیادہ کرو تو مجرم نہیں حنفیہ کفاءت کو زیادہ کریں تو مجرم ؟ سبحان اللہ کیا انصاف ہے ، اب قدرے یہ بھی بتلا دیا جائے کہ مال اور باءت کی ضرورت جب آپ کو تسلیم ہے تو اس کی کوئی حد ہے یا نہیں ؟ اگر کوئی حد نہیں تو عمل قانون پر اگر کوئی حد ہے ؟ تو حدیث سے اس کا ثبوت دیا جائے ؟ اور جب مال کی ضرورت

اور فخر بالانساب زمانہ جاہلیت کے گندہ کا رسم بد ہے جیسے خنا گوز وغیرہ ۔

چونکہ اسلام ایک فطری اور حقانی قانون خدا ہے اور انسان کا کوئی قانون خلاف عقل سلیم نہیں ہو سکتا ہے اس لئے انبیاء نے وہی کیا جو عقل دم عرض کرتی ہے ۔

ابراہیمؑ ابوالانبیاء نے حضرت ہاجرہ کو حرم سرائے نبوت میں داخل کیا جن سے حضرت اسماعیلؑ پیدا ہوئے اور ان سے قریش ہیں حالانکہ یہ ہے کہ وہ ایک کافر بدمعاش زانی بدکار قوم کے خاندان سے تھیں ۔ علی ہذا القیاس جب وہ اور حضرت لوطؑ ارض مقدسہ کو ہجرت کر گئے اور ان کی اولاد پھیلی تو ان کے نکاحیں اس ملک کی عورتوں سے ہوئے ۔ ظاہر ہے کہ وہ یقیناً بت پرست تھے یہ دونوں حضرات نمرود کے ملک سے آئے تھے جو ارض مقدسہ سے دور تھا یہاں بجز قوم بت پرست اور کہاں ہے ۔

باب نکاح میں مسلّم ہے تو مسئلہ کفاءت ہی پر کیوں اعتراض ہے حنفیہ بھی تو یہی لکھتے ہیں کہ فقیر مرد عورت غنیہ کا کفو نہیں کیونکہ وہ اس کے حسب حال اس پر مال خرچ نہیں کر سکتا ۔ اور ایک گنوار جاہل کسی شریف لڑکی کا کفو نہیں کیونکہ وہ اس کی قوت کا تحمل نہیں کر سکتی مثلاً ۔

فخر بالانساب کی مذمت مسلّم ہے مگر اس کو مسئلہ کفاءت سے کوئی تعلق نہیں کما مر ۔

ابراہیم علیہ السلام کا حضرت ہاجرہ سے نکاح ثابت نہیں بلکہ وہ ان کی باندی تھیں اور ثابت بھی ہو تو اس کو مسئلہ کفاءت سے کیا تعلق، کفاءت کی ضرورت عورت کے لئے ہے مرد کے لئے نہیں مرد جس عورت سے چاہے شادی کر سکتا ہے اس سے خاندان پر کوئی اثر نہیں پڑتا ۔ حضرت امام زین العابدینؒ کی والدہ شہربانو باندی تھیں مگر اس سے سادات کے نسب پر کوئی اثر نہیں ہوا ۔ افسوس ہے کہ آپ مسئلہ کفاءت کو سمجھے بھی نہیں ہیں اور بدون سمجھے اعتراض کرنے لگے کیا اسی کا نام حیا اور دیانت ہے ؟

خود حضرت لوطؑ ان دونوں سے فرماتے تھے هٰؤُلَاءِ بَنَاتِي هُنَّ أَطْهَرُ لَكُمْ حالانکہ مذہب ایک ہے ورنہ قومیت، یہ دوسری بات ہے کہ اسلام نے کافر سے نکاح نہ جائز کیا اور حضرت لوطؑ کے مذہب میں جائز تھا مگر کفاءت فی الاسلام اس طرح جیسے کہ آپ نے فرمائی ہے یوں جو درج کیا ہے کہاں سے ثابت ہوتی ہے نصوص قرآن و حدیث تو اس کی تائید کرتی نہیں۔

حضرت یعقوبؑ کی ایک بیوی حضرت یوسفؑ کی والدہ تو ان کے خاندان سے تھیں مگر دوسری کنیز تھیں نہ معلوم کس قوم کی تھیں، جامی فرماتے ہیں۔

یکی جنگہ کنیزک زادگان را
زلالش دو بیاشد دگان را

جب حضرت یعقوبؑ اپنی اولاد کو لیکر مصر گئے تو یقینی امر ہے کہ حضرت یعقوبؑ کے گھر کے غیر ممکن تھا کہ سب کی شادی آپس میں ہو بلکہ قبطیوں سے خلط ملط ہوا جیسے حضرت یوسفؑ نے زلیخا امرأۃ العزیز سے نکاح کیا جو بت پرست اور قبطیہ تھیں اس طور پر ان کے بھائیوں نے رشتے بھی قبطیوں میں ضرور کئے ہوں گے۔ جب حضرت موسیٰ مدین تشریف لے گئے تو ایک مدین کی لڑکی سے شادی کی جو یقیناً ان کے ہم قوم اور ہم نسب نہ تھے حضرت موسیٰ

هٰؤُلَاءِ بَنَاتِي سے حضرت لوطؑ کی بیٹیاں مراد نہیں بلکہ اس قوم کی عورتیں مراد ہیں مطلب ہے کہ تم مردوں سے مشغول ہوں بلکہ اپنی عورتوں سے منتفع ہوں جو میری بیٹیاں ہیں، امت کی عورتیں نبی کے لئے بمنزلہ اولاد کے ہوتی ہیں اور جب اس وقت نکاح کے لئے اسلام بھی شرط تھا جیسا آپ کو مسلم ہے کہ بعد میں اسلام نے اس کو شرط کیا تو یہ کیوں ممکن نہیں کہ بعد میں کفاءت کی بھی شرط ہو گئی ہو۔

جن آیات و احادیث سے تم نے ابطال کفاءت سمجھا ہے ان کو بتلا چکا ہوں کہ ان کو کفاءت پر دلالت ہی کیا ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی دوسری بیوی غیر خاندان سے تھی یا حضرت یعقوب کی اولاد نے قبطی عورتوں سے نکاح کیا یا حضرت موسیٰ کی بیوی وہ احادیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی تھیں مگر اس حدیث کی صحت لفظاً محفوظ ہو اس کو صرف مشہور سمجھ کر مانا جاتا ہے بہر حال خاندان کی تھیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے جرہم قبیلہ میں شادی کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اقوام کی عورتوں سے نکاح کیا اس کو مسئلہ کفاءت سے کیا تعلق؟ یہ سب کچھ دلیل ہے اس کی کہ آپ نے کفاءت کے مسئلہ کو مطلق نہیں سمجھا اس کا ثبوت

اسرائیلی اور وہ مرد صالح نہ معلوم کس قوم کے تھے مشہور تو یہ ہے کہ وہ حضرت شعیب پیغمبر تھے مگر قرآن میں ستجدنی ان شاء اللہ من الصالحین ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ مرد صالح تھے۔

حضرت اسماعیلؑ حضرت ہاجرہ کے ساتھ مکہ معظمہ میں جب جوان ہوئے بنی جرہم کے قبیلہ کی کئی عورتوں سے نکاح کیا جن میں سے چند کو طلاق دیا۔ خود سرور کائنات فخر موجودات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف قولاً اپنی امت کو فخر بالانساب کے رسم بد سے چھڑایا اور فرمایا کہ یہ زمانہ جاہلیت کے کفار کی رسم بد ہے بلکہ فعلاً آپ نے مختلف اقوام کی عورتوں کو اپنے حرم نبوی میں داخل کیا تاکہ امت محمدی سے یہ رسم بد کفار جاتا رہے حضرت صفیہ یہودی تھیں اور ام ابراہیم حضرت ماریہ قبطیہ فراعنہ کی قوم میں سے تھیں اور یہ دونوں حرم سرائے پیغمبرؐ میں تھیں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے مجوسیہ آتش پرست پارسیہ سے نکاح کیا جس سے سادات کے نسب کا سلسلہ ہے۔

علی ھذا القیاس قرون اولیٰ میں ہزاروں مثالیں ہیں کہ ان بزرگوں نے نکاح میں قومیت کا لحاظ نہ کیا بلکہ حسب ارشاد قرآن فانکحوا ما طاب لکم من النساء جو عورت پسند آئی بشرط مسلمان ہونے کے

دو کہ حضورؐ نے اپنی کسی نابالغ لڑکی کا نکاح غیر کفو سے کیا ہے یا آپ کی کسی لڑکی نے بعد آپ کی رضا کے غیر کفو سے نکاح کیا ہے۔

قرون اولیٰ میں اس کی ہزاروں لاکھوں مثالیں ہیں کہ مردوں نے ہر خاندان کی عورتوں سے شادی کی مگر اس سے مسئلہ کفاءت کے خلاف کچھ ثابت نہیں ہوتا، اس کا ثبوت دیا جائے کہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے اپنی

www.ahlehad.org

اس سے نکاح کیا ہیں ثابت ہوا کہ نکاح کے کفارت کے بارے احناف نے جو قومیت اور حیثیت اور عرب اور عجم کا فرق اپنی کتابوں میں درج کیا ہے وہ نہ صرف نصوص قرآن و حدیث سے خلاف ہے بلکہ تعامل انبیاء سے اور تعامل قرن اولیٰ سے بھی خلاف ہے۔

اور دیگر ممالک اسلام میں یہ رسم کفار جاہلیت کا زیادہ لحاظ نہیں ہے صرف ہندوستان میں ہنود کے اثر سے یہ رسم جاری ہے ظاہر ہو کہ ہندوؤں میں اس بات کا بڑا احتیاط ہے کہ ہر قوم کی شادی اسی قوم میں ہونی چاہیے، یہی رسم ہنود اور کفار مسلمانوں میں جاری ہے اور احناف کی کتابوں میں چونکہ اس لئے کچھ مسالہ ملتا ہے اس لئے دونوں نے اس کو منزل من اللہ اعتقاد کر لیا ہے اور تفریق بین المومنین کے گناہ کبیرہ میں مبتلا ہوتے ہیں اور واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا کے نص صریح پر عمل نہیں کر سکتے ہیں۔

اور نص صریح ولا یسخر قوم من قوم سے غافل ہو کے ایک دوسرے کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں بلکہ کمینہ اور رذیل کہکر غیبت اور بہتان کے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتے ہیں بلکہ اپنی نادانی

نابالغ لڑکیوں کا نکاح غیر کفو سے کیا ہے یا ان کی بالغ لڑکیوں نے بدون رضا سے اولیاء غیر کفو سے نکاح کیا ہے اور اس کو جائز سمجھا گیا، بدون اس کے جو کچھ تم نے لکھا ہے اس سے مسئلہ کفارت کے خلاف نہ تعامل انبیاء کا ثبوت ہو سکتا ہے نہ تعامل خیر القرون کا۔

کفار کی رسم بد تو یہ ہے کہ ان کے مرد بھی اپنی گوت کے سوا نکاح نہیں کرتے۔ مسئلہ کفارت کا یہ مطلب جس نے سمجھا ہو وہ جاہل ہے۔ حنفی مرد ہر خاندان میں نکاح کرتے ہیں اور کر سکتے ہیں ہزاروں کے گھر میں نو مسلم عورتیں موجود ہیں جن کو مسلمان کر کے نکاح میں داخل کیا گیا ہے، مسئلہ کفارت کا جو مطلب ہے وہ بار بار مذکور ہو چکا ہے اس کو اعتصام بحبل اللہ کے خلاف سمجھنا سراسر نادانی ہے بلکہ اس کو اتحاد و اتفاق میں بڑا دخل ہے کیونکہ تعارف کا مدار اسی پر ہے اور بدون تعارف کے اتفاق نہیں ہو سکتا۔

لا یسخر قوم من قوم کو مسئلہ کفارت سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر مسئلہ کفارت کو کوئی جاہل فخر بالانساب کا ذریعہ بنائے تو خود اس کا ذمہ دار ہے یہ مسئلہ اس کا ذمہ دار نہیں۔ اگر کوئی شخص نماز پڑھ کر اپنے کو بزرگ اور ولی

اور جہالت اور تعصب کو رنگ آبائی سے اس غیبت اور بہتان کو گناہ نہیں خیال کرتے ہیں بلکہ شیر مادر اعتقاد کرتے ہیں آنحضرت نے غیبت کی تعریف یوں فرمائی ہے ذکرک اخاک بما یکرہ اور یقینی امر ہے کہ کسی شخص کو جولاہا اور دھنیا وغیرہ کہنا اس کو ناگوار معلوم ہوتا ہے پس یہ یقینی غیبت ہے اور رذیل اور کمینہ کہنا یقیناً بہتان ہے چنانچہ ارشاد ہے فان لم یکن فیہ ما تقول فقد بہتہ بلکہ اول الذکر الفاظ بھی بہتان ہے اس لئے کہ ان لوگوں کو بھی یہ الفاظ کہے جاتے ہیں جو ان پیشوں کو مطلق تعلق نہیں رکھتے ہیں اور دوسرے پیشوں میں اچھی حیثیت رکھتے ہیں فاعتبروا یا اولی الابصار۔

اسلام جو خدا کا آخری دین ہے اور مسلمانوں کو خیر الامم کا لقب دیا گیا ہے اور اخوت اور مساوات اور اتفاق اسلام کا اصل الاصول ہے وہ مسلمانوں میں مفقود اور دیگر ملل باطلہ میں بخوبی موجود ہے آریہ سماجیوں کا ذکر تو ہوچکا کہ جو کوئی شودر اور آریہ ہو اس کو بلا امتیاز سمجھنے لگے اور بے نمازیوں کو حقیر جاننے لگے تو کیا اس سے نماز کو کہہ دو گے؟

اگر جولاہا، دھنیا، موچی وغیرہ پیشہ کی وجہ کر کسی قوم کا لقب ہے تو جو لوگ ان القاب کو برا مانتے ہیں وہ اپنے جائز پیشہ کو برا سمجھتے ہیں اور جائز پیشہ کو برا سمجھنا خود برا ہے۔ اور اگر یہ لقب پیشہ کی وجہ سے نہیں ہے کسی اور وجہ سے ہے تو اس وجہ کو ظاہر کرکے بتلایا جائے کہ یہ الفاظ غیبت میں کیونکر داخل ہوگئے؟ کسی پیشہ ور کو اس کے پیشہ کے نام سے یاد کرنا ہرگز غیبت نہیں کتب رجال دیکھو۔

حلاج، نداف، خیاط، اسکاف وغیرہ القاب بلا تکلف محدثین نے استعمال کئے ہیں بلکہ وہ تو اعمی، اعمش، اعرج وغیرہ بھی استعمال کرتے ہیں جب کہ کسی کا لقب مشہور ہوجائے، اور اس کو غیبت نہیں سمجھا گیا۔ کسان کو کسان، بھنگی کو بھنگی، چمار کو چمار نہ کہا جائے گا اور کیا کہا جائے گا؟ فاعتبروا یا اہل الحدیث من یدعی الاجتہاد۔

اپنی جماعت میں داخل کرتے ہیں اور بلا تردد اس سے رشتہ داری کرتے ہیں، عیسائیوں میں چمار سے لیکر برہمن اور چھتری تک شامل ہیں مگر عیسائی ہونے کے بعد قومیت کی جہالت جاتی رہتی ہے اور بلا امتیاز ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور رشتہ داری کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ عیسائیوں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے مگر احناف کے یہ کفاءت کے نامعقول مسائل نہ صرف مسلمانوں میں تفریق اور تشتت کا باعث ہیں بلکہ دوسرے اقوام کو اسلام لانے سے روکتے ہیں اور صاف کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہو جائیں گے تو لڑکوں کی شادی کہاں کریں گے۔

آریہ سماج یا عیسائی جیسا کسی قوم کو اپنی لڑکیاں دیتے ہیں دنیا کو معلوم ہے وہ لڑکیاں تو کیا دیتے کسی کو پانی حقہ بھی نہیں دے سکتے غلط باتیں سمجھنے سے واقعات نہیں بدلا کرتے ہمارے یہاں سیکڑوں ہندو بھنگی چمار مسلمان ہوئے ہیں کسی کو بھی یہ شکایت نہیں کہ مجھے مسلمان عورت نہیں ملتی ہر نو مسلم کو اس کے مناسب مسلمان عورتیں ہمیشہ مل جاتی ہیں۔ اگر تمہاری طرف نو مسلموں کو مسلمان عورتیں نہ ملتی ہوں تو ان کو ہمارے پاس بھیجدو، اگر وہ واقعی سچے مسلمان ہوں گے ان کو مسلمان عورتیں ضرور مل جائیں گی، واقعہ یہ ہے کہ نہ ہندوؤں کو نکاح کا بہانہ ہے نہ عیسائیوں کو سب کو اس کا یقین ہے کہ مسلمانوں کی برابر کسی قوم میں مساوات نہیں مگر جن لوگوں کو اپنے جاتی پیشے کا نام بھی ناگوار ہے یہ سب ان کی بنائی ہوئی باتیں ہیں۔

پھر اگر حنفیوں کے مسئلہ کفاءت سے ہندوؤں کو اسلام سے رکاوٹ ہے تو ہندوستان میں کروڑوں اہلحدیث ہیں، یعنی غیر مقلد موجود ہیں وہ کیوں ان کے سامنے اپنی لڑکیاں پیش نہیں کرتے تاکہ ان کو شکایت کا موقعہ نہ رہے۔

آخر اسلام تو سب ہی کا ہے فقط قریشیوں کا نہیں ہے نہ فقط حنفیوں کا ہے، یہی جتانا

یہ عرض کرچکا ہوں کہ قرون اولیٰ میں یہ عرف اور یہ تب کہنا اور ردی زمانۂ جاہلیت کے کفار سے چلا آیا ہے شاید کسی کے خیال میں یہ وسوسہ شیطانی آجائے کہ تم نے جو مثالیں پیش کی ہیں

ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرون اولیٰ کے پیغمبروں نے دوسرے اقوام کی عورتوں کو نکاح کیا ہے نہ یہ کہ اپنی لڑکیوں کا نکاح دوسرے اقوام سے کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اہل کتاب یعنی یہود اور نصاریٰ کے بارے یہ حکم ہے کہ ان کی عورتوں سے نکاح کرسکتے ہو مگر مسلمان عورتوں کا نکاح ان سے نہیں ہوسکتا

پس اہل اسلام کے بارے یہ خیال غلط ہے سب سے بڑھکر تو نص قرآن ہے جس پر ایمان لانا فرض ہے اور قرآن میں یہ صاف حکم ہے ولا تنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا اور یہ حکم ہے ولا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن جس کا صاف مطلب بلا تاویل یہ ہے کہ جو مشرک ایمان لائے خواہ وہ عجم ہو یا عرب اور جو مشرکہ ایمان لائے خواہ وہ عربیہ ہو یا عجمیہ ان کے ساتھ رشتۂ نکاح باجواز اور مناسب ہے، اور کفارت کے جو قیود احناف نے اپنی کتابوں

چکا ہوں کہ مسئلہ کفارت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ غیر کفو میں شادی نہ کرو صرف اتنا مطلب ہے کہ غیر کفو میں بدون رضائے اولیاء و رضائے عورت کے نکاح کیا جائے۔

ولا تنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا سے یہ استدلال کرنا کہ قرون اولیٰ کے مسلمان اپنی لڑکیاں ہر مسلمان کے نکاح میں نہ دیا کرتے تھے غلط استدلال ہے آیت کے کسی لفظ سے اس کا ثبوت نہیں ہوسکتا، میں بار بار بتلا چکا ہوں کہ حنفیہ نے جو شروط کفاءت کیلئے ذکر کی ہیں نصوص قرآن و احادیث اس کی مؤید ہیں۔ پس جھوٹ اور افتراء وہ کرتا ہے جو نہ مسئلہ کفارت کی حقیقت

نہیں درج کئے ہیں۔ اس نص قرآن سے چونکہ غلط ہیں اس لئے وہ جھوٹ اور ناقابل عمل ہیں۔

ہاں یہ دوسری بات ہے کہ اعلیٰ خاندان کے مرد اور عورت حسن خَلق اور حسن خُلق کے لحاظ سے زیادہ تر بالا اور برتر ہوتے ہیں اور اسی لئے خدا نے کوئی پیغمبر چھوٹے گھرانے میں نہیں بھیجا ہے چنانچہ ارشاد ہے ما بعث من نبی الا فی احساب قومہ اور حسن صوری کا اور حسن معنوی ان دیگر کمالات مرغوبہ ان میں زیادہ ہوتے ہیں اور صفات حسنہ ان میں زیادہ پائے جاتے ہیں اور اس لئے عام طور پر لوگ یہ چاہتے ہیں کہ میرا نکاح بڑے گھرانے میں ہو یہ بالکل درست ہے اور قرآن کے اس ارشاد کے مطابق ہے فانکحوا ما طاب لکم من النساء یعنی ان عورتوں سے نکاح کر دو جو تم کو پسند ہو مگر یہ امور طبعیہ ہیں اور ہر شخص کی طبیعت کی خواہش اور رغبت مختلف ہوتی ہے وللناس فیما یعشقون مذاہب۔ اور اس میں کوئی حرج اور مضائقہ نہیں ہے مضائقہ اور حرج اور ظلم اور نصوص قرآن و حدیث سے خلاف یہ ہے کہ مسلمانوں میں کفاءت مخترعہ کی وجہ سے تفریق پیدا کی جاتی ہے اور یہ فتویٰ دیا جاتا ہے کہ فلانے کے یہاں نکاح جائز ہے اور فلانے کے یہاں ناجائز ہے۔ حضرت مولانا آپ نے سیکڑوں تصنیفات محض خدا کے لئے لکھی ہیں اگر ان مسائل پر آپ کو سمجھاتا ہے نہ قرآن و حدیث کو۔

جب کہ تم کو بھی تسلیم ہے ما بعث نبی الا فی احساب قومہ کہ انبیاء علیہم السلام ہمیشہ شریف خاندانوں میں مبعوث ہوا کرتے تھے، کوئی نبی چھوٹے گھرانے میں پیدا نہیں ہوا تو اس سے خود یہ بات ثابت ہو گئی کہ انبیاء کے خاندان کی لڑکیاں چھوٹے خاندانوں میں نہ جاتی تھیں ورنہ ان کے خاندان دوسروں سے بڑے کیونکر رہتے چھوٹے اور بڑے خاندان کا امتیاز باہمی اختلاط کے بعد باقی نہیں رہ سکتا پس تمہارا یہ قول غلط ہو گیا کہ انبیاء کا تعامل مسئلہ کفاءت پر نہ تھا۔ نیز جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے لئے بڑے گھرانوں کو منتخب فرمایا ہے تو معلوم ہوا کہ کسی خاندان کا بڑا ہونا چھوٹا ہونا خدا کی طرف سے ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب خاندان برابر تھے تو اس حدیث کے کچھ معنی ہی نہیں رہتے کہ انبیاء کیلئے بڑے گھرانے تجویز کئے گئے۔ پس مسئلہ کفاءت کا ثبوت خود حق تعالیٰ کے فعل سے ہو گیا۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسئلہ کفاءت کو تفریق بین المسلمین کا سبب سمجھنا غلط ہے ورنہ لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے خود تفریق کی ہے کہ بڑے گھرانوں میں تو انبیاء بھیجے جلاہوں میں انبیاء نہ بھیجے۔

غور فرمائیں گے اور جو نصوص قرآن وحدیث میں نے پیش کی ہیں انہی کے مطابق ایک رسالہ تصنیف فرمادیں تاکہ مسلمانوں میں سے یہ تفریق فی کفارۃ النکاح جاتی رہے۔ ور مثل آریوں و عیسائیوں کے واعتصموا بحبل اللہ پر عمل کرکے باہم رشتہ پیدا کریں تو خدا کے یہاں آپ کو بڑا ثواب ملے گا جو قوم ترقی کے میدان میں قدم رکھتی ہے وہ اس تفریق کو بالائے طاق رکھتی ہے قادیانیوں نے بھی اوٹھا یا پس آپ نصوص پر غور فرماکر احناف سے اوٹھائیے۔

ھذا والسلام علی من اتبع الہدی فردوہ الی اللہ والرسول۔

خادم عبد اللہ زکاتی فیض آباد۔

۳ - ۷ - ۱۳۵۸ھ۔

تم نے خود اعتراف کیا ہے کہ اس انتخاب کا سبب یہ تھا کہ حسن صوری اور حسن معنوی اور دیگر کمالات مرغوبہ ان میں زیادہ ہوتے ہیں اور صفات حسنہ ان میں زیادہ پائے جاتے ہیں اس کے ساتھ ایک مقدمہ یہ بھی ملالو کہ نکاح میں الفت اور محبت اور تعلق دائم کی ضرورت ہے اور وہ بدون توافق طبائع کے نہیں ہوسکتا اور توافق طبائع کا مدار انہی صفات کے اشتراک پر ہے جس کا انکار مکابرہ ہے تو اس سے خود مسئلہ کفاءت کا ثبوت ہوگیا اور یہ مقدمہ ہر چند کہ عقلی اور بدیہی ہے مگر حدیث اذا اتاکم من ترضون خلقہ ودینہ فزوجوہ سے بھی ثابت ہے کیونکہ شریف خاندان والوں کو چھوٹے خاندان والے کے اخلاق پسند نہیں ہوسکتے، اگر انصاف سے غور کیا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ مسئلہ کفاءت قرآن وحدیث سے ثابت ہے اس کا انکار نہیں ہوسکتا والسلام علی من اتبع الہدی۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۶ ؍ رجب ۵۸ھ

تتمہ:- یہ تو اعتراضات کا جواب تھا جس میں ضمناً کچھ دلائل بھی آگئے ہیں اب مستقلاً کفاءت کے دلائل ملاحظہ ہوں:-

ما روی[1] مسلم من حدیث واثلۃ بن الاسقع ان اللہ اصطفی کنانۃ من بنی اسمعیل واصطفی من بنی کنانۃ قریشا واصطفی من قریش بنی ہاشم وزاد الترمذی

ان الله اصطفى من ولد ابراهيم اسمعيل ومن ولد اسمعيل كنانة الحديث قال الحافظ في التلخيص لا يعارض هذا ما رواه الترمذي عن ابي هريرة مرفوعا لينتهين اقوام يفتخرون بآبائهم الحديث لانه محمول على المفاخرة المفضية الى احتقار المسلم وعلى البطر وغمط الناس وحديث واثلة تستفاد منه الكفاءة ويذكر على سبيل شكر المنعم ۔

وروى الترمذي عن علي رضي الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه و سلم قال له يا علي لا تؤخر ثلاث الصلوة اذا اتت والجنازة اذا حضرت والايم اذا وجدت لها كفوا ، رجاله موثقون كما في الاعلام وقال البيهقي امثل ما ورد في اعتبار الكفاءة حديث علي هذا كذا في التلخيص ص ۲۹۹ ج ۱ وصححه الحاكم في المستدرك واقره عليه الذهبي ص ۱۶۲ ج ۲ ۔

وقال الشافعي في اصل الكفاءة في النكاح حديث بريرة لما خيرت لانها انما خيرت لان زوجها لم يكن كفوا اھ اي لان الراجح عند المحققين ان زوجها كان عبدا كذا في التلخيص ص ۲۹۰ وحديث بريرة متفق عليه مشهور

وقال ايضا روى الشافعي عن ابن ابي فديك عن ابن ابي ذئب عن ابن شهاب انه بلغه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال قدموا قريشا ولا تقدموها ورواه البيهقي من حديث علي بن ابي طالب وجبير بن مطعم وغيرهم وقد جمعت طرقه في جزء كبير اھ ص ۱۲۵ وهذا مما احتج به الشافعية على الكفاءة ۔

وقال ابن تيمية في اقتضاء الصراط المستقيم ص ۸۲ وايضا فان عمر بن الخطاب رضي الله عنه لما وضع ديوان العطاء كتب الناس على قدر انسابهم فبدأ باقربهم فاقربهم نسبا الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فلما انقضت العرب ذكر العجم هكذا كان الديوان على عهد الخلفاء الراشدين وسائر الخلفاء من بني امية وولد العباس الى ان تغير الامر بعد ذلك وسبب هذا الفضل ما اختصوا به في عقولهم والسنتهم واخلاقهم واعمالهم اھ و فيه دلالة على اعتبار التقدم بالنسب بالاجماع ۔

وروى الخلال بسنده عن عمر رضي الله عنه قال لامنعن فروج ذوات الاحساب

الا من الاکفاء ، احتج به احمد بن حنبل وهو الامام فی الحدیث فقال اذا تزوج المولیٰ العربیة فرق بینهما وهو قول سفیان لقول عمر رض کذا قاله الموفق فی المغنی ص ۳۴۳ ج ۷ ، واحتجاج مثل ابن حنبل بحدیث تصحیح له

واستدل ابن الجوزی فی التحقیق علی اعتبار الکفاءة بحدیث عائشة انه علیه السلام قال تخیروا لنطفکم وانکحوا الاکفاء وله طرق عدیدة من حدیث انس وعمر بن الخطاب رواه ابن ماجة والحاکم والبیهقی کذا فی العزیزی وهو صحیح علی قاعدة السیوطی وصححه بالرمز فی الجامع الصغیر ص ۱۲۹ -

کیا ان دلائل کے بعد بھی کسی کو یہ کہنے کا منہ ہے کہ بہشتی زیور میں جو مسئلہ کفاءت کا ذکر ہے وہ ہندوستان کی ہندو اقوام کا اثر ہے نعوذ باللہ من ذلك ۔ سوچنا چاہئے کہ یہ الزام کہاں تک پہنچتا ہے جبکہ حدیث و قرآن سے کفاءت کا ثبوت موجود ہے ۔ موفق الدین حنبلی امام الحنابلہ نے مغنی میں اعتبار کفاءت پر ائمہ اربعہ کا اجماع نقل کیا ہے ۔ اشتراط کفاءت میں تو علماء کا اختلاف ہے مگر اعتبار کفاءت میں کسی کا اختلاف نہیں ۔ سفیان ثوری کا قول وہی ہے جو امام ابو حنیفہ وغیرہ کا ہے ۔ ابن رشد نے بھی کفاءت کے اعتبار پر اجماع نقل کیا ہے نفس اعتبار کفاءت میں کسی کا اختلاف نہیں اگر کچھ اختلاف ہے تو اس کی تفصیلات و فروع میں ہے ملاحظہ ہو ص ۱۰ ج ۲ ۔ علامہ ابن العربی مالکی نے آیت فلا تعضلوهن ان ینکحن ازواجهن اذا تراضوا بینهم بالمعروف کی تفسیر میں تصریح کی ہے کہ بالمعروف سے مراد کفاءت ہے پھر فرمایا ہے کہ اعتبار کفاءت پر امت کا اجماع ہے اور یہ عورت کے اولیاء کا حق ہے ملاحظہ ہو ص ۵۸ ج ۱ ۔ ابن حزم ظاہری اگرچہ کفاءت فی الدین کے سوا کسی کفاءت کے قائل نہیں مگر وہ بھی رعایت کفو کو مستحب اور مختار کہتے ہیں قال وانما نختار نکاح الاقارب لانه فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم ینکح بناته الا من بنی هاشم وبنی عبد شمس وقال اللہ تعالیٰ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنة ص ۲۴/۱۰ -

فانکحوا ما طاب لکم من النساء سے کفاءت کا ابطال نہیں ہو سکتا کیونکہ اس میں مردوں کو اختیار دیا گیا ہے عورتوں کو اختیار نہیں دیا گیا کہ وہ جس سے چاہیں نکاح کر لیں ۔ انما المؤمنون اخوة فاصلحوا بین اخویکم کو نکاح سے کچھ تعلق نہیں یہاں اصلاح اور مصالحت کا ذکر ہے اور اس باب میں سب مسلمانوں کا بھائی بھائی ہونا متفق علیہ مسئلہ ہے ۔

دینی بھائی ہونا کفو ہونے کو مستلزم نہیں۔ فاسق فاجر بھی دینی بھائی ہے مگر نص موجود ہے افمن کان مومنا کمن کان فاسقا لا یستوون۔

مسئلہ: ولی یعنی نابالغ لڑکی کا نکاح باپ کردے تو اس کو بلوغ کے بعد اختیار نہ ہوگا اجماعی مسئلہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ثابت ہے ابن حزم ظاہری بھی اس کے قائل ہیں جو قیاس و استحسان سے بمراحل دور ہیں اس کو حنفیہ کا استحسان کہا جا سکے۔ قال فی المحلی وللاب ان یزوج ابنته الصغیرة البکر ما لم تبلغ بغیر اذنها ولا خیار لها اذا بلغت قال والحجة فی ذلک انکاح ابی بکر رضی اللہ عنہ النبی صلی اللہ علیه وسلم عائشة وهی بنت ست سنین وهذا امر مشهور غنیا عن ایراد الاسناد فیه فمن ادعی انه خصوص لم یلتفت الی قوله لقول اللہ عز وجل لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ ص ۴۶۰ ج ۹۔

ولم یثبت انه صلی اللہ علیه وسلم خیرها ولو فعل لنقل کما نقل تخییر بریرة حین اعتقت قال ابن المنذر اجمع کل من نحفظ عنه اهل العلم ان نکاح الاب ابنته الصغیرة جائز اذا زوجها من کفو یجوز له ذلک مع کراهتها وامتناعها ثم ذکر حدیث عائشة تزوجنی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم وانا بنت ست سنین وزوج علی ابنته ام کلثوم وهی صغیرة عمر بن الخطاب (مغنی ص ۳۴۹ ج ۷) والبسط فی المطولات وفیما ذکرنا بالاختصار کفایة لاهل العلم والانصاف والدرایة والحمد للہ ولی الحمد والهدایة وصلی اللہ علی سیدنا النبی محمد وعلی آله واصحابه اولی الفضل والولایة والحمد للہ الذی بعزته وجلاله وبنعمته تتم الصالحات

باب الوکالة بالنکاح

نکاح کے وقت وکیل نے عورت کے نام میں غلطی کر دی تو نکاح نہیں ہوا

سوال (۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ بوقت نکاح ہندہ اور زینب یہ غلطی ہو گئی کہ ہندہ نے جس شخص کے ساتھ نکاح ہونے کی اجازت دی تھی اس کے روبرو زینب کا نام

لے دیا گیا اور زینب نے جس شخص کے ساتھ اپنا نکاح باندھنے کی اجازت دی تھی اس شخص کے روبرو دوسرے کا نام لے دیا گیا ان دونوں شخصوں میں سے ہر ایک نے قبول کیا ایسے نکاح کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: صورت مسئولہ میں نکاح نہیں ہوا۔ دونوں کا نکاح دوبارہ صحیح نام کے ساتھ ہونا چاہئے۔ قال فی الدر (ص ۳۵۰ ج ۲) غلط وكيلها بالنكاح فی اسم ابيها بغير حضورها لم يصح للجهالة وكذا لو غلط فی اسم بنته اھ وفی الشامية تحت قوله لم يصح۔ والظاهر انه فی مسئلة الاب يصح عند الكل لان ذكر الاسم وحده لا يصرفها عن المسمى الى غيرها بخلاف ذكر الاسم منسوبا الى اب آخر فان فاطمة بنت احمد لا تصدق على فاطمة بنت محمد تامل۔ وكذا يقال فيما لو غلط فی اسمها اھ۔ وفی العالمگيرية ص ۲۲ ج ۲ رجل له بنت واحدة اسمها فاطمة قال رجل زوجت منك ابنتی عائشة ولم تقع الاشارة الى شخصها ذكر فی فتاوى الفضلی انه لا ينعقد النكاح والله اعلم بالصواب۔ ۲۲ محرم سنہ ۴۳ھ

معتدہ نے کسی کو وکیل نکاح بنایا اور جب اس نے نکاح کر دیا تو اس نے کسی دوسرے شخص سے عقد نکاح کر لیا تو اول ہی صحیح ہوگا

سوال (۲) ایک بیوہ عورت نے اپنی عدت میں ایک شخص کو وکیل مقرر کر کے کہا کہ میرا نکاح بعد گذرنے عدت کے زید محمد سے کر دینا بعد گذرنے عدت کے وکیل نے نکاح مسماۃ کا زید محمد سے کر دیا جب عورت کو معلوم ہوا کہ میرا عقد وکیل نے زید محمد سے کر دیا ہے تو بعد اس کے دوسرے روز عورت نے اپنی رضا سے ایک اور شخص کے ساتھ اپنا عقد کرا لیا آیا نکاح اول جو کہ وکیل مقرر کردہ عورت نے کر دیا ہے بعد عدت کے وہ صحیح ہے یا نکاح ثانی جو عورت نے اپنی رضا سے کرایا۔ جو صحیح ہے مہربانی فرما کر ہر ایک سوال کا جواب عبارت کتب مخصوصہ و حدیث شریف و دلیل شرعی کے ساتھ تحریر فرما دیں کیونکہ سب لوگ کہتے ہیں کہ آیات و حدیث سے ثابت کرو بہت لوگ رسومات بری سے خراب ہو گئے ہیں اس لئے عند اللہ جواب الکتاب و صفحہ و نمبر وغیرہ تحریر فرما کر اپنی مہربانیت فرما کر مشکور فرما دیں۔ فقط۔

الجواب: صورت مسئولہ میں جب عورت نے ایک شخص کو وکیل بالنکاح کر دیا اور اس کو وکالت سے معزول بھی نہیں کیا تو جو نکاح وکیل نے کر دیا ہے وہ نافذ ہو گیا اب عورت نے

جو دوسرا عقد اس کے بعد دوسرے شخص سے کیا ہے وہ بالکل درست نہیں ہوا نکاح اول بدستور باقی ہے لیکن اگر عورت اس دوسرے شخص سے ہم صحبت ہوچکی ہے پس اگر اس کو نکاح اول کی خبر تھی تو اس سے علیحدگی کے بعد ایک عدت دوسری اس عورت کے ذمہ ہوگی۔ بعد انقضاء عدت دین محمد کو اس سے وطی جائز ہوگی باقی نکاح دین محمد کا اس عدت میں بھی باقی رہے گا اور اگر دوسرے شخص کو بھی پہلے نکاح کی خبر تھی تو عورت پر عدت ثانیہ واجب نہ ہوگی۔ فی العالمگیریۃ لو تزوج بمنکوحۃ الغیر وهو لا یعلم انہا منکوحۃ الغیر فوطئہا تجب العدۃ و ان کان یعلم انہا منکوحۃ الغیر لا تجب حتی لا یحرم علی الزوج وطئہا کذا فی فتاوی قاضی خان اھ (ص ۹ ج ۲)

۲۲ جمادی الثانیہ ۴۲ھ۔

بالغہ عورت جو غیر ولی کے اجازت طلب کرنے پر سکوت اختیار کرے جبکہ غیر ولی نے خود کو عورت کے ولی کا رسول یا وکیل ظاہر کیا ہو اس صورت میں لڑکی کا سکوت اذن سمجھا جائے گا یا نہیں

سوال (۳) ایک شخص سے ولی نے کہا کہ جاؤ لڑکی سے جو بالغہ باکرہ ہے نکاح کی اجازت لے آؤ اور اس کے کان میں یہ بات ڈال دو کہ تیرا نکاح فلاں شخص سے کیا جاتا ہے۔ اس صورت میں یہ شخص ولی کا وکیل ہوگا یا رسول؟

(۲) اگر یہ شخص جا کر لڑکی سے اتنا ہی کہہ دے کہ "تیرا نکاح فلاں سے کرتے ہیں" یہ نہیں کہا کہ مجھے ولی نے بھیجا ہے یا میں اس کی طرف سے وکیل یا رسول ہو کر آیا ہوں اور لڑکی نے اس کی بات سن کر سکوت کیا تو اس صورت میں لڑکی کا سکوت معتبر ہے یا نہیں اور یہ سکوت اجازت پر محمول ہوگا یا نہیں؟

الجواب: (۱) قال الشامی بعد تفصیل الفرق بین الوکیل والرسول و حاصلہ انہ یصیر وکیلا بالفاظ الوکالۃ و یصیر رسولا بالفاظ الرسالۃ و بالامر. لکن صرح فی البدائع ان افعل کذا او اذنت ان تفعل کذا توکیل ویؤیدہ ما فی الولوالجیۃ نذکرہ ثم قال وافاد انہ لیس کل امر توکیلا بل لا بد مما یفید کون فعل المامور بطریق النیابۃ عن الآمر فلیحفظ اھ (ص ۱۱ ج ۴) وفی البحر ان الرسالۃ لا تتضمن الوکالۃ لانہا فوقہا اھ (ص ۱۴۸ ج ۷)۔

چونکہ ولی کا یہ قول کہ جاؤ لڑکی سے اجازت نکاح لے آؤ یا اس کے کان میں یہ بات ڈال دو یہ محتمل ہے وکالت اور رسالت دونوں کو، اور کوئی لفظ صریح موجب توکیل موجود نہیں بجز

امر کے اور امر محقق طرفین ہے اس لئے اس کلام کو رسالت پر محمول کرنا لازم ہے کیونکہ وہ ادنیٰ ہے والادنیٰ هو المتیقن ۔

(۲) اگر اس شخص نے لڑکی سے جا کر اپنی وکالت یا رسالت کا اظہار نہیں کیا۔ تو اس کے قول کو سنکر لڑکی کا سکوت کرنا مفید اذن ہوگا ۔

قال الشامی فالرسول لا بد له من اضافة العقد الی مرسله لما مر عن البحر من انه معبر وسفیر بخلاف الوکیل فانه لا یضیف العقد الی الموکل الا فی مواضع کالنکاح والخلع والهبة والرهن ونحوها فان الوکیل فیها کالرسول حتی لو اضاف النکاح لنفسه کان له اھ (ص ۶۱۱ ج ۲)۔

وفی البحر تحت قول الکنز وما یضیفه الی الموکل کالنکاح وغیره یتعلق بالموکل الخ ما نصه اما الحقوق فی کل لا یستغنی الوکیل عن اضافته الی موکله لان الوکیل فیها سفیر محض الا تری انه لا یستغنی عن اضافته العقد الی الموکل ولو اضافه الی نفسه کان النکاح له فصار کالرسول وهذا لان الحکم فیها لا یقبل الفصل عن السبب لانه اسقاط فیتلاشی فلا یتصور صدوره من شخص وثبوت حکمه لغیره فکان سفیرا الی ان قال واشار بالکاف فی قوله کالنکاح الی بقیة افراد هذا النوع ولذا قال فی الهدایة من اخواته العتق علی مال والکتابة والهبة وکذا اذا کان الوکیل من جانب الملتمس اھ (ص ۱۵۱ ج ۷)۔

قال ابن عابدین فی حاشیة البحر وکذا بقیة الصور الآتیة یقول الوکیل من جهة طالب التملک هب فلانا او تصدق علیه او اعره او اودعه او ارهن عنده او اقرضه کذا او لو قال هبنی او تصدق علی او اعرنی الخ یقع له لا للموکل اھ الی ان قال فعلی هذا قولهم التوکیل بالاستقراض باطل معناه انه فی الحقیقة رسالة لا وکالة فلو اخرج الکلام مخرج الوکالة لم یصح بل لا بد من اخراجه مخرج الرسالة کما قلنا فیه علم ان ذلک غیر خاص بالاستقراض بل کل ما کان تملیکا اذا کان الوکیل من جهة طالب التملک لا من جهة المملک فان التوکیل (ای بجهة) بالتملیک صحیح لا بطلب التملک بل هو رسالة هذا ما ظهر لی فاغتنمه ، قلت وفی الصورة المسئولة لم یجن

ما یدل علی کون ھذا الاجنبی وکیلا کما بینا فی الجواب الاول وان سلمنا ان الامر فیہ یدل علی التوکیل فھو وکیل من جانب الملتمس ای من جھۃ طالب التملک وقد عرفت ان التوکیل بطلب التملک لا یصح بل ھو رسالۃ وقد تقدم ان الرسول لابد لہ من اخراج الکلام مخرج الرسالۃ والا لا یکون رسولا واذا لم یکن رسولا لم یکن طالب الاذن من جھۃ الولی بل من جھۃ نفسہ وھو اذن اجنبی محض فلا یکون سکوت البنت ح علامۃ الرضا لکونہ سکوتا بعد کلام الاجنبی معھا لا کلام رسول الولی واللہ تعالی اعلم و علمہ اتم واحکم۔

۲۷ر صفر سنہ ۴۶ھ

حکم بایجاب وکیل بالفاظ اذن دادہ است

سوال (۲) بجوز تعالی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
حضرت تاج العلماء سراج الفضلاء مدظلہم العالی!

شرائط ملازمانہ وضوابط ملازمانہ بجا آوردہ بعد عرض ملازمان ثریا مکان برساند کہ محمد رشید احمد وکیل زبیدہ خاتون مع دو شاہد عادل بحضار مجلس درآمدہ ناطق شدہ زبیدہ خاتون دختر محمد نصیر احمد بیگ بہزار روپیہ مہر معین نمودہ بمعرفت من فرزند سراللہ کہ پسر عبداللہ اذن نکاح دادہ است و عبداللہ قبول نمودہ پس لفظ اذن نکاح دادہ است از الفاظ ایجاب است یا نہ بابراہین قاطعہ بزیر کلک نادر سلک آوردہ ایں ہیچمدان را سرفراز داریں فرمایند زیادہ آفتاب عنایت درخشان باد الی یوم التناد۔

الجواب! لفظ اذن نکاح دادہ از الفاظ ایجاب نکاح نیست بلکہ مشعر از توکیل است پس تکلم وکیل بلفظ انشاء لازم بود چون وکیل بجز اذن تکلم بلفظ انشاء نکردہ ایجاب محقق نہ شدہ پس تجدید نکاح لازم است واگر در عرف سائل اذن نکاح بمعنی انشاء نکاح مستعمل است سوال بار دیگر کردہ باید واللہ تعالی اعلم۔

۷ر رمضان سنہ ۴۳ھ۔

فصل فی الجہاز والمہر

زوجہ کے مہر میں بعد سے زیادتی کرنا

سوال (۱) کیا حق مہر نکاح کے بعد (۱۰) یا پندرہ سال بعد ازدیاد ہو سکتا ہے جو شوہر کے بیٹے پر وجہ خوشنودگی وارثان کو حصہ کم کرنے کی خاطر

کیا جاتا ہے جائز ہے یا نہ اور کیا ایسے مہر کو دیگر ورثا جائز قرار دیں یا نہ بالخصوص جو مہر از قسم مکانات یا زمین زوج نے خفیہ بذریعہ تمسک بعد مدت دراز نکاح کے تحریر کر دیا ہو اور شرط بھی تحریر کر دی ہو کہ کاغذات سرکاری میں داخل خارج کرا دوں گا مگر وہ بھی اپنی پندرہ سالہ بقیہ حیات تحریر تمسک عملدر آمد بھی نہ کرایا ہو اس کو جائز رکھا جاوے یا ناجائز؟ واضح رہے کہ تمسک ایک سوتیلی ماں نے اپنے حق میں بھی خفیہ تحریر کرایا ہو اور والد مرحوم نے اپنی زندگی میں اپنے لڑکوں سے جو دوسری بیوی سے ہوں ذکر تک بھی نہ کیا ہو اور نہ ہی اس کی بابت اپنی باقی ماندہ حیات میں ۱۵ سالہ کاغذات سرکاری میں عملدر آمد کرا دیا ہو۔

الجواب: زیادت مہر عقد کے بعد جائز ہے خواہ کتنی ہی مدت کے بعد زیادت کی ہو۔ الزیادة فی المهر صحیحة حال قیام النکاح عند علمائنا الثلاثة کذا فی المحیط فاذا زادها فی المهر بعد العقد لزمته الزیادة کذا فی السراج الوهاج عن اذا قبلت المرأة الزیادة اھ عالمگیریہ (ص ۲۲۹ ج ۲) لیکن جب یہ زیادہ خفیہ طور پر ہوئی ہے اور ورثہ زوج کو اس کا علم نہیں ہے تو عورت کے ذمہ دو گواہ قائم کرنا ہے کیونکہ وہ مدعی زیادت ہے اگر وہ دو گواہ اس پر قائم کرے کہ زوج نے بعد نکاح کے مہر میں اس قدر زیادت کی تھی یا یہ ثابت کرے کہ زوج نے زیادت مہر کی تحریر دو گواہوں کے سامنے لکھی تھی اور گواہ بھی اس کی گواہی دیں اور بہر صورت یہ دعویٰ اور گواہی کسی قاضی شرعی کے اجلاس میں ہو اور وہ اس گواہی کو قبول کرے تو زوجہ مقدار زیادت کو ترکہ سے لے سکتی ہے اور اگر وہ گواہ نہ قائم کر سکے تو بقیہ ورثہ سے قاضی قسم لے کہ ان کو اس زیادت کا علم نہیں اور نہ میت نے یہ تحریر ان کے سامنے لکھی ہے اگر یہ قسم کھالیں تو عورت کا دعویٰ باطل ہے ورنہ اس کا دعویٰ قبول ہوگا اور اگر ورثہ اس کو تسلیم کر لیں کہ یہ تحریر میت کے خط کے مشابہ ہے لیکن اس پر قسم کھالیں کہ میت نے ہمارے سامنے کوئی تحریر نہیں لکھی اور نہ ہم کو اس تحریر کا علم ہے تب بھی ان کی قسم معتبر ہے اور عورت کا دعویٰ باطل ہے کیونکہ مجرد تحریر کا شریعت میں اعتبار نہیں ہے فان الخط یشبه الخط هکذا فهمته من القواعد ولم ار فیه جزئیة صریحة فمن وقف علیها فلیصححه واللہ اعلم۔

۲۶ ربیع الثانی سنہ ھ

ناقابل جماع عورت کے مہر کا حکم

سوال (۲) ایک شخص نے نکاح کیا تھا بوقت صحبت دیکھا کہ عورت کے صرف پیشاب کا ایک سوراخ ہے اور پستان بھی ہے مگر صحبت کے قابل نہیں تب اس نے اس کی

طلاق دے دیا اب اس کو مہر ادا کرنا واجب ہے یا نہ۔

الجواب: جب عورت کے صرف پیشاب کی جگہ ہے جماع کی جگہ نہیں ہے اس سے خلوت کرنا چونکہ معتبر نہیں ہے لہذا جب اس کو طلاق دیدی گئی تو شوہر کے ذمہ نصف مہر ادا کرنا واجب ہے مہر کامل ادا کرنا واجب نہیں۔ قال فی العالمگیریۃ ومن الموانع لصحۃ الخلوۃ ان تکون المرأۃ رتقاء او قرناء او عفلاء او شعراء کذا فی التبیین ص ۲۳۳۲۔

۱۸ محرم سنہ ۴۱ھ۔

ولی صغیرہ کے معاف کردینے سے مہر ساقط نہیں ہوتا

سوال (۲): کیا فرماتے ہیں علماء دین متین اس مسئلہ میں کہ زید نے مسماۃ ہندہ یتیمہ نابالغہ سے نکاح کیا لیکن بوجہ نابالغ ہونے کے خلوت وہمبستری نہیں ہوئی اور ہندہ کسی کے بہکانے سے دن کے وقت بلا اجازت اپنے شوہر کے چوری سے اپنے گھر سے نکل کر اپنی والدہ کے گھر چلی گئی۔ زید نے ہندہ کی اس ناجائز حرکت سے ناراض ہو کر ہندہ کے بھائی ولی کو اور والدہ کو اور محلہ کے پنچوں کو جمع کر کے ہندہ کی یہ ناجائز حرکت ظاہر کی، ان پنچوں نے بعد دریافت حالات ہندہ کے بھائی اور والدہ کی رائے سے فیصلہ دیا کہ چونکہ ہندہ بلا اجازت شوہر دن کے وقت گھر سے نکل گئی ہے اور شوہر سے فارغ خطی چاہتی ہے اس لئے ہم کو آئندہ زوجین کے باہمی تعلق قائم رہنے کی امید نہیں ہے اور ہندہ کے پھر نکل جانے کا اندیشہ ہے لہذا الطرفین کی رضامندی سے سرکاری کاغذ اسٹامپ پر تحریری فارغ خطی ہوگئی کہ زید نے شوہر کا خرچہ معاف کرا دیا اور ہندہ کی طرف سے اس کے بھائی ولی نے مہر کی معافی لکھدی۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ اگر ہندہ کا بھائی ولی یا ہندہ خود بالغ ہو کر کسی کے بہکانے سے زید پر مہر کا دعوی کرے تو وہ شرعاً مہر کی مستحق ہو سکتی ہے یا نہیں اور ایسی نابالغہ کے مہر کیلئے جس سے صرف نکاح ہوا ہو خلوت اور ہمبستری نہ ہوئی ہو شرعاً کیا حکم ہے وہ مہر کی مستحق ہو یا نہیں؟

الجواب: صورت مسئولہ میں اگر زید نے ہندہ کو طلاق دیدی ہے تو ہندہ پر طلاق بائن واقع ہو گئی لیکن ہندہ کے بھائی نے جو ہندہ کی طرف سے مہر کی معافی لکھدی ہے اس سے مہر کی معافی نہیں ہوئی ہندہ اپنے نصف مہر کی مستحق شرعاً ہے۔ قال فی الدر خلع الاب صغیرتہ بمالہا او مہرہا طلقت فی الاصح کما لو قبلت ہی وہی ممیزۃ ولم یلزم المال لانہ تبرع ام وان خالعہا الاب علی مال ضامنا لہ ای ملتزما لا کفیلا لعدم وجوب المال علیہا صح والمال علیہ کالخلع مع الاجنبی فالاب اولی بلا سقوط مہر

لأنه لم یدخل تحت ولایة الأب اھ قال الشامی ای سواء کان الخلع علی المھر او علی الف مثلا لکن اذا کان علی المھر فلھا ان ترجع به علی الزوج و الزوج یرجع به علی الاب لضمانه اھ ص ۷۳۶ ج ۲، قلت وعلی ھذا لا یرجع الزوج علی اخ المرأة لانه لم یضمن بل انه ابرأ الزوج من جانب المرأة وھذا لا یدخل فی معنی الضمان۔ واللہ اعلم۔　　　۵ ربیع الثانی۔

مہر کے مطالبہ کے واسطے ڈگری کرانا جائز ہے یا نہیں نیز شوہر کے مفلس ہونے کی صورت میں کیا شوہر کے باپ سے مہر کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے

سوال (۴) اگر کسی دختر کے شوہر کے پاس فی الحقیقت کچھ زر نقد یا جائداد منقولہ و غیر منقولہ نہیں ہے تو اس کے باپ کو شرعاً یہ جائز اور مناسب ہے کہ اگر عدالت انگریزی میں اپنے مطالبہ کی ڈگری کرا کر اس کے شوہر کو بموجب قانون انگریزی قید خانہ میں ڈلوا دے کسی صحابی یا سلف صالحین نے کبھی ایسا کیا ہے؟

کوئی شخص اپنی دختر کے شوہر کے باپ کو شرعاً مجبور کر سکتا ہے کہ وہ اپنی لڑکی کے ذمہ کا مہر جبراً اس کی زوجہ کے باپ کو ادا کرے؟

الجواب: دائن کو بیشک اتنا حق ہے کہ اگر مدیون ہٹ دھرمی کرتا ہو اور باوجود قدرت کے دین ادا نہ کرتا ہو تو اس کو حبس کرا دے لیکن جب حاکم کو یہ بات محقق ہو جائے کہ مدیون تنگدست ہے تو پھر اس کو قید کرنا جائز نہیں علی ھذا قید کرانا بھی بصورت مذکورہ درست نہیں حق تعالیٰ فرماتا ہے وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ یعنی اگر مدیون تنگدست ہو تو زمانہ وسعت تک مہلت دینا اس کو ضروری ہے باقی علاوہ مدیون کے دوسرے شخص کو جب تک وہ ضامن ہو جائے قید کرنا یا کرانا درست نہیں قال اللہ تعالیٰ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرَىٰ۔ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یجنی جان الا علی نفسه ولا یؤخذ المرء بجریرة غیرہ او کما قال واللہ اعلم بالصواب۔

احقر عبد اللطیف عفا اللہ عنہ مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

الجواب صحیح حق عنایت الٰہی عفی عنہ

الاجوبۃ کلہا صحیحۃ احقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ　　　۸ شوال سنہ ۴۳ھ۔

التسویۃ فی مھر احدی الزوجتین بعد العقد ھل توجب تسویۃ الاخری فیما ام لا

سوال (۵) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک عورت ہندہ سے پانچ ہزار

روپیہ مہر پر نکاح کیا اس کے بہت مدت بعد دوسری عورت زینب سے پانچ سو روپیہ مہر پر نکاح کیا اور دونوں کو ان کا مہر ادا بھی کر دیا۔ زینب نے ایک روز یہ طعن کیا کہ تو نے میرا مہر بہت کم رکھا زید نے اس کی دلجوئی کے لئے یہ قصد کیا کہ تین سو چار سو روپے اس کے مہر میں اور زیادہ کرے کیونکہ زیادت بعد العقد بھی اصل کے ساتھ بتصریح فقہاء ملحق ہو جاتی ہے۔ اتنی رقم یعنی تین سو چار سو اس کو اور روپیوں خواہ نقد یا کسی مکان کا ایک حصہ کہ زینب کو فی الحال اس حصہ مکان کی ضرورت بھی ہے لیکن زید کو اس میں تردد یہ ہے کہ جس طرح تمام حقوق میں زوجتین کے درمیان تساوی ضروری ہے کہیں یہ زیادتی فی مہر احدہما خلاف عدل نہ ہو جاوے اس لئے استفسار کیا جاتا ہے کہ یہ زیادت فی مہر احدہما جائز ہے یا نہیں اگر کوئی دلیل صریح ہو تو کوئی کلیہ ہی شافی ہو کافی ہے اور تصریح فقہی اگر مل جاوے تو اقرب الی الاقناع ہے فقط۔

الجواب الاول من بعض العلماء:

موافق اس قاعدہ فقہیہ کے کہ زیادت فی المھر بعد العقد ملحق باصل المھر ہے اور ہبہ مبتدأہ نہیں ہے کما یقول بہ الامام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ زیادت فی مھر احدی الزوجات درست ہے خصوصاً اس زوجہ کے مہر میں زیادتی کرنا جس کا مہر اصل سے کم ہو اور اضرار زوجہ ثانیہ اس سے مقصود نہ ہو اور اس کو حیلہ ترک عدل و تسویہ بین جو کہ واجب ہے نہ بنایا جاوے خلاف عدل نہیں معلوم ہوتا۔ فتح القدیر کے جزیہ ذیل سے بھی یہی مفہوم ہو سکتا ہے کہ زیادت فی مہر اگر بطریق رشوت نہ ہو تو درست ہے عبارت اس کی یہ ہے (قولہ وان رضیت احدی الزوجات بترک قسمھا لصاحبتھا جاز) ھذا اذا لم یکن برشوۃ من الزوج بان زادھا فی مھرھا تفعل او یتزوجھا بشرط ان یتزوج اخری فیقیم عندھا یومین وعند المخاطبۃ یوماً فان الشرط باطل ولا یحل لھا المال فی الصورۃ الاولیٰ فلہ ان یرجع فیہ الخ اور عنایہ کی یہ عبارت بھی جواز کی طرف مشیر ہے قولہ خلافاً لزفر فانہ یقول الزیادۃ ھبۃ مبتدأۃ لا تلتحق باصل العقد ان قبضت ملکت والا فلا الخ اس سے معلوم ہوا کہ ائمہ ثلثہ زیادت کو ہبہ مبتدأۃ قرار نہیں دیتے کہ اس کو خلاف عدل کہا جائے کیونکہ یہ تصریح ہے کہ ہبات میں بھی تسویہ بین الزوجات

فرض ہے کما فی العینی علی البخاری وتمام الحدیث ایضاً یتعین تزویجہن فی النفقة والکسوة والهبة ونحوها فقط واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ ......

۵ ربیع الثانی سنہ ۴۶ھ

الجواب صواب

محمد ...... عفا اللہ عنہ

الجواب الثانی من جامع امداد الاحکام

اقول وباللہ التوفیق۔ زیادت فی المہر کا ملحق باصل عقد ہونا اس کو مستلزم نہیں کہ اس کے جملہ احکام مثل مہر کے ہوں چنانچہ زیادت کا موت سے متنصف ہونا اور قبل خلوت تنصف نہ ہونا اس پر دال ہے۔

نیز اس زیادت کا ملحق بالاصل ہونا اس کو بھی مستلزم نہیں کہ اس کے لئے مہر کے احکام متعلقہ ثابت ہوں۔ دراصل اس مسئلہ میں حنفیہ کا امام زفر و شافعی وغیرہ سے جو اختلاف ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ حنفیہ اس کو محض ہبہ مستقلہ نہیں سمجھتے بلکہ اس کے لئے کچھ احکام ہبہ کے اور کچھ احکام مہر کے ثابت کرتے ہیں اور زفر و شافعی اس کو من کل وجہ ہبہ مستقلہ سمجھتے ہیں ائمہ ثلثہ حنفیہ اس کو ہبہ ابتداءً و مہر انتہاءً کہتے ہیں اس لئے وہ اس زیادت کو حق متعاقدین میں حکم مہر کہتے ہیں اور حق ثالث میں ہبہ و تبرع کما یظہر من کلام الفقہاء ودلیلہ شرط بقاء الزوجیة لجواز هذه الزیادة علی الظاهر کما فی الدر۔ فلو کان کالمہر فی جمیع الاحکام لم یکن بقاء الزوجیة شرطا لان المہر یبقی لو انعدمت الزوجیة کما لا یخفی۔

قال فی البحر والظاهر عدم الجواز بعد الموت والبینونة والیه یشیر تعلیل المحیط بحال قیام النکاح ونقلوا ان ظاهر الروایة ان الزیادة بعد هلاک المبیع لا تصح وفی روایة النوادر تصح ومن ثم جزم فی المعراج وغیره بان شرطها بقاء الزوجیة حتی لو زاد لها بعد موتها لم تصح (ای لعدم المحل وقت الزیادة ۱۲) والالتحاق باصل العقد وان کان یثبت مستندا الا انه لا بد

ان یثبت[عه] اولا فی الحال ثم یستند اھ اور طحاوی نے عدم اشتراط بقاء زوجیت کو ترجیح دی ہے مگر اس کی بناء التحاق باصل العقد پر نہیں رکھی بلکہ یہ کہا ہے و کون ظاہر الروایۃ عدم الصحۃ الزیادۃ بعد ہلاک المبیع لا یقتضی ان یکون ظاہر الروایۃ ھنا الفرق بین الفصلین قائم عند المجتہد انہ فی النکاح امر اللہ تعالی بعدم نسیان الفضل بین الزوجین وھذہ الزیادۃ من مراعاۃ الفضل اھ شامی (ص ۵۵۲ و ۵۵۳ ج ۲) قول اول میں شرط بقاء زوجیت کی وجہ یہ تھی کہ صحت زیادت کے لئے وجود محل ضروری ہے اور قول ثانی نے زیادت کو مراعات فضل میں داخل کرکے اس شرط کی نفی کردی بہرحال یہ مسئلہ سب کو تسلیم ہے کہ زیادت مہر من کل وجہ مثل مہر کے نہیں ہے۔ بلکہ درحقیقت یہ مہر من وجہ ہے اور ہبہ من وجہ ہے۔ ہبہ کی حیثیت سے بعض احکام میں یہ اصل مہر سے منفصل ہے مثلاً بحالت مرض موت مہر مثل پر زیادت باطل ہے لما فیہ من ابطال حق الورثۃ قال فی الدر وما لزمہ فی مرضہ بسبب معروف ببینۃ او بمعاینۃ قاض علی ما اقر بہ فی مرض موتہ ولو ودیعۃ والسبب المعروف ما لیس بتبرع کنکاح مشاھد ان بمہر المثل اما الزیادۃ فباطلۃ وان جاز النکاح اھ (ص ۸۰۶ ج ۳) فھذا کما تری قد ادخل الشہادۃ ھنا فی التبرع وھذا اذا کانت الزیادۃ فی صلب العقد ولو کانت بعد العقد فتبطل بالاولی وان کان المہر اقل من المثل فالعلۃ کونہ تبرعا فی الاصل ابتداء کما لا یخفی۔ اور مہر کی حیثیت سے اس زیادت کے لزوم میں قبضہ شرط نہیں اگر ہبہ محضہ ہوتا تو بدون قبض کے لزوم نہ ہوتا پس حنفیہ کا اس زیادت کو ملحق باصل العقد کہنا صرف بایں معنی ہے کہ یہ لزوم میں محتاج قبض نہیں کما یدل علیہ قول صاحب العنایۃ خلافا لزفر فانہ یقول الزیادۃ ھبۃ

[عه] ھذا صریح فی ان تعلق الزیادۃ تلتحق باصل المہر بعد ثبوتہا فی الحال ثبوتہا انما ھو بصورۃ الھبۃ والشیٔ اذا ثبت ثبت بلوازمہ فیثبت لہا احکام التبرع فی المسئلۃ ۱۲ منہ

مستانفة لا تلتحق باصل العقد ان قبضت ملکت والا فلا الخ باقی تمام احکام ان کیلئے مہر کے ثابت ہیں مثلاً قبول مرأة کا شرط ہونا اور زوجیت کا باقی رہنا وغیرہ وغیرہ جو اصل مہر میں شرط نہیں نیز اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ زیادت فی المہر و اصل زیادت فی ثمن المبیع پر قیاس کیا گیا ہے اور زیادت فی ثمن المبیع کے متعلق درمختار میں یہ تصریح ہے لیکن انما یظہر فی الشفعة فی الحط فقط قال الشامی لان عہ فی الزیادة ابطال حق الشفیع الثابت قبلها فلا یملکانه فله ان یاخذ بدون الزیادة (درمختار) فعلم منه ان الزیادة فی العقد لا تسقط ولا تبطل حقا ثابتا للغیر قبلها ۔

اب صورت مسئولہ کا حکم واضح ہو گیا وہ یہ کہ منکوحہ ثانیہ سے جو قلیل مہر پر نکاح کیا گیا ہے اگر یہ مہر مثل تھا تب تو اس کا حق زیادت نہ ہونا ظاہر ہے اور اگر مہر مثل تھا بلکہ اس سے کم تھا تو اس نے اپنے حق کو وقت نکاح خود ہی ساقط کر دیا ہے والساقط لا یعود ۔ اور اس سے نکاح ہو جانے کے بعد زوجہ اولیٰ کا مہر و نفقہ وغیرہ میں حق مساوات ثابت ہو چکا ہے لہذا ثانیہ کے مہر میں زیادت کرنے سے گو وہ اصل عقد کی طرف مستند ہو زوجہ اولیٰ کا حق مساوات باطل نہیں ہو سکتا کیونکہ زیادت فی العقد باوجود استناد الی الاصل کے کسی حق ثابت قبلہا کو باطل نہیں کر سکتی کما مر فی شان الشفیع ۔ بس اس زیادت کا ثمرہ صرف یہ ہوگا کہ وہ مہر میں داخل ہو کر محتاج قبضہ فی اللزوم نہیں رہے گا باقی احکام تبرع و ہبہ کے بجالہا باقی رہیں گے ۔ اور اگر زیادت فی المہر کو اصل سے ملحق کر کے موجب العدل والتسویہ نہ مانا جائے تو اس میں ہدم باب القسم بالمرة لازم آئے گا کیونکہ پھر تو ہر شخص جو چاہے گا کسی ایک زوجہ کو دے دیا کرے گا اور یہ کہہ دے گا کہ میں تیرے مہر پر زیادت کر رہا ہوں اور جس جزئیہ کے مفہوم سے مجیب اول نے استدلال کیا ہے وہ استدلال بھی صحیح نہیں ۔ یہ جزئیہ تو غور کرنے کے بعد اس امر پر دال ہے کہ زیادت فی المہر من کل وجہ بحکم مہر نہیں بلکہ اس کی حالت موجودہ کے احکام بھی اس کے لئے ثابت ہوتے ہیں ۔ غور کرنا چاہئے کہ اس صورت میں زیادت فی المہر کو جو رشوت

عہ قلت هذا صریح فیما ذکرته قبل ان عقد الزیادة یصح انتہاءً فی حق المتعاقدین وتبرعاً ابتداءً فی حق الثالث فلذا لم یعتد بها من الثمن فی حق الشفیع ۱۲ منہ

کہا گیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زیادت کو قسم کا مقابل کیا گیا ہے ورنہ تو نفس اس زیادت کی حالت موجودہ میں قبل الاستمتاع ہے ورنہ بعد الاستمتاع تو یہ زیادت مہر کا جزو اور عوض بضع ہے اور بضع شرعاً متقوم ہے اس کا معاوضہ رشوت کبھی نہیں ہو سکتا پس فقہاء کا اس زیادت کو رشوت کہنا صاف بتلا رہا ہے کہ زیادت فی المہر کے لئے مطلقاً احکام مہر ثابت نہیں ہوتے بلکہ اسی صورت موجودہ کے احکام بھی ثابت ہوتے ہیں پس جس صورت میں کہ زیادت بعوض ترک قسم ہو اس وقت تو رشوت ہونے کی وجہ سے باطل ہے کیونکہ قسم متقوم نہیں جس کا عوض دیا جائے اور جس صورت میں کہ عوض ترک قسم نہ ہو اس وقت یہ احدی الزوجتین کے ساتھ صلہ زائدہ ہے پس صلہ زائدہ کے احکام ثابت ہو کر استناد الی الاصل کے احکام ثابت ہوں گے ورنہ اس کے لئے صلہ زائدہ کے احکام کا فی الجملہ ثابت ہونا اوپر عبارات در مختار و رد المحتار وغیرہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ مریض کی زیادت کو فقہاء نے تبرع میں داخل کر کے بدون اجازت ورثہ باطل کہا ہے علیٰ ہذا اس زیادت کو بیع کی صورت میں باطل ہی تسلیم نہیں مانا گیا اور اس کے لئے قبول وغیرہ کو شرط قرار دیا گیا ہو اسی طرح یہاں بھی اس زیادت سے زوجہ ثانیہ کا حق مساوات جو ثابت قبل الزیادت کے باطل نہیں ہو سکتا ہذا واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

۴ شعبان سنہ ۴۴ھ

ایسی عورت کے مہر کا حکم جو رضاعی بہن ہو اور ناواقفی میں ان کا نکاح ہو گیا ہو

سوال ([illegible]) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید اور ساجدہ نے ایام طفلی میں بعض الاوقات یکے بعد دیگرے مسماۃ ہندہ کا دودھ پیا اور جب یہ دونوں کچھ تھوڑا سن تمیز کو پہنچے تو ایام نابالغی ہی میں مسائل و احکام دینی کی ناواقفیت کی وجہ سے زید اور ساجدہ کا باہم عقد ہو گیا اور بلوغت کے بعد کچھ عرصہ تک ان کے درمیان تعلقات شوہری اور زوجیت کے قائم رہے بعد ازاں جب مسئلہ رضاعت سے واقفیت حاصل ہوئی اور یہ تحقیقات اپنے درمیان رضاعی بھائی بہن ہونا پایۂ ثبوت سے درجہ یقین کو پہنچا ہوا پایا تو مسماۃ ساجدہ نے زید سے کنارہ کشی اختیار کر کے اس کے گھر سے اپنے میکہ چلی آئی اور زبانی و تحریری اطلاع اپنے مورثان کو اس امر کی دی کہ اب میں ہرگز زید کے ساتھ تعلقات زوجیت کے نہیں رکھنا چاہتی اس معاملہ میں اگر آپ لوگ سختی بھی کیجئے یا جان سے مار ڈالئے تب بھی میں زید

کے گھر نہ جاؤں گی اور نہ اس سے پھر زوجیت کے تعلقات قائم کروں گی زید نے بھی ثبوت مفارقت کے بعد سکوت اختیار کیا اور نہ پھر کبھی ساجدہ کو اپنے گھر بلایا۔ اس تفرقہ کو چھ سات مہینے گذرے ہوں گے کہ قضاء الٰہی سے زید کا انتقال ہو گیا چونکہ زید صاحب جائداد تھا اس لئے طمع دنیا سے اب مسماۃ ساجدہ بحق زوجیت وراثت و بالعوض دین مہر کے دعویدار ہے تو اس صورت میں کیا مسماۃ ساجدہ زید مرحوم کی جائداد سے بحق زوجیت وراثت ترکہ شرعی اور دین مہر پانے کی مستحق ہو سکتی ہے؟

الجواب: ساجدہ اس صورت میں مہر مثل کی تو مستحق ہے اگر زید سے ہمبستری ہو چکی ہو مگر میراث کی مستحق نہیں، اور مہر مثل خاندانی مہر کو کہتے ہیں ساجدہ کے جدی خاندان میں عورتوں کا عموماً جو مہر بندھا ہو اس میں ساجدہ کی حیثیت و صورت وغیرہ کا بھی لحاظ کیا جائے گا کہ اس جیسی عورت کا مہر کتنا ہوا کرتا ہے وہ ساجدہ کا مہر مثل ہے اب اگر وہ مہر مقررہ کے برابر ہی ہے تو مہر مقررہ ملے گا اگر کم ہے تو کم ملے گا اگر زیادہ ہے تو مقررہ سے زیادہ نہ ملے گا۔ قال فی الدر ویجب مهر المثل فی نکاح فاسد وهو الذی فقد شرطا من شرائط الصحة کشهود اهـ قال الشامی وشمله تزوج الاختین معا ونکاح الاخت فی عدة الاخت ونکاح المعتدة والخامسة فی عدة الرابعة اهـ (ص ۴۲۷ ج ۲) قلت ونکاح المحارم عند بعضهم من الباطل ولکن قال الشامی والحاصل انه لا فرق بینهما (ای الفاسد والباطل) فی غیر العدة اهـ (ص ۴۲۷ ج ۲) علی ان هذا النکاح لعله بشبهة لان الزوجین انما تیقنا بالرضاع بینهما بعد بلوغهما بسنوات کما یظهر من السؤال فیکون الوطی وطیا بالشبهة والموطوءة بشبهة تستحق مهر المثل کما صرحوا به واما حرمان المیراث فلما صرح به فی الدر (ص ۴۲۵ ج ۲) ویستحق الارث باحد ثلاثة برحم ونکاح صحیح فلا توارث بفاسد ولا باطل اجماعا اهـ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۷ رشعبان سنہ ۴۴ھ۔

مہر کا ادا کرنا یکمشت ضروری ہے یا قسط وار بھی درست ہے

سوال (۷) شوہر کو روزانہ بارہ آنہ کی آمد ہے اس میں مہر میں ماہانہ دس روپیہ دیتا ہوں اور اس کے سوائے کوئی ملک وغیرہ نہیں آیا وہ ماہانہ دس روپیہ قبول کر سکتی ہے؟

الجواب: بحالت قیام نکاح تو اقساط کے ساتھ مہر ادا کر سکتا ہے اور بعد طلاق و خلع کے عورت یکمشت کل مہر وصول کر لینے کی مستحق ہے اور اس وقت اقساط مقرر کرنا شوہر کے اختیار میں نہیں بلکہ حاکم کی رائے پر ہے۔

حکم منع المرأۃ نفسها عن زوجها بقبض المعجل والتفصیل فی ذلك

سوال (۸) کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ خالدہ خانم اپنے شوہر خالد سے قبل وطی یعنی رخصت ہونے سے پہلے کل زر مہر یا کوئی جزو زر مہر لینے کی عند الشرع مستحق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا، اگر مہر معجل یا مؤجل ہر دو صورت میں مستحق ہے یا کیا؟

الجواب: قال فی الدر ولها منعه عن الوطی ودواعیه والسفر بها ولو بعد خلوۃ رضیتها لاخذ ما بین تعجیله من المهر کله او بعضه، او اخذ قدر ما یعجل لمثلها عرفا به یفتی لان المعروف کالمشروط ان لم یؤجل او یعجل کله فکما شرط لان الصریح یفوق الدلالة الا اذا جهل الاجل جهالة فاحشة فیجب حالا الا التاجیل بطلاق او بموت فیصح للعرف فمات قال الشامی عن شرح الجامع لقاضیخان انه لو کان المهر مؤجلا لیس لها المنع قبل حلول الاجل ولا بعده وکذا لو کان المؤجل بعضه واستوفت العاجل وکذا لو اجلته بعد العقد ثم قال وعلی قول ابی یوسف لها المنع الی استیفاء الاجل فی جمیع هذه الفصول اذا لم یکن دخل بها الخ قال فی الدر وعن الثانی لها منعه ان اجله کله وبه یفتی استحسانا ولوالجیة اھ قال الشامی وهذا اذا لم یشترط الدخول قبل حلول الاجل فلو شرطه ورضیت به لیس لها الامتناع اتفاقا اھ (ص ۵۸۸ و ۵۸۹ ج ۲)۔

اس سے معلوم ہوا کہ مہر کی مختلف صورتیں ہیں:

۱۔ کل مہر معجل ہو یا بعض معجل ہو یعنی وقت نکاح کے تصریح کر دی گئی ہو کہ مہر کا کل یا بعض معجل ہوگا اس صورت میں عورت کو قبل رخصت و خلوت کل یا بعض جو بھی معجل طے ہوا ہو طلب کرنے کا اختیار حاصل ہے۔

۲۔ بعض معجل ہو اور بعض مؤجل ہو تو معجل کے وصول کے بعد بقیہ کے بھی مطالبہ کا حق عورت کو ہے لیکن اس کے وصول ہونے پر اپنے نفس کی تسلیم کو موقوف نہیں کر سکتی۔

(۳) کل موجل ہو اور اجل طلاق یا موت ہو تو عرف کی وجہ سے تاجیل مجہول صحیح ہے اور اس صورت میں عورت کو طلب مہر کا تو حق ہے مگر اس کے کسی جزو یا کل کے وصول ہونے پر اپنے نفس کی تسلیم کو موقوف نہیں کر سکتی بلکہ اگر شوہر بدون کچھ مہر دیئے اس کو اپنے پاس رکھنا چاہے تو اس کو حق امتناع نہ ہوگا۔ البتہ امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ مہر کل موجل ہو تو عورت کو حق امتناع ہے مگر یہ جب ہے کہ شوہر نے دخول قبل الاداء کی شرط نہ کی ہو اور یہ شرط کر لی ہو تو اتفاقاً عورت کو حق امتناع نہیں۔

میں کہتا ہوں کہ آج کل مرد کو اس شرط کی ضرورت نہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ مہر کل موجل ہونے کی صورت میں اگر عورت نے یہ شرط کر لی ہو کہ قبل ادائے مہر کے دخول کو منظور نہ کروں گی تو اس کو حق امتناع ہے ورنہ نہیں۔ کیونکہ کل مہر کو موجل کرنا ہندوستان میں رائج ہے اور اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ دخول ادائے مہر پر موقوف نہیں والمعروف کالمشروط پس اگر عورت نے اس امر معلوم عرفاً کی صراحۃً نفی نہیں کی تو گویا وہ بھی دخول قبل اداء پر راضی ہو گئی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۸ ذیقعدہ سنہ ۴۲ھ

مہر معلوم نہ ہو اور وارث اپنے دعوی پر گواہ نہ رکھتے ہوں تو مہر مثل پر فیصلہ ہوگا

سوال (۹) عبداللہ خاں مرحوم نے دو شادیاں کیں پہلی بیوی کا انتقال ہو گیا اس کی اولاد موجود ہے اور دوسری بیوی زندہ موجود ہے اور اس سے دو بچے ہیں۔ عبداللہ خان اور ان کے والد نے اس پہلی بیوی کا مہر کسی مقدمہ کی شہادت میں اپنا بیان یہ دیا ہے کہ میری بیوی کا مہر ایک ہزار روپیہ ہے اور ان کے والد نے بھی یہی بیان دیا ہے کہ میرے لڑکے کی بیوی کا دین مہر ایک ہزار روپیہ ہے۔ عبداللہ خان کی بیوی کی بہنوں کا مہر ۵ ہزار روپیہ تھا اور ان کی پھوپھیوں کا مہر بھی ایک ہزار روپیہ ہے اور ان کے والد یعنی صاحب داد خان کی بیوی کا مہر بھی پانچ ہزار روپیہ ہے اور ان کے لڑکوں کی بیویوں کا مہر بھی پانچ پانچ ہزار روپیہ ہے اب عبداللہ خان کی اول بیوی کی اولاد یہ دعویٰ کرتی ہے کہ ہماری والدہ کا مہر پچیس ہزار روپیہ ہے۔ جس سے ان کا مقصود یہ ہے کہ دوسری بیوی اور اس کی اولاد کو محروم کر کے خود ہی اپنے والد کی جائیداد پر قابض رہیں اور اپنے سوتیلی ماں اور بھائی بہن کو کچھ نہ دیں۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ ایسی صورت میں عبداللہ خان مرحوم کی پہلی بیوی کا مہر از روئے شرع شریف کیا قرار دیا جائے؟ عبداللہ خان نے جو وصیت نامہ

مرنے سے پیشتر لکھ ہے اُس میں سب بہن بھائی کو لکھا ہے کہ اتفاق سے رہنا اور دوسری بیوی زندہ کا مہر ایک ہزار روپیہ لکھا ہے جو واقعی ٹھیک ہے مگر پہلی بیوی کے مہر کا کچھ ذکر نہیں لکھا غالباً معلوم ہوا ادا کر گیا یا مرحومہ نے معاف کر دیا اس کا علم نہ کو ہے۔

الجواب: اگر زوجۂ اولیٰ کی اولاد اپنے دعویٰ پر دو عادل گواہ نہیں رکھتے تو مہر مثل پر فیصلہ کیا جائے اور مہر مثل میں عورت کے خاندان کا اعتبار ہے سوال میں ظاہر کیا ہے کہ عبداللہ خان کی سالیوں کا مہر ۵ - ۵ ہزار روپیہ ہے پس اس کے مطابق پانچ ہزار روپیہ عبداللہ خان کی زوجۂ اولیٰ کا مہر قرار دیا جائے کما فی الدر المختار (وبعد موتہما فی القدر) القول لورثتہ و (فی الاختلاف) (فی اصلہ) القول لمنکر التسمیۃ (ولم یقض بشیء) مالم یبرھن علی التسمیۃ (وقالا یقضی بمہر المثل) کحال حیاۃ (وبہ یفتی) وفی الشامی تحت قولہ لم یقض بشیء لان مہر المثل یختلف باختلاف الاوقات فاذا تقادم العہد یتعذر الوقوف علی مقدارہ ثم ھذا یدل علی انہ لو کان العہد قریبا تقضی بہ بحر قلت وبہ صرح قاضی خان فی شرح الجامع (ص ۵۹۲ ج ۲)۔ احقر عبدالکریم عفی عنہ ۱۹ جمادی الثانیہ سنہ ۴۲ھ

الجواب صحیح۔ ظفر احمد۔ ۱۹ ر ج ۲ سنہ ۴۲ھ۔

جو شخص بیوی کو مہر دینے اور نیت ادا کی نہ ہو تو اس کی اولاد کو ولد الحرام کہہ سکتے ہیں یا نہیں

سوال (۱۰) کوئی شخص بہت زیادہ اپنی حیثیت سے مہر مقرر کرے جو شخص ایک مزدوری کی رقم کے لحاظ سے ہو اتنی رقم اس کی حیثیت کے اعتبار سے ادا کرنا ناممکن ہے مہر دینے کی نسبت کہتا ہے کہ یہ ایک فرضی بات ہے کون دیتا کون لیتا ہے اگر اتنا مہر مقرر نہ کروں تو نکاح ہی نہ ہو تو ایسے شخص کی اولاد کو کوئی ولد الزنا کہے یا سمجھے تو گناہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب: اس شخص کی اولاد کو ولد الزنا کہنا حرام ہے اور حرامی سمجھنا بھی بمعنی متعارف جائز نہیں اور حدیث میں جو ایسے شخص کو زانی کہا گیا ہے اس سے مراد گناہ میں مثل زانی کے ہوتا ہے۔ اور مثل زانی پر احکام زانی کے جاری کرنا درست نہیں۔

حکم تجدید نکاح بزیادت مہر بزعم عدم بقائے اول اس صورت میں شوہر کے ذمہ کونسا مہر واجب ہوگا

سوال (۱۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید عمر ۲۵ سال

اور عابدہ عمر ۱۳ سال ہر دو باوجود بالغین ہونے کے ان کے باہم عقد نکاح اس صورت میں واقع ہوا کہ وکیل اپنے دو شاہدوں کے ہمراہ ایک عام جلسہ میں آکر عابدہ اور اس کے والد کے وکیل بنانے کا اقرار ہر دونوں شاہدین سے کرا کر زید کے ساتھ عابدہ کا نکاح ایک سو پچیس ۱۲۵ روپیہ مہر مؤجل پر ایجاب قبول کرا ہی دیا تھا کہ عابدہ کا ماموں اس جلسہ میں آتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ مہر بالکل کم ہے چالیس تو سونا چاہئے اور اسی پر اصرار کر کے عابدہ کے والد کو بھی مجبور کیا حتی کہ ثانی نکاح چالیس تولہ سونے پر کرا ہی چھوڑا حالانکہ زید زوج ایک سو پچیس ۱۲۵ روپیہ کا بار بھی نہیں اٹھا سکتا اور اس نے تقریب نکاح کا خرچ جو قرض لیکر کیا تھا اس کے ضائع ہو جانے کے خوف سے اور شریعت کی لاعلمی کی وجہ سے طوعاً وکرہاً نکاح ثانی بھی قبول کر لیا۔

(۱) عند الشرع کونسا نکاح منعقد ہوا اول یا ثانی؟ (۲) زوجہ کا ماموں نکاح ثانی کرا کر مستوجب تعزیر ہوا (۳) نکاح اول کا مہر واجب الاداء ہے یا ثانی کا؟ (۴) مہر مؤجل زوجہ کو کس وقت ادا کیا جا سکتا ہے!

اس کے چار ماہ بعد زوج و زوجہ میں باہمی تنازع ہوا اور عابدہ کے والد نے عابدہ کو بے اجازت زید کے مکان سے لیجا کر اپنے مکان پر بٹھا رکھا ہے اور زید کے ہاں آنے نہیں دیتا آیا عابدہ کا نان ونفقہ زید پر واجب الاداء ہے یا نہیں مع حوالہ کتب معتبرہ مرقوم فرما کر عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور ہوں؟

الجواب: قال فی العالمگیریة الزیادة فی المهر صحیحة حال قیام النکاح عند علمائنا الثلاثة کذا فی المحیط فلو زاد لها فی المهر بعد العقد لزمته الزیادة کذا فی السراج الوهاج هذا اذا قبلت المرأة الزیادة سواء کانت من جنس المهر او لا من زوج او ولی. کذا فی النهر الفائق والزیادة تتأکد باحد معان ثلثة اما بالدخول او بالخلوة الصحیحة واما بموت احد الزوجین الخ ولو تزوج امرأة بالف درهم ثم جدد النکاح بالفین اختلفوا فیه ذکر الشیخ الامام المعروف بخواهر زاده فی کتاب النکاح ان علی قول ابی حنیفة ومحمد لا یلزمه الالف الثانیة ومهرها الف درهم وعلی قول ابی یوسف یلزمه الالف الثانیة وبعضهم ذکر الخلاف علی عکس

هذا قال بعض مشائخنا المختار عندنا ان لا يلزمه الالف الثانية كذا في الظهيرية (قلت وهذا اذا كان المقصود بالتجديد تجديد النكاح هزلا وتلعبا) وفي العالمگيرية ايضا عقب ذلك ما نصه وفتوى القاضي الامام على انه لا يجب بالعقد الثاني شيء الا اذا عنى به الزيادة في المهر فحينئذ يجب المهر الثاني كذا في الخلاصة اهـ (ص ۳۲۹ ج ۲)

پس صورت مسئولہ میں نکاح ثانی تو لغو ہے لیکن چونکہ اس سے مقصود محض زیادت مہر تھی اس لئے مہر وہی واجب ہوگا جو دوبارہ مقرر کیا گیا ہے کیونکہ زید زوج نے اس کو رضا منظور کیا ہے اس پر اکراہ شرعی کا تحقق نہیں ہوا اور گو ممکن ہو اس صورت میں دباؤ تھا مگر اول تو اس نے والد عابدہ کو اپنے ساتھ متفق کرکے لیا گیا ہے دوسرے مدار تو زوج کے منظور کرنے پر ہے جب اس نے دوسرے نکاح کے مہر کو منظور کرلیا تو اس کی طرف سے زیادت فی المہر کا تحقق ہوگیا پس اگر زوجہ مسماۃ عابدہ نے بھی اس زیادت کو قبول کرلیا ہو یعنی اس کو دوسرے نکاح کی مہر زائد ہونے کی اطلاع ہوئی ہو اور اس پر اس نے سکوت کیا اور نکاح ثانی سے انکار نہیں کیا تو یہ مہر لازم ہوگیا جو دخول یا خلوت سے مؤکد بھی ہوگیا اور اگر اس کو اطلاع نہیں ہوئی تو سوال دوبارہ کیا جائے۔

اور مہر مؤجل ہر ملک میں وہاں کی اصطلاح کے موافق ہے بعض جگہ طلاق یا موت کے وقت واجب الادا ہوتا ہے اور بعض بلاد میں وقت مطالبہ زوجہ کے ہم کو بنگال کی اصطلاح معلوم نہیں اس لئے کچھ نہیں کہہ سکتے۔

اور عابدہ جو اپنے باپ کے گھر چلی گئی ہے تو اس کے متعلق بھی یہ بات دریافت طلب ہے کہ وہ مہر کے متعلق کسی جھگڑے کی وجہ سے گئی ہے یا کسی اور بات پر جھگڑا ہوا ہے؟ اور یہ بھی لکھا جائے کہ بنگال میں مہر مؤجل کا ادا مطالبۂ زوجہ پر واجب ہوتا ہے یا طلاق و موت پر؟

اور صورت مسئولہ میں کل مہر مؤجل تھا یا کوئی حصہ معجل بھی تھا اور جو حصہ معجل تھا وہ عابدہ کو وصول ہوگیا یا نہیں ہوا۔ واللہ اعلم۔

۸ ربیع الاول [illegible]ھ

ایسی عورت جو کسی علت کے سبب جماع کے قابل نہ ہو اس کے مہر وغیرہ کا کیا حکم ہے

سوال (۱۲) بعد آداب کے عرض یہ ہے کہ میرے عزیز رحمٰن بیگ صاحب کی شادی قریب گیارہ سال ہوئے

جب ان کی خالہ کی لڑکی سے ہوئی تھی جب لڑکی بالغ ہوئی ہم بستری کے لئے اپنے شوہر کے پاس سوئی شوہر ہمبستری یعنی جماع کے لئے آمادہ ہوا تو اندام نہانی میں ایک جھلی حائل ہوئی جس کی وجہ سے جماع کرنے سے مجبور رہا دوسرے روز صبح زنانہ شفاخانہ کی لیڈی نے ملاحظہ کیا تو بعد معائنہ کہا کہ یہ عورت مرد کے قابل نہیں ہے اور نہ ہی اس کے پستان چھاتیاں ابھری ہیں مردوں کا سا سینہ صاف ہے۔ اس وقت لڑکی کی عمر ۲۲ سال ہے، عرصہ تک میاں بیوی نے راز کو پوشیدہ رکھا، شفاخانہ کے معائنہ کرانے کے بعد بھی، آخر جب عزیزوں نے مجبور کیا تب صاف صاف بیان کیا، لیڈی ڈاکٹرنی جو انگریزی میم تھی پھر دوبارہ دیکھا اور کہا کہ لڑکے کی شادی دوسری کر دو یہ عورت مرد کے کام کی نہیں ہے لہذا عرض ہے کہ جب دوسری شادی عزیز کی ہو جاوے گی تو اس پہلی عورت کا جو ناقابل مرد ہے اس کا کیا حق اپنے شوہر پر رہے گا یا نہیں رہے گا، مہر پانچ سو روپیہ کا ہے طلاق ابھی نہیں دی ہے دوسری شادی جب ہی ہوگی جب اس پہلی سے نجات ملے گی دوسری شادی جہاں ہوگی بات چیت سب طے ہو گئی ہے مگر اس ہی بیماری ہوئی رکی ہوئی ہے کہ پہلی عورت مہر لینے کا حق رکھتی ہے یا نہیں۔ طلاق دینے کے بعد شوہر پر جو کچھ مہر وغیرہ کا حق حقوق ہے۔ براہ کرم بہت جلد اطلاع دیں کہ اس کو طلاق دیکر دوسری شادی کی جاوے اور یہ نکاح بھی اس عورت سے جائز ہوا یا ناجائز جب کہ وہ مرد کے قابل ہی نہ تھی حدیث سے سب باتوں کے جواب سے مستفید فرما دیں؟

الجواب: قال فی الدر والخلوۃ بلا مانع حسی وطبعی وشرعی و رتق بفتحتین التلاحم وقرن بالسکون عظم وعفل بفتحتین غدۃ وصغر لا یطاق معہ الجماع کالوطء فیما یجیء ای فی ثبوت النسب وتاکد المہر ص ۵۵۹ ج ۲ وفیہ ایضا ویجب العشرۃ ان سماہا او دونہا ویجب الاکثر منہا ان سمی الاکثر ویتاکد عند وطء او خلوۃ صحت او موت احدہما ویجب نصفہ بطلاق قبل وطء او خلوۃ صحت، وعاد النصف الی ملک الزوج بمجرد الطلاق اذا لم یکن مسلما لہا وان کان مسلما لہا لا یبطل ملکہا منہ بل توقف عودہ الی ملکہ علی القضاء او الرضی اہ ص ۵۲۳ ج ۲ .

وفیہ ایضا فی باب القسم یجب ان یعدل فیہ ای فی القسم بالتسویۃ

في البيتوتة وفي الملبوس والمأكول والصحبة لا في المجامعة كالمحبة بل يستحب بلا فرق بين فحل وخصي وعنين ومجبوب ومريض وصحيح وصبي دخل بامرأته وبالغ لم يدخل بحثا واقرا المصنف ومريضة و صحيحة وحائض وذات نفاس ومجنونة لا تخاف ورتقاء وقرناء و صغيرة يمكن وطيها اه (ص ٦٥٥ ج ٢)۔

ان عبارات سے امور ذیل مستفاد ہوئے کہ اس عورت سے نکاح درست ہو گیا اور

(۱) اگر اس عورت کو طلاق دے دی گئی تو وہ نصف مہر کی مستحق ہوگی۔

(۲) اور اگر طلاق نہ دی گئی تو زوج کے مرنے پر پورے مہر کامل کی مستحق ہوگی اسی طرح اگر یہ زوجہ مر گئی تو اس کے ورثہ شوہر سے پورے مہر میں حقدار[عہ] ہوں گے۔

(۳) اگر طلاق نہ دی گئی بلکہ اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح کیا گیا تو یہ زوجہ بھی دوسری کی طرح نفقہ و سکنیٰ اور شب باشی میں مساوات کی مستحق ہوگی اس کا حق ان امور میں دوسری سے کم نہ ہوگا ہاں صرف جماع میں مساوات کی مستحق نہیں کیونکہ وہ جماع کے قابل ہی نہیں اگر قابل بھی ہوتی جب بھی جماع میں مساوات کرنا واجب نہیں صرف مستحب ہوتا واللہ اعلم۔

۱۱ ربیع الاول ۴۶ھ۔

ایسی عورت جو کسی علت کے سبب جماع کے قابل نہ ہو اس کے مہر وغیرہ کا کیا حکم ہے

سوال (۳۰۲) ایک کنواری عورت کے والدین جس کی عمر سترہ برس کی ہے اس کی شادی ایک شریف نوجوان پڑھے لکھے شخص سے کرتے ہیں بعد رخصتی شب عروسی کے اول وقت میں جبکہ عورت کی ساس کچھ مطابق رسم نصیحت پند کرنے جاتی ہے تو عورت نہایت شرم سے اپنی ساس سے کہتی ہے کہ اماں جو کچھ آپ نے فرمایا یہ درست ہے میں اس کو منظور کیا کروں میں اس قابل ہی نہیں کہ میں ان کے پاس یا وہ میرے پاس آسکیں میں مجبور ہوں زیادہ دریافت حال پر عورت نے کہا کہ میرا جسم اور عورتوں کا سا نہیں ہے قدرت نے پیشاب کے واسطے صرف چھوٹا سا سوراخ عطا کیا ہے تو اس پر اس کی ساس دو عورتوں کو بلاتی ہے اور اس کا جسم دیکھ کر تصدیق کرتی ہے کہ دلہن کا بیان سچ ہے۔

[عہ] اور ان ورثہ میں شوہر بھی ہے اس کا حصہ شرعی مہر میں سے معاف ہو جائے گا ۱۲ اشرف علی

کہا جاتا ہے کہ شادی کیوں کرلی۔ وہ جواب دیتی ہے کہ میرے ماں باپ میں ایک وقت بحث بھی ہوئی مگر میرے والد نے والدہ کو ڈانٹا جو میں نے سنا اور مجھے بھی خاموش کردیا گیا میں مجبور تھی۔ چنانچہ لڑکے نے چھوڑا اس عورت کے پاس نہیں جانے دیا اس کے والدین کو بلوایا گیا وہ اپنی خطا پر نادم ہو کر لڑکی کو گھر واپس لے گئے اور کہا کہ ہم علاج کرا کر دیں گے علاج کرایا گیا چار ماہ سے ہنوز آرام نہیں ہوا۔ لڑکا حیران ہے کہتا ہے کہ طلاق ہی دلادو میں دوسری جگہ شادی کرلوں میری عمر مت ضائع کرو اس عورت کے ماں باپ زور دیتے ہیں کہ مہر دو ہمارا سامان واپس کردو۔ لڑکا غریب ہے مجبور ہے لڑکا کہتا ہے میرا اس میں کیا قصور ہے کیوں مجھے آپ نے آگاہ کیا میری شادی کرنے کا کیا یہی نتیجہ ہے شادی اس لئے ہوتی ہے کہ اسے دھوکہ دیا جاوے محض کسی ناجائز نیچ سے جس کی ہم کو خبر بھی افسوس ہے۔ امید ہے کہ یہ فتوی مرحمت فرماویں اور چونکہ حضور مدہ کارڈ پر جواب صادر فرماویں گے تفصیل ضرور ہو کہ ہر آدمی وقت فیصلہ کے حضور کے جواب کا انتظار ہے (۱) یہ کہ ایجاب قبول ہوئے یا نہیں؟ (۲) نکاح ہوا یا نہیں (۳) اس دھوکہ کی صورت میں مہر واجب ہوا یا نہیں؟ جبکہ یہ عورت و اس کے ماں باپ کا قصور ہے زیادہ والسلام

الجواب: صورت مسئولہ میں نکاح درست ہوگیا کیونکہ صحت نکاح کے لئے عورت کا عورت ہونا کافی ہے قابل جماع ہونا ضروری نہیں۔ اب اگر اس کو طلاق دی گئی تو چونکہ یہ طلاق قبل از دخول و خلوت صحیحہ ہے اس لئے شوہر پر مہر کامل تو واجب نہ ہوگا ہاں نصف مہر واجب ہوگا۔ اور مہر عورت کا حق ہے جو نکاح سے واجب ہو جاتا ہے، عورت یا والدین کے قصور سے مہر ساقط نہیں ہو سکتا ہاں اگر بیوی مہر کو معاف کردے تو وہ اپنا حق معاف کرسکتی ہے۔ واللہ اعلم۔ ۲۲ رجب ۴۶ھ۔

جہیز وغیرہ دینے کا حکم

سوال (۱۳) بعد سلام مسنون دیگر ممالک کی مجھے خبر نہیں مگر ہندوستان میں عام طور پر یہ رواج ہے کہ شادی میں لڑکے اور لڑکی کو سسرال سے شادی پر کپڑے دیئے جاتے ہیں میرے خیال میں عوام اور خواص سب ہی اس کو لازم اور واجب سمجھتے ہیں کیونکہ کوئی شادی آج تک ایسی نہ دیکھی گئی اور نہ سنی گئی کہ جس میں کپڑے نہ دیئے گئے ہوں کپڑے دینے کے لئے لوگ بہت بڑا اہتمام کرتے ہیں اور شادی کا ایک ضروری جزو سمجھتے ہیں کیا یہ ایسا ہی ضروری ہے جیسا کہ لوگ قولاً اور فعلاً ثابت کر رہے ہیں۔ جناب حضرت نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی متعدد شادیاں کیں۔ ان کی بنات طیبات کی شادیاں ہوئیں کیا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان شادیوں میں کپڑے لئے دیئے تھے۔ حضرت صحابہؓ اور صحابیاتؓ کی شادیوں میں کپڑوں کے لین دین رائج تھی۔ حضرات تابعین اور تبع تابعین نیز ائمہ دین متین کے زمانے میں یہ رسم و رواج تھا یا نہیں اگر نہیں تھا تو کب سے رواج ہوا شادیوں میں شادیانہ کپڑے لئے دیئے جائیں یا نہیں۔ جو حکم شرعی ہو مفصل مدلل تحریر فرما کر مخلوقات خدا کو راہ راست سے واقف فرمائیں اور عند اللہ ماجور ہوں۔

الجواب: باپ اپنی لڑکی کو نکاح کے وقت جہیز دینا سنت نبویہ سے ثابت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو شادی کے وقت جہیز دیا ہے[عہ]۔ اسی طرح نکاح کے وقت شوہر کا عورت کو زیور کپڑے وغیرہ دینا سنت سے ثابت ہے۔ حضرت علیؓ نے جس وقت نکاح کے بعد حضرت فاطمہؓ کے پاس جانا چاہا تو حضور نے فرمایا اعطها شيئا قال ما عندي ما اعطيها قال فاين درعك الحطمية الحديث وفي حديث الواهبة نفسها لرسول الله صلى الله عليه وسلم فلم يكن له فيها غرض فقام رجل فقال زوجنيها يا رسول الله ان لم يكن لك بها حاجة فقال هل عندك ما تعطيها قال لا الا ازاري قال التمس شيئا ولو خاتما من الحديد الحديث كلاهما صحيح۔

ان روایات سے ثابت ہے کہ شوہر کو عورت کے پاس جانے سے پہلے اس کو کچھ دینا چاہیئے یہ عورت کا حق ہے۔

پس شادی میں کپڑے زیور وغیرہ دینے کا جو رواج ہے یہ رواج فی نفسہ خلاف شرع نہیں۔ البتہ اس میں افراط و غلو مناسب نہیں کہ اس قدر اہتمام کیا جائے جس سے پریشانی ہو اور قرض کا بار عظیم ہو جائے۔ باقی اپنی حیثیت کے موافق اہتمام کرنا شریعت کے موافق ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور لڑکے کو جو جوڑا دیا جاتا ہے اس کا ثبوت جزئی تو نہیں ہے مگر کلی ثبوت حدیث

[عہ] قلت ذكر الحافظ حديث جهاز فاطمة وذكر الحديث علي اعطها درعك الحطمية في ترجمة فاطمة من الاصابة (ص ۵۸ و ۵۹ ج ۸) ۱۲ ظفی

تہادوا تحابوا سے اس کا بھی پتہ ہے کیونکہ اس کا منشا محض اکرام ومحبت کا اظہار ہے اگر غلو نہ ہو تو اس کا بھی مضائقہ نہیں۔ واللہ اعلم۔ ۲۱ ربیع الاول سنہ ۴۷ھ۔

ادائیگی مہر میں شوہر اور بیوی کے درمیان بعض شرائط کا حکم

سوال کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ایک عورت سے کہ تمہارے دو ہزار روپیہ مہر ہے مگر اس شرط پر کہ تم کو اگر میں نے بلا کسی وجہ کے طلاق دے دیا یا گھر سے نکال دیا تو مہر دے دوں گا خواہ معجل ہو یا غیر معجل ہو کوئی تخصیص نہیں ہے اگر اس قسم کے وجوہات پیش نہ آئے تو مہر نہ دوں گا آیا یہ شرط فاسد ہے یا صحیح ہے نیز اس صورت میں مہر مثل ہوگا یا رقم مذکورہ مبلغ دو ہزار روپیہ جو متعین ہے ادا کرے گا اور عورت کی طرف سے یہ عہد ہے کہ ہر طرح سے خاوند کی فرمانبردار رہوں گی۔ اور اگر خاوند کی مرضی کے خلاف کوئی کام مجھ سے سرزد ہوئے تو معاہدہ مندرجہ بالا کالعدم وباطل تصور ہوگا آیا اس آخری شرط کے ماننے کے بعد مہر مثل ہوگا یا نہیں صاف تحریر فرمادیں۔ بغرض مزید تفصیل نقل اقرارنامہ بھی ارسال ہے۔

نقل اقرارنامہ ملخصاً

من مقر نے مسماۃ لطیفن الخ سے نکاح ثانی کرکے اپنی زوجیت میں لایا ہے مسماۃ مذکورہ کا مہر دو ہزار روپیہ شرائط ذیل پر قرار پایا ہے کہ ہر دو معاہدین کا خداوند عالم اتفاق ومحبت زندگی بسر کرائے۔ اگر خاوند بلا کسی وجہ یا قصور کے طلاق دے یا گھر سے نکال دے تو مبلغ دو ہزار روپیہ دینا پڑے گا۔ آگے چلکر بیوی کا اقرار ہے

اگر خاوند کی مرضی کے خلاف کوئی کام مجھ سے سرزد ہوئے گا تو یہ معاہدہ مندرجہ بالا کالعدم وباطل تصور ہوگا اور مستقر خاوند کو کوئی عورت شادی شدہ یا نکاح ثانی میری موجودگی میں رکھنے کا ہرگز اختیار نہ ہوگا۔

دیگر یہ بھی فرمادیں کہ خاوند کے کاروبار خانگی بذمہ عورت کون کون سے ضروری ہیں بہ زبان والسلام۔

الجواب: یہ شرط فاسد ہے اور عورت مدخول بہا ہے تو وہ ہر حالت میں دو ہزار کی مستحق ہے خواہ اس کو طلاق دی جائے یا نہ دی جائے گھر سے نکالا جائے یا نہ نکالا جائے اور صورت مسئولہ میں مہر مثل کا کوئی احتمال نہیں لعدم التردید فی

کمیة المهر وعدم تعلیقه علی شیء وانما علق اداءه وعدم اداءه علی شرائط بعد ما جعل المهر العین کما هو ظاهر من نقل الفاظ زبانه والله اعلم۔ اور عورت کے عہد سے بھی مہر کا ابطال نہیں ہوا بلکہ وہ عہد ہی لغو ہے وہ جب تک صراحۃً معاف نہ کرے اور خوشی سے معاف نہ کرے تو معاف نہ ہوگا۔

اور بیوی کے ذمہ چار باتیں لازم ہیں جن پر شوہر اس کو مجبور کر سکتا ہے:

(۱) جب شوہر مجامعت کے لئے بلائے اور عورت بیمار نہ ہو تو انکار نہ کرے۔

(۲) شوہر اگر زینت کا طالب ہو تو اس کے لئے زینت و آرائش کیا کرے بشرطیکہ زینت خلاف مشروع نہ ہو۔

(۳) شوہر کے گھر سے بدون اس کی اجازت کے باہر قدم نہ رکھے نہ کسی نامحرم کے سامنے چہرہ کھولے۔

(۴) جس شخص کا گھر میں آنا شوہر کو گوارا نہیں اس کو گھر میں آنے کی اجازت نہ دے۔

ان امور کے سوا اور کسی بات پر مرد عورت کو مجبور نہیں کر سکتا اگر مجبور کرے گا تو گنہگار ہوگا۔ البتہ عورت کو دیانۃً واجب ہے کہ شوہر جس مباح شرعی کا امر کرے اور اس کی طاقت سے باہر کام نہ ہو اس کو بجا لائے خواہ شوہر کو اس کے حکم کا حق ہو یا نہ ہو گو وہ بلا استحقاق کسی زائد کام کا بدون رضا کے حکم کرے گا تو گنہگار ہوگا۔ لیکن اگر وہ عمل شرعاً مباح اور عورت کی قدرت میں تھا تو عورت بھی مخالفت امر زوج سے گنہگار ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

یکم ذی الحجہ ۴۲ھ۔

مہر مثل کی تحقیق نہ ہوسکے یا عرفاً مختلف ہو تو کس مہر پر فیصلہ کیا جائے

سوال (۲۰۱) مہر مثل کی تعریف جو فقہاء نے لکھی ہے اگر اس کی تحقیق نہ ہوسکے یا وہ عرفاً مختلف ہو تو پھر کس مہر پر فیصلہ کیا جاوے گا یا مہر شرعی کہ ہر حالت میں معتبر ہوگا؟

الجواب: فقہاء نے جو مہر مثل کی تعریف لکھی ہے اس کی تحقیق کی ضرورت وہاں ہے جہاں اختلاف صفات زوجین سے مہر خاندانی مختلف ہوجاتا ہے، اور جہاں مہر خاندانی ہر حال میں واحد ہو کہ خاندان کی ہر لڑکی کا مہر اس سے کم نہ ہوگا اور غالب احوال میں زیادہ بھی نہیں ہوتا الا نادراً لعارض تو وہاں مہر خاندانی ہی مہر مثل ہوگا اور ہندوستان میں اکثر مقامات پر ہر قوم کا مہر ہر شہر میں رواجاً متعین ہے اس سے کم و بیش نہیں ہوتا

پس اسی کو مہر خاندانی کہا جائے گا، اور اگر کسی قوم میں مختلف مہور رہوں تو ہر لڑکی کی پھوپیوں، اور چچا زاد بہنوں کا مہر اس کے حق میں مہر مثل ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم۔ یکم صفر ۴۸ھ

سقوط مہر کے متعلق بیان القرآن کی ایک عبارت کی تشریح

سوال (۱۷) آپ کے مترجم قرآن عظیم کے والمحصنٰت کے حاشیہ پر یہ مضمون مرقوم ہے کہ اگر صحبت یا خلوت نہیں ہوئی [1] اور مرد چھوڑ دے تو نصف مہر لازم ہوگا یہ تو ظاہر ہے اور آگے یہ لکھا ہے کہ اگر عورت ایسا کام کرے جس سے نکاح ٹوٹ جاوے تو پھر بالکل مہر لازم نہ آئے گا اس سے کفر مراد ہے یا اور کچھ ہے؟

الجواب: عورت کی جانب سے نکاح ٹوٹنے کی صورت ایک یہ بھی ہے کہ عورت مرتد ہو جائے اور اس کے علاوہ دوسری صورتیں بھی ہیں مثلاً کافر مرد و عورت کا نکاح ہوا تھا مرد مسلمان ہو گیا اور عورت نے اسلام سے انکار کر دیا۔ یا عورت نے خاوند کے بیٹے سے بشہوت تقبیل کی۔ یا رضاع کا تحقق ہوا (یعنی ایک بالغہ سے کسی نے نکاح کیا اور ایک چھوٹی بچی سے جس کی عمر دو سال سے کم ہو اور کبیرہ نے صغیرہ کو دودھ پلا دیا اور اب تک اس سے دخول نہ ہوا تھا تو کبیرہ کا مہر ساقط ہو گیا اور دونوں حرام ہو گئیں کما فی العالمگیریۃ ص ۵۰ ج ۲ اذا تزوج الرجل صغیرۃ وکبیرۃ فارضعت الکبیرۃ الصغیرۃ حرمتا علی الزوج ثم ان لم یدخل بالکبیرۃ فلا مہر لہا الخ) یا خیار بلوغ و عتق کی حالت میں عورت نے نکاح فسخ کر دیا۔ یا کفو نہ ہونے کے سبب۔ کما فی العالمگیریۃ ص ۳۲ ج ۲ وان جاءت الفرقۃ من جہتہا فلا تجب لہا المتعۃ لردتہا واباۂا الاسلام وتقبیلہا ابن الزوج بشہوۃ والرضاع وخیار البلوغ وخیار العتق وعدم الکفاءۃ الی ان قال وکل موضع لا تجب المتعۃ فیہ عند عدم التسمیۃ لا ینتصف المسمی عند وجودہا کذا فی التبیین

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ۔

عورت مہر کا روپیہ کس کس کام میں لگا سکتی ہے

سوال (۱۸) زید نے اپنی زوجہ کا مہر ادا کر دیا مہر کا روپیہ زید کی زوجہ کے پاس موجود ہے اب وہ مہر کا روپیہ خیرات کر دیوے یا کسی مسجد یا مدرسہ وغیرہ میں صرف کر دیوے تو جائز ہے یا نہیں علاوہ اس کے مہر کا روپیہ کس کام میں لانا چاہئے؟

---

[1] یعنی اگر صحبت یا خلوت سے پہلے شوہر اپنی بیوی کو طلاق دیدے۔ داؤد حسین اکلانی

الجواب: اس کی ملک ہے اس کو پورا اختیار ہے جو چاہے کرے۔

تنبیہ: اگر یہ روپیہ اتنا ہے کہ حج ہو سکے اور اس نے حج نہ کیا ہو تو حج کرنا فرض ہے اور اگر حج کے لئے کافی نہ ہو یا حج کر چکی ہو تو خواہ جمع رکھے اور زکوٰۃ ادا کرتی رہے یا شوہر کو دیدے یا اقارب وغیرہ پر صدقہ یا ہدیہ صرف کر دے خواہ خیرات کر دے ہر طرح اختیار ہے۔

۱۵؍ رمضان سنہ ۴۳ھ

مہر مثل کے بارے میں

سوال (۱۹) زید ولی بالغ جو حقیقی بھائی ہندہ نابالغہ کا ہے اس نے ہندہ سے گواہوں کے سامنے بعوض پندرہ ہزار روپیہ دین مہر کے اپنا نکاح کر لیا اور اس دیار میں مہر معین نہیں ہے کسی کا چالیس ہزار کسی کا تیس ہزار کسی کا پچیس ہزار کسی کا بیس ہزار کسی کا پندرہ ہزار کسی کا دس ہزار علی ہذا القیاس ہوا کرتا ہے۔ اور ہندہ کی اولاً کوئی بہن یا اس قبیلہ میں جو ہندہ کے باپ کے قبیلے کے مماثل ہو۔ کوئی ایسی عورت جو اپنے نکاح کے وقت میں ہندہ کے ساتھ مساوات و مماثلت رکھتی ہو نہیں موجود ہے کہ اس عورت کا جو مہر مقرر ہوا ہو وہی مہر ہندہ کا قرار دیا جائے تو یہ پندرہ ہزار غبن فاحش ہے یا نہیں اور جبکہ ایسی کوئی عورت جو دونوں میں عقد کے وقت مساوات ہو نہیں ملتی ہے تو یہ نکاح صحیح ہوگا یا نہیں۔ اگر نہیں صحیح ہے تو صحیح ہونے کی کیا صورت ہے بینوا توجروا۔

الجواب من بعض العلماء:

سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم۔ جبکہ اس دیار میں تقدیر مہر بمقدار معین نہیں ہے اور نہ کوئی ایسی عورت خاندانی موجود ہے جس میں ہندہ کے اوصاف کا اجتماع ہو تو ولی بالغ کو نابالغہ سے چالیس ہزار یا پچیس ہزار میں اپنے ساتھ نکاح کرنا تھا اگر پندرہ ہزار میں غبن متصور ہوتا چونکہ ولی نے اپنے ساتھ پندرہ ہزار میں بلا وجود عورت متساویہ مماثلہ نکاح کیا ہے لہذا یہ نکاح صحیح نہ ہوگا ولی کو پھر نکاح بلا مہر مقرر کے کرنا چاہئے کہ اگر پہلا نکاح صحیح نہ ہوا ہو تو نکاح ثانی صحیح ہوگا۔ فتاوی ہندیہ میں ہے واذا زوج غیر الاب والجد الصغیرۃ فالاحتیاط ان یعقد مرتین مرۃ بمہر مسمی ومرۃ بغیر مہر مسمی لامرین احدھما انہ لو کان فی التسمیۃ نقصان لا یصح النکاح الاول ویصح الثانی بمہر المثل والثانی ان الزوج لو کان حلف بطلاق امرأۃ یتزوجہا بلفظ ان اتزوج او بلفظ کل امرأۃ اتزوجہا

یعتبر الثانی بمہر المثل ونحوہ انتہی ومثلہ فی فتاوی قاضی خان وقال فی رد المحتار (ص...): نقلا عن البحر ولہذا ذکر فی الخانیة وغیرہا ان غیر الاب والجد اذا زوج الصغیرة فالاحوط ان یزوجہا مرتین مرة بمہر مسمی ومرة بغیر التسمیة لانہ لو کان فی التسمیة نقصان فاحش ولم یصح النکاح الاول یصح الثانی ولیس للتزویج من غیر کفو حیلة کما لا یخفی

ہاں اگر کوئی عورت ہندہ کے ددھیالی عورتوں میں سے یا اس قبیلہ میں سے جو ہندہ کے باپ کے قبیلہ کے مماثل ہو ایسی عورت ہو کہ جو اوصاف ہندہ میں ہوں وہ اس عورت میں بھی ہوں تو اس عورت کا جو مہر ہے وہی ہندہ کا ہوگا۔ اگر اس عورت کا مہر پندرہ ہزار مقرر ہوا تھا تو ہندہ کا بھی پندرہ ہزار یا آٹھ نو ہزار تک ہو سکتا ہے ایسی صورت میں دوبارہ نکاح کی حاجت نہیں۔ اور مہر المثل کی تعریف عالمگیری میں یہ لکھی ہے۔

ومہر مثلہا یعتبر بقوم ابیہا اذا استویا سنا وجمالا وبلدا وعصرا ودینا وبکارة وکذا یشترط ان یستویا فی العلم والادب وکمال الخلق وان لا یکون لہما ولد کذا فی التبیین انتہی

محمد عبد الرشید۔

واللہ اعلم بالصواب۔ ذوالقعدہ ۴۳ھ۔

الجواب من جامع امداد الاحکام:

اس میں شک نہیں کہ دوبارہ تسمیہ مہر نکاح کر لینا احوط ہے لیکن مہر مثل ددھیالی خاندان ہی میں منحصر نہیں بلکہ اگر کسی عورت کا مثل ددھیالی خاندان میں نہ ہو تو ننھیالی خاندان سے مہر مثل اس کا معلوم کیا جائے اگر اس میں بھی نہ مل سکے تو دوسرے اجنبی خاندانوں میں جو خاندان اس عورت کے باپ کے خاندان کا عرفاً مماثل ہو اس سے مہر مثل معلوم کیا جائے نیز یہ امر بھی قابل تنبیہ ہے کہ مہر مثل میں جن اوصاف کے اندر عورتوں کی مماثلت کو فقہاء نے بیان کیا ہے اس سے یہ مراد نہیں کہ سب اوصاف میں مماثلت شرط ہے بلکہ بعض اوصاف میں بھی مماثلت کافی ہے صرح بہ فی الشامیة (ص ۵۸۲ ج ۲) اس کے بعد امید ہے کہ اس عورت کا مثل اس کے ددھیالی خاندان میں بھی مل جائے گا۔

واللہ اعلم۔ ۱۵ ذیقعدہ ۴۳ھ۔

* * *

فصل فی القسم عند تعدد الازواج

دن کے وقت بیویوں کے درمیان عدل کرنا واجب نہیں

سوال (۱) بہشتی زیور سے معلوم ہوا ہے کہ بیبیوں کے درمیان رات میں برابری ضروری ہے دن میں برابری نہیں ہے تو اگر کسی بی بی کی باری میں اس کے یہاں دن کو کھانا کھا کر دوسری بی بی کے گھر جس کے یہاں باری نہیں ہو دن کو علیحدہ چارپائی پر جا کر سو رہے تو درست ہے یا نہیں؟

الجواب: یہ صورت درست ہے۔ واللہ اعلم۔ ۲۷ شوال سنہ ۴۲ھ۔

بیویوں کے درمیان عدل کرنے کے معنی اور فقہ کے کلام پر ایک اشکال کا جواب

سوال (۲) متعدد ازواج میں عدل کا حکم قرآن سے ثابت ہے اور وہاں اسے عام رکھا گیا ہے جس کے معنی یہ سمجھ میں آتے ہیں کہ کم از کم امور اختیاریہ میں تو من کل الوجوہ عدل ہونا چاہئے یعنی سفر میں اور نفقہ میں اور وطی میں۔ سفر میں بھی کچھ فقہاء نے اجازت دی ہے کہ خواہ جسے لے جاوے۔ نفقہ میں موسرہ اور معسرہ کی حالت کا اعتبار کیا ہے جس سے ممکن، وراغلب ہے کہ ایک کی حیثیت سو روپیہ ماہواری ہو اور ایک کی دس روپیہ ماہوار۔ وطی میں بھی عدل نہیں ہے بلکہ اختیار زوج پر موقوف ہے۔ اس کے بعد عدل واقعی نہیں رہتا بلکہ ایک فرضی دکھاوے کی صورت رہ جاتی ہے کہ تقسیم میں دونوں برابر رہیں۔

الجواب: آپ نے عدل کے معنی تسویہ سمجھے ہیں اس لئے غلط فہمی ہوئی۔ عدل کے معنی جور کے مقابل ہیں یعنی ہر چیز کے ساتھ اس کے مناسب اور حق واجب کے موافق برتاؤ کرنا، پس اگر زوجتین یسار و اعسار میں مساوی ہیں تو نفقہ میں تسویہ ورنہ حسب حیثیت عدل واجب ہے۔ تعدد ازواج کی صورت میں تسویہ صرف بیتوتہ و صلات زائدہ میں واجب ہے جبکہ سب حرائر ہوں، بقیہ امور میں عدل ہی واجب ہے نہ کہ تسویہ۔ ۹ شوال۔

مسائل متفرقہ متعلقہ نکاح

حضرت امام حسینؓ اور حضرت شہربانو کے نکاح کی تحقیق

سوال (۱) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں جو مال غنیمت میں آیا تھا اس میں حضرت شہربانو رضی اللہ عنہا آئیں تھیں اور وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے صاحبزادہ بڑے صاحب کو بغیر نکاح کئے ہوئے دے دی گئیں

لہ یعنی تا علم ولادت حسین بیگم دہلوی۔

چونکہ اتنا تو مجھے معلوم ہے کہ جو مال غنیمت میں اس زمانہ میں آیا کرتا اور اس میں عورتیں یا لڑکے آتے تھے وہ ویسی ہی تقسیم کر دیا جایا کرتا تھا یا آزاد کر دیا جاتا تھا ان سے نکاح اللہ تعالیٰ نے جائز نہیں رکھا تھا اور یہ شیعہ لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ نکاح ہوا ہے۔ ہمارے بھوپال میں ایک شخص سید صاحب مشہور ہیں وہ تو سنت جماعت ہیں انہوں نے اپنے مکان میں ایک شیعہ صاحب یعنی میر صاحب کو مہمان ٹھہرایا ہے وہ شخص رات دن ہر شخص سے مناظرہ کیا کرتا ہے چونکہ میں بھی ان کے مکان میں رہتا تھا ایک روز مجھ سے میر صاحب نے گفتگو کری، میں نے ان سے سوال کیا کہ ایک بات عرض ہے تو انہوں نے حامی بھری اور فرمایا۔ کہیے میں نے پھر ان سے سوال کیا کہ میر صاحب آپ ہر شخص سے مناظرہ کرتے ہیں ایک بات کا ہماری جواب دے دو حالانکہ میں نے ان سے صرف یہ پتا دریافت کیا کہ تم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کو حق مانتے ہو تو پھر نکاح تم حضرت شہربانو کا کہاں سے ثابت کرتے ہو چونکہ ہم نے تو سنا ہے کہ نکاح ثابت نہیں ہے اور نہ نکاح ہوتا ہے جب مال خلافت میں آتا ہے تو ان کا نکاح رب العالمین نے جائز نہیں رکھا ہے لہٰذا میر صاحب غلطی پر ہیں اور نیز میں نے ان کو یہ کہا کہ جو لوگ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کو حق مانتے ہیں اور یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اس حالت میں اللہ تعالیٰ نے نکاح جائز نہیں رکھا ہے وہ سید تو حلالی اور جو اس کو نہیں مانتے ہیں وہ حرامی ہیں۔

الجواب: غنیمت میں جو باندیاں آتی ہیں ان سے بحیثیت باندی رکھکر تو بیشک نکاح جائز نہیں۔ لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ جس شخص کو باندی دی جائے وہ اس باندی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کرلے تو ممکن ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ نے شہربانو رضی اللہ عنہا کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا ہو بدون تحقیق کے اس احتمال کو رد نہیں کیا جا سکتا نیز سائل کا یہ قول بھی غلط ہے کہ جو سید لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو نہیں مانتے وہ حرامی ہیں حرامی یا حلالی ہونے میں خلافت کے ماننے نہ ماننے کو کچھ دخل نہیں فقط۔ ۲۶ ربیع الثانی سنہ ۴۵ھ

بیوی پر گھر کا کام اور روٹی پکانا واجب نہیں

سوال (۲) بیوی کے ذمہ شوہر کے لئے روٹی پکانا اور گھر کے کام کاج کرنا واجب ہیں یا نہیں؟

الجواب: زوجہ کے ذمہ شوہر کی خدمت و اعمال بیت دیانۃً واجب ہیں قضاءً نہیں لہٰذا شوہر اس کو مجبور نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر انکار کرے گی تو گنہگار ہوگی [illegible]

وعدم صحتها) قال فی الدر[1] استاجر امرأته لتخبز له خبزا للاکل لم یجز وللبیع جاز۔ صیرفیة۔ قال الشامی قوله لم یجز لان هذا العمل من الواجب علیها دیانة ...... وافاد المصنف آخر الباب ان استیجار المرأة للطبخ والخبز و نحو ذلك اعمال البیت لا تعقد ونقله عن المضمرات ط قلت کأنه لانه واجب علیها دیانة ثم راجعت باب النفقة فرأیته علل به وزاد ولو شریفة لانه علیه السلام قسم الاعمال الخ وهذا یدل علی ما قدمنا من ان المفتی به عند المتاخرین فی الاستیجار علی الطاعات ما نصوا علیه لا کل طاعة اھ ص ۱۵ ج ۵۔

۲ر شعبان سنہ ۴۱ھ

منکوحہ مسلمہ اگر بت خانہ میں جا کر افعال شرکیہ کرے تو تجدید ہے یا نہیں

سوال (۲) ایک مسلمان شخص نے ایک مشرکہ عورت کو کلمہ وغیرہ پڑھا کر نکاح میں لایا بعد نکاح کے وہی عورت اپنے ست ناؤں میں جاتی ہے وہاں کے رسم وغیرہ بھی بجا لاتی ہے اور اسکے لڑکے وغیرہ تو بحث تعصب کرتے ہیں کہ مسلمان مذہب کچھ نہیں جب تمام گھر والے بت خانے میں جاتے ہیں تو ان کے خاوند بھی ساتھ جاتے ہیں جو کچھ مشرکوں کے یہاں رسم و رواج ہے سب دیکھا بھالا کرتے ہیں نہ اپنی عورت کو منع کرتے ہیں نہ اولاد کو ایسے گھروں میں دعوت ہونے سے کچھ کھا سکتے ہیں یا نہیں اگر کسی قوم کے پیشوا نے کھا لی تو اس کے پیچھے اقتدار کرنا جائز ہے یا نہیں حالانکہ یہ پیشوا خوب حالت سے واقف ہے اگر نہیں دیکھا تو سنا ضرور ہے۔

الجواب: جب وہ عورت بدستور بت خانہ میں جاتی ہے اور وہاں جا کر افعال شرکیہ کرتی ہے اور اسکی اولاد یہ کہتی ہے کہ مسلمان مذہب کچھ نہیں تو یہ عورت اور اس کی اولاد مرتد ہے اور اگر شوہر بھی ان کے افعال شرکیہ سے راضی ہے تو وہ بھی مرتد ہے اس کے ساتھ سلام وکلام و تعلقات وغیرہ نہ رکھنا چاہئیں جب تک کہ سب ان افعال سے توبہ نہ کریں اور توبہ کے بعد تجدید نکاح بھی لازم ہے مقتداؤں کو ایسے شخص کے یہاں دعوت قبول نہ کرنا چاہئے لیکن اگر کوئی پیشوا ایسے قبول کرے تو اس کے پیچھے نماز درست رہے گی۔ واللہ اعلم۔

۷ر شعبان سنہ ۴۲ھ

سالی سے زنا کرنے سے بیوی حرام نہیں ہوتی

سوال (۳) اگر کوئی شخص اپنی بیوی کی بہن سے زنا کرے اور حمل قرار پا جائے یا نہیں تو اس کی اصل بیوی اس کے تحت میں رہے گی یا نہیں

---

[1] تحت قولہ و شیئا باب ضمان الاجیر من کتاب الاستیجار ۶: ۶۲ - ایچ ایم سعید کمپنی۔ دار الوحیدی بنگلہ دیش۔

الجواب: بیوی کی بہن سے زنا کرنے سے اصل بیوی حرام نہیں ہوتی اس کا نکاح بحالہ باقی ہے ہاں زانی کو گناہ شدید ہوگا۔

شوہر اپنی بیوی کو والدین کے گھر سے جبراً لا سکتا ہے

سوال (۵) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ ایک شخص کی منکوحہ عقد نکاح کے ایک سال بعد اپنے والدین کے گھر چند روز کے لئے بغرض ملاقات گئی فی الحال عرصہ دو سال کا ہوتا ہے کہ زوجہ مذکورہ اپنے والدین کے گھر ہے شوہر اب تک برابر نان ونفقہ سے خبرگیری کرتا رہا اور چاہتا ہے کہ اپنی بیوی کو اپنے گھر لے آئے مگر بیوی کے والدین بعض مصالح دنیویہ کی وجہ سے رضامندی سے بھیجنا نہیں چاہتے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا شوہر کو شرعاً اختیار ہے کہ بجبر واکراہ اپنی بیوی کو یا باستعانت قانون گورنمنٹ اپنی گھر لے آوے اگر ایسا اختیار ہے تو کتاب کا حوالہ بقید صفحہ تحریر فرما کر ممنون فرما دیں۔

الجواب: فی تنویر الابصار ولها منعه من الوطء والسفر بها ولو بعد وطء وخلوة رضيتهما لأخذ ما بين تعجيله او قدر ما يعجل لمثلها عرفا ان لم يؤجل كله وقال الشامي (قوله والسفر) الأولى التعبير بالاخراج كما عبر في الكنز ليعم الاخراج من بيتها كما قاله شارحوه ط (قوله لأخذ ما بين تعجيله) علة لقوله ولها منعه او غاية له واللام بمعنى الى (قوله او قدر ما يعجل الخ) اي ان لم يبين تعجيله او تعجيل بعضه فلها المنع لأخذ ما يعجل لمثلها عادة وفي البزازية الفتوى على اعتبار عرف بلدهما الخ

(ص ۵۸۷ و ۵۸۸ ج ۲)

پس اگر وہ شخص مہر معجل ادا کر چکا ہے تو اس کو اختیار ہے کہ باوجود عورت یا اس کے اولیاء کی رضامندی نہ ہونے کے عورت کو لے آوے اور اگر مہر معجل ادا نہیں کیا تو جب تک ادا نہ کیا جاوے اس وقت تک عورت کو اختیار ہے کہ وہ آنے سے انکار کرے۔

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ ۲۵ ج ۲ سنہ ۴۳ھ

اور اگر عرف یہ ہو کہ مہر کل مؤجل ہوتا ہو جو موت یا طلاق ہی کے وقت مانگا جاتا ہے جیسا کہ ہماری اطراف میں عرف ہے تو پھر عورت کو انکار کا کچھ حق نہیں اور مسافت قصر سے کم مسافت میں شوہر جہاں چاہے اس کو لیجائے۔ اور اپنے گھر پر تو جبراً لا سکتا ہے فقط ظفر احمد عفا عنہ ۱۶ ج ۲ سنہ ۴۳ھ

بیوی سے کتنی مدت تک نہ ملنے کی اجازت ہے

سوال (۶) کیا یہ صحیح ہے کہ انسان اگر سفر میں جائے کسی ضروری کام کے لئے اور اس کا وہ کام اب تک ختم نہ ہوا اور اس میں چار ماہ ہو جائیں تو بیوی سے چار ماہ میں نہ ملنے سے وہ گنہگار ہوتا ہے؟ یا وہ مختار ہے کہ جہاں تک چاہے سفر میں رہ سکے۔

الجواب: اس صورت میں گناہ ہونا مطلقاً لازم نہیں بلکہ قاعدہ یہ ہے کہ بیوی سے دیانۃً اتنی مدت تک نہ ملنے سے گناہ ہوتا ہے جس میں اندیشہ اس کی عفت زائل ہونے کا ہو یا یہ اندیشہ ہو کہ اس کو غیر مردوں کی طرف التفات ہوگا اب اس کو ہر شخص اپنی بیوی کی حالت میں غور کر کے دیکھ لے کہ اس کی بیوی کتنی مدت تک مرد سے صبر کر سکتی ہے اور کتنی مدت میں اس کو مرد کی طرف اشتیاق ہوتا ہے بعض فقہاء نے اندازہ سے چار ماہ اس کی مدت مقرر کی ہے وهي مدة الايلاء وبه امر عمرؓ ان لا يحبس رجل فوقها في الجيش مگر اختلاف حالات واضح ہے اس میں کمی بیشی بھی ہو سکتی ہے واللہ اعلم۔ ۱۶ رج ۱۳۴۶ھ

کیا عورت کا مرد پر حق ہے کہ وہ رات کو اپنے بستر پر لائے

سوال (۷) کیا مرد پر عورت کا حق ہے کہ رات کو اپنے بستر پر لائے یا فقط ایک گھر میں۔ یا کچھ بھی ضروری نہیں دوسرے گھر میں بھی رکھ سکتا ہے اور یا ایفائے حق جماع کے لئے کبھی کبھی اپنے پاس لانے سے ادائے حق سے سبکدوش ہو جائے گی غرض رات کو سونے میں عورت کا حق کہاں پر سونا ہے؟

الجواب: مرد کے ذمہ عورت کو اپنے بستر پر لٹانا واجب نہیں یہ واجب ہے کہ رات کو اسی گھر میں سوئے جہاں عورت سوتی ہے بلکہ دیانۃً یہ واجب ہے کہ عورت کے پاس جانے میں اتنی دیر نہ کرے جس سے عورت کے فساد خیال کا خطرہ ہو البتہ اگر کسی کے دو بیویاں ہوں اور وہ ایک گھر میں سوتا ہو تو اس پر دوسری کے گھر سونا بھی واجب ہے تسوية وعدلا في البيتوتة۔ اور یہ اس وقت ہے جبکہ عورت کو خاوند کے باہر لیٹنے سے وحشت نہ ہوتی ہو اور اگر وحشت ہوتی ہو تو سوال دوبارہ کیا جائے اور یہ بھی بتلایا جائے کہ دفع وحشت کی اور کوئی صورت ہو سکتی ہے یا نہیں فقط۔

۵ ار ذیحجہ ۴۶ھ

خریدکردہ آزاد عورت سے بغیر نکاح وطی کا حکم

سوال (۸) اکثر پہاڑی مقامات پر خرید و فروخت مستورات کی ہوتی ہے کسی ہندوستانی خریدکردہ عورت سے (کنیز یا حرہ یا

باندی بغیر نکاح وطی جائز ہے یا نہیں اور نہ جائز ہے تو بغیر موجودگی گواہان محض ایجاب و قبول اور تعین مہر کے نکاح ہو سکتا ہے یا موجودگی گواہان ضروری ہے۔ فقط

الجواب: اول تو اس مسئلہ میں روایات مختلف ہیں دوسرے جن روایات میں جواز ہے ان میں قید ہے کہ وہ کفار اس کو جائز سمجھیں اور یہ بھی ہنوز متحقق نہیں (اشرف علی) اس لئے ان خرید کردہ عورتوں کو باندی بنا کر ان سے وطی وغیرہ کرنا جائز نہیں نکاح کرلینا چاہئے اور نکاح کے لئے دو گواہوں کا ہونا شرط ہے بدون دو گواہوں کے نکاح نہ ہوگا۔ فقط

احقر عبدالکریم عفی عنہ ۱۳ صفر ۵۳ھ الجواب صحیح۔ ظفر احمد عفا عنہ

بدون ادائیگی مہر معجل بیوی سے مجامعت درست ہے یا نہیں

سوال (۹): در مسئلہ مرقومہ علماء محققین چہ میفرمایند۔

بدون مہر معجل مجامعت رواست یا نہ؟

الجواب: مہر معجل ادا کرنے سے قبل عورت کو حق ہے کہ ہمبستری اور خلوت سے انکار کردے شوہر کو جبر کرنا جائز نہیں ہے اور اگر ایک مرتبہ خلوت یا ہمبستری کی اجازت دیدی اور بعد میں پھر انکار کردے تب بھی امام صاحبؒ کے نزدیک انکار کا حق رکھتی ہے پس اس صورت میں شوہر کو اس پر جبر کرنا بھی مختلف فیہ ہے امام اعظمؒ کے نزدیک اس صورت میں بھی جبر جائز نہیں ہے کما قال الشامی تحت قول الدر (لہا منعہ) وافاد انہ لا یحل لہ وطیہا علی کرہ منہا ان کان امتناعہا لطلب المہر عندہ وعندہما یحل کما فی المحیط بحر وینبغی تقیید الخلاف بما اذا کان وطئہا اولا برضاہا اما اذا لم یطأہا ولم یختل بہا اصلا فلا یحل اتفاقا۔ اور حق منع میں چونکہ امام صاحب کا قول مفتیٰ بہ ہے لہٰذا حرمت استمتاع میں بھی جو کہ اسی کی فرع ہے انہیں کا قول معتبر ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ الاحقر عبدالکریم۔ ۲۹ جمادی الاولیٰ ۵۳ھ

بیوی کے بعض حقوق کی وضاحت

سوال (۱۰): السلام علیکم۔ بعد تسلیم مسنونہ کے گزارش ہے کہ احقر نے پہلے خط میں دو ضروری مضمون کے متعلق سوال کیا تھا ان میں سے ایک کا جواب کافی مل گیا دوسرے کے متعلق سوال فرمائے ہیں وہ مضمون خانگی انتظام کے متعلق تھا۔ یعنی احقر کو نوکری کرنے کی وجہ سے ہمیشہ سفر میں رہنا پڑتا ہے اور گھر میں

مربی نہ رہنے کی وجہ سے بیوی صاحبہ کو خورد و پوش دیکر ان کے والد صاحب کے گھر پر رہتا ہوں انہوں نے بھی رضامندی ظاہر کرکے قبول کرلیا۔ مگر بیوی صاحبہ بوجہ خانگی چون و چرا کے جو عورتوں میں ہوتا ہے وہاں رہنے پر راضی نہیں اس پر حضور والا نے سوال فرمایا اپنے پاس کیوں نہیں رکھتے، جواب دیا تھا کہ اپنے پاس رکھنے کا دو صورت ہے ایک یہ کہ اپنا گھر رکھوں اور خود بھی بوجہ مربی نہ ہونے کے نوکری چھوڑ کر مکان رہوں ان میں کئی طرح کی خرابی ہے ایک یہ کہ ملک میں عام و خاص سب لوگ بدعت و رسوم کے عادی ہیں مکان پہ رہکر ان کے شرور سے محفوظ رہنا دشوار ہوگا۔ دوسرے ملک میں حلال روزی کی کوئی صورت نہیں لہذا معیشت میں تنگی ہونے کا اندیشہ ہے۔ تیسرا جمعیت قلب جو اہم ہے فوت ہونے کا اندیشہ ہے۔ ثانی صورت یہ ہے کہ جہاں نوکری کرتا ہوں ان کو بھی وہاں لیجاؤں مگر یہ بھی دو وجہ سے نہیں ہوسکتا ہے ایک یہ کہ وہ اور ان کے والد صاحب سفر میں جانے پر راضی نہیں، دوسرا یہ کہ جہاں نوکری کرتا ہوں وہ محض ایسا گاؤں ہے کہ جو وظیفہ احقر کو ملتا ہے اس سے کوئی مسافر اپنے اہل و عیال کے ساتھ وہاں رہنے کا انتظام کرنا بڑا دشوار ہے۔ اب قابل دریافت یہ ہے کہ باوجود ان موانع کے ان کی رضامندی کو لحاظ کرکے گھر میں مقیم ہونا پڑے گا یا حسب دستور خورد و پوش دیکر ان کے والد صاحب کے گھر رکھا جائیگا اس پر حضور والا نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ مشورہ ہے یا مسئلہ، مشورہ دینا میرا معمول نہیں مسئلہ کسی خاص شبہ کے سبب پوچھا جاتا ہے اس میں کیا شبہ ہوا جو حکم شرعی پوچھنے کی ضرورت ہوئی، جواباً عرض کرتا ہوں یہ مسئلہ ہے مشورہ نہیں اس میں خاص شبہ ہوا کہ دینی مصلحت و منافع پر نظر کرکے بیوی صاحبہ کو باوجود عدم رضا ان کی حسب دستور خورد و پوش دیکر ان کے والد صاحب کے پاس رکھنا احقر کے لئے شرعاً جائز ہوگا یا نہیں۔ از روئے شفقت سے جواب سے ممنون فرمادیں۔

الجواب: عورت کا یہ مطالبہ پورا کرنا تو ضروری ہے کہ اس کو الگ مکان دیا جائے اور اس کو اس پر مجبور کرنا درست نہیں کہ اپنے والد کے ساتھ رہے۔ البتہ عورت کا یہ مطالبہ کہ اس بستی میں نہ رکھا جائے اس کا پورا کرنا ضروری نہیں ہے۔ پس والد صاحب کے مکان کا کوئی مستقل حصہ جس میں کسی اور کا دخل نہ ہو یا اس کے متصل کوئی دوسرا مکان مہیا موجود ہو عورت کے واسطے لے دینا کافی ہے۔ ایک ضروری امر قابل غور

یہ ہے کہ خاوند کی آمد و رفت عورت کے پاس بقدر ضرورت ہوتی رہتی ہے یا نہیں اگر عورت کی ضرورت (یعنی خواہش نفسانی) کا لحاظ کرکے اس کی آمد و رفت کافی مقدار میں ہوتی ہے تب تو یہی جواب ہے جو صدر میں لکھا گیا ورنہ دیانۃً یہ ضروری ہے کہ عورت کو اپنے ہمراہ رکھے یا آمد و رفت میں بقدر ضرورت اضافہ کرے۔ واللہ اعلم۔ احقر عبدالکریم عفی عنہ۔

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ۔ ۲۸ شوال ۵۳ھ۔

کتاب الطلاق

باب ایقاع الطلاق

زوجہ کو یہ کہنا کہ میں نے تجھ کو صاف دل سے چھوڑ دیا ہے

سوال (۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید اور اس کی بہن میں کھانا پکانے کی بابت نزاع ہوا بہن کہتی ہے کہ جب تم نے نکاح کر لیا ہے تو تم بیوی کو کیوں نہیں لاتے؟ میں نے سنا اور اس مکان میں جا کر معلوم کیا کہ تمہاری بیوی حاملہ ہے تم وہاں جاتے ہو اس کو کیوں نہیں لاتے؟ زید نے جواب میں کہا میں تو سمجھا دوں (نام ایک ہیضہ کا ہے) ہو گیا پھر نہیں گیا میں اس کو نہیں لاؤنگا میں نے اس کو چھوڑ دیا ہے میں نے تین بار کہا ہے میں نے صاف دل سے چھوڑ دیا ہے کسی کے پوچھنے سے وہ کہتا ہے کہ میں نے طلاق دیا ہے میں نے طلاق دیا ہے میں نے طلاق دیا ہے زبان ہندی بالا کا حاصل یہ ہے کہ زید کی بہن کے پاس طلاق کی جو خبر دی اس سے عورت اس کی مطلقہ ہوگی یا نہیں زبان ہندی بالا خبر ہے یا انشاء بصورت اول خبر سے طلاق ہو سکتی ہے یا کیا اور حسب زبان ہندی زید کے ایقاع پایا گیا یا نہیں بغیر ایقاع کے طلاق واقع ہوگی یا نہیں اور جمیع عقود میں انشاء شرط ہے یا نہیں؟ مخفی نہ رہے کہ ماجرائے مذکور میں پیشتر اس کے زید نے طلاق بالکل نہیں دی اب سوال یہ ہے کہ اس خبر سے طلاق واقع ہوئی یا نہیں برحق جواب حسب مسائل فقہ و اصول کے تحریر فرمایئے ماجور ہوں گے۔

الجواب: صورت مسئولہ میں قائل کا یہ قول کہ میں نے صاف دل سے چھوڑ دیا ہے، اس کا قرینہ ہے کہ اس کی مراد انشاء ہے خبر نہیں لہٰذا منکوحہ زید پر تین طلاق واقع

ہو گئیں اب بدون تحلیل کے کسی طرح اس سے نکاح درست نہیں واللہ اعلم۔

۱؎ ۲ جمادی الاولیٰ سنہ ۴۷ھ۔

"ہم تم کو طلاق دیدیں گے" کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی

سوال (۲) شوہر نے ایک قصور کے متعلق اپنی بی بی سے پوچھا اس کی بی بی نے بے قصور کا اقرار کیا شوہر نے اپنی بی بی کے قصور کے اقرار کو خوب سمجھ لیا وہ اپنے قصور کے اقرار سے سراپا قصوروار ہے لیکن شوہر نے اقرار کو اپنی بی بی کے اوپر ایسی حیثیت سے ظاہر کیا اور کہا کہ جس میں بی بی کو معلوم ہو کہ شوہر نے ہمارے قصور کے اقرار کو سمجھا نہیں ہم بے قصور ثابت ہوئے اور شوہر کو بھی منظور تھا کہ جس میں بی بی کے اوپر اس کے قصور کے اقرار پر اس کے قصور کی ناسمجھی میری ظاہر ہو اس خیال سے شوہر نے بی بی کے اوپر اپنے قصور کی ناسمجھی ظاہر کی اور سوچا کہ اگر قصور پر سزا کرے تب بھی بند ہو جائے گی اور نہیں سزا کرے تب بھی بند ہو جائے گی۔ بلکہ مناسب سمجھا کہ اس کے قصور کے اقرار پر اس کے قصور کی ناسمجھی اپنی ظاہر کر کے اس کو ڈرایا اور کہا کہ اگر ایسا قصور تم سے ہوتی تم سے بھول ہوتی تو تم کو ہم طلاق دیدیتے اور حقیقت میں بی بی کا قصور اور قصور کے اقرار کو سمجھتے ہوئے شوہر نے ایسا جملہ کہا ہے اور اس کے ہفتہ روز کے بعد کسی قصور پر غصہ ہو کر کہا کہ اگر تم کو ہم طلاق نہیں دیں تو تم ہم کو چھوڑ کہنا تم کو ہم طلاق دیدیں گے تین مرتبہ ایسے جملہ کو شوہر نے کہا ہے لیکن شوہر کو طلاق کے جملوں کا کچھ یاد وخیال نہیں ہے بوجہ وہم و شک کے سخت مجبور ہے اگر کوشش کرتا ہے کہ یاد وخیال کریں تو چند طرح کے وہم طلاق کے جملوں کا خیال دل میں پیدا ہوتا ہے کہ شاید یہ جملہ کہا ہو شاید یہ جملہ کہا ہو شاید یہ جملہ کہا ہو غرض ہر چند طرح کے وہمی جملے خیال میں آتے ہیں شوہر وہمی شکی شخص کوئی جملہ یاد وخیال نہیں ہے اور نہ کچھ بیان کر سکتا ہے ایسی حالت میں . . . .

. . . . شوہر نے بی بی سے پوچھا کہ فلاں فلاں وقت میں ہم نے طلاق کا جملہ تم کو کس طرح کہا تھا بی بی نے بیان کیا کہ فلاں وقت میں آپ نے کہا ہے کہ اگر ایسا قصور تم سے ہوتی تم سے بھول ہوتی تو تم کو ہم طلاق دیدیتے اور اس کے ہفتہ روز کے بعد آپ نے کہا کہ اگر تم کو ہم طلاق نہیں دیں تو ہم کو چھوڑ کہنا تم کو ہم طلاق دیدیں گے بی بی کے بیان پر شوہر کو کامل تشفی اور یقین اور پورا وثوق ہے اور بی بی کے بیان کو ہم حق سمجھتے ہیں لہٰذا بی بی نیک بخت حق گو اور پرہیزگار ہے اس کے بیان پر استفتاء ارسال خدمت ہو جواب سے سرفراز فرمایا جائے۔

۱؎ یعنی ۱۳۴۷ھ۔

الجواب: صورت مسئولہ میں طلاق نہیں ہوئی فقد صرح الفقہاء بعدم وقوع الطلاق بصیغۃ المضارع الا اذا غلب فی الحال۔ واللہ اعلم۔

۶ جمادی الاولیٰ سنہ ۴۳ھ۔

انتہائی غصہ کی حالت میں طلاق دی تو کیا حکم ہے

سوال (۲) ایک شخص کے گھر میں اسکی بیوی، بہن اور بھائی کے درمیان جھگڑا ہو رہا تھا اتنے میں وہ شخص گھر آ کر اس کے چھوٹے بھائی کو جھگڑا فرو ہونے کیلئے مارا اس سے اس کی ماں اس شخص مذکور پر غصہ ہوئی اور بہت گالی دی اس کے بعد وہ شخص غصہ میں آ کر کہا کہ میں ہفتہ عشرہ میں مکان چھوڑ کر دوسری جگہ چلا جاؤں گا اس کے بعد اس کی ماں بول کہ تم اس بدصورت عورت کے لئے مکان چھوڑنا چاہتے ہو اسی وقت وہ شخص بہت غصہ میں تھا کہ مارے غصہ کے سارا بدن کانپتا تھا ایک مکان پر اطمینان سے کھڑا ہو نہیں سکتا تھا چہرہ اور آنکھیں سرخ ہو گئے تھے اسی وقت اس کی زبان سے "ایک طلاق دو طلاق تین طلاق دیا میں" نکل آیا اس کے بعد جب خیال ہوا تو بے اختیار رونے لگا اور کہتا تھا کہ میں نے یہ کیا کیا میرے دل میں طلاق دینے کا ارادہ نہیں تھا خدا جانے کس طرح میرے منہ سے یہ کلمہ نکل آیا۔

الجواب: صورت مسئولہ میں اس شخص کی عورت کو اپنے خاوند سے الگ ہو جانا چاہیئے اور وہ یہی سمجھے کہ مجھ کو تین طلاق دی گئی ہیں اس کو ہرگز جائز نہیں کہ وہ شوہر کو اپنے اوپر قابو دے یہ حکم تو عورت کے لئے ہے۔ اور مرد کو چاہیئے کہ اگر اس کے نزدیک واقعی غصہ میں اس کی عقل و حواس درست نہ رہے تھے اور اس کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ میں زبان سے کیا کہہ رہا ہوں تو وہ کسی حاکم مسلم کے پاس جا کر یہ دعویٰ کرے کہ میں غصہ میں مغلوب الحواس و زائل العقل ہو گیا تھا اور طلاق میں نے بالکل بے خبری کی حالت میں دی ہے حاکم اس سے گواہ طلب کرے گا اس کے بعد اگر حاکم شرعی یہ فیصلہ کر دے کہ میرے نزدیک یہ طلاق واقع نہیں ہوئی تب وہ عورت اس کے لئے حلال ہو سکتی ہے اور بعد حاکم مسلم کے فیصلہ کے عورت کو بھی اس شخص کے پاس رہنا جائز ہوگا اور بدون حکم حاکم کے ہرگز عورت کو اس کے پاس رہنا جائز نہیں کیونکہ بظاہر تین طلاق پڑ چکی ہیں واللہ اعلم۔ ۲۸ جمادی الثانیہ

شوہر نے طلاق دی مگر یاد نہیں کہ دو دی یا تین

سوال (۳) زید نے اپنی زوجہ کو طلاق دی مگر یہ یاد نہیں کہ تین طلاق دی یا دو اور کسی جانب گمان بھی نہیں صورت

مسئولہ میں طلاق بائن واقع ہوگی یا مغلظہ ؟

الجواب: قال فی الخلاصة رجل حلف بالطلاق وشك الرجل انه طلق واحدة او ثلاثا فهي واحدة حتى يستيقن او يكون اكثر ظنه على خلافه اھ ص ۲۶۲ ج ۲ ۔ صورت مذکورہ میں دو طلاق مانی جاویں گی لیکن اگر عورت کو تین طلاق میں شک نہ ہو تو اس کو شوہر کے پاس رہنا جائز نہیں اور اگر اسے بھی شک ہو تو اس کے لئے وہی حکم ہے جو اوپر مذکور ہوا واللہ اعلم ۔ حررہ ظفر احمد عفا عنہ از مسودہ حکیم الامت ۹ شعبان ۔

صیغہ مضارع میں طلاق دینے کا حکم

سوال (۵) بعد سلام مسنون ۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی دختر محمودہ بالغ کا عقد شرعی منظہر بالغ پسر عمرو سے اس کی خواہش پر بالعوض پانچ ہزار اشرفی زر سرخ محمد شاہی مہر کے بلا اجازت و بلا اطلاع عمرو کے کر دیا ، نکاح کے بعد مطلع ہونے پر عمرو اور اس کے دیگر اعزا نے اس نکاح سے اظہار ناخوشی کی ، اور منظہر کو کہ اس وقت تک زید کے پاس مقیم تھا اس ارادہ سے طلب کیا کہ منظہر کا دیگر اعزا کی خوشی و رضامندی سے دوسرا عقد کر دوں گا ۔ عمرو کی ایسی تحریر آنے پر منظہر نے اپنے باپ کے پاس جانے کی اجازت طلب کی اور یہ کہا اور لکھ دیا کہ میں حسب طلب اپنے والد عمرو کے وطن جاتا ہوں اگر وہاں پہنچ کر میرے اس نکاح کے معاملہ نے کوئی دوسری نوعیت اختیار کی اور میرا عقد ثانی کسی دوسری جگہ قرار پایا اور اندر میعاد دس ماہ کے میں نے وطن سے واپس آکر محمودہ کی رخصتی نہ کرائی تو یہ تحریر میری محمودہ دختر زید کے حق میں بطور طلاق کے متصور ہوگی اور بعد انقضاء میعاد معینہ زید کو اپنی دختر محمودہ کے دوسرے عقد کر دینے کا اختیار ہے میری طرف سے کوئی رکاوٹ نہ ہوگی اب میعاد معینہ میں عرصہ دو ماہ کا باقی ہے اور منظہر کی واپسی کی اس وقت تک کوئی امید نہیں معلوم ہوتی میعاد معینہ گذر جانے کے بعد محمودہ منکوحہ کے حق میں شریعت غرا کا کیا حکم ہے جبکہ محمودہ اور منظہر کے درمیان خلوت بھی نہ ہوئی ہو اور ایسی صورت میں مہر کے واسطے کیا حکم ہے ؟

الجواب: صورت مذکورہ میں اگر دس ماہ میعاد معینہ کے اندر منظہر نے محمودہ کی رخصتی نہ کرائی تو محمودہ پر ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی ۔ اور ہر چند کہ قول منظہر بطور طلاق متصور ہوگی الخ صیغہ مضارع کا ہے اور صیغہ مضارع سے وقوع طلاق نہیں ہوتا مگر جب مضارع بمعنی حال غالب ہو جائے تو فقہاء نے اس سے وقوع طلاق کی تصریح کی ہے اور آجکل

تعلیم یافتہ جماعت نے کچھ ایسا محاورہ اختیار کر لیا ہے کہ وہ حال کے موقع میں اکثر صیغہ مضارع کا استعمال کرتے ہیں لہٰذا ہمارے نزدیک اس کلام میں مضارع سے حال ہی مراد ہے اور بعد میعاد معینہ گزر جانے کے محمودہ پر طلاق عائد ہو جائے گی جس کا قرینہ یہ ہے کہ اس کے بعد کلام مستفتی میں یہ لفظ بصورت حال مذکور ہے اور بعد انقضاء میعاد معینہ زید کو اپنی دختر محمودہ کا دوسرا عقد کرنے کا اختیار ہے الخ یہ صیغہ انشاء اور ایقاع پر صاف دلالت کر رہا ہے، قال فی تنقیح الفتاوی الحامدیة: (سئل) فی رجل قال لزوجته تکونی طالقة ثلثا بصیغة المضارع وغلب استعماله فی الحال عرفا فهل یقع علیها الطلاق؟ (الجواب): نعم کما افتی به الخیر الرملی، واطال الکلام علی حاشیته علی البحر فی اجبها اهـ ص ۳۰۶ ج ۱ ۔

اور صورت مذکورہ میں محمودہ پر عدت لازم نہ ہوگی وہ بلا عدت دوسرا نکاح کر سکتی ہے ، اور مظہر سے وہ نصف مہر وصول کر لینے کی مستحق ہوگی واللہ اعلم ۔ ظفر احمد عفا عنہ ۔

صح الجواب ۔ اشرف علی ۲۲ ؍ رمضان سنہ ۴۱ھ ۔ ۲۲ ؍ رمضان سنہ ۴۱ھ

طلاق دادم کہنے کے بعد طلاق بائن کا لفظ بولنے کا حکم

سوال (۶) السلام علیکم ۔ در رمضان شریف سنہ ۴۱ھ یک استفتاء در خدمت گرامی عرض داشتہ شد خلاصہ مضمونش آنکہ شخصے جاہل زن خود را گفت طلاق دادم طالب علمی او را تلقین نمود کہ برائے انفصال مناقشت بگو طلاق بائن دادم آن چنیں گفت بعدہ دیگر طالب علمی گفت کہ بائن را نیز بگو برائے اطمینان جانبین گفتہ آید کہ جواب دادم باز آن شخص چنیں گفت از آنجناب جواب مورخہ ۶ شوال سنہ ۴۱ھ چنیں رسید کہ طلاق مغلظہ واقع شد و از جناب حضرت مفتی صاحب دیوبند جواب ارشاد گردید کہ دریں صورت طلاق بائن شدہ است مغلظہ نشدہ است توجیہ جواب حضرت مفتی صاحب در فکر قاصر نمی آید مگر وجہ مؤید جواب ایشان دریں فن واحدی منقولاً عن بیان ہاشمی در جواب استفتاء ہمرنگ استفتاء ما دیدہ شد کہ البائن لا یلحق بالبائن پس در صورت مسئولہ عنہا ہم حسب ارشاد مفتی صاحب عم فیضہ صرف طلاق بائن واقع خواہد شد نہ مغلظہ چنانچہ رقم زدہ آنجناب است زیرا کہ دریں صورت یک رجعی ارادۃً و دو بائن بالتحریر تعلیقاً از آں شخص صادر گشتہ پس از یک رجعی و یک بائن تغلیظاً نمی گردد و دو بائن دیگر بر بائن اول

ہم لاحق نمیشود تا از حکم سہ طلاق گریزا آید باید کہ رجوع بفتویٰ ثانیا بنظر نگاشتہ تحقیق خود ما مستفتیان را مستفید فرمایند و اصل سوال و جواب را از دفتر فتویٰ تلاش فرمایند فقط

الجواب: اگرچہ میں نے اس صورت مسئولہ میں طلاق مغلظہ کا فتویٰ دیا ہے تو میں اس سے رجوع کرتا ہوں اس صورت میں صرف دو ہی طلاق واقع ہوئیں مگر دونوں بائن ہیں، تجدید نکاح سے تعلق زوجیت قائم ہو سکتا ہے۔ غالباً منشا میرے اس فتویٰ کا یہ ہوا کہ شخص مذکور نے دوبارہ لفظ طلاق بائن دائم لکھا ہے اور یہ لفظ محض بائن نہیں ہے بلکہ بائن صریح ہے کہ اس سے بدون نیت کے وقوع طلاق ہو جاتا ہے جس سے میں نے اس کو صریح سمجھ کر ثانی کو اس کے ساتھ ملحق کر لیا اور اس صورت میں صاحب نہر وغیرہ کا قول یہی ہے جو میں نے لکھا ہے مگر محقق یہ ہے کہ بائن صرف صریح حقیقی سے ملحق ہوتا ہے نہ صریح بائن سے تقریر الشامی (۳۷۷ ج ۲) لہذا قول محقق کو اختیار کرکے میں اپنے پہلے قول سے رجوع کرتا ہوں۔ والسلام

شوہر نے عصا سے تین لکیریں کھینچیں اور کہا "ایک دو تین میرے گھر سے نکل جا"

سوال (۵) کیا فرماتے ہیں علماء دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ محمد عیسیٰ عبداللہ ولد اللہ دیہ قوم اوان ساکن موضع اڑدلہ ضلع جہلم تحصیل پنڈ دادنخاں۔ اکثر عرصے سے بیمار تھا میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم مجھ کو تمام زیور دو جس سے میں اپنی بیماری کا علاج کراؤں فروخت کرکے، میری عورت نے کہا میرے پاس زیور نہیں اور جس جگہ پر عورت نے زیور رکھا تھا وہاں بھی تلاش کیا مجھ کو نہ ملا اور پھر میں نے اپنے بیٹے سے دریافت کرایا میری عورت نے ان کو بھی یہ کہہ دیا کہ زیور میرے پاس نہیں ہے اسی کے پاس یعنی عبداللہ کے پاس ہے، تب میں نے پھر اپنی عورت سے کہا کہ اگر تم مجھ کو زیور نہ دو گی تو میں تم کو لاٹھی سے ماروں گا اس نے پھر بھی نہیں بتلایا میں نے اس کو کہا کہ تو میں تین لکیر لاٹھی سے کھینچ دیتا ہوں کہ ایک دو تین گھر سے نکل جا اور اتنے زیور نہ دے گی گھر میں نہ آنے دوں گا عورت اپنے بھائی اور ماں کے پاس چلی گئی تھوڑے عرصے کے بعد اس کے بھائی اور ماں نے کہا کہ تم زیور ہم کو دو جس سے ہم گذر کریں اس نے ان کو جواب دیدیا کہ زیور میرے پاس نہیں ہے انہوں نے اس کو تنگ کیا ہمارے گاؤں کا ایک آدمی جانے یعنی عبداللہ کے گاؤں کا گیا ہوا تھا اس عورت نے کہا کہ تم میرے خاوند سے کہہ دینا کہ مجھ کو لیجاؤ اس نے میرے سے آکر کہا کہ تمہاری عورت کہتی ہے کہ مجھ کو لیجاؤ میں نے اس آدمی کو جواب دیا کہ تم پھر کبھی جاؤ تو اس سے یہ کہنا کہ اگر تو نے زیور دینے ہیں تو چلی آئے ورنہ ختم

اس نے کہا یعنی عورت نے کہا کہ میں تمام زیور دے دوں گی مجھ کو میری عورت نے بہت آدمیوں میں جھوٹا کر دیا تھا کہ زیور میرے پاس نہیں ہے عبداللہ کے پاس ہے میں نے اسی وجہ سے اس آدمی سے کہا کہ تم زیور لے آؤ تاکہ ان آدمیوں کو کل حال معلوم ہو جاوے کہ واقعی زیور عورت کے پاس ہے۔ وہ آدمی زیور اور عورت کو لے آیا میں نے وہ زیور اس آدمی کے پاس امانت رکھی کہ ابھی تم ہی رکھو جب کبھی موقع ہوگا تم ان ہی آدمیوں میں مجھ کو دینا جس کے سامنے مجھ کو عورت نے جھوٹا بنایا کچھ عرصہ کے بعد اس نے عورت اور مجھ کو بہت آدمیوں کے سامنے زیور دیدیا، اب میری عورت میرے گھر میں ہے ہمارے گاؤں کے آدمی کہتے ہیں کہ تیرا نکاح نہیں رہا ہمارے گاؤں میں شیعہ لوگ بہت بستے ہیں وہ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ تم تو پکی نماز پڑھتے ہو پھر بے نکاحی عورت گھر میں رکھے ہو، اب میرا نکاح رہا یا نہیں آپ حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب کے اور شبیر علی صاحب کے بھی دستخط کرا دیں اور عبارۃ حدیث کا بھی دیں بہت عنایت ہوگی اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عظیم عطا فرما دیں اس مسئلہ کی خوب صفائی کر دیویں فقط والسلام۔

الجواب: اگر سائل نے ایک دو تین کہتے ہوئے زبان سے لفظ طلاق نہیں کہا تو محض لکیریں کھینچ کر ایک دو تین کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوئی قال فی العالمگیریۃ امرأۃ قال لہا زوجہا انا استنکف عنک فقالت المرأۃ کالبزاق فی الفنجان کنت تستنکف عنہا فارم بہا فقال الزوج رمیت ونوی بالبزاق وقال رمیت ونوی الطلاق لا تطلق کذا فی الظہیریۃ اھ ص ۴۰۰ ج ۲ وفیہ ایضا: ولو قالت طلقنی فضربہا وقال لہا اینک طلاق لا یقع وفی مجموع النوازل سئل شیخ الاسلام عمن ضرب امراتہ وقال دار طلاق قال لا تطلق و سئل الامام احمد القلانسی عمن وکز امرأتہ وقال اینک یک طلاق ثم وکزہا ثانیا وقال اینک دو طلاق وکذ الثالث تطلق ثلثا فشیخ الاسلام یقول سمی الضرب طلاقا فیبطل والامام احمد یقول سمی الطلاق فیقع اھ (ص ۴۰۲ ج ۲) قلت وفی الصورۃ المسئولۃ لم یسم الطلاق بل خط خطوطا وقال یک دو وسہ فلا تطلق علی قول احد، واللہ اعلم۔

۲۹ رمضان سنہ ۳۲ھ۔

کابین نامہ کے مطابق طلاق واقع ہو جانے کا حکم

سوال (۵): ایک شخص مسمی حافظ زین العابدین جو کہ جمعہ وعیدین کے پیش امام و مقتدا ہیں۔ اپنی بی بی کی کابین نامہ میں یہ شرط لکھوا کر اپنے ہاتھ سے دستخط کرکے خود جاکر رجسٹری کروا دیا۔ کہ اگر آپ کی و آپ کی ولی وارث کی بلا اجازت و آپ کی کل مہر ادا کرکے اس کابین نامہ کی پشت پر دستخط لینے کے بغیر غیر کوئی عورت سے نکاح بیاہ کروں گا۔ اگر کروں تو وہ عورت اسی وقت میرے حق میں ایک دو تین طلاق ہوگی۔ اتفاقاً بی بی سے کوئی بات میں ناموافقت ہوئی تب وہ طیش میں آکر نہ بی بی سے اجازت لی نہ بی بی کے ولی وارث سے اجازت لیا۔ نہ مہر ادا کیا۔ دوسری ایک عورت سے نکاح کر لیا اور اس کے ساتھ خلوت صحبت [illegible] کرنے لگے۔ پس مطابق شرع شریف کے اس کی دوسری عورت مطلقہ بطلاق ہوگی یا نہ۔ اور اس عورت کے ساتھ خلوت صحبت کرنا اس کے لئے زنا میں محسوب ہوگا یا نہ۔ اور اس سے اگر اولاد ہو تو حلال زادہ ہوگی یا نہ۔ اور اس شخص کے پیچھے اقتداء درست ہوگی یا نہ۔ بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مسئولہ میں دوسری عورت سے نکاح کرتے ہی اس پر تین طلاق واقع ہو گئی ہیں اب بدون حلالہ کے وہ عورت زین العابدین کے لئے حلال نہیں۔ نہ اس سے زن و شو کا معاملہ درست ہے۔ اور اس حالت میں جو وطی ہوگی وہ حنفیہ کے نزدیک زنا ہوگی مگر اولاد کو ولد الزنا نہ کہا جائے گا لانہ کالوطی بشبهة فان وقوع الطلاق فی هذه الحالة مختلف فیه بین الائمة فافهم۔ واللہ اعلم۔ اس شخص کی اقتداء مکروہ ہے نماز تو ہو جائے گی مگر دوسرا نیک امام میسر آسکتا ہو تو اس کے پیچھے نماز مکروہ ہوگی اور اگر دوسرا امام میسر نہ ہو اور نہ اس کو الگ کرنے کی قدرت ہو تو بلا کراہت نماز درست ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۳ ذیقعدہ ۳۳ھ۔

اس صورت میں طلاق کا حکم جبکہ زوج منکر ہو اور گواہ ایک مرد اور ایک عورت ہو

سوال (۶): کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ شوہر نے زوجہ نابالغہ کو غصہ کے سبب تو ماں اور بہن ہے دو چار مرتبہ کہہ دیا کسی نے کہا بیوقوف کیا کہہ رہا ہے کہتے ہی طلاق طلاق سات یا آٹھ بار کہہ دیئے۔ تیسرے روز اس شخص سے تحقیق کی گئی تو اس نے انکار کیا کہ میری زبان سے یہ الفاظ نہیں نکلے (یعنی جو الفاظ اوپر ذکر کئے گئے ہیں) لیکن ایک مرد اور ایک عورت گواہ ہیں۔ اس باب میں شرع شریف کا کیا حکم ہے۔ دیگر مذکورہ بالا صورت میں دو مرد اگر گواہ ہوں تو کیا حکم ہے؟

الجواب: شوہر کا تو مالک میں یہ کہنا تو لغو ہے اس سے کچھ نہیں ہوتا مگر اس کے بعد جو اس نے سات آٹھ بار طلاق کا لفظ کہا ہے اور اب اس سے انکار کرتا ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر زوجہ نے طلاق کا لفظ تین بار سن لیا ہو تو اس پر واجب ہے کہ اپنے کو مطلقہ مغلظہ یعنی مطلقۃ الثلاث سمجھے اور شوہر سے علیحدہ ہو جائے اور اس کو اپنے اوپر ہرگز قابو نہ دے۔ اور اگر زوجہ نے خود یہ الفاظ نہیں سنے تو اگر دو نیک مردوں یا ایک نیک مرد اور دو نیک عورتوں نے اس سے ایسا بیان کیا کہ شوہر نے طلاق کا لفظ تین مرتبہ یا اس سے زائد خود استعمال کیا ہے جب بھی یہی حکم ہے۔ اور اگر ایک مرد اور ایک عورت گواہ ہے تو اس سے قضاءً ثبوت طلاق نہیں ہو سکتا جب تک شوہر خود اقرار نہ کرے البتہ اس صورت میں اگر خبر دینے والا ثقہ ہو یا ثقہ تو نہ ہو مگر عورت کے دل کو یہ بات لگتی ہو کہ یہ مرد یا عورت سچ کہہ رہا ہے تو اس کو شوہر سے الگ رہنا ضروری ہے اور بعد عدت گذرنے کے دوسرا نکاح کسی دوسرے سے کر سکتی ہے گو اولیٰ یہ ہے کہ الگ تو ہو جائے مگر نکاح غیر سے نہ کرے۔ قال فی الدر من الجوهرة اخبرها ثقة ان زوجها الغائب مات او طلقها ثلثاً او اتاها منه کتاب علی ید ثقة بالطلاق ان اکبر رأیه انه حق فلا بأس ان تعتد وتتزوج اھ قال الشامی وقوله فلا بأس یفید ان الاولیٰ عدمه اھ (ص ۲۰۳ ج ۲) وفیه ایضاً تحت قوله علی ید ثقة هذا غیر قید اھ وفیه (۲۰۹): والمرأة کالقاضی اذا سمعته او اخبرها عدل لا یحل لها تمکینه اھ۔

۳ر ذوالحجۃ سنہ ۴۲ھ۔

ازالۃ الاغلاق عن اضافۃ الطلاق
طلاق میں عورت کی طرف اضافت کی تحقیق

سوال (۱۰) کیا فرماتے ہیں علمائے کرام رحمکم اللہ تعالیٰ اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کہتے ہیں کہ میں نے اپنی بی بی کو ایک کام خانگی کرنے کو کہا وہ نہیں کی اس لئے میں نے ان کو لات وغیرہ کچھ مارا پھر بھی وہ کام نہیں کی پھر جب دوبارہ مارنے کو ارادہ کیا وہ میری ماں کے پیچھے بھاگی اور ماں حائل ہونے کی وجہ سے نہیں مار سکا تب میں نے یوں کہا کہ ایک طلاق دو طلاق تین طلاق بائن اس گھر کا کھانا اگر کھائے گی تو حرام کھائے گی ان سے جب پوچھا کہ یہ جو تم نے کہا کہ اس گھر کا اگر کھانا کھائے گی تو حرام کھائے گی کس کو کہا کیا تمہاری ماں کو کہا یا تمہاری، بی بی کو کہا، اس نے جواب دیا کہ طلاق جس طرف جائے گی یعنی اس طرف جائے گا اب بحکم شرع کیا اس کی بی بی مطلقہ ۳ طلاق ہوگی؟ بینوا بالدلیل۔

اس مسئلہ میں علماء دو فریق ہیں۔

فریق اول کہتے ہیں کہ مطلقہ بسہ طلاق ہوگی چونکہ صریح الفاظ سے طلاق دیا اگرچہ تم کو یا نام لیکر نہیں دیا مگر اضافت معنویہ موجود ہے بوجہ واقعہ مذکورہ کے اور وہی اضافت معنویہ وقوع طلاق کا شرط ہے لما فی الشامی لترکہ الاضافۃ ای المعنویۃ فانہا الشرط اور اگرچہ لفظ دیا نہیں کہا مگر لفظ طلاق مصدر ہونے کی وجہ سے طلاق واقع ہوگی دیا وغیرہ کا محتاج نہیں ہے لما فی الشامی قولہ وفی انت الطلاق او الطلاق الخ بیان لما اذا اخبر عنہا بمصدر معرف او منکر او اسم فاعل بعد مصدر کذلک۔ پس صورت مسئولہ میں طلاق ہو جائے گی فقط

فریق ثانی کہتے ہیں کہ صورت مذکورہ میں طلاق واقع نہ ہوگی چونکہ اضافت نہیں ہے اور لفظ دیا وغیرہ کچھ نہ کہا۔ دلیل ان کی عبارت قاضی خان کی ہے کہ " ازتو زن من سہ طلاق " لا تطلق امرأتہ لانہ ما اضاف الطلاق الیہا۔ وقولہ رجل قال لامرأتہ اگر تو زن من سہ طلاق مع حذف الیاء لا یقع الخ

الجواب: فریق اول کا قول صحیح ہے اضافت طلاق جو شرط وقوع ہے اس میں اضافۃ معنویہ کافی ہے اور خطاب کے وقت اضافۃ معنویہ موجود ہوتی ہے قال الشامی والخطاب من الاضافۃ المعنویۃ وکذا الاشارۃ وصرح قبلہ ان الشرط ہی المعنویۃ لا اللفظیۃ قال ولا یلزم کون الاضافۃ صریحا فی کلامہ لما فی البحر لو قال طالق فقیل لہ من عنیت فقال امرأتی طلقت امرأتہ اھ الی ان قال ناقلا عن البحر امرأۃ طالق او قال طلقت امرأۃ وقال لم اعن امرأتی یصدق اھ ویفہم منہ انہ لو لم یقل ذلک تطلق امرأتہ لان الظاہر ان من لہ امرأۃ انما یحلف بطلاقہا لا بطلاق غیرہا اھ (ص ۵۷۰ ج ۲) ملخصا۔ اور خانیہ وغیرہ میں جو مذکور ہے کہ ازتو زن من سہ طلاق لا تطلق لانہ ما اضاف الطلاق الیہا۔ اس میں اور صورت واقعہ میں فرق یہ ہے کہ جزئیہ[عہ] خانیہ میں

[عہ] پہلے یہاں یہ لکھا گیا تھا کہ جزئیہ خانیہ دیانت پر محمول ہو اور قضاءً طلاق بدون اضافت صریحہ کے بھی واقع ہے جبکہ اضافت معنویہ خطاب یا اشارہ موجود ہو مگر چونکہ عورت مثل قاضی کے ہے اس لئے دیانت پر (باقی بر صفحہ آئندہ)

صورت میں ہے جبکہ قرائن سے اضافت الی الزوجہ متعین ہو لان الکلام محتمل الصرف عن زوجتہ اذا لم یضف الطلاق الیہا۔ اور صورت مسئولہ میں قرائن قویہ حالیہ مقالیہ ارادہ و اضافت طلاق الی الزوجہ متعین ہے اما الحالی فالغضب وارادۃ ضربہا واما المقالی فقولہ طلاق جس طرف جائے گی یہ بھی اسی طرف جائے گی اور ایسی صورت میں قضاءً بھی طلاق واقع ہوچکی ہے اور دیانۃً بھی کما سیاتی۔ قال الشامی عن القنیۃ عازیا الی البرہان لصاحب المحیط رجل دعتہ جماعۃ الی شرب الخمر، فقال انی حلفت بالطلاق انی لا اشرب وکان کاذبا فیہ ثم شرب طلقت وقال صاحب التحفۃ لا تطلق دیانۃً اھ وما فی التحفۃ لا یخالف ما قبلہ لان المراد طلقت قضاءً فقط لما مر انہ لو اخبر بالطلاق کاذبا لا یقع دیانۃً بخلاف الہازل فہذا یدل علی وقوعہ وان لم یضفہ الی المرأۃ صریحا نعم یمکن حملہ علی ما اذا لم یقل انی اردت الحلف بطلاق غیرہا فلا یخالف ما فی البزازیۃ اھ وہو ما ذکرہ اولاً قال لہا لا تخرجی من الدار الا باذنی فانی حلفت بالطلاق فخرجت لا یقع لعدم ذکر حلفہ بطلاقہا ویحتمل الحلف بطلاق غیرہا فالقول لہ قال الشامی المفہوم من کلام البزازیۃ انہ لو اراد الحلف بطلاقہا یقع لانہ جعل القول لہ فی صرفہ الی طلاق غیرہا اھ (ملخصاً متفرقاً ص ۵۰۰ ج ۲) ان جزئیات میں اضافت صریحہ نہ ہونے کی وجہ سے عدم وقوع کا حکم مذکور ہے ان کا مطلب یہی ہے کہ اگر زوج ارادہ طلاق زوجہ کا انکار کرے اور قرائن بھی ارادہ زوجہ پر قائم نہ ہوں تو طلاق واقع نہ ہوگی لیکن اگر قرائن اضافت الی الزوجہ پر قائم ہوں تو قضاءً بہرحال واقع ہے جبکہ اضافت معنویہ خطاب یا اشارہ موجود ہے، اور عورت مثل قاضی کے ہے وہ اپنے کو مطلقہ ہی سمجھے اور انکار زوج کو ہرگز قبول نہ کرے، اور صورت مسئولہ میں تو زوج ارادہ طلاق زوجہ کا منکر بھی نہیں ہے پس اس صورت میں تو قضاءً و دیانۃً ہر طرح طلاق واقع ہوچکی۔ واللہ اعلم۔ ۹ر جمادی الاولیٰ ۱۳۴۵ھ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) فتویٰ نہیں دیا جا سکتا تھا پھر اس کو حضرت شیخ کے ارشاد سے بدلا گیا اور تحریر ازالۃ الاغلاق بجواب سابق ہی پر لکھی گئی ہے۔ ۱۲ منہ

تفصیل الجواب

الملقب

بازالۃ الاعلاق عن اضافۃ الطلاق

اقول وبہ نستعین ۔ جو عہ سابق پر دو شبہے کیے ہیں ۔ یہ کہ عالمگیریہ وغیرہ کا جزئیہ " اوتوزن من سہ طلاق " بحذف الباء لاتطلق لانہ ما اضاف الطلاق الیہا عدم وقوع طلاق میں نص ہے اس کو دیانت کے ساتھ کس دلیل سے مقید کیا گیا؟

دوسرے یہ عبارت بزازیہ لاتخرجی الا باذنی فانی حلفت بالطلاق لایقع لعدم ذکر الحلف بطلاقہا ویحتمل الحلف بطلاق غیرہا فالقول لہ سے مفہوم ہوتا ہے کہ اگر زوج ارادہ طلاق مخاطبہ کا انکار کرے تو قضاءً بھی اس کا قول معتبر ہوگا ۔ اسی طرح جزئیہ بحر لو قال امرأۃ طالق او طلقت امرأۃ ثلثا وقال لم اعن امرأتی یصدق سے بھی تصدیق قضاءً مفہوم ہوتی ہے اور جواب سابق میں یہ کہا ہے کہ قضاءً صورت مسئولہ میں انکار ارادہ طلاق مخاطبہ کی تصدیق نہ ہوگی اس کی کیا وجہ ۔

اشکال اول کا جواب یہ ہے کہ کلام فقہاء میں ایسے جزئیات کا حکم جن میں اضافت لفظیہ نہیں ہے اور اضافت معنویہ یعنی مخاطبت موجود ہے ، مختلف مذکور ہے ۔ کہیں حکم وقوع طلاق ہے اور کہیں عدم وقوع طلاق ۔

خلاصہ میں ہے لو قالت طلقنی فضربہا وقال اینک طلاق لایقع ولو قال اینت طلاق یقع یہاں تو اینک طلاق میں اضافت لفظیہ نہ ہونے کی وجہ سے عدم وقوع کا حکم ہے اس کے بعد ہے وفی مجموع النوازل سئل شیخ الاسلام عمن ضرب امرأتہ وقال دا الطلاق قال لاتطلق وسئل الامام احمد القلانسی عمن وکز امرأتہ وقال اینک طلاق ثم وکزہا ثانیا وقال اینک

عہ جس کی طرف حاشیہ ۳۹۲ میں اشارہ کیا گیا ہے ۱۲ منہ

دو طلاق ولکن الثالث قال تطلق ثلاثا۔ شیخ الاسلام یقول هی الضرب هذا فی فصل والامام احمد یقول هی الطلاق ضربا اھ (ص ۲۶۷ ج ۲)۔ اس میں یہ اختلاف تو مذکور ہے کہ ضرب کو طلاق کہا ہے یا طلاق و ضرب۔ لیکن کسی نے نہیں کہا کہ ایک طلاق میں اضافت نہیں اس لئے طلاق نہیں ہوئی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اضافت کا تحقق دونوں کے نزدیک ہے حالانکہ اوپر اینت اور اینت میں جو فرق کیا گیا ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اینت میں لفظی اضافت نہیں تو اب نہ پڑے گا کہ دوسری جگہ اضافت معنویہ کی وجہ سے (جو کہ مخاطبت ہے) وقوع کا حکم کیا گیا ہے، اب اس کے سوا کیا وجہ تطبیق ہوگی کہ جزئیہ اولیٰ کو دیانت پر محمول کیا جائے اور ثانیہ کو قضاء پر ورنہ ایک کو خطا پر محمول کرنا ہوگا۔

اس کے بعد خلاصہ ہی میں ہے فی الفتاوی وفی المحیط (ف) دار طلاق بیوی لعدم الاضافة وقیل یقع بغیر نیة وهو الاشبه اھ (ص مذکور) اس میں بھی میرے نزدیک قول اول دیانت پر اور ثانی قضاء پر محمول ہے کیونکہ دار طلاق میں واقعی اضافت لفظیہ نہیں جس سے یہ مطلب صریح حاصل ہو کہ اپنے اوپر طلاق ہے لیکن اضافت معنویہ کی وجہ سے اشبہ یہ ہے کہ قضاءً بلا نیت کے طلاق پڑ جائے۔

اسی طرح خلاصہ (ص ۱۲۰ ج ۲) میں ہے رجل قال لامرأته هزار طلاق اگر فلان کار کنی واراد به التعلیق لا یتعلق الطلاق بذلك الفعل ولو قال اگر فلان کار کنی هزار طلاق یتعلق کذا قال صاحب المحیط ومن المتاخرین من قال یتعلق فی الوجهین لان طریق الصحة عند تقدیم الشرط ادراج الخطاب وهذا ثابت عند تاخیر الشرط اھ قلت فقد اجمعوا ای صاحب المحیط والمتاخرون علی وجود الاضافة فی صورة تقدیم الشرط وان معنی قوله اگر فلان کار کنی هزار طلاق ای تو هزار طلاق واختلفوا فی صورة التاخیر لان الخطاب لم یوجد الا بعد قوله هزار طلاق فافهم۔

اسی طرح خلاصہ میں ہے وفی نظم الزندویسی لو قال لامرأته فی حالة الغضب دو رفته است وسه رفت وقد کان طلقها قبل هذا تطلیقتین ولا نیة له لا یقع الثالث (ص ۷۷ ج ۲) ــــــــــــ اور خلاصہ ہے

کہ[عہ] قیود فقہیہ احترازی ہوتی ہیں۔ پس ولا نیۃ لہ کی قید سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر نیت ہو تو دو رفت است و سہ رفت سے تین طلاق پڑ جائیں گی حالانکہ یہاں اضافت لفظیہ نہیں۔ اور اس مسئلہ میں نیت کی قید اس وجہ سے نہیں ہے کہ اضافت لفظیہ کے فقدان میں قضاءً نیت کی ضرورت ہے بلکہ یہ قید اس وجہ سے ہے کہ لفظ دو و سہ دو طلاق و سہ طلاق کے معنی میں صریح نہیں بلکہ کنایہ ہو اور کنایہ بھی وہ جس میں بہرحال نیت کی ضرورت ہو جیسے انت واحدۃ۔ پس اگر وضع مسئلہ لفظ دو و سہ سے نہ ہوتی بلکہ دو طلاق رفت و سہ طلاق رفت ہوتا تو نیت کی کچھ ضرورت نہ ہوتی اگر پھر بھی نیت کی ضرورت ہوتی تو دو و سہ کے ساتھ وضع مسئلہ لغو ہوگی اور ظاہر ہے کہ دو طلاق رفت و سہ طلاق رفت میں بھی اضافت لفظیہ نہیں ہے۔

پس اس اختلاف کو دیکھ کر میں یہ سمجھتا ہوں کہ ار تو زن من سہ طلاق[عہ] میں جو اضافت لفظیہ کے نہ ہونے سے حکم عدم وقوع دیا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ دیانۃً وقوع نہ ہوگا جبکہ زوج ارادہ طلاق مخاطبہ کا انکار کرے اور قضاءً واقع ہے کیونکہ اضافت معنویہ مخاطبت موجود ہے جس کی بنا پر اینک طلاق میں حکم وقوع دیا گیا ہے۔

اور اگر یوں کہے اگر فلاں کار کنی بیک طلاق تنعنت طلقت معناہ بیک طلاق ہستی خلاصہ (ص ۹۸ ج ۲) اس میں قضاءً و دیانۃً ہر طرح طلاق واقع ہے کیونکہ اضافت معنویہ کے ساتھ اضافت لفظیہ بھی موجود ہے (الاقتضاء بحرف الیاء متعلقا محذوفا وھو ہستی والمقتضی کالملفوظ)۔

علاوہ ازیں اشکال ثانی کے جواب میں جو وجہ مذکور ہوئی وہ بھی اسی کو مقتضی ہے کہ جس کلام میں اضافت لفظیہ نہ ہو اور معنویہ موجود ہو وہاں قضاءً وقوع طلاق ہوگا گو دیانۃً

عہ ورنہ قد کان طلقتہا کی قید کا کیا نفع ہے۔

عہ سئل العلامۃ عبد الحی اللکنوی عن رجل قال لامرأتہ المدخول بہا بلفظ واحد طلاق ست طلاق ست طلاق ست پس از وے پرسیدہ شد کہ چند طلاق دادی در جواب گفت کہ من صرف در تاکید یک طلاق باقی الفاظ را ادا کردہ ام فاجاب بوقوع الطلقات الثلث قضاءً وان القاضی لا یقبل ارادۃ التاکید وان دین (ص ۷۷ ج ۲ مع الخلاصۃ) ۱۲ منہ

* * *

نیت زوج معتبر ہو۔

رہا یہ کہ خانیہ وغیرہ میں لا تطلق مطلق ہے اس کا مقید کرنا صحیح نہیں کیونکہ فقہاء موقع تقیید میں اطلاق نہیں کیا کرتے۔ تو یہ اشکال اس لئے مسلم نہیں کہ جزئیات فقہیہ میں غور کرنے سے ایسی نظائر بہت ملیں گی کہ فقہاء نے مقام تقیید میں اطلاق کیا ہے۔ چنانچہ جواب سابق میں شامی سے جو برہان محیط کا جزئیہ نقل کیا ہے رجل دعتہ جماعۃ الی شرب الخمر الخ اس میں طلقت مطلق ہے جس کو شامی نے قضاءً سے مقید کیا ہے لان المرأۃ او طلقت قضاءً الخ و نظائرہ کثیرۃ کما لا یخفی۔

اب رہا **دوسرا اشکال** کہ لو قال امرأۃ طالق او قال طلقت امرأۃ ثلاثا وقال لم اعن امرأتی یصدق الخ سے مفہوم ہوتا ہے کہ عدم اضافت لفظیہ کی صورت میں قضاءً ودیانۃً ہر طرح تصدیق ہوگی اور جواب سابق میں تصدیق کو دیانت سے مقید کیا گیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بیشک اس جزئیہ میں تو اگر زوج ارادۂ طلاق زوجہ کا انکار کرے تو قضاءً ودیانۃً ہر طرح تصدیق ہوگی لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جب اضافت لفظیہ نہ ہو اور اضافت معنویہ ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہو۔ بات یہ ہے کہ امرأۃ طالق او طلقت امرأۃ میں نفی ارادۂ زوجہ معروفہ کی تصدیق قضاءً اس لئے ہوتی ہے کہ دراصل حالاً اس کلام اضافت نہ لفظیہ ہے نہ معنویہ ہے بلکہ صرف ایک قرینۂ خارجیہ سے یعنی عادت سے اضافت پیدا کی گئی ہے وهو قوله لان العادة ان من له امرأة انما يحلف بطلاقها لا بطلاق غيرها بخلاف صورت مسئولہ کے کہ اس میں عورت کو مخاطب کرکے ایک طلاق دو طلاق کہا ہے گو لفظاً تجھ کو وغیرہ نہیں مگر وہ سامنے موجود ہے اور اسی کو سنایا گیا ہے اور خطاب کا قصد ہے اس لئے اضافت معنویہ بوجہ خطاب کے موجود ہے اب اگر ارادۂ زوجہ مذکورہ کی نفی کرے گا تو یہ قول قضاءً قبول نہ ہوگا چنانچہ اگر سیاق سے امرأۃ طالق وطلقت امرأۃ

ـــه کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک عورت کو طلاق یا ایک عورت کو میں نے طلاق دی جس میں ارادۂ زوجہ پر کوئی دلیل نہیں بلکہ اخبار عن الغیر کا بھی احتمال ہے کیونکہ مرد وکالۃً غیر منکوحہ کو بھی طلاق دے سکتا ہے ۱۲ منہ

یا امرأته طالق کہے تو اس کی زوجہ معروفہ پر قضاءً طلاق واقع ہو جاوے گی اور اس کے ارادہ کی نفی معتبر نہ ہوگی گو صراحۃً یہاں بھی اضافت طلاق کی زوجہ معروفہ کی طرف نہیں ہے بلکہ بذریعہ اشارہ یا قرینہ حالیہ اضافت اس عورت کی طرف ہے جو کہ اس کی بیوی ہے جس میں غیر معروفہ کا بھی احتمال ہو، مگر چونکہ زوجہ معروفہ ایک ہی ہے اس لئے صحیح اضافت اسی کی طرف ہے اور اس کی نفی نا معتبر ہے قال فی البحر لو قال امرأته طالق ولم يسم وله امرأة معروفة طلقت استحسانا ولو قال لي امرأة اخرى واياها عنيت لا يقبل الا ان يقيم البينة اه (ص ۲۴۴ ج ۳)

رہا یہ کہ عبارت بزازیہ قال لها لا تخرجي من الدار الا باذني فاني حلفت بالطلاق فخرجت لا يقع لعدم ذكر حلفه بطلاقها ويحتمل الحلف بطلاق غيرها فالقول له اه سے مفہوم ہوتا ہے کہ قضاءً اس کا قول معتبر ہے اگر وہ غیر کا ارادہ بیان کرے اور مخاطبہ کی نفی کرے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قضاءً یہ جب معتبر ہوگا جبکہ اس کے کوئی اور بیوی بھی مخاطبہ کے سوا ہو ورنہ نہیں قال ابن عابدين في حاشية البحر ان قول البزازية هنا لا يقع اي قضاء فيه مخالفة لهذا الذي لما في القنية عن المحيط رجل دعته جماعة الى شرب الخمر فقال اني حلفت بالطلاق اني لا اشرب وكان كاذبا فيه ثم شرب طلقت اه اي قضاء) ويمكن ان يوفق بينهما بان ما في البزازية محمول على انشاء الحلف لا على الاخبار وما في القنية على الاخبار لقوله وكان كاذبا فيه ولكن يعد هذا يرد على ما في القنية ان قوله بالطلاق يحتمل الحلف بطلاق امرأة اخرى الا ان يحمل على انه ليس له امرأة اخرى غيرها فيكون اخبارا عن طلاق مضاف اليها وما في البزازية محمول على ان له غيرها والا لا يصدق بدليل ما يأتي عن الظهيرية من قوله لو قال امرأته طالق ولم يسم وله امرأة معروفة طلقت استحسانا وان قال لي امرأة اخرى واياها عنيت لا يقبل قوله الا ان يقيم البينة اه (ص ۲۴۳ ج ۳)

بہر حال امرأة طالق و طلقت امرأة میں قضاءً اس کے قول کی تصدیق کا منشا خلو کلام

عہ یہاں تو صریح اضافت موجود ہے۔

عن الاضافۃ مطلقاً ہے اور عبارت بزازیہ میں اگر لا یقع کو قضاء پر محمول کیا جائے نہ کہ دیانت پر تو اس کا محمل یہ ہے کہ حالت کے چند بیویاں ہوں۔ اور اگر کسی کے صرف ایک بیوی ہو اور وہ اس کو لڑائی جھگڑے میں ایک طلاق دو طلاق بدون اضافت لفظیہ کے کہے تو قضاءً نفی قصد مخاطبہ کی قبول نہ ہوگی کیونکہ اضافت معنویہ موجود ہے وہو الخطاب اور کوئی بیوی سوا مخاطبہ کے ہے نہیں تو پھر کیونکر نفی کو مانا جائے فان القاضی انما یحکم بالظاہر واللہ یتولی السرائر صرحوا بہ فی مواضع شتی۔ خلاصہ میں ہے سکران ھرب منہ امرأتہ فتبعہا ولم یظفر بہا فقال بالفارسیۃ سہ طلاق ان قال عنیت امرأتی یقع اھ (ص ۷۶ ج ۲) اور ظاہر ہے کہ قیود فقہیہ احترازی ہیں تو اس میں لم یظفر بہا کی قید اتفاقی ہے کہ اگر وہ سہ طلاق ایسی حالت غضب میں عورت کے سامنے کہدے تو اس صورت میں قضاءً عنیت امرأتی کہنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ واللہ اعلم۔ ۱ ربیع ۱ ۳۵ھ۔

فذلکۃ الکلام

بعد جوابات اشکالات کے اب اصل مسئلہ کے متعلق یہ عرض ہے کہ اس میں تو شک نہیں کہ باب طلاق میں دیانت کا مدار صحت معنی پر ہے اور قضاء کا مدار متبادر معنی پر۔ گو اس سے دوسرے معنی لینا بھی صحیح ہوں لیکن جب وہ متبادر کے خلاف ہوں گے تو قضاءً قبول نہ ہوں گے اور معنی متبادر ہی کو صریح کہا جاتا ہے قال فی الدر وھو ما لم یستعمل الا فیہ اھ قال الطحطاوی وقع نظیرہ لصاحب النہر حیث قال ھو ما استعمل فی الطلاق دون غیرہ وھما قاضیان بان اللفظ لو استعمل فی غیر الطلاق ولو نادراً یقدح فی صراحتہ فیہ مع انہم نصوا علی ان الترکی یستعمل ھذا اللفظ للحلال ولا یصدق قضاءً انہ ارادہ بل یحکم علیہ بالطلاق ان یقال ان المراد بالحصر کثرۃ الاستعمال فعلی ھذا لو قال ھو ما کثر استعمالہ فیہ لکان اولی اھ (ص ۲۰۷ ج ۱) قلت وکذا

صاحب البحر والنہر والشامیۃ مثلہ۔ پس اب دیکھنا چاہئے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے لڑائی کی حالت میں ایک طلاق دو طلاق کہے یا فارسی میں ار تو زن منی سہ طلاق کہے تو اس سے متبادر یہی ہے کہ تجکو ایک طلاق دو طلاق اور ار تو زن منی پس طلاق ہستی اور اس کے خلاف کچھ متبادر نہیں گو نحوۃً صحیح ہو سکتا ہے جیسا کہ صاحب بزازیہ نے کہا ہے کہ لا تخرجی الا باذنی فانی حلفت بالطلاق میں کسی دوسری عورت کی طلاق کا بھی احتمال ہے مگر یہ احتمال ایسا ہی ہے جیسا انت طالق میں طلاق عن الوثاق وعن القید کا احتمال۔ و یا طالق میں سب و شتم کا احتمال کہ قضاءً مسموع نہ ہوگا گو دیانۃً بوجہ صحت معنی کے مسموع ہو جاوے یہی سوا اس صورت کے جو شامی نے بیان کی ہے کہ بزازیہ کے قول کو اس پر محمول کیا جائے کہ مرد کی دوسری بیوی بھی معروف ہو اور کوئی وجہ اس کلام کی صحت کی نہیں اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ بیوی کو خطاب کر کے ایک طلاق دو طلاق کہنا اور ار تو زن منی سہ طلاق کہنا اس سے متبادر یہ ہے کہ ار تو زن منی پس طلاق ہستی تو اب اس میں عدم وقوع کا مطلقاً حکم کیونکر صحیح ہو سکتا ہے بلکہ اس کو دیانت پر محمول کرنا لازم ہوگا یقال الصریح انت طالق واذا لم یکن لفظ انت مذکوراً لا یبقی صریحاً فکیف یحکم بالوقوع قضاءً اذا انکر ارادۃ المخاطبۃ بہ قلت لفظ انت لا دخل لہ فی الصراحۃ ویبقی الکلام صریحاً بدونہ اذا کان معنی الخطاب متبادراً قال ابن عابدین فی حاشیۃ البحر الصریح ما فیہ مادۃ ط ل ق کطالق وطلاق وتطلیق ونحوہ فقولہ انت طالق صریح ولا مدخل لقولہ انت فی صراحتہ اھ (ص ۳۶۹ ج ۳)۔ ولعل الکلام فی البحث عن المسئلۃ قد تم وعم والحمد للہ علی ما علمنا وانعم۔

۱۲ محرم ۴۵ھ

حضرت شیخ نے اس تحریر کو ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ میرے نزدیک فقہاء کی عبارات مطلقہ درباب عدم وقوع بسبب عدم اضافت کو دیانت پر محمول کرنا تقیید اطلاق ہے کیونکہ لا یقع میں نکرہ تحت نفی ہے جو عام ہے اس کو بلا دلیل خاص نہیں کر سکتے ہاں یقع نکرہ تحت الاثبات ہے جو عموم میں نص نہیں اس لئے بہتر یہ ہے کہ اس کو عدم وجود قرائن پر محمول کیا جائے، اور عبارات مفیدۂ کو قرائن پر کما فی الجواب۔ قلت والیہ یمیل قلبی لکن فی النفس بعد شیء ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امراً ۱۲

طلاق میں عورت کے قول کا اعتبار نہ جبکہ میاں بیوی میں اختلاف ہو

(سوال) بیان زوجہ کا:- زوجہ و شوہر دونوں ایک جگہ اس طرح ہے کہ زوجہ دالان کے اندر تھی اور شوہر سائبان میں تھا، اور دالان میں تین دروازے تھے جس میں سے دو دروازے بند تھے اور صرف ایک دروازہ کھلا تھا، میں نے دالان کے اندر سے سنا کہ شوہر نے مجھ کو کہا کہ "میں نے تم کو طلاق دی" مجھے اٹکل سے معلوم ہوا کہ یہ الفاظ تین دفعہ کہا تھا میں نے لفظ "تم" نہیں سنا تھا فقط۔

بیان شوہر کا:- میں نے اپنی چھوٹی بہن کو بھیجا کہ جا کر اپنی بھاوج کو بلا لاؤ چنانچہ وہ گئی اور واپس آکر کہا کہ نماز پڑھ کر آویں گی، میں نے کہا اچھا۔ وہ تھوڑی دیر کے بعد آئیں اور کہا کہ کیا ہے؟ میں نے کہا کہ نیند معلوم ہوتی ہو سونے دو۔ چند منٹ گفتگو ہوئی تھی میں آنکھ بند کئے پڑا رہا کہ وہ اندر مکان کے گئیں میں نے کہا کہاں جاتی ہو جواب ملا کہ آتی ہوں۔ میں نے کہا اچھا۔ وہ اندر سے کہنے لگیں کہ طلاق کا لفظ کیا کہا ہے؟ میں نے فوراً جواب دیا کہ طلاق کیا میں نے نام بھی نہیں لیا ہے، انہوں نے کہا کہ شاید سننے میں فرق ہو گیا ہو، میں خاموش تھا، انہوں نے کہا کہ جانتے ہو طلاق کیسے دیا جاتا ہے؟ میں نے کہا کہ نہیں، کہا کہ اس طرح دیا جاتا ہے "میں نے تم کو طلاق دیا" میں نے کہا ہوں' کہا کہ کہو، اس وقت میں نے کہا کہ ہم نے تم کو طلاق نہ دیا، انہوں نے کہا کہ نہ کا لفظ نہیں کہا جاتا ہے، میں نے کہا کہ ہاں نہ کا لفظ میں نے بہت زور سے نہیں کہا ہے میں سائبان میں تھا اور وہ دالان میں تھیں میں نے پھر کہا کہ طلاق وغیرہ کا نام میں نے نہیں لیا ہے اس کا خیال مت کرنا تب انہوں نے کہا کہ ہاں ہمارے سننے میں فرق پڑ گیا ہوگا فقط۔

استفتاء:- زوجہ و شوہر کا بیان اوپر لکھا گیا ہے، گواہ دونوں میں کسی کے پاس نہیں ہیں عرصہ دس بارہ سال کا ہوا کہ یہ واقعہ ہوا تھا اس وقت سے دونوں علیحدہ ہیں اور پڑے رہا اب زوجہ و شوہر دونوں راضی ہیں اور دریافت کرتے ہیں کہ اگر شرع شریف اجازت دے تو آپس میں میل کر لیں کیا حکم علماء کا ہے احکام شرع سے آگاہ فرما دیں اجر عظیم اللہ تعالیٰ سے پاویں گے فقط۔

الجواب: صورت مسئولہ میں اگر زوجہ کو خوب پختگی سے یہ یاد ہے کہ شوہر

نے (میں نے تم کو طلاق دیا) تین بار کہا تھا تو اب ان کو اس شوہر کے پاس رہنا جائز نہیں اور بدون حلالہ کے دوسرا نکاح بھی اس سے نہیں کر سکتی اور اگر تین بار کے سننے میں شک ہو یعنی تین دفعہ لفظ مذکور کہنے کا ایسا یقین نہیں کہ اس پر حلف کر سکے تو وہ بدون حلالہ کے تجدید نکاح کرکے اس شخص کے پاس رہ سکتی ہے گو بیان شوہر کے مطابق تجدید نکاح کی بھی ضرورت نہیں تھی مگر جب عورت کو طلاق کا لفظ بدون لفظ "تم" کے مسموع ہوا ہے تو اس کو بدون تجدید نکاح کے اس کے پاس رہنا اس وقت بھی جائز نہیں جبکہ تین بار میں شک ہو لأن المرأۃ کالقاضی فلا تؤمر إلا بعلمها و سماعها ولزوم التجدید لمعنی العدۃ وإلا فالطلاق وقع رجعیا لو اقل من الثلث۔ واللہ اعلم۔

۸ رجمادی الاخری س۳۳ھ۔

کابین نامہ میں لکھ دیا کہ دوسرا عقد کروں تو اس پر ایک دو تین طلاق ہو جائیگی۔ اس اقرار نامہ کی خلاف ورزی پر زوجہ ثانیہ پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں

(سوال) ایک شخص نے کسی کی ایک نابالغ لڑکی سے ارادہ نکاح کا کیا اور اپنے مربی بزرگوں سے چند آدمیوں کو لڑکی کے باپ کے پاس بھیجا تاکہ نکاح کا پیغام کریں اور بات چیت ٹھیک کریں وے لوگ لڑکی کے باپ کے پاس گئے اور نکاح کی درخواست کی۔ لڑکی کے باپ نکاح دینے پر راضی ہوا لیکن یہ بات کہا کہ کابین نامہ نکاح کا قبل عقد نکاح کے رجسٹری کرا دینا ہوگا۔ اور کابین نامہ کے شرائط میں اپنی مرضی کے موافق لکھاؤں گا دوسری کوئی کابین نامہ پر حوالت و ولایت نہیں۔ اگر یہ بات منظور ہو تو میں اپنی لڑکی اسے نکاح دے سکتا ہوں۔ وے لوگ اس بات پر راضی ہو گئے اور جا کر ناکح کو آگاہ کیا ناکح نے کابین نامہ لکھوانے کے واسطے کاغذ خرید کرکے لڑکی کے باپ کے پاس بھیج دیا اور کاتب کی اجرت بھی ایک پیسہ بھیج دیا۔ پس لڑکی کے باپ نے کابین نامہ لکھوایا اور ناکح کے پاس بھیجا اور ایک شخص نے کابین نامہ مرقومہ ناکح کو پڑھ کر سنایا۔ پس ناکح نے کابین نامہ سنکر اور شرائط و مضامین سے آگاہ ہو کر کابین نامہ پر اپنی دستخط کرکے رجسٹرار کے پاس لے گیا۔ اور اپنا تمام

---

[1] نشان انگوٹھا۔

چھپا کے پھر دستخط کر کے اپنی طرف سے فیس دے کے کابین نامہ کو رجسٹری کروا دیا بعد اس کے اس لڑکی سے عقد نکاح ہو گیا۔ واضح ہے کہ کابین نامہ مذکورہ میں یہ شرط تھی کہ تم کو (آپ[1] کی اور آپ کے ولی وارث کی بلا اجازت اور آپ کے مہر اتنے[2] کا کل روپیہ نقد ادا کر کے پشت کابین نامہ ہذا پر وصول لکھوا دینے کے بغیر اگر کوئی غیر عورت سے نکاح کر لوں تو وہ عورت اسی وقت ایک دو تین طلاق ہو جائے گی) اب اس شخص نے اس بیوی کے اوپر ایک دوسری عورت سے نکاح کر لیا اور اس کے ساتھ بود و باش کرنے لگا۔ نہ بی بی سے اجازت لی اور نہ بی بی کے ولی وارث سے پوچھا۔ اور نہ زر نقد مہر ادا کر کے پشت کابین نامہ پر وصول لکھوا دیا۔ پس اس صورت میں اس کی دوسری عورت مطلقہ بتہ طلاق ہو گی یا نہیں۔ اور اس عورت کے ساتھ خلوت و صحبت کرنا زنا میں محسوب ہو گا یا نہیں اور وہ شخص اس وقت یہ عذر پیش کرتا ہے کہ یہ کابین نامہ میں نے رجسٹری کروایا صحیح ہے اور دستخط و تمام بھی میرا ہی ہے لیکن میں نے قبل عقد نکاح کے کابین نامہ دیا۔ اور میں نے زبانی اقرار نہیں کیا۔ اور نہ کسی کو اپنے اقرار پر گواہ رکھا۔ اور نہ کسی کو لکھنے کے واسطے حکم دیا۔ پس اس صورت میں اس کا یہ سب عذر سنا جائے گا یا نہیں۔ اور کابین نامہ قبل عقد نکاح کے ہونا شرط مذکورہ کو مضر ہے یا نہیں۔ اور رجسٹری کردہ کابین نامہ مثل اقرار کی باللسان کردہ خط کے ہے یا نہیں۔ اور رجسٹری سے اقرار خط کا ثابت ہوتا ہے یا نہیں اور رجسٹری کردہ خط کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مذکورہ میں دوسری عورت پر نکاح کرتے ہی تین طلاق واقع ہو گئیں اور اس سے وطی و خلوت سب داخل زنا ہے الا انہا لو اتت منہ باولاد یعنی الوطی لا تکون اولاد الزنا ومسلوبۃ النسب بل تعد ولد الحلال لکونہ وطیا بشبہۃ۔ اور شخص مذکور کے جملہ اعذار لغو ہیں جب ناکح نے کابین نامہ خود خرید کر چھپا اور لڑکی کے باپ کو اختیار دیا کہ جو چاہو لکھوا دو

---

[1] اپنی زوجہ کو خطاب کرتا ہے۔

[2] ای قرار بالا۔

اور خود اجرت کتابت دی اور اس کو سن لیا اور شرائط وصف مین سے آگاہ ہو کر اس پر دستخط کر دیئے ان امور کو رجسٹری کرایا اور اب بھی اقرار ہے کہ یہ دستخط وغیرہ سب میرے ہیں تو یہ معتبر قول باللسان کے ہے قال فی الشامیۃ ولو استکتب من اٰخر کتابا بطلاقها وقرأه علی الزوج وختمه وعنونه وبعث به الیها فاتاها وقع (الطلاق) ان اقر الزوج انه کتابه اھ (ص ۴۰۲ ج ۲)

واللہ اعلم۔ ۲۲ رجب سنہ ۴۳ھ۔

تتمہ جواب: اقول وباللہ التوفیق صورت سوال میں چونکہ کابین نامہ قبل نکاح لکھا گیا ہے اس نے اس میں چند صورتیں ہیں ایک یہ کہ یوں لکھا ہو کہ اگر میں تجھ سے نکاح کرلوں پھر تیری یا تیرے ولی کی اجازت کے بغیر اور مہر وغیرہ ادا کئے بغیر کسی عورت سے نکاح کروں تو اس کو طلاق ۱۰ اس صورت میں تو جب عورت مخطوبہ سے نکاح کر کے کسی عورت سے اس کی یا ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کریگا تو منکوحہ ثانیہ پر طلاق پڑ جائے گی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ یوں لکھا جائے کہ جب تک تو میرے نکاح میں ہے پھر تیری یا تیرے ولی کی اجازت کے بغیر اور بدون مہر کل ادا کئے کسی سے نکاح کروں الخ اس صورت میں منکوحہ ثانیہ پر طلاق واقع نہیں ہوگی قال فی العالمگیریۃ قال لاجنبیۃ ما دمت فی نکاحی فکل امرأۃ اتزوجها فهی طالق ثم تزوجها فتزوج علیها امرأۃ لا تطلق ولو قال ان تزوجتک فما دمت فی نکاحی فکل امرأۃ اتزوجها علیها فالمسألۃ بحالها تطلق کذا فی الوجیز للکردری اھ (ص ۱۰۱ ج ۲) قال سیدی حکیم الامۃ: والفرق بینهما ان فی الاول علق طلاق الثانیۃ علی بقاء نکاح الاولی والبقاء لا یتصور بدون الحدوث فلا یصح تعلیق شیء علی بقاء النکاح اذا کان الخطاب مع الاجنبیۃ فیلغو الکلام ولا یقع به علی الثانیۃ شیء۔ وفی المسئلۃ الثانیۃ علق الطلاق علی انشاء النکاح بالمخاطبۃ وبعد انشاء النکاح فکل اجنبیۃ فیصح التعلیق واذا تزوج علیها اخری طلقت اھ پس صورت سوال کا جو جواب دیا گیا ہے وہ اس بنا پر ہے کہ اس کابین نامہ کی عبارت کاملہ سے تعلیق طلاق منکوحہ ثانیہ

علی انشاء النکاح بالا ولی ہو اور اگر تعلیق انشاء النکاح بالا ولی پر نہیں ہے بلکہ اس کے نکاح کے بقاء پر طلاق ثانیہ کو معلق کیا ہے تو وقوع طلاق نہ ہوگا چونکہ عبارت کابین نا مختصر تھی اور دو کسی ایک مراد میں نص نہ تھی اس لئے تردد ہو گیا آپ ان لوگوں کے محاورات وطرز کتابت سے واقف ہیں جس صورت میں داخل سمجھیں اس کا حکم لگا دیں۔

۳۰ رجب سنہ ۴۳ھ۔

مجھ کو تمہاری لڑکی کی ضرورت نہیں الخ کے الفاظ سے طلاق نہیں ہوتی

(سوال) (۱) زید نے اپنی لڑکی کی شادی عمرو سے کر دی (۲) عرصہ ڈیڑھ سال کا ہو گیا عمرو نے لے جانے سے انکار کر دیا (۳) اگر اس سے طلاق کے واسطے کہا گیا تو کچھ جواب نہیں دیا (۴) کچھ عرصہ کے بعد اس نے ایک خط لکھا جو کہ میرے پاس موجود ہے اور اس میں لکھتا ہے کہ یا تو ۸ یوم کے اندر میری بیوی کو روانہ کر دو ورنہ میری تمہاری رشتہ داری نہیں ہے۔ اور نہ مجھ کو تمہاری لڑکی کی ضرورت" مکرر وہ فقرے یہ لکھتا ہے کہ مجھ کو ضرورت نہیں چاہئے تم کچھ کرو میں بڑا نیک ہوں اور شادی کر لوں گا"۔

(۵) بندہ بہت غریب آدمی ہے خود نان و نفقہ کو محتاج ہے تو کیا میں دوسرا نکاح لڑکی کا کر سکتا ہوں؟

(۶) مکرر فقرہ جو اس نے لکھا ہے وہ یہ ہے کہ میں قسم کھا کے کہتا ہوں کہ تمہاری لڑکی کی مجھ کو کچھ ضرورت نہیں ہے"۔

الجواب: عمرو نے جو لکھا ہے کہ مجھ کو تمہاری لڑکی کی ضرورت نہیں ہے اس لفظ سے طلاق نہیں ہوئی کما فی فتاوی قاضی خان (ص ۲۱۷ جلد ۲) ولو قال لا حاجۃ لی فیک ونوی الطلاق لا یقع اھ وھکذا فی العالمگیریۃ ص ۲۲

عبدالکریم عفی عنہ۔ الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ۔

حکم طلاق بلفظ اگر مجھے نزد تو کلام دروغ گویم تا بعد نکاح زوجہ ام سہ طلاق خواہد شد

(سوال) اگر کوئی شخص برپیر بیٹھے یا اور کسی شخص کو خطاب کر کے کہے کہ من از امروز تا زندگی نزد تو کلامے دروغ نخواہم گفت۔ اگر پیش نزد تو کلام دروغ گویم تا بعد نکاحم۔ زوجہ ام سہ طلاق بائن خواہد شد بعد دو ماہ چنداں نکاح کنم۔ ہر زوجہ ام را اکنون طلاق باشد دادم بعد دو ماہ اگر پیش نزد تو دروغ گویم۔ سچ مچ یہی عبارت کہا اور لکھا اور کاتب وقائل

یہ کلام قبل نکاح و بعد نکاح بارہا اس تحریر مخاطب مذکور کے جھوٹ بات کہا تو کیا زوجہ پر قائل و کاتب کی طلاق پڑی؟ اور اگر مطلقہ ہو جائے تو جتنے نکاح کرے گا تو سب عورت مطلقہ ہو جائے گی یا نہ اور اگر سب عورت مطلقہ ہو جائے تو کیا یہ شخص تمام عمر بے زن رہے گا یا واسطے قائم رہنے نکاح کے کوئی صورت ہو سکتا ہے اور اگر ہو سکے تو وہ صورت کیا از روئے مہربانی جواب سے مشکور و ممنون فرما دیں۔

الجواب: صورت مسئولہ میں قائل کے کلام میں دو جملے ہیں ایک "اگر بہ تو کلام دروغ گویم تا بعد نکاح م زوجہ ام سہ طلاق بائن خواہد شد بعد دوماہ" یہ تو تعلیق ہے اس کا حکم یہ ہے کہ اگر قائل نے مخاطب سے کلام دروغ قبل از نکاح کر لیا اور پیچھے نکاح کیا اور نکاح کے بعد دروغ نہیں کہا تو منکوحہ پر طلاق واقع نہ ہوگی اور اگر نکاح پہلے کیا اور کلام دروغ بعد میں کیا تو منکوحہ اولیٰ پر طلاق ثلث واقع ہو جائے گی بعد دو ماہ کے، اور اس کے بعد تعلیق ختم ہو جاوے گی۔ دوسری بیوی پر دروغ سے طلاق واقع نہ ہوگی قال فی الشامیة قال کل امرأة اتزوجها فهی طالق ان کلمت فلانا فکلم ثم تزوج لا یقع الطلاق علیها وان کلم ثم تزوج ثم کلم طلقت المتزوجة بعد کلام الاول خانیہ (ص ۴۸۸ ج ۲) وفی الدر ما کلمات الشرط ان واذا واذما وکل وکلما ومتی ومتی ما وفیها تنحل الیمین اذا وجد الشرط مرة الا فی کلما قلت ولفظ کل فی الذریة بمعنی متی واللہ اعلم اور جملہ ثانیہ میں تعلیق نہیں ہے بلکہ اکنون طلاق دادم انشاء حال پر دال ہے اس سے کسی منکوحہ بعد الکلام پر طلاق کا وقوع نہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔ ظفر احمد

اگر تو اپنے باپ سے ملے گی یا اپنے باپ کے گھر جائیگی تو تجھ پر طلاق، اور عورت باپ کے مرنے کے بعد باپ کے گھر گئی تو طلاق نہیں ہوئی

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین مفتیان شرع چراغ راہ دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی عورت سے کہا کہ اگر تو اپنے باپ سے ملے گی یا اپنے باپ کے گھر جاوے گی تو تجھ پر طلاق ہے آپ مع کتب معتبرہ و عبارت عربی ارسال فرمائیں کہ آیا اس کا نکاح فاسد ہو گیا یا نہیں جبکہ اپنے باپ کے گھر بعد اپنے باپ کے انتقال کے گئی بینوا توجروا۔

الجواب: بظاہر شوہر کے ان الفاظ سے "کہ اگر تو اپنے باپ کے گھر جاوے گی الخ

وہی مراد ہے جو پہلے جملہ سے مراد ہے یعنی باپ سے گھر جاکر ملنا اس لئے بعد انتقال اب کے اگر یہ عورت اس کے گھر گئی تو طلاق واقع نہ ہوگی اور اگر اس جملہ سے مستقلاً باپ کے گھر سے روکنا مراد ہے جب بھی طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ گھر کو باپ کی طرف مضاف کیا گیا ہے اور موت سے یہ اضافت منقطع ہوگئی قال فی الشامیة لو مات مالک الدار فیما اذا حلف لا یدخل دار زید فدخل لا یحنث لانتقالها للورثة ولو کان علیه دین مستغرق قال محمد بن مسلمة یحنث وقال ابو اللیث لا وعلیه الفتویٰ لانها وان لم یملکها الورثة وبقیت علی حکم ملک المیت ولکن لم تکن مملوکة له من کل وجه اھ (ص ۱۴۸ ج ۳) واللہ اعلم

ربیع الاول ۳۳ھ۔

اگر تو چاند جیسی حسینہ نہیں تو تجھ پر تین طلاق کہنے سے بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوگی

(سوال) ایک شخص نے اپنی زوجہ کو کہا کہ اگر تو چاند جیسی حسینہ نہیں تو تجھ پر تین طلاق ہیں اب ایک مولوی صاحب نے کہا ہے کہ اس پر طلاق نہیں واقع ہوئی کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ہم نے جنس انسان کو اچھی صورت میں پیدا کیا ہے۔ تو اگر عورت جیسی بھی قبیح المنظر ہو لیکن چاند سے خوبصورت ہے۔ اور ایک مولوی صاحب نے فرمایا ہے کہ طلاق واقع ہو جاتی ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے جعل الشمس ضیاء والقمر نورا تو گویا قمر نورانی چیز ہے اور عورت چاند جیسی منور نہیں اس واسطے طلاق واقع ہوگئی۔ تحریر فرماویں کہ کس کی دلیل قوی ہے؟

الجواب: الضوء والنور ما یدرک بالبصر والحسن والجمال ما یمیل بالقلب و یجذبه الیه عرفا صورت مذکورہ میں ہمارے نزدیک طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ گو چاند کا عورت سے انور ہونا یقینی ہو مگر احسن ہونا یقینی نہیں کیونکہ حسن کا مدار صرف نور پر نہیں بلکہ اور بہت سی اداؤں کو بھی اس میں دخل ہے قال الشاعر

نصیبک من الشمس المنیرۃ ضوءها ٭ ولیس لها منک التبسم والثغر

وقال آخر

خوبی ہمیں کرشمہ و ناز و خرام نیست ٭ بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست

اس لئے چاند کا اس عورت سے احسن ہونا مشکوک ہوگیا و لا یقع الطلاق بالشک

قلت قد ظفرت بجزئية صريحة في الباب ذكرها العلامة المحدث ابوبكر ابن العربي في احكام القرآن له في تفسير سورة التين وقد اخبرنا المبارك بن عبد الجبار الازدي اخبرنا القاضي ابو قاسم علي بن ابي علي القاضي المحسن عن ابيه يومًا كان عيسى بن موسى الهاشمي يحب زوجه حبًا شديدًا فقال لها يومًا انت طالق ثلاثا ان لم تكوني احسن من القمر فنهضت واحتجبت عنه وقالت طلقتني وبات بليلة عظيمة فلما اصبح غدا الى دار المنصور فاخبره الخبر وقال يا امير المؤمنين ان تم على طلاقها تصلفت نفسي غما وكان الموت احب الي من الحياة واظهر للمنصور جزعًا عظيمًا فاستحضر الفقهاء واستفتاهم فقال جميع من حضر قد طلقت الا رجلًا واحدًا من اصحاب ابي حنيفة فانه كان ساكتًا فقال له المنصور ما لك لا تتكلم فقال له الرجل بسم الله الرحمن الرحيم والتين والزيتون وطور سينين وهذا البلد الامين لقد خلقنا الانسان في احسن تقويم يا امير المؤمنين الانسان احسن الاشياء ولا شيء احسن منه فقال المنصور لعيسى بن موسى الامر كما قال فاقبل على زوجتك فارسل ابو جعفر المنصور الى زوجته ان اطيعي زوجك ولا تعصيه فما طلقك فهذا يدل على ان الانسان احسن خلق الله باطنًا وهو احسن خلق الله ظاهرًا جمال هيئته وبديع تركيب الرأس بما فيه والصدر بما جمعه والبطن بما حواه والفرج وما طواه واليدان وما بطشتاه والرجلان وما احتملتاه ولذلك قالت الفلاسفة انه العالم الاصغر اذ كل ما في المخلوقات اجمع فيه هذا على الجملة وكيف على التفصيل بتناسب المحاسن فهو احسن من الشمس والقمر بالمعنيين جميعًا (ص ۳۱۳ ج ۲) -

۳ رمضان المبارک ۴۳ھ -

بطور وظیفہ صیغہ طلاق کہنے سے قضاءً طلاق ہو جاتی ہے

ایک مولوی صاحب نے ایک جاہل کو تعلیم دی کہ تو کہا کر یا امرأتی انت طالق ثلاثا تو خدا تجھ کو بہت سامان دے گا اب وہ گھر بیٹھکر یہ وظیفہ اپنی عورت کو سناتا رہا اور عورت بھی

خوب توجہ سے سنتی رہی آیا طلاق اس عورت پر واقع ہوگئی یا نہ جواب دلیل سے تحریر فرماویں؟

الجواب: اس جاہل کی بیوی پر دیانۃً اس وظیفہ سے طلاق واقع نہیں ہوئی اور قضاءً واقع ہوگئی پس مرد کو تو اس عورت سے استمتاع جائز ہے لیکن عورت کو اگر معلوم ہو جائے کہ مرد نے میرے پاس جو وظیفہ پڑھا تھا اس کے معنی طلاق کے ہیں تو اس کو اس مرد کے پاس رہنا جائز نہیں وہ اپنے کو مطلقہ ہی سمجھے اور اگر اسے معلوم نہیں ہوا تو اس کو بتلانا ضروری نہیں۔ قال فی الشامیۃ قالت لہ زوجہا اقرأ علی اعتدی انت طالق ثلاثا ففعل طلقت ثلاثا فی القضاء لا فیما بینہ و بین اللہ اذا لم یعلم الزوج ولم تعلم بمعناہ اھ (ص ۶۹۸ ج ۲) ۲۴ ربیع الاول ۴۶ھ

حکم طلاق ہزل

سوال: زید کو دو وجہ سے ثانیہ کو طلاق دینے کے واسطے دو ایک بار لوگوں کو بلایا لیکن طلاق نہیں دی بعد چند روز ایک آدمی نے ان سے پوچھا کہ میں نے سنا کہ تم عورت ثانیہ کو چھوڑ دی زید نے بولا ہاں چھوڑ دی بعد اس کے پوچھا کتنے طلاق دی وہ بولا تین طلاق اس وقت دو مرد اور دو عورت نے اس اقرار کو سنا۔ اس وقت انہوں سے دوسرے شخص نے پوچھا کہ تمہاری کی صاف کر دی؟ زید بولا ہاں ہماری کی صاف کر دی۔ بعد اس کے ایک آدمی کہا کہ تمہاری عورت مطلقہ ثلاثہ ہوگئی۔ زید نے بولا نہیں ایسی ہی طلاق سے ہرگز طلاق نہ ہوگی۔ زید جاہل ہے مسئلہ طلاق نہیں جانتا لیکن وہ کہتا ہے کہ میں حقیقت میں طلاق نہیں دی سائلوں کا جواب کہا۔ اور زید دعوی کذب اور ہزل کا کرتا ہے لیکن اس میں گواہ نہیں یعنی اقرار کذب کا اور ہزل کا گواہ نہیں۔ جیسا کہ کتب فقہ میں الا اذا اشہد قبل ذلک لکھا ہے مگر اس قدر جو اوپر گذرا یعنی دو ایک دفعہ لوگوں کو طلاق دینے کے واسطے بلائیں طلاق نہیں دی لیکن انہوں کو خبر کذب کا گواہ نہیں بنائیں اب وہ لوگ خبر کذب اور ہزل کا گواہ ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ ایک مولوی صاحب نے اس حادثہ میں حکم تین طلاق قضاءً کیا ہے نہ دیانۃً اور دلیل ان کا یہ شامی کتاب الطلاق لو اقر بالطلاق کاذبا الی قولہ وقع قضاءً چونکہ قبل تکلم ایسا گواہ نہیں بنایا کہ تم لوگ گواہ رہیو کہ میں اقرار خبر کذب اور ہزل کا کروں گا۔ واقع طلاق نہیں دوں گا۔ اگر کوئی ایک عورت قضاءً تین طلاق ہو جاوے تو اس عورت جیسے مطلقہ طلاق کے اپنے شوہر کے ساتھ میاں بیوی جیسا برتاؤ کرنا جائز ہے؟ اس حادثہ میں دوسرے

مولوی صاحب دیوبند والوں نے عدم وقوع طلاق کا دیا اور بدون تفریق کے زید کے ساتھ رہنے کا حکم دیا چونکہ عورت نے طلاق نہیں سنی اور دلیل ان کا یہ ہے در مختار شرح رد المحتار تو سراد ھازلاً کی تعریف میں علامہ شامی نے وہیں خانیہ اور توضیح سے استدلال کیا اور زید جو لوگوں کو طلاق دینے کے واسطے لایا لیکن انہوں کے سامنے طلاق نہیں دی اس کو ہزل یہ شہادت خبر کاذب اور ہزل کا گردانتی ہے گرچہ زید ویسا نہیں کہتا۔ مولوی تھانوی صاحب نے ایک فتویٰ وقوع قضاءً و عدم وقوع دیانۃً ثبت جلد ثانی کتاب الطلاق صفحہ میں لکھا ہے وہاں بھی خانیہ اور تلویح کی عبارت سے دلیل پیش کی۔ مسائل کیا توجیہ ہے جو زید نے دوسری مجلس میں بھی مذکورہ گواہوں کے سوائے اور دو آدمی کے پاس اقرار بالا کیا پوچھا گیا کہ عورت کو چھوڑ دی ہے زید نے بولا ہاں چھوڑ دی کتنے مرتبہ دی بولا تین طلاق اور بالکل صاف کر دیا۔ فقط۔

الجواب: فقہاء نے تصریح کی ہے المرأة کالقاضی فلا یحل لها ان تمکنه اذا سمعت منه ذلک او علمت به لانها لا تعلم الا الظاهر، فتاوی حامدیہ (ص ۳۷ ج ۱) ومثله فی الشامية وغیرها ایضا پس بعض علماء نے جو یہ کہا ہے کہ اقرار کاذب سے قضاءً طلاق ہو جاتی ہے نہ کہ دیانۃً یہ توجیہ ہے لیکن اس میں اتنی قید کی ضرورت ہے کہ اگر عورت نے زوج کے منہ سے الفاظ طلاق خود سن لئے یا کسی عادل نے اس کو خبر دی ہو تو عورت کو تمکین زوج من نفسہ جائز نہیں بلکہ اس پر لازم ہے کہ اپنے نفس کو ثلاث سے مطلقہ سمجھے اور زید کا ایک دفعہ لوگوں کو طلاق دینے کے لئے بلانا انشاء نہیں ہے بلکہ اخبار ہے کہ ان سے یہ کہہ دیا ہو تاکہ ان کو گواہ بنایا جائے ایسا ہوں گا۔ اور یہی اس وقت ہے جبکہ زید اس اقرار میں اقرار کاذب کا دعویٰ کرتا ہو اور اگر ہزل کا مدعی ہے پھر تو قضاءً و دیانۃً وقوع طلقات ثلاث ہو چکا اس صورت میں تو چاہے عورت کو علم نہ بھی ہو تب بھی یہ شخص اس بیوی کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتا قال فی الدر او هازلا قال الشامی ای فیقع قضاءً ودیانۃً کما یذکره الشارح وبه صرح فی الخلاصة وكذا فی البزازیة اھ (ص ۴۳۶ ج ۲)

واللہ اعلم۔

نوٹ: ہم نے امداد الفتاوی تتمہ جلد ثانی ص ۱۰۱ کا معائنہ کیا اس میں بھی یہی حکم ہے جو جواب ہذا میں مذکور ہے۔ فقیر احمد بستوی فقط۔ ۶ ذیقعدہ ۴۳ھ

طلاق کی ایک صورت کا حکم

سوال: احمد نے اپنی عورت کو ایک کاغذ کے اوپر اس طرح سے طلاق لکھی کہ میں ولد اسمعیل کا بیٹے والا احمد اسمعیل گارڈی میں اپنی عورت مسماۃ مریم کو جو کہ میرے ساتھ رہتی نہیں ہے آج کے روز اپنی خوشی اور ہوشیاری وعقل سے میں اس کو فارغ خطی دیتا ہوں میں نے آج کے روز سے اس کو اپنے نکاح سے فارغ کردیا ہوں میں نے اپنی رضی وخوشی سے طلاق دی ہے اس میں کسی کا پوچھنا نہیں میں نے طلاق دیتے وقت پانچ آدمی کے روبرو فارغ خطی دی ہے یہ صحیح ہے۔ دستخط احمد اسماعیل بقلم خود۔ شاہد اسماعیل ابراہیم بقلم خود، شاہد صالح محمد بقلم خود، شاہد صالح ابراہیم بقلم خود، شاہدہ ابراہیم کی عورت، شاہدہ خدیجہ شبیل کی عورت۔ ان پانچ شاہدوں کا یہ اقرار ہے کہ بلا جبر احمد نے ایک کاغذ کے اوپر طلاق اس طرح سے لکھی اور زبانی بھی ہمارے روبرو میں مریم کو تین مرتبہ طلاق دی۔ اس واقعہ کے بعد تین چار آدمی احمد کے پاس گئے اور اس سے اس کے متعلق پوچھا تو احمد نے اس بات کا اقرار کیا کہ میں مریم کو طلاق دے چکا ہوں یہ صحیح بات ہے اور کئی آدمی کو وہ کہتا رہا کہ میں طلاق دے چکا ہوں ابھی تک وہ اس طرح کہتا رہتا ہے یہ طلاق سب لوگوں میں مشہور ہوچکی۔ اس کے بعد یہ واقعہ ہوا کہ احمد کا بھائی محمود اس کو ڈاکٹر کے پاس لے گیا اور احمد کو دیوانہ ثابت کیا اور مریم کے ماموں کے پاس وکیل کی معرفت نوٹس بھیجا کہ یہ دیوانہ ہوگیا ہے اس نے طلاق نہیں دی ہے اور اگر دی ہو تو وہ دیوانہ ہے مثل اس کی دلی بول اس کا طلاق دینا صحیح نہیں، مریم کے ماموں نے یہ جواب دیا کہ طلاق ہوچکی ہے اور احمد دیوانہ نہیں ہے وہ تجارت کرتا ہے تنہا بمبئی جاتا آتا ہے مال خریدتا ہے بیچتا ہے اس کے روپئے وصول کرتا ہے روپئے امانت رکھتا ہے وہاں سے لیتا دیتا ہے ڈاکخانہ میں اس کے نام سے اس کا بڑا بھائی روپئے رجسٹری خط وغیرہ بھیجتا ہے وہ وصول کرتا ہے اور حساب کتاب سب اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے تنہا نوساری سورت وغیرہ جاتا ہے وہاں سے بھی مال لاتا ہے اور خرید فروخت کرتا ہے اس لئے یہ دیوانہ نہیں ہے صورت مسئولہ میں طلب امر یہ ہے کہ یہ طلاق ہوئی یا نہیں اور مریم اس کے نکاح سے نکل گئی یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب: اگر احمد واقع میں دیوانہ نہیں ہے تو ڈاکٹر کے ثابت کرنے سے کچھ نہیں

ہوتا اور دیوانہ وہ ہے جو بے سمجھی کی الٹی سیدھی باتیں بکتا ہوا دوڑتا اور گالیاں بکتا ہو اور اگر گالیاں نہ بکتا ہو نہ مارتا ہو مگر بے سمجھی کی الٹی سیدھی بہکی ہوئی باتیں کرتا ہو تو وہ بھی ایک قسم کا جنون ہے پس اگر احمد عقل کی باتیں کرتا ہو جیسا کہ سوال میں خرید و فروخت وغیرہ درج ہے تو وہ مجنون نہیں اور طلاق واقع ہوگئی نیز اگر اس کو بعد طلاق دینے کے جو مجنون ثابت کیا گیا ہے اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ طلاق دینے کے وقت میں وہ مجنون تھا پس جب اس امر کے شاہد موجود ہیں کہ عقل و ہوشیاری سے طلاق دی گئی ہے تو بعد میں اگر واقع میں مجنون بھی ہو جاتا تو جو طلاق واقع ہوگئی ہے وہ کیسے باطل ہو سکتی ہے پس مریم اس کے نکاح سے نکل گئی اور بدون حلالہ کے اب اس کا نکاح احمد سے نہیں ہو سکتا قال الشامی تحت قوله (والمعتوه) من العته وهو اختلال في العقل هذا ذكره في البحر تعريفا للمجنون وقال يدخل فيه المعتوه واحسن الاقوال في الفرق بينهما ان المعتوه هو قليل الفهم المختلط الكلام الفاسد التدبير لكن لا يضرب ولا يشتم بخلاف المجنون اھ

احقر عبد الکریم گمتھلوی عفی عنہ ۱۸ شوال ۵۳ھ۔

الجواب صحیح ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۲۰ شوال ۵۳ھ۔

طلاق اور رجعت کی ایک صورت کا حکم

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمی زید نے ایک عورت مسماۃ ہندہ سے نکاح کیا اور قبل جانے مسماۃ مذکورہ کے اپنے سسرال کے مسمی مذکور زید نے اسے ایک طلاق رجعی دے دی۔ اب بوجہ ہونے نااتفاقی باہم زوج و زوجہ مذکورہ کے، مسماۃ مذکورہ قسم اٹھاتی ہے کہ مسمی مذکور نے ابتداء نکاح سے لیکر اب تک میرے ساتھ ہرگز دخول اور خلوت نہیں کی ہے اور مسمی مذکور کہتا ہے کہ میں نے بی بی مذکورہ سے دخول وغیرہ کیا ہے اور اپنے اس دعوی پر گواہ پیش کرتا ہے گواہوں کے نام حسب ذیل ہیں رمضان ولد صوبی، قطب الدین ولد میر، نور حسن ولد حیات بخش، اللہ دتا ولد شرف ان میں سے رمضان اور قطب الدین کا یہ بیان ہے کہ ہم نے زید اور ہندہ مذکورہ کو ایک مکان میں اکٹھا دیکھا ہے جو کہ ان کے پاس تیسرا شخص نہ تھا مگر اتنی بات تھی کہ غلہ گندم مسمی مذکور مکان کے سقف پر چڑھا رہا تھا اور باقیوں کا بیان ہے کہ مسمی مذکور کو اپنے سسرال کے یہاں شب و روز آتے جاتے دیکھا ہے۔ کیا یہ طلاق رجعی ہو سکتی ہے یا کہ نہیں اگر طلاق رجعی

تو نکاح ان کا برقرار ہے یا نہیں کیونکہ مسمی مذکور خلوت ہی میں رجوع کرچکا ہو اگر یہ طلاق رجعی نہیں تو تجدید نکاح کی ضرورت ہے یا نہیں اگر عورت نکاح نہ کرے تو دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: طلاق قبل الدخول (خواہ بعد خلوت صحیحہ ہو) بائنہ واقع ہوتی ہے۔ جب زوجین میں درباره دخول اختلاف ہو تو خلوت ثابت ہونے پر خاوند کا قول معتبر ہوتا ہو ورنہ اگر خلوت کا ثبوت نہ ہو تو عورت کا قول معتبر ہوتا ہے۔ اور واقعہ مذکورہ میں شب و روز سسرال میں آنے جانے کی شہادت شہادت علی الخلوۃ نہیں ہو باقی رہی شہادت قطب الدین و رمضان کی سو اس میں یہ دیکھنا چاہیے کہ جس مکان میں زید اور اس کی بیوی تھے اس کا دروازہ بند تھا یا کھلا ہو اگر کھلا ہو تب تو خلوت ثابت نہیں ہوتی اور اگر دروازہ بند تھا تو خلوت ثابت ہو جائے گی بشرطیکہ اس روز رمضان کا روزہ نہ ہو اور دونوں میں سے کوئی بیمار نہ ہو کہ صحبت نہ ہوسکے اور عورت حائضہ ہو۔ فی الدر المختار (ولو خلا بها ثم انكره) اى الوطء (ثم طلقها لا) يملك الرجعة لان الشرع لم يكذبه (ولو اثبته) وانكرته فله الرجعة ولو لم يخل بها فلا رجعة له لان الظاهر شاهد له والرجعية وقال الشامى تحت (قوله لان الشرع لم يكذبه) لانه لا يملك الرجعة الا فى عدة الدخول لا فى عدة الخلوة ج ص ۸۴۸ ج ۲ وفى العالمگيرية (ص ۳۰۳ ج ۲) وفى المحيط الثلاثة او الاربعة واحد بعد واحد اذا خلا بامرأته فى البيت الشتوى ان كانت الابواب مفتوحة من اراد ان يدخل عليهما يدخل من غير استيذان لا يصح الخلوة وكذا لو خلا بها فى بيت من دار ولهذا البيت باب مفتوح فى الدار اذا اراد ان يدخل عليهما غيرهما من المحارم والاجانب يدخل لا يصح الخلوة كذا فى فتاوى قاضى خان وفيه ايضا والخلوة الصحيحة ان يجتمعا فى مكان ليس هناك مانع يمنعه من الوطء حسا او شرعا او طبعا كذا فى فتاوى قاضى خان۔ پس اگر خلوت ثابت ہو جاوے تو زید کی رجعت صحیح ہوگئی جب کہ رجعت عدت میں کی تھی اور جب رجعت ہوچکی تو دوبارہ نکاح کی

ضرورت نہیں اور اگر خلوت ثابت نہ ہو تو طلاق بائن واقع ہو گئی عورت جس جگہ چاہے نکاح کرے خواہ زید سے یا اور کسی سے۔ واللہ اعلم - احقر عبد الکریم گمتھلوی عفی عنہ -

۵ ذی القعدہ سنہ ۴۳ھ

اور ثبوت رجعت محض شوہر کے قول اور گواہوں کے بیان سے بدون حاکم یا حکم مسلم کے سامنے بیان کئے نہ ہو گا اور اگر گواہ حاکم یا حکم مسلم کے سامنے گواہی دیں کہ ہم نے دونوں میاں بی بی کو باقاعدہ خلوت میں یکجا دیکھا ہے اور وہ گواہی قبول کر لے تب ثبوت رجعت ہو گا۔

فقط - الجواب صحیح - ظفر احمد عفا عنہ ۵ ذیقعدہ سنہ ۴۳ھ

طلاق کے ساتھ لفظ انشاء اللہ ماشاء اللہ کہنے کا حکم

سوال: صورت مرقومۃ الذیل کا حکم تحریر فرما کر ممنون و مشکور فرماویں۔

کوئی شخص اپنے بھائی کی بیوی کے ساتھ کچھ گفتگو کر رہا تھا اتفاقاً اس بات کی وجہ کہ اس عورت پر ناشاد ہو کر اپنے باپ سے انصاف چاہا اس وقت شخص مذکور کی ایک بہن بولی تھی کہ تم جس بات سے اپنے بھائی کی بیوی پر خفا ہوئے ہو تمہاری بیوی بھی تو اس طرح کی باتیں ہمیں کہتی ہے دریغ نہیں کرتی۔ پھر اس نے کہا میں تو نہیں جانتا اگر وہ واقع میں ایسا کہتی ہے تو تم ہی اُسے دیکھ بھال کرا لائی ہو پھر بہن نے کہا کہ تم ہی تو دیکھ کر لائے ہو اس وقت اس نے کہا کہ اگر تم کہتی ہو کہ میں دیکھ بھال کر لایا ہوں تو ایک دو تین طلاق انشاء اللہ۔

پھر اس نے اس واقعہ کو کسی منشی جی سے سننے کے وقت کہا کہ میں نے ایک دو تین طلاق دیا ماشاء اللہ، بار دیگر اُسے پوچھنے سے کہتا ہے میں نے ایک دو تین طلاق دیا انشاء اللہ منشی جی اسے ماشاء اللہ کہنے پر جرح قدح کہتا ہو کہ میں نے اس دفعہ ماشاء اللہ غلطی سے کہا ہے ورنہ پہلے بھی میں نے انشاء اللہ کہا ہے۔

باپ کی شہادت: باپ کہتا ہے کہ میں نے یہ سنا " میں نے اس بیوی کو ایک دو تین طلاق دیا " باپ گھر کے اندر تھا اور مطلقہ آنگن میں۔

بہن کی شہادت: وہ کہتی ہے کہ میں نے یہ سنا " میں نے ایک دو تین طلاق دیا ماشاء اللہ پھر اسے پوچھنے سے کہتی ہے کہ میں نے یہ سنا " میں نے ایک دو تین طلاق دیا انشاء اللہ "

اپنی بیوی کی شہادت: وہ کہتی ہے کہ میں نے سنا " ایک دو تین طلاق دیا ماشاء اللہ۔

اپنے بھائی کی بیوی کی شہادت: وہ کہتی ہے کہ میں نے سنا "میاں نے ایک تین طلاق دیا"، فقط۔

الجواب: چونکہ انشاء اللہ اور ماشاء اللہ کہنے کا ایک ہی حکم ہے اس لئے ہر حال میں طلاق واقع نہیں ہوئی چاہے اس نے انشاء اللہ کہا ہو چاہے ماشاء اللہ۔ فی الدر المختار ومثل ان الا وان لم واذا وما ولم یشا وفی الشامی تحت (قوله وما) ای ما شاء الله تعالى فلا يقع الخ (ص ۸۳۱ ج ۲) وفی العالمگیریة (مطبع ۲۲) لو قال انت طالق ما شاء الله كان وكذا لو قال انت طالق الا ما شاء الله لا يقع شيء كذا فی فتاوی قاضیخان۔ کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ، ۱۰ ربیع الثانی سنہ ۴۳ھ

الجواب صحیح ظفر احمد، ۱۰ ربیع الثانی سنہ ۴۳ھ۔

مجھ کو ضرورت نہیں، یا طلاق ہی سی ہو، سے طلاق کا حکم

سوال: التماس ہے کہ ایک شخص اپنے بیوی بچے کو چھوڑ کر ایک غیر مذہب کی عورت لیکر فرار ہوگیا تھا اس کی عورت نے کئی سال تک اس کا انتظار کیا مگر وہ واپس آیا نہ کوئی خبر بھیجی مجبوراً اپنے ایک برادری کے شخص کے یہاں ایک دوسرے گاؤں میں آکر رہنے لگی بعد کو اس کا خاوند مع فرار شدہ عورت کے اپنے مکان پر آگیا اس نے اپنی بیوی بچے کی پرواہ نہ کی اب اس عورت نے اپنے خاوند کے پاس دو شخص ایک اپنی برادری کا دوسرا مسلم جات بھیجے اور ان دونوں سے اس عورت نے کہہ دیا کہ میری طرف سے میرے خاوند کو کہہ دینا کہ مجھ کو آکر لے جاؤ اگر وہ کسی وجہ سے میرا لیجانا ناپسند کرے کیونکہ اس کے پاس عورت موجود ہے تو میری طرف سے حکم شرع لے لینا یعنی طلاق کا سوال کر دینا اور جواب لینا لہذا یہ ہر دو شخص اس کے پاس گئے اور اس شخص سے عورت کی طرف سے اول سوال لیجانے کا کیا اس پر وہ جواب دیتا ہے مجھ کو ضرورت نہیں ہے تب بعد کو سوال دوسرا یعنی طلاق کا کیا گیا تو جواب دیتا ہے کہ طلاق ہی سی ہو مکرر کہا گیا تو پھر کہتا ہے مدت سے طلاق ہی سی ہو۔ اب عرض ہے کہ یہ لفظ عورت پر طلاق پڑنے والے ہوئے یا نہیں برائے کرم مفصل حکم سے جلد مطلع فرمائیں عین عنایت ہوگی زیادہ حد ادب۔ فقط۔

الجواب: صورت مسئولہ میں طلاق واقع نہیں ہوئی ونظیرہ فی العالمگیریة ص ۲۷۲ ج ۲ ولو قال لها بعد ما طلبت منه الطلاق گفته گیر لا يقع وان نوى كذا فی الخلاصة والشامل۔ کتبہ عبد الکریم عفی عنہ۔ الجواب صحیح ظفر احمد عفا اللہ عنہ، ۱۰ ربیع الثانی سنہ ۴۳ھ

مسئلہ طلاق

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین نیچے لکھے ہوئے مسئلہ میں کہ زید کی دولہن بیاہتا بیاہی ان دونوں نے آپس میں جھگڑا کیا زید کے نسبتی بھائی (یعنی بی بی کلثوم کے بھائی نے) اگر زید سے پوچھا کہ زید کے گھر میں ہمیشہ اسی طرح کیوں جھگڑا ہوتا ہے پس زید بولا کہ تیری بہن کو (کلثوم کو) لیجاؤ کہ میں نے اس کو رخصت دی یوں کہ تین مہینہ ہوئے بعد اس کی نسبتی بھائی نے ثالث کو جمع کیا پس ثالث نے زید سے پوچھا کہ تم ایسی باتیں کیوں کہتے ہو؟ زید نے جواب دیا جو بولا سو بولا پس ابھی میں نے بی بی مذکورہ (یعنی کلثوم کو) طلاق بائن دی پس بعد اس کی زید وہاں سے اٹھکر تھوڑی دور جاکر غضب کے ہوکر بولنے لگا وہ بی بی مذکورہ کو کہ تم گھر سے باہر ہوا اور زیورات رکھکے چلے جاؤ اس کے بعد بی بی مذکورہ اپنے بھائی کے ساتھ چلی گئی۔ غرض یہ کہ جناب بی بی مذکورہ پر تین طلاق واقع ہوئی یا نہیں اور اس شوہر نے بی بی مذکورہ کو رکھ سکتا ہے یا نہیں اگر رکھ سکتا ہے تو کس طرح؟ بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مسئولہ میں کلثوم پر دو طلاق بائنہ واقع ہوگئیں ایک تو میں نے اس کو رخصت دی یوں کہنے سے کیونکہ حالت غضب میں اس لفظ سے بدون نیت طلاق پڑجاتی ہے فی تنویر الابصار ونحو اعتدی الخ سرحتك فارقتك لا يحتمل السب والرد ففي حالة الغضب تتوقف الاقسام على نيته وفي الغضب الاولان وقال الشامي تحت (قوله الاولان) اي ما يصلح رداً وجواباً وما يصلح سباً وجواباً ولا يتوقف ما يتعين للجواب (ص ۴۶۳ ج ۲) قلت وفي اللغة الهندية "رخصت دی" مثل سرحتك اور دوسری طلاق صریح دی ہے اور تیسری طلاق گھر سے باہر ہو جاؤ سے واقع ہونے کے لئے نیت کی ضرورت ہے بدون نیت حالت غضب و مذاکرات طلاق میں بھی اس لفظ سے طلاق واقع نہیں ہوتی کما فی تنویر الابصار ایضاً نحو اخرجي واذهبي وقومي يحتمل رداً وقال الشامي اي ويصلح جواباً (ص ۴۶۶ ج ۲) وهو توقف هذا القسم على النية في حالة الغضب وفيه ايضاً (ص ۴۶۵ ج ۲) وفي مذاكرة الطلاق يتوقف الاول وقال الشامي اي ما يصلح للرد والجواب پس اگر زید نیت طلاق سے انکار کرتا ہے اور وہ حاکم اسلام یا عورت کے سامنے قسم کھا جاوے کہ میں نے اس لفظ سے طلاق کی نیت نہیں کی تو تیسری طلاق واقع نہیں ہوئی اور زید و کلثوم کا نکاح ہو سکتا ہے؛ اور اگر زید نے لفظ مذکور سے طلاق کی نیت کی تھی تو تین طلاق واقع ہو گئیں اور زید و کلثوم کا نکاح جائز نہیں۔ فی الدر

القول له فی عدم النیة ویکفی تحلیفها له فی منزله فان ابی رفعته للحاکم فان نکل فرق بینهما مجتبی (شامی ص ۶۶۳ ج ۲) احقر عبدالکریم عفی عنہ ۱۵ ربیع الاول

الجواب صحیح: ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۱۷ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ۔

طلاقن اور مطلقہ وغیرہ الفاظ سے بیوی کو مخاطب کرنے سے طلاق واقع ہوئی یا نہیں

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ کو بعض اوقات خانگی کشیدگی اور جھگڑوں میں بطور تنبیہ اور اظہار نفرت و بیزاری کے طلاقن، مطلقہ، طلاق پانے کے قابل، وغیرہم کلمات کہہ دیئے اگرچہ زید نے ایسے کلمات ناراضگی میں منہ سے نکالے لیکن ہندہ کو کبھی اس قسم کا خیال بھی نہیں گزرا۔ وہ محض معمولی خانگی جھگڑوں پر محمول کرتی رہی اور نہ یہ کلمے کسی تیسرے شخص کی موجودگی اور مواجہ میں کہے گئے غرض بجز زید کے کسی کے وہم و گمان میں بھی طلاق کا مذکور نہیں۔ اب زید ان کلمات کے منہ سے نکال دینے کی وجہ سے چند روز سے اپنی زوجہ ہندہ کو مشکوک نظر سے دیکھتا ہے اور متردد ہے کہ کہیں ہندہ پر طلاق تو نہیں پڑ گئی، ہندہ کی گود میں زید کا شیرخوار بچہ بھی ہے اور فریقین کو دوری ناگوار ہے توبہ استغفار کر کے رجوع کرنے پر مائل ہیں نیز زید کی خانہ آبادی بھی ہندہ کے دم سے متصور ہے اب مستفسر ہوں کہ شرعاً ایسی لغویات کی کیا اصل ہے اور اب رجوع و انابت کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب: قال فی الدر ولو قال لها کونی طالق...... او یا مطلقة وقع ای من غیر نیة لانه صریح ۱ھ شامی وفیه ایضا عن التاتارخانیة عن المحیط لو قال انت طالق ثم قال یا مطلقة لا تقع اخری ۱ھ ص ۶۶۳ ج ۲

صورت مسئولہ میں یہ لفظ تو موجب طلاق نہیں کہ "طلاق پانے کے قابل" البتہ طلاقن اور مطلقہ کہہ کر پکارنے سے زوجہ پر ایک طلاق رجعی واقع ہو چکی ہے اگر اس واقعہ کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا اور عدت پوری نہیں ہوئی تو زبان سے بیوی کو اتنا کہہ دیا جائے کہ میں نے رجعت کر لی اور عدت پوری ہو چکی ہے تو نکاح دوبارہ کر سکتا ہے بشرطیکہ عورت بھی تجدید نکاح پر راضی ہو ورنہ وہ جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے اور آئندہ ایسی لغویات سے احتراز کرنا لازم ہے قلت ولا تقع الثانیة ولا الثالثة بقوله یا مطلقة لانها اتصفت بها بالاول فیکون حکایة له۔ واللہ اعلم۔

۲۴ ربیع الاول ۱۳۴۶ھ۔

ساس کے مطالبۂ طلاق پر شوہر کے یہ کہنے سے کہ جادی، جادی، طلاق دی، دو مغلظہ واقع ہونے کی تحقیق کا باقی

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس صورت میں کہ زید اور اس کی ساس میں کچھ جھگڑا ہوا اور زید کی ساس نے زید سے کہا کہ تو میری لڑکی کو طلاق دیدے۔ زید چونکہ غصہ کی حالت میں تھا اس نے فوراً طلاق دیدی۔ اس کے بعد جب زید سے اس کی بیوی کو جدا کیا گیا تو زید یہ کہتا ہے کہ چونکہ میں نے صرف دو مرتبہ ان الفاظ میں طلاق دی ہے کہ جادی جادی اس لئے صرف دو طلاقیں واقع ہوئیں اور مجھے رجعت کا حق ہے لیکن طلاق دیتے وقت جو لوگ موجود تھے ان کے بیانات مختلف ہیں ایک شخص کہتا ہے کہ زید نے یہ بھی نہیں کہا کہ جادی، جادی۔ ایک بیان کرتا ہے کہ میں نے نہیں سنا کہ زید نے یہ کہا ہو کہ جادی، جادی، بلکہ زید کی ساس طلب کرتی تھی اور زید یہ جواب دیتا تھا کہ دیدوں گا اور ایک شخص جو کہ متقی سمجھا جاتا ہے یہ بیان کرتا ہے کہ میرے سامنے زید نے دو مرتبہ طلاق دی اور میں نے زید کو اس فعل سے روکا اور میں وہاں سے فوراً چلا گیا۔ اور دو آدمی یہ بیان کرتے ہیں کہ زید نے تین مرتبہ سے زیادہ طلاق دی اور کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو کہ یہ کہتے ہیں کہ زید نے تین مرتبہ سے زیادہ دی ہو لیکن جب ان سے کہا جاتا ہے کہ مجمع میں چل کر بیان اور لوگوں سے تحقیق کی جاوے جو بیان کرو تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم کسی کے جھگڑے میں شریک نہیں ہوتے۔

اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ ایسی صورت میں شریعت کا کیا حکم ہے کہ زید کی بیوی پر طلاق ہوئی یا نہیں اور اگر ہوئی تو تین طلاق ہوئی یا زید کو رجعت کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

تنقیح: صورت مسئولہ میں سائل کو یہ بھی بتلانا چاہئے کہ زید کی بیوی کیا کہتی ہے وہ قول زید کی تصدیق کرتی ہے یا ان لوگوں کے قول کی جو تین طلاق یا اس سے زائد کے شاہد ہیں اور یہ شاہد شریعت کے پابند اور عادل ہیں یا نہیں اس کے بعد حکم بتلایا جاوے گا۔ فقط۔

ظفر احمد عفا عنہ ۳۰ ربیع الثانی ۵۳ھ

جواب تنقیح: (۱) زید کی بیوی ان لوگوں کے قول کی تصدیق کرتی ہے جو تین طلاق یا اس سے زائد کے شاہد ہیں۔

(۲) یہ شاہد نماز پابندی سے نہیں پڑھتے اور چونکہ نائی ہیں حجامت بھی ہر قسم کی بناتے ہیں

لوگوں کی ڈاڑھیاں مونڈتے ہیں غرض پابند شریعت نہیں ہیں۔

الجواب: صورت مسئولہ میں اگر زید کی بیوی اس مجلس میں موجود تھی جبکہ زید نے جاذی، جادی کہا تھا اور زوجہ زید کہتی ہے کہ اس نے تین بار یا اس سے زائد یہ لفظ کہا ہے تو اس عورت کو زید کے پاس رہنا جائز نہیں وہ اس سے علیحدہ ہو جاوے اس پر وجہ اس کے اقرار طلقات ثلث کے زید کے پاس رہنا جائز نہیں اور زید اگر تین طلاق کا منکر ہے تو اس کو اس عورت کا اپنے پاس رکھنا جائز ہے گو عورت کو اس کے پاس رہنا جائز نہیں اب اس اختلاف کا ارتفاع مفتی کے فتوے سے نہیں ہو سکتا مفتی اس صورت میں مرد و عورت کو الگ الگ فتوی دے گا اس کے ارتفاع کی صورت یہ ہے کہ زوجین کسی حاکم مسلم یا حکم عالم کے پاس مرافعہ کریں وہ تحقیق بقاعدہ شرعیہ کر کے اس واقعہ کا جو فیصلہ کر دے اس پر زوجین کو عمل جائز ہوگا اور اگر زوجہ زید خود اس مجلس نزاع و طلاق میں موجود نہ تھی بلکہ صرف شہود کے بیان سے اس کو علم ہوا ہے تو سوال دوبارہ کیا جائے۔ واللہ اعلم۔ ۱۱ جمادی الاولی ۴۳ھ۔

اس تحریر کے بعد حضرت کی رائے بدل گئی اور یہ سمجھ میں آیا کہ اگر صورت مسئولہ میں زید نے طلاق کا لفظ زبان سے نہیں کہا بلکہ صرف جادی جادی مکرر کہا اور عورت کہتی ہے کہ زید نے لفظ جادی تین بار یا زائد کہا ہے اور وہ بھی طلاق کا لفظ مثلثا بیان نہیں کرتی تو صرف لفظ جادی کے تین بار یا زائد کہنے سے تین طلاق بدون نیت زید کے واقع نہیں ہو سکتیں اور زید کی نیت تین طلاق کی نہ تھی جیسا کہ سوال سے معلوم ہوا اس لئے اس کی زوجہ پر تین طلاق واقع نہیں ہوئیں، و اگر عورت تین مرتبہ اس لفظ کے سننے کی مدعی ہے کہ جا طلاق دی تو اس صورت میں اس اختلاف کو حاکم یا حکم مرتفع کرے گا وجہ ذلک انا اوقعنا الطلاق بلفظ جادی لکونہ فی معنی نعم وقد رأیت فی الخلاصۃ سئل محمد عن رجل قیل لہ أطلقت امرأتک ثلاثا فقال نعم قال القیاس ان یقع الثلاث ولکن استحسن واجعلہ واحدۃ اھ (ص۱۰۵ ج۲) وفی الخلاصۃ ایضا وفی ایمان مجموع النوازل سئل نجم الدین عن امرأۃ قالت لزوجہا مرا طلاق کن مرا طلاق کن فقال

عہ قلت وھو نظیر قولہ نعم او بلی فی جواب من سئل اطلقت امرأتک وقد صرح ذلک والتتارخانیۃ بوقوع الطلاق بہما ثلاثیۃ (ص۲۳) فہذہ کالصریح لکون السؤال فیہ معادا فیہ

انت وجہ کردم کردم کردم قال تطلق ثلاث وکذا اجاب السید الامام اشرف بن محمد بن شجاع وقال الشیخ الامام عمر بن ابی بکرؒ تطلق واحدۃ اھ (ص۸۴/۲۲) قلت ووجہ الاول حسن التکرار وفی قولہ کردم فی جواب التکرار فی قولہا مرا طلاق کن وھو الظاھر فکان کل فرد منہ انشاءً وحملہ الشیخ عمر علی التاکید لکونہ محتملا ایضا والتاکید فی لفظ الطلاق انما لا یجعل واحدۃ قضاءً للاجماع ولا اجماع فی مثل قولہ کردم بدون لفظ الطلاق فیتوقف کونہا ثلاثا علی نیۃ القائل ولا یقع فوق الواحدۃ بدون النیۃ ھذا ما ظھر لی قلت وھذا الاختلاف انما ھو فیما اذا کررت المرأۃ قولہا مرا طلاق کن ثلاثا واما اذا لم تکررہ وقالت مرۃ مرا طلاق کن وکرر الزوج قولہ کردم فی جوابہا فالظاھر انہ لا یقع الثلاث بدون النیۃ عندھم جمیعاً لعدم ما یدل علی کونہ انشاءً برأسہ وفی الصورۃ المسئولۃ لم یثبت تکرار قول المرأۃ ولم یکرر الزوج بمثل قولہ بادی الثلاث فلا یقع الا واحدۃ او ثنتان حسب ما نوی واللہ اعلم ۔ ۱۳ جمادی الاولیٰ ۳۶ھ

مکرر آنکہ ان دونوں جوابوں کو احقر نے حضرت حکیم الامت دامت برکاتہم کی خدمت میں پیش کیا فرمایا کہ جواب اول تو قواعد عامہ کے موافق ہے اور جواب ثانی میں جو جزئیات نقل کی گئی ہیں ان کا مبنی صحیح سمجھ میں نہیں آیا اور جو مبنی ظاہر کیا گیا ہے وہ کچھ جی کو نہیں لگا اور احقر کاتب بھی اس مبنی کی صحت میں متردد ہے لیکن چونکہ یہ جزئیات جواب اول کے ظاہراً منافی ہیں اس لئے اس جواب سابق میں بھی تردد ہے اور ثانی میں بھی تردد ہے بوجہ دلیل جزئیات مفہوم نہ ہونے کے، دوسرا سبب تردد یہ بھی ہے کہ ہر زبان کے محاورات جدا ہوتے ہیں ان میں توافق ضروری نہیں اس لئے دونوں جوابوں کو قلم زد کر دیا گیا ہے کسی اور محقق عالم سے استفسار کر لیا جائے اور یہ سب روایات اس کے سامنے پیش کر دی جائیں فقط۔

۱۵ جمادی الاولیٰ ۳۶ھ

ان الفاظ سے طلاق کا حکم کہ ہمارے بیچے جانے ہی کو تین طلاق سمجھا جائے گا:

سوال) جناب مولانا صاحب گذارش خدمت اقدس ہے کہ کسی نے اپنی لڑکی کو گھر خانہ داماد رکھ کر شادی کی تھی

؎ وھو الذی صرح فی الھندیۃ ص ۳۲۳ ج ۲ ۔ ۱۲ ظفر

لیکن جب عقد نکاح کے اس داماد کو مربیان محلہ داران نے یہ شرط سنائی کہ اگر تم اس بی بی سے یا بیوی کے گھر والوں سے کسی سے جھگڑا فساد کر کے تین ماہ دس دن دور کہیں چلے جاؤ گے تو اس بیوی کا اپنی زوجیت میں کوئی دعویٰ نہیں کر سکتے ہو یعنی جب تین مہینہ دس دن گذر جائیں گے تو وہ بیوی اپنی خوشی سے دوسرا خاوند قبول کر سکتی ہے اس میں تمہارا کوئی عذر نہ ہوگا تمہارے چلے جانے ہی کو تین طلاق سمجھ جائے گا اس نے کہا ہاں میں نے قبول کیا اب وہ خانہ داماد و بعد عرصہ چار سال کے اپنی ساس سے جھگڑا کر کے دوسری جگہ میں چلا گیا سال بھر تک اسی حالت جدائی میں رہا اب جو مربیان محلہ داران بیوی سے اور اس کی ماں سے پوچھتے ہیں تو وہ کہتی ہیں اگر شریعت اجازت دے تو پھر میں اپنے داماد کو گھر میں بلا لوں گی یا انہیں کے ساتھ اپنی لڑکی دے دوں گی لیکن اس کے قبل دو تین مہینہ کے انہیں مربیان نے انہوں سے دریافت کیا اس وقت دونوں ماں بیٹی نے ناراضی ظاہر کی اور ماں نے کہا میں اپنی بیٹی کو ہرگز نہیں دوں گی۔ اب معلوم ہوتا ہے کہ داماد کی صورت وہ راضی ہو گئی ہیں آیا اس رضامندی سے ان کا نکاح باقی رہا یا جاتا رہا بموافق کتاب اللہ و سنت رسول اس کے جواب عنایت کیجئے۔

الجواب: اگر صورت واقعہ یہی ہے جو سوال میں درج ہے اور مربیان محلہ داران کے الفاظ یہی تھے جو مذکور ہوئے تو شوہر کے اس کہنے سے کہ ہاں میں نے قبول کیا یہ کلام تعلیق طلاق یا تعلیق تفویض کو موجب نہیں اور شوہر کے چلے جانے سے طلاق واقع نہیں ہوئی لان قول القائل اپنی بیوی کو اپنی زوجیت میں کوئی دعویٰ نہیں کر سکتے لیس من الفاظ الطلاق وکذا قولہ تو وہ بیوی اپنی خوشی سے دوسرا خاوند قبول کر سکتی ہے۔ واما قولہ تمہارے چلے جانے ہی کو تین طلاق سمجھا جاوے گا فقد جعل فیہ غیر الطلاق طلاقا وھو لغو وفیہ ایضا من لفظ المضارع المفید للاستقبال المحتمل للوعد فلا یکون قبولہ طلاقا ولا تعلیقا سئل شیخ الاسلام عمن ضرب امرأتہ وقال داد طلاق قال لا تطلق شیخ الاسلام یقول معنی الضرب طلاقا فیبطل اھ عالمگیریہ ج ۲ ص ۲۳۔ قلت وفی الصورۃ المسئولۃ جعل الغیابۃ طلاقا صراحۃ ولم یتکلم احد بما یفید تعلیق الطلاق اصلا۔

واللہ اعلم۔ ظفر احمد۔

۲۱ رجمادی الاخری سنہ ۴۶ھ۔

ازراہ عدم الطلاق کی نیت سے بیوی کا نام بدل کر طلاق دے دی تو طلاق واقع نہیں ہوگی

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اندریں مسئلہ کہ زوجہ منکوحہ جناب علی منشی مساۃ ام النساء بی بی بنت قربان خان بمرض درد شکم احیاناً چار یا پانچ روز مبتلا رہتی ہے اور اس کی بجز ایک لڑکی کے اور کوئی اولاد نہیں۔

اب جب دوسرا نکاح کرنے کے ارادہ سے ایک دولہن اپنے مکان میں لایا جو ازاں بقصد عقد بیست مجلس میں بیٹھ گئی تو اقربا دولہن یا مخطوبہ میں بجن الدین سردار دفعتۃً از دست خود ایک کاغذ جناب علی کے سامنے رکھ دیا و بہ تہدید شدت مکرر یہ کہتے ہیں کہ تم اپنی اگلی بی بی کو طلاق نامہ لکھ دو ورنہ دوسری دولہن سے تمہارا عقد کر دیں گے۔ تب جناب علی چند منٹ سکوت ہو کر تشویش و پیچ میں رہا آخر الامر سوچ سمجھ کے کچھ کام نہ چلا پھر اپنی پہلی ام النساء کے نام کو قصداً بدل کر مرجان بی بی بنت قربان ملا کو میں نے تین طلاق دیا اس مضمون کو لکھ دیا، لیکن زبان سے کچھ نہیں کہا اس تحریر تسمیہ تبدیل و عدم نیت سے طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟ بینوا بجواب دلیل توجروا عند اللہ العزیز۔

الجواب: اگر جناب علی کی نیت طلاق کی نہ تھی اور اس نے اپنی بی بی کا نام اسی ارادہ سے بدلا ہے کہ بی بی پر طلاق واقع نہ ہو تو اس کی زوجہ ام النساء پر طلاق واقع نہیں ہوئی۔ قال فی الہندیۃ ولو قال امرأتہ عمرۃ بنت صبیح طالق وامرأتہ عمرۃ بنت حفص ولا نیۃ لہ لا تطلق امرأتہ وکذا اذا سمی بغیر اسمہا ولا نیۃ لہ فی طلاق امرأتہ فان نوی طلاق امرأتہ فی ہذہ الوجوہ طلقت امرأتہ کذا فی الذخیرۃ اھ ملخصاً (ج ۲ ص ۸۵) اور اگر صورت سوال میں اکراہ بمعنی کرہ الشرعی متحقق ہو تو یہ ایک دوسری وجہ عدم وقوع طلاق کی ہو جائے گی کیونکہ کتابت طلاق بالاکراہ موجب طلاق نہیں صرح بہ فی الدر والشامیۃ فی فصل الطلاق بالکتابۃ۔ واللہ اعلم۔

۷ رمضان ۱۳۴۶ھ

حکم طلاق بلفظ طلاق بی بی چھوڑ

سوال: مخدوم گرامی اعلیٰ حضرت قبلہ و کعبہ مد ظلہم جناب مولانا صاحب مد ظلہ العالی!

السلام علیکم معاملہ ازدواج لڑکی مساۃ جمیلہ خاتون کے متعلق حسب ذیل وارثان و حلفیہ صاحبان کے بیانات تحریری علیحدہ علیحدہ لکھوا کر حضور انور میں پیش کرنا چاہتا ہوں فقط والسلام۔

نوٹ :- یہ چھ عدد تحریرات تھیں۔ جن میں زوج کا کوئی لفظ موجب طلاق نہیں صرف ایک لفظ مذکور ہے کہ میں نے طے کر لیا ہے کہ آپ علیحدگی کر دوں (جو مضارع کا صیغہ ہے) تحریر دوم میں یہ لفظ بھی نہیں بلکہ صرف اس قدر ہے کہ زوج نے اول یہ کہا کہ فلاں فلاں صاحب میرے ساتھ مظفر گڑھ چلیں میں وہاں اس معاملہ کا تصفیہ کر دوں گا پھر اس سے کہا گیا کہ وہاں جانے کی کیا ضرورت ہے جب تم تصفیہ کے لئے تیار ہو تو یہیں کر دو اس کے جواب میں زوج نے کہا کہ میں اپنے والدین سے مشورہ کے بعد بتلاؤں گا۔

بقیہ تحریرات میں جو الفاظ تھے ان کو جواب اول میں نقل کیا گیا ہے اور انہی سے بحث کی گئی ہے۔ ظفر

الجواب الاول : ان تحریرات میں تحریر سوم و چہارم و ششم میں یہ لفظ مذکور ہے کہ محمود نے کہا "اب بھی جواب دینے کو تیار ہوں میری طرف سے جواب ہی سمجھیں" اس کے بعد کسی میں یہ ہے کہ "ذرا میں جو تمہارے ہاں آؤں وہاں سے آکر تصفیہ کر دوں گا" کسی میں یہ ہے کہ "مجھ کو دعویٰ مہر کا کھٹکا ہے اس لئے مظفر گڑھ چل کر تم معافی نامہ مہر لکھ دو پھر میں طلاق نامہ لکھ دوں گا" بہرحال لفظ جواب سمجھیں طلاق کا صریح لفظ نہیں بلکہ کنایہ ہے اور کنایہ بھی ایسا جو مذاکرہ طلاق میں بھی محتاج نیت ہے بوجہ لفظ سمجھیں بڑھانے کے جو ترجمہ گیر و انگار کا ہے جس میں فقہاء نے نیت کی ضرورت کی تصریح کی ہے۔

عالمگیری میں ہے امرأة قالت لزوجها مرا طلاق دہ فقال الزوج دادہ گیر او کردہ گیر ان نوى يقع ويكون رجعيا وان لم ينو لا يقع ولو قال دادہ انگار او کردہ انگار لا يقع وان نوى (ج ۲ ص ۲) قلت وهذا يدل على الفرق بين گیر و انگار في الحكم وليس ذلك في بلادنا بل ترجمة كل واحد منهما عندنا واحدة ۔ وهذا كما ترى قد صرحوا فيه بالوقوع بالنية مع كون التكلم به بعد مذاكرة الطلاق۔

اور تحریر پنجم میں یہ لفظ ہے کہ محمود نے یوں کہا کہ "میں تو جس وقت بھی طلاق کی بات کہا تھا میں تو تب بھی تیار تھا اور اس وقت بھی تیار ہوں جیسا زبان سے کہہ دیا ویسے دے دی، اب تو کاغذ وغیرہ لکھنا باقی ہے وہ بھی لکھ دوں گا"۔

یہ بھی طلاق دینے میں صریح نہیں کیونکہ اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ جیسا زبان سے کہہ دیا کہ میں تیار ہوں ویسا ہی یہ کہتا ہوں کہ طلاق دے دی، اور اس سے بھی طلاق کا وقوع نہیں

ہوسکتا۔ بہرحال صورت مسئولہ میں جب تک شوہر یہ نہ کہے کہ میں نے یہ الفاظ جن سے اس وقت جواب میں بحث کی گئی ہے، طلاق کی نیت سے کہے تھے اس وقت تک طلاق نہیں واقع ہوئی فقط۔ ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۴ ربیع الاول سنہ ۳۴ھ

الجواب الثانی

من بعض علماء دیوبند

اللّٰھم انت الموفق للصواب

مجھ سے کہا گیا ہے کہ بعض اکابر نے امر کیا ہے کہ اس مسئلہ کے متعلق تو اپنا خیال ظاہر کر۔ اس لئے میں اظہار خیال پر مجبور ہوں اور چونکہ میرا منصب فتویٰ نویسی نہیں ہے اور مفتی کیلئے جس وسعت نظر کی ضرورت ہے میں اس کے بعید تر مقام پر بھی نہیں رکھا جا سکتا ہوں، اس لئے اگر اس میں غلطی ہو تو مستبعد نہیں اور اگر صحیح ہو تو اس کو آمد ظلی کی کرامت خیال فرمایا جاوے۔ اس گذارش کا منشا فقط یہ ہے کہ میری یہ تحریر چند پریشان خیالوں کا مجموعہ ہے اگر اکابر امت اس کی تصدیق کریں تو قابل عمل ہے ورنہ ردی کاغذ سے زیادہ اس کی وقعت نہیں۔ میں ان تمام کاغذات متعلقہ کو دیکھنے کے بعد سمجھتا ہوں کہ صورت زیر بحث میں طلاق بائنہ واقع ہو گئی ہے کیونکہ حسب بیان مستفتی زوجہ غیر مدخول بہا ہے۔

اس خیال کی بنیاد امور ذیل ہیں:

۱ اگر اس تحقیق میں وقت صرف نہ کیا جاوے کہ "دل دو گیر" اور "جواب ہی نہیں" میں ترجمۃً فرق ہے تاہم جب یہ مان لیا گیا کہ اس قسم کے الفاظ کنایات طلاق میں سے ہیں تو بغیر طلاق ہونا دشوار ہے کیونکہ وہ صریح سے صریح الفاظ اظہار نیت کے لئے بول رہا ہے کہتا ہے کہ پہلے بھی طیار تھا اب بھی طیار ہوں پھر اگر ان الفاظ سے نیت طلاق کا پتہ نہیں چلتا ہے تو اور کس طرح چلے گا۔ ہمارے پاس قائل کے الفاظ ہی ایسی چیزیں ہیں جن سے ہم اس کے ارادہ اور نیت کا پتہ چلا سکتے ہیں اور اگر ایک شخص کے الفاظ ہی اس کی نیت کو نہیں بتلا سکتے ہیں تو اگر کوئی شخص بصراحت بھی کہے کہ میری نیت یہ تھی قابل اعتبار نہ ہونا چاہئے۔ اس سے بالکل قطع نظر نہ ہونا چاہئے کہ قتل عمد میں صرف آلہ جارحہ کے استعمال کو نیت قتل کے اظہار کا قطعی ذریعہ مان لیا گیا ہے۔ اگر قاتل بالآلات الجارحہ قسمیں کھا کر نیت قتل کا انکار کرے تو معتبر نہیں ہوتا تو جب قصہ میں ایسی مبہم یا لسانی چیز ہیں ایک قوی قرینے کو اس قدر درجہ

نے دیا گیا کہ نیت کا انکار معتبر نہیں تو اگر کسی شخص کے الفاظ اس کی نیت کو ظاہر کریں تو نیت پر جزم کرنا مستبعد نہیں۔ پس اگر باوجود مذاکرۂ طلاق کے ان الفاظ میں نیت طلاق شرط بھی ہو تب بھی نیت طلاق موجود ہے ملاحظہ ہو کاغذ ۲ ۳ ۵ ۶۔

۲ تحریر ۵ سے یہ بھی ظاہر ہے کہ زوج نے کہا کہ " جیسا زبان سے کہہ دیا ویسے ہی کا اب تو کاغذ وغیرہ لکھنا باقی ہے " اس سے صاف ظاہر ہے کہ زوج کے نزدیک تعلقات زوجیت کے انقطاع کے تمام مراحل طے ہو گئے صرف کاغذ پر لکھنا باقی ہے اور ظاہر ہے کہ طلاق لسان سے ہے نہ کتابت سے پس طلاق واقع ہو گئی۔

۳ میرا خیال ہے کہ زوج کے یہ الفاظ کنایہ کی اس قسم میں داخل ہیں جن کو صالح للجواب عن سوال المرأۃ طلاقہا فقط میں داخل کیا جا سکتا ہے ان میں رد وغیرہ کا احتمال میری فہم سے بالا ہے اور اس قسم کے الفاظ کا حکم فتاوی الفرویہ میں اس طرح ہے فی حال الرضا لا یقع الطلاق بشیء منہا والقول لہ مع یمینہ وفی حال المذاکرۃ الطلاق یقع بالصالح للجواب والرد بالنیۃ ویقع الطلاق بالصالح للجواب فقط والصالح للجواب والشتم بدون النیۃ وفی حال الغضب یقع بالصالح للجواب فقط بلا نیۃ ویقع بالصالح للجواب والرد والصالح للجواب والشتم بالنیۃ۔ اسی کے حاشیہ پر ملتقی الابحر سے نقل کیا ہے فلو انکر النیۃ صدق مطلقا حالۃ الرضاء ولا یصدق قضاءً عند مذاکرۃ الطلاق فیما یصلح للجواب دون الرد والشتم۔

پس میرے خیال میں مذاکرۂ طلاق کی صورت میں یہ الفاظ محتاج نیت بھی نہیں ہیں۔

خلاصۂ گزارش یہ ہے کہ یا تو یہ الفاظ محتاج نیت ہی نہیں ہیں اور اگر ہیں تو زوج ہی کے الفاظ اس کی نیت طلاق کو بتا رہے ہیں اور حسب بیان مستفتی زوجہ غیر مدخول بہا ہے لہذا زوجہ مطلقہ بائنہ ہے بلا انقضائے عدت اس کا نکاح دوسرے شخص سے کیا جا سکتا ہے واللہ اعلم وعلمہ اتم۔ محمد اعزاز علی غفرلہ ۷ ربیع الثانی ۵۳ھ۔

اقول وباللہ التوفیق

احقر کی رائے میں بھی اس صورت میں طلاق بائنہ واقع ہو گئی جس کی تفصیل تحریر بالا میں مذکور ہے۔ فالجواب صحیح فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ دیوبندی۔ ☐ نشان مہر

احقر بھی حضرت مفتی صاحب کی تحریر سے اتفاق رکھتا ہے۔

الجواب صحیح، احقر محمد حمید حسن عفی عنہ دیوبندی۔

الجواب صواب، تمیز حسن عفا اللہ عنہ۔ الجواب صحیح مسعود احمد عفا اللہ عنہ دار العلوم دیوبند ۲ ربیع ۱۳۴۶ھ

الجواب صحیح، احقر السلطان گل محمد خان خادم دار العلوم دیوبند۔

الکلام علی ثانی الجواب

(من جامع امداد الاحکام)

واللہ الملہم للصواب

اقول و باللہ التوفیق وھو خیر معین و رفیق۔

① فاضل مجیب نے جس تدقیق میں وقت صرف نہیں کیا وہ حقیقت میں قابل غور تھا اس میں ان کو تامل و غور کرنا اور وقت صرف کرنا لازم تھا کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ ہم لوگ مجتہد نہیں بلکہ مقلد ہیں پس ہم کو فقہاء کے کلام میں غور کرکے کوئی نظیر واقعہ سوال کی نکالنی چاہئے تاکہ جواب محض قیاس مقلد پر مبنی نہ ہو بلکہ کلام فقہاء پر مبنی ہو۔ سو ہم نے جو اس واقعہ میں غور کیا تو متکلم کے لفظ "آپ میری طرف سے جواب ہی سمجھیں" کی چند نظائر کلام فقہاء میں ہم کو ملی ہیں ایک "داماں گیر و کردہ گیر" جس کو جواب اول میں نقل کیا گیا ہے عالمگیری (ج ۲ ص ۵۷) میں اس جزئیہ کو زیادہ وضاحت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے ولفظہ فی القنیۃ سئل عن امرأۃ قالت لزوجها باتو نمی باشم فقال ناباشید گیر فقالت ای چہ حق بود آن کن کہ خدائے تعالیٰ و رسول خدا فرمود۔ بگو طلاق تا بروم فقال طلاق کردہ گیر برو۔ هل یقع الطلاق ان نوی الایقاع؟ یقع واحدۃ اھ وفی الخلاصۃ ولو قالت مرا بلکن فقال بلکردہ گیر ان نوی یقع اھ (ج ۲ ص ۹۷)

اور ظاہر ہے کہ طلاق کردہ گیر اور بلکردہ گیر عہ الفاظ کنایات طلاق میں سے ہیں جن سے بدون نیت کے بھی ان سے وقوع نہ ہوتا مگر باوجود بعد طلب طلاق و مذاکرۂ طلاق کے بھی وقوع طلاق

عہ قلت وقد صرح فی العالمگیریۃ ان قولہ بلکردم ترا تفسیر قولہ طلقتک عرفا حتی یکون رجعیا ویقع بدون النیۃ اھ ج ۲ ص ۴۷۔ وانما صار کنایۃ لزیادۃ قولہ گیر فافہم ۱۲ منہ

مقید بالنیۃ کیا گیا ہے۔ اور یہاں یہ بات قابل تنبیہ ہے کہ فقہاء نے جن الفاظ میں باوجود مذاکرۂ طلاق کے بھی وقوع طلاق کے لئے نیت کو شرط قرار دیا ہے وہاں مطلب یہ ہے کہ متکلم بوقت تکلم کے ان الفاظ سے ایقاع طلاق کی نیت کرے محض قرائن نیت کافی نہ ہوں گے ورنہ مذاکرۂ طلاق کے بعد جو کہ نیت کا قوی قرینہ ہے کما صرحوا بہ قاطبۃً نیت کا شرط کرنا امر فضول لغو ہوگا۔ اس سے فاضل مجیب کے اس قول کا جواب معلوم ہو گیا کہ:

> "جب یہ مان لیا گیا کہ الفاظ کنایات طلاق سے ہیں تو پھر طلاق نہ ہونا دشوار ہے کیونکہ جو صریح سے صریح الفاظ طلب نیت کے لئے بول رہا ہے کہتا ہے کہ پہلے بھی طیار تھا اب بھی طیار رہوں گا۔"

کیونکہ اول تو اس میں صرف آمادگی کا اظہار ہے اور آمادگی برطلاق عزم طلاق کو مستلزم نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ آمادگی کسی مصلحت یا شرط کے ساتھ مشروط ہو کہ بدون اس کے تحقق کی آمادگی ہی متحقق نہ ہوگی تا لعزم چہ رسد اور واقعہ مسئول عنہا میں زوج نے جس قدر بھی آمادگی طلاق پر ظاہر کی ہے وہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ اول دین مہر کی طرف سے اس کا کافی اطمینان ہو جائے بدون اس شرط کے تحقق کے نہ اس کی طرف سے آمادگی کا تحقق ہے نہ عزم کا اور اس شرط کے ذکر پر تمام شہود متفق ہیں بس اول تو آمادگی برطلاق عزم طلاق کو مستلزم نہیں اور اگر ہو بھی تو ان قرائن کی حیثیت مذاکرۂ طلاق سے زیادہ نہیں مگر فقہاء حنفیہ نے باوجود مذاکرہ کے جو ان کے نزدیک قرینۂ قویۂ نیت طلاق کا ہے پھر بھی نیت زوج کو ضروری بتلایا ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ان الفاظ کے تکلم کے وقت ایقاع طلاق کی نیت شرط ہے جو بدون اقرار زوج کے معلوم نہیں ہو سکتی۔

اس کے بعد میں فاضل مجیب کو اس پر بھی متوجہ کرتا ہوں کہ انہوں نے اس مقام پر قتل کی نظیر بیان کرنے میں سخت مسامحت کی ہے کیونکہ قتل افعال حسیہ میں سے ہے، عقود و فسوخ کی جنس سے نہیں ہے عقود و فسوخ کا تحقق محض الفاظ سے ہوتا ہے اس لئے وہاں صریح و کنایات اور نیت سے بحث لازم ہے اور افعال حسیہ کا وجود الفاظ سے نہیں ہوتا بلکہ فعل حسی سے ہوتا ہے وہاں نیت سے کچھ بحث نہیں۔ پس جب فعل حسی یعنی قتل بالجارحہ کا تحقق ثابت ہو گیا اب نیت قتل کا انکار نفی قتل میں لغو ہے۔ اور اگر طلاق و نکاح کا تحقق بھی ایجاب و قبول یعنی الفاظ سے نہ ہوا کرتا بلکہ کسی عمل سے ہوتا تو بعد ثبوت

محتمل یہاں بھی نیت کی بحث کو لغو کہا جاتا اور قتل و زنا میں بھی اگر ایسی صورت ہو جہاں ثبوت زنا و قتل کا مدار بینہ پر نہ ہو بلکہ صرف اقرار لازم ہو اور اس صورت میں مجرم یوں کہے کہ "آپ مجھ کو بھی قاتل سمجھ لیں" یا یوں کہے کہ "مجھ کو زانی سمجھ لیں" تو ہم یقین کرتے ہیں کہ ایسے مجمل و محتمل اقرار سے فاضل مجیب بھی اس کو محل قصاص و محل رجم نہ قرار دیں گے۔

فاضل مجیب کو طلاق کی نظیر میں نکاح و بیع وغیرہ کا ذکر مناسب تھا جو مثل طلاق کے الفاظ سے ثابت ہوتے ہیں۔ اب وہ غور کریں کہ اگر کوئی شخص نکاح کی مجلس میں ایجاب کے بعد یہ نہ کہے کہ میں نے قبول و منظور کیا بلکہ یوں کہے کہ آپ میری طرف سے قبول ہی سمجھیں تو کیا بدون نیت کے صریح قبول مانا جائے گا گو وہ اس سے پہلے قبول نکاح پر کیسی ہی آمادگی اور رضامندی ظاہر کر چکا ہو۔ یقیناً یہاں آپ بھی یہی کہیں گے کہ یہ الفاظ قبول میں صریح نہیں بلکہ نیت پر مدار رکھا جائے گا اگر اس نے اس لفظ سے انشاء قبول کی نیت کی ہے تو قبول ہے ورنہ محض وعدہ ہے قال فی الخلاصة لو قال لامرأة اجنبية خویشتن بزنی بمن فقالت داده گیر ان نوت وهناك شهود صح قال واما فی البيع والاجارة وكل ما يتعلق بالمال بان قيل لرجل بع هذه الدار منی فقال فروخته گیر وقبل فلان فلا يصح اھ (ج ۲ ص ۷۰)۔

دوسری نظیر صورت مسئولہ کی فقہاء کے کلام میں داده انگار و کرده انگار ہے جس میں فقہاء نے تصریح کی ہے کہ باوجود نیت کے بھی وقوع طلاق نہ ہوگا۔ قاضی خان نے اس کو زیادہ وضاحت سے بیان کیا ہے امرأة قالت لزوجها مرا طلاق ده فقال الزوج داده انگار او کرده انگار لا يقع الطلاق وان نوى كانه قال لها بالعربية احسبي انك طالق وان قال ذلك لا يقع وان نوى اھ (ج ۲ ص ۲۱۰) اسی ذخیرہ میں (ج ۲ ص ۲۱۴) ہے ولو قيل لرجل اطلقت امرأتك فقال عدها مطلقة او احسبها مطلقة لا تطلق امرأته اھ اور اگر تأمل صادق سے کام لیا جائے تو لفظ جواب ہی سمجھیں کا ترجمہ طلاق داده گیر سے زیادہ قریب طلاق داده انگار و احسبي انك طالق و عدها مطلقة ہے اور ان میں فقہاء باوجود نیت کے بھی وقوع طلاق کے قائل نہیں اور داده گیر کا ترجمہ صحیح یہ ہے کہ "طلاق دی مان لو" پس صورت مسئولہ میں اگر متکلم نے یوں کہا ہوتا کہ "آپ میری طرف سے جواب ہی مان لیں" تو بیشک لفظ طلاق داده گیر

کی صریح تفسیر تھی جس سے بشرط نیت ایقاع بوقت تکلم وقوع طلاق کا ہو جاتا اور جواب ہی سمجھیں میں حکم وقوع طلاق دشوار ہے اور بدون نیت بوقت تکلم کے تو دشوار تر ہے فاضل مجیب وقت صرف کر کے اس میں دوبارہ غور کریں ۔

(۲) فاضل مجیب نے اس نمبر میں سخت مسامحت سے کام لیا ہے کہ زوج کے قول کو نقل کر کے یہ نہیں بتلایا کہ ایقاع طلاق کا حکم کس لفظ کی وجہ سے ہے زوج کے الفاظ یہ ہیں " میں نے تو رات بھی طلاق کی بابت کہا تھا میں تو رات بھی تیار تھا اور اس وقت بھی تیار ہوں جیسا زبان سے کہہ دیا ویسے ہی دی اب تو کاغذ وغیرہ لکھنا باقی ہے وہ بھی لکھ دونگا " فاضل مجیب کو چاہیے تھا کہ اس کلام میں وہ لفظ معین کرتے جس سے ایقاع طلاق ثابت کیا گیا ہے وہ کہتے ہیں کہ زوج کے نزدیک تعلقات زوجیت کے تعطل کے تمام مراحل طے ہو گئے صرف کاغذ پہ لکھنا باقی ہے الخ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فاضل مجیب کے نزدیک لفظ " اب تو کاغذ وغیرہ پہ لکھنا باقی ہے " سے وقوع طلاق کا ہوا ہے حالانکہ یہ لفظ الفاظ ایقاع میں سے ہرگز نہیں اگر کسی شخص نے ایک مرتبہ بھی انشاء طلاق و ایقاع کا لفظ زبان سے نہ نکالا ہو اور وہ ہزار مرتبہ یہ کہتا پھرے کہ " اب تو کاغذ وغیرہ لکھنا باقی ہے " تو ہرگز کوئی مفتی اس لفظ سے ایقاع طلاق کی جرأت نہیں کر سکتا ۔ اور اگر لفظ " جیسا زبان سے کہہ دیا ویسا ہی دی " کو موجب وقوع سمجھا گیا ہے تو فاضل مجیب کو لازم تھا کہ سیاق و سباق کے ساتھ ملا کر اس مجمل جملہ کا مطلب بھی واضح کرتے تاکہ دوسروں کو غور کا موقع ملتا کہ فاضل مجیب نے اس کے کیا معنی سمجھے اور اس کو کس قاعدہ سے موجب ایقاع طلاق قرار دیا ظاہر ہے کہ اس جملہ میں لفظ جیسا ویسا تشبیہ کا حرف ہے جس سے قائل نے ایک شے کے دینے کو زبان سے کہی ہوئی بات کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور زبان سے جو بات اس سے پہلے کہی گئی ہے وہ یہ ہے کہ " میں رات بھی طیار تھا اور اس وقت بھی طیار ہوں " جس کا حاصل صرف یہ ہے کہ وہ آمادگی بر طلاق کو اعطاء طلاق کے ساتھ تشبیہ دے رہا ہے یعنی تم میری اس ظاہر کردہ آمادگی کو مثل طلاق دینے ہی کے سمجھو اب ہم منتظر ہیں کہ فاضل مجیب فقہ کی کس جزئی سے اس کا ثبوت دیں گے کہ تشبیہ آمادگی بر طلاق باعطاء طلاق یا اس کا عکس موجب وقوع طلاق ہے میرا خیال ہے کہ وہ اس کو ہرگز ثابت نہیں کر سکتے پھر حیرت یہ کہ متکلم کے کلام کا تو کوئی جزو موجب وقوع نہیں اور فاضل مجیب اس کا خلاصہ اپنی

عبارت میں نکال کر حکم وقوع مرتب ہیں ۔

اس کے بعد فاضل مجیب نے دوسری مساہمت یہ کی کہ اس امر پر غور نہیں کیا کہ جس لفظ سے وہ تجزیہ میں بحث کر رہے ہیں اس کا قائل وشاہد معروف ایک شخص ہے اور ایک شخص کا قول باوجود عدالت کے بھی باب طلاق میں حجت نہیں ہو جس لفظ کے ناقل دو بھی ہیں ان میں بھی عدالت شرط ہے فاضل مجیب کو حکم وقوع لگانے سے پہلے یہ معلوم کرلینا صفت ضروری تھا کہ عدد شہادت کا نصاب ہے یا نہیں اور شہود عادل ہیں یا نہیں، اور کوئی وجہ تفریق بالزوج یا اتحاد مع الزوجہ تو موجود نہیں اور اس کی ضرورت مجیب اول کو نہ تھی کیونکہ انہوں نے عدم وقوع کا فتوی دیا ہے ولاحاجة فی عدم الوقوع الی هذه الشرائط هذا وقد صرح الفقهاء بان مدار الافتاء بالقضاء لا بالديانة كما فی اوائل رد المحتار و اواخر العمادية ۔

③ اس نمبر میں فاضل مجیب نے فیصلہ کیا ہے کہ میرے خیال میں زوج کے یہ الفاظ کنایہ کی اس قسم میں داخل ہیں جو صالح للجواب عن سوال المرأة طلاقها فقط میں داخل کیا جا سکتا ہے الخ

اس کے متعلق عرض ہے کہ ہمارا و آپ کا محض خیال فتوی میں کافی نہیں بلکہ زوج کی طرف جو الفاظ شہود نے منسوب کئے ہیں ان کو فقہاء کے کلام میں غور کرکے کسی جزئی پر منطبق کرنے کی ضرورت ہے کہ یہ لفظ فلاں لفظ کی نظیر ہے جو محض صالح للجواب ہے ۔ اس لئے یہ بھی محض صالح للجواب ہے ۔ اس کے بعد حکم وقوع صحیح ہوگا والا فقط اور محض قاعدہ کلیہ بیان کر دینا کافی نہیں اس سے تو ہر طالب علم واقف ہے ۔

آپ کا یہ ارشاد بالکل صحیح ہے کہ ان میں رد و شتم کا احتمال نہیں ہے لیکن ان الفاظ میں احتمال وعدہ و تسلیم ضرور ہے ہمارے محاورہ میں دعوے کے وقت کہا کرتے ہیں کہ کام کو ہوا ہی سمجھو، تم میرے پیغام کو نکاح ہی سمجھو ۔ میری بات کو قبول ہی سمجھو ۔ اسی قبیل سے یہ قول ہے کہ آپ جواب ہی سمجھیں ۔ یعنی جواب ہوا ہی چاہتا ہے ۔ اور جب یہ کلام محتمل وعدہ و تسلیم ہے تو پھر یہ کہنا کیونکر صحیح ہے کہ یہ صالح للجواب عن سوال الطلاق فقط میں داخل ہے ۔ فاضل مجیب غور فرمائیں کہ عورت کے سوال طلاق کے بعد شوہر کا یہ کہنا طلاق دیدوں گا یا طلاق دیدی گئی اس میں کیا احتمال رد و شتم کا ہے ؟ ہرگز نہیں بلکہ

ظاہر یہ ہے کہ یہ لفظ جواب سوال طلاق کے سوا کسی شئی کو رد و شتم میں سے محتمل نہیں مگر چونکہ اس میں وہی احتمال وعدہ کا وہ امید دلانے کا ہے اس لئے فقہاء نے اس میں باوجود مذاکرہ طلاق کے نیت الایقاع کو شرط کیا ہے اور طلاق انگار و احسبی انک طالقة وعدها مصدقة واحسبها مطلقة میں باوجود نیت کے بھی عدم وقوع کی تصریح فرمائی ہے کیونکہ یہ لفظ معنی وعدہ میں صریح ہے جس کی نظیر[عہ] یہ ہے کہ کوئی سوال طلاق کے بعد یوں کہے طلاق کنم طلاق کنم تو اس سے بوجہ معنی وعدہ کے وقوع نہ ہوگا قال فی الهندية قالت لزوجها من با تو نمی باشم فقال الزوج مباش فقالت طلاق بدست تو است مرا طلاق کن فقال الزوج طلاق میکنم و کرر ثلاثا طلقت ثلاثا بخلاف قوله کنم لانه استقبال فلم يكن تحقيقا بالشك وفي المحيط لو قال بالعربية اطلق لا يكون طلاقا ای مع النية كما صرح به بعده الا اذا غلب استعماله للحال اه (ج ۲ ص ۱۴۱)۔

یہ تو جملہ اولیٰ کے متعلق گزارش تھی اب جملہ ثانیہ کے بابت جو تحریر سوال میں یوں مرقوم ہے کہ لفظ جیسا زبان سے کہا یا دے دیا اب تو کاغذ وغیرہ لکھنا باقی ہے تو یہ الفاظ طلاق میں سے ہی نہیں کیونکہ اس میں محض تشبیہ فعل الطلاق بالقول السابق ہے اور اس سے وقوع طلاق کا کوئی احتمال نہیں پھر اس قول میں کہ جیسا زبان سے کہدیا ویسے دے دی اضافت طلاق الی المرأة بالکل نہیں ہے نہ لفظاً کما هو ظاهر نہ معنیً کیونکہ عورت کو خطاب نہیں نہ بوقت اس کلام کے وہ سامنے تھی اور طلاق کا جو ذکر اس سے پہلے ہوا ہے تمہارا وہ بھی ابہام کے ساتھ بدون اضافت کے تھا قال فی الخانية امرأة قالت طلقنی ثلاثا فقال الزوج ایک ہزار طلاق لا تطلق امرأته لانه کلام مستقل (ج ۲ ص ۲۱۵) ای لعدم الاضافة بخلاف قوله ایکہزار طلاق حیث تطلق ثلاثا کما فی الخلاصة واللہ تعالیٰ اعلم اور عدم اضافت کا احتمال لفظ اول میں بھی ہے یعنی قول زوج آپ جواب ہی سمجھیں میں کیونکہ بجز ایک ضمیر کے

[عہ] اور یہ بھی پوری نظیر نہیں کیونکہ مضارع میں بعد نیت کے وقوع ہو جاتا ہے اور لفظ مذکورہ میں بعد نیت کے بھی وقوع نہیں ہوتا لیکن اس کو محض اس بات کے بتلانے کے لئے ذکر کیا گیا ہے کہ معنی وعدہ کا احتمال وقوع طلاق کی نفی کردیتا ہے ۱۲ منہ

کسی نے اضافت کی تصریح نہیں کی پس فاضل مجیب کو حکم وقوع طلاق کرتے ہوئے سب پہلوؤں پر غور کرنا لازم تھا اور باب طلاق میں اضافت کا مسئلہ ایسا مشکل ہے جس کو بہت ہی کم لوگ حل کرسکتے ہیں لاختلاف اقوال الفقہاء فیہا و تشابہ النظائر وتشاکلہا ہذا ما عندی ولم آل جہدًا فی تحقیق المسئلۃ وتنقیحہا وشرحہا وتلقیحہا وفوق کل ذی علم علیم فاللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حررہ ظفر احمد ۱۱ ربیع الثانی ۴۲ھ۔

تحقیق مسئلہ بزبان عربی

الاستفتاء: رجل طلق امرأته مرتين واتلاه عدتها ما راجعها وما امسكها وما طلقها ثالثة حتى انقضت عدتها وبانت منه وهي منفردة منه في بيتها وبعد برهة من الزمان سنح له ان ينكحها نكاحًا جديدًا فنكحها لكن بعد مدة حدث حادث ما فطلقها طلقة واحدة ففي هذه الصورة يقول عامة الفقهاء الاعلام انها في هذه الطلقة الواحدة حرمت عليه حرمة غليظة حتى لا تحل له حتى تنكح زوجًا غيره وهذا لا يفقهه حق التفقه وما ذكروا في الكتب لا يتضح البتة بل يتضح خلافه فياله من داء عقام ولعمري من اين اخذوا هذا الحكم الشديد الضيق كثير الحرج آتيها أمن القرآن المجيد او من السنة السنية الصحيحة ومن القرآن الذي بين لا تصل الى ايديهم الاية اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ الاية وكما يجوز النقل في الاية بعدها آبية من ان يكن منها اخذه كيف والاية تحكم بان الرجل اذا نكح امرأة يملك عـه طلقات ثلثة فان طلق مرتين فله اختيار امرين اما يراجعها ويمسكها او يسرحها

عـه لم يتعرض القرآن بذلك صريحا وانما ثبت ذلك بالسنة، فان كانت السنة حجة في ذلك فلتكن حجة في غيره ايضًا: الاحكام ۱۲ منہ۔

اى يطلقها مرة ثالثة حيث فسر النبى صلعم كون اى فى جواب سوال الصحابى اين الثالثة؟ قال او تسريح باحسان الصورة المحكومة عليها فى القرآن ان الرجل اذا طلق امرأته مرتين فله ان يراجعها او يطلقها ثالثا فى اثناء عدتها اذ الرجعة انما تتصور فى العدة والطلقة الثالثة تتحقق[عه] اذا وقعت فى العدة فان طلقها كان انه لا تحل له حتى الآية فقوله تعالى فان طلقها اعادة للتسريح المذكور ليترتب عليها الحكم الآتى وانت خبير انما الآية تقتضى ان الطلقة الثالثة اخرجتها عن صلوحها لمحلية النكاح الجديد بالمطلق حتى تنكح زوجا غيره والصورة المستشكلة وراء تلك الصورة لا توافقها بل يباينها اذ فى هذا ما امسكها وما سرحها بل تركها على حالها حتى بانت وعادت الى حالتها الاولى حيث لا تحل له حتى ينكحها نكاحا صحيحا جديدا اذ النكاح بانقضاء العدة قد انعدم بالمرة وانصرم بالكلية ولم يبق اثره البتة اليس حين بانت منه بانقضاء عدتها صارت اجنبية منه ولم تصلح محلا بالتصرفات ولا يحل له وطيها ولا مسها بشهوة ولا يمكن تطليقها ثالثا اذ التطليق انما يتصور فى النكاح اما قبل حدوثه او بعد زواله فلا اذ لم يصادف محلا وهل تجب عليه بعد ان بانت عن عدتها نفقتها او كسوتها وغير ذلك ولا اظن احدا هجس به نفسه فتفوه به اليه [illegible] ان مات هو ولا تعتد هى عدة الوفاة ولا ترثه وهو لا يرثها ان ماتت هى حين بانت منه بانقضاء العدة نعم لو ان نكحها كان نكاحا جديدا[عه] ولا بد

عـه لانسلم توقف نفاذها على العدة بل تنفذ بعد العدة ايضا اذا تزوجها ثانيا وقوله تعالى. «او تسريح باحسان» يعم التسريح فى العدة وبعدها، فمن اين لسائل ان يقيده بزمان العدة؟ ۱۲ منه۔

عـه لقائل ان يقول : اذا طلق الرجل امرأته ثلاثا فكيف حرمها الله تعالى عليه حتى تنكح زوجا غيره؟ فهل اذا نكحت غيره يكون نكاحه بها نكاحا جديدا؟ وهلا يكون كذلك اذا انكحها بعد ذلك، مع انها صارت اجنبية منه، لا يرثها ولا ترثه، بل كان التسريح بزوج آخر يغير المرأة عن حالها، ولا تتغير بدون ذلك. ج: الحل: فكيف يجوز ان لا يتغير حال المرأة بانقضاء عدتها بعد طلقتين كل التغير وان كان فذلك تغير تغيير اثنا فافهم ۱۲ منه۔

اذ الایجاب والقبول جدیدان والتراضی جدید والمهر جدید وکذا الشهود
ولا یمکن ان یکون هذا النکاح هو الاول والا یلزم اعادة المعدوم او تحصیل
الحاصل وقوانین الشرع لا تساعده شیئا وهی حینئذ تکون تصدم لنکاح کل
احد وخطبته واذا النکاح الاول کان باقیا کانت لم تصلح فاذن قد
ثبت ان النکاح الاول وتوابعه یضمحل من ان یعد او یضاف الی هذا
وصار کان لم یکن شیئا مذکورا وانفصلوعنه الطلقة الثانیة لا یخرجها
عن صلاحیتها لمحلیة النکاح الجدید بالمطلق نعم ازال مالکیة للطلقة الثالثة
بالمرة وبعبارة اخری وطی الزوج الثانی فی الصورة المحکومة علیها فی
القرآن الشریف لا یملکه للطلقات الثلاثه جدیدا بالذات بل بالعرض
انما یأهله لان ینکحها جدیدا فهذا النکاح الجدید یصیره مالکا للطلقات
الثلاثة بالذات او هو یملک بنفسه للطلقات الثلاثة بعد النکاح و
حیث لا یتوقف نکاحا جدیدا ایضا الا یتوقف مالکیته للطلقات الثلاثة
البتة والاثر الذی یحدث عن رجل من قومه عن رجل من اصحابه صلعم
فیه ضعف ومجهول بین کیف یوخذ منه الحکم الشدید الضیق کثیر
الحرج ینبغی لرجل فقیه ان یسلک مسلک الیسر والرفق دون العسر و
الرتق مهما امکن یرید الله بکم الیسر ولا یرید بکم العسر ما جعل
علیکم فی الدین من حرج سیما اذا قامت علیه الحجة فهی المحجة کیف

عه وان ادعی احد ان توقف جواز النکاح بعد الطلقات الثلاث علی النکاح بزوج
آخر من الحرج فهل یقول السائل بجوازه بدونه ؟ ۱۲ منه۔

يجترأ أحد وكيف يسوغ لفقيه ان يحرم فرجاً[عه] على من اباحه الله تعالى ليعين من النكاح ويحل على رجل حرمها عليه وليس معه حجة قوية نقلية ولا سنة صريحة صحيحة ونحن نذعن ان الصحابة كانوا اعمق علماً و ادق فهماً واحق حكماً وادق فقهاً ورأياً فنتحير كيف سلكوا هذا المسلك الوعرة بل نظن وقع الغلط في النقل[ع] عنهم[سه] نعم يتضح هذا الى ما اذا امسكها وراجعها واعادها اليه في اثناء عدتها حيث تعود اليه بما بقي وقول ابن عباس رضي الله عنه نكاح جديد وطلاق جديد لعمري هو اشبه واحق واحرى بالقبول ولا يتوقف هذا على نكاح زوج الثاني او اصابته اذ لا اثر له ولا تعلق بوجه ما البتة ليس الا وذكر الزوج الثاني انما هو بالاتفاق اذ الحادثة لعله تمت اتفق كذا واما بالحكم فلا مساس له البتة كما لا يخفى وتمحص اثراً او تتم رائحة من قول حبر الائمة ابن عباس رضي الله تعالى عنه نكاح جديد وطلاق جديد ان تجدد النكاح انما تكون اذا اصابها زوج آخر كلا ولم يثبت ولم يتحقق فيها قضاء رسول الله صلى الله عليه وسلم بذلك كيف ولو كان فما بال حبر الائمة امام الائمة غواص اللجة اذ قد خفي عليه مثل هذا القضاء مع سعة القضاء والعجب كل العجب من الفقهاء الاعلام كيف طووا[لله] النقل

[عه] وكيف يجوز لعالم ان يحلل فرجاً حرمه الله ورسوله لاحد ١٢۔

[عسه] واختلط الصور بعضها ببعض وعسر براءة منه وكيف ماهو والله اعلم ١٢

صت السائل۔

[سه] على الناقل تصحيح النقل فان ابن عباس لم يقل بذلك الا اذا تزوجها بعد تحليل النكاح بزوج غيره ١٢۔

[لله] يا عجباه من لا يحسن العربية ولا كتابة كيف يطعن على الفقهاء الاعلام ويجعل طرحهم سطحيا ونظره غائرا وهل هذا الا الضلال ١٢ ط س

هٰهنا غاية السطحية ولم يفقهوها قليلاً فزعموا بما هو مخالف العقل و
النقل هذا ولعل الله يحدث بعد ذلك امراً ۔

الجواب: اقول وبالله التوفيق ۔ مما ذكره السائل اغلوطة محضة
لا يلتفت اليها مؤمن في قلبه حب الله ورسوله وغيرة الايمان وليت
شعري هل هو مجتهد ام مقلد فان كان مجتهدا فليجعل نفسه عرضة
للامتحان لكي يكرم او يهان وايضاً فلا يجوز لمجتهد احداث قول قد
اجمع السابقون من المجتهدين على بطلانه وان كان مقلداً فليس له الا
التسليم لما قاله الفقهاء المجتهدون قبله ومن اين له ان يعترض على
النقل الصحيح والا فيرتفع الامان عن الشريعة المطهرة على مبلغها
الف الف تحية ۔ هذا وقد اجمع المجتهدون من الفقهاء والمحققون
من العلماء والراسخون من الفضلاء على ان المرأ اذا طلق امرأته ثلاثا
مجتمعة او متفرقة سواء كان بعد ما تزوجها ثانيا بشرط عدم تخلل
نكاحها بزوج آخر فدونه فهي طالق عليه ثلاثا لا تحل له حتى تنكح زوجا
غيره واما ابن عباس فانما قال نكاح جديد بطلاق جديد اذا تزوجها
الاول بعد تخلل نكاحها بزوج آخر فقال يهدم الواحدة والثنتين و
الثلاث وبمثله قال ابن عمر كما في كتاب الآثار لمحمد بن حسن وقد
ولم يقل ذلك اذا تزوجها من غير تخلل النكاح بغيره ومن ادعى فعليه
البيان والى الله المشتكى مما احدثه هذا السائل في الشرع فلم يسبقه
احد اليه والله تعالى اعلم ۔

وايضا فان قوله تعالى او تسريح باحسان ليس بصريح في الطلقة الثالثة
وانما يؤخذ منها ذلك ببيان الصحابة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم
وليس في القرآن ان الرجل يملك على زوجته ثلاث تطليقات وانما فيه
الطلاق مرتان فلما كان بيان الرسول بنقل اصحابه حجة في تفسير
التسريح بالاحسان بالطلاق الثالث فليكن كذلك قولهم ان التسريح
يعم ما اذا طلقها ثلاثا في النكاح الاول او في الثاني او في الثالث

ما لم يتخلل الكلام بين جزء آخر غير ما نفهمه ۔

۸ جمادی الاولیٰ سنہ ۵۳ھ

حکم کفارہ و عدم وقوع طلاق جبکہ شوہر حلف اٹھائے کہ خدا کی قسم تیرے ہاتھ کا کھانا کھاؤں تو اپنی ماں سے زنا کروں

سوال: ایک شخص نے حالت غصہ میں اپنی زوجہ کو کہا کہ تیرے ہاتھ سے کبھی نہیں کھاؤں گا خدا کی قسم اگر کھاؤں تو میں میرے ماں کے ساتھ زنا کروں گا کئی دن بعد اس نے اس کے ہاتھ سے کھانا شروع کر دیا اس پر طلاق واقع ہوگا یا نہیں اگر واقع ہو تو کتنے طلاق اور کیا کرنا ہوگا اور اگر نہ ہو تو حلف صادق آئے گا یا نہیں اور اگر صادق ہو تو کفارہ لازم ہوگا یا نہیں اگر ہو تو کیسا بالتفصیل لکھئے۔ فقط؟

الجواب: صورت مسئولہ میں جبکہ بیوی سے یوں کہا خدا کی قسم اگر تیرے ہاتھ کا کھانا کھاؤں تو اپنی ماں کے ساتھ زنا کروں، اور پھر اس کے ہاتھ کا کھانا کھا لیا تو اس سے طلاق واقع نہ ہوگی البتہ قسم کا کفارہ دینا لازم ہوگا۔ واللہ اعلم۔

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ، ۸ شوال سنہ ۵۳ھ

الجواب صحیح: ظفر احمد عفی عنہ ۱۰ شوال سنہ ۵۳ھ۔

وقوع طلاق کے لئے الفاظ طلاق کا تلفظ شرط ہے

سوال: معروض ہے کہ ایک شخص نے ہونٹ بند ہونے کی حالت میں اپنی زوجہ کو طلاق دی اور وجہ حرکت دونوں ہونٹ میں اور زبان میں بھی اندر ہی اندر بولنے کی جگہ پایا گیا غرض دونوں ہونٹ ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے اور زبان میں اندر ہی اندر حرکت ہوئی اور دونوں ہونٹ میں بھی حرکت ہوئی بند ہونے کی حالت میں جس قدر حرکت ہو سکے اور ایسے طور پر اپنی زوجہ کو طلاق دی یہ طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ امید ہے کہ جواب سے ممنون فرماویں؟ الحاصل یہ طلاق دینا تلفظ کے ساتھ نہ ہوا اور دل ہی دل میں بھی نہیں بلکہ جیسا کہ تفصیلاً عرض کیا گیا زبان میں اور دونوں ہونٹ بند ہونے کی حالت میں جس قدر حرکت ہو سکے حرکت پائی گئی مگر تلفظ قطعاً نہیں جب تلفظ نہیں تو دل ہی دل میں شمار کیا جائے یا نہیں؟

الجواب: صورت مسئولہ میں طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ وقوع طلاق کے لئے تلفظ شرط ہے اور منہ بند کر کے جو زبان کو حرکت دی گئی ہے وہ تلفظ نہیں ہے لان التلفظ

اختلفوا في حد النطق والتلفظ على ثلثة اقوال فبعضهم قالوا هو تخريج صوت يصل الى اذنه اي ولو حكما كما كان هناك مانع من صمم او جلبة اصوات او نحو ذلك قاله الشامي، وبعضهم قالوا هو تخريج الصوت من الفم وان لم يصل الى اذنه لكن بشرط كونه مسموعا في الجملة حتى لو ادنى صماخه الى فيه يسمع والقول الثالث انه يكفي تصحيح الحروف كما هو المذكور في البحر ورد المحتار وفتح القدير وغيرها من كتب الفقه ولا يخفى ان الصورة المسئولة لا يصدق عليه حد التلفظ على احد من الاقوال الثلثة اما على الاول والثاني فظاهر لا يحتاج الى البيان واما على الثالث فنقول ان المراد بكفاية تصحيح الحروف ان مجرد تخريج الصوت اي الهواء المتموج من الفم يكفي وان لم يكن مسموعا قط وليس مرادهم ان مجرد تحريك اللسان ووضعه على المخارج يكفي بدون الصوت لان الصوت ماخوذ في حد الحرف كما قال صاحب كشاف الاصطلاحات عرفه القراء بانه صوت معتمد على مقطع محقق او مقدر وعرفه ابن سينا بانه كيفية للصوت بها يمتاز الصوت عن صوت آخر (ص ۳۱۹) والصوت كيفية تحدث في الهواء من تموجه بسبب قرع او قلع مع المقاومة كما في حاشية المبيذي عن العلمي. فثبت ان تصحيح الحروف لا يتاتى بدون التموج في الهواء و لا يخفى ان التموج لا يحدث بغير انفتاح الشفتين والله اعلم.

فائدة: القول الاول اصح وارجح لاعتماد اكثر علمائنا عليه كما نقله الشامي عن فتاوى الخيرية واختاره صاحب التنوير في القراءة وقال بعد يجري ذلك في كل ما يتعلق بنطق كتسمية على ذبيحة ووجوب سجدة تلاوة وعتاق وطلاق وقال صاحب الدر متفرعا عليه فلو طلق او استثنى ولم يسمع نفسه لم يصح في الاصح ولكن القول الثالث ايضا مصحح كما في الشامي عن الخيرية ايضا فينبغي الاخذ بالاحوط اي يعمل بالاول في القراءة والتسمية و الاستثناء وبالثالث في السجدة والعتاق والطلاق وهذا آخر ما اردنا ايراده في هذا المقام بتوفيق الملك العزيز العلام، كتبه محمد عبد الكريم عفي عنه ۵ ذيقعده ۱۳۵۱ھ

حکم طلاق مدہوش وغیرہ

سوال : چہ میفرمایند علمائے شریعت غرا و فضلائے ملت بیضاء درین کہ شخصے مسمی بطفیل علی چہار پنج سال میگذرد کہ بمرضے شدید تا مدت مدید مبتلا گشتہ بود کہ اندرون دہان او دُنبل ہائل و جراحت عظیم پیدا شدہ تکالیف شاقہ و آلام و اوجاع متنوعہ از ان کشیدہ بود و دو سہ بار طبیب نشتر زدہ آنرا شگافتہ انواع مواد فاسدہ از ریم و زرد آب و خون فاسد از ان بر آوردہ بود بالجملہ قریب بمرگ رسیدہ بود و بر بستر موت خفتہ اما بسبب بقائے مدت حیات بحکم این مقولہ صادقہ بیت ؎

اگر در حیاتت بماندہ است دیر ٭ نہ مارت گزید نہ شمشیر و شیر

آہستہ آہستہ ازین مرض ہائل سبکدوش گردید اما اثرش تاہنوز باقی ست کہ اگر خلاف مرضی چیزے از کسی از زن و فرزند و مادر و برادرش سرزد شود چنین در طیش آید کہ چشمش خیرہ و دماغش متغیر و عقلش مختل گردد و اقوال و افعال بدون از حد اعتدال و خارج از جادہ استقامت از وے سرزد شود بچون مدہوشان و مجنونان اما بحد محض نشود و ادراک و علم و ارادہ بالکلیہ زوال نپذیر گردد یا نہ ، پس درچنیں حالت اختلال عقل زن خود را طلاق داد آیا شرعاً زنش مطلقہ ثلاث شدہ است یا نہ و کسیکہ حالش دو سہ بار چنیں شدہ بر دعوی تطلیق در انچنان حالت نماید شرعاً قولش معتبر شود یا نہ ؟ بینوا توجروا .

جواب آمدہ از بنگال بغرض تصدیق

درصورت سوال آن شرعاً مطلقہ نشدہ است فی رد المحتار کما الغوا اقوال المعتوہ مع انہ لا یلزم فیہ ان یصل الی حالۃ لا یعلم فیہا ما یقول ولا یریدہ وایضاً فیہ والذی یظہر لی ان کلا من المدہوش والغضبان لا یلزم فیہ ان یکون بحیث لا یعلم ما یقول بل یکتفی فیہ بغلبۃ الہذیان واختلاط الجد بالہزل کما ہو المفتی بہ فی السکران . وایضاً فیہ فان بعض المجانین یعرف ما یقول ویریدہ ویذکر ما یشہد الجاہل بہ بانہ عاقل ثم یظہر منہ فی مجلسہ ما ینافیہ فاذا کان المجنون حقیقۃ قد یعرف ما یقول ویقصدہ فغیرہ بالاولی فالذی ینبغی التعویل علیہ فی المدہوش ونحوہ اناطۃ الحکم بغلبۃ الخلل فی اقوالہ وافعالہ الخارجۃ عن عادتہ وکذا یقال فیمن اختل

عقله لكبر أو مرض أو لمصيبة فاجأته فما دام في حال غلبة الخلل في الأقوال والأفعال لا تعتبر أقواله وإن كان يعلمها ويريدها لأن هذه المعرفة والإرادة غير معتبرة لعدم حصولها عن إدراك صحيح كما لا تعتبر من الصبي العاقل انتهى۔ ازیں عبارت بخوبی معلوم گردید کہ زن [illegible] مطلقہ نشدہ است اگرچہ زوجش در حالت اختلال عقل مبہوت شدہ و بقصد لفظ طلاق دادہ باشد بسبب عدم صحت ادراک دعوی تعلیق و [illegible] حانث [illegible] معتبر و مقبول گردد في رد المحتار وإذا كان يعتاده بأن عرف منه الدهش مرة يصدق بلا برهان، في الهندية نقلا عن المحيط إذا قال طلقت أو أعتقت وأنا مجنون والجنون منه كان معهودا وفي حاشية الهداية قوله كما إذا قال الخ فنقول قوله حتى لا يقع الطلاق والعتاق لإضافته إلى حالة منافية للإيقاع انتهى فقط والله أعلم بالصواب۔

المجیب ابو الفیض [illegible] عفی عنہ مدرس [illegible] مدرسہ معین الاسلام [illegible]

المجیب مصیب	فقد اصاب المجیب	اصاب فیما اجاب
عبدالوہاب عفی عنہ	یعقوب عفا اللہ عنہ	خلیل الرحمن عفی عنہ

جواب از [illegible]

یہ تو صحیح ہے کہ مدہوش کی طلاق واقع نہیں ہوتی لیکن اولاً اس کی تحقیق ضروری ہے کہ وہ مدہوش ہے یا نہیں۔ یعنی جو حالت سوال میں لکھی ہے اگر اس کو کم از کم دو ثقہ اور سمجھ رکھنے والے آدمیوں نے معائنہ کر کے تجویز کیا ہو کہ شخص مدہوش مطلق یا مجنون ہے تب مدہوش ہونا ثابت ہوگا اور اگر یہ حالت اس وقت ہوا ہو جس وقت کہ اس نے طلاق دی ہے تب تو یہ دو گواہ کسی حاکم یا حکم کے سامنے گواہی دیں پس اس پر عدم وقوع کا حکم ہو جائے گا اور اگر طلاق کے واقعہ سے قبل یہ حالت ہوا ہو تو [illegible] گواہی لینے کے بعد اس سے قسم بھی لی جائے کہ اس وقت اس کا ہوش ٹھکانے نہ تھا تب عدم وقوع کا حکم دیا جائے بدون ثبوت و بینہ کے عدم وقوع کا فتویٰ دینا درست نہیں فتوی میں ضروری قیود کا ذکر کرنا لازم ہے ورنہ جاہل لوگ فتوی دیکھ کر اپنا مطلب نکال لیتے ہیں قیود و شرط

کی صورت اصلاً اتفاق نہیں کرتے۔ فقط والسلام

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ۔ ۱۳ محرم الحرام سنہ ۱۳۴۸ھ۔

فصل فی الطلاق الصریح

طلاق صریح میں نیت کا کوئی اعتبار نہیں

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے بیوی کو دو مرتبہ دو شخصوں کے روبرو دو طلاقیں صریح دی ہیں کہ یہ لفظ تھے کہ "میں نے تجھے طلاق دی، میں نے تجھے طلاق دی" اور دونوں مرتبہ یہ کہا کہ "تو میری ماں ہے" اور یہ الفاظ اس نے عالم غصہ میں کہے جو کہ یہ کہتا ہے کہ اس کو میری نیت چھوڑ کرنے کی نہ تھی اب اس کے واسطے نکاح جدید کی بغیر حلالہ ہو سکتی ہے یا نہیں بلا نکاح ثانی کے؟

الجواب: اگر زید نے اپنی بیوی کے متعلق یہ لفظ کہے کہ "میں نے تجھے طلاق دی" تو اس کی بیوی پر طلاق واقع ہو گئی خواہ اس کی نیت طلاق کی ہو یا نہ ہو۔ اب اگر یہ لفظ دو بار کہے تو دو طلاقیں رجعی پڑ گئیں جن سے عدت کے اندر نکاح نہیں ٹوٹا نہ حرمت ثابت ہوئی عدت کے اندر اگر وہ اس کے پاس چلا جائے یا شہوت سے اس کو چھوئے یا زبان سے یہ کہہ دے کہ میں نے رجعت کر لی تو بدستور نکاح قائم رہے گا اور اگر عدت گذر گئی تو نکاح جدید ضروری ہوگی اور اگر خدانخواستہ طلاق کا لفظ تین بار زبان سے نکل گیا ہو تو پھر یہ حکم نہیں ہے اگر ایسا ہوا ہو تو دوبارہ سوال کریں تین بار طلاق کا لفظ کہنے سے بدون حلالہ کے کسی طرح نکاح نہیں ہو سکتا۔ باقی زید کا یہ کہنا کہ "تو میری ماں ہے" اس سے کچھ نہیں ہوا البتہ بیوی کو یہ لفظ کہنا مکروہ اور بری بات ہے اور اگر یہ کہا ہو کہ "تو میری ماں جیسی ہے" تو اس کا دوسرا حکم ہے اگر ایسا ہو تو دوبارہ سوال کیا جائے۔ قال فی الدر: وان قال تعمدت تخویفہا لم یصدق قضاء اھ وفیہ ایضا ویقع بہا ای بالالفاظ الصریح واحدۃ رجعیۃ وان نوی خلافہا او لم ینو شیئا اھ ص۶۲۵ و ص۶۲۶ ج ۲۔ وفیہ ایضا ونیۃ حکمہ لفظ انت علی مثل امی وکامی ما نصہ والا ینو شیئا او حذف الکاف لغا۔ ویکرہ قولہ انت امی ویا ابنتی ویا اختی ونحوہ اھ ص۶۴۹ و ص۶۵۰ ج ۲ واللہ اعلم۔ ظفر احمد ۲۲ ذی الحجہ سنہ ۱۳۴۳ھ

لفظ "چھوڑ دی" سے طلاق صریح واقع ہو جائے گی خواہ نیت کرے یا نہ

سوال: ایک شخص بیٹھا تھا دوسرا آدمی جو آیا اس نے کہا کہ بیوی چھوڑ دی بیٹھے ہوئے شخص نے جواب دیا کہ چھوڑ دی اور کچھ نہیں کہا نہ کسی قسم کا دل میں خیال تھا تو بیٹھے ہوئے شخص کے لئے کیا حکم ہے اور اس کے نکاح میں کوئی فرق تو نہیں آیا۔ یہ بیٹھا ہوا شخص اس بات کے کہنے سے جو لوگ معلوم کی دو ڈھائی مہینے یا اس سے زائد تین یا چار مہینے بعد اپنی بیوی سے تنہائی ایک مکان میں ہوئی جس میں سوائے شوہر اور بیوی کے کوئی نہیں تھا مگر ہم بستری نہیں ہوئی بوجہ بیوی کی بیماری کے تو اس بیٹھے ہوئے شخص کے لئے کیا حکم ہے نکاح اس کا جائز رہا یا نہیں؟ مدت جو اوپر لکھی دو ڈھائی مہینے یا تین چار مہینے ٹھیک یاد نہیں مگر دو مہینہ سے کم نہیں اور چار سے زائد نہیں۔

الجواب: شامی میں چھوڑ دینے کا ترجمہ سرحت کا لکھا ہے اور سرحت کا لفظ کنایات میں سے ہے اور احتمال رد اور شتم کا نہیں رکھتا اس واسطے طلاق کا واقع ہونا نیت پر موقوف ہے اور جبکہ طلاق دینے کی نیت نہیں تھی تو طلاق نہیں ہوئی۔ تنویر الابصار میں ہے وفی حالۃ الرضی تتوقف الاقسام علی النیۃ فقط واللہ اعلم۔

کتبہ الاحقر انعان احمد عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح

عزیز الرحمن عفی عنہ مفتی مدرسہ دیوبند ۱۶ جمادی الثانیہ سنہ ۴۱ھ

الجواب غیر صحیح عندنا قال فی العالمگیریۃ ولو قال الرجل لامرأتہ ترا چنگ باز داشتم او بہشتم او یلہ کردم او پے کشادہ کردم ترا فہذا کلہ تفسیر قولہ طلقتک عرفا حتی یکون رجعیا ویقع بدون النیۃ کذا فی الخلاصۃ وکان الشیخ الامام ظہیر الدین المرغینانی یفتی فی قولہ بہشتم بالوقوع بلا نیۃ ویکون الواقع رجعیا الخ ص ۳۷۴ ج ۲۔ اور ظاہر ہے کہ لفظ چھوڑ دی ہماری زبان میں بہشتم کا ترجمہ ہے اور معنی طلاق میں صریح ہے لہذا صورت مسئولہ میں قائل کی بیوی پر طلاق رجعی واقع ہو گئی خواہ نیت ہو یا نہ ہو اگر عدت کے اندر اس نے اپنی بیوی سے قولاً رجوع کر لیا یا اس کو شہوت سے چھو لیا تب تو نکاح باقی رہا ورنہ عدت گذرنے پر نکاح ٹوٹ گیا دوبارہ نکاح کر سکتا ہے واللہ اعلم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ بامر سیدی حکیم الامت ۱۰ رجب سنہ ۴۳ھ

"جا تجھے ایک طلاق دیا میں" اس کو شوہر نے کئی بار کہا تو کیا حکم ہے

سوال: ماقولکم رحمکم اللہ تعالیٰ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بی بی سے کہا جا تجھے ایک طلاق دیا میں۔ جا تجھے ایک طلاق دیا میں۔ جا تجھے ایک طلاق دیا میں۔ مگر بیوی تینوں دفعہ جانے سے انکار کرتی ہے اور کہتی تھی مجھے [illegible] کرکے دو تب جاؤں گی اور شوہر ہر مرتبہ جا تجھے ایک طلاق دیا میں کہتا رہا اب زید قسمیہ سے بتاتا ہے کہ مجھ کو صرف ایک طلاق دینے کی نیت تھی اور باقی دو دفعہ صرف زوجہ کے جواب میں اعادہ کیا تھا اور زید قرآن مجید سر پر قسم کھا کر کہتا ہے مجھ کو صرف ایک طلاق کی نیت تھی اب زید کے زوجہ پر آیا ایک ہی طلاق ہوگی یا دو طلاق یا تین طلاق؟

الجواب: قال فی العالمگیریة رجل قال لامرأته انت طالق انت طالق انت طالق فقال عنیت بالاولی الاولی وبالثانیة والثالثة افهامها صدق دیانة وفی القضاء طلقت ثلاثا کذا فی فتاویٰ قاضی خان متی کرر لفظ الطلاق بحرف الواو او بغیر حرف الواو یتعدد الطلاق وان عنی بالثانی الاولی لم یصدق فی القضاء کقوله یا مطلقة انت طالق ولو ذکر الثانی بحرف التفسیر وهو حرف الفاء لا یقع الاخری الا بالنیة کقوله طلقتک فانت طالق کذا فی الظهیریة ولو طلقها ثم قال لها طلاق دادمت یقع اخری ولو قال طلاق داده است لا یقع اخری اھ ص ۵۰ ج ۲۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں اگر عورت مدخولہ ہے تو تینوں طلاق واقع ہوگئی ہیں۔ والمرأة کالقاضی لہٰذا عورت کو یہی سمجھنا واجب ہے کہ مجھ کو تین طلاق ملی ہیں گو دیانۃً شوہر کی نیت اگر تاکید وافہام کی تھی تو اس کے حق میں طلاق ایک ہی ہوئی مگر عورت کو ایک سمجھنا جائز نہیں وہ اپنے کو مطلقہ ثلث ہی سمجھے اور شوہر کو اپنے اوپر قابو نہ دے بلکہ اس سے الگ ہو جائے اور بدون تحلیل کے اس کو اپنے سے حلال نہ سمجھے۔ واللہ اعلم۔

۲ر شوال ۳۱ھ

شوہر نے دو مرتبہ کہا "میں نے تجھ کو آزاد کردیا تو میری بہن ہے"

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین۔ ایک شخص زید نے غصہ ولڑائی میں اپنی زوجہ کو دو دفعہ یہ کہہ دیا کہ میں نے تجھ کو آزاد کردیا تو میری بہن ہے۔ بعد دور ہونے غصہ کے ہوش وحواس درست ہونے پر

بہت پچتایا۔ اب ایسی طلاق جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: قال في العالمگیریة وكان الشيخ الامام ظهير الدين المرغيناني يفتي في قوله بهشتم بالوقوع بلا نية ويكون الواقع رجعيا ويفتي فيما سواها باشتراط النية ويكون الواقع بائنا كذا في الذخيرة اھ (ص ۲۷۲ ج ۲) وفيه ايضا (ص ۵۲ ج ۲) واما حكمه فوقوع الفرقة بانقضاء العدة في الرجعي وبدونه في البائن كذا في فتح القدير وزوال حل المناكحة متى تم ثلثا كذا في محيط السرخسي اھ وفي الدر وان نوى بانت علي مثل امي او كامي برا او ظهارا او طلاقا صحت نيته ووقع مانواه لانه كناية والا ينو شيئا او حذف الكاف بان قال انت امي لغا ويكره قوله انت امي ويا ابنتي ويا اختي اھ قال الشامي وفيه حديث رواه ابوداود ان رسول الله صلى الله عليه وسلم سمع رجلا يقول لامرأته يا اخية فكره ذلك ونهى عنه فلم يبين فيه حكما سوى الكراهة والنهي اھ (ص ۹۵۰ ج ۲) قلت ولفظ آزاد کردن من الصريح عندي في عرف اهل الهند لا يطلقونه على النساء الا في معنى الطلاق۔

صورت مسئولہ میں زید کی بیوی پر دو طلاق رجعی پڑ گئیں جن سے نکاح نہیں ٹوٹا پہلا نکاح بدستور باقی ہے تجدید نکاح کی ضرورت نہیں، لیکن نئے سرے سے احتیاطاً نکاح پڑھا لیا جائے تو اچھا ہے گو ضرورت نہیں قلت ووجه الشبهة في كون اللفظ صريحة او كناية فان بعض الناس يعدونه كالاعتاق في العربية وهو كناية ۱۲ اب تک تو نکاح نہیں ٹوٹا لیکن اس کے بعد اگر کسی وقت خدانخواستہ زید کی زبان سے ایک دفعہ طلاق کا لفظ اور نکل گیا تو پھر اس کی بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاوے گی نکاح سے بھی حلال نہ ہو سکے گی بلکہ اس وقت حلالہ کرنا پڑے گا اول دوسرے مرد سے نکاح کرے پھر وہ طلاق دیدے یا مر جائے تو زید اس کے بعد نکاح کر سکے گا لہٰذا اب زید کو اپنی زبان ہمیشہ سنبھالنی چاہئے اور طلاق کو کھیل نہ بنانا چاہئے کہ سخت گناہ ہے واللہ اعلم ۱۶ رمضان ۴۳ھ

"جا تجھ کو چھوڑ دیا" استقبال کی نیت کے ساتھ کہنے کا حکم

(سوال) زید اور زوجہ زید مسماۃ ہندہ میں کچھ معاشرت کے متعلق گفتگو ہوئی ہندہ مذکورہ سے زید نے کہا کہ اب تو میں تجھ کو چھوڑ ہی دیا ہوا اب پھر کیا شکایت تیرے والدین سے کروں؟ زید عبارت مذکورہ

کی توجیہ یوں بیان کرتا ہے کہ میرا مقصود طلاق دینا تھا اور نہ میں نے طلاق ماضیہ کی خبر دی بلکہ مقصود صرف تہدید تھی چونکہ میرا خیال تھا کہ اس سے قطع تعلق کر دینا چاہئے اور بنا علیہ اس جملہ کا صدور ہوا کہ تو طلاق ہونے والی ہے زمانہ استقبال میں اس کو تعبیر کیا لفظ ماضی کے ساتھ نہ باعتبار ماکان کے بلکہ باعتبار مایکون ۔ آیا زید کی یہ نیت شرعاً معتبر ہوگی یا نہیں اگر معتبر نہیں تو طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں ؟

الجواب : زید کا یہ لفظ "اب تو میں نے تجھ کو چھوڑ ہی دیا ہے" اردو میں طلاق کے لئے صریح ہے جس سے بدون نیت کے وقوع طلاق کا ہو جاتا ہے اور عبارت سوال بتلا رہی ہے کہ زید نے بھی معنیٰ طلاق کا قصد کیا تھا مگر اس نے ماضی و حال کے اعتبار سے قصد نہیں کیا بلکہ آئندہ کے لحاظ سے قصد کیا ہے مگر یہ نیت لغو ہے کیونکہ صیغہ تطلیق فی الحال میں صریح ہے اس سے تعلیق مستقبل کی نیت صحیح نہیں ہو سکتی پس صیغہ مذکورہ سے طلاق کا وقوع ہو گیا ، واللہ اعلم ۔

۱۵؍ ذی الحجہ سنہ [illegible]ھ

مجھے القط کیا ، آزاد کیا کے الفاظ سے وقوع طلاق کا حکم

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ میں نے اپنی لڑکی کی شادی اپنے سگے بھانجے کے ساتھ جو عرصہ ۳ سال کا ہوا کر دی تھی اس سال جو طاعون پھیلا تو میرے بھانجے کے ۲ بھائی مر گئے اور دو تین لڑکیاں اور لڑکے بھی مر گئے ان کی وجہ سے میری لڑکی کو ہر وقت یہ کہا گیا کہ تو نے میرے بھائیوں کو کھا لیا تو سخت منحوس اور کمبخت ہے جا نکل جا اپنا منہ کالا کر جا میں نے تجھے ساری عمر کو القط دا آزاد کیا" کچھ روز کے بعد لڑکی کی والدہ لڑکی کو لینے گئیں تھیں تو کہا کہ تم اس کو ساری عمر کو اور سب دن کو لے جاؤ یہ کہہ کر لڑکی کی والدہ لڑکی کو نہیں لائیں پھر دوسرے دن لڑکی کو میں خود لینے گیا جب پر لڑکی کو یہ کہا کہ میں نے ساری عمر کو القط کر دی آزاد کر دی میں اپنے مکان پر لڑکی کو لے آیا پھر چار پانچ دن کے بعد لینے کو آ گیا تو میں نے اپنے داماد سے یہ کہا کہ جب تو نے ساری عمر کو القط کر دیا ہے ۔ و آزاد کر دیا ہے تو طلاق دیدے اس کے جواب میں کہا میں طلاق تو نہیں دینے کا ساری عمر یونہی رکھوں گا لڑکی کے والدین سے لڑکی کو لیجانے کو کہا پھر لڑکی کے والدین نے کہا کہ ہم دو ماہ کے بعد بھیجیں گے اس پر سخت ناراض ہو کر کہا کہ تم ساری عمر کو رکھو میں نے القط کیا ساری عمر کو آزاد کیا اور سخت سے سخت الفاظ کہہ کر چلا گیا اور اب پھر بارہ چودہ روز کے بعد لینے کو آ گیا ۔ اس حالت کے چند لوگ گواہ

بھی ہیں اس معاملہ میں حکم شرع کیا ہے۔ لڑکی کو بھیجدی جائے یا طلاق ہو گئی یا پھر دوبارہ نکاح کیا جائے کیا کرنا چاہیئے، اور یہ بھی کہتا تھا کہ میں بھی بڑا ہٹیلا ہوں اب بیٹے کو نہیں آنے کا۔ دو تم اس کو اور دوسرا کرا دینا۔ ایک لڑکا بھی ان سے پیدا ہوا ہے اور اس حال کا خود اقراری ہے کہ میں نے یہ لفظ کہے ہیں۔ فقط

تنقیح:- یہ بتلایا جائے کہ شوہر نے یہ الفاظ۔ جا نکل جا۔ منہ کالا کر جا میں نے تجھے ساری عمر کو انقطا کیا، آزاد کیا۔ ایک ساتھ ایک ہی مجلس میں کہے۔ یا الگ الگ کئی مجلسوں میں کہے کہ ایک دفعہ جا نکل جا کہدیا۔ پھر دوسری مجلس میں یا اسی مجلس میں اور کام کر کے یا ادھر ادھر کی باتیں کر کے پھر منہ کالا کر جا کہدیا پھر کسی مجلس میں تجھے انقطا کر دیا کہدیا پھر کسی مجلس میں آزاد کر دیا کہدیا یا ایسے نہیں ہوا بلکہ ایک ہی مجلس میں ساتھ ساتھ یہ سب الفاظ کہے نیز یہ بھی بتلایا جائے کہ شوہر کے ان الفاظ کہنے کے بعد لڑکی کو ایام ماہواری کتنی دفعہ ہو چکے ہیں؟ فقط۔ ۲۷ / محرم الحرام سنہ ۳۲ھ

جواب تنقیح:- پہلے گھر میں مستورات کے سامنے جا نکل جا، کالا منہ کر جا، دفعہ ہو جا ایک مرتبہ ایک جلسہ میں کہا اور اس بات کو چار مہینہ ہو گئے اور جب میں لینے کو گیا تھا تو ساری عمر کو انقطا کیا ساری عمر کو آزاد کیا دوسرے جلسہ میں کہا ہوئے دو ماہ ہو گئے اور پھر ان سب باتوں کو اقرار کیا ایک مجمع عام میں سوا مہینہ کی بات ہے، اور پھر تیسری مجلس میں یہ کہا کہ میں ساری عمر کو چھوڑ چلا کوئی سوا مہینہ کی بات ہے تو مجھ سے یہ کہا کہ میں تمہاری لڑکی کو ساری عمر کو بیٹے کو نہیں آؤں گا دوسرا کرا دینا یونہی تباہی رکھوں گا کوئی سوا مہینہ کی بات ہے۔ ایام ماہواری کا حساب حضور کو خود ظاہر ہو جائے گا پھر ایک موقع مذکورہ بالا میں یہ لفظ کئی کئی مرتبہ ادھر ادھر کی باتوں کر کے پھر بھی کہا ہے اور زبان سے ایک ساتھ دو ایک دفعہ ہمراہ ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگا۔ اور علیحدہ علیحدہ مجلس میں ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد بھی کہا ہے اور میں سنت جماعت ہوں میرے گھر لڑکی کو آئے ہوئے دو ماہ ہو گئے ہیں اور چار ماہ سے یہ جھگڑے شروع ہو گئے تھے۔

الجواب عن السوال: صورت مسئولہ میں مسماۃ پر دو طلاق بائن تو ضرور پڑ گئی ہیں شوہر کے اس لفظ سے کہ تجھے قطع کیا آزاد کیا، اور اگر اس لفظ کو شوہر نے ایک دفعہ سے زائد کہا تو تین طلاق پڑ گئی ہیں یہ الفاظ تو صریح ہیں ان میں نیت طلاق کی ضرورت نہیں۔

اور اگر شوہر نے جا نکل جا، منہ کالا کر جا، دفع ہو جا بھی طلاق کی نیت سے کہے ہیں تب یہ الفاظ پہلے الفاظ سے مل کر تین طلاق کو مفید ہیں بہرحال یہ لڑکی بعد عدت تمام ہونے کے جو کہ وقت طلاق سے تین حیض ہونے چاہئیں، دوسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہے بشرطیکہ طلاق رجعی کی صورت میں شوہر نے رجوع عدت کے اندر نہ کیا ہو اور تین طلاق کی صورت میں تو رجوع لغو ہے۔ واللہ اعلم

لفظ چھوڑ دی صریح طلاق ہے

(سوال) زید بیٹھا ہے عمر نے کہا کہ بیوی چھوڑ دی زید نے جواب دیا چھوڑ دی اور کچھ نہیں کہا اس الفاظ کے کہنے کے بعد جو اوپر لکھے ہیں زید اپنی بیوی سے چھ مہینہ تک بالکل نہیں ملا نہ بات چیت کی نہ صورت دیکھی تو اس کے لئے کیا حکم ہے صاف تشریح کے ساتھ لکھئے؟

الجواب: فی الشامی (ص ۵۰، ج ۲) ولا یلزم کون الاضافۃ صریحۃ فی کلامہ لما فی البحر ولو قال طالق فقیل لہ من عنیت فقال امرأتی طلقت امرأتہ ایضاً ویعد اسطر ویؤیدہ ما فی البحر لو قال امرأۃ طالق او قال طلقت امرأۃ ثلثا وقال لم اعن امرأتی یصدق اھ ویفہم منہ انہ لو لم یقل ذلک تطلق امرأتہ لان العادۃ ان من لہ امرأۃ انما یحلف بطلاقہا لا بطلاق غیرہا فقولہ انی حلفت بالطلاق ینصرف الیہا ما لم یرد غیرہا لانہ یحتملہ کلامہ۔

پس اس کی عورت پر ایک طلاق رجعی واقع ہو گئی اگر اب تک عدت ختم نہیں ہوئی ہو تو رجوع کر سکتا ہے، اور عدت ختم ہو چکی تو نکاح ہو سکتا ہے، اور اگر وہ شخص کہتا ہو کہ میں نے اپنی عورت کے متعلق نہیں کہا تو اس سے نیت کا مستقل حال دریافت کر کے لکھا جاوے کہ پھر اس غریب عہ کونسی بیوی مراد لی ہے فقط۔

احقر عبد الکریم عفی عنہ۔ یکم شعبان سنہ ۴۳ھ۔

الجواب صحیح۔

ظفر احمد عفا عنہ، یکم شعبان سنہ ۴۳ھ۔

عہ اور عدت اگر معلوم نہ ہو تو یہاں سے پوچھ لو۔

دو طلاق صریح دینے کے بعد شوہر نے کہا فضل کی لڑکی کو طلاق بائن دیا تو قول ثانی اول کا بیان سمجھا جائیگا یا تین طلاق ہو کر حرمت مغلظہ ہوگی

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی بی بی کے ساتھ جھگڑا کرکے کہا ایک طلاق دو طلاق فضل کی لڑکی کو طلاق بائن دیا۔ اب اس کی بی بی پر کتنی طلاق واقع ہوں گی؟ بینوا توجروا۔

الجواب! صورت مذکورہ میں اس کی بی بی پر دو طلاق بائن واقع ہوں گی کیونکہ مطلق کا قول اخیر بیان ہوا اول قول کا یعنی پہلی دو طلاق۔ طلاق بائن ہیں کما فی الہدایۃ فی الجلد الثانی فی صفحۃ ۳۳۹ فاذا وصف الطلاق بضرب من الزیادۃ والشدۃ کان بائنا مثل ان یقول انت طالق بائن او البتۃ فیکون ھذا الوصف لتعیین احد المحتملین اعنی الرجعی والبائن۔ پس معلوم ہوا صورت مذکورہ میں اس کی بی بی پر دو طلاق بائن واقع ہوں گی فقط واللہ اعلم۔ کتبہ: احقر محمود اللہ عفی عنہ

الکلام علی الجواب المذکور

یہ جواب غلط ہوا اور صورت مسئولہ میں شخص مذکورہ کی بیوی پر تین طلاق واقع ہو گئیں اور عبارت ہدایہ کا مطلب صرف اتنا ہے کہ جب طلاق کے ساتھ کوئی وصف مفید معنی زیادت وشدت ملحق ہوگا تو طلاق بائن ہو جائیگی اس کا مقتضا یہ ہے کہ شخص مذکور نے جو تیسری بار کہا فضل کی لڑکی کو طلاق بائن دیا تو وصف بائن سے یہ طلاق بائن ہو گئی۔ رہا یہ کہ اس وصف کے بڑھانے سے لفظ طلاق بائن دیا موجب وقوع نہ ہوگا۔ بلکہ پہلے کلام کا بیان ہوگا عبارت ہدایہ اس پر دال نہیں۔ والدلیل علی وقوع الثالث بقولہ طلاق بائن دیا مافی رد المحتار تحت قول الدر لا یلحق البائن البائن اذا امکن جعلہ اخبارا عن الاول کانت بائن ابنتک بتطلیقۃ فلا یقع لانہ اخبار فلا ضرورۃ فی جعلہ انشاء اھ ما نصہ اشار بہ الی انہ لا یشترط اتحاد اللفظین فشمل ما اذا کان الاول بلفظ الکنایۃ البائنۃ او الخلع او الطلاق الصریح اذا کان علی مال او موصوفا بما ینبئ عن البینونۃ کما علمہ۔ وما قدمناہ بعد کون الثانی بلفظ الکنایۃ البائنۃ کالخلع ونحوہ ومما یتوقف علی النیۃ ولو باعتبار الاصل کانت حرام بخلاف الکنایات الرجعیۃ فانہا فی حکم الصریح فتلحق

البائن کما مر اھ (ج ۲ ص ۴۴۷) تحت قول الدر والبائن یلحق الصریح الخ ما نصہ یدخل فیہ الطلاق الرجعی والطلاق علی مال ولکن اما مر من الفاظ الصریح الواقع بہا البائن مثل انت طالق بائن او البتۃ او افحش الطلاق الخ فہذہ کلہا صریح لا یتوقف علی النیۃ ویقع بہ البائن ویلحق الصریح والبائن اھ

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ طلاق متاخر کو متقدم کا بیان اس وقت قرار دیا جاتا ہے جبکہ اول سے طلاق بائن واقع ہوئی ہو۔ اور ثانی کنایہ متوقف علی النیۃ ہو۔ اور اگر اول سے طلاق رجعی واقع ہوئی ہو اور ثانی کنایہ موقوف علی النیۃ نہ ہو تو ثانی کو بیان نہیں قرار دیا جائے گا بلکہ وہ اول کے ساتھ ملحق ہو کر سہ طلاق کو بڑھا دے گا۔ اور صورت مسئولہ میں لفظ اول و دوم صریح ہے اور لفظ سوم کنایہ موقوف علی النیۃ نہیں بلکہ وہ بھی صریح ہے گو اس سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے اس لئے ثالث اولین سے ملحق ہوگا اور زوجہ پر تین طلاق واقع ہوں گی۔ یہ جواب اس وقت ہے جبکہ متکلم نے لفظ سوم کو اول کا بیان قرار دینے کی نیت نہ کی ہو۔ اور اگر اس نے بیان کی نیت کی ہو تو دیانۃً اس کا قول قبول کیا جائے گا نہ قضاءً اور چونکہ عورت طلاق کے بارہ میں مثل قاضی کے ہے اور اس نے یہ الفاظ خود سنے ہیں جیسا کہ سوال سے مفہوم ہو رہا ہے اس لئے عورت شوہر کی اس نیت کو قبول نہیں کر سکتی اس پر بھی لازم ہے کہ اپنے کو مطلقۃ الثلث سمجھے اور اس شوہر سے بالکل علیحدگی اختیار کرے اور بعد عدت کے بدون تحلیل کے اس سے نکاح نہ کرے۔ واللہ اعلم

۱۳ر صفر سنہ ۳۲ھ

حکم طلاق بلفظ بہشتم اورا

(سوال) کتب رجل الی سلفہ وھو یشکو نشوز امرأتہ ~~[illegible]~~ ترجمتہ بالفارسیۃ "بہشتم اورا" المعنی طلقتہا بالعربیۃ ثم قال وفرق بینی وبینہا معاشرۃ بین یدا ثمہا بالرفاء والہناء لکیلا یحل لی الحمد وکفی بہ حوبا کبیرا ولا تبال بانہا سلفۃ لک فانک خلیل وشتان ما بینک فہل یقع الطلاق ام لا بینوا توجروا۔

الجواب: یقع الطلاق لان قولہ لامرأتہ "بہشتم" صریح فی الطلاق فیقع الواحدۃ الرجعیۃ نوی الطلاق او لم ینو شیئا [illegible] شمس الائمۃ السرخسی

بعد ما ذكر الاختلاف بين الائمة في انه صريح او كناية لكنا نقول نحن اعرف بلغتنا منهم والواقع بهذا اللفظ عندنا تطليقة رجعية سواء نوى الطلاق او لم ينو ونوى الثلاث او لم ينو لان هذا اللفظ في لساننا صريح بمنزلة الطلاق في لسان العرب ثم ان البيان بالكتاب بمنزلة البيان باللسان ولا سيما اذا كانت الكتابة مرسومة وقال الشمس المذكور بعد ذكر نوعي الكتابة والثالث ان يكتب على رسم الرسالة طلاق امرأته او عتاق عبده فيقع الطلاق والعتاق بهذا في القضاء وان قال عنيت به تجربة الخط لا يدين في القضاء لانه خلاف الظاهر وهو كما لو قال انت طالق ثم قال عنيت به الطلاق من وثاق . اقول وههنا مع ذلك من قرائن تدل على ان الكاتب نوى الطلاق لا غير كما لا يخفى على من امعن نظره في عبارة الكتاب وايضا يقع الطلاق بمجرد الكتابة حيث قال الامام المذكور ثم يبعث الى المكتوب فان كتب "امرأته طالق" فهي طالق سواء بعث الكتاب اليها او لم يبعث هذا والله عنده ام الكتاب واليه المرجع والمآب . حرره ابو السوق محمد شمس الهدى

صانه الله عن الهفت والردى

نعم الجواب ، مخلص الرحمن اسلام آبادی مدرس مدرسه پانچ باغ

صح الجواب ، محمد عتيق الله خان يوسفى ۱۱ نومبر [illegible]

اقول

اذا قال الرجل لامرأته "بهشتم ازتو" فاعلم بان هذه اللفظة استعملها اهل خراسان واهل عراق في الطلاق وانها صريح عند ابي يوسف حتى كان الواقع بها رجعيا ويقع بدون النية وفي الخلاصة وبه اخذ الفقيه ابو الليث وفي التجريد وعليه الفتوى كذا في التاتارخانية .

احقر الناس منير الدين احمد عفي عنه احد مدرسي المدرسة الاسلامية الواقعة بپانچ باغ

صورت مسئولہ میں طلاق رجعی واقع ہوئی اور چونکہ عدت گزر گئی ہے لہذا تجدید نکاح

کی ضرورت ہے ۔ اصاب من اجاب ۔ سید احمد غفرلہ سیتاپوری مولوی ثانی

مدرس مدرسہ اسلامیہ عربیہ ڈھاکہ

ما حققہ المحقق فہو حق وخلافہ باطل ۔ حررہ ابو الفضل عبد الحمید

خادم الطلبۃ مدرسہ اسلامیہ ڈھاکہ

وذکر فی العالمگیریۃ ولو قال الرجل لامرأتہ ”ترا چنگ باز داشتم“ او ”ہشتم“ او ”یلہ کردم ترا“ ”پائے کشادم ترا“ فہذا کلہ تفسیر قولہ طلقتک عرفاً حتی یکون رجعیاً ویقع بدون النیۃ کذا فی الخلاصۃ ۔ محمد ناصر الدین عفا اللہ عنہ

مدرس مدرسہ پانچ باغ

المجیب مصیب لا شک فیہ کما لا یخفی ۔ محمد ایوب علی عفی عنہ

مدرس مدرسہ حمادیہ ڈھاکہ

طلاق رجعی پڑگئی اب بغیر تجدید نکاح زوج کو اس کے ساتھ مباشرت درست نہیں

احقر ابو الحسن غفرلہ غازی پوری معلم العربیۃ فی المدرسۃ الاسلامیہ ڈھاکہ

المجیب مصیب ۔ ھذا الصریح اذا استعمل فی معنی موضوع لہ وخص بہ

محمد سعید الرحمن عفی عنہ مدرس مدرسہ حمادیہ ڈھاکہ

◆

تنقیح

بنگالی الفاظ کا ترجمہ فارسی وعربی اگر لغت عربی وفارسی میں صریح ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بنگلہ میں بھی وہ لفظ صریح ہو پس سوال مذکور کے جواب میں صرف عالمگیری وتاتارخانیہ سے ”ہشتم“ کا رجعی ہونا نقل کردینا کافی نہیں بلکہ اہل عرف بنگال سے اس بات کے نقل کی ضرورت ہے کہ یہ لفظ ان کی زبان میں صریح ہے بدون اس کے یہ تمام جوابات ناکافی ہیں اور لفظ ”ہشتم اورا“ کے ترجمے کے بعد جو الفاظ ہیں وہ مثل مشورہ وغیرہ پر دال ہیں الفاظ ایقاع سے نہیں ہیں اور ان کو مذاکرۂ طلاق میں بھی داخل نہیں کرسکتے کیونکہ مذاکرۂ طلاق لفظ طلاق سے مقدم ہوتا ہے نہ مؤخر قال فی الدر المختار ص ۶۰۷ ج ۲ نقلاً عن النہر تحت قول الدر لا تطلق بہا ای بالکنایات الا بنیۃ او دلالۃ الحال وھی حالۃ مذاکرۃ الطلاق ما نصہ ان دلالۃ الحال تعم دلالۃ المقال قال وعلی

عند انتفاء المذاكرة بسوال الطلاق او تقديم الايقاع وقال قبله المذاكرة ان تسأل هي او اجنبي الطلاق اهـ۔ قلت ولا شك في اشتراط تقدم سوال الطلاق عن لفظ الكناية حتى يحمل الجواب بالكناية على الايقاع بقرينة السوال وقد صرح باشتراط التقدم في الايقاع فثبت ان المذاكرة التي تعين تعيين الكناية للايقاع انما هي المتقدمة لا المتأخرة وفي الصورة المسئولة لم توجد المذاكرة الا متأخرة فتفكر والله تعالى اعلم

۲۳ رمضان سنہ ۳۷ھ

فصل في الطلاق بالكنايات

اس کی ماں کو کہہ دینا کہ دوسری شادی کر لے اب ہم اس کو نہیں چاہتے۔ کنایہ کے حکم میں ہے اور طلاق کنایہ کے بعد طلاق صریح کا حکم

(سوال) اس خط میں جو عبارت خط کشیدہ ہے آیا اس سے طلاق ہو گئی یا نہیں اگر ہو گئی تو کیسی ہوئی۔

جناب بخدمت شریف چچا صاحب جناب چچی صاحبہ و ممانی صاحبہ و سب صاحبان کو سلام علیکم، بابو عزیزم لوگوں کو پیار۔ میں ساتھ خیریت کے ہوں آپ لوگوں کی خیریت نیک چاہتا ہوں جو دل کا تشفی ہو۔ دیگر حال یہ ہے کہ ہمارے گھر میں بھاگ گئی ہو کس بات سے ہم اس کو ایک دم نہیں چاہتے ہیں اس کی ماں کو کہہ دینا کہ دوسرا شادی کر دے اب ہم اس کو نہیں چاہتے ہیں ہم کو بہت شرمندہ کیا ہے اور جو بھاگ گئی کیا اس کو تکلیف ہوا کہ بھاگ گئی خیر چلی گئی تو کوئی مضائقہ نہیں ہے اور ہمارا بھی جان لٹکا ہوا اور ہم تو اب جاتے ہیں جہاز میں تین چار برس کے لئے اور جو کچھ ہمارے مکان سے لے گئی ہو اس کو بھیج دے گے اور اس کو ہم نے طلاق دیتے ہیں دس آدمی کے سامنے خط پڑھا کر سنا دینا اور سو کہا و براتی چچا کے سامنے سو کہا چچا و براتی چچا و حفیظ بھائی وغیرہ سب کے سامنے ہم طلاق دیتے ہیں سب کو جمع کر کے خط دے دینا اور سنا دینا اور جناب چچی صاحبہ کو معلوم ہو کہ تم کوئی بات نہیں چھپاؤ گی وہی سب بات کہہ دینا نہیں تو تم لوگ کہو تو ہم آ کر کے صفائی کر دے اور نہیں تو خط سے ہو جائے گا تو ہم کو جانا کیا ضرور ہے۔

تنقیح:- جب صریح الفاظ طلاق کے اس نے کہہ دیئے اب کنایات کی تحقیق

کی کیا ضرورت ہے البتہ اگر وہ اب رجوع کرنے کا ارادہ کرے اس وقت اس بات کی تحقیق کی ضرورت ہوگی۔ اشرف علی

جواب:- رجوع کرنا چاہتا ہے۔

الجواب: صورت مسئولہ میں تین طلاق واقع ہوگئیں کیونکہ شوہر کا یہ لفظ کہ "اس کی ماں کو کہہ دیا کہ دوسری شادی کر دے اب ہم اس کو نہیں چاہتے" کنایہ طلاق کا لفظ ہے اس کے بعد اس نے دو مرتبہ "اس کو ہم طلاق دیتے ہیں" تحریر کیا ہے جو کہ طلاق کا صریح لفظ ہے و الصریح یلحق البائن اس لئے مجموعہ تین طلاق ہوگئیں، البتہ اگر اس نے دوسرے اور تیسرے لفظ سے انشاء طلاق کا قصد نہ کیا ہو بلکہ پہلے طلاق کی اخبار کا قصد کیا ہو تو اس صورت میں دیانۃً ایک یا دو طلاق ہوں گی تین نہ ہوں گی مگر اس صورت میں اگر عورت کو یہ معلوم ہو گیا ہے کہ مجھ کو تین طلاق دی گئی ہیں تو اس کو شوہر کے پاس رہنا اور اس کو اپنے اوپر قابو دینا حرام ہے کیونکہ قضاءً تین طلاق ہو چکی ہیں والمرأۃ کالقاضی واللہ اعلم۔

اور اگر عورت کو تین طلاق کا علم نہیں ہو بلکہ ایک یا دو کا علم ہوا ہو یا کچھ بھی علم نہیں ہوا تو شوہر کے پاس صورت ثانیہ میں جبکہ اس نے اخبار کا قصد کیا ہو وہ رہ سکتی ہے اور اگر اس نے اخبار کا قصد نہیں کیا بلکہ ہر لفظ میں انشاء کا قصد کیا ہو یا کچھ بھی نیت نہ تھی تو ان پر قضاءً و دیانۃً تین طلاق کا وقوع ہو چکا ہے اب بدون حلالہ کے وہ حلال نہیں ہو سکتی واللہ اعلم وفی التجرید لو قال وھبتک لاھلک او لابیک او لامک او للازواج و نوی الطلاق فھی طالق اھ خلاصہ (ج ۲ ص ۹۰) وفی الدر المختار کرر لفظ الطلاق وقع الکل وان نوی التاکید دین اھ وفی رد المحتار قال فی الفتح والتاکید خلاف الظاھر وعلمت ان المرأۃ کالقاضی لا یحل لھا ان تمکنہ اذا علمت منہ ما ظاھرہ خلاف مدعاہ اھ (ص ۶۷۰ ج ۲) ۱۵؍ جمادی الاخری سنہ ۴۲ھ

شوہر کا اپنی بیوی کو کہنا "تم کو حرام کیا" | **سوال** (۱): ایک عورت کو اس کے شوہر نے یہ کہا کہ تمہارے ہاتھ کا کھانا حرام ہو بلکہ تم کو حرام کیا اور قیامت تک تمہاری طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھیں گے جس کو ڈیڑھ برس کا زمانہ ہوا، اور اب تک اپنی حالت پر قائم ہے نہ آمد و رفت نہ نان نفقہ۔

(۲) جس صورت میں وہ بدباطن ہوا اور عورت کو پریشان رکھنے کے لئے صاف بات

نہیں کرتا ہو اور عورت بھی اس کے برتاؤ سے بیزار ہو۔ اور عا کا جو واقعہ گذرا ہو اس کے بعد اس عورت کے والد نے لڑکی کی مرضی سے دوسرے سے عقد کر دیا۔ یہ عقد جائز ہو یا نہیں؟

(۳) جو صورتیں ذو پیشتر دی ہیں ان سے اگر عقد جائز نہیں ہوا تو جواز عقد کی کیا صورت ہوگی!

الجواب! قال فی الدر المختار قال لامرأتہ انت علی حرام ونحو ذلک کانت معی فی الحرام ایلاء ان نوی التحریم اولم ینو شیئا وظہار ان نواہ وھدر ان نوی الکذب وذا دیانۃ واما قضاء فایلاء قہستانی وتطلیقۃ بائنۃ ان نوی الطلاق وثلاث ان نواھا ویفتی بانہ طلاق بائن وان لم ینوہ لغلبۃ العرف اھ ص۹۱۰ و ۱۱ ج۲۔ وفی رد المحتار ص۶۷۲ ج۲ وسیأتی وقوع البائن بہ (ای بالحرام) بلا نیۃ فی زماننا للتعارف لا فرق فی ذلک بین محرمۃ وحرمتک سواء قال علی او لا اھ۔

قائل نے اپنی بیوی کو جو یہ لفظ کہا ہو کہ "تجھ کو حرام کیا" متاخرین نے عرف کی وجہ سے اس کو طلاق بائن مانا ہے جہاں ہم نے تحقیق کیا ہے ہم کو بھی اس وقت یہی معلوم ہوا کہ بیوی کو حرام کرنے سے عوام کو طلاق کے ہی معنی متبادر ہوتے ہیں دوسرے معنی کی طرف ذہن نہیں جاتا لہذا اس تقدیر پر صورت مسئولہ میں طلاق بائن واقع ہو گئی۔ اور اگر دوسرا نکاح اس عورت کا اس واقعہ سے بعد تین حیض گذرنے کے ہوا ہے تو وہ نکاح بھی صحیح ہو گیا۔ اور اگر سائل کے یہاں لفظ حرام سے کوئی دوسرے معنی بھی مفہوم ہوتے ہیں یا قائل نے کسی دوسرے معنی کا قصد کیا تھا تو وہ اس کو مفصل لکھے پھر جواب دیا جائے گا۔ واللہ اعلم۔

۲ر شوال سنہ ۵۳ھ

شوہر کی نیت کے مطابق ایک طلاق بائن یا تین طلاق کا واقع ہونا۔

(سوال) نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کیا ارشاد فرماتے ہیں جو شخص اس قسم کا طلاق نامہ لکھ کر اپنی بیوی کو دے جاوے تو اس طلاق نامہ سے طلاق رجعی پڑتی ہے یا طلاق بائن یا مغلظہ پڑتی ہو۔ جواب سے مطلع فرماویں مہربانی ہوگی۔ طلاق نامہ کی نقل ذیل میں درج ہے:

نقل طلاق نامہ

منکہ عبدالحفیظ ولد محمد مہتنگا سکنہ موضع کھوئیاں ٹاٹکنا ڈبوالی تحصیل سرسہ ضلع حصار کا ہوں کہ مجی دختر کریم بخش موضع سواتمال ضلع رہتک کے ساتھ میرا نکاح ہوا تھا میں نے طلاق نامہ

لکھ دیا ہے تاکہ سند رہے جو اسباب کہ میں چار ماہ کے اندر واپس روانہ کر دوں گا جو مبلغ ستر روپے ہیں جو مہر ہے اس کا ادا نہیں کروں گا خدا کے ہاں دین دار ہوں گا اور میرا اس عورت سے کچھ دعویٰ نہیں اس کے باپ کو اختیار ہے جہاں مرضی ہو بٹھا دیوے ۔

نوٹ:۔ اصل طلاق نامہ پر عبد الحفیظ کا نشان انگوٹھا ہے اور تین شخصوں کے دستخط اور پانچ شخصوں کے انگوٹھے ہیں ۔

الجواب: قال فی العالمگیریة ولو قال فی حال مذاکرۃ الطلاق باینتك او ابنتك او بنت منك او لا سلطان لی علیك او سرحتك او وهبتك لنفسك او خلیت سبیلك الی اخر الامثلة یقع الطلاق وان قال لم انو الطلاق لم یصدق قضاءً ۔ وفیها ایضاً روی الحسن عن ابی حنیفة انه اذا قال وهبتك لاهلك او لابیك او لامك او للازواج فهو طلاق اذا نوی ص ۳۶۹ ج ۲ ۔ پس صورت مسئولہ میں بموجب الفاظ اس طلاق نامہ کے مسماۃ رحمی پر ایک[1] طلاق بائن واقع ہو گئی بشرطیکہ شوہر نے تین طلاق کی نیت نہ کی ہو اب بدون تجدید نکاح کے وہ اپنے شوہر کے ساتھ نہیں رہ سکتی اور اگر شوہر نے طلاق نامہ لکھنے سے پہلے یا اس کے بعد زبان سے بھی طلاق دی ہو تو اگر دو بار اس نے طلاق کا لفظ استعمال کیا ہوگا تو مسماۃ رحمی پر تین طلاق پڑ جائیں گے ۔ اسی طرح اگر اس نے زبان سے تو کچھ نہ کہا ہو لیکن طلاق نامہ لکھتے ہوئے تین طلاق کی نیت کی ہو تب بھی مسماۃ پر تین طلاق پڑ جائیں گی ۔ پس دوسری صورت میں عبد الحفیظ سے اس کی نیت کا حال دریافت کیا جاوے اگر اس نے ایک طلاق کی نیت کی ہو تو ایک ہے اور اگر تین کی نیت کی ہے تو تین طلاق مغلظ واقع ہو جائیں گی ۔ واللہ اعلم ۔

۱۱ ربیع الثانی سنہ ھ ۔

"میں تم سے علیحدگی اختیار کرتا ہوں"
یہ الفاظ شوہر نے کہے

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ زید نے ہندہ کو تہمت زنا لگایا خالد کے ساتھ جو ہندہ کا ماموں زاد بھائی اور اب وہ بمنزلہ حقیقی بھائی کے ہے اسی خیال پر زید نے ہندہ سے کہا کہ میں تم سے علیحدگی اختیار کرتا ہوں اور اپنے باپ اور قاضی کو بلاؤ

---

[1] قلت ثم ظهر لی ان الواقع فی هذه الصورة طلقتان كما سیأتی ۱۲ منه

میں بخوشی اسی وقت تمہارا نکاح خالد سے کئے دیتا ہوں۔ اب ہندہ زید سے سخت ناخوش ہے اور اس سے قبل زید ہندہ سے ناراضگی کی حالت میں بارہا یہ الفاظ بھی کہہ چکا ہے کہ تم اپنے باپ کے گھر بیٹھی رہو۔ میں اپنے گھر خوش تم اپنے گھر خوش اور خرچ وغیرہ بھی تم کو نہیں دونگا اب ہندہ زید سے علیحدگی چاہتی ہے اس حالت میں ہندہ کی زید سے علیحدگی کی موافق شرع شریف کے کیا صورت ہونی چاہئے بینوا توجروا۔ بعض کلمات دیگر پرچہ پر ہیں میں تم سے علیحدگی اختیار کرتا ہوں اور اپنے باپ اور قاضی کو بلا لو میں بخوشی لادعوی ہوتا ہوں۔ اور اسی وقت تمہارا نکاح خالد سے کئے دیتا ہوں۔ میں خوشی سے لادعوی ہوا۔ اور پھر چپاتی ٹھوس کر کہا کہ میں لادعوی ہو چکا۔ یہ الفاظ تین مرتبہ کہا اور یہ الفاظ کہے ہوئے آٹھ ماہ کا عرصہ ہو چکا۔ اور اس پر پردہ کرا دیا گیا ہے۔

الجواب: صورت مسئولہ میں عورت پر تین طلاق مغلظہ واقع ہو چکیں اگر زید کو یہ الفاظ کہے ہوئے اتنا عرصہ گذر چکا جس میں ہندہ کو تین حیض آچکے ہوں تو وہ اپنا دوسرا نکاح کر سکتی ہے اور اگر تین حیض ان کلمات کے بعد سے ابھی تک پورے نہیں ہوئے تو بعد تمام عدت دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے زید سے بدون تحلیل کے اس کا نکاح درست نہیں فان قوله علیحدگی اختیار کرتا ہوں بمعنی جدائی وصرح فی الخلاصة ص۲ ج۲ ان فی لفظة جدائی لا یحتاج الی النیة ثم قوله بخوشی سے لادعوی ہوتا ہوں اور لادعوی ہو چکا و ان کان من الکنایات فانها تلحق بالصریح ولا یحتاج الی النیة فی حالة الغضب فانها لا تصلح الا للطلاق والجواب فی مثلها کما لا یخفی واللہ اعلم

۲۴ر جمادی الثانیہ سنہ

شوہر کا کہنا ”میرا اس عورت پر کچھ دعوے نہیں“

(سوال) علماء دین شرع متین اس مسئلہ میں کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ یہ طلاق نامہ کی نقل آپ کی خدمت میں ارسال ہے۔ طلاق لکھنے والا یعنی طلاق دینے والا کہتا ہے کہ میں نے طلاق نامہ لکھتے وقت نیت طلاق رجعی کی کی تھی اور عدت ہی کے اندر دو گواہوں کے سامنے اپنی بیوی کو رجوع کر لیا تھا اور رجوع کرنے کی خبر بذریعہ خط اپنی عورت کو دیدی تھی آیا یہ رجعت درست ہوئی یا نہیں یا طلاق بائن ہوئی یا مغلظہ!

نقل طلاق نامہ:- منکہ عبد الحفیظ ولد محمد مبینگا ساکنہ موضع کھوئیاں ڈاکخانہ

ڈوانی تحصیل ہریہ ضلع حصار کو ہولی کی زینبی دختر کریم بخش موضع سوانہ مان ضلع رہتک کے ساتھ میرا نکاح ہوا تھا میں نے طلاق نامہ لکھ دیا ہے تاکہ سند رہے مہر اس کا میں چار ماہ کے اندر انشاء اللہ ادا کر دوں گا جو مبلغ ۲۵؎ روپیہ ہیں جو مہر ہے اس کا۔ ادا نہیں کروں گا تو خدا کے ہاں روسیاہ ہوں گا اور پھر اس عورت سے کچھ دعوی نہیں اس کے باپ کو اختیار ہے جہاں مرضی ہو بٹھا دیوے۔

نوٹ:۔ اصل طلاق نامہ پر عبد الحفیظ کا نشان انگوٹھا ہے اور تین شخصوں کے دستخط اور پانچ شخصوں کے انگوٹھے ہیں۔

الجواب: صورت مسئولہ میں مسماۃ زینبی پر دو طلاق بائن واقع ہوگئی ہیں ایک طلاق اس لفظ سے واقع ہوگئی جس سے[عه] طلاق نامہ لکھ دیا ہے اور دوسری اس لفظ سے پھر اس عورت پر کچھ دعوی نہیں ہے۔ لانہ بمعنی لا سبیل لی علیک ولا سلطان لی علیک والبائن یلحق الصریح فیکون الکل بائنا پس عبد الحفیظ کا رجوع کرنا صحیح نہیں ہے۔ ہاں اگر عورت راضی ہو تو نکاح دوبارہ ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم

۲۴ رجب ۶۱ثانیہ

شوہر نے کہا: میرا تیرا روادار نہیں نہ تو میری کچھ لگتی ہے نہ میں تیرا کچھ

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین متین مسئلہ ہذا میں کہ مسمی زید نے اپنی بیوی مسماۃ ہندہ سے بوجہ تقصیر یا بلاوجہ کے قطع تعلق کر دیا حتی کہ بات چیت بھی نہیں کرتا اور اکثر یہ الفاظ کہتا رہتا ہے کہ تیرا دل جس جگہ چاہے چلی جا میں تیرا روادار نہیں نہ تو میری کچھ لگتی ہے نہ میں تیرا کچھ لگتا ہوں۔ میری طرف سے تجھ کو طلاق ہے اور مسماۃ مذکورہ اس پر کہتی ہے کہ ایک کاغذ طلاق نامہ کا مجھے لکھ دے مگر زید مذکور زبانی طلاق تو اکثر دیتا رہتا ہے کاغذ پر طلاق نامہ لکھ کر نہیں دیتا اس لئے کہ عورت مہر کا دعوی نہ کر دے اور پھر مہر ادا کرنا پڑے گا۔ لہذا ایسی صورت میں مسماۃ مذکورہ کیا کرے کیا ایسی صورت میں طلاق پڑ جاتی ہے یا نہیں اگر ایسی صورت میں طلاق ہو جاوے تو کسی دوسرے آدمی سے بعد عدت کے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: صورت مسئولہ میں ہندہ پر تین طلاق پڑ گئیں اب اس کو زید کے پاس رہنا ہرگز جائز نہیں عدت کے بعد وہ دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے طلاق نامہ لکھنے پر موقوف

[عه] لانہ یتضمن الاقرار بالطلاق السابق واقرار الطلاق طلاق کما عرف فی موضعہ ۱۲ منہ

طلاق موقوف نہیں ہوا کرتی۔ قال فی العالمگیریۃ ولو قال لها مرا با تو کارے نیست وترا با من نے اعطینی ما کان فی عندک واذھبی حیث شئت لا یقع بدون النیۃ کذا فی الخلاصۃ اھ ص۶۵ ج ۲ قلت وھو یبین الوقوع بالنیۃ ومن أکرۃ الطلاق فی حکم النیۃ کما عرف فیقع واحدۃ بقولہ تیرا دل جس جگہ چاہے چلی جا میں تیرا ذمہ دار نہیں والثانیۃ بقولہ نہ میں تیرا کچھ لگتا ہوں نہ تو میری کچھ لگتی ہے۔ فی العالمگیریۃ ولو قال ما انت لی بامرأۃ ولست لک بزوج ونوی الطلاق یقع عند ابی حنیفۃ اھ ص۴۹ ج ۲ اور جب شوہر نے زبانی طلاق اکٹھی دی ہے تب تو صراحۃً ہندہ پر تین طلاق واقع ہو گئیں اب وہ بدون تحلیل کے زید کے لئے حلال نہیں ہو سکتی واللہ اعلم۔ ۱۹ رجب سنہ ۴۳ھ

بار رسیدی حکیم الامت

طلاق بلفظ " جا نکاح کر " و تفصیل حکم کنایات دیانۃً وقضاءً!

(سوال) زید نے مسماۃ ہندہ سے کہا کہ اب تو دوسرا نکاح کرے گی بی فلاں سے " یا یوں کہا جا نکاح کر یا ہندہ کے گھر والوں سے کہا کہ جاؤ دوسرا انتظام کرو۔ لفظ ثالث سے مقصود طلاق نہیں علیٰ ہذا ماقبل کے دونوں لفظوں سے بھی طلاق کا خیال نہیں۔ زید کہتا ہے کہ میں نے الفاظ مذکورہ اس وجہ سے استعمال کیا کہ آئندہ ہندہ کو عبرت ہو پھر ایسی حرکت ناشائستہ نہ کرے ممکن ہے کہ آئندہ اپنی حرکت نامعقول سے باز آجاوے۔ جب مقصود تنبیہ ہے طلاق نہیں تو کیا دلالت حال کا اعتبار کر کے شرعاً وقوع طلاق کا حکم لگ سکتی ہے یا نہیں اگر یہ الفاظ مذاکرۂ طلاق اور حالت غضب میں نہ کہے جاویں بلکہ استہزاءً کہے جاویں تو کیا حکم ہے؟

(۲) فقہاء نے کنایہ کی تعریف یوں کی ہے: ما یوضع لہ ولغیرہ ولا یقع الطلاق الا بالنیۃ او بدلالتہ کحالۃ الغضب ومذاکرۃ الطلاق۔ سوال یہ ہے کہ دلالت اس وقت بھی معتبر ہے جبکہ کنایات سے مقصود طلاق نہ ہو صرف علی سبیل التنبیہ والتہدید تلفظ کئے گئے ہوں جیسا کہ صورت مذکورہ میں یا ایسی صورت میں دلالت معتبر نہیں اور طلاق واقع نہیں ہوتی۔

(۳) اگر زید کی نیت قضاءً معتبر ہو تو کیا دیانۃً فیما بینہ وبین اللہ بھی معتبر ہوگی یعنی اگر قضاءً ہندہ طالق ہوگئی تو فیما بینہ وبین اللہ بھی طالق ہوئی یا نہیں اگر دیانۃً طلاق نہیں پڑی تو کیا تعلق رکھنا ہندہ سے جائز ہے یا تجدید نکاح کی ضرورت ہے؟

(۳) زید نے ہندہ کو دو طلاق رجعی دی (اس واقعہ کے قبل) اور رجعت بھی کرلی پھر ایک مدۃ کے بعد الفاظ کنایہ کا تکلم کیا جس سے ایک طلاق بائن پڑی۔ اب سوال یہ ہے کہ دو اور ایک مل کر تین طلاقیں ہوئیں: وہ ہندہ مغلظہ ہوگئی یا ہر ایک کا حکم جداگانہ ہے مغلظہ نہیں ہوئی۔ الغرض متفرق کی تین طلاقیں جو مغلظہ ہوجاتی ہیں وہ رجعی اور ایک قسم کے طلاق کا مسئلہ ہے یا دو قسموں کا بھی یہی حکم ہے؟

حاصل مرام یہ ہے کہ اب جواز تعلق کی کوئی صورت ہندہ سے ہے یا نہیں بالتفصیل سوالات مذکورہ بالا کا جواب دے کر فلاح دارین حاصل کیجئے فقط بینوا توجروا۔

الجواب: زید کا یہ قول کہ "اب تو تو دوسرا نکاح کرے گی ہی" کنایہ یا صریح کچھ نہیں اس سے انشاء طلاق کا قصد محاورات میں نہیں ہو سکتا اور دوسرا و تیسرا لفظ یعنی "جا نکاح کر" یا ہندہ کے اہل سے کہا "جاؤ دوسرا انتظام کرو" یہ کنایات طلاق میں سے ہے جس کا حکم یہ ہے کہ قضاءً دلالت حال غضب یا مذاکرہ کے ہوتے ہوئے بدون نیت کے اس سے طلاق واقع ہوجائے گی اور اگر دلالت حال و مقال نہ ہو تو بدون نیت کے وقوع نہ ہوگا۔ اور دلالت حال غضب کے ہوتے ہوئے قضاءً نیت تہدید مسموع نہ ہوگی اور عورت قضاء کا سا معاملہ کرے گی اور دیانۃً تمام کنایات میں بدون نیت کے طلاق واقع نہیں ہوتی کما یظہر من الدر والشامیۃ (ص ۶۶۳، ۶۶۵ ج ۲) من تقییدہما مسئلۃ وقوع الطلاق بہا بدلالۃ الحال من غیر نیۃ بالقضاء وتعلیلہما ایاہا بانہ صرف عن الظاہر فلذا وقع بہا قضاءً بلا توقف علی النیۃ کما فی صریح الطلاق اذا نوی بہ الطلاق عن وثاق اھ قلت وقد صرح فی باب الصریح انہ لو نوی بہ الطلاق عن وثاق دین فکذا فی الکنایۃ فافہم۔

(۲) دلالت قائم مقام نیت کے ہے بلکہ اس سے اقوی ہے قال فی الدر وفی مذاکرۃ الطلاق یتوقف الاول فقط ویقع بالاخیرین وان لم ینو لان مع الدلالۃ لا یصدق قضاءً فی نفی النیۃ لانہا اقوی لکونہا ظاہرۃ والنیۃ باطنۃ اھ (ص ۶۶۵ ج ۲) لہذا دلالت حال کے ہوتے ہوئے نیت کی کوئی ضرورت نہیں بدون نیت کے بھی قضاءً وقوع طلاق ہوجائے گا البتہ دیانۃً کنایات سے دلالت حال کے بعد بھی نیت ہی سے وقوع ہوتا ہے بدون نیت کے وقوع نہیں ہوتا۔

(۳) جن صورتوں میں قضاءً وقوع طلاق ہوتا ہے اور دیانۃً نہیں ہوتا وہاں حکم یہ ہے

کہ شوہر کو تو بیوی کے ساتھ معاملۂ زوجیت جائز ہے لیکن اگر عورت نے الفاظ طلاق کنایہ وغیرہ خود سنے ہیں یا تو کسی عادل نے اسے خبر دی ہے تو اس کو شوہر کے پاس رہنا جائز نہیں اور نہ تمکین جائز ہے لانها کالقاضی لا تقبل منه الا ما یقبله القاضی وقس ذما یس ذة۔

رہی دو طلاق رجعی کے بعد تیسری طلاق کنایہ خواہ متصل دے یا منفصل وہ دو پہلی طلاقوں کے ساتھ مل کر تین طلاق ہو جائیں گی خواہ تیسری کتنے ہی زمانہ کے بعد دے پس جس عورت کو دو رجعی پہلے مل چکی ہوں پھر عرصہ کے بعد طلاق بائن دی گئی ہو وہ اب تین طلاق کے ساتھ مغلظہ ہو جائے گی جو بدون تحلیل کے اپنے شوہر کے واسطے حلال نہیں ہو سکتی واللہ اعلم ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ

تیرے ساتھ جماع کروں تو ماں بہن کے ساتھ جماع کروں میں نے تجھ کو چھوڑ دیا تیرا میرا کچھ تعلق نہیں کہنے سے طلاق بائن واقع ہونے کا حکم

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اگر ایک شخص نے اپنی عورت سے کہا کہ اگر میں تیرے ساتھ جماع کر دوں تو میں اپنی ماں بہن کے ساتھ کر دوں، میں نے تجھ کو چھوڑ دیا میرا تیرا کچھ تعلق نہیں خواہ تو کہیں رہ میں کہیں رہوں۔ پھر واپس نہیں آیا اپنی دوکان میں خود بیٹھنے لگ گیا اور عورت کو گھر چھوڑ گیا پھر گھر نہیں آیا پھر عورت کا مقدمہ وغیرہ چلایا اور جب اس سے دریافت کیا جاتا ہے تو کہتا ہے کہ میں نے اس کی بدچلنی کی وجہ سے اظہار ناراضگی کی تھی طلاق کا میرا ارادہ نہیں تھا جب پوچھا جاتا ہے کہ پھر تو اس کے پاس کیوں نہیں پہنچا تو کہتا ہے کہ یہ بد افعال سے باز نہیں آتی تھی میرے کہنے پر عمل نہ کرتی تھی اور مجھ میں اتنی قوت و طاقت نہیں جو مقدمہ چلاؤں یا جب کے گھر میں ہے اس سے مقابلہ کروں میرا معاملہ اللہ کے یہاں ہے اگر میری ہوگی تو مل جائے گی ورنہ بروز قیامت سمجھوں گا تو کیا اس سے طلاق ہو گئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب! اس شخص کا یہ قول تو محض لغو ہے کہ "اگر تیرے ساتھ جماع کروں تو اپنی ماں بہن کے ساتھ کروں" البتہ اس کا یہ قول "میں نے تجھ کو چھوڑ دیا" طلاق میں صریح ہے اور یہ لفظ "میرا تیرا کچھ تعلق نہیں" کنایہ ہے اور چونکہ مذاکرۂ طلاق میں واقع ہوا ہے اس لئے محتاج نیت نہیں پس اس شخص کی بیوی پر دو طلاق بائن واقع ہو گئیں۔ اگر طرفین راضی ہوں تو عدت میں یا بعد عدت کے تجدید نکاح کر کے باہم رہ سکتے ہیں اگر تجدید نکاح نہ کریں تو بعد عدت کے یہ عورت دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے قال فی الهندیة ولو قال الرجل ترا چنگ باز داشتم و بہشتم او یلہ کردم ترا فهذا کله تفسیر قوله طلقتک عرفا حتی یکون رجعیا ویقع بدون

المنیة من الخلاصة (ص ۲۰۲ ج ۲) وفیه ایضاً لو قال ان وطئتک وطئت امی فلا شیء علیه کذا فی غایة السروجی (ص ۱۳۴ ج ۲) ویلحق البائن بالصریح معنیً واللہ اعلم۔ ۲۰ محرم ۴۵ھ

شوہر کا بیوی سے یہ کہنا کہ "تجھ کو میری طرف سے جواب ہے"

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین متین و مفتیان شرع مبین اس مسئلہ میں کہ زینب کا شوہر عرصہ سے زینب کا نان و نفقہ ادا نہیں کرتا ہے آج جو زینب اپنے نان و نفقہ کے تقاضا کے لئے شوہر کے پاس گئی اور شوہر سے اپنا نان و نفقہ مانگا تو اس کے شوہر نے جواب میں مندرجہ ذیل الفاظ کہے "تیرے ستو خصم ہیں خدا کی قسم تجھ کو میری طرف سے جواب ہے" ان الفاظ سے زینب کو کیا سمجھنا چاہئے طلاق ہوگی یا نہیں اور ہوگئی تو کس قسم کی طلاق ہوئی بینوا توجروا۔

تنقیح اوّل: یہ الفاظ کتنے مرتبہ کہے اور غصہ میں کہے تھے یا بدون غصہ کے اور عورت نے ان الفاظ سے قبل طلاق کا مطالبہ کیا تھا یا نہیں اس کا مفصل جواب مع اس پرچہ کے روانہ کیا جائے۔

جواب تنقیح اوّل: زینب کے شوہر نے الفاظ مذکورہ فی الفتویٰ کو دو بار کہا اور غصہ کی حالت میں کہا زینب نے ان الفاظ سے قبل طلاق کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔

تنقیح ثانی: اس استفسار کے متعلق ابھی یہ امر قابل تحقیق ہے کہ خاوند کیا کہتا ہے اس لفظ کہتے وقت کیا نیت جتلاتا ہے اور یہ بھی لکھیں کہ نفقہ کا مطالبہ کرنے پر فوراً ہی یہ لفظ مذکور فی السوال کہہ دیے یا مطالبہ کے بعد اور کچھ گفتگو بھی ہوئی تھی صاف لکھیں کہ یہ الفاظ کس سوال اور گفتگو کے بعد کہے تھے!

جواب تنقیح ثانی: زینب بغرض دریافت نیت بوقت تکلم الفاظ مذکورہ فی الفتویٰ شوہر کے پاس گئی شوہر نے ہاتھ پکڑ کر دروازہ کی طرف کر دیا اور کہا کہ میں تجھ سے کہہ چکا ہوں تجھے میری طرف سے جواب ہے چاہے جہاں جا" ان الفاظ کو چند مرتبہ کہا۔ نیز وہ الفاظ فی السوال شوہر نے اس مطالبہ کے بعد فوراً ہی کہہ دیے تھے اور کچھ گفتگو نہیں کی تھی۔

الجواب: صورت مسئولہ میں شوہر کا بیوی کو ہاتھ پکڑ کر نکالنا اور یہ کہہ دینا کہ "تجھے میری طرف سے جواب ہے چاہے جہاں جا" معنی طلاق کو مفید ہے لفظ جواب ہمارے محاورے میں کنایہ ہے جو غضب وغیرہا کے قرینہ کے بعد محتاج نیت نہ رہے گا لہذا زینب پر

صورت مسئولہ میں ایک طلاق بائن واقع ہو گئی ان الفاظ کو چند دفعہ کہنے سے متعدد طلاق نہ ہوں گی لان البائن لا یلحق البائن اور عدت پہلی بار کے قول سے شمار ہوگی۔

ا رجمادی الثانیہ سنہ ۴۵ھ

لفظ "صاف جواب ہے" سے بشرط نیت طلاق بائن واقع ہوگی

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی لڑکی نابالغ کا نکاح ایک شخص بالغ کے ساتھ کر دیا اس کے کچھ عرصہ بعد اس شخص کو لڑکی والے نے کہا کہ تم اپنی بیوی کو لے جاؤ اس کا انتظام کھانے کپڑے کا کرو میں غریب آدمی ہوں مجھ سے خرچ نہیں اٹھ سکتا ہے۔ اس شخص نے جواب دیا کہ میں ذمہ دار نہیں ہوں تمہاری خوشی ہے اور تم کو اختیار ہے کہ اپنی لڑکی کا چاہے جہاں نکاح کر دو میں مزاحم نہیں ہوں میری طرف سے صاف جواب ہے میں تمہاری لڑکی کو نہیں رکھ سکتا ہوں، نہ رکھوں گا۔" اور اب تک یہ لڑکی منکوحہ نابالغ ہی ہے بالغ بھی نہیں ہوئی ہے صرف اس کے والد نے اس کا نکاح کر دیا تھا اور بلکہ اس شخص نے اس سے پہلے ایک اپنی بیوی جان سے مار ڈالی تھی یہ شخص ظالم اور خونی بھی ہو چکا ہے اب اس لڑکی کا باپ لڑکی کا نکاح دوسری جگہ کر سکتا ہے یا نہیں کر سکتا ہے، کیونکہ یہ غریب آدمی ہے اس قدر خرچہ نہیں اٹھا سکتا ہے برائے عنایت اس کا جواب با صواب مرحمت فرمائیں بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مسئولہ میں اگر اس شخص نے لفظ "صاف جواب ہے" سے یا اس کے قبیل الفاظ سے نیت طلاق کی ہے اس لڑکی پر ایک طلاق بائن واقع ہو چکی ہے لان قولہ "چاہے جہاں نکاح کر دو" وقولہ "صاف جواب ہے" مستعمل فی الطلاق عرفاً ولکنہ کنایۃ فیحتاج الی النیۃ۔ پس بعد انقضاء عدت کے اس لڑکی کا دوسرا نکاح ہو سکتا ہے۔ اور اگر زوج نیت طلاق سے انکار کرے اور اس پر حلف کر لے تو طلاق واقع نہیں ہوئی۔ واللہ اعلم۔

۱۵ رشعبان سنہ ۴۳ھ

لفظ حرام سے بلا نیت طلاق بائن واقع ہو جاتی ہے

سوال: اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے کہ تم میرے واسطے حرام ہو گئی تو اس کا شرع میں کیا حکم ہے؟

الجواب: صورت مسئولہ میں اس شخص کی بیوی پر ایک طلاق بائن واقع ہو گئی اگر تین کی نیت نہ کی ہو اور بدون دوبارہ نکاح کئے وہ اس کے لئے حلال نہیں ہو سکتی اور اگر تین کی نیت کی ہے تو سوال دوبارہ کیا جائے۔ قال فی الشامیۃ والحاصل ان المتاخرین

خالفوا المتقدمین فی وقوع البائن بالحرام بلا نیة حتی لو قال لم انو لم یصدق لاجل العرف الحادث فی زمان المتأخرین الی ان قال ان لفظ حرام معناه عدم حل الوطئ ودواعیه وذلک یکون بالایلاء مع بقاء العقد وهو غیر متعارف ویکون بالطلاق الرافع للعقد وهو قسمان بائن ورجعی لکن الرجعی لا یحرم الوطئ فتعین البائن وکونه التحق بالصریح للعرف لاینافی وقوع البائن به فان الصریح قد یقع به (البائن) کتطلیقة شدیدة کما ان بعض الکنایات قد یقع به الرجعی مثل اعتدی ونحوه والحاصل انه لما تعورف به الطلاق صار معناه تحریم الزوجة وتحریمها لایکون الا بالبائن اھ (ص ۶۶۳ ج ۲) قلت ولکن اھو عرف اھل الهند تعورف للطلاق ولا یفهم به الایلاء فی العرف اصلا واللہ اعلم۔

۱۱ر محرم ۵۴ھ

میری زوجیت سے باہر وہ میرے لئے مرگئی اور میں اس سے مرگیا کہنے سے بلانیت طلاق واقع نہیں ہوگی

سوال: کیا فرماتے ہیں مندرجہ ذیل بیان کے واسطے:

جناب خالد خان بات یہ ہے کہ میں آصف نگر جا رہا ہوں اور برخوردار حافظ جو ایک سال عمر کا ہے اپنے ہمراہ لے جا رہا ہوں اور تمہاری ہمشیرہ بغیر میری اجازت کے چلی آئی ہے یہ کام اچھا نہیں۔ اس واسطے وہ میری زوجیت سے باہر ہے وہ میرے سے مرگئی اور میں اس سے مرگیا فقط۔ یہ ایک ردی کاغذ ہے دستخط کوئی نہیں ہے شہادت کوئی نہیں زوجہ سامنے ہے صرف ردی کاغذ پر لکھا ہے۔ سوال: کیا یہ طلاق ہوگئی نکاح سے خارج ہوگئی زوجیت سے باہر ہے یہ کہنا درست ہے کیونکہ وہ پاس نہیں نکاح سے باہر نہیں کہا۔

الجواب: صورت مسئولہ میں زوج کی نیت پر مدار ہے اگر اس کی نیت طلاق کی تھی تو طلاق واقع ہوگئی ورنہ نہیں لما فی العالمگیریة (ص ۹۹ ج ۲) ولو قال ما انت لی بامرأة ولست لک بزوج ونوی الطلاق یقع عند ابی حنیفة وعندهما لا یقع وفیه ایضا (ص ۱۰ ج ۲) وان کانت (ای الکتابة) مستبینة غیر مرسومة ان نوی الطلاق یقع والا فلا فقط۔ کتبه عبد الکریم عفی عنه، ۲۸ر ج ۱، ۴۳ھ

الجواب صحیح۔

ظفر احمد عفا عنه، ۲۸ر ج ۱، ۴۳ھ

تجھ سے کوئی سروکار نہیں نہ میں شوہر نہ تو زوجہ کہنے سے طلاق کا حکم

سوال: اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر اس مکان سے فلاں مکان میں گئی تو مجھے تجھ سے کوئی سروکار و واسطہ نہیں اور نہ میں شوہر اور نہ تو زوجہ، اور وہ عورت اُس مکان میں چلی گئی جس کی ممانعت تھی اور وہاں بھی ہے۔ ایسی صورت میں طلاق واقع ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب: فی العالمگیریة (ص ۶۹ ج ۲) ولو قال لم یبق بینی وبینک شیء ونوی به الطلاق لا یقع وفی الفتاوی لم یبق بینی وبینک عمل ونوی یقع وفی العتابیة ولو قال لها مرا با تو کارے نیست وترا با من نے اعطی ما کان عندك لا یقع بدون النیة اھ خلاصه (ص ۹۸ ج ۲) وفی الدر لست لك بزوج او لست لی بامرأة طلاق ان نواہ خلافا لهما اھ قال الشامی اشار بقوله طلاق الی ان الواقع بهذه الکنایة رجعی اھ (ص ۳۳۷ ج ۲) وفی الشامیة تحت قوله (فلا یرد الخ) ای اذا علمت ان الصریح وبائنها عائد الی الالفاظ المذکورة فی المتن فلا یرد ان غیرها من الفاظ الکنایات قد یقع بها الرجعی من کل کنایة فیها ذکر الطلاق الخ (ص ۴۶۶ ج ۲) وفیه بعد اسطر عن البحر وجود الطلاق مقتضی او مضمرا۔

اس سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں اگر نیت طلاق کی تھی تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی اور اگر طلاق کی نیت نہ تھی تو ظاہر کیا جاوے کہ کیا نیت تھی۔

۲ رجب [illegible]

اس کو مت بلاؤ میرے کام کی نہیں، اگر طلاق کی نیت نہ کیے ہوں تو طلاق واقع نہ ہوگی

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اہل السنۃ والجماعت کثر اللہ جماعتہم سوالات مفصلہ ذیل کے جواب میں:

ہندہ کا نکاح جبکہ عمر اس کی گیارہ سال کی تھی زید کے ساتھ ہوا۔ بعد شادی ہندہ اپنے میکے میں قریب ڈیڑھ سال رہی اور میاں بیوی میں یکجائی وتنہائی (زفاف) نہیں ہوا، بعدہٗ زید بیمار ہوا قریباً ۱۵ یا ۱۶ روز تک بیمار رہا۔ اس عرصہ بیماری میں زید نے اور اس کے رشتہ داروں نے ہندہ کو اس کے میکہ میں چند مرتبہ بلوا بھیجا۔ لیکن ہندہ اپنے خاوند زید کے مکان نہیں گئی اور زید کی وفات کے ۲ یا ۳ یوم قبل زید نے اپنے حقیقی چچا کو ہندہ کو لانے کے لئے بھیجا اس لئے کہ ہندہ سے مہر بخشوالیا جاوے۔ لیکن ہندہ نہیں آئی یہ واقعہ زید کے پاس بیان کیا گیا زید نے کہا کہ "اس کو مت بلاؤ میرے کام کی نہیں" بعدہٗ زید مر گیا۔ اس واقعہ کے ایک ماہ بعد ہندہ کا نکاح خالد کے ساتھ ہندہ کی سسرال میں جبکہ وہ زید کی وفات کے بعد اپنی سسرال میں آئی ہوئی

مقرر کر دیا گیا بعد نکاح ہندہ نے اپنی والدہ و بھائیوں سے عدم رضامندی اس کے نکاح پڑھ دیا جانا بیان کیا۔ اس کی بابت ہندہ کے بھائی نے چند مسلمانان ڈیڈواڑہ کے سامنے سوال پیش کیا۔ انہوں نے گواہان کو جن کے سامنے مذکورہ ملفوظ زید نے استعمال کئے تھے بلا بذریعہ قاضی طلب کئے گئے۔ گواہ عبداللہ کا یہ بیان ہے کہ زید نے اس کے سامنے قریب ۸ بجے رات کو بموجودگی عورتیں بیٹھی یہ کہا تھا کہ "رانڈ کو مت بلاؤ میرے کام کی نہیں"۔

دوسرے قاضی کا یہ بیان ہے کہ میں نے نکاح پڑھانے والے کے پیچھے یہ نکاح پڑھانے کی اجازت دے دی تھی۔ نکاح پڑھانے والے کا (یعنی میر قاضی کا) بیان ہے کہ میرے پاس زید کی وفات سے ۴ یا ۵ روز بعد زید کا چچا حسن میرے پاس آیا اور کہا کہ زید کا مہر دو کیونکہ متوفی نے مرنے سے پہلے یہ کہا تھا کہ رانڈ کو مت بلاؤ میرے کام کی نہیں اس کا مہر دے دینا۔ چنانچہ مہر دینا ہوا اس پر نکاح پڑھانے والے نے کتاب دیکھ کر نکاح ثانی بلا عدت ہو سکنے کا کہہ دیا پھر نکاح پڑھ دیا۔ نکاح پڑھنے والے نے مسمی رحیم بخش و عبداللہ گواہان متذکرہ بالا کو بلا کر دریافت کیا تھا تو گواہان نے ان کے سامنے یہ کہا تھا کہ مرنے والے نے یہ الفاظ کہے تھے کہ "رانڈ میرے کام کی نہیں مت بلاؤ اس کا مہر دینا" اس پر نکاح پڑھا دیا گیا اور ان کا استدلال بہشتی زیور[عہ] حصہ چہارم ص۳۳ باب رخصتی سے پہلے طلاق ہو جانے کا بیان پر ہے جس میں جملہ گول مول لفظوں سے طلاق کا ہونا قیاس کیا گیا ہے، گو وہاں عدت نہیں ہوگی قول لکھا ہوا ہے لیکن اس امر کو رفع حجت و اطمینان دلی کے لئے دریافت کرنا ضروری ہے۔ لہٰذا بحالات مذکورہ شرعاً ہندہ کا نکاح خالد کے ساتھ جائز ہوا یا نہ؟

سوال رضامندی و نارضامندی کی یہ کیفیت ہے کہ نکاح پڑھنے والے کا یہ بیان ہے کہ اس نے ہندہ سے دریافت کیا کہ خالد کے ساتھ تم نکاح پڑھنے کے لئے رضامند ہو تو اس کی تصدیق عمرو اور بکر گواہان سے کی۔ ہندہ سے دریافت کیا گیا تو اس نے ایسی رضامندی دی جسے قطعی نکاح پڑھا اور قریب عمرو اور بکر کی موجودگی بیان کی اور ایک شخص حامد کو بتلایا جس کا یہ بیان ہے کہ ہندہ نے میرے سامنے نکاح سے انکار کیا۔ جب قاضی پیچھے ہٹ گیا پھر ہندہ نے کہا میں اپنی سسرال کا گھر چھوڑنا نہیں چاہتی پھر اس نے رضامندی دے دی۔

[عہ] بہشتی زیور حصہ چہارم میں طلاق کنایہ کا حکم بھی دیکھنا چاہئے تھا جس میں تصریح ہے کہ بدون نیت کے یا مذاکرہ طلاق کے وقوع طلاق نہ ہوگا۔ ۱۲ ظفر

صورت مذکورہ بالا میں

① رضامندی صریح یا معنوی ہوتی ہے یا نہیں؟

② کیا زید کے الفاظ کہ راند میرے کام کی نہیں مت بلاؤ طلاق بالکنایہ کی حد کو پہنچتے ہیں؟

③ اگر طلاق کی حد کو پہنچتے ہیں تو کونسی طلاق پڑے گی؟

④ اگر طلاق بالکنایہ کی حد کو نہیں پہنچتے ہیں تو خالد کے ساتھ ہندہ کا نکاح ناجائز ہے یا جائز؟

غرضیکہ حالات مندرجہ بالا کو بغور ملاحظہ فرما کر بالتشریح جواب مع حوالہ حدیث و فقہ و قرآن عنایت فرمایا جاوے بینوا توجروا۔

الجواب: یہ لفظ "راند کو مت بلاؤ میرے کام کی نہیں" الفاظ طلاق میں سے صریح نہیں اور کنایہ کی اس قسم سے ہے جو سب و شتم کو بھی محتمل ہیں اور جو کنایات محتمل سب و شتم ہوں ان سے طلاق کا واقع ہونا جمیع حالات میں نیت زوج پر موقوف ہے اور صورت مسئولہ میں زید نے اس لفظ سے ارادہ طلاق بیان نہیں کیا پس ہندہ پر طلاق واقع نہیں ہوئی اور جب زید اس واقعہ کے تین چار روز کے بعد مر گیا تو ہندہ پر عدت وفات چار ماہ دس دن واجب ہو گئی لکونہا منکوحۃ غیر مطلقۃ وقت موتہ اور چار ماہ دس دن گزرنے سے پہلے جو ہندہ کا نکاح خالد کے ساتھ ہوا ہے وہ صحیح نہیں ہوا اور اب اگر ہندہ خالد ہی کے ساتھ نکاح کرنا چاہے تو وفات زید سے چار ماہ دس دن گزرنے کے بعد نکاح خالد سے کر سکتی ہے اور اگر خالد کے سوا کسی اور سے کرنا چاہے تو اگر خالد سے ہمبستری ہو چکی ہے تو جب تک خالد سے علیحدگی کے بعد دوسری عدت نہ گزرے غیر خالد سے نکاح درست نہیں اور اگر خالد سے ہمبستری نہیں ہوئی تو دوسری عدت کی ضرورت نہیں اور عدت ثانیہ تین حیض ہے اگر ہندہ کو حیض آتا ہو اور اگر حیض نہ آتا ہو تو سوال دوبارہ کیا جائے اور اس کو بھی واضح کیا جائے کہ خالد سے ہمبستری ہوئی تھی یا نہیں۔ واللہ اعلم۔

۲۱ ذی الحجہ ۴۹ھ

لفظ آزاد کے کنایہ ہونے اور نہ ہونے کی تحقیق

سوال: محمد یاسین سکنہ پسر حافظ قطب الدین مرحوم سکنہ دیوبند اپنی جائے ملازمت سہارنپور سے اپنی اہلیہ کو لینے کی غرض سے دیوبند آیا چونکہ اہلیہ بجائے اپنے والدین کے اپنی پھوپھی کے ہاں گئی ہوئی تھی اہلیہ سے کسی قسم کی گفتگو نہیں ہوئی، اہلیہ کے برادر سید حسن سے کہا گیا کہ تم ڈولی سے اپنی ہمشیرہ کو اپنے یہاں لے آؤ میں اس سے کچھ گفتگو کر دوں گا۔ برادر اہلیہ نے کہا کہ میں بعد نماز جمعہ ڈولی بھیجدوں گا

چنانچہ میں تین بجے کے قریب سسرال میں گیا وہاں پر خسر صاحب کے دریافت کرنے پر کہ کیا تم لینے کے لئے آئے ہو میں نے ظاہر کیا ہے کہ ہاں لینے ہی آیا تھا مگر خسر صاحب نے اس پر کچھ ناراضگی ظاہر کی میں خاموش ان کی گفتگو کو سنتا رہا بعدہ سید حسن برادر اہلیہ سے دریافت کیا کہ تم سے ڈولی کے لئے کہا تھا اس پر جواب ملا کہ والد نے منع کر دیا ہے اس وجہ سے ڈولی نہیں بھیجی میں سید حسن کو اپنے ہمراہ لئے ہوئے سید محمد محتشم کے مکان پر جہاں میری والدہ بھی مقیم تھیں گیا سید حسن نے واپس مکان جانا چاہا تو میں نے اس کو یہ کہکر روک لیا کہ باغ دیکھنے شبیر احمد کے ہمراہ چلیں گے مگر شبیر احمد اس وقت تک اپنے مکان سے نہیں آئے تھے۔ میں نے والدہ صاحبہ سے کہا کہ جب کبھی لے جانے کا ذکر ہوتا ہے تو خسر صاحب کو ناگوار گذرتا ہے اس سے بہتر ہے کہ آپ یہاں سے کسی کو بھیجکر سہارنپور سے اپنا اسباب منگالو اور یہیں رہو کیونکہ وہاں مکان کرایہ پر ہے اور اسباب کی وجہ سے خالی مکان کا کرایہ دینا پڑتا ہے، والدہ صاحبہ نے جواب دیا کہ دو چار روز میں میں بہو کو لیکر چل آؤں گی مکان کو ابھی نہیں چھوڑنا چاہئے، کیونکہ مجھے اس وقت یہ خیال پختہ تھا کہ خسر صاحب اہلیہ کے بھیجنے پر رضامند نہیں ہیں۔ میں نے والدہ کو جواب دیا کہ میری طرف سے تم بھی آزاد ہو اور وہ بھی آزاد ہے جب چاہو آؤ میری تکلیف کی کسی کو بھی پروا نہیں اور میرا نقصان گوارا ہی ہو اس وقت یہ الفاظ محض اس نیت سے کہے گئے تھے کہ گویا تم دونوں کو میری کچھ فکر نہیں ہے طلاق کی نیت سے یہ الفاظ نہیں کہے گئے: اور میں ایک خط خسر صاحب کو لکھنے کے لئے وہاں ہی بیٹھ گیا خط لکھتے ہوئے دیکھ کر والدہ نے کہا کہ میرے منہ کو کیوں کیچل بندھوائے ہے، میں نے جواب میں بآواز کہا کہ میں بے شعور نہیں ہوں اور نہ میں طلاق نامہ لکھ رہا ہوں محض ایک خط لکھ رہا ہوں جس کا جواب سید حسن لیتے آئے گا اور میں شام کی گاڑی سے واپس چلا جاؤں گا، تھوڑی ہی دیر میں شبیر احمد بھی آگئے اور والدہ صاحبہ کے اشارہ پر کاغذ کو میرے ہاتھ سے لینا چاہا، میں نے ان کو یہی جواب دیکر کاغذ واپس لے لیا کہ مجھے خط پورا کرنے دو پھر دیکھ لینا چنانچہ میں نے خط کو پورا لکھ کے شبیر احمد کو دیدیا کہ اب تم خود بھی پڑھ لو اور والدہ صاحبہ کو بھی سنادو اس خط کو شبیر احمد نے پڑھا اور سید محمد محتشم کو جو اس وقت مکان میں موجود تھے دکھانے کے لئے اندر لے گئے میں بھی بعد کو اندر گیا تو محمد محتشم نے مجھ سے کہا کہ تم عقلمند ہو بڑوں کو اس قسم کے خطوط نہیں لکھا کرتے اس خط کو مت بھیجو اور اگر وہ تمہاری اہلیہ کو نہیں جانے دیتے تو تم بھی خاموش ہو جاؤ

دیکھیں کب تک رکھتے ہیں اپنے آپ بھیجدیں گے۔ میں نے اس خط کو اپنے پاس رکھ لیا اور پھر آکر دیکھا تو سید حسن نہیں ملا۔ میں نے وہ خط مولوی نور الحسن صاحب کو دکھایا مولوی صاحب نے اس کو پڑھ کر پھاڑ دیا اور کہا کہ بڑوں کو ایسے الفاظ نہیں لکھا کرتے کیونکہ میرے خط میں الفاظ سخت تھے۔ اس وجہ سے میں بھی خاموش ہوگیا مگر خط میں اہلیہ کا کوئی تذکرہ نہ تھا۔ اگلے روز شام کے وقت مجھے معلوم ہوا کہ اہلیہ کی پھوپھی آئی تھیں اور کہتی تھیں کہ سید حسن نے یہ جا کر کہا کہ محمد یامین نے طلاق دے دی ہے۔ چنانچہ ان کو جواب دیا گیا کہ یہ بالکل غلط ہے اور یامین صبح سے باغ میں گیا ہوا ہے۔ شام کو جب میں باغ سے واپس آیا تو والدہ صاحبہ نے یہ قصہ مجھ سے کہا۔ میں نے مولوی نور الحسن صاحب کو اطلاع دی کہ ایسی افواہ اڑا دی گئی ہے اگر اس خط کو نہ پھاڑتے تو اس وقت وہ خط ان کو دکھا کر تسلی کر دی جاتی خیر مولوی صاحب نے اس وقت تو مجھ سے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ ہم خود اس معاملہ کو حل کر دیں گے، سید حسن بچہ ہے وہ اس معاملہ کو کیا جانے۔ اتوار کے روز صبح کو مولوی صاحب میرے پاس آئے اور کہا کہ تمہارے خسر صاحب بلاتے ہیں۔ چنانچہ میں گیا اور خسر صاحب سے گفتگو کی میں نے خسر صاحب کو یہ یقین دلانا چاہا کہ میں نے طلاق نہیں دی اور نہ طلاق کے الفاظ استعمال کئے مگر ان کو یقین نہیں آیا اور یہ کہہ کر چلے گئے کہ شام کو اس کا جواب دوں گا۔ چنانچہ میں پیر کے روز خود اہلیہ کی پھوپھی اور برادر اولاد حسین سے اس واقعہ کی تردید کی اور شام تک انتظار دیکھ کر منگل کے روز اپنی جائے ملازمت پر پہاڑ پور واپس چلا آیا۔ جو اصلی اور صحیح واقعات شروع سے اخیر تک گزرے ہیں وہ نہایت ایمانداری اور سچائی کے ساتھ اس تحریر میں درج کر دیئے۔ میں طلاق کو عدم طلاق اور عدم طلاق کو طلاق بنانا نہیں چاہتا اور قسمیہ تحریر ہے کہ میرے الفاظ بہ نیت طلاق نہ تھے۔ اس پر مفتیان شرع متین فتویٰ دیں کہ آیا اس واقعہ سے طلاق ہوئی یا نہیں؟ تاکہ میں اور اہلیہ آخرت کی خرابی سے بچ جاویں۔ فقط

الجواب: حامداً ومصلیاً۔ جو الفاظ سوال میں مذکور ہیں وہ کنایاتِ[عہ] طلاق کے ہیں لیکن مابعد کا کلام اور متکلم کا ان سے طلاق کا ارادہ نہ کرنا معنی طلاق کی ان الفاظ سے نفی کر رہا ہے اس لئے اس صورت میں دیانۃً کسی قسم کی طلاق شرعاً واقع نہیں

[عہ] ہم نے اپنے جواب میں اس کو کنایاتِ طلاق سے ہونا صورۃ مسئولہ میں تسلیم نہیں کیا ۱۲ ظفر

ہوگی واللہ اعلم بالصواب ۔

رقمہ ضیاء احمد عفا عنہ ۹؍ جمادی الاولیٰ ۶۳ھ

الجواب صحیح ۔ عنایت الٰہی عفا عنہ ۔

الجواب من جامعہ امداد الاحکام بتھانہ بھون ؛ واللہ الموفق للصواب

صورت مسئولہ میں متکلم کا یہ قول کہ "میری طرف سے تم بھی آزاد ہو، اور وہ بھی آزاد ہے جب چاہے آوے" نہ کنایات طلاق سے ہے نہ صریح سے اس لئے اس سے کسی قسم کی طلاق پڑنے کا احتمال نہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ کنایہ وہ ہے جس میں احتمال ارادۂ رفع قید نکاح بھی ہو اور اس کے غیر کا احتمال بھی ہو اور لفظ آزاد ہر حالت اور ہر استعمال میں کنایۂ طلاق نہیں بلکہ یہ کنایات میں اس وقت داخل ہے جبکہ خلاف ارادۂ طلاق کا قرینہ کلام میں نہ ہو مثلاً یوں کہا جائے کہ میری بیوی آزاد ہے یا تو آزاد ہے یا وہ آزاد ہے اور وہ ہر طرح مجھ سے آزاد ہے اور تو پوری طرح آزاد ہے ان استعمالات میں بیشک یہ کنایات کی قبیل سے ہے اور اگر ارادۂ طلاق کا قرینہ قائم ہو تو پھر یہ لفظ صریح ہو جاتا ہے مثلاً یوں کہا جائے کہ میری بیوی میرے نکاح سے آزاد ہے۔ یا میں نے اس کو اپنے نکاح سے آزاد کیا۔ اور میں نے اس کو اپنے سے آزاد کر دیا۔ اور اگر کلام میں عدم ارادۂ طلاق کا قرینہ قائم ہو جائے تو پھر یہ نہ صریح طلاق سے ہے نہ کنایات سے مثلاً یوں کہا جائے کہ تو آزاد ہے جو چاہے کھا پی اور میں نے اپنی بیوی کو آزاد کیا چاہے وہ میرے پاس رہے یا اپنے گھر اور وہ آزاد ہے جب اس کا جی چاہے آوے۔ ان استعمالات میں ہرگز کوئی شخص محض مادۂ آزادی کی وجہ سے اس کلام کو کنایۂ طلاق سے نہیں کہہ سکتا بلکہ اباحت افعال و تخییر وغیرہ پر محمول کرے گا بشرطیکہ اس کو محاورات لسان پر کافی اطلاع ہو اور ایک لفظ کا صریح طلاق اور کنایۂ طلاق ہونا اور گاہے دونوں سے خالی ہونا اہل علم پر مخفی نہیں ملاحظہ لفظ طالق اور طلقتک بمعنی طلاق میں شرعاً صریح ہے لیکن انت مطلقة بسکون الطاء من الاطلاق فکنایة ولو صرح بنحو انت طالق عن الوثاق او القید فانه یصدق قضاء ودیانة فی عدم ارادة الطلاق الرافع لقید النکاح الا اذا قرنه بعدد فلا یصدق اصلاً صرح به فی الدر والشامیة فی باب الصریح وهل هذا الا ان اللفظ یختلف فی الدلالة علی معناه بحسب اختلاف استعماله وان کان مادته

واحدۃ فی جمیع الاستعمالات ۔

پس ہمارے نزدیک صورت مسئولہ میں متکلم کا اپنی ماں کو خطاب کرکے یہ کہنا کہ "تم بھی آزاد ہو اور وہ بھی آزاد ہے جب چاہے آوے" اس میں "جب چاہے آوے" یہ قرینہ نفی ارادہ طلاق کا ہے نیز اس کے ساتھ یہ بھی قرینہ ہے کہ متکلم نے اپنی ماں کو بھی آزاد کہا ہے اور وہاں یقیناً معنی طلاق مراد نہیں تو اس سے اس کے قرین پر بھی اثر پہنچا ہے کہ جو معنی آزاد کے اول جملہ میں ہیں وہی دوسرے جملہ میں ہوں گے اور لفظ "جب چاہے آوے" نے اس کو واضح کردیا کہ مراد آزادی آمد و رفت کی ہے نہ کہ نکاح سے آزادی اور اس کے بعد سائل نے اُسی جلسہ میں یہ بھی تصریح کردی کہ میں بے شرع نہیں ہوں نہ طلاق نامہ لکھ رہا ہوں جس سے ارادہ طلاق کی نفی موکد ہوگئی ۔ پس صورت مسئولہ میں طلاق کے وقوع کا کوئی احتمال نہیں اور زوجہ سائل کو عدۃ طلاق گزارنا جائز نہیں جب تک کہ اس کے پاس دو ثقہ عادل ان الفاظ کا متکلم کی زبان سے صادر ہونا بیان نہ کریں جو اس مادہ میں موجب وقوع طلاق ہو سکتے ہیں جس کی قدرے تفصیل اوپر گزر چکی ۔ اور سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ مسماۃ کے پاس خبر پہنچانے والا سوائے اس کے بھائی کے اور کوئی نہیں تو اس صورت میں اگر اس کا بھائی ایسے الفاظ بھی بیان کرے جو در حقیقت موجب طلاق ہوں جب بھی مسماۃ کو اس کی تصدیق جائز نہیں جبکہ شوہر اس سے منکر ہے ۔ واللہ اعلم ۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ ۔

۹ رجب المرجب سنہ ۴۶ھ ۔

کنایہ طلاق کے اندر اگر نیت میں شک ہو تو طلاق واقع نہیں ہوگی

سوال) اپنی عورت کے ساتھ نزاع کے وقت مرد کی زبان سے الفاظ "نکل جا ۔ اپنی ماں کے گھر چلی جا" نکلے ۔ ان الفاظ کے نکلنے کے بعد اس کو جب نیت کا خیال ہوا تو شک پڑ گیا کہ نیت تھی یا نہیں ۔ عورت کو ان الفاظ کے احکام کا علم نہیں ۔ وہ خاوند کے پاس رہنے پر مصر ہے اور طلاق کا مطالبہ نہیں کرتی ۔ پس ارشاد فرمایا جاوے کہ:

(۱) نیت کے مشکوک ہونے کی صورت میں طلاق پڑ جاوے گی یا اس شک کو لحاظ کرکے عورت سے تعلقات رکھنا جائز ہے؟

(۲) خدانخواستہ اگر ان الفاظ سے طلاق واقع ہو جاوے تو رجوع کی کیا صورت ۔ تخمیناً سوا دو کہ دو تین سال قبل اسی قسم کے الفاظ عورت کے سوال "پالنا ہو تو پالو ورنہ چھوڑ دو" پر

"جاؤ اپنی ماں کے گھر جاؤ" بلا نیت طلاق نکلے پھر اس شبہ سے کہ ان الفاظ سے طلاق واقع ہو جاتی ہے "گوشت ہو جاؤ اب مجھ سے کچھ تعلق نہ رہا" کہا گیا۔ بنا بر استفتاء بعض علماء نے طلاق واقع کہا اور بعض نے بلا نیت واقع نہ ہوگی فرمایا اس لئے احتیاطاً اس وقت تجدید نکاح کر لیا گیا تھا۔

الجواب: قال فی الدر علم انہ حلف ولم یدر بطلاق او غیرہ لغا کما لو شک أطلق أم لا (ص ۴۳۵ ج ۲) چونکہ صورت مسئولہ میں لفظ صریح نہیں بلکہ کنایہ محتاج نیت ہے اور نیت میں شک ہے اس لئے طلاق واقع نہ ہوگی۔

۲۰ شعبان سنہ ۳۶ھ

مکرہ نے بلا ارادہ طلاق کی نیت سے لفظ تلاک ہے، تلاک ہے، تلاک ہے تین دفعہ دہرایا تو طلاق واقع نہیں ہوگی

سوال: زید نے اپنی بیوی کو طلاق بائن دے دی عدت کے بعد عمرو نے زوجہ زید سے نکاح کر لیا یہ خبر پاکر زید طلاق سے منکر ہو گیا اور عمرو پر دعویٰ دائر کر دیا چونکہ زید رتبے والا تھا عدالت سے مقدمہ جیت گیا۔ اب زید نے عمرو کو مجبور کیا کہ تم اس کو طلاق دو۔ عمرو نے کہا کہ جب تم نے اس کو طلاق ہی نہیں دی تھی تو میرا نکاح ہی نہیں ہوا پھر میری طلاق کی کیا ضرورت ہے زید نے کہا کہ تم کو طلاق دینا پڑے گی ورنہ تمہاری خیر نہیں چونکہ زید ایک زبردست آدمی تھا۔ اس لئے عمرو اس کے سامنے مجبور ہو گیا۔ آخر اس نے کسی قدر غصہ سے کھڑے کھڑے یوں کہا "تلاک ہے۔ تلاک ہے۔ تلاک ہے" اور طلاق کی نیت نہیں کی بلکہ اپنے اوپر سے بلا ٹالنا چاہی اس لئے یہ محض لفظ استعمال کیا۔ پس صورت مسئولہ میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں۔

الجواب: اس سوال کا جواب چند مقدمات پر مبنی ہے۔ مقدمہ (۱) اس میں تو شک نہیں کہ عوام طلاق دیتے ہوئے مخارج سے ادائے حروف کی سعی نہیں کرتے اسی لئے فقہاء نے تلاک، تلاغ وغیرہ کو بھی موجب طلاق قرار دیا ہے (۲) نیز حرف اخیر بہت وقت ہو عام طور پر بعض اہل ہندوستان نہیں بولتے اور بعض وقت شبہ ہو جاتا ہے کہ شاید متکلم نے حرف اخیر کو حذف کر دیا ہے مثلاً دوست کا دوس گوشت کا گوش جذب کا جذ۔ سلام کا سلا مفہوم ہوا کرتا ہے (۳) اس میں بھی شک نہیں کہ نفس تلا اگر بدون قرینے کے استعمال کیا جائے لفظ مہمل ہے یا مختلف معانی کو محتمل ہے کہ جس کا کلام مردہ ہے یا کیا (۴) اور اگر مذاکرۂ طلاق

کے بعد یا بیوی کے سامنے غضب کی حالت میں استعمال کیا جائے تو ان قرائن کے انضمام سے متبادر یہی ہوگا کہ طلاق مراد ہے، اور التقتہ میں سرعت نطق کی وجہ سے حرف اخیر حذف کر دیا۔ یہ مفہوم نہیں ہو۔

خلاصہ یہ کہ یہ لفظ کنایات طلاق سے ہے جو مذاکرہ وغیرہ کے وقت طلاق کو موجب ہوگا۔ چونکہ صورت مسئولہ میں عمرو نے یہ لفظ مذاکرۂ طلاق کے بعد استعمال کیا ہے اس لئے قضاءً اس سے وقوع طلاق ہو گئی اور اضافت الی الزوجہ بھی موجود ہے کیونکہ زید نے اُسی عورت کی طلاق پر اکراہ کیا تھا جس کے متعلق نزاع تھا۔ لیکن چونکہ عمرو کی نیت طلاق کی نہ تھی اس لئے دیانۃً وقوع طلاق نہیں ہوا۔ اور قضاءً بھی عمرو کا دعویٰ عدم نیت یمین کے بعد قبول کیا جائے گا۔ کیونکہ گو ایک قرینہ مذاکرۂ طلاق مؤید ارادۂ طلاق بلفظ تلا ہے مگر دوسرا قرینہ یعنی اکراہ مؤید ارادۂ فرار عن الطلاق باستعمال اللفظ المحتمل المغیر ہے کیونکہ اکراہ کی حالت میں مناسب یہی ہے کہ طلاق کی نیت ہوتی اب اگر لفظ صریح ہو تو دعویٰ عدم نیت بوجہ صراحت کے رد ہوگا اور اگر لفظ مصحف یا مغیر ہو اور کنایہ ہو، دعویٰ کرے کہ میں نے تصحیف عمداً کی ہے تاکہ طلاق واقع نہ ہو تو یہ دعویٰ یمین کے ساتھ قبول ہوگا اور اس یمین قاضی کے سامنے ہونا چاہئے مگر طلاق کے معاملہ میں عورت کالقاضی ہے اس لئے یہی کافی ہے کہ عورت تنہائی میں شوہر سے قسم لے لے اگر وہ قسم کھائے کہ میری نیت طلاق کی نہ تھی بلکہ فرار عن الطلاق کی تھی تو اس کے بعد عورت کو عمرو کے نکاح میں بدستور رہنا جائز ہے۔

والمسئلۃ ماخوذۃ عن الدر والشامیۃ (ص ۶۱۳ ج ۲ وص ۶۴۳ ج ۲) باب الصریح والکنایات۔ واللہ اعلم۔

۵ رمضان ۱۳۴۳ھ

زید نے ہندہ کو اجازت دی ہے کہ جس سے چاہے نکاح کرے بعد کو کچھ نہیں کیا تب بھی بلا نیت طلاق بائن کا وقوع

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ ایک شریف خاندان کی لڑکی بدبخت بے دین کے سُنّی ہونے کے دھوکہ سے زید کے نکاح میں آگئی۔ زید تارک الصلوۃ تارک الجمعہ تارک الصوم ہندہ کو نان و نفقہ نہیں دیتا تھا نہ اس کے بچوں کو پرورش کرتا تھا اور اگر کبھی دو چار ماہ کو ہمراہ لے بھی گیا تو قسم قسم کی ایذا سے ہندہ کو دق کرتا رہتا تھا اور اس کو اس کی ماں بیوہ کے پاس لا کر خود بھی چلا جاتا تھا؛ اس کی ماں بیوہ کے ذمہ ڈال دیتا تھا خرچ کی والدہ ہندہ سخت محتاج اور پریشان تھی عرصہ آٹھ نو سال تک اس ظلم کو بوجہ

بے وارثی سہتی رہی اور باقی یتیم پریشان رہ گئے سب مال دھمکا دھمکا کر زید کھا گیا۔ اب عرصہ ایک سال سے زید ایک عورت نامحرم سے تعلق پیدا کر کے فرار ہو گیا اور ہندہ اور ہندہ کی والدہ کو کہہ کر چند آدمیوں کے سامنے یہ جواب دے گیا کہ میں نے بخوشی اجازت دی ہندہ اور نکاح کرنے۔ ہندہ سے کہا کہ میں نے تجھ کو خوشی سے اجازت دی تو جس سے چاہے نکاح کرے مجھ کو کچھ غرض نہیں میں نان ونفقہ دوں نہ نگرانی کروں تجھ کو اپنے نفس کا اختیار ہے" اب ہندہ نے ایک سال کے بعد اپنے خورد ونوش کے لئے مزدوری اختیار کی ہے آیا ہندہ کو باہر نکلنا کسی کے گھر جانا یا کسی کے بچہ کو دودھ پلانا یا دوسرا نکاح کر لینا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اگر صورت سوال صحیح ہے تو صورت مسئولہ میں ہندہ پر طلاق بائن واقع ہو گئی لان الاذن فی النکاح بمعنی ابتغی الازواج فیقع الطلاق اذا کان فی حالۃ الغضب او المذاکرۃ وعندی ان قولہ "میں نے ہندہ کو اجازت دی کہ جس سے جاہے نکاح کرے مجھے کچھ غرض نہیں" بمنزلۃ قولہ أبرأتک عن الزوجیۃ وبہ یقع الطلاق من غیر نیۃ فی الرضاء والغضب (عالمگیریہ ص ۳۷۲ ج ۲) فکذا ھذا الکلام بمجموعہ کالصریح عندی وکذا قال بعض اہل اللسان ووافقونی علیہ اسی طرح زوج کا یہ قول "مجھے کچھ غرض نہیں" بمعنی قولہ لا علاقۃ لی بہا ولا سبیل لی علیہا اور اس سے پہلا کلام اذن نکاح طلاق کو مفید ہے اس لئے بھی طلاق بائن میں شک نہیں پس ہندہ زید کے اس قول کے بعد سے تین حیض گزار کر جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفی عنہ

خلاصہ یہ کہ اگر جزو اول کا موثر ہونا کچھ مخفی بھی ہو مگر جزو ثانی میں کچھ خفا نہیں ۱۲ اشرف علی

۲۵ شوال سنہ ۴۶ھ

حکم بعض الفاظ کنایہ

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں زید اپنی زوجہ منکوحہ ہندہ نامی کو عرصہ ڈھائی سال کا ہوا بسبب تنازعہ ونفاق باہمی کے یہ الفاظ کہہ کر کہ تو میرے شرع سے باہر ہو گئی ہے۔ میرے لائق نہیں ہے۔ میں تیرا راضی ساتھی نہیں ہوں۔ میرے گھر سے نکل جا۔ جہاں تیرا جی چاہے جا۔ ہم سے کوئی واسطہ نہیں اپنے گھر سے نکال دیا۔ ہندہ مجبوراً اس کے پاس سے چلی آئی اور چونکہ اس کا کفیل اور دستگیر نہ تھا اس نے اپنے گذر معاش اور اوقات بسری کے لئے اپنے ایک ہم قوم بکر نامی کے یہاں قیام کیا اور اس گذشتہ

ڈھائی سال تک ہندہ علی الاعلان جو کہ زید و نیز تمام لوگوں کو بخوبی ظاہر تھا بغیر نکاح کئے ہوئے بکر کی زوجیت میں اس وقت تک رہی، اور بکر مطابق سلوکات زن و شوہر ہندہ کے ہر قسم کے پرورش نان نفقہ اور ضروریات کا ذمہ دار رہا۔ زید نے نکال دینے کے بعد پھر ہندہ کو نہ رکھا نہ اس کے کسی قسم کے نان نفقہ کی فکر کی اور نہ کوئی تعلقات زن و شوہر کے قائم ہے اب عرصہ اٹھارہ یوم کا ہوا کہ زید قضاء الٰہی سے فوت ہو گیا ایسی صورت میں اس وقت ہندہ کو بکر کے ساتھ نکاح پڑھانے کے لئے زید کے فوت ہو جانے کی وجہ سے سوگ کرنے اور ایام عدت پورا کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں اور یہ کہ ہندہ کا نکاح بکر کے ساتھ بغیر ایام عدت پورا کئے ہوئے اب اس وقت ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: زید کا یہ قول "تو میرے شرع سے باہر ہو گئی" اس میں تصریح سے مراد نکاح ہے اس لئے معنی طلاق میں صریح ہے لکونہ مثل قولہ ابرأتك عن الزوجية وقد صرح في الهندية بكونه صريحا في الطلاق (ص ۲۲۷ ج ۲) اس سے ایک طلاق تو اس لفظ سے پڑ گئی اس کے بعد کہا کہ میرے گھر سے نکل جا یہ کنایہ ہے جو وقوع طلاق میں بحال محتاج نیت ہے اس کے بعد کہا کہ تجھ سے کچھ واسطہ نہیں یہ بحالت مذاکرہ طلاق محتاج نیت نہیں اس لئے ہندہ پر دو طلاق بائن واقع ہو گئیں اور عدت کے بعد اس کا نکاح بکر سے جائز ہے اور عدت طلاق کے وقت سے شمار کی جاوے گی جب طلاق کے وقت سے تین حیض پورے ہو چکیں اسی وقت نکاح درست ہے غالباً اس ڈھائی سال میں تین حیض ہندہ کو آ گئے ہوں گے اگر نہ آئے ہوں تو تین حیض پورے ہونے کے بعد بکر سے نکاح کرے۔ اور بکر کے ساتھ جو ہندہ ڈھائی سال تک رہی اور اس سے مقاربت ہوئی یہ محض زنا ہے اس کی وجہ سے کوئی عدت لازم نہیں۔ واللہ اعلم۔

۲ر ذیقعدہ ۴۶ھ

طلاق بائن کی ایک صورت کا حکم

سوال: نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و حامیان شرع متین اس باب میں کہ زید نے زبیدہ سے جو بیوہ تھی اس کی رضامندی سے عرصہ گیارہ سال کا ہوتا ہے نکاح کیا اور زید بسلسلہ ملازمت پردیس چلا گیا کچھ عرصے بعد زبیدہ کا زید کے نام یہ خط پہونچا ہے کہ اس خط کے دیکھتے ہی فوراً لکھ دینا کہ میں نے تم کو آزاد کر دیا زید نے کراہتاً ایسا ہی کیا اور بذریعہ تحریر زبیدہ کو اس کی اطلاع دے دی زید کو اس معاملے سے زبیدہ کی جانب سے بدگمانی ہوئی اور وہ یہ سمجھ چکا کہ کسی دوسرے

شخص کی وجہ سے وہ زید کے نکاح میں نہیں رہنا چاہتی۔ مگر زید عرصہ دو یا تین ماہ بعد جب وطن آتا ہے تو زبیدہ کو حسب معمول اپنا مائل پاتا ہے اور زید اُس کو کسی قسم کی طلاق اسی وجہ سے نہیں دیتا کہ وہ ہر طرح سے اس کی فرمانبردار نظر آتی ہے اور بدگمانی کے متعلق حلف اٹھا کر صفائی کر دیتی ہے زید اُس سے مقاربت کرتا ہے اور پھر تھوڑے عرصے رہ کر پردیس چلا جاتا ہے پردیس جانے کے بعد بعض ذرائع اور قرائن معتبرہ سے زید یہ معلوم کر لیتا ہے کہ زبیدہ کا ناجائز تعلق کسی غیر شخص سے ہے۔ اس پر وہ سخت برہم ہو کر لکھ دیتا ہے کہ مجھ سے تیرا کوئی تعلق نہیں رہا یا میں نے تجھ کو آزاد کر دیا وغیرہ مگر زبیدہ کی جانب سے اس بات کے قبول کرنے یا نہ کرنے کا کوئی جواب ملنا بھی قطعاً یاد نہیں رہا مگر زید اس کو اپنی کم عقلی کی وجہ سے سمجھا کہ زبیدہ مجھ سے ہمیشہ کے لئے علیحدہ اور حرام ہو گئی چنانچہ اثنا تذکرہ میں زبیدہ کی نسبت مطلقہ ہونے کا ذکر بیان کرتا ہے اور اس کو اپنی بہن وغیرہ سے تعبیر کرتا رہا ہے۔ اب زید عرصہ دو سال بعد جو وطن واپس آیا ہے تو زبیدہ کہتی اور دعویٰ کرتی ہے کہ میں تجھ پر کسی طرح حرام نہیں ہوئی میں تیری منکوحہ ہوں اور از روئے شریعت تجھ پر کوئی طلاق وغیرہ عائد نہیں ہو سکتی اور بدگمانی کی نسبت ہر طرح حلف وغیرہ اور خدا کے واسطہ کو درمیان کر کے قسم کھا کر کہتی ہے کہ اگر میں نے تیری امانت میں خیانت کی ہو یا سوائے تیرے کسی غیر شخص سے حرام کیا ہو تو قیامت میں میرا دامن اور تیرا ہاتھ ہوگا اور اگر تو بلا وجہ اور بے گناہ محض بدگمانی اور قیاس پر مجھے چھوڑتا ہے تو قیامت میں تیرا دامن اور میرا ہاتھ ہوگا۔

اب زید نہایت مضطرب ہے اور چاہتا ہے کہ زبیدہ کو نہ چھوڑے بشرطیکہ شرع متین کی رُو سے زبیدہ اس کی ہو سکتی ہو۔ بینوا توجروا۔

نوٹ: زبیدہ کا نکاح بغیر کسی مقررہ دین مہر کے ہوا تھا تو کیا شرعاً بی بی کو مقررہ مہر ادا کرنا ہوگا؟

زبیدہ کا نکاح ایک مرد اور ایک جاہل جو گواہ کی صورت میں تعداد دو شخصوں کے مواجہ میں ہوا تھا وہ نکاح صحیح ہے یا غیر صحیح بینوا توجروا۔

تنقیح: زید نے زبیدہ کا خط آنے پر جو زبان سے کہا کہ میں نے تجھ کو آزاد کیا اور بذریعہ تحریر زبیدہ کو اس کی اطلاع بھی دیدی۔ اس کے متعلق یہ امر تنقیح طلب ہے کہ زید نے خط پڑھ کر یہی الفاظ مذکورہ کہے یا بیوی کا نام لیکر یوں کہا کہ میں نے زبیدہ کو آزاد کر دیا۔ اور

صورت اولیٰ میں جبکہ ”میں نے تجھ کو آزاد کیا“ کہا ہو نیت طلاق کی تھی یا نہیں؟ اور زبیدہ کو جو بذریعہ تحریر اطلاع دی کن الفاظ سے اطلاع دی وہ الفاظ صحیح طور پر بلا کم و بیش لکھے جائیں فان وجوہ الاضافة فی الخطاب مع عدم المخاطب مختلف فیہ کما یظہر من عبارات الفقہاء التی ذکرہا فی رد المحتار (ص ۵۰۷ ج ۲) والخلاصة (ص ۱۹۰ ج ۲) اس کے بعد جو زید نے بدگمانی کی وجہ سے زبیدہ کو یہ لکھا کہ میرا تجھ سے تعلق نہیں رہا میں نے تجھ کو آزاد کر دیا۔ اس لفظ سے زبیدہ پر طلاق بائن پڑ گئی۔ لیکن یہ امر تنقیح طلب ہے کہ اس نے ان دونوں لفظوں کو ایک شمار کیا یا دونوں کو الگ الگ بہ نیت طلاق استعمال کیا ہے۔ رہا یہ کہ اب زبیدہ سے زید کا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں اس کا جواب تنقیح بالا پر دیا جائے گا۔ سائل کو مذکورہ بالا دونوں تنقیحوں کا جواب دینا چاہئے تاکہ یہ واضح ہو کہ زبیدہ پر تین طلاقیں واقع ہوئیں یا اس سے کم۔

اور مہر مقرر نہ کرنے کی صورت میں زوجہ کا خاندانی مہر شوہر کے ذمہ لازم ہوتا ہے اور ایک عالم اور ایک جاہل مل کر دو گواہ ہونے سے بھی نکاح منعقد و صحیح ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

جواب تنقیح: (۱) زبیدہ کا خط پا کر یہ مضمون بدست ہوا تھا کہ یہ خط پہنچتے ہی تم کہہ دینا میں نے تم کو آزاد کیا چنانچہ زید نے صرف اسی قدر الفاظ کہے تھے (کہ میں نے تم کو آزاد کیا) بعد زمانہ کے باعث اس قدر خیال نہیں رہا کہ زبیدہ کا نام بھی لیا تھا یا نہیں یہ الفاظ کہتے ہوئے زید کو نیت طلاق کی تو نہ تھی مگر اپنی لاعلمی کی وجہ سے خیال کرتا تھا کہ اب زبیدہ اس سے چھوٹ گئی۔ زبیدہ کو جو اطلاع دی گئی وہ بھی الفاظ مذکورہ کا اعادہ تھا بس۔

(۲) چونکہ زید اپنے خیال میں یہ تصور کر چکا تھا کہ زبیدہ اس سے گئی ان الفاظ سے وہ آزاد ہو گئی مگر نیت طلاق کی پھر بھی نہ تھی۔ بادل مجبوراً و کراہۃً زبیدہ کے کہنے پر یہ الفاظ کہے گئے بلا دیگر بدگمانی کی وجہ۔ اس کے بعد ایک عرصے تک خط و کتابت بند رہنے سے زید زبیدہ سے بعید بدگمان ہو کر ہمیشہ اس کو مطلقہ تصور کرتا رہا مگر دوبارہ کبھی ایسے الفاظ نہیں کہے گئے بلکہ محض تحریراً۔

(۳) ایک صاحب جو عالم بھی ہیں مغالطہ ڈال رہے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ تا وقتیکہ زبیدہ نکاح کے وقت خود موجود رہ کر اپنی زبان سے ایجاب و قبول نہ کرے یا اس کی جانب سے

کوئی وکیل درمیان میں نہ ہو صرف ایک عالم اور ایک جاہل کے موجود ہونے سے بلا واسطہ نکاح صحیح نہیں ہوا تاکہ وکیل یا گواہ نہیں بن سکتے، واللہ اعلم۔

مفصلاً نکاح کی کیفیت مکرر عرض کرتا ہوں زبیدہ نے زید سے کہا کہ میں تجھ سے راضی ہوچکی تو میرا نکاح پڑھوا لے چنانچہ زید نے ایک عالم سے عرض کیا انہوں نے زبیدہ کی موجودگی یا اس کی جانب سے کسی وکیل وغیرہ کی موجودگی کی ضرورت تصور نہ فرما کر محض زید کے بیان پر بھروسہ کرکے ایک جاہل شخص جو ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا نکاح پڑھ دیا اور خود زید سے ایجاب و قبول کرایا تو کیا ایسی صورت میں نکاح صحیح ہوگیا اور اگر صحیح نہیں ہوا تو کیا اس وقت تک زید و زبیدہ کا تعلق ناجائز رہا اور اس کا ذمہ دار کون ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: از (۱) صورت مسئولہ میں زید نے جو زبیدہ کا خط پڑھ کر یہ لکھا کہ "میں نے تجھ کو آزاد کیا" اس سے طلاق نہیں پڑی کیونکہ اضافت موجود نہیں خطاب بوقت حضور مخاطب اضافت ہے وقت غیبت میں اضافت نہیں۔ قال فی الخلاصۃ ان الکتابۃ من الغائب کالخطاب من الحاضر (ص ۹۱ ج ۲) قلت فیہ دلالۃ علی ان الخطاب من الغائب لیس بشیء۔

البتہ اس کے بعد جو بدگمانی کی وجہ سے زید نے زبیدہ کو لکھا کہ "میرا تجھ سے تعلق نہیں رہا میں نے تجھ کو آزاد کردیا" اس سے زبیدہ پر طلاق بائن پڑگئی دوبارہ نکاح کرکے تعلق زوجیت قائم ہوسکتا ہے بدون نکاح کے ساتھ نہیں رہ سکتے۔

(۲) اس عالم نے صحیح نہیں کیا تاہم شاہد ہوسکتا ہے۔ قال فی الدر امر الاب رجلاً ان یزوج صغیرتہ فزوجہا عند رجل او امرأتین والحال ان الاب حاضر صح لانہ یجعل عاقداً حکماً والا لا ولو زوج بنتہ البالغۃ العاقلۃ بمحضر شاہد واحد جاز ان کانت ابنتہ حاضرۃ لانہا تجعل عاقدۃ والا لا والاصل ان الآمر متی حضر جعل مباشراً اھ (ص ۳۳۴ ج ۲) قلت وفیہ ایضاً ان الواحد یتولی طرفی العقد اذا لم یکن فضولیاً من الطرفین وفی الصورۃ المسئولۃ وکلت زبیدۃ زیداً لتزویج نفسہا منہ فصار اصیلاً ووکیلاً فیجوز العقد بعقد العالم عند شاہد واحد وزید حاضر واللہ اعلم۔

۲۳ ذی الحجۃ سنہ ۳۶ھ

دو طلاق صریح دینے کے بعد شوہر نے کہا۔ "فضل کی لڑکی کو طلاق بائن دیا" تو قول ثانی اول کا بیان سمجھا جائیگا یا مستقل طلاق ہو کر حرمت مغلظہ ہوگی

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی بی بی کے ساتھ جھگڑا کر کے کہا ایک طلاق دو طلاق فضل کی لڑکی کو طلاق بائن دیا اب اس کی بی بی پر تین طلاق واقع ہوں گی۔ بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مذکورہ میں اس کی بی بی پر دو طلاق بائن واقع ہوں گی کیونکہ مطلق کا بیان تغییر ہوتا ہے اول قول کا یعنی پہلی دو طلاق، طلاق بائن ہیں کما فی الهندية المجلد الثاني صفحہ ۳۴۹ فاذا وصف الطلاق بضرب من الزيادة والشدة كان بائنا مثل ان يقول انت طالق بائن او البتة فيكون هذا الوصف لتعيين احد المحتملين الى الرجعي والبائن۔ پس معلوم ہوا کہ صورت مذکورہ میں اس کی بی بی پر دو طلاق بائن واقع ہوں گی فقط واللہ اعلم۔

کتبہ احقر محمود عفی عنہ

الكلام على الجواب المذكور

یہ جواب غلط ہے اور صورت مسئولہ میں شخص مذکور کی بیوی پر تین طلاق واقع ہو گئیں۔ اور عبارت ہدایہ کا مطلب صرف اتنا ہے کہ جب طلاق کے ساتھ کوئی وصف مفید معنی زیادت و شدت ملحق ہوگا تو طلاق بائن ہو جائے گی اس کا مقتضا یہ ہے کہ شخص مذکور نے جو تیسری بار کہا فضل کی لڑکی کو طلاق بائن دیا تو وصف بائن سے یہ طلاق بائن ہو گئی۔ رہا یہ کہ اس وصف کے بڑھانے سے لفظ طلاق بائن دیا موجب وقوع طلاق نہ ہوگا بلکہ پہلے کلام کا بیان ہوگا عبارت ہدایہ اس پر دال نہیں والدليل على وقوع الثالث بقوله طلاق بائن دیا ما في رد المحتار تحت قول الدر لا يلحق البائن البائن اذا امكن جعله اخبارا عن الاول كانت بائن ابنتك بتطليقة فلا يقع لانه اخبار فلا ضرورة في جعله انشاء اه ما نصه اشار به الى انه لا يشترط اتحاد اللفظين فيشمل ما اذا كان الاول بلفظ الكناية البائنة او الخلع او الطلاق الصريح اذا كان على مال او موصوفا بما ينبئ عن البينونة كما علم مما قدمناه بعد كون الثاني بلفظ الكناية البائنة كالخلع ونحوه مما يتوقف على النية ولو باعتبار الاصل كانت حرام

طلاق بالکتابت کی ایک صورت

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی شادی بچپن میں ہوئی۔ مگر زید نے بالغ ہونے کے کچھ مدت بعد عمرو سے کہا کہ ایک طلاق نامہ لکھ دو تو عمرو نے پوچھا کیا تم اپنی بیوی کو طلاق دو گے تو زید نے کہا ہاں تو عمرو نے تین طلاق لکھ کر زید کو دیدیا اور زید نے اسے بکر کو دیا کہ اس کو پڑھ کر سنا دو۔ زید نے سننے کے بعد طلاق نامہ پر دستخط نہیں کیا اور طلاق نامہ لیکر رکھ لیا۔ کچھ روز کے بعد زید نے اس کو پھاڑ ڈالا۔ اس کے بعد زید کے گھر والوں کو خیال ہوا کہ اس کی بیوی کو بلایا جائے تو زید نے کہا کہ میں

نے ایک طلاق نامہ لکھوایا تھا مگر اس پر دستخط نہیں کیا تھا۔ اگر طلاق واقع ہو گئی ہو تو نہ بلایا جائے اور اگر نہ واقع ہوئی ہو تو بلایا جائے۔ اور پنچایت میں لوگوں نے پوچھا کہ یہ کیوں لکھوایا تھا تمہاری کیا نیت تھی تو زید نے جواب دیا کہ چھوڑنے کی نیت تھی ایسی صورت میں طلاق ہو گئی یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر واقعہ صرف اتنا ہی ہے جتنا سوال میں درج ہے کہ عمرو نے خود طلاق نامہ لکھ دیا زید نے مضمون نہیں بتلایا تو زید کی بیوی پر طلاق نہیں پڑی اور اگر زید نے مضمون طلاق نامہ اپنی زبان سے عمرو کو بتلایا کہ اس مضمون کا طلاق نامہ لکھ دو تو اس مضمون کو بیان کر کے سوال دوبارہ کیا جائے۔

قال فی رد المحتار وکذا کل کتاب لم یکتبہ بخطہ ولم یملہ بنفسہ لا یقع الطلاق مالم یقر انہ کتابہ اھ (ص [illegible] ج ۲) واللہ اعلم۔

ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ ۲۰ محرم سنہ ۴۶ھ

فصل فی تفویض الطلاق

تفویض طلاق کی ایک صورت اور اس کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ ایک شخص مسمی اسمٰعیل نے اپنے بڑے بھائی مسمی آدم کو کہا کہ یہ عورت مسمی خدیجہ کی طلاق دینا یا نہ دینا ہر حال میں تجھے اختیار ہے تو چاہے میری طرف سے طلاق دے یا نہ دے تو جیسا بھی کریگا اس پر راضی ہوں اور تجھے طلاق دینے میں میری رضا ہے۔ بعد یہ شخص مسمی آدم کو ایک شخص مسمی ابراہیم اور دوسرے شخص مسمی حسن نے پوچھا کہ تیرے بھائی کی عورت مسمی خدیجہ کو طلاق کے بارہ میں تو کیا کہتا ہے تو آدم نے جواب دیا کہ ہمارے بھائی کی عورت مسمی خدیجہ کو طلاق دی چھوڑ دی ہے اب گھڑی گھڑی طلاق دینے کی ضرورت نہیں اس کو طلاق ہی ہے طلاق ہے کیا آدم کے یہ کہنے سے دو آدمی کے سامنے طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ مع حوالہ کتب جواب دیجئے۔ بینوا توجروا۔

تنقیح: (۱) مسمی آدم نے یہ الفاظ اسی مجلس میں کہے ہیں جس میں اسمٰعیل نے اپنی بیوی کی طلاق کا اختیار دیا تھا یا دوسری مجلس میں کہے ہیں؟ (۲) اگر اسی مجلس میں کہے ہیں تو ان الفاظ سے پہلے اور اسمٰعیل کے کلام کے درمیان میں آدم نے کوئی کلام یا کام اجنبی کیا ہے یا نہیں؟ ان دونوں سوالوں کے جواب کے بعد حکم شرعی بتلایا جائے گا۔

ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۱۰ ربیع الثانی سنہ ۴۶ھ

جواب تنقیح :- (۱) مسمی اسمٰعیل نے آدم کو یہ اختیار پہلے دو چار روز پہلے بھی دیا تھا اور جس روز کہ یہ الفاظ کہے اس روز بھی چار گواہوں کے روبرو اسمٰعیل نے آدم کو تاکید یہ کہا کہ میری عورت مسمی خدیجہ کی طلاق چاہے اس مجلس میں دے ہر جگہ ہر مجلس میں تجھے اختیار ہے اور میری رضا ہے

۲ - جب اسمٰعیل نے یہ کلام کہا فوراً آدم اسمٰعیل کے مکان سے جس جگہ یعنی مسجد کے سامنے جماعت مومنین جمع ہو رہی تھی آیا اور مذکورہ عورت مذکورہ گواہان کے روبرو کہہ دے یعنی کہہ کر اور پھر خود کسی کام کے واسطے چلا گیا درمیان میں کوئی ایسی بات آدم یا اسمٰعیل نے نہیں کی اور اسی وقت کا ذکر ہے مذکورہ حرف مذکورہ گواہ کے علاوہ بھی دیگر کئی شخص نے سنے ہیں فقط ۔

الجواب :-

صورت مذکورہ میں جب اسمٰعیل نے آدم سے یہ الفاظ کہے کہ (میری عورت مسمی خدیجہ کو طلاق دینے کا تجھے اختیار ہے) اگر اسمٰعیل کی نیت تین طلاق کا اختیار دینے کی نہ تھی تو آدم کے ان الفاظ مذکورہ سے خدیجہ پر صرف ایک طلاق رجعی واقع ہوئی ہے ایک سے زیادہ واقع نہیں ہوئی ۔ عدت کے اندر اسمٰعیل اپنی بیوی سے رجعت کر سکتا ہے اور اگر اسمٰعیل کی نیت تین طلاق کا اختیار دینے کی تھی تو آدم کے الفاظ سے خدیجہ پر تین طلاق واقع ہو گئیں کیونکہ اس نے تعمیم طلاق کا لفظ استعمال کیا ہے اس صورت میں خدیجہ بدون حلالہ کے اسمٰعیل کے واسطے حلال نہیں ہو سکتی اور اگر اسمٰعیل کی کچھ نیت نہ تھی تب بھی ایک طلاق رجعی ہوئی ۔

قال فی العالمگیریۃ اذا قال لها طلقی نفسک سواء قال لها ان شئت او لم یقل فلها ان تطلق نفسها فی ذلک المجلس خاصة ولیس له ان یعزلها قال الرجل طلق امرأتی وقرنه بالمشیة فهو کذلک اھ وفیه وقال لها طلقی متی شئت فلها ان تطلق متی شاءت فی المجلس وبعده اھ وقلت فی الصورة مسئولة فی من الطلاق فیه بمنزلة العموم فهی نظیر المشیة

تفویض طلاق میں مجلس علم میں طلاق واقع کرنا شرط ہے

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ مسمی عبداللہ میر خان کو مسماۃ جیناں کمارن غیر مسلم کے ساتھ تعلق ناجائز رکھتا تھا (جب ماہ اکتوبر بنت بخشی سے شادی کرنے لگا تو بخشی نے ناجائز تعلق کے سبب سے عبداللہ سے ایک اسٹامپ تحریر کرایا کہ اگر دوبارہ میں ایسا کام کروں گا تو بخشی کو (وہ میری عورت ہے) اختیار ہے جیسا کہ نمبر ۵ میں تحریر ہے کہ میں اپنے نکاح سے آزاد کر دی ہوئی ۔ اب عبداللہ نے مسمی جیناں کمارن کو دوبارہ

اپنے گھر لیا ہے اور ناجائز تعلق قائم کیا۔ درحوراں اپنے والد کے گھر چلی آئی ہے۔ وہ کہتی ہے کہ مجھ کو اختیار دیا تھا اس لئے میں نکاح سے خروج کو اختیار کرتی ہوں۔ آیا یہ حوراں عبدل کے نکاح سے خارج ہوئی یا نہ؟ اور خیرم کا بھی عبدل مرتکب ہوا ہے۔ بینوا توجروا

المستفتی سیف احمد ولد کامل محلہ گجرات
ملک پنجاب حال قصبہ مد

نقل اشٹامپ شامل استفتاء ہے ملاحظہ ہو۔

اقرار نامہ

لکھنے والا میں بنام عبدل ولد پیر خان ساکن دھار محلہ چھتری پورہ۔ المقر ہوں ایسا کہ نبی بخش ولد بخش ملاوٹ ساکن دھارہ محلہ کاری باڑی ان کی لڑکی مسماۃ حوراں سے میری شادی ہونا قرار پایا ہے اس کی نسبت چند امر حسب ذیل بطور شرط کے لکھ دیتا ہوں۔

(۱) ــــــ اول: لڑکی نبی بخش صاحب مسماۃ حوراں کی بعمر تکمیل دیگر جگہ ہو گئی اس کی نسبت جو جھگڑا پنچایت یا عدالت سے بیٹھ جاوے گا وہ دینا مجھ کو منظور ہے۔

(۲) ــــــ دوسری: میں لڑکی کو شہر دھار سے کہیں لیجانے کا مجاز نہیں روزگار وغیرہ کے لئے دیگر جگہ میں خود جاؤں گا۔

(۳) ــــــ لڑکی کو کسی طرح کی تکلیف وغیرہ پہنچانے کا مجھے اختیار نہیں۔ اقرار مہر حوراں جب چاہے لے سکتی ہے۔

(۴) ــــــ لڑکی کو کسی طرح کی تکلیف ہو گی تو میرے سسر نبی بخش کو اختیار ہے نیز وہ میرے بغیر اجازت میرے مکان سے لے جانے کا اختیار ہے۔

(۵) ــــــ میرا اس بات پر خلاف اگر ظہور میں آوے گا تو میرے سسر صاحب کو مجاز ہے کہ میں اپنے نکاح سے گویا لا دعویٰ ہو گیا۔ اسی قدر مجاز مسماۃ حوراں بنت نبی بخش کو بھی ہے وہ اپنے اقرار نکاح سے دور ہو سکتی ہے۔

الجواب

صورت مسئولہ میں مسمی نبی بخش کو طلاق واقع کرنے کا اختیار نہیں ہے کیونکہ عبدل کے یہ الفاظ کہ میرے سسر صاحب کو مجاز ہے کہ میں اپنے نکاح سے گویا لا دعویٰ ہو گیا۔ تفویض طلاق کے الفاظ نہیں البتہ عبدل کے یہ الفاظ (اسی قدر مجاز مسماۃ حوراں بنت نبی بخش کو بھی ہے وہ اپنے اقرار نکاح سے دور ہو سکتی ہے) تفویض طلاق کے الفاظ ہیں جو کہ اس بات پر خلاف ظہور میں

آنے پر معلق ہے پس اگر مسمی عبد الکا برتاؤ اس کے وعدہ کے بخلاف ظہور میں آیا ہے تو مسماۃ جوالاں کو اپنے نفس پر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہے مگر شرط یہ ہے کہ جس مجلس میں مخالفت کا علم ہوا ہے اسی مجلس میں فوراً اپنے کو طلاق دے اگر اس مجلس کے اٹھ جانے کے بعد طلاق اختیار کرنا چاہے تو وقوع طلاق نہ ہوگا جیسا کہ آگے آتا ہے۔ صورت سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ مسماۃ جوالاں نے یہ الفاظ کہ میں نکاح سے خروج کو اختیار کرتی ہوں اپنے باپ کے گھر جا کر کہے مجلس علم مخالفت میں نہیں۔ اس لئے صورت مسؤلہ میں اس پر طلاق واقع نہیں ہوئی اور اب اختیار اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ واللہ اعلم

فی مجمع النوازل لو قال للصک اکتب لها خط الامر عنی ان متی سافرت بغیر اذنها فهی تطلق نفسها واحدة کلما شاءت فیصیر الامر بیدها فی تطلیقة واحدة اه ملخصا۔ عالمگیریه ج ۲ ص ۳۰۰ وفیه (ص ۳۰ ج ۲) مسئلة جدی عمن جعل امر امرأته بیدها ان قامر ثم قامر فطلقت المرأة نفسها ثم ادعى الزوج انك قد علمت منذ ثلاثة ایام ولم تطلق فی مجلس علمك و قالت المرأة لا بل علمت الآن فطلقت نفسی على الفور فمن یکون؟ اجاب: ان القول للمرأة کذا فی الفصول العمادیة اه قلت و المسئلة نظیر الصورة الثانیة فی کون التفویض موقتا على الصحیح واللہ اعلم

تفویض طلاق کے بعد مجلس علم میں طلاق واقع کرنا شرط ہے

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین مسمی زید نے اپنا نکاح ہندہ کے ساتھ کیا۔ جس کو عرصہ پانچ سال اور کچھ ماہ کا گزر گیا نکاح کے تین سال اور کچھ ماہ بعد زید جو باہمی نا اتفاقی کے ہندہ کو ایک اقرار نامہ بطور اطمینان کے بابت دینے نان و نفقہ اور نہ کرنے مار پیٹ و برتاؤ بے رحمانہ و ظالمانہ کے اپنے ہاتھ سے تحریر کر کے دے دیا اور ہندہ کو اپنے گھر لے گیا بعد کو قریب ایک ماہ کے بعد ہندہ کو مار پیٹ کر اور اس کا جہیز وغیرہ اتار کر اس کے والدین کے گھر بھیج دیا کہ جس کو عرصہ دو سال اور کچھ ماہ کا گزر گیا ابھی تک نان نفقہ کچھ نہیں دیا حالانکہ اپنے تحریری اقرار نامہ میں یہ تحریر کر چکا ہے کہ اگر کسی وجہ سے یا وجہ مذکورہ سے نا اتفاقی ہو ہندہ سے اور عرصہ تین ماہ تک مبلغ دس روپیہ ماہوار کے اس کو نہ بھیجوں تو بموجب شرع محمدی کے اپنی زوجہ منکوحہ کو طلاق تفویض کروں کہ وہ قید نکاح سے اختیار آزادی کا رکھتی ہے

اب سوال یہ ہے کہ بموجب تحریر زید کے اگر ہندہ پر خلع واجب ہو گئی ہو تو فتویٰ دیجئے خداوند کریم اجر دیوے

مقام شیر پور ضلع جالندھر ۔ منشی حبیب الرحمٰن

الجواب: قال فی العالمگیریۃ وقد وردت الفتوی عمن قال لامرأتہ اگر بعد از دہ روز پنج دینار بتو نرسانم امرت بیدک تطلقی نفسک متی شئت دہ روز گذشت و آں زر نرسانید ہل لہا ان تطلق نفسہا قلت نعم اھ (ص ۳۳ ج ۲)

وفیہا ایضا التفویض المعلق بالشرط اما ان یکون مطلقا عن الوقت واما ان یکون موقتا فان کان مطلقا بان قال اذا قدم فلان فامرک بیدک فقدم فلان فالامر بیدہا اذا علمت فی مجلسہا الذی قدم فیہ الی ان قال ولو قال اذا مضی ہذا الشہر فامرہا بیدہ فلان فمضی الشہر فامرہا بیدہا فی مجلس علمہ وان علم بعد شہرین لان التفویض معلق بمضی الشہر والمعلق بالشرط یصیر مرسلا عند وجود الشرط ولو ارسل التفویض بعد مضی الشہر یقتصر علی مجلس علمہ فکذا ہذا اھ (ص ۳۸۳ ج ۲) صورت مسئولہ میں جب تفویض کے بعد تین مہینہ بلا نفقہ گزر جانے پر عورت نے اپنے کو طلاق نہیں دی حتی کہ دو سال گزر گئے تو اب ہندہ اپنے اوپر خود طلاق واقع نہیں کر سکتی اس کو چاہیے تھا کہ جب شوہر نے نفقہ بند کیا تھا اسی وقت سے دن شمار کرنا شروع کرتی اور اس وقت سے جب تین ماہ پورے ہو جاتے تو اسی ساعت اور اسی مجلس میں اپنے آپ کو طلاق دیدیتی مگر ہندہ نے ایسا نہیں کیا اس نے تین ماہ بدون نفقہ کے گزرنے کے بعد اپنے کو طلاق نہیں دی تو اب تفویض ختم ہو چکی وہ اپنے کو خود طلاق نہیں دے سکتی۔ البتہ اگر زوج نے زبانی یہ بات کہی ہو کہ تین ماہ تک نفقہ نہ دوں تو ہندہ ہر وقت اپنے کو قید نکاح سے آزاد کر سکتی ہے تو ہندہ اب بھی اپنے کو طلاق دے سکتی ہے۔ واللہ اعلم۔

تفویض طلاق کے اندر مجلس علم میں طلاق واقع کرنا شرط ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کا شوہر عرصہ ۸ سال سے پردیس چلا گیا اور اپنی کسی حالت سے آگاہی نہیں دیتا اور وہاں سے نہ کچھ خرچ دیتا ہے لہذا اس عرصہ کے اندر چھوٹی نوکری کرتے ہوئے بڑی مشکل سے گزری اور کسی طرح اپنے دن کاٹے اور اپنی عصمت کو قائم رکھا مگر کسی سبب سے اسی کی ملازمت جاتی رہی پھر وہ ۲ برس سے بیکار رہ کر بڑی مصیبتیں اٹھاتی رہی جب بہت تنگ ہوئی تو خیالات کچھ تبدیل ہوتے ہوئے پھر برادریوں سے داد خواہ ہوئی لیکن برادری جواب دینے سے قاصر تھے جب بہت پیچھے پڑی تو برادریوں نے اس کے بھائی سے کہا کہ تم اسکی پرورش کرو اس کے بھائی نے انکار کیا اور کہا کہ میری مالی بات نہیں ہے اس وقت برادریوں نے اس کے بھائی سے کہا کہ تم سب کی

طرف سے ایک پنچایت بمعہ اس کے پاس تحریر کرکے جلد بھیج تم کو بتاکید لکھتے ہیں کہ تم دیکھتے ہی خط کے بہت جلد آؤ یا تم اس کو طلاق دیدو کیونکہ اسکا گزر نہیں ہوتا ہے اس برادری کی تحریر پر اس نے یہ جواب تحریر کیا کہ ہم آپ لوگوں سے ۲ ماہ کی مہلت چاہتا ہوں جیسا کہ بھرتی اور مانگا ہوں جیسا کہ میں وعدہ آجاؤں گا اگر میں اپنے وعدہ پر نہ آؤں تو اسکو اختیار ہے میرا سب برادریوں کو السلام علیکم لہٰذا اس تحریر پر اس کی طلاق ہو سکتی ہے یا نہیں چنانچہ پھر وہ ایک سال تک انتظار کرتی رہی بعد دس سال کے پریشانی اٹھا کر اپنا نکاح ثانی ایک برادری سے کر لیا۔ اب اس کے بھائی وغیرہ اس کے خلاف ہو کر یہ کہتے ہیں کہ اس نے بلا ہم لوگوں کی مرضی نکاح کیوں کیا اور ہر قسم کی جھوٹی دلیلیں کرتے ہوئے ستر برس عورت کے بیٹھے رہنے کا مسئلہ پیش کرتے ہیں اس لئے تمام لوگوں کو بڑی تشویش اس مسئلہ میں ہو رہی ہے بھلا ایسی صورت میں کس مدت تک بیٹھا جائے اور اگر وہ بیٹھی ہے تو کیا کھائے مفقود کی کوئی جائیداد نہیں جس سے گزر ہو اس کے خویش اقربا اس کے شریک نہیں۔ عورت کے بھائی وغیرہ میں قوت کھلانے کی نہیں جو دو برس بھی نباہ سکے ستر برس تو کیا دس برس میں تلخ ہوگی یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ پچھلا سا زمانہ نہیں ایسی عمریں اور ایسی نیتیں نہیں اس قدر مستقل مزاجی نہیں پھر اس قدر مدت دراز کی قید میں رہ کر کیسے گزر کرے اور کس طرح متحمل ہو سکے یہاں عیسائیوں کی پرفریب گھاتوں میں لانے والی باتیں ادھر ادھر پھیلائی جایا کرتی ہیں جس وقت غافل پاتے ہیں فوراً دام میں پھانس لیتے ہیں ایک واقعہ ابھی ایک عورت کا اسی طرح گزر چکا ہے جو پٹھان لوگوں نے اسے عرصہ تک چھپایا اور اس کو بہت آزادی دیتے ہوئے ایک مدت سے آزاد رہتے تھے پریشانی اٹھاتے اٹھاتے تنگ ہو چکی تھی۔ گھبرا کر پھنس گئی اسی وجہ سے اس ایک برادری نے جب یہ دیکھا کہ یہ بھی فریب اس کے پہونچ جانے والی ہے جب دس برس کے بعد جب اس کے شوہر کی تحریر پر جواب پاتے ہوئے نکاح میں لے لیا۔ لہٰذا ان دونوں مسئلوں کا جواب بہت جلد برائے خدا مع ثبوت قرآن و حدیث اور چند علماء دین کی مہروں کے عنایت فرمایا جائے۔

غلام محی الدین خان مدرس

ضلع گونڈہ مقام مسکنواں ڈاکخانہ مسکنواں بازار مکتب اسلامیہ متصل مسجد میں۔

الجواب:- فی العالمگیریة تفویض الطلاق بشرط اما ان یکون مطلقا عن الوقت واما ان یکون موقتا فان کان مطلقا بان قال اذا قدم فلان فامرک بیدک فقدم فلان فالامر بیدها ما دامت فی مجلسها الذی قدم فیہ

الی ان قال ولو قال اذا مضی ھذا الشھر فامرھا بید فلان فمضی الشھر فامرھا بیدہ فی مجلس علمہ وان علم بعد شھرین لان التفویض معلق بمضی الشھر والمعلق بالشرط یصیر مرسلا عند وجود الشرط ولو ارسل التفویض بعد مضی الشھر یقتصر علی مجلس علمہ فکذا ھذا اھ۔ (ج ۲ ص ۳)

صورت مسئولہ میں اگر دو مہینے گزرنے کے بعد ہی فوراً اس مجلس میں جس میں بوقت تمام ہونے مدت کے وہ موجود ہوتی اپنی زبان سے یہ کہدیتی کہ میں اپنے نفس کو اختیار کرتی ہوں تب اس پر طلاق واقع ہوجاتی لیکن جب دو مہینے کے بعد مدت گزر گئی اور عورت نے اپنے نفس کو اختیار نہیں کیا تو اب وہ اپنے اوپر طلاق واقع نہیں کر سکتی لہذا جب تک شوہر طلاق نہ دے اس وقت تک کسی سے اسکا نکاح درست نہیں ہو سکتا پس جو نکاح دوسرا اس عورت نے کیا ہے۔ وہ صحیح نہیں ہوا۔ باقی جتنی باتیں سائل نے لکھی ہیں وہ سب فضول ہیں ساٹھ ستر برس کا انتظار مفقود کی زوجہ کے لئے اور صورت مسئولہ میں جب شوہر کے پاس خطوط بھیجے ہیں اور اس کی جگہ معلوم ہے تو وہ مفقود نہیں ہے۔ اس صورت میں تو اگر شوہر سو برس تک بھی طلاق نہ دے جب بھی یہ عورت کسی سے نکاح نہیں کر سکتی اب صرف ایک صورت ہے وہ یہ کہ برادری کے لوگ شوہر کو مجبور کر کے اس سے جبراً طلاق دلوادیں باقی یہ جو سائل نے لکھا ہے کہ عورت اس طرح کیونکر گزر کر سکتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کسی عورت سے کوئی شخص بھی نکاح نہ کرے تو وہ کیا کرے گی بس یہ عورت بھی وہی کرے جو ایسی عورت کیا کرتی ہے یعنی صبر کرے اور محنت مزدوری سے اپنا کام چلائے اور اگر وہ معذور ہو تو مسلمانوں کو چاہیئے ایسی عورت کے لئے چندہ کر کے اسکی معیشت کا سامان کر دیں تاکہ وہ گناہ کے پھندہ میں نہ آجاوے۔

۲۶ رجب سنہ [illegible]ھ

تفویض طلاق میں مجلس کی شرط ہے

سوال ۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے بوقت نکاح ایک اقرار نامہ تحریر کیا اور اس اقرار نامہ کی رو سے یہ تسلیم کیا کہ اگر میں عقد ثانی کروں تو میری زوجہ کو اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنے کو مطلقہ تصور کرے منجملہ دیگر شرائط یہ ایک شرط بھی ہے اب زید نے دو سال کے بعد عقد ثانی اس وجہ سے کیا کہ والدین زوجہ نے زید کی زوجہ کو زید کے ہمراہ جانے سے روکا۔ اس شرط مذکورہ بالا کی بناء پر زید کی زوجہ خود کو مطلقہ تصور کر کے عقد کر لی ہے ایسی صورت میں یہ عقد جائز ہوگا؟ اور زوجہ زید مطلقہ تصور کی جا سکتی ہے؟

الجواب ۔ قال فی العالمگیریۃ ولو قال اذا کان موقتا یبطل بمضی الوقت

سواء علمت او لم تعلم بخلاف ما اذا كان غير موقت كما في السراج الوهاج ا ه منحة ج ۲/ وفيه ايضا التفويض المعلق بشرط اما ان يكون مطلقا عن وقت او موقتا فان كان مطلقا بان قال اذا قدم فلان فامرك بيدك فقدم فلان فالامر بيدها اذا علمت في مجلسها الذي علمت فيه ا ه منحة ج ۲

صورت مسئولہ میں اگر زوجہ دلہن نے طلاق ثانی کی خبر سنتے ہی اسی مجلس میں یہ کہہ دیا تھا کہ میں طلاق کو اختیار کرتی ہوں تب تو وہ مطلقہ ہو سکتی ہے اور اگر خبر سننے کے بعد فوراً اسی مجلس میں ایسا نہیں کیا تو اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ اختیار اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ [illegible]

تفویض طلاق کی ایک صورت

سوال:- گزارش ہے کہ براہ کرم بندہ نوازی تحریر فرمائیے اس مسئلہ کے جواب سے مطلع فرماویں صورت مسئلہ یہ ہے کہ زید نے اپنے بھائی عمرو کے پاس ایک خط لکھا تھا کہ میں پردیس یعنی دوسرے ملک میں ہوں میری بیوی کا حق مجھ سے ادا نہیں ہوتا ہے اس لئے میری طلاق دینے کی جو طاقت اور قوت ہے وہ تم کو سپرد کرتا ہوں اگر وہ چاہے تو دوسری جگہ نکاح پڑھ سکتی ہے فقط اور کچھ تفصیل نہیں کی۔

۱- عمرو نے اس خط کو اپنے پاس رکھا اور کچھ ظاہر نہیں کیا اس وقت منکوحہ مطلقہ ہوگی یا نہیں۔

۲- پھر اگر منکوحہ نے اس خبر کو سن کر طلاق اختیار کر لی ہے تو کتنے واقع ہوگا۔ فقط والسلام

حقیر محمد بدیع الزمان [illegible]

جواب:- صورت مسئولہ میں یہ تفویض طلاق کا ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ جس وقت عورت کو تفویض کا علم ہو، اسی وقت مجلس علم میں اگر طلاق لے لیگی تو طلاق پڑ جاوے گی اور اگر اس کو تفویض کا علم ہی نہ ہو یا علم ہو اور وہ طلاق نہ لے تو وقوع طلاق نہ ہوگا ایسے ہی اگر مجلس علم کے بعد طلاق لے تب بھی وقوع نہ ہوگا یا مجلس علم میں سنتے ہی کسی دوسری بات میں لگ جائے جس کا تفویض سے کچھ علاقہ نہیں پھر اس بات کے بعد میں طلاق لے تب بھی کچھ نہ ہوگا۔

قال في الدر وفيها ان تطلق في مجلس علمها به مشافهة او اخبارا وان طال يوما او اكثر ما لم تقم لتبدل مجلسها حقيقة او حكما بان تعمل ما يقطعه مما يدل على الاعراض ا ه (صفحہ [illegible] شامی)

۲- صورت مسئولہ میں عورت بعد علم کے اگر تین طلاق لینا چاہے تو لے سکتی ہے کیونکہ زید کے الفاظ یہ ہیں کہ "میرے طلاق دینے کی جو طاقت اور قوت ہے وہ اس کو سپرد کرتا ہوں" جس سے

بظاہر تین طلاق تک کی تفویض مفہوم ہوتی ہے اور اگر شوہر کی نیت ان الفاظ سے تین طلاق سپرد کرنے کی نہ تھی بلکہ ایک ہی طلاق سپرد کرنے کی نیت تھی تو عورت صرف ایک لے سکتی ہے۔ واللہ اعلم

احقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ؁۴۲ھ

ایک شخص نے باپ کو اپنی بیوی کی طلاق کا حق سپرد کیا باپ نے بیٹے کے سسر کو اس کا اختیار دے دیا تو کیا سسر اس کی بیوی پر طلاق واقع کر سکتا ہے

سوال۔ مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی کو طلاق دینے کا حق اپنے باپ کو سپرد کیا تھا کتنے روز کے بعد اس کے باپ نے وہ طلاق دینے کا حق اس شخص کے سسر کو سپرد کیا ہے۔ اس شخص کے سسر نے طلاق دیکر اپنی بیٹی کو عدت کے بعد دوسرے سے نکاح دے سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ حوالہ کتاب معتبرہ زیادہ: فقط والسلام

عاصی محمد یسین تھان موضع الکیہ پوسٹ بوگیا ضلع جسر

الجواب:۔ طلاق میں وکیل کو اختیار نہیں کہ دوسرے شخص کو وکیل بنائے اس سے سسر کو طلاق دینے کا اختیار نہیں ہے۔

فی الدر الوکیل لا یوکل الا باذن آمرہ وفیہ بعد اسطر (و) التفویض الی رأیہ کاعمل برأیک (کالاذن فی التوکیل) الا فی طلاق وعتاق (شامی ص ۴۳۳ ج ۴)

احقر عبد الکریم عفی عنہ

نوٹ:۔ اگر سسر کے طلاق دینے کے بعد عورت کے شوہر نے یا عورت کے خسر نے کچھ کہا ہو تو اس کو لکھ کر دوبارہ سوال کیا جاوے۔ ۱۲ ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۵ ذیقعدہ ؁۴۲ھ

ان الفاظ سے کہ "زوجہ مذکورہ جس وقت چاہے ہو جاوے تین طلاق دینے کے لئے میری اختیار زوجہ کو سپرد کیا۔ بیوی کو طلاق کا حق مل سکتا ہے یا نہیں

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ہندہ کو شادی کر کے چند روز بعد پردیس چلا گیا۔ قریب تین سال تک پردیس میں رہا۔ نہ خود پرورش دے۔ بلکہ خود خطوط سے خبر گیری کی ہو۔ نہ خط لکھنے سے جواب دیا ہے۔ شادی کے وقت ایک کابین نامہ رجسٹری کر کے دیا تھا اب زوجہ مذکورہ کو بہت تکلیف ہو رہی ہے اس صورت میں اس کابین نامہ کی شرط کے مطابق ہندہ اپنے آپ کو طلاق دے سکتی ہے یا نہیں۔ بر تقدیر اول بلا اطلاع زوج ہو سکتا ہے یا نہیں۔ ہر صورت میں اطلاع کے بعد جواب نہ دینے سے طلاق کر سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

کابین نامہ کی دفعہ نمبر ۵ کا اردو ترجمہ حسب ذیل ارسال خدمت ہے:۔

اگر میں چھ مہینے سے زیادہ مدت تک کہیں پردیس میں رہوں یا وطن ہی میں رہ کر بیوی مذکورہ کی خبر گیری نہ کروں یا شرائط بالا میں سے کوئی شرط کا خلاف کروں یا شرط کی کسی جزو کے خلاف کروں یا پورا نہ کروں تو شرط کے خلاف کرنے کے بعد زوجہ مذکورہ جس وقت کہ چاہے بوجہ اس کے مجھ کو تین طلاق دینے کے لئے میری طرف سے اختیار زوجہ مذکورہ کو سپرد کیا اس سپرد کردہ اختیار کی قوت سے جو کوئی وجہ کے طلاق دے تو میں کوئی عدالت میں زوجیت کا دعویٰ نہیں کر سکوں گا اور نہیں کروں گا اس بنا پر کابین نامہ لکھ دیا۔

تنقیح بر سوال

یہ کابین نامہ نکاح کے قبل لکھا گیا ہے یا نکاح کے بعد؟

جواب تنقیح :- کابین نامہ نکاح کے بعد لکھا گیا ہے۔

الجواب :- اس کابین نامہ میں جو الفاظ طلاق ہیں وہ لغو ہیں اس واسطے اس کابین نامہ کی بنا پر عورت کو طلاق کا کوئی حق نہیں ہے فی الدر المختار انا منک طالق او بری لیس بشئ ولو نوی به الطلاق وفی رد المحتار لان محلیة الطلاق قائمة بها لا به فالاضافة الیه الی غیر محله فیلغو واللہ اعلم۔

تنبیہ :- ہمارے ملک میں اس عبارت مذکورہ فی السوال کے یہی معنی ہیں جو موجب طلاق نہیں یعنی ہم کو طلاق دینا ترجمہ ہے۔ تطلیقہا ایای کا۔ اگر بنگلہ میں جو فقرہ استعمال کیا ہے اس کا یہ مطلب ہے تو یہ کابین نامہ بیکار ہے جیسا کہ جواب لکھا گیا اور اگر ہم کو طلاق دینا بنگلہ میں ترجمہ ہوتا۔ تطلیقی ایاہا کا تو یہ کابین نامہ معتبر ہوگا اور عورت کو صورت مسئولہ میں طلاق واقع کر لینے کا اختیار ہوگا اور خاوند کو اطلاع دینا وقوع طلاق کی شرط نہیں ہے۔

ولا یرد ان التفویض المعلق بحرف ان یقتصر علی المجلس وجود الشرط کما هو المصرح به فی کتب الفقه وفی الواقعة المسئولة عنها التعلیق بحرف ان دون فی هذه الواقعة علق التفویض بلفظة "جس وقت کہ" مذکورہ شرط کے خلاف کرنے کے بعد و حکمه ما فی العالمگیریة (ص ج ۲) من امرأة قال لها ان لم اوصل الیک خمسة دنانیر بعد عشرة ایام فامرک بیدک فی طلاق حتی شئت فمضی الایام ولم یرسل الیها النفقة ان کان الزوج نوی به التفویض فلها الایقاع وان لم ینو لم تملک الایقاع حتی یموت احدهما کذا فی الوجیز للکردری ه۔ والظاهر المتبادر ان الزوج فی هذه الواقعة

المسئولۃ عنہا امر بیدہ المفوض للمرأۃ بالخیار من حین وجود الشرط الی الموت ولا یقتصر خیارہا علی مجلس وجود الشرط فقط والسلام ۔

عبدالکریم عفی عنہ از تھانہ بھون ۱۵ رمضان ۵۱ھ

تفویض طلاق بتعلیق بلفظ اگر میں عورت کو وقوع طلاق کا اختیار مجلس وقوع شرط و مجلس علم با وقوع تک خاص ہوتا ہے

سوال ۔ ما قولکم ایہا العلماء الکرام رحمکم اللہ تعالیٰ ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسمی مصطفی اللہ نے اپنی بی بی مسماۃ آسیہ خاتون کے کابین نامہ میں چند شرطیں لکھ کر اقرار کر کے دستخط کیا اور محکمہ سرکار میں رجسٹری کرایا منجملہ شرطوں میں سے چوتھی شرط یہ ہے کہ اگر میرے رشتہ دار کے ساتھ آپ کی مخالفت ہو یا میرے گھر کی آب و ہوا موافق نہ ہو تو آپ اپنی سکونت کے لئے جہاں چاہیں وہیں پردہ پوشی کر کے مسلمان شریف عورتوں کی طرح خورد و پوش لیکے اوقات بسر کرتی رہیں گی ۔ اپنی حیثیت جو مقام سے دوسرے مقام نہیں لے جا سکیں گے اور شرط آخیر یہ ہے کہ اگر میں مرقومہ بالا شرطوں میں سے کسی شرط کو یا کسی شرط کے کوئی جزو کو خلاف کروں تب آپ کو میرے تین طلاق دینے کا اختیار ہے وہ آپ کو آج ہی سے سپرد کرتا ہوں ۔ آپ اختیار مفوضہ کی رو سے خود مختار ہو کے نفس نفیسہ کو ایک دو تین طلاق دے کے میرے زوجیت کے دعویٰ سے رہائی پا کے دوسرا شوہر قبول کر سکتی ہیں ۔ اب مصطفی اللہ مذکور نے بعض شرائط کابین نامہ کے مخالفت کی ہے خصوصاً شرط سوم و النفقہ کو ۔ لہٰذا آسیہ خاتون مذکورہ نے شرط آخیر کے مطابق اپنے نفس پر ایک دو تین طلاق واقع کر کے دوسرا شوہر قبول کر سکتی ہے یا نہیں آپ اس کا جواب بالتفصیل کتب فقہ سے دیں اور خدائے بزرگ سے نعمت دارین حاصل کریں ۔

الجواب ۔ اگر اس اقرار نامہ پر مصطفی اللہ نے نکاح ہونے کے بعد دستخط کئے ہیں تو یہ اقرار نامہ صحیح ہے اور اس کے بموجب جب کسی شرط کا خلاف ہوا ہو اور اسی وقت منکوحہ نے اپنے اوپر طلاق واقع کی ہو تو طلاق ہو جائے گی ورنہ نہیں ۔

اور اگر دستخط بعد نکاح نہیں بلکہ نکاح سے پہلے ہوئے ہیں تو یہ اقرار نامہ لغو ہے ۔

محمد کفایت اللہ غفرلہ، مدرسہ امینیہ دہلی ۔

الجواب صحیح
محمد مظہر اللہ غفرلہ، امام مسجد فتحپوری دہلی

الجواب صحیح
عبدالمجید عفا اللہ عنہ مدرس مدرسہ فتحپوری دہلی ۔

الجواب صحیح — الجواب صحیح

خادم العلماء سلطان محمود مدرسہ فتحپوری دہلی — بندہ ضیاء الحق عفی عنہ مدرسہ امینیہ دہلی

الجواب صحیح — الجواب صحیح

محمد شفیع عفی عنہ مدرسہ مولوی عبد الرب صاحب مرحوم دہلی — محبوب الٰہی غفرلہ مدرسہ مولوی عبد الرب صاحب دہلی

الجواب صواب — الجواب صحیح

ضیاء احمد عفی عنہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور — عبد اللطیف عفا اللہ عنہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

۲۰ر شوال ۱۳۴۸ھ — ۲۲ر شوال ۱۳۴۸ھ

قد صح الجواب بغیر ارتیاب — بندہ حسن عفا اللہ عنہ — الجواب ہو الجواب

ریاض الدین عفی عنہ مفتی دار العلوم دیوبند — مدرس دار العلوم دیوبند — محمد اعزاز علی غفرلہ مدرس دار العلوم دیوبند

۱۲ر شوال ۱۳۴۸ھ — ۱۰ر شوال ۱۳۴۸ھ — ۱۲ر شوال ۱۳۴۸ھ

مہر مدرسہ دار العلوم دیوبند

للہ در المجیب المصیب حیث اجاد واصاب فیما اجاب انہ ہو الحق لاریب فیہ ولامریۃ ولاارتیاب فیہ ولاغرو وماذا بعد الحق الا الضلال۔ کتبہ بقلمہ وقالہ بفمہ احقر العبید محمد نور اللہ الکاکوروی غفرلہ مدرس دار العلوم دیوبند

جامع مسجد ۱۲ر شوال ۱۳۴۸ھ

الجواب من جامع امداد الاحکام بتھانہ بھون

صورت مسئولہ میں تفویض طلاق بالتعلیق ہے اور تعلیق لفظ اگر سے ہے اور تفویض معلق کا حکم یہ ہے کہ جس وقت شرط کا وقوع ہو اور عورت کے سامنے وقوع ہو تو عورت کو ایقاع طلاق کا اختیار مجلس وقوع تک ہے۔ بعد انقضائے مجلس اس کو اختیار نہ رہے گا اور عورت کے سامنے وقوع شرط نہ ہو تو جس مجلس میں اس کو وقوع شرط کا علم ہوا ہے۔ اسی مجلس تک عورت کو ایقاع طلاق کا اختیار ہے اس کے بعد نہیں۔ پھر لفظ اگر سے تعلیق ہو تو ایک بار وقوع شرط سے تعلیق باطل ہو جاتی ہے اس کے بعد وقوع شرط سے حکم تعلیق ثابت نہ ہوگا۔

قال فی العالمگیریۃ التفویض المعلق بشرط اما ان یکون مطلقا عن الوقت واما ان یکون موقتا فان کان مطلقا بان قال اذا قدم فلان فقدم فلان فالامر بیدها اذا علمت فی مجلسها الذی تقدم فیہ وان کان موقتا بان قال اذا قدم فلان فامرک بیدک یوما او قال الیوم الذی یتقدم فیہ فلان فہو بیدها فی

ولو ذكر الوقت كلما [illegible] القيام عن المجلس [illegible] [illegible] الشرط [illegible] هذا لا تنحل اذا وجد الشرط [illegible] [illegible] ثم تزوجها [illegible] فلا يتحقق الحنث بعد [illegible] في كلما لانها توجب عموم الافعال [illegible] الشرط [illegible] تزوجتي [illegible] ما دام الزمان [illegible] فلا يحنث [illegible] حتى لا يحنث [illegible] [illegible] وهو الصحيح والسادس [illegible] مرة كذا في محيط السرخسي [illegible]

اور ظاہر ہے کہ یمین مذکور مشروط بشرط خیر ہے تعلیق لفظ اگر کے ساتھ ہے کوئی لفظ معنی کلما کا اس میں نہیں اور تعلیق مطلق ہے وقت نہیں

لہٰذا عورت کو جس تفویض معاملہ کی وجہ سے ایقاع طلاق کا اختیار صرف ایک ہی مجلس میں تھا جس میں اس نے عورت کے سامنے پہلی بار کسی شرط کی مخالفت کی تھی، جس مجلس میں عورت کو مخالفت کا علم ہوا تھا اگر ایک سے زیادہ مخالفت ہوئی تھی اس مجلس کے بعد عورت کو طلاق کا اختیار باقی نہیں رہا اور دوسری بار کسی شرط کی مخالفت سے بھی عورت کو اختیار حاصل نہ ہوگا کیونکہ ایک بار مخالفت شرط سے تعلیق باطل ہو چکی ہے اور عورت نے پہلی ہی مخالفت کے وقت مجلس علم کی مخالفت میں اپنے اوپر طلاق واقع نہیں کی جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے تو اب اس کو یمین مذکور کی وجہ سے [illegible] کو حاصل تھا وہ باطل ہو چکا تو وہ یمین مذکور کی تکمیل کے بعد ہی ہوئی اور اگر پہلے باطل ہو چکی تھی تو اس کا لغو ہونا تو ظاہر ہے۔ واللہ اعلم۔ حررہ الراجی عفو ربہ محمد عطاء اللہ [illegible] ۲۸ [illegible]

[نکاح کے بعد عورتوں کو پیش آنے والے مصائب کا سدباب بطلاق] **سوال**:۔ آج کل عورتوں کو نکاح کے بعد جس قدر پریشانیوں کا سامنا ہوتا ہے۔ محتاج بیان نہیں کبھی مرد ظلم کرتا ہے کبھی ساس [illegible] ستاتی ہے کبھی بال بچوں سے جھگڑا ہو کر رہنا سہنا دشوار ہو جاتا ہے۔ کبھی نان و نفقہ نہیں ملتا۔ بعض دفعہ مرد کا نکاح ثانی اسے کر دیتا ہے اور بعد نکاح عورت سے میل اتفاق نہیں۔ بعض دفعہ مرد بچوں کی [illegible] ہے۔ اگر ہندوستان میں قاضی شرعی کا وجود ہوتا تو ان سب پریشانیوں کا علاج تھا مگر سب جگہ قاضی

[illegible] کی مخالفت صرف پہلی [illegible] یمین کی [illegible] کر رہی ہے۔

شرعی موجود نہیں۔ عورتوں کو سخت مصیبت کا سامنا ہوتا ہے وہ نکاح کو فسخ کرنے کے لئے عدالت میں دعویٰ دائر کریں تو بعض دفعہ حاکم غیر مسلم اس کا فیصلہ کرتا ہے جو شرعاً معتبر نہیں بعض حاکم مسلم فیصلہ کرتا ہے مگر وہ قاعدۂ شرعیہ کی پابندی سے فیصلہ نہیں کرتا اس لئے وہ فیصلہ بھی قابل اطمینان نہیں ہوتا پس علماء سے دریافت کیا جاتا ہے کہ اس صورت کا کوئی سہل علاج ارشاد فرمائیں۔ تاکہ عورتیں مصیبت کے وقت اس پر عمل کرکے ظلم و معصیت سے نجات پائیں۔ بینوا توجروا ولکم الاجر الجزیل

الجواب:-

حیلۃ اخری فی اصل المسئلۃ ان تقول المرأۃ للمحلل زوجت نفسی منک علی ان امری بیدی اطلق نفسی کلما ارید ثم یقبل الزوج فیصیر الامر بیدھا فتطلق نفسھا کلما ارادت (عالمگیریۃ ص ۲۶۶ ج ۱)

صورت مسئولہ میں عورتوں کی اس مصیبت کا سہل علاج یہ ہے کہ عورت بوقت نکاح کے (یا اس کا وکیل قاضی نکاح خواں) مرد کو یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو تمہارے نکاح میں (یا قاضی یوں کہے کہ میں نے مسماۃ فلانہ بنت فلاں کو تمہارے نکاح میں) اس شرط پر دیا کہ معاملہ کا اختیار مسماۃ فلاں کے ہاتھ میں ہوگا وہ جب اور جس وقت چاہے گی اپنے آپ کو طلاق دے سکے گی۔ اس کے جواب میں مرد یوں کہے کہ میں نے قبول کر لیا تو معاملہ عورت کے اختیار میں ہوگا وہ جب اپنے اوپر مصیبت ظلم دیکھے اپنے آپ کو خود ایک طلاق بائن دے کر شوہر کے نکاح سے نکل جائے گی اور اس صورت کے جواز میں علماء حنفیہ کا اختلاف نہیں ہے بعض لوگوں نے اس کو نکاح معلق میں داخل سمجھ کر شبہ کیا ہے مگر درحقیقت یہ نکاح معلق نہیں بلکہ نکاح منجز ہے جو شرط اختیار معلق ہے۔ نکاح معلق وہ ہے کہ اس وقت نکاح ہی نہیں جیسے عورت یوں کہے کہ میں نے اپنے کو نکاح میں دے دیا اگر میرا باپ راضی ہو یا مرد یوں کہے میں نے قبول کر لیا۔ اگر زید راضی ہو اس صورت میں نکاح نہیں ہوتا اور اگر حصول نکاح کو معلق نہ کیا جائے بلکہ اس کے ساتھ کوئی شرط نافع لگائی جائے تو جائز ہے۔ جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ مجلس عقد میں نکاح اسی وقت ہو رہا ہے مگر اس کے ساتھ ایک شرط ہے جس کو شوہر سے منوایا جاتا ہے۔ فافہم واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ از تھانہ بھون۔ خانقاہ امدادیہ ۲۸ ذیقعدہ ۴۳ھ

* * *

فصل فی تعلیق الطلاق

اگر تو اس گھر میں آئی تو تجھے سات طلاق ہیں

سوال ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ میں زید معہ اپنی زوجہ کے ایک مکان میں رہتے تھے اور وہ مکان ان کا ذاتی نہ تھا اور نہ وہ کرایہ دار تھے بلکہ صاحب خانہ کے دیرینہ مراسم کی وجہ سے وہ وہاں رہائش پذیر تھے کچھ عرصہ گزرنے پر کسی معاملہ میں زید کی اس مکان والوں سے لڑائی ہوگئی اور زید نے غصہ میں اپنی زوجہ سے یہ الفاظ کہے کہ اگر تو اس گھر میں آئی تو تجھے سات طلاق ہیں۔ یا اگر تو نے اس گھر میں قدم رکھا تو سات طلاق ہیں ۔ یا تجھ کو اس گھر میں سات طلاق ہیں اور اسی وقت سے زید نے معہ اپنی زوجہ کے وہ مکان چھوڑ دیا اور الگ مکان کرایہ پر لے کر رہنے لگے جب سال ڈیڑھ سال کا عرصہ گزر گیا تو زید کی اس پہلے مکان والوں سے جن سے اس کی لڑائی ہوئی تھی اور جس بنا پر علیحدگی اختیار کی تھی مصالحت ہوگئی ۔ تو اب زید چاہتا ہے کہ اپنی زوجہ کو اس مکان میں اپنی مرضی سے بھیجے ۔ تو کیا زید اپنی مرضی سے اپنی زوجہ کو اس مکان میں بھیج سکتا ہے اور طلاق تو نہیں ہوگی؟

سید رشید احمد ۔ تیلی باڑہ محلہ قاضی واڑہ دہلی ۔

الجواب :۔ صورت مسئولہ میں اگر زید نے اپنی بیوی کو یہ الفاظ " اگر تو نے اس گھر میں قدم رکھا تو سات طلاق ہیں۔ اسی بنا پر کہے ہیں کہ ان گھر والوں سے لڑائی ہوئی تھی تو بعد مصالحت کے یہ طلاق معلق باقی نہ رہے گی اور بیوی کو وہاں بھیجنے سے طلاق نہ ہوگی ۔ مثل السلطان اذا حلف انسانا لیرفعن الیہ خبر کل داعر فی المدینۃ کان علی مدۃ ولایتہ و مثلہ تحلیف رب الدین الغریم ان لا یخرج من البلد الا باذنہ فتقید بقیام الدین ۔ شامی ص ۹۶۹ ج ۲ والحاصل ان الیمین تخصص بدلالۃ الحال والعادۃ والعرف صرح بہ فی الشامیۃ ص ۳۳ ج ۲ ۔ وقال فی باب یمین الفور تفرد الامام بظہارھا وکانت الیمین اولا قسمین مؤبدۃ معنی مطلقۃ و مؤقتۃ وھذہ مؤبدۃ لفظا مؤقتۃ معنی تتقید بالحال اما بان تکون بناء علی امر حالی کما مثل او تقع جواب الکلام یتعلق بالحال اھ ص ۳ ج ۲ ۔

باقی بہتر یہ ہے کہ بیوی کو اس گھر میں کبھی نہ بھیجے کیونکہ الفاظ زید کے عام ہیں اور مسئلہ اختلافی ہے اور اختلاف سے بچنا اولیٰ ہے ۔ واللہ اعلم ۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ ۱۰ صفر ۷۰ھ

تعلیق طلاق کی ایک خاص صورت اور اس کا حکم

سوال :- ایک مرد کا ایک عورت سے ناجائز تعلق ہے ایک روز اس مرد نے اس عورت سے کہا کہ اگر میں شادی بھی کسی اور عورت سے کر لوں اس وقت بھی اگر تجھ کو اپنے تصرف میں نہیں رکھوں گا تو میری بیوی طلاق ہو جاوے گی۔ اب وہ اس ناجائز تعلق کو چھوڑ کر دوسری عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو کیا طلاق واقع ہو جاوے گی یا نہیں۔

الجواب :- اگر قائل کا مقصود اس قول سے صرف اس فاحشہ کو راضی کرنا تھا اور منکوحہ آئندہ پر ایقاع طلاق کا قصد نہ تھا تو اس صورت میں اگر وہ کسی عورت سے شادی کر لے اور اس فاحشہ سے تعلق قطع کر دے۔ منکوحہ پر طلاق نہ پڑے گی اور اگر ایقاع طلاق کا قصد تھا تو منکوحہ پر نکاح کرتے ہی۔ طلاق بائن پڑ جاوے گی۔

فی العالمگیریۃ اذا قال لامرأتہ فی حالۃ الغضب ان فعلت کذا الی خمس سنین تصیری مطلقۃ منی واراد بذلک التخویف ففعلت ذلک الفعل قبل انقضاء المدۃ التی ذکرھا فانہ یسئل الزوج ھل کان حلف بطلاقھا فان اخبر انہ کان حلف بطلاقھا یعمل بخبرہ ویحکم بوقوع الطلاق وان اخبر انہ لم یحلف بہ قبل قولہ کذا فی المحیط (صفحہ [illegible]) اور وقوع طلاق کی صورت میں طلاق بائن لامحالہ ہوگی اور اس سے یمین ختم ہو جاوے گی پھر اسی عورت سے اسی وقت دوبارہ نکاح کرے تو دوبارہ طلاق نہ ہوگی۔

الفاظ الشرط ان واذا واذما وکل وکلما ومتی ومتی ما ففی ھذہ الالفاظ اذا وجد الشرط انحلت الیمین وانتہت لانھا لا تقتضی العموم والتکرار فبوجود الفعل مرۃ تم الشرط وانحلت الیمین فلا یتحقق الحنث بعدہ الا فی کلما اھ (ص [illegible] ج [illegible] عالمگیر)

البتہ اگر یہ حیلہ کرے کہ کسی عورت سے خود نکاح نہ کرے بلکہ اس کی طرف سے کوئی دوسرا شخص بدون اس کے امر کے از خود ایجاب قبول کرے اور یہ زبان سے اس نکاح کو نافذ نہ کرے بلکہ عملاً نافذ کر دے کہ بیوی کے پاس چلا جاوے تو اس صورت میں منکوحہ پر بالکل طلاق نہ ہوگی۔ فی الظہیریۃ فی الشامی من الطلاق لو قال ان تزوجت امرأۃ فہی طالق ثلاثا فالحیلۃ فی ذلک ان یعقد فضولی بینہما عقد النکاح فیجیزہ بالفعل، لا یحنث اھ کذا فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ (صفحہ [illegible]) وفیہ ایضا صیغۃ المضارع لا یقع بہا الطلاق الا اذا غلب فی الحال صرح بہ الکمال بن الہمام اھ (ص [illegible] ج [illegible]) اور بظاہر اس کلام سے طلاق ہو جاوے گی کہ لفظ کو معنی حال ہی استعمال کرتے ہیں لہٰذا وقوع طلاق کا حکم دیا گیا اور اگر بمعنی استقبال کے استعمال

www.ahlehad.org

ہوتا ہو تو وقوع طلاق نہ ہوگا ۔ الا اذا نوی الی الحال ۔ واللہ اعلم

ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۔ ۱۵ ربیع الثانی ۴۴ھ

تعلیق طلاق کی ایک صورت

سوال : کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بیوی ہندہ کو عمر کے یہاں جانے سے بجہت کہ زید و عمر میں خصومت و ناچاقی تھی منع کیا اور بخیال مزاحمت کے شوہر نے زوجہ ہندہ کو اس کے والدہ کے مکان پر جو عمر کی سکونت گاہ سے کچھ فاصلہ پر ہے روانہ کرتے وقت کہا کہ تجھے صرف والدہ کے مکان پر جانے کی اجازت ہے مگر عمرو کے یہاں کی اجازت نہیں اگر گئی تو تین طلاق ہیں ۔ ہندہ زید سے رخصت ہو کر میکے گئی اور تقریباً تین ماہ تک وہاں مقیم رہی حالانکہ عمر کا مکان بھی وہاں سے قریب ہی فاصلہ پر تھا مگر نہیں گئی ۔ اور اپنے شوہر زید کے پاس چلی آئی کچھ دنوں بعد پھر ہندہ کو میکے جانے کا اتفاق ہوا اس نے اپنے شوہر سے یہ اجازت طلب کی کہ اگر مجھے آپ کی غیر موجودگی میں کہیں جانے کی ضرورت درپیش آئے تو مجھے یہ اختیار حاصل ہے کہ میں ہر حالت میں جاسکوں زید نے یہ کہہ کر رخصت کیا کہ اب اجازت ہے کہ تو اپنی والدہ کے ہمراہ کہیں جا سکتی ہے چونکہ گذشتہ بغض و عداوت اور طلاق والی باتیں زید عمر و ہندہ کے خیال میں تھیں کہ جس شرط پر طلاق معلق تھا ان صورتوں میں اب اگر ہندہ اپنی والدہ کے ساتھ بجانب عمر کے ہاں کسی ضرورت سے جائے تو کیا زید و ہندہ کے درمیان طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں ؟ بینوا توجروا ۔

حافظ محمد احمد امام ہندوستانی مسجد سیر پوم (ایپو ملایا)

الجواب : صورت مذکورہ میں جب ہندہ پہلی مرتبہ میکے گئی اور زید نے روانہ کرتے ہوئے اس سے یہ کہا کہ تجھ کو صرف والدہ کے مکان پر جانے کی اجازت ہے مگر عمر کے یہاں کی اجازت نہیں اگر گئی تو تین طلاق ہیں اھ یہ طلاق اسی سفر کے ساتھ مخصوص تھی جب ہندہ اس سفر میں عمر کے یہاں نہیں گئی تو اس کلام سے آئندہ وقوع طلاق نہ ہوگا پس دوسری مرتبہ جب ہندہ اپنے میکے گئی اور شوہر سے اس نے پوچھا کہ اگر مجھے آپ کی غیر موجودگی میں کہیں جانے کی ضرورت پیش آئی تو مجھے یہ اختیار حاصل ہے کہ میں ہر حالت میں جاسکوں اور زید نے یہ کہہ کر رخصت کیا کہ تو اپنی والدہ کے ہمراہ ہر کہیں جا سکتی ہے ۔ اس سفر میں اگر ہندہ اپنی والدہ کے ساتھ عمر کے یہاں چلی جائے تو طلاق واقع نہ ہوگی ۔ لیکن اگر زید نے پہلے کلام سے ہمیشہ کے لئے ممانعت کا قصد کیا ہو اور ہمیشہ کے لئے عمر کے یہاں جانے پر تین طلاق واقع کرنے کی نیت کی ہو تو اس صورت میں دوسرے سفر میں اگر ہندہ اپنی ماں کے ساتھ بھی جائے گی تب بھی طلاق واقع ہو جائے گی ۔ واللہ اعلم ۔ ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۱۴ رجب ۴۴ھ

اگر اس گھر میں جاؤگی تو طلاق ہو جاویگی، کا حکم

سوال ۔ معظم مکرم محترم بندہ حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب دامت برکاتہم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ یہ خاکسار بہ سرپرستی جناب دلدار خان صاحب کانپور ٹینری میں ملازم ہے دو قطعہ مکان کارخانہ کے ہی قریب ہیں کیفیت دونوں مکانوں کی یکساں ہے اور ایک دوسرے مکان میں جو ہیڈ ماسٹر کی ہے میں ایک قطعہ میں رہتا ہوں دوسرے میں داروغہ عبدالحلیم صاحب جو کارخانہ میں ملازم ہیں رہتے ہیں میں نے اپنی بھاوج بیوہ کے ہمراہ جن کے دو لڑکے ہیں جعفر و زین الدین کے خیال سے ایام رمضان شریف گذشتہ میں عقد کر لیا ہے ۔ اہلیہ سابق و حال دونوں اسی مکان میں مشترک رہتی ہیں خورد و نوش نشست و برخاست یک جائی ہے باہمی نفاق کوئی شکایت نہیں ہے کل بروز بدھ قبل مغرب جب کارخانہ سے رخصت پاکر گھر گیا تو اہلیہ سابق کو خفگی میں دیکھکر دریافت کیا کہ مزاج کیسا ہے انہوں نے میری ذات پر رنج کا اظہار کیا اور چند کلمے سخت کہے جس سے مجھکو ناگوار معلوم ہوا میں نے کہا نماز پڑھ لوں تو تمہارا انتظام کردوں وہ ناخوش ہوکر بالاخانہ پر جانے لگیں اس وقت میں نے روک کر کہا کہ چابی مکان کی اور زیور دیدو ۔ وہ چابیاں دیکر بالاخانہ پر چڑھ گئیں اندر سے کواڑ بند کر لیا میں نماز مغرب میں مشغول ہوگیا نماز کے بعد بالاخانہ پر گیا معلوم ہوا نہیں ہیں ۔ داروغہ عبدالحلیم صاحب کے گھر میں ہیں بعدہٗ اہلیہ ثانی سمجھانے کے بعد گھر واپس آکر بالاخانہ پر چلی گئیں نہ مجھ سے ہی طلب ہوئیں نہ معذرت کیا بہر صورت جب مجھ سے صبر نہ ہوسکا تو میں نے اپنے لڑکے زین الدین کو پکار کر کہا کہ اپنی والدہ کو کھانے کے لئے مجبور کرو بعد تامل وہ بالاخانہ سے اتر کر نیچے آئیں اور تنہا کھانا کھانے لگیں میں ان کے قریب بیٹھا غصہ میں کچھ باتیں فراز و نشیب کی بطور نصیحت کرتا رہا اسی حالت میں یہ کہکر اٹھا کہ اگر اس گھر میں جاؤگی طلاق ہو جاویگی لہٰذا متواتر اس کلمہ کو کہا اور دروازہ کھڑکی میں احتیاطاً قفل لگا دیا کہ اس امر کا وقوع سہواً یا عمداً نہ ہو ۔ بہشتی زیور میں اس مسئلہ میں غور کیا گیا جو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں وہ بالکل مطابقت کرتے ہیں ۔

تنقیح از جانب حضرت مولانا تھانوی مد فیضہم

اس مقام پر بہشتی زیور کی عبارت نقل کرنا چاہئے تاکہ مطابقت دیکھی جاوے ۔

(بقیہ خط بالا)

یہ میری سرگذشت ہے دریافت طلب یہ امر ہے کہ ان الفاظوں کو جو میں نے غصہ میں آکر کہے تھے اور یہ نیت نہیں ہے کہ اگر ایسا ہوگا تو یہ ہوگا بلکہ غصہ میں جھڑکی کہ کسی شرعی حکم سے واپس لے سکتا ہوں اور اس کے بعد داروغہ عبدالحلیم صاحب کے گھر میں اہلیہ کے جانے کا کچھ حرج تو نہیں ہے ۔ داروغہ

عبدالحلیم کے گھر میں تنہا ہیں اور نہایت نیک اور حافظ قرآن نیک اور ان کے بچہ ہونے والا ہے۔ کوئی ظاہری سعادت ان کے سر تو نہیں ہے۔ اگر ان کو کوئی تکلیف بچہ پیدا ہونے کی صورت میں پہنچی تو مروت اور حق ہمسائیگی کے خلاف ہے اور حق تلفی ہے بایں وجہ قطع مراسم اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ موجودہ کبیدگی و کشیدگی کا باعث عقد ثانی اخیر ہے۔ اگر میں بیوی کو علیحدہ مکان میں رکھوں تو بھی ان کی کشیدگی مجھ سے دفع نہ ہو گی یا غلطی ہو رہی ہے۔ زیادہ والسلام۔ سائل آپ کا خادم

سعادت علی از کانپور تیری کا پور سبا پردہ۔

جواب تنقیح از جانب سائل

جناب عالی حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب دامت برکاتکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ امر اول مقدس بموجب ارشاد حضور والا مسئلہ مندرجہ بہشتی زیور جس سے اس ناداں نے نتائج مستنبط کئے ہیں ذیل میں درج کر کے اطمینان کا طالب ہے۔ زیادہ والسلام۔

مسئلہ مندرجہ بہشتی زیور حصہ چہارم مسئلہ۔ اپنی بی بی سے کہا اگر اس گھر میں جاوے تو تجھکو طلاق۔

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں سائل نے صیغہ مضارع کا استعمال کیا ہے جس سے طلاق کا وقوع اس وقت ہوتا ہے جبکہ مضارع کا استعمال بمعنی حال غالب ہو گیا ہو۔ اردو میں چونکہ حال و استقبال کا صیغہ جدا جدا ہے اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مضارع بمعنی حال غالب ہے۔ پس صورت مسئولہ میں سائل کا یہ قول کہ آئندہ اگر اس گھر میں جاوے گی طلاق ہو جاوے گی۔ تعلیق طلاق نہیں بلکہ محض دھمکی اور دھمکی ہے جیسا کہ سائل کے بیان سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ارادہ تعلیق کا نہ تھا۔ لہذا اگر زوجہ اس گھر میں چلی جاوے گی تو شرعاً طلاق عائد نہ ہو گی۔ قال فی العالمگیریۃ ولو قال لامرأته فی حالة الغضب ان فعلت كذا الى خمسين تصيري مطلقة فهي ان اراد بذلك تخويفها فعلت ذلك الفعل قبل انقضاء المدة التی ذكرها فانه يسئل الزوج هل كان حلف بطلاقها فان اخبر انه كان حلف يعمل بخبره و يحكم بوقوع الطلاق وان اخبر انه لم يحلف به فهو كذلك كذا فی المحيط ص ۲۲ پس اگر زوج کی نیت محض دھمکی کی نہ تھی بلکہ طلاق کو معلق کرنے ہی کی نیت تھی تو اس گھر میں جانے سے زوجہ پر طلاق پڑ جائے گی ورنہ نہیں، سائل اپنی نیت کو خود سوچ سمجھ لے اور اس صورت ثانیہ یعنی نیت تعلیق میں صرف طلاق رجعی ہو گی جس سے عدت کے اندر نکاح فسخ نہیں ہوا زبان سے بھی رجعت کر سکتے ہیں اور

تقبیل وغیرہ سے بھی رجعت ہو جاتی ہے اور ایک مرتبہ کے بعد پھر آئندہ اسی گھر میں عورت کے جانے سے دوبارہ اس پر طلاق نہ ہوگی ۔

ولو قال ان و اذا و اذا ما و کل و کلما و متی و متی ما ففی ھذہ الالفاظ اذا وجد الشرط انحلت الیمین و انتھت لانھا لا تقتضی العموم و التکرار ۔ (عالمگیری ص ۱۲ ج ۲)

واللہ اعلم

تنبیہ : ۔ بہشتی زیور کی عبارت میں جس کا سائل نے حوالہ دیا ہے صیغہ مضارع نہیں ہے اس کے الفاظ یہ ہیں (مسئلہ) اپنی بی بی سے کہا تھا اگر اس گھر میں جاوے تو تجھ کو طلاق ہے اور وہ چلی گئی اور طلاق ہو گئی الخ (ص ۳۵ ج ۴) ان الفاظ کے ساتھ وقوع شرط پر وقوع طلاق لازمی ہے کیونکہ الفاظ انشاء صریح موجود ہیں اور سائل کے الفاظ میں (طلاق ہو جائے گی) کا لفظ ہے جو کہ انشاء میں صریح نہیں ۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۱۸ محرم سنہ ۴۹ھ

اگر تو اس بات کا تذکرہ کسی سے کرے گی تو تجھ پر تین طلاق اور پھر بعد میں خود تذکرہ کی اجازت دیدی تو کیا حکم ہے ۔

سوال ۔ ایک شخص (زید) نے اپنی بیوی سے ایک واقعہ بیان کیا اور اسے پوشیدہ رکھنے کے لئے کہا مگر اس کی عورت نے کہا کہ میں اس کا تذکرہ ضرور کروں گی خاوند (زید) نے اس بات کو پوشیدہ رکھنے کی مصلحت مدنظر رکھتے ہوئے اپنی عورت کو قسم دیدی ۔ کہ اگر تو اس کا تذکرہ کسی سے بھی کرے گی تو تجھ پر تین طلاق ، معاملہ رفع دفع ہوا اور عورت نے کسی سے تذکرہ نہیں کیا مگر یہ دونوں ایک ہی جگہ قیام پذیر رہے ۔ بیس پچیس روز کے بعد اب دونوں کچھ عرصہ کے لئے جدا ہونے لگے یعنی (زید کی) عورت جس کو قسم دی گئی تھی اپنے میکے یا کسی قریبی عزیز کے یہاں جانے لگی ۔ چلتے وقت خاوند نے اپنی بیوی سے نہ معلوم کس مصلحت سے یا ویسے ہی یہ کہہ دیا کہ اگر اس واقعہ کا جس پر مندرجہ بالا قسم دی گئی ہے کسی سے تذکرہ بھی کر دے گی تو کوئی حرج نہیں ہے میں اپنی قسم واپس لیتا ہوں کوئی مواخذہ نہیں ہوگا اس اجازت دیتے وقت قسم دینے والے (خاوند) کی نیت بھی قسم کے واپس لینے کی تھی ۔ اس قسم کے واپس لینے کے بعد سے ابھی تک عورت نے کسی سے تذکرہ نہیں کیا ہے مگر خیال ہے کہ مبادا اس خیال سے کہ خاوند نے اجازت دیدی ہے ذکر کر دے ۔

اب دریافت طلب بات یہ ہے کہ اگر وہ عورت جس کو قسم دی گئی ہے اس اجازت سے فائدہ حاصل کر کے ذکر کبھی دے تو کیا اس عورت پر طلاق تو نہیں پڑے گی اور خاوند کو اس قسم یا شرط کے واپس لینے کا حق حاصل ہے یا نہیں ہے ایک امر اور بھی قابل ذکر ہے کہ خاوند کی نیت قسم دیتے وقت کوئی خاص نہیں

تھی یعنی وہ شرط کو واپس لے لگایا نہیں اور نہ اس وقت کسی اجازت کا خیال تھا البتہ اجازت دیتے وقت اس امر کی نیت ضرور تھی کہ اگر یہ کہدے تو کوئی طلاق نہ پڑے ۔

السائل جمیل احمد نائب تحصیلدار مقام اورطاوہ دروازہ

الجواب :

صورت مسئولہ میں زید کا اپنی عورت کو اس طرح قسم دینا کہ "اگر تو اس بات کا تذکرہ کسی سے کرے گی تو تجھ پر تین طلاق" عرفاً اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ جب تک اخفا کی ضرورت ہے اس وقت تک اگر کسی سے تذکرہ کیا تو یہ حکم ہے پس جب شوہر کے نزدیک اخفا کی ضرورت باقی نہیں رہی اس کے بعد اگر وہ عورت کسی سے تذکرہ کرے تو اس پر طلاق واقع نہ ہوگی

قال فی العالمگیریۃ رجل خرج مع الوالی و حلف بالطلاق ان لا یرجع الا باذنہ وسقط عنہ شیء ورجع لذلک لا تطلق ولو حلف علی امرأتہ بطلاقہا ان لا تخرج من الدار الا باذنی او حلف السلطان رجلاً بطلاق امرأتہ ان لا یخرج من البلدۃ الا باذنہ او حلف صاحب الدین مدیونہ ان لا یخرج من البلدۃ الا باذنہ فالیمین مقیدۃ بحال قیام الزوجیۃ ۔ والسلطنۃ والدین بانت المرأۃ وعزل السلطان وسقط الدین وانحلت الیمین ثم لا تعود ابداً وان عادت الزوجیۃ للزوج والسلطان وعاد الدین اھ ص ۱۱۱/۲ ۔ وفیہا ایضاً ولو قال لہا اگر تو با کسے حرام کنی فانت طالق ثلثاً فاباتہا فجامعہا فی العدۃ طلقت عندہما لانہما یعتبران عموم اللفظ وابو یوسف لا یعتبر الغرض وعلی قیاس قولہ لا تطلق وعلیہ الفتویٰ اھ ص ۱۰۱/۲ ۔ لیکن اگر صورت مسئولہ میں عورت احتیاط رکھے اور وہ بات کبھی کسی سے نہ کہے تو یہ بہتر ہے۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۲۲ محرم ۱۳۴۲

سوال ۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

اگر اپنے بچہ کو فلاں قصبہ میں پانچ سال تک یاد کروں تو اس کی ماں پر تین طلاق ۔ بعد میں بچہ کو خود وہاں لے گیا

الاستفتاء ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ایک شہر کا رہنے والا ہے جس کا نکاح ایک قصبہ میں ہوا جو بذریعہ ریل دو سو میل پر واقع ہے چونکہ زید کو اس کے سسرال والے اپنے قصبہ میں بود و باش اختیار کرنے پر مجبور کرتے تھے اس لئے جب کبھی زید کی منکوحہ اپنے میکے جاتی تو اس کی واپسی میں زید کے

سسرال والے کچھ نہ کچھ جھگڑا ضرور کرتے ایک مرتبہ زید کی بیوی اپنی بہن کی شادی میں شرکت کے لئے قصبہ میں بلائی گئی زید نے اپنی بیوی کو چند روز کی اجازت دیدی مگر اپنے تین سالہ لڑکے کو اس خیال سے روک لینا چاہا کہ: اس بچہ کے میرے پاس رہنے سے نہ تو سسرال والوں کو میری بیوی کے روکنے کی جرات ہوگی اور نہ خود بیوی بھی بوجہ مہر مادری وہاں زائد قیام کر سکے گی۔ مگر زید کی بیوی نے بچہ کو اپنے ہمراہ لیجانے میں سخت اصرار کیا لیکن زید نے مذکورہ مصلحت کو سمجھ کر اپنی بیوی کی بات نہ مانی: روانہ ہوتے وقت بیوی نے غصہ سے کہا تم دیکھنا میں اپنے باپ کو بھیجکر بچہ کو کیسے بلاتی ہوں اس پر زید نے یہ قسم کھائی اگر میں بچہ کو کسی طرح بھی قصبہ کو پانچ سال تک روانہ کردوں تو اس کی والدہ پر تین طلاق جو مغلظہ کا حکم رکھیں۔ بیوی کے چلے جانے کے بعد ایک سال تک اس طرف سے لڑکے کی طلبی میں اور زید کی طرف سے بیوی کی طلبی میں خط وکتابت ہوتی رہی جس میں ایک خط مولوی ڈاکٹر عبدالرزاق صاحب نقشبندی کا وصول ہوا جو خسر زید کے ملاقاتی اور زید کے مشفق ہیں اس خط میں ڈاکٹر صاحب موصوف نے خسر زید کے خاص الفاظوں تحریر کئے کہ " ہم آپ کو اپنی لڑکی کے روانہ کرنے میں کوئی عذر نہیں ہم کب نہیں کہتے (یعنی بھیجنے میں ہم کو انکار نہیں) وہ بچہ کو لائیں اور ان کو (بچہ کی والدہ کو) لے جائیں یہاں (قصبہ میں) جو لوگوں نے افواہ اڑائی ہے کہ اب وہ ہرگز نہ آئینگے اور نا قطع تعلق کر لیا ہے۔ وہ جھوٹے ٹھہریں اور لڑکا روانہ کرنے کی اگر قسم کھائی ہے تو ساتھ لانے میں قسم بھی نہیں ٹوٹتی اور بعض کی افواہ بھی رد ہوتی ہے۔ ہم معاف کرنے سے انکار نہیں کرتے ۔ چنانچہ اس خط سے جب زید نے اپنے خیال اور نیت کے موافق اپنے خسر کا بھی خیال لڑکے کے لیجانے اور قسم میں خسران واقع نہ ہونے میں پایا تو بلحاظ نیت طرفین قسم کھانے کے ایک سال بعد بچہ کو اپنے ساتھ لے گیا۔ قسم میں الفاظ کسی طرح بھی روانہ کردوں سے زید کی مراد اور نیت میں اس کا مقصد بہ استثناء خود دوسرے کے ساتھ کسی طرح بھی روانہ نہ کرنا گیا ہے۔ جو وجہ اور محل قسم یعنی زید کی بیوی کا غصہ سے یہ کہنا کہ تم دیکھنا میں اپنے باپ کو بھیجکر بچہ کو کیسے بلاتی ہوں۔ اس کے جواب میں صاف ظاہر ہیں اور لفظ روانہ کردوں کے صریح و حقیقی معنی عرف میں دوسرے کے ساتھ بھیجنے کے ہوتے ہیں۔ لہذا زید کا یہی مطلب تھا۔ الحاصل مذکورہ صورت میں کیا زید کی بیوی پر طلاق واقع ہو سکتی ہے؟

بینوا توجروا - المستفتی عبدالرحمن شاہجہاں خان عفی عنہ

محلہ کالوپور۔ سوداگر پول احمد آباد۔

الجواب :۔ قال فی العالمگیریہ ولو قال لہا (اگر تو مجھے حرام کنی) فانت طالق ثلثا فدنا منها فجامعها فی العدة طلقت عندهما لانهما یعتبران عموم اللفظ و ابو یوسفؒ یعتبر الغرض وهو قیاس قوله لا تطلق وعلیه الفتوی ۱ھ صورت مسئولہ میں جب زید کی غرض اور نیت کلام مذکور سے یہی تھی کہ کسی اور کے ساتھ کبھی نہ روانہ کروں گا تو لڑکے کو اپنے ساتھ لے جانے سے اس کی زوجہ پر طلاق واقع نہ ہوگی ۔ واللہ اعلم ۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ ۲ صفر سنہ ۴۶ھ

اگر تو فلاں شخص سے بات کرے تو تجھ پر تین طلاق اور اپنے ذہن میں اجازت دینے کی صورت کو مستثنیٰ کرلیا

سوال :۔ ایک شخص اپنی بیوی سے مخاطب ہوکر کہا کہ اگر تو فلاں شخص سے بات کرے گی تو تجھ کو تین طلاق مگر اس کے خیال میں یہ بات تھی کہ موقع ضرورت پر بات کرنے کی اجازت دیدوں گا مگر خطاب میں لفظ ہمیشہ وغیرہ جو دوام پر دلالت کرے نہیں ذکر کیا پس اس صورت میں اگر اپنی بیوی کو اس شخص سے بات کرنے کی اجازت دی تو وہ عورت بات کرسکتی ہے یا بات کرنے سے طلاق واقع ہوگی ۔

مگر خطاب عام ہے مقید بوقت محدود نہیں ۔ خادم محمد عبد الغفور ۔ بمقام کلاں ضلع جنوبی ارکاٹ

الجواب :۔ قال فی الدر المختار الایمان مبنیة علی الالفاظ لا علی الاغراض ص ۸۰ ج ۳ وفیه تخصیص العام بالنیة تصح دیانة اجماعا فلو قال کل امرأة اتزوجها فهی طالق ثم قال نویت من بلد کذا لا یصدق قضاء وفی رد المحتار وحاصله لو تزوج امرأة ونوی حبشية او عربية فانها بعض افراد العام لان الاصناف انواع حقیقیة وعرفیة ورد المحتار ج ۲ قلت وکذا الکلام متنوع الی ضروری وغیر ضروری فلو نوی احد النوعین یصدق دیانة ۔ صورت مسئولہ میں جبکہ زوج کی نیت اس کلام سے کہ اگر تو فلاں شخص سے بات کرے گی تو تجھ کو تین طلاق ، بے ضرورت و بے اجازت بات کرنا ہے تو بوقت ضرورت شوہر کی اجازت سے اگر وہ بات کرے تو اس پر طلاق کا وقوع نہ ہوگا ۔ ۲۰ شوال سنہ ھ

حالت اکراہ میں تعلیق طلاق کا حکم

سوال :۔ چہ می فرمایند علمائے دین متین رحمہم اللہ تعالیٰ اندریں کہ دو برادران مسمیان عبد الودود و عبد النصیر پسران حاجی محمود محمد عالم کہ چند کس عاملان شریعت غرا اند دراں حاضر بودند آرزو نمودند کہ اوشان بوجہ خصومت گرفتہ متخاصمین برائے انتظار کردہ بردو برادر را کہ دعوت بمکان بردند و صاحب خانہ کہ سرگروہ متخاصمین بود ایشان را بجبر زدو میگفت کہ قسم خورید کہ خانہ چیزات و میدان مسمی دین یوسف ۔ کبھی پیش نخواہد رفت چونکہ برادران مذکور بدست متخاصمین عاجز بودہ

بودند چارہ جوئی نمی دیدند ناچار گفتند نخواہیم رفت باز گفتند کہ بگوئید کہ در تھانہ و کچہری بے اجازت نمی خواہید رفت برادران گفتند نخواہیم رفت باز پرسید اگر روید بر زنان شما طلاق ثلث خواہد شد یا نہ برادران پاسخ دادند خواہد شد . باز سوال کرد چہ خواہد شد گفتند طلاق خواہد شد باز پرسید کہ چہ چیز طلاق خواہد شد گفتند آیا نمی دانید کہ چہ چیز طلاق شود باز سوال نمود زنان شما طلاق خواہد شد یا نہ گفتند آرے اکنون سوال اینست کہ در صورت مرقومہ بر تقدیر صحت معاملہ در حالیکہ برادران مذکور در خانہائے نامیدگان کہ ایشان بالفعل بحیات باقی ہستند و در تھانہ و کچہری بلا اجازت متغلب آمد و شد نمودند حسب حکم مذہب حنفی بر زنان مسمیان طلاق ثلث واقع شود یا چہ واضح باشد کہ یکے از مسمیان مذکور و زنان ایشان بر طریق وہابین نیست بلکہ بخلاف آن بخوف آنکہ فتوی عالمان دریں باب بوقوع طلاق صادر نشود بسبب آنکہ غمگین ہستند و پیوستہ گریہ وزاری ہمی دارند تا آنکہ زنان ایشان از رنج معاملہ خوردونوش ترک گفتہ اند . بینوا توجروا .

الجواب :- طلاق واقع نخواہد شد بچند وجوہ اول اینکہ از جہت ثبوت تعلیق جزا بالشرط اتصال کلام باید . سکوت و انفصال مانع تعلیق است و فصل کلام بغیر ضرورت پیدا است . كما فى فتاوى قاضيخان فى باب الايمان السكوت يمنع تعلق الجزاء بالشرط و ايضا فيه رجل اخذه السلطان واراد ان يحلفه فقال له قل بالله فقال الرجل بالله ثم قال السلطان قل لآتينه ميانى فقال الرجل لآتينه ميانم فلم يات الرجل يوم الجمعة قالوا لم يحنث لانه لما قال له قل بالله وسكت صار فاصلة فلا يصير يمينا بعد ذلك انتهى .

وجہ دوم آنکہ مسمیان مذکور حسب شروط یمین در خانہائے نامیدگان کہ پنڈت و الہید علی منشی و یوسف ناجی اند نرفتہ اند بلکہ در خانہائے ورثۂ ایشان رفتہ اند کہ بعد موت ایشان خانہا در ملک وارثان انتقال یافتہ است كما فى فتاوى قاضيخان رجل حلف وقال لامرأته انت طالق ان دخلت دار فلان فمات صاحب الدار فدخل ان لم يكن للميت دين مستغرق لا يحنث لانها انتقلت الى الورثة وان كان عليه دين مستغرق الى قوله قال الفقيه ابو الليث رحمه الله لا يحنث فى يمينه و در فتاوى سراجيه نوشتہ حلف لا يدخل دار فلان فدخل بعد الموت لم يحنث انتهى .

پس درحالیکہ مسمیان بلا اجازت متغلب مذکور در تھانہ و کچہری رفتہ اند بوجوہات

ست شرط اول کہ رفتن در خانہ ہائے تا میکہ کل بود حنث لازم نیاید ۔ زیرا کہ جزا بر ہر دو شرط مترتب بود کمافی فتاویٰ سراجیہ ۔ حلف لا یکلم فلانًا و فلانًا لم یحنث بکلام احدھما انتہی ۔ وفی فتاویٰ قاضی خان لو قال کل امراۃ اتزوج ما دامتا حیین او قال بالفارسیہ ۔ ہر زنے کہ بخواہیم تا ایشان زندہ اند فتطلق کل امراۃ یتزوج فی حیوتھما لان کلمۃ کل توجب تعمیم النساء فان مات احد ابویہ فتزوج امراۃ تکلموا فیہ وعن محمد رحمہ اللہ انہا لا تطلق وتسقط الیمین بموت احدھما وبہ اخذ فقیہ ابو اللیث لان شرط الحنث التزوج فی حیوتھما ولم یوجد انتہی وفی الحمادیۃ رجل حلف لا یکلم فلانا و فلانا فھذا علی ثلثۃ اوجہ اما ان نوی ان یحنث بکلام کل واحد منھما او نوی ان لا یحنث حتی یکلمھما او لم ینو شیئا ففی الوجہ الاول اذا کلم احدھما یحنث لانہ نوی ما یحتملہ وفی الوجہ الثانی لا یحنث ما لم یکلمھما لانہ نوی حقیقۃ ما تکلم بہ وفی الوجہ الثالث کذلک انتہی ۔

پس بہر حال با ولہا الامیرین بی بی مذکورہ حنث لازم نیاید فلا تطلقان ولا واحدھا ھکذا حکم الکتاب واللہ اعلم بالصواب ۔ الکاتب العاصی محمد احمد صدیقی

کانپور

تنقیح الجواب من جامع احمد الاحکام

قال فی العالمگیریۃ ص ۲۵۰ ۔ قیل لرجل الست طلقت امراتک فقال بلی تطلق لانہ قال طلقت لانہ جواب الاستفہام بالاثبات ام وفیھا ایضا رجل قال لغیرہ اطلقت امراتک فقال نعم بالھجا او قال بلی بالھجا ولم یتکلم بہ یقع الطلاق کذا فی فتاویٰ قاضی خان ام وفیھا ایضا قیل لرجل اطلقت امراتک ثلثا قال نعم واحدۃ قال القیاس ان یقع علیھا ثلث تطلیقات ولکنا نستحسن و نجعلھا واحدۃ ام قلت وجہ الاستحسان زیادۃ قولہ واحدۃ بعد قولہ نعم فلو کان اکتفی بقولہ نعم وقعت ثلث تطلیقات کما لا یخفی وفیھا ص ۱۲۳ ج ۲ ۔ رجل اراد السفر فطلبتہ صھرتہ وقال ان غبت بعد ھذا عن امراتک

ثم ترجع اليها عند رأس الشهر فامرأتك طالق فقال الختن بالفارسية هست ولم يزد على ذلك ثم غاب اكثر من شهر طلقت امرأته لانه اجاب كلام الصهر والجواب يتضمن اعادة ما في السؤال فتطلق امرأته كذا في فتاوى قاضيخان اه فنقول القائل في الصورة المسؤلة اگر ديد زنان شما طلاق ثلث خواهد شد يا نه بدان پاسخ داده خواهد شد - فهو بعينه نظير هذه المسئلة فيصح التعليق بالشرط فاذا وجد الشرط طلقت امرأتاهما وما نقله المجيب من قاضيخان ان السكوت يمنع تعليق الجزاء بالشرط معناه ان ينطق بالشرط ويسكت ثم ينطق بالجزاء بعده مثلاً لو قال المتغلب للآخرين تو د اگر ديدم وقالا اگر ديدم ثم قال المتغلب تو دو بزنان ما طلاق ثلث خواهد شد و قالا بزنان ما طلاق ثلث خواهد شد لا تطلق امرأتاهما في هذه الصورة لان الجزاء قد انفصل عن الشرط وبقي قولهما " بزنان ما طلاق ثلاث خواهد شد منفرداً عنه ولا يقع به شي لانه بمعنى الاستقبال لا الانشاء في الحال واما في الصورة المسؤلة فان المتغلب نطق بالشرط والجزاء معاً فلا انفصال بينهما وقالا في الجواب " خواهد شد و بزنگفتند آرے فهو نظير ما اذا قال نعم في جواب قول القائل اطلقت امرأتك فانه نعم لو نوى الانشاء بقولهما خواهد شد وبقولهما آرے معنى التنجيز ولم يريدا معنى التعليق بالشرط لا يقع الطلاق على امرأتيهما لكونه بمعنى الاستقبال المنجز وقد عرفت عدم وقوع الطلاق بالاستقبال تنجيزاً - وهذا انما هو في الديانة واما في القضاء فلا يصح ارادتهما معنى التنجيز بهذا الكلام لكونه خلاف الظاهر قال العلامة الشامي قال في الخانية رجل حلف رجلاً فحلف ونوى غير ما يريد المستحلف ان بالطلاق والعتاق و نحوه يعتبر نية الحالف اذا لم ينو الحالف خلاف الظاهر ظالماً كان الحالف او مظلوماً وان كانت اليمين بالله تعالى فلو الحالف مظلوماً فالنية فيه اليه وان كان ظالماً يريد ابطال حق الغير اعتبر نية المستحلف وهو قول ابي حنيفة ومحمد اه قلت وتقييده بما اذا لم ينو خلاف الظاهر يدل على

ان المراد باعتبار نية الحالف اعتبارها في القضاء اذ لا خلاف في اعتبار نيته ديانة وبه علم الفرق بينه وبين مذهب الخصاف فان عنده تعتبر نيته في القضاء ايضا ويفتى بقوله اذا كان الحالف مظلوما اھ (ص ۲۴۱ ج ۳)

وعلى هذا فلا يجاب بعدم وقوع الطلاق مالم يستفسر الزوجان عن نيتهما بقولهما خواهشمند و بعوض ایمان ما اور بذلك هو معنى التعليق او معنى التخيير. واما ان نجيب فانه يجب ان شاء ... ان لیک مسلمان بلا جماعت منتخب مذکورہ در تقاضا و تکمیری رفتہ اند بوجہ شرط اول کہ نقض درفہا با بے نامیدہ گان بود حنث لازم نیامد زیرا کہ جزء بر دو شرط معلق مترتب بود و کذا فی فتاوی ... حلف لا یکلم فلانا وفلانا لم يحنث بكلام احدهما الخ ففيه نظر ايضا من وجوه: الاول لان ترتب الجزاء على مجموع الشرطين انما يظهر مالم يبين الحالف او يستعمل اذا اراد الترتب على المجموع كما لو الحجب لمن الحق ... في قول رجل حلف لا يكلم فلانا وفلانا فهما على ثلاثة اوجه ان قال لا يكلم ايهما بعدها او نوى قبل البيان والثاني لانه يظهر من السؤال انه مستحلف حلف اولا على عدم الدخول في جماعت الرجال المعروفين فلما اقروا خرجوا من ذلك ... اخذ منهما العهد ثانيا على عدم الذهاب الى ديوان الحكومة بغير اذنه فلم يجتمع الامران في عهد واحد لا سيما اذا جعل السكوت فاصلا بين الكلامين فكيف يصح ترتب الجزاء على مجموع العهدين بل الظاهر ترتبه على الشرط عدم الذهاب الى الديوان بغير اذنه فقط وفي وجود ذلك عند عدم وقوع الطلاق ولو سلم ان الكلام يحتمل ترتب الجزاء على المجموع ايضا فلا يجاب بعدم الوقوع ابتداء فلم لا يجاب بالحنث بكل واحد منهما فلا شك في الوقوع بوجود الشرطين ولو لم يكن له نية فالظاهر الوقوع ايضا لان المتعلق انما اخذ العهد على كل واحد من الاسيرين على حدة على حدة ولعله ما اخذ العهد على امر ثم اخذ العهد ثانيا على امر آخر لسكوت بعده فاصلا فالحاصل في هذا الكلام تعلق الشرط بالعهدين في المتصل به فقط دون الاول فافهم. والله تعالى اعلم صورت مسئولہ میں یہ امر تنقیح طلب ہے کہ مردان مطلوبین نے اپنے قول میں لفظ خواہشمند و لفظ آمدہ سے کس معنی کا قصد کیا تھا؟ کیا ان کا مطلب یہ تھا کہ اگر ہم نے افعال مذکورہ کئے تو ہماری بیبیوں پر طلاق ہو جائے گی یا تعلیق بالشرط کا قصد نہ تھا بلکہ تخییر کا قصد تھا یا کچھ نیت نہ تھی اسی طرح بصورت معنی تعلیق آیا ان کا مطلب یہ تھا کہ اگر ہم نے یہ افعال مذکورہ مجموعی طور پر کئے تو طلاق ہوگی یا علیحدہ علیحدہ ہر امر کے ارتکاب پر طلاق کو معلق کرنا مقصود تھا یا ان میں سے کسی ایک شق کی نیت بھی جب تک اس تنقیح کا جواب نہ آجاوے اس وقت تک وقوع یا عدم وقوع طلاق کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا واللہ اعلم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ [illegible] شوال [illegible]

جواب تنقیح :- اگر تو زبانی دونوں کہیں گی تو تمیز سے تعلق نہ رکھوں گا اور نیت کچھ نہیں کی تو کیا حکم ہے ۔

بواستفسار از زبانیات ایشان ہر دو برادران صاف می گویند کہ ایشان نیت تعلیق مطلق نہ تعلیقا تنجیزا بلکہ رہائی از دست المتغلبین منظور داشتہ چیزی گفتند ہر چہ گویانیدند ۔ علاوہ ایں کہ ایں سوالات و جوابات کہ میان ہر دو فریق رفت پیاپے و بلا اتصال نبود بلکہ سائل در میان سوالات خورد گاہ گاہ از رفقای خویش توجہ می داشت و باہم مشورہ می کردند کہ در باب ایں دو برادران چہ کنند و جواب ہم نیز ایک صاف وجہ یہ ہے کہ تھانہ اور کچہری میں حکام کی طلب پر مجبوری گئے (از خود نہیں گئے) اور اس سے حنث نہیں ہوتا ہے ۔

الجواب :-

سوال و جواب سے معلوم ہوا کہ میاں نے تعلیق و تنجیز وغیرہ کا کچھ قصد نہیں کیا ان کا ارادہ صرف رہائی از دست متغلبین تھا ۔ نہ میاں نے طلاق خواہد شد و آرے وغیرہ میں یہ نیت کی کہ یہ جزا جو عقب شرط کیا تھا یا صرف اول کے ساتھ ہے ۔ نہ ثانی کے یا صرف ثانی کے ساتھ ہے نہ اول کے ۔ پس اس صورت میں چونکہ لفظ طلاق صریح بولا گیا ہے جس سے ایقاع واقع بدون نیت کے بھی ہو جاتا ہے ۔ نیت پر لفظ کنایہ سے وقوع موقوف ہوتا ہے ۔ نہ صریح سے اور حنفیہ کے نزدیک طلاق مکرہ واقع ہے ۔

ووجهه ان المبتلى اذا ابتلى ببليتين يختار اهونهما فالمكره اذا نطق بلفظ الطلاق للتوقي عن الضرب وجد منه اختياره للطلاق على الضرب وهذا بعينه هو الارادة لا يوجد الرضا في تلك الحالة والطلاق لا يتوقف عليه فثبت تعليق الطلاق من الرجلين المذكورين وما لم ينويا ارتباطه بجميع الشروط او واحد منها معينا فالظاهر ارتباطه بالشرط الاخير ۔ لما ذكره الشامي ان المستفتي قال اولا بگوئید کہ دفعہائی پنڈت وامید علی و یوسف حاجی پیش خواہید رفت برادران گفتند خواہیم رفت ۔ باز گفت (یعنی ثم قال بعد سکوت یسیر او زمان السکوت ہو زمان اجابۃ الاولین للکلام ونحوہ) بگوئید کہ در تھانہ و کچہری بلا اجازت من خواہید رفت گفتند خواہیم رفت پس سید اگر روید (یعنی در تھانہ و کچہری نکونہ مذکورا متصلا و مخبرا منفصلا بالسکوت ونحوہ) بر زنان شما طلاق ثلث خواہد شد ۔ باز گفتند خواہد شد ولو سلمنا السكوت فاصلا بين كل واحد من الشروط فلا يخفى ان لفظة روید يقتضي تقدير المفعول فلا بد منه ۔ ولو نوى الحالف شيئا معينا يرجع اليه ديانة والا فالراجح الاقرب ۔ وعلى كل حال قوله

آخر رد علیہ قلت وقد یجاب بانہ لیس بمرتبط بمجموع الشرط بدون النیۃ بل الظاہر ارتباطہ بالتخییر فحسب وقد وجد الشرط فلابد من وقوع الثلث ظاہرا یعنی ان وقوع الشرط لم یکن باختیار الحالف بل کان بطلب الحکام وہو فی حکم الاکراہ۔ قلت نعم ہذا ہو مرجح الافتاء بعدم وقوع الطلقات۔ لان شرط الحنث وجودی وہو الذہاب الی الدیوان وہو فعل اختیاری فیتوقف علی الاختیار۔ ونظیرہ ما ذکروا کما لو حلف لا یسکن ہذہ الدار فقید او منع او لم یمکنہ الخروج لعذر لیل ونحوہ لم یحنث لانہ یعد مسکنا لا ساکنا۔ فلم یتحقق شرط الحنث۔ حققہ فی رد المحتار (جلد ۲ صفحہ ۱۱ وج ۳ صفحہ ۵۴ و ۵۵)

والیمین یتقید الذہاب الی الدیوان بما اذا کان لقضیۃ المستحلفین ودعاوٰہم علیہ لا لو کان لغرض آخر فان غرض المستحلف انما ہو الاول لا الثانی۔ والیمین تتقید بمقتضی الحال ودلالتہا۔ فکذا ینبغی ان یفہم ہذا المقام۔ خلاصہ یہ کہ اگر میاں عدالت وکچہری میں از خود بمقابلہ مستحلفین نہیں گئے بلکہ بطلب حکام گئے ہیں تو صورت موجودہ میں طلاق ان کی ازواج پر واقع نہیں ہوئی۔ اسی طرح اگر از خود بھی عدالت و کچہری میں جائیں۔ لیکن مستحلف کے مقابلہ کیلئے نہ جائیں۔ بلکہ کسی اور غرض سے جائیں تب بھی طلاق واقع نہ ہوگی۔ ہاں اگر مستحلفین سے خصومت کرنے کے لئے از خود کچہری میں بدون اذن مستحلف گئے ہوں یا جائیں تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ ورا س صورت میں بھی اگر از خود نہ گئے ہوں بلکہ بطلب حکام گئے ہوں یا آئندہ جائیں تو طلاق کا وقوع نہ ہوگا۔ کما ہو واللہ اعلم۔ حررہ ابو الحسنات محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ۔ [illegible]

«اگر تو زبان درازی کرے گی تو تجھ سے تعلق نہ رکھوں گا» اور پھر بھی نہیں رکی تو کیا حکم ہے؟

سوال: - کیا فرماتے ہیں علماء دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے حالت غصہ میں اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تو زبان درازی کرے گی تو تجھ سے تعلق نہ رکھوں گا کیونکہ وہ عورت زبان کی تلخ ہے اور اس وقت ان دونوں میں باہم تکرار تھی اور میاں نے یہ لفظ بہت مرتبہ کہا کہ تو سختی کلام سے باز آ مگر اس کلام سے یعنی باہم تکرار سے وہ عورت باز نہ آئی اس کے بعد بہت مرتبہ آپس میں تکرار ہوئی اور میاں کی نصیحت کا کسی پر اثر نہ کی ابھی تک وقتاً فوقتاً جھگڑا ہوتا رہتا ہے اس واقعہ کو ہوئے تخمیناً چھ برس ہوا جب سے تین بچے بھی ہوئے اب شوہر کے دل پر یہ وسوسہ غالب ہوا کہ جب میں نے بیوی سے کہا کہ اگر تو سخت کلامی سے باز نہ آئے گی تو تجھ سے تعلق نہ رکھوں گا اسی وقت یہ بھی دو ایک مرتبہ کہہ دیا کہ اگر تو زبان درازی کرے گی تو تعلق نہ رہے گا مگر شوہر کے خیال میں یہ بات تھی کہ کوئی ایسا لفظ نہ نکل جائے جس سے طلاق ہو جائے فقط عورت کو دھمکی دیتا تھا کہ شاید عورت اس بات کے کہنے سے کچھ خیال کرے کہ ایسا نہ ہو میاں طلاق دیدے مگر وہ اپنی حرکت سے باز نہ آئی اس واقعہ کے بعد بہت مرتبہ تکرار ہوئی۔ اب شوہر اپنی بات پر نادم ہے

کہ میں نے حالتِ غصہ میں یہ کہہ دو ایک مرتبہ کہہ دیا ہے کہ اگر پھر سخت کلامی کرے گی تو تعلق نہ رہے گا کبھی تو دل کہتا ہے کہ یہ بات کہہ دی ہے کبھی دل کہتا ہے کہ نہیں یہ لفظ نہیں کہا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ کوئی لفظ ایسا نہ نکل جائے جس سے طلاق ہو جائے اب نہ دل یکدم ہاں کہتا ہے اور نہ یکدم نہیں کہتا اور جب یہ واقعہ ہوا تھا اس وقت کوئی بات ذہن میں نہ تھی بعد تین یا چار برس کے دل پر خیال اور شک غالب ہوا ہے پس و پیش میں تھا آج چھٹے روز حضور کے پاس تحریر کیا اب حضور خود سے ملاحظہ فرمائیں طلاق ہوئی کہ نہیں اگر ہوئی تو دوسرا نکاح ہو سکتا ہے کہ نہیں کیونکہ تعلق نہ رہے گا ایک یا دو مرتبہ کہا تھا یا طلاق بائن پڑ گئی۔ حضور صاف اردو زبان میں جواب تحریر فرمائیں۔ تاکہ سمجھ میں آ جائے اور جبکہ یہ کہا تھا کہ تعلق نہ رکھوں گا تو اس وقت کوئی ارادہ نہ تھا۔ کیونکہ اس وقت کوئی بات کا یہ خیال نہ تھا کہ میں نے ایسی بات کہہ دیا جس سے طلاق ہوا۔ بہت دنوں کے بعد یہ خیال ہوا کہ شاید میں نے اسی غصہ کی حالت میں یہ لفظ تعلق نہ رہے گا دو ایک مرتبہ کہہ دیا ہے مگر اس میں بھی شک ہے کبھی تو دل کہتا ہے ہاں کہا اور کبھی کہتا ہے نہیں کہا اور نہ اس جگہ پر کوئی دوسرا شخص تھا کہ اس سے دریافت کیا جائے کہ کیا لفظ کہا۔ فقط والسلام۔

الجواب:۔

قال فی العالمگیریۃ اذا قال لامرأتہ فی حالۃ الغضب ان فعلت کذا الی خمس سنین تصیری مطلقۃ منی واراد بذلک تخویفہا فعلت ذلک الفعل قبل انقضاء المدۃ التی ذکرہا فانہ یسئل الزوج ہل کان حلف بطلاقہا ان کان اخبر انہ کان حلف تحری بعمر ویحکم بوقوع الطلاق علیہا وان کان اخبر انہ لم یحلف بہ قبل قولہ کذا فی المحیط اھ ص ۲۹۱ ج ۲۔

جب صورت مسئولہ میں شوہر کی نیت عورت کو دھمکانے کی تھی خصوصاً جبکہ اس نے الفاظ کنایہ استعمال کئے ہیں صاف طلاق کا لفظ نہیں بولا اور کنایہ سے وقوع طلاق بدون نیت کے ہوتا ہے جو کہ یہاں مفقود ہے تو شوہر کے اس قول سے کہ اگر تو زبان درازی کرے گی تو تجھ سے تعلق نہ رکھوں گا یا تعلق نہ رہے گا عورت پر طلاق نہیں ہوئی۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۲ شوال [illegible] از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون۔

اگر تو نے بیٹی کو دی تو تین طلاق " شوہر کا یہ کہنا اور طلاق کا آخر زندگی میں واقع ہونا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص بنام فریدی بن عبدل کی طرف سے مرحمت سوال بحث کو بعبارت معلوم ہوا کہ میں نے سنا ہے کہ تیرا باپ مجھ پر فریادی کرے گا تو وہ فریادی کرکے میرا کیا

کہ دیتے گا تو بیٹی نے کو بولی مگر آئی نہیں ابھی بھی کہتا ہوں کہ سوچ لو ۔ باپ کے سمجھانے پر ماننے میں مت پڑ اگر تو نہ آوے گی تو تجھ پر تین طلاق تو میری بیٹی میں تیرا باپ دیکھ پھر بھی کہتا ہوں کہ تو آ جا ورنہ بہت پچھتائے گی یہ دن چلی آ ۔ میں نے تیری خطا معاف کی تجھ سے کچھ نہ کہوں گا نہیں تو تیرا پیچھا ہرگز نہ چھوڑوں گا زیادہ کیا خیال ہوا جا یہ خط پڑھ کر پھاڑ پھاڑ کر پھینک دینا ۔ فقط ۔ بقرعیدی بن عبدل نے جو ایسی صورت میں تین طلاق لکھا ہے تو تین طلاق واقع ہو گئے یا نہیں اور لکھا تو میری بیٹی میں تیرا باپ اس لفظ کے کہنے سے طلاق واقع ہوئی یا نہیں ۔ اور بقرعیدی نے کوئی دن تاریخ وقت مقرر لکھا نہیں ہے ایسی صورت میں تین طلاق واقع ہوئی یا نہیں کس شرع کا حکم کیا ہے خلاصہ تحریر فرما دیں ؟

الجواب :۔

جب بقرعیدی بن عبدل نے صرف یہ لکھا ہے کہ اگر تو نہ آوے گی تو تجھ پر تین طلاق ۔ اور کوئی مدت آنے نہ آنے کی متعین نہیں کی اگر اس کی نیت میں بھی کوئی مدت نہ تھی تو ابھی اس کی زوجہ پر طلاق نہیں پڑی بلکہ زندگی بھر نہ آنے سے آخر وقت زندگی میں طلاق پڑے گی ۔

لان الطلاق معلق على العدم والعدم متحقق مستمر لكنه لما علق بالمستقبل صلح لجميع زمان الاستقبال لوجوده فلا يتعين له وقت الى ان يبقى الى آخر جزء من الحياة فيتحقق فيقع اهـ كذا في الشامي (ص ۱۱ ج ۲)

اور اگر اس نے معنی فوری کی نیت کی تھی وہ مطلب یہ تھا کہ اگر خط دیکھتے ہی فوراً نہ آوے گی تو طلاق یا کوئی خاص مدت ذہن میں تھی مثلاً اس ماہ میں نہ آوے گی تو طلاق ۔ اس صورت میں جب اس کی نیت کے خلاف عورت کی طرف سے عمل در آمد ہوا اسی وقت طلاق پڑ جائیگی ۔ بہرحال اس مسئلہ میں طلاق کا واقع ہونا یا نہ ہونا اس پر موقوف ہے کہ شوہر نے کسی مدت تک نہ آنے کی نیت کی تھی یا کچھ نیت نہ تھی ۔ صورت اول میں اس مدت تک نہ آنے سے طلاق ہو جائیگی اور دوسری صورت میں زندگی بھر نہ آنے سے طلاق ہوگی اب شوہر اپنی نیت کا حال سوچکر عمل کرے ۔ واللہ اعلم قال فی الدر ونیة تخصیص العام تصح دیانة لا قضاء (ص ۱۵۱ ج ۲)

وفیہ ایضاً فی لا تخرجی الا باذنی لو نوى الاذن مرة دین و مثلہ ([illegible])

حررہ الاحقر ظفر احمد عفی اللہ عنہ ۱۲ رجب [illegible]

اگر شرط کی خلاف ورزی کی تو وہ طلاق مغلظہ ہو گی یا طلاق بائن مقصود ہوگی اس صورت میں طلاق کا حکم

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ماجدہ بیگم کا نکاح چھٹن تال کے لڑکے مسمی

محمد ابراہیم کے ساتھ سنہ ۱۹۴۸ء میں ہوا۔ تقریباً پانچ سال تک مسمی محمد ابراہیم نے اپنے مسماۃ ہاجرہ بیگم سے اپنی بدچلنی اور آوارگی کے باعث بے اتفاقی رکھی۔ چنانچہ مسماۃ ہاجرہ بیگم کے رشتہ داروں نے جو مسمی محمد ابراہیم کے رشتہ دار بھی تھے بمورخہ ۳۱ مئی سنہ ۱۹۵۲ء کو تنگ آکر اپنی برادری کے چند معزز اشخاص کو اکٹھا کرکے مسمی محمد ابراہیم سے اس مضمون کا ایک اقرار نامہ۔ جس کی نقل استفتاء ہذا ہے۔ لیا کہ اگر مسمی محمد ابراہیم اپنا چال چلن درست نہ کرے اور اپنی زوجہ مسماۃ ہاجرہ بیگم کو نان و نفقہ خورد و پوشش و بود و باش یا رہائش نہ دے اور حق زوجیت جو بروئے شرع شریف اس پر لازم و واجب ہے۔ کا حق ادا نہ کرے تو شرائط متذکرہ صدر میں سے کسی ایک شرط کی خلاف ورزی کا مظہر معتبر سے ثابت ہونے پر وہ خلاف ورزی کا مجاز طلاق بائن تصور ہوگی۔ اقرار نامہ دینے پر بھی مسمی محمد ابراہیم نے اپنا چال چلن درست نہیں کیا۔ عرصہ تیرہ چودہ سال میں ایک کوڑی گھر میں نہیں دی۔ لہذا اپنی زوجہ مسماۃ ہاجرہ بیگم کو گھر میں آباد نہ کیا۔ مسماۃ ہاجرہ بیگم اپنے چچا کی لڑکی مسماۃ سکینہ بیگم کے گھر میں گزر اوقات کرتی رہی۔ علاوہ اپنے والد کی زمین کی جو اناج وغیرہ آتا تھا اور آتا ہے اس سے اپنا پیٹ پالتی رہی۔ اتفاقاً اس کی ہمشیرہ سکینہ بیگم کو اپنے وطن کے پاس بردوان جانا پڑا۔ مسماۃ ہاجرہ بیگم بھی اس کی ہمراہ بردوان میں چلی گئی کیونکہ اس کا خاوند وہاں اپنے چچا کے پاس موجود ہے۔ ممکن ہے وہ اس کے وہاں جانے سے التفات کرنے لگے۔ مسمی محمد ابراہیم کے چال چلن اور آوارگی میں فرق نہ آیا۔ لیکن چونکہ خاوند بیوی کا ملنا جلنا رہا ہوتا تھا۔ مسمی محمد ابراہیم کے نطفہ سے مسماۃ ہاجرہ بیگم کو حمل قرار پا گیا۔ وضع حمل کے لئے مسماۃ ہاجرہ بیگم واپس امرتسر آگئی۔ لڑکا جس کا نام محمد حسین ہے۔ اور جس کی عمر تقریباً پانچ سال ہے تولد ہوا۔ مسماۃ ہاجرہ بیگم کا خیال تھا کہ اس کا خاوند شاید صاحب اولاد ہو کر درست ہو جائے۔ لیکن لڑکے کی ولادت کے بعد آج تک مسمی محمد ابراہیم نے ایک حبہ تک بھی اپنی زوجہ کو نہیں بھیجا نہ خطوط کا جواب دیا۔ اور نہ خود آج تک امرتسر آیا۔ نہ ہی اس کو مسماۃ ہاجرہ بیگم کے آباد کرنے کا خیال ہے۔ چونکہ ان حالات میں مسماۃ ہاجرہ بیگم کی باقی عمر کا گزرنا محال ہے۔ اس لئے التماس ہے کہ جو شرعی حکم اس بارہ میں ہو اس سے مطلع فرمادیں کہ کیا مسماۃ ہاجرہ بیگم بروئے اقرار نامہ مطلقہ ہو چکی ہے یا نہیں تاکہ مسماۃ مذکورہ کا عقد ثانی کسی دوسرے شریف آدمی کے ہمراہ کرا دیا جاوے۔ اور وہ باقی ماندہ زندگی آرام سے گزارے۔

خادم العلماء احقر شیخ محمد خواجہ جگلانہ۔ پوسٹ ماسٹر ڈاکخانہ

کیا مسماۃ ہاجرہ بیگم بروئے اقرار نامہ لڑکے کی ولادت سے پہلے ہی مطلقہ ہو چکی ہے یا نہیں؟

(نقل اقرار نامہ جو ایک روپیہ کے کاغذ پر لکھا گیا تھا)

کہ محمد ابراہیم ولد محمد رمضان قوم کشمیری ساکن امرتسر کٹرہ کرم سنگھ کوچہ سلطان پہلوان کا ہوں چونکہ مظہر کا عقد نکاح بروئے شرع محمدی بمہر پانسو مسماۃ ہاجرہ بیگم بنت کریم بخش قوم کشمیری ساکن امرتسر کٹرہ کرم سنگھ نے پڑھا ہوا ہے اور مسماۃ مذکورہ بخانہ مظہر بطریق منکوحہ حرمت سے آباد ہیں۔ اب عرصہ تخمیناً پانچ سال سے باعث بے اتفاقی مظہر باہمی تعلقات میں شکر رنجی ہے۔ اس لئے اب مظہر بثبات عقل وبحالی ہوش بلا ترغیب تحریک اقرار کرتا ہے اور لکھ دیتا ہے کہ مظہر مقر مسماۃ ہاجرہ بیگم منکوحہ خود کو ہر طرح سے نان ونفقہ وخورد وپوشش وبود وباش میں آسائش دیا کرے گا۔ اور ہر طرح کے حقوق زوجیت جو بذمہ مظہر بحکم شرع شریف واجب ولازم ہیں۔ کما حقہ ادا کیا کرے گا۔ کسی طرح کی تکلیف مسماۃ ہاجرہ بیگم مذکورہ کو نہ دے گا اور اپنے چال چلن میں جو آوارگی آج سے سابق تھی ترک کرکے نیک چلن بنکر گذر اوقات کیا کرے گا۔ اگر شرائط مندرجہ صدر میں سے کسی ایک شرط کی خلاف ورزی مظہر مقر سے ثابت ہوگی تو وہ خلاف ورزی بمنزلہ طلاق بائن کے تصور ہوگی جس میں میرا کچھ عذر قابل سماعت نہ ہوگا۔ اور مسماۃ مذکورہ مطلقہ سمجھی جاوے گی اس لئے یہ چند حروف اقرار نامہ تحریر کردئے کہ سند رہے اور وقت ضرورت کے کام آویں۔

تحریر بتاریخ ۱۳ مئی ۱۹۰۹ء بقلم غلام رسول عرضی نویس کٹرہ کرم سنگھ

العبد محمد ابراہیم مذکور، داغ دنبل بر پنڈلی چپ۔ عمر ۲۳ سال۔

دستخط محمد ابراہیم۔

دستخط گواہ شد — خواجہ محمد عبد العزیز ولد خواجہ عبد الوہاب قوم کشمیری سوداگر۔

دستخط۔ میاں عبد السبحان ولد امیر الدین قوم کشمیری۔ دستخط۔ محمد عبد [illegible] ولد محمد رمضان قوم کشمیری

الجواب:۔

بموجب عبارت اقرار نامہ مذکورہ کے جس وقت مسمی ابراہیم کی طرف سے زوجہ کے نان ونفقہ وغیرہ میں خلاف ورزی آوارگی ظاہر ہوتی ہے۔ اسی وقت سے مسماۃ ہاجرہ بیگم مطلقہ بائنہ ہوگی (حکم طلاق جملہ اگر شرائط کی خلاف ورزی کی تو وہ خلاف ورزی بمنزلہ طلاق بائن متصور ہوگی) اور اگر اسی وقت سے اس وقت تک اس کو تین حیض آچکے ہیں تو وہ عدت سے بھی فارغ ہوگئی۔ فراغ از عدت کے بعد وہ اپنا دوسرا نکاح جس جگہ چاہے کرسکتی ہے واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ مقیم خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ۱۲ محرم

تعلیق طلاق کی ایک صورت

سوال:۔ اس کابین کے بارے میں منکہ ناکح سید احمد ولد بخش علی حاجی مرحوم ساکن یوپی شمالی۔ ضلع [illegible] نے بستم مسماۃ [illegible] بنت [illegible] علی مرحوم ساکن ایضاً بعوض مہر مبلغ [illegible] [illegible] باصحت ذات وثبات عقل بلا جبر واکراہ بہ [illegible] یک شرط مرقوم الذیل درحبالۂ عقد خود در

آمدم و آں شرط موصوف الصدر این کہ مسماۃ ماجدہ خاتون بنت مولوی عبد الجلیل صاحب ساکن وغیرہ ایف کرائی المنکوحہ منست بوجہ عدم موافقت در خانہ پدر بطور ناشزہ سکونت می ورزد و از زوجیت شوہرانی در مسکن ازدواج من منفک ماندہ گر بحر اسنہ مرزن وشوئی بطوع نیارم و اگر خلاف این دوام بر ماجدہ خاتون منکوحہ مذکورہ سہ طلاق واقع خواہد شد این چند کلمہ بطور کابین نامہ در زماننا عند الحاجت بکار آید۔ اس کابین نامہ مذکورہ کو ایک مولوی صاحب نے لکھ دیا جس کے واسطے لکھا وہ بھی مولوی: در نامہ کو مولوی صاحب نے محض دستخط کیا اور زبان سے اقرار نہیں کیا۔ اور دستخط ہرگز نہ کرتا لیکن ان کے مربیوں نے بہت اصرار کیا۔ در عبارت کابین میں بھی نقص معلوم ہوا وہ نقص یہ ہے کہ اگر خلاف این دوام بر ماجدہ خاتون مذکورہ سہ طلاق واقع خواہد شد کہ واقع خواہد شد صیغہ استقبال ہے اور صیغہ استقبال سے بغیر ارادہ طلاق، طلاق واقع نہیں ہو سکتی ہے کیونکہ واقع خواہد شد خبر ہے۔ والخبر یحتمل الصدق والکذب بلکہ والموضوع للخبر تقدیرا مستعمل فی الانشاء یہ خلاف قیاس ہے اور خلاف قیاس اپنے مورد پر منحصر ہے وہ ماضی ہے نہ لفظ واقع خواہد شد، در وقوع طلاق کے واسطے انشاء ہونا چاہئے۔ خواہ تعلیق ہو یا تنجیز جو یہ نقص خیال کرکے دستخط کی اگر یہ شبہ نہ ہوتا ہرگز دستخط نہ کرتا کیونکہ طلاق کا منشا بالکل نہیں ہے۔ اب بعد وجود شرط طلاق واقع ہوگی یا نہیں اگر ہوگی پس اس کا مطلب کیا ہے ان فعلت کذا الی خمسین سنۃ تصیرین مطلقۃ بطلاقہا بس قال علی وجہ التخویف لم یقع ویکون القول قول الزوج کذا فی الخانیۃ بینوا توجروا۔

الجواب عند وجود الشرط ۔

صورت مذکورہ میں مسماۃ ماجدہ خاتون پر تین طلاق واقع ہو گئیں ہیں نعم لان المضارع فی اعتضاد بالشرط یطلب غالب للانشاء۔ دعوی خلاف الظاہر فلا یقبل القاضی ورد المرأۃ لانہا کالقاضی لا تعلم الا الظاہر پس ماجدہ پر واجب ہے کہ اپنے کو مطلقہ ثلث سمجھے اور زوج سے علیحدہ ہو کر عدت تمام کرکے دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے اور عبارت عالمگیریہ سے استدلال نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس میں تعلیق طلاق علی فعل المرأۃ ہے اور عورت کی فعل پر طلاق کو معلق کرنے میں تخویف کا احتمال بعید نہیں بلکہ دھمکانے کے طور پر کسی کام سے روکنے کے لئے ایسا کیا کرتے ہیں لہذا وہاں نیت زوج کا اعتبار ہے اور یہاں تعلیق علی فعل الزوج ہے۔ یہاں تخویف وغیرہ کا احتمال نہیں لہذا نیت زوج معتبر نہیں۔ للفظ الطلاق صریح فقط واللہ اعلم ۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۲ صفر سنہ ۴۳ھ

لفظ طلاق واقع خواہد شد سے تعلیق طلاق پر شبہ کا جواب

سوال :- [illegible] کہ شخصے کہ خلیفہ

با زوجہ خود شمارہ حسب تفصیل ترتیب یافتہ بزن دوم ہمعیت ؛ زن ولیشن در نکاحنامہ خلیفہ زن اول

یک کابین نامہ کہ مصنف آن ماتحن فیہ در قرطاس منقول بماند و ہم کابین نامہ ایکہ او ور علم پیکہ

بلفظ واقع خواہد شد کردہ کابین نامہ جزائے شرط واقع شدہ باستقبالیت آن طلاق عند الشرط

واقع نگردد ۔ چنانچہ در تنجیز نگردد ۔ مضارع تنجیز نباشد و تعلیق باسم مضارع نباشد کہ جزئے

شرط قبل تعلیق تنجیز و فعل مستقبل مر تنجیز را نشاید ۔ ہمچنیں مر تعلیق را نیز و حکم ہر دو دریں باب یکیست

عبارت کابین نامہ اول و آن یک شرط موصوف الصدر این کہ تا زوجیت مسماۃ خوابی در ملک از دواج من

متملک ماند بمسماۃ ماجدہ خاتون بنت جنوبی عبد الخلیل ساکن [illegible] حلف ایضاً طلاق مذکورہ ضلع مزبور

کہ ہمیں ملکوحہ است و بعد اتفاق و موافقت در نکاحنامہ خلیفہ سکونت دارند ہرگز امروز شوقی بظہور نیاید

واگر خلاف ورزم بر مستورہ ماجدہ موصوفہ طلاق واقع خواہد شد ۔ فقط

تصحیح الجواب :-

قال فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ سئل فی رجل قال لزوجتہ تکونی طالقۃ ثلثا بصیغۃ المضارع وغلبۃ استعمالہ فی الحال عرفا یقع الطلاق (الجواب) نعم کما افتی بہ الخیر الرملی واطال الکلام علی ذالک فی حاشیتہ علی البحر فراجعہا

(ص ۳۸ ج ۱)

صورت مسئولہ میں زوج کا یہ قول " اگر خلاف ورزم بر مستورہ ماجدہ سہ طلاق واقع خواہد شد " شرط و تعلیق طلاق ہے اور خواہد شد ۔ یہ وقوع میں وعدہ کے لئے نہیں ہے بلکہ انشاء طلاق بوقت وجود شرط پر دلالت کرتا ہے اور تعلیق چونکہ مستقبل ہی کی ہوتی ہے اس لئے اس کے واسطے مستقبل کا صیغہ استعمال کیا جاتا ہے پس از روئے کلام وقوع طلاق ثلث بوقت شرط کو مقتضی ہے اور قضاءً وقوع ہی کا حکم کیا جائے گا والمرأۃ کالقاضی کے قاعدہ سے عورت کو بھی لازم ہے کہ اپنے کو مطلقہ ثلث سمجھے اگر شرط کا وقوع ہو گیا ہے

تنبیہ :- سائل نے جو بہشتی زیور کی عبارت سے استدلال کیا ہے وہ استدلال بالکل غلط ہے کیونکہ بہشتی زیور کی عبارت صراحۃً معنی وعدہ پر دلالت کرتی ہے وہ یہ ۔ کسی نے کہا یوں تجھ کو طلاق دے دوں گا تو اس سے طلاق نہیں ہوئی اسی طرح کسی بات پر یوں کہا کہ اگر فلانا کام کرے گی تو طلاق دیدوں گا تب بھی طلاق نہیں ہوئی (ص ۲۰ ج ۴) ان الفاظ میں معنی وعدہ و تخویف مرأۃ کا احتمال ہے اس لئے طلاق نہیں ہوتی اگر سائل بھی یوں کہتا کہ اگر خلاف ورزم ماجدہ را سہ طلاق دادہ خواہم شد ۔ تو اس میں بھی وقوع کا حکم نہ ہوتا باقی رہا

کے موجودہ الفاظ میں تو وعدہ و تخویف کا کوئی احتمال ہی نہیں صاف تعلیق و انشاء طلاق ہے ۔

واللہ اعلم ۔

"تمہارے سوا کسی سے نکاح کریں تو اس کو طلاق ہوگی" سے تعلیق طلاق کا حیات زوجہ کے ساتھ مقید ہونا جبکہ شوہر کی نیت ہو

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک نہایت اہم کام کے لئے آں قبلہ کو تکلیف دینے کو مستفید ہوا امید قوی کہ حضور احقر کی گستاخی معاف فرما کر جواب شافی سے احقر کو مطلع فرما کر مطمئن و سرفراز فرمائیں اور نیز اس ناچیز کے ہر طرح کی دینی و دنیاوی بہبودی کے لئے دعا فرماویں احقر نے اپنی اہلیہ سے کسی بات پر اس طرح وعدہ کیا تھا کہ اگر تمہارے سوا کسی سے نکاح کروں تو اس کو طلاق ہوگی میری اہلیہ کو آج تقریباً تیرہ برس ہوئے انتقال ہو گیا جس میں اس خوف سے کہ شاید اور نکاح کرنا جائز نہ ہوگا اس مدت دراز تک بغیر نکاح کے رہا اب مجھ سے رہا نہیں جاتا طبیعت بھی اکثر ناساز رہتی ۔ علاج سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا میری کل عمر ۴۳ برس کی ہے ۔ اب حضور سے التجا ہے کہ اس کے جواز کی شرعاً کوئی صورت ہے یا نہیں اگر ہے تو کس طریقہ سے جائز ہو سکتا ہے ازراہ کرم خلاصہ تحریر فرما کر اس ناچیز کو سرفراز فرمائیں ۔ اطباء کی بھی یہی رائے ہے کہ بغیر نکاح کے صحت ٹھیک نہیں ہوگی ۔

تنقیح :۔ ان الفاظ کے کہتے ہوئے کچھ نیت بھی تھی یا نہیں یعنی یہ نیت کہ زندگی میں کر دوں تو طلاق یا یہ نیت تھی کہ کسی وقت بھی کر دوں تو طلاق یا کچھ نیت نہیں تھی یا نیت یاد نہیں نیز طلاق کا لفظ ایک دفعہ کہا تھا یا زیادہ اس کا جواب دیا جائے ۔ فقط

۲۷ ربیع الاول ۴۲ھ از تھانہ بھون

جواب تنقیح :۔

ایک بار تو اپنی اہلیہ کی اعتبار دلانے کی غرض سے کہ سوائے ان کے اور نکاح نہ کروں گا اور اگر کروں گا تو طلاق ہوگی وعدہ کیا تھا پھر اسی مجلس میں ان سب باتوں کے آخر میں یہ بھی کہا تھا مگر تمہاری اجازت دینے سے ضرور ہم کر لیں گے مطلب یہ تھا کہ تمہاری اجازت دینے سے یہ شرط باقی نہ رہے گی زندگی یا موت کی بات یاد نہیں اور طلاق کا کئی دفعہ کہنا بھی یاد نہیں چند روز بعد مرض الموت میں ہم کو نکاح کی اجازت دی تھی ۔ مجھے یہ فکر ہے کہ آخر میں یہ بات جو میں نے کہی شرعاً معتبر ہوگی یا نہیں اور اسی مجلس میں سوائے ان سب باتوں کے اور کوئی ذکر نہ تھا

دستخط سراج الحق

الجواب : صورت مسئولہ میں یہ تعلیق طلاق حیات زوجہ کیساتھ مقید تھا ۔ لہذا اس کی موت کے بعد سائل کو نکاح درست ہے ۔ قال الشامی تحت قول الدر حلف لا یرجع الی الدار ثم رجع لشیء نسیہ لا یحنث لکنہ والحاصل ان ھذہ المسئلۃ تخصصت الیمین فیہا

بعد لان العادة والعادة مخصصة كما تقرر في كتب الاصول ونظيره ذلك ما في الخانية انه حلف امرأته بجارية حلف لا يمسها انصرف الى المس الذي تشكوه المرأة منه (ص ۲۵ ج ۲) ونظيره ايضا حلف الوالي ليعلمنه بكل مفسد تقيد بحال ولايته كما في الشامي (ص ۲۳ ج ۲)

اور ذیل میں جو قسم عورت کو اختیار دلانے اور راضی کرنے کے لئے کھائی تھی وہ بھی حیات زوجہ کے ساتھ مقید ہوگی اور بہتر یہ ہے کہ عورت سے تجدید کیا جائے اول تجدید مہر جو ادنیٰ مقدار مہر ہے یعنی دس درہم تو نکاح کیا جائے اور قبل دخول اس مہر کا نصف عورت کو ادا کیا جائے اس احتمال پر کہ شاید تعلیق میں حیثیت دوام کا کوئی جواب اس پر طلاق واقع ہو گئی ہو یہ مہر اس عورت کے ساتھ معاوضہ ہے یا نکاح اس کی اجازت سے مہر کو قبول کر لیا جائے۔ واذا نشی طلق واحدة ثم تنشئ اورث محسن سے یا دونوں مذہب پر طلاق کے بعد دوبارہ طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ خلع وغیرہ الفاظ عموم میں سے کوئی نہیں ہے فقط واللہ اعلم

حررہ الاحقر عبد الکریم از استاذی مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی دامت فیوضہم۔ امداد ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ

تعلیق طلاق کی ایک صورت: **سوال:** میں ان تکالیف کو محسوس کرتے ہوئے جو میری زوجہ محمودہ بیگم بنت شیخ عزیز احمد صاحب مرحوم کو میری طرف سے اس وقت تک میری لاپروائی اور بدسلوکی کی وجہ سے برداشت کرنی پڑیں۔ حسب ذیل تحریر دیتا ہوں تاکہ ان کو اطمینان ہو اور بلا کسی جبر کے ان کی تسکین کے لئے ہمیشہ پابند ہوں کہ آج بتاریخ ۱۱ جون ۱۹۳۰ء سے لے کر ۶ ماہ کے اندر اندر میں اپنی بیوی کو مساوات ثابت کر دوں گا میں اس کو حسب حیثیت تمام عمر خوش رکھوں گا اور یہ کہ میرے تعلقات جو دوسروں سے ہوں گے جن کا ثبوت میری بیوی کی تصدیق ہوگی یا یہ عرف میری بیوی آپ پر کہ ان کو دوسری سے تعلقات نہ رکھو یا اس کو ظاہر کرے گی میں مقررہ مدت مذکورہ بالا یعنی چھ ماہ میں مساوات کے تعلقات ثابت نہ کر سکا اور یہ میری بیوی نے اس کے خلاف ظاہر کیا تو میری طرف سے اس کو تین طلاق ہیں۔ گویا میرا اور ان کا تعلق ترک ہی تا عمر نہ رہے گا۔ دستخط عبدالمجید

[مستفتی] ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عبدالمجید نے اپنی تحریر کے مطابق اس عرصہ میں مجھ کو خوش نہ رکھا اور نہ ثابت کیا کہ وہ مجھکو آئندہ خوش رکھیں گے بلکہ اس عرصہ میں اور بھی زیادہ مجھکو تکالیف و مظالم کا شکار بنایا گیا میرا بیان ہے کہ وہ اپنی تحریر کے مطابق مجھ کو خوش نہ رکھ سکے جس کا مقتضی ہے کہ اس لئے میں فتویٰ علمائے دین سے طلب کرتی ہوں کہ اس تحریر کے مطابق میں ان سے قطع تعلق ہو گیا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ نوٹ: ان چھ مہینے کے بعد سے میں اپنے والدین کے یہاں مقیم ہوں

تنقیح:-

صورت مسئولہ میں مسمی عبدالحمید کیا کہتا ہے کیا وہ بھی اس کو تسلیم کرتا ہے کہ شرط طلاق متحقق ہو گئی یا وہ تحقق شرط سے انکار کرتا ہے۔ ان کے جواب کے بعد حکم بتلایا جائے گا۔ نیز عبدالحمید کی تحریر میں جو یہ لفظ ہے " اور یہ کہ میری بیوی نے اس کے خلاف ظاہر کیا " اس میں حرف (یہ کہ) کیا ہے یہ محض حشو لغو ہے یا اس سے عطف مراد ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ " میں اس قسم کے تعلقات کو ثابت نہ کر سکا یا میری بیوی نے اس کے خلاف ظاہر کیا " بہرحال سائل کے ذہن میں اس عبارت سے جو مطلب آیا ہو اس کو بیان کیجئے اور اپنی بستی کے دو چار عقلاء سے بھی پوچھ کر اس عبارت سے کیا مطلب مفہوم ہوتا ہے۔ فقط

احقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۵؍ محرم ۵۵ھ

جواب تنقیح بالا:

۱۔ مسمی عبدالحمید کوئی جواب کسی تحریر کا نہیں دیتا بلکہ سنا ہے کہ وہ اپنے مکان پر بھی نہیں ہے اس کو نوٹس اور رجسٹری خطوط بھجوائے گئے مگر جواب نہیں دیا۔ اس کی خاموشی بظاہر اسی پر دال ہے کہ وہ طلاق کا مقر ہے۔

۲۔ (یہ کہ) سے تمہید اپنے پہلے فقرہ کی ہے جو یہ ہے کہ میں اس کو حسب حیثیت تمام عمر خوش رکھوں گا اور یہ ہے کہ میرے تعلقات خوشگوار رہیں گے بظاہر یہ مراد ہے کہ خورد و نوش وغیرہ کی کفالت اپنی حیثیت کے موافق رکھوں گا یہ فقرہ اولیٰ کی مراد ہے اور فقرہ دوم سے یہ مراد ہے کہ میرے دوسرے تعلقات زن و شوہر کے بھی خوشگوار ہوں گے مگر دونوں باتوں میں وہ ناکام رہے نیز لفظ (یہ کہ) بطور عطف کے واقع ہوا ہے۔

۳۔ مستفتی کے ذہن میں تو دونوں امور کے متعلق بھی آتا ہے جو عرض کیا گیا اس کے متعلق چند دوسری جگہ فتوی بھیجا گیا تھا اس کی عبارت بجنسہ یہی تھی جو اس استفتاء کی ہے وہاں سے جواب حسب ذیل آئے ہیں جو نقل ہیں

از دیوبند الجواب -

شوہر کے تحریر کے مطابق مسماۃ محمودہ بیگم بنت شیخ عزیز الرحمن پر تین طلاق واقع ہو گئی اور زوجین کا باہمی قطع تعلق ہو گیا اب علاقہ نکاح کا مابین ان کے باقی نہیں رہا۔ مسماۃ مذکورہ کو اختیار ہے کہ بعد ختم ہونے عدت دوسرے شخص سے حسب قاعدہ شرعیہ نکاح کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ عزیز الرحمن عفی عنہ مفتی دارالعلوم دیوبند ۱۶ محرم ۵۳ھ

الجواب از مدرسہ ارشاد العلوم [illegible]:- الجواب ہو الموفق للصواب

جبکہ شوہر نے طلاق کو اپنی بیوی کے فعل اور اس کے بیان اور اظہار کے ساتھ معلق کیا ہے تو حسب تعلیق

زوج بموجب بیانات تحریر زوجہ باحلف صورت مستفسرہ شرط مذکور کے وقوع ہوجانے میں کوئی تردد نہیں ہے درمختار میں ہے۔ وما لا يعلم وجوده الا منها صدقت في حق نفسها خاصة استحسانا بلا يمين انتهى -

شامی میں اس قول پر تحریر فرماتے ہیں۔ وجه الاستحسان ان هذا الامر لا يعرف الا من قبلها وقد ترتب عليه حكم شرعي فيجب عليها ان تخبر كيلا تقع في الحرام اذ الاجتناب عنه واجب عليها شرعا فيجب طريقه وهو الاخبار فتعين انه يجب قبول قولها لتخرج عن عهدة الواجب زيلعي انتهى -

هذا حكم الكتاب والله اعلم -

العبد	الجواب صواب العبد	العبد
محمد ظفر حسین احمد مجددی	محمد ریاض حسن احمد مجددی	محمد شجاعت علی خاں عفی عنہ
ناظم مدرسہ ارشاد العلوم وخطیب [illegible]	مدرسہ ارشاد العلوم رامپور	مدرس مدرسہ ارشاد العلوم رامپور
(مہر)	مہر	

از فرنگی محل لکھنؤ ہو المصوب

صورت مسئولہ میں طلاق ہوگئی زن وشوہر کا تعلق زوجیت منقطع ہوگیا عورت کو بعد عدت دوسرا نکاح کر لینے کا اختیار ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ محمد شفیع حجت اللہ الانصاری فرنگی محل لکھنؤ

امیدوار ہوں کہ بعد ملاحظہ جواب فتوی مرحمت فرمایا جاوے۔ فقط خاکسار ظہیر الدین محمود تراہا بیرم خاں

محترم مفتی صاحب [illegible] حویلی دہلی

۲۲ محرم الحرام ۵۵ھ

الجواب من جامع امداد الاحکام

صورت مسئولہ میں شوہر مسمی عبدالحمید نے طلقات ثلث کو دو باتوں پر معلق کیا ہے ایک مدت مشروطہ میں خوشگوار تعلق کو ثابت نہ کرسکنا (جو زوج کا فعل ہے) دوسرے بیوی کا اس کے خلاف ظاہر کرنا (جو بیوی کا فعل ہے) پس شرط طلاق محقق جب ہوگا کہ دونوں باتیں پائی جائیں۔ سوال سے دوسری شرط کا تحقق تو ظاہر ہے کیونکہ مسماۃ کا بیان ہے کہ عبدالحمید مذکور اپنی تحریر کے مطابق مجھ کو خوش نہ رکھ سکے۔ اور مسمی عبدالحمید کے سکوت سے اور بیوی کے بیان کے خلاف بیان نہ دینے سے شرط اول کا تحقق بھی ہوگیا کیونکہ وہ میعاد مقررہ میں قولاً عملاً اپنی طرف سے خوشگوار تعلق کو ثابت نہیں کرسکا اور

عام طور پر محاورات میں ثابت کرنا اور ثابت کرنا اثبات قولی ہی میں مستعمل ہے اور اگر لغت اثبات عملی بھی مراد لیا جاوے جیسا کہ " اس کا میں قول کرتا ہوں کہ میں ۲۲ر جولائی سے چھ ماہ کے اندر اندر اپنی بیوی پر ثابت کر دوں گا کہ میں اس کو حسب حیثیت تمام طرح خوش رکھوں گا " اس کا قرینہ ہے کہ اس کی مراد ثبوت کہنے سے قولی اثبات نہیں بلکہ عملی اثبات ہے مگر چونکہ اس کے بعد عبدالمجید مذکور نے اس کی عملی طریق ثبوت کو محض زبان کی تصدیق میں منحصر کر دیا ہے اور بیوی اس کی تصدیق نہیں کرتی بلکہ اس کے خلاف ظاہر کرتی ہے اس لئے عبدالمجید مذکور کی طرف سے عملی ثبوت بھی نہیں پایا گیا اور ہر حال میں شرط دوم کی طرح شرط اول کا تحقق بھی ہو گیا اس لئے وجود شرط کے ساتھ مسماۃ محمودہ بیگم پر تین طلاق واقع ہو گئیں ہاں اگر مسمی عبدالمجید کو شرط اول کے تحقق میں کچھ کلام ہو تو وہ اپنا مقدمہ شرعاً ظاہر کرے ہم کو صورت واقعہ سے دونوں شرطوں کا تحقق معلوم ہوتا ہے اس لئے تین طلاق واقع ہونے کا فتویٰ دیا جاتا ہے ۔

واللہ اعلم حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۔ از تھانہ بھون ۲۱ محرم سنہ ۵۰ھ

نعم التوضیح ونعم التنقیح ۔ اشرف علی ۲۷ محرم سنہ ۵۰ھ

بیان حیلۂ نکاح جب کہ یہ حلف کرے کہ فلاں کام کروں تو میں جو کام کروں اور جب کروں جس سے کروں اسے تین طلاق ہیں ۔

سوال ۱۰ ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے یہ عہد کیا کہ فلاں کام جو مباحات شرعیہ سے ہے ہرگز نہیں کروں گا اور اگر اس کام کو کروں تو میں جو نکاح کروں اور جب نکاح کروں اور جس سے نکاح کروں اسے تین طلاقیں ہوں پھر ایک مدت کے بعد زید نے جس کام کے ترک کرنے کا عہد کیا تھا اسے کیا تو اب ظاہر ہے کہ علمائے احناف کے نزدیک جس عورت سے نکاح کرے گا وہ مطلقہ ثلثہ ہو جاوے گی ۔ اور حیلہ جو کہ جیسا کہ درمختار میں مذکور ہے کہ اگر کوئی فضولی نکاح کر دے اور زید اسے قبول کر لے تو نکاح ہو جاوے گا اور تین طلاقیں نہیں ہوں گی تو یہ اتفاقی صورت ہے کہ کوئی فضولی کسی کا اتفاقاً نکاح کر دے اور نیز آخر زید کب تک اس انتظار میں رہے کہ مردے از غیب بروں آید و کارے بکند ۔ اور نہ معلوم فضولی اس کا نکاح کس سے کرے اور کب کرے اور وہ نکاح اس کی منشا کے موافق بھی ہو یا نہیں ہو ۔ یہاں دو صورتیں زید کی نکاح کی علیحدہ علیحدہ تحریر کی جاتی ہیں ۔ درخواست ہے کہ ان کا بھی جواز و عدم جواز تحقیق تحریر فرمایا جاوے ۔

۱ ۔۔۔ اول یہ کہ زید کسی شخص کو اپنا وکیل بناوے اور اسے اپنے نکاح کا مختار کر دے اور وہ وکیل مجلس نکاح میں کہ جس میں خود زید بحیثیت شخص موجود ہے زید کا نکاح کر دے تو یہ نکاح اگرچہ زید کے علم

سے ہوگا مگر یہ صادق آئے گا کہ زید نے اپنا نکاح خود نہیں کیا اور زید کے نکاح کا انعقاد زید کے قول سے نہیں ہوا اور زید نے جو عہد کیا ہے چونکہ وہ تعلیق شرعی ہے اور اس میں ہے کہ میں جو نکاح کروں اور جس سے جب نکاح کروں اسے تین طلاقیں ہوں تو یہ نکاح چونکہ زید نے نہیں کیا بلکہ زید کے وکیل نے کیا ہے اس لئے افراد مقدم میں داخل نہیں ہوگا اور جب افراد مقدم سے خارج ہوا تو تالی کو بھی مستلزم نہیں ہوگا اس لئے چاہیے کہ نکاح درست ہو اور طلاقیں واقع نہ ہوں۔ لہذا عرض یہ ہے کہ اس صورت میں طلاقیں ہوں گی یا نہیں (تذئیل) جب مجلس نکاح میں زید کا نکاح خود زید کے سامنے اس کے وکیل نے کردیا تو اب قاضی کو زید سے قبول یا عدم قبول کے دریافت کی ضرورت ہے یا نہیں اور اگر قاضی نے دریافت کیا اور زید نے کہہ دیا کہ میرا نکاح جو میرے وکیل نے کردیا ہے۔ وہ مجھے قبول ہے تو کچھ حرج تو نہیں ہے لہذا اس صورت میں کہ زید کسی کو وکیل بنا کر اس طرح نکاح کرائے طلاقیں ہوں گی یا نہیں؟

۲۔ ـــــ دوسری صورت یہ ہے کہ زید نے کسی شخص کو وکیل تو نہیں بنایا بلکہ ایک سے یا ایک سے زیادہ آدمیوں سے یہ واقعہ بیان کیا اور سمجھایا کہ اگر میں خود قبول کروں گا تو طلاقیں ہو جاویں گی یا میں کسی کو وکیل بناؤں گا جب بھی طلاقیں ہو جائیں گی بلکہ میری نکاح کی یہ صورت ہے کہ میرے بغیر امر اور بغیر وکیل بنانے کوئی شخص قبول کرے میری طرف سے نکاح ہو جائے گا۔ اور وہ ایک آدمی ـــــ ـــــ یا ایک سے زیادہ معاملہ کو سمجھ کر جب چوری اور نکاح کے وقت وہ ایک آدمی یا ان آدمیوں میں سے جنہیں سمجھایا گیا تھا کوئی قبول کرے تو نکاح درست ہوگا یا نہیں اور طلاقیں واقع ہوں گی یا نہیں؟

تذنیب:۔ اگر کسی آدمی کے قبول کرنے کے بعد لڑکی والے اصرار کریں کہ زید کو بھی قبول کرنا چاہیے اور زید یہ الفاظ قبول کرلے کہ اس آدمی نے جو میرا نکاح کردیا ہے وہ مجھے منظور ہے تو طلاقیں ہوں گی یا نہیں؟ فقط ۲۰ رجب ۵۱ھ عرض ہے کہ فتوی مفصل تحریر فرمایا جاوے جو ہر شق پر مفصل روشنی ڈالے اور قابل تسکین ہو۔ پتہ:۔ سورج مالوہ حکیم محمد احمد خان طبیب ریاست۔

الجواب:۔

۱ ـــــ صورت اولیٰ میں وکیل کے نکاح کرتے ہی طلاق ہو جائے گی اس لئے کہ فعل وکیل فعل موکل ہے ظاہر ہے کہ وکیل اپنا نکاح نہیں کررہا بلکہ بامر موکل موکل کا نکاح کررہا ہے۔ اور شرعاً فعل وکیل موکل کی طرف مضاف ہوتا ہے خصوصاً نکاح وطلاق میں کہ ان میں وکیل محض معبر وسفیر ہوتا ہے اور دلیل اس کی آگے آتی ہے۔ تذئیل کا جواب یہ ہے کہ جب زید نے خود کسی کو وکیل بنایا ہے۔ اس صورت میں چاہے زید اپنی زبان سے قبول کرے یا نہ کرے بہرحال نکاح کے ساتھ ہی طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔

۲: ——— دوسری صورت میں نکاح فضولی کے بعد طلاق واقع نہ ہوگی بشرطیکہ بیوی سے اس کے ساتھ یہ نہ کہے کہ تو فضولی بن کر میرا نکاح کر دے بلکہ صرف قاعدہ بیان کر دے کہ اگر کوئی فضولی نکاح کیا کرے گا تو میرا کام ہو جائے گا، نیز یہ بھی شرط ہے کہ زید فضولی کے عقد کو زبان سے قبول نہ کرے بلکہ فعلاً نافذ کر دے کہ خاموش رہے اور اسی وقت عورت کے پاس مہر کا کچھ حصہ بھیج دے اس کے بعد اس کے پاس چلا جاوے اور بہتر یہ ہے کہ کسی حنفی عالم کے سامنے اپنا واقعہ بیان کرے اور یہ کہہ دے کہ مجھے عقد فضولی کی ضرورت ہے یہ نہ کہے کہ تم فضولی بن کر ایسا کر دو۔ عالم اشارہ ہی سے سمجھ جائے گا کہ سائل کو اس کی حاجت ہے پھر وہ بدون اس کے کہے خود ہی عقد کر دے گا۔

قال الشامی بعد نقل البحث عن البزازیة وینبغی ان یجیء الی عالم ویقول له ما حلف واحتیاجه الی عقد الفضولی فیزوجه العالم امرأة ویجیز بالفعل وکذا اذا قال لجماعة لی حاجة الی نکاح الفضولی فزوجه واحد منهم اما اذا قال لرجل اعقد لی عقد فضولی یکون توکیلا اھ (ص ۱۶ ج ۲)

جواب تہذیب:

زبان سے قبول کرنے سے طلاق پڑ جاوے گی اس لئے نکاح فضولی کو زید زبان سے قبول نہ کرے بلکہ فعلاً نافذ کر دے یعنی عورت کے پاس چلا جاوے یا مہر کا کچھ حصہ عورت کو پہنچا دے۔ قال الحموی فی شرح الاشباہ قوله فالحیلة ان یزوجه الفضولی ویجیزه بالفعل هذا هو المختار کما فی البزازیة وعلیه الفتوی کما فی منح الغفار نقلا عن الذخیرة لکن فی جامع الفصولین فی الفصل الرابع والعشرین فی تصرفات الفضولی ان الاصح انه لا یحنث بالقول ایضا وقد تقدم ان الفتوی علی خلافه وانما یحنث بالقول لان المحلوف علیه هو التزوج وهو عبارة عن العقد وهو یختص بالقول والاجازة بالفعل کبعث المهر او شیء منه والاذن بالوصول الیها ذکره الصدر الشهید وقیل سوق المهر یکفی مطلقا لان المجوز الاجازة بالفعل وقد تحقق بالسوق وبعث الهدیة لا یکون اجازة لانها لا تختص بالنکاح اھ (ص ۲۰۲

هذا والله تعالیٰ اعلم ۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۱۲ شعبان ۴۳ھ

از تتمہ خامسہ فتاویٰ امدادیہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان	استفتا از مذہب شافعیہ ضمیمہ اول

شرط تیسری کہ زید نے یہ کہا کہ فلاں کام نہیں کروں گا اور اگر کروں تو جو نکاح کروں اور جب نکاح کروں جس عورت سے نکاح کروں اس پر تین طلاقیں ہوں اور پھر ایک مدت کے بعد زید نے اس کام کو جس کے نہ کرنے کا عہد کیا تھا اسے کیا تو اب اگر زید کوئی نکاح کرے تو امام شافعی کے نزدیک طلاقیں ہوں گی یا نہیں؟

الجواب:-

حنفی مفتی کو مذہب غیر پر فتوی دینے سے فقہاء نے منع کیا ہے لہذا ہم تو مذہب شافعی پر نہیں دے سکتے۔

فی الدر ان المفتی لا یفتی صاحب الحادثة بما یتوصل به الی فسخ الیمین فلا یقول له ارفع الامر الی شافعی لیحکم فی ذلک او استفته یقول یقع علیک الطلاق لان علیه ان یجیب بما یعتقده ولیس له ان یدله علی ما یخالف مذهبه اھ (ص ۱۲ ج ۳ شامی) فقط حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون۔ ۱۳ شعبان المعظم ۱۳۴۳ھ

طلاق معلق کے بارے میں ایک فتویٰ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ رجب خان نے اپنی بیوی شیراتن کو یہ تحریر لکھی کہ اگر میں اپنے بھائی کے گھر جاؤں تو تم پر طلاق ہے۔ اس کے بعد رجب خان اپنے بھائی کے گھر گیا تو شیراتن نے جانے کے ایک ماہ بعد رجب خان کو جو کہ پردیس میں تھا بذریعہ چٹھی کے خط لکھا کہ تم تحریر کے بموجب اپنے بھائی کے گھر گئے تھے لہذا مجھ پر طلاق پڑ گئی اب تم مجھے اپنی زوجہ خیال کرو مجھے اپنے نفس کا اختیار ہے اس پر رجب خان نے جناب ملا سے جس کو یہ اپنی نادانی سے عالم کامل سمجھتا ہے دریافت کر کے لکھا کہ میں نے علماء سے دریافت کیا انہوں نے بتلایا ہے کہ اس صورت میں طلاق نہیں پڑی یہ جواب رجب خان کا اپنے بھائی کے گھر جانے کے دو ماہ بعد یعنی قبل انقضاء عدت کے یا پانچ ماہ کے بعد یعنی بعد انقضاء عدت کے آیا اس کے بعد سے اب تک کہ ڈھائی برس گزر چکے رجب خان نہ اپنے وطن شیراتن کے پاس آیا اور نہ کوئی مراسلت ومکاتبت طرفین سے ہوئی۔ غرض رجب خان سے کوئی فعل دال علی الرجوع نہ پایا گیا اور قولاً اس نے رجوع کر لی ہو تو اس کا اب تک شیراتن کو کوئی علم نہیں ایسی صورت میں یہ تو ظاہر ہے کہ طلاق رجعی واقع ہوگئی لیکن سوال طلب یہ امر ہے کہ اب اسے کسی دوسرے شخص سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہ اور اگر بعد نکاح کے شوہر یہ کہے کہ میں نے قولاً زمانہ عدت میں رجوع کر لی تھی مگر تم کو میں نے اب تک اطلاع نہیں دی تھی اور وہ اپنے رجوع قولی پر بینہ بھی پیش کرے تو ایسی صورت میں نکاح ثانی قضاءً و دیانۃً باقی رہے گا یا نہ اور یہ کس کی زوجہ سمجھی جائے گی اور اس نکاح ثانی سے دنیا و آخرت میں شیراتن اور اس کا زوج ثانی کس عقوبت کے مستحق ہوں گے یا نہ زوجہ کو ایک دشواری یہ ہے کہ رجب خان بدچلن ہے

اس لئے زوجہ رجب خان سے بذریعہ خط وغیرہ یہ استفسار نہیں کر سکتی کہ تم نے ایام عدت میں قولاً رجوع کیا تھا یا نہ کیونکہ اس استفسار سے وہ فوراً متنبہ ہو جائے گا کہ مجھے مسئلہ شرعاً قولاً بلا اعلام زوجہ حق رجوع تھا جس کی وجہ سے رجوع نہ بھی کیا ہوگا جیسا کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے پھر بھی وہ جھوٹ موٹ اپنے رجوع کو ظاہر کرے گا اور جھوٹے گواہ بنا کے ثبوت بہم پہنچا لیگا ایسی حالت میں زوجہ کو مفر کی کیا صورت ہے؟ جواب ہر جزء کا دیانت و قضاءً دونوں کے اعتبار سے مفصل و مدلل مرحمت فرمایا جائے۔ فقط بینوا توجروا۔

الجواب:-

صورت مسئولہ میں مطلقہ مذکورہ کو کسی شخص سے اپنا نکاح کر لینا درست ہے اور اگر بعد نکاح کے زوج اول یہ دعویٰ کرے کہ میں نے عدت میں قولاً رجوع کر لیا تھا اور حاکم مسلم کے سامنے اس پر بینہ قائم کر دی تو زوج ثانی میں اور عورت میں تفریق کرا دی جائے گی اور مطلقہ مذکورہ پر نکاح ثانی کرنے سے کچھ گناہ نہ ہوگا۔

قال فی الدر ویندب اعلامها بها لئلا تنکح غیره بعد العدة فان نکحت فرق بینهما وان دخل شمنی اھ قال الشامی قوله لئلا تنکح غیره اولی من قول الهداية لئلا تقع فی المعصية اذ لا معصية فیه مع عدم علمها بالرجعة وان اجیب بان المعصية للتقصیر بترک السوال لما فیه من ایجاب السوال علیها ——— (ص ۴۲ ج ۲) وقوله فرق بینهما ای اذا اثبت المراجعة بالبینة وقوله وان دخل ای الزوج الثانی اھ

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۶ شوال سنہ ۴۳ھ از تھانہ بھون

سوال: نکاح سے قبل کابین نامہ میں لکھدیا کہ اگر تمہارے زندہ رہنے کی حالت میں نکاح کروں تو دوسری بی بی مطلقہ ثلاثہ ہو جائے گی اور زوجہ اول کو طلاق دے کر علیحدہ کر دیا۔ تو دوسرا نکاح کرنے سے طلاق واقع نہیں ہوگی الخ

کیا فرماتے ہیں حضور اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ کو ایک کابین نامہ دیکے نکاح کیا اس میں لکھا ہوا تھا کہ اگر تمہارے زندہ رہنے کی حالت میں اگر دوسرا عقد شادی کروں تو وہ دوسری بی بی مطلقہ ثلاثہ ہو جاوے گی مگر یہ شرائط نامہ عقد نکاح کے دو مہینہ قبل ہوا ہے۔ اور یہ کابین نامہ حسب دستور رجسٹرار کے پاس رجسٹری ہوا ہے وہ سب شرائط شادی کے مجلس میں پڑھا نہیں گیا اور سنایا بھی نہیں گیا وہ نکاح

انکار کرتا ہے کہ یہ کیسی شرط ہو کابین میں لکھا گیا ہے وہ ہرگز مجھے معلوم نہیں اس طرف کے بے خبری کی زید کی اور دلالاں سے یہ شرط لکھی گئی میں نے خود کابین دیکھا نہیں پڑھا بھی نہیں اگر میں جانتا کہ ایسا ناقابل شرط کابین میں لکھی گئی ہے تو میں ہرگز راضی نہ ہوتا۔ بعد شادی زید کو معلوم ہوا کہ ہندہ بے نمازی ہے موافق شریعت کے ہر قسم کا علاج کیا مگر کام میں نہ آیا۔ ایک روز بہت عذاب کیا چند ساعت کے بعد ہندہ نے کہا کہ اگر جان تن سے نکل جاوے تب بھی نماز نہ پڑھوں گی۔ یہ جواب عجیب سن کر زید نے اس ہندہ کو تین طلاق بائن دیکر دوسرا شادی کرلیا۔ اس حالت میں زید کی دوسری بی بی پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ کابین نامہ نکاح سے پہلے لکھا گیا ہے اور تعلیق میں طلاق ثانیہ کو نکاح اولیٰ کے ساتھ مشروط نہیں کیا گیا بلکہ امر آخر یعنی زندہ رہنے کی حالت کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے اور اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

قال فی العالمگیریۃ قال لاجنبیۃ ما دمت فی نکاحی فکل امرأۃ اتزوجها فهی طالق ثم تزوجها فتزوج علیها امرأۃ لا یقع ولو قال ان تزوجتک فما دمت فی نکاحی فکل امرأۃ اتزوجها علیها فالمسألۃ بحالها یقع کذا فی الوجیز للکردری اھ (ص ۱۰۰ ج ۲) قال سیدی حکیم الامۃ والفرق بینهما ان فی الاول علق طلاق الثانیۃ علی بقاء نکاح الاولی والبقاء لا یتصور بدون الحدوث وهو معدوم فی الاجنبیۃ فلا یصح تعلیق شیء علی بقاء النکاح اذا کان الخطاب مع الاجنبیۃ فیلغو الکلام ولا یقع به شیء وفی المسألۃ الثانیۃ علق طلاق الاخری علی النکاح بالاولی ویصح انشاء النکاح بکل اجنبیۃ فیصح التعلیق واذا تزوج علیها اخری طلقت اھ قلت وقوله ان تزوجت علیک فی حیاتک معناه فی حیاتک بعد نکاحی کما لا یخفی فکان فیه تعلیق الطلاق علی بقاء نکاح الاولی۔ نیز جب عرفاً کلام سمجھا کر۔ اگر تمہاری زندہ رہنے کی حالت میں دوسری اور شادی کروں تو مطلب یہ ہے کہ جب تک تم میرے نکاح میں زندہ رہو تو اب جبکہ اس شخص نے اولیٰ کو طلاق بائن دیکر نکاح ثانی کیا ہے تو ثانیہ پر وقوع طلاق کی کوئی وجہ نہیں۔

قال فی العالمگیریۃ ولو قال ان تزوجت علیک فالتی اتزوج طالق فطلق

www.ahlehad.org

امرأته طالق فبانت منه ثم تزوج امرأة اخرى فى عدتها لا تطلق اھ (ص ۷۶ ج ۲) پس جب تعلیق زید نے خود نہیں لکھی اور نہ اس کو کاغذ پڑھ کر سنایا گیا بلکہ ویسے ہی دستخط کرا لئے گئے تو یہ تعلیق اس اعتبار سے بھی لغو ہے۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۲۶ ذیقعدہ ۱۳۴۴ھ

سوال: **تعلیق کے بعد تنجیز طلاق کا حکم** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے دل لگی اپنی زوجہ کو یہ تحریر بھیجی کہ تم جو کہتی تھیں کہ زید نے تم کو بارہ دن مکان میں بند رکھا ہے اب دو آدمی [illegible] اور مرنے کو تیار تھا اگر تم اس دعوی میں صادق ہو تو تم پر طلاق واقع ہے۔ یہ تحریر طلاق ہے پھر جب زوجہ کے اقرباء نے کہا کہ تم نے تو طلاق کو مشروط کیا تھا [illegible] لکھے تو زید نے برجستہ جواب دیا کہ یہ دل لگی کیا کرتے ہیں ہم نے تو طلاق دیدی ہے طلاق دیدیا ہے طلاق دیدیا ہے اب جھگڑا ہی کیا ہے [illegible] اب طلاق ہوئی کہ نہیں۔

حکیم امانت اللہ [illegible] معرفت حکیم محی الدین [illegible]

جواب: زید نے جو الفاظ بعد میں اقرباء کے سامنے کہے ہیں ان سے تین طلاق مغلظہ واقع ہو گئیں۔ [illegible] التنجيز [illegible] [illegible] اور بعد کے قول نے طلاق دیدیا ہے طلاق منجز ہے اس میں کوئی شک نہیں۔

واللہ اعلم حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ از تھانہ بھون ۱۰ محرم ۱۳۴۵ھ

سوال: **تعلیق طلاق کی ایک خاص صورت کا حکم** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ [illegible] مسماۃ فاطمہ کا نکاح ننھیال سے کر لینے کی بات طے ہو چکنے پر ننھیال والوں نے ایک [illegible] اقرار نامہ کا اگر اس نے عقد کے بعد دس دن کے اندر دین مہر کا رجسٹری کر کے نہ دیا تو مسماۃ مذکورہ کو تین طلاق ہو جاوے گی کا مطالبہ کیا چنانچہ حسب طلب بعض فریقین اقرار نامہ کا مسودہ ہوا اور ننھیال و دیگر حاضرین کے سامنے پڑھ کر سنایا گیا مگر چونکہ رجسٹری کو خرچ [illegible] عمل کا [illegible] تھا۔ اور وہ دس دن کے اندر رجسٹری کرانے سے معذور تھا لہذا اس نے بطور خود معیت کی مدت میں اور دس دن کا اضافہ کر دیا اور اقرار نامہ کے دس کے بجائے بیس کا لکھ دیا۔ [illegible] مگر اس بات کی خبر دستخط کرنے والوں کو یہاں تک ننھیال کو بھی نہیں کی [illegible] بعد نکاح [illegible] اقرار نامہ کا باپ [illegible] پڑھ کے دریافت کیا کہ [illegible] منظور ہے اس نے بھی ہاں کہہ کر جواب دیا بعد ازاں دس دن کے بعد بیس دن سے پہلے کاغذ نامہ کی رجسٹری ہوئی۔ یہ بھی واضح رہے کہ کاتب نے جس

وقت اقرار نامہ کے دس کے بعد سرکو بیس بنایا اس وقت عباس علی وہاں موجود نہیں تھا اور نہ عباس علی کو لکھنا پڑھنا آتا ہے۔ اس محض سے مستفسر کاتب کی بات پر اعتبار کرکے دعویٰ کرتا ہے۔ اب عباس علی کہتا ہے کہ ہم نے یہ کاروائی عقد سے پہلے کی تھی اور منظوری کے وقت اقرار نامہ میں بیس تھا اور کاتب بھی معترف ہے کہ عباس علی کے کہنے سے اس نے تعداد منظوری سے پہلے دس کو بیس بنایا تھا اور ان کے خلاف کوئی ایسا گواہ نہیں جو بتا سکتا ہو کہ منظوری کے وقت بیس نہیں تھا بلکہ دس تھا اور انہوں نے یہ کہہ دیا کہ تعداد منظوری کے بعد بیس کی اب اس صورت میں شرعاً کیا حکم ہوگا عباس علی اور کاتب کی بات کی تصدیق کی جاوے گی یا نہیں اور بجائے مذکورہ کو دس ماہ کے بعد بیس بنانے سے پہلے طلاق ہو جاوے گی یا نہیں ۔

تتمہ سوال :-

جناب عالی میں نے کل گزشتہ ایک استفتاء حضرت کی خدمت میں بھیجا مگر پرچہ جو اس کے ہمراہ بھیجنے کے لئے لکھا تھا لفافہ میں استفتاء کے ہمراہ وہ پرچہ دینے کو بھول گیا اب گزارش یہ ہے کہ وہ استفتاء مذکورہ جس میں عباس علی کی بیٹی مسماۃ فاطمہ منکوحہ مسمی شاہ میاں کی طلاق ہونے نہ ہونے کے متعلق دریافت کیا گیا۔ فرجہاں تک جلد ممکن ہو جواب بادلائل وحوالہ کتب تحریر کر بھیج دیں۔ کیونکہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ طلاق نہیں ہوئی۔ اور بعض کہتے ہیں کہ طلاق ہو گئی۔ اس وجہ سے لوگ بہت تردد میں ہیں اور مسماۃ مذکورہ اب تک شاہ میاں کے پاس رہتی ہے اور اس سے حاملہ ہو گئی لہٰذا جلد جواب عنایت فرمادیں۔ تاکہ اس کے مطابق عمل کیا جاوے۔ والسلام۔

نذیر احمد۔ ڈاکخانہ لال موہن چرکیہ ضلع بریسال (بنگال)

الجواب :- قال صاحب البحر الرائق وفيها (المحيط) دعا امرأته الى الوقاع فابت فقال متى يكون قالت غدا فقال ان لم تفعلي هذا المراد غدا فانت طالق ثم نسيا حتى مضى الغد لا تطلق وهذا ينبغي ان يكون قول الكل لان المحلوف عليه ناسيا يحنث ولكن الحنث شرطه ان يطلبها منها فتمتنع ولم يطلب فلا استثناء (ص ۱۱ ج ۴) وهكذا في الدر المختار وقال لا يقع لانه لا يحنث وقال الشامي تحت (قوله لا يقع) لان الحنث شرطه ان يطلب منها عنه فتمتنع ولم يطلب بمجرد نحوه في التاتارخانية عن الملتقط قلت ومقتضاه ان النسيان لا تاثير له هنا لكن سياتي في الايمان تقييده بان امكان البر شرط لبقاء اليمين بعد انعقادها كما هو شرط لانعقادها خلافا لابي يوسف ولا يخفى ما فيه فان امكان البر متحقق بالتذكر على انه يلزم ان يكون النسيان عذرا

فی عدم الحنث فی غیر هذه الصورة یحنث وهو خلاف المنصوص فانه هو (مشکوٰۃ ج ۲) وفی العالمگیریة (صفحہ ج ۲) سکران دعا امرأته الی فراشه فابت فقال لها ان لم تأت وتساعدنی والا فانت طالق فساعدته بعد ما دعاها فی المستقبل بعد الیمین لا یحنث وان دعاها فی المستقبل ولم تساعده حنث قال مولانا رضی وینبغی ان یحنث اذا لم تساعد لا وان لم یجدد الدعاء لان [illegible] وفی هذا الحنث ان الامر سابق اھ بحرالرائق وشامی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ صورت مسئولہ میں طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ عباس علی نے رجسٹری کا مطالبہ نہیں کیا اگر وہ مطالبہ کرتا اور پھر شاہ میاں رجسٹری نہ کرتا تو حنث واقع ہوتی لیکن اگر ان کا یہ عرف ہو کہ دوبارہ مطالبہ کئے بدون بھی ان الفاظ سے شاہ میاں کے ذمہ رجسٹری کرا دینا مفہوم ہوتا ہو تو صورت مسئولہ میں طلاق واقع ہوگئی جیسا کہ عالمگیری کی روایت میں مصرح ہے۔ واللہ اعلم۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ سوال میں سائل نے لکھا ہے کہ رجسٹری کا خرچ عباس علی کے ذمہ تھا اور ظاہر ہے کہ شاہ میاں بھی اس کو جانتا تھا کہ خرچ میرے ذمہ نہیں، پس اگر کابین نامہ کی اس عبارت کو "اگر میں نے عقد کے بعد دس دن کے اندر کابین نامہ رجسٹری کرا کے نہ دیا۔ تو مسماۃ پر تین طلاق ہو جائیگی۔" کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ شاہ میاں سے اگر مطالبہ نہ کیا جاوے تو وہ تو اپنے خرچ سے رجسٹری کرا دے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دس دن کے اندر اگر عباس علی اس سے رجسٹری کا مطالبہ کرے تو اس کا ساتھ دے اس سے انکار نہ کرے چونکہ عباس علی نے دس دن کے اندر مطالبہ ہی نہیں کیا اس لئے شاہ میاں مطلقاً حانث نہیں ہوا یہ جواب تو اس معنی پر ہے جو اس عبارت سوال سے ہم سمجھے ہیں باقی اگر کچھ اور مطلب ہے تو یہ جواب نہ ہوگا۔ واللہ اعلم

(اور ایک امر قابل تحریر یہ ہے کہ کابین نامہ رجسٹری کرانے کے متعلق جو اقرار نامہ ان لفظوں سے لکھا ہے

ــه البتہ اگر یہ الفاظ ہوتے کہ اگر فلانی عورت سے نکاح کر لوں تو دس دن کے اندر کابین نامہ رجسٹری نہ کرا دوں تو اس پر تین طلاق تو وہ تعلیق صحیح ہو جاتی کما فی العالمگیریة ویجب ان التعلیق بصریح الشرط وهو ان یذکر حرف الشرط ویضیف الی المرأة المعینة وغیر المعینة والتعلیق بمعنی الشرط یعمل فی غیر المعینة کما فی قوله المرأة التی اتزوجها فهی طالق فلا یعمل فی المعینة فان قال هذه المرأة التی اتزوجها فهی طالق فتزوجها لا تطلق کذا فی معراج الدرایة

اگر اگر اس نے عقد کے بعد دس دن کے اندر نکاح نامہ رجسٹری کرا کے نہ دیا تو مسماۃ مذکورہ کو تین طلاق ہو جاوے گی) وہ اقرارنامہ یعنی یہ تعلیق طلاق صحیح نہیں ہوئی تھی اگر عقد اس تحریر کے بعد نکاح ہو جاتا اور کابین نامہ کی رجسٹری نہ ہوتی تو طلاق نہ ہوتی لیکن عقد کے بعد اسی اقرارنامہ کو منظور کر لینا شرعاً تعلیق قرار دیا جاوے گی۔ سو چونکہ اس کو یعنی زوج کو دس روز کی تعلیق کا علم تھا اس سے اسی دس روز پر معلق ہوگا۔ اگر عقد کے بعد منظوری کے وقت زوج دس روز کی تعیین کی الفاظ ہو جاتی تو بیس روز کی تعلیق صحیح ہو جاتی اب چونکہ دس روز کی تعلیق صحیح ہے اس لئے اسی شرط کے وقوع پر طلاق واقع ہو جاوے گی اور اس شرط کا وقوع ہونے یا نہ ہونے کی تفصیل اوپر معلوم ہو چکی ہے۔ والدلیل هذه في الدر، ويكفي معنى الشرط إلا في المعينة باسم أو نسب وإشارة فلو قال المرأة التي أتزوجها طالق تطلق بتزوجها ولو قال هذه المرأة الخ لتعريفها بالإشارة فلغا الوصف وقال الشامي تحت (قوله باسم أو نسب) الذي في البحر وغيره أو نسب بالواو وقال فلو قال فلانة بنت فلان التي أتزوجها طالق فتزوجها لم تطلق اهـ أي لأنه لغا الوصف بالتزوج لبقي قوله فلانة بنت فلان طالق وهي أجنبية ولم توجد الإضافة إلى الملك فلا يقع إذا تزوجها (قوله أو إشارة) التعريف بالإشارة في الحاضرة و بالاسم والنسب في الغائبة حتى لو كانت المرأة حاضرة عند الحلف لا يحصل التعريف بذكر اسمها ونسبها فلا تلغو الصفة ويتعلق الطلاق بالتزوج الخ (ص ۵۶۳ ج ۲) وقال الشامي أيضاً وكذا كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لا يقع الطلاق ما لم يقر أنه كتابه اهـ ملخصاً (ص ۶۶۸ ج ۲) وفي العالمگيرية (ص ... ج ۲) رجل أراد السفر فأخذه صهره وقال إن غبت بعد هذا عن امرأتك فلم ترجع إليها عند رأس الشهر فامرأتك طالق فقال الختن بالفارسية هست ولم يزد على ذلك ثم غاب أكثر من شهر طلقت امرأته لأنه أجاب كلام الصهر والجواب يتضمن إعادة ما في السؤال فتطلق امرأته كذا في فتاوى قاضي خان اهـ والله أعلم بالصواب.

تنبیہ: حلالہ کے متعلق بصورت عدم وقوع طلاق تو سوال کی ضرورت ہی نہیں اور اگر واقع کے محاورہ میں یہ الفاظ موجب طلاق ہوں تو حلالہ سے سوال دوبارہ کیا جاوے۔ حررہ عبدالکریم گمتھلوی عفی عنہ ۲۰ ذوالقعدہ [illegible]

الجواب صحیح: ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۲۶ ذیقعدہ سنہ ۵۵ھ

اس کہنے کا حکم کہ فلاں کام نہ کروں تو مجھ پر زن طلاق ہے

سوال:۔ بخدمت حضرت مولانا دام ظلہم معروض یہ ہے کہ ایک شخص کی مویشی چوری ہوئی ایک معزز نے چوروں کے پاس جا کر کہا کہ مویشی واپس کر دو چوروں نے کہا کہ ہم واپس کر دیں گے۔ چار ماہ تک یہی کہتے رہے بعد چار ماہ کے انہوں نے کہا کہ ہم نہیں دیتے تب اس معزز نے بسبب غصہ کے اپنے جی میں کہا کہ میں بھی ان چوروں کا اتنا ہی نقصان کروں گا جتنا انہوں نے کیا ہے۔ اگر نہ کروں گا تو مجھ پر زن طلاق ہے اب معزز کو شرمیاں سے خوف آ گیا کہ چوری کا کام کیوں کروں اب ملتمس ہوں کہ ان الفاظ کا کیا حکم ہے؟ فقط

تنقیح:۔ اس کا کیا مطلب ہے آیا صرف دل میں خیال کیا زبان کو حرکت نہیں ہوئی یا زبان سے بھی گو آہستہ کہا کہ کسی نے نہیں سنا نیز طلاق کا کوئی عدد بھی کہا یا نہیں؟

جواب تنقیح، حضور سائل سے دریافت کیا گیا اس نے زبان کو حرکت بھی دی بلکہ ایک بچے کے روبرو یہ لفظ کہا اور ایک دفعہ کہا ہے صرف۔

الجواب:۔

فی العالمگیریۃ (ج ۲) وان حلف لیفعلن کذا ابرأ بالفعل مرۃ واحدۃ سواء کان مکرھا فیہ او ناسیا او وکیلا من غیرہ فان لم یفعل لا یحکم بوقوع الحنث حتی یقع الیأس عن الفعل وذلک بموت الحالف قبل الفعل فیجب علیہ ان یوصی بالکفارۃ او بفوت محل الفعل کما لو حلف لیضربن زیدا او لیاکلن ھذا الرغیف فمات زید واکل الرغیف قبل اکلہ یحنث الخ

اس سے معلوم ہوا کہ اگر یہ شخص ان چوروں کا نقصان نہ کرے اور ان میں سے کوئی مر جاوے تو ایک طلاق رجعی واقع ہو جاوے گی اور اگر وہ چور زندہ ہیں تو عمر بھر طلاق واقع نہ ہوگی لیکن اس معزز کی موت کے وقت طلاق واقع ہو جاوے گی۔ واللہ اعلم۔ احقر عبدالکریم عفی عنہ۔

خانقاہ تھانہ بھون۔ الجواب صحیح ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔

یکم شعبان سنہ ۵۶ھ

بیوی کے ہاتھ کے پکائے ہوئے کھانے کے ساتھ تعلیق طلاق کی ایک صورت کا حکم

سوال (۱) کوئی شوہر بی بی سے لڑائی کیا اور بی بی پکانے جا رہی تھی اسوقت یوں بولا تم مت پکاؤ تمہاری ہاتھ کا پکایا ہوا چیز ہم کھانیسے تم طلاق ہو جاؤگی۔ یا یوں بولا اگر کھانے تو تیر طلاق ابھی یا جب یا ہمیشہ اب تو کوئی لفظ جیسے ہمیشہ یا جب کھائے تو طلاق ہوئے استعمال نہیں کیا اب سوال یہ ہے کہ (۱) جب کھائے تب طلاق ہوتا یا نہیں (۲) اگر شوہر کا لفظ یہ ہے کہ اسدن یا اسوقت کھائے تو طلاق ہوئے (۳) اگر ہمیشہ لفظ یعنی جب کھائے تب ہوئے (۴) اگر کچھ لفظ خاص نہیں تھا صرف اوپر بیان کیا گیا ویسا بولا۔ تب جب کھائے تب طلاق ہوتا یا نہیں۔

نعیم

محمد سمیع حق اشرف وکیل

الجواب: صورت مسئولہ میں اگر شوہر کی نیت یہ ہے کہ اسدن یا اسوقت کھاؤں تو طلاق۔ تو اسدن یا اسوقت کے بعد اسکے ہاتھ کا پکایا ہوا کھانیسے طلاق نہ ہوگی اور اگر ہمیشہ کی نیت تھی تو جب کھائیگا اسیوقت طلاق ہوجاویگی لیکن ایک طلاق واقع ہونیسے یہ تعلیق ختم ہوجاویگی کیونکہ تعلیق بلفظ اگر ہے کلما کیساتھ نہیں جو عموم فعل و تکرار کو مفید ہو پس ایک طلاق واقع ہونیکے بعد دوبارہ اسکا پکایا ہوا کھانیسے طلاق نہ پڑیگی۔ اور ایک طلاق سے نکاح میں نقصان نہیں آتا جبکہ عدت کے اندر اندر رجوع کر لیا جائے اور کچھ نیت نہ تھی تو بظاہر اس کلام سے متبادر یمین الفور ہے جو اسیوقت اور اسی حالت کے ساتھ مقید ہوتی ہے جسمیں یمین صادر ہوئی اسکے بعد کیا تو یمین کا تعلق نہیں ہوتا وقال الشامی فی یمین الفور تھیأت للخروج فقال لا تخرجی حلف فاذا جلست ساعة وخرجت لا یحنث لان قصدہ منعھا من الخروج الذی تھیأت له فکأنه قال ان خرجت الساعة و هذا اذا لم یکن له نیة فان نوی شیئا عمل به شرنبلالیه اھ (ص۲۲ ج ۳) واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ۔ ۱۱ رمضان ۴۲ھ

طلاق معلق بلفظ "اگر" میں مرۃ واحدہ سے یمین منحل ہو جاتی ہے اس لئے دوسری مرتبہ نکاح کرنے سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اندریں صورت کہ عبدالمالک تعلقدار نے اپنا نکاح مسماۃ خیرالنساء سے کیا اور اس بی بی کو کابین نامہ چند شرائط کا دیا جسمیں یہ شرط بھی تھی کہ تمہارے تا زندگانی یعنی سے تا زمانہ بلوغ یعنی تمہاری زندگی میں دوسرا نکاح کوئی نہیں کرونگا اگر دوسرا کوئی نکاح بیاہ کیا تو زوجہ ثانیہ پر تین طلاق واقع ہوگی اور وہ مجھ پر حرام ہوگی۔ پھر بعد چند مدت بوجہ ضرورت اُس نے دوسرا نکاح کر لیا اور بی بی زوجہ اول نے اس عقد ثانی کی خبر سنکر اُسی کابین کی شرط کو دکھلایا کہ یہ ثانی بی بی پر تو طلاق ہوگئی پھر اس کے بعد زوج مذکور الصدر نے اس شرط کی واپسی لکھوالی کہ اب بخوشی دوسرا نکاح کر لیں اسمیں مجکو عذر نہیں بعد ازاں عبدالمالک نے عقد ثالث کیا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زوجہ ثالثہ پر طلاق ہوئی ہے یا نہیں اگر ہوئی ہے تو عبدالمالک کیلئے حلالہ ہو سکتی یا صورت ہے؟ بینوا توجروا

الجواب۔ صورت مسئولہ میں زوجہ ثالثہ پر طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ یہ طلاق معلق بلفظ اگر ہے جو ترجمہ اِن و اِذا کا ہے جس کا حکم یہ ہے کہ مرۃ واحدہ سے یمین منحل ہو جاتی ہے قال فی العالمگیریہ الفاظ الشرط ان و اذا و اذما وکل وکلما و متی و متی ما ففی ھذہ الالفاظ اذا وجد الشرط انحلت الیمین و انتہت لانہا لا تقتضی العموم و التکرار فبوجود الفعل مرۃ تم الشرط و انحلت الیمین فلا یتحقق الحنث بعدہ الا فی کلما لانہا توجب عموم الافعال اھ (ج ۲ ص ۴۲) قلت وفی الصورۃ المسئولۃ لیس الطلاق بمعلق بکلما کما ھو الظاہر من الفاظ السوال۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ رمضان ۴۶ھ

وقوع شرط میں شبہ اور تردد ہو تو طلاق نہ ہوگی

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ زید نے عمرو سے بطور حلف کے کہا اگر میں نے تمہاری کوئی شکایت تمہارے مکان والوں سے بغرض نقصان پہونچانے کے کی ہو تو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے خارج ہوں اور نکاح کرتے ہی طلاق ہو اور حلف کھاتے وقت یقین تھا کہ کوئی شکایت نہیں کی اور بعد میں کوئی لفظ شکایت کا معلوم ہو جائے یعنی یمین لغو کی صورت ہو تو کیا حکم ہے۔ اور اگر اطمینان کیلئے

احتیاطاً شافعی المذہب پر اعتقاد رکھے تو جائز ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

فقط عبد الصمد میمن سنگی۔

الجواب:۔ جب تک غلبۂ ظن بالیقین شکایت کرنیکا نہ ہو اسوقت تک یہ کلام موجب وقوعِ طلاق بر منکوحہ نہیں۔ پس تمدو سے منکوحہ پر طلاق نہ ہوگی اور اگر یمین کے وقت یقین یا غلبۂ ظن تھا کہ شکایت نہیں کی اسی بناء پر قسم کھائی بعد میں معلوم ہوا کہ شکایت کی تھی تو دیانۃً یہ حلف موجب طلاق منکوحہ نہ ہوگا ہاں قضاءً موجب طلاق ہو جائیگا۔ فان القاضی لا یقبل الا الظاهر و المرأة کالقاضی۔ اور اگر حلف کیوقت غلبۂ ظن یا علم شکایت کرنیکا تھا تو اب اپنی اطمینان کیلئے شافعی المذہب پر اعتقاد رکھنا اس شرط سے جائز ہے کہ نکاح بھی کسی شافعی عورت سے کیا جائے۔ حنفی عورت سے اس مسئلہ میں مذہب شافعی پر اعتقاد کرکے نکاح جائز نہیں کیونکہ منکوحہ کے مذہب میں نکاح کیساتھ ہی طلاق واقع ہو چکی ہے تو عورت کو اپنے مذہب کے خلاف کا مرتکب بنانا اور دھوکہ میں رکھنا جائز نہیں۔ اس صورت میں اگر حنفی عورت سے نکاح کیا جائے تو فضولی کو واسطہ بنایا جائے جسکی تفصیل زبانی عالم محقق سے معلوم ہوسکتی ہے یا اولیاء زوجہ سے اس واقعہ کو بیان کرکے یہ کہا جائے کہ میں نے ایسا حلف کر لیا تھا جسکی وجہ سے منکوحہ پر نکاح کرتے ہی ایک طلاق بائن واقع ہو جائیگی اسلئے منکوحہ کو بھی اسکی اطلاع کردی جائے اور نکاح دو مرتبہ کیا جائے پہلی دفعہ نکاح کرکے طلاق واقع ہوگی دوبارہ اسی عورت کی اجازت سے پھر نکاح کیا جائیگا تو اب دوبارہ طلاق کا وقوع نہ ہوگا کیونکہ حلف میں کوئی لفظ ایسا نہیں جو کلما کی طرح موجب تکرار طلاق ہو اور نہ اسمیں عددِ ثلاث کا ذکر ہے، واللّٰہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۱۸ رمضان سنہ ۴۶ھ

حکم تعلیق طلاق بلفظ جو عورت میں نکاح میں لاؤنگا مجھ پر طلاق ہے۔

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید نے تعلیق کردی ایسے طور سے کہ زید نے کہا اگر میں یہ فعل کرونگا تو جو عورت میں نکاح میں لاونگا۔ مجھ پر طلاق ہے اب اس سے وہ فعل تین چار مرتبہ صادر ہوا۔ تو آیا جو عورت طلاق ہو جاویگی وہ مطلقہ ہوگی ساتھ طلاق رجعی کے یا مغلظہ ہوگی۔ اور اگر تعلیق سے پہلے اس کا منکوحہ ہو تو

وہ مطلقہ ہوتی ہے یا نہ اور اگر مطلقہ ہوتی ہے تو مطلقہ رجعی ہوتی ہے یا مغلظہ بینوا توجروا

المعروض کمترین عبدالرزاق از محلہ میرٹھ صدر بازار۔

الجواب: اگر زید نے تعلیق مذکور یہی کہا ہے جو سوال میں مذکور ہے کہ مجھ پر طلاق ہے تو یہ کلام لغو ہے اس سے یہ تعلیق طلاق نہیں ہوئی اور اس صورت میں کسی عورت سے نکاح پر طلاق کا وقوع نہ ہوگا نہ رجعی کا نہ بائن کا فقد صرح الفقہاء بانہ ان قال انا منک طالق لم یقع وان نوی وان قال انا منک بائن یقع بہ بائنۃ ان نوی (در مختار ۴۳۲) اور اگر یہ کہا ہے کہ اس پر طلاق ہے تو سوال واضح کرکے دوبارہ کیا جائے۔

فقط حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ ۷ شوال ۴۲ھ

بصورت تعلیق اگر صد طلاق میں شوہر کو شبہ ہو اور بیوی کہتی ہو کہ شوہر نے تین طلاق کہا تھا تو طلاق رجعی واقع ہوگی یا مغلظہ جبکہ زوجہ بیان گو ہو۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ زید کی زوجہ یہ کہتی ہے کہ تو نے تین طلاق کو کہا تھا زوج طلاق دینے کا اقراری ہے لیکن یہ کہتا ہے کہ مجھے تین طلاقیں معلق کرنے کا شک ہے میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ تین طلاقیں معلق کی ہیں ہاں ایک طلاق ضرور دی سو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس صورت میں تین طلاق رجعی متصور ہے یا مغلظہ بینوا توجروا

عبدالرحیم موضع بجھلا ضلع میرٹھ

الجواب: صورت مذکورہ میں جب عورت کو تین طلاقیں معلق کرنے کا یقین ہے تو اس مرد سے علیحدگی واجب ہے اسکو اسکے ساتھ رہنا جائز نہیں بلکہ عدت کے بعد جس سے چاہے نکاح کرلے پھر اگر دوسرا شخص بعد دخول کے طلاق دیدے تو زوج اول سے نکاح کرسکتی ہے بعد عدت ثانی کے اور یہ جب ہے کہ عورت کو تین طلاق کا یقین ہو اور اگر اسکو بھی شک ہو تو سوال دوبارہ کیا جائے۔ رہا یہ کہ مرد تین طلاق کا منکر ہے اور اسکو اس میں شک ہے تو اس اختلاف کا فیصلہ مفتی نہیں کرسکتا بلکہ قاضی اسلام کرسکتا ہے یا وہ مسلمان شخص جس کے پاس فریقین فیصلہ کیلئے مقدمہ پیش کریں اور وہ قاعدہ شرعیہ کے موافق تحقیق کرکے

فیصلہ کرے مگر جب عورت کو تین طلاق کا یقین ہو تو اسکو قاضی یا محکم کے پاس مرافعہ جائز نہیں جب کہ زوج سے علیحدہ ہو جانے پر قادر ہو ہاں اگر زوج سے علیحدہ ہونے پر قادر نہ ہو تو مرافعہ کرنا چاہئے پھر اگر فیصلہ عورت کے قول پر نہ ہو تو عورت کو گناہ نہ ہوگا بلکہ زوج کو گناہ ہوگا اگر وہ کاذب ہے۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ [illegible] شوال ۴۳ھ

تعلیق طلاق باداء دین کی ایک صورت کا حکم

(سوال) مدیون نے وعدہ کیا کہ دائن کو مبلغ للعہ ماہ بھادوں میں یکمشت ادا کردونگا بلا عذر اگر اسوقت نہ دوں تو میری عورت پر تین طلاق پڑ جائے اور ماہ بھادوں قبل کچھ مدت کیا کہ دائن کی برادر زادی جو کہ میری بیوی ہے دو چابیس روپیہ میری مکان سے چوری کر کے لیگئی اور دائن کو دیدیا جو کہ اسکا بھیجا ہے مگر چوری کا ثبوت ابتک نہیں ہوا عوام نے اور نیز چند مولویوں نے مجلس میں کہی مگر خوب شب ہوگیا اور کچھ ثابت نہ ہوا، اب عرض ہے کہ سرقہ ثابت ہو کر دائن کو روپیہ ملنا بھی ثابت ہو جائے یا سرقہ ہی ثابت نہ ہو تو ان دونوں صورتوں میں تعلیق طلاق کا کیا حکم ہوگا بصورت عدم ثبوت سرقہ و عدم وصول دین الی الدائن وقوع جزا تو ظاہر ہے مگر بصورت ثبوت بھی بلاشک وقوع جزا ہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ مدیون کی عبارت (یکمشت ادا کردونگا) میں نسبت ایصال الی نفسہ ہے اور بصورت ثبوت سرقہ وصول دراہم الی الدائن ایصال من نفسہ نہ پایا گیا حالانکہ وہ ایصال پر قادر تھا اگرچہ وہ مال مسروقہ کے سوا دوسری دراہم دیدیتا سوال کے مقصود کو ملحوظ فرما کر جواب سے مسرور الوقت فرمائیں۔

عبدالسلام ڈاکخانہ بنجرا معرفت پوسٹ ماسٹر ضلع تیرہ عہ ملک بنگالہ

عہ اور اگرچہ حکم عورت کے قول پر فیصلہ کرے اور عورت کو تین طلاق کا یقین ہے تب بھی کما قضی القاضی بعدم وقوع الثلث لعدم الشهادة وهي متيقنة بالثلث فان المحكم كالقاضي الا في الحدود والقصاص اه الشامي وفي البزازية عن الاوزجندي انها ترفع الامر للقاضي فان حلف ولا بينة لها فالاثم عليه اھ قلت اي اذا لم تقدر على الفداء او الهرب ولا على منعه عنها فلا ينافي ما قبله اھ شامی ج ۲) قلت قوله اذا لم تقدر الخ قيد لقوله ترفع الامر الى القاضي ومفاده انها لا ترفع الامر الى القاضي اذا قدرت على احد الامور المذكورة والله اعلم. ظفر

عہ آجکل اس ضلع کا نام کملا ہے۔ دلاور حسین کملائی۔

الجواب: ہاں الفاظ تعلیق کے ظاہری مقتضا تو وہی ہے جو سائل نے سمجھا ہے لیکن بدلالت حال یہ تعلیق محتمل تخصیص کو ہے جسکی نظیر یہ ہے جو فقہاء نے باب الیمین میں بیان کی ہے لو حلف لیخبرن الوالی بکل شر او مریب دخل فی البلد فعزل الوالی فلا یحنث بترک الاخبار لانہ مقید بحال ولایتہ ایسے ہی یہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ حالف کا یہ کہنا کہ داؤد کو بھادوں میں للعہ یکمشت ادا کر دونگا اگر نہ دوں تو بیوی پر تین طلاق پڑجائے اور اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ اگر داؤد کسی ذریعہ سے خود اس رقم کو میرے مال سے وصول نہ کرے کیونکہ ظاہر ہے کہ اگر داؤد اسکے مال میں سے للعہ خود سرقہ کر لیتا تو اس صورت میں حالف بوجہ عدم ادا کے حانث نہ ہوتا کیونکہ حالف نے ادا دین کی بابت حلف کیا ہے اور اس صورت میں وہ مدیون نہیں رہا اسیطرح اگر داؤد نے خود سرقہ نہیں کیا بلکہ کسی دوسرے نے حالف کے مال میں سے للعہ چرا کے اور داؤد کو دیدیئے اور داؤد کو سرقہ کا حال معلوم ہے تو اس کے ذمہ اس کا اظہار واجب ہے اور بصورت کتمان وہ بھی سارق ہوا لہذا مدیون دین سے بری ہو جائیگا اور عدم ادا سے حانث نہ ہوگا یہ اس صورت میں ہے جب کہ سرقہ کا واقعہ صحیح ہو اور اس رقم مسروقہ کا داؤد کے پاس پہونچنا محقق ہو جائے گو شہادت سے ثبوت نہ ہو مگر حالف کے نزدیک یہ امر محقق ہو چکا ہو اگر ایسا نہ ہو تو سوال دوبارہ کیا جائے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
از تھانہ بھون ۲۶ رجب سنہ ۴۵ھ

تعلیق طلاق کی ایک صورت

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل میں زید نے ہندہ سے نکاح کیا اور نکاح کے کچھ عرصہ بعد اقرار نامہ ایک روپیہ کے کاغذ پر تحریر کیا جسکی عبارت مسودہ بعینہ نقل کیجاتی ہے:

اقرار کرتا ہوں کہ زوجہ خود اور موجودہ بچہ کی پرورش کا خرچ حسب حیثیت خود ماہ بماہ ہر ایک ماہ کی پہلی تاریخ کو انکے والدین کے نام بذریعہ منی آرڈر روانہ کرتا رہونگا کوئی ماہ ناغہ نہ کرونگا بصورت عدم ادائیگی خرچ مقررہ بالا مسلسل تین ماہ متواتر روانہ نہ کروں تو زوجہ میری کا اسیوقت میری جانب سے مطلقہ متصور کی جاویگی اور زوجہ میری مذکور کو اختیار ہوگا کہ وہ مجھ سے دوسری علیحدگی اختیار کرے اور اسکے والدین کو اختیار ہوگا کہ وہ برائے آئندہ اسکی

تو تا وقتیکہ مرض خود جائے و دیگر کرسے میں اور ہمیں کوئی عذر و اعتراض نہ کرونگا اگر کرونگا تو وہ میرا عذر روبرو برادری و اہل محلہ و حکام وقت قطعی قابل سماعت نہ ہوگا اور سابق کے پورے اصل اقرار نامہ کی نقل بھی روانہ کیجاتی ہے جسمیں یہ عبارت درج کی گئی ہے کہ یہ اقرار نامہ ہر اگست ۱۹۲۶ء کو لکھا گیا۔ زید نے اکتوبر ۱۹۲۶ء کے آخر میں جبکہ تین ماہ گزر جانے والے تھے محض مبلغ صہ پانچ روپیہ عورت کے والدین کے نام روانہ کئے اس سے پہلے بالکل روانہ نہیں کیا اب یہ دوسری سہ ماہی گزر رہی ہے ابھی تک کچھ روانہ نہیں کیا ہے۔ لائق سوال یہ امر ہے کہ عبارت بالا کے اعتبار سے اس عورت پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں اور کس صورت میں تین طلاق واقع ہوگی؟ فقط۔

حافظ محمد عزت محلہ اندرکوٹ توپچی واڑہ شہر میرٹھ

الجواب: بغیر خرچ بھیجے کے کوئی سہ ماہی گزر جائیگی تو زید کی زوجہ پر طلاق واقع ہو جائیگی اس وجہ سے کہ زید کہہ سکتا ہے کہ سہ ماہی گزشتہ میں میری حیثیت پانچ ہی روپیہ کی تھی ہاں اگر حیثیت کی مقدار معین کرکے وقوع طلاق کو معلق کرتا تو کم بھیجنے پر تو مقدار سے کم بھیجنے پر طلاق واقع ہو جاتی ہے لہذا زید کی زوجہ پر ابتک طلاق واقع نہیں ہوئی ہے۔

واللہ اعلم۔ اجابہ و کتبہ حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی۔

صورت مندرجہ سوال میں منکوحہ زید مطلقہ ہوگی کیونکہ زید کہتا ہے کہ ہر ماہ کی یکم کو ماہ بماہ خرچ بھیجا کروں گا اور مسلسل متواتر تین ماہ روانہ نہ کروں تو مطلقہ متصور ہوگی جبکہ زید نے اول ماہ کی یکم کو اور دوسرے ماہ کی یکم کو اور نہ تیسرے ماہ کی یکم کو خرچ نہیں بھیجا تسلسل تو نہ رہا تاہم شرط کا تحقق ہوگیا طلاق پڑ گئی۔ ہدایہ میں ہے واذا اضافہ الی شرط وقع عقیب الشرط۔ واللہ اعلم ریاض الدین عفی عنہ

ہمارے نزدیک پہلا جواب صحیح ہے کہ زید کی زوجہ پر ابتک طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ مسلسل تین ماہ خرچ روانہ نہ کرنا اسوقت صادق آسکتا ہے جبکہ پورے تین مہینے بدون خرچ بھیجے گزر جائیں اور صورت مسئولہ میں اگست کا مہینہ ناقص ہے اور اکتوبر میں خرچ آہی گیا اور عرف یہ ہے کہ جس مہینے کے اندر کوئی معاملہ ہوتا ہے تو ابتدا ء

اسی تاریخ سے ہوتا ہے پس لازم ہے کہ اس مہینہ کی آٹھ تاریخ سے تیسرے مہینہ کی آٹھ تاریخ تک زمانہ بدون خرچ بھیجے گزر جاتا تو طلاق واقع ہو جاتی مگر یہاں تو اس مدت کے اندر ہی خرچ آگیا ہے لہٰذا طلاق واقع نہ ہوگی اب دوسری سہ ماہی کا ابتداء ۹ر نومبر کے بعد سے ہوگی خرچ پہونچنے کی تاریخ سے نہ ہوگی کیونکہ بظاہر زید نے یہ خرچ ایک سہ ماہی کا بھیجا ہے اور چونکہ اقرارنامہ میں خرچ کی مقدار کو واضح نہیں کرایا گیا بلکہ زید نے اس کا معیار اپنی حیثیت پر رکھا ہے اسلئے اسکو یہ گنجائش ہے کہ اس خرچ کو پوری سہ ماہی کا خرچ بتلائے اگر عورت زید کی حیثیت اس سے زائد سمجھتی ہے تو حکومت سے مرافعہ کرے کہ اس اختلاف کا فیصلہ حکومت ہی کر سکتی ہے، واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون ۵ر رمضان سنہ ۴۴ھ

شوہر کابین نامہ میں لکھدے کہ زوجہ اولیٰ کی زندگی میں بدون اذن زوجہ و اولیاء زوجہ نکاح کروں تو زوجہ ثانیہ طلاق مطلقہ ہوگی پھر شوہر نے بیوی سے اجازت لیکر نکاح کر لیا الخ۔

(سوال) السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مابعد معروض خدمت اقدس ہے کہ حسب تحریر جناب صورت مسئولہ کے متعلق کابین نامہ کی جملہ عبارت اور بعینہٖ اردو ترجمہ مع تقریر فریقین پیش خدمت ہے امید قوی کہ مع الدلائل جواب تحریر ہوگا اور حضور پرنور کے دستخط مبارک سے مزین فرمایا جاویگا دیگر عبارات کابین نامہ کی مسئلہ مبحوث عنہا سے کوئی تعلق نہیں رکھتی وہ بالکل علیحدہ باتیں ہیں لہٰذا تحریر نہیں کیگئی۔

العارض احقر الناس محمد عبدالغنی غفرلہ ولوالدیہ ۲۱ر دسمبر سنہ ۲۶ء

ما قولکم رحمکم اللہ تعالیٰ: اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی زوجہ کی کابین نامہ میں چند شرائط لکھدے انہیں سے ایک یہ ہے کہ آپکے زندہ رہتے ہوئے میں دوسرا کوئی نکاح نہیں کرونگا اور سریہ نہیں رکھونگا اور نکاح فضول نہیں کرونگا اگر کروں یا رکھوں ظاہر ہوتے ہی وہ عورتیں (۱) (۲) (۳) طلاق ہوگے۔ اگر اتفاقاً دوسرے نکاح کرنیکی ضرورت ہوئے تو آپ اور آپکے اولیاء سے علیحدہ علیحدہ اذن لیکر کرونگا۔

بعد مدت کے اس شخص نے بلا اذن ولی کے فقط زوجہ سے اذن لیکر دوسرا نکاح کیا ہے اب اس دوسری زوجہ کی طلاق پڑنے میں علماء دو فریق ہیں۔ ایک فریق ایک طلاق بائن

کہتے ہیں، دوسرا فریق طلاق ثلثہ مغلظہ فرماتے ہیں۔

(تقریر فریق اول یعنی قائلین واحد طلاق بائن)

یہ ہے کہ صورت مرقومہ میں ایک طلاق بائن واقع ہوگی کیونکہ جملہ (۱) (۲) (۳) طلاق ہو تفریق طلاق ہے اور طلاق غیر مدخول بہا کی تفریق طلاق سے ایک طلاق بائن ہوتی ہے بدلیل۔ قال لزوجته غیر المدخول بها انت طالق ثلاثا وقعن وان فرق بوصف نحو انت طالق واحدة وواحدة وواحدة او خبر نحو انت طالق طالق طالق او جمل نحو انت طالق انت طالق انت طالق بانت بالاولى ولم تقع الثانية والثالثة

(در مختار مع رد المحتار)

(تقریر فریق ثانی یعنی قائلین ثلاثہ مغلظہ یہ ہے)

کہ صورت مسئولہ میں طلاق ثلثہ مغلظہ واقع ہوگی دو وجہ سے (وجہ اول) یہ ہے کہ صورت مسئولہ کو انت طالق واحدة وواحدة وواحدة پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے کیونکہ اس میں تین احاد کو جداگانہ ذکر کیا ہے اور صورت مسئولہ میں تین احاد کو جمع کرتے ہوئے کہا ہے یعنی (۱) کیساتھ اور (۱) جمع کرکے (۲) اور (۲) کیساتھ اور (۱) جمع کرکے (۳) کہا گیا۔ اور آخر کلام مغیر ہے واسطے اول کلام کے پس ۱-۲-۳- طلاق کے لفظ سے مجموعاً تین طلاق دفعۃً واقع ہوں نہ متفرق طور پر کیونکہ تفریق طلاق پر محمول ہونے کیلئے یہ شرط ہے کہ آخر کلام مغیر اول کلام کا نہ ہو جیسا کہ فتح القدیر۔ مصری ج ۳ ص۴۳ میں ہے۔ قوله وان فرق الطلاق بانت بالاولى ولم تقع الثانية) وذلك كقوله انت طالق طالق طالق لانه ليس في آخر الكلام ما يغير اوله ليتوقف اوله فلم يقع بطالق الاول شئ فان قيل لو قال بلا واو طالق وطالق وطالق او طالق واحدة وواحدة وواحدة فالحكم كذلك مع ان الواو للجمع وهو يغير حكم التفريق اذ الحاصل به كالحاصل بطالق ثلاثا وحكمهما مختلف لان في التفريق تبين بواحدة فينبغي ان يتوقف الصدر فيقع الثلث كما قال مالك واحمد قلنا الجمع الذي يباين التفريق حكما هو الجمع بمعنى المعية المغير له كلفظ ثلاث ونحوه وليس الواو للجمع بهذا المعنى الخ اس عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ لفظ واو مغیر تفریق ہے پس واحدة کے بعد اگر ثلاثا مذکور ہو تو فقط واحدة سے ایک طلاق واقع نہ ہوگی

بلکہ ثلاثا پر موقوف رہے کیونکہ جب مجموعہ تین طلاق واقع ہوگی جیسا کہ صورت مسئولہ میں ہے۔ سوال۔ یہ تو تنجیز طلاق میں ہے اور صورت مسئولہ تو تعلیق طلاق ہے اور شرط و جزا ایک کلام ہے اور اسمیں آخر کلام (جزا) اول کلام (شرط) کا مغیر نہیں ہے جواب ۱، ۲، ۳، طلاق کا لفظ جب حکم میں تفریق کے نہیں ہے بلکہ حکم میں جمع کے ہے تو صورت تعلیق میں اسکا حکم بعینہٖ ان دخلت الدار فانت طالق ثلاثا کے حکم میں ہوگا یعنی بعد وجود شرط کے تین طلاق واقع ہونگی کما لا یخفی (وجہ ثانی) یہ ہے کہ قاعدہ مسلمہ فقہیہ ہے: الطلاق یقع بعدد قرن به لا به نفسه اور ولا بد من كون العدد متصلا بالايقاع، درمختار مع رد المحتار ج ۲ ص۶۴۲ مصری، بحر الرائق مصری ج ۳ ص۲۸۳ ۔ اور صورت مرقومہ میں ایقاع کے لفظ (یعنی طلاق ہوئیے) کیساتھ ۳ کا عدد متصل ہے نہ ۱، اور ۲، پس ۳ ہی موثر ہوگا نہ ۱، اور ۲، پس طلاق ثلاث مغلظہ واقع ہوگی۔ سوال۔ ۱، اور ۲ کے عدد سے ۱۔ طلاق ۲۔ طلاق مراد ہے پس ۱، اور ۲ بھی متصل بالطلاق ہے جواب فقہ کا متفق قاعدہ ہے الوقوع بلفظ لا بقصدہ درمختار۔ ۱، اور ۲ کیساتھ جب طلاق ملفوظ نہیں مراد اور مقصود ہونے سے وقوع طلاق میں ہرگز موثر نہیں ہوگا۔ انتہی۔ اب معروض خدمت اقدس ہے کہ کس فریق کا حکم صحیح اور مدلل ہے بادلائل تحریر فرما کر بندگان خدا کو ورطۂ ہلاکت سے نجات دیویں! جزاکم اللہ تعالیٰ خیراً۔

الجواب: فریق ثانی کا جواب صحیح ہے یعنی صورت مسئولہ میں طلاق ثلاثہ کی تعلیق ہوئی تھی اور وجود شرط کیوقت ہرسہ طلاق مجموعۃً واقع ہوگئیں اور فریق اول نے جو قاعدہ نقل کیا ہے وہ صحیح تو ہے لیکن اسمیں کلام ہے کہ صورت مسئولہ میں جو الفاظ تحریر کئے گئے ہیں وہ تفریق طلاق پر دال ہیں یا نہیں اور اردو کے الفاظ کو عربی پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ دونوں کا محاورہ صرف معدود کے استعمال میں مختلف ہے اور اردو فارسی کا محاورہ اس باب میں متحد ہے اسلئے فارسی پر قیاس کیا جاویگا اور فارسی کے جزئیہ کا حکم خلاصۃ الفتاوی ص۸۷ ج ۲ میں صریح موجود ہے قال وکذا لو قال اگر فلانہ را بزنی کنم از من بیک طلاق و دو طلاق و سہ طلاق فتزوجہا تطلق واحدۃ ولو قال بیکی و دو و سہ طلاق ثم تزوجہا یقع الثلاث وتمام ھذا فی خزانۃ الواقعات اھ اور جب صریح جزئیہ موجود ہے تو قواعد میں غور کرنیکی حاجت نہیں

اسلئے فریق ثانی کے ادلہ کے متعلق کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی فقط

تنبیہ : سوال سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ میں وقوع طلاق کا حکم اس بنا پر کیا گیا ہے اس شخص نے اولیاء زوجہ سے اجازت نہیں لی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ اولیاء زوجہ سے اجازت لے لیتا تو طلاق واقع نہ سمجھی جاتی اور یہ صحیح نہیں اسلئے لکھا جاتا ہے کہ کابین نامہ میں طلاق کے متعلق جملہ ختم کرنیکے بعد جو کلام مستانف لکھا ہے کہ اگر اتفاقاً دوسرے نکاح کی ضرورت ہوئی تو الخ یہ جملہ طلاق کی قید نہیں بلکہ کلام مستقل ہے اور جملہ تعلیقیہ میں صرف تا حیات عورت کیساتھ طلاق اُخری کو معلق کیا ہے پس اگر اولیاء سے بھی اجازت لیکر نکاح ہوتا تب بھی وقوع کا حکم کیا جاتا اور اب جب تک زوجہ اولیٰ حیات ہے اسوقت تک کوئی نکاح کریگا تو منکوحہ جدیدہ پر تین طلاق واقع ہوجاویں گی اگرچہ وہ نکاح زوجہ اور اولیاء زوجہ کی رضا مندی ہی سے ہو بلکہ اس عورت موجودہ کو جس کیلئے یہ کابین نامہ مذکورہ لکھا ہے یہ شخص اگر طلاق دیدے تب بھی عورت موجودہ کی حیات میں دوسری عورت سے نکاح کرنے پر طلاق مغلظہ ہو جاویگی البتہ جس عورت پر طلاق ہو چکی ہے اس سے عورت مذکورہ کی حیات میں بھی بعد نکاح ثانی با شرائط معلومہ نکاح کیا جاوے تو وقوع طلاق کا حکم نہ کیا جاویگا قال فی تنویر الابصار و (الفاظ الشرط ان و اذا و اذما و کل و کلما و متی و متی ما و فیہا) کلہا (تنحل الیمین اذا وجد الشرط مرۃ الا فی کلما الخ) (شامی ملخصاً ج ۲) ۔

[درصورت مسئولہ میں اگر کروں یا رکھوں تو وہ عورتیں الخ مشتمل ہے کلمہ ان پر لفظاً اور کلمہ کل پر تقدیراً پس اس قول کی عموم انکحہ پر دلالت ہوگی فقط عموم منکوحات پر دلالت ہوگی کہ پہلی مرتبہ ہر عورت سے نکاح موجب طلاق ہوگا قال الشامی تحت (قولہ وکذا کل امرأۃ الخ) ای اذا قال کل امرأۃ اتزوجہا طالق والحیلۃ فیہ ما فی البحر من انہ یزوجہ فضولی ویجیز بالفعل کسوق الواجب الیہا او یتزوجہا بعدما وقع الطلاق علیہا لان کلمۃ کل لا تقتضی التکرار اھ (بحر)

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ تھانہ بھون، الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ ۲۳ ج ۲ سنہ ۵۴ھ اشرف علی (از حوادث مولانا مدظلہم)

سه چونکہ یہ دلائل مسئلہ میں کلام ہے جسکے واسطے بسط کی ضرورت ہے اسواسطے اس مختصر کلام میں کی بالتصریح تحریر نہیں کی گئی ۱۲ منہ

عسه صورت مسئولہ میں تزویج فضولی کی بحث شامی میں دیکھی جاوے قبیل فصل المشیۃ باب التفویض ۱۲ منہ

ارتداد سے یمین باطل ہوجاتی ہے تعلیق باطل نہیں ہوتی

سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں جوابات مشرح اور صاف ہوں صحیح حالات حسب ذیل ہیں۔ سوال اول: زید حنفی نے اپنی حالت بلوغ میں کہ ابھی اسکی شادی نکاح نہیں ہوئی تھی اس سے قبل ہی کسی صاحب کے کہنے پر اس طرح پر حلف کیا کہ اگر میں آئندہ فلاں فعل حرام شرعی کا مرتکب ہوں تو میری بیوی پر طلاق اور جب کبھی میں نکاح کروں میری بیوی پر طلاق اور انشاء اللہ وغیرہ کچھ نہیں کہا دو تین دن کے بعد اسے معلوم ہوا کہ انشاء اللہ کہنے سے یہ تعلیق طلاق کیلئے مفید نہیں رہتی لیکن انشاء اللہ حنفی مذہب کے مطابق متصل ہونا چاہئے تاہم اگر منفصلاً یعنی اب بھی اس نیت سے انشاء اللہ کہہ لیا جائے تو امام شافعی کے مسلک کے موافق ہی جائز ہے[عہ] بہرحال زید نے انشاء اللہ کہہ لیا اور عرصہ تک اپنے حلف پر قائم رہا پھر بدقسمتی سے نکاح سے قبل ہی اس فعل حرام شرعی کا مرتکب ہوگیا جس پر حلف کیا تھا اور زید کو اپنے حانث ہونیکا یقین کامل ہوگیا کہ اب میں تمام عمر شادی نہیں کرسکتا اگرچہ شافعی مذہب کے مطابق وہ جواز سمجھتا تھا مگر حنفی ہونے کے ساتھ یہ گوارا نہ ہوا کہ محض نفس کے لئے مذہب راجح کو ترک کرے بہت پریشان ہوا اور بالقصد کلمۂ کفر زبان سے نکالکر بالقصد مرتد ہوگیا تاکہ عقد اسلامی سے چھوٹ جائے اور کوئی ذمہ داری نہ رہے پھر تجدید کلمہ کرکے مسلمان ہوگیا اب اس کا یہ خیال ہے کہ اس حیلہ ارتداد کی وجہ سے وہ تعلیق مفقود ہوگئی اور میں نکاح کرسکتا ہوں جواب عنایت ہو کہ اسکو نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں اور پھر اسکا نکاح باقی رہیگا یا نہیں؟ صاف مشرح ارشاد ہو ۔

عبدالرحمٰن از حیدرآباد دکن

الجواب وھو الموفق للصواب: فی الدر المختار (وھو) ای الکفر (یبطلھا) اذا عرض بعدھا (فلو حلف مسلما ثم ارتد) والعیاذ باللہ تعالیٰ (ثم اسلم ثم حنث فلا کفارۃ) اصلاً لما تقرر ان الاوصاف الراجعۃ للمحل یستوی فیھا الابتداء والبقاء وقال الشامی تحت قولہ (لما تقرر) علۃ لکون الکفر العارض مبطلا للیمین لا لنفی الاصلی (ص۹۵ ج ۳) وقال ایضا (ص۹۵) تحت قولہ (وشرطھا الاسلام) واعلم ان اشتراط الاسلام انما ھو بالنسب

[عہ] کہاں لکھا ہے ۱۲ اشرف علی

اليمين بالله تعالى واليمين بالقرب نحو ان فعلت كذا فعلي صلاة وأما اليمين بغيره فهي نحو ان فعلت كذا فانت طالق فلا يشترط له الاسلام كما لا يخفى اهـ۔ روایت اول سے معلوم ہوا کہ ارتداد سے یمین باطل ہو جاتی ہے کیونکہ کفر منافی یمین ہے۔ اور روایت ثانیہ سے معلوم ہوا کہ کفر منافی تعلیق نہیں ہے پس جب تعلیق کیلئے اسلام شرط نہیں ہے تو ارتداد سے تعلیق باطل نہیں ہوتی پس ارتداد سے بجائے اسکے کہ بعوض وغیرہ کے نقصان وخسارہ حاصل ہوا اور جو نفع اپنی نادانی سے سوچکر اسقدر جرم عظیم کا ارتکاب کیا وہ حاصل بھی نہ ہوا۔

اور اسباب بھی وہی صورت اختیار کرنی پڑیگی جو ارتداد سے قبل ہو سکتی تھی بڑے افسوس کی بات ہے کہ اس وقت دریافت نہ کیا اور معصیت سے بچنے کے واسطے راس المعاصی کو ترجیح دی یہ بعید از قیاس ہے خدا تعالیٰ ایسی کجی اور اغوائے شیطانی ونفسانی سے پناہ میں رکھے آمین ثم آمین۔

اب حنفی مذہب کے مطابق حسب تصریحات فقہا اس شخص کے واسطے نکاح کی ایک سبیل ہے وہ یہ کہ کوئی فضولی اسکا نکاح کردے اور یہ اس نکاح فضولی کو قولاً قبول نہ کرے بلکہ فعلاً قبول کرے مثلاً کل یا بعض مہر ادا کردے اسطرح نکاح بھی صحیح ہو جائیگا اور منکوحہ عورت پر طلاق بھی واقع نہ ہوگی۔

تنبیہ: فضولی اسکو کہتے ہیں جو اپنی طرف سے بغیر وکالت وولایت کسی دوسرے کا نکاح کردے پس اگر یہ شخص کسی کو یوں کہے کہ تم فضولی ہو کر میرا نکاح کردو تو اسکے کہنے سے وہ وکیل بن جائے گا فضولی نہ رہیگا اور مقصود حاصل نہ ہوگا اس واسطے کسی سے فضولی بننے کی درخواست نہ کرے بلکہ دو تین آدمیوں کے سامنے یہ بات کہدے کہ مجھے اسکی ضرورت ہے کہ کوئی فضولی میرا نکاح کردے پھر ان میں سے کوئی شخص بطور خود اسکی طرف سے ایجاب یا قبول کرلے کما فی الشامی عن البحر وينبغي ان يجيئ الى عالم ويقول له ما حلفت ويحتاج الى نكاح الفضولي فيزوجه عالم امرأة ويجيز بالفعل فلا يحنث وكذا اذا قال لجماعة عندي حاجة الى نكاح الفضولي فزوجه واحد منهم اما اذا قال لرجل اعقد لي عقد فضولي يكون توكيلا اهـ (فتح) فقط واللہ اعلم۔

تعلیق طلاق کا ایک مسئلہ (سوال) عبدالرحمن اور اسکی بیوی ہاجرہ میں باہمی نزاع

تھی اسی وجہ سے ہاجرہ اپنے ماموں کے گھر مقیم تھی ماموں اس کو خاوند کے سپرد کرنے سے (تا آنکہ وہ کافی اطمینان اسکے ساتھ حسن معاشرت کا نہ دلائے) مانع و حارج تھا عبدالرحمٰن ایک مرتبہ ہاجرہ کو لینے کیلئے ماموں کے گھر آیا اور اطمینان کیلئے یہ تحریر لکھدی الفاظ تحریر بعینہا یہ ہیں۔

میں کہ عبدالرحمٰن پسر حاجی عبدالکریم مرحوم قوم شیخ ساکن گڑھی پختہ ضلع مظفر نگر کا ہوں چونکہ میری زوجہ ہاجرہ خاتون اپنے حقیقی ماموں مسمی عبدالحکیم کے یہاں ہے میں اسکو اپنے ہمراہ اس شرط پر لیجانا چاہتا ہوں کہ جس وقت اُسکے ماموں مسمی عبدالحکیم اسکے بلانے کا نوٹس مجھکو دیں گے میں اندر میعاد ایک ماہ کے اپنی زوجہ کو اسکے ماموں کے مکان پر پہونچادونگا اور انکار نہ کرونگا اور اگر اس صورت میں نہ بھیجوں اور بھیجنے سے انکار کروں تو اس انکار سے میری زوجہ کو طلاق بائن واقع ہو جائیگی۔

اس تحریر کے لکھنے پر ہاجرہ کا ماموں اُس کو عبدالرحمٰن کے ساتھ بھیجنے پر آمادہ ہو گیا مگر چونکہ زیور یہاں موجود نہ تھا بلکہ دہرہ دون کسی کے پاس رکھا ہوا تھا اسلئے زیور کے انتظار میں بتراضی طرفین اس وقت ہاجرہ کو نہیں بھیجا گیا اور خاوند بخوشی اس کو چھوڑ کر چلا گیا چار پانچ روز کے بعد پھر آیا اس وقت بھی زیور دہرہ دون سے نہ آیا تھا۔ شوہر پھر زیور کی انتظار کیوجہ سے چھوڑ کر چلا گیا اس دفعہ ماموں کے دل میں کچھ شبہات پیدا ہو گئے پھر تیسری دفعہ شوہر آیا تو ماموں نے اس سے اپنے شبہات پیش کئے اُسپر عبدالرحمٰن نے مزید اطمینان کیلئے زبانی یہ الفاظ کہے: ”اگر میری طرف سے بدگمانی ہے کسی قسم کی مار پیٹ کروں تو زبانی الفاظ سے تم لوگوں کو اطمینان کر دیتا ہوں وہ یہ کہ اگر میں ماروں تو میری طرف سے جواب ہے“۔ یہ جملے کہتے وقت فوراً ہی یہ کہا کہ میں نے ان الفاظ سے نیت طلاق کی نہیں کی ہے۔

ماموں نے ان الفاظ کو لکھوانا چاہا خاوند نے لکھنے سے انکار کیا اور اسپر تنازع بڑھ گیا اور عبدالرحمٰن نے کہا کہ بھیجو نہ بھیجو تم کو اختیار ہے میں لکھونگا نہیں اور پھر یہ کہا کہ ”وہ میری تحریر ۲ فروری ۱۹۲۱ء کی جو تمنے لکھائی تھی وہ میں نے اسی روز کیلئے لکھی تھی آج سے وہ میری تحریر کالعدم ہو گئی کیونکہ اس روز میرے ساتھ نہیں بھیجا الخ“ اس کے بعد خاوند نے بلانے کا نوٹس دیا تو بعض مصالح کی بنا پر یہ تجویز کیا گیا کہ لڑکی نوٹس کا جواب خود دے اور یہ لکھے کہ میں تیار ہوں تم آ کر لیجاؤ چنانچہ خود آ کر لیگیا۔ اور وہاں جا کر لڑکی پر تشدد کیا۔ مار پیٹ بھی ہوئی۔ ماموں نے بلانے کا نوٹس دیا تو بھیجا نہیں

پھر خود لینے کیلئے گیا اس وقت بھی نہیں بھیجا۔ اسپر ماموں نے یہ سمجھکر کہ ایک ماہ تک نہ بھیجنے کی وجہ سے طلاق پڑگئی ہے۔ خفیہ لڑکی کو اُس کے گھر سے نکال کر ہمراہ لے آیا اب سوال یہ ہے کہ طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

جواب اول از دیوبند:

بحث و تفتیش کے بعد سوال میں یہ جزو قابل غور رہ گیا ہے کہ عبدالرحمٰن کی پہلی تحریر جسمیں انکار کو طلاق قرار دیا ہے وہ کس چیز پر معلق ہے آیا ماموں کی عدم ممانعت پر یا اپنے فعل یعنی لیجانے پر کیونکہ عبارت تحریر بغیر اسکے کہ بطور اقتضاء النص کے کوئی عبارت مقدر مانی جائے درست نہیں ہو سکتی اور تقدیر عبارت دو احتمال ہیں۔

(۱) اول یہ کہ میں اس شرط پر لیجانا چاہتا ہوں کہ اگر اسکا ماموں بھیجنے میں حارج و مانع نہ ہو تو پھر جب وہ بلائیگا میں بھیجنے سے انکار نہ کروں گا تو میرا انکار طلاق بائن ہوگا۔

(۲) دوسرے یہ کہ میں اس شرط پر لیجانا چاہتا ہوں کہ اگر میں اس کو لے گیا تو جب ماموں بلائیگا تو بھیجنے سے انکار نہ کرونگا الخ

الغرض یہ تعلیق کسی فعل مقدر پر ہے یا ماموں کے فعل بھیجنے اور عدم ممانعت پر اور یا اپنے فعل یعنی لیجانے پر۔

پہلی صورت میں وقوع طلاق ظاہر ہے کیونکہ ماموں اسکے بھیجنے سے اسوقت حارج و مانع نہیں ہوا لہذا تحقق شرط کی وجہ سے یہ تحریری تعلیق منعقد ہوئی اور جب خاوند نے ماموں کے بلانے پر بھیجنے سے انکار کیا تو طلاق واقع ہوگئی۔

اور دوسری صورت میں عدم وقوع طلاق متعین ہے کیونکہ لیجانے کا تحقق اسوقت نہیں ہوا اب مدار بحث ان دونوں احتمالوں میں سے ایک کا تعین رہ گیا جسکے لئے کوئی حتمی چیز تو خیال میں نہیں آتی۔ البتہ قرائن احتمال اول کیلئے زیادہ معلوم ہوتے ہیں واللہ اعلم

قرینہ اولیٰ یہ ہے کہ گفتگو اور بحث ابتداء سے خاوند کے فعل یعنی لیجانے میں نہ تھی بلکہ ماموں کے فعل یعنی ارسال و عدم ممانعت میں کلام تھا

قرینہ ثانیہ تحریر لکھنے کا منشاء کوئی ابتداء کی تعلیق نہ تھی کہ اپنے فعل پر

معلق کیا جاتا بلکہ ماموں کا اطمینان دلانا مقصود تھا اسکی عدم مخالفت کے صلہ میں یہ تعلیق بطور اطمینان دلانے کے ہوگئی ہے۔

قرینہ ثالثہ خاوند نے اپنی زبانی گفتگو میں خود یہ الفاظ کہے ہیں کہ:

وہ میری تحریر کالعدم ہوگئی کیونکہ اس روز میرے ساتھ نہیں بھیجا اس میں تصریح ہے کہ وہ اس تحریر کو اسلئے کالعدم کہتا ہے کہ بزعم خود ماموں نے نہیں بھیجا اپنے نہ لیجانے کو حجت میں پیش نہیں کرتا بلکہ ماموں کے نہ بھیجنے کو سبب سقوط تعلیق قرار دیتا ہے۔

یہ قرائن احتمال اول کے موید ہیں جن سے وقوع طلاق مستفاد ہوتا ہے اور احتمال ثانی کا قرینہ صرف یہ ہے کہ اس نے اپنے الفاظ میں یہ کہا ہے۔ کہ میں اس شرط پر بیاہنا چاہتا ہوں جسمیں لیجانے کا تذکرہ ہے بھیجنے کا نہیں۔

پھر احتمال اول پر تو خواہ تعلیق کو عین موبد قرار دیا جائے یا موقت بالمرۃ الاولی بہر دو صورت طلاق واقع ہوگی کیونکہ عدم مخالفت اول مرتبہ متحقق ہوچکی اور احتمال ثانی پر موبد ہونیکی صورت میں طلاق ہوگی کیونکہ آخر لیجانا متحقق ہوگیا جو شرط تعلیق تھا ولو بعد حین۔ اور موقت بالمرۃ الاولی ہونیکی صورت میں طلاق نہ ہوگی کیونکہ مرۃ اولی میں لیجانا متحقق نہیں ہوا باقی درمیانی گفتگو جسمیں یہ لفظ کہے تھے کہ اگر میں مانوں تو میری طرف سے جواب ہے یہ زائد سے زائد کنایہ طلاق ہوسکتا ہے مگر خاوند نیت طلاق کا انکار کرتا ہے اگر وہ اس پر حلف کرے تو ان لفظوں سے کوئی طلاق نہ پڑے گی اس لئے اس سے تعرض جواب میں نہیں کیا گیا۔

واللہ اعلم۔ بندہ محمد شفیع دیوبندی

جواب دوم از تھانہ بھون:

احقر کے فہم ناقص میں یہ آتا ہے کہ صورت مسئولہ میں گو لفظاً یمین موبد[عہ] ہے ولیکن عرفاً قرینہ مقالیہ کے باعث یہ یمین مقید ہے اسی سلسلہ گفتگو میں لیجانے کیساتھ یعنی اگر میں اسی سلسلہ میں لیگیا اور ماموں کے بلانے پر نہ بھیجا تو طلاق واقع ہوگی اور اگر اسی سلسلہ میں نہ لیگیا تو اس صورت میں تعلیق نہیں ہے ونظیرہ ما فی الهدایۃ وغیرہ من انه اذا استحلف الوالی رجلا لیعلمنه بكل داعر

[عہ] الاطلاق ۱۲ منہ

دخل البلد فھذا علی حال ولایتہ خاصۃ اور اسیطرح زبانی تعلیق یعنی اگر ماروں تو جواب ہے وہ بھی مقید ہے اسی وقت[1] لیجانے کیساتھ لدلالۃ المعانی علیہ عمداً اور اس وقت لیجانا[2] متحقق نہیں ہوا لہذا دوسرے موقع پر لیجانے سے خاوند کے ذمہ اس تعلیق کی پابندی ضروری نہ تھی اور عدم پابندی سے طلاق واقع نہ ہوگی خواہ اس نہ لیجانے کا باعث ماموں ہوا ہو یا نہ ہوا ہو بہر حال نہ لیجانے سے یمین باطل ہوگئی اور مفتی صاحب نے جو تحریر فرمایا ہے کہ نہ لیجانے پر آئندہ تعلیق نہیں بلکہ نہ بھیجنے پر ہے اور ماموں نے بھیجنے سے انکار نہیں کیا اسلئے تعلیق باقی رہی اور نہ بھیجنا اقتضاءً معلوم ہوتا ہے اسمیں احقر کو یہ اشکال[3] ہے کہ اقتضاءً کرکے دوسرا لفظ نکالا جاتا ہے جبکہ اس کے بدون کلام صحیح نہ ہو اور یہاں کلام بالکل صحیح ہے کیونکہ لیجانے پر تعلیق کرنا بالکل صحیح ہے پس کسی قرینہ پر دوسرا لفظ نکالنے کی حاجت نہیں خواہ قصد کچھ ہی تھا مگر اسنے تعلیق کو مشروط کیا ہے لیجانے کیساتھ اور جو لفظ اس نے نہیں کہے وہ بلا ضرورت اسکے ذمہ نہ لگائے جاوینگے اور اخیر میں اس نے جو کہا کہ تم نے بھیجا نہیں اس سے وہ اپنے نہ لیجانے کی وجہ بیان کر رہا ہے اسمیں یہ اقرار نہیں ہے کہ تمہارے بھیجنے پر میں نے تعلیق کو معلق کیا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ
خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون۔

جواب سوم از سہارنپور:

حامداً ومصلیاً۔ اولاً جواب لکھا جاتا ہے اسکے بعد دوسرے جوابات کے متعلق عرض کیا جاویگا تحریر طلاق نامہ کے موافق اگر عبدالرحمٰن نے نوٹس کے بعد ایک ماہ کے اندر اپنی زوجہ کو اس کے ماموں کے یہاں نہیں بھیجا اور انکار کردیا تو اس کی زوجہ پر ایک طلاق بائن واقع ہوگئی اور اگر ایک ماہ کے اندر اس نے اسکے بھیجنے سے انکار نہیں کیا بلکہ

---

[1] یعنی اسی سلسلہ میں ۱۲ منہ

[2] یعنی اس سلسلہ میں جانا نہیں ہوا بلکہ اس کو ماموں نے منقطع کردیا اور بھیجنے سے صریح انکار کردیا ۱۲ منہ

[3] اشکال سے قطع نظر کرکے اگر بھیجنے کو معلق علیہ کہا جاوے تب بھی اس پورے سلسلہ میں جارح نہ ہونا مشروط ہوگا اور جب اخیر میں جارح ہوگیا تو شرط فوت ہوگئی ۱۲ منہ

وہ خود نہیں آئی یا اسکو کوئی لینے نہیں گیا تو طلاق واقع نہیں کیونکہ زوج نے جو طلاق نامہ میں یہ الفاظ لکھے ہیں کہ ”اپنی زوجہ کو اس کے ماموں کے مکان پر پہونچا دونگا اور انکا مہر ذکر دونگا“ یہ محض وعدہ ہے جو تعلیق سے خارج ہے تعلیق اس کلام کے بعد ہے۔

اور جو الفاظ: سمنے زبانی کہے ہیں کہ ”اگر میں مار دوں تو میری طرف سے جواب ہے“ وہ کنایات طلاق سے ہیں اسکے متعلق اس نے یہ بیان کیا کہ اس سے میری نیت طلاق کی نہیں تھی اسمیں محض اسکا قول معتبر نہیں ہاں اگر وہ حلفیہ بیان کرے کہ اس سے میری نیت طلاق کی نہیں تھی تو اسکا قول معتبر ہے والقول له بيمينه في عدم النية ويكفي تحليفها له في منزله فان ابى رفعته للحاكم فان نكل فرق بينهما ۔ ردمختار ج ۲

اور مولانا محمد شفیع صاحب نے جو معلق علیہ میں تشقیق فرمائی ہے احقر کے خیال ناقص میں اسکی ضرورت نہیں اور مفتی ثانی کی رائے اس کے متعلق درست معلوم ہوتی ہے کیونکہ زوج خود اپنی تحریر میں لکھتا ہے کہ ”اس شرط پر لینا چاہتا ہوں“ لہذا اسکی تصریح کے ہوتے ہوئے احتمال آخر کی ضرورت نہیں باقی اس تعلیق کو یمین مقید قرار دینا صحیح نہیں معلوم ہوتا اسوجہ سے کہ زوج کا اس وقت نہ لیجانا اور بعد میں نہیں بلانا اور تیسری مرتبہ بھی یہ الفاظ کہنا کہ ”آج سے وہ میری تحریر کالعدم ہوگئی“ یمین مقید ہونیکے[له] صریح دلیل ہے اور مفتی ثانی نے جس قرینہ مقالیہ کی وجہ سے اسکو مقید قرار دیا ہے وہ اتنا صریح نہیں نیز اسکو مفتی صاحب نے جواب میں تعیین ہی نہیں فرمائی اسلئے یمین مقیدہ قرار دینا قطعاً صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب ۔

حررہ سعید احمد مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۱۳؍ شوال ۶۲ھ

الجواب صحیح عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم ۱؍ ذیقعدہ ۶۲ھ

احقر کے نزدیک یہ جواب اقرب (الی ظاہر الفاظ السوال) معلوم ہوتا ہے ۔

بندہ عبد الرحمن غفرلہ

خلاصۂ جوابات

(۱) جواب دیوبند کا یہ حاصل ہے کہ ایک طلاق بائن واقع ہو چکی ہے کیونکہ

[له] یہ توجیہ ہوتا جبکہ نیت کا پتہ نہ ہوتا اس وقت کیسا تھا ۔ درمیان سلسلۂ گفتگو کے یہ مقید کیا گیا اور گفتگو کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا تو تعدد ہو گیا مسئلہ بدلے ہو آتا خلاف کیسے ہوا ۔ عبد الکریم عفی عنہ

گفتگو بھیجنے پر ہو رہی تھی اسواسطے تقدیر کلام کی یوں ہوگی کہ اگر اسکا ماموں بھیجنے میں (اسوقت) حارج نہ ہو تو پھر جب وہ بلا دیگا میں بھیجدونگا اور اگر ایک ماہ تک نہ بھیجوں تو طلاق بائن واقع ہو جاویگی اور ماموں اسوقت بھیجنے میں حارج ہوا نہیں بلکہ زیور کی وجہ سے بتراضی طرفین بھیجنے میں تاخیر ہوئی ہے ۔

(۲) اور احقر کے خیال ناقص میں خط کشیدہ تقدیر کی ضرورت نہیں بلکہ صریح لفظ جو اس نے شروع کلام میں استعمال کئے ہیں وہی مقدر مانے جائیں گے تقدیر یوں ہوگی کہ اگر میں اسوقت لیگیا یعنی اس سلسلہ میں تو پھر جب اسکا ماموں بلا دیگا الخ اور اس وقت وہ لیکر نہیں گیا بلکہ ماموں نے انکار کردیا اور انکار سے وہ سلسلہ گفتگوئے صلح کا منقطع ہوگیا اسلئے دوسرے موقع پر لیجانے کے بعد ماموں کے بلانے سے بھیجدینا لازم نہ تھا لہذا اس نہ بھیجنے سے طلاق نہیں ہوئی ۔

(۳) جواب سہارنپور کا حاصل یہ ہے کہ تقدیر تو وہی صحیح ہے جو سطر میں لکھی ہے لیکن اسوقت لیگیا تھا لیجانے کی قید مسلم نہیں بلکہ جب کبھی بھی لے گیا ہو بہرحال خاوند کے ذمہ لازم تھا کہ ماموں کے بلانے پر ایک ماہ کے اندر بھیجدیتا چونکہ اس نے بھیجا نہیں اس واسطے طلاق واقع ہوگئی ۔

اختلاف کا منشا یہ ہے کہ جواب ۲ میں تعلیق کیلئے دو شرطیں قرار دیگئی ہیں اول لیجانا دوسرے اسی وقت لیجانا مجیب اول کو اسی وقت کی قید تو تسلیم ہے مگر بجائے لیجانے کے بھیجنے میں حارج نہ ہونا قید لگاتے ہیں اور مجیب ثالث کو اس وقت کی قید میں کلام ہے اور لیجانے کو تسلیم کرتے ہیں اور جواب ۲ میں جو ہر دو قید ملحوظ رکھی ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ خاوند کے یہ لفظ لکھے کہ میں اسکو اپنے ہاں اس شرط پر لیجانا چاہتا ہوں الخ اس سے بوجہ صیغہ حال کے و نیز عرف کے اسی وقت یعنی اسی گفتگو کے دوران میں لیجانے کی شرط ظاہر ہے فقط واللہ اعلم ۔

یہ خلاصہ مع اصل اجوبہ حضرت مولانا مدظلہم العالی کی خدمت میں پیش کیا گیا حضرت مدظلہ نے ملاحظہ فرما کر مولوی حبیب احمد صاحب کو بھی بلایا اور احقر کو بھی اور بعد گفتگو کے یہ طے فرمایا کہ طلاق واقع نہیں ہوئی یعنی جواب دوم کو صحیح فرمایا اور جواب دوم پر حاشیہ سے دستخط مولوی حبیب احمد صاحب نے

وضاحت کیلئے اور حاشیہ سے حضرت والا نے تائید کے واسطے لکھوایا فقط والسلام

احقر عبد الکریم گمتھلوی عفی عنہ

مورخہ ۲۳ ذیقعدہ سنہ ۵۳ھ

سسر نے دباؤ مار سے اس تحریر پر کہ تو میرے حکم اور مرضی کے بغیر گھر سے نکلیگا الخ (الی آخرہ) تو میری لڑکی کو تین طلاقیں ہوجائینگی الخ دستخط کرائے پھر شوہر اسکے مظالم سے تنگ آکر بغیر اجازت کے نکل گیا تو اسکی بیوی پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں۔

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس ذیل کے مسئلہ میں کہ سلطنت افریقہ میں ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اسکی رضا اور خوشی سے اور پھر عورت کے ساتھ عورت کے باپ کے گھر رہنے لگا اور بعد چند مدت کے عورت کے باپ کے ساتھ جھگڑا ہوا اور گھر سے نکل کر کوئی دوسری جگہ پر اکیلا رہنے لگا اور بعد چند مدت کے وہ مرد پھر عورت کے باپ کے گھر رہنے کیلئے آیا تب اس عورت کے باپ نے اس قسم کا ایک کاغذ لکھکر اسپر اس مرد کے دستخط کروائے کہ اگر تجھے تو میرے حکم اور مرضی بغیر میرے گھر سے نکلیگا اور میرے حکم اور مرضی کے بغیر کوئی کام کریگا یا کسی جگہ پر نوکری کریگا تو میری لڑکی کو تین طلاقیں ہوجائینگی اور اب اس مرد پر عورت کے باپ نے بہت ظلم کیا اور تکلیف دی تو وہ مرد بدون عورت کے باپ کے حکم اور مرضی کے گھر سے نکل کر دوسری جگہ پر اکیلا رہنے لگا اور نوکری کرنے لگا تو اب ایسی صورت میں عورت اس مرد کے نکاح میں رہ سکتی ہے یا نہیں اور اگر نہیں تو اسکی کیا دلیل ہے اور اگر رہ سکتی ہو تو اب کیا کرنے بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مسئولہ میں اس عورت پر تین طلاق واقع ہوچکیں خسر نے اس شخص پر جو ظلم کیا ہے اس کا گناہ خسر کے ذمہ رہیگا مگر اس ظلم کیوجہ سے جانیکا حکم طلاق کے بارے میں وہی رہیگا جو بلا ظلم جانے سے ہوتا کما هو مصرح فی کتب الفقه و نقل فی الفتاوی الهندیه عن الخلاصه وقوع الطلاق وفی آخره لان الاتیان مکرها او ناسیا او عامدا سواء فی تحقق الحنث فقط

واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

مورخہ ۳۰ ربیع الاول ۵۴ھ

نکاح سے قبل کابین نامہ میں لکھ کر اگر ہمارے تمہارے درمیان نکاح قائم رہتے ہوئے اگر ہم بلا اجازت تمہاری دوسری عورت کے ساتھ نکاح کریں تو اسکو طلاق ہے لیکن پھر شوہر بلا اجازت زوجہ اولیٰ کی موجودگی میں دوسرا نکاح کرے تو زوجہ ثانیہ پہ طلاق واقع ہوگی یا نہیں۔

(سوال) مخدوم و محترم دامت برکاتہم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

التماس ہے کہ ان دنوں ہمارے اطراف میں ایک مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہو رہا ہے واقعہ ہے کہ ملک بنگال میں گورنمنٹ کی طرف سے قاعدہ مقرر ہے کہ نکاح و طلاق دونوں کی جسٹری ہوتی ہے یعنی زوج اپنی زوجہ کو ایک کابین نامہ لکھ کر دیتا ہے اسی کی جسٹری ہوتی ہے اور اسمیں یعنی کابین نامہ میں بہت سی شرطیں ہوتی ہیں جسکے آخر میں وہ لکھتا ہے کہ اگر میں ان تمام شرطوں میں سے کسی ایک شرط کے بھی خلاف کروں تو میری زوجہ کو اختیار رہے کہ وہ اپنے نفس کو طلاق دیکر آزاد ہو جائے مجھے کوئی عذر نہیں ہوگا۔ فی الحال ایک نکاح ہوا ہے اور محفل عقد میں قبل نکاح ہونیکے زوج نے اولیائے مخطوبہ سے زبانی اقرار کیا اور کابین نامہ بھی لکھ کر دیا اس میں منجملہ تمام شرائطوں کے ایک شرط یہ بھی ہے کہ ہمارے تمہارے درمیان نکاح قائم رہتے ہوئے اگر ہم بلا اجازت تمہاری دوسری عورت کیساتھ نکاح کریں تو اس کو طلاق ہے۔ بعد اس اقرار کے عقد پڑھا گیا۔ نکاح ہونے کے کچھ دن بعد اُس نے ایک دوسری عورت سے نکاح کیا اور زوجہ اولیٰ سے اجازت نہیں لیا۔ اب علماء میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ بعض زوجہ ثانیہ کے مطلقہ ہونے کے قائل ہیں اور بعض نہیں۔ احقر نے بقدر اپنی استعداد کے موافق تحقیق کی مگر تشفی نہیں ہوتی بلکہ اور بھی الجھن بڑھ گئی۔ لہذا رفع شک کیلئے ملتمس ہے امید کہ اس تصدیعہ معاف فرمائینگے اور جواب شافی عنایت فرما دینگے

فتاوی عالمگیری میں لکھتے ہیں۔ رجل قال لاجنبیۃ ما دمت فی نکاحی فکل امرأۃ اتزوجها فهی طالق ثم تزوجها فتزوج علیها امرأۃ لا یقع۔ اس سے معلوم ہوا کہ وقت تعلیق معلق بہ کا موجود ہونا شرط ہے اور یہاں پر نکاح معلق بہ ہے وہ وقت تعلیق موجود نہیں لہذا زوجہ ثانیہ مطلقہ نہیں ہوگی۔ اور قاضی خان میں ایک جگہ پر دیکھا رجل قال ان تزوجت امرأۃ من بنات فلان فهی طالق ولیس لفلان وقت الیمین بنت ثم جاءت له بنت فتزوجها الی قالوا لا یحنث فی یمینه ویشترط قیام البنت وقت الیمین ولا یدخل

في اليمين ما يحدث بعد اليمين۔ اسکے بعد نظیر میں ایک مسئلہ اور بھی لائے ہیں اسکے بعد لکھتے ہیں۔ الا ان هذا الجواب يوافق قول محمدؒ۔ اما في قياس قول ابي حنيفةؒ وابي يوسفؒ يدخل في هذه اليمين ما كانت موجودة وقت اليمين وما يحدث بعده حتى لو حلف ان لا يكلم ابن فلان وليس لفلان ابن ثم ولد له ابن فكلمه الحالف يحنث في قول ابي حنيفة وابي يوسف رحمهما الله ولا يحنث في قول محمدؒ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام محمد صاحبؒ کے نزدیک وقت تعلیق معلق بہ کا ہونا ضروری ہے اور شیخین کے نزدیک ضروری نہیں، اب مسئلہ مستفسرہ میں امام محمدؒ کے قول سے تو زوجہ ثانیہ مطلقہ نہ ہوگی کیونکہ قبل نکاح یہ سبب شرطیہ ہوتی نہیں اور شیخین کے قول کیطرف نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ زوجہ ثانیہ مطلقہ ہوجائیگی اگرچہ وقت تعلیق نکاح نہیں ہوا تھا مگر نکاح ثانی کیوقت زوجہ اولی اسکے نکاح میں موجود ہے لہذا تعلیق صحیح ہوگی اور زوجہ ثانیہ مطلقہ ہوگی۔

قاضی خان فصل فی رسم المفتی میں لکھتے ہیں۔ وان كانت مختلفا فيها بين اصحابنا فان كان مع ابي حنيفةؒ احد صاحبيه يأخذ بقولهما لوفور الشرائط واستجماع ادلة الصواب فيها اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخین کے قول کو اس جگہ ترجیح ہوگی۔ اور زوجہ ثانیہ مطلقہ ہوجائیگی۔ لیکن عالمگیری سے جو جزئیہ نقل کیا وہ اس قدر صاف ہے کہ دوسری بات قبول کرنے میں الجھن پیدا ہوتی ہے۔ اسلئے آپکی طرف رجوع کیا تاکہ سیدھا راستہ دکھلادیں واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ المکلف خادم الطلباء ندوی ابوسعید محمد عبدالشہید عاتری ڈابھالوی۔

الجواب: مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپنے عالمگیریہ کے جزئیہ میں غور نہیں فرمایا۔ عالمگیریہ میں عبارت مذکورہ کے بعد یہ بھی لکھا ہے۔ ولو قال ان تزوجتك فما دمت في نكاحي فكل امرأة اتزوجها عليها والمسئلة بحالها يقع كذا في الوجيز للكردري (عالمگیری) اس سے معلوم ہوا کہ صورت اولی میں عدم وقوع طلاق کا سبب یہ ہے کہ اجنبیہ کے بقاء نکاح کو امرأة متزوجة علیہا کی طلاق کا مدار بنایا گیا ہے اور جب اس سے نکاح نہیں ہوا تو اسکے نکاح پر دوسری

عورت کے تزوج کو مرتب کیا گیا تو کلام لغو ہو گیا اور یہ بالکل ایسا ہے جیسا کوئی کسی عورت کو راستہ میں دیکھ کر یہ کہدے کہ اگر میں اس عورت کے اوپر کوئی اور نکاح کروں تو ثانیہ کو طلاق۔ یقیناً یہ کلام بالاتفاق لغو ہے کیونکہ وہ اجنبیہ نہ اسکے نکاح میں ہے نہ اُسکے نکاح پر دوسرے نکاح کو مرتب کیا گیا۔ اور صورت ثانیہ میں وقوع طلاق کا سبب یہ ہے کہ گو وہاں بھی عورت اولیٰ ہنوز اُسکے نکاح میں نہیں مگر اسکے نکاح پر دوسرے کے نکاح کا ترتب ظاہر کر کے ثانیہ کی طلاق کو معلق کیا گیا ہے یہ تعلیق صحیح ہے کیونکہ اس صورت میں ثانیہ کو اولیٰ کے لحاظ سے متزوج علیہا کہنا ہی صحیح نہیں۔

خلاصہ یہ کہ ثانیہ کو اس شرط سے طلاق دیگئی ہے کہ وہ متزوج علی الاولیٰ ہو اور متزوج علی الاولیٰ ہونا اسپر موقوف ہے کہ یا اولیٰ نکاح میں ہو یا اولیٰ کے نکاح پر ثانیہ کے نکاح کو مرتب کیا گیا ہو کیونکہ بغیر اسکے ثانیہ متزوج علی الاولیٰ نہوگی پس عالمگیریہ کے جزئیہ سابقہ میں عدم وقوع طلاق کا سبب کلام کا لغو ہونا ہے اور امام صاحبؒ اور محمدؒ میں جو اختلاف ہے وہ اس صورت میں ہے جبکہ کلام کے معنی صحیح ہوں کہ اجنبیہ کی طلاق کو خود اُسکے نکاح پر معلق کیا گیا ہو اس صورت میں یہ گفتگو ہے کہ اُس اجنبیہ کا وقت تعلیق کے موجود ہونا ضروری ہے یا نہیں اور صورت سوال میں اجنبیہ کے نکاح پر اُسکی طلاق کو معلق نہیں کیا بلکہ ثانیہ کی طلاق کو اس بات پر معلق کیا گیا ہے کہ وہ اولیٰ کے اعتبار سے متزوج علیہا ہو اور جب اولیٰ خود منکوحہ نہیں نہ کلام میں اُسکے نکاح پر ثانیہ کا نکاح مرتب ہے تو ثانیہ کو متزوج علی الاولیٰ کہنا غلط ہے، فافہم واللہ تعالیٰ اعلم۔

ظفر احمد عفا عنہ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۲۹ رشوال س۴۲ھ

طلاق معلق سے بچنے کا حیلہ (سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے غصہ میں اپنی منکوحہ سے یہ کہا کہ اگر تو اپنے باپ کے گھر جاویگی تو تجھے تین طلاق ہیں اور اب تک وہ اپنے باپ کے گھر نہیں گئی۔ اب دریافت کرنا ہے کہ کوئی صورت ایسی بھی ہے کہ وہ اپنے باپ کے گھر چلی بھی جایا کرے اور طلاق نہ پڑے فقط والسلام

احمد حاجی موسیٰ ڈابھیلی

الجواب: صورت مسئولہ میں حیلہ یہ ہے کہ شوہر اپنی اس بیوی کو ایک طلاق

بائن دیدے اور عدت طلاق گزر جانے پر عورت اپنے باپ کے گھر چلی جاوے تو اس جانے سے طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ وہ اس وقت نکاح میں نہیں ہے اور اس جانے سے طلاق معلق کی تعلیق ختم ہوجائے گی کیونکہ کوئی لفظ تعلیق میں تکرار فعل پر دال نہیں نہ استمرار زمان پر اسکے بعد شوہر اس عورت سے نکاح کی تجدید کرے اب نکاح میں آنے کے بعد بھی وہ اپنے باپ کے یہاں آمدورفت کر سکے گی لانحلال الشرط قال فی الہندیۃ اذا حلف بثلث تطلیقات ان لا یکلم فلانا فالسبیل ان یطلقہا واحدۃ بائنۃ ویدعہا حتی تنقضی عدتہا ثم یکلم فلانا ثم یتزوجہا کذا فی السراجیۃ ([illegible]) واللہ تعالیٰ اعلم۔

ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔

۱۰ ذیقعدہ [illegible] تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ۔

حکم تعلیق طلاق زوجہ ثانیہ بحیات زوجہ اولیٰ۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین صورت مسئولہ مندرجہ ذیل کے بارے میں کہ عمرو علی رواج کے مطابق برات بکر زید کے پاس گیا تو زید نے کہا کہ بغیر تحریر سند طلاق اضافی کے عمرو کو نکاح دختر نہیں دونگا۔ متعاقب چند قیل وقال کے عمرو نے ایک کاتب کو سند تحریر کرنے کی اجازت دی جو صرف بحرف ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

من کہ علی افسر شاہ ولد عبدالحمید شاہ قوم سید شیدی ساکن ترنگ تحصیل بکرآباد کا ہوں۔ چونکہ اس وقت ساتھ قائم عقل وحواس خمسہ یہ سند ہوئی جان دختر زید ولد شاہ ساکن موضع بیلیٹری والی کی زیر نکاح خود لا کر تحریر کر دیتا ہوں کہ اگر درمیان حیات مذکورہ کوئی دیگر عورت نکاح کروں تو تین طلاق سے طلاق ہوگی وہ عورت شاہد بسند مذکورۃ الصدر میں زید اور عمرو کا تخالف باہم موجود ہے کہ زید کا دعویٰ ہے کہ ہوئی جان کی تمام زندگی میں علی افسر شاہ دوسری عورت سے نکاح نہیں کر سکتا اگرچہ ہوئی جان کو طلاق ہی دیدے۔ کیونکہ الفاظ مذکورہ صریح ہیں۔ اور زید در مختار کی اس عبارت کو بھی بطور استدلال پیش کرتا ہے: لان الایمان مبنیۃ علی الالفاظ لا علی الاغراض۔ در مختار۔ وفی رد المحتار علی ہذا القول لامرأتہ کل امرأۃ تزوجہا بغیر اذنک فہی طالق فطلق امرأتہ طلاقا بائنا او ثلاثا ثم تزوج بغیر اذنہا طلقت لانہ لم یتقید یمینہ ببقاء النکاح اھ۔ اور عمرو کا دعویٰ ہے کہ اگر ہوئی جان کو علی افسر شاہ طلاق دیدے دوسری عورت سے نکاح کرے روا ہے عمرو کی حجت دو مفتی صاحبان کا فتویٰ ہے۔ ایک مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ سند میں جو کچھ لکھا ہے وہ لفظ بقاء نکاح کا فائدہ دیتا ہے اور یہ جو لفظ ہے کہ تین طلاق ہوگی یہ اس کا کنایہ ہے جیسے وطلقت امرأتی من ثلاث تطلیقات۔ اور من تبعیضیہ ہے جس حیات والی ترکیب ہے ترکیب اضافی ہے ترکیب اضافی چنداں مفید نہیں ہوا کرتی ــــــ ۔ ۔ ۔ دوسرے مفتی صاحب حین حیات کے لفظ پر صاحب ہدایہ وغیرہ کتب فقہ کی تقریر جو لفظ حین پر ہے درج بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لفظ حین کی صورت میں یہ حلف چھ ماہ میں ختم ہو جائے گا اور جزئیت کہیں گیا اور در مختار کے ان جزئیات کو بھی بطور استشہاد پیش کرتے ہیں جیسے لا یکلمہ ملک درج۔ میں حالف کے حلف مستقل کی دو نیت کے ساتھ مقید ہے اسی طرح علی افسر شاہ

کی یہ حلف بھی بیوی جان کے نکاح کے ساتھ مقید ہے جس طرح حلف کفیل کے اس شہر سے بدون اذن مکفول لہ کے نہ نکلونگا بقائے دین وکفالہ کے ساتھ مقید ہے اسیطرح علی اقسر شاہ کے بھی بنکاح بیوی جان مقید ہے اور مدار یمین کا عرف پر ہوتا ہے جیسے درمختار میں ہے جلد ۲ ص ۱۹۱ ومدار الیمین علی العرف ۔ بینوا و توجروا ۔

الجواب: جس شخص نے حین حیات میں لفظ «حین» کو چھ ماہ پر محمول کیا ہے اس نے بالکل غلط کہا کیونکہ لفظ «حین» کا چھ ماہ کیلئے ہونا لغت عربیہ کے ساتھ مختص ہے اور وہ بھی اس وقت جبکہ لفظ حین مطلق ہو جیسے یوں کہے «واللہ افعل کذا الی حین» اور جبکہ مضاف ہو تو اس صورت میں کوئی اس کا قائل نہیں کہ لفظ «حین» چھ ماہ کیلئے ہے جیسے لا اکلمک حین شبابک مثلاً۔ اور لغت فارسیہ وغیرہ میں اس لفظ کا چھ ماہ کیلئے ہونا مسلم نہیں۔ اور جس شخص نے لفظ «حین حیات» کی وجہ سے مطلقاً وقوع طلاق علی الزوجۃ الثانیۃ کا فتوی دیا ہے اس کا قول قضاءً صحیح ہے کیونکہ ظاہر اس لفظ سے یہی ہے کہ وقوع طلاق علی الثانیہ بیوی جان کی حیات پر معلق ہے نہ کہ بقاء زوجیت پر۔

البتہ اگر علی اقسر شاہ اس امر کا دعوی کرے کہ میں نے «حین حیات» سے تا وقت حین حیات او در نکاح من کی نیت کی تھی تو وہ حلف واثق کے ساتھ اس نیت کو بیان کرے تو جواب میں دوبارہ غور کیا جائے گا۔ واللہ تعالی اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

۸ جمادی الاول ۴۳ھ

شوہر کہے واپسی زیور کی شرط پر طلاق دونگا، بیوی اسپر رضامند ہو گئی تو شوہر نے محرر سے دو طلاق لکھوائے اگر بیوی زیورات شوہر کے حوالہ نہ کرے تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ شخصے مسمی عبدالرحمن بحضور مجلس ثبوت عقل بلاجبر واکراہ اپنی بیوی سے خانگی معاملات میں ناراض ہوکر بلکہ بیوی کے اصرار سے مرد نے محرر کو کہا «دو طلاق دونگا بشرطیکہ زیورات مجھے دینے پر رضامند ہو» تو بیوی نے کہا کہ میں زیورات سب دیدونگی یعنی بیوی زیورات دینے پر راضی ہو گئی یعنی قبول کیا تو شخص مذکور نے محرر کو کہا «دو طلاق لکھو» تو محرر نے اسکی اجازت سے دو طلاق لکھدی

اب اس کے بعد عورت نے زیورات مرد کے حوالہ نہ کیے پس صورت مسئولہ میں شرعاً طلاق واقع ہوگی یا نہیں ؟

اب عرض یہ ہے کہ صورت مسئولہ عنہا میں اس دیار کے علماء کا اختلاف ہے : بعض کا یہ قول ہے کہ طلاق نہ ہوگی چونکہ یہ تعلیق بالشرط ہے اور شرط معدوم ہے اسلئے مشروط بھی معدوم "اذا فات الشرط الخ" یعنی شرط حوالہ زیور کو قرار دیتے ہیں، اور یہ بھی قول ہے کہ لکھوانے سے طلاق واقع نہ ہوگی دلیل یہ پیش کرتے ہیں "لو أمره علی ان یکتب صدق امرأته فکتب لا تطلق لان الکتابة اقیمت مقام العبارة باعتبار الحاجة ولا حاجة هنا" ـــــــ اور دوسری جماعت علماء کا یہ خیال ہے کہ لکھوانے سے بھی طلاق واقع ہوتی ہے، "کما قال الشامی"، "ولو قال للکاتب اکتب طلاق امرأتی کان اقرارا بالطلاق وان لم یکتب"، اور دوسری وجہ وقوع طلاق کی یہ ہے کہ مرد کا قول جو طلاق لکھوا کر زیور دینے پر رضامند ہوا اسمیں صرف قبول مرأۃ پر طلاق واقع ہوگی کیونکہ شرط پائی گئی، مشروط بھی مرتب ہونا چاہیے کیونکہ عورت رضامند ہوگئی تھی اگرچہ حوالہ نہ کیا ہو، "کما فی البحر نقلا عن الخانیة: ولو قال لامرأته انت طالق علی ان تعطینی الفی درهم فقالت قبلت تطلق للحال وان لم تعط الفا۔ وکذا فی الشامی واذا قال لها علی ان تعطینی کذا فهو تعلیق علی فعل مستقبل صالح للمعاوضة فیشترط قبولها البدل لما الی المال فصار کانه علقه علی القبول لانه به یحصل غرضه من الطلاق بعوض وتطلق بالقبول وان لم تعطه فی الحال" ـــــــ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قبول مرأۃ کو شرط قرار دیا ہے چونکہ شرط قبول مرأۃ پائی گئی اسلئے جزاء یعنی وقوع طلاق بھی مرتب ہوگا اور حوالہ زیور شرط نہیں۔ کما ظهر من عبارة المرقومة۔

اب جناب عالی کی خدمت میں عرض یہ ہے کہ کون سے فریق حق پر ہے وہ قلم تحریر فرمادیں، اگر عدم وقوع والا حق پر ہے تو ان دلائل کا کیا جواب ہوگا جو فریق ثانی نے وقوع طلاق پر پیش کیا؟ فقط والسلام

سائل عبدالکریم از سنزری پرائمری اسکول۔
علاقہ بوتھیدنگ ضلع اکیاب۔

تنقیح :- وہ تحریر بجنسہ یا اسکی نقل بھیجی جائے جو عمرو نے شوہر کے حکم سے لکھی ہے اس کے بعد حکم بتلایا جائیگا۔ یہ تحریر بھی واپس کی جائے فقط۔

ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون
۲۴ ربیع الاولیٰ سنہ ۳ھ۔

جواب تنقیح :- حسب تحریر جناب عالی نقل طلاق نامہ روانۂ خدمت ہے جو حسب ذیل ہے :-

نقل طلاق نامہ :- باعث تحریر یہ ہے کہ میں عبدالرحمٰن بن فلاں باشندہ مقام فلاں اقرار کرتا ہوں چونکہ میری بیوی ہندہ اپنے زیور وغیرہ مجھے دیدینے پر رضامند ہوگئی ہے اسلئے میں دو طلاق دیکر طلاق نامہ کا کاغذ دے رہا ہوں تاکہ عندالعدالت مجھے دعوی کا حق نہ رہے۔

دستخط عبدالرحمٰن طالق

اب حضور والا سے درخواست ہے کہ تحریر فرمادیں کہ قائل بالوقوع کا قول صحیح ہے یا قائل عدم وقوع کا۔ والسلام۔

الجواب :- صورت مسئولہ میں عورت پر دو طلاق واقع ہوگئی ہیں۔ بالدلائل التی ذکرھا السائل واما قول من قال ان الطلاق لم یقع بدلیل ما فی الشامیۃ وغیرہ "فلو اکرہ علی کتابۃ الطلاق الخ" فقد سہا سہواً بیناً۔ فان الجزئیۃ المذکورۃ انما ھی فی الاکراہ ولا اکراہ ھنا۔ واما قولہما ان الطلاق معلق فغلط ایضاً لفقدان حرف الشرط فی قولہ "دو طلاق لکھو" وفی طلاق نامۃ التی امر بکتابتھا وانما کان الشرط قبل ذلک ولا عبرۃ بہ حیث لم یقید ایقاعہ بہ فافھم واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
۵ر جمادی الاول سنہ ۳۸ھ

فصل

فی طلاق المریض و الصبی و السکران و المجنون

"القول المنقوش فی حکم طلاق المدھوش"

یعنی مدہوش کی طلاق کا حکم

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ (۱) زید نے اپنی منکوحہ کو غصہ کی حالت میں یہ کہا کہ میں نے تجھکو تین طلاق دی، تو مجھ سے پردہ کرے، اس صورت میں تین طلاق پڑیں گی یا ایک؟ ہندوستان میں فرقہ غیر مقلدین کے نزدیک ان لفظوں سے صرف ایک طلاق ہوتی ہے آیا اس قول پر فتوی دینا یا ضرورت کے وقت اس پر عمل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) زید نے بعد میں یہ دعوی کیا کہ میں نے غصہ میں مغلوب العقل ہو کر طلاق دی تھی، مغلوب العقل جس کی طلاق شرعا واقع نہیں ہوتی کسے کہتے ہیں اور طلاق دیکر کوئی شخص مغلوب العقل ہونیکا دعوی کرنے لگے تو اس دعوی کے قبول ہونیکی کیا شرائط ہیں؟

(۳) ایسی صورت میں عورت مطلقہ کیلئے شرعا کیا حکم ہے؟ آیا اسکو شوہر کے اس دعوی کا قبول کرنا اور اس کے نکاح میں رہنا جائز ہوگا یا نہیں؟ بینوا وفقکم اللہ للامر الصواب و لکم عند اللہ جزیل ثواب۔

الجواب:- (۱) صورت مذکورہ میں آئمہ اربعہ و جماہیر سلف و خلف کے نزدیک تین طلاق واقع ہوگئیں اور منکوحہ زید اس پر حرام ہوگئی اب بدون تحلیل کے ہرگز اس کیلئے جائز نہیں ہوسکتی۔ اور ان لفظوں سے ایک طلاق واقع ہونیکا فتوی بجز گمراہ شخص کے کوئی نہیں دے سکتا فقہاء حنفیہ نے تصریح کی ہے کہ اگر قاضی اسلام تین طلاق کے ایک ہونیکا فیصلہ کردے تو اسکی قضاء باطل ہے حالانکہ مسائل مجتہد فیہا میں قضاء قاضی سے ایک جانب راجح ہوجاتی ہے مگر اس صورت میں خود قضاء باطل ہوجاتی ہے کیونکہ اس مسئلہ میں جن لوگوں نے جمہور امت کا خلاف کیا ہے فقہاء نے انکے خلاف کا اعتبار نہیں کیا کیونکہ بوجہ اجماع منعقد ہوجانے کے اس مسئلہ میں اجتہاد

کی گنجائش نہیں رہی۔

قال فی عمدة ارباب الفتوی (ص ۳۳) لا ینزل قوله لها انت طالق ثلاثاً طلقة واحدة ولا یفتی بهذا الغی إلاّ من اضله الله تعالیٰ والواقع ثلاث طلقات وقد بانت بینونة کبری لا تحل له الا بعد زوج آخر اھ

وفی رد المحتار:۔ (ص ۵۸۸ ج ۲) وذهب جمهور الصحابة والتابعین ومن بعدهم من آئمة المسلمین الی انه یقع ثلاث (الی قوله) وقد ثبت النقل عن اکثرهم صریحاً بایقاع الثلاث ولم یظهر لهم مخالف فماذا بعد الحق الا الضلال وعن هذا قلنا: لو حکم حاکم بانها واحدة لم ینفذ حکمه لانه لا یسوغ الاجتهاد فیه فهو خلاف لا اختلاف اھ

وقال الامام النووی فی شرح مسلم (ص ۴۷۸ ج ۱) قد اختلف العلماء فیمن قال لامرأته انت طالق ثلاثاً فقال الشافعی ومالک وابی حنیفة واحمد وجماهیر العلماء من السلف والخلف یقع الثلاث اھ

اور جس حدیث سے غیر مقلدین نے وقوع طلاق واحدہ پر استدلال کیا ہے اسکو محقق ابن ہمام نے منسوخ بتلایا ہے اور امام نووی نے بعض کا ضعیف ہونا اور بعض کا مؤول ہونا ثابت کیا ہے لہذا غیر مقلدین کے فتویٰ پر اس صورت میں عمل کرنا ہرگز درست نہیں اور یہ ایسا فتویٰ ہے جو تصریحات علماء حنفیہ کے موافق سراسر گمراہ ہے۔ فماذا بعد الحق الاّ الضلال۔

(۲) مغلوب العقل جس کی طلاق واقع نہیں ہوتی وہ ہے کہ جس کی عقل غصہ یا خوف وغیرہ کی وجہ سے جاتی رہی ہو۔ اور اس سے باتیں بہکی بہکی صادر ہونے لگیں اور مجنونوں جیسے افعال ظاہر ہونے لگیں جیسا کہ بعض لوگ غصہ میں برتن توڑنے پھوڑنے اور دیوار وغیرہ میں سر مارنے لگتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ جو شخص غصہ وغیرہ میں ایسا ہوش باختہ ہو جائے کہ اس پر جنون کے آثار پائے جانے لگیں وہ شرعاً مدہوش ہے اور ایسے مغلوب العقل کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

قال فی الفتاوی الکاملیة: (ص ۲۸) سئلت عن المدهوش هل یعتبر طلاقه فاجبت بان المحقق الرملی رفع الیه سوال عن المدهوش هذا

لفظه سئل فی طلاق المدهوش هل هو واقع ام لا وما تعیین المدهوش وهل القول قوله فی الدهش فاجاب عنه بقوله صرح فی التتارخانیة نقلاً عن شرح الطحاوی بعدم وقوع طلاق المدهوش وکذا المحقق ابن الهمام فی فتحه وکذلک المرحوم العلامة الغزی فی متنه تنویر الابصار: واعلم انهم اجمعوا علی ان غیر العاقل لا یقع طلاقه الا اذا کان زوال عقله بسبب السکر مما هو معصیة فانه یقع طلاقه زجراً له عندنا فدخل فی غیر العاقل کل من زال عقله بجنون او عته او برسام او اغماء او دهش والجنون داء معروف (الی ان قال) والدهش ذهاب العقل من ذهل او وله (الی ان قال) والمدهوش هو الذاهب العقل بسبب احدهما فاذا علمت ذلک علمت التسویة فی الحکم بین طلاق المجنون وبین طلاق من ذکر والمجنون اذا عرف انه جن مرة فطلق وقال ما وقع الجنون فتکلمت بذلک وانا مجنون ان القول قوله بیمینه وان لم یعرف بالجنون مرة لم یقبل قوله کما فی النهایة و التتارخانیة وغیرها فظهر لک من هذا بان المدهوش ان عرف منه الدهش مرة فالقول قوله بیمینه وان لم یعرف لم یقبل قوله قضاءً الا ببینة اذ الثابت بالبینة کالثابت عیاناً اما دیانةً فیقبل لانه اخبر بنفسه اهـ قلت: ولا یفتی فی ذلک بالدیانة لما ثبت ان المرأة فی حکم الطلاق کالقاضی لا یحل لها ان تصدق الزوج فیما یخالف الظاهر ولا یحل لها ان تمکنه من نفسها اذا علمت منه ذلک کما سیأتی۔

اس عبارت سے مغلوب العقل یعنی زوال عقل وذہاب عقل کا شرط ہونا اور اس کا

ے قال فی عدة ارباب الفتوی (ص ۴۲ ج ۱) وما لا یصدق فیه المرء عند القاضی لا یفتی فیه کما لا یقضی فیه وقال فی شرح نظم النقایة وحیث لا یدینه القاضی کذلک اذا سمعته منه امرأته او شهد به عندها عدول لا یسعها ان تدینه لانها کالقاضی لا تعرف منه الا الظاهر انتهی ۱۲ منه -

مجنون کے مشابہ ہونا صاف مصرح ہے۔

وقال فی رد المحتار (ص... ج ۲) وللحافظ ابن القیم الحنبلی رسالۃ فی طلاق الغضبان قال فیہا: انہ علی ثلاثۃ اقسام احدھا ان یحصل لہ مبادی الغضب بحیث لا یتغیر عقلہ ویعلم ما یقول ویقصدہ وھذا لا اشکال فیہ۔ الثانی: ان یبلغ النہایۃ فلا یعلم ما یقول ولا یریدہ فہذا لا ریب انہ لا ینفذ شیٔ من اقوالہ۔ الثالث: من توسط بین المرتبتین بحیث لم یصر کالمجنون فہذا محل النظر والادلۃ تدل علی عدم نفوذ اقوالہ اھ ملخصاً من شرح الغایۃ الحنبلیۃ لکن اشار فی الغایۃ الی مخالفتہ فی الثالث حیث قال ویقع طلاق من غضب خلافا لابن القیم اھ وھذا الموافق لما عندنا کامر فی المدھوش اھ

اس میں تصریح ہے کہ غصہ کے تین درجے ہیں،

ایک یہ کہ: غصہ کے ابتدائی آثار پیدا ہوں اور اسکی عقل متغیر نہ ہو اور جو بات وہ کہتا ہے اسکو جانتا ہے اور ارادہ سے کہتا ہے اسکی طلاق بلا شبہ واقع ہے۔

دوسرے یہ کہ: غصہ انتہا کو پہنچ جائے حتی کہ اسکو یہ بھی خبر نہ رہے کہ اسکی زبان سے کیا نکل رہا ہے اور قصد و ارادہ بھی باقی نہ رہے (الغرض مجنون کی طرح ہو جائے) اسکی طلاق بلا شبہ واقع نہیں ہوتی۔

تیسرے یہ کہ: اسکی حالت ان دونوں درجوں کے بین بین ہو کہ مجنون کی طرح نہ ہوا ہو حنفیہ کے نزدیک اسکی طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے، وبہ قالت الحنابلۃ ولم یعتبروا بقول ابن القیم فی ذالک، اس کے بعد علامہ شامیؒ نے اپنی ایک رائے ظاہر کی ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ مغلوب العقل کی طلاق واقع نہ ہونے میں یہ شرط میرے نزدیک ضروری نہیں کہ اسکو اپنی بات کی خبر نہ رہے کہ میں کیا کہہ رہا ہوں اور نہ یہ ضروری ہے کہ ارادہ و قصد بھی باقی نہ رہے بلکہ صرف اتنا کافی ہے کہ اس سے غصہ میں بہکی بہکی باتیں صادر ہونے لگیں اور بے ڈھنگا پن اقوال میں ظاہر ہو۔

ونصہ والذی یظہر لی ان کلا من المدھوش والغضبان لا یلزم فیہ ان یکون بحیث لا یعلم ما یقول بل یکتفی فیہ بغلبۃ الھذیان و

اختلاف الجد بالهزل کما هو المفتی به فی السکران علی ما مر ولا ینافیه تعریف المدهش بذهاب العقل فان الجنون فنون اھ (ص ۱۰۱ ج ۲)

لیکن یہ علامہ شامیؒ کی ذاتی رائے ہے فتویٰ نہیں ہے کیونکہ اوپر انکے کلام سے معلوم ہو چکا ہے کہ قسم ثالث میں حنفیہ کے نزدیک طلاق واقع ہو جاتی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ مذہب حنفیہ میں مغلوب العقل کی طلاق واقع نہ ہونے کیلئے عدم شعور وعدم ارادہ بھی شرط ہے اور آگے چل کر علامہ شامیؒ نے اپنی اس رائے پر خود ہی اشکال قوی بھی وارد کیا ہے جس کا جواب بہت تکلف کرکے دیا ہے۔

ونصه نعم یشکل علیه ما سیأتی فی التعلیق من البحر وصرح به فی الفتح والخانیة وغیرهما وهی لو طلق فشهد عنده اثنان انك استثنیت وهو غیر ذاکر ان کان بحیث اذا غضب لا یدری ما یقول یقع طلاقه والا فلا حاجة الی الاخذ بقولهما انك استثنیت وهذا اشکل جدا اھ

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حنفیہ کے نزدیک غلبۂ غیظ کیلئے عدم شعور شرط ہے اور علامہ شامیؒ نے جو اسکو سکران پر قیاس کرکے محض ہذیان اور خلل افعال کو کافی سمجھا ہے درحقیقت یہ قیاس مع الفارق ہے لان السکر مزیل للعقل عادة فیحکم بوجود القرائن بزوال العقل بخلاف الغضب ونحوه فانه لیس بمزیل للعقل عادة فلا یحکم فیه بزواله الا بقرینة قویة وهو ان یکون بحیث لا یدری ما یقول ویبقی عدیم الشعور وایضا فان طلاق السکران یقع عندنا زجرا له وطلاق المدهوش لا یقع فقیاس احدهما علی الآخر غیر صحیح فان الطلاق الصادر عن المکلف لا یحکم بعدم وقوعه الا اذا تحقق انه صار کالمجنون ——— اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ فتویٰ منقول پر ہوا کرتا ہے کسی مصنف کی رائے پر فتویٰ نہیں دیا جا سکتا۔ الا اذا ظهر تائیده بالمنقول۔ اور تمام کتب فتاویٰ میں مدہوش کی تعریف میں زوال عقل و ذہاب عقل وغیرہ الفاظ اسپر دال ہیں کہ عدم شعور بھی اسمیں شرط ہے۔

قال فی تنقیح الفتاوی الحامدیة (ص ۳۸) الدهش هو ذهاب العقل من ذهل او وله وقد صرح فی التنویر والتاتارخانیة وغیرها بعدم وقوع

طلاق المدهوش فعلی هذا حیث حصل للرجل دهش زال به عقله وصار لا شعور له لا یقع طلاقه و القول قوله بیمینه ان عرف منه الدهش و ان لم یعرف منه لا یقبل قوله قضاءً الا ببینة کما صرح بذالک علماء الحنفیة اھ۔

اس میں لفظ "صار لا شعور له" بالکل صاف ہے اور علامہ شامیؒ نے تنقیح میں اس پر کلام نہیں کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکے نزدیک فتوی اسی پر ہے کہ مغلوب العقل بے شعور ہونا بھی شرط ہے کیونکہ یہ کتاب علامہ شامیؒ کی ردالمحتار کے بعد کی تصنیف ہے پس ردالمحتار میں جو رائے مذکور ہے وہ فتوی نہیں۔ بلکہ محض ایک عالمانہ بحث ہے اور فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ابحاث ابن ہمام میں فتوی نہیں دیا جا سکتا حالانکہ وہ مثل مجتہد ہیں پس دوسروں کی رائے اور بحث پر فتوی کیونکر ہو سکتا ہے پس جب کوئی شخص طلاق کے بعد مغلوب العقل ہونیکا دعوی کرے اس کے قبول ہونیکے لئے سب سے اول شرط یہ ہے کہ طلاق دینے کے وقت غلبہ عقل اور دہشت کی جو علامتیں اوپر مذکور ہوئی ہیں یعنی بہکی بہکی باتیں کرنا، افعال میں بے ڈھنگا پن ظاہر ہونا وغیرہ وغیرہ پائی گئی ہوں اور وہ یہ دعوی کرے کہ میری زبان سے طلاق کا لفظ بے خبری میں نکل گیا تھا میں نے اس کا ارادہ و قصد نہ کیا تھا اور نہ مجھے شعور تھا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں دوسرے یہ کہ قبل طلاق سے پہلے بھی اسکو ایسا واقعہ پیش آ چکا ہو کہ وہ غصہ میں خارج از عقل ہو جاتا ہو اور لوگ اسکو جانتے ہوں اس صورت میں قاضی شرعی شوہر سے قسم لیکر اسکی بات کو قبول کرے اور عدم وقوع طلاق کا حکم کردے اور اگر پہلے کبھی اسکو ایسا واقعہ پیش نہیں آیا یا آیا مگر لوگ نہیں جانتے کہ غصہ میں یہ شخص خارج از عقل ہو جاتا ہے تو اس صورت میں قاضی بدون گواہوں کے شوہر کا یہ دعوی قبول نہ کرے کہ میں مغلوب العقل تھا وقد مرت دلائله فیما مر عن الکاملیة و الفتاوی الحامدیة اس پر تنبیہ ضروری ہے کہ شوہر سے قسم یا گواہ دونوں حالتوں میں قاضی شرعی یا حکم لیگا۔ غیر قاضی حکم کے سامنے قسم کھا لینے یا گواہ قائم کر دینے اور اسکے فیصلہ کر دینے سے کچھ نہ ہوگا نہ بیوی اسکے لئے حلال ہوگی نہ وہ شرعاً مدہوش مانا جائیگا۔

قال فی الدر: قیدنا بتحلیف الحاکم لانهما لو اصطلحا علی ان

یحلف عند غیر قاض و یکون بریئا فهو باطل لان الیمین حق القاضی مع طلب الخصم ولا عبرة لیمین ولا نکول عند غیر القاضی اھ (ص ۲۵۲ - ج ۳)

وفی الهندیة: ولو حلف بطلب المدعی یمینه بین یدی القاضی من غیر استحلاف القاضی فهذه الیمین بتحلیف فان التحلیف حق القاضی. کذا فی القنیة و هکذا فی البحر اھ (ص ۱۰ - ج ۵) ——— قلت: واشتراط تعیین القضاء فی البینة لا یخفی علی احد. قلت: ولکن یکفی تحلیف المرأة ایاه کما ذکروه فی باب الکنایات قال فی الدر: ویکفی تحلیفها له فی منزله فان ابی رفعته للحاکم فان نکل فرق بینهما مجتبی اھ قال الشامی فان نکل ای عند القاضی لان النکول عند غیره لا یعتبر (ص ۴۷۳ ج ۲)

(۲) عورت کیلئے اس صورت میں حکم یہ ہے کہ وہ شوہر کے اس دعویٰ کو قبول نہ کرے کیونکہ مغلوب العقل ہونا قبل از یں حالت سے خلاف ظاہر ہے اور امور مخالف للظاہر میں عورت بمنزلہ قاضی کے ہے کہ جس طرح قاضی کو اسکی تصدیق جائز نہیں اسی طرح عورت کو بھی تصدیق جائز نہیں۔ پس وہ یہی سمجھے کہ مجھ کو تین طلاق دیدی گئیں اور اب میں اسکے لئے حلال نہیں۔ اور جب تک قاضی شرعی قسم لیکر یا گواہ لیکر یہ فیصلہ کردے کہ زید مغلوب العقل تھا اور اسکی طلاق واقع نہیں ہوئی اس وقت تک عورت کو اپنے اوپر زید کو قدرت دینا قطعاً حرام ہے۔

قال فی تنقیح الفتاوی الحامدیة (ص ۲۸ ج ۱) وقال فی الخانیة لو قال انت طالق انت طالق انت طالق وقال اردت به التکرار صدق دیانة وفی القضاء طلقت ثلاثا اھ۔ ومثله فی الاشباه والحمویة وزاد الزیلعی ان المرأة کالقاضی فلا یحل لها ان تمکنه اذا سمعت منه ذلک او علمت به لانها لا تعلم الا الظاهر اھ واللہ اعلم وعلمه اتم واحکم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۴ ربیع الثانی سنہ ۴۵ھ

عقل زائل ہو جانے کی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوتی

(سوال) ایک شخص کی والدہ نے اسکی زوجہ کو بجہد گالی دی لہٰذا اس نے کہا کہ اے والدہ! آپ کیوں مفت میں گالی دیتی ہیں۔ بمجرد ادا اس جملہ کا اس گفتگو پر اسکی والدہ نے شام کو اسکے والد صاحب کو کہا تمہارا لڑکا مجھے ایسی ویسی کہتا ہے ازیں وجہ اسکے والد اور والدہ اور چچا وغیرہ سب نے ملکر اسکو

مارنا شروع کیا اس حالت میں اس کے منہ سے مارے سالہ جا تین طلاق۔ نکلا تب اس سے پوچھا گیا تم نے طلاق کس کو دی؟ اس نے جواب دیا میں نے تو طلاق کسی کو نہ دی اور میرے منہ سے کیا نکلا معلوم بھی نہیں ہوا بسبب مار کے بے ہوش تھا ہنوز اسکی زوجہ اس صورت میں مطلقہ ہوگی یا نہ ہوگی؟

الجواب: قال فی العالمگیریۃ: ولو زال عقلہ بالضرب او ضرب ھو علی راسہ حتی زال عقلہ وطلق لا یقع طلاقہ کذا فی فتاوی قاضی خان اھ (ص ۵۵ ج ۲)

صورت مسئولہ میں اگر شخص مذکور کی عقل ضرب سے زائل ہوگئی تھی جیسا کہ وہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں بسبب مار کے بیہوش تھا تو اسکی طلاق زوجہ پر واقع نہیں ہوئی۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ ۲۶ صفر ۴۳ھ

نابالغ کی طلاق کا حکم

(سوال) ایک مسئلہ دریافت کرتا ہوں فقہ کی کتابوں میں طلاق نابالغ کے عدم جواز کو تحریر کرتے ہیں مگر سرخسی کی ایک روایت جو مسلم الثبوت کے اخیر صفحات پر اور (شامی ج ۲۔ ص ۳۹۰) باب نکاح الکافر وغیرہ میں نقل کرتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ عند الحاجۃ نابالغ کی طلاق صحیح ہے اس عند الحاجت سے عام مراد ہے یا صرف ارتداد اور مجبوب کی صورت کی تخصیص ہے جواب سے مشرف فرمائیں گے یہ روایت سرخسی کی شامی ج ۲۔ ص ۳۹۰ پر موجود ہے مسلم الثبوت مجتبائی کے اخیر میں بھی ہے۔ فقط والسلام۔

بندہ عبد الشکور مدرس مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور

الجواب: شامی اور درمختار کی پوری عبارت میں غور نہیں کیا گیا اس سے خود معلوم ہو رہا ہے کہ ابتداءً صبی کی طلاق واقع نہیں ہو سکتی ہاں، جب ضرورت کے وقت قاضی صبی میں اور اسکی بیوی میں تفریق کردے تو اس وقت یہ تفریق طلاق شمار ہوتی ہے۔

حتی اذا تحققت الحاجۃ الی صحۃ ایقاع الطلاق من جھتہ لدفع الضرر کان صحیحا فاذا اسلمت زوجتہ وابی فرق بینھما وکان طلاقا عند ابی حنیفۃ ومحمد رحمھما اللہ واذا ارتد والعیاذ باللہ وقعت البینونۃ وکان طلاقا عند محمد الی ان قال وحاصلہ انہ کالبالغ فی وقوع الطلاق

منہ بھذہ الاسباب الا انہ لا یصح التقاعد منہ ابتداء للضرر علیہ و مسئلۃ المجنون اھ (ص ۶۴۹ ج ۲)

اس سے صاف معلوم ہوگیا کہ یہ حکم انہی صورتوں کے ساتھ مخصوص ہے جہاں ضرورت کی وجہ سے قاضی کو تفریق بین الصبی والمجنون وبین زوجتھما کا اختیار دیا گیا ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ محشی جواز طلاق من الصبی ابتداءً کے قائل ہیں ورنہ لازم آئیگا کہ جواز طلاق مجنون کے بھی وہ قائل ہوں ولم یقل بہ احد واللہ اعلم۔

وصرح الشامی فی باب الطلاق (ص ۶۷۹ ج ۲) بتخصیص ھذا الوقوع بالارتداد والجب وفی محشی الدر وجوزہ احمد اھ۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۲۹ جمادی الثانی سنہ ۴۷ھ

نابالغ نہ خود طلاق دے سکتا ہے نہ اس کا ولی دے سکتا ہے

سوال: زید نے اپنی بنت صغیرسن کو عمرو کے ابن صغیر کے ساتھ نکاح کردیا عرصہ دراز کے بعد لڑکی بالغ ہوگئی اور لڑکا نابالغ رہا اب جانبین چاہتے ہیں کہ زید کی کسی کمسن لڑکی سے عمرو کے اس لڑکے کی شادی کرائیں پہلی لڑکی کو کون طلاق دیگا (یعنی صغیر طلاق کا مالک ہوگا یا اس کا والد) اس مسئلہ میں حوالہ کتب دینی سے جواب ارشاد فرمائیں بہت سے علماء ممنون ہونگے۔

سائل عبدالصمد مدرسہ محمدیہ نوابادہ ڈاکخانہ خاص ضلع جہلم

الجواب: جب شوہر نابالغ ہے تو اسکی بیوی کو ولی طلاق نہیں دے سکتا بلکہ اس لڑکے کے بلوغ کا انتظار لازم ہے وہ بالغ ہوکر خود طلاق دے تو وقوع طلاق ہوسکتا ہے ورنہ نہیں۔

صرح بہ فی الدر والشامیہ: باب الطلاق بقولہ: والصبی ولو مراھقا ای لا یقع طلاقہ ص ۶۹۹ ج ۲ واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون رجب سنہ ۴۳ھ

حکم تفریق زوجۂ نابالغ

سوال: .... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ایک جوان عورت مسماۃ ھندہ مسلمان قوم نائی ایک مسلمان مرد زید کے ساتھ اپنے شوہر محمود کے گھر سے نکل گئی مسماۃ ھندہ کے شوہر محمود کی عمر اس وقت نوسال ہے مسماۃ ھندہ بالغ ہے

کے بعد واپس نہیں آئی۔ اسکی واپسی پر محمود نابالغ کا باپ احمد حسین نے اپنے لڑکے کا نکاح اس وقت پڑھا ہے جب محمود کی عمر ۹ سال کی تھی کہتا ہے کہ تو میرے لڑکے محمود کے قابل اور کام کی نہیں ہے، میرے گھر سے نکل جا، وہ نکل گئی، چونکہ مسماۃ ہندہ کے ماں باپ مر چکے ہیں اس وجہ سے وہ آوارہ پھر رہی ہے لوگوں کے کہنے سے مسماۃ آمادہ ہے کہ اگر میرا نکاح کسی مرد جوان سے کردیا جائے تو پابندی کے ساتھ رہونگی اور اسکے شوہر کا باپ احمد بھی چاہتا ہے کہ اگر کوئی صورت ایسی ہو کہ جس سے طلاق ہوجائے تو میں خود طلاق دیدوں یا اپنے لڑکے سے دلا دوں لہذا یہ التماس ہے کہ جو مناسب صورت طلاق کی ہو اس سے سرفراز فرمائیں تاکہ اس مسماۃ کو فعل بد سے بچانیکی کوئی تدبیر کی جائے۔ اگر اسکی طلاق نہ ہوئی تو جن لوگوں نے اصلاحی ہمدردی اور ایک مسلمان عورت کو اب سے عزت بچانے کیلئے اپنے یہاں رکھ لیا ہے انکو کیا کرنا چاہئیے؟ ان میں مسماۃ کی کفالت کرنیکی قدرت نہیں ہے اور چند روز سے مسماۃ ہندہ کے شوہر کا باپ احمد بھی غریب ہوگیا ہے خود نانِ شبینہ کا محتاج ہے محمود لڑکا کمزور ہے مزدوری کے قابل نہیں ہے اگر امداد کرکے احمد سے کہا بھی جائے کہ تو رکھ لے تو وہ اس وجہ سے اور بھی رکھنے سے مجبور ہے کہ وہ اپنی برادری سے علیحدہ کردیا جائیگا۔

کمترین عبدالسلام متوطن ارکا پور محلہ تیجا بغ ۹ جمادی الثانی سنہ ۵۸ھ

الجواب: نابالغ بچہ کی طلاق واقع نہیں ہوسکتی اور خسر بھی طلاق کا اختیار نہیں رکھتا جب وہ لڑکا بالغ ہوجائے پھر اسکو اختیار ہے چاہے اس عورت کو رکھے یا نہ رکھے اور جب وہ عورت جوان ہے تو اس کا نان و نفقہ خاوند کے ذمے ہے بشرطیکہ وہ خود خاوند کے گھر سے نہ جائے اور اگر خود کہیں چلی جائے تو اسکو نفقہ نہ ملے گا ہاں چلی جانیکے بعد پھر واپس آجائے تو پھر نفقہ کی مستحق ہوگی۔ اور اگر وہ عورت خاوند کے گھر رہنا چاہے اور خسر نکالدے تو اس صورت میں عورت کا نفقہ واجب رہیگا اور اگر صغیر مفلس ہے تو اسکی زوجہ کا نفقہ صغیر کے باپ پر ادا کرنا لازم ہے اگر ہندوستان میں قاضی اسلام ہوتا تو اس صورت میں وہ خسر کو بہو کے نفقہ پر مجبور کرتا یعنی اس نابالغ کے باپ کو اس صغیر کی بیوی پر نفقہ خرچ کرنیکا حکم کیا جاتا اور کہہ دیا جاتا کہ بعد بلوغ کے لڑکے سے نفقہ کا رجوع کرے اور یہ اسی صورت میں ہے جبکہ باپ نے صغیر کی بیوی کے نفقہ کی ضمانت نہ کی ہو اور اگر وہ ضامن بنگیا ہو خواہ قولاً صریحاً یا عرفاً دلالۃً لان المعروف کالمشروط تو خود باپ ہی کے ذمہ اسی صورت میں نفقہ عورت صغیر کا واجب ہوگا اور ہندوستان کا عرف یہی ہے کہ اگر لڑکی بالغ ہوجائے اور زوج کا نابالغ ہو تو لڑکے کا باپ اپنی بہو کے نفقہ کا ضامن ہوتا ہے۔

قال فی الشامیہ عن الخانیۃ، وکانت کبیرۃ ولیس للصغیر مال لا یجب علی الاب نفقتها ویستدین الاب علیہ ثم یرجع علی الابن اذا ایسر اھ. وفی الحاکم فان کان صغیراً لا مال لہ لم یوخذ ابوہ بنفقۃ زوجتہ الا ان یکون ضمنها اھ ومثلہ فی الزیلعی وغیرہ، قلت وھو مخالف لما سیذکرہ الشارح فی باب النفقۃ من الفروع حیث قال وفی الدر المختار، وفی الملتقی وبنفقۃ زوجۃ الابن علی ابیہ ان کان صغیراً فقیراً او زمناً اھ انتہی الا ان یحمل ما سیأتی علی انہ یومر بالانفاق لیرجع بما انفقہ علی الابن اذا ایسر الخ شامیہ ص ۵۸۱ ج ۲ وفی الدر فی باب النفقۃ ویجبر الاب علی نفقۃ امرأۃ ابنہ الغائب وولدها وکذا الام علی نفقۃ الولد لترجع بها علی الاب اھ وتاقولہ الشامی بما قال انفاً ان معناہ الامر بالانفاق (ص ۱۰۹ ج ۲)۔

اور جب قاضی اسلام نہیں تو عورت یا تو برادری اور پنچایت کے سامنے یہ واقعہ پیش کرے یا عدالت موجودہ میں خسر پر نان ونفقہ کا دعویٰ دائر کرے یا صبر کرے باقی یہ جو سائل نے لکھا ہے کہ اگر طلاق کی کوئی صورت نہ ہوئی تو عورت آوارہ ہو جائیگی۔ اسکی ہم ذمہ دار نہیں جبکہ ان بلاد میں قاضی اسلام نہیں اگر قاضی اسلام ہوتا تو ہم اسکی تدبیر یہی بتادیتے اور پنچایت کا فیصلہ بالکل ظلم پر مبنی ہے کہ وہ خسر کو بہو کے نفقہ وسکنی سے روکتی ہے اسکی شرارت کی سزا انکو اور دی جائے اسکے حق نفقہ وسکنی کو کیوں باطل کیا جاتا ہے خسر کو لازم ہے کہ پنچایت کے اس فیصلہ کی پرواہ نہ کرے اور بہو کو اپنے گھر رکھکر نفقہ دے۔

فقط مولوی عبد الکریم بقلم ظفر احمد عفا عنہ

۲۵ ج ۲ سنہ ۴۵ھ

فصل فی طلاق الثلاث واحکامه

مطلقہ ثلاثہ کا حکم

(سوال) ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی پھر اس سے نکاح کرنا چاہتا ہے جب تک عورت کا نکاح کسی دوسرے کے ساتھ نہ ہو جائے اور اس سے طلاق نہ ملے پہلے کے ساتھ نکاح جائز نہیں لیکن یہ دوسرے نکاح کے ساتھ صحبت بھی شرط ہے اگر عورت نکاح کرے یا مرد تو دونہ چاہے یا اسی وقت دوسرے کے ساتھ نکاح کرا کر طلاق دلوادیں اور پہلے شوہر کے ساتھ اسی وقت نکاح کر دیں کس طرح صحیح جائز ہے؟

الجواب: اگر تین طلاق دیدی تھیں تو جب تک دوسرا شوہر اس عورت سے صحبت نہ کرے اس وقت تک حلال نہیں ہے پہلے شوہر سے نکاح جب درست ہے جبکہ دوسرا شوہر صحبت کے بعد طلاق دے اور طلاق کے بعد عدت بھی گذر جائے۔ واللہ اعلم۔

ظفر احمد عفا عنہ۔ ۲۶ ربیع الثانی سنہ [illegible]ھ

ایک وقت میں تین طلاق دینے سے تین طلاقیں واقع ہو گئیں

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ حافظ رجب نے ۲۲ نومبر ۳۱ء کو بحالت غصہ اپنی بیوی کو بہت آدمیوں کے سامنے چار مرتبہ اس طور سے طلاق دی کہ تین مرتبہ اپنی بیوی کو مخاطب کر کے کہا کہ "تجھکو طلاق دیا، تجھکو طلاق دیا، تجھکو طلاق دیا" اور ایک مرتبہ نام لیکر کہا کہ "فلانی تجھکو میں نے طلاق دیا" درمیان میں لوگوں نے ہرچند سمجھایا اور منع کیا ایسا نہ کرو زبان بند کرو ورنہ بعد میں افسوس کرو گے مگر اس نے ایک نہ مانا اور طلاق دیدی۔ حافظ رجب مذکور کی مطلقہ طلاق پانے کے بعد ایک روز زوج کے گھر دوسروں کی نگرانی میں رہی دوسرے روز اپنے باپ کے گھر چلی گئی اور اب تک اپنے باپ کے گھر میں ہے ہرچند لوگوں کے اغواء سے حافظ رجب نے غیر مقلد علماء سے استفتاء کیا چنانچہ انہوں نے اپنے اعتقاد کے مطابق لکھ دیا کہ ایک ہی طلاق ہوئی اور رجوع ممکن ہے اسی فتویٰ کی بناء پر حافظ رجب نے ۱۳ فروری ۳۲ء کو چند آدمی جمع کر کے یہ کہا کہ میں نے اپنی عورت کو طلاق دی تھی تم لوگ گواہ رہو میں رجعت کرتا ہوں اور مطلقہ سے اس سے ملاقات تک نہیں ہونے پائی اسلئے کہ وہ اپنے باپ کے گھر میں ہے اور اس لفظ رجعت

کے وقت بھی اقرار طلاق بدون حالت غصہ وجود ہے کیونکہ زوجین ہمیشہ سے حنفی المذہب ہیں۔ استفتے بھیجنہ، مذہب حنفیہ جو حکم شریعت ہو بحوالہ عبارت کتب جواب شافی سے، ماجور عند اللہ وعند الناس ہوجیے۔ المستفتی۔ بجن خاں ساکن محلہ ابو الحسن ضلع الہ آباد۔

الجواب: صورت مذکورہ میں ائمہ اربعہ و امام ابو یوسف و حنفیہ کے نزدیک تین طلاق واقع ہوگئیں اور منکوحہ مغلظہ ہمیشہ کیلئے اس پر حرام ہوگئی اب بدون تحلیل کے ہرگز اس کیلئے حلال نہیں ہوسکتی اور اس صورت میں ایک طلاق واقع ہونیکا فتویٰ بجز گمراہ شخص کے کوئی نہیں دے سکتا۔

قال: فی عمدۃ ارباب الفتویٰ (ص ۲۴) ولا یغتر بقولہ لہا: انت طالق ثلاثا طلقۃ واحدۃ، ولا یفتی بہذا الا من اضلہ اللہ تعالیٰ، والواقع ثلاث طلقات وقد بانت بینونۃ کبریٰ لا تحل لہ الا بعد زوج آخر اھ

وفی رد المحتار (ص ۵۰۶ ج ۲): وقد ذہب جمہور الصحابۃ والتابعین ومن بعدہم من ائمۃ المسلمین الی انہ یقع ثلاث (الی ان قال) وقد ثبت النقل عن اکثرہم صریحا بایقاع الثلاث ولم یظہر لہم مخالف فماذا بعد الحق الا الضلال، وعن ہذا قلنا لو حکم حاکم بانہا واحدۃ لم ینفذ حکمہ لانہ لا یسوغ الاجتہاد فیہ فہو خلاف لا اختلاف اھ

پس صورت مذکورہ میں غیر حنفیہ کے فتویٰ پر عمل کرنا ہرگز جائز نہیں۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۹ جمادی الآخر ۵۶ھ

طلاق کنایہ کے ساتھ طلاق صریح ملکر تین طلاق واقع ہوگئیں

(سوال) کیا حکم ہے اس معاملہ میں شریعت مطہرہ کا کہ زید اپنی بیوی ہندہ سے کسی وجہ سے ناخوش ہوگیا اور سخت غصہ کی حالت میں ایک خط اپنی ساس اور بیوی کے نام لکھا۔ زید نے کوئی تاریخ نہیں لکھی اور مضمون خط کے آخر میں اپنا دستخط کیا لیکن خط کے مضمون میں ایک مقام پر اپنا نام ظاہر کردیا ہے اور اس میں مطلق شبہ نہیں ہے کہ مذکورہ خط زید کا لکھا ہوا ہے زید اپنی ساس کو سلام لکھنے کے بعد اپنی بیوی کو لکھتا ہے۔ "اگر تجھ کو میرا خط ملے تو دوسرے روز منہ کالا کرکے نکل جاؤ میں تم سے عاجز تم مجھ سے بیزار ہو تم سے ہمیشہ کیلئے الگ تم سے نفرت تم اپنا انتظام کرو تجھ سے اب

کوئی مطلب نہیں، خبردار! آج کی تاریخ سے مجھکو غیر سمجھکر (جیسا کہ تم نے آجکل سمجھ رکھا ہے) کوئی خط مت لکھنا میں تمہارا خط دیکھنا گوارا نہیں کرسکتا، مجھکو آج معلوم ہوا ہے کہ تم اپنے باپ کا بدلہ لینا چاہتی ہو اگر تم بدلہ لوگی تو میں بھی باپ کا بیٹا ہوں بیٹی نہیں ہوں تم ضرور بدلہ لو۔ میں نے تم کو آزاد کردیا اپنے باپ سے لکھکر طے کرلو اور جس دن کہو میں آکر باضابطہ آزاد کردوں اور قطع تعلق کرلوں میرے لئے تو قطع تعلق ہوگیا میں تو بیزار ہوں۔ اچھا ہے کہ تم الگ ہوجاؤ اور دوسرا عقد کرلو۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ مضمون مندرجہ بالا سے کیا طلاق واقع ہوگئی اور اگر ہوئی تو رجعی ہے یا بائن؟ اگر رجعی ہے تو کس شکل سے اور کس مدت کے اندر رجعت ہوسکتی ہے۔ اور اگر بائن طلاق پڑگئی تو ہندہ کیلئے اب کیا حکم شریعت ہے؟

السائل شیخ محمد زکریا ساکن مچھلی شہر ضلع جونپور

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں زید نے متعدد الفاظ کنایات طلاق میں سے استعمال کئے ہیں مثلاً "منہ کالا کرکے نکل جاؤ" "میں تم سے ہمیشہ کیلئے الگ ہوں تم اپنا انتظام کرلو" "مجھ سے کوئی مطلب نہیں" ان سب کے بعد اس نے لکھا ہے "میں نے تم کو آزاد کردیا" جو کہ اردو میں طلاق کیلئے صریح ہے۔ پھر لکھا ہے "میرے لئے تو قطع تعلق ہوگیا" یہ بھی ارادۂ طلاق کا مؤید ہے لہذا صورت مذکورہ میں اگر زید اقرار کرے کہ یہ خط اسی کا لکھا ہوا ہے تو ہندہ پر تین طلاق مغلظ پڑگئیں اب بدون حلالہ کے زید سے نکاح درست نہیں۔

وفی العالمگیریۃ:۔ والحق ابو یوسف بخلیۃ او بریۃ اخری ذکر منہا فارقتک

وفی الفتاویٰ:۔ لو قال لم یبق بینی و بینک عمل ونوی یقع ولو قال ابعدی عنی ونوی الطلاق یقع۔

وفی مجموع النوازل:۔ لو قال لہا: اذہبی الی جہنم ونوی الطلاق یقع ولو قال: اعتقتک طلقت بالنیۃ اھ (ص ۳۶۹ و ۳۷۰ - ج ۲)

وفیہ:۔ لا یقع بہا ای بالکنایات الطلاق الا بالنیۃ او بدلالۃ حال اھ

قلت: وفی الصورۃ المسئولۃ دلالۃ الحال شاہدۃ بارادۃ الطلاق۔ واللہ اعلم

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲؍ رمضان سنہ ۴۳ھ

یکبارگی تین طلاق دینے سے تینوں طلاق واقع ہو جائیگا بیان اور اسکی تحقیق اور اعتراضات کا جواب

سوال: صحیح مسلم میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور زمانہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دو برس تک حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں یہی جاری تھا کہ کوئی شخص یکبارگی تین طلاق دیتا تھا تو وہ ایک طلاق شمار کی جاتی تھی تو مولانا صاحب وہ ایک طلاق شمار کرنیکی علت کیا تھی کیا سبب تھا کہ ایک ہی طلاق ہوتی تھی جبکہ ایک طلاق تمام کیا جاتا تھا۔ اسکی دلیل بھی تحریر فرمادیں کیونکہ غیر مقلدین اس حدیث کے اوپر دلیل پکڑتے ہوئے حنفی کو گمراہ کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حنفیوں کی کوئی دلیل قرآن و حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

۱۔ حنفی لوگوں کی ایک جلسہ میں تین طلاق کا دینا وہ طلاق تین واقع ہونا کون سی آیت اور کون کون سی حدیث شریف سے ثابت ہے وہ آیت اور حدیث شریف تحریر فرمائیں؟

۲۔ یہ حدیث جس کا اوپر ذکر ہے یہ حدیث ناسخ ہے یا منسوخ ہے؟

۳۔ جو لوگ تین طلاق دیکر ایک تمام عمر کے عورت کو رکھ لیتے ہیں انکو قیامت کے دن عذاب ہوگا یا نہیں؟ اگر ہوگا تو اسکی دلیل کیا ہے؟

۴۔ حدیث مذکورہ صحیح ہے یا غیر صحیح؟

۵۔ اگر یہ حدیث صحیح ہے تو اس حدیث کے خلاف حنفی عمل کرتے ہیں تو انکو عذاب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: قال اللہ تعالیٰ: اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌ بِاِحْسَانٍ الی ان قال: فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَیْرَهٗ. قال الحافظ فی الفتح: قال القرطبی: وحجة الجمهور فی اللزوم من حیث النظر ظاهرة جدا وهو ان المطلقة ثلاثا لا تحل للمطلق حتی تنکح زوجا غیره ولا فرق بین مجموعها ومفرقها لغةً وشرعا وما یتخیل من الفرق صوری الغاه الشرع اتفاقا فی النکاح والعتق والاقاریر اھ (ص ۳۱۸)

قلت: وقد اخرج الطبری فی تفسیرہ عن انس وعن ابی ہریرۃ وعائشۃ وابن عباس وابن عمر کلہم عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الرجل یطلق زوجتہ ثلاثا ثم تتزوج برجل آخر فہل تحل للاول قال لا حتی

يذوق عسيلتها وتذوق هي من عسيلته. وهو حديث مشهور ومطلق لم يفرق فيه بين المجموع والمفترق. وأخرج البخاري حديث امرأة رفاعة فقالت طلقني رفاعة (إلى) ثلث تطليقات وإني نكحت بعده عبد الرحمن. — —

وفيه ــــ قوله عليه الصلاة والسلام لا حتى يذوق عسيلتك وتذوقي عسيلته. وأخرج البخاري عن عائشة أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً فتزوجت فطلق فسئل النبي صلى الله عليه وسلم أتحل للأول قال لا حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول (فتح الباري ص۳۶۲ ج ۹)

قال الحافظ: فالتمسك بظاهر قوله طلقها ثلاثاً فإنه ظاهر في كونها مجموعة اهـ.

وقال النووي: واحتج الجمهور بقوله تعالى: ومن يتعد حدود الله فقد ظلم نفسه لا تدري لعل الله يحدث بعد ذلك اهـ.

قالوا معناه: أن المطلق قد يحدث له ندم فلا يمكنه تداركه لوقوع البينونة فلو كانت الثلاث لم تقع طلاقه هذا إلا رجعياً فلا يندم واحتجوا أيضاً بحديث ركانة أنه طلق امرأته البتة فقال له النبي النبي صلى الله عليه وسلم آلله ما أردت إلا واحدة قال آلله ما أردت إلا واحدة فهذا دليل على أنه لو أراد الثلاث لوقعن وإلا فلم يكن لتحليفه معنى اهـ (ص ۴۷۸ - ج - ۱)

وأخرج أبو داود بسند صحيح من طريق مجاهد قال: كنت عند ابن عباس فجاءه رجل فقال إنه طلق امرأته ثلاثاً فسكت حتى ظننت أنه سيردها إليه فقال ينطلق أحدكم فيركب الأحموقة ثم يقول يا ابن عباس يا ابن عباس، إن الله قال: ومن يتق الله يجعل له مخرجاً ...... وإنك لم تتق الله. فلا أجد لك مخرجاً عصيت ربك وبانت منك امرأتك اهـ كذا في الفتح (ص ۳۱۲ - ج - ۸)

قلت: وزاد الطبري ثم قرأ[1] ابن عباس قوله تعالى: يا أيها النبي إذا طلقتم النساء فطلقوهن في قبل عدتهن اهـ وأخرج الطبري

---

[1] یہ تعلیق ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی قرأۃ ہے اور مجاہد سے بھی قرأۃ منقول ہے۔ دیکھئے تفسیر طبری ۱ ۲۱۸ تحت سورۃ الطلاق، و در منثور

بسند صحيح عن الزهري في قصة فاطمة بنت قيس فقالت فاطمة بيني وبينكم كتاب الله قال الله جل ثناؤه: فطلقوهن لعدتهن حتى بلغ لعل الله يحدث بعد ذلك أمرا قالت: فأي أمر يحدث بعد الثلاث وانما هو في مراجعة الرجل امرأته اهـ ملخصا ص ٥٠٥ ج - واخرج عن الحسن وعكرمة بسند صحيح يقولان المطلقة ثلاثا والمتوفى عنها زوجها لا سكنى لها ولا نفقة قال فقال عكرمة لعل الله يحدث بعد ذلك أمرا فقال ما يحدث بعد الثلاث اهـ ص ٨٨ - ج ١٨ - واخرج الطبري في تفسير قوله تعالى: الطلاق مرتان فامساك بمعروف او تسريح باحسان[1] عن عروة بن الزبير وقتادة وابن زيد وغيرهم قالوا كان الطلاق قبل ان يجعل الله الطلاق ثلاثا ليس له ان يطلق الرجل امرأته مائة ثم ان اراد ان يراجعها قبل ان تحل كان ذلك له فجعل الله الطلاق ثلاث تطليقات اهـ ملخصا واسانيدها صحاح. وقال السيوطي في الدر المنثور (ص ٢٧٧ ج ١) واخرج الترمذي وابن مردويه والحاكم وصححه والبيهقي في سننه عن عائشة انها قالت: كان الناس والرجل يطلق امرأته ما شاء الله ان يطلقها وهي امرأته اذا ارتجعها حتى نزل القرآن: الطلاق مرتان فامساك بمعروف او تسريح باحسان" ــ واخرج ابن مردويه والبيهقي عن عائشة قالت: لم يكن للطلاق وقت يطلق امرأته ثم يراجعها ما لم تنقض العدة فانزل الله فيه الطلاق مرتان فوقت لهم الطلاق ثلاثا يراجعها في الواحدة وفي الاثنتين وليس في الثالثة رجعة حتى تنكح زوجا غيره ــــــ واخرج ابو داؤد والنسائي والبيهقي عن ابن عباس ان الرجل كان اذا طلق امرأته فهو احق برجعتها وان طلقها ثلاثا فنسخ ذلك فقال: الطلاق مرتان اهـ قلت: وقواه الحافظ في الفتح (ص ٣١٤ - ج ٨) قال السيوطي واخرج مالك والشافعي وابو داؤد والبيهقي عن محمد بن اياس بن البكير قال طلق

---

[1] من سورة البقرة ٢ : ٢٢٩ طبع دار الفكر بيروت . دار [illegible]

رجل امرأته ثلاثا قبل ان يدخل بها ثم بدا له ان ينكحها فجاء يستفتي فذهبت معه اسأل له فسأل اباهريرة وعبدالله بن عباس عن ذالك فقالا: لا نرى ان تنكحها حتى تنكح زوجا غيرك قال انما كان طلاقي اياها واحدة قال ابن عباس انك ارسلت من يدك ما كان لك من فضل اهـ (ص ٢٧٨ ج ١) قلت:- واحاديث مالك صحيح اخرجه محمد في موطاه (ص ٢٥٠) عن مالك عن الزهري عن محمد بن عبدالرحمن بن ثوبان عن محمد بن اياس بن البكير وكلهم ثقات لايسأل عن مثلهم ——

واخرج مالك انه بلغه ان رجلا قال لابن عباس انى طلقت امرأتي مائة تطليقة فماذا ترى علي؟ فقال له ابن عباس: طلقت منك بثلاث وسبع وتسعون اتخذت بها آيات الله هزوا مالك انه بلغه رجلا جاء الى ابن مسعود فقال اني طلقت امرأتي بثماني تطليقات فقال ابن مسعود فماذا قيل لك قال قيل لي انها قد بانت مني فقال ابن مسعود: صدقوا اهـ (ص ١٩٩) قلت: وبلاغات مالك صحاح كما تقرر عند المحدثين. والجواب عن حديث طاؤس عن ابن عباس الذي اخرجه مسلم وغيره بوجوه الاول ان حديث طاؤس هذا شاذ خالف فيه العدد الكثير من اصحاب ابن عباس وهي طريقة البيهقي فانه ساق الروايات عن ابن عباس بلزوم الثلاث ثم نقل عن ابن المنذر انه لايظن بابن عباس انه يحفظ عن النبي صلى الله عليه وسلم شيئا ويفتي بخلافه فتعين المصير الى الترجيح والاخذ بقول الاكثر اولى من الاخذ بقول الواحد اذا خالفهم. وقال ابن العربي هذا حديث مختلف في صحته فكيف يقدم على الاجماع اهـ كذا قال الحافظ في الفتح (ص ٣١٧ ج ٨)۔ —— وفي زاد المعاد لابن القيم قال البيهقي فهذه رواية سعيد بن جبير وعطاء بن ابي رباح ومجاهد وعكرمة و عمرو بن دينار ومالك بن الحرث ومحمد بن اياس بن البكير قال وروينا عن معاوية بن ابي عياش الانصاري كلهم عن ابن عباس انه اجاز

الثلاث وامضاهن اه (ص ۲۵۸ ج ۲)۔ الثاني: دعوى الاضطراب قال القرطبي في المفهم وقع فيه مع الاختلاف على ابن عباس الاضطراب في لفظه وظاهر سياقه يقتضي النقل عن جميعهم ان معظمهم كانوا يرون ذلك والعادة في مثل هذا ان يفشو الحكم وينتشر فكيف ينفرد به واحد عن واحد قال فهذا الوجه يقتضي التوقف عن العمل بظاهره ان لم يقتض القطع ببطلانه اه كذا قال الحافظ في الفتح (ص ۳۱۸ ج ۸) قلت:- ودليل الاضطراب ان ابا داؤد اخرجه بلفظ اما علمت ان الرجل كان اذا طلق امرأته ثلاثا قبل ان يدخل بها جعلوها واحدة قال الحافظ فتمسك بهذا السياق من اعل الحديث اه (ص ۳۱۷ ج ۸) الجواب الثالث: انه ورد في صورة خاصة فقال ابن سريج وغيره يشبه ان يكون ورد في تكرير اللفظ كان يقول انت طالق انت طالق انت طالق وكانوا اولا على سلامة صدورهم يقبل منهم انهم ارادوا التاكيد فلما كثر الناس في زمن عمر وكثر فيهم الخداع ونحوه مما يمنع قبول من ادعى التاكيد حمل عمر اللفظ على ظاهر التكرار فامضاه عليهم وهذا الجواب ارتضاه القرطبي وكذا قال النووي هذا اصح الاجوبة (فتح ۳۱۸ ج ۸) الجواب الرابع:- حمل قوله ثلاثا على المراد بها لفظ البتة كما في حديث ركانة سواء وهو من رواية ابن عباس ايضا فكان بعض رواته حمل لفظ البتة على الثلاث لاشتهار التسوية بينهما فرواها بلفظ الثلاث وانما المراد لفظ البتة وكانوا في العصر الاول يقبلون ممن قال اردت بالبتة الواحدة فلما كان عهد عمر امضى الثلاث في ظاهر الحكم اه كذا قال الحافظ في الفتح (ص ۳۱۸ ج ۸) وحاصل هذا الجواب عندنا ان لفظ البتة كان في العصر الاول من الكنايات لم يكن صريحا في ارادة التحريم المغلظ فيقبل ممن قال اردت به واحدة فلما كان عهد عمر تتابع الناس في استعمال هذا اللفظ وصار كالصريح في

معنى الحرمة المغلظة وامضى عمر به الطلقات الثلاث والحقه بقول القائل انت طالق ثلاثًا لعرف اهل زمانه فيؤيده ما اخرجه مالك عن يحيى بن سعيد عن ابى بكر بن حزم ان عمر بن عبد العزيز قال البتة ما يقول الناس فيها قال ابو بكر فقلت له كان ابان بن عثمان يجعلها واحدة فقال عمر بن عبد العزيز لو كان الطلاق الفا ما ابقت البتة منه شيئًا من قال البتة فقد رمى الغاية القصوى ومالك عن ابن شهاب ان مروان بن الحكم كان يقضى فى الذى يطلق امرأته البتة انها ثلاث تطليقات ومالك عن ابن شهاب يقول فى الرجل يقول لامرأته برئت منى و برئت منك انها ثلاث تطليقات بمنزلة البتة اھ (ص۲۰ موطا مالك)۔

فهذه كلها تدل على ان لفظ البتة كان عندهم بمنزلة الطلقات الثلاث عرفًا ـــــ فان قلت : فلما انعقد الاجماع على كون البتة ثلاثًا فلم خالف الحنفية فيه ؟ ـــــ قلنا :ـ كان سبب الاجماع عرف اهل زمانهم والا فهذا اللفظ فى الاصل من الكنايات فلما تغير العرف فى زمن ابى حنيفة تغير الحكم ايضا وعاد الى اصله وعلى هذا فمعنى قول ابى الصهباء لابن عباس اتعلم انها كانت الثلاث تجعل واحدة على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وابى بكر وثلاثا من امارة عمر فقال ابن عباس نعم ، يعنى اتعلم ان لفظ البتة الذى يراد به الآن الطلقات الثلاث كانت تجعل واحدة فى عهده صلى الله عليه وسلم وابى بكر وصدرا من خلافة عمر قال ابن عباس فلما كان فى عهد عمر تتابع الناس فى الطلاق فاجازه عليهم يعنى تتابع الناس فى الطلاق فى الثلاث هذا والله تعالى اعلم۔

تین طلاق دینے سے تین طلاق واقع ہونگی دلیل حق تعالیٰ کا یہ قول ہے۔ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ۔ الی قولہ ۔ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ۔ یعنی طلاق رجعی دو طلاق ہیں اسکے بعد یا تو قاعدہ کے موافق بیوی کو روک لے یا خوبی سے علیحدہ کردے۔ آگے ارشاد ہے کہ دو کے بعد اگر دوسری طلاق دیدی تو وہ عورت اب شوہر کیلئے حلال نہ رہیگی جب تک وہ کسی دوسرے

سے نکاح نہ کرے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ تین طلاق کے بعد حرمت مغلظہ ثابت ہو جاتی ہے خواہ ایک مجلس میں دی یا الگ الگ دو مجلسوں میں کیونکہ الفاظ آیت کے مطلق ہیں اور احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم مطلق ہی ہے جیسا کہ آئندہ آئیگا۔ دوسری دلیل حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ۔ ومن یتعد حدود اللہ فقد ظلم نفسہ لا تدری لعل اللہ یحدث بعد ذالک امراً ۔ جو کوئی خداوندی حدود سے تجاوز کرے اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا۔ اے (طلاق دینے والے) شخص تجھکو کیا معلوم ہے شاید حق تعالیٰ اسکے بعد کوئی نئی بات پیدا کردیں (یعنی شاید طلاق کے بعد تجھکو ندامت ہو اور تو بیوی کو رکھنا چاہے اسلئے حد سے آگے نہ بڑھو) اور طلاق رجعی کی حد پہلی آیت میں معلوم ہو چکی ہے کہ دو تک ہے۔ پس اگر تین طلاق دینے سے ایک ہی واقع ہوا کرے تو لازم آتا ہے کہ حد سے تجاوز کرنے پر اسکو کچھ بھی ندامت نہ ہو حالانکہ آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ حد سے تجاوز کرنے والا اپنے اوپر ظلم کرتا ہے۔ اور شاید بعد میں اسکو ندامت ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ تین طلاق دینے سے تین ہی پڑتی ہیں اور جو تفسیر ہم نے ان آیات کی بیان کی ہے احادیث سے اسکی تائید ہوتی ہے جنکو ملاحظہ ہو۔

(۱) طبری نے اپنی تفسیر میں حضرت انس و ابوہریرۃ و حضرت عائشہ و ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں اس شخص کے بارے میں جس نے اپنی زوجہ کو تین طلاق دی ہوں پھر اس نے دوسرے شخص سے نکاح کیا ہو اور اس نے بھی طلاق دیدی ہو تو وہ پہلے کیلئے حلال ہو گئی یا نہیں؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ جب تک وہ اس کا مزہ نہ چکھے اور عورت اس کا مزہ نہ چکھے یہ حدیث مشہور ہے جس میں حضور نے تین طلاق کا حکم عام بیان فرمایا ہے خواہ تینوں ایک مجلس میں دی گئی ہوں یا الگ الگ۔

(۲) بخاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے اپنی زوجہ کو تین طلاق دیں پھر اس نے نکاح کیا پھر اس (دوسرے) نے بھی طلاق دی تو نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ وہ پہلے شوہر کیلئے حلال ہو گئی یا نہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں جب تک وہ دوسرا بھی اس کا مزہ نہ چکھے جیسا کہ پہلے نے مزہ چکھا ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس میں لفظ طلقھا ثلاثا سے ظاہری طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ تینوں

طلاق ایکدم سے دی گئی ہیں (ص ۲۲۱ ج ۸)۔

(۳) رکانہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو لفظ البتہ سے طلاق دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا کہ کیا تم قسم کھا کر کہہ سکتے ہو کہ تم نے صرف ایک طلاق کی نیت کی تھی رکانہ نے قسم کھا کر کہا کہ میں نے صرف ایک طلاق کی نیت کی تھی۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بتلا رہی ہے کہ اگر رکانہ نے تین طلاق کی نیت کی ہوتی تو تینوں واقع ہو جاتیں اگر تین کی نیت سے بھی ایک ہی واقع ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رکانہ سے قسم لینا بیکار ہو جاتا تھا۔ یہ حدیث صحیح ہے ملاحظہ ہو نووی شرح مسلم (ص ۴۷۸ ج ۱)

(۴) ابوداؤد نے بسند صحیح مجاہد سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں ایک شخص آیا اس نے کہا کہ میں نے اپنی زوجہ کو تین طلاق دی ہیں ابن عباس نے (کچھ دیر) سکوت کیا جس سے مجھے گمان ہوا کہ شاید وہ اسکی بیوی کو اسی کی طرف واپس کر دینگے مگر ابن عباس نے فرمایا کہ بعض لوگ جا کر حماقت کرتے ہیں پھر آ کر مجھے پکارتے ہیں۔ اے ابن عباس! اے ابن عباس! حالانکہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا۔ جو شخص خدا سے ڈرے گا حق تعالیٰ اس کے لئے راستہ نکال دینگے اور تو نے خدا سے خوف نہیں کیا اسلئے میں تیرے واسطے کوئی راستہ نہیں پاتا تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور تیری بیوی تجھ سے جدا ہو گئی (فتح ص ۳۱۶ ج ۹) اور طبری کی روایت میں اتنی اور زیادتی ہے کہ ابن عباس نے یہ آیت پڑھی۔ یا ایہا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوھن فی قبل عدتھن اھ۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص نے تین طلاق ایک مجلس میں دی تھیں کیونکہ متفرق تین طلاق دینا معصیت نہیں ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اسی وجہ سے فرمایا کہ تیری بیوی تجھ پر حرام ہو گئی اس سے معلوم ہوا کہ تین طلاق ایک مجلس میں یا ایک دم سے دی جائیں تو وہ واقع اور لازم ہو جاتی ہیں۔

(۵) طبری نے سند صحیح کے ساتھ زہری سے قصہ فاطمہ بنت قیس کو روایت کیا ہے جس کے آخر میں فاطمہ بنت قیس کا یہ قول ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ لا تدری لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا۔ اے مخاطب! تو نہیں جانتا شاید حق تعالیٰ اسکے بعد کوئی نئی بات پیدا کر دیں، فاطمہ بنت قیس نے کہا کہ بتلاؤ تین طلاق کے بعد کونسی نئی بات پیدا ہونے کی امید ہے پس یہ حکم جو اس آیت میں مذکور ہے طلاق رجعی کا ہے اھ (ص ۳۰۰ ج ۸)۔

اس سے صاف معلوم ہوا کہ تین طلاق کے بعد پھر رجعت وغیرہ کی کچھ گنجائش نہیں رہتی۔

(۶) طبری نے آیت ، الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان کی تفسیر میں عروۃ بن الزبیر اور قتادہ و ابن زید وغیرہم سے روایت کی ہے وہ سب کہتے ہیں کہ پہلے طلاق کیلئے کچھ حد نہیں تھی آدمی اپنی بیوی کو سو طلاق دیدیتا پھر اگر عدت تمام ہونے سے پہلے وہ رجوع کر لیتا تو اسکو یہ حق حاصل تھا پھر حق تعالٰی نے طلاق کی حد تین تک مقرر کردی (کہ اب تین طلاق کے بعد رجوع کا حق باشکل نہیں رہتا) اھ (ص ۲۷۶۔ج ۱) اسکی اسناد صحیح ہے ـــــــ اس سے صاف معلوم ہوا کہ تین طلاق زبان سے نکالتے ہی عورت بالکل حرام ہو جاتی ہے۔

(۷) علامہ سیوطیؒ درمنثور میں فرماتے ہیں کہ ترمذی اور ابن مردویہ اور حاکم نے روایت کی ہے اور حاکم نے اسکو صحیح کہا ہے نیز بیہقی نے بھی اپنی سنن میں بیان کیا ہے سب کے سب حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ پہلے لوگ اس حالت میں تھے کہ ایک آدمی اپنی بیوی کو جتنی چاہے طلاق دیدیتا، اور جب وہ رجوع کر لیتا تو وہ اسکی بیوی ہی رہتی تھی یہاں تک کہ آیت « الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان » نازل ہوئی ، دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اس آیت میں حق تعالٰی نے طلاق کی حد مقرر کر دی ہیں ایک اور دو میں رجوع کر سکتا ہے اور تین میں رجعت کا حق نہیں جب تک وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے۔

(۸) ابوداؤد اور نسائی نے اور بیہقی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ پہلے جب آدمی اپنی بیوی کو طلاق دیدیتا تو اسکو رجعت کا حق حاصل رہتا تھا اگرچہ اس نے تینوں ہی طلاق دیدی ہوں پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا (اب تین کے بعد حق رجوع حاصل نہیں) ، اس حدیث کو حافظ ابن حجر نے قوی کہا ہے۔

(۹) علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ مالک اور شافعی اور ابوداؤد اور بیہقی محمد بن ایاس بن بکیر سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیں قبل دخول کے پھر وہ استفتاء کرتا ہوا آیا تو میں بھی اس کے ساتھ مسئلہ دریافت کرنے کیلئے ہو لیا تو اس نے حضرت ابوہریرہ و ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا دونوں نے فرمایا کہ ہم تیرے واسطے اس عورت سے نکاح جائز نہیں سمجھتے جب تک وہ تیرے سوا کسی دوسرے سے نکاح نہ کرے اس نے

کہا کہ میں نے تو اسکو ایکدم سے طلاق دی تھی۔ ابن عباس نے فرمایا کہ تو نے اپنے ہاتھ سے وہ فضیلت خود نکالدی جو تجھے حاصل تھی۔ میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کو امام محمدؒ نے اپنے موطا میں مالک سے بسند صحیح روایت کیا ہے ـــــ اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ تینوں طلاق ایکدم دینے میں بھی تینوں واقع اور لازم ہو جاتی ہیں۔

(۶) امام مالک موطا میں فرماتے ہیں کہ انکو یہ حدیث پہنچی ہے کہ ایک شخص نے ابن عباسؓ سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاق دیدیں تو آپ میرے لئے کیا فرماتے ہیں؟ ابن عباس نے فرمایا کہ وہ عورت تین طلاق سے تجھ پر حرام ہو گئی اور ۹۷ طلاقوں سے تو نے خدا کی آیات سے استہزا کیا۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث بھی پہنچی ہے کہ ایک شخص ابن مسعود کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو دوسو طلاق دیدیں۔ ابن مسعود نے کہا پھر تجھ سے لوگوں نے کیا کہا؟ کہنے لگا کہ مجھ سے یہ کہا گیا ہے کہ وہ عورت مجھ پر حرام ہو گئی۔ ابن مسعود نے فرمایا کہ لوگوں نے سچ کہا اھ (ص ۱۹۹) ـــــ میں کہتا ہوں کہ بلاغات امام مالکؒ محدثین کے نزدیک صحیح ہیں اور اس سے بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص سو طلاق یا دوسو طلاق ایک دم سے دیدے تو تین طلاق پڑ جاتی ہیں۔ گو ایک ہی لفظ سے طلاق دی اور ایک ہی مجلس میں دے یہ دلائل تو جمہور کی طرف سے ہیں اب اس حدیث کا جواب سنئے جو غیر مقلد اپنی دلیل میں بیان کرتے ہیں اسکے چند جواب ہیں!

(۱) یہ کہ اس حدیث کو ابن عباس سے صرف طاؤس نے روایت کیا ہے اور ابن عباس کے دوسرے شاگرد یعنی سعید بن جبیر و عطاء بن ابی رباح و مجاہد و عکرمہ و عمرو بن دینار و مالک بن حرث و محمد بن ایاس بن بکیر و معاویہ بن ابی عیاش انصاری اسکے خلاف ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے تین طلاق کو (ایک مجلس میں ایک لفظ سے) نافذ اور واقع کیا ہے چنانچہ بیہقی نے ان سب روایتوں کو نقل کرکے ابن منذر کا قول بیان کیا ہے کہ ابن عباس پر یہ گمان نہیں ہو سکتا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بات یاد رکھتے ہوئے اسکے خلاف فتویٰ دیں پس لا محالہ ان میں سے ایک کو ترجیح دینا لازم ہے اور ظاہر ہے کہ جو بات جماعت کثیر نے ابن عباس سے بیان کی ہے اسکو اخذ کرنا ایک شخص کی روایت کو اخذ کرنے سے زیادہ بہتر ہے جبکہ وہ ایک شخص سب کے خلاف روایت کرتا ہے (فتح الباری ص ۳۱۶ - ج ۹) ـــــ حاصل یہ ہوا کہ طاؤس کی روایت شاذ

www.ahlehad.org

ہے اور روایت شاذ مردود ہوتی ہے۔

(۲) طاؤس کی یہ روایت مضطرب ہے قرطبی نے مفہم شرح مسلم میں کہا ہے کہ اس حدیث میں باوجود صحابی ابن عباس کے مخالفت کے الفاظ میں بھی اضطراب واقع ہے اور نیز طاؤس کی اس حدیث سے بظاہر معلوم یہ ہوتا ہے کہ اکثر صحابہ کو یہ بات معلوم تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تین طلاق کو ایک سمجھا کرتے تھے اور ایسی بات عادۃً شائع اور منتشر ہونی چاہئے تھی پھر مخفی کیا وجہ ہے کہ اسکو نقل کرنے والا ایک ہی شخص ہے (یعنی طاؤس) اور وہ بھی ایک ہی شخص سے روایت کرتا ہے (یعنی ابن عباس سے) اگر یہ مسئلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوتا اور اکثر صحابہ اسکو جانتے تو بہت سے تابعین بہت سے صحابہ سے اسکو روایت کرتے اسلئے اگر اسکو قطعی طور پر باطل نہ کہا جائے تب بھی طاؤس کی حدیث پر عمل کرنے سے توقف کرنا لازم ہے۔

(۳) تیسرا جواب یہ ہے کہ اگر طاؤس کی روایت کو صحیح مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک خاص صورت کے متعلق ہے وہ یہ کہ اگر کوئی شخص الفاظ طلاق اگر تین بار مکرر کہے کہ تجھکو طلاق تجھکو طلاق تجھکو طلاق اور پھر یہ دعوی کرے کہ میری نیت صرف ایک طلاق دینے کی تھی اور میں نے تین بار محض تاکید کیلئے کہا تھا تو اس صورت میں زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابوبکر اور تین سال خلافت عمر میں شوہر کا قول مان لیا جاتا تھا کیونکہ اس زمانہ میں لوگ جھوٹ نہ بولتے تھے صلاحیت اور تقوی کا امر غالب تھا حضرت عمر کے زمانہ میں جب کذب وخداع لوگوں میں زیادہ ہوگیا تو حضرت عمر نے حکم دیدیا کہ اب جو شخص تین بار لفظ طلاق مکرر کہکر ایک طلاق کی نیت کا دعوی کرے گا قضاءً یہ دعوی قبول نہ ہوگا۔ قرطبی اور نووی نے اس مذہب کو صحیح کہا ہے ــــ اور اگر صاف یہ کہدے کہ تجھکو تین طلاق تو اسکو کسی وقت میں ایک شمار نہیں کیا گیا اور نہ حدیث اس پر دال ہے۔

(۴) چوتھا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں راوی نے لفظ البتہ کی جگہ لفظ ثلاثا کہدیا ہے کیونکہ اس وقت لفظ البتہ اور تین طلاق کا یکساں ہونا مشہور تھا چنانچہ رکانہ کی حدیث میں بھی بعض راویوں نے لفظ البتہ کی جگہ لفظ ثلاثا کہدیا ہے پس مطلب حدیث کا یہ ہے کہ ابو الصہباء نے ابن عباس سے دریافت کیا کہ کیا آپکو یہ بات

معلوم ہے کہ زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ و شروع خلافت عمرؓ میں طلاق "البتہ" کو (جو آجکل تین طلاق شمار ہوتے ہیں) ایک طلاق شمار کیا جاتا تھا ابن عباسؓ نے کہا ہاں اھ۔ سو بات یہ ہے کہ لفظ "البتہ" اصل میں کنایہ ہے اور کنایات کا قاعدہ یہ ہے کہ اس سے ایک طلاق واقع ہوتی ہے اور اگر تین طلاق کی نیت کرے تو تین طلاق واقع ہوجاتی ہیں پس ابتداء زمانہ اسلام میں یہ لفظ تین طلاق کیلئے صریح نہ تھا ایک طلاق کی نیت قبول کی جاتی تھی پھر حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اسکا استعمال تین کے معنی میں بہت شائع ہوگیا حتی کہ وہ اس معنی میں صریح ہوگیا کنایہ باقی نہ رہا اسلئے حضرت عمرؓ نے حکم دیدیا کہ اب اس لفظ سے طلاق واحد کی نیت قبول نہ ہوگی کیونکہ اب کثرت استعمال سے یہ تین طلاق کے معنی میں صریح ہوگیا ہے باقی یہ مطلب اس کا ہرگز نہیں کہ صاف صاف تین طلاق دینے کے بعد بھی بوجہ اتحاد مجلس کے باوجود تعدد کلمہ کے انکو ایک شمار کیا جائیگا جو کوئی یہ دعوی کرے وہ دلیل بیان کرے اور جو دلیل غیر مقلد بیان کرتے ہیں اسمیں علاوہ شذوذ و اضطراب کے یہ دو احتمال قوی موجود ہیں جو ہم نے بیان کئے ہیں "اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال" یعنی احتمال کے ہوتے ہوئے استدلال باطل ہوجاتا ہے علاوہ ازیں یہ کہ جمہور امت کا اس پر اجماع ہوچکا ہے کہ تین طلاق ایک مجلس میں ایک ہی لفظ سے دی جائیں تو وہ ضرور واقع ہوجاتی ہیں۔ خواہ مدخول بہا ہو یا نہ ہو اور ایک مجلس میں تین لفظ سے دی جائیں تو اس میں مدخول بہا وغیر مدخول بہا کی حالت سے فرق ہوجاتا ہے مدخول بہا پر بالاجماع تینوں پڑجاتی ہیں۔ غیر مدخول بہا میں اختلاف ہے اور اجماع کی مخالفت حرام ہے پس جو لوگ یہ کہیں کہ ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے ایک واقع ہوتی ہے وہ مرتکب معصیت اور سخت گمراہ و گناہگار ہیں۔

قال الحافظ فی الفتح: وفی الجملة فالذی وقع فی هذه المسألة نظیر ما وقع فی مسألة المتعة سواء اعنی قول جابر انها کانت تفعل فی عهد النبی صلی الله علیه وسلم وابی بکر وصدر من خلافة عمر ثم نهانا عمر عنها فانتهینا فالراجح فی الموضعین تحریم المتعة وایقاع الثلاث للاجماع الذی انعقد فی عهد عمر علی ذالک ولا یحفظ ان احدا فی عهد عمر خالفه فی واحدة منهما وقد دل اجماعهم علی وجود ناسخ

وان كان خفي عن بعضهم قبل ذالك حتى ظهر لجميعهم في عهد عمر فالمخالف بعد هذا الاجماع منابذ له والجمهور على عدم اعتبار من احدث الاختلاف بعد الاتفاق (ص۲۱۹ ج۸) والله اعلم۔

لفظ طلاق کو تین بار کہنے سے مطلقہ مغلظہ ہو جانے کا حکم *

(سوال) شخصے جاہل نزد عالمی برای طلاق دادن بزن خود مع جماعت عالم صاحب بہ طالب علمے خود فرمود کہ این را تلقین طلاق نمودہ ایقاع طلاق کناند او برائے خود طالب علم بآن شخص گفت کہ طلاق بائن بدہ آن گفت "دو طلاق دادم" بعدہ طالب علم ہمیں جناب نمودہ کہ برائے دفع مناقشہ زوجین طلاق رجعی کافی نیست بآن شخص گفت کہ بگو طلاق بائن دادم بعدہ گفت طلاق بائن دادم و آن دم ہمان عالم صاحب فرمود کہ لفظ بائن را مردم بے علم نمی فہمند برای اطمینان طرفین گفتہ آید کہ جواب دادم باز آں شخص بزن خود گفت کہ جواب دادم (و جواب دادن در عرف این ملک بائن می شود) دریں صورت بر مستفتی عنہ طلاق رجعی واقع شد یا بائن یا مغلظہ آن شخص بے علم بود مرادش طلاق مطلق دادن بود بغیر لحاظ وصفے و عددے مگر حسب گفتن طالب علم و عالم تعبیر باز طلاق بائن بعدہ جواب دادم گفتہ۔ از تکرار ہمیں الفاظ (جواب دادم و بائن) مرد ساقط از طلاق طلاق دہم مراد مرد مطلق تعبیر طلاق نمود صرف تعیین نوع طلاق (بائن) بود بینوا توجروا بالبرہان۔

سائل بندہ دین محمد فیروزشاہی متعلم سب مقام پکا سٹیشن جایہ گوٹھ ضلع لاڑکانہ (سندھ)

الجواب: صورت مسئولہ میں تین طلاق مغلظہ واقع ہو گئیں اب بدون حلالہ کے عورت اس مرد کیلئے حلال نہیں ہوسکتی۔

قال في العالمگیریة: متى كرر لفظ الطلاق بحرف الواو وبغير حرف الواو يتعدد الطلاق وان عنى بالثانية الاولى لم يصدق في القضاء اهـ (ص ج۲)

قلت: وفي الصورة المسئولة لا يصدق ديانة ايضاً لان الزوج جاهل لا يعلم بما لقنه الملقن واما التعبير بالبائن ونحوه فهذا انما هو في ذهن الملقن فحسب لا في ذهن المطلق كما يظهر من السؤال والله اعلم

۲ر شوال [illegible]

---

* عنوان سوال کے جواب سے بعد میں درج کیا گیا۔

جا تجھکو طلاق دی میں نے، پھر کہا جا تجھکو دو طلاق دی، تو عورت اگر مدخولہ ہے تو تین واقع ہوگئیں

(سوال) زید نے اپنی بیوی سے کہا، "جا تجھکو طلاق دی ہیں" تھوڑی دیر کے بعد کہا "جا تجھکو دو طلاق دی ہیں" اب زید کے پاس ۵ شخص موجود تھے دو شخص کہتے ہیں کہ زید نے صرف "جا تجھکو دو طلاق دی ہیں" کہا اور "جا تجھکو طلاق دی ہیں" نہیں کہا اور باقی تین ہی شخص کہتے ہیں کہ زید نے پہلے "جا تجھکو طلاق دی ہیں" کہا تھوڑی دیر کے بعد کہا "جا تجھکو دو طلاق دی ہیں" اور زید ان تین شخصوں کی گواہی کو انکار کرتا ہے حالانکہ پانچوں شخص ایک ہی جگہ پر بیٹھے تھے اور زید پہلے دو شخص کی شہادت کا اقرار کرتا ہے اب صورت مذکورہ میں کتنی طلاق پڑیگی؟ اور صورت اولیٰ میں آیا ایک ہی طلاق پڑیگی یا نہیں؟ اور صورت ثانیہ میں دو طلاق پڑیگی یا نہیں؟ جواب مدلل بحوالہ کتب مرحمت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: قال فی العالمگیریة: ولو قال للمدخولة انت طالق واحدة لا بل ثنتین یقع الثلاث اھ (ص ۶۱ ج ۲)۔

اس سے معلوم ہوا کہ دوسری صورت میں اگر شوہر نے پہلے "جا تجھکو طلاق دی ہیں" کہکر پھر "جا تجھکو دو طلاق دی ہیں" کہا ہے تو عورت اگر مدخولہ ہے تین طلاق واقع ہوگئیں اور پہلے "جا تجھکو طلاق دی ہیں" نہیں کہا تھا تو صرف دو طلاق واقع ہوئیں اور غیر مدخولہ کا حکم دوسرا ہے۔ واللہ اعلم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۶ شوال [illegible] (تتمہ [illegible])

حکم طلاق ثلاث بدون اضافت

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین ان مسائل میں کہ:

(۱) ایک شخص اپنی بیوی کو کسی وجہ سے زدوکوب کیا پھر وہاں سے اٹھ کر آنگن میں آ بیٹھ کر بکنے لگا کہ ایک طلاق، دو طلاق، تین طلاق، پس اس سے اسکی بیوی مطلقہ ہوگئی یا نہیں؟ اور ایک طلاق دو طلاق جو الفاظ مذکور ہے اس سے مراد اضافت معنویہ سمجھے ہیں یا نہیں؟

الجواب: قال فی الشامیة: ولا یلزم کون الاضافة صریحة فی کلامه لما فی البحر لو قال طالق فقیل له من عنیت فقال امرأتی طلقت امرأته اھ۔

وفی البحر: لو قال: امرأۃ طالق او قال طلقت امرأۃ ثلاثا و قال لم اعن امرأتی یصدق: ویفہم منہ انہ لو لم یقل ذالک تطلق امرأتہ لان العادۃ ان من لہ امرأۃ انما یحلف بطلاقہا لا بطلاق غیرہا فقولہ انی حلفت بالطلاق ینصرف الیہا ما لم یرد غیرہا لانہ یحتمل کلامہ اھ (ص ۵۰۵ ج ۲)۔

صورت مذکورہ میں جب اس شخص نے ایک طلاق دو طلاق ست طلاق کہنے کے بعد یہ نہیں کہا کہ میری مراد بیوی کو طلاق دینا نہیں بلکہ کسی اور کو طلاق دینا ہے تو اب اسکی بیوی پر تین طلاق مغلظہ واقع ہو گئیں کیونکہ بظاہر اسکی نیت اسی عورت کو طلاق دینے کی ہے جس کو زدوکوب کیا تھا پس بدون تحلیل کے وہ عورت اپنے شوہر کیلئے حلال نہیں ہو سکتی۔ واللہ اعلم۔

تجھکو آزاد کیا، اور طلاق دی۔ تو چلی جا، کہنے سے وقوع طلاق کا حکم۔

سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ زید اپنی زوجہ کے ساتھ ہمیشہ تکرار اور جھگڑا کرتا ہے جب وہ زیادہ تنگ کرتا ہے اسکی زوجہ اپنے باپ کے یہاں چلی آتی ہے دو چار مہینے کے بعد پھر زید آتا ہے معافی چاہتا ہے پھر لے جاتا ہے چند روز وہاں رہتی ہے پھر اپنی زوجہ کے باپ کو زید خبر کرتا ہے اسکو لیجاؤ اسی طرح چند مرتبہ ایسا واقعہ ہو چکا ہے اب آخر میں جو جھگڑا ہوا اسکے بعد زید نے اپنا لڑکا بیوی سے چھین لیا، اور یہ کہا، "جا تجھکو آزاد کیا اور طلاق دی، تو چلی جا" اسنے باپ کو بلا کر اسکے ہمراہ چلی آئی۔ جسکو عرصہ آٹھ ماہ کا ہو چکا ہے۔ نہ زید لینے آیا اور نہ خرچ دیا۔ اس صورت میں زید کی بیوی کو طلاق ہو گئی یا نہیں۔ اور اس کا نکاح دوسری جگہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ مولوی محمد یعقوب۔

الجواب: صورت مسئولہ میں عورت پر تین طلاق واقع ہو چکی ہیں۔ اگر لفظ "چلی جا" سے نیت طلاق کی کی ہو۔ ایک اس لفظ سے "جا تجھکو آزاد کیا" دوسری اس لفظ سے "اور طلاق دی" تیسری اس لفظ سے "تو چلی جا" ـــــ لان اذھبی و اخرجی کنایۃ و البائن یلحق الصریح ـــ البتہ اگر شوہر نے "تو چلی جا" سے تیسری طلاق کا قصد نہ کیا ہو بلکہ تاکید اپنے کلام کا اور مزید بیان کرنے کا قصد کیا ہو تو تین طلاق واقع نہ ہوں گی صرف دو طلاق واقع ہوں گی۔ لان نحو اذھبی و اخرجی لا یقع بہ الطلاق الا بالنیۃ

مطلقاً سواء کان حالۃ الرضی او الغضب او المذاکرۃ صرح بہ الشامی۔

(ص ۶۵۹، ج-۲)

پس اگر شوہر نے "تو چلی جا" سے بھی طلاق کا قصد کیا ہو تب تو یہ اسکے لئے بالکل حرام ہوچکی کہ بدون حلالہ کے دوسرا نکاح بھی اس سے نہیں ہوسکتا اور اگر اس لفظ سے طلاق کا ارادہ نہ تھا تو اسمیں یہ تفصیل ہے کہ اگر اس آٹھ ماہ کے عرصہ میں عورت کو تین حیض آچکے جب تو وہ زید کے نکاح سے نکل چکی اور دوسرے شخص سے نکاح کرسکتی ہے اور اگر اس عرصہ میں تین حیض نہیں آئے تو ابھی عدت پوری نہیں ہوئی، دوسرے سے نکاح نہیں کرسکتی۔ بلکہ اگر زید رجوع کرنا چاہے تو تین حیض گذرنے سے پہلے رجوع کرسکتا ہے، تجدید نکاح کی ضرورت نہیں اور اگر تین حیض آچکے تو اس صورت میں جبکہ دو ہی طلاق واقع ہوئی ہو زید سے دوسرا نکاح ہوسکتا ہے، حلالہ کی ضرورت نہ ہوگی اور تین حیض کے آنے یا نہ آنے کے باب میں عورت ہی کا قول معتبر ہوگا اور اگر اختلاف ہو تو عورت کا قول مع قسم کے معتبر ہوگا۔

قالت مضت عدتی وانکر الزوج فالقول لہا لانہا امینۃ۔

(درمختار ص ۷۰۰، ج-۲) واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

مورخہ ۲۵/ صفر ۴۵ھ۔

"تجھکو قطعاً چھوڑ دیا، تو میری بیوی گری سے نکل گئی تجھکو باٹیکاٹ کردیا ہے" وقوع طلاق کی ایک صورت کا حکم۔

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ ہندہ کو بارہا اس قسم کے الفاظ تحریر کئے ہیں جیسا کہ نقل ایک تحریر کی منسلک استفتاء ھذا کے الفاظ یہ ہیں:

"اب آج کی تاریخ سے ہم سے اور تم سے کوئی تعلق نہیں ہے اور ہم نے تم کو قطعاً چھوڑ دیا ہے جو تمہارا دل چاہے سو کرو، تم میری بیوی گری سے بخدا قطعاً نکل گئی ہو میں تم سے مستثنیٰ ہوں اور تم کو قطعاً باٹیکاٹ کردیا ہے۔"

جناب والا! یہ الفاظ مکرر سہ کرر خطوط میں لکھا ہے مگر باوجود اس تحریر کے نشست و برخاست بات چیت بند نہیں ہوئی پس اس صورت میں کیا ہندہ پر طلاق بائن ہوئی یا مغلظہ؟ امیدوار ہوں کہ جواب باصواب مع حوالہ کتاب تحریر فرمادیں۔

بینوا توجروا ۔ کمترین محمود عالم از فیض آباد ۔
معرفت حکیم عادل حسین صاحب عرضم رجباوی مدظلہ

(نقل تحریر منجانب زید بنام ہندہ)

ہندہ کو معلوم ہو کہ آج کی تاریخ سے ہم سے اور تم سے کچھ تعلق نہیں ہے اور میں نے تمکو قطعی چھوڑ دیا ہے اور نہ اب میں تمہاری زندگی بھر صورت دیکھونگا ۔ اگر میں اپنے ایک باپ کا پیدا ہوں تو ضرور یہی بات کر کے دکھاؤنگا اطلاعاً لکھا گیا ہے لہذا تاکیداً لکھا جاتا ہے کہ تم اسکو مثل نوٹ کے سمجھو اور مذاق نہ سمجھو ورنہ تم بہت بہت پچھتاؤگی اور سخت روؤگی آئندہ تم کو اختیار ہے اور اب تم اپنی تمام عمر بھر کیلئے مجھ سے ہاتھ دھو کے ۔ ہائے ! میں جدا ہوں جو تمہارا دل چاہے سو اب تم کرو تم اب میری بیوی کبھی سے بجدا قطعاً نکل گئی ہو میں تم سے مستثنیٰ ہوں اور اب حلف کی رو سے میں دس آدمیوں کے سامنے کہدونگا کہ یعنی خالد کی لڑکی مجھ سے ۱۵ رشب برات سے ترک ہو گئی ہے ایک مہینہ بھر تک مجھے ہندہ سے تعلق رہا اور پھر بعد اسکے ہندہ نے میرے خلاف ازحد نالائق حرکتیں کیں اسلئے میں نے اسکو ترک کر دیا اور جو اب تمہارا دل چاہے شوق سے کرو اور نہ اب تمہاری صورت دیکھونگا اگرچہ تم ایک اپنے باپ سے پیدا ہوگی تو اسکو جھوٹ نہ سمجھوگی اور تم کو قطعاً بائیکاٹ کر دیا ہے حلف کی رو سے میری بیوی ہندہ نہیں ہے زندگی بھر تک اسکی اب صورت نہ دیکھونگا اور اب یہاں سے بھی کہیں دور جاتا ہوں جب تک تم لکھنؤ رہوگی تب تک میں یہاں سے الگ رہونگا اور جب تم الہ آباد چلی جاؤگی جب میں یہاں رہونگا اب تک میں نے کوئی طرح کی بات چیت نہیں کی ہے مگر اب ایسا کرونگا پھر چاہے لفٹنٹ گورنر چلے آئینگے تب بھی میں تمہارے قریب نہ آؤنگا اور بھی میں نے اپنا انتظام الگ کر لیا ہے زیادہ کیا لکھوں ۔

مورخہ ۲۲ رجولائی ۳۲ء بقلم خود امداد خانی ٹولہ ضلع گونڈہ ۔ ۱۲

واضح رہے کہ شوہر نے خط میں ان جملوں کو ہندہ میری بیوی نہیں ، خالد کی دختر میری کوئی نہیں ، میری کوئی نہیں ، میری کوئی نہیں وغیرہ ۔ تین تین مرتبہ لکھا ہے ۔ برائے کرم اس کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں کہ زید کی بیوی مطلقہ ہوگئی یا نہیں ؟ ۔

الجواب: صورت مسئولہ میں مسماۃ ہندہ پر تین طلاق مغلظہ واقع ہوچکیں ایک اس لفظ سے "میں نے تم کو قطعاً چھوڑ دیا ہے" جو طلاق میں صریح ہے۔ دوسری اس لفظ سے "تم میری بیوی گری سے قطعاً نکل گئی ہو" جیسے معنی زوجیت سے نکلنا ہے تیسری اس لفظ سے "تم کو قطعاً باہر نکال کردیا ہے تم میری بیوی نہیں ہو" اھ۔ ان کے علاوہ اور الفاظ بھی اس خط میں موجب طلاق ہیں جو قرینہ سابقہ سے مل کر طلاق کو موجب ہیں لیکن یہ الفاظ تو بہت صاف ہیں۔ وقد صرح الفقهاء بلحوق البائن بالصریح — پس ہندہ کو اس شوہر سے یعنی زید سے قطعاً علیحدگی اختیار کرلینا چاہئے اور اس تحریر کے بعد سے تین حیض عدت کے پوری کرکے وہ جس سے چاہے نکاح کرلے اور زید سے ہی نکاح کرنا چاہے تو جب تک دوسرے شخص سے نکاح اور دخول اور طلاق یا موت زوج ثانی اور اتمام عدت نہ ہوا اس وقت تک وہ زید سے نکاح نہیں کرسکتی ہے کہ تین طلاق کا یہی حکم ہے، واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون
خانقاہ امدادیہ۔ ۲ر جمادی الاولیٰ ۵۲ھ

اگر مجھے مارنے کا اختیار نہیں، تو میں نے طلاق دی۔ تین مرتبہ یہ جملہ کہنے سے طلاق مغلظہ واقع ہوگی۔

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمی عمرو اپنی بیوی پر کچھ کارخانگی نقصان کردینے پر غصہ ہوا اور دو ایک طمانچے بھی مارے اس پر عمرو کا بھائی آکر مانع ہوا اور ڈانٹتے ہوئے کہا تجھے کیا اختیار ہے مارنے کا۔ عمرو نے جھنجھلا کے کہا کہ اگر مجھے مارنے کا اختیار نہیں ہے تو میں نے طلاق دی، اور تین مرتبہ یہی کہا۔ اب عند الشرع اس کے لئے کیا حکم ہے؟

پتہ: نیاز مند قاضی ابوالحسن تجارہ راجپوتانہ محلہ قاضیان۔

الجواب: قال في الدر[1]: وأن لا يقصد به المجازاة، فلو قالت: يا سفلة! فقال: إن كنت كما قلت فأنت كذا تنجيز كان كذلك أو لا اهـ۔

---

[1] شامیہ باب التعلیق من کتاب الطلاق۔ [illegible]

وفی الشامیة: والمختار والفتویٰ انه ان کان فی حالة الغضب فهو علی المجازاة والا فعلی الشرط اھ (ص ۸۱۲ - ج ۲)

قلت: والظاهر من صورة السوال کونه تنجیزاً والتعلیق للمجازاة دون الشرط۔

ہمارے نزدیک صورت مسئولہ میں تین طلاق واقع ہو چکی ہیں اس شخص کی بیوی کو اس صورت میں اسکے پاس رہنا جائز نہیں اور نہ اب بدون حلالہ کے اسکو اس شخص سے نکاح درست ہے عدت کے بعد وہ کسی دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے۔ باقی اور علماء سے بھی دریافت کر لیا جائے۔

فقط حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ۲۰ جمادی الاخریٰ ۱۳۴۳ھ

طلاق بائن کے بعد تین طلاق دی تو بیوی مغلظہ ہو جائیگی یا نہیں

(سوال) زید نے اپنی منکوحہ کو کہا کہ تو میرے اوپر حرام ہے پھر اسی وقت کہا کہ تین طلاق سے طلاق ہے" چونکہ تین طلاقیں صریح لفظ سے بائن غلیظہ کہلاتی ہیں اور بائن کے ساتھ بائن ملحق نہیں ہوتی اس قاعدہ کے مطابق یہاں اس صورت میں بائن خفیفہ ہوگی یا بائن غلیظہ، اگر ملحق ہو کر بائن غلیظہ ہوگی تو "عینی شرح کنز" کی اس عبارت کا کیا مطلب ہوگا؟ والبائن لا یلحق البائن الا اذا کان معلقاً صورته اذا قال لامرأته: ان دخلت الدار فانت طالق ثلاثاً ثم ابانها فدخلت الدار وهی فی العدة طلقت، ای وقع علیها الثلاث المعلق — جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر بصورت تنجیز اسی وقت طلقات ثلاث واقع کرے تو ملحق نہ ہونگی اور صرف لفظ حرام سے بائن خفیفہ ہو جائیگی۔ بندہ محمد عرفان۔

الجواب: صورت مسئولہ میں منکوحہ زید مطلقہ ثلاثہ ہو گئی ہے بدون تزوج بزوج آخر وحصول طلاق ازاں وگذشتن عدت زید کیلئے حلال نہیں ہو سکتی۔ اور سائل نے جو شبہ کیا ہے کہ تین طلاقیں صریح لفظ سے بائن غلیظہ کہلاتی ہیں اور بائن کو بائن ملحق نہیں ہوتی یہ شبہ غلط ہے کیونکہ البائن لا یلحق البائن: میں بائن سے وہ مراد ہے جو بلفظ کنایہ ہو اور بائن بلفظ صریح ہو وہ بائن و صریح دونوں

کو ملحق ہوتی ہے۔

قال فی الدر: الصریح یلحق الصریح والبائن۔ والبائن یلحق الصریح، الصریح ما لا یحتاج الی نیة بائنا کان الواقع به او رجعیا، فتح، فمنه الطلاق الثلاث فیلحقهما (ای البائن والصریح) وکذا الطلاق علی مال فیلحق الرجعی لا یلحق البائن اھ۔

قال الشامی: ای اذا عرفت ان قوله الصریح یلحق الصریح والبائن افراد بالصریح فیما ذکر ظهر ان منه الطلاق الثلاث فیلحقهما ای یلحق الصریح والبائن فاذا ابان امراته ثم طلقها ثلاثا فی العدة وقع وهی واقعة حلب — قال فی الفتح القدیر: الحق انه یلحقها لما عرف من ان الصریح وان کان بائنا یلحق البائن وعرف ان المراد بالبائن الذی لا یلحق هو ما کان کنایة اھ۔ وتبعه تلمیذه ابن الشحنة فی عقد الفرائد وکذا صاحب البحر والنهر والمنح والمقدسی والشرنبلالی وغیرهم وهو صریح ما نقلناه آنفا عن الخلاصة وایده صاحب الدرر والغرر کما نذکره قریبا خلافا لمن رجح عدم وقوع الثلاث فانه خلاف المشهور کما یاتی اھ (ص ۴۴۲ ج ۲)۔

وفیه ایضا: قوله لا یلحق البائن البائن المراد بالبائن الذی لا یلحق هو ما کان بلفظ الکنایة اھ (ص ۴۴۲ ج ۲)۔ وما نقله الزاهدی عازیا الی الاسرار لنجم الدین قال: لها انت بائن ثم قال فی العدة انت طالق ثلاثا لا یقع الثلاث عند ابی حنیفة لکون الثلاث بینونة غلیظة فی المعنی وعندهما یقع لکونها صریحا فی اللفظ فقد رده الشامی بابلغ رد وانکره وقال: قد تقرر ان الزاهدی ینقل الروایات الضعیفة فلا یتبع فیما ینفرد به وقد وجد النقل عن الخلاصة والبزازیة وغیرهما بما یخالفه کما قدمناه اھ (ص مذکورہ) والآن

www.ahlehad.org

فیہ فاجاد۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۲۴ رجب ۴۶ھ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ۔

حکم طلاق ثلاث نابالغہ غیر مدخولہ

(سوال) کیا فرماتے ہیں حضرات علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسمیٰ زید نے بموجودگی چند اشخاص کے جن میں اس کا بالغ لڑکا مسمیٰ عمرو بھی موجود تھا بدون اسکے استمزاج و استیذان کے ایک طلاق نامہ اسکی طرف سے لکھوایا جس کا عنوان اور اسم یہ تھا کہ میں مسمیٰ عمرو ولد زید نے اپنی نابالغہ غیر مدخولہ بیوی مسماۃ فلانہ بنت فلاں کو تین طلاق دی۔ بعد تکمیل کے باپ نے بیٹا کو حکم دیا کہ اس پر بائیں ہاتھ کے انگوٹھا سے نشان کردے۔ چونکہ لڑکا امی تھا دستخط کر نہیں سکتا تھا اسلئے اس نے آجکل کے گورنمنٹی دستور کے موافق اس پر نشان انگوٹھا کا کردیا اور نشان کرنیکا اسکو اقرار ہے اور اسکو طلاق نامہ کے مضمون سے بھی پوری واقفیت ہے اس حالت میں اسکی زوجہ پر تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں یا نہیں؟ اور اب اگر عمرو اس عورت سے نکاح کرنا چاہے تو بلا حلالہ نکاح صحیح ہے یا نہیں؟ ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ طلاق واقع نہیں ہوئی اسلئے کہ دستخط یا ختم نہیں ہے (اور انگوٹھے کی نشان مستحدث ہے) اور نکاح بلا تحلیل جائز ہے اور دوسرے ایک شخص کا خیال ہے کہ انگوٹھے کا نشان بجائے ختم کے ہے لہذا نکاح بلا تحلیل درست نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:- فی الشامیۃ: (ص ۳۰۴ ج ۲) ولو استکتب کتابا بطلاقها وقرأه على الزوج فأخذه الزوج وختمه وعنونه وبعث به إليها فأتاها وقع وإن أقر الزوج أنه كتابه أو قال للرجل ابعث به إليها أو قال له اكتب نسخة وابعث بها إليها وإن لم يقر ولم تقم بينة لكنه وصف الأمر على وجهه لا تطلق قضاء ولا ديانة وكذا كل كتاب لم يكتبه ولم يمله بنفسه لا يقع الطلاق ما لم يقر أنه كتابه اھ ملخصاً۔

جب زوج کو مضمون طلاق نامہ سے خبردار ہوتے ہوئے اس کا اقرار ہے کہ وہ

نشان انگشت اس کا ہے اور نشان انگشت ہمارے عرف میں دستخط سے بھی زیادہ مستند ہے تو صورت مسئولہ میں تین طلاقیں واقع ہو گئیں ختم سے ہر وہ نشان مراد ہے جو کہ نسبت کرنے کیلئے کافی ہو یہ نہیں کہ ختم کے علاوہ دوسرے نشانات معتبر نہ ہوں شریعت نے ختم کی کوئی خاص صورت متعین نہیں کی چنانچہ بعض مہر کرتے ہیں بعض دستخط صاف کرتے ہیں بعض دستخط اپنی خاص روش پر بخط طغرا کرتے ہیں تو جو شخص نشان انگشت کو ختم نہیں کہتا وہ دستخط کی قسم ثانی کو کیا کہے گا اور ختم کو ان تین صورتوں میں سے کسی ایک صورت کے ساتھ کس دلیل سے مقید کریگا ہمارے نزدیک ختم کا مدار عرف پر ہے جس طریقہ کو عرفاً ختم سمجھتے ہوں اس سے تحریر خاتم کی طرف منسوب ہو جائیگی اور آجکل نشان انگشت سب سے زیادہ ہے فلا شک فی کونہ ختماً۔ پس عمرو کو بدون حلالہ اس عورت سے نکاح جائز نہیں۔ واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۲۲ر شوال سنہ ۴۳ھ

احقر عبد الکریم گمتھلوی عفی عنہ
۲۲ر شوال سنہ ۴۳ھ

"ایک دو تین طلاق" کہنے سے طلاق مغلظہ واقع ہوگی۔

سوال (کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی بیوی بدکام کرتے ہوئے دوسرے پر دوسرے نے دیکھا اور اس وجہ سے ان کے اقارب میں سے کسی نے انگشت مارا اور لعن طعن کیا کہ تو کیوں اسکو کچھ نہیں کہتا اب شوہر غصہ ہو کر عام مجلس میں یہ الفاظ کہنے پر اقرار کرتا ہے اور انکے ساتھ چار آدمی بھی کہتے ہیں وہ الفاظ یہ ہیں "ایک دو تین طلاق بائن"۔ اب اس میں طلاق ہوگی یا نہیں؟ کیونکہ لفظ "دی" رہ گیا مگر ایک آدمی "دی" لفظ کہنے پر بھی گواہی دیتا ہے اب چار گواہ کے مقابل میں ایک کا معتبر سمجھا جاویگا یا نہیں اور "دی" لفظ نہ کہنے کی صورت پر بھی طلاق ہوگی یا نہیں کیونکہ نہ بیوی کو مخاطب بنایا نہ جس سے طلاق لفظ کا مبتدا ہو جاتا اور نہ "دی" لفظ کہا جس سے طلاق کی خبر ہو بظاہر مبتدا نہ ہونے پر مہمل کلام معلوم ہوتا ہے اسلئے لوگ اختلاف کرتے ہیں کہ طلاق نہیں ہوئی۔ اب کتب معتبرہ سے جواب روانہ فرما کر سرفراز کریں اور اگر ایک کا قول معتبر مانا جائے تو کچھ شبہ ہی نہیں

کیونکہ اس میں "دی" لفظ موجود ہے

فدوی کفیل الدین عفی عنہ ۳ ذی قعدہ ۱۳۳۲ھ

الجواب: صورت مسئولہ میں تین طلاق واقع ہوگئیں کیونکہ تعیین عورت اور اسکی طرح لفظ "دی" کے مقدر ہونے پر قرینہ موجود ہے جیسا کہ ذیل کے جزئیات میں واقع ہو جاتی ہے۔

رجل شاجر امرأته فقال لها بالفارسية "سه طلاق داد" ولم يزد على هذا وقع عليها ثلاث تطليقات (عالمگیری صفحہ ج ۲)

سكران هربت منه امرأته فتبعها ولم يظفر بها فقال بالفارسية "بسه طلاق" ان قال عنيت امرأتي يقع وان لم ينو شيئا لا يقع كذا في الخلاصة ايضا صفحہ

یعنی اگر وہ شخص یہ کہے کہ میں نے نیت اپنی عورت کو طلاق دینے کی کی تھی تو طلاق واقع ہوگی...... شرح وقایہ ثلاث نیة ولا یقاس علی الروایة الاولی لوجود الاضافة فیه دون هذه الواقعة۔ اور ایک گواہ عادل اور ثقہ اس معاملہ میں کافی نہیں۔

فی العالمگیریة (ج ۳ ص ۴۴۳) یشترط فیها شهادة رجلین او رجل وامرأتین سواء کان الحق مالا او غیر مال کالنکاح والطلاق الخ۔

اور دوسرے وہ شاہد بھی اضافة طلاق الی المرأة کی گواہی نہیں دیتا لہذا حکم مذکور میں اسکی شہادت کی وجہ سے کوئی فرق نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ احقر عبدالکریم عفی عنہ ۹ ذی قعدہ ۱۳۳۲ھ

وفی قول الشامی تحت قول الدرر: لترکه الاضافة وما ذکره الشارح من التعلیل: اصله لصاحب البحر اخذا من قول البزازیة فی الایمان قال انها لا تخرج من الدار الا باذنی فانی حلفت بالطلاق فخرجت لا یقع لعدم ذکره حلفه بطلاقها ویحتمل الحلف بطلاق غیرها فالقول له اھ ومثله فی الخانیة وفی هذا الاخذ نظر فان مفهوم کلام البزازیة انه لو اراد الحلف بطلاقها یقع لانه جعل القول له فی صرفه الی طلاق غیرها والمفهوم من تعلیل الشارح تبعا للبحر عدم الوقوع اصلا لفقد شرطه۔

الاضافة مع انه لو اراد طلاقها تكون الاضافة موجودة ويكون المعنى فاني حلفت بالطلاق منك او بطلاقك ولا يلزم كون الاضافة صريحة في كلامه لما في البحر لو قال طالق فقيل له من عنيت فقال امرأتي طلقت امرأته (در ص ۵۰۰ ـ ج ۲)

اس سے معلوم ہوا کہ قرینہ ہوتے ہوئے بھی قول زوج کی طرف رجوع کیا جائیگا۔

کیونکہ "لا تخرجی من الدار الا" کے بعد "فانی حلفت بالطلاق" کہنے پر بھی بدون قول زوج اس مخاطبہ پر طلاق واقع نہیں ہوئی اور مسکرات کے جزئیہ مذکورہ میں اس کا دو دفعہ اور کامیاب نہ ہونے پر یہ کہنا قرینہ ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

احقر عبد الکریم عفی عنہ۔ ۲ محرم ۱۳۳۶ھ

دو بیویوں کو کہا، دونوں کو ایک دو تین طلاق دی ہوں، تو دونوں پر طلاق مغلظہ واقع ہو جائیگی۔

(سوال) زید کی دو بیوی ہیں آمنہ و فاطمہ خانگی خصومت کی جہت سے ایک دن وہ اپنی چھوٹی بیوی فاطمہ کو تہدیدًا و تشدیدًا کہا کہ "تم دونوں کو طلاق دونگا" اس وقت بڑی بیوی تیس چالیس ہاتھ فاصلہ پر بڑے گھر میں بیمار پڑی تھی۔ وہ ایک لحظہ بعد بنگلہ زبان میں کہا کہ "ایک دو طلاق دیتا ہوں" ترجمہ اس کا بزبان بنگلہ یہ ہے (ایک دوئی طلاق دیچی) وہ جملہ بزبان بنگلہ اس نے کہی تھی یعنی ــ جملہ[1] ــ کوئی مرد یا عورت اس سے روکی اور نہی کر کیا کرتے ہو بابا اس پر وہ زید نے کہا کہ "دونوں کو ایک دو تین طلاق دی ہوں" مگر بنگلہ میں ایسی جیسی کہا (عبارت بنگلہ) "دونوں زن کے ایک دوئی تین طلاق دیبی تماکے دیا ہی" لیکن نفس الامر میں زید نے اس سے آگے یا پیچھے کوئی بیوی کو طلاق کبھی نہیں دی ہے اب اسی حالت میں زید کے دونوں کلام آخری انشاء طلاق ہوئی ہے یا اخبار کذب من الطلاق؟ از روئے ہدایت بے دری کے لوجہ اللہ خالص جواب شافی وکافی تحریر فرما کر سرفراز فرمائیں اور اللہ تعالیٰ سے اجر اس کا لیویں۔ اور صاف طور سے یہ بھی تحریر فرماویں کہ زید نے دونوں بیویاں یا کہ دونوں بیوی سے کوئی ایک بیوی مطلقہ ہوئی یا نہیں؟ اگر طلاق واقع نہیں ہوئی ہے تو کونسی طلاق زیادہ بہ تصدیق دونوں ـــ عرضگزار بندہ محمد حسن الزمان لاکر عفا اللہ عنہ الستار بڑے تلی چاٹگام۔

---

[1] یہاں عبارت بنگلہ تھی ۱۲

الجواب:- اگر جملہ مذکورہ فی السوال سے زید خبر عن الماضی کذبا مراد لینے کا دعویٰ کرتا ہے تب بھی قضاءً مقبول نہیں بلکہ دونوں بیویوں پر تین تین طلاق ہوگئیں۔

كما في الشامي (ص ۴۹۶ ج ۲) واما ما في الاكراه الخ تنبيه لو اكره على ان يقر بالطلاق فاقر لا يقع كما لو اقر بالطلاق هازلا او كاذبا فقال في البحر ان مراده بعدم الوقوع في المشبه به عدمه ديانة ثم نقل عن البزازية والقنية لو اراد به الخبر عن الماضي كذبا لا يقع ديانة الخ

اور اس امر میں عورت چونکہ بمنزلہ قاضی کے ہے اسلئے اگر عورت نے خود سن لیا یا شہادت معتبرہ سے اسکو زوج کا کہنا ثابت ہوگیا تو اس کو اس مرد کے پاس رہنا جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۱۶ر جمادی الاول ۵۳ھ

احقر عبدالکریم عفی عنہ خانقاہ امدادیہ
تھانہ بھون۔ ۱۵ر جمادی الاول ۵۳ھ

طلاق مغلظہ کی ایک صورت

(سوال) ایک شخص نے حالت غضب میں اپنی بیوی سے جھگڑتے ہوئے ذرا آگے تھا لیکن وہ بیوی وہاں موجود تھی یہ کہا۔ ایک طلاق دو طلاق دی۔ نیت یہ تھی کہ دو طلاق واقع ہوں۔ اور یہ سمجھے یا جائے اسمیں زجر ہوجائیگی۔ اس کے بعد وہ عورت دوسری جگہ چلی گئی۔ اب اس میں اس عورت پر دو طلاق واقع ہوئی یا تین طلاق یعنی دو طلاق واقع ہوکر رجعت کرسکتا ہے؟ یا تین طلاق واقع ہوکر حرام ہوگئی؟

(۲) بعینہٖ سوال اول ہے فرق یہ ہے کہ "ایک طلاق دو طلاق دی" میں لفظاً خطاب کرکے کہا یعنی "تجھکو ایک طلاق دو طلاق دی" اس سوال سے غرض یہ ہے کہ واقعہ مندرجہ بالا میں لفظ خطاب اور عدم خطاب میں حکماً کچھ فرق ہے یا نہیں؟ حالانکہ بیوی وہاں موجود تھی۔ راقم بندہ محمد عبدالرحمن عفی عنہ۔ بنگال۔

الجواب:- فی الشامی (ص ۶۳۲ ج ۲) ولا يلزم كون الاضافة صريحة في كلامه لما في البحر لو قال طالق فقيل له من عنيت فقال امرأتي طلقت امرأته اھ۔

وفی العالمگیریۃ: (ص ۵۰۔ ج ۱) ولو قال: "ترا ایک طلاق ویکت

ثم قال: "دو دو" يقع الثلاث ولو قال: "دو دو" بغير الواو: "وان نوى العطف يقع الثلاث وان لم ينو يقع واحدة كذا في الخلاصة۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ "ایک طلاق دو طلاق دی" اور "تجھکو ایک طلاق دو طلاق دی" میں کوئی فرق نہیں دونوں صورتوں میں طلاق واقع ہو جائے گی، اور "ایک طلاق دو طلاق" میں جب عطف کی نیت نہیں کی تو تین طلاق واقع نہیں ہوئی بلکہ دو واقع ہوئیں۔ واللہ اعلم۔

اس تحریر کے بعد شبہ ہوا اور عالمگیریہ (ص۱۱ ج ۲) میں یہ جزئیہ ملا۔

لو قال: للمدخولة انت طالق واحدة لا بل ثنتين يقع الثلاث ولو قال: ذلك لغير المدخولة يقع واحدة...... اس بناء پر صورت مسئولہ میں تین طلاق واقع ہوگئیں اور عالمگیریہ کا پہلا جزئیہ اس واقعہ کے مطابق نہیں کیونکہ وہاں سکوت کی وجہ سے "دو" کا لفظ نہیں رہا جبکہ اسکے ساتھ لفظاً حرف عطف نہ ہو یا عطف کی نیت نہ کی ہو۔ کتبہ احقر عبدالکریم عفی عنہ۔

الجواب صحیح: ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔ ۲۹، رجب ۴۴ھ

"یک دو سہ طلاق ہستی" سے ایک طلاق واقع ہوگی یا تین؟

(سوال) مولانا صاحب! السلام علیکم ازجناب رسول شاہ، عرض آنست کہ یک مسئلہ واقع شدہ کہ در حل آں اکثر عالمان ایں وطن حیران و متفکر اند جناب اگر حل آں بعبارت کتاب کنند منت و احسان باشد عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور خواہید شد۔ آں مسئلہ ایں است کہ شخصے زن خود را گفت کہ "یک دو سہ طلاق ہستی" بایں لفظ یک طلاق واقع شود یا سہ طلاق واقع شود بعض عالمان ایں وطن میگویند کہ یک طلاق واقع شود و بعض عالمان میگویند کہ سہ طلاق واقع شود بینوا توجروا۔ عالمان ایں وطن قائلین یک طلاق و قائلین سہ طلاق دلیل ندارند مگر کہ قیاس میگویند و ہر چہ میگویند اگر دلیل فریقین بودے نوشتہ ارسال کردمی پیش امید است کہ تسلی دہندہ رسالہ کنید کہ تسلیہ ہمہ ملایان شود۔

المرسل رسول شاہ موضع ڈھوڈہ مسجد کلاں ضلع کوہاٹ ڈاکخانہ خاص۔

الجواب: صورت مسئولہ میں تین طلاق واقع ہوچکیں۔

کما قال فی خلاصۃ الفتاوی: (ص ۸۰ ج ۲) ولو قال: "اگر فلانہ را زن کنم زن من بیک طلاق و دو طلاق و سہ طلاق" فتزوجہا تطلق واحدۃ ولو قال: "بیکے و دو و سہ" ثم تزوجہا یقع الثلاث وتمام ھذا فی خزانۃ الواقعات اھ۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب لفظ طلاق کو "یک و دو و سہ" کے بعد ذکر کیا جائے تو غیر مدخولہ پر بھی تین طلاق واقع ہوتی ہیں۔ والمدخولۃ بہا بالاولیٰ اور اگر عدد کے بعد لفظ طلاق مذکور ہو جیسا کہ جزئیہ اولیٰ میں ہے تو غیر مدخولہ پر ایک طلاق واقع ہوتی ہے اور مدخولہ پر اس صورت میں بھی تین طلاق واقع ہونگی چونکہ صورت مسئولہ میں لفظ طلاق کو مجموعہ اعداد کے بعد ذکر کیا گیا ہے لہذا بہر حال تین طلاق واقع ہو گئیں خواہ وہ عورت مدخولہ بہا ہو یا غیر مدخول بہا۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ ۱۰؍ شعبان ۴۵ھ

طلاق خلافی ایک صورت کا حکم

(سوال) علماء دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں۔ نقل طلاق نامہ منسلکہ استفتاء ارسال حضور ہے جسکو مرد نے اپنی سوتیلی ماں کے کہنے سے رجسٹری کے ذریعہ اپنی عورت کو بمورخہ ۱۴؍ مارچ ۲۶ء کو بھیجا جسکے لینے کا اس نے انکار کیا بعد ازاں خاوند کو معلوم ہونے پر اسی طلاق نامہ کی نقل بذریعہ پوسٹ کارڈ رجسٹری شدہ شوہر نے بھیجا اس کو بھی عورت نے لینے سے انکار کیا اور واپس کر دیا عورت بدستور باعصمت اپنی والدہ کے ساتھ اپنے میکہ میں بیٹھی ہے اور طلاق سے انکار ہے خواہش شوہر کے پاس جانیکی ظاہر کرتی ہے آیا طلاق پڑی یا نہیں پڑی تو رجوع کیسے کیا جائے وضع کیسے ہو۔ از لکھنؤ ۱۴؍ اکتوبر ۱۹۲۶ء۔

نقل طلاق نامہ۔ مسماۃ فلانہ بنت فلاں صاحب! تم عرصہ سے اپنے طریقہ کو تبدیل کرکے بداخلاقی و بدزبانی و نافرمانبرداری سے پیش آتی رہیں۔ بلکہ شور و غل بدتمیزی کی گفتگو کرکے محلہ کے مجمع عام میں بے حجابانہ کرکے طلاق مانگی آخر کار مع کل زیورات و پارچہ جات اپنی پھوپھی کی بیماری کا موقع حاصل کرکے اپنی والدہ اور نانی کے ہمراہ اپنے میکے چلی گئیں اور پھر واپس نہیں آئیں۔ ابھی تک جیسے تو انکار کرتی رہیں تمہارے والد بزرگوار کو بھی

خط لکھا تھا انہوں نے ابھی تک بھی کوئی کاروائی نہیں کی معلوم ہوتا ہے کہ تم نے انکو بھی اپنا ہم خیال بنا لیا چونکہ اس سے پیشتر بھی تم مجھ سے خواہش طلاق کر چکی ہو لہٰذا تمہاری مرضی کے موافق بحالت صحت وثبات عقل تمکو اپنی زوجیت سے علیحدہ کرتا ہوں۔ اور طلاق دیتا ہوں۔ اور طلاق دیتا ہوں اور طلاق نامہ ھذا بذریعہ رجسٹری روانہ کرتا ہوں۔

مسماۃ فلانہ بنت فلاں تمکو مجھ...... نے طلاق بائن دی

مسماۃ فلانہ بنت فلاں تمکو مجھ...... نے طلاق بائن دی

مسماۃ فلانہ بنت فلاں تمکو مجھ...... نے طلاق بائن دی

واضح ہو کہ جو زیور طلائی ونقرئی تم میرا لے گئی ہو اور جسکی فہرست تمہاری دستخطی موجود ہے وہ واپس کر دو۔ تاکید جانو۔

العبد شوہر

مورخہ ۴ مارچ ۱۹۲۷ء

گواہ شد زید

گواہ شد بکر

الجواب: صورت مسئولہ میں مسماۃ پر طلاق بائن مغلظہ پڑ گئی اور نکاح فسخ ہو گیا بعد عدت کے وہ دوسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہے اور اس شوہر سے بدون تحلیل کے نکاح جائز نہیں کیونکہ طلاق نامہ میں بعد ذکر طلاق کے اول یہ فقرہ تحریر لکھا ہے۔ کہ تمکو اپنی زوجیت سے علیحدہ کرتا ہوں۔ اس سے ایک طلاق بائن واقع ہو گئی اسکے بعد لکھا ہے۔ اور طلاق دیتا ہوں۔ یہ گو صریح ہے مگر اس سے دوسری طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ یہ پہلے جملہ کی تفسیر ہے مگر یہ کہ اس سے زوج نے تکریر طلاق کا قصد کیا ہو تو دوسری بھی اس سے واقع ہو جائیگی اسکے بعد زوج نے مسماۃ کو مخاطب کر کے تین دفعہ یہ جملہ لکھا ہے۔ مسماۃ فلانہ بنت فلاں تمکو مجھ نے طلاق بائن دی۔ یہ گو طلاق بائن ہے مگر بلفظ الصریح ہے اس لئے بائن کو لاحق ہوگا اور چونکہ تین بار تکرار کیا ہے اسلئے تین طلاق واقع ہو کر ایک زائد ہو جائیگی۔

قال فی الفتح وفی حاشیۃ الدر: والمراد بالبائن الذی لا یلحق البائن۔ البائن بلفظ: لک بائنۃ فلو کان بائنا بغیرہ ما یقع۔ الی قال — ولو خالعها ثم قال: انت طالق بائن وقع الثانی وان کان بائنا لان وقوعہ

بانت طالق وهو صریح ویلغو قوله بائن لعدم الحاجة الیه لان الصریح بعد البائن بائن اھ (ص ۲۱۸ - ج ۲) واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

خانقاہ امدادیہ - ۳۰ ربیع الاول سنہ ۴۶ھ

دو بیویوں کو مخاطب کرکے کہا شمارا یک طلاق، دو طلاق، سہ طلاق دادم، تو دونوں پر طلاق مغلظہ ثلاثہ واقع ہو جائیگی۔

(سوال) چہ می فرمایند علماء دین و فضلاء شرع متین اندریں مسئلہ کہ شخصے مسمی علی اصغر دو زن دارد روزے بسا علقہ خانگی درمیان ہر دو زنان منازعت افتادہ بود دریں اثنا علی اصغر در خشم و طیش آمدہ گفت شمارا یک طلاق دادم کسے گفت این چہ طلاق دادی طلاق نشد بمجرد شنیدن این کلام قدمے چند پیش و پس رفتہ باز گفت شمارا یک طلاق۔ دو طلاق۔ سہ طلاق دادم۔ پس درصورت مذکورۂ بالا زنان علی اصغر مطلقہ سہ طلاق شدند یا ہر طلاق بر ہر دو زن منقسم شدہ جداگانہ واقع شود یا نہ؟ ــــ مخفی مباد کہ مطلق را پرسیدہ شد کہ نیت تو چہ بود گفت نیت من تقسیم نبود۔ بینوا توجروا عند اللہ اجراً عظیماً۔

عرضگزار خاکسار عبداللطیف مدرس مدرسہ سراجی پور ضلع فرید پور۔

الجواب:۔ قال فی الهندیة نقلا عن فتح القدیر، ولو قال: لاربع انتن طوالق ثلاثاً ینوی ان الثلث بینهن فهو یدین فیما بینه و الله فتطلق کل واحدة واحدة اھ۔

وفیه ایضاً:۔ عن المحیط للسرخسی:۔ ولو قال، لاربع نسوة انتن طالقات ثلاثاً یقع علی کل واحدة ثلاثاً اھ (ص ۶۰ - ج ۲)۔

پس درصورت مسئولہ قضاءً سہ طلاق بر ہر زن واقع شدہ و اگر زوج نیت تقسیم کردی دیانۃً نیت او قبول گشتے و چون نیت تقسیم ہم نکرد پس دیانۃً نیز ہر دو زوجہ اش مطلقہ ثلاثہ مغلظہ گشتہ۔ فلا یجوز له النکاح باحدهما الا بعد ان تنکح زوجها بعد زوج آخر وتنقضی عدتهما منه بعد طلاقه۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ اشرفیہ ۱۲ شعبان سنہ ۴۶ھ

مذاکرۂ طلاق میں شوہر نے کہا "ایک دو تین" تو طلاق مغلظ واقع ہو جائیگی۔

(سوال) ایک شخص نے حالت تنازع میں اپنی بیوی سے کہا کہ "میں تجھکو کل کو طلاق تکیہ ملن گھرے کرکے دونگا" اس نے جواب میں سب وشتم کرکے کہا کہ "تو ابھی طلاق دیدے" شوہر نے پھر جواب میں کہا کہ "ایک دو تین" اور بعد اسکے کہا کہ "جا گھر سے چلی جا" اور بعد میں لوگوں نے شوہر کو ملامت وغیرہ کی کہ تم نے کیوں طلاق دی تو اس نے کہا کہ میں نے دل سے طلاقیں نہیں کہیں بلکہ خوف اور ڈرانے کے واسطے کہی ہیں۔ آیا ایسی صورت میں طلاقیں واقع ہو گئیں یا نہیں؟ حوالہ کتب مع عبارت ارسال فرمائیں عنایت ہوگی بینوا جزاکم اللہ رب الجلیل۔

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں اس شخص کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہو گئیں۔ قال فی الخلاصۃ: وفی الفتاوی: قال لامرأتہ: "ترا یکے وترا سہ" او قال: "یکے تو سہ"۔ قال ابو القاسم الصفار لا یقع شیء وقال الصدر الشہید: یقع اذا نوی وبہ یفتی قال القاضی: وینبغی ان یکون الجواب علی التفصیل ان کان ذلک فی حال مذاکرۃ الطلاق او فی حال الغضب یقع الطلاق وان لم یکن لا یقع الا بالنیۃ کما قال فی العربیۃ انت واحدۃ اھ (ص۹۲ ج۲)۔ قلت: وقد وجدت المذاکرۃ فی الصورۃ المسئول عنہا واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

خانقاہ امدادیہ۔ ۷ صفر ۴۴ھ

دو بیویوں کو مخاطب کرکے کہا "اللہ کا حکم۔ شما راسہ طلاق دادم" تو ہر ایک پر تین طلاق واقع ہونگی یا ایک ایک طلاق۔

(سوال) چہ می فرمایند علماء دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ مسمی عنومیاں دو زن می داشت روزے ہر دو زنش وبا ہمدیگر تنازع می کردند وگفتگو بای بسیار وقال وقیل بسیار می نمودند مسمی مذکور از مسجد آمدہ چوں ایشاں را در مشاجرت ومنازعت دید گفت "اللہ کا حکم شما راسہ طلاق دادم" پس استفسار از علماء کرام ایں است آیا ہر دو زوجہ مسمی مذکور سہ طلاق مطلقہ خواہد شد یا نہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ اقول وباللہ التوفیق ——— در صورت مرقومہ ہر دو زوجۂ

ہر دو زناں سہ سہ طلاق مطلقہ خواہد شد چہ مفہوم ایں کلام در عرف ہمیں است یعنی سوگند بحد استعمال می شود پس حسب قاعدہ مسلمہ بنا الیمین علی العرف معنای ایں است کہ سوگند میخورم کہ ہر یکے را سہ طلاق دادم پس چونکہ دریں قول متعلق ہر یکے از منکوحات مخاطب مستقلاً شد ہر یکے از ایشان بسہ طلاق مطلقہ خواہد گردید۔

کما فی الهندیة: ولو قال لاربع نسوة له انتن طوالق ثلاثا يقع على كل واحدة ثلاث ولا يخفى على من له البصارة ان وقوع الطلاق في هذه الصورة مبني على ان كل واحدة منهن مخاطبة مستقلة هكذا ههنا والله اعلم وعلمه اتم واحكم۔

حررہ الاحقر ولایت حسین عفی عنہ

المدرس فی المدرسۃ الاسلامیۃ النوکھالیۃ ۔ ۲۰ شوال [illegible]

(نوٹ) اس جواب پر اور بھی چند علماء بنگال کی تصویب و دستخط تھے۔

تنقیح از جامع امداد الاحکام

در صورت مسئولہ اول تعیین نیت درج سوال باید کرد اگر ایقاع طلقات ثلث بر ہر زوجہ قصد کردہ بود بر ہر زوجہ سہ طلاق واقع شد چنانکہ مفتی نوشتہ و اگر ہر دو را در سہ طلاق شریک کردہ نیت تقسیم کردہ بود سوال بار دیگر باید فرستاد۔

فقد قال فی الهندیة بعد العبارة التی ذکرها المفتی ولو قال لاربع انتن طوالق ثلاثا ینوی ان الثلاث بینهن فهو یدین فیما بینه وبین الله تعالى فتطلق كل واحدة واحدة كذا في الفتح اھ (ص ۶۰ ج ۲)

والله اعلم وعلمه اتم واحكم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون دار [illegible]

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی دو بیوی تھیں آپس میں جھگڑ رہی تھیں مرد نے غصہ میں آکر کہا کہ ، تم دونوں کو تین طلاق دیتی ، جب مرد سے چند روز کے بعد پوچھا گیا کہ آیا ہر ایک بیوی کو تین طلاق دینا مقصود تھا یا ڈیڑھ ڈیڑھ اس نے جواب میں کہا مجھے یاد نہیں آتی کہ میری کیا نیت تھی اب سوال یہ ہے کہ ان دونوں پر

، تم دونوں کو تین طلاق دیتی ، کہنے سے ہر ایک بیوی پر تین طلاق واقع ہوگی یا کیسے۔

کتنی طلاق واقع ہونگی؟ ہماری ملکی اصطلاح میں جب کوئی کہے کہ تم دونوں کو تین روپیہ دیا۔ مراد اس سے نصفًا نصفی ہوتی ہے کیا طلاق میں اصطلاح ملکی ملحوظ ہوگی؟ فتاویٰ ہندیہ میں ہے۔

لو قال لثلاث نسوۃ لہ انتن طوالق ثلاثا او طلقتکن ثلاثا یقع علی کل واحدۃ ثلاث ولا ینقسم بخلاف لو قال: اوقعت بینکن ثلاثا فانہا تقسم بینہن فتقع علی کل واحدۃ طلقۃ۔ مراد ایراد سے یہ ہے کہ اس مرد کے قول کی تعریب حسب اصطلاح ملک ہند۔ طلقتکما ثلاثا، ہوگی یا اوقعت بینکما ثلاث تطلیقات ہوگی؟ بینوا توجروا۔ سائل محمد فیض الرحمٰن میمن سنگھی۔

تنقیح:۔ ہمارے محاورہ میں صورت مسئولہ میں دونوں بیویوں پر تین تین طلاق واقع کرنا مفہوم ہوتا ہے اگر سائل کا عرف تقسیم کو موجب ہے تو علماء بنگال سے رجوع مناسب ہے وافضلہم عندی مولانا محمد اسحاق البردوانی استاد الدینیات بکلیہ ڈھاکہ پانچ بھائی گھاٹ لین: واللہ تعالیٰ اعلم۔

ظفر احمد عفا عنہ ۱۱ ربیع الثانی ۵۳ھ

مطلقہ ثلاث اگر مرتد ہو کر پھر مسلمان ہو جائے تو طلاق ثلاث کا حکم باطل ہو جائیگا یا نہیں۔

سوال) اگر مطلقہ بطلاق مغلظہ معاذ اللہ مرتدہ ہو جائے اور پھر وہ اسلام قبول کرے تو اس ارتداد کی وجہ سے حکم طلاق ثلثہ کا بھی باطل ہوگا یا نہیں؟ اور ایسی صورت میں زوج اول بلا حلالہ اپنی مطلقہ سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟ والسلام

نیازمند۔ محمد مسعود علی عفی عنہ ۱۰ ربیع الاول ۵۹ھ

الجواب:۔ فی العالمگیریہ: (ص ۱۲۹ ج ۲) ولو ارتدت المطلقۃ ثلاثا ولحقت بدار الحرب ثم استرقہا او طلق زوجتہ الامۃ ثنتین ثم ملکہا ففی ہاتین لا یحل لہ الوطی الا بعد زوج آخر۔ کذا فی النہر الفائق۔

وفی الدر:۔ لاشتراط الزوج بالنص فلا یحلہا وطء المولیٰ ولا ملک امۃ بعد طلقتین او حرۃ بعد ثلاث وردۃ وسبی اھ۔

وقال الشامی:۔ ای لو طلقہا ثنتین وہی امۃ ثم ملکہا او ثلاثا وہی

حرۃ فارتدت ولحقت بدار الحرب ثم سبیت وملکها لا یحل له الوطی بملک الیمین حتی یتزوجها فیدخل بها الزوج ثم یطلقها کما فی الفتح (ص ۳۳ ج ۲)

ان روایات فقہیہ سے صراحۃً معلوم ہوا کہ ارتداد سے مطلقہ ثلاث کا حکم نہیں بدلتا پس جو عورت مطلقہ ثلاث مرتد ہو کر مسلمان ہو جائے اس کا نکاح بدون حلالہ کے زوج اول سے حرام ہے۔

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ ۔ ۱۲ ربیع الاول ۵۳ھ

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون۔

ماں کو مخاطب کرکے کہا ماں تیری بہو کو تین طلاق، تو بیوی پر تین طلاق واقع ہو جائیں گی۔

( ) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کو اس کی بیوی اور بھاوج نے کھانا بنا کر دیا۔ کھانے میں کچھ خرابی دیکھکر غصہ میں زید نے اپنی والدہ کو آواز دیکر کہا، ماں تیری بہو کو تین طلاق۔ اس صورت میں زید کی بیوی پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ زید واقعہ کے بعد سال بھر تک اپنی بیوی کے ساتھ رکھتا بستا رہا اس خیال میں کہ بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوئی۔ جناب والا کرم دیکر جواب سے مشرف فرمایا جائے اور اگر طلاق واقع ہو گئی تو زید کو کیا کرنا چاہئے؟ بینوا توجروا جزاکم اللہ تعالیٰ فی الدارین خیراً۔

الجواب: اس صورت میں طلاق مغلظہ واقع ہو چکی ہے اس عورت کو اب تک جو رکھا سخت گناہ کا مرتکب ہوا اب فوراً الگ کر دینا واجب ہے بڑی حیرت ہے کہ اس طرح صاف صاف الفاظ کہکر بھی یوں سمجھے کہ طلاق واقع نہیں ہوئی۔

ونظیرہ ما فی العالمگیریة: (ص ۹۱ ج ۲) ولو قال لامرأته وامرأة اجنبیة وقال: احداکما طالق الی ان قال - ولو قال فی هذه الصورة طلقت احداکما طلقت امرأته من غیر نیة ذکره فی طلاق الاصل۔ واللہ اعلم۔

احقر عبد الکریم عفی عنہ از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون۔

الجواب صحیح

ظفر احمد عفا عنہ ۲۸ ربیع الاول ۵۳ھ

"میں اسکو چھوڑ چکا، وہ میری بیوی نہیں ہے، مجھے اس سے کوئی تعلق نہیں، وہ میری طرف سے آزاد ہے" کا حکم۔

مولانا وآقائی حضرت حکیم الامت دامت برکاتہم۔ السلام علیکم۔

حضرت! اس معاملہ میں ہر ایک تشریح

بحث کر رہا ہے اور حضرت استاذ مولانا محمد حسن صاحب (قاضی بھوپال) دام فیوضہم نے مکرر سہ کرر، شامی۔ عالمگیری وغیرہ ملاحظہ فرمایا لیکن فریق مخالف اپنے خلاف فیصلہ کو تسلیم نہیں کرتا ہے۔ حضرت سے عرض ہے کہ لوجہ اللہ تعالیٰ مفصل و مدلل امر حق واضح فرما دیں۔ ہر ایک فریق حضرت سے نیک عقیدت رکھتے ہیں امید ہے کہ حضرت کے فتویٰ سے ان میں اصلاح ہو جائیگی مشتبہات حسب ذیل لکھے جا رہے ہیں۔

فریق اول:- زید کا کہنا ان الفاظ کا کسی شہادت وغیرہ سے ثابت نہیں بلکہ صرف دھوکہ سے اقرار کرا لیا گیا ہے زید کو نیت نہ تھی غایت فی الباب پہلے لفظ سے طلاق رجعی ہوئی ہے اور بقیہ سے تاکید ہے اور زید نے معافی چاہ لی ہے لھذا رجعت ہو چکی۔

فریق ثانی:- ہر ایک لفظ سے ایک ایک طلاق واقع ہو چکی ہے اور اقرار کے بعد دھوکہ اور عدم نیت وغیرہ کا حیلہ کرنا باب الطلاق میں کچھ مفید نہیں کیونکہ عاقل بالغ کا اقرار ہے اور اس اقرار کے بعد شہادت کی کوئی ضرورت نہیں پہلے لفظ سے رجعی اور بقیہ سے تاکید کہنا لغو ہے حضرت عمرؓ نے تین طلاق کو تین ہی رکھا ہے اور اسی پر عمل ہے لھذا مغلظہ ہو چکی۔ اب بلا حلالہ کے نکاح زید سے ہندہ کا نہیں ہو سکتا۔

ہر ایک فریق اپنی اپنی کہتا ہے اور حضرت قاضی صاحب کے فیصلے سے بھی آگے جا رہا ہے حضرت کے فتویٰ سے انشاء اللہ تعالیٰ اصلاح کی امید ہے۔ خادم عبدالصمد۔

الاستفتاء: زید نے اپنی اہلیہ کے متعلق محکمہ قضا بھوپال میں ۵ر نومبر ۳۱ء کو درخواست پیش کی اور اپنا بیان لکھوایا۔

درخواست کا مضمون میری اہلیہ مسماۃ ہندہ اور میرے درمیان کئی سال سے باہمی نزاع تھا اور اس زمانہ میں مصلحین و مفسدین کے ذریعے جانبین کو اور انکے اعزہ کو مختلف اقسام کی باتیں پہنچتی رہیں جیسے کہ باہمی نزاع کی صورت میں ہوتا ہے اور معاملہ اسقدر طول پکڑ گیا تھا کہ ہر ایک فریق نے دوسرے سے بالکل ہی رشتہ داری توڑ کر قطع تعلق کر لیا تھا حتی کہ اسی غصہ کی حالت میں، میں نے اپنی اہلیہ مذکورہ کے متعلق یہ بھی کہدیا تھا کہ میں اسکو چھوڑ چکا، وہ میری بیوی نہیں ہے۔ مجھے اس سے کوئی تعلق نہیں، وہ میری طرف سے آزاد ہے۔ بالآخر میں نے اپنے خسر صاحب کے پاس جا کر معافی چاہی اور آئندہ کیلئے پھر تعلقات قائم کرنے کی استدعا کی اسپر صاحب موصوف نے مجھ سے فرمایا کہ معاملہ بہت

طے ہو چکا ہے اور میرا دل اب تم سے رشتہ رکھنیکو نہیں چاہتا خیر میں نے اسکو رضی کرلیا خارجاً سنا ہے کہ خسر صاحب نے شکایت کی کوئی درخواست عالی خدمت میں آئی ہے۔ اسلئے عرض ہے کہ چونکہ باہمی ہمارا فیصلہ طے ہو چکا ہے اور آئندہ بھی باہمی مصالحت ہوگی اور یہ درخواست نہ میں نے دی ہے نہ میرے کسی عزیز نے لہذا عرض ہے کہ اس درخواست پر کوئی کارروائی نہ فرمائی جائے بلکہ عرضی ہذا پر شرعی حکم صادر فرما دیا جائے تاکہ ہم اس پر دل و جان سے عمل کر سکیں۔

بیان کا مضمون: یہ درخواست میں نے لکھوائی ہے اس پر میرے قلمی دستخط ہیں میں نے اس وقت درخواست کو سن لیا اس میں دو باتیں لکھی ہیں جو میں نے لکھوائی ہیں جو شکل میرے معاملہ کی بتائی ہوئی تھی اس پر کوئی کارروائی نہ کی جائے اسیقدر روئداد پر فیصلہ شرعی فرما دیا جائے۔

جناب قاضی صاحب کے فیصلہ کا خلاصہ: شرعاً ان الفاظ سے کہ جو الفاظ زید نے اپنی اہلیہ مسماۃ ہندہ کی نسبت کہے ہیں۔ مسماۃ پر ایک طلاق بائن واقع ہوگئی اسلئے بدون نکاح جدید وہ مسماۃ زید کے حق میں حلال نہیں ہو سکتی۔ ۱۲ر نومبر ۳۱ء محررہ — ۱۴ر نومبر ۳۱ء کو زید نے دوسری درخواست اس مضمون کی پیش کی کہ وہ ۱۰ر نومبر والی درخواست نہ میں نے لکھی اور نہ کسی سے لکھوائی بلکہ خسر صاحب نے کسی سے لکھوائی اور مجھے دھوکہ دیکر مجھ سے دستخط کرا لئے اور مجھے یہ اطمینان دلایا کہ ہم تفریق نہیں چاہتے ہیں۔ بلکہ رخصت کر دینگے انکے اعتماد اور خوف بزرگی کی وجہ سے میں نے دستخط کئے اور پیش کر دی لہذا ان حالات پر غور فرما کر فیصلہ پر نظر ثانی فرما دیجئے — اس ثانی درخواست کے ساتھ زید نے اس مضمون کا بیان لکھوایا۔ سابق درخواست میں نے جو ۱۰ر نومبر ۳۱ء کو پیش کی تھی درخواست مذکورہ پر میرے قلمی دستخط ہیں محکمہ قضا میں پیش کرنے پہلے درخواست مذکورہ پڑھ کر سنائی گئی تھی۔ میں نے درخواست مذکورہ کو سنکر یہ بیان کیا تھا کہ یہ درخواست میں نے لکھوائی ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ درخواست میں نے نہیں لکھوائی تھی بلکہ یہ درخواست میرے خسر نے کسی سے لکھوا کر مجھ سے دستخط کرا لئے تھے اور کہا تھا کہ محکمہ قضا میں جو معاملہ پیش ہو گیا ہے اسکے واپس کرنے کیلئے یہ درخواست دی جاتی ہے۔

بعد نظر ثانی جناب قاضی صاحب کے فیصلہ کا خلاصہ:

زید کی پہلی درخواست پر جبکہ فریقین کو فیصلہ سنا دیا گیا تو زید پھر درخواست پیش کی زید اس ثانی درخواست میں لکھتا ہے کہ میرے سسر نے مجھ کو دھوکہ دیکر تحریر پر دستخط کرالئے وہ کلمات نسبت چھوڑنے اور بے تعلق ہوجانے زوجہ کے نہیں ہے لیکن زید ثانی درخواست پیش کرکے اپنے بیان میں خود تسلیم کر رہا ہے کہ پہلی درخواست میں نے محکمہ قضاء میں پیش کی تھی درخواست مذکورہ پر میرے قلمی دستخط ہیں محکمہ قضاء میں پیش کرنے پر مجھے درخواست مذکورہ پڑھ کر سنائی گئی تھی میں نے درخواست مذکورہ سن کر بیان کیا تھا کہ یہ درخواست میں نے لکھوائی ہے۔ الی آخرہ۔ یہ بیان اسکی ثانی درخواست کے مضمون کے خلاف ہے بہرحال مجموعہ روئداد سے یہ تو ثابت ہے کہ الفاظ متعلق چھوڑدینے زوجہ و بے تعلق وار دی۔۔ سے کہہ دینے اور لکھوا دینے کو زید تسلیم کرتا ہے خواہ برضاء و رغبت ہو یا بدون رضا خسر کے بہکانے اور دھوکہ دینے سے چونکہ شریعت میں بصورت جد و ہزل و مذاق و اکراہ ہر طور پر الفاظ طلاق کہہ دینے یا تحریر کردینے سے طلاق واقع ہوجاتی ہے لھذا ایک طلاق بائن مسماۃ ہندہ پر ضرور واقع ہوگئی ہے بعد نظر ثانی فیصلہ سابق میں ترمیم یا تنسیخ کی حاجت نہیں ہے وہی فیصلہ بحال ہے۔ اسکے بعد ۱۰ دسمبر [illegible] کو زید نے عدالت میں رخصتی زوجہ کا دعوی دائر کیا کہ میری اہلیہ اپنے باپ کے گھر سے آتی نہیں رخصت کرادی جائے۔ جانب ہندہ کی طرف سے جواب دعوی پیش ہوا کہ بفیصلہ شرعی ہندہ زید پر حرام ہوچکی ہے لھذا اب رخصت کیسی؟۔ در تاریخ ۸ دسمبر والی درخواست اور اسکے ساتھ کے اول بیان کی نقل اور جناب قاضی صاحب کے فیصلہ کی نقل بھی پیش کی تو زید نے اس درخواست کو مع اس بیان کے تسلیم کی لیکن قاضی صاحب فیصلہ کو تسلیم نہیں کیا پس دریافت طلب یہ ہے کہ

(۱) صورت مسئولہ میں طلاق رجعی ہوئی یا بائن یا مغلظہ۔ کیا اگر زید کہے کہ میری ان الفاظ سے طلاق کی نیت ہی نہ تھی تو بھی طلاق واقع ہوجائیگی؟

(۲) دھوکہ وغیرہ کے عذرات مذکورہ شرعاً مسموع کیوں نہیں ہیں، ورنہ محض بیانات وغیرہ مذکورہ کی بناء پر طلاق کا حکم کیوں لگایا جاتا ہے۔ شہادت سے اس کا ثبوت کیوں نہ لیا جائے کہ یہ الفاظ زید کے ہیں یا نہیں۔

(۳) بر تقدیر طلاق رجعی زید کا اپنے خسر کے پاس جا کر معافی چاہنا اور قیام تعلقات کی استدعا کرنا، رجعت ہے یا نہیں؟ جواب مدلل و مشرح مع حوالہ کتب صادر فرمایا جائے کہ فریقین کی تسلی کرکے انکی صلح کرا دی جائے۔

خادم عبد الصمد ساکن اسلام پورہ جودھپور۔

الجواب: اس سوال سے معلوم ہوا کہ زید نے چند جملے بحالت غصہ استعمال کرنیکا اقرار کیا ہے اسلئے اولاً ان چاروں جملوں کا الگ الگ حکم لکھا جاتا ہے اسکے بعد سب کو ملانے سے جو نتیجہ ہوا اسکو تحریر کیا جائیگا۔

پہلا جملہ یہ ہے کہ میں اسکو چھوڑ دیگا۔ اسکے متعلق عالمگیریہ میں ہے:

ولو قال الرجل لامرأته بہشتم ترا ولم یقل از زنی، فان کان فی حالۃ غضب ومذاکرۃ الطلاق فھو واحدۃ یملک الرجعۃ وان نوی بائنۃ او ثلاثا فھو کما نوی وقول محمد فی ھذا کقول ابی یوسف کذا فی المحیط۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر غصہ اور مذاکرۂ طلاق کی صورت میں یہ جملہ استعمال کیا جائے تو بدون نیت بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

دوسرا جملہ یہ کہ وہ میری بیوی نہیں ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر شوہر نے نیت کی ہو تو رجعی طلاق واقع ہو جاتی ہے اور اگر نیت نہیں کی تو اس جملے سے طلاق واقع نہیں ہوتی خواہ یہ جملہ غصہ اور مذاکرۂ طلاق کی حالت میں کہا ہو خواہ بدون غصہ و مذاکرۂ طلاق کہا ہو ہر حالت میں نیت شرط ہے۔

کما ھو مصرح فی الفتاوی الشامیۃ: ص [illegible] تحت قول الدر: لست لی بامرأۃ (او لست لک بزوج) طلاق ان نواہ، لان الجملۃ تصلح لانشاء الطلاق کما تصلح لانکارہ فیتعین الاول بالنیۃ وقید بالنیۃ لانہ لا یقع بدونھا اتفاقا لکونہ من الکنایات واشار الی انہ لا یقوم مقامھا دلالۃ الحال لان ذلک فیما یصلح جوابا فقط وھو الفاظ لیس ھذا منھا واشار بقولہ طلاق الی ان الواقع بھذہ الکنایۃ رجعی کذا فی البحر من باب الکنایات اھ

تیسرا جملہ یہ ہے کہ مجھے اس سے کوئی تعلق نہیں، سو اس کا حکم بھی مصرح تو ملا

نہیں مگر قواعد سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ غضب و مذاکرہ کی حالت میں بلا نیت بھی اس فقرہ سے ایک طلاق رجعی واقع ہو جاتی ہے۔ دلیل وقوع کی یہ ہے کہ یہ کنایہ ملحق ہے "اعتدی" وغیرہ کے ساتھ کیونکہ وہ محتمل سب و رد نہیں بلکہ جواب محض کے واسطے ہے اور "اعتدی" وغیرہ کا یہ حکم ہے کہ غضب و مذاکرہ میں بدون نیت وقوع ہو جاتی ہے کما ھو مصرح فی الدر وغیرہ من کتب الفقہ۔ اور رجعی ہونے کی یہ وجہ ہے کہ اس جملہ میں لفظ طلاق نکالنا پڑتا ہے یعنی پورا کلام یوں سمجھا جائیگا کہ "مجھے اس سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ میں اسکو طلاق دے چکا" اور جو کنایہ ایسا ہو اس سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے۔

کما قال صاحب البحر (ص۳۰۹ ج ۳) ولما کانت العلة فی وقوع الرجعی بهذه الالفاظ الثلاث (ای اعتدی واستبرئی رحمك وانت واحدة) وجود الطلاق مقتضیا ومضمرا علمنا ان لا حصر فی کلامه بل کل کنایة کان فیها ذکر الطلاق کانت داخلة فی کلامه ویقع بها الرجعی بالاولی الخ ـــــ وایضا یعلم ذلك من کلام الشامی صراحة ولکن کلام البحر اصرح منه فلذالك اخترته۔

اور چوتھا جملہ یہ ہے کہ "وہ میری طرف سے آزاد ہے" اس کنایہ کا حکم درمختار میں صریح موجود ہے کہ غضب و مذاکرہ میں بدون نیت بھی طلاق بائن واقع ہو جاتی ہے۔ ـــــ ونصه هذا ویقع بباقیها ای باقی الفاظ الکنایات المذکورة البائن ص۲۱ ـــــ وایضا قال ویقع بالاخیرین وان لم ینو لان مع الدلالة لا یصدق قضاء فی نفی النیة لانها اقوی لکونها ظاهرة والنیة باطنة اه (ص۲۲) ـــــ تمام جملوں کا جداگانہ حکم معلوم ہونے کے بعد اب اسکی ضرورت ہے کہ طلاق کے چند جملے جمع ہوں یا نہیں تو کیا حکم ہوگا سو اس کا یہ قاعدہ ہے کہ "الصریح یلحق الصریح والبائن والبائن یلحق الصریح لا البائن"۔ متون کی یہی عبارت ہے مگر اس کا حل کسیقدر دقت سے خالی نہیں اس واسطے بدائع کی عبارت نقل کرتا ہوں جو بالکل واضح ہے۔

وھی ھذہ المرأۃ لا تخلو اما ان کانت معتدۃ من طلاق رجعی او بائن او خلع فان کانت معتدۃ من طلاق رجعی یقع الطلاق علیھا سواء کان صریحا او کنایۃ لقیام الملک من کل وجہ وان کانت معتدۃ من طلاق بائن او خلع وھی المبانۃ او المختلعۃ فیلحقھا صریح الطلاق عند اصحابنا و اما الکنایۃ فھل یلحقھا ینظر ان کانت رجعیۃ وھی الفاظ اعتدی واستبرئی رحمک وانت واحدۃ یلحقھا فی ظاھر الروایۃ۔ وجہ ظاھر الروایۃ ان الواقع بھذا النوع من الکنایۃ رجعی فکان فی معنی الصریح فیلحق الخلع والابانۃ فی العدۃ کالصریح وان کانت بائنۃ کقولہ انت بائن ونحوہ ونوی الطلاق لا یلحقھا بلا خلاف لان الابانۃ قطع الوصلۃ والوصلۃ منقطعۃ فلا یتصور قطعھا ثانیا بخلاف الطلاق لانہ ازالۃ القید وازالۃ حل المحلیۃ وکل ذلک قائم اھ ملخصاً (ص ۱۳۴ - ج ۳)

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ طلاق بائن کے بعد کنایۂ بائن سے تو طلاق واقع نہیں ہوتی۔ باقی سب صورتوں میں طلاق کے بعد طلاق واقع ہو جاتی ہے یعنی رجعی کے بعد تو صریح کنایہ رجعی بائن سب طرح کی طلاق واقع ہوتی ہے۔ اور طلاق بائن کے بعد صریح طلاق کی دونوں قسم واقع ہوتی ہیں۔ خواہ رجعی ہو یا بائن اور کنایہ کی فقط ایک قسم یعنی رجعی واقع ہوتی ہے۔

اب صورت سوال میں غور کیا جائے تو واضح ہو جائیگا کہ جملہ اولیٰ سے ایک طلاق رجعی واقع ہو گئی تھی اور جملہ ثانیہ میں نیت شرط تھی جس کا خاوند کو اقرار نہیں ہے اس واسطے وہ بے اثر رہا۔ اور جملہ ثالثہ سے دوسری طلاق رجعی واقع ہو گئی اور جملہ رابعہ سے تیسری طلاق ہو چکی جو فی نفسہ بائن تھی مگر بوجہ ثالث ہونے کے مغلظہ ہو گئی۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

تتمۃ الجواب: یہ بات تو جواب ہی سے معلوم ہو گئی کہ زید ان تمام جملوں میں نیت نہ ہونیکا جو عذر کر رہا ہے وہ شرعاً مسموع نہیں اب دو عذر اور باقی رہے ایک یہ کہ یہ اقرار خلاف واقع تھا۔ زید نے محض جھوٹ بولا تھا ـــــ دوسرا یہ کہ پہلے جملے سے طلاق رجعی واقع مانی جائے اور بقیہ سے تاکید اور معافی مانگنے کو رجعت قرار دیا جائے سو عذر

اول کا جواب اس جزئیہ سے ہو جاتا ہے۔

ولو اقر بالطلاق کاذبا او ھازلا وقع قضاء لا دیانۃ اھ شامی عن البحر وقال الشامی ویأتی تمامہ۔ شوبین تحت قول الدر (او ھازلا) مستوفی۔

اور دوسرے عذر کا جواب یہ ہے۔

فی الدر المختار: لو کرر لفظ الطلاق وقع الکل وان نوی التاکید دین وقال العلامۃ الشامی رحمہ اللہ تحتہ: ای وقع الکل قضاء وکذا اذا اطلق اشباہ۔

اور تیسرے معافی مانگنا اول تو رجعت نہیں دوسرے مغلظہ کے بعد رجعت کیا کام چل سکتا ہے۔ غرض یہ کہ زید جو اقرار پہلی درخواست میں کر چکا ہے اسکی رو سے تین طلاق ہو چکیں اور اس کے عذر سب باطل ہیں۔ فقط والسلام۔

تنبیہ: جو حکم شرعی اس سوال کی بنا پر ہمیں معلوم ہوا وہ مع دلائل تحریر کر دیا گیا ہے باقی جناب قاضی صاحب نے جو فیصلہ کیا ہے اس کے متعلق بدون پورا فیصلہ اور اسکی وجوہ دیکھے کچھ لکھنا ممکن نہیں ہے اگر قاضی صاحب کی روئداد میں اس سوال سے زائد کوئی بات ہو تب تو اختلاف جواب کا اختلاف واقعہ کی بنا پر ہوگا ورنہ اگر باوجود اتحاد سوال وجواب اختلاف ہو تو یہ بہتر ہے کہ یہ جواب قاضی صاحب کے ملاحظہ سے گزار دیا جائے اور ان کا جواب یہاں روانہ کر دیا جائے تاکہ جانبین کو غور کا موقع ملے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

الجواب مع التنبیہ صحیح
اشرف علی۔ ۴ جمادی الاولی ۱۳۴۵ھ

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ از خانقاہ امدادیہ
تھانہ بھون۔ مورخہ ۳ جمادی الاولی ۱۳۴۵ھ

"طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی" کہا تو بالاتفاق ائمہ اربعہ طلاق مغلظہ ہو جائیگی۔

(سوال) ما قولکم رحمکم اللہ تعالیٰ اس مسئلہ میں کہ زید نے حالت غضب میں اپنی عورت کو کہا کہ میں نے طلاق دی، میں نے طلاق دی، میں نے طلاق دی۔ اور تخمیناً تین چار سال سے اس عورت کا حیض بند ہے اور زمانہ حال میں وہ سن یاس کی حد تک پہنچی ہے۔ پس اس تین بار کہنے سے تین طلاق ہو گئی یا نہیں؟ اور اگر حنفی مذہب میں واقع ہوئی اور شافعی مذہب میں مثلاً واقع نہ ہوئی تو حنفی کو شافعی مذہب پر اس صورت خاص میں عمل کرنے کی رخصت دی جائیگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

جواب آمدہ مع السوال :

هو المصوب :۔ ہاں! حضرت مولانا عبد الحی صاحب مرحوم اپنی کتاب مجموعہ فتاوی میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک تین طلاق واقع ہونگی اور بغیر تحلیل کے نکاح درست نہ ہوگا مگر بوقت ضرورت کہ اس عورت کا علیحدہ ہونا دشوار ہو اور احتمال مفاسد زائدہ کا ہو تقلید کسی امام کی کریگا تو کچھ مضائقہ نہ ہوگا نظیر اسکی مسئلہ نکاح زوجہ مفقود و مدت ممتدۃ الطہر موجود ہے کہ حنفیہ عند الضرورت قول امام مالک پر عمل کرنیکو درست رکھتے ہیں جیسا کہ ردالمحتار میں مفصلاً مذکور ہے لیکن اولیٰ یہ ہے کہ وہ کسی عالم شافعی سے استفسار کرکے اسکے فتوی پر عمل کرے ۔ واللہ اعلم۔ حررہ عبد الحی عفی عنہ

اور تائید اس فتوی کا قول صاحب درمختار علیہ رحمۃ اللہ الغفار ہے فی ص ۶۱

لو قضی مالکی بذالک نفذ کما فی البحر والنہر وقد نظمہ شیخنا الخیر الرملی الخ ۔

وفی رد المحتار : لانہ مجتہد فیہ وھذا کلہ ھو الموافق لما فی البزازیۃ قال العلامۃ : والفتوی فی زماننا علی قول مالک ۔

وفی موضع آخر :۔ ما فی بلاد لا یوجد فیہا مالکی یحکم بہ فالضرورۃ متحققۃ ۔

پس مولانا عبد الحی صاحب مرحوم کی رائے اور رد المحتار شامی صاحب کی رائے سے مستفاد ہوتا ہے کہ ضرورۃً مطلق ثلاثہ امام شافعی صاحب کے فتوی پر عمل کرے تو اسکی بیوی از سر نو پھر حلال ہو جائیگی ۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم ۔

بر ضمیر منیر مخفی مباد کہ مسمی حسن میاں ولد عبد الکریم مرحوم ساکن بنگلہ دیش خود را در حالت شدت غضب سہ طلاق دادہ بود وبعدہ خواست کہ بار دیگر آن زن مطلقہ را بعد تحلیلش اندر نکاح خود آرد لیکن آن زن مذکورہ در مدت طہر ممتد است وہنوز در مدت ایاس نرسیدہ وعلیحدگی آن زن مطلقہ با مرد مطلق بوجہ کثرت اولاد وبعض آن زن مطلقہ بسیار دشوار۔ ھذا این ہمہ ضرورتہا پیش نظر داشتہ درین صورت خاص بر مذہب شافعی رحمۃ اللہ علیہ حکم دادہ شد یعنی بعد تجدید نکاح فیما بینہم باز سر نو زندگانی نمایند زیراچہ در: الضرورات تبیح المحظورات ۔ کہ در اصول حضرات احناف کثرہم اللہ

آنچہ در مشہور و معروف و اظہر من الشمس است پس از ماہرین فقہ و اصول شریعت غرا مرجو است کہ دریں مسئلہ خاص از نظر تحقیق و تدقیق کار روائی فرمایند کہ واقعیت فہم طلب تا از دائرہ عدل و انصاف تجاوز نفرمایند باقی عند الخلاق والاتفاق۔

راقم حروف ابوالحسن محمد فخر الدین غفرلہ ولوالدیہ المنات
ساکن سری دھرا پرگنہ چھچھ کلاں سلہٹ۔

قد علمت حقیقۃ الواقعۃ حیث کان عن ضرورۃ مسوغۃ وبہذا ثبتت الضرورۃ واشتدت الحاجۃ الی ذالک صح انتقل الی ای مذہب من المذاہب الاربعۃ کما افتی بہ قاری الہدایۃ وغیرہ ولیس للحنفی ولا غیرہ ابطالہ ہذا ہو المفتی بہ عند المحققین من علمائنا۔ واللہ اعلم

وانا العبد الملتجی محمد اکرم غفرلہ ولوالدیہ اسلام مضافاتی کریم گنج المین سری دھرا

الجواب لمن حررہ المجیب صحیح	لاریب فیہ
معین الدین احمد عفی عنہ	محمد محفوظ الرحمٰن عفا عنہ
لاریب فیہ	الجواب الصواب
محمد طاہر عفا عنہ	محمد شرافت علی عفی عنہ۔

جواب از خانقاہ امدادیہ

مولانا لکھنوی سے اس مقام پر سخت لغزش ہوئی ہے ان کے کلام میں دو جزو ہیں۔

اول یہ کہ: زوجہ مفقود کی طرح یہاں بھی ضرورت ہے اور یہ دونوں مخدوش ہیں امام شافعیؒ کی طرف اس قول کی نسبت بالکل غلط ہے۔ ائمہ اربعہ اور جمہور خلف و سلف کا صورت مذکورہ میں وقوع طلاق پر اتفاق ہے جیسا کہ شرح مسلم للنووی اور فتح الباری سے واضح ہے اور رد طلاق کا قول اجماع صحابہ کے خلاف ہے ہرگز قابل عمل نہیں دلائل دیکھنے کا شوق ہو تو فتح الباری اور عمدۃ القاری ملاحظہ فرمائیں۔ و نیز حضرت حکیم الامت مدظلہم العالی کا رسالہ ردالتوہم (جو رسالہ النور ماہ شوال و ذی قعدہ ۱۳۵۱ھ میں شائع ہو چکا ہے) قابل ملاحظہ ہے اور زوجہ مفقود پر اس کو قیاس کرنا بھی ہرگز صحیح نہیں کیونکہ وہاں مذہب مالکی اختیار نہ کریں تو اس کے واسطے کوئی سبیل ہی نہیں اور یہاں ایسا نہیں بلکہ اس خاوند کے علاوہ دوسرے اشخاص سے نکاح کر سکتی ہے اسی شخص پر کوئی ضرورت موقوف نہیں اگر یہ مرجائے تو کیا کرے؟

اگر ایسی ضرورتوں کا لحاظ کیا جائے تو ہر شخص اس کا دعویٰ کر سکتا ہے غرض یہ کہ یہ فتویٰ بالکل غلط ہے، اس پر عمل کرنا بالکل جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون۔ مورخہ ۱۱ محرم الحرام ۴۳ھ

حکم الدیانۃ بلا نیۃ اذا سمعت من الازواج الطلقات الثلاث

(تنبیہ) اس جواب کا مبنیٰ اس تشریح پر ہے جو علماء ثلاثہ نے اپنی تحریری فیصلہ میں محمد یوسف کے قول "میں تو کے طلاق دیہوں" کے معنیٰ کی ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے تجھکو طلاق دی۔ اگر ان کی یہ تشریح صحیح ہے اور اسی بناء پر عورت کو یقین کلی ہے کہ محمد یوسف نے اسکو دسوں مرتبہ طلاق دی، تو جواب وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا اور اگر یہ تشریح صحیح نہیں بلکہ اس لفظ میں اہل محاورہ کے نزدیک معنی ماضی کے ساتھ معنی مستقبل کا بھی احتمال ہے جیسا کہ علماء ثلاثہ میں سے بعض نے یہ احتمال اپنی ایک تحریر میں ظاہر کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ "میں تو کے طلاق دیہوں" کے معنیٰ "میں تجھکو طلاق دیدوں" بھی ہو سکتے ہیں تو اس کا فیصلہ وہاں کے اہل محاورات ہی کر سکتے ہیں کہ ہم وہاں کے محاورات سے واقف نہیں اور اگر اس کلام میں یہ احتمال تھا تو علماء ثلاثہ کو اپنی تحریری فیصلہ میں اس احتمال سے تعرض لازم تھا اس احتمال کے ہوتے ہوئے جزم کے ساتھ یہ لکھنا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے تجھکو طلاق دی، بہت سخت مسامحت ہے جو اہل علم و اہل افتاء سے نہایت بعید ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ ظفر احمد عفی عنہ از تھانہ بھون ۲۰ ربیع ۲ ۴۴ھ

(نوٹ:۔) اس فتویٰ پر بعض علماء نے کلام کیا ہے جو درج کیا جاتا ہے۔ ۱۲ ظفر

قسط اول باسمہ سبحانہ

سوال:۔ مسماۃ صغریٰ نے دعویٰ کیا کہ میرے شوہر محمد یوسف نے مجھے دسوں مرتبہ کہا کہ "میں تو کے طلاق دیہوں"، تین قبول کری تھی۔ (یعنی میں نے تجھکو طلاق دیدی کیا تو قبول کرتی ہے) پھر میرے ساتھ جماع کیا۔ مدعیٰ علیہ نے ایقاع طلاق کا انکار کیا۔ مدعیہ سے شہادت طلب کی گئی مگر وہ شہادت پیش کرنے سے قاصر رہی۔ مدعیٰ علیہ کو حلف دیا گیا اور اسکے حلف کے بعد حکم نے فیصلہ صادر کیا کہ طلاق ثابت نہیں ہوئی مگر کسی نے عورت مذکورہ کو فتویٰ دیدیا کہ تم عدت گذارنے کے بعد دوسرے آدمی کے ساتھ نکاح کر سکتی ہو چنانچہ مسماۃ مذکورہ نکاح پ

آمادہ ہوئی اور اس کا شوہر فوجداری مقدمہ دائر کرنے کی تیاری کرنے لگا اس لئے ذیل میں اس حادثۃ الفتویٰ پر بقدر ضرورت بحث کی گئی ہے ۔

(تنبیہ) میں تو کے طلاق دیہوں الخ ۔ ایک ایسا فقرہ ہے جو لب و لہجے ادنیٰ تغیر سے کبھی ماضی کا صیغہ اور کبھی مستقبل کا صیغہ بن سکتا ہے جیسا کہ مقامی زبان دان حضرات کا بیان ہے ۔

بیان مدعیہ "میں تو کے طلاق دیہوں تیں قبول کری تھی" (یعنی میں نے تجھکو طلاق دی کیا تو قبول کرتی ہے) دسوں مرتبہ کہا اسکے بعد جماع کیا اور یہ کہا کہ آج آخری ہے اسکے بعد یہ کہا کہ ہم صبح مہرو یکہ مبارک پور جا بیٹھینگے کام کرنے نہیں جائینگے دکان پر ۔ گواہ کوئی نہیں ۔

علامت نشان انگوٹھا صغریٰ بنت ولی جان بقلم محمد ادریس

بیان محمد ادریس میرے سامنے لڑکی نے بار بار وہی الفاظ کہا جو وہ بیان کرتی ہے محمد یوسف نے ایک مرتبہ انکار کیا اسکے والد کے مارنے کیلئے اٹھنے پر اسکے علاوہ کچھ نہیں کہا ۔

نشان انگوٹھا محمد ادریس پسر فتح محمد

بیان مدعیٰ علیہ میں نے جماع کے بعد کہا کہ یہ آخری ہے ۔ جماع سے پہلے میں نے طلاق کا کوئی لفظ نہیں کہا بعد میں کہا کہ میں مبارک پور صبح کو جاؤنگا وہاں ایک میرے دوست ان سے روپیہ لادونگا اگر وہ روپیہ دیں گے تو طلاق دیدونگا اور اگر نہیں دینگے تو اسکے علاوہ میں کچھ نہیں جانتا ۔ یہ میرا بیان ہے ۔ محمد یوسف بقلم خود ۔ تاریخ ۴ ۔ جون سہ

فیصلہ حکم حکم نے زبانی فیصلہ صادر کیا کہ طلاق ثابت نہیں ہوئی اور مولوی اسلام الحق صاحب نے فریقین کو ذیل کی تحریر لکھ کر دیدی ۔

مولوی اسلام الحق کی لکھی ہوئی تحریر ہم دستخط کنندگان کے سامنے ایک عورت مسماۃ صغریٰ بنت ولی جان نے آکر یہ بیان کیا کہ میرے شوہر مسمیٰ محمد یوسف نے رات کے وقت دسوں مرتبہ یہ لفظ کہا کہ "میں تو کے طلاق دیہوں ۔ (اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے تجھکو طلاق دی" اگر واقعی محمد یوسف نے یہ لفظ کہا ہو تو اسکی عورت مطلقہ مغلظہ ہو گئی اسکو چاہئے کہ اپنی بیوی سے دیانۃً علیحدہ رہے مگر چونکہ محمد یوسف بار بار دریافت کرنے پر اس لفظ کے کہنے سے بالکل انکار کرتا ہے بلکہ حلفیہ دریافت کرنے پر بھی انکاری کرتا ہے اور عورت مذکورہ شرعی ثبوت سے اپنے دعویٰ کو ثابت نہیں کر سکی اس لئے طلاق ثابت نہیں ہوئی ۔ واللہ اعلم عنداللہ ۔ محمد اسلام الحق مفتی و مدرس مدرسہ دارالعلوم مئو ۔

محمد صابر ۔ [illegible]

استفتاء : جب عورت مذکورہ نے انکار کیا کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بیان مذکورہ بالا سے طلاق ثابت نہیں ہوتی لیکن مجھے یقین کامل ہے کہ محمد یوسف نے مجھے تین مرتبہ طلاق دی اور میں یہ حلفیہ بیان کرتی ہوں کہ مجھے ذرہ بھی شبہ نہیں ہے کہ محمد یوسف نے مجھے طلاق دی جو مغلظہ یا امر دریافت طلب ہے ایسے مجھے محمد یوسف کے ساتھ رہنے میں کوئی گناہ تو نہ ہوگا؟

سائلہ مسماۃ صغریٰ بنت ولی جان۔

الجواب:۔ (تمہید) فریقین نے جن کا بیان اوپر گذر چکا ہے میرے پاس دعویٰ طلاق کا مرافعہ کیا۔ زبان سے ناواقفیت کی وجہ سے میں نے مولانا مولوی محمد اسلام الحق صاحب اور مولانا محمد صابر صاحب کو اثناء تحقیقات میں اپنے ساتھ شامل رکھا۔ اور جو الفاظ مقامی زبان میں کہے گئے ان کے ترجمہ میں بھی ان ہی دونوں حضرات کے کہنے پر اعتماد کیا۔ مدعیہ مسماۃ صغریٰ بنت ولی جان نے دعویٰ کیا کہ میرے شوہر نے مجھے دسوں مرتبہ کہا کہ میں نے تجھ کو طلاق دیدی کیا تو قبول کرتی ہے؟ محمد یوسف شوہر مسماۃ مذکورہ نے ایقاع طلاق کا انکار کیا اور صرف اس کا اقرار کیا کہ جماع کے بعد صداق کا وعدہ کیا تھا بلکہ مبارکپور کے دوست سے مہر ادا کرنے کیلئے روپیہ مل جانے۔ مدعیہ کے پاس بینہ (شہادت) نہیں شوہر کو قسم کیلئے کہا گیا تو اس نے قسم کھائی۔ اس نے عدم ثبوت طلاق کا حکم شرعی فریقین کو سنا دیا گیا اور تحریر حسب کرنے پر مولانا اسلام الحق صاحب نے فریقین کو تحریر بھی دیدی جس میں انفرادی طور پر شوہر کو نصیحت بھی کی گئی ہے اور بایں ہمہ بالاشتراک عدم ثبوت طلاق کا حکم بتایا گیا اس تحریر پر میرے اور مولوی محمد صابر صاحب کے بھی دستخط کرائے گئے تحریر مذکور وصول کرنے کے بعد مسماۃ مذکورہ کی طرف سے استفتاء مندرجہ بالا میرے سامنے نیز بعض دوسرے علماء کے سامنے پیش کیا گیا جس میں وہ دیانت کا حکم اپنے متعلق دریافت کرتی ہے۔ چونکہ اس مسئلہ میں دیانت کے پہلو متعدد ہیں اس لئے ذیل میں انکو درج کیا جاتا ہے اور اوپر کا حکم جو بسلسلہ تحکیم فریقین کو دیا گیا ہے چونکہ اس مسئلہ میں قضاء کا پہلو تھا اور اب جو کچھ لکھا جائیگا وہ محض ان احکام شرعیہ کا اظہار ہوگا جو اس مسئلہ میں انفرادی احکام کی حیثیت سے کتب فقہ میں منقول ہیں جیسے اس مسئلہ میں دیانت کا پہلو متعین ہو جاتا ہے جیسا کہ آگے آتا ہے۔

رجوع باصل مقصد

تمہید مذکور کے بعد مسائل مذکورہ کو بالخصوص ورثہ قرآن کو علی العموم اطلاع دی جاتی ہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف واقع ہوا ہے اس لئے جس قدر مسائل و اقوال ہم کو اس باب میں

معلوم ہو سکے انکو ذیل میں درج کر کے ترجیح بتایا جائیگا کہ اقوال مذکورہ میں سے سائل کو کونسا قول اختیار کرنا چاہئے وغیرہ یہ کہ مسائل کے بیان کے متعلق کتب فقہ میں دیانۃً احکام ہیں جن پر انکو دیانۃً عمل کرنا ضروری ہے مسائل و اقوال یہ ہیں۔

(قول اول) جس عورت نے اپنے شوہر سے یہ سنا کہ اس نے اسے طلاق دیدی ہے اور عورت مذکورہ شوہر کو اپنے سے دور کرنے اور روکنے پر بجز اس کے کہ اسکو قتل کرے قادر نہیں تو اسکو شوہر کے قتل کے ارتکاب کی اجازت ہے مگر خودکشی جائز نہیں۔	(در) سمعت من زوجها انه
(ب) اوزجندی فرماتے ہیں کہ عورت مذکورہ کو قاضی کے پاس مرافعہ کرنا چاہئے اگر وہاں شوہر نے طلاق کا انکار حلفاً کیا اور عورت شہادت پیش نہ کرسکی تو گناہ مرد پر ہے اور اگر ارتکاب کریگی تو وہ بھی مباح ہے۔	(در) وقال الاوزجندی
(ج) عورت مذکورہ کو کسی حال میں شوہر مذکور کے قتل کا ارتکاب حلال نہیں بلکہ گناہ کا ذمہ وار شوہر ہوگا۔	(در) وقیل لا تقتله
(د، ھ) اوپر کے تینوں اقوال میں سے قول ثالث کو صاحب درمختار نے مفتی بہ قرار دیا ہے اور پہلے قول کے ذیل میں شامی نے محیط سے نقل کیا ہے کہ عورت مذکورہ کو سزاوار ہے کہ اپنا مال وغیرہ دیکر شوہر سے اپنے آپ کو خلاص کرے یا یہ کہ اس سے بھاگ جائے اور اگر اسکی قدرت نہیں رکھتی ہے تو اس وقت قتل کریگی جبکہ یہ یقین ہو جائے کہ وہ وطی کریگا۔ مگر دواء کے ساتھ ورنہ تیز آلہ کے ساتھ قتل کے ارتکاب کی صورت میں قصاص واجب ہوگا۔	(رد) وینبغی لها ان تفتدی بمالها او تهرب۔
یہ پانچ اقوال درمختار اور شامی کی عبارات ذیل سے اخذ کیے گئے۔	

سمعت من زوجها انه طلقها ولا تقدر علی منعها

عہ خط کشیدہ لفظ مثلاً غور طلب یہ ہے کہ اقرار بالطلاق اور تحقق بالطلاق میں فرق ہے وغیرہ ہو کہ زیر بحث مسئلہ ثانی سے ذکر دوں۔

من نفسها الا بقتله لها قتله بدوا، ولا تقتل نفسها، وقال الاوزجندی ترفع الامر للقاضی فان حلف ولا بینة فالاثم علیه وان قتلته فلا شیء علیها وقیل لا تقتله وبه یفتی کما فی التتارخانیه وشرح الوهبانیه عن الملتقط ای والاثم علیه کما مر (در)

(قوله لها قتله) قال فی المحیط وینبغی لها ان تفتدی بمالها او تهرب منه وان لم تقدر قتلته متی علمت انه یقربها الخ (شامی ص۴۳۳ ج۲)

قوله وان قتلته : الخ ای اما اباحة الامرین (شامی ص۴۳۹ ج۲)

(ق) اگر عورت کو شوہر نے تین طلاق دیدیں پھر منکر ہوا تو عورت مذکورہ کو اس وقت جبکہ شوہر مذکور سفر میں ہو گا اعتداد کے بعد دیانۃً جائز ہے کہ کسی دوسرے کے ساتھ مخفی طور پر نکاح کر کے حلالہ کرے اور شوہر مذکور کی واپسی پر اس سے یہ بہانہ کرکے کہ میرے قلب میں شک پیدا ہو گیا ہے تجدیداً ایجاب و قبول کرا کے اسی کے پاس رہنے لگے لیکن قنیہ میں اسی مسئلہ کو مختلف فیہا قرار دیدیا گیا ہے کہ بھاگ جانے پر قادر ہونے کی صورت میں عورت مذکورہ کو دیانۃً تزوج مذکور کی اجازت نہیں کیونکہ جب تک اسکی تفریق کے ساتھ قضاء قاضی صادر نہ ہوئے اس وقت تک وہ شوہر اول کی زوجیت کے حکم میں برابر جکڑی ہوئی رہیگی۔

(ق) عورت نے شوہر سے طلاق کے الفاظ سن لئے مگر شوہر نے حلفاً انکار کیا اور قاضی نے

(بحر) لو طلقها ثلاثا وانکر فلها ان تتزوج بآخر وتحلل نفسها سرا منه اذا غاب فی سفر فاذا رجع التمست منه تجدید النکاح لشك اھ۔ وقد ذکر فی القنیة خلافا فقید وحاصل بانها ان قدرت علی الهرب لم یسعها ان تعتد وتتزوج بآخر لانها ممکنة منه الخ۔ والحاصل انه علی جواب شمس الاسلام .... عن لها ان تتزوج فیما بینها وبین الله وعلی جواب الباقین لا یحل۔ (اقول لا بعد فیه لانه نفی لما اثبت قبله عبد) .... وقد نقل فی القنیة من شرح السرخسی .. طلق امرأته ثلاثا و غاب عنها فلها ان تتزوج .... بعد العدة دیانة وفی نقل آخر انه لا یجوز فی المذهب الصحیح۔

(بحر) وکذا لو سمعت طلقها ثم جحد وحلف الخ

عورت کو شوہر کے سپرد کر دیا تو عورت مذکورہ کو نہ تو اس کے ساتھ رہنا جائز ہے اور نہ ہی کسی دوسرے کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے۔

ان دونوں قولوں مذکور کا خلاصہ بقول علامہ بدیع کے یہ ہے کہ اوزجندی نسفی وغیرھا کے نزدیک دیانۃً نکاح ثانی حلال ہے اور باقی فقہاء کے نزدیک دیانۃً بھی نکاح ثانی حلال نہیں۔

(ح) شوہر نے عورت کو تین طلاقیں دیدیں پھر سفر میں چلا گیا اسکی عورت عدت کے بعد دوسرا نکاح دیانۃً ایک قول کے مطابق کرسکتی ہے مگر دوسری نقل کے مطابق مذہب صحیح یہ ہے کہ دیانۃً بھی نکاح ثانی نہ جائز ہے اور دیانۃً بھی نکاح ثانی کے عدم جواز اور حرمت کو مذہب صحیح قرار دینے والے علماء ترجمان ہیں۔

(ط) مرد نے تعلیق طلاق کرلی اور شرط بھی پائی گئی جس کا علم و یقین عورت کو ہوگیا مگر مرد کو یہ گمان ہے کہ شرط نہیں پائی گئی اور ساتھ ہی ساتھ عورت کو اس کا بھی ظن غالب ہے کہ اگر وہ مرد کو خبر دے گی تو وہ تعلیق ہی کا انکار کریگا۔ تو اس صورت میں جب کبھی مرد غائب ہو جائے یعنی کسی سبب سے عورت مذکورہ کو اعتداد کے بعد حلالہ کی اجازت دیانۃً ہوگی مگر قضاءً نہ ہوگی یہ قول تو عمر نسفی کا ہے لیکن وہ اس کے ساتھ فتویٰ دینے کی اجازت اس عورت کے ساتھ

(بحر) قال يعني البديع والى اصل انه على جواب شمس الاسلام الاوزجندي ونجم الدين نسفي والسيد ابي شجاع وابي حامد السرخسي يحل لها ان تتزوج بزوج آخر فيما بينها وبين الله وعلى جواب الباقين لا يحل اه (اى ان تتزوج بزوج آخر فيما بينها الخ عبد)

(بحر) وقد نقل في القنية ... صورته طلق امرأة ثلاثا وغاب عنها فلها ان تتزوج بزوج آخر ديانة ونقل آخر انه لا يجوز في المذهب الصحيح.

قال حلف بثلاث

مخصوص کرتے ہیں جو قابل وثوق و اعتبار ہو ناقابل اعتبار عورت کو وہ اس حکم کے ساتھ فتوی نہیں دیتے ہیں کیونکہ عورت مذکورہ کو نکاح دوم کرنے کی اجازت دینے کے بارے میں ممدوح نے سید ابو شجاع سے دو مرتبہ دریافت کیا آپ نے ایک مرتبہ جواز کا حکم لکھدیا دوسری مرتبہ فرمایا کہ جائز نہیں اور تطبیق کی صورت بقول عمر نسفی یہ ہے کہ جواز کا حکم صرف اس عورت کیلئے آپ نے دیدیا جو قابل اعتبار اور قابل وثوق ہو۔

(ی) دو شاہدوں نے شہادت دیدی کہ عورت کو اس کے شوہر نے تین طلاقیں دیدیں تو اگر اس کا شوہر سفر میں ہونے کی وجہ سے اس سے غائب ہے تو اس کو نکاح دوم کی گنجائش ہے اور اگر شوہر سفر میں نہیں تو عورت مذکورہ دوسرا نکاح نہیں کرسکتی ہے۔

مسئلہ کی یہ صورتیں (۶ سے ۱۰ تک) بحر الرائق کی عبارت ذیل سے اخذ کی گئیں

قالوا: لو طلقها وانکر فلها ان تتزوج بآخر وتحلل نفسها سرا منه اذا غاب فی سفر فاذا رجع التمست منه تجدید النکاح لشك خالج قلبها لا لانکار الزوج النکاح وقد ذکر فی القنیة خلافا فرقم للاصل بانها ان قدرت علی الهروب منه لم یسعها ان تعتد وتتزوج بآخر لانها فی حکم زوجیة الاول قبل القضاء بالفرقة ثم رمز لشمس الاسلام الاوزجندی وقال: قالوا هذا فی القضاء ولها ذلك دیانة وکذلك ان سمعته طلقها ثلاثا ثم جحد وحلف انه لم یفعل وردها القاضی علیه لم یسعها المقام معه ولم یسعها ان تتزوج بغیره ایضا قال یعنی البدیع والحاصل انه علی جواب شمس الاسلام الاوزجندی و

نجم الدين النسفى والسيد ابى شجاع وابى حامد والسرخسى يحل لها ان تتزوج بزوج آخر فيما بينها وبين الله تعالى وعلى جواب الباقين لا يحل اهـ ــــ قال المصنفؒ وقد نقل فى القنية قبل ذلك عن شرح السرخسى ما صورته طلق امرأته ثلاثا وغاب عنها فلها ان تتزوج بزوج آخر بعد العدة ديانة ونقل آخر انه لا يجوز فى المذهب الصحيح اهـ. قلت: انما نقله شمس الائمة الاوزجندى وهو الموافق لما تقدم عنه والقائل بانه المذهب الصحيح العلاء الترجمانى ثم رقم بعده لعمر النسفى وقال حلف بثلاثة فظن انه لم يحنث وعلمت الحنث وظنت انها لو اخبرته ينكر اليمين فاذا غابت انها بسبب من الاسباب فلها التحلل ديانة لا قضاء قال عمر النسفى سألت عنها السيد ابا شجاع فكتب انه يجوز ثم سألته بعد مدة فقال انه لا يجوز والظاهر انه انما اجاب فى امرأة يوثق بها اهـ كذا فى شرح المنظومة وفى البزازية شهد ان زوجها طلقها ثلاثا ان كان غائبا ساغ لها ان تتزوج بآخر وان كان حاضرا لا لان الزوج ان انكر احتيج الى القضاء بالفرقة ولا يجوز القضاء بها الا بحضرة الزوج اهـ وفيها سمعت بطلاق زوجها اياها ثلاثا ولا تقدر على منعها الا بقتله ان علمت انه يقربها تقتله بالدواء ولا تقتل نفسها وذكر الاوزجندى انها ترفع الامر الى القاضى فان لم يكن لها بينة تحلفه فان حلف فالاثم عليه وان قتلته فلا شئ عليها والبائن كالثلاث اهـ وفى التاترخانية: وسئل الشيخ ابو القاسم عن امرأة سمعت من زوجها انه طلقها ثلاثا ولا تقدر ان تمنعه نفسها هل يسعها ان تقتله فى الوقت الذى يريد ان يقربها ولا تقدر على منعه الا بالقتل فقال لها ان تقتله وهكذا كان فتوى الامام شيخ الاسلام عطاء بن حمزة ابى شجاع وكان القاضى الامام الاسبيجابى يقول لها ان تقتله وفى الملتقط وعليها الفتوى.

وفى فتاوى الشيخ الامام محمد بن الوليد السمرقندى فى مناقب ابى حنيفة عن عبد الله بن المبارك عن ابى حنيفة ان لها ان تقتله.

وفی المحیط فی مسئلۃ النظم: و ینبغی لہا ان تفتدی بمالہا او تہرب منہ فان لم تقدر قتلتہ متی علمت ان یقربہا ولکن ینبغی ان تقتلہ بالدواء ولیس لہا ان تقتل نفسہا انتہت: قال فی المنتقی وان قتلتہ بالآلۃ یجب القصاص اھ زیلعی، صفحہ ۶۲-۶۳ ج ۲)

(مسئلہ ۱۱) جب عورت کے پاس دو شاہد شہادت دیدیں کہ اس کے شوہر نے اسکو تین طلاقیں دیدی ہیں اور شوہر انکار کرتا ہے پھر دونوں شاہد مر گئے یا پردیس چلے گئے اور قاضی کے سامنے ان سے شہادت دلانے کا موقع نہیں ملا تو عورت مذکورہ کو نہ تو یہ جائز ہے کہ شوہر مذکور کے پاس رہے اور نہ یہ جائز ہے کہ اسکو جماع کرنے کا موقع دیوے پھر اگر قاضی کے سامنے مرافعہ ہو اور زوج منکر نے حلف اٹھائی اور شاہد بھی مر چکے ہیں اور قاضی نے عورت مذکورہ کو شوہر مذکور کے سپرد کردیا تو اسکو جائز نہیں کہ شوہر مذکور کے پاس رہے بلکہ مال وغیرہ دیکر اپنے آپ کو خلاص کرے یا بھاگ جائے اور جب بھاگ جائیگی تو دیانۃً عدت گذار کر دوسرے نکاح کی گنجائش ہے جیسا کہ محیط میں مذکور ہے۔

(نوٹ) اس صورت ۱۱ میں وضع مسئلہ یوں ہے کہ عورت کے سامنے دو شاہد عدل (یعنی دو معتبر اور دیندار مرد) اور شہادت کریں کہ اسے زوج نے تین طلاقیں دیدیں اور ما نحن فیہ میں عورت نے خود اپنے شوہر سے سنا ہے کہ میں نے تجھکو طلاق دیدی کیا تو تین کرتی ہے؟ اسلئے یہ مسئلہ (مسئلہ ۱۱) زیر بحث حادثہ سے متفاوت ہے لیکن فی الجملہ اشتراک کی بنا پر اس کا اندراج یہاں مناسب معلوم ہوا تاکہ مسئلہ کے دوسرے پہلو بھی سامنے آجائیں۔

یہ مسئلہ (مسئلہ ۱۱) عالمگیری کی عبارت ذیل سے اخذ کیا گیا:

واذا شہد عند المرأۃ شاہدان عدلان ان زوجہا طلقہا ثلاثاً وہو یجحد ذلک ثم ماتا او غابا قبل ان یشہدا عند القاضی لم یسعہا ان تقیم معہ وان تدعہ یقربہا فان حلف الزوج علی ذالک والشہود قد ماتوا فردہا القاضی علیہ لا یسعہا المقام معہ وینبغی لہا ان تفتدی بمالہا او تہرب منہ فان لم تقدر علی ذالک قتلتہ متی علمت انہ یقربہا لکن ینبغی ان تقتلہ بالدواء ولیس لہا ان تقتل نفسہا واذا

هربت منه لم یسعها ان تعتد و تتزوج بزوج آخر قال الشیخ شمس الائمة الحلوائی فی کتاب الاستحسان هذا جواب الحکم و اما فیما بینها و بین الله تعالی اذا هربت فلها ان تعتد و تتزوج بزوج آخر کذا فی المحیط (عالمگیری [illegible])

تبصرہ :- اقوال مذکورہ میں سے قول اول و نیز قول دوم کی شق ثانی یعنی قتل کی اجازت کا قول بوجوہ ذیل ناقابل عمل ہے اول اسلئے کہ اجازت قتل کے مقابلہ میں حرمت و عدم جواز کے قول کو مفتی بہ قرار دیا گیا ہے۔ وقیل لا تقتله . . . . وبه یفتی، درمختار باب الرجعة۔ لا یسعها قتله وبه یفتی۔ درمختار کتاب الرضاع دوسرے اسلئے کہ اگر یہی صورت بجائے عورت کے مرد کو پیش آجائے تو اسکو عورت کے قتل کی اجازت کسی قول میں نہیں دی گئی ہے جیسا کہ درمختار میں ہے۔ لو لم یقدر هو ان یتخلص منها و لو غاب سحرته و ردته الیها لا یحل له قتلها و یبعد عنها جهده اھ ـــــ لهذا عورت کو بھی قتل کی اجازت نہیں ہونی چاہئے۔

تیسرے یہ اسلئے کہ عورت کو اس مسئلہ میں خودکشی سے منع کیا گیا ہے اور زہر کھلانے کی صورت میں حکومت وقت قتل کی سزا دے سکتی ہے۔ (جہاں تک مجھے معلوم ہے) لهذا قتل کی اجازت کسی حال میں نہیں ہونی چاہئے پس عورت کو کسی طرح بھی یہ جائز نہیں کہ شوہر کو قتل کرنیکا ارادہ کرے اور قول مذکور کو صاحب شامی کا قوی معتمد قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ اسکی نقل درایت صحیح ہے نہ یہ مفتی بہ ہونے کے لحاظ سے اسپر عمل کرنا جائز ہے واللہ اعلم۔

قول ششم وغیرہ وہ تمام صورتیں جن میں عورت کو دیانۃً اختیار دیا گیا ہے کہ حلالہ کی غرض سے کسی شخص کے ساتھ شوہر کو بے خبر رکھکر نکاح کریگی یہ سب اقوال صاحب درمختار کے نزدیک غیر صحیح ہیں جیسا کہ باب الایلاء سے پہلے درمختار میں مذکور ہے، وفیها شهدا انه طلقها ثلاثا لها التزوج بآخر للتحلیل لو غائبا انتهی قلت یعنی دیانة والصحیح عدم الجواز فتنبه یعنی جب دو شاہد طلاق کی شہادت دیدیں گے اور شوہر غائب ہو تو عورت حلالہ کی غرض سے دوسرا نکاح کر سکتی ہے صاحب در اس مسئلہ کو بزازیہ سے نقل کرکے فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ یہ جواز نکاح

دیانت کا حکم ہے اور صحیح یہ ہے کہ عورت مذکورہ کو دوسرا نکاح کرنا جائز نہیں، جیسا کہ قنیہ میں مذکور ہے۔ اور صاحب دُرِ مختار کے اس قول پر علامہ ابن عابدینؒ نے اشکال وارد کیا ہے مگر وہ محض بحث ہے اسلئے اسکے ساتھ فتویٰ دینا ہرگز جائز نہیں جیسا کہ اہلِ فن اور اصحاب مناسبت پر واضح ہے۔ علاوہ برآں یہ بھی زیرِ بحث حادثہ میں ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ جس مسئلہ پر بحث مذکور کیگئی ہے اسکی صورت یہ ہے کہ عورت کو دو مرد و زن کی شہادت عادلہ سے طلاق کا علم ہو جائے۔ اور زیرِ بحث مسئلہ میں عورت کو اس کے سوا کوئی علم نہیں کہ اسکے زعم کے مطابق اسکے شوہر نے اس سے دسیوں مرتبہ یہ کہدیا کہ میں نے تجھکو طلاق دیدی الخ جیسا کہ آگے آئیگا۔ مذکورہ بالا مقام کے علاوہ باب الرضاع کے آخر میں بھی صاحب درمختار نے نکاح ثانی کو ناجائز قرار دیا ہے چنانچہ احباب سے استفسار کرنے پر معلوم ہو سکا ہے اس قسم کے فتوے دینے والے اور اس پر عمل کرنے والے سب کے سب فوجداری دفعات کی زد میں آتے ہیں اور وہ دفعات عموماً اس مسئلہ کے حکم اور قضاء کے پہلو کے اعتبار سے شریعت کے خلاف بھی نہیں لہذا ایسے فتاوے کا نتیجہ اگر ایک طرف زنا کاری اور اغواء کے جرم و فسق کی صورت میں نمودار ہوگا۔ تو دوسری طرف مقدمہ بازی اور گرفتاریوں کی بھرمار تا نزلی گرفت۔ شیوع فتن وفساد کی شکل میں سامنے آکر اسلام اور اہلِ اسلام نیز علماء اسلام کے لئے نہایت ناشائستہ اثرات کا مثمر ہوگا۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا۔ ارباب فتوی کو ایسے مواقع پر فتح القدیر کے اس مسئلہ کا خصوصیت کے ساتھ لحاظ رکھنا چاہئے ـــ والحق ان علی المفتی ان ینظر فی خصوص الوقائع ـــ اور اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ اس قول کے مطابق فتویٰ دینے میں اخذ بالاحوط کا تحقق ہوتا ہے تو یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ اقوال مندرجہ بالا میں سے بہت سے ایسے اقوال ہیں جو اس قول سے کہیں زیادہ احوط ہیں۔ علاوہ برآں زیرِ بحث حادثہ میں اخذ بالاحوط کا تحقق بھی محل تامل ہے کیونکہ اگر عورت قول ثالث کے مطابق عمل کرکے شوہر منکر کے ساتھ زوجیت کے تعلقات کو بھی قائم رکھیگی تب بھی ایسا واقعہ بہت ہی شاذ و نادر پیش آتا ہے کہ مرد اس طرح طلاق دیدے کہ وہاں کوئی شاہد نہ ہو اور پھر طلاق دینے کا انکار بھی کرے برعکس آں جب یہ فتویٰ عام ہوگا کہ جو عورت یہ کہیگی کہ مجھے علم و یقین ہے کہ میرے شوہر نے مجھے طلاق دیدی ہے ایسی

عورت کو دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت دیدی جاتی ہے تو زمانہ کے بدمعاش اور بردہ فروش ایسے فتاویٰ کو اپنے پیشہ کا خاص ذریعہ بنا لینگے کیونکہ تجربہ سے معلوم ہو چکا ہے کہ بردہ فروشوں کے گروہ اس قسم کی جعلی سرگرمیوں کو عموماً اپنے کام کا ذریعہ بناتے ہیں لیکن تمام پہلو ٹھیک کرنے میں انکو صعوبتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں اسلئے ایسے سہل الوصول ہتھیار کو کیوں وہ ہاتھ سے جانے دینگے۔ لہذا ایسے فتاویٰ کے اصدار سے اجتناب اولیٰ و لازم ہے۔

عالمگیری میں ہے۔ ویحرم التساہل فی الفتویٰ و اتباع الحیل ان فسدت الاغراض وسوال من عرف بذالک الخ (ص ۳۰۹ ج ۳)

یعنی فتویٰ دینے میں تساہل برتنا اور اغراض فاسدہ کا ہوتے ہوئے حیلے تلاش کرنے حرام ہیں اسیطرح جو لوگ ایسے فتویٰ تیار کرتے ہیں ان سے مسئلہ پوچھنا بھی حرام ہے۔

بوجوہ مندرجہ بالا مسماۃ صغریٰ کو اس قول پر عمل کرنا جائز نہیں مگر سنا گیا ہے کہ مسماۃ مذکورہ کو کسی صاحب نے ذیل کا فتویٰ دیدیا ہے جسکی نقل بعینہ ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

" صورت مسئولہ میں جب عورت کو یقین ہے کہ اسکے شوہر نے اسکو طلاق مغلظہ دیدی تو اسکو جائز نہیں کہ اس شوہر کو اپنے اوپر قابو دے بلکہ اس سے علیحدہ ہو جائے اور عدت کے بعد کسی اور سے نکاح کرے دوسرا شوہر ہمبستری کے بعد اگر اسکو طلاق دیدے اور عدت گذر جائے تو وہ پھر محمد یوسف سے نکاح کرسکتی ہے اگر اس سے نکاح کرنا چاہے اور اگر اس سے نکاح کی طلب نہ ہو تو جس سے نکاح کرے اس کے پاس رہے "

اس فتویٰ میں صاحب فتویٰ کا یہ فرمانا کہ جب عورت کو یقین ہے کہ اس کے شوہر نے اسکو طلاق مغلظہ دیدی ہے الخ مسئلہ مذکورہ بالا یعنی والحق ان علی المفتی ان ینظر فی خصوص الوقائع الخ کی رو سے قابل اعتراض ہے اسلئے کہ صاحب فتویٰ کے سامنے صغریٰ نے وہ بیان لکھا جسمیں اسکے دعویٰ کے الفاظ کا ترجمہ[عہ] یہ کیا گیا ہے کہ "میں نے تجھکو طلاق دی" پھر وہ استفتاء میں حلفیہ کہتی ہے کہ مجھے ذرا بھی شبہ نہیں کہ محمد یوسف نے مجھے طلاق نہ دی ہو" اسلئے صاحب فتویٰ کو مستفتیہ کے پیش کردہ الفاظ میں غور کرنیکی ضرورت تھی کہ ایسے الفاظ کا فقہاء کے نزدیک کیا حکم ہے نہ کہ یہ لکھنا کہ جب عورت کو یقین ہے الخ کیونکہ "جب" اذا کا ترجمہ ہے اور

[عہ] یہ ترجمہ خود علماء ثلاثہ نے کیا ہے وہی اسکی صحت کے ذمہ دار ہیں۔

ملہ اذا کا لفظ جزم کے موقع پر استعمال کیا جاتا ہے گویا صاحب فتویٰ نے بھی مستفتیہ کے بیان سے اس حکم کا یقین کیا جسکا زعم بظاہر مستفتیہ نے کیا ہے حالانکہ مستفتیہ نے الفاظ پیش کرکے حکم دریافت کیا تھا چنانچہ اس سے مستفتیہ کے حواریین نے وقوع طلاق بالیقین کا حکم قطعی سمجھ لیا بہرکیف جب مسماۃ صغریٰ کو دیانت کا حکم بتلانا ہے اور آجکل بعض احباب کو اتنا اصرار ہے کہ ہندوستان میں علی وجہ احکام دیانت کے کوئی فتویٰ ہی صادر نہیں کر سکتے ہیں تو الفاظ مذکورہ میں بھی دیانت کا پہلو ملحوظ رکھنا ضروری ہے اسلئے "میں نے تجھکو طلاق دی" کا ترجمہ فارسی میں یہ ہے کہ "من ترا طلاق دادم" اور قاضی خان میں مذکور ہے کہ اگر ان الفاظ سے ایقاع طلاق کی نیت کرلی تو طلاق واقع ہوگی اور اگر تفویض عسکہ طلاق کی نیت ہوگی تو طلاق نہیں پڑیگی اور اگر تفویض کی نیت نہ ہو تو طلاق پڑیگی۔

وان قال لها "من ترا طلاق دادم" ان نوى الايقاع يقع وان نوى التفويض لا يقع وان لم ينو التفويض يكون ايقاعا ولو قال لها لك الطلاق قال ابو حنيفة رحمه الله ان عنى به التفويض يدين فاذا قامت من مجلسها بطل (خانیة برهامش عالمگیری ص ۲۲-۲۲۹ ج-۲)

خلاصہ یہ کہ "میں نے تجھکو طلاق دی" کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ میں تمہارے سپرد طلاق کو کردی ہے۔ پس اگر تم اپنے آپ کو مطلقہ بنانا چاہتی ہو تو ایقاع طلاق اپنے اوپر کر سکتی ہو اور اس صورت میں مجلس میں صغریٰ اپنے آپ کو مطلقہ نہ بنانا تفویض مذکور کو سلب کرتا ہے۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ جو بیان مسماۃ صغریٰ کا ہمارے پاس اسکے عکس انگوٹھا کے ساتھ محفوظ ہے اس سے یہی شق معلوم ہوتی ہے کیونکہ مسماۃ صغریٰ کہتی ہے کہ مجھ سے محمد یوسف نے یہ بھی دریافت کیا کہ کیا تم طلاق قبول کرتی ہو؟ اور اپنا کوئی جواب قولاً بیان نہیں کرتی ہے بلکہ اٹھ کے جانے اور اپنی تحسین عسہ کا ذکر کرتی ہے لہٰذا دیانت کا فتویٰ دینے والا مفتی شرعاً اس کا مکلف ہے کہ اس احتمال کو نظرانداز نہ کرے

ملہ عربی میں ترکہ اردو میں۔ ملہ ہندو میں یہ لفظ محض تفویض نہیں۔ ملکہ اردو میں یہ معنی غلط ہیں۔

ملہ تضاد معلوم ہوتا ہے ایک شخص مردود الشہادت ہے جو اولاً بیان میں قید بیان نہ کرے بعد میں اضافہ کرے۔

عسہ یہ بھی علاوہ شائستہ کے اول بیان میں نہیں ہے لہٰذا یہ اضافہ بھی قضاءً رد ہے۔

خصوصاً جبکہ محمد یوسف کہتا ہے کہ میں نے جماع کے بعد اس سے طلاق دینے کا وعدہ اس صورت میں کیا تھا کہ جب زبیدہ جا کر ادا مہر کیلئے رقم اپنے دوست سے وصول کر سکوں بالفرض اگر الفاظ مذکورہ کو ایقاع طلاق پر ہی محمول کیا جائے تب بھی حکم دیانت اسمیں صرف وہی نہیں جو صاحب فتویٰ نے تحریر فرمایا ہے بلکہ ایک احتمال یہ ہے کہ محمد یوسف نے پہلی مرتبہ ایقاع طلاق اور دوسری و تیسری و چوتھی سے یعنی جتنے مرتبہ تکرار کیا اس سے افہام[1] کا ارادہ کیا ہو چنانچہ اگر وہ اس بات کی تصدیق کرتا اور پھر یہی دعویٰ کرتا تو دیانۃً اسکی تصدیق کی جاتی خصوصاً اس صورت میں کہ ما نحن فیہ۔ میں اس کا قرینہ موجود ہے جسکا اعتبار کرنا شرعاً ضروری ہے کیونکہ اگر ہم فرض کرلیں کہ پہلی مرتبہ کہنے سے محمد یوسف نے ایقاع طلاق مراد لی ہوگی اور باقی مرات سے افہام تو اس صورت میں جو جماع بعد میں واقع ہوا وہ حلال ہوگا اور مانا جائیگا کہ اس نے جماع کے ساتھ رجعت بالفعل کرلی۔ اور اگر ایسا نہ ہوا ہو تو صغریٰ کے بیان کے مطابق جماع مذکور اس صورت میں حرام واقع[2] ہوا ہوگا کہ الفاظ مذکورہ سے تین طلاق واقع ہو چکی ہوں۔ قاضی خان میں ہے:

رجل قال لامرأته انت طالق انت طالق انت طالق وقال عنیت بالاولى الطلاق وبالثانية والثالثة افهامها صدق دیانةً (ص ۲۲۳ ج ۲ بہامش عالمگیری) راقم الحروف کہتا ہے کہ دوسری مرتبہ کہنا افہام[3] کا قرینہ ہے کیونکہ طلاق واقع کرنے کیلئے تین مرتبہ کہنا یا ایک ہی مرتبہ طلاق واقع کرنا کافی ہو سکتا ہے ھذا لا محالہ تین سے زائد مرات کو افہام[4] و تاکید پر محمول کرنا ضروری ہے اسلئے اس جماع کو جو مسماۃ صغریٰ کے بیان کے مطابق بعد میں واقع ہوا فعل حلال پر محمول کرنیکی غرض سے پہلی مرتبہ کے علاوہ تمام مرات کو افہام پر محمول کرنا قواعد شرعیہ کے ساتھ اوفق ہے کیونکہ مسلمانوں کے افعال کو جہاں تک ممکن ہو فعل مشروع پر محمول کرنا شرعاً معمول بہ ہے ان احتمالات کے ہوتے ہوئے مسماۃ صغریٰ کو حرمت مغلظہ کا یقین کرنا یا اسکو ایسا یقین رکھنے پر کسی کی تصویب کرنا بلا دلیل بلکہ خلاف دلیل معلوم ہوتا ہے۔

---

[1] تکرار طلاق سے عورت کو تکرار ہی سمجھنا لازم ہے المرأة كالقاضی لا تقبل الا الظاهر۔

[2] جماع کا ذکر قصہ میں نہیں ہے بلکہ بعد میں اضافہ کیا گیا ہے اور عورت منکر ہے۔

[3] سبحان اللہ کیسا عمدہ قرینہ ہے کیا یہ نہیں ہو سکتے کہ غصہ میں حد سے تجاوز کر گیا۔

[4] قاضی کا اور عورت کا ایسا کرنا جائز نہیں اور فتویٰ عورت کو دیا جا رہا ہے۔

و اللہ اعلم وعلمہ اتم ——— بلکہ اگر صغریٰ اپنے بیان میں صادقہ ہو تو اسکو صرف یہ یقین رکھنا جائز ہے کہ الفاظ مذکورہ میں نے اپنے کان سے سن لیے ہیں شاید کہ ان الفاظ سے دیانت کی تاثیر حرمت مغلظہ پر بھی یقین کرلے کیونکہ الصریح یلحق الصریح قضاءً کا حکم ہے لہذا اگر وہ قضاء کی تابع رہنا چاہتی ہے تو اس کا دعویٰ بسبب عدم بینہ کے ساقط الاعتبار ہو چکا ہے اور اگر وہ دیانت پر عمل کرنا چاہتی ہے تو ظنوا بالمؤمنین خیرا کے مطابق اسکو اپنے شوہر کے اقوال واعمال کو سب سے پہلے اُن محامل پر محمول کرنا چاہئے جو شریعت کے مطابق ہوں و نیز جب احتمالات مذکورہ کی بنا پر وقوع طلاق مشکوک ہوا تو اسکو زوال نکاح کا یقین کرنا شرعاً ممکن نہیں کیونکہ شک سے یقین زائل نہیں ہوتا ہے۔ قال فی الاشباہ: "الیقین لا یزول بالشک"۔ ایسے اصول شرعیہ کے خلاف زوال نکاح کا ظن رکھنا اس کو جائز نہیں۔ قال تعالیٰ: ان بعض الظن اثم۔

یہاں تک فتویٰ مذکورہ کے حصہ اول پر بحث ہو گئی۔ اب رہا اس کا حصہ دوم جس میں صاحب فتویٰ نے مسماۃ صغریٰ کو عدت گذار کر دوسرے نکاح کا حکم دیا ہے سو اسکے متعلق اوپر تفصیل بحث ہو چکی ہے اسلئے اعادہ کی ضرورت نہیں بلکہ صرف اسقدر کہنا کافی ہے کہ یہ قول صاحب درمختار کے نزدیک غیر صحیح اور علماء ترجیح کے نزدیک مذہب صحیح کا خلاف ہے اور اس کا مذہب صحیح کا خلاف ہونا کفایہ اور شرح وہبانیہ اور درمختار و نیز شامی میں مذکور و منقول ہے اور صاحب درمختار نے اسکے غیر صحیح ہونے پر جزم کیا اور صاحب شامی کے نزدیک غیر ہونیکو قضاء کے ساتھ مخصوص کرنا درمختار کی صریح و صاف عبارات کو ملحوظ رکھکر خلاف ظاہر کا ارتکاب ہے (ص۴۹ ج ۲) علاوہ بریں اس سے مفاسد عدیدہ پیدا ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ جس مقام میں زیر بحث حادثہ پیش آیا ہے وہاں کے متعلق سنا گیا ہے کہ اس مسئلہ پر کسی مولوی صاحب نے پیشتر ایک عورت کو جس کے پاس دعویٰ طلاق پر شہادت نہ تھی محض اس بنا پر شوہر مدعیٰ علیہ سے جدا ہونیکا حکم دیدیا کہ وہ کہتی ہے کہ مجھے طلاق کا یقین ہے چنانچہ عورت مذکورہ نے دوسری جگہ شادی بھی کی ہے اور اب تک وہ اس دوسرے شوہر کے ساتھ بود و باش کرتی ہے پھر کچھ عرصہ بعد دوسری عورت نے بھی یہی فتویٰ حاصل کیا مگر وہ مر گئی ورنہ وہ بھی اس وقت دوسرے مرد کے پاس ہوتی اور زیر بحث حادثہ تیسرا واقعہ ہے جس میں عورت دوسرے نکاح کی تیاری کرنے لگی تھی مگر راقم کے خلاف کرنیکی وجہ سے

اُسے قدرے جھجک پیدا ہو گئی ہے اور اسکے مآل کا کوئی فیصلہ ابھی کرنا ممکن نہیں۔ پس مفاسد مذکورہ کا وقوع بھی ہو چکا ہے تو میرے نزدیک اس جیسے حوادث میں اقوال و مسائل مذکورہ میں سے کسی ایسے قول کے ساتھ فتویٰ دینا چاہئیے جو مفاسد سے خالی ہو۔ مثلاً زیر بحث مسئلہ میں صغریٰ کو اولاً یہ فتویٰ دینا چاہئیے[1] کہ وہ اپنے شوہر کے پاس چلی جائے اور نشوز کا ارتکاب چھوڑ دے کیونکہ اسکے وقوع طلاق پر کوئی دلیل معتبر شرعی موجود نہیں اور اگر بالفرض وہ اس سے جدا ہونے پر ہی تل گئی ہے تو قول چہارم کے مطابق وہ صرف مال ادا کرکے اپنے آپ کو جدا کرنے کی کوشش کرے خصوصاً جبکہ زیر بحث حادثہ میں بتایا بھی جاتا ہے کہ مساۃ صغریٰ کل کے کل زیورات لیکر شوہر سے بھاگ گئی ہے بہرکیف اسکو بحالت موجودہ کسی دوسرے کے ساتھ نکاح کرنیکی اجازت دینا شرعاً کسی طرح بھی صحیح نہیں اور اسے قضاءً یا دیانۃً یہ جائز نہیں کہ محمد یوسف سے طلاق حاصل کئے بدون کسی دوسرے کے ساتھ نکاح کرے اور اگر ایسا کریگی تو وہ نکاح قواعد شرعیہ کے مطابق باطل ہوگا کیونکہ محمد یوسف کے ساتھ اس کا نکاح متحقق ہونا ایک امر متیقن ہے جسکے زوال پر مسائل دیانۃ[2] اور قواعد قضاءً دونوں کے لحاظ سے بجز شکوک و اوہام کے اور کوئی دلیل شرعی قائم نہیں لہذا دوسرے نکاح نکوح علی النکاح صادق آئیگا۔

ایضاً ایک اور وجہ بھی مساۃ صغریٰ کو سہ طلاق کے وقوع کے دعویٰ میں کاذب ٹھہراتی ہے کیونکہ اگر صغریٰ کو تین طلاق کے وقوع کا جزم و یقین ہوتا تو وہ شوہر کو وطی کرنے نہیں دیتی پس اس کا یہ اقدام (علی التمکین) اسکی تکذیب کرتا ہے، ہدایہ میں ایک اور مسئلہ کے ضمن میں مذکور ہے۔ انہ یجعل القول قولہا فالم یسبق منہا ما یکذبہا وقد سبق منہا ما یکذبہا فی قولہا وھو اقدامہا علی النکاح من الزوج لان شیئاً من ذالک لا یحل الا بعد التزوج بزوج آخر والدخول بہا فکان فعلہا مناقضاً لقولہا فلا یقبل (بدائع ص ۱۹۱ ج ۲)

راقم الحروف کہتا ہے کہ صغریٰ کا دس مرتبہ یہ لفظ سننا کہ میں نے تجھکو طلاق دیدی الخ، پھر اسکے بعد محمد یوسف کو وطی کرنے دینا اس امر کیلئے کافی ہے کہ صغریٰ کو سہ طلاق

---

[1] یہ فتویٰ بالکل غلط ہوگا جبکہ عورت کو طلاق ثلاثہ کا یقین ہے اس پر کبھی بھی فتویٰ نہیں دیا۔ ظفر۔

[2] جب عورت خود ثلاث سن چکی ہے تو نکاح زائل بیقین ہوگیا ہے الیقین لا یزول بالشک کا یہاں موقع نہیں ہے۔ ظفر۔

کے وقوع کا علم ویقین نہیں تھا اور اگر وہ اس یقین وعلم کا دعویٰ کرتی ہے تو تمکین وطی اسکی تکذیب کرتی ہے کیونکہ وقوع ثلاث کے بعد حلالہ کے بدون یہ فعل جائز نہیں ہو سکتا ہے

ایضاً زبان دان اور متدین علماء کے کہنے کے مطابق مسماۃ صغریٰ کا بیان کردہ لفظ (میں تو کے طلاق دیہوں الخ) میں دیہوں ایک ایسا لفظ ہے جو پورب وغیرہ کے اہل خیر سے کبھی ماضی اور کبھی مستقبل کا صیغہ بن سکتا ہے لہذا محمد یوسف کا بیان کہ میں نے دوبارہ طلاق کیا، نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے بلکہ اس احتمال کو ناشی عن الدلیل ماننا بھی صحیح ہے کہ مسماۃ صغریٰ نے صیغہ (لب ولہجہ کی تفاوت کی وجہ سے) صیغہ ماضی سمجھ لیا ہو، اور انہیں محمد یوسف کی تصدیق کرنا شرعاً ودیانۃً بھی صحیح ہے ـــــ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھن ناقصات العقل والدین۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم اجاب بہ الملتجی الی اللہ مختار اللہ۔ (المدعو)

مبارک شاہ عفا اللہ عنہ وعافاہ
خادم الطلبہ بدار العلوم مئو
ضلع اعظم گڑھ ۵-۲-۹۰ھ یوم الاحد

(نوٹ) اس کلام پر یہاں سے یہ جواب لکھا گیا۔ ظفر

الجواب

خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون سے جو فتویٰ دیا گیا ہے اس کا اولاً وہ تحریر ہے جو علماء ثلاثہ کے دستخط سے مزین ہے (جن میں سے ایک صاحب کے یعنی آپ کے دستخط کو ہم بخوبی پہچانتے ہیں) جو انہوں نے واقعہ مذکورہ میں بطور فیصلہ کے لکھا ہے اس تحریر میں ہم دونوں مرتبہ یہ لفظ کہا کہ میں تو کے طلاق دیہوں، کی تشریح یوں کی گئی ہے کہ میں نے تجھکو طلاق دی، اسکے بعد تین قبول کرے تھی کا اضافہ نہیں ہے جو طویل

عہ حقیقت شیئا وغابت اشیاء قال فی العالمگیریۃ عن النھایۃ ولو قالت للاول حلت فتزوجھا ثم قالت الثانی لم یکن دخل بی فان کانت عالمۃ بشرائط الحل للاول لم تصدق والا فتصدق ص۱۹۱ ج۲ ـ جامع کی عبارت میں یہ قید لگی ہے جس پر جناب نے تنبیہ کی ہے پس یہاں بھی عورت کو بوجہ جہل کے صادق کہا جائے گی۔ ظفر

تحریر میں بڑھایا گیا ہے اور اس سے تعریض کا احتمال[1] پیدا کیا گیا ہے اگر یہ احتمال تھا تو فیصلہ کی تحریر میں اس کا لحاظ واجب تھا اور یہ زیادت حذف کرنا جائز نہ تھی فیصلہ کی تحریر میں علماء ثلاثہ نے اس لفظ کے تکرار کو موجب طلاق مغلظ تسلیم کیا ہے اور لکھا ہے کہ اگر واقعی محمد یوسف نے یہ لفظ کہا ہو تو اسکی عورت مطلقہ مغلظہ ہو گئی اسکو چاہئے کہ اپنی بیوی مذکورہ سے دیانۃً علیحدہ رہے یہی اسکی دلیل ہے کہ میں توکے طلاق دیہوں، کے بعد اصل بیان میں وہ تین قبول کرے تھی۔ نہیں ہے ورنہ دیانۃً بھی وقوع طلاق ثلاث کا جزم نہیں ہو سکتا کیونکہ اس زیادت سے کلام محتمل تعریض ہو جاتا ہے حالانکہ علماء ثلاثہ برتقدیر صحت قول وقوع طلاق مغلظ کا دیانۃً جزم کر رہے ہیں۔ پھر یہ امر موجب حیرت ہے کہ شوہر کے واقعی ایسا کہنے کی صورت میں بھی اسکو محض دیانۃً علیحدگی کا مشورہ دیتے اور قضاءً اس پر علیحدگی واجب نہ کرنے کا کیا مطلب ہے؟ کیا یہ مطلب ہے کہ عورت کو باوجود طلاق مغلظ لینے کے اپنے سے جدا کرنا مرد کے ذمہ اس وقت تک واجب نہیں جب تک قاضی تفریق نہ کرے اور اسکو یہ جائز ہے کہ دیانۃً اس سے علیحدہ رہے اور صورۃً اپنے نکاح میں باقی رکھے اگر یہ مطلب ہے تو بداہۃً باطل ہے اور اگر یہ مراد نہیں تو دیانۃً علیحدہ رہنے کا اس صورت میں کیا مطلب ہے جبکہ شوہر واقعی اسکو طلاق مغلظ دے چکا ہے۔

اسکے بعد علماء ثلاثہ نے حکم قضا بیان کیا ہے چونکہ شوہر اس لفظ کے کہنے سے انکار کرتا ہے اور عورت بینہ قائم نہیں کر سکی اسلئے طلاق ثابت نہیں ہوئی قضاءً ان کا یہ حکم صحیح ہے اس سے کسی کو انکار نہیں، اسکے بعد عورت نے اپنے متعلق استفتاء کیا ہے کہ بیان مذکورہ بالا سے طلاق ثابت نہیں ہوئی۔ لیکن مجھے یقین کامل[2] ہے کہ محمد یوسف نے مجھے دسوں مرتبہ طلاق دی اور میں پھر حلفیہ بیان کرتی ہوں کہ مجھے ذرا بھی شبہ نہیں کہ محمد یوسف نے مجھے طلاق نہ دی ہو، چونکہ علماء ثلاثہ کی فیصلہ کن تحریر میں مسماۃ کے الفاظ مذکور تھے اسکی تشریح بھی علماء ثلاثہ نے کر دی تھی اب مستفتیہ سے الفاظ طلاق دریافت کرنیکی ضرورت باقی نہ تھی کہ اس کا سوال اس بیان پر مبنی تھا۔ ورنہ وہ صاف کہتی

---

[1] یہاں یہ بتلا دینا ضروری ہے کہ عبارت محاورہ میں "میں تجھکو طلاق دی" طلقتک کا ترجمہ ہے جس میں تعریض کا احتمال اصلاً نہیں۔ فارسی میں "ترا طلاق دادم"، اگر محتمل تعریض ہو تو اس سے اردو میں یہ احتمال نہیں ہو سکتا۔ لطف۔

[2] یقین کی مراد ہے۔

ہے کہ مجھے یقین کلی ہے کہ محمد یوسف نے مجھے دسواں مرتبہ طلاق دی۔ اس پر مجیب کا یہ قول بھی ہے کہ صورت مسئولہ میں جب عورت کو یقین ہے کہ اسکے شوہر نے اسکو طلاق مغلظہ دیدی ہے الخ یہاں "جب" کے معنی "جس حالت میں" کے ہیں اسکو "اذا" کا ترجمہ قرار دیکر جزم پر محمول کرنا طرز افتاء سے نکل جانا ہے دوسرے "ان" و "اذا" کا جو فرق لغت عربیہ میں ہے وہ اردو میں جاری نہیں یہاں بکثرت "اگر" کی جگہ "جب" اور "جب" کی جگہ "اگر" مستعمل ہوتا ہے بہرحال مستفتیہ کو خود اسکی ذات کیلئے فتوی دیانت کا بتلانے یہ دیا گیا (اگرچہ وہ اپنے دعوی کو بینہ سے ثابت نہ کر سکی مگر) جب اسکو یقین ہے کہ شوہر نے طلاق مغلظہ اسکو دیدی ہے تو اسکو جائز نہیں کہ اس شوہر کو اپنے اوپر قابو دے (یہ حکم ان تمام روایات میں جو جناب نے نقل کی ہیں متفق علیہ ہیں) بلکہ اس سے علیحدہ ہو جائے (یہ بھی تمام روایات میں متفق علیہ ہے) اور عدت کے بعد کسی اور سے نکاح کرے (اس میں آپ نے مختلف روایات نقل کی ہیں مگر ہمارے نزدیک محض اختلاف روایات نقل کرنا کافی نہیں درایت سے ان میں تامل لازم ہے ہم اس اختلاف کو قضاء و دیانت کا اختلاف سمجھتے ہیں یعنی قضاءً اسکو نکاح جائز نہیں کیونکہ ثبوت طلاق قضاءً نہیں ہوا اور دیانۃً جائز ہے کیونکہ دیانۃً عورت کے نزدیک فیما بینہا وبین اللہ طلاق مغلظہ ثابت ہے۔ والشیٔ اذا ثبت ثبت بلوازمہ ومن لوازم الطلاق المغلظ ارتفاع النکاح وحل التزوج بزوج آخر۔ اس کے کچھ معنی نہیں کہ اس صورت میں عورت کو تمکین زوج سے منع کیا جائے اور اس سے علیحدگی واجب کی جائے اور نکاح کی اجازت نہ دی جائے پس یقیناً جن لوگوں نے اسکو نکاح بزوج آخر سے منع کیا ہے ان کا قول قضاء پر مبنی ہے اور اگر کسی نے دیانۃً بھی اسکو تزوج بزوج آخر سے اس صورت میں منع کیا ہے تو اس کا قول نص کے خلاف ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: فان طلقہا فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ۔ نص میں طلاق مغلظہ کے بعد عورت کو زوج اول پر حرام کرکے اسکو زوج آخر سے نکاح کا حق دیا گیا ہے جس میں تنکح کی اسناد عورت ہی کی طرف کی گئی ہے۔

اب رہی وہ مصالح ومفاسد جن پر اخیر میں روشنی ڈالی گئی ہے تو ان کے متعلق عرض ہے کہ جس طرح اس صورت میں عورتوں کو دیانۃً اجازت نکاح دینے میں ایک مفسدہ نظر آتا ہے اسیطرح دیانۃً اجازت نکاح نہ دینے میں دوسرا مفسدہ ہے کہ

جب شوہر والا کو یہ معلوم ہوگا کہ جب تک شوہر طلاق کا اقرار نہ کرے اس وقت تک عورت اس سے علیحدہ نہ ہو سکے گی وہ طلاق کو کھیل بنا لیں گے اور طلاق مغلظہ کے بعد زنا کاری میں مبتلا رہیں گے اور عورتیں ان کے ظلم سے عاجز ہو کر ارتداد پر مجبور ہونگی جسکی مثالیں بکثرت موجود ہیں۔ رہا یہ کہ بعض علماء نے دیانت کے اس فتوی کو عورت موثوق بہا کے ساتھ مخصوص کیا ہے تو یہ رائے قابل تسلیم ہے مگر موثوق بہا کا معیار کیا ہوگا؟ کیا مفتی اسکی تحقیق کر سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ دشوار ہے اسلئے ہمارے نزدیک آجکل معیار یہی ہے کہ جو عورتیں ان معاملات میں علماء سے رجوع کرتی ہیں وہ موثوق بہا ہیں فاسق عورتیں تو نہ طلاق مغلظہ کی پرواہ ہے نہ بدون طلاق حاصل کئے کسی سے تعلق پیدا کر لیتے ہیں جواب نہ فتوی شرعی پر عمل کرنے کی ضرورت ہے جب فتوی کو عورت کے یقین کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے کہ جبکہ اسکو طلاق مغلظہ کا یقین ہے تو حکم یہ ہے اگر وہ اس میں غلط بیانی کرے گی عند اللہ خود ذمہ دار ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

ظفر احمد عفا اللہ عنہ از تھانہ بھون

۱۲ جمادی الثانی ۵۸ھ

(نوٹ) اسکے بعد جواب الجواب مولوی میرک شاہ صاحب کے پاس سے موصول ہوا جو درج ذیل ہے۔

جواب الجواب مع الجواب المجمل

باسمہ تعالیٰ

قسط دوم

(تمہید) ایک عورت مسماۃ صغریٰ اور اسکے زوج نے دعوی طلاق میں مجھے حکم بنایا مگر زبان نہ جاننے کی وجہ سے میں نے مولانا محمد صابر صاحب اور مولانا اسلام الحق صاحب کو اشتراک تحقیق میں شامل کیا مدعیہ نے طلاق کا دعوی کیا مگر شہادت پیش نہ کر سکی مدعی علیہ کو منکر ہونے کی وجہ سے حلف دیکر میں نے زبانی فیصلہ عدم ثبوت طلاق کا دیدیا۔

(ب) ہر فریق نے تحریر مانگی تو میں نے مولانا اسلام الحق صاحب سے کہدیا کہ آپ حکم شرعی سے انکو مطلع کریں اس پر موصوف نے وہ

دستخط تمام تحریر سے متعلق

تحریر تنقیدی جسے علماء ثلاثہ کی تحریر سے تعبیر کیا جا رہا ہے لکھنے کے بعد فریقین کے اطمینان کیلئے میرے دستخط بھی اس پر کرائے لیکن میرے دستخط کا تعلق درحقیقت صرف عدم ثبوت طلاق کے حکم کے ساتھ تھا۔ جو میں نے بحیثیت حَکَم کے دیا تھا مگر مخالف کو تعجب ہو سکتا ہے کہ وہ میرا حکم نامہ اسکو قرار دیکر مجھ پر اعتراض کرے لیکن۔ اسکے باوجود میں نے اصلی واقعہ کو ظاہر کیا تاکہ جس کو میری دیانت پر اعتبار ہو وہ اعتبار کرے اور جو اسکی پوری ذمہ داری میرے اوپر ڈالنا چاہے اسکو بھی میں کچھ کہنا نہیں چاہتا البتہ اظہار واقعہ کرنا میرے نزدیک ضروری تھا جو کیا۔

ہوتی ہے اگر تخصیص جزو مراد ہو تو اس کا اظہار لازم ہے خصوصاً تحریر فیصلہ میں اس کا لحاظ بہت ضروری ہے۔

(ج) اصلی واقعہ یہ ہے کہ فریقین نے مرافعہ اس طرح کیا تھا کہ گویا ہم پر دونوں کا اعتماد ہے اسلئے تحریر مذکور کے متعلق میں نے یہ خیال نہ کیا کہ یہی تحریر محل مناظرہ ہوگی اسلئے اگر اس میں کوئی کوتاہی تھی تو اس کا خیال میں نے نہیں کیا ارشد اسکے کہ۔ کیا تو قبول کرلیا ہے، کہ یہ عورت کے بیان میں موجود تھا مگر مولانا اسلام الحق صاحب نے اسکو حذف کیا اور میں نے اس کا کوئی خیال نہ کیا کیونکہ خیال تھا کہ فریقین کو ہماری دیانت اور تحقیق پر اعتماد ہے اسلئے وہ تحریر انکے عمل کیلئے دیدی گئی تھی۔ مگر ان میں سے جس فریق نے اسکو اپنے جذبات کا خلاف سمجھا اس نے اسکو موضوع مناظرہ بنایا۔

مگر بہرحال میں تحریر ناقص نہ ہونا چاہئے۔ صاحب اعتماد کو بھی ناقص تحریر دینے کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ دوسروں کو اسے شک میں ڈالنے کا موقع ملتا ہے۔

(د) چونکہ اسمیں گفتگو کی طوالت کا احتمال ہے اسلئے حصہ گذشتہ کو قسط اول اور اس حصہ کو قسط دوم سے موسوم کرتا ہوں۔

(ہ) مدعیہ کا بیان قلم بند کراکے اسپر انگوٹھا اس کا ثبت ہے اسیطرح مدعی علیہ اور محمد ادریس کا بیان بھی انکے دستخطوں کے ساتھ موجود ہے صرف حکم شرعی کا اصدار میں نے اعلان کیا تھا۔ اسلئے میری گذارش ہے کہ بحیثیت حکم میرا حکم صرف عدم

ثبوت طلاق کو مان لیا جائے (مگر اسکی پابندی صرف انہی پر واجب ہے جو میرے اظہار کو صادق وصحیح تسلیم کرنے پر آمادہ ہوں۔ (انتہی التمہید۔)

جواب الاجوبہ

میری طویل تحریر کے جواب میں یہ فرمانا کہ یہ کیا تو تیون کرنی ہے؟۔ اضافہ ہے اسلئے میرے اوپر موجب اعتراض نہیں ہونا چاہئے کہ میرے قلم سے طویل تحریر سے پہلے کوئی تحریر نہیں نکلی ہاں مولانا اسلام الحق صاحب کی تحریر پر میرے دستخط ضرور ہوئے جسکی کیفیت تمہید میں لکھدی گئی۔ اسلئے آپ (یعنی مولانا ظفر صاحب) کے پہلے فتوی میں اگر اس فقرہ کا اعتبار نہیں کیا گیا ہے تو اسپر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا بلکہ اسپر ہے جس نے سوال کیا اس کو چاہئے تھا کہ عورت کا وہ بیان جو اس کے نشان انگوٹھا کے ساتھ ہمارے پاس موجود ہے وہ سارا انکی خدمت میں بھیجدیتا۔

اسیطرح الفضۂ ثا میرے اوپر بھی اعتراض نہ ہونا چاہئے کیونکہ میں نے جو تحریر اپنے قلم سے لکھی اسمیں میں نے فقرہ کو دکھایا۔

وہ بھی جبکہ آپ ہی کی تحریر سے کما مر۔

مگر وہ جاہل ہے اسکو آپ کے حذق سے یہ گمان ہوسکتا ہے کہ حصہ محذوف کو حکم میں دخل نہیں ہے۔

مگر جس پر دستخط کئے اس میں نہ دکھلایا جاتا کہ وہ فیصلہ کن تحریر تھی اسلئے آئندہ ایسی ناقص تحریر پر موہم دستخط کرنے سے ہمیشہ اجتناب کرنا چاہئے واقعہ یہ ہے کہ ہم نے آپ کے دستخط دیکھکر ہی محمد یوسف کے الفاظ پر تنقیح کی ضرورت نہ سمجھی کیونکہ ہم آپ سے واقف ہوں کہ ماشاء اللہ فہیم وسلیم ہیں بدون کافی تحقیق کے کسی تحریر پر دستخط نہ کریں گے جب آپ کی دستخطی تحریر میں الفاظ زوج کی تشریح اور اس کا بوجہ تکرار موجب طلاق مغلظہ ہونا دیکھ لیا اس وقت دیانت کا فتوی دیا اور اسکو آپکے فتوی کا معارض نہ سمجھا کیونکہ آپ بطور حکم کے عدم وقوع طلاق کے فیصلہ پر مجبور تھے کیونکہ جب مسماۃ صغری کے بیان پر فتوی دینا ہے تو یہ فقرہ نہایت اہم ہے بہر حال جس تحریر کو علماء ثلاثہ کی تحریر فرمایا گیا ہے (اصل

واقعہ پر اطلاع ہونے کے بعد اسکی حیثیت محسوس کرکے مسماۃ صغریٰ کے بیان پر توجہ ہونے کی ضرورت ہے لہذا موضوع بحث میری موجودہ تحریر کو بنا کر یہ دستخط کرتا ہوں جسکی تحریر کا مقصود مناظرہ نہیں بلکہ مسئلہ کی اصلیت واقعہ میں فکر صواب کا معلوم کرنا اور اسکو مسلمانوں تک پہونچانا ہے۔ و ثوقی باللہ التوفیق۔

مسماۃ صغریٰ کا یہ بیان ہے کہ اس نے اپنے شوہر سے دوران دوستی کہا کہ اس نے تو کے طلاق دی ہوں کیا تو قبول کرے گی؟ بعد اس نے جماع کیا اور کہا کہ یہ آخری ہے الخ۔ اور شوہر کا بیان ہے کہ میں نے جماع سے پہلے طلاق کا کوئی لفظ نہیں کہا تھا جماع کے بعد عورت سے وعدہ کیا کہ طلاق دوں گا الخ۔ عورت کے پاس شہود نہیں شوہر نے ایقاع طلاق کا انکار کرکے حلف اٹھائی۔ حاکم کی حیثیت تنقیح اسکے کہ وہ عدم ثبوت طلاق کا فیصلہ دیدے اور کوئی کام ہمارا واجب نہیں تھا۔ ورنہ یہی اسی وجوب کو مولانا (ظفر صاحب) نے ظاہر کیا ہے کیونکہ حکم بمنزلہ قاضی ہوتا ہے (تفسیر رازی) المحکّم یصیر غیر مختلف فیکون فیما بین الخصمین کالقاضی فی حق کافۃ الناس۔ عالمگیری شامی ج ۳ ص ۴۰ — مگر اس وجوب کو ہمارے جاسوسوں نے مولانا ظفر احمد صاحب کے فتویٰ کی تعریف کے سلسلہ میں آ جانے کے بعد یا کم از کم اعتراض کرکے عوام پر اس قسم کی جرأت سے انہوں نے اسکا اظہار کیا کہ ان کے سامنے ہمارے فیصلہ شرعی کو غلط ثابت کریں۔ چنانچہ ان کی تصدیق کی عبارت کا ہمارا نقصان ہے۔ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب نے لکھی ہے صحیح ہے اور یہی مفتیوں پر بھی اس کا اظہار واجب تھا۔

چونکہ فقرہ تعریف لکھا گیا اور اسکے بعد کچھ بھی کیا جس سے عوام غلط فہمی کو عوام نے دیکھ مسماۃ صغریٰ کے متعلق مفتیوں کو مورد سب و شتم بنایا۔

انہوں نے مفتیوں پر وجوب کو ظاہر کیا ہے۔ و لا شرع فیہ حکم روایت نہیں کیا لیکن فقہی ہے سو انہوں نے علمائے شریعت کی سمجھا ہو قاضی نے کہا ہو۔

عوام کا یہ فعل معصیت ہے۔

بلکہ ان میں سے بعض پر چلنے کی سازشیں ہو رہی ہیں اسلئے یہ امر بالصراحت محتاج بیان ہے کہ کیا حَکَم پر اس کا اظہار بھی واجب تھا یا یہ کہ حماد کا ایسا لکھنا صحیح نہیں ہے درآں حالیکہ قاضی شریح کا یہ مقولہ بھی ائمہ علماء میں دائر و سائر ہے کہ مسند قضاء پر متمکن ہونیکی حالت میں جب کسی نے ان سے فتویٰ دریافت کیا تو یہ جواب دیا «انی اقضی ولست افتی» اس بارے میں اپنی صریح رائے تحریر فرما کر ایک نزاعی معنی کو ختم کرا دیجئے۔ کیونکہ اس پیوند کو اب آپ کے فتویٰ کو جزو بنا کر کام میں لایا جاتا ہے۔

حَکَم پر قضاء کا اظہار واجب ہے فتویٰ دیانت بوقت قضاء ظاہر کرنا واجب نہیں۔ بلکہ خلاف حکم قضاء ہے۔

دیانت و قضاء کا تزاحم

مسائل دیانت فقہ کی اصطلاح میں ان مسائل کو کہتے ہیں جن میں انفرادی حکم بتایا جائے اور قضاء میں محض تحکیم بالظاہر کے قاعدہ کے مطابق فریقین کو اجتماعی حیثیت سے حکم شرعی کا پابند کیا جاتا ہے ان دونوں حکموں میں کبھی تزاحم نہیں ہوتا ہے اور کبھی ہوتا ہے مثلاً کسی نے رویت ہلال کر لی اور قاضی نے اسکی شہادت رد کر دی تو اسکو دیانۃً روزے رکھنے ہونگے اگرچہ تمام لوگ مفطر ہی رہیں اس میں کوئی تزاحم نہیں اور تزاحم کی صورتوں میں زیر بحث حادثہ بھی ہے جس میں شوہر حلفاً ایقاع طلاق کا انکار کرتا ہے اور زوجہ حلفاً بیان کرتی ہے کہ میں نے الفاظ طلاق اس سے سن لئے اس لئے قاضی اور حَکَم کا حکم یہ ہوگا کہ طلاق ثابت نہ ہوئی اور عورت کو شوہر کے پاس جانے کا حکم قاضی کو قضاء کے سلسلہ میں دینا پڑیگا۔ کیونکہ اس کے پاس دعویٰ ثابت نہ ہوا اور یہی منصب حَکَم کا بھی ہے ——— (قولہ عند قاضی ھل المحکم مثلہ۔ قلت: الظاھر نعم لانھما انما فرقوا بینھما فی انہ لا یحکم بقصاص و حد و دیۃ علی عاقلۃ الخ (شامی [illegible] ج ۔ ۲) لیکن اسی حادثہ میں چار آدمی دیانت کے سلسلے میں استفتاء کر سکتے ہیں ایک وہ عورت جس نے الفاظ طلاق خود سن لئے کہ وہ اب کیا کرے جبکہ اس کا دعویٰ عدم شہادت کی وجہ سے ثابت نہ ہوا اور اگر اسکو وقوع طلاق کا فتویٰ دیا جائے تو دوسرے کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟ دوم اس کا شوہر جس نے طلاق کا ایقاع ہرگز نہیں کیا ہے کہ وہ اس عورت کو اپنے پاس

پکڑ لیگا اور جبرا اس کو اپنی زوجہ بنائے رکھیگا یا یہ کہ جو فتویٰ اسکی عورت کو دیا گیا ہے وہ اسپر بھی حاوی ہے۔ تیسرا وہ مرد جس کے ساتھ عورت مذکورہ دوسری شادی کرنا چاہیگی کیا اسکو شرعا جائز ہے کہ عورت مذکورہ کو مطلقہ سمجھے (بناء علی اقرارھا) یا اسپر یہ واجب ہے کہ اس کو منکوحۃ الغیر جانے (بناء علی بیانہ وانکارہ مع الیمین) چوتھے وہ تمام لوگ جو مدعیہ اور مدعی علیہ کے علاوہ ہیں کیا انکو وقوع طلاق کا عقیدہ رکھنا چاہئے یا عدم وقوع کا۔ نیز اگر عورت نے اس فتویٰ پر عمل کرنے کا ارادہ کیا جو اسکو دیا جائے (کہ وہ شوہر مذکور سے جدا ہے یا جدا ہی رہے اور نکاح دوم بھی کرسکتی ہے) تو کیا عورت مذکورہ کے علاوہ دوسرے لوگوں کو یہ جائز ہے کہ عورت کی حمایت کریں اور شوہر سے جدا رہنے میں اسکی اعانت کریں درآں حالیکہ شوہر کو اس کے بیان کے مطابق دیانت کے سلسلہ میں یہ فتویٰ دیا گیا ہوگا کہ اسکی عورت ناشزہ ہے تو اعانت کرنے والے اگر عورت کے فتویٰ کے مطابق معین علی الطاعۃ ہیں تو مرد کو جو فتویٰ دیا گیا ہے اسکے مطابق معین علی المعصیت والنشوز ہونگے۔ اسیطرح جس مفتی نے مرد کو اسکے بیان حلفی کی بناء پر یہ فتویٰ دیا ہو کہ عورت تمہاری منکوحہ ہے اور اسکی جدائی نشوز ہے تم اسکو جبرا اپنے پاس رکھ سکتے ہو یا جس حکم نے عدم ثبوت طلاق کا حکم دیا ہو تو کیا عورت کے علاوہ کسی مسلمان کو یہ جائز ہے کہ مفتی مذکور یا حکم مذکور کو گالیاں دلائے یا دیوے اور انکے خلاف مظاہرے کرے اور انکو بدنام کرکے بازار میں انکو بدنام کرنیکیلئے آرٹے جائے اور لٹھ بند غنڈوں کو اپنے حمایتیوں کی معیت میں مذکورہ بالا مفتی یا حکم کی آبرو لینے کیلئے بالواسطہ یا بلاواسطہ کوشش کرے۔

یہ عمل معصیت ہے اسکی کسی حال میں اجازت نہیں۔

اسیطرح اگر مرد نے عورت مذکورہ کو اپنی منکوحہ غیر مطلقہ سمجھکر اسکو جبرا اپنے پاس رکھنے کا ارادہ کیا تو دوسرے لوگوں کو اسکی اعانت کرنی جائز ہے یا موجب معصیت ہے؟

میرے نزدیک واللہ اعلم بالصواب ان سوالات کا جواب یہ ہے کہ بیشک بحق فیصلہ نفسہ کے مطابق مرد کو جائز ہے کہ عورت کو فیما بینہ وبین

اللہ اپنی منکوحہ غیر مطلقہ سمجھے اور بشرط اقتدار اسکے ساتھ منکوحہ غیر مطلقہ کے معاملات برتے اور عورت کو ضروری ہے کہ وہ فیما بینہا وبین اللہ اپنے آپ کو مرد سے جدا سمجھے اور حتی المقدور جدا رہے بشرطیکہ اسکو کسی نے ایسا فتوی دیدیا ہو اور ان دونوں کے علاوہ کسی مسلمان کو حلال نہیں کہ واقعہ سے باخبر ہونے کی صورت میں عورت مذکورہ کے ساتھ نکاح کرے کیونکہ عورت مذکورہ کا بذریعہ نکاح کے مرد مذکور کی منکوحہ ہونا بالیقین معلوم ہے اور یہ معلوم ہونیکے بعد عورت کا حلفیہ بیان بلا شہادت کے زوال نکاح کیلئے دلیل یقینی نہیں لھذا تیسرے آدمی کو نکاح وزوال نکاح مذکورین کے متعلق الیقین لایزول بالشک کی پابندی ضروری ہے اسلئے کسی مسلمان کو اسکے ساتھ نکاح کرنا حلال نہیں ہونا چاہئے چنانچہ تحقق وتیقن زوجیت کے بعد متصل زوال زوجیت کے عدم تحقق کی صورت میں بقاء زوجیت کا حکم شامی کی عبارت ذیل سے تقریبا بالتصریح معلوم ہوتا ہے جو ایک اور مسئلہ کے ذیل میں کتاب مذکور میں مذکور ہے ۔

قلت: و اما الجواب فی وقوع الطلاق للاحتیاط فی الفروج فھو مشترک الالزام علی انہ لا احتیاط فی التفریق بعد تحقق الزوجیۃ بمجرد التلفظ بلفظ مھمل او مصحف بل الاحتیاط ابقاء الزوجیۃ حتی یتحقق المزیل (شامی ص۴۴۳ ج۔۲)

یہی حکم مدعیہ اور مدعی علیہ کے علاوہ دیگر تمام مسلمانوں کا بھی ہونا چاہئے کہ وہ نکاح کو متحقق سمجھیں جسکی دلیل انکے لئے استصحاب حال اور الیقین لایزول بالشک ونیز الاحتیاط بقاء الزوجیۃ حتی یتحقق المزیل وغیرہ ہے اور عورت کو وقوع طلاق کی مدعیہ سمجھ لیں لیکن اسکی کسی قسم کی حمایت کرنا خلاف شرع سمجھ لیں کیونکہ مدعی کو محض اسکے دعوی کی بنا پر کچھ دینا شرعا جائز نہیں۔

اس سے مسئلہ زیربحث میں استدلال نہیں ہوسکتا مستفتیہ نے جو الفاظ بیان کئے ہیں وہ مہمل یا مصحف نہیں بلکہ ایسے الفاظ ہیں جنکے تکرار کو خود علماء ثلاثہ نے موجب طلاق مغلظ دیانۃ تسلیم کیا ہے۔

حدیث کا تعلق دیانات سے نہیں بلکہ قضاء سے ہے لفظ لو یعطی الناس اس کا قرینہ ہے دیانۃً صاحب حق اگر حق پر ہے اسکو اپنا حق جس طرح ہوسکے وصول کرنا جائز ہے مسئلۃ الظفر بجنس

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو یعطی الناس بدعواھم لادعی ناس دماء رجال و اموالھم ولکن الیمین علی المدعی علیہ (مسلم)

اس حدیث سے ما نحن فیہ کے متعلق یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت کا قسم کھا کر بیان کرنا بے اثر ہے کیونکہ اسپر حلف عائد نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کا قسم کھا کر بیان کرنا اسکے لئے مضر ہو سکتا ہے۔ ویحلفون ولا یستحلفون اسیطرح یہ بھی معلوم ہوا کہ محض دعوی کرنے سے مدعی کو کچھ نہیں دیا جا سکتا ہے۔

اور یہ کچھ نہ دینا، جسطرح بالاتفاق قاضی کیلئے تنفیذ کی حیثیت سے معمول بہ ہے اسیطرح مفتی کی یعنی عام مسلمین کیلئے اعتقاد و اطاعت کی حیثیت سے واجب العمل ہونا چاہئے کیونکہ الفاظ میں کوئی خصوصیت موجود نہیں۔ اسیطرح دوسری احادیث بھی ہیں جن میں بے سوچے سمجھے اصل واقعہ سے بے خبر ہو کر کسی کی جانب داری کی مذمت وارد ہوئی ہے۔

تو حاصل یہ دیانۃً جن لوگوں کے نزدیک قاضی کا فیصلہ اور شوہر کا بیان صحیح ہے وہ اسی پر اعتقاد و عمل کے مکلف ہیں اور جن کے نزدیک عورت کا بیان صحیح ہے لکن تھا تو عندہم وہ اسکے بیان پر اعتقاد و عمل کر سکتے ہیں کما سیأتی دیانات میں خبر واحد پر عمل جائز ہے۔

یعنی قضاءً

لیکن اگر کسی کو عورت کے بیان پر بوجہ اسکے صدق کے وثوق ہو وہ اسکے قول پر اپنے قلب کی شہادت سے عمل کر سکتا ہے قال فی الہدیۃ قالت امرأۃ طلقنی زوجی وانقضت عدتی لا بأس ان ینکحھا اھ وقال الشامی عن التاتارخانیۃ: ان کانت ثقۃ او لم تکن ووقع فی قلبہ صدقھا فلا بأس بان یتزوجھا اھ

ما نحن فیہ میں مسماۃ صغری کو دیانۃً کیا فتوی دینا چاہئے یہ خصوصی توجہ اور غور کا محتاج ہے کیونکہ اسکا شوہر ایقاع کا منکر ہے اسلئے صرف ان الفاظ پر فتوی کا ترتب ضروری ہے جو اس نے

منکوحہ اخیر دنوں طلاق کرتی ہے اور اسکو قبول کیا جاتا ہے حالانکہ ثبوت نکاح متعین ہے اور طلاق کا دعوی صرف عورت کی طرف سے ہے آپ کے قاعدہ پر یہ دعوی قابل قبول نہ ہونا چاہئے تھا مگر شہادت قلب سے قبول جائز ہے پھر یہ

کہہ دیئے ہیں۔ اور میرے نزدیک اسکو بوجوہ ذیل دیانۃً بھی وقوع طلاق کا فتوی نہیں دینا چاہئے۔ اول اسلئے کہ اگر اسکے پیش کردہ الفاظ کے معنی یہ لئے جائیں کہ میں نے تجھکو طلاق دی اور اس سے طلاق کا مفہوم لیا جائے یا اعطاء و تفویض کا تو یہ طلقتک کا مرادف ہے جو صریح طلاق کے الفاظ میں سے ہے اور صریح کے ساتھ وقوع طلاق کا حکم الصریح یلحق الصریح کے مطابق دیا قضاءً صحیح ہے دیانۃً نیت تاکید اسمیں مسموع و مقبول ہے کما فی الشامی وغیرہ۔

یہاں دسوں مرتبہ کہنا اور پھر بقول مجیب کے وطی کرنا (جسکی تمکین مجیب نے بھی کرلی اور شرعی طور پر مجبور کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ کو ایقاع پر اور باقی مرات کو اخبار و تاکید پر (جیسا کہ غصہ کی حالت میں ایسا ہوا ہی کرتا ہے) محمول کرنا چاہئے جس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی پھر اس وقت جماع کرنا رجعت بالفعل پر محمول کرنے سے دو مسلمانوں کو مرتکب فعل حرام قرار دینے سے بھی بچنا ہے اور ایک فتنہ عظیم سے بھی نجات حاصل ہوسکتی ہے

قال فی الهندیۃ: رجل قال لامرأتہ: انت طالق انت طالق انت طالق وقال عنیت بالاولی الطلاق وبالثانیۃ والثالثۃ افهامها صدق دیانۃً ص۴۴۳ ج-۲)

کیسے ہوسکتا ہے کہ عورت کو تو تزوج بزوج آخر جائز ہو اور مسلمانوں کو اس سے نکاح جائز نہ ہو تو عورت کو اجازت دینا بھی لغو ہے۔

شوہر نیت تاکید کا مدعی نہیں ہے۔

گو شوہر مدعی تاکید نہ ہو

تاکید کا دعوی خود اختراع نہیں ہوسکتا جب تک شوہر دعوی نہ کرے اور جہاں تکرار کو تاکید پہ محمول کرنا دیانۃً صحیح مانا گیا ہے وہاں یہ بھی تصریح ہے کہ المرأۃ کالقاضی عورت کو جائز نہیں ہے کہ تکرار کو تاکید پر حمل کرے عورت جب طلاق مکرر سنے اسکو طلاق متعدد پہ حمل کرنا واجب ہے۔ (شامی ص۶۱۹ ج۲ باب الکنایات)۔

وفی البدائع: الامین انما یصدق فیما لا یخالفہ الظاہر فاما فیما یخالف الظاہر فلا یقبل قولہ۔

زیر بحث مسئلہ میں مدعیہ کا یہ دعویٰ نہیں کہ مجھے تین طلاق کے وقوع کا علم ہے بلکہ دسوں مرتبہ وہ الفاظ سننے کا دعویٰ کرتی ہے جن میں چند احتمالات ہیں منجملہ ان ایک احتمال کے مطابق وہ طلاق صریح کے الفاظ ہو سکتے ہیں پھر ان کا دسوں مرتبہ مکرر ہو جانا اور پھر فوراً ہی وطی کا متحقق ہو جانا اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ ایقاع بالواحدۃ کے بعد تکرار للافہام والتاکید ہوئی جس کے بعد رجعت کا تحقق ہوا۔

دوم: "دیوں" کا لفظ یہاں کے اہل زبان کے کہنے کے مطابق لب و لہجہ کے ادنیٰ تغیر کے ساتھ ماضی سے مضارع اور مضارع سے ماضی بن سکتا ہے اور مدعیٰ علیہ کا یہ بیان کہ میں نے جماع کے بعد طلاق دینے کا وعدہ کیا ارادۂ مضارع کے احتمال کو تقویت دیتا ہے جس کے بعد صرف تقدم و تاخر جماع میں مدعیہ اور مدعیٰ علیہ کے درمیان اختلاف باقی رہتا ہے اس لئے اس شخص کو جس سے عورت اس لفظ کی بنا پر حکم طلب کرتی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہتی ہے کہ میں نے اس کے بعد جماع بھی کیا یہ امر ضروری ہے کہ وہ ایسے لفظ کی بناء پر عورت کو وقوع طلاق کے تیقن کا فتویٰ نہ دے جس کا تیقن اس نے اہل زبان ہونے کے باوجود اس وقت خود بھی نہ کیا جیسا کہ تمکین وطی سے معلوم ہوتا ہے اور اس قدر متقارب بیان (مدعی اور مدعیہ

بدائع کی عبارت میں ایک قید رہ گئی ہے جسکو علامہ شامیہ میں نہایہ سے نقل کیا ہے

قال: فان کانت عالمۃ بشرائط الحل للاول لم تصدق و الا فتصدق اھ صفحہ ۱۲۹ ج ۲

پس یہاں عورت کو بوجہ جہل کے صادق مانا جائیگا۔ لا سیما فی دار الحرب۔

میرے سامنے جو تحریر علماء ثلاثہ کے دستخط سے آئی تھی اور اس میں جماع کا ذکر تھا نہ اس احتمال استقبال کا بلکہ جزم کے ساتھ اسکی تصریح تھی

علیہ کا) سامنے آنیکے بعد اگر ثالث اس احتمال کو قوی قرار دیدے کہ دو صیغوں کا تلفظ فی الواقع وہی رہا ہوگا جو مستقبل پر دلالت کرتا ہے اور بجائے کے تقدم و تاخر میں اسی پر نسیان کا گمان غالب رکھنا شریعت کے مطابق سمجھے تو یہ بھی اصول شرعیہ سے مستبعد نہیں لہذا تیقن کی گنجائش یہاں بھی نہیں اور ان تضل احدٰھما فتذکر احدٰھما الاخریٰ وغیرھن ناقصات العقل الخ جیسے مرویات سے اس احتمال کی تائید ہوتی ہے اور چونکہ وہ صرف ایک لفظ پیش کرتی ہے ماضی یا مضارع کا لفظ دہرانیکا کوئی دعویٰ اس سے صادر نہیں ہوا پھر اس سے وطی کا اقرار بھی کر لیا اسلئے اس احتمال کو رد کرنیکی کوئی وجہ نہیں

اور اگر وہ صیغہ ماضی کا ہی (بالفرض) بولی کریگی (کیونکہ ابتک اس نے یہ دعوی نہیں کیا) تب بھی اسکی تمکین وطی اسکی تکذیب کیلئے کافی ہونی چاہئے جیسا کہ بدائع سے ابھی منقول ہوا، انما یصدق فیما لا یخالفہ الظاھر الخ

پھر مدعیہ ہی کا یہ لفظ کہ کیا تو قبول کرتی ہے؟ بتاتا ہے کہ اسکی رائے میں بھی زوج نے ایسا لفظ کہدیا ہے جس میں عورت کی رائے کو دخل ہو سکتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ایقاع طلاق میں مرد مستبد علی سبیل الانشاء و مستقل ہے اسلئے عورت کے الفاظ کے مطابق بھی دو صیغوں کو ایقاع کے علاوہ کسی اور مفہوم پر محمول کرنا ضروری معلوم

ماضی سے کی گئی تھی اسلئے یہ علم ہو تو کل کو تاہی ہے کہ محتمل کی تشریح بالجزم ماضی سے کر دی چونکہ میں اس محاورہ سے واقف نہیں اسلئے میں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ یہ احتمال قریب ہے یا بعید قابل اعتبار ہے یا غیر مسموع

تمکین وطی عدم علم بحکم التکرار پر بھی محمول ہو سکتا ہے عورت کو معلوم نہ تھا کہ اس لفظ کے تکرار سے طلاق مغلظ ہو گئی یہ کیسے کہا جائے کہ وہ اسکو مضارع پر محمول کرتی تھی۔

ہوتا ہے۔

سوم۔ طلاق دیدی۔ یہ اردو کا ایک محاورہ ہے اور اردو فی الحقیقت کوئی مستقل زبان نہیں بلکہ ہندوستان کی قدیم زبان اور عربی و فارسی کے الفاظ سے ایک زبان بن گئی تھی جسے کہتے ہیں۔ اہل ذوق اور علماء ادب اسکی تائید کرینگے کہ طلاق دینا اردو میں طلاق دادن سے آیا ہے جو فارسی کا محاورہ ہے اور طلاق دادن فارسی میں اسیطرح ایقاع طلاق کیلئے مستعمل ہے جسطرح طلاق دینا اردو میں تطلیق کے معنیٰ میں مستعمل ہے۔ صراح میں تطلیق کے معانی میں مذکور ہے طلاق دادن زن را۔ یعنی تطلیق کا ترجمہ یہ ہے کہ طلاق دادن زن را۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو طلاق دادن کے اصلی معنیٰ تفویض طلاق کے ہی ہیں۔

یہ مسلم نہیں بلکہ اصلی معنیٰ طلاق واقع کردن ہیں اس لفظ میں تفویض کے معنیٰ اردو والے جانتے بھی نہیں پھر وہ اصلی معنیٰ کیسے ہو گئے۔

ہاں اس کا استعمال ایقاع طلاق میں کثیر و متعارف ہوگیا ہے یہانتک کہ بلا قرینہ اس سے ایقاع ہی مراد لیا جاتا ہے جیسا کہ معانی متعارفہ کا قاعدہ ہے لیکن چونکہ اس سے تفویض طلاق مراد لینا اصل لغت سے مستلزم خروج نہیں ہے اسلئے اگر کوئی شخص طلاق دادم کہکر یہ دعویٰ کرے کہ میری نیت تفویض طلاق کی تھی تو فقہاء کی تصریح کے مطابق اسکی تصدیق کیجاسکتی ہے۔

بل هو خروج عن اللغة كما مر

وان قال لها: من طلاق ترا دادم۔ ان نوی الایقاع یقع وان نوی التفویض لایقع وان لم ینو التفویض یحکی نا

ابیت عنا الخ (قاضی خان بر حاشیہ عالمگیری ص۲۱۹ و۲۲۰ ج-۲)

اسیطرح طلاق دینے کی اصلی معنی تفویض کے ہونے چاہئیے تھے جو متروک الاستعمال ہیں لیکن چونکہ اصل وضع کے لحاظ سے انکو مراد لے سکتے ہیں اسلئے اگر نیت تفویض کا دعوی کرے تو یہ دعوی بھی مسموع ہونا چاہئیے خصوصاً اس صورت میں کہ تجھے طلاق ہے کے مضمون کو ادا کرنے والے الفاظ میں بھی ابو حنیفہؒ کے نزدیک نیت تفویض کا دعوی دیانۃً قابل تصدیق ہے جیسے کہ مسئلہ مندرجہ بالا کے ساتھ ہی قاضی خان میں مذکور ہے ولو قال لہا لک الطلاق قال ابی حنیفۃ ان عنی بہ التفویض یصدق و اذا قامت من مجلسہا بطل الخ صفحہ مذکورہ ۔

بہرکیف قاضی خان کے مسئلہ مذکورہ بالا کو فارسی سے مخصوص کرنا اور اردو میں تفویض کی نیت سے بھی رد کردینا اور وہ بھی دیانۃً اسلئے صحیح نہیں معلوم ہوتا ہے کہ الفاظ کی اصل وضع اس سے اباء نہیں کرتی ۔

صرف استعمال متعارف مانع ہے جس کا نتیجہ مسئلہ بالا میں پہلے ہی موجود ہے یعنی یہ کہ تصدیق کو دیانت کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے ۔ بہرکیف میں نے تجھکو طلاق دیدی الفاظ کی اصل وضع کے لحاظ سے تفویض پر محمول ہوسکتا ہے ۔

پھر ان الفاظ کے بعد حسب بیان مدعیہ زوج کا وطی کرنا اور خود مدعیہ کا تمکین کرنا ایک

یہ بھی فارسی میں ہو سکتا ہے اردو میں تجھے طلاق میں تفویض کی نیت مسموع نہ ہوگی کیونکہ یہاں یہ لفظ تفویض میں اصلاً مستعمل نہیں

بل ھی آپ صنعہ لعدم معرفۃ اھل اللسان ھذا المعنی بھذا اللفظ ۔

اگر شوہر نے دعوی تفویض بھی نہ کیا ہو؟ انصاف کیا جائے جہاں دیانۃً نیت تفویض معتبر ہے وہاں یہ بھی تو شرط ہے کہ شوہر تفویض کا مدعی ہو۔

اگرچہ شوہر نے تفویض کا دعویٰ بھی نہ کیا ہو خواہ مخواہ اسکے سر

قوی قرینہ ہے کہ الفاظ مذکورہ کو اسلئے قاضی خان کے مسئلہ مذکورہ بالا پر محمول کرنا پڑا ہے ۔	تفویض کو لگا دیا جائے ۔
مگر اس صورت میں زوجین مذکورین کا یہ فعل حلال ہوگا ورنہ انکے فعل کو فعل حرام پر محمول کرنا پڑیگا جسکی کوئی وجہ شرعی موجود نہیں یہاں تک کہ خود زوجہ بھی اس کا دعویٰ نہیں کرتی ہے کہ زوج مذکور نے ایقاع طلاق کیا تھا بلکہ وہ اسکے الفاظ کو پیش کرکے ارباب فتوی سے حکم شرعی طلب کرتی ہے اور ساتھ ہی یہ اقرار کرتی ہے کہ ان الفاظ کے بعد شوہر نے وطی کرلی اور میں نے تمکین کی ۔	تمکین کا اس نے اقرار نہیں کیا اور وطی کو عدم علم بالحکم پر محمول کرنا ظاہر ہے جہلاء ایسا ہی کرتے ہیں۔
اسکے علاوہ مدعیہ کے بیان میں یہ بھی ہے کہ کیا تو قبول کرتی ہے؟ اور جو تفویض کا ایک اور قرینہ ہوسکتا ہے اسلئے احتیاط اسی میں ہے کہ فقرۂ مذکورہ کو تفویض پر محمول کیا اور قاضی خان کا مسئلہ مذکورہ بالا جو عالمگیری وغیرہ میں بھی لیا گیا ہے معمول بہا بنایا جائے خصوصاً اس لحاظ سے کہ جن عبارت سے عورت کے جواز نکاح ثانی پر استدلال کیا جاتا ہے جیسا کہ بعض مقامی لوگ کہتے ہیں وہ نمونہ صورت زیر بحث سے متفاوت ہیں۔ مثلاً سمعت من زوجها انه طلقها ولا تقدر على منعه من نفسها الا بقتله قتله الخ اس مسئلہ میں زوج کو عورت کے سامنے مقر بالطلاق قرار دیدیا گیا ہے	ہاں یہ قرینہ ہوسکتا ہے مگر افسوس کہ علماء ثلاثہ نے اپنی دستخطی تحریر میں اسکو حذف کردیا جس کی وجہ سے مفتی کو اس احتمال سے تعارض کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔
جس میں عورت پر واجب ہوجاتا ہے کہ وہ مرد کو اسکے اقرار کی بنا پر ایقاع طلاق کا فاعل جان لے کیونکہ اقرار الانسان حجۃ علیہ ایک قاعدہ مسلمہ ہے مگر	تکریر الفاظ طلاق خود اقرار ایقاع طلاق ہے جیسا آگے آتا ہے ۔

ماتحن فیہ میں زوج نے عورت کے سامنے جو الفاظ کہدئے ہیں نہ کہ قرار بالطلاق کیا ہے اسنے عورت کے پاس کوئی شرعی ثبوت ہے کہ وہ زوج کو ایقاع طلاق کا فاعل سمجھے خصوصاً جب زوج ایقاع کا منکر ہے اور عورت نے جو الفاظ سن لئے ہیں ان میں احتمالات موجود ہیں۔ لو طلقها و اذنت لها ان تتزوج ويحلل نفسها سرًا۔ اسمیں اولاً نکاح کی علی الاطلاق اجازت نہیں بلکہ مخفی طور پر محض حلالہ کی غرض ہے جس پر زوج کو ہرگز اطلاع نہ ہونی چاہئے۔	سرًا کی قید اسلئے ہے کہ علانیہ نکاح میں شوہر دعویٰ کردے گا۔ نہ اسلئے کہ علانیہ نکاح جائز نہیں جو نکاح سرًا جائز ہے وہ علنًا بھی جائز ہے سرًا کی قید محض بطور مشورہ ہے تاکہ ضرر سے محفوظ رہے۔
ثانیاً طلقها صیغہ جزم ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ مرد نے ایقاع طلاق بالیقین کرلیا اور ماتحن فیہ میں جو الفاظ عورت نے سن لئے ان کی کیفیت اوپر گذر چکی ہے۔	مگر عورت کو ایقاع طلاق کا یقین ہے جیسا کہ اسنے استفتاء میں ظاہر کیا ہے
شهد ان زوجها طلقها الخ اسمیں دو شاہد کا عورت کے پاس شہادت دیدینا مذکور ہے جو حجت شرعی ہے مگر ماتحن فیہ میں یہ مفقود ہے اسیطرح عالمگیری کے مسئلہ میں بھی۔ واذا شهد عند المرأة شاهدان عدلان الخ مذکور ہے اسلئے صورت زیر بحث پر وہ مسئلہ بھی صادق نہیں آسکتا ہے غرضیکہ مذکورہ بالا چاروں عبارات میں سے تین عبارتوں کو زیر بحث صورت سے کوئی تعلق نہیں البتہ عـ کوئی اجمالاً انطباق ہے لیکن پھر بھی وہ مشکوک ہے۔	وجہ شک کچھ نہیں۔ کما مر
علاوہ بر آں اس کا حکم کسی دوسرے کے ساتھ علی التابید نکاح کرنیکا نہیں۔ واللہ اعلم	علی التابید کی قید کس لئے ہو کیا نکاح

وعلیہ انقر۔

علی التسلیم

اگر تسلیم کیا جائے کہ مسماۃ صغریٰ نے جو الفاظ اپنے شوہر محمد یوسف سے سن لئے ہیں وہ ایقاع طلاق ثلاث کیلئے کافی ہیں تو سوال یہ ہے کہ عدم ثبوت کی وجہ سے جب اس کا دعویٰ ثابت نہ ہوا تو اس کو اقوال وہابی منقولہ میں سے کس قول کے ساتھ فتویٰ دیا جاسکتا ہے؟

طوالت سے بچنے کی غرض سے ہم اس قول کو زیر بحث لاتے ہیں جس میں اسکو کسی دوسرے کے ساتھ عدت کے بعد نکاح کرنے کی اجازت دیدی گئی ہے اس قول کو کسی نے مفتیٰ بہ نہیں کہا ہے (علی ما اعلم بعد التتبع)۔ صاحب درمختار نے اس کو بالتصریح غیر صحیح قرار دیدیا ہے۔ کما قال قبیل باب الایلاء وفیہا شہدا انہ طلقہا ثلاثا لہا التزوج بآخر للتحلیل لو غائبا اھ قلت یعنی دیانۃ والصحیح عدم الجواز۔ تنبیہ۔ اس پر شامی نے بحثاً اشکال وارد کیا ہے لیکن اولاً وہ بحث ہے نقل نہیں ہے ثانیاً اس کا تعلق عدم تصحیح کے ساتھ ہے جس سے وجود تصحیح یا نقل تصحیح لازم نہیں آتی پھر باب الرضاع کے آخر میں اس قول کو

تحلیل مؤبد نہیں ہوتی۔ موقت ہوتا ہے؟

یہ علی التسلیم نہیں بلکہ آپکی دستخطی تحریر میں آپ کا اور آپکے اہل زبان رفقاء کا مصرح بہ ہے اس کے سوا کوئی دوسرا احتمال اس تحریر میں نہیں بیان کیا گیا کیا اہل زبان علماء کو یہ جائز تھا کہ جس کلام میں بعد کو اسقدر احتمالات نکالے جاتے ہیں اپنی فیصلہ کن تحریر میں بالجزم اسکو موجب طلاق مغلظہ ظاہر کردیں اور آپ بھی اس پر دستخط کردیں اور آئندہ کیلئے مفتیوں کو غلطی میں ڈالیں تو پھر ان پر اعتراض کریں اور اپنی کوتاہی کو تسلیم نہ کریں۔

ھو مقتضی اطلاق المتون کما صرح بہ فی البحر وھو مقتضی اطلاق نص الکتاب کما مر

لو سلمنا عدم صحتہ فانما ھی فیما اذا شھد عندھا اثنان لما فیہ من القضاء علی الغائب لا فیما اذا سمعت المرأۃ منہ الطلاق ھذا ھو الذی نبہ علیہ الشامی فی باب الرجعۃ فلیتنبہ لہ

بصیغۂ تمریض نقل کرکے اسکے ضعف کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ وقیل: لہا التزوج دیانۃ شرح وہبانیۃ۔ شامی اس کا ضعیف عند المصنف ہونا تسلیم کرتے ہیں۔ قولہ: وقیل: لہا التزوج الخ اشارۃ الی ضعفہ کما فی شرح الوہبانیۃ الخ۔

پھر اسکو قضاء کے ساتھ مخصوص کرنیکی تاویل کو خلاف ظاہر قرار دیتے ہیں لہذا کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی ہے کہ اس غیر مصحح قول کے ساتھ فتویٰ دیا جائے خصوصاً اس لحاظ سے کہ اس پر فتویٰ دینے سے کوئی نفع بھی نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ عورت کے علاوہ۔ جس جس مسلمان کو معلوم ہوگا کہ مرد ایقاع طلاق کا منکر ہے کسی حال میں بھی اسکو عورت مذکورہ کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں کیونکہ نکاح محقق ہو چکا ہے اور زوال نکاح پر کوئی شرعی بینہ اور حجت موجود نہیں جسکی پابندی عورت کے علاوہ دوسروں پر ضروری ہو۔ جیسا کہ الیقین لا یزول بالشک ودیگر اس قسم کے نصوص سے معلوم ہوتا ہے جنکو گذشتہ سطور میں نقل کیا گیا ہے اسکے علاوہ بحر الرائق کی عبارت ذیل سے بھی اسمیں مدد ملتی ہے جو اختلاف ثنتین وثلاث کے متعلق کتاب مذکور میں مذکور ہے وفیہا سمع رجل من امرأۃ (بلاواسطہ) انہا مطلقۃ الثلاث۔ والزوج یقول لا بل مطلقۃ الثنتین لا یسع لمن سمع منہا ان یحضر نکاحہا ویمنعہا ما استطاع۔ بحر۔ (صفحہ ج۔۳)

محمول علی انہ لا یسعہ ان یحضر نکاحہا بہذا الرجل وہو الظاہر ولیس معناہ لا یسعہ ان یحضر نکاحہا بغیرہ بدلیل ما بعدہ اراد ان یتزوج امرأۃ فشہد عندہ

یعنی جس مرد نے عورت سے یہ سنا کہ وہ مطلقۃ الثلاث ہے مگر اس کا شوہر کہتا ہے کہ وہ مطلقۂ ثلاث نہیں بلکہ اس کو صرف دو طلاقوں سے حرام کیا گیا ہے تو جس شخص نے عورت سے قول مذکور سنا ہے اسکو حلال نہیں کہ اگر عورت دوسرا نکاح کریگی تو اسکو کرنے دے یا اس مجلس میں شامل ہو جائے۔

اسیطرح قنیہ کے یہ الفاظ بھی قابل غور ہیں

وعلی جواب الباقین لا یحل (فی النکاح)...... ونقل آخر انہ لا یجوز (النکاح) فی المذہب الصحیح والقائل بانہ المذہب الصحیح (فی عدم حل النکاح) العلاء الترجمانی کما فی البحر۔

خلاصہ یہ کہ عورت مذکورہ کو نکاح کی اجازت جس قول میں دیدی گئی ہے اسکی تضعیف میں نقول عدیدہ موجود و منقول ہیں اور اسکی تصحیح کیلئے کسی کا ایک حرف بھی نہیں ملتا اور نہ کہیں اسکو وہم لفظی وغیرہ کے ساتھ مقید کیا گیا ہے محض چند علماء کا قول اسکو قرار دیکر قنیہ میں وعلی جواب الباقین لا یحل سے ظاہر کیا گیا ہے۔ باقی علماء عدم حل نکاح کے قائل ہیں۔

ھذا عالمگیری کی وہ عبارت جو کتاب الطلاق میں ہے مذہب صحیح پر مبنی نہیں اگرچہ عالمگیری کے کتاب القضاء میں نکاح کا ذکر اس مسئلہ میں نہیں کیا گیا ہے۔ واذا ادعت المرأۃ علی زوجھا انہ ابانھا بثلاث او بواحدۃ فجحد الزوج فحلفہ القاضی فحلف فان

او عند القاضی ان لها زوجاً فتزوجها لا یفرق اھ وبدلیل ما ذکرہ عن البزازیۃ حیث قالت طلقنی ثلاثاً ثم ارادت تزوج نفسها منه لیس لها ذلک لاصرت علیه امر کذبت نفسها اھ

وقد مر ما فیه فتدبر

علمت ان الامر کما قالت لا تسعہا الاقامة معہ و لا ان تأخذ میراثہا کذا فی النہایة (ص۱۳ ج۔۲)

ایضاً:- اور اگر نکاح دوم کے قول کی تصحیح وعدم تصحیح سے قطع نظر کیا جائے تب بھی مسماۃ صغریٰ کے حق میں مسئلہ کی ترتیب یہ ہونی چاہیئے کہ وہ مال دیکر خلع حاصل کرے (جیسا کہ مولانا ظفر احمد صاحب کے دوسرے فتویٰ میں بھی مصرح ہے) اسلئے کہ محیط میں سب سے پہلے عورت مذکورہ کو افتداء بالمال کا ہی حکم دیا گیا ہے اور راقم الحروف بھی اول روز سے یہی کہہ رہا ہے کہ اگر مسماۃ صغریٰ کو محمد یوسف سے جدا ہونے پر اصرار ہے تو کچھ دے دلا کر اس سے اپنے آپکو خلاص کرے۔ لیکن چونکہ اس صورت میں قضاء میں سکون پیدا ہوسکتا ہے اسلئے جو لوگ فتنہ و شورش شغب بالخصوص مخالفت کے دلدادہ وہ اسطرف آنے نہیں دیتے۔

لا یخفی علی الفطن ان او للتخییر فلا یجب علیہا الافتداء ولو قدرت علی الہرب

وفی المحیط: وینبغی لہا ان تفتدی بمالہا او تہرب منہ فان لم تقدر قتلتہ

لہٰذا اس ترتیب کو صاحب شامیؒ نے بھی اختیار کیا ہے۔

الحاصل (الف) جو الفاظ صغریٰ نے اول والا ہمارے سامنے بیان کیا اور ہمارے دارالافتاء کے رجسٹر میں وہ مع نشانات انگوٹھا موجود ہیں انکو سامنے رکھکر فتویٰ دینا مطلوب ہے

کیونکہ ہمارے بجز کسی کے پاس فریقین کے اصلی بیانات نہیں بلکہ دوسرے لوگ محض ہوائی گھوڑوں پر دوڑ رہے ہیں جانا تھا انکو ہمارے یہاں سے وہ بیانات مل بھی سکتے تھے لیکن جب تحقیق حق مقصود ہی نہ ہو تو ایسے راستے کیوں نہ اختیار کیئے جائیں جس سے فتنہ فرو ہو۔

(ب) میرا فیصلہ شرعیہ جو بسلسلہ تحکیم زبانی بتایا تھا صرف یہ ہے کہ طلاق ثابت نہ ہوئی اس سے زیادہ یہ حکم بتانا کہ صغریٰ کی طلاق چونکہ ثابت نہ ہوئی اسلئے اسکو دوسرے کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے ہرگز میرے لئے جائز نہ تھا جس نے اس چیز کو ہمارے ذمہ واجب سمجھا ہے وہ غلط کہہ رہا ہے۔

(ج) دیانۃً صغریٰ کو اسلئے وقوع طلاق کا یقین رکھنا جائز نہیں کہ اس نے جو الفاظ سن لئے ہیں وہ وقوع طلاق کی قطعی دلیل حادثہ کے تمام پہلوؤں اور لفظ کی تمام کیفیات و احتمالات کو ملحوظ رکھکر نہیں ہو سکتے ہیں اسلئے زوال نکاح مشکوک ہے۔

(د) جس عورت کو وقوع طلاق و زوال نکاح کا یقین حاصل ہو اسکو سب سے پہلے یہ حکم ہے کہ بمال دیکر شوہر منکر سے اپنے آپ کو

نعم لم یکن ذلک واجبا علی الحکم فی مجلس الحکم ولکن کان ذلک واجبا فی استفتته المرأة فی غیر مجلس الحکم عن حکم الدیانة لها ان کانت الواقعة کما فی کتاب الحکم والا فکان الواجب الرجوع عن کتاب الحکم والافتاء بما کان عندکم من الواقعة التی اودعتموها فی الخریطة ولم تبینوه فی الحکم۔

مگر افسوس ہے۔ علماء ثلاثہ کی دستخطی تحریر میں ان الفاظ کو موجب طلاق مغلظہ کہا گیا ہے اور کوئی احتمال ظاہر نہیں کیا گیا محض عدم بینہ کی وجہ سے عدم ثبوت طلاق کا حکم قضاءً بیان کیا گیا۔ مستفتی جاہل ہے جب علماء نے اسکے پورے بیان میں سے کچھ الفاظ حذف کردیئے تو وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہے کہ الفاظ محذوفہ کو حکم طلاق میں کوئی دخل نہیں ہے اس لئے تو علماء نے انکو حذف کیا اگر بقیہ الفاظ سے حکم مسئلہ پر اثر پڑتا تھا تو ان کے

خلاص کرے اگر وہ ایسا نہیں کر سکتی ہے تو پھر فقہاء کے دوسرے اقوال کی طرف منتقل ہو سکتی ہے ۔

حذف کی کوئی وجہ نہ تھی فیصلہ کرنے والے کا فرض ہے کہ مدعی اور مدعیٰ علیہ دونوں کا پورا بیان لکھ کر فیصلہ دے ۔

اسکے اولاً واجب ہونیکی کوئی دلیل نہیں ۔ ففی المحیط : ینبغی لہا ان تفتدی بمالہا او تہرب ای تفعل ای ذالک اشارت و قدرت علیہ ولہذا افتیتہا بالمفارقۃ منہ مرۃ و بالافتداء اخریٰ ۔

(ہ) دوسرے اقوال میں سے یہ قول کہ اسکو ہروب کے بعد کسی دوسرے کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے قول صحیح نہیں ۔

اسلئے دوسرے اقوال پر اسکی ترجیح کی کوئی گنجائش نہیں اور نہ ہی کسی نے اسکو راجح قرار دیا ہے ۔

(و) جس عورت کو طلاق کا یقین ہے مگر شہادت سے اسکو ثابت نہ کرسکے اسکو دیانۃً اپنے آپ کو مطلقہ سمجھنا چاہئے لیکن اسکے علاوہ کسی مسلمان کو یہ جائز نہیں کہ اسکی کسی قسم کی حمایت کرے کیونکہ نکاح سابق ایک امر یقینی ہے جسکے زوال کیلئے عورت کا یقین یا دعویٰ کافی نہیں بلکہ مسلمانوں کو صرف یہ جائز ہے کہ وہ عورت مذکورہ کے متعلق یہ عقیدہ رکھیں کہ وہ وقوع طلاق کا دعویٰ کرتی ہے جس کا صدق و کذب اسکے علاوہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے ۔ ہم کو اسمیں کوئی رائے زنی کا حق نہیں اسیطرح کسی مسلمان کو یہ علم رکھتے ہوئے کہ یہ عورت فلاں آدمی کی منکوحہ تھی جو طلاق کا منکر ہے ہرگز حلال نہیں کہ اس کے ساتھ نکاح کرے بلکہ اگر یہ عورت نکاح کرنے لگ جائے تو جس کو واقعہ معلوم ہے اور مرد سے اس نے ایقاع طلاق کا انکار سنا ہے اسکو لازم ہے کہ عورت کو نکاح ثانی کرنے

قلت هو مقتضى اطلاق المتون و نص الكتاب

سے روکے اور اگر وہ نہیں رکتی ہے تو مجلس نکاح میں ہرگز شرکت نہ کرے جیسا کہ بحر کے مسئلہ مندرجہ بالا میں تصریح ہے۔

وتقدم ماقبلہ فتذکر

الجواب المفصل وانہ لقول فصل

مکرمی المحترم مولانا محمد میرک شاہ صاحب دام فضلہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ گرامی نامہ موصول ہوا۔ حضرت والا کو نہ فرصت ہے نہ اتنی قوت ہے کہ ایسی طویل تحریر باریک قلم کی لکھی ہوئی ملاحظہ فرمائیں اسلئے حضرت کو آئندہ تکلیف دینا نہ چاہئے۔ جواباً معروض ہے کہ مجھے جناب کے متعلق یہ یقین ہے آپ کو حضرت والا سے تعلق ہے اور اس واسطہ سے اس ناچیز کے ساتھ بھی تعلق ہے اور یہ تعلق مانع اظہار حق نہ ہونا چاہئے بلکہ زیادہ موجب اظہار حق ہونا چاہئے کہ اس کا مبنی محض حب فی اللہ و حب بہم ہے اگر میرے اظہار حق سے کسی مخالف جماعت کو خوشی کا موقع ملتا ہے مجھے اسکی پرواہ نہ کرنا چاہئے کہ میرے ذمہ بہرحال اظہار حق واجب ہے خواہ اس سے کسی کو خوشی ہو یا کسی کو رنج ہو —— یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ الآیۃ۔ اور در اصل یہی تعلق جو آپ کے ساتھ ہے سبب ہوا میرے اس فتویٰ پر جواب لکھنے کا ورنہ میں چونکہ مئو۔ اعظم گڑھ کے محاورات دیہات سے ناواقف ہوں ضرور اس فتویٰ پر تنقیح کرتا اور مستفتی سے سوال کرتا کہ اس لفظ کے معنی اہل محاورہ سے معلوم کرکے لکھو مگر جب استفتاء کے ساتھ آپکی دستخطی تحریر دیکھی جس میں محمد یوسف کے لفظ میں تو کے طلاق دیہوں دو کی تشریح جزم کے ساتھ میں نے تجھکو طلاق دی۔ سے کی گئی تھی اور اس کے بعد صاف لکھا تھا کہ اگر واقعی محمد یوسف نے یہ لفظ کہا تھا تو اسکی عورت مطلقہ مغلظہ ہوگئی تو مجھے سائل سے طلب تشریح کی یا تنقیح کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ میرے وہم میں بھی یہ بات نہ تھی کہ مدعیہ نے محمد یوسف کے الفاظ کچھ اور بھی بیان کئے تھے جو آپ کی دستخطی تحریر میں حذف کئے گئے اور دفتر میں محفوظ رکھے گئے ہیں کیونکہ اہل علم کا فرض ہے کہ فیصلہ کی تحریر میں مدعی و مدعیٰ علیہ کا پورا بیان لکھکر فیصلہ کریں تاکہ خود فریقین کو بھی یہ مغالطہ نہ ہو کہ عبارت محذوفہ کو حکم واقعہ میں کچھ دخل نہیں اور کسی

ذی علم کے سامنے اس تحریر کو پیش کریں تو اسکو بھی مغالطہ ہو وہ کیسے سمجھ سکتا ہے کہ جس عبارت کو یہاں بجزم کے ساتھ ایک معنیٰ سے مشروح کیا گیا ہے وہ دفتر کی عبارت سے مل کر دوسرے معنیٰ کو بھی محتمل ہو سکتی ہے اور ان الفاظ کا حکم جو یہاں بجزم موجب طلاق مغلظہ پایا گیا ہو وہ عبارت محفوظہ کی بنا پر موجب طلاق مغلظہ نہیں ہے چونکہ جواب مبنی اسی مستقل تحریر اور اسکی تشریح تھی اسلئے میں نے مستفتی کو لکھدیا ہے کہ میرے جواب کا مبنیٰ وہ تشریح ہے جو علماء ثلاثہ نے اپنے تحریری فیصلہ میں کی ہے اگر انکی یہ تشریح صحیح ہے اور اس بناء پر عورت کو یقین کلی ہے کہ محمد یوسف نے اس کو دسوں مرتبہ طلاق دی تو جواب وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا اور اگر یہ تشریح صحیح نہیں بلکہ ان الفاظ میں اہل محاورہ کے نزدیک معنی ماضی کے ساتھ مستقبل کا بھی احتمال ہے جیسا کہ علماء ثلاثہ میں سے بعض نے یہ احتمال ظاہر کیا ہے تو اس کا فیصلہ وہاں کے اہل محاورہ ہی کر سکتے ہیں کہ میں وہاں کے محاورات سے واقف نہیں۔

اور یہ تنبیہ میں نے اپنے اسی فتویٰ پر لکھی ہے جو اولاً یہاں سے دیا گیا تھا اور مستفتی نے ثانیاً اسکو حضرت اقدس کے دستخط کیلئے واپس کیا تھا امید ہے کہ میری اس تنبیہ سے شور وشر کم ہو جائیگا کیونکہ میں نے اپنے فتویٰ کو آپکی تشریح پر مبنی کیا ہے اب آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس تشریح میں ہم سے کوتاہی ہوئی کہ مدعیہ اور مدعیٰ علیہ کا پورا بیان نہ لکھا گیا اور جزم کے ساتھ صرف ایک معنیٰ کو ظاہر کر دیا۔ دوسرے احتمالات سے تعرض نہ کیا گیا اور چونکہ ظفر نے ہماری تشریح پر مدار رکھا ہے تو اب ہم مدعیہ کے پورے الفاظ پر دوسری تشریح کرتے ہیں اور تشریح اول سے رجوع کرتے ہیں آپ اس تشریح اول سے رجوع کا اعلان کر دیں گے تو یقیناً شور وشر جاتا رہیگا۔ اور آپ پر یہ اعلان واجب ہے فان التوبة بقدر المعصية السر بالسر والعلانية بالعلانية اور آپ کے اس اعلان کے بعد میں بھی اپنے فتویٰ سے رجوع کر لونگا کیونکہ وہ تو آپکی اس مستقل تحریر ہی پر مبنی ہے اور اگر آپ کو اس فیصلہ کن تحریر سے رجوع کا اعلان دشوار ہو تو پھر مدعیہ کے ان الفاظ کی بناء پر جو آپ کے دفتر میں محفوظ ہیں یہ عرض ہے کہ اگر واقعہ یہی ہے کہ محمد یوسف نے دسوں مرتبہ یوں کہا ہے کہ "میں تو کے طلاق دیسوں تیں قبول کرے بھی" اور اہل محاورہ کے نزدیک اسکے یہ معنی ہیں کہ "میں تجھکو طلاق دیدوں تو قبول کرتی ہے" تو اس صورت میں ان الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوگی آپ اپنے

لوگوں میں سے کسی کو فرما دیجئے کہ وہ یہی الفاظ لکھکر استفتاء کرے میں اس کو یہی جواب دیدونگا جو اس وقت لکھ رہا ہوں جس سے میرے دونوں فتوے متعارض ہوجائیں گے و اذا تعارضا تساقطا۔

ہاں آپ نے بر سبیل تنزل ان الفاظ کو تسلیم کرتے ہوئے جو فیصلہ کی تحریر میں درج کئے ہیں اس تشریح کو مانتے ہوئے جو اس میں کی گئی ہے جس قدر بحث کی ہے وہ میرے نزدیک صحیح نہیں۔

سب سے پہلے آپ نے "طلاق دی" میں احتمال تفویض نکالا ہے یہ اصلاً صحیح نہیں ہماری زبان میں لفظ "تجھکو طلاق دی" بالکل صریح ہے ان الفاظ سے ہمارے یہاں تفویض نہیں کی جاتی پھر احتمال تفویض کیلئے متکلم کا دعوی شرط ہے متکلم تفویض کا مدعی نہیں پھر آپ نے تکرار طلاق میں دیانۃً احتمال تاکید نکالا ہے مگر قضاءً یہ احتمال رد ہے والمرأۃ کالقاضی کما صرحوا به۔ پس عورت کے حق میں یہ احتمال ہرگز مفید نہیں بالخصوص جبکہ شوہر مدعی تاکید بھی نہیں۔ پھر آپ نے دعوی کیا ہے کہ طلاق مغلظہ کے بعد عورت کو بدون تفریق قاضی کے نکاح ثانی کا اختیار ہوتا جبکہ شوہر منکر ہو مفتی بہ نہیں ہے۔ یہ بھی صحیح نہیں ہے۔

قال في البحر: و اطلق فشمل ما اذا کان الزوج الاول معترفاً بالطلاق الثلاث او منکراً بعد ان کان الواقع الطلاق الثلاث ولهذا قالوا لو طلقها ثلاثاً و انکر لها ان تتزوج بآخر و تحلل نفسها سراً منه الخ۔

بحر نے انکار زوج کی صورت میں بھی عورت کو نکاح ثانی کا اختیار دیا ہے اور اسکو اطلاق متون کا مدلول قرار دیا ہے مفتی بہ ہونے کیلئے اور کیا چاہئے؟ جبکہ اطلاق متون سے ایک مسئلہ ثابت ہے وہ متون سے ہی ثابت ہے اور متون کا مفتی بہا ہونا معلوم، اس میں قید سراً سے آپ کا یہ کہنا کہ نکاح علی جائز نہیں یا تحلیل سے یہ مفہوم نکالنا کہ نکاح مؤبد جائز نہیں انصاف اور فقہ سے بہت بعید ہے قید سراً کا بطور مشورہ ہونا واضح ہے کیونکہ جب شوہر منکر ہے وہ علانیہ نکاح کو بذریعہ قاضی کے روکدیگا اگلی عبارت اسکی خود دلیل ہے فلیراجع۔ ورنہ خود غور فرمالیا جائے کہ جو

جب سرًّا جائز ہے اسکو اعلان کرنا شرعاً کیوں حرام ہوگا؟ اور نکاح تحلیل یقیناً مؤبد ہوتا ہے کیونکہ نکاح موقت باطل ہے۔ پھر میں لکھ چکا ہوں کہ نص قرآن کا مقتضی یہی ہے فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ۔ اضاف النكاح الى المرأة واطلق فلها ان تتزوج بزوج آخر اعترف الاول بالطلاق او انكر اذا كان الواقع الطلاق الثلاث ــــــ اور صورت سؤل میں آپکی تشریح ہے کہ زوج نے "میں نے تجھکو طلاق دی"۔ کہا اور تصریح ہے کہ اس کا تکرار موجب طلاق مغلظہ ہے اور عورت اپنا یقین کلی بیان کرتی ہے کہ زوج نے مجھکو دسوں مرتبہ طلاق دی تو اب شرط "بعد ان كان الواقع الطلاق الثلاث" کے تحقق میں کیا کلام رہا؟

اسکے بعد آپکا قول "شهد عندها عدلان على الرضاع بينهما او طلقها ثلاثا وهو يجحد الى قوله ولا التزوج بآخر وقيل لها التزوج ديانة اشار الى ضعفه كما فى القنية عن العلاء الترجمانى انه لا يجوز فى المذهب الصحيح وجزم به الشارح فى آخر باب الرجعة" سے سؤل بحوث عنہا میں مشتبہ ہوا ہے کہ سماع مرأة کی صورت میں بھی اسکو دیانۃً نکاح ثانی جائز نہیں حالانکہ یہ قیاس مع الفارق ہے کیونکہ شہادت کی صورت میں عورت اپنے کو طلقۃ الثلاث سمجھنے میں بظاہر قضاء علی الغائب کرتی ہے اذ انها كالقاضى فى هذا الباب۔ اور قضاء علی الغائب میں اختلاف ہو سکتا ہے اسلئے اس صورت میں اقوال مشائخ مختلف ہوگئے۔ لیکن سماع کی صورت میں اس قسم کا کوئی احتمال نہیں اسلئے وہاں یہ کہنا کہ دیانۃً عورت کو نکاح بآخر جائز نہیں صحیح نہیں۔ شامی نے صاحب در کی اس مسامحت پر تنبیہ کی ہے کہ انہوں نے صورت شہادت کے اختلاف کو صورت سماع میں بھی جاری کر دیا حالانکہ قیاس مع الفارق ہے چنانچہ "سمعت من زوجها عـہ انه طلقها (ای ثلاثا) ولا تقدر على منعه من نفسها الخ کے تحت لکھا ہے۔

وفی الفتاوی السراجیة: اذا اخبرها ثقة ان الزوج طلقها وهو غائب وسعها ان تعتد وتتزوج ولم يقيده بالديانة اهـ۔ كذا فى شرح

عـہ وحمله على انها سمعت من زوجها الاقرار بعد تقوله كما فعله الفاضل بعيد و انما معناه انها سمعت منه الطلاق سواء اعترف به بعد ذلك او انكر فافهم۔ ظفر۔

الوهبانية ـــــ قلت: هذا يؤيد لقول الائمة المذكورين (شمس الائمة الاوزجندي ونجم الدين النسفي والسيد ابي شجاع والسرخسي) والقائلين بانه يحل لها التزوج بزوج آخر فيما بينها وبين الله فيما اذا شهدا انه طلقها ثلاثا) فانه اذا حل لها التزوج باخبار ثقة فيحل لها التحليل هنا بالاولى اذا سمعت الطلاق او شهد به عدلان عندها بل صرحوا بان لها التزوج اذا اتاها كتاب منه بطلاقها ولو على يد غير ثقة ان غلب على ظنها انه حق و ظاهر الاطلاق جوازه في القضاء وحتى لو علم بها القاضي يتركها فتصحيح عدم الجواز هنا مشكل الا ان يحمل على القضاء (قلت: واي تصحيح اصح من هذا حيث صرحوا بذالك في مسئلة الكتاب ونحوها ۱۲ ظفر) نعم لو طلقها وهو مقيم معها يباشرها مباشرة الازواج ليس لها التزوج لعدم انقضاء عدتها منه كما سيأتي بيانه في العدة (ص۹۰ ج ۲) لان العدة منه لا تنقضي الا بالمفارقة لا بالمجامعة فافهم۔

بہرحال شہادۃ عدلین کی صورت میں بھی صحیح یہ ہے کہ عورت کو تزوج بآخر جائز ہے جبکہ وہ زوج اول سے الگ ہوکر عدت گذار دی اور قضاء علی الغائب کا جو شبہ ہے وہ اسلئے باطل ہے کہ اس صورت میں عورت قضاء نہیں کر رہی ہے کیونکہ بحث دیانت میں ہے کہ فیما بینها وبین اللہ نکاح کو جائز کہا جارہا ہے شوہر پر قضاء نہیں کر رہی ہے اس لئے قاضی کو بھی علم کے بعد اس میں دخل دینے کا حق نہیں (الا اذا رافع الیہ الزوج فلہ ان یقضی بما ثبت عنده) قال الشامی عن الولوالجية عن المنصرين: اخبرها عدل او غير عدل فاتاها بكتاب من زوجها بطلاق ولا تدري انه كتابه او لا ان اكبر رأيها انه حق فلا باس بالتزوج اهـ. وتقدم قبيل الايلاء ان هذا في الديانة ثم رأيت بخط السائحاني من جامع الفتاوى شهد اثنان ان الغائب طلق زوجته لا تقبل في الحكم بطلاق الغائب وتقبل في حق سكوت الحاكم فانها تعتد وتتزوج باخر اهـ وحاصله انه يسوغ للحاكم السكوت لانه امر ديني لا اثبات الطلاق لانه حكم على الغائب فلا يصح اهـ (ص۱۰۳ ج ۲) قبيل فصل الحداد۔

جب شہادت عدلین کی صورت میں دیانۃً یہ حکم ہے تو سماع میں بدرجۂ اولی اور غالباً علامہ ترجمانی نے صورت شہادت میں عدم جواز کو صحیح اسی بناء پر کہا ہے کہ اس صورت میں عورت قضاء علی الغائب کرتی ہے مگر یہ خیال باطل ہے بلکہ وہ ایک امر دیانت کا ارتکاب کر رہی ہے اثبات طلاق سے اسکے فعل کو کچھ تعلق نہیں اسی لئے ائمہ مذکورین نے دیانۃً نکاح بآخر کی اجازت دی ہے اور صورت سماع طلاق میں تو علامہ ترجمانی کا خلاف بھی منقول نہیں فلا یصح قیاسہ علیہا فافہم۔ اور اگر اس میں بھی ان کا اختلاف کسی نے نقل کیا ہے تو یقیناً مسامحت سے خالی نہیں یا اسکو قضاء پر محمول کیا جائے گا کما قال العلامۃ الشامی۔

اسکے بعد آپ نے غور کیا ہے کہ صاحب بزازیہ کے نزدیک حرمت کے تمام وجوہ میں عورت کا قول قابل اعتبار نہیں حالانکہ اصل جزئیہ یہ ہے۔ انہا اذا قالت: ھذا ابنی رضاعا و اصرت علیہ لہ ان یتزوجہا لان الحرمۃ لیست الیہا قالوا بہ یفتی فی جمیع الوجوہ جس کا حاصل یہ ہے کہ عورت کے دعوی رضاع سے مرد پر وہ عورت حرام نہیں ہوتی کیونکہ ثبوت رضاع تنہا ایک عورت کے قول سے نہیں ہوتا۔ لان الحرمۃ لیست الیہا کے یہی معنی ہیں نہ وہ جو آپ نے سمجھے ہیں۔ اسکے بعد صاحب بزازیہ کا تتبعاً للصدر الشہید یہ کہنا ومفادہ انہا لو اقرت بالثلاث من قبل حل لہا تزوجہ یقینا قیاس قلب و عکس ہے بزازیہ نے مسئلہ رضاع میں مرد کو نکاح کی اجازت دی تھی نہ کہ عورت کو اس سے یہ تو استفادہ ہو سکتا ہے کہ صورت دعوی طلاق ثلاث میں مرد کو اس عورت سے نکاح جائز ہو جبکہ اسکے نزدیک عورت کا دعوی صحیح نہ ہو کیونکہ تنہا اسکے قول سے ثبوت طلاق نہیں ہو سکتا لیکن یہ امر کہ عورت کو بھی اس مرد سے نکاح جائز ہے کسی طرح مستفاد نہیں ہوتا۔ بس ان حضرات کے کلام کی تصحیح اسطرح ہو سکتی ہے کہ انکے کلام کو قضاء پر محمول کیا جائے یعنی قضاءً عورت کو اقدام علی النکاح سے نہ روکا جائے گا کیونکہ قضاءً ثبوت طلقات ثلاث نہیں ہوا مگر یہ کہ دیانۃً بھی عورت کو ایسا جائز ہے اور دیانۃً بھی اسکو نہ روکا جائیگا یہ ہرگز بزازیہ کے جزئیہ سے مستفاد نہیں ہو سکتا اور جو ایسا دعوی کرے وہ مبطل ہے صاحب بحر نے بزازیہ سے نقل کیا ہے قالت: طلقنی ثلاثا ثم ارادت تزوجہ لیس لہا ذالک

اصرت علیہ او کذبت نفسہا اھ (ص ۹ شرح ج ۲) ھذا ھو المعول ثم الاصوب ــ ـ اس کے بعد آپ کا یہ کہنا کہ مجوزین حضرات کی عبارات میں کہیں یہ نہیں ہے کہ عورت مذکورہ غلط بالطلاق ہو کر خود بخود ہی کسی دوسرے کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے الخ اس کا جواب یہ ہے کہ ان عبارات میں ان تتزوج بآخر و تحلل نفسہا سوا ھند الخ مذکور ہے وہ اسی پر ناطق ہیں نیز جو عبارات شامی سے ابھی نقل ہوئی ہیں جو تیسیر فصل العماد میں مذکور ہیں وہ اس پر شاہد ہیں اور طلاق متون سے صاحب بحر نے اس کو اخذ کیا ہے اور نص۔ حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ بھی اس پر دال ہے فافہم اور اسی سے آپ کے اس سوال کا جواب بھی ہو گیا کہ لا یفتی بغیر الصحیح فی مذھبہ ...... و ان الحکم و الفتیا بالقول المرجوح جہل و خرق للاجماع الخ میں مبتلا ہو چکا کہ صورت مسئولہ میں جواز نکاح بآخر راجح اور صحیح ہے۔ صورت مسموع طلاق میں اس کے خلاف کوئی قول منقول نہیں اور اگر منقول ہو تو ضعیف ہو گا دیانت پر کما قالہ الشامی و المعروف الذی ذکرتم انما ھو فی الشہادۃ عند القضاء و حینئذ فلا یرد ما فیہ فتدبر

آخر میں آپ نے محمد یوسف کے قول سے احتمال استقبال وغیرہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ دیانت کا فتوی دینے والا مفتی شرعاً اس کا مکلف ہے کہ اس احتمال کو نظر انداز کرے اس کا جواب تمہید میں دے چکا ہوں کہ شرعاً آپ کے ذمہ بھی یہ اعلان واجب ہے کہ محمد رفیق کی تحریر جو مدعی کے پاس ہے وہ ناقص اور موجب مغالطہ ہے اسلئے اس کا اعتبار نہ کیا جائے مفتی دیانت نے تو آپ کی اسی ناقص تحریر پر جواب کو مبنی کیا ہے۔ فان صحیح فصحیح وان لا فلا فباطل

اسکے بعد آپ نے عورت کی تمکین کو اسکے دعویٰ طلقات ثلاث کا مکذب قرار دیا ہے اس کا جو دینی جواب ہے مفتی دیانت کے سامنے جماع یا تمکین علی الجماع کا کوئی ذکر نہیں تھا اور ہوتا بھی تو اسکو مکذب قرار دینا اسلئے صحیح نہیں کہ عورت جاہل ہے ممکن ہے کہ اسکو تمکین و استفتاء و حرمت مغلظہ کا علم نہ ہوا ہو اور دیہات میں ایسا جہل عورتوں میں عام

مکذب نہ ہو تو محض طلاق دینے میں اور اسکے تحریر میں حالات واقعہ کے بیان نہ کرنے کا ذکر کرتے دارالعلوم سے بھی فتوی تمکین میں معذور سمجھتا ہے کیونکہ آپ کے نزدیک تو صریح انکار طلاق کا اقرار نہیں۔ محمد صفیر

تکذیب کا دعویٰ نہیں چل سکتا۔ اب یہ بحث باقی رہ گئی کہ جب عورت طلاق ثلاث کی مدعی ہو اور مرد منکر ہو اور عورت کے پاس بینہ نہ ہو تو دوسرے کو اس سے کیا معاملہ کرنا چاہیئے یہ تو اوپر ظاہر ہو چکا کہ اس عورت کو دوسرا نکاح جائز ہے اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو بھی اس سے نکاح جائز ہے مگر اس میں تفصیل ہے جن لوگوں کو شوہر کا انکار معلوم نہیں صرف عورت کا دعویٰ معلوم ہے کہ مجھے طلاق ہو چکی ہے یا شوہر کا انکار معلوم ہے مگر ان کے قلب کو عورت کا صدق اور مرد کا کذب لگتا ہے ان کو نکاح جائز ہے اور جن کے دل کو عورت کا کذب اور مرد کا صدق لگے یا دونوں مساوی ہوں ان کو نکاح جائز نہیں آپ نے بزازیہ سے جو جزئیہ نقل کیا ہے۔ سمع رجل من امرأۃ انہا مطلقۃ الثلاث والزوج یقول لا بل مطلقۃ الثنتین لا یسع لمن سمع منہا ان یمضی نکاحہا ویتبعہا ما استطاع۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایسے مرد سے اس عورت کا نکاح جدید کیا جائے تو اس میں حاضر نہ ہو بلکہ لوگوں کو اس سے روکے۔ یہ مطلب نہیں کہ کسی دوسرے سے نکاح ہو جب بھی روکے کیونکہ جب عورت کا مطلقہ ہونا ثابت ہے خواہ مطلقۃ الثلاث ہو یا مطلقۃ الاثنتین تو دوسرے مرد سے نکاح میں کیا اشکال ہے اشکال تو ایسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ اس عورت کا نکاح اسی مرد سے ہو جس سے عورت نے مطلقۃ الثلاث ہونے کا دعویٰ کیا ہے پس یہ جزئیہ آپ کی دلیل نہیں بلکہ میری دلیل ہے کہ مسلمانوں کو لازم ہے کہ اس مرد سے اس عورت کا نکاح نہ ہونے دیں جس سے اس نے مطلقۃ الثلاث ہونا بیان کیا ہے بلکہ اس سے اس کو روکیں۔ اگرچہ مرد یہ کہتا ہو کہ میں نے طلاق نہیں دی یا دو دی ہیں اس سے صاف معلوم ہوا کہ اس باب میں عورت کا قول معتبر ہے نہ مرد کا کما سیأتی مصرحا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اللہم الا ان یقضی القاضی بعد مرافعۃ الطلاق فلا تمنع من نکاحہ قضاءً وتمنع دیانۃً فلیفہم اس کے بعد بحر میں یہ جزئیہ بھی منقول ہے۔ اراد ان یتزوج امرأۃ فشہد عندہ او عند القاضی ان لہا زوجا فتزوجہا لا یفرق انتہی (ملخص ج-۴)

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ باب نکاح وطلاق میں عورت کا قول مقبول ہے جو عورت اپنی کو غیر ذات زوج کہتی ہے اس سے نکاح کرنا ہر مرد کو جائز ہے اگرچہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ابھی جزما موجب وقوع طلاق مغلظہ نہ ہوا بلکہ محتمل احتمالات ہے پس اگر کوئی عورت قبل فتویٰ مفتی دیانت وقوع طلاق مغلظہ سے جاہل رہے تو کیا تعجب ہے۔ ظفر

اس کے یا قاضی کے پاس شہادت بھی گذرے کہ اس کے شوہر ہے مگر چونکہ شہادت علی الغائب ہے جس سے نکاح کا ثبوت نہیں ہوا اس لئے اگر کوئی اس سے نکاح کرے گا تفریق نہ کی جائیگی۔ اور دیانۃً جواز اور عدم جواز کا مدار شہادت قلب پر ہوگا اگر مرد کے دل کو عورت کا قول لگے تو نکاح جائز ہے شوہر کا قول لگے تو ناجائز ہے۔

رہا یہ اشکال کہ زوج اول کا نکاح صورت مسئولہ میں ثابت بالیقین تھا تو عورت کے دعویٰ طلاق سے کیونکر مرتفع ہوگا فان الیقین لا یزول بالشک۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس کو عورت کے صدق میں شک ہو اس کو اس سے نکاح جائز نہیں اور جس کے دل کو عورت کا صدق لگے وہاں زوال الیقین بالشک کا تحقق نہیں بلکہ زوال الیقین بالیقین ہے ورنہ لازم آئیگا کہ جس عورت کے پاس ایک ثقہ خبر لائے یا کوئی ثقہ یہ خبر لائے اسکے شوہر کا خط لائے کہ اس نے طلاق دیدی ہے اس صورت میں عورت کو مطلق نکاح ثانی جائز نہ ہو کیونکہ نکاح اول ثابت بالیقین تھا اور خبر واحد یا کتاب غیر موثوق بہ سے یقین زائل نہیں ہو سکتا مگر اوپر گذر چکا کہ عورت کے دل کو اگر یہ بات لگ جائے کہ خبر سچی ہے تو اسکو نکاح آخر جائز ہے یہ قید اسی لئے لگائی ہے تاکہ یقین زائل بالیقین ہو جب خبر یا کتاب کا عورت کے دل کو لگنا اس کے حق میں مجوز نکاح ہے۔ تو دوسرے مرد کے دل کو عورت کی بات لگنا بھی ان کے حق میں مجوز نکاح ہے

قال في البحر: واشار بقبول قولها الى انه لا عبرة بقول الزوج الاول حتى لو قال لم ادخل بها او كان النكاح فاسدا او كذبته فلا يعتبر قولها. ولو قال الزوج الاول لها ذلك (بعد ان نكحها) يعتبر قوله في حق التفريق لانه طلقها لا في حقها حتى يجب لها نصف المسمى ان لم يدخل بها. واشار بقوله ان غلب على ظنه صدقها الى ان العدالة ليست شرطا ولهذا قال في البدائع وكذا في الكافي وغيرهما لا باس ان يصدقها اذا كانت ثقة عنده او وقع في قلبه صدقها ويقبل قول المطلقة التي هي منكوحة رجل قالت لآخر: طلقني زوجي وانقضت عدتي جاز تصديقها اذا وقع في ظنه صدقها عدلة كانت او لا اهـ (ص٥٩ ج٤) ولها

ح هذا ما وجدته تبين في قولي من سبقی مصرحا ان شاء الله تعالى. ظفر۔

نظائر کثیرۃ فی الفقہ لا تخفی علی من مارسہ

صورت مسئولہ میں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ حَکَم بمنزلہ قاضی کے ہے عین قاضی نہیں حَکَم کا فیصلہ عام نہیں ہوتا قاضی کا فیصلہ عام ہوتا ہے پس قاضی نے اگر ایسی عورت کے متعلق جو زوج سے مطلقہ الثلاث ہونے کی مدعی ہے غیر مطلقہ ہونے کا فیصلہ کر دیا تو قضاءً سب مسلمانوں کو اس کا غیر مطلقہ ہونا ظاہر میں ماننا پڑے گا اور کسی کو اس سے نکاح کی اجازت نہ دی جائیگی مگر حَکَم کے فیصلہ سے ظاہر میں بھی سب پر ماننا لازم نہیں ومن. دعی فصلیہ البیان قال فی العنایۃ: ان الحکم ادنی منزلۃ من القاضی لاقتصار حکمہ علی من رضی بحکمہ وعموم ولایۃ القاضی فاذا رفع حکمہ الی القاضی فوافق مذہبہ امضاہ وان خالفہ ابطلہ بخلاف حکم الحاکم کما تقدم فانہ لا یبطلہ الثانی ان خالف مذہبہ لعموم ولایتہ فکان قضاءہ حجۃ فی حق الکل فلا یجوز لقاض آخر ان یبطلہ ویردہ اھ

جب ظاہر میں بھی فیصلہ حکم کی مخالفت جائز ہے تو دیانۃً فیما بینہ وبین اللہ بدرجہ اولیٰ جائز ہے پس عامہ مسلمین نہ انکار زوج کی وجہ سے مدعیہ طلاق ثلاث کے نکاح سے ممنوع ہو سکتے ہیں نہ فیصلہ حَکَم کی وجہ سے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

رقمہ بقلمہ اسیر وصمۃ ذنبہ والمہ ظفر احمد التھانوی عفا اللہ عنہ۔ ۲۰ ربیع ۲ [illegible]ھ۔

از اشرف علی۔ السلام علیکم۔ بنظر غائر کی نہ فرصت نہ قوت ہاں سرسری نظر سے یہ تحقیق اقرب الی الصواب معلوم ہوتی ہے لیکن آئندہ بہتر یہ ہے کہ اس سلسلہ کو ختم کیا جائے جو حق معلوم ہو عمل کیجئے اور اگر کسی وجہ سے سلسلہ کو ختم نہیں کیا جا سکتا تو اقل درجہ مجھکو واسطہ نہ بنایا جائے۔ مولوی ظفر احمد سے خود اجازت لیکر ان سے مکاتبت کی جائے۔ والسلام۔ از تھانہ بھون۔

تتمہ سوال بالا

سوال:۔ صغریٰ نے بیان کیا کہ میرے شوہر نے دسوں مرتبہ مجھے یہ الفاظ کہدئے "میں تو کے طلاق دیہوں تو قبول کری ہے"؟ ان الفاظ میں "دیہوں" کے لفظ میں اردو تعریب ولہجہ سے ماضی ومستقبل کا فرق پیدا ہو سکتا ہے اس تحریر

ملحوظ رکھکر عبارت مذکورہ کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ میں نے تجھکو طلاق دیدی کیا تو قبول کرتی ہے؟ دوسرے یہ کہ میں تجھکو طلاق دونگا کیا تو قبول کرتی ہے؟ صغریٰ کا یہ بھی بیان ہے کہ شوہر نے اس کے بعد میرے ساتھ جماع کیا تھا ـــــ مگر شوہر محمد یوسف نے ایقاع طلاق کا مطلقاً انکار اور وعدۂ طلاق کا اقرار کر لیا۔ صغریٰ اقامت بینہ سے قاصر رہی۔ اسلامی محکمہ نے جس کے پاس فریقین نے مرافعہ کیا تھا عدم ثبوت طلاق کا فیصلہ صادر کر دیا۔ فریقین نے جب تحریر طلب کی تو تحقیقات صدر میں حصہ لینے والے علماء میں سے ایک صاحب نے محض اس بناء پر کہ فریقین کو بھٹکے ہوئے فیصلہ پر عمل کرنا ہے ایک تحریر مع تصدیقات دیگر علماء کے لکھدی جس میں عدم ثبوت طلاق کا فیصلہ مذکورہ قائم کر دیا گیا ساتھ ہی ساتھ شوہر کو بھی نصیحت کر دی کہ اگر فی الواقع اس نے یہ الفاظ کہے ہوں تو اسکو عورت سے اجتناب کرنا چاہئے کیونکہ ان الفاظ سے قضاءً تین طلاقیں واقع ہوتی ہیں اور چونکہ تحریر مذکور دیتے وقت اس کا مطلقاً خیال نہیں تھا کہ تحریر مذکور کو فریقین میں سے کوئی فریق موضوع بحث بنائیگا اور دوسرے علماء کے سامنے پیش کریگا اسی وجہ سے عورت کے بیان کردہ الفاظ کا اہم حصہ (کیا تو قبول کرتی ہے) اسمیں درج نہیں کیا گیا۔ اسیطرح تشریح کا دوسرا پہلو بھی ظاہر نہیں کیا گیا بلکہ صرف اس پہلو کو درج کیا گیا جو مدعیہ کے حق میں زیادہ سے زیادہ مفید ہو سکتا تھا اور اسی کو بسبب عدم شہادت اور بناء بر انکار و حلف شوہر کے ساقط الاعتبار قرار دیکر فیصلہ کا اظہار کیا گیا کہ طلاق ثابت نہ ہوئی۔ جس ادارہ کے علماء نے یہ تحریر صادر کی اسکے معاندین نے صغریٰ کو سکھا کر فیصلہ مذکورہ سے باغی اور منحرف بنا دیا اور ادارۂ مذکورہ کو بدنام کرنیکی غرض سے تحریر بالا کو جناب کے پاس بھیجدیا (حالانکہ وہ اصل بیانات کو بھی ادارہ مذکورہ سے حاصل کر سکتے تھے) اور غالباً جناب کو بھی اس سے بے خبر رکھا گیا کہ یہ تحریر بالکل سرسری طور پر لکھدی گئی ہے اور یہ کہ اصل واقعہ اور کامل بیانات کو مکمل طور پر حاصل کرنے کی کوشش کئے بدوں ہی ہم اس تحریر کو روانہ کرتے ہیں (اسکی اطلاع بھی کچھ نہیں دی) (حلفیہ بیان واقعہ لکھکر التماس ہے کہ فریقین کے بیانات میں غور فرما کر حکم شرعی سے آگاہ فرمایا جائے کہ آیا الفاظ مصدرہ سے بصورت ثبوت بھی وقوع طلاق متیقن ہے یا مشکوک؟ اگر مشکوک ہے تو کیا اس سے محمد یوسف کا نکاح زائل ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو صغریٰ کا دوسرا نکاح کرنے کے لئے تیاری کرنا اور

دوسروں کا اسکو تیار کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور جو لوگ اس کو آمادہ کرتے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟

(نوٹ) بیانات مندرجہ بالا مع ثبت نشانہائے انگشت و دستخط بعینہ موجود ہیں۔

محمد سلیم عفا اللہ عنہ۔

الجواب:۔ اگر صورت واقعہ وہی ہے جو اس سوال میں درج ہے تو اس صورت میں دیانۃً بھی وقوع طلاق کا فتویٰ نہیں دیا جا سکتا جیسا کہ قضاءً بوجہ انکار زوج وعدم اقامت بینہ از جانب مدعیہ طلاق کا ثبوت نہیں ہے کیونکہ محمد یوسف کا یہ قول۔ میں تو کے طلاق دیدوں تو قبول کری۔ ہے بظاہر تفویض کو محتمل ہے مگر بیان واقعہ میں فریقین کے درمیان سخت اختلاف ہے مستفتی اول نے اولاً جب علماء تھانہ ڈرکی فیصلہ کن تحریر بھیجی جس میں زوج کے الفاظ وہ نہ تھے جو اس سوال میں درج ہیں وہ الفاظ "کیا تو قبول کرتی ہے" سے خالی تھی تو اسکو متنبہ کیا گیا کہ زوج کے پورے الفاظ نقل کر کے بھیجو جو علماء تھانہ کے دفتر میں محفوظ ہیں تو اس نے یہ جواب دیا کہ "جناب والا نے تحریر فرمایا تھا کہ محمد یوسف و صغریٰ کے اصل بیان کی نقل لیکر بھیجو اس سلسلے میں نے اس کے وصول کرنیکی کوشش کی اور مختلف ذرائع سے کام لیا لیکن نقل کسی طرح دستیاب نہ ہو سکی مجبور ہو کر دو آنہ کے ٹکٹ خود حضور کے پاس بھیجتا ہوں کہ تکلیف فرما کر مولوی .... صاحب سے براہ راست طلب فرمائیں تو شاید مل جائے اتنا میں یقین دلاتا ہوں کہ محمد یوسف اور صغریٰ دونوں کا بیان میرے سامنے ہوا ہے اور میرے ساتھ .... ساکن کیپ ری ٹولہ اور حافظ .... ساکن ریاست دوبارہ بھی تھے اور یہ عریضہ لکھنے کے وقت بھی میرے پاس موجود ہیں ہم سب لوگ یقین کے ساتھ جانتے اور بیان کرتے ہیں کہ میاں بیوی کے اصل بیان میں مولوی .... صاحب کی فیصلہ کن تحریر سے زیادہ کوئی بات نہیں ہے بجز اس بات کے کہ محمد یوسف نے بیان کیا کہ میں نے اپنی بیوی سے کہا تھا کہ کل میں جب گیسر چلا جاؤں گا تو اپنے ایک دوست سے روپیہ

ع۔ مگر حیرت ہے کہ مضمون فتویٰ میں تحریری فیصلہ کے اندر یہ لفظ "کیا تم قبول کرتی ہے" بڑھا دیا گیا جو پہلے اس میں نہ تھا اور یہ بھی نہ سوچا گیا کہ اس لفظ کے اضافہ کے بعد علماء تھانہ کا یہ قول کہ اگر بالفرض محمد یوسف نے یہ لفظ کہا تو اس کی عورت مطلقہ مغلظہ ہو گئی ہے سراسر غلط ہو جائیگا کیونکہ اس زیادت کے بعد ایقاع طلاق بیوی کا ہے صحیح نہیں جو بجز ایقاع ثلث کا بلکہ مدار نیت پر ہوگا اور زوج سرے سے طلاق کا منکر ہے فیا اسفاً للعلم واھلہ۔ ظفر

لا دونگا اور تم کو مہر وخرچہ دیکر تمکو طلاق[عہ] دیدونگا دوسری بات یہ کہ اسی رات میں جماع کی حالت میں کہا تھا کہ یہ آخری جماع ہے لیکن یہ بات بھی اس نے اپنے سے نہیں بلکہ مولوی ...... صاحب کے تلقین کرنے سے کہی تھی صغریٰ کے بیان میں صرف یہ بات زائد ہے کہ مولوی ...... صاحب نے اس سے پوچھا کہ اس رات کو تم نے جماع بھی کیا تھا؟ صغریٰ نے کہا ہاں اس زائد بات کا حال یہ ہے کہ جب عورتوں نے صغریٰ سے پوچھا کہ تو یوسف کے طلاق دینے کے بعد اس کے پاس سوئی کیوں؟ تو اس نے کہا کہ یہ بات کون کہتا ہے؟ میں ہرگز نہیں سوئی عورتوں نے کہا کہ تو نے جماع کا اقرار کیا ہے؟ تب اس نے کہا کہ میں نے اس کا مطلب برتن وغیرہ جمع کرکے دھونا سمجھی تھا بہرحال اصل بیان میں اس سے زیادہ اور کوئی چیز نہیں ہے جس رات کو یہ واقعہ پیش آیا اسکی صبح ہی کو صغریٰ محمد یوسف کے گھر سے چلی آئی اور جب محمد یوسف اور اس کے باپ صغریٰ کو لینے گئے تو اس نے سارا قصہ کہہ سنایا اور محمد یوسف خاموشی سے سنتا رہا ایک دفعہ بھی طلاق دینے سے انکار نہیں کیا لیکن جب اسکے باپ نے کہا کہ تب تو سب قصہ ہی ختم ہوگیا اب اس سے مہر وخرچہ وصول کرو۔ یہ کہا اور اٹھ کر ایک تھپڑ محمد یوسف کو مارا تب اس نے کہا کہ میں نے طلاق نہیں دی ہے۔ اس واقعہ کے شاہد محمد ادریس ہیں ان کا بیان بھی مولوی ...... صاحب کے پاس قلمبند ہے اب اگر واقعہ یہ ہے جو مستفتی اول نے لکھا ہے تو دیانۃً طلاق مغلظ ہو چکی جس کا حکم وہ ہے جو میرے پہلے فتوی میں ہے۔ فریقین خدا سے ڈر کر جو صورت واقعہ ہو اس کے موافق فتوی پر عمل کریں۔ واللہ اعلم بالصواب

ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون ۲۵ رجب ۵۵ھ

قال الموفق فی المغنی: وان اختلفا فی عدد الطلاق فالقول قوله لما ذکرناہ ولزمت البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر هذا هو حکم القضاء فاذا طلق ثلاثا وسمعت ذالک وانکر او ثبت ذالک عندها بقول عدلين لم یحل لها تمکینه من نفسها وعلیها ان تفر منه ما استطاعت وتمتنع منه اذا ارادها وتفتدی منه ان قدرت قال احمد: لا یسعها ان تقیم معه وقال ایضا تفتدی منه بما تقدر علیه فان اجبرت علی ذالک فلا تتزین له ولا تقربه وتهرب ان قدرت وان شهد عنده عدلان غير متهمين

[عہ] اس کا ماحصل زوج کا طلاق سے مکر جانا ہے اور یہ بات فیصلہ کی تحریر میں بھی موجود تھی۔ فتوی تمام ہوا۔ ظفر

فلا تقيم معه وهذا قول أكثر أهل العلم قال جابر بن زيد وحماد بن أبي سليمان وابن سيرين تفر منه ما استطاعت وتفتدي منه بكل ما يمكن وقال الثوري وأبو حنيفة وأبو يوسف وأبو عبيد تفر منه وقال مالك لا تتزين له ولا تبدي له شيئا من شعرها ولا عريتها ولا يصيبها الا وهي مكرهة - وروي عن الحسن والزهري والنخعي يستحلف ثم يكون الاثم عليه والصحيح ما قاله الأولون لأن هذه تعلم أنها أجنبية منه محرمة عليه فوجب عليها الامتناع والفرار منه كسائر الأجنبيات وكذا لو تزوجها تزويجا باطلا وسلمت اليه فالحكم في هذا كله كالحكم في المطلقة ثلاثا۔

ولو طلقها ثلاثا ثم جحد طلاقها لم ترثه نص عليه احمد وبه قال قتادة وأبو حنيفة وأبو يوسف والشافعي وابن المنذر وقال الحسن ترثه لأنها في حكم الزوجات ظاهرا ولنا أنه تعلم أنها أجنبية فلم ترثه كسائر الأجنبيات وقال احمد في رواية أبي طالب تهرب منه ولا تتزوج[عه] حتى يظهر طلاقها وتعلم ذلك يجيء فيدعيها فترد عليه وتعاقب ان مات ولم يقر بطلاقها لا ترثه لا تأخذ ما ليس لها تفر منه ولا تخرج من البلد ولكن تختفي في بلدها قيل له فان بعض الناس قال تقتله هي بمنزلة من يدفع عن نفسه فلم يعجبه ذلك فمنعها من التزويج قبل ثبوت طلاقها لأنها في ظاهر الحكم زوجة هذا المطلق فاذا تزوجت غيره وجب عليها في ظاهر الشرع[عه] العقوبة والرد الى الأول ويجتمع عليها زوجان هذا بظاهر الأمر وذلك بباطنه[عه] ولم يأذن لها في الخروج من

عه لا يخفى على العاقل ان قوله لا تتزوج لا يدل على حرمة التزويج لو تزوجت وانما هو لمحض مشورة صيانة من العقاب الدنيوي كما يدل على ذلك قوله فترد عليه وتعاقب ظفر۔ عه تقييده بظاهر الشرع دليل على ان لا عقوبة عليها في الباطن۔ ظفر عه صريح في انها لو تزوجت كان الآخر زوجها في الباطن وهذا هو معنى صحة النكاح - ظفر

البلد لان ذالك يقوى التهمة فى نشوزها ولان قتله قصدًا لان الدافع عن نفسه لا يقتل قصدًا واما ان قصدت الدفع من نفسها فآل الى نفسه فلا اثم عليها ولا ضمان فى الباطن فاما فى الظاهر فانها تؤخذ بحكم القتل ما لم يثبت صدقها اهـ ملتقط ج ـ ه وفى كل ذالك دلالة على ان القول بان يستحلف الزوج ثم يكون لا اثم عليه ليس من اقوال الائمة الاربعة فى شيئ واكثر اهل العلم على خلافه وانما هو قول الحسن ومن وافقه والصحيح ما قاله الاكثرون فمن افتى بهذا القول ممن سماه الجهلاء بامام الهند فهو جاهل لا معرفة له بصحيح القول من سقيمه) وفيه دلالة ايضًا على ان المرأة اذا سمعت من زوجها الطلاق الثلاث وثبت ذالك عندها بقول عدلين وانكره الزوج وجحد فالمرأة اجنبية منه محرمة عليه فى الباطن لا يحل لها تمكينه من نفسها ولا الاقامة عنده كسائر الاجنبيات (ومن ادعى انه يستلزم كون الطلاق بيد المرأة وان لها ايقاعه على نفسها فقد بغى على نفسه بالجهل والسفه فان الطلاق انما هو بيد الزوج وليس معناه ان لا يثبت حكمه ما لم يقر به فلو طلق وجحد ثبت حكم الطلاق لعدم توقف وقوعه على اعترافه به الا ترى انه لو زنى بامرأته وانكر هل يحل لها ان تمكنه من نفسها ؟ كلا فهل لاحد ان يقول ان ذالك يستلزم كون الفرقة بيد المرأة سلمنا فماذا يقول لو قبلت المرأة ابن زوجها او مكنته من نفسها وانكره الزوج فهل يجوز لها ان تقيم معه وتعاشره معاشرة الازواج ؟ كلا) وفيه دلالة ايضًا على انها لا ترثه لانها تعلم انها اجنبية عنه كسائر الاجنبيات ومقتضى هذا التعليل انها لو تزوجت بآخر جاز لها ذالك ديانة ويكون الاخر زوجها بالباطن وانما منعها احمد من التزوج مخافة ان يجيئ الاول فيدعيها فترد عليه وتعاقب وكيلا يجتمع عليها زوجان هذا بظاهر الامر وذالك بباطنه فلو امنت من مجيئ الاول وادعائه اياها لكونها فى منعة من قومها او لكونها فى بلدة لا قاضى بها لم تمنع من التزوج وهذا هو قول اصحابنا الحنفية شكر الله سعيهم قال المحقق فى فتح القدير

سئل نجم الدين النسفي عن رجل حلف بالطلاق الثلاث وظن انه لم يحنث فافتيت المرأة بوقوع الثلاث وخافت ان اعلمته بذلك ان ينكر هل لها ان تستحل بعد ما بت رقها بسفر وتامره ان يحضر بتجديد العقد فقال نعم ديانة اهـ (هنديه ج-٣) ولم يذكر فيه خلافا وابن الهمام اعرف الناس بمذهب ابي حنيفة واختلاف اصحابه فمن يقول الجاهل الذي لقبه السفهاء بامام الهند بان ابن الهمام ونجم الدين النسفي كلاهما جاهلان او مفسدان؟ كلا بل الجاهل من جهلهما والمفسد من نسبهما الى الفساد) وفي قوله: وخافت ان دلالة على انها لو لم تخف منه جاز لها ان تستحل علانية لان كل ما جاز سرا فهو جائز علنا اذ لم يكن في الاعلان به فتنة وقد عرف ان نكاح التحليل مؤبد ليس بموقت اصلا. فمن ادعى انها لا يجوز لها ان تتزوج بآخر علانية مطلقا فقد خلع ربقة العلم والفقه عن عنقه وهذه مادة الفتوى افتيت فيها بان المرأة اذا سمعت من زوجها الطلاق الثلاث لم يحل لها تمكينه من نفسها وعليها ان تفر منه وتخرج من بيته او تفتدي منه ان قدرت ولها ان تعتد وتتزوج بآخر بعد العدة وتحلل نفسها فان طلقها فلها ان ترجع الى الاول فخالفني في ذلك بعض من لا مساس له بالفقه وتشبث باقوال من لقبه السفهاء بامام الهند ونحوه وهو ملحد في دين الله محرف لكلامه يدل على ذلك تفسيره بالهندية ويشهد عليه اعماله واحواله واحتج بان الطلاق بيد الزوج لا بيد المرأة والزوج منكر للطلاق فهي امرأته في القضاء فلا يجوز لها ان تعتد وتتزوج بغيره ديانة ولا قضاء ما لم يقر الزوج بالطلاق او تختلع منه وادعى ان الافتاء بالتزوج بغيره خلاف المذهب الصحيح ولا دليل يدل على ذلك من الكتاب والسنة واقوال الفقهاء فاجبت بان ذلك هو مقتضى قول الله عز وجل فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره فقد دل على ان الطلاق الثلاث يحرم المرأة على الاول ويبيح لها ان تنكح زوجا غيره مطلقا سواء اعترف به الزوج او انكر وهو قول اكثر اهل العلم ما خلا الحسن البصري ومن وافقه وهذا هو مقتضى اطلاق المتن قال في البحر واطلق فشمل ما اذا كان الزوج الاول معترفا

بالطلاق الثلاث او منكراً بعد ان كان اقر الطلاق الثلاث ولهذا قالوا
لو طلقها ثلاثاً وانكر لها ان تتزوج بآخر وتحلل نفسها سراً منه (وما كان
مباحاً سراً فهو مباح جهراً وانما اشترطوا عليها بالتحليل سراً لان القاضي لا يقبل
قولها من غير بينة ولو تزوجت علناً ردها القاضي الى الاول وعاقبها وعاقب
الزوج الثاني كما هو ظاهر) اذا غاب في سفر فاذا رجع التمست منه تجديد النكاح
للشك فابى قتلته (وهذا هو ما ذكره المحقق في الفتح ولم يذكر فيه خلافاً كما مر)
وقد ذكر في القنية خلافاً (ولا عبرة بنقل ما لم يؤيد بنقل غيره من الثقات و
اما مجرد ذكر صاحب البحر وصاحب الدر قول القنية فلا يدل على ثبوت الخلاف
في المسئلة) فرقم للاصل بانها ان قدرت على الهرب منه لم يسعها ان تعتد
وتتزوج بآخر لانها في حكم زوجية الاول قبل القضاء بالفرقة. ثم رمز
شمس الائمة الاوزجندي وقال قالوا هذا في القضاء ولها ذلك ديانة (هذا
هو الذي افتيت به وجمعت به بين القولين وصرح به العلامة الشامي فماذا
يقول الذي لقبه السفهاء بامام الهند في شمس الائمة الاوزجندي هل هو
جاهل او مفسد؟ قاتلهم الله انى يؤفكون. فتبا للعقول المنكوسة والقلوب
المنكوسة حيث ردته قائلة بان ذلك من ابحاث الشامي ولا عبرة بابحاث ابن
الهمام فما ظنك بمن هو دونه ولا يشك عاقل في انه ليس من ابحاث الشامي
قط وانما هو من اقوال المشائخ منقول عن كثير منهم) قال وكذا لك ان
سمعته طلقها ثلاثاً ثم جحد وحلف انه لم يفعل وردها القاضي عليه لم
يسعها المقام معه ولم يسعها ان تتزوج بغيره ايضاً (لانها لو تزوجت بعد
ما ردها القاضي على الاول اجتمع عليها زوجان في ظاهر الامر وكذا لك
باطنه فلا دلالة فيه على عدم جواز التزوج لو امنت من رد القاضي اياها
عليه لكونها في منعة من قومه او ببلدة لا قاضي بها فافهم) قال يعني البديع
والحاصل انه على جواب شمس الاسلام الاوزجندي ونجم الدين النسفي و
السيد ابي شجاع وابي حامد والسرخسي يحل لها ان تتزوج بزوج آخر فيما
بينها وبين الله تعالى (فماذا يقول الذي لقبه السفهاء بامام الهند في

هؤلاء الأجلة الفقهاء وهل كانوا كلهم مقلدين أو مجتهدين؟ فإنهم قد أفتوا بما
أفتيت به ولم تتبعوا ما أفتيت به) وعلى جواب الباقين (يعني أصحابي (قلت) جواب
جمهور مقيد بما إذا لم يدعي القاضي على الأول أو خافت أن يدعى عليه فلا تتزوج
عندنا وإنما تحل لنفسها سرا كما تقدم، وفي فتاوى السراجية: إذا أخبرها ثقة
أن زوجها طلقها وهو غائب وسعها أن تعتد وتتزوج ولم يقيده بالديانة
(فكيف لو شهد عندها عدلان أو سمعت الطلاق بأذنيها) قال المصنف إن صاحب
القنية وقد نقل في طلق امرأته ثلاثا وغاب عنها فلها أن تتزوج
بزوج آخر بعد العدة — ونقل آخر أنه لا يجوز في المذهب الصحيح
أي قال: والمراد شمس الأئمة الأوزجندي وهو الموافق لما نقله عنه (قلت:
هو قول السرخسي أيضا كما مر) والقائل بأنه المذهب الصحيح علاء الترجماني
(قلت: وهذا هو حجة الخصوم الذين خالفوني في حادثة الفتوى وزعموا أن العدول
عن المذهب الصحيح باطل ولم يدركوا أن المذهب الصحيح لا يثبت بنقل
صاحب القنية وحده ولا بقول العلاء الترجماني وحسبه فهل يكون لما أفتى
به هؤلاء شمس الأئمة الأوزجندي ونجم الدين النسفي والسيد أبو شجاع و
أبو حامد والسرخسي وهم أئمة أجلة أعلام مشهورون لم ينقل أنه مذهب
معروف بلا ثبت بخلاف المذهب الصحيح فيكفي ما ذكره العلاء الترجماني
مذهب صحيح؟ كلا فإن حمل على القضاء فذاك وإلا فهو مشكل كيف تنتقض
التصحيحات المتقدمة كافة كما قاله العلامة ... وإذا كان كذلك فلا
يكون ما قاله الترجماني مذهبا صحيحا ما لم يتبين حاله ويعرف ضبطه في
نقله وإنه كما أظن رجل مجهول لا سيما وأنا في شك هو صاحب القنية
وحده ولا عبرة بنقله ما لم يتأيد بنقل غيره من الثقات كما هو معروف
عند الفقهاء. ثم ذكر بعد ولعمر النسفي وقال حلف بثلاثة أنه لم
يخبر ... وحلفت ... ولو أخبرته بنكاح ... إذا غاب عنها بسبب
من الأسباب فلها التحلل ديانة لا قضاء (وهذا هو الذي نقله المحقق عن
نجم الدين النسفي ولم يذكر فيه خلافا وهو أعرف الناس بمذهب الحنفية في

صورته) قال عمر النسفي سألت عنها السيد ابا شجاع فكتب انه يجوز ثم سألته بعد مدة فقال انه لا يجوز والظاهر انه انما اجاب في امرأة لا يوثق بها كذا في شرح المنظومة (قلت: ويحتمل انه افتى بالاولى مرة وبالثانية اخرى او في مرة فيمن قدرت على الفرار من الزوج الاول وامنت العود عليه واخرى فيمن لم تقدر على ذلك فافهم).

وفي البزازية: شهد (قلت: واما اذا كانت ببلدة لا قاضي فيها فحضور الزوج وغيبته سواء لانه ان انكر يحتاج الى القضاء بالفرقة كما لا يخفى وهذا اذا شهد بالطلاق الثلاث وجحد واما اذا شهد به اثنان فهو اذا سمعته باذنيها يجب عليها ان تفر منه ولها ان تتزوج بآخر سرا تحللت به نفسها اذا كانت ببلدة فيها قاض يخاف ان يردها على الاول لو علمت ان منعت ذلك كله لانها تعلم انها اجنبية منه محرمة عليه فلها ما لها من الحكم مع الاجنبيات ومن ادعى غيره فعليه البيان) وفيها سمعت بطلاق زوجها اياها ثلاثا ولا تقدر على منعه لا تقتله ان ساعت امنته بل تفتدي بالمال او تهرب ولا تقتل نفسها (صريح في كونه اجنبيا عنها فيما بينها وبين الله تعالى) وذكر الاوزجندي انها ترفع الامر الى القاضي فان لم يكن لها بينة تحلفه فان حلف فالاثم عليه (قلت فلانه انه ابعد من اقوال الائمة الاربعة في شيء وليس بصحيح وانما هو قول الحسن البصري ومن وافقه وخالفه في ذلك اكثر اهل العلم وان تحلف فلا شيء عليه. بل ان كانت الثلاث (صريح في انها لا تحل له بعد ان سمعته ايضا والا لم يجز لها ان تقتله) وفي التاتارخانية وسئل الشيخ ابو القاسم عن امرأة سمعت من زوجها انه طلقها ثلاثا ولا تقدر ان تمنعه نفسها هل يسعها ان تقتله في الوقت الذي يريد ان يقربها ولا تقدر على منعه الا بالقتل قال لها ان تقتله وهكذا كان فتوى الشيخ الامام شيخ الاسلام عطاء بن حمزة ابي شجاع وكان القاضي الامام الاسبيجابي يقول ليس لها ان تقتله وفي الملتقط وعليه الفتوى (يحمل على انها لا تقتله

قصداً لان الدافع لا يقصد القتل ولها ان تدفعه عن نفسها بما امكن ولو آل الى قتله فلا شئ عليها في الباطن كما مر في قول احمدؒ) وفي فتاوى الشيخ الامام محمد بن الوليد السمرقندي في مناقب ابي حنيفة عن عبد اللّٰه بن المبارك عن ابي حنيفةؒ ان لها ان تقتله وفي المحيط في مسئلة الظهار ينبغي لها ان تفتدي بمالها او تهرب منه فان لم تقدر قتلته متى علمت انه يقربها ولكن ينبغي ان تقتله بالدواء وليس لها ان تقتل نفسها قلت: قال في الملتقى وان تقتله لم يجب عليها القصاص اھ (مجمع ج ۱) الا انها في ظاهر الحكم قتلت زوجها عمداً وان كانت في الباطن قد قتلت من اراد ان يزني بها فلا ينبغي ان تقتله بالآلة كيلا تقتل به وفي كل ذالك من الاقوال دلالة صريحة على كون المرأة اجنبية عن زوجها محرمة عليه اذا سمعت منه الطلاق الثلاث او شهد به عدلان فلها ان تعتد ثم تتزوج بآخر سراً وتحلل نفسها الوقت ان يدعيها فترد عليه وتعاقب او علمنا انها امنت ذالك ولم تخف ولا يجوز لها المقام معه ولا ان تجدد بينها وبينه عقد النكاح حتى تنكح زوجاً غيره قال في البزازية سمع رجل من امرأة انها مطلقة الثلاث والزوج يقول لا بل مطلقة اثنتين لا يسع لمن سمع منها ان يحضر نكاحها (اى بهذا المطلق) ويمنعها ما استطاع اھ من البحر ص ج ۴) واما حمل الخصم هذا القول على معنى انه لا يسع لمن سمع منها ان يحضر نكاحها بآخر غير المطلق لكونها زوجة المطلق حكماً وقضاء وفتاوى باطن قطعاً اما اولاً فلان صاحب البحر انما ذكره في تائيد ما ذكره قبل من قبول قول المرأة دون الزوج ولا يخفى ان قبول قول المرأة انما هو في المنع من حضور نكاحها بهذا المطلق لكونها تدعي حرمتها عليه واما ثانياً فلان التاويل الذي ذكره الخصم يرده ما في البحر بعد ذالك من البزازية ايضاً وفيها قالت طلقني ثلاثاً ثم ارادت تزويج نفسها منه (لكونه ينكر الطلاق الثلاث) ليس لها ذالك اصرت عليه ام كذبت نفسها اھ (بحر ج ۴) واذ لم يمكن لها ذالك وجب على من سمع منها ان يمنعها من النكاح بهذا المطلق ما استطاع واذا شهد عند المرأة شاهدان عدلان ان زوجها طلقها ثلاثاً وهو يجحد ذالك لم يسعها

ان تقتله معه وان تدعه يقربها فان حلف الزوج على ذالك فردها القاضي عليه لا يسعها المقام معه وينبغي لها ان تفتدي بمالها او تهرب منه فان لم تقدر على ذالك قتلته متى علمت انه يقربها لكن ينبغي ان تقتله بالدواء وليس لها ان تقتل نفسها واذا هربت منه لم يسعها ان تتزوج بزوج آخر قال الشيخ شمس الائمة الحلواني في كتاب الاستحسان هذا جواب الحكم واما فيما بينها وبين الله تعالى اذا هربت فلها ان تعتد وتتزوج بزوج آخر كذا في المحيط اه عالمگیریة ص۳۳ ج-۲ —— قلت: وهذا الذي ذكره من حكم الديانة مسكوت عنه في قول محمد واكثر العلماء وقد صرح به المشائخ الاعلام وحكم القضاء هو المراد بقول العلماء والترجيح في انه لا يجوز لها التزوج بآخر في المذهب الصحيح اى هو المذهب الصحيح قضاءً لا ديانةً ولكن هذا آخر الكلام مع الخصم والدافعين في العالم بالله الملك العلام والصلوة والسلام على سيد الانام سيدنا النبي محمد على الدوام وعلى آله واصحابه البررة الكرام الى يوم القيام والحمد لله الذي بعزته وجلاله ونعمته تتم الصالحات

حرره الاحقر ظفر احمد عفا عنه - ۲۴ رجب ۵۵ھ

انتها بعون

فصل فی الخلع واحکامہ والطلاق علی مال

ماں باپ کے کہنے سے عورت خلع لے سکتی ہے یا نہیں

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں (۱) کہ اپنے ماں باپ کے کہنے پر عورت خلع لے سکتی ہے؟

(۲) عورت ماں باپ کے گھر میں ہے۔

(۳) عورت مہر کے ساتھ خلع چاہتی ہے کیا درست ہے؟

(۴) شوہر کہے کہ میری شادی کا خرچ عورت دے تو خلع دیتا ہوں اس کا کہنا جائز ہے؟

الجواب:۔ (۱) محض والدین کے کہنے سے عورت کو خلع لینا جائز نہیں بلکہ اس وقت جائز ہے جبکہ عورت یہ جان لے کہ مجھے اس شوہر کے ساتھ موافقت اور نباہ نہیں ہو سکتا

قال فی الدر: ولا بأس به عند الحاجة للشقاق بعدم الوفاق اھ۔

(۲) اگر عورت ماں باپ کو وکیل بنادے تو وہ اس کی طرف سے وکالۃً خلع لے سکتے ہیں۔

(۳) اگر بضرورت خلع لے رہی ہے تو بعوض مہر خلع کرنا جائز ہے۔

(۴) اگر زیادتی مرد کی جانب سے ہے تو اس کو بشرط معافی مہر کرنا بھی جائز نہیں اس سے زیادہ کی شرط کرنا تو بدرجہ اولیٰ جائز نہ ہوگی اور اگر زیادتی عورت کی طرف سے ہے تو بشرط معافی مہر تو بلا کراہت جائز ہے اور اس سے زیادہ لینا مکروہ تنزیہی ہے

قال فی الدر:۔ وکرہ تحریماً اخذ شیء ویلحق به الابراء عما لها علیه ان نشز وان نشزت لا ولو منه نشوز ایضاً ولو باکثر مما اعطاها علی الاوجه وتعبیر الملتقی بلا بأس به یفید انها تنزیهیة وبه یحصل التوفیق اھ (ص ۲۳ ج ۲)

بشرط معافی مہر طلاق کی ایک صورت

(سوال) اگر کوئی شخص بشرط تحریر کرے کہ تم میری لڑکی کو طلاق دیدو وہ شخص اس شرط پر طلاق دیدے کہ تم مہر کا دعویٰ نہ کرو تو طلاق)۔ کیا یہ طلاق مقبول ہوگی۔ اگر وہ مہر کا پھر دعویٰ کرے تو کیا طلاق واقع ہوگی؟

الجواب:۔ ان الفاظ سے ابھی طلاق کا وقوع نہیں ہوا چاہے دوسرے فریق دعویٰ مہر کرے یا نہ کرے بلکہ وقوع طلاق اس شخص کی موت کے وقت ہوگا جبکہ شوہر

یہ کہا ہے کہ اگر تم مہر کا دعویٰ نہ کرو لانہ یحتمل عدم ادعاءہ یا اس وقت ہوگا جبکہ دوسرا شخص مہر سے شوہر کی برأت اور اپنا دعویٰ نہ ہونا پوری پختگی کے ساتھ چند گواہوں کے سامنے تحریر کردے کہ عرفاً اس سے بھی دعویٰ کا عدم متحقق ہو جاتا ہے۔ در محاورہ کے موافق اگر اس شخص سے جس نے یہ تو زبان سے کہا ہے کہ "اگر تم مہر کا دعویٰ نہ کرو تو طلاق"۔ اس طرح کی تحریر کے بعد دریافت کیا جائے کہ آیا تیری شرط متحقق ہو گئی یا نہیں؟ تو وہ ضرور کہدیگا کہ ہاں، اب شرط متحقق ہو گئی کیونکہ مقصود اس قول سے کہ "اگر تم مہر کا دعویٰ نہ کرو" یہ ہے کہ مجھے عدم دعویٰ کا اطمینان ہو جائے جسکی ایک صورت موت بھی ہے اور عرفاً ایک صورت یہ بھی ہے جسکو محاورات میں عدم دعویٰ کا مصداق سمجھتے ہیں ومثل ذالک یعتبر فی الکلام وفی الفتاوی رجل عاتبتہ امرأتہ فی شرب الشراب فقال: ان ترکت شربہ ابداً فانت طالق ان کان یعزم ان لا یترک شربہا لا یحنث وان کان لا ینوی شیئاً فکذا فی الخلاصۃ اھ من العالمگیریۃ (ص-۱۱-ج-۲) فقد جعل عزم الشرب شرباً مع ترکہ ظاہراً تبعاً للمحاورۃ والعرف فینبغی ان یکون فی الصورۃ المذکورۃ ایضاً کذالک فان اقرار الرجل عند الحاکم ببرأۃ الخصوم من المہر والشہادۃ علی کتابتہ بالبرأۃ منہ وان الکاتب لا یستحق دعویٰ عن ذالک اصلاً بمنزلۃ عدم الدعویٰ عرفاً وھذا ھو الذی یریدہ المتکلم بقولہ "اگر تم دعویٰ نہ کرے"

قال فی الدر وغیرہ: فی ان لم اطلقک فیقع فی آخر عمرہ الخ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۳ شعبان ۴۳ھ

شوہر بذریعہ خط اپنے باپ کو وکیل بالخلع بنادے اور عورت کا اس سے خلع کا مطالبہ کرنا اور ایسی صورت میں خلع کے بعد نکاح ثانی کرنا۔

(سوال) ہمارے شہر کا ایک شخص مسمّی بہ میر عالم المعروف بہ فقیر محمد تقریباً دس سال سے ملک برما چھاونی رنگون پولیس میں ملازم ہے نامبردہ کاتب بھی ہے اس عرصہ میں اسکی کتابت ہم سے رہی اس کے خط سے ہم بخوبی واقف ہیں شناخت کر سکتے ہیں اسکی منکوحہ وطن میں تھی جسکو وہ بغیر شادی کے سسرال کے گھر چھوڑ گیا تھا ایک سال ہوا کہ میر عالم کی خوشدامن نے لڑکی کو دوسری جگہ دینا چاہا میر عالم کے والد سے کہہ دیا تو اسکو بلا کر شادی کرے یا میری لڑکی کو طلاق دیدے کہ میں دوسری جگہ شادی کردوں بلکہ میر عالم نے خط وکتابت شروع کی بھی وہ

ٹیکا وعدہ کرتا اور کبھی وہ طلاق کا وعدہ کرتا آخر والد کے مجبور کرنے پر اس نے لکھ دیا کہ یہ عورت میرے کام کی نہیں میں شادی نہیں کرتا آپ میری طرف سے مختار ہیں اتنا روپیہ گر دیوے تو بیشک کر دو آپ کا فیصلہ مجھے منظور ہوگا یہ خط سابقہ تحریروں کے موافق تھا مشابہ تھا حتی کہ ہم نے اسی کا فیصلہ کرکے والد سے طلاق دلوا دی۔ اور خلع وصول کر لیا والد نے تاریخ عطی لکھ دی ہے اب میں مسماۃ کا دوسری جگہ نکاح کرنا چاہتا ہوں کیونکہ میں شہر کا امام ہوں اور کل واقعات اور خط وکتابت سے اور مشابہت خطوط سے اور دیگر قرائن سے ظن غالب صحت ہے اور ایک مولوی صاحب دوسرے شہر کے الفاظ شبہ الخط سے استدلال کر کے مختار نامہ کو غلط قرار دیتے ہیں فریقین میں کوئی نزاع نہیں فقط مولوی صاحب معترض ہیں۔

(۱) کیا مختار نامہ صحیح اور طلاق واقع ہوئی ہے اور اسکا نکاح میں دوسری جگہ پڑھا سکتا ہوں یا نہیں؟

(۲) اگر سابقہ تحریر غیر معتبر عند الشرع ہے تو رجسٹری خطوط سے یا اور کسی طریق سے ہم اس کی تسلی فارغ خطی کرا کر دوسری جگہ نکاح کرکے دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ (۱) قال فی الخلاصۃ:۔ والکتابۃ علی ثلثۃ اوجہ ان کتب علی وجہ الرسالۃ وھو ان یکتب علی صحیفۃ مصدرا معنونا وثبت ذالک باقرارہ وبینۃ فھو کالخطاب اھ

وفیہ ایضا:۔ ولو جحد الزوج الکتاب وقامت علیہ البینۃ انہ کتب بیدہ فرق بینھما اھ (ص ۹۱ ج ۲)

اس سے معلوم ہو کہ معاملات میں خط اس وقت حجت ہے جبکہ کاتب نے اقرار یا بینہ سے یہ ثابت ہو جائے کہ یہ اس کا خط ہے نیز اگر کاتب خط کا انکار کردے تو محض تشابہ خطوط سے اسکو مجبور نہیں کیا جاسکتا بلکہ بینۃ عادلۃ (یعنی دو گواہ) اگر شہادت دیں کہ یہ خط کاتب نے ہمارے سامنے لکھا ہے اس وقت اسکو مجبور کیا جاسکتا ہے اور باقی مکتوب الیہ کو اسکے خط کی شناخت ہونا اور اس سے غلبہ ظن ہونا یہ معاملات میں کافی نہیں البتہ دیانات میں کافی ہے پس صورت مسئولہ میں یہ خلع اس وقت صحیح ونافذ ہوگا جبکہ میر عالم اقرار کرے کہ یہ خط میرا ہی ہے یا دو مسلمان عادل گواہی دیں کہ اس نے ہمارے سامنے لکھا ہے جب تک وہ اقرار نہ کرے یا بینہ قائم نہ ہو اس وقت تک اس عورت کا نکاح دوسری جگہ نہ کیا جائے۔

(۲) رجسٹری خطوط اور دستی خطوط بھی تحریر ہی ہونگی اس کے لئے بھی اقرار یا بینہ کی ضرورت ہوگی۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۵ ذی الحجہ سنہ ۴۲ھ

رسالہ[عہ] قطع اللجاج فی بعض احکام الخلع والطلاق وتعدد الازواج (خلع طلاق مغلظ اور تعدد ازواج کے متعلق چند سوالات)

(سوالات) مکرم و محترم سیدی مولانا اشرف علی صاحب دام الطافکم:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں خدمت سامی میں چند استفسارات پیش کرکے آپکی اسلامی اخوت اور قومی ہمدردی سے متوقع ہوں کہ آپ اپنے اوقات عزیز کے چند لمحے صرف کرکے حتی المقدور جلد انکے جواب دینے کی کوشش کرینگے جواب کی آسانی کیلئے سوالات کے سامنے نصف کالم سادہ چھوڑ دیا ہے تاکہ آپکو سوالات نقل کرنیکی زحمت نہ ہو اور انکے محاذ میں صرف جواب لکھکر یہاں بھیجدیا جائے اگرچہ یہ تمام سوال ضروری معلوم ہوتے ہیں تاہم اگر آپ کو کسی سوال کا جواب دینے میں کسی وجہ سے تامل ہو تو اُسے چھوڑ کر بقیہ کا جواب تحریر فرما دیا جائے میں آپ کی اس تکلیف کا منجانب ریاست شکر گذار ہونگا۔ فقط خیر طلب ضیاء العلوم مفتی محمد نثار علی ایم اے منشی فاضل سکریٹری صحت عامہ و تعلیمات گورنمنٹ بھوپال عبدالرزاق۔ ۲۹ نومبر ۲۳ء

متعلق خلع:-

(۱) کیا حضور سرور کائنات علیہ افضل الصلوات والتحیات کے عہد مبارک میں خلع کا کوئی واقعہ ہوا تھا۔؟

(۲) اگر ہوا تھا تو اس کا فیصلہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ یا کسی اور نے؟

(۳) اس فیصلہ میں تفریق محض سائل کی خواہش کی بناء پر کی گئی تھی یا اسکے وجوہ واسباب کی تحقیق کرنیکے بعد اسکی بناء پر حکم صادر فرمایا گیا تھا۔؟

(۴) اس میں تفریق کا مرد کو حکم دیا گیا تھا یا اسکی مرضی پر چھوڑ دیا گیا تھا۔

(۵) تفریق کے ساتھ کوئی شرط لازم کی گئی تھی یا نہیں؟

(۶) زمانۂ مابعد میں فتویٰ اس فیصلے کے مطابق رہا یا اس میں کچھ ترمیم کی گئی۔؟

(۷) اگر کچھ ترمیم ہوئی تو کیا اور کن وجوہ اور دلائل کی بنا پر ایسا کیا گیا؟

[عہ] ہذا السوال والجواب فصل معتد بہ جعلہ سیدی حکیم الامۃ رسالۃ مستقلۃ وسماہ بہ۔ ظفر

متعلق طلاق مغلظہ

(۱) کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں طلاق مغلظہ کے واقعات پیش آئے تھے اور اگر آئے تھے تو انکی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک کیا تھا۔

(۲) کیا ایک وقت میں تین طلاقیں دینا آیت ﴿الطلاق مرتان﴾ کے خلاف نہیں ہے

(۳) عہد خلفائے راشدین کا دستور العمل کیا تھا؟

(۴) آئمہ اربعہ کے اس بارہ میں اقوال کیا ہیں؟

(۵) آپ کی ذاتی رائے اس معاملہ میں کیا ہے؟

متعلق تعدد ازدواج

قرآن حکیم نے ایک بیوی کے ہوتے ہوئے مزید نکاح ایک خاص شرط پر مشروط کیا ہے لیکن بالعموم اب لوگ اس کا خیال کئے بغیر محض نفسانی خواہشات کی بنا پر ایسا کرتے ہیں اور فرمان الٰہی ﴿فان خفتم الا تعدلوا فواحدة﴾ کو فراموش کیے ہوئے ہیں اس لئے اگر کوئی اسلامی ریاست قرآن کے فرمان کی اتباع میں قانوناً کوئی ایسی قید عائد کرے کہ شذ کوئی شخص جب تک اپنی ضرورت اور استطاعت عدل کی بابت قاضی کو اطمینان دلا کر اس کی اجازت حاصل نہ کرے تب تک وہ اس کا مجاز نہ ہو۔ تو کیا آپ کی رائے میں یہ مناسب ہوگا یہاں یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ ہمارے یہاں قانوناً ہر نکاح محکمہ قضاء کی اجازت کا محتاج ہے اور اگر کوئی شخص اجازت کے بغیر نکاح پڑھ دے تو فریقین کے ساتھ وہ بھی ملزم قرار دیا جاتا ہے اسلئے اگر بالفرض مجوزہ بالا صورت آپ کے نزدیک نامناسب ہو تو کیا بصورت مجوزہ حالات معاملات مذہبی میں مداخلت نہیں ہے۔ اسکی نسبت آپ کا کیا خیال ہے فقط

الجواب واللہ الموفق للصواب

تقریر جواب سے پہلے یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ سوال جس صورت سے کیا گیا ہے وہ خلاف قاعدہ ہے کیونکہ کسی معاملہ کے متعلق یہ دریافت کرنی کہ اس کا کوئی واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں پیش آیا تھا یا نہیں۔ محض امر زائد ہے۔ قانون اسلام مکمل قانون ہے جس میں قیامت تک پیش آنے والے واقعات کا حکم موجود ہے خواہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیش آئے ہوں یا نہ آئے ہوں اور ظاہر ہے کہ جو قانون قیامت تک کے واقعات کو محیط ہوگا وہ صرف ان واقعات کے ساتھ مخصوص کیونکر

ہو سکتا ہے جو حضورؐ کے زمانہ میں پیش آئے ہوں؟

دوسرے : فاضل مستفتی کو معلوم ہے کہ اس زمانہ میں مجتہد کوئی نہیں بلکہ جملہ علماء مقلد ہیں جو اس قانون کے موافق جو مجتہدین امت قرآن و حدیث سے مستنبط کر کے مدون کر گئے ہیں فتوے دیتے ہیں پس ان علماء مقلدین سے یہ سوال کرنا کہ اس واقعہ میں حضورؐ نے کیا فیصلہ کیا اور یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیش آیا تھا یا نہیں ؟ امر زائد ہے بلکہ ان سے تو صرف اتنا سوال کیا جا سکتا ہے کہ ائمہ مجتہدین نے قرآن و حدیث سے مستنبط کر کے جو قانون اسلام مدون کیا ہے اس میں اس واقعہ کے متعلق کیا حکم ہے ؟ پس جس صورت کے سوال ہمارے سامنے ہے اس صورت میں جواب دینا ہمارے ذمہ لازم نہیں مگر تبرعاً محض اس غرض سے ہم فاضل مستفتی کے ہر سوال کا جواب دیتے ہیں کہ شاید کسی کو مجتہد کا ماخذ اور دلیل معلوم کرنے کا شوق ہو تو اس کا یہ شوق بھی پورا ہو جائے اس ضروری گذارش کے بعد ہم سوالات کا جواب شروع کرتے ہیں واللہ الموفق

جواب سوال اول متعلق خلع

محترم سائل نے اس کے متعلق متعدد سوالات کئے ہیں اور یہ کچھ ظاہر نہیں کیا کہ ان سوالات کثیرہ کا منشا کیا ہے ؟ بظاہر ہم نے جو ان کا منشا سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ سائل محترم خلع کو اور تفریق بالخلع کو حاکم کے فیصلہ پر منحصر رکھنا چاہتے ہیں اور یہ کہ بدون فیصلہ حاکم کے خلع معتبر نہ ہو اگر یہی منشا ہے جو ہم سمجھے ہیں تو سائل محترم کو معلوم ہونا چاہئے کہ شرعاً خلع حاکم اسلام کی اطلاع اور اس کے فیصلہ پر موقوف نہیں بلکہ بدون علم حاکم و بغیر اطلاع حاکم بھی مرد اپنی بیوی سے یا زوجہ اپنے مرد سے بتراضی خلع کر سکتی ہے اور جب زوجین بتراضی باہم خلع کر لیں تو خلع سے ایک طلاق بائن عورت پر واقع ہو جائیگی اگر اس سے زائد کا نام نہ لیا گیا ہو یا زوج نے زائد کی نیت نہ کی ہو اور اگر دو یا تین طلاق پر خلع کیا گیا ہو تو جس عدد کا نام لیا گیا ہے وہی واقع ہوگا یا زوج نے لفظ خلع سے تین طلاق کا قصد کیا ہو تو تین ہی واقع ہونگی ۔

قال فی الہندیۃ :۔ الخلع ازالۃ ملک النکاح ببدل بلفظ الخلع کذا فی فتح القدیر ۔ وشرطہ شرط الطلاق وحکمہ وقوع الطلاق البائن کذا فی التبیین ویصح نیۃ الثلاث فیہ ۔ حضرۃ السلطان لیس بشرط لجواز الخلع عند عامۃ العلماء والصحیح قولہم کذا فی البدائع : اذا تشاق الزوجان وخافا ان لا

یقیما حدود اللہ فلا بأس بان تفتدی نفسها منه بمال یخلعها به فاذا فعلا ذالك وقع تطليقة بائنة ولزمها المال كذا في الهداية اھ (ص ۱۳۰ - ج - ۲)

وفی رحمة الامة : واتفق العلماء على ان المرأة اذا كرهت زوجها لقبح منظر او سوء عشرة جاز لها ان تخالعه على عوض وان لم يكن من ذالك بشیٔ وتراضيا على الخلع من غير سبب جاز ولم يكره الخ (ص ۱۰۱)

اب اس کے دلائل ملاحظہ ہوں۔

روی مالك فی الموطاء والشافعی عنه عن هشام عن ابیه عن جمهان عن ام بكرة الاسلمية انها اختلعت من زوجها عبد الله بن خالد بن اسيد ثم اتيا عثمان فی ذالك فقال هی تطليقة الا ان تكون سمیت شيئا فهو ما سميت اھ كذا في التلخيص الحبير (ص ۳۱۶ ج - ۲)

اس سے صرف ثابت ہے کہ زوجین نے بدون اطلاع حاکم کے خلع کر لیا پھر حضرت عثمان کی طرف رجوع کیا تو انہوں نے فرمایا کہ خلع ایک طلاق ہے مگر یہ کہ اس سے زائد کا نام لیا گیا ہو تو جو کہا گیا ہو وہی واقع ہوگا۔ معلوم ہوا کہ تفریق خلع کا مدار حاکم کی تفریق پر نہیں بلکہ نفس خلع خود ایک طلاق ہے امام مالک نے مؤطا میں روایت کیا ہے۔ عن نافع ان ربيع بنت معوذ بن عفراء جاءت هی وعمها الی عبد الله بن عمر فاخبرته انها اختلعت من زوجها في زمان عثمان بن عفان فبلغ ذالك عثمان فلم ينكره وقال عبد الله بن عمر عدتها عدة المطلقة اھ (ص ۳۷ - ج ۲ مع الزرقانی)

اس میں بھی تصریح ہے کہ زوجین نے بدون اطلاع حاکم خلع کر لیا جب حضرت خلیفہ کو اسکی خبر ہوئی تو آپ نے اس پر انکار نہیں کیا اور عبد اللہ بن عمر نے خلع کو طلاق قرار دیا پس خلع کو یا تفریق بالخلع کو فیصلہ حاکم پر موقوف کرنا غلط ہے اور اگر ایسا کیا گیا تو یہ مداخلت فی الدین میں داخل ہوگا۔ اب میں محترم مستفتی کے سوالات کا جواب بھی دینا چاہتا ہوں جو خلع کے متعلق انہوں نے لکھے ہیں۔

ص قال الحافظ وصححه احمد جمهان اھ قلت قال الحافظ في التقريب صدوق قديم مقبول من الثالثة اھ وفی تهذيب التهذيب ذكره مسلم في الطبقة الاولى من اهل المدينة وذكره ابن حبان في الثقات (ص ۔ ج ۲) فالحديث صحيح ولا اقل ان يكون حسنا۔ ظفر۔

(الف) ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی خلع کا واقعہ پیش آیا ہے جس کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے اور اس سے پہلے اس امر کی تصریح کر دی ہے و اجاز عمر الخلع دون السلطان ای بغیر اذنہ کہ حضرت عمرؓ نے خلع کو بدون اطلاع حاکم و سلطان کے بھی جائز قرار دیا ہے حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں مصنف ابن ابی شیبہ سے اسکو موصولاً اسطرح روایت کیا ہے کہ بشر بن مروان (حاکم مدینہ) کے پاس ایک مرد و عورت کے خلع کا واقعہ پیش ہوا تو اس نے خلع کو جائز قرار نہ دیا، تو عبد اللہ بن شہاب خولانی نے کہا کہ حضرت عمرؓ نے خلع کو جائز قرار دیا ہے اور طحاوی نے کہا ہے کہ جو لوگ خلع کو اذن سلطان پر موقوف رکھتے ہیں ان کا قول شاذ ہے جم غفیر کے مخالف ہے اور قیاساً بھی غلط ہے کیونکہ جب طلاق بدون اذن حاکم کے جائز ہے تو ایسے ہی خلع ہے (صفحہ ۳۲۴ ج ۹) تفصیل اسی واقعہ کی جو حضورؐ کے زمانہ میں واقعہ ہوا تھا یہ ہے کہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ثابت بن قیس کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا یا رسول اللہ میں ثابت بن قیس کے دین اور اخلاق میں عیب بیان کرنا نہیں چاہتی لیکن میں (ان کے نکاح میں رہ کر) اسلام میں کفر کا اندیشہ کرتی ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ان کا باغ انکو واپس کر دو گی؟ کہا، ہاں۔ تو حضورؐ نے (ثابت بن قیس سے) فرمایا کہ باغ کو قبول کر لو اور اسکو طلاق دیدو یہ بخاری کی روایت کا ترجمہ ہے اور نسائی کی روایت میں یہ ہے کہ ثابت بن قیس نے کسی بات پر اپنی بیوی کو مارا تھا اور ہاتھ توڑ دیا تھا۔ اور عبد الرزاق کی روایت میں ہے کہ بیوی نے حضورؐ سے عرض کیا کہ مجھکو خدا نے جو حسن و جمال دیا ہے وہ آپ کو معلوم ہے اور ثابت بن قیس بدصورت ہے۔ اور یہ جو کہا کہ مجھکو اسلام میں کفر کا اندیشہ ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ میں انکے ساتھ اسلامی قاعدہ کے موافق نباہ نہیں کر سکتی بلکہ اندیشہ ہے کہ ان کی نافرمانی کروں اور شوہر کی نافرمانی اسلام کے خلاف ہے اور یہ کافر عورتوں کا کام ہے ذکرہ الحافظ فی الفتح۔ واللہ اعلم

(ب) اس واقعہ میں یہ ضروری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلع کا فیصلہ فرمایا مگر اسکی وجہ یہ نہ تھی کہ بدون حضورؐ کے فیصلہ کے خلع نہ ہو سکتا تھا بلکہ اسکی وجہ صرف یہ تھی کہ عورت نے اپنے شوہر سے بلاواسطہ اس معاملہ کی گفتگو کی ہی نہیں بلکہ وہ ابتداءً خود حضورؐ کے پاس آ گئی۔ اور چونکہ زوجین میں باہم خلع کی کچھ گفتگو نہیں ہوئی تھی! اسلئے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن عورت سے دریافت کیا کہ تم مہر واپس کر سکتی ہو جب وہ اس پر راضی ہو گئی تو حضورؐ نے مرد سے فرمایا کہ اپنا باغ لیکر اسکو طلاق دیدو۔ اور اگر وہ جس میں خلع کی گفتگو پہلے ہو جاتی تو پھر طلاق کے حکم کی ضرورت نہ تھی کیونکہ خلع خود ہی فراق ہے

(ج) اس واقعہ میں محض سانکر کی تو بغض کی بناء پر تفریق کی گئی اور اسکے وجود و اسباب کی تحقیق کی ضرورت اسلئے نہیں ہوئی کہ سائلہ نے خود وہ اسباب بیان کر دئے تھے جنکی بناء پر وہ خلع چاہتی تھی۔

(د) اس واقعہ میں مرد کو تفریق کا حکم دیا گیا تھا مگر یہ حکم وجوب کیلئے نہ تھا بلکہ بطور ارشاد و اصلاح کے تھا۔ قال الحافظ فی الفتح (ص ۳۱۸ ج ۹) مرد پر عورت کی درخواست کے بعد خلع کا قبول کرنا واجب نہیں بلکہ اُسکو اختیار ہے کہ قبول کرے یا نہ کرے اور حاکم شوہر کو قبول خلع پر مجبور بھی نہیں کر سکتا (د) کان ہذا امر معروف وارشاد کیونکہ اور معلوم ہو چکا ہے کہ خلع طلاق ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ انما یملک الطلاق من اخذ بالساق رواہ ابن ماجہ والدار قطنی (منتقیٰ صفحہ ۵۶۳) قلت: و اسنادہ حسن۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ فرقت شوہر کے قبضہ میں ہے یہ قول اس امر کی دلیل ہے کہ حضورؐ کا وہ قول جس میں ثابت بن قیس کو طلاق کا حکم فرمایا بطور مشورہ کے تھا بطور ایجاب کے نہ تھا۔

(ہ) اس واقعہ میں تفریق کے ساتھ صرف یہ شرط تھی کہ وہ باغ واپس کر دو جو شوہر نے مہر میں دیا ہے اور یہ شرط اسلئے کی گئی کہ اس واقعہ میں خود عورت کی طرف سے مفارقت کی درخواست تھی اور اُسکو شوہر سے نفرت تھی شوہر کو اس سے نفرت نہ تھی۔ نہ شوہر کی طرف سے اسپر کچھ زیادتی تھی اور اس صورت میں ائمہ مذاہب کا یہی مذہب ہے جو حدیث میں ہے کہ مرد کو مہر واپس کر لینا بلکہ اس سے زائد لینا بھی جائز ہے جبکہ عورت خوشی سے زائد دینے پر راضی ہو اور اگر مرد کی زیادتی ہو یا دونوں کی زیادتی ہو تو اس کا حکم دوسرا ہے جو نمبر ۳ میں مفصل مذکور ہے

(و) حضرات ائمہ محدثین نے حدیث کے خلاف فتویٰ کبھی نہیں دیا یہ امر

والذی ورد فی الروایات انہ ضربہا فکان ذلک سبب لکون المرأۃ نافرۃ عنہ مبغضۃ لہ ولا یبعد من مثلہا الاباء عن الصحبۃ وللزوج حق ان یضربہا علی ذلک۔ ظفر۔

بات ہے کہ ناواقف لوگ حدیث کا غلط مطلب سمجھ کر ائمہ مجتہدین کے فتویٰ کو حدیث کے خلاف سمجھیں یا کسی مسئلہ کا مدار ایک ہی حدیث پر رکھیں اور دوسری روایات پر نظر نہ کریں۔

(ف) ترجمہ کچھ نہیں ہوا۔ حضرات مجتہدین نے ایک ہی حدیث پر مسئلہ کا مدار نہیں رکھا بلکہ اس کے ساتھ دوسری احادیث کو اور صحابہ کے اقوال کو ملا کر قانون خلع کو مکمل طور سے مدوّن کیا ہے۔

جواب سوال دوم متعلق طلاق مغلظہ

اس مسئلہ میں جملہ ائمہ مذاہب کا قول یہ ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دیدے تو اگر وہ مدخولہ ہے تو اس پر تین طلاق واقع ہو جائینگی خواہ تفریقاً دی یا مجموعاً اور اگر غیر مدخولہ ہے تو اگر مجموعاً ایک لفظ سے تین طلاق دی ہیں تو اس پر تینوں واقع ہونگی۔ اور اگر تفریقاً تین لفظوں سے تین طلاقیں دی ہیں تو اس پر ایک واقع ہوگی اور دو لغو ہو جائینگی۔

قال الزرقانی فی شرح الموطا: والجمهور علی وقوع الثلاث بل حکی ابن عبد البر الاجماع قائلا ان خلافه شاذ لا یلتفت الیه اھ (ص۱۶۷-ج۳)

وقال الحافظ فی الفتح: ویحتمل ان یکون مراده ای مراد البخاری بعدم الجواز من قال لا یقع الطلاق اذا اوقعها مجموعة للنهی عنه وهو قول الشیعة وبعض اهل الظاهر اھ (ص ۳۱۰-ج۹)

اس سے معلوم ہوا کہ بجز شیعہ اور بعض اہل ظاہر کے تمام علماء کا اس پر اجماع ہے کہ تین طلاقیں مجموعۃً دینے سے تین ہی واقع ہونگی۔ البتہ تین طلاق مجموعۃً یا ایک مجلس میں دینا مکروہ تحریمی ہے۔ اگر کسی کو تین طلاق ہی دینا ہو تو تفریق کے ساتھ ایک ایک طلاق ایک ایک طہر میں دے۔ سعید بن منصور نے بسند صحیح حضرت انس رض سے روایت کیا ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دیتا تو حضرت عمر اسکے کمر پر دُرّے لگاتے تھے۔ ذکرہ الحافظ فی الفتح (صفحہ مذکور)

اب محترم مستفتی کے سوالات کا جواب دیتا ہوں۔

(الف) ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی دو واقعہ طلاق مغلظہ کے واقع ہوئے ہیں ایک واقعہ سنن نسائی میں محمود بن لبید انصاری رض کی روایت سے

مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہونچی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی ہیں تو حضورؐ غضبناک ہو کر (خطبہ کیلئے) کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ میرے سامنے ہی کتاب اللہ کے ساتھ لہو ولعب کیا جانے لگا تو ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے کہا، یا رسول اللہ! کیا میں اسکو قتل ہی کردوں اھ؟ اس پر آپؐ خاموش ہوگئے یہ حدیث فتح الباری میں حافظؒ نے نقل کرکے اس کے رواۃ کو ثقہ کہا ہے اور نیل الاوطار میں ابن کثیر سے اسکی سند کا جید ہونا نقل کیا ہے اور جوہر نقی میں اسکو صحیح کہا ہے اس سے یہ بات تو ظاہر ہے کہ تین طلاق ایک دم سے دینا خلاف شریعت ہے اور حرام کے قریب ہے رہا یہ کہ تین ایک دم سے دینے میں تین واقع ہونگی یا ایک؟ اس سے یہ حدیث ساکت[عہ] ہے۔

دوسرا واقعہ رکانہؓ بن عبد یزید کا ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی تھیں پھر انکو رنج ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا آپؐ نے پوچھا کہ تم نے کیونکر طلاق دی ہے کہا ایک مجلس میں تین طلاق دی ہیں حضورؐ نے فرمایا وہ تو ایک ہی ہے اگر چاہو رجوع کرلو چنانچہ انہوں نے رجعت کرلی اسکو محمد بن اسحاق صاحب مغازی نے روایت کیا ہے مگر محدثین نے اسکو ضعیف کہا ہے کیونکہ اس کے الفاظ میں اضطراب و اختلاف ہے بعض روایات میں یہ وارد ہوا ہے کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو بلفظ البتہ سے تین طلاق دی تھی اور یہ لفظ چونکہ قطع تعلق کو بتلاتا ہے اور اسی وجہ سے بعض تابعین لفظ البتہ سے تین طلاق واقع کرتے تھے تو کسی راوی نے اسکو روایت بالمعنی کرکے یوں تعبیر کردیا کہ رکانہ نے تین طلاق دی تھیں ابوداؤدؒ نے فرمایا ہے کہ راجح یہی ہے کہ رکانہ نے طلاق بلفظ البتہ دی تھی جیسا کہ حافظؒ فتح الباری میں ذکر فرمایا ہے اور اسکی نیت ایک طلاق کی تھی اسلئے اسکو ایک ہی قرار دیا اور علامہ زرقانی نے فرمایا ہے کہ رکانہ کی حدیث کے الفاظ مختلف ہیں، فاذا تعارضا تساقطا (ص۲۲ ج-۳)

(ب) ہاں ایک وقت میں تین طلاق دینا خلاف کتاب اللہ ضرور ہے جو ایسا کرتا ہے سخت گناہ کا مرتکب ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ تین طلاق دینے سے تین واقع

[عہ] مگر کنز العمال میں حضرت علیؓ کی روایت میں ہے کہ جو شخص قطعی طلاق دیگا ہم اسپر تین طلاق لازم کردینگے (ص۱۴۰ ج-۵) ظفر۔

[illegible] الصورة الرسمية اللغوية ولو كانت بالنكاح لا الاصطلاحية بدونه۔ ظفر۔

نہ ہوں یقیناً تین ہونگی کما مر ذکر الاجماع علیہ

(ج) عہد خلفائے راشدین میں جو شخص تین طلاق دیتا تھا اسکی بیوی پر تین طلاق ہی[عہ] واقع سمجھی جاتی تھی مگر اس کے ساتھ اس شخص کو سزا بھی دیجاتی اور صحیح مسلم میں حبر ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور عہد صدیقی میں اور شروع زمانہ خلافت فاروقی میں تین طلاق کو ایک شمار کرتے تھے تو اسکے اندر بعض روایات میں یہ قید لگی ہے کہ جب عورت غیر مدخولہ ہوتی تو تین کو ایک قرار دیتے تھے (رواہ ابو داؤد وکذا فی الفتح لابن حجر ص ۳۱۶ ج ۹ وسکت عنہ) اور رزین کی روایت میں یہ لفظ ہے "کان ابن عباس یقول اذا قال انت طالق انت طالق فہی واحدۃ ان اراد التوکید للاولی وکانت غیر مدخول بہا کذا فی جمع الفوائد ص ۲۳۱ ج ۱) ــــ پس یہ حدیث جمہور کے خلاف نہیں کیونکہ تطلیق ثلاث بتفریق کلمات میں جمہور بھی اس کے قائل ہیں کہ اگر زوجہ غیر مدخولہ ہو تو صرف ایک طلاق واقع ہوگی اور مدخولہ ہو تو دیانۃً ایک ہی ہوگی اگر وہ نیت تاکید کا مدعی ہو۔ اور قضاءً تین واقع ہونگی واللہ اعلم

(د) ائمہ کے اقوال اوپر گزر چکے

(ہ) دین میں کسی عالم کی ذاتی رائے کی کچھ وقعت نہیں۔ فان الدین لیس بالرای

(جواب سوال سوم متعلق تعدد ازواج)

اس مسئلہ میں یہ معلوم کر لینا چاہئے کہ مرد کو چار عورتوں سے نکاح کرنا مطلقاً جائز ہے خواہ اسکو چار کی واقعی ضرورت ہو یا محض خواہش نفسانی کی بنا پر ایسا کرے گو افضل یہی ہے کہ بلا ضرورت چار نکاح نہ کرے "احترازاً من الجور وادخال الغم علی الاولیٰ" لیکن اگر کوئی محض خواہش نفسانی سے ایسا کرے تو اسکو حق جائز سے روکنے کا کسی کو حق نہیں حدیث میں ہے "لم نر للمتحابین مثل النکاح" رواہ ابن ماجہ والحاکم و بسند صحیح (شرح جامع الصغیر للسیوطی ص ۲۹۲ ج ۳) ــــ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی مرد کو کسی عورت سے محبت ہو جائے یا بالعکس تو انکو باہم نکاح کر لینا چاہئے ۔۔

[عہ] ملاحظہ ہو فتح الباری ص ۳۱۵ تا ص ۳۱۹ ۔ جلد ۹ جس میں حضرت ابن عباس و ابن عمر رضی اللہ عنہما کا فتویٰ سند صحیح سے نقل کیا گیا ہے اور ملاحظہ ہو کنز العمال ص ۱۶۲ ج ۵ جس میں حضرت عمرؓ و حضرت علی و امام حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے فتاویٰ بطرق متعددہ سے مذکور ہیں۔ غفر۔

www.ahlehad.org

اخرج الشیخان عن ابی ہریرۃ رضی تنکح المرأۃ لمالہا ولجمالہا ولحسبہا ولدینہا فاظفر بذات الدین تربت یداک (مشکوٰۃ صفحہ ۲۶۷) اس میں دینداری کی وجہ سے نکاح کی ترغیب دی گئی ہے مگر مال اور جمال کی وجہ سے نکاح کرنے سے بھی منع نہیں کیا گیا۔ نہ اسکو حرام کہا گیا اور خود نص میں فانکحوا ما طاب لکم من النساء وارد ہے جس میں چار نکاح کو محض دل کی خوشی اور پسندیدگی کی بنا پر جائز کیا گیا ہے۔ نیز نص میں لا یحل لک النساء من بعد ولا ان تبدل بهن من ازواج ولو اعجبک حسنهن۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تعدد ازواج محض اعجاب حسن کی بنا پر بھی جائز تھا گو آپ اس وجہ سے کوئی نکاح بھی نہ کیا ہو مگر آپ کیلئے جائز ضرور تھا پھر ۹ بیویوں کے بعد آپ کو اس سے منع کر دیا گیا غرض نصوص شریعت سے خواہش نفسانی کی بنا پر بھی تعدد ازواج کی اجازت ظاہر ہے۔ اور اسکے ساتھ عدل کو بھی فرض کیا گیا ہے مگر عدل کو شرط صحت نکاح نہیں قرار دیا گیا بلکہ شریعت نے اس کے متعلق صرف وعید پر اکتفا کیا ہے۔

فی الحدیث: عن ابی ہریرۃ اذا کانت عند الرجل امرأتان فلم یعدل بینهما جاء یوم القیامة وشقه مائل او ساقط. رواه احمد والدارمی واصحاب السنن والحاکم واللفظ له وابن حبان وصححه الحاکم علی شرط الشیخین وابن دقیق العید (ص ۳۴۳ ج ۲۔ تلخیص حبیر)

پس تعدد ازواج کی صورت میں شوہر پر جو عدل واجب ہے وہ دیانۃً واجب ہے قاضی اور حاکم کو اس میں باز پرس یا دست اندازی کا کچھ حق نہیں حکام کا صرف اتنا فرض ہے کہ اگر عورت اپنے شوہر کی شکایت کرے تو شوہر کو نان و نفقہ دینے پر مجبور کریں اور عمر بھر میں ایک دفعہ مقاربت پر۔ اس سے زائد پر حاکم شوہر کو مجبور نہیں کر سکتا (ملاحظہ شامی باب القسم ص ۶۶۵ ج ۲)۔۔۔ ہاں اسکو نصیحت کر دے کہ اپنی بیوی کے حقوق پوری طرح ادا کرنا چاہئے اور اگر وہ اس پر ظلم کرتا ہو تو ظلم سے روک دے۔

اس معروض کے بعد سوال کا جواب یہ ہے کہ اسلامی ریاست کو تعدد ازواج کے بارہ میں قانوناً اس قسم کی قیود عائد کرنا کہ جب تک قاضی کو ضرورت اور استطاعت عدل کا اطمینان نہ ہو اور اسکی اجازت حاصل نہ کریں تب تک کوئی اس کا مجاز نہ ہو۔ یقیناً

مداخلت فی الدین وتضییق علی المسلمین فیما وسع اللہ لہم میں داخل ہے۔ اسی طرح ہر نکاح کا محکمہ قضا کی اجازت کا محتاج ہونا اور بدوں قاضی کی اجازت کے نکاح پڑھ دینے والے کو مع فریقین کے ملزم قرار دینا بھی صریح مداخلت فی الدین ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بعض صحابہ نے مدینہ کے اندر بدون حضورؐ کی اطلاع کے نکاح کیا ہے اور ان پر کوئی انکار نہیں کیا گیا چنانچہ عبدالرحمن بن عوف کا واقعہ نکاح مشہور ومعروف ہے۔

البتہ اگر نکاح خوانوں کی جہالت کی وجہ سے نکاحوں میں گڑبڑ ہوتی ہو تو اس قید کے عائد کرنے کا مضائقہ نہیں کہ جو شخص جب تک احکام نکاح سے واقف نہ ہو اور اس کی سند اس کے پاس نہ ہو اس وقت تک کسی کا نکاح نہ پڑھے ورنہ مجرم ہوگا کیونکہ اس کی نظیر زمانہ صحابہ میں موجود ہے حضرت عمرؓ نے قانون[عہ] نافذ کیا تھا۔ لا یجلس فی سوقنا الا فقیہ او کما قال ولا احضر الآن موضعہ کہ ہمارے بازار میں بجز اس شخص کے جو فقہ سے واقف ہو بیع وشراء کیلئے کوئی نہ بیٹھے باقی ہر نکاح کو محکمہ قضا کی اجازت کا محتاج کر دینا یہ بالکل خلاف شریعت ہے اور مسلمانوں کو تنگی میں ڈالنا ہے جو یقیناً مداخلت فی الدین ہے۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ۔ ۲۳ رجب ۵۲ھ

[عہ] قلت وقد اخرجہ الترمذی عن عمر بلفظ لا یبیع فی سوقنا الا من قد تفقہ فی الدین کذا فی جمع الفوائد ص ۲۲۴ ج ۱ ظفر۔

فصل فی فسخ النکاح عند کون الزوج مفقوداً او عنیناً او متعنتاً فی النفقة او مجنوناً

زوجہ مجنون کا حکم

(سوال) ایک شخص دیوانہ ہوگیا ہے طلاق وغیرہ سے بے خبر ہے اسکی بیوی علیحدہ ہونا چاہتی ہے علیحدگی کی کوئی صورت ہے یا نہیں ؟

الجواب: نہ مجنون کی طلاق معتبر ہے اور نہ جنون کی وجہ سے عورت کو فسخ نکاح کا حق ہے اسلئے علیحدگی کی کوئی صورت نہیں ۔

کما فی الدر: لا یقع طلاق المولی علی امرأة عبده والمجنون الاثناوی ص۴۹۹ ج۲ ولا یتخیر احد الزوجین بعیب الآخر ولو فاحشاً کجنون وجذام الخ (ص۵۹۳ ج۲ شامی) واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ

الجواب صحیح
ظفر احمد عفا عنہ ۱۰ صفر ۵۴ھ

زوجہ مجنون کا حکم

(سوال) ایک مسئلہ میں پیچیدگی پڑگئی ہے جسکی وجہ سے پریشانی بڑھ گئی ہے صورت واقعہ یہ ہے کہ ایک لڑکی نابالغہ کا عقد نکاح ایک نابالغ لڑکے سے فریقین کے والدین نے کردیا لڑکے کی عمر ۳ سال کی اور دختر کی عمر ۵ سال اب اس نکاح کو عرصہ ۹ سال کا ہوگیا اب دختر کی عمر ۱۴ سال اور لڑکے کی عمر ۱۲ سال ہے مگر اب یہ معلوم ہوا کہ لڑکا لایعقل محض ہے اس وقت تک نہ تو وہ کچھ زبان سے بولتا ہے اور نہ کچھ سمجھتا ہے اور نہ اسکو کچھ کھانے پینے کا ہوش ہے اسکی والدہ اسکو جبراً کچھ کھلا پلا دیتی ہے بچپن میں لڑکے کے نہ بولنے کا والدین کو کچھ خیال نہ ہوا جوں جوں وہ بڑھتا گیا اسکے نہ بولنے کی حالت دیوانگی معلوم ہوتی گئی۔ لڑکی کی عمر ۱۳ سال ہے وہ ایسے دیوانہ لایعقل کے ساتھ اپنی عمر کس طرح گذار سکتی ہے؟ ایسی حالت میں مطابق شرع

شریف ان میں تفریق ہو سکتی ہے یا نہیں؟ فریقین کے والدین جنکی ولایت میں عقد ہوا زندہ ہیں اور چاہتے ہیں کہ بموجب احکام شرع ان میں تفریق ہو جائے اور دختر کا عقد کسی دیگر شخص سے کر دیا جائے۔ اُمید کہ آنجناب اس معروضہ کے جواب سے جلد مسرت از فرمائیں گے، مکرر عرض یہ ہے کہ لڑکے کو نگرانی میں رکھا جاتا ہے اگر اسکو نگرانی میں نہ رکھا جائے تو وہ بھاگتا ہے۔

محمد حسین مینیجر طلسمی پریس میرٹھ

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں ائمہ حنفیہ میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہؒ وامام ابو یوسفؒ کے نزدیک شوہر کے مجنون ہونیکی صورت میں زوجہ کو حق فسخ نکاح حاصل نہیں۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک حق فسخ حاصل ہے، پس اگر کوئی مسلمان حاکم جس کو ایسے مقدمہ کی سماعت کا اختیار ہو خواہ حکومت انگریزی کا ہو یا ریاست دیسی کا اس نکاح کو امام محمدؒ کے مذہب کی بناء پر فسخ کر دے تو فسخ ہو سکتا ہے اور چونکہ فریقین اس نکاح کے فسخ پر رضامند ہیں اسلئے غالب ہے کہ حکام کو اسکے فسخ کرنے میں تامل بھی نہ ہوگا۔ واللہ اعلم

حررہ حبیب احمد کیرانوی
مقیم تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
۲۲؍محرم ۵۳ھ

زوجۂ عنین کا حکم اور اسکی عدت اور مہر کا بیان

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ:۔

(۱) زید جو تقریباً ۲۸؍۳۰؍سال سے محض عنین یعنی نامرد ہے اور قطعی عورت کے کام کا نہیں ہے اور اکثر معالجات کرنے کے باوجود مایوس العلاج ہے وہ اپنی بیوی کو کہ جس کے ساتھ عقد ہوا۔ ۱۵،۱۶؍سال ہوئے نفقہ نہیں دیتا اور نہ اپنے پاس رکھتا ہے اور نہ طلاق دیتا ہے اس وجہ سے لڑکی کے والدین اسکی بے کسی سے سخت پریشان ہیں اور مسماۃ بھی زید کے نامرد ہونیکے باعث نالاں ہے اور بعد عقد کے اپنی زندگی والدین کے یہاں گزارتی ہے اب اسکے والدین عقد ثانی کرنا چاہتے ہیں اس صورت میں شارع علیہ السلام کا کیا حکم ہے؟ اور جدائی زن و شوہر میں ہو سکتی ہے یا نہیں؟

(۲) مطلقۂ عنین کو عدت کی ضرورت ہوگی یا نہیں؟ فقط بینوا توجروا

مرسلہ مرزا حنیف بیگ قصبہ وڈاکخانہ سیانہ ضلع بلند شہر

الجواب :- صورت مذکورہ میں مسماۃ کو کسی حاکم مسلم کی عدالت میں زوج کے عنین ہونیکا دعوی کرکے فسخ نکاح کی درخواست کرنی چاہئے اور حاکم مسلم کو چاہئے کہ جب عورت ایسا دعوی کرے تو وہ زوج سے دریافت کرے کہ نکاح کے بعد سے اب تک تو نے کسی وقت زوجہ سے صحبت کی ہے یا نہیں؟ اگر وہ اقرار کرے کہ میں نے ایک بار بھی اس سے صحبت نہیں کیا یا وہ دعوی کرے کہ میں نے صحبت کی ہے لیکن عورت یہ کہے کہ میں اب تک باکرہ ہوں اور ایک عورت یا دو عورتیں اپنے مشاہدہ سے اسکی تصدیق کردیں کہ بیشک یہ باکرہ ہے دونوں صورتوں میں حاکم مسلم شوہر کو ایک سال کی مہلت دے کہ اگر ایک سال کے اندر اندر تو نے زوجہ سے صحبت کی تو خیر ورنہ میں نکاح فسخ کردونگا پھر اگر مہلت دینے کے بعد بھی اُس نے سال بھر میں صحبت نہ کی تو حاکم عورت کو اختیار دیدے کہ چاہے تو شوہر کے پاس رہنا منظور کر یا علیحدہ ہونا منظور کر تجھے اختیار ہے حاکم کے اختیار دیدینے کے بعد جب عورت یہ کہدے کہ میں اس سے علیحدہ ہونا اختیار کرتی ہوں تو عورت کے یہ کہدینے سے طلاق بائن پڑ جائیگی اور بہتر یہ ہے کہ حاکم بھی اپنی زبان سے یہ کہدے کہ میں نے دونوں میں تفریق کردی۔

قال فی البدائع :- ص ۳۲۵ - ج - ۲ - وان اختارت الفرقۃ فرق القاضی بینہما کذا ذکر الکرخی ولم یذکر الطلاق وظاہر ہذا الکلام یقتضی انہ لاتقع الفرقۃ بنفس الاختیار وذکر القاضی فی شرحہ مختصر الطحاوی انہ تقع الفرقۃ بنفس الاختیار فی ظاہر الروایۃ ولا یحتاج الی القضاء کخیار المعتقۃ وخیار المخیرۃ اھ قلت، واخترت ہذہ الروایۃ لکونہا اوفق بالمقام

(۲) اگر عنین زوجہ کے ساتھ خالی جگہ (مکان) میں بیٹھا بھی نہیں ہوا اور خلوت صحیحہ کے شرائط نہیں پائے گئے ہیں تب تو عورت کو عدت نہ کرنی پڑیگی اور اگر خلوت صحیحہ ہو چکی ہے تو اسپر عدت لازم ہوگی عدت کے بعد وہ دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے

فی البدائع :- ولہا المہر کاملا وعلیہا العدۃ بالاجماع ان کان الزوج قد خلا بہا وان کان لم یخل بہا فلا عدۃ علیہا ولہا نصف المہر ان کان مسمی اھ (ص ۳۲۶ ج ۲)

اور عورت کو دونوں صورت میں مہر بھی ملیگا خلوت ہوچکنے کی صورت میں پورا

پورا مہر؛ در صورت نہ ہونیکی صورت میں آدھا ملیگا۔ واللہ اعلم

(تنبیہ) حاکم مسلم اگر عدالت انگریزی کا ہو وہ بھی کافی ہے بشرطیکہ حکومت کی طرف سے اس کو اس مقدمہ میں شرعی فیصلہ کرنیکا اختیار دیدیا گیا ہو اور اگر پہلے سے اختیار نہ دیا گیا ہو تو درخواست دیکر اس کو اختیار حاصل کر لینا چاہئے یا گورنمنٹ اس مقدمہ کو کسی عالم کے پاس بھیجدے اور اسکو حکم شرعی کے مطابق فیصلہ کا اختیار دیدے یا عورت کسی اسلامی ریاست کے قاضی کی عدالت میں دعویٰ دائر کرے سب صورتوں میں یہ نکاح فسخ ہو سکتا ہے فقط

ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۱۴ صفر ۵۴ھ

مفقود الخبر پر موت کا حکم کرنے کیلئے قضاء قاضی شرط ہے

(سوال) حضرت اقدس مد ظلہ تعالیٰ۔ بعد آداب و تسلیمات کے گذارش ہے ایک استفتاء بریسال سے بندہ کے پاس آیا ہے۔ صورت واقعہ یہ ہے کہ ۶ آدمی برہمپتر دریا کے کنارہ ایک جنگل میں جو ان لوگوں کے مکانات سے قریب ہے اور لب دریا ہے بڑی بڑی لکڑیاں جنگل سے کاٹ کر اور ان کو رسیاں اور درختوں کے بیل سے باندھ کر اور اس کے ساتھ ایک کشتی کو رسیوں سے باندھ کر یہ لوگ اپنے مکان کی طرف لکڑیوں کو لانے لگے ہیں دریا بہت عظیم الشان اور موّاج ہے اور خلیج بنگال میں جا گرا ہے طغیانی کے وقت سات آٹھ میل سے بھی زیادہ چوڑا ہو جاتا ہے جب وہ لوگ مکان کی طرف آرہے تھے تو طوفان اٹھا کشتی میں سے ہوا نے ایک چٹائی اڑا کر دور پھینکدی۔ کشتی پر دو آدمی تھے وہ دونوں کشتی کو لکڑیوں کے مجموعہ سے الگ کرکے چٹائی لینے کیلئے گئے اور چار آدمی لکڑیوں پر رہے اتنے زور سے طوفان ہونے لگا کہ کشتی اور لکڑی پھر یکجا نہ ہو سکی اور لکڑی والے الگ بے قابو اور کشتی والے الگ بے قابو۔ جو ملاح اور کشتیوں میں تھے جو ماہی گیروں کی کشتی ہے اور وہ بزعم ملاحان کم ڈوبتی ہیں وہ بھی ان لکڑیوں کو تھام نہ سکے اور آٹھ دس بجے رات تک مختلف جھونکے ماہی گیروں نے ان بیچاروں کی آوازیں سنیں مگر کسی کو ہمت نہ ہوئی خوفاً روکنے کی اور جب اخیر رات تک طوفان تھا اور روز روشن ہوا تو وہ دونوں کشتی والے یہاں وہاں سے مارے مارے پھر کر گھر واپس آئے لیکن وہ چار آدمی بے سراغ ہوگئے اور لکڑیوں کا بھی پتہ نہیں ماہی گیر لوگ کہتے ہیں کہ وہ لکڑیاں ضرورت سمندر کی طرف جا رہی تھیں اس واقعہ کو تیرہ مہینہ

گذرا لیکن اول چاروں کا ابتک پتہ نہیں ان چاروں کی بیویاں جوان موجود ہیں تو ان کا کیا حکم ہے؟ ۔ درمختار ص۴۵۵ ج ۳ میں ہے "اختار الزیلعی تفویضہ الی الامام. وفی الشامیۃ :- علی هذا القول و قال الزیلعی لانه یختلف باختلاف البلاد و کذا غلبة الظن تختلف باختلاف الاشخاص فان الملك العظیم اذا انقطع خبره یغلب علی الظن فی ادنی مدة انه قد مات ومقتضاه انه یجتهد و یحکم القرائن الظاهرة الدالة علی موته وعلی هذا یبتنی ما فی جامع الفتاوی حیث قال و اذا فقد فی المهلکة فموته غالب فیحکم به کما فقد فی وقت الملاقاة مع العدو او مع قطاع الطریق او سافر علی المرض الغالب هلاکه او کان سفره فی البحر و ما اشبه ذالك حکم بموته لانه الغالب فی هذه الحالات و ان کان بین احتمالین و احتمال موته ناش عن دلیل لا احتمال لحیوته الخ. بموجب اس روایت کے اس حادثہ خاص میں گمان موت کا غالب ہے مہلکہ ہے، چاروں کا ایک ساتھ گم ہونا، مکان کے قریب گم ہونا. کشتی والوں کا لوٹنا اور ان کا نہ لوٹنا۔ بنگال کا دریا پرخطر اور عظیم الشان ہونا بنگال میں ایسے واقعات کا ان دریاؤں میں ہوتے رہنا. سمندر کے دہانہ سے قریب ہونا. اور حسب تصریح صاحب جامع الفتاوی بحر کا واقعہ ہونا حضرت اقدس کی کیا رائے ہے اور قاضی تو ہے نہیں پس مولویان انکے قائم مقام سمجھے جائیں گے؟ اسکے سوا کیا چارہ پس حضرت والا کی رائے بھی موافق روایت مذکورہ ہو تو ابھی حکم موت کیا جائے یا چار سال بعد حسب روایت امام مالکؒ؟ مگر مشکل یہ ہے کہ مدونہ میں قضائے قاضی شرط لکھی ہے. بہرحال حضور کے ارشاد کا انتظار ہے۔ اگر میرا خیال غلط ہے تو تنبیہ فرمایا جائے۔

الجواب :- اس مسئلہ میں بجز قضاء حاکم مسلم کوئی چارہ نہیں اگر کوئی حاکم مسلم انگریزی حکومت ہی کی طرف سے ہو اور اس مقدمہ کا فیصلہ کرے بشرطیکہ اس کو اختیارات بھی اس مقدمہ کے پورے حاصل ہوں اور حکم بالموت کر دے تو اسی وقت وہ عورتیں نکاح سے خارج ہو کر بعد عدت موت نکاح ثانی کر سکتی ہیں مولویوں کا فیصلہ حَکَم کا فیصلہ ہوگا۔ اور حَکَم کی ولایت غائب پر نہیں ہوتی لہذا وہ حکومت علی الغائب کا اختیار نہیں رکھتا۔ واللہ اعلم۔ ظفر احمد عفا عنہ

مفقود الخبر کی موت کیلئے قضاء قاضی شرط ہے

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ چھ شخص مفلس دریائے شور کے کنارے کے جنگل سے لکڑی چن کر چار تودے اس دریا کے پانی پر جمع کرکے سخت باندھی قضاءً اندھیری رات کو سخت طوفان ہوا تند ہوا چلنے لگی ان میں سے دو شخص جو اپنے ساتھ کے توشہ لدا ہوا کشتی پر سوار تھے ہوا اور پانی کے سیلاب نے انکو تودے سے جدا کرکے سمندر کے کنارہ پر ڈالدیا یہ دونوں مع کشتی سلامت گھر واپس آئے باقی چار شخص جو تودے پر رہ گئے تھے طوفان اور طغیانی پانی نے چاروں تودوں کو سمندر میں کہاں کہاں بہا لیگیا معلوم نہیں۔ واللہ علیم بکل شیئ خبیر۔ اب ایک سال سے زیادہ عرصہ ہو رہا ہے کہ باوجود بہت تفتیش و تلاش کے اس مہلکہ میں گرنے والوں کی کوئی خبر نہیں ملی اب ان چار شخص مہلکہ میں گرا ہوا ہیزم کش مفلسوں کیلئے شرعاً حکم مردہ کا ہوگا یا زندہ کا اور انکی بیویوں کو نکاح ثانی کی اجازت شریعت دیتی ہے یا نہیں؟ اور حضرات علماء کی خدمت میں یہ بھی قابل عرض ہے کہ ایسی حالت پر سمندر کے مہلکہ میں گرا ہوا کوئی کبھی زندہ رہ سکتا نہیں۔

الجواب: الحمد للہ والصلوۃ والسلام علی نبیہ وآلہ واصحابہ اجمعین۔

بلا ایسے خوفناک مہلکہ میں گرا ہوا تو انکے لئے شرعاً البتہ موت کا حکم ہے جیسا کہ فقہاء نے تصریح بیان کیا اسکو علامہ ابن عابدینؒ نے حاشیہ درالمختار میں بیان مفقود کے تحت جامع الفتاویٰ سے نقل کیا ہے۔ وان فقد فی المهلكة فموته غالب فیحكم به كما اذا فقد فی وقت الملاقاة مع العدو او مع قطاع الطريق او سافر على المرض الغالب هلاكه او كان سفره فی البحر وما اشبه ذلك حكم بموته لانه الغالب فی هذه الحالات وان كان بين احتمالين واحتمال موته ناشئ عن دليل لا احتمال حياته لان هذا الاحتمال كاحتماله ما اذا بلغ المفقود مقدار ما لا يعيش على حسب ما اختلفوا فی مقداره نقل من القنية۔

مخفی و محتجب نہیں ہے کہ اشخاص مذکورین سوال کی موت پر بڑی دلیل یہ ہے طوفان کے وقت سمندر میں تودے ہیزم کے ساتھ بے توشہ بہ جانا اور مفلس شخصوں کا حالت حیات میں برس روز تک اپنے اہل وعیال سے منقطع الخبر رہنا مستبعد ہے پس

جب اشخاص مذکورین سوال کیلئے شرعاً حکم موت ہے تو البتہ انکی ازواج کیلئے بھی شرعاً تزویج ثانی کی تجویز ہے اور یہ حکم کوئی بادشاہ یا امیر کیلئے خاص نہیں بلکہ قرائن اور اجتہاد اسمیں اصل چیز ہے

کما فی الشامی ۔۔ ومقتضاه انه یجتهد ویحکم بالقرائن الظاهرة الدالة علی موته اهـ هذا ما تیسر من الجواب مختصراً فمن شاء الاستقصاء فلیراجع الی کتب الفقه ۔ الکاتب الحقیر الفقیر المذنب الراجی الی رحمة ربه الباری ابو سعید محمد عبد الغفور سلمه الشکور:

(الکلام علی الجواب المذکور)

مجیب مسلمہ نے شامی کی جس عبارت کا حوالہ اپنے جواب میں دیا ہے اس سے صراحۃً یہ امر واضح ہے کہ صورت مسؤلہ میں حکم بالموت قاضی یا امام کرسکتا ہے بدون قضاء کے حکم بالموت نہیں ہوسکتا ۔ درمختار میں ہے ۔

واختار الزیلعی تفویضه للامام اهـ۔ علامہ شامی اس قول کے تحت فرماتے ہیں ۔ (قوله واختار الزیلعی تفویضه للامام) قال فی الفتح فای وقت رأی المصلحة حکم بموته قال فی النهر: وفی الینابیع: قیل: یفوض الی رأی القاضی ولا تقدیر فیه فی ظاهر الروایة، وفی القنیة: جعل هذا روایة عن الامام اهـ قلت: والظاهر ان هذا غیر خارج عن ظاهر الروایة ایضاً بل هو اقرب الیه من القول بالتقدیر لانه فسره فی شرح الوهبانیة بان ینظر ویجتهد ویفعل ما یغلب علی ظنه فلا یقول بالتقدیر لانه لم یرد به الشرع بل ینظر فی الاقران وفی الزمان والمکان ویجتهد ثم نقل عن مغنی الحنابلة حکایة عن الشافعی ومحمد وانه المشهور عن مالک وابی حنیفة وابی یوسف وقال الزیلعی لانه یختلف باختلاف البلاد وکذا غلبة الظن تختلف باختلاف الاشخاص فان الملک العظیم اذا انقطع خبره یغلب علی الظن فی ادنی مدة انه قد مات اهـ

اس عبارت کا ماحصل صرف یہ ہے کہ حکم بموت المفقود کیلئے تقدیر مدت

کی ضرورت نہیں بلکہ یہ امر مفوض الی رای القاضی والامام ہے قاضی اور امام کو غور و اجتہاد سے جس وقت موت مفقود کا غالب ظن ہو جائے حکم بالموت کر دے اس کے بعد شامی میں وہ عبارت ہے جو مجیب سلمہ نے نقل کی ہے جس میں یجتہد و یحکم القرائن الظاہرۃ الخ اور فیحکم بموتہ کی ضمیریں سب امام و قاضی کی طرف راجع ہیں۔ یعنی قاضی کو اجتہاد سے کام لینا چاہیے اور قرائن ظاہرہ کو حکم بنانا چاہئے اور اسی پر جامع فتاوی کی عبارت کو مبنی کیا ہے کہ جب مفقود مہلکہ میں گم ہو جائے تو اسکی موت کا حکم لگایا جائے یعنی قاضی ولاۃ کو حکم لگا دینا چاہئے اس عبارت سے یہ کسیطرح مفہوم نہیں ہوتا کہ محض مفتی کا حکم بالموت کافی ہے اور قضاء کی ضرورت نہیں علامہ شامیؒ نے اس عبارت کے حاشیہ پر لکھا ہے فلذا قلنا ان ھذا مبنی علی ما قالہ الزیلعی تامل اھ (ص ۱۱۵ و ۲۱۵) اور امام زیلعی کا قول اوپر مذکور ہو چکا ہے کہ انکے نزدیک تفویض الی رای الامام مختار ہے اور شامی ص ۲۱۵ ج ۳۔ قلت لکن المتبادر من العبارۃ ان المنصوص علیہ فی المذہب الثانی ثم رایت عبارۃ الواقعات عن القنیۃ ان ھذا ای ما روی عن ابی حنیفۃ من تفویض موتہ الی رای القاضی نص علی انہ انما یحکم بموتہ بقضاء الخ — اس سے صاف ظاہر ہے کہ بصورت فقد فی المہلکۃ قضاء قاضی یا حکم امام ضروری ہے اس کے بغیر حکم بالموت نہیں ہو سکتا پس مجیب سلمہ کا یہ کہنا کہ یہ حکم بادشاہ یا امیر کیلئے خاص نہیں کسیطرح صحیح نہیں واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
۷ر جمادی الاولی ۴۳ھ

شوہر عنین کا حکم

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کا لڑکا اور عمرو کی لڑکی کے درمیان قبل بلوغت شادی ہوئی اب زوجین سن بلوغ کو پہونچ گئے جسکو عرصہ چھ برس کا ہوا مگر ان دونوں میں کوئی سروکار نہیں ہے تحقیقات سے معلوم ہوا کہ لڑکا نامرد ہے عمرو ایسی حالت میں چاہتا ہے کہ دونوں میں علیحدگی ہو جائے مگر زید کو لڑکا بوجہ خفت طلاق دینا نہیں چاہتا ہے ایسی حالت میں

کیا کرنا چاہئے مطابق شرع شریف حکم تحریر فرمایا جائے ۔

المرسل۔ عبدالعظیم پارچہ فروش شہر رہتک

الجواب :۔ صورت مسئولہ میں لڑکی کو چاہئے کہ وہ حکومت میں استغاثہ کرے کہ میرا شوہر نامرد ہے اسلئے میں چاہتی ہوں کہ میرا مقدمہ کسی حاکم مسلم کے سپرد کیا جائے تاکہ وہ شرعی حکم مطابق اس کا فیصلہ کردے حاکم غیر مسلم کا فیصلہ اس صورت میں معتبر نہیں جب حکومت کی طرف سے کسی حاکم مسلم کے سپرد یہ مقدمہ کردیا جائے تو عورت اسکے سامنے دعوی کرے کہ میرا شوہر نامرد ہے اسلئے میں اس سے علیحدگی چاہتی ہوں حاکم شوہر سے دریافت کرے اگر وہ بھی اپنے نامرد ہونیکا اقرار کرے تو حاکم اسکو پورے ایک سال شمسی کی مہلت دے جس میں عورت و مرد کے ایام مرض محسوب نہ ہونگے نہ وہ ایام محسوب ہونگے جن میں عورت شوہر سے بدون اسکے اذن کے غائب رہے اس سال کے اندر اندر اگر علاج وغیرہ کرکے ایک بار بھی شوہر نے بیوی سے صحبت کرلی تو پھر عورت کو اس دعوی جدائی کا حق نہ رہیگا اور اگر سال بھر وہ عورت کے پاس نہ پہونچ سکا اور صحبت نہ کرسکا اور اقرار کرلیا کہ میں نے اس عرصہ میں بیوی سے صحبت نہیں کی تو حاکم مسلم ان دونوں میں تفریق کردے یعنی یہ کہدے کہ میں تم دونوں کا نکاح توڑتا ہوں حاکم کے اس کہنے سے عورت پر طلاق بائن واقع ہوجائیگی عدت کے بعد وہ دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے اور اگر شوہر نے اپنے نامرد ہونیکا اقرار نہ کیا بلکہ دعوی کیا کہ میں نے عورت سے وطی کی ہے تو حاکم مسلم معتبر دائیوں سے کہے کہ وہ لڑکی کو دیکھیں اور بتلائیں کہ وہ باکرہ ہے یا ثیبہ اگر وہ کہیں کہ لڑکی ثیبہ ہے تو پھر اس عورت کا دعوی جدائی صحیح نہ ہوگا اور اگر وہ باکرہ بتلائیں تو حاکم مسلم عورت کے دعوی کو صحیح سمجھکر شوہر کو ایک سال کی مہلت دیگا جیسا کہ اوپر گذرا اور سال تمام ہونے کے بعد اگر شوہر و عورت میں اختلاف ہوا عورت نے کہا کہ اس نے مجھ سے وطی نہیں کی اور مرد نے کہا کہ میں نے وطی کی ہے تو حاکم اس وقت بھی دائیوں سے کہیگا کہ وہ عورت کو دیکھیں اور دیکھکر بتلائیں اگر وہ کہیں ثیبہ ہے تو عورت کا دعوی جدائی صحیح نہ ہوگا اور اگر باکرہ بتلائیں تو حاکم مسلم عورت سے قسم لیکر ان دونوں میں تفریق کردے تفریق کرنے سے عورت پر طلاق واقع ہوجائیگی اور عدت کے بعد دوسرے شخص سے وہ نکاح کرسکیگی ۔

قال فی الفتاوی الحامدیۃ: لا یفرق بینھما بمجرد دعواھا انہ عنین ما لم یثبت عنتہ باقرارہ او بقول النساء انھا بکر فیؤجل من وقت المرافعۃ سنۃ کاملۃ ولا یحتسب منھا ایام مرضہ ولا مرضھا ولا ایام غیبتہ عنہ ولو حجھا او حج ھو بھا منعہ فان وطی والا بانت بالتفریق ان طلبت والتاجیل للعنین لا یکون الا عند قاضی مصر او مدینۃ کما افتی بذلک الخیر الرملی اھ (ص ۳۳ ج ۱) واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد ۳۰ رجب سنہ ۴۶ھ

زوجۂ مجنون کا حکم

(**سوال**) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ آمنہ بنت حاجی عبد الغنی صاحب کا شوہر مسمی اسماعیل عرصہ چار پانچ سال سے بالکل دیوانہ ہوگیا ہے بہت علاج معالجہ کرایا لیکن اچھا نہیں ہوا اور نہ آئندہ امید ہے مسماۃ مذکورہ بالکل جوان ہے کیا ایسی صورت میں مسماۃ نکاح ثانی کرسکتی ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتب تحریر فرمایا جاوے بینوا توجروا۔

الراقم حاجی عبد الغنی صاحب از دیروں جنید کاٹھی واڑ

الجواب: صورت مسئولہ میں مسماۃ مذکورہ کے نکاح ثانی کی صرف ایک صورت ہے کہ کوئی مسلمان حاکم جو اس قسم کے مقدمات کے فیصلہ کا اختیار حکومت کی طرف سے رکھتا ہو اپنے اختیار حاکمانہ سے تفریق کردے بعد تفریق کے مسماۃ عدت تین حیض پوری کرکے نکاح کرسکتی ہے۔ اسکے بغیر کوئی صورت نکاح ثانی کی نہیں اور حاکم مسلم اس صورت میں ایک سال کی مہلت دینے کے بعد تفریق کرسکتا ہے اسکے بغیر نہیں۔

وفی الھندیۃ: قال محمد ان کان الجنون حادثا یؤجلہ سنۃ کالعنۃ ثم یخیر المرأۃ بعد الحول اذا لم یبرأ وان کان مطبقا فھو کالجب وبہ ناخذ کذا فی الحاوی القدسی اھ (ص ۵۲۱ ۔ ج ۲) واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

المفتی بخانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ۲۱ صفر سنہ ۴۷ھ

زوجۂ مفقود کے نکاح ثانی کی ایک صورت کا حکم

(**سوال**) ایک شخص اپنی بیوی کو گھر میں چھوڑ کر سفر میں چلا گیا تھا۔ برس دو برس کے بعد لگاتار دو تین

خبر اسکی موت کی آئی۔ پس اس کا ایک حقیقی بھائی تھا اس نے تیسری خبر کے بعد اس عورت کے ساتھ بعد انقضائے عدتِ موت نکاح کرلیا۔ پھر دو ایک برس کے بعد اس کا بھائی سفر سے بیماری کی حالت میں گھر آیا اور اپنی عورت کو اپنے پاس لے گیا مگر بسبب مرض کے اس سے ہمبستر نہ ہوسکا دو تین مہینہ کے بعد اسی بیماری میں اسکی موت واقع ہوئی اب اس صورت میں حکم شرعی کیا ہے؟ اس عورت کو ناکح ثانی جو زوج اول کا بھائی ہے بغیر نکاح کے اپنے پاس رکھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- صورت مسئولہ میں اگر مفقود کے بھائی نے نکاح اس وقت کیا ہے جبکہ متواتر خبر موت سے اسکو ظن غالب موت کا ہوگیا تھا تو اس صورت میں اسکو زوجہ مفقود سے نکاح کرنے میں گناہ نہیں ہوا اور اگر ان خبروں پر اسکو وثوق نہ تھا تو گناہ ہوا، بہرحال جب شوہر اول زندہ واپس آگیا تو معلوم ہوا کہ نکاح ثانی صحیح واقع نہ ہوا تھا فقط اب شوہر اول کی موت کے بعد شوہر ثانی اس عورت سے بعد عدت نکاح کرسکتا ہے بدون تجدید نکاح کے اسکو نہیں رکھ سکتا اور اس وقت عورت کو پورا اختیار ہے کہ خواہ وہ شوہر ثانی سے نکاح کرے یا اسکے علاوہ کسی اور سے نکاح کرے شوہر ثانی نکاح ثانی کی وجہ سے اسکو اپنے ساتھ نکاح پر مجبور نہیں کرسکتا کیونکہ علم حیاتِ مفقود سے وہ نکاح باطل و لغو ہوگیا وطی بالشبہ سے زیادہ اسکی کوئی حیثیت نہیں۔

فی الهندية:- غاب من زوجته البکر سنتين فتزوجت وجاءت باولاد ای نعی اليها زوجها فتزوجت بآخر فولدت فالولد عند الامام للاول نفاه او ادعاه او ادعاه الثانی ای نفاه لاقل من ستة اشهر او اکثر من سنتين وللزوج الثانی ان يدفع الزکاة اليهم وتقبل شهادتهم له فی اليمين للکردری و روی عبد الکريم الجرجانی عن ابی حنيفة ان الاولاد للزوج الثانی راجع الی هذا القول وعليه الفتوی کذا فی التجنيس اه (ص ۳۴ - ج - ۲) تعلم بطلان النکاح الثانی بعلم حياة الاول رأسا وانما الاختلاف فی حکم الاولاد ورجوعه الی انها للثانی فيجعل وطی الثانی وطی شبهة هذا والله اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ۲۹؍ صفر ۴۳ھ

زوجۂ مفقود کے نکاح ثانی اور ولدیت مفقود کی ایک صورت

(سوال) عمرو کو عرصہ تین چار سال کا ہوا کہ لاپتہ ہے۔ عمرو کی منکوحہ خالدہ کے بسر اوقات کیلئے کوئی وسیلہ نہ تھا اسلئے خالدہ نے زید سے نکاح کر لیا کیا یہ نکاح صحیح ہے؟ ـــــ بعد ازیں دو ایک بچے بھی زید کے یہاں بعد نکاح کے پیدا ہوئے اس قدر مدت گزرنے کے بعد عمرو بھی چلا آیا اس صورت میں عورت و بچہ کس کو ملیگے اور جسکو ملیں گے تو نئے نکاح اوّل کافی ہے یا نکاح ثانی کی ضرورت ہے؟

الجواب:۔ عمرو کا نکاح باقی ہے اور عورت اسی کی ہے دوبارہ نکاح کرنیکی ضرورت نہیں اور زید کا نکاح صحیح نہیں ہوا لیکن اولاد زید ہی کی ہے

كما في الدر المختار :۔ (غاب عن امرأته فتزوجت بآخر وولدت أولاداً) ثم جاء الزوج الأول (فالأولاد للثاني على المذهب) الذي رجع إليه الإمام وعليه الفتوى كما في الخانية والجوهرة والحاوي وغيرها وقال الشامي تحت قوله (وحكى اربعة اقوال) لأن الولد للفراش الحقيقي وإن كان فاسداً (إلى أن قال): وإنما وضع المسئلة في الولد لأن المرأة ترد إلى الأول إجماعاً اھ (ص ۱۰۳۸ - ج ۲)۔

وفي العالمگيرية :۔ (ص ۳۴ - ج - ۲) غاب عن زوجته البكر سنتين فتزوجت وجاءت بالأولاد (إلى أن قال) وروى عبد الكريم الجرجاني عن أبي حنيفة أن الأولاد للزوج الثاني ورجع إلى هذا القول وعليه الفتوى كذا في التجنيس (إلى أن قال) ولو كان الأول حاضراً۔ والمسئلة بحالها فالولد للأول كذا في الوجيز للكردري ـــــ قلت: ما قال الشامي تحت قول الدر (فلا عدة في باطل) (أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير) الخ يحمل على العلم اليقيني وهو منتف في زوجة الغائب (المفقود) والله أعلم

اور عورت پر عدت بھی واجب ہے یعنی زوج ثانی (زید) سے علیحدگی کے بعد عدت گزرنے تک عمرو کو صحبت وغیرہ جائز نہیں

وإن فرق بعد الدخول كان عليها الاعتداد من وقت الفرقة

لا بعد وجود الوطی وکذا لو کانت الفرقۃ بغیر قضاء (قاضیخان ص ۴۱۲ ج ۲)

الجواب صحیح
ظفر احمد عفا عنہ
۵؍ ذی قعدہ سنہ ۶۳ھ

واللہ اعلم
عبد الکریم عفی عنہ
۶؍ ذی قعدہ سنہ ۶۳ھ

زوجۂ مجنون کا حکم (**سوال**) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ کا عقد نکاح دس سال کی عمر میں زید سے ہوگیا اور زید نکاح سے تقریباً عرصہ ایک سال کے بعد دیوانہ ہوگیا اور ابتک اسکی حالت بدستور خراب ہے اور بظاہر کوئی امید تندرست ہونیکی نہیں ہے نکاح کو ہوئے تقریباً عرصہ دس سال کا ہوگیا لڑکی کی عمر بیس سال ہے دوران شادی لڑکی صرف دس پانچ روز کیلئے شوہر کے مکان پر گئی تھی۔ باقی اس وقت اپنے والدین کے پاس ہے اور اس کے والدین ہی خورد و نوش وغیرہ کے کفیل ہیں اب ایسی صورت میں مسماۃ کا نکاح دوسری جگہ کردیا جائے یا نہیں؟ بعض علماء سے یہ معلوم ہوا ہے کہ ایسے نکاح کو حاکم شرع سے فسخ کراکر دوسری جگہ نکاح کرسکتا ہے مگر یہاں کوئی حاکم شرع یا عدالت شرعی ایسی نہیں ہے جو فیصلہ مطابق شریعت کرسکے، اگر کسی اسلامی ریاست کے قاضی شرع سے نکاح فسخ کرادیا جائے تو نکاح فسخ ہوجائیگا۔ اسمیں کیا ہونا چاہئے۔ فقط عبد الشکور بیوپاری منڈی شہر بالا نے کوٹ کھان منٹاراں۔

تنقیح:۔ جنون زید کے بعد ہندہ نے نکاح زید پر باقی رہنے پر رضامندی ظاہر کی تھی یا نہیں؟ اور اظہار رضامندی کے وقت ہندہ بالغ تھی یا نابالغ، یہ مفصل لکھا جائے کہ ہندہ نے بعد جنون زید کیا کہا؟

جواب تنقیح:۔ ہندہ بوقت جنون زید نابالغ تھی اور جب بالغ ہوئی تو زید کے نکاح میں رہنے پر رضامندی ظاہر نہیں کی بلکہ بیزاری قطعی کرتی رہتی ہے۔

الجواب:۔ اگر کسی اسلامی ریاست میں ہندہ و شوہر مجنون مع اسکے ولی کے پہونچ جائیں اور ہندہ فسخ نکاح کا مطالبہ کرے اور قاضی فریقین کے سامنے عقد نکاح کو فسخ کردے تو فسخ ہوجائیگا۔ بشرطیکہ تاجیل عنین کے موافق ایکسال کی مہلت دینے کے بعد فسخ کرے۔

کما صرح فی العالمگیریۃ:۔ (باقی صرف ایک فریق کے جانے سے کچھ نہ ہوگا)

لان قضاء القاضی لا ینفذ فیما لیس فی ولایتہ واذا تحاکما وتراضیا ای الخصمان کلاھما فقد دخلا فی ولایتہ۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۱۵ شعبان سنہ ۴۲ھ

جس عورت کا شوہر غائب ہو اور نفقہ نہ بھیجتا ہو اس کا نکاح فسخ کرنا اور اسکے لئے علما کی طرف سے قاضی مقرر کرنا۔

(سوال) حامداً ومصلیاً ومسلماً ما قولکم رحمکم اللہ تعالیٰ:-

اندرینکہ در دیار ما اکثر کسان در رنگون وغیرہ رفتہ بعضے نکاح ثانی کردہ وبعضے با قلاشی وفسق ومستی و شراب خوری مبتلا شدہ رخت اقامت می اندازند وبرائے زوجہ ہائے آنہا نان بوجہ خوراک و پوشاکی چیزے نمی فرستند ونہ رجعت بسوئے خانہ ہائے می سازند ونہ طلاق می دہند وبعض در دیار خود سکونت ورزیدہ بازدواج زنی دیگر اوقات می گذارند وزن اول را نزد خانہ والدے خود آوردہ از زوجیت خود جدائی سازند پس بانوہائے اوشان بجہت عدم حصول نفقہ وسکنیٰ والبسہ بیک قلم عاجزہ ومجبور گشتہ اکثر بفعل شنیع مثل زناکاری وپردہ دری مبتلا می شوند وبعضے با مرد دیگر از خانہ خود بیرون شدہ بجرائم علانیہ گرفتاری گشتند پس اندریں صورت ہائے مذکورہ خاتونان بیچارگان را ہیچ صورت مباینت ہست یا نہ؟ وبوقت ضرورت شدیدہ بمذہب ومسلک امام دیگر عمل کردن جائز ہست یا نہ؟ ودریں ریاست وحکومت نصاریٰ کہ قاضی شرعی مفقود ہست علماء محلہ را باتفاق ساکنان محلہ و باشندگان قریہ حسب قول فقہاء [عہ] ویکون القاضی قاضیاً بتراضی المسلمین مقرر کردہ تفریق بین اوشان میتوانند کرد یا نہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب ھو الموافق بالحق والصواب

درصورت مسئولہ تفریق بین زوجین نزد امام جائز نیست کیف ما کان۔ کما فی الدر المختار: ولا یفرق بینہما بعجزہ عنہا بانواعہا الثلاثۃ الخ اما امام شافعیؒ وقتیکہ زوج معسر ومفلس باشد یا غائب گردد تفریق جائز داشتہ اند۔ کما فی فیہا ایضاً: وجوزہ الشافعیؒ باعسار الزوج وبتضررہا

عہ کذا فی رد المحتار ص۳۳۲ ج۱۔ تحت قولہ الدرر باب الجمعۃ ولنصب العامۃ الخطیب۔ عبد الکریم

بغيبة ولو قضى به حنفي لم ينفذ نعم لو امر شافعيا فقضى به نفذ
اذا لم يرتش الآمر والمامور بحر۔ وفی رد المحتار: تحت قول الدر
المختار: نعم لو امر شافعيا الخ اعلم ان مشائخنا استحسنوا ان ينصب
القاضي الحنفي نائبا من مذهبه للتفريق بينهما اذا كان الزوج حاضرا
وابى عن الطلاق لان دفع الحاجة الدائمة لا يتيسر بالاستدانة
اذ الظاهر انها لا تجد من يقرضها وغنى الزوج مالا امر متوهم و
التفريق ضروري اذا طلبته وان كان غائبا لا يفرق لان عجزه غير معلوم
حال غيبته ثم بعد نقل اختلاف الفقهاء ذكر والحاصل ان التفريق
بالعجز عن النفقة جائز عند الشافعيؒ حال حضرة الزوج وكذا حال
غيبته مطلقا الى قوله وذكر فی الفتح انه يمكن الفسخ بغير طريق
اثبات عجزه بل بمعنى وهو ان تتعذر النفقة عليها۔ وفی شرح
الوقاية اما عند الشافعيؒ فالقاضي يفرق بينهما لانه لما عجز عن الامساك
بالمعروف ينوب القاضي منابه فی التسريح بالاحسان واصحابنا لما شاهدوا
الضرورة فی التفريق لان دفع الحاجة الدائمة لا يتيسر بالاستدانة
والظاهر انها لا تجد من يقرضها وغنى الزوج فی المال امر متوهم
استحسنوا ان ينصب القاضي نائبا شافعي المذهب يفرق بينهما انتهى ۔
۔۔۔۔ بوقت ضرورت شدیده بر مذهب امام دیگر حنفی را عمل کردن جائز و درست است
كما يفهم من رد المحتار حاشية الدر المختار: وذكر ابن وهبان فی منظومته
انه لو افتى بقول مالك فی الضرورة يجوز واعترضه شارحها ابن
الشحنة بانه لا ضرورة للحنفي الى ذلك وقال الشارح فی الدر المنتقى هذا
ليس بالى لقول القهستاني لو افتى به فی موضع الضرورة لا بأس به
على ما اظن انتهى ملخصا والله اعلم وهكذا فی النظم فلو افتى به
فی موضع الضرورة ينبغي لا بأس به على ما اظن انتهى ۔۔۔ وبناء بر قول
فقهاء۔ ونصب القاضي قاضيا بتراضي المسلمين كما فی رد المحتار: اگر
در زمان اتفاق شده عامه متدین را قاضی مقرر سازند و تلوے برو رشوت نگیرد

وخلاصته انه تفريق مرده هذه عند عدم التمكن بوجه شرعي۔ والله اعلم بالصواب و عنده ام الكتاب ۔ محمد عبد الحكيم غفر له الكريم ۔

ليس للاحناف ان يفتوا بخلاف مذهب امامهم ولكن لما كانت الضرورة داعية الى رفع الحاجة الدائمة كما حرره المجيب فينبغي للحنفي ان يفتي بالتفريق بينهما دفعا للضرورة الشديدة۔ كتبه العبد الضعيف الراجي الى رحمة ربه الودود ابو المحمود محمد عبد المعبود شكانوي الحنفي۔

ليس للمقلد ان يفتي بغير قول امامه وعند الضرورة ينبغي ان ينصب قاضيا في مذهبه صورة واقعة فيقضي بما هو واقع له وفيما لم يوجد قاض على الوصف المذكور والضرورة داعية فللحنفي ان يفتي بقول غير امامه دفعا للحاجة۔ بنده محمد ناظر غفر له

ان مست الحاجة كما حرره المفتي جدا فالحكم لغير المذهب لرفع الضرورة ودفع الفتنة هو عين اتباع المذهب كما لا يخفى على ارباب الدراية والله اعلم۔ عزيز الرحمن عفي عنه دار العلوم ديوبند۔

التنقيد على الجواب

في رد المحتار بعد قوله وان كان غائبا لا يفرق لان عجزه غير معلوم حال غيبته المذكورة في الجواب وان قضى بالتفريق لا ينفذ قضاؤه لانه ليس في مجتهد فيه لان العجز لم يثبت اه ونقل في البحر اختلاف المشائخ وان التصحيح كما في الذخيرة عدم النفاذ لظهور مجازفة الشهود كما في العمادية والفتح وذكر في قضاء الاشباه في المسائل التي لا ينفذ فيها قضاء القاضي ان منها التفريق للعجز عن الانفاق غائبا على الصحيح لا حاضرا اهـ (ص ۱۰۸۰ ج ۲) پس مجیب نے ثم بعد نقل اختلاف الفقهاء میں ایک مختصر عبارت کے ذکر پر اکتفا کیا اور اس اختلاف فقہاء کو نقل نہ کیا جس میں سوائے اس کے کیا مصلحت ہے کہ پوری عبارت نقل کرنے میں اپنے مدعا کے خلاف تصحیح صریح موجود تھی! اسے مبہم لکھ دیا تاکہ تصدیق کرنے والوں کو اس تحریر سے اتفاق ہو سکے۔ افسوس! کہ مجیب کی طرح مصدقین نے بھی اس عبارت متروکہ کی طرف خیال نہ فرمایا! اگر اس عبارت کے

ترک سے اختصار مقصود تھی تو بعد نقل اختلاف الفقہاء کے ساتھ تصحیح عدم النفاذ بھی لکھدینا لازم تھا غرض یہ ہے کہ زوجہ غائب کی تفریق مذہب صحیح پر کسی طرح نہیں ہوسکتی باقی حاضر معسر کی زوجہ کے متعلق ضرورت شدیدہ کے وقت قول " فلو امر شافعیاً فقضی بہ نفذ " صحیح ہے ای بشرائطہ لیکن اس کے واسطے قاضی کی ضرورت ہے اور قاضی مقام سوال میں موجود نہیں اس واسطے یہ صورت بھی متصور نہیں اور مجیب نے جو صورت تحریر کی ہے کہ " یصیر القاضی قاضیاً بتراضی المسلمین " وہ صحیح نہیں کیونکہ اس جزئیہ کو صورت مسئولہ سے کوئی تعلق نہیں بلکہ قول مذکور جمعہ کے باب میں ہے پوری عبارت شامی باب الجمعۃ کی یہ ہے " فلو الولاۃ کفاراً یجوز للمسلمین اقامۃ الجمعۃ ویصیر القاضی قاضیاً بتراضی المسلمین " اور دیگر کتب فقہ میں بھی ایسا ہی ہے پس اس " القاضی " میں لام عہد ہے یعنی قاضی جمعہ۔ اور صورت مسئولہ کو جمعہ پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔ لان الجمعۃ من العبادات و التفریق من المعاملات و شتان بینہما ـــ بلکہ فیصلہ کنندہ قاضی ہونے کیلئے حکومت کی طرف سے امر ضروری ہے صرف مسلمانوں کے تقرر وانتخاب سے قاضی نہیں ہوسکتا

کما فی العالمگیریۃ (ص۱۶۳ ج ۳): اذا اجتمع اھل بلدۃ علی رجل و جعلوہ قاضیاً یقضی فیما بینہم لا یصیر قاضیاً و اذا اجتمعوا علی رجل و عقدوا معہ عقد السلطنۃ او عقد الخلافۃ یصیر خلیفۃ و سلطاناً کذا فی المحیط اھ وقال العلامۃ الشامی فی کتاب القضاء - تحت قول الدر: (ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر) ای الظالم وھذا ظاھر فی اختصاص تولیۃ القضاء بالسلطان ونحوہ کالخلیفۃ لو اجتمعوا اھل بلدۃ علی تولیۃ واحد القضاء لم یصح بخلاف مالو ولوا سلطاناً بعد موت سلطانہم کما فی البزازیۃ۔ بحر وتمامہ فیہ۔ اور اسکے بعد کو علامہ موصوف نے فرمایا ہے ـــ قلت " ھذا حیث لا ضرورۃ والا فلہم تولیۃ القاضی ایضاً کما یاتی بعدہ لیکن آگے چلکر در مختار میں بھی صرف تقرر والی وامام جمعہ کا ذکر ہے قاضی کا کوئی ذکر نہیں اور شامی نے بھی تاتارخانیہ و فتح القدیر سے جو عبارات نقل کی ہیں ان میں بھی براہ راست اہل اسلام کو اس کا اختیار نہیں دیا کہ معاملات کا فیصلہ کرنے والا قاضی

اور مقرر کرسکتے ہیں بلکہ صرف امام و قاضی جمعہ ہی کا اختیار دیتے ہیں اور تقرر قاضی کی یہ صورت تجویز فرمائی گئی ہے کہ اول اہل اسلام کسی مسلمان کو والی بنا دیں پھر وہ والی کسی کو قاضی یا جمعہ سپرد کرے۔ عبارات یہ ہیں۔

وفی الدر المختار: ولو فقدوا والیا لغلبة کفار وجب علی المسلمین تعیین وال وامام للجمعة فتح (تاتارخانیة) الاسلام لیس بشرط فیه ای فی السلطان الذی یقلد وبلاد الاسلام التی فی ایدی الکفرة لاشک انها بلاد الاسلام لا بلاد دار الحرب لانهم لم یظهروا فیها حکم الکفر والقضاة مسلمون والملوک الذین یطیعونهم عن ضرورة مسلمون ولو کانت عن غیر ضرورة منهم ففسقة وکل مصر فیه وال من جهتهم تجوز فیه اقامة الجمع والاعیاد واخذ الخراج وتقلید القضاة وتزویج الایامی لاستیلاء المسلم علیه واما اطاعة الکفر فذلک مخادعة واما بلاد علیها ولاة کفار فیجوز للمسلمین اقامة الجمع والاعیاد ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین ویجب علیهم ان یلتمسوا والیا مسلما منهم اھ

وفی الشامیة ایضا: وعبارة مسکین فی شرحه. فی الاصل ونحوه فی جامع الفصولین (فتح القدیر) واذا لم یکن سلطان ولا من یجوز التقلد منه کما هو فی بعض بلاد المسلمین غلب علیهم الکفار کقرطبة الآن یجب علی المسلمین ان یتفقوا علی واحد منهم یجعلونه والیا فیولی قاضیا ویکون هو الذی یقضی بینهم وکذا ینصبوا اماما یصلی بهم الجمعة اھ

کتب مذکورہ کے علاوہ دیگر کتب فقہ میں بھی بہت تلاش کیا گیا مگر امام جمعہ کے سوا براہ راست قاضی کا تقرر مسلمانوں کے سپرد ہونا کسی جگہ نظر سے نہیں گذرا سب یہی لکھتے ہیں کہ یا تو غیر مسلم حاکم کی منظوری سے نصب قاضی ہوسکتا ہے یا اول اہل اسلام کسی کو باقاعدہ قیود و شرائط عــه کے ساتھ والی بنا دیں پھر اس والی کی طرف سے تقرر ہوسکتا ہے۔ [illegible]

عــه قیود و شرائط بوقت ضرورت کتب فقہ میں ملاحظہ ہوں مگر ایک شرط کا ذکر ضروری ہے وہ یہ کہ امیر و والی با اختیار و صاحب اقتدار ہو۔ دوسرے اسکی وجہ یہ ہے کہ کتب مذہب میں امام کیلئے زبردست ہونا [illegible]

یہ معلوم ہوتا ہے کہ والی یا اختیار کا تقرر ہونے کے بعد اگر کوئی اختلاف کرے تو وہ جرم بغاوت میں ماخوذ ہو سکتا ہے اور اگر تقرر قاضی من العامہ کے بعد کچھ لوگ اختلاف کرکے دوسرا قاضی مقرر کرلیں یا ویسے ہی اس قاضی کا حکم نہ مانیں تو اس کا کچھ علاج نہیں۔ پس اس سے واضح ہو گیا کہ قاضی کو براہ راست مقرر کیا جائے تو اسکو قوت تنفیذ حاصل نہیں ہو سکتی اور بلا قوت تنفیذ کسی کا نام قاضی رکھدینا محض بیکار ہے۔ لہٰذا جواب مولوی عبدالحکیم صاحب کا لکھا ہوا صحیح نہیں بلکہ سوال کا صحیح جواب یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں بعض صورتوں میں بوجہ قاضی نہ ہونے کے تفریق نہیں ہو سکتی اور قاضی خود مسلمان مقرر کریں تو وہ قاضی نہیں ہو سکتا اور بعض صورتوں میں قاضی کو بھی تفریق کا حق حاصل نہیں

(فائدہ) اس مختصر تحریر سے یہ تو واضح ہو گیا کہ روایات فقہ نصب القاضی من العامہ کی عدم صحت پر متفق ہیں۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

نعم التحقیق وبالقبول حقیق
اشرف علی ۲۳؍ رمضان ۱۳۵۳ھ

حررہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ خانقاہ امدادیہ
تھانہ بھون ضلع مظفر نگر۔ ۲۲؍ رمضان ۱۳۵۳ھ

الجواب صحیح
ظفر احمد عفا عنہ
۲۳؍ رمضان ۱۳۵۳ھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) یہ شرط مصرح ہے چنانچہ شرح عقائد میں ہے۔ ما نصہ: ای ماہرا بالتصرف فی امور المسلمین بقوۃ رأیہ ورویتہ ومعونۃ بأسہ وشوکتہ قادرا بعلمہ وعدلہ وکفایتہ وشجاعتہ علی تنفیذ الاحکام وحفظ حدود دار الاسلام وانصاف المظلوم من الظالم الخ ـــ اور علت اسکی یہ لکھی ہے۔ اذ الاخلال بھذہ الامور مخل بالغرض من نصب الامام اور ان امور کی مزید تفصیل یہ ہے۔ وان المسلمین لا بد لھم من امام یقوم بتنفیذ احکامھم واقامۃ حدودھم وسد ثغورھم وتجہیز جیوشھم واخذ صدقاتھم وقہر المتغلبۃ والمتلصصۃ وقطاع الطریق واقامۃ الجمع والاعیاد وقطع المنازعات الواقعۃ بین العباد وقبول الشہادات القائمۃ علی الحقوق وتزویج الصغار والصغائر الذین لا اولیاء لھم وقسمۃ الغنائم ونحو ذلک من الامور التی لا یتولاھا آحاد الامۃ اھ اور وال (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حکم زوجہ مجبوس بحبس دوام (سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قریب چودہ سال کا عرصہ ہوتا ہے کہ زید ملک نیپال میں بجرم قتل عمداً ماخوذ ہوا اور اب گذشتہ سال اسکو حبس دوام کی سزا ہو گئی اپیل میں بھی ناکامی ہوئی اور فیصلہ بحال رہا۔ اب تک زید کی بیوی باوجود طرح طرح کی تکلیفوں کے صرف اس امید پر کہ شاید میرا شوہر رہا ہو جائے بیٹھی رہی لیکن اب جبکہ اسکی سزا ہو جانیکے باعث اسکی امید رہائی بالکل منقطع ہو چکی ہے تو زید کی بیوی کا مستقبل نہایت ہی تاریک نظر آتا ہے اور اسکو طرح طرح کی مصیبتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں اور اسکے میکہ والے بھی نان و نفقہ کا بار نہیں اٹھا سکتے وہ سخت مصیبت میں ہے بیوی کی عمر ۲۵ ۲۶ سال ہے اس کا شوہر زید جو ریاست نیپال میں حبس دوام کی سزا بھگت رہا ہے نہایت ہی شریر آدمی ہے اور باوجود سخت کوششوں کے بھی وہ طلاق دینے پر کسی طرح رضامند نہیں ہوتا۔ معاملہ چونکہ ایک دیسی ریاست کا ہے وہ بھی نیپال جیسی ریاست جہاں معمولی معمولی باتوں کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) وامیر بھی انہیں اغراض کے واسطے مقرر کیا جاتا ہے اسواسطے قوت وشوکت اس مسئلہ کی تنفیذ شرط ہونا لازم ہے۔ کما لا یخفی علی من لہ ادنیٰ فہم۔ اور سخت حیرت ہے کہ بعض لوگ اس شرط اعظم کو اڑاتے ہیں اور امیر اس سے مسئلہ ثابت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتداء میں شوکت وغلبہ حاصل نہ تھا حالانکہ آپ نبی ہی سے امام وواجب الطاعت تھے ان حضرات کو دل پر یہ خیال فرمانا چاہئے کہ یہ زمانہ اجتہاد کا نہیں اور تعصبات مذہب کے بعد قیاس کا حق نہیں دوسرے یہ غور کرنا لازم ہے کہ انبیاء کرام مامور من اللہ ہوتے ہیں اور یہ گفتگو ہے منصوب من العباد میں ایک کا دوسرے پر قیاس کرنا کسی طرح درست نہیں علاوہ ازیں ایک الزامی توجیہ بھی ہے کہ اگر نصب امام ووالی کیلئے قوت وشوکت شرط نہیں تو کتب فقہ میں ایسے احکام درج کیوں کئے جن میں فقدان امام معرض بحث ہے بے شک تو اب اسکے تقرر کا کیا مشکل ہے جسکے نہ ہونے سے طرح طرح کی مشکلات کا سامنا ہو رہا ہے اور علماء ہند ودیگر ممالک چین وغیرہ نے [illegible] [illegible] کیوں نہ کیا ایسا زمانہ تو کوئی آیا نہیں جس میں ہر طرف زبان سے کسی کو امام یا والی امیر کا خطاب دیدینا غیر ممکن ہو گیا ہو پھر علماء نے اسلام بالخصوص مولانا شاہ عبد العزیز صاحب قدس سرہ وغیرہ مسلم انکار پر اس فریضۂ مذہبی کو ترک کرنے جیسا امر کیسے عاید ہو سکتے ہیں ایسی کھلی بات میں زیادہ گفتگو کرتے ہوئے شرم آتی ہے اس قدر تحریر کی بھی حاجت نہ تھی مگر ضرورت زمانہ نے مجبور کیا کہ غلط مسائل شائع ہو رہے ہیں اور بلا سوچے سمجھے دلائل قائم کئے جاتے ہیں اسلئے بقدر ضرورت یہ مضمون حاشیہ پر لکھا ہے۔ فقط والسلام۔

فیصلہ کیلئے ایک طویل زمانہ درکار ہوتا ہے جس کا اندازہ اسی مقدمہ سے کیا جاسکتا ہے کہ چودہ سال میں زید کے مقدمہ کا فیصلہ ہوا اسلئے وہاں کے حکام کے ذریعہ سے زید سے جبراً طلاق حاصل کرنا تقریباً ناممکن ہے اگر ایسی کوشش کی بھی جائے تو نتیجہ پیدا ہونے تک زید کی بیوی کی عمر تباہ ہوجائیگی اسلئے براہ کرم پورے غوروفکر کے بعد فرمائیں کہ آیا صورت مسئولہ مشرحہ میں زید کی بیوی بغیر طلاق کے نکاح ثانی کرسکتی ہے یا نہیں؟ اگر صورت مذکورہ میں عورت اپنا نکاح فسخ کراسکتی ہے تو اسکی شکل کیا ہوگی؟ جبکہ ہمارے یہاں انگریزی حکومت ہے اور زید ایک دیسی ریاست میں محبوس ہے

(۲) مسلمان کلکٹر ضلع یا مسلمان ڈپٹی کلکٹر قاضی تسلیم کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ —

المستفتی۔ شیخ چپیری عبدالحمید قصبہ لار محلہ دکن

ضلع گورکھپور۔ مرقومہ ۳ جولائی ۱۹۲۲ء

الجواب:۔ یہ شخص مفقود نہیں کیونکہ مفقود وہ ہے جسکی موت وحیات کا علم نہ ہو اور اس شخص کی جگہ بھی معلوم ہے حیات بھی معلوم ہے لہذا یہ مفقود نہیں بلکہ ضار بغیبۃ ہے اور اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک تفریق بین الزوجین نہیں ہوسکتی اور امام مالکؒ کا قول چار سال کی مدت کا مفقود کے بارے میں ہے اور یہ شخص مفقود نہیں پس اس صورت میں امام مالکؒ کے نزدیک بھی وسعت نہیں لہذا زید کی بیوی بدون زید کی طلاق یا موت کے کسی دوسرے سے نکاح نہیں کرسکتی۔

قال فی الدر:۔ ولا یفرق بینهما بعجزه عنها بانواعها الثلاثة (ای الماکول والملبوس والمسکن ۱۲۔ ش) ولا بعدم ایفائه حقها ولو غائباً ولو موسرا (قال الشامی المناسب ولو معسراً) وجوزه الشافعی باعسار الزوج وبتضررها بغیبته ولو قضی به حنفی (ای علی الغائب) لم ینفذ لو امر شافعیاً فقضی به نفذ اھ (ص۱۰۹ ج۲)

وفیه ایضاً:۔ فی باب المفقود۔ هو شرعاً غائب لم یدر أحیٌّ هو فیتوقع أم میت اودع اللحد البلقع اھ قال الشامی عن البحر فالمدار انما هو علی الجهل بحیاته وموته لا علی الجهل بمکانه اھ (ص۵۰۰ ج۳)

اور اس صورت میں عورت کو اور اسکے والدین کو اس مصیبت پر صبر کرنا چاہیئے

جیسا کہ اس صورت میں صبر کرتے جبکہ لڑکی کا کسی جگہ سے پیغام بھی نہ آتا اور نکاح ہی نہ ہوا ہوتا۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
۸ محرم الحرام سنہ ۶۲ھ

تفریق زوجہ مفقود کیلئے دار الاسلام میں قضاء قاضی شرط ہے اور یہ کہ چار سال کی مدت انتظار بعد رفع الی الحاکم سے شمار ہوگی، اور دار الحرب میں مالکیہ کا وہی مذہب ہے جو حنفیہ کا ہے۔

(سوال) مرجع العلماء جناب مولانا صاحب زید مجدہم۔ بعد تحفہ تعظیمات معروض اینکہ۔ ہمارے فقہ کی کتب حنفیہ مثل جامع الرموز وغیرہ میں اور نیز حضرت بابرکت نے فتاویٰ امدادیہ میں افادہ فرمایا ہے کہ بعد فقدان سے مفقود کی عورت بحکم حاکم مسلم زوج کو حکمی موت میں داخل کرکے عدت گذار کر نکاح کرسکتی ہے مگر مدونہ کبریٰ تصنیف امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جلد دوم صفحہ ۹۲ طبع مصری میں ہے کہ وہ چار برس بحکم حاکم گذرنے ضروری ہیں سوائے حکم حاکم کے مرور سنین کا کوئی اعتبار نہیں اگرچہ بیس برس گذر گئے ہوں وہ عبارت یہ ہے۔ ضرب اجل المفقود، قلت: أرأيت امرأة المفقود أتعتد أربع سنين في قول مالك بغير أمر السلطان؟ قال: قال مالك: لا، وإن أقامت عشرين سنة ثم رفعت أمرها إلى السلطان نظر فيها وكتب إلى موضعه الذي خرج إليه فإذا يئس منه ضرب لها من تلك الساعة أربع سنين. (سحنون) عن ابن وهب عن عبد الجبار بن عمر عن ابن شهاب أن عمر بن الخطاب ضرب للمفقود من يوم جاءت امرأته أربع سنين ثم أمرها أن تعتد عدة المتوفى عنها زوجها ثم تصنع في نفسها ما شاءت إذا انقضت. وقال ربيعة بن أبي عبد الرحمن: المفقود الذي لا يبلغه السلطان ولا كتاب سلطان فيه قد أضل أهله وماله في الأرض فلا يدرى أين هو وقد تلوموا في طلبه والمسئلة عنه فلم يوجد فذلك الذي يضرب الإمام فيما بلغنا لامرأته الأجل ثم تعتد بعدها عدة الوفاة اھ

زرقانی علی الموطا للامام مالک رحمۃ اللہ علیہ میں بھی مرور چار سال بامر سلطان کو

ثابت رکھا ہے اور یہی عبارت نقل کی گئیں اب عرض یہ ہے کہ ہمارے فقہ حنفی میں مالکی مذہب کی نقل کرنے میں غلطی اور مسامحت کی ہے جیسا کہ صاحب جامع الرموز مشائخ مشہور ہے اور غالباً اس مسئلہ میں سب کا پیشوا یہی وہی معلوم ہوتا ہے یا کوئی اور جواب ہوسکتا ہے جس سے کہ ہماری کتب حنفیہ کی نقل درست اور مرور چار برس کا روز فقدان زوج سے مراد ہو بامر سلطان یا نہ۔ بعض فضلاء رامپور وغیرہ فرماتے ہیں کہ جامع الرموز کا مطلق چار برس کا کہنا اگرچہ بغیر سلطان امر کے جو کتب مالکیہ کے خلاف ہے اور اپنے مذہب پر صاحب مذہب ہی کو پوری اطلاع ہوتی ہے نہ کہ غیر کو جیسا کہ ہدایہ میں نسبت علت متعذر بالعرف امام مالک صاحبؒ نسبت کرنا مخالف تھا کتب مالکیہ کے لہذا احناف نے رد کردیا۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ بے شک مذہب مالک کی نقل وہی معتبر ہے جو کتب مالکیہ میں موجود ہے مدونہ کی عبارت جیسا کہ سوال میں مذکور ہے اور میں نے خود بھی اسکو مدونہ میں دیکھا ہے اس امر میں صریح ہے کہ زوجۃ المفقود چار سال قضاء حاکم وامر حاکم کے بعد گذارے اس سے پہلے اس کا چار سال یا بیس سال گزارنا معتبر نہیں۔

وقال الحافظ ابن حجر في الفتح ايضاً: ان مذهب الزهري في امرأة المفقود انها تربص اربع سنين وقد اخرجه عبد الرزاق وسعيد بن منصور وابن ابي شيبة باسانيد صحيحة عن عمر وثبت ايضاً عن ابن عمر وابن عباس قالا تنتظر اربع سنين وثبت ايضاً عن عثمان وابن مسعود في رواية وعن جمع من التابعين كالنخعي وعطاء والزهري ومكحول والشعبي واتفق اكثرهم على ان التاجيل من يوم ترفع امرها للحاكم وعلى انها تعتد عدة الوفاة بعد مضي الاربع سنين ولم يفرق اكثرهم بين احوال الفقد الا ما تقدم عن سعيد بن المسيب (قال اذا فقد في الصف عند القتال تربصت امرأته سنة واذا فقد في غير الصف فاربع سنين) وفرق مالك بين من فقد في الحرب فتؤجل الاجل المذكور (اي اربع سنين) وبين من فقد في غير الحرب فلا تؤجل بل تنتظر مضي العمر الذي يغلب على الظن انه لا يعيش اكثر منه وقال احمد والحق ان من غاب عن اهله فلم يعلم

بخبره لا تاجيل فيه وانما يؤجل من فقد في الحرب وفي البحر او نحو ذالك وبما مر عن علي اذا فقدت زوجها لم تتزوج حتى يقدم او يموت وقال عبد الرزاق بلغني عن ابن مسعود انه وافق عليا في امرأة المفقود انها تنتظره ابدا ومن طريق النخعي لا تتزوج حتى ستين عمره وهو قول فقهاء الكوفة والشافعي وبعض اصحاب الحديث اهـ (ص ۲۸ ج - ۹)

اس سے معلوم ہوا کہ زوجہ مفقود کیلئے ائمہ اربعہ میں سے امام احمد و مالک چار سال کے انتظار کے قائل ہیں۔ مگر دونوں کے نزدیک تاجیل امام شرط ہے بدون تاجیل امام کے چار سال گذرنا معتبر نہیں اور مالک کے نزدیک بھی تاجیل باربع سنین ہر مفقود کیلئے نہیں بلکہ مفقود فی الحرب ونحوہا کیلئے ہے اور مفقود فی غیر الحرب کیلئے وہ بھی امام ابو حنیفہ و شافعی کی طرح موت اقران کے قائل ہیں یہ تو اصل مسئلہ کی تحقیق تھی اور حضرت حکیم الامت نے اپنے فتاوی میں کسی جگہ قضاء قاضی کا مذہب مالک میں مشروط ہونا ظاہر فرمایا ہے جیسا کہ مجھے یاد پڑتا ہے اور مصنفین حنفیہ کا اس شرط کو ظاہر نہ فرمانا یا تو بوجہ اختلاف روایات مالک کے ہے ممکن ہے کہ ان سے کسی روایت میں یہ شرط مروی نہ ہو جس سے حنفیہ نے اطلاق سمجھا اور مالکیہ نے دوسری روایت سے اسکو مقید سمجھا یا بوجہ قلت ممارست بفقہ مالک کے ہے اور حنفیہ کی طرح مالکیہ و شافعیہ و حنابلہ بھی حنفیہ کے مذہب کے بیان میں ایسی غلطیاں اکثر کرتے ہیں کہ خاص کو عام مقید کو مطلق بیان کر دیتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔ ۲ ربیع الاول سنہ ۵۶ھ

قلت: والذي صرح به الشيخ حكيم الامة في بعض فتاواه ما نقله من كتاب شرح الشيخ الدردير على مختصر الشيخ الخليل في المذهب المالكي ونصه ولزوجة المفقود الرفع للقاضي والوالي ووالي الماء وهو الساعي اي جابي الزكاة والا فلجماعة المسلمين فيؤجل الحر اربع سنين ان دامت نفقتها من ماله والا طلق عليه لعدم النفقة من حين العجز عن خبره بالبحث عنه في الاماكن التي يظن ذهابه لها في البلدان بان يرسل الحاكم رسولا بكتاب الحاكم لتلك الاماكن مشتمل على صفة الرجل وحرفته ونسبه ليفتش عنه فيها ثم بعد الاجل الكائن بعد كشف الحاكم

عن امرہ ولم یعلم خبرہ اعتدت عدۃ کالوفاۃ (زاہدی) حکم بروایت امام بوحنیفہ در آں کتاب تصریح ست وبعد چند سطر حکم منقول شد یعنی زوجہ مفقود در دار الکفر می آرد (حکمش) وبقیت زوجۃ الاسیر وزوجۃ مفقود ارض الشرک للتعمیر ان دامت نفقتها والا فلهما التطليق كما لو خشيا الزنا وهو (زاہدی) التعمير سبعون سنة من يوم ولد وهو [illegible] الى [illegible]

وفی مقدمات ابن رشد القاضی المالکی فالمفقود هو الذی یغیب فینقطع اثره ولا یعلم خبره وهو علی اربعة اوجه مفقود فی بلاد المسلمین ومفقود فی بلاد العدو ومفقود فی صف المسلمین فی قتال العدو ومفقود فی حرب المسلمین فی الفتن التی تکون بینهم فاما المفقود فی بلاد المسلمین فالحکم فیه اذا رفعت امرأة امرها الی الامام ان یکلفها اثبات الزوجیة والمغیب فاذا اثبت ذالک عنده کتب الی والی البلد الذی یظن انه فیه او الی البلد الجامع ان لم یظن به فی بلد بعینه مستبحثاً عنه ویعرفه فی کتابه الیه باسمه ونسبه وصفته ومتجره ویکتب هو بذالک الی نواحی بلده فاذا ورد علی الامام جواب کتابه بانه لم یعلم له خبر ولا وجد له اثر ضرب لامرأته اجل اربعة اعوام ان کان حرا او عامین ان کان عبدا ینفق علیها فیها من ماله وفی مختصر ابن عبد الحکم ان الاجل یضرب من یوم الرفع صح قال واما المفقود فی بلاد الحرب فحکمه حکم الاسیر لا تتزوج امرأته ولا یقسم ماله حتی یعلم موته او یاتی علیه من الزمان ما لا یحیی الی مثله فی قول اصحابنا کلهم حاشا اشهب فانه حکم له بحکم المفقود فی ماله وامرأته جمیعا واختلف فیمن ذهب فی البحر الی بلاد الحرب ثم فقد فقیل انه کالمفقود فی بلاد المسلمین لامکان ان تکون الریح قد ردته الی بلاد المسلمین الا ان یعلم انه جاز الی بعض جهات الروم مثلاً ثم فقد بعد ذالک وقیل انه کالمفقود فی بلاد الحرب اھ ثم فصل فی حکم المفقود فی صف المسلمین فی قتال العدو وفی القتال بین المسلمین وذکر ان فی ذالک روایات مختلفة ففی بعضها له حکم المفقود

في دار الاسلام وفي بعضها له حكم المقتول فتعتد بعد التلوم اتم سنة او نحو ذالك وفي بعضها له حكم الاسير وقد تقدم والله تعالى اعلم ـــــ قلت: وبه تبين ان قول مالك في المفقود تحت الثاني غائب الحول الآفاقي الذي فقد في دار الاسلام فيضرب لامرأته الاجل عنده بعد الرفع الى الحاكم من يوم الرفع او من يوم ورود جواب كتابه الى البلدان وليس للمرأة عنده ان تستقل او بعقد امرها بنفسها كما افتى بذالك بعض العلماء بالهند اخذا بقول مالك وهو خطأ صريح۔ والله اعلم

ظفر احمد عفا عنہ ۔ ربیع الاول سنہ ۴۲ھ

حکم زوجہ مجنون مفقود **(سوال)** کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بمبئی میں ایک شخص دیوانہ ہوگیا اور احمد آباد کے قریب میراں داتا صاحب کا مزار ہے جہاں ایسے دیوانوں کو بغرض حصول شفا لوگ لیجاتے ہیں چنانچہ شخص مذکور دیوانے کی زوجہ اس دیوانے کو اپنے ہمراہ لیکر میراں داتا صاحب کے مزار پہ لیجانے کے واسطے ریل میں سوار ہوگئی راستہ میں عورت مذکورہ سوگئی جب بیدار ہوئی تو اپنے زوج دیوانے کو نہ پایا عورت نے پہلے تو خود بہت جستجو کی بعد ازاں اخبار میں اشتہار بھی چھپوایا بعد ازاں اب عورت کے اقارب نے اجمیر وغیرہ تک سفر کرکے بھی اس شخص دیوانے کی جستجو کی اس واقعہ کو تقریبا پانچ سال کا عرصہ ہوچکا ہے مگر ابتک اس شخص دیوانے کا کچھ پتہ نہیں ملا اب عورت مذکورہ چونکہ جوان عمر ۲۵ سالہ ہے اور نان ونفقہ سے بھی تنگ ہے اس واسطے بصورت مذکورہ کسی دوسرے شخص سے وہ عورت نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

عبد ہاشم بن آدم کوسینی۔ العبد اسمٰعیل احمد۔ خادم احمد بن محمد

الجواب: نہیں کرسکتی البتہ اگر حکام انگریزی کسی مسلمان حاکم کو ایسے مقدمہ میں شرعی فیصلہ کرنیکا اور اس مفقود کے حکم بالموت کا اختیار باقاعدہ دیدیں تو پھر سوال کیا جائے اسکی تدبیر بتلادی جاویگی۔ اشرف علی

تتمہ سوال بالا

بعد از سلام مسنون عرض ہے کہ مفقود مذکور مع اسکی زوجہ ہردو ریاست مانگرول کے رہنے والے ہیں بوجہ روزگار کے بمبئی میں رہتے تھے زوج کے مفقود ہونیکے بعد زوجہ

اپنے اصلی وطن مانگرول میں چلی آئی۔ اب عرض یہ ہے کہ یہاں کا رئیس مسلمان اور حاکم با اختیار ہے اپنے رعایا پر جو قانون چاہے نافذ کر سکتا ہے اور گورنمنٹ نے بھی حاکم مذکور کے اختیار مذکور کو تسلیم کیا ہوا ہے صرف سہولت کیلئے حاکم نے اپنے قلمرو میں قانون انگریزی کو جاری کر رکھا ہے اب حاکم مذکور مفقود مذکور کی نسبت (جو کہ علاقہ انگریزی میں مفقود ہوا ہے) حکم بالموت کر سکتا ہے یا نہیں؟ فتاوی امدادیہ ج ۳۔ ص ۸۰۔ سطر ۹ پس بناءً علیہ دریں ملک آں حکام کہ برائے ایں غرض از سرکار مامور کردہ می شوند اگر مسلمان باشند در حکم قضاۃ هستند مثل ڈپٹی وغیرہ نیز ص ۸۰۔ سطر ۲۲ اگر قاضی شرعی است کہ برائے فصل خصومات مقرر کردہ شد قضائش نافذ می شود نیز ص ۸۰ سطر ۲۲ صورت ثانیہ (یعنی جہاں کفار کی طرف سے حاکم مسلمان ہو) میں فسخ معتبر نہ ہوگا بینوا توجروا۔

الجواب من جامع امداد الاحکام

صورت مسئولہ میں عورت اس واقعہ کا مرافعہ حاکم مسلم مانگرول کی عدالت میں کرے پھر حاکم مذکور کو چاہئے کہ مفقود کی تلاش و تفتیش کرے اگر مایوس ہو جائے اور اسکے ظن غالب میں مفقود کی موت راجح ہو تو تاریخ مرافعہ سے چار سال کے بعد حکم بالموت کر سکتا ہے علی مذہب مالک و علی مذہبنا ایضاً فان الزیلعی اختار تفویضہ الی رای الحاکم (رد ص ۱۱۴ ج ۲) ۔ پھر حکم بالموت کے بعد چار ماہ دس دن عدت وفات کے پوری کرکے نکاح کر سکتی ہے۔ قلت: و لما کان المفقود فی وطنہ فی ولایۃ ھذا الحاکم المسلم جعل کانہ مفقود دار الاسلام و لو سلم انہ مفقود دار الحرب فان الملک الحربی اذن لہ فی الحکم بین الناس الذین ھم فی الاصل تحت ولایتہ و ان سکنوا بلاد الحرب للکسب کما ھو الظاھر من اصولھم۔

واللہ اعلم۔

وفی المدونۃ: قال مالک: فی الاسیر یفقد فی ارض العدو انہ لیس بمنزلۃ المفقود لانہ فی ارض العدو وقد عرف انہ قد اسر ولا یستطیع الوالی ان یستخبر عنہ فی ارض العدو فلیس ھو بمنزلۃ من فقد فی ارض الاسلام اھ (ص ۹۰ ج ۲)۔ قلت: وھل اذا کان فقد فی ارض الحرب وملکھا مسالم للسلطان المسلم فھو کالاسیر ام لا الظاھر الثانی لامکان

الاستخفاف به منه فی ارض المسلمین واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ اشرفیہ امدادیہ۔ ۱۱ شوال سنہ ۴۶ھ

صورتِ تفریق زوجۂ متعنت

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ عرصہ اندازاً تیرہ چودہ سال کا منقضی ہوا کہ محمد سعادت علی ساکن جہانگیر آباد بھوپال نے اپنی دختر کا عقد اپنے رشتہ دار مسمی محمد یحییٰ ساکن ضلع میرٹھ سے کر دیا تھا۔ اتفاق سے شوہر نامرد نکلا اس وجہ سے اسکو ندامت ہوئی اور وہ اپنے وطن چلا گیا۔ مدعیہ کے باپ نے بعد تین چار سال کے محکمہ قضا بھوپال میں چارہ جوئی بابت گلو خلاصی کی محکمہ موصوف سے باضابطہ ذریعہ عدالت ماتحت مدعا علیہ طلب کیا گیا مگر وہ باوجود طلبی اور تین چار سال گذر جانے کے حاضر نہ ہوا محکمہ قضا نے مقدمہ خارج فرمایا کہ بلا حاضری مدعا علیہ تصفیہ جدائی زوجین غیر ممکن ہے اور محکمہ افتاء بھوپال نے فتویٰ تحریر فرمایا کہ شریعت غرا دادرسی مظلومان و فیصلہ خلائق ہر قسم سے بیبس و عاجز نہیں اور علاقہ غیر کی صورت میں علاج شرعی ہو سکتا ہے جو بذریعہ کتاب القاضی الی القاضی کے حسب معروض بالا کارروائیاں تکمیل ہو سکتی ہیں یعنی باضابطہ میعاد یک سال دیکر اطلاع دی جاوے بحالت عدم حاضری مدعا علیہ ہدایہ جلد ۲ باب العنین جدائی ممکن ہے امیر فرمانروا نے بھوپال بنام قاضی صاحب بھوپال مکرر تحقیقات کا حکم فرمایا گیا قاضی صاحب سابق نے بعد ایک دو سال کے مکرر خارج فرمایا کہ بلا حاضری مدعا علیہ تصفیہ نہیں ہو سکتا مجبوراً باپ مدعا علیہ نے جا بجا سے فتوے علماء دین سے حاصل کرکے خدمت میں قاضی صاحب حال پیش کئے جس میں یہ بھی تحریر تھا کہ مدعا علیہ کو باضابطہ میعاد کی ایک سالہ اطلاع دی جانے پر اور بحالت عدم حاضری مدعا علیہ علیحدگی زوجین بروئے شریعت شریف جائز ہے تب محکمہ قضا نے ذریعہ اشتہارات و اخبارات اعلان کیا اور ایک حکم باضابطہ اطلاع نامہ مدعا علیہ کو دیا کہ اگر اس مرتبہ مدعا علیہ حاضر نہ ہو تو یہ سمجھا جائیگا کہ مدعا علیہ کو علیحدگی منظور ہے اور اسے بروئے شریعت شریف حکم قطعی علیحدگی زوجین دیا جائیگا تاہم مدعا علیہ اندر میعاد مقررہ حاضر نہ ہوا۔ بعد میعاد باپ مدعا علیہ کو بلوایا گیا۔ چنانچہ تب وہ حاضر ہوا اور ایک ہندو ڈاکٹر کا سرٹیفکیٹ بھی لا کر پیش کیا کہ میں اب اچھا ہوں۔ اس پر باپ مدعیہ نے جب کہ جناب سے سرٹیفکیٹ ڈاکٹر کافر کا شریعت غرا میں جائز نہیں بمقابلہ

تحقیقات شرعیہ کے اور جس حال میں آپ خود عالم و حاکم محکمہ قضا رہے اور حکم بھی ہیں مدعا علیہ کا معائنہ بھی کرا سکتے ہیں ایسی صورت میں یہ سرٹیفیکیٹ کافر کا دیا ہوا اور بعدم موجودگی فریقین و جماعت کے حاصل کیا گیا ہے کب جائز سمجھا جا سکتا ہے اسی قاضی صاحب نے بخیال دور اندیشی اہل برادری ہونیکے مقدمہ خارج فرما دیا اور مثل داخل دفتر فرمادی اور کوئی تصفیہ نہ فرمایا مدعا علیہ مع باپ کے واپس وطن خود چلا گیا اسی طرح زمانہ مقدمے اس وقت تک عرصہ چودہ سال کا ہو گیا نہ تصفیہ کیا گیا نہ نان ونفقہ دیا گیا۔ اسی عرصہ میں والدین مدعا علیہ کا انتقال ہو گیا اور ماں مدعیہ کا انتقال ہو گیا صرف باپ مدعیہ جو ضعیف العمر بیکار خانہ نشین بیمار ہے اگر وہ بھی قضا کر گیا تو کوئی سرپرست مدعیہ کا نظر نہیں آتا ایسی صورت میں شریعت کیا حکم دیتی ہے کہ جس حالت میں مدعیہ کو نہ جانا منظور ہے نہ مدعا علیہ کو کوئی ضرورت لاحق ہوئی۔ جائے غور ہے کہ اسقدر عرصہ گذر جانے پر اور جوانی مدعا علیہ اتر جانے تک کوئی برائی پھیلائی یا خواہش تک نہ معلوم ہو جیسی زمانہ ابتدا میں معصوم صفت نابالغ تھا تا ایندم نابالغ موجود ہے اور نہ نان ونفقہ دے اگر دعوی نان ونفقہ کیا جائے تو بڑا اندیشہ ہے کہ سابقہ دعوی پر عرصہ چودہ سال کا گذر گیا دوبارہ پھر عرصہ درکار ہے اس وقت بجز سرپرست و کفیل باپ خود مدعیہ کے کوئی دوسرا نظر نہیں آتا ایسی حالت میں بجز گلو خلاصی مدعیہ کیونکر اوقات بسر ممکن ہے اس واسطے براہ خدا و رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم جلد سے جلد اس بارہ میں فتوی مرحمت فرمایا جائے جو مدعا علیہ کو بھیجکر مدعیہ و باپ مدعیہ جو چراغ سحر ہے تا وقت دعاگو رہیں گے اور اللہ جل شانہ جزائے خیر دیگا واجب جان کر عرض کیا گیا۔

سائل۔ طفیل احمد برادر چچازاد مدعیہ ساکن جہانگیر آباد بھوپال

الجواب:۔ قال فی البدائع فی باب العنین: واذا ثبت (ای بعد التاجیل سنۃ) انہ لم یطأھا اما باعترافہ او بظھور البکارۃ فان القاضی یخیرھا فان الصحابۃ رضی اللہ عنہم خیروا امرأۃ العنین ولنا فیھم قدوۃ فان شاءت اختارت الزوج الی ان قال فان اختارت المقام مع الزوج بطل حقہا ولم یکن لہا خصومۃ فی ھذا النکاح ابدا لما ذکرنا انہا رضیت بالعیب فسقط خیارھا وان اختارت الفرقۃ فرق القاضی بینہما کذا ذکر الکرخی ولم یذکر الخلاف وظاھر ھذا الکلام یقتضی انہ لا تقع الفرقۃ

بنفس الاختيار في ظاهر الرواية (اي بعد تخيير القاضي اياها) ولا يحتاج الى القضاء كخيار المعتقه وخيار المخيرة وروى الحسن عن ابي حنيفة انه لا تقع الفرقة ما لم يقل القاضي فرقت بينكما وجعله بمنزلة خيار البلوغ هكذا ذكر وذكر في بعض المواضع ان في قول ابي حنيفة ما روى الحسن عنه وما ذكر في ظاهر الرواية قولهما وجه رواية الحسن ان هذه الفرقة بطلاق لا خلاف بين اصحابنا وانما المخالف فيه الشافعي فانها فسخ عنده والمسئلة ان شاء الله تعالى تاتي في موضعها والقاضي يقوم مقام الزوج ولان هذه الفرقة يختص بسببها القاضي وهو التاجيل لان التاجيل لا يكون الا من القاضي فكذا الفرقة المتعلقة به كفرقة اللعان وجه المذكور في ظاهر الرواية ان تخيير المرأة من القاضي تفويض الطلاق اليها فكان اختيارها الفرقة تفريقا من القاضي من حيث المعنى لا منها اهـ (ص ۳۲۵ و ۳۲۶ - ج - ۲) قلت: وفيه دلالة على انه لا بد من تخيير القاضي للمرأة بين المقام مع الزوج والفرقة منه اتفاقا بين اصحابنا خلاف ما يوهمه كلام الشامي في هذا المقام، ولله در صاحب البدائع فما افصح بيانه وما ابلغ كلامه وان الخلاف في انه هل يتوقف الفرقة بعد تخيير القاضي على قوله فرقت بينكما او لا فرواية الحسن عن ابي حنيفة وهي التي اختارها اصحاب المتون انه لا بد من تفريق القاضي بل تقع الفرقة باختيار المرأة نفسها بعد ما خيرها القاضي وهو المذكور في ظاهر الرواية - والله اعلم

مسئلہ عنین میں قاضی کا مہلت دینا مرد کو اور مہلت دینے کے بعد عورت کو قیام مع الزوج اور آزادئ نفس میں مختار بنانا ضروری ہے اسکے بغیر عورت نکاح سے نہیں نکل سکتی پھر امام صاحب کے نزدیک قاضی کے اختیار دینے کے بعد جب عورت آزادئ نفس کو اختیار کرے قاضی کا یوں کہنا بھی ضروری ہے کہ میں نے تم دونوں میں تفریق کردی

له صرح به في البحر والفتح والهندية ان تاجيل غير القاضي باطل وكذا تاجيل المرأة - ظفر.

اور صاحبین کے نزدیک اسکے کہنے کی ضرورت نہیں بلکہ قاضی کے اختیار دینے کے بعد جب عورت اپنے نفس کی آزادی کو اختیار کرے تو اسی طلاق پڑ جائیگی۔

چونکہ صورت مسئولہ میں قاضی نے عورت کو آزادی نفس اختیار کر لینے کا اختیار نہیں دیا نہ یوں کہا کہ میں نے تم دونوں میں تفریق کر دی اسلئے ابھی تک یہ عورت شوہر کے نکاح میں ہے دوسرے کسی مرد سے نکاح نہیں کر سکتی فلتصبر ولتحتسب۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
از تھانہ بھون ۲۰ ذی الحجہ سنہ ۴۶ھ

رسالہ ذیل المقصود فی نکایۃ المفقود
تحقیق مذہب مالکؒ در زوجۂ مفقود

(سوال) کیا فرماتے ہیں حضرات علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی لڑکی سعید خانم صغر سنی میں محمد سرور ولد عبدالرحمٰن کو نکاح یعنی ایجاب وقبول کر دی روبرو گواہان کے بعد خطبہ اور نکاح کے محمد سرور کہیں چلا گیا ہے عرصہ قریباً چھ سال گذر چکے ہیں اسکے زندہ ہونے اور مرنے کی خبر کسی نے آجتک نہیں دی اور لڑکی اپنی جگہ کہتی ہے کہ والدین نے مجھے قید کر دیا ہے کہ کہیں شادی بیاہ کر کے مجھکو نہیں دیا اور زمانہ خراب ہے اور جوان چار پانچ سال کی ہوں اور نہ ہمارے خاوند مذکورہ نے کوئی خبر نیک و بد بھیجی ہے اور اسکے والدین رو پیٹ کر صبر کر رہے ہیں اور ہم گرفتار والدین کے شرم و حیاء میں کب تک رہونگی یہ مشکل امر ہے بینوا توجروا فی الدارین۔

الجواب:۔ اگر مسماۃ سعید خانم کا شوہر مفقود الخبر ہو گیا ہے اور کچھ پتہ اسکے مرنے جینے کا نہیں ہے تو اسکو قاضی، اگر قاضی نہ ہو تو جماعت مسلمین چار سال کی مہلت دیں اور شوہر کی تلاش میں کوشش کریں اگر اس عرصہ میں بھی شوہر کا پتہ نہ چلے تو چار سال کے بعد مسماۃ مذکورہ عدت وفات چار مہینہ دس دن پورے کر کے نکاح ثانی کر سکتی ہے بدون اجل قاضی یا جماعت مسلمین کے عورت کو نکاح ثانی کرنا جائز نہیں ہے اور یہ مذہب امام مالکؒ کا ہے حنفیہ نے بھی بضرورت اسپر فتویٰ دیا ہے

وفی المدونۃ الکبریٰ: قلت: ارأیت امرأۃ المفقود اتعتد بعد الاربع سنین فی قول مالک بغیر امر السلطان قال: قال مالک رحمہ اللہ: لا وان اقامت عشرین سنۃ ثم رفعت امرها الی السلطان نظر فیها وکتب الی موضعه الذی خرج الیها فان یئس ضرب لها من

تلك الساعة اربع سنين الخ۔ واللہ اعلم

کتبہ مسعود احمد عفا اللہ عنہ　　　　الجواب صحیح
دار العلوم دیوبند۔ ۸ محرم ۱۳۹۶ھ　　　　محمود حسن عفی عنہ

(الكلام على الجواب المذكور)

سيدي ومولاي المحترم! زادت معاليكم اقدم الى حضرتكم لاعتاب تحيات منها سيد الانام عليه وعلى آله افضل الصلوات واكرم التسليمات من المفضل المنعام، ومن بعد فابدي لسيادتكم ان العلماء ههنا كانوا يفتون الزوجة المفقود حسب ما ذكره العلامة ابن عابدين بمذهب المالكية كما افاده مولانا عبد الحي اللكهنوي وحضرت مولانا الكنگوهي قدس الله سرهما العزيز فكانوا يقولون انه ان مضى على فقده اربع سنين وتحقق الفقد حسب القواعد الشرعية فليحكم الحاكم الاسلامي او من جعل حاكما بالتحكيم بموت المفقود ويامر الزوجة ان تعتد عدة الوفاة ومثل هذا مذكور في الفتاوى الامدادية وكان مفتي هذه الديار ويجاورها هذا ويفتي بان المسلمين اذا لم يجد واحدا حاكما او محكما كذلك فليعملوا بفتوى الامام مالك من كبار انفسهم فتجري هذا العمل والفتوى الى ما شاء الله ثم احدث بعض العلماء فيه تجديدا فقال اذا رفع امر زوجة المفقود الى حاكم وجماعة المسلمين فليتفحصوا الفقد جديدا فان لم يتبين امره فيجعل من بعد ذلك اربع سنين وان مضى قبل الرفع عشرون او اربعون سنة فاذا انقضت المرأة مدة اربع سنين تعتد عدة الوفاة ثم تتزوج وقال ان المذكور في كتب المالكية هكذا وفي عبارة المدونة كما هي مذكورة في الجواب قدمت الى معاليكم هذه الفتوى للتصحيح فانكرتها ورأيت ان المدونة وان كانت من الكتب القديمة المعتبرة لدى المالكية ولكنها غير مفتى بها لديهم ولا يعتمد عليها من كل الوجوه وانما يعتمدون على مختصر الخليل وشرحه فينبغي ان ينظر اليه ويفتى به۔ قلت: ان الظن ان مراد صاحب المدونة ان امر المفقود لا يتم شرعا اي لا يتحقق فقده الشرعي الا بمساعي السلاطين ومن نابهم بعدهم لانهم في الازمنة السالفة لدى قلة الوسائل هم الذين كانوا قادرين على معرفة المفقود حق المعرفة فالحاصل ان هذه القيود انما هي لتحقق الفقد فان ثبت الفقد في زماننا الذي كثر فيه الوسائل ويقدر فيه احاد الناس على ما كان لا يقدر على مثله في الماضي السلاطين والملوك فلا حاجة

حينئذ إلى التأجيل بعد رفع المسئلة و بعد مضي المدة التي تطول على أربع سنين من لدن الفقد الشرعي ـ و كيف ما كان فإن المقصد من عبارة المدونة تحقيق الفقد فإذا ثبت الفقد الطويل قبل ذلك فلا حاجة حينئذ إلى التأجيل ثم على التسليم نقول إن الديار الهندية حيث كانت خالية عن السلطان الإسلامي و نائبه فإنما يتيسر فيها الرفع بعده إلى جماعة المسلمين اذ كانا هم ولا شك أن المرأة رفعت أمرها إليهم منذ فقدت زوجها أو بعد مدة يسيرة من حيث صاروا يعتقدونه بما تيسر لديهم فينبغي أن تعتبر المدة منذ الافتقاد ثم بعد ذلك كله و تسليم الأمور بأجمعها صرحت المالكية أن المرأة إنما تؤمر بالتأجيل إن كان لديها نفقة من زوجها فأما إذا لم يكن لديها النفقة فيحكم عليها بالطلاق بمجرد الرفع كما هو في عبارة الخليل وشرحه فيا سيدي إن المصائب التي تنزلت بالديار الهندية إنما ترجع عامتها إلى عدم النفقة وصعوباتها نحو الحاجة إلى التأجيل والانتظار الشديد و إنما احتجنا إلى مذهب مالك رحمه الله والإفتاء به للضرورات الشديدة الحادثة في زماننا. فالمرجو من مكارم أخلاقكم أن تنظروا إلى ما ذكره الداعي الحقير وأطلعونا بما يلزم حتى تجري التصحيحات والفتاوى بمقتضاها وهذه عبارة الخليل وشرحه:

فصل ولزوجة المفقود الرفع للقاضي والوالي ووالي الماء والا فلجماعة المسلمين فيؤجل الحر أربع سنين ان دامت نفقتها والعبد نصفها من العجز عن خبره ثم اعتدت كالوفاة وسقطت بها النفقة ولا تحتاج فيها لإذن وليس لها البقاء بعدها و قدر طلاق بدخول الثاني فتحل للأول إن طلقها اثنتين فإن جاء أو تبين انه حي أو مات فكالوليين او بقدر الحاجة۔

وقال في شرح الدردير: فصل لذكر المفقود وأقسامه الأربعة (قوله والمفقود) أي ببلد دار الإسلام بدليل ما يذكره في غيره حر أو أمة صغيرة أو كبيرة الرفع للقاضي والوالي أي حاكم السياسة ووالي الماء وهو الساعي اي جابي الزكاة ان وجد واحد منهم فلجماعة المسلمين من صالحي بلدها. لها ان لا ترفع و ترضى بالمقام معه في عصمته حتى يتضح امره أو تموت وظاهره انها مخيرة في الرفع لأحد الثلاثة والمنقول انها إن أرادت الرفع و وجدت الثلاثة وجب للقاضي فإن رفعت لغيره حرم عليها وصح وان رفعت لجماعة المسلمين مع وجود القاضي بطل فإن لم يوجد قاض فتخير فيها فإن رفعت لجماعة المسلمين

مع وجودها فالظاهر المصير فيؤجل الحر أربع سنين إن دامت نفقتها من ماله وإلا طلق عليه لعدم النفقة ويؤجل العبد نصفها سنتين من حين العجز عن خبره بالبحث عنه في الأماكن التي يظن ذهابه إليها من البلدان بأن يرسل الحاكم رسولا بكتاب لحاكم تلك الأماكن مشتمل على صفة الرجل وحرفته ونسبه . ليفتش عنه فيها ثم بعد الأجل الكائن بعد كشف الحاكم عن أمره ولم يعلم خبره اعتدت عدة كالوفاة أي كعدة الوفاة للحرة بأربعة أشهر وعشر وللأمة لشهرين وخمس ليال على ما تقدم ولو غير مدخول بها لأنه يقدر موته فلا نفقة لها فيها كما قال وسقطت بها أي فيها أي العدة النفقة ولا تحتاج الزوجة فيها أي العدة بعد فراغ الأجل لإذن من الحاكم لأن إذنه حصل بضرب الأجل أولا وليس لها البقاء أي اختيار البقاء في عصمته بعدها أي بعد الشروع فيها على المعتمد وبعد فراغها اتفاقا وقدر طلاق من المفقود حين الشروع في العدة يتبين بها عند تحقق وقوعه بدخول الزوج الثاني عليها حتى لو جاء الأول قبل دخول الثاني كان أحق وبعد الدخول بانت من الأول وتأخذ منه جميع المهر وإن لم يكن قد دخل بها التكميل فقدر هذا الطلاق بأنه لا حاجة له مع تقدير موته وحقه فائدته أنه لا تحل للأول وهو المفقود إن كان قد طلقها اثنتين إلا بعد زوج

وقال في بيان القسم الثاني من المفقود وهو مفقود في غير بلاد الإسلام ما نصه والزوجة الأسير وزوجة مفقود أرض الشرك للتعمير إن دامت نفقتها وإلا فلها التطليق كما لو خشيت الزنا وهو أي التعمير أي مدته سبعون من يوم ولد وشهرها العرب وفاقه الأعناق واختار الشيخان ثمانين وحكم بخمس وسبعين بقدر الحاجة .

المتشبث بأذيال الكرام

احقر الطلبة حسين احمد غفرله من ديوبند

في ٥ من صفر ١٣٤٧ھ

الجواب عن مسئلة المفقود

من جامع إمداد الأحكام

أما بعد فإني أحمد الله الحكم الذي لا إله إلا هو وأصلي وأسلم على سيدنا النبي

محمد سيد الرسل وخيرة إليه من خلقه وعلى آله وأصحابه البررة الكرام إلى يوم القيامة .

وأما مسئلة زوجة المفقود فسمعت سيدي حكيم الأمة دام مجده وعلاه أنه رأى فتوى بخط حضرة شيخ وقته مولانا الكنكوهي قدس الله سره وتصحيحه بخطه حتى المرخة وهي منقولة بعد جوابي وفيها صحح الشيخ رحمه الله بكون ذلك مقيدا بحكم الحاكم نعم قد أطلق القول في ذلك مولانا عبد الحي رحمه الله في فتاواه وقال: إن امرأة المفقود تتربص أربع سنين ثم تعتد بعد ذلك عدة الوفاة . ولنا فيه نظر لكون المدار في ذلك على الإفتاء بمذهب مالك وليس مذهبه كذلك مطلقا كما صرح به في المدونة . وأما قولكم أطال الله بقاءكم إن المدونة وإن كانت من الكتب القديمة المعتبرة لدى المالكية ولكنها غير معتنى بها الخ — فيخالفه قول الحافظ ابن حجر في تعجيل المنفعة (ص۵) ولهذا ليس الأمر عند المالكية كما ذكر الحسيني أن الموطأ لمالك هو مذهبه الذي يدين الله به أتباعه ويقلدونه) بل اعتمادهم في الأحكام والفتوى على ما رواه ابن القاسم عن مالك سواء وافق ما في الموطأ أم لا الخ ولا يخفى أن رواية ابن القاسم عن مالك هو ما في المدونة لسحنون وأيضا فإن عبارة المدونة صريحة في أن امرأة المفقود لا تعتد إلا أربع سنين في قول مالك بغير أمر السلطان وإن أقامت عشرين سنة ثم رفعت أمرها إلى السلطان نظر فيها . وكتب إلى موضعه الذي خرج إليه فإذا يئس منه ضرب لها من تلك الساعة أربع سنين الخ[1] . وعبارة مختصر الخليل وشرحه ليست بصريحة في خلاف ذلك أيضا لاعتبار الأربع سنين من وقت فقده لا من وقت الرفع . وأما قولكم وكيفما كان فإن المقصد من عبارة المدونة تحقيق الفقد الخ فلا سبيل لنا إلى ذلك ما لم ينص عليه الإمام أو أحد من أصحابه لاحتمال أن يكون وجه ذلك أن المعتبر هو الرفع إلى السلطان دون غيره كما قال علماؤنا إن المعتبر البينة واليمين ما

---

[1] فلينظر الفتوى التي رأيتها للشيخ بالإطلاق هل هي مكتوبة بخطه أو خط غيره فإن المعتمد عليها هي التي تكون بخطه ـ منه

يكون منهما بين يدى القاضى فى مجلس حكمه دون ما سواه كيف لا وقد قال مالك
رحمه الله وإن أقامت عشرين سنة ثم رفعت أمرها إلى السلطان تفحص فيها الخ ولا يخفى
أن بمضى تلك المدة الطويلة لا يكون الفحص فيها إلى جماعة المسلمين من صالحى
بلدها الذين تفقدوه بما يشترطونه فلو كان الرفع إلى جماعة المسلمين محتاجا عنده
لم يعتن ما قال لوجود الرفع إلى الجماعة فى تلك المدة بلا شك وأما قولكم قد صرحت
المالكية أن المرأة إنما تؤمر بالتأجيل إن كان لديها نفقة من زوجها وإلا فيحكم
عليها بالطلاق بمجرد الرفع ففيه أنا لا ننكر ذلك ولكن الكلام فى أن الحاكم عليها
بالطلاق من هو والرفع المعتبر حيث هو والذى تحصل لنا من المدونة أن الرفع
لا يصح إلا إلى السلطان (أو من حكمه نائبه) وهو الذى يؤجل لها الأجل ويقع باجتهاده
الطلاق عليها والله أعلم وبعد ذلك كله فقد صرح فى المدونة وفى المقدمات
لابن رشد أن المفقود فى بلاد الحرب حكمه حكم الأسير لا تتزوج امرأته ولا يقسم ماله
حتى يعلم موته أو يأتى عليه من الزمان ما لا يحيى إلى مثله فى قول المالكية كلهم
حاشا أشهب اهـ (ملخصا) فكيف يجوز الإفتاء بأن تحدد الأربع سنين من وقت الفقد
أو الرفع إلى جماعة المسلمين فى الهند مع كونها دار الحرب فليس ذلك من مذهب
مالك فى شئ والذى ذكره فى مختصر الخليل وشرحه أن زوجة مفقود أرض الحرب إن لم
يكن لها نفقة من زوجها فلها التطليق فهذا إذا كانت الزوجة فى دار الإسلام وفقد
الزوج فى أرض الحرب كما هو ظاهر ما ذكروه فى عدة التعمير وأما إذا كان الزوج والزوجة
كلاهما من أهل أرض الحرب فلم نر فيه نقلا عن المالكية ولا يجوز الإفتاء بالقياس فى
مذهب الغير هذا ما للأزهر فى هذه المسئلة الاستفتاء من علماء المالكية بالعربى ثم
أعرف بمذهب مالك من معشر الحنفية فيستفسر منهم حكم زوجة المفقود فى
دار الحرب كالهند وهل يضرب لها الأجل أربع سنين أم لا فتتزوج حتى يأتى عليه من
الزمان ما لا يحيى إلى مثله وإن الرفع لا بد وأن يكون لدى القاضى أو الحاكم أو يكتفى
إلى جماعة المسلمين أو المحكم أيضا فيفتى بمثل فتواهم . والله تعالى أعلم

حرره الأحقر حسينا ومكرره الأحقر ظفر أحمد عفا عنه

٩ رمضان سنة ١٣٤٧هـ

التتمة الأولى: ثم راجعت شرح الزرقاني على الموطأ وهو من متأخري المالكية من أصحاب القرن الحادي عشر فوجدته قد قال في شرح حديث مالك عن يحيى بن سعيد عن ابن المسيب أن عمر بن الخطابؓ قال: أيما امرأة فقدت زوجها فلم تدر أين هو فإنها تنتظر أربع سنين الخ ما نصه: تنتظر أربع سنين من العجز عن خبره لأنها نهاية أمد الحمل ولأنها التي تبلغها المكاتبة في بلاد الإسلام سيرًا ورجوعًا وضعف الأول بقول مالك لو أقامت عشرين سنة ثم رفعت يستأنف لها الأجل وبأنها إذا كانت صغيرة أو آيسة أو الزوج صغيرًا تضرب الأربع ولا حمل منها والثاني بقول مالك أيضًا تستأنف الأربع من بعد اليأس وابتداؤها من يوم الرفع ولو رجع الكاشف بعد سنة انتظرت تمام الأربع ولو كانت العلة كونها أمد الكشف لم تنتظر تمامها وقيل: لا علة له إلا الاتباع واستحسن اھ ([illegible])

قلت: وبهذا ظهر ضعف العلة التي ذكرتموها أن مراد المدونة أن أمر المفقود لا يتم شرعًا أي لا يعتبر فقده الشرعي إلا بعد مساعي السلاطين ومن ناب منابهم اھ بل الظاهر أن علة الاتباع لا غير- وفي الزرقاني أيضًا: في الفرق بين امرأة المفقود وبين التي بلغها طلاق زوجها وهو غائب أن الأولى تفوت على الزوج الأول بدخول الثاني والثانية لا تفوت بدخوله على رأي اللخمي وعلل الفرق بأنه لم يكن في هذه (أي التي بلغها طلاق زوجها) أمر ولا قضية من حاكم بخلاف امرأة المفقود اھ ([illegible]) وهذا يدل على أن أمر الحاكم وقضيته في امرأة المفقود أمر متفق عليه عند المالكية فإن الفرق لا يصلح إلا بالمتفق عليه كما هو ظاهر- والله تعالى أعلم وهو أيضًا مقتضى القياس- في رد المحتار: عن واقعات المفتين معزيًا للقنية أنه إنما يحكم بموته بالقضاء لأنه أمر محتمل فما لم ينضم إليه القضاء لا يكون حجة اھ والقضاء الذي هو حجة إنما هو قضاء القاضي أو نائبه دون جماعة المسلمين من صالحي البلد كما لا يخفى فإن جماعة المسلمين لا ولاية لهم على أحد بخلاف القاضي أو نائبه.

نقل جواب مسئلہ مفقود از حضرت مولانا گنگوہی چوں از قاضی عبدالحق حاصل شد و حضرت حکیم الامت خط مولانا شناختہ این فتویٰ را در امداد الفتاوی ملحق ساختہ۔

یہ فتویٰ رسالہ الامداد۔ ماہ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ ج ۔ ۲ عدد ۱ صفحہ ۸ میں طبع ہو چکا اور اس کا اصل مسودہ امداد الفتاوی قلمی میں موجود ہے۔

جس وقت سے کہ خبر زوج کی گم ہے کہ بعد تحقیق اس کا کہیں نشان نہیں ملا اس وقت سے کامل چار سال گزر کے حاکم مسلمان تفریق کر دے بعد تفریق کے دس روز اور چار ماہ وہ عورت عدت کرے اور پھر نکاح دوسرے سے کر دیا جائے۔ یہ مذہب امام مالکؒ کا ہے اس پر فتویٰ اس وقت میں دیا جاتا ہے واللہ اعلم۔

کتبہ الاحقر رشید احمد عفی عنہ گنگوہی

مہر

قلت: وفيه تصريح باشتراط قضاء القاضي للتفريق وبان الاربع سنين تبتدئ من وقت اليأس عن المفقود وبعد التفتيش عنه بقي ان هذا التفتيش يكفي من آحاد المسلمين او لابد من تفتيش الحاكم بعد المرافعة. فكلام الشيخ ساكت عنه و صريح كلام المدونة بالشق الثاني ولم نر في كتب المالكية ما يخالفه صريحا فهو المعتمد حتى يحدث الله بعد ذلك أمراً. والسلام ظفر احمد عفا عنه

التتمة الثانية: فإن قيل: لو أقامت حكومة الهند مسلميها قضاة مسلمين لفصل المقدمات التي يحتاج فيها إلى قضاء القاضي فهل لا يجوز لهؤلاء القضاة الحكم بمذهب مالك في امرأة المفقود كما هو ظاهر ما ذكرته عن المدونة والمقدمات لابن رشد أن العقد او الاربع سنين انما هو لزوجة مفقود دار الاسلام دون دار الحرب بل لها التعمير اي تربص زمان لا يحيى إلى مثله وهو سبعون سنة. قلنا: لو وجد في الهند قضاة مسلمون كما هو المسئول من الحكومة ورجوا الله تعالى الظفر به فلا حاجة لنا إذن بالقضاء بمذهب مالك بل يقضي القضاة بمذهب أبي حنيفة المختار للزيلعي وهو أن ضرب الأجل فيه مفوض إلى رأي الإمام ولا تقدير فيه في ظاهر الرواية كما في الينابيع قال في الفتح: فأي وقت رأى المصلحة حكم بموته (شامی ج۳) وايضا فمسألة الفرق بين مفقود دار الاسلام ومفقود دار الحرب عند مالك كونه في دار العدو ولا يستطيع الولي

أن يستخبر عنه في أرض العدو فليس هو بمنزلة من فقد في دار الإسلام كما هو في المدونة (محشی) وإذا وجدت في دار الحرب قضاة مسلمون انتفت علة الفرق فالظاهر كون حكمهما سواء وأيضا فما ذكرناه عن المدونة والمقدمات من الفرق بين مفقود دار الإسلام ودار الحرب صورته أن يكون المفقود في أرض الحرب وزوجته في دار الإسلام وأما إن كان كلاهما في أرض الحرب فلم نجد في ذلك نقلا عن المالكية وأيضا إذا أقام ملك دار الحرب لأهلها المسلمين قضاة منهم فهل لا يصح القول بكونها دار الحرب إلا على قول البعض وعند بعضهم تصير بذلك أرض الإسلام هذا - ولله الحمد على متواتر إحسانه والإنعام وعلى سيدنا النبي محمد صلى الله عليه وسلم أفضل الصلاة وأزكى السلام وعلى آله وأصحابه البررة الكرام إلى يوم القيام حل إلى بناء دار السلام.

حکم زوجۂ مفقود وتحقیق مذہب مالکیہ

سوال: سیدی و مولائی المحترم - ذات معالیکم - أقدم إلیکم تحیات سنیها سید الأنام علیه وعلی آله وصحبه الصلوة والسلام، وإظهار غایة الاشتیاق للثم الأنامل الأکارم فالمعروض على سمو مقامکم أني كنت أرسلت حسب الأمر السامي استفتاء إلى علماء المالكية بالمدينة المنورة سابقا فجاء الجواب المشتمل المطوي في هذا الظرف فذلك مرسل إلى سيادتكم حتى تنظروا فيه فتفيدونا بما يترجح لديكم الإفتاء وارسلوا لنا بعينه حتى يكون سندا لدينا - هؤلاء يصرحون بأن الحكم في هذه الديار كالحكم بالديار الإسلامية للمفاقيد وأزواجهم وحيث أن أكثر المفاقيد لا يرسلون نفقة لأزواجهم وفي غالب الأحيان يخشى عليهن من الفتن ما لا يخفى على مثل جنابكم فهل يصح أن يفتى بالتطليق أم لا؟ - حسین احمد غفر له

الجواب: از ناکارہ اشرف علی عفی عنہ بخدمت بابرکت مکرمی معظمی دام فیضہم۔

السلام علیکم زید عنایتہ۔ مجھ کو علم کافی تو کبھی بھی حاصل نہیں ہوا اور جب سے علم ظاہری کی خدمت سے محروم ہوں وہ ناتمام علم بھی اور زیادہ ناتمام ہو گیا اس لیے مولوی ظفر احمد کو سب سوال و جواب دیدیے ان کی تحریر پیش خدمت ہے اور وہ تحریر میرے بھی جی کو لگتی ہے۔ واللہ اعلم۔

(بقیہ سوال بالا)

حيث أن سادتنا الفقهاء أفتوا بمذهب المالكية في زوجة المفقود لأجل الشدائد والفتن الواقعة في زماننا وقد رأينا الافتاء بتربص اربع سنين بعد العرض على الحاكم أو جماعة المسلمين ثم تفتيشهم ثم حكمهم بالتربص المذكور ثم عدتها عدة الوفاة مرارًا لا تتضمن ولا تغني عن حرج ولا يندفع المضرة فلم لا يفتى بالتعليق كما هو مصرح في كتب المالكية ونصوصهم مقدمة بين أيديكم.

سيدي منذ مدة مديدة أشتهي الحضور عند الجناب ولكن الزمان لا يساعدني حيث إن الأوان أوان آخر السنة والكتب المعهودة الدراسة لم تصل إلى نهايتها بل بقي لها مقدار عظيم. وبناءً على ذهاب الكثير من الأوقات الخارجة في التدريس حتى بعد العشاء ومع ذلك فإن شاء الله تعالى أحضر لدى الحضرة في المستقبل وعليه التكلان والرجاء أن لا تنسوا هذا العبد من الدعوات الصالحة فإنه في غاية من الاحتياج إلى دعواتكم وأنظاركم العلية ونتوقع منكم الجواب. لا زلتم مركز الآمال آمين

سائل بالا

الجواب: میں لطف و عنایت کا شکر گزار ہوں، گو شکر گزاری سے بھی معذور ہوں اور اس کے صلہ میں بجز دعا کے کیا کر سکتا ہوں۔ اگر معذور نہ ہوتا تو خود حاضر ہو کر شکر گزاری کرتا۔ آپ کی زیارت کو سعادت سمجھتا ہوں مگر کوئی حرج یا کلفت بھی گوارا نہیں مجبور ہوں اس لئے تشریف فرمایا جائے تو زہے قسمت۔ اگر وقت معلوم ہو جائے تو اسٹیشن پر حاضر ہوں اب تو بہت قریب ہو گیا ہے۔ باقی دعا کی استدعا کرتا ہوں۔ والسلام

اشرف علی

فتاویٰ علماءِ مالکیہ از مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفاً وتوقیراً

متعلقہ زوجۃ المفقود

استفتاء

ما قول ساداتنا المالكية أطال بقاءهم ونفع المسلمين بعلومهم، آمين في هذه المسائل الآتية:

(١) امرأة مسلمة فقدت زوجها منذ سنين ولم يتبين أمره مع كثرة التفتيش التنقير هل يجوز لها بعد مضي أربع سنين أن تعتد عدة الوفاة ثم تتزوج بزوج آخر أم لابد من رفع الأمر إلى الوالي أو الحاكم أو جماعة المسلمين ثم تفتيش ذلك المرفوع إليه فإذا يئس يحكم بعد ذلك بانتظارها أربع سنين فإن لم يتبين تعتد عدة الوفاة كما يفهم من المدونة ومختصر الخليل وشرحه للدردير أم كيف الحكم؟

(٢) هل يلزم حكم الحاكم أو حكم جماعة المسلمين لانتظار أربع سنين أم يصح ذلك بغير الحكم أيضاً؟

(٣) بلاد إسلامية استولى عليها الكفار منذ مدة مديدة وفقدت مسلمة من أهلها زوجها فيها وليس هنالك حاكم إسلامي يفصل الأحكام بحسب القوانين الشرعية فكيف السبيل لها هنالك؟ وفي أي قسم من الأقسام الأربعة المذكورة للمفقود في مختصر الخليل يكون هذا؟ وهل يصح للمرأة هنالك بعد مضي أربع سنين أن تعتد عدة الوفاة ثم تتزوج أم سبيلها التعمير فقط؟

(٤) هل الصورة الثانية للمفقود المذكورة في مختصر الخليل تختص بامرأة كانت من سكان البلاد الإسلامية فذهب زوجها إلى البلاد الشركية ففقد هنالك أم تشمل القاطنة بالبلاد التي استولى عليها الكفار وبالديار الحربية الأصلية أم كيف الأمر؟

(٥) المفقود عنها زوجها سواء كانت من البلاد الإسلامية أو الشركية إذا لم يترك زوجها عندها نفقة وهي في غاية من الاحتياج والفاقة أو كانت بحيث يخشى عليها الفساد بالعزوبة كيف السبيل لها إذا أرادت التزوج أو أراد أهلها ذلك؟

(٦) المفقود عنها زوجها إذا لم يكن عندها النفقة وهي محتاجة أو يخشى عليها من الفساد هل يصح تطليقها أو فسخ نكاحها بغير حكم الحاكم الشرعي أم لا بد من الحكم؟ وعلى الثاني كيف يعمل بالبلاد الإسلامية التي تغلب عليها الكفار؟ أفيدونا ولكم الأجر الجزيل.

الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم. الحمد لله والصلاة والسلام على رسوله وآله

أما بعد: فالجواب عن المسألة الأولى هو ما فهمتم لا زلتم من أهل الفهوم من المدونة ومختصر الشيخ خليل من أن المفقود عنها زوجها لا بد لها من أحد الأمرين إما أن ترضى المقام مع زوجها المفقود أو تريد المفارقة فإن أرادتها فلا بد لها من رفع أمرها إما إلى القاضي أو إلى الوالي أو إلى والي الماء وإن لم يوجدوا فلجماعة المسلمين من صالحي بلدها وجيرانها وإما أنها تعتد أو تتزوج برجل آخر من غير رفع أمرها إلى القاضي أو من ذكر فلا قائل بحليته وجوازه وما فيه ما لا يخفى من الفسا ونص المدونة قلت: أي قال سحنون لابن القاسم أرأيت امرأة المفقود أتعتد الأربع سنين في قول مالك بغير أمر السلطان؟ قال مالك: لا. قال مالك: وإن أقامت عشرين سنة ثم رفعت أمرها إلى السلطان نظر فيها وكتب إلى موضعه الذي خرج إليه فإن يئس منه ضرب لها من تلك الساعة أربع سنين، فقيل لمالك: أتعتد بعد الأربع سنين أربعة أشهر وعشرا عدة الوفاة من غير أن يأمرها السلطان بذلك؟ قال: نعم ما لها وما للسلطان في الأربعة أشهر وعشر التي هي عدة. ونص المختصر ولزوجة المفقود ؛ ش ؛ وهو من غاب في بلاد الإسلام وانقطع خبره وأمكن الكشف عنه: الرفع للقاضي والوالي ؛ ش ؛ أي وحاكم البلاد ووالي الماء ؛ الساعي لطلب الزكاة ؛ وإلا فلجماعة المسلمين ؛ ش ؛ ولها عدم الرفع والبقاء في عصمته حتى يتضح أمره فيؤجل الحر أربع سنين إن دامت نفقتها ؛ ش ؛ فإن لم تدم نفقتها فلها التطليق بلا تأجيل وكذا إن خشيت على نفسها الفساد من يوم العجز عن خبره ثم اعتدت كالوفاة وسقطت بها النفقة ودليل ذلك ما رواه مالك عن يحيى بن سعيد عن سعيد بن المسيب عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه أنه قال: أيما امرأة فقدت

زوجها ولم تدر أين هو فإنها تنتظر أربع سنين ثم تعتد أربع أشهر وعشرا ثم تحل وما روى ابن وهب عن عبد الجبار عن ابن شهاب أن عمر بن الخطاب رضي الله عنه ضرب للمفقود من يوم جاءت أربع سنين ثم أمرها أن تعتد عدة المتوفى عنها زوجها ثم تصنع في نفسها ما شاءت إذا انقضت عدتها وفي الحديث لا ضرر ولا اضرار.

أما المسألة الثانية فجوابها يعلم مما قبلها وهو قول مالك رح: لا تعتد الاربع سنين بغير أمر السلطان ونقل القاضي ابن فرحون في كتاب تبصرة الحكام في أصول الأقضية ومناهج الأحكام في فصل ما يفتقر إلى حكم الحاكم على أن التطليق على الغائبين وغيرهم لا بد فيه من حكم الحاكم -

أما المسألة الثالثة: فجوابها والله أعلم أن المرأة المسلمة التي فقدت زوجها في بلاد استولت عليها الكفار مدة مديدة كما في مصر والشام والهند تعتد أربع سنين ثم تعتد عدة الوفاة أربعة أشهر وعشرا وزوجها يكون في هذا القسم الأول من أقسام المفقود لأنهم عرفوه بأنه من غاب وانقطع خبره وأمكن الكشف عنه وعرفوا القسم الثاني وهو المفقود في أرض الحرب بأنه من غاب وانقطع خبره ولم يمكن الكشف عنه لأنه فقد في أرض الحرب أما البلاد المذكورة وإن كان حاكمها كافرا فلا تكون كأرض حرب من كل وجه لوجود قضاة المسلمين فيها وولاتها وإمكان الكشف عنه فاتضح بهذا أن حكمها حكم من فقدت زوجها ببلاد الإسلام فلا تنتظر مدة التعمير -

وأما المسألة الرابعة: فيفهم جوابها مما قبلها أيضا وهو أنه لا فرق بين المفقود في أرض الإسلام وبين المفقود في البلاد المستعمرة لما قدمنا من وجود قضاة المسلمين فيها وولاتها وإمكان الكشف عنه فعلى هذا لا تختص الصورة الثانية المذكورة في المختصر بالمسلمة الكائنة في بلاد الإسلام بل تشمل من كانت في البلاد المستعمرة لكن لما قدمنا من أن المراد بالتركية البلاد الحربية التي لا يمكن للمسلم الوصول إليها فلا تتمكن القضاة من التفتيش فيها لا مطلق البلاد الكفرية لأنها ربما تكون مسلمة أو ذمية وأما القاطنة بالبلاد التركية الحربية فحكمها هي وزوجها حكم المسبيين فيفديها الإمام من بيت المال إن كان وإلا فمن ماله بالغا ما بلغ وإلا فعلى جميع المسلمين.

وأما المسألة الخامسة: فجوابها أن المفقود عنها إذا لم يترك لها نفقة واحتاجت

غاية الاحتياج أو خافت على نفسها الزنى فإن لها التطليق بلا تأجيل كما هو مفهوم الشرط في قول الشيخ خليل في مسألة المفقود «ويؤجل أربع سنين إن دامت نفقتها» قال شراحه ما نصه فإن لم تدم نفقتها أو خشيت الفساد فلها التطليق بلا تأجيل فترفع أمرها إلى الحاكم وتثبت عدم النفقة والاحتياج بما يثبت به فإما أن يطلق الحاكم بنفسه أو يأمرها بالتطليق وهو قول الشيخ خليل فهل يطلق الحاكم أو يأمرها به؟ قولان وأما إرادة أهلها تزويجها فلا عبرة به ما لم تطلب الفراق بنفسها إلا أن تكون سفيهة فيقوم وليها مقامها إذا تحقق لديه ضررها.

وأما المسألة الثالثة فجوابها أنه لا يجوز لمن لم يكن عندها نفقة أو من خشيت الفساد من النساء أن تطلق نفسها قبل ثبوت ضررها عند الحاكم سواء عدمت النفقة أو خشيت الفساد لما تقدم في الجواب عن المسألة الأولى من جواب مالك وما تقدم في الجواب عن المسألة الثانية وهو قول قاضي المدينة ابن فرحون في تبصرته أن التطليق على الغائبين وغيرهم ممن يفتقر إلى حكم الحاكم فلابد من ثبوت ضررها عند الحاكم فإما أن يطلق الحاكم وإما أن يأمرها بتطليق نفسها وهو قولان مشهوران لكن القول الثاني أقوى لقول رسول الله صلى الله عليه وسلم لبريرة لما عتقت أنت أملك بنفسك إن شئت أقمت مع زوجك وإن شئت فارقته.

وأما قولكم وعلى الثاني كيف يعمل فالجواب عنه أن أحكام قضاتهم نافذة ماضية وإن كانت توليتهم صادرة من الكفار بالغلبة وبهذا أفتى الإمام أبو عبد الله المازري لما سئل عن أحكام ما أتى في زمنه من صقلية من عند قاضيها أو شهود عدولها فأجاب جوابا طويلا إلى أن قال: وأما الوجه الثاني وهو تولية الكافر للقضاة والأمناء لحجز الناس بعضهم عن بعض فقد ادعى بعض أهل المذهب أنه واجب عقلا وإن كان باطلا فتولية الكافر لهذا القاضي إما بطلب الرعية له وإقامته لهم فهو لذلك فلا يطرح حكمه وينفذ كما لو ولاه سلطان مسلم. وفي كتاب الأيمان في مسألة الحالف لأقضينك حقك إلى أجل أقام صالحي المكان مقام السلطان عند فقده لما يخاف من فوات القضية وعن مطرف وابن الماجشون فيمن خرج على الإمام وغلب على بلد فولى قاضيا عدلا فأحكامه نافذة. انتهى وفي كتاب بيان وجوب الهجرة للشيخ عثمان فودي الفلاني المالكي ما نصه: وتولية

الكافر للقاضي باطلة ومع ذلك لا يقدح في تنفيذ أحكامه إذ جبر الناس بعضهم عن بعض واجب وفي ذلك يقول الناظم:

تولية الكافر للقضاة باطلة والحكم ذو اثبات لأن جبر الناس بعضهم على
بعض محتم كما قد اطلق.

قلت: اقل أحوالهم أن يكونوا كالمحكمين أو بمنزلة جماعة المسلمين فقد تقدم أن المفقود زوجها ترفع أمرها للقاضي أو للوالي وإن لم يجدوا فلجماعة المسلمين.
والعلم عند الله وصلى الله على سيدنا محمد وآله وسلم

أمر بكتابته محمد الطيب ابن اسحاق الأنصاري

الجواب

فتویٰ مالکیہ مرسلہ کو دیکھ کر اس امر میں تو اطمینان ہو گیا کہ مالکیہ کے نزدیک دارالاسلام میں جماعۃ المسلمین اور جیران صالحین کی طرف مرافعہ بھی مثل مرافعہ الی السلطان کے ہے مگر کتب مالکیہ کی نصوص سے صراحۃً یہ معلوم ہو رہا ہے کہ مرافعہ الی السلطان او من فی حکمہ اور تطلیق و ضرب اجل زوجۂ مفقود دارالاسلام کے لئے خاص ہے اور زوجۂ مفقود دار الحرب کے لئے صرف تعمیر ہے۔ اس کے بارہ میں مفتی مالکیہ نے فتویٰ مرسلہ میں محض اپنے قیاس سے بدون کسی نص مذہب کے حوالہ کے ہندوستان، مصر و شام کو بحکم دارالاسلام قرار دے کر ان بلاد میں بھی زوجۂ مفقود کو مثل زوجۂ مفقود دارالاسلام کے قرار دیا ہے۔ سو اولاً تو آجکل کے علماء کا قیاس حجت نہیں۔ دوسرے علت اس کی یہ بیان کی ہے "لوجود القضاة المسلمين فيها وولاتهم وامكان الكشف فيه"۔ اور علت ہندوستان میں مفقود ہے کیونکہ یہاں قضاۃ[عہ] و ولاۃ مسلمین موجود نہیں اور انگریزی عدالتوں میں جو حکام مسلمین موجود ہیں وہ مسئلہ مفقود و امثالہ من مسائل الطلاق والنکاح وغیرہ میں قانون انگریزی کے پابند ہیں قانون اسلامی کے موافق فیصلے کے مجاز نہیں۔ تو وجودہم کالعدم۔ البتہ اگر گورنمنٹ

[عہ] لو بيان المقدار فالاصل امكان الكشف وهي موجودة في الهند وان لم يكن لنا فيها قضاة وولاة مسلمون ولا نسلم امكان الكشف بدون القضاة والولاة فإن العامة لا يتيسر لها من أسباب الكشف ما يتيسر لهم كما لا يخفى فإن عمال الحكومة إن أمروا بالكشف عن أحد ولو كان مختفيا من كل وجه يكشفونه بالجهد البليغ والعامة لا يجدون وإن جهدوا ولا يقدرون كما هو مشاهد - منه

ہندوستان میں بھی محکمۂ قضا کو قائم کر دے اور قضاۃ کو ان مسائل میں قانونِ اسلام پر فیصلہ کا اختیار دے تو بے شک ہندوستان کے مفقود کو بحکم مفقود دار الاسلام کہنا صحیح ہوگا پس ہندوستان میں مذہب مالکؒ کے موافق زوجہ مفقود کے لئے تطلیق و ضرب اجل متصور نہیں وھذا ما قلناه قبل و نشکرکم علی ما مننتم به علینا من تجشم الاستفتاء من مالکیة الحرم النبوی لازلتم غوثاً للمسلمین وغیاثاً للمسترشدین۔ والسلام

حررہ خویدم ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۵؍ جمادی الثانی ۵۷ھ

(نوٹ) اس کے بعد مولانا حسین احمد صاحبؒ مالکیہ کے دوسرے فتاویٰ بھیجے ہیں۔ جو درج ذیل ہیں۔ ظفر

استفتاء

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۰

ما قول سادة ائمتنا المالكية اطال الله بقاءهم ونفع المسلمين بعلومهم في هذه المسائل الآتية :

(۱) امرأة مسلمة فقدت زوجها منذ سنين ولم يتبين امره مع كثرة التفتيش والتنقير هل يجوز لها بعد مضي أربع سنين أن تعتد عدة الوفاة ثم تتزوج بزوج آخر ام لابد من رفع الامر الى الوالي أو الحاكم أو جماعة المسلمين ثم تفتيش ذلك المرفوع اليه فاذا يئس يحكم بعد ذلك بانتظارها أربع سنين فان لم يتبين تعتد عدة الوفاة كما يفهم من المدونة ومختصر الخليل وشرحه للدردير أم كيف الحكم؟

(۲) هل يلزم حكم الحاكم أو حكم جماعة المسلمين لانتظار أربع سنين ام يصح ذلك بغير الحكم ايضاً؟

(۳) بلاد اسلامية استولى عليها الكفار منذ مدة مديدة وفقدت مسلمة عنها زوجها فيها وليس هناك حاكم اسلامي يفصل الاحكام حسب القوانين الشرعية فكيف السبيل لها هنالك؟ وفي أي قسم من الاقسام الاربعة المذكورة للمفقود في

مختصر الخليل يكون عداده ؟ وهل يصح للمرأة هناك بعد مضي اربع سنين ان تعتد عدة الوفاة ثم تتزوج أم سبيلها التعمير فقط ؟

(٤) هل الصورة الثانية للمفقود المذكورة في مختصر الخليل تختص بامرأة كانت من سكان البلاد الاسلامية فذهب زوجها إلى البلاد الشركية ففقد هناك أم تشمل القاطنة بالبلاد التي استولى عليها الكفار وبالديار الحربية الأصلية أم كيف الأمر ؟

(٥) المفقود عنها زوجها سواء كانت من البلاد الاسلامية أو الشركية اذا لم يترك زوجها عندها نفقة وهي في غاية من الاحتياج والفاقة أو كانت بحيث يخشى عليها الفساد بالعزوبية فكيف السبيل لها إذا أرادت التزوج أو أراد أهلها ذلك ؟

(٦) المفقود عنها زوجها اذا لم يكن عندها النفقة وهي محتاجة أو يخشى عليها من الفساد وهل يصح تطليقها أو فسخ نكاحها بغير حكم الحاكم الشرعي أم لابد من الحكم وعلى الثاني فكيف يعمل بالبلاد الاسلامية التي تغلب عليها الكفار ؟ أفيدونا ولكم الأجر الجزيل

فتویٰ علامہ سعید بن صدیق مالکی مفتی مالکیہ مدینہ منورہ

الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم

(١) الجواب ، والله أعلم بالصواب ومن فضله نرتجي الثواب هو أن نصوص المذهب مطبقة على أن المفقود على ستة أقسام كما ستمر مفصلة الأحكام وعلى أن زوجته لابد لها من الرفع إلى القاضي أو الوالي أو من يقوم مقامهما عند عدمهما من والي الماء أو جماعة المسلمين لأنهم يقومون مقام الحاكم العدل عند عدمه ولكن عند وجود الثلاثة لا ترفع إلا للقاضي فان رفعت لغيره مع التمكن من الرفع لم يحرم عليها ذلك وان مضى ما فعله ان كان

هو الوالى لا جماعة المسلمين. هذا ما يظهر من كلام ابن عرفة كما قاله الأجهورى وأما لو رفعت لجماعة المسلمين مع وجود الوالى فالظاهر مضى فعلهم وفى العدوى وتبعه اللقانى أن ظاهر كلام خليل ان الثلاثة فى مرتبة واحدة الا أن القاضى أضبط ووجود القاضى أو غيره ممن ذكر مع كونه يجوز أو يأخذ المال الكثير بمنزلة عدمه فترفع لجماعة المسلمين من صالحى جيرانها وعدولهم وغيرهم لانهم كالامام عند عدمه وما يفهم من تعبيرهم بجماعة المسلمين ان الواحد لا يكفى وكذا الاثنان وبه صرح الأجهورى فعلم أنها إن أرادت الرفع فى شأن زوجها ووجدت الثلاثة وجب الرفع للقاضى فان رفعت لغيره حرم وصح و ان رفعت لجماعة المسلمين لم يصح وإن لم يكن قاض خيرت فيهما فان رفعت لجماعة المسلمين صح على الظاهر وان لم يوجد واحد من الثلاثة رفعت لجماعة المسلمين. وأما إمامهم وكذا القضاة والأمناء المولون للأحكام من الكفار المتولين على بلاد المسلمين لعجز الناس بعضهم عن بعض وقد ادعى أهل المذهب أنه واجب عقلا وإن كان باطلا تولية الكافر لهؤلاء القضاة إما بطلب الرعية له أو إقامته لهم للضرورة لذلك فلا يطرح حكمهم بل ينفذ كما لو ولاهم سلطان مسلم فتمضى أحكامهم للضرورة ولئلا يزهد الناس فى قبول توليتهم فتضيع الحقوق وفى كتاب الأيمان فى مسئلة الحالف ليقضينك حقك إلى أجل أقام شيوخ المكان مقام السلطان عند فقده لما يخاف من فوات القضية وعن مطرف وابن الماجشون فيمن خرج على الإمام وغلب على بلد فولى قاضيا عدلا فأحكامه نافذة وقال ابن عرفة لم يجعلوا قبول الولاية للمتغلب المخالف للإمام جرحة لخوف تعطيل الأحكام.

(٢) وأما المفقود فى بلاد الاسلام فقد عرفه ابن عرفة بقوله هو من انقطع خبره ممكن الكشف عنه فالأسير ونحوه ممن لا يمكن الكشف عنه لا يسمى مفقودا فى إصطلاح الفقهاء فالمفقود فى بلاد الاسلام فى غير مجاعة ولا وباء إن لم ترض زوجته بالصبر إلى قدومه فلها أن ترفع أمرها إلى الخليفة أو القاضى أو من يقوم مقامهما فى عدمهما ليفحصوا عن حال زوجها بعد أن

تثبت الزوجية وغيبة الزوج والبقاء في العصمة إلى الآن فإذا أثبت ذلك عندهم كتبوا كتاباً مشتملاً على اسمه ونسبه وصفته إلى حاكم البلد الذي يظن وجوده فيه وإن لم يظن وجوده في بلد بعينه كتب إلى البلد الجامع واستصوب ابن ناجي ان أجرة الرسول الذي يتفحص عن المفقود على الزوجة فإذا انتهى الكشف ورجع إليه الرسول وأخبره بعدم وقوفه على خبره فالواجب أن يضرب له أجل أربع سنين للحر وسنتان للعبد وهذا التحرير بحث قيد لفعل عمر بن الخطاب وأجمع عليه الصحابة ومحل التأجيل المذكور إن كان للمفقود مال تنفق منه المرأة على نفسها في الأجل ويزاد على ذلك عدم خشيتها الزنا بالأولى لشدة ضرر ترك الوطي الناشي عن الزنا ألا ترى أنها لو أسقطت النفقة على زوجها يلزمها الإسقاط وإن أسقطت عنه حقها في الوطء لا يلزمها ولها أن ترجع فيه وأيضاً النفقة يمكن تحصيلها من غير الزوج بتسلف ونحوه بخلاف الوطء وإن دامت النفقة ولم تخش العنت فيؤجل الأجل المذكور من يوم ترفع ذلك للحاكم ويرسل في النواحي للكشف عنه ولا يضرب له الأجل بمجرد الرفع بل بعد تمام الكشف وإلى جميع ما سبق أشار خليل بقوله ولزوجة المفقود الرفع للقاضي والوالي ووالي الماء وإلا فلجماعة المسلمين فيؤجل أربع سنين إن دامت نفقتها والعبد نصفها من العجز عن خبره ثم اعتدت كالوفاة وهي أربعة أشهر وعشراً للحرة وشهران وخمس ليال مع أيامها إن كانت رقيقة ويلزمها ما يلزم المتوفى عنها من الإحداد زمن عدتها ولا نفقة لها زمن عدتها وأما في مدة الأجل فتنفق من مال الزوج وإليه أشار خليل بقوله وسقطت بها النفقة وليس لها البقاء بعد انقضاء العدة في عصمة المفقود لأنها أبيحت لغيره ولا حجة لها في أنه أحق بها ان قدم لأنها على حكم الزوال حتى تظهر حياته إذ لو ماتت بعد العدة لم يوقف له إرث منها وأما إن لم يكن له مال فلها التطليق عليه بالإعسار من غير تأجيل لكن بعد إثباتها ما تقدم تزيد إثبات العدم واستحقاقها للنفقة وتحلف مع البينة الشاهدة لها أنها لم تقبض منه نفقة هذه المدة ولا أسقطتها عنه وبعد ذلك يمكنها الحاكم من تطليق نفسها بأن توقعه ويحكم به أو يوقعه الحاكم ومثل المفقود من علم

موضعه وشكت زوجته عدم النفقة يرسل إليه القاضي إما أن تحضر أو ترسل النفقة أو تطلقها وإلا طلقها الحاكم عليه وإن كان حاضراً وعدمت النفقة ثم بعد الطلاق تعتد عدة الطلاق بثلاثة أقراء للحرة وقرئين للأمة إن تحيض وإلا فثلاثة أشهر للحرة والزوجة الأمة لا تستوي في الأشهر.

(۳) وأما زوجة مفقود أرض الشرك ومثلها زوجة الأسير فإنه يبقى إلى انقضاء مدة التعمير وإلى متى واختلف في قدرها فقيل سبعون سنة وهو قول إمام مالك وابن القاسم وأشهب قال القاضي عبد الوهاب هو الصحيح وقيل ثمانون سنة وحكم بخمس وسبعين سنة وإنما يضرب لها أجل كزوجة مفقود أرض الإسلام لتعذر الكشف عن زوجها وهي باقية إن دامت نفقتها كثيرها وإلا فلها التطليق وأما زوجة المفقود في القتال الواقع بين المسلمين والكفار فإنها تعتد بعد مضي سنة كاملة بعد الفحص عن حاله وأما زوجة المفقود في معترك المسلمين فتعتد بعد الفراغ من القتال والاستقصاء في الكشف عنه ولا يضرب لها أجل لأنه يحمل أمره على الموت وإذ ذاك يقسم ماله حينئذ وهذا في العدة أما لو شهدت البينة على أنه خرج من الجيش ولم تشهد بحضوره في المعترك فإنه يكون كالمفقود في بلاد المسلمين فيجري في زوجته ما تقدم وأما زوجة المفقود في زمن المجاعة أو الوباء أو الكبة أو سعال فتعتد بعد ذهاب ذلك المرض وبقي من شك في حاله هل هلك في بلاد المسلمين أو بكفار لا نص في حينه. قال الأجهوري: وينبغي العمل بالأحوط فتعامل زوجته معاملة زوجة مفقود أرض الشرك بخلاف من سافر في البحر فانقطع خبره فسبيله سبيل المفقود إلا أن يكون فقد في شدة ريح وأمواج في البحر ولم يتبين له خبر فيحكم بموته لغلبة الظن بغرقه. هذا ملخص أحكام المفقود بأقسامه.

حرره ۲ جمادى الأولى [illegible]

سعيد بن صديق أحسن الله إليه في الفانية والدائمة

ومن عليه وعلى المسلمين بحسن الخاتمة

سعيد بن صديق

فتویٰ علامہ محمد الفاہاشم مالکی مفتی مالکیہ مدینہ منورہ

استفتاء

بسم الله الرحمن الرحيم

ما قول ساداتنا المالكية أطال الله بقاءهم ونفع المسلمين بعلومهم في هذه المسائل الآتية :

(١) امرأة مسلمة فقدت زوجها منذ سنين ولم يتبين أمره مع كثرة التفتيش والتفحص هل يجوز لها بعد مضى أربع سنين أن تعتد عدة الوفاة ثم تتزوج بزوج آخر أم لا بد من رفع الأمر إلى الوالي أو الحاكم أو جماعة المسلمين ثم تفتيش ذلك المرفوع إليه فإذا يئس يحكم بعد ذلك بانتظار أربع سنين فإن لم يتبين تعتد عدة الوفاة كما يفهم من المدونة ومختصر الخليل وشرحه للدردير أم كيف الحكم ؟

(٢) هل يلزم (أن يشترط) حكم الحاكم أو حكم جماعة المسلمين لانتظار أربع سنين أم يصح ذلك بغير الحكم أيضا ؟

(٣) بلاد إسلامية استولى عليها الكفار منذ مدة مديدة وفقدت مسلمة من أهلها زوجها فيها وليس هناك حاكم إسلامي ينفذ الأحكام حسب القوانين الشرعية فكيف السبيل لها هناك وفي أي قسم من الأقسام الأربعة المذكورة للمفقود في مختصر الخليل يكون مندرجا وهل يصح للمرأة هناك بعد مضى أربع سنين سنين أن تعتد عدة الوفاة ثم تتزوج أم سبيلها التعمير فقط ؟

(٤) هل الصورة الثانية للمفقود المذكورة في مختصر الخليل تختص بامرأة كانت من سكان البلاد الإسلامية فذهب زوجها إلى البلاد الحربية ففقد هنالك أم تشمل القاطنة بالبلاد التي استولى عليها الكفار وبالديار الغربية الأصلية أم كيف الأمر ؟

(٥) المفقود عنها زوجها سواء كانت من البلاد الإسلامية أو الحربية إذا لم يترك زوجها عندها نفقة وهي في غاية من الاحتياج والفاقة أو كانت بحيث يخشى عليها الفساد بالعزوبة فكيف لها إذا أرادت التزوج أو أراد أهلها ذلك ؟

(٢) المفقود عنها زوجها إذا لم يكن عنده النفقة وهي محتاجة أو يخشى عليهما من الفساد هل يصح تطليقها أو فسخ نكاحها بغير حكم الحاكم الشرعي أم لا بد من المحكمة وعلى الثاني كيف يعمل بالبلاد الإسلامية التي تغلب عليها الكفار أفيدونا ولكم الأجر الجزيل.

الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله وحده والصلاة والسلام على خير خلقه وآله وصحبه وتابع ما وصى به.

أما السؤال الأول: عن مسلمة فقدت زوجها سنين وبولغ في التفتيش عنه ليتبين فلم ينفع ذلك ولم يظهر أسالم هو أم هالك؟ فجوابه إذا كان الفقد في أرض الإسلام وله مال ينفق منه على زوجته المتروكة في المقام هو ما في الموطأ والمدونة وغيرهما عن مالك عن يحيى بن سعيد أن عمر بن الخطاب قال: أيما امرأة فقدت زوجها فلم تدر أين هو فإنها تنتظر أربع سنين ثم تعتد أربعة أشهر وعشرا ثم تحل وعن ابن وهب أن عمر حكم بذلك ورواه الأئمة مالك والشافعي وأحمد وابن أبي شيبة والبيهقي والدارقطني عن عمر وعثمان وعلي وابن عباس وابن الزبير رضي الله عنهم. وقال مالك: ينفق على امرأة المفقود من ماله في الأربع سنين لا في العدة. وقال: لا يقسم ميراث هذا المفقود حتى يأتي موته أو يبلغ من الزمان ما لا يحيى إلى مثله وهو سبعون أو خمس وسبعون أو ثمانون ذكره الشيخ خليل رضي الله عنه. قال الناظم محمد بن عاصم في تحفة الحكام:

ومن بأرض المسلمين يفتقد فأربع من السنين الأمد
وباعتداد الزوجة الحكم جرى تعبدا والمال فيه عمرا.

وقول السائل: هل تعتد نفسها بعد الأربعة الأعوام عدة الحمام أم ترفع أمرها للحكام أو جماعة الإسلام؟ فجوابه ما في المدونة لسحنون: قلت: أرأيت امرأة المفقود أتعتد الأربع في قول مالك بغير أمر السلطان؟ قال ابن القاسم: قال مالك: لا، وإن أقامت عشرين سنة ثم ذكر أنها ترفع أمرها للسلطان فيبحث عنه وبعد اليأس

يضرب أربع سنين وفي مختصر الشيخ خليل المالكي وشروحه وحواشيه أن لزوجة المفقود الرفع لقاضي والوالي ووالي الماء أي جابي الزكوة وإلا فلجماعة المسلمين قيل: أقلهم ثلاثة من العلماء أو واحد عدل عارف يرجع إليه في المهمات والرجاء. أما مفقود أرض الشرك والأسير فلا يورث مالهما ولا تنكح زوجتهما إلا بعد التعمير. وفي حاشية العدوي على الرسالة أن زوجة مفقود أرض الشرك وزوجة الأسير تبقيان مدة التعمير لتعذر الكشف من زوجيهما ان دامت نفقتهما وإلا فلهما التطليق كما إذا خشيا على أنفسهما الزنا ومثله في شرح المختصر وغيرها اعتاق ام ولده بعد مدها النفقة أيضاً دفعاً للضرر أو تتزوج بمن ينفق عليها. وفي هذا قال الناظم محمد بن عاصم: وحكم مفقود بأرض الكفر في غير حرب حكم من في الأسر تعميره في المال والطلاق ممتنع ما بقى الانفاق،

أما المفقود في حرب المسلمين بعضهم أو في زمن الطاعون فيورث وتعتد زوجته عدة الوفاة بعد انفصال الصفين ورجوع الخبر إلى البلدين وفي ذلك قال الناظم محمد بن عاصم وحكم مفقود بأرض الفتن - في المال والزوجة حكم من فني مع التلوم لأهل الملحمة - بقدر ما تنصرف المنهزمة -

وأما المفقود في حرب المسلمين للكفار فتعتد زوجته عدة الوفاة ويقسم ماعنده من التركات بعد سنة وشيء من الاستظهار وفي ذلك قال الناظم محمد بن عاصم:

وإن يكن في الحرب فالمشهور في ماله والزوجة التعمير
وفيه أقوال لهم معينة أصحها القول بضرب سنة
وقد أتى القول بضرب عام من حين يأس منه لا القيام
ويقسم المال على مماته وزوجه تعتد من وفاته
وذا به القضاء في أندلس لمن مضى فمقتفيه موتسي

أما السؤال الثاني: وهو هل يلزم حكم الحاكم أو جماعة المسلمين بانتظار الاربع سنين أو يصح بلا حكم من المذكورين فجوابه ما في شرح الدردير وحاشيته ان رفعت أمرها للقاضي يجب فان رفعت لوالي السياسة أو والي الماء الجابي الزكوة مع وجود القاضي حرم عليها ذلك وصح الحكم وإن

رفعت لجماعة المسلمين مع وجود القاضي بطل الحكم وان لم يوجد قاض خيرت في الرفع للوالي أو القاضي فإن رفعت لجماعة المسلمين مع وجودهما فالظاهر الصحة اما ان كانوا جائرين بأخذ مال منها ظلماً ليكشفوا لها عن حال زوجها فلها الرفع لجماعة المسلمين أما أجرة المبعوث لطلب الزوج فقيل على الزوجة وقيل على بيت المال، و قيل، إن كان لها مال فعليها و إلا فعلى بيت المال. وعند الحنابلة لا يفتقر ضرب المدة إلى حاكم البلدة (فائدة من المسودة زائدة) عند الحنفية لا تطلق زوجة المفقود ولا يورث ماله إلا بعد سن التعمير مائة وعشرين أو تسعين أو ثمانين أو سبعين أو ستين أو برأي حاكم المسلمين وعند الحنابلة ان كان ظاهر غيبته السلامة لا تطلق امرأته ولا يورث في تركته إلا بعد تسعين سنة وإن كان ظاهرها الهلاك فبعد أربع سنين وعند الشافعية في قول الشافعي القديم تطلق بعد أربع سنين و يورث بعد مدة لا يعيش إلى مثلها. وفي الجديد: لا تطلق ولا تورث إلا بعد ثبوت موته أو طلاقه لما رواه الشافعي عن علي رضي الله عنه امرأة المفقود ابتليت فلتصبر حتى يأتي يقين موته ولحديث امرأة المفقود امرأته حتى يأتيها البيان. رواه الدارقطني والبيهقي عن المغيرة بن شعبة لكن الشافعية والحنابلة كالمالكية في جواز تطليقها لعدم النفقة

وأما السؤال الثالث: عن مسلمة فقدت زوجها في بلاد اسلامية استولى الكفار عليها وحازوها وليس هناك حاكم اسلامي كيف تفعل إذا أرادت زواجها؟ فجوابه ما في الشرح أقرب المسالك للدردير: أن زوجة المفقود في أرض الاسلام تعتد عدة وفاة ان رفعت أمرها للحاكم ان كان ثم. أو لجماعة المسلمين عند عدمه ولو حكماً قال: كما في زماننا بمصر اذ لا حاكم فيها شرعي فيكفي الواحد من جماعة المسلمين ان كان عدلاً عارفاً شأنه أن يُرجع إليه في مهمات الأمور بين الناس لا مطلق واحد وعند الحنابلة لا تفتقر امرأة المفقود إلى حكم حاكم البلدة كما في كشاف القناع و شرح المنتهى للشيخ منصور الحنبلي، وقول السائل: وفي أي قسم للمفقود يكون هذا؟ جوابه هو أنه من الفقد في بلد الاسلام إذا كانت شعائره فيها تقام. وفي حاشية الصاوي والدسوقي أن بلاد الاسلام لا تصير دار حرب بأخذ الكفار لها

بالقسم ما دامت شعائر الإسلام قائمة بها وعليه يكون أمد عدتها عدة الوفاة بعد أربع سنين وانتهاء الكشوفات ويختص حكم المفقود بزوجته الساكنة في بلاد الإسلام أو في التي استولى عليها الكفار مع إقامة شعائر الإسلام فيها بين الأنام أما الساكنة في البلاد الحربية الأصلية فلا موالاة لنا في أمورها بالكلية.

أما السوال الرابع عن فسخ نكاح المفقود بعدم النفقة في زمن التربص والقعود فجوابه ما في شرح الدردير وعبد الباقي والخرشي وغيرها أن المفقود إنما يؤجل لامرأته ما دامت نفقتها وإلا طلقت عليه بعدم النفقة وقضى صلى الله عليه وسلم في الرجل لا يجد ما ينفق على امرأته بأن يفرق بينهما. رواه الدارقطني والبيهقي وذكره مالك والشافعي وعلماء الحنابلة عن سعيد بن المسيب وأخبر أن ذلك من السنة وعلى ذلك المالكية والشافعية والحنابلة واستحسن متأخرو الحنفية نصب غير حنفي يحكم بذلك للضرورة في حضور الزوج. ذكره صدر الشريعة والكواكبي وابن عابدين وغيرهم.

أما السوال الخامس عن فسخ نكاح امرأة المفقود بخشية الفساد والزنا فجوابه ما في حاشية العدوي على الرسالة والصاوي على أقرب المسالك وشرحه للدردير أن ضرب الأجل لامرأة المفقود إنما هو إذا دامت نفقتها من ماله ولم تخش العنت والزنا وإلا فلها التطليق بعدم النفقة أو بخوف الزنا.

أما السوال السادس وهو هل يصح تطليقها أو الفسخ بغير حاكم شرعي وحيث الحل في ذلك في البلاد الإسلامية التي تغلب عليها الكفار بالقوة الظلامية فجوابه ما في الحاشية الصاوي المالكي على أقرب المسالك وكتب الشافعية أن الفسخ بعدم النفقة ونحوها إنما يكون بحكم الحاكم أو المحكم وإن لم يكن حاكم فجماعة المسلمين العدول يقومون مقامه في ذلك وفي كل أمر يتعذر فيه الوصول إلى الحاكم العادل والواحد منهم كاف إن كان عدلًا عارفًا يرجع إليه في المهمات عمرنا الله بخيره في الحياة وبعد الممات. وصلى الله وسلم على صاحب المعجزات والكرامات.

العبد الفقير محمد الشهير بآقا هاشم بن أحمد الأزالي

مع الإخوان في حماية الصمد.

آخر الجواب

بعد التطرق فی جمیع الفتاوی الواصلة من المدینة المنورة فی الباب، أقول وباللہ التوفیق۔ فتویٰ علامہ سعید بن صدیق مالکی وفتویٰ علامہ محمد القاسم مفتی مالکیہ مدینہ منورہ سے امور ذیل مستفاد ہوتے ہیں اور زوجہ مفقود کے لئے اس کے موافق فتویٰ دینے کا مضائقہ نہیں۔

(۱) زوجہ مفقود ارض حرب کے لئے جو حکم تعمیر ہے وہ مطلقاً نہیں بلکہ وجود نفقہ وصبر علی البقاء فی العصمة کے ساتھ مقید ہے اور اگر نفقہ نہ ہو یا ہو مگر زوجہ مفقود بقاء فی العصمة پر صابرہ نہ ہو بلکہ اپنے نفس پر ابتلاء بالزنا کا اندیشہ رکھتی ہو تو اس کے لئے اس صورت میں حکم تعمیر نہیں بلکہ اس کے لئے حکم تطلیق ہے۔ ملاحظہ ہو فتویٰ علامہ سعید بن صدیق من قولہ و محل التأجیل المذکور ان کان للمفقود مال إلی قولہ و ان دامت النفقة ولم تخش العنت فیؤجل الأجل المذکور ومن قولہ وأما زوجة مفقود أرض الشرك ومثلها زوجة الأسیر فإنهما یبقیان لانقضاء مدة التعمیر إلی قولہ ومحل بقائهما إن دامت نفقتهما بغیرها والا فلها التطلیق۔ نیز ملاحظہ ہو فتویٰ علامہ محمد القاسم من قولہ اما مفقود أرض الشرك والأسیر إلی قولہ وإلا فلها التطلیق وإلی قولہ تعمیرہ فی المال والطلاق ممتنع ما بقی الانفاق۔ ومن قولہ اما السؤال الرابع عن فسخ نکاح المفقود بعدم النفقة إلی قولہ والا طلقت علیہ بعدم النفقة وإلی قولہ فجوابہ ما فی حاشیة العدوی علی الرسالة والصاوی علی أقرب المسالك وشرحه للدردیر ان ضرب الأجل لامرأة المفقود الخ

(۲) دارالاسلام میں بھی چار سال کی مدت مقرر کرنا اور اس کے بعد عدت وفات کا پورا کرنا اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ زوجہ مفقود کے لئے نفقہ موجود ہو اور وہ اندیشہ ابتلاء بالزنا سے محفوظ ہو۔ ملاحظہ ہو عبارات متقدمہ جن کا حوالہ[عہ] دیا گیا ہے اگر نفقہ موجود نہ ہو یا ہو مگر عورت بقاء فی العصمة پر صابرہ نہ ہو تو دارالاسلام میں بھی حکم تطلیق مثل زوجہ مفقود دارالحرب ہے البتہ بقاء نفقہ وصبر علی البقاء فی العصمة کی صورت

[عہ] مراد مجموعہ عبارات ذیلیہ ہے جس میں حکم تعمیر بھی ایک جزو ہے۔

میں دارالحرب و دارالاسلام کا حکم مختلف ہے اور دارالحرب میں اس صورت میں حکم تخییر ہے اور دارالاسلام میں حکم یہ ہے کہ عورت جس وقت حاکم مسلم و من بحکمہ کی طرف مرافعت کرے تو حاکم مسلم اول مفقود کی تلاش کرے اور تفتیش کی اجرت بیت المال کے ذمہ ہے اگر بیت المال ہو ورنہ عورت کے ذمہ ہے پھر بعد یأس کے زوجۂ مفقود کے لئے چار سال کی مدت مقرر کرے بعد تمام ہونے چار سال کے عورت عدت وفات چار ماہ و دس دن مع احداد کے پوری کرے اور عدت وفات کے لئے حکم حاکم و من بحکمہ شرط نہیں ۔

(۳) حکم تطلیق زوجۂ مفقود ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اگر شوہر کا مقام معلوم ہو مگر نفقہ نہ پہنچاتا ہو جب بھی یہی حکم ہے ۔ ملاحظہ ہو فتویٰ علامہ سعید بن صدیق من قولہ ومثل المفقود من علم موضعہ وشکت زوجتہ عدم النفقۃ إلی قولہ بل ولو کان حاضراً و عدمت النفقۃ الخ وفتویٰ علامہ محمد ہاشم الفا من قولہ طریق تطلیق زوجۃ المفقود الی آخر الکلام ۔

(۴) تطلیق یا فسخ بعدم النفقۃ یا بخوف ابتلاء بحکم حاکم مسلم ہوگا اگر حاکم مسلم نہ ہو تو بحکم محکم مسلم یا بحکم جماعت مسلمین عدول ہوگا ۔ اور ایک .... عادل مسلمان بھی حکم کر سکتا ہے جبکہ وہ ایسا شخص ہو جس کی طرف مہمات میں رجوع کیا جاتا ہو پھر یا تو حاکم مسلم (و من بحکمہ) عورت پر خود طلاق واقع کر دے یا اس کو اختیار دیدے کہ اپنے نفس پر طلاق واقع کرے اور حاکم مسلم (و من بحکمہ) اس طلاق کو جائز کر دے ۔

ملاحظہ ہو فتویٰ علامہ محمد الفاہاشم کی الحاقی عبارت ۔ لیکن علامہ سعید بن صدیق نے عدم نفقہ کی صورت میں تطلیق بلا تاجیل کو بھی جائز کہا ہے اور علامہ الفا ہاشم نے ایک ماہ کا انتظار یا جو مدت اجتہاد حاکم میں مناسب ہو ضروری قرار دی ہے اور خوف عنت کی صورت سے علامہ سعید نے تعرض نہیں کیا کہ اس میں تاجیل ہے یا نہیں ۔ اور علامہ ہاشم نے کم از کم ایک سال تک صبر کرنا ضروری فرمایا ہے ۔ ملاحظہ ہو فتویٰ علامہ ہاشم مع عبارت الحاق وفتویٰ علامہ سعید بن صدیق من قولہ وأما إن لم یکن لہا مال فلہا التطلیق علیہ بالاعسار من غیر تاجیل اور علامہ محمد طیب نے عدم نفقہ و خوف زنا دونوں حالتوں میں تطلیق بلا تاجیل بیان کی ہے وہذا لفظہ وقال شراحہ یعنی شراح مختصر الخلیل قاطبۃ فان لم تقدر علی نفقتہا أو خشیت الفساد فلہا التطلیق بلا تاجیل الخ

واللہ تعالیٰ اعلم ۔

(۵) طریقہ تطلیق یہ ہے کہ عورت حاکم مسلم یا جماعت مسلمین یا واحد عدل مرجوع الیہ فی المہمات کے سامنے دو شاہدوں کی شہادت سے اس بات کا ثبوت دے کہ فلاں شخص سے اس کا نکاح ہوا ہے وہ اس کا شوہر ہے اور وہ اتنی مدت سے غائب ہے اور اس کے لئے کچھ نفقہ نہیں چھوڑا، نہ کسی کو وکیل بالنفقہ بنایا اور نہ عورت نے نفقہ کو معاف و ساقط کیا اور عدم عفو و اسقاط پر حلف کرے اس کے بعد حاکم مسلم یا جو بحکم حاکم ہو یوں کہہ دے کہ میں نے نکاح کو فسخ کر دیا یا یوں کہے کہ میں نے تجھ پر مفقود کی طرف سے طلاق واقع کر دی یا عورت کو امر کرے کہ تو اپنے اوپر طلاق واقع کرلے یا اپنے نکاح کو فسخ کردے پھر حاکم مسلم عورت کے فعل پر فیصلہ و حکم کر دے۔ یہ صورت تو تطلیق و فسخ بعدم النفقہ کی ہے اور بصورت خوف زنا یہ حکم ہے کہ عورت اول شہادت شاہدین سے اپنی زوجیت مع الغائب کا ثبوت دے اور اس کی غیبت کو ثابت کرے اس کے بعد حلف کرے کہ میں اپنی عصمت کی حفاظت سے عاجز ہوں اور ابتلاء بالزنا کا اندیشہ قوی رکھتی ہوں۔ پس اگر عورت نے ایک سال تک صبر کرکے مرافعہ کیا ہو تب تو اسی وقت حاکم مسلم ومن بحکمہ اس پر طلاق واقع کر دے یا اس کو ایقاع طلاق کا امر کرے اور اگر ایک سال پورا نہ ہوا ہو تو اس کو ایک سال پورا کرنے کا امر کرے بعد سال تمام[1] ہونے کے پھر اس پر طلاق واقع کر دے یا اس کو ایقاع کا امر کرے اور حاکم مسلم ومن بحکمہ اس کے ایقاع کے بعد حکم طلاق کر دے اور اس کے بعد عورت عدت طلاق تمام کرکے دوسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہے۔ ھذا ما ذکرہ العلامۃ محمد الفاہاشم فی فتواہ مع عبارت الالحاق ومثلہ فی فتویٰ سعید بن صدیق مع عبارت مخطوطہ۔ ومثلہ فی فتویٰ العلامۃ محمد الطیب بن اسحاق سیلیہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

تتمہ: یہ حکم نکاح و طلاق زوجۂ مفقود کا ہے رہا تقسیم ترکہ و میراث کا حکم تو اس میں مالکیہ و شافعیہ و حنابلہ سب حنفیہ کے موافق ہیں الا فی بعض صور المفقود وھو ما اذا کان الفقد فی حال یغلب من الظن ھلاکہ۔ فافہم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفی عنہ

۱۳؍ رجب سنہ ۵۰ھ

---

[1] ھذا ما ذکرہ الفاہاشم و اما علی ما ذکرہ الاخوان قبل التطلیق بلا تاجیل کما مر و لکن الاحوط ما قالہ الفاہاشم الا ان یضطر الی العمل بقول الآخرین فلا باس بہ ایضاً۔ ظفر

الجواب الاخیر صحیح
بندہ محمد مرتضیٰ حسن عفی عنہ

الجواب صحیح
محمد رسول خان عفا عنہ

الجواب الاخیر صحیح
بندہ محمد ابراہیم عفی عنہ

الجواب الاخیر صحیح
حسین احمد غفرلہ
صدر مدرس دار العلوم دیوبند

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع غفرلہ

الجواب الاخیر ھو الصحیح
محمد اعزاز علی غفرلہ

الحاق : طریق تطلیق زوجة المفقود أو الغائب الذی تعذر الارسال الیه او الرسول الیه فتعاسه ان کان بعدم النفقة فان الزوجة تثبت بشاهدین ان فلانا زوجها وغاب عنها ولم یترک لها نفقة ولا وکیلا بها ولا اسقطتها عنه و حلفت علی ذلک فیقول الحاکم فسخت نکاحه أو طلقتک منه أو یأمرها بذلک ثم یحکم به وهذا البعد الطویل بحرثهم او باجتهاده عند المالکیة دون ادعاء احیاناً عند الحنابلة وبعد ثلاثة ایام عند الشافعیة وان کان لخوفها الزنا وتفردها بعدم الوطی والتمتع وجود النفقة والغنا فبعد سنة فاکثر عند جل المالکیة وبعد ستة أشهر عند الحنابلة۔ وفقنا الله الی الأعمال الزکیة۔

العبد الفقیر محمد القاسم بن احمد

تلخیص المعلومات فی تلخیص المظلومات	سوال :- نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ ما قولکم علماء دین (۱) زید کہتا ہے کہ اکثر دیکھا گیا ہے

کہ فلاں شخص اپنی بیوی کو چھوڑ کر بے یار و مددگار مفقود الخبر ہوگیا، فلاں شخص اپنی بیوی سے بے پرواہ ہوگیا اور غیر عورت سے ناجائز تعلق پیدا کر لیا اور عورت گھر میں محبوس اپنی مصیبت کے دن بسر کر رہی ہے بالخصوص مفقود الخبر کی عورت کا تو کوئی دوسرا نکاح مذہب فقہ حنفیہ کی رو سے ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ نہ تو شوہر نے طلاق دی اور نہ اس کے مرنے کی خبر مصدقہ طور پر معلوم ہوئی لہٰذا ضرورت ہے کہ عورتوں کو اس ضروری مسئلہ سے آگاہ کیا جائے وہ یہ ہے کہ شریعت صاف حکم کرتی ہے کہ اگر عورت نکاح کے وقت شوہر سے یہ شرط کرے کہ میں نکاح اس شرط پر کرتی ہوں کہ جب میں چاہوں گی خود طلاق لے لوں گی

اور مرد قبول کرے تو نکاح صحیح ہو جائیگا اور نیز یہی عورتوں کو حق حاصل ہوگا کہ جب اس قسم کی کوئی ایذا رسانی کا سامان بہم پہنچایا جائے اور بجز علیحدگی کوئی صورت مفر باقی نہ ہو تو عورت جب چاہے طلاق لے سکتی ہے۔ یہ مسئلہ تمام کتب فقہ میں موجود ہے۔ چنانچہ درمختار (باب الامر بالید) میں ہے: نکحها على أن أمرها بيدها صح۔

(شامی باب الامر بالید) مقید بما إذا ابتدأت المرأة فقالت زوجت نفسي منك على أن أمري بيدي أطلق نفسي كلما أريد أو على أني طالق فقال الزوج: قبلت۔

(البحر الرائق، فصل في الامر باليد) ولو بدأت المرأة فقالت زوجت نفسي منك على أني طالق أو على أن أمري بيدي أطلق نفسي كلما أريد فقال الزوج: قبلت وقع الطلاق وصار الأمر بيدها۔

(قاضی خان جلد ۱) فصل في النكاح على الشرط: وإن ابتدأت المرأة فقالت زوجت نفسي منك على أني طالق أو على أن يكون الأمر بيدي أطلق نفسي كلما شئت فقال الزوج: قبلت جاز النكاح۔

(عالمگیری) الباب الثاني فيما ينعقد به النكاح وما لا ينعقد: إن ابتدأت المرأة فقالت زوجت نفسي منك على أني طالق أو على أن يكون الأمر بيدي أطلق نفسي كلما شئت فقال الزوج: قبلت جاز النكاح ويقع الطلاق ويكون الأمر بيدها۔

اور احتیاط یہ ہے کہ نکاح کے وقت یہ شرط کی جائے کہ فلاں فلاں اشخاص جو متدین اور معتبر ہوں ان کے ہاتھ میں عورت کا معاملہ ہوگا جب وہ چاہیں طلاق دیدیں اگر شوہر عورت کے حقوق زوجیت ادا نہ کرے، تکلیف پہنچائے یا آئندہ جیسا موقعہ محل ہو تو عورت کو اختیار دیا جائے۔ زید کا یہ قول صحیح ہے یا نہیں؟ مع حوالہ کتب تحریر فرمایا جائے میں نے مختصر کر کے لکھا ہے اصل کتاب جو زید نے چھپوا کر شائع کی ہے وہ بھی برائے مطالعہ ہدیۃً ارسال ہے واپس کرنے کی ضرورت نہیں۔ فقط

محمد احمد ناظم کتب خانہ احیاء الدین
محلہ شاہ گنج الہ آباد ۱۳۵

الجواب

اس رسالہ مرسلہ کو دیکھا گیا مسئلہ بالکل صحیح ہے ۔ واقعی عورتوں کی بہت سی تکالیف کا اس صورت میں انتظام وانسداد ہو جائے گا مگر اس مسئلہ " الامر بالید " کے جزئیات بہت دقیق ہیں اس لئے ہر عورت کو وہ الفاظ بتلائے جائیں جن میں کوئی خلجان پیش نہ آئے ہمارے نزدیک بہتر لفظ یہ ہے کہ نکاح کے وقت عورت یا اس کا ولی یا عورت کا وکیل (قاضی نکاح خوان) یوں کہے کہ میں نے مسماۃ فلاں دختر فلاں کا نکاح تم سے کر دیا اس شرط پر کہ مسماۃ کو اختیار ہو کہ وہ جس وقت چاہے اپنے خاندان یا بستی کے دوسرے برآوردہ نیک آدمیوں سے مشورہ و موافقت رائے کر کے اپنے اوپر ایک طلاق بائن ایک دفعہ واقع کرے بدون دوسرے برآوردہ نیک آدمیوں کے مشورہ اور موافقت رائے کے عورت کو اختیار نہ ہوگا اھ

اگر الفاظ اختیار مثلاً اس طرح ہوئے کہ اگر شوہر نے سال بھر نفقہ وغیرہ نہ دیا یا سال بھر غائب رہا یا اس نے دوسری عورت سے تعلق کر لیا تو مسماۃ کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہوگا تو ان لفظوں سے جو اختیار حاصل ہوتا ہے وہ اس ساعت کے ساتھ مقید ہوتا ہے جس ساعت میں سال تمام ہو کر دوسرا سال شروع ہوا یا اس مجلس سے مقید ہوتا ہے جس میں دوسری عورت سے تعلق کا علم ہوا ہے اگر اس ساعت یا اس مجلس میں عورت نے اپنے اوپر طلاق واقع نہ کی تو اب اختیار اس کے ہاتھ میں نہ رہیگا ۔ اسی طرح بعض لوگ ایجاب وقبول کے وقت شرط اختیار کو ظاہر نہیں کرتے بلکہ نکاح سے پہلے کابین نامہ لکھواتے ہیں اور بعد نکاح کے شوہر سے دستخط کرا لیتے ہیں ۔ یہ صورت بھی بعض دفعہ بیکار ثابت ہوتی ہے اس لئے مناسب یہ ہے کہ شرط اختیار ایجاب وقبول کے ساتھ ساتھ ہو اور الفاظ اختیار میں صیغہ شرط عام ہو کہ جس وقت عورت چاہے ، اور ایک طلاق بائن سے زیادہ کا اختیار دینا فضول ہے اور ایک دفعہ سے زیادہ اختیار دینا بھی زائد از ضرورت ہے اور عورت کے سوا کسی دوسرے کو بھی اختیار دینا مضر ہے بلکہ عورت ہی کو اختیار دیا جائے مگر اس کے اختیار کو دوسرے برآوردہ نیک آدمیوں کے مشورہ و موافقت رائے سے مشروط کر دیا جائے ۔

الدلائل : قال فی العالمگیریۃ [illegible] : اذا قال لها طلقی سواء قال لها انت

شئت أو زعمتها ان تطلق نفسها في ذلك المجلس خاصة وليس له ان يعزلها اهـ

وفيه ص ج۲: ألفاظ الشرط - إن وإذا - وإذا ما - وكل وكلما - ومتى - ومتى ما ففي هذه الألفاظ إذا وجد الشرط انحلت اليمين وانتهت لأنها لا تقتضي العموم والتكرار فبوجود الفعل مرة تم الشرط وانحلت اليمين فلا يتحقق الحنث بعده إلا في كلما لأنها توجب عموم الأفعال اهـ

وفيه أيضاً: ولو قال لها: أنت طالق متى شئت أو متى ما شئت وإذا شئت وإذا ما شئت فلها أن تشاء في المجلس وبعد القيام عن المجلس ولو ردت لم يكن رداً ولا تطلق نفسها إلا واحدة. ولو قال: أنت طالق زمان شئت أو حين شئت فهو بمنزلة قوله إذا شئت فلا يقتصر على المجلس اهـ ص ج۲ ولو قال: إن شئت وشاء فلان تعلق بمشيتهما. كذا في الكافي.

وفيه أيضاً: ولو قال: إذا مضى هذا الشهر فأمرها بيد فلان فمضى الشهر فأمرها بيده في مجلس علمه وإن علم بعد شهرين لأن التفويض معلق بمضي الشهر والمعلق بالشرط يصير مرسلاً عند وجود الشرط ولو أرسل التفويض بعد مضي الشهر يقتصر على مجلس علمه فكذا هذا اهـ ص ج۲

ولو قال: أمرك بيدك إلى عشرة أيام فالأمر بيدها من هذا الوقت إلى مضي عشرة أيام ويعتبر انقضاء العشرة بالساعات. والله تعالى أعلم.

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون - ۲۵ رمضان ۵۳ھ

تتمہ سوال مذکور

سوال:- ما قولکم علماء دین رحمکم اللہ - زید کہتا ہے کہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ بیچاری عورتیں شوہر کے ظلم سے پریشان رہتی ہیں اس طرح کہ کوئی شخص عورت کو چھوڑ کر مفقود الخبر ہو گیا اور عورت نہایت تکلیف و مصیبت سے گھر کی چار دیواری میں اپنے انتظار کے دن بسر کر رہی ہے اور مذہب حقہ حنفیہ کی رو سے اس کا کوئی دوسرا نکاح نہیں ہو سکتا کیونکہ نہ تو شوہر نے طلاق دی، نہ اس کے مرنے کی خبر مصدقہ طور سے معلوم ہوئی نیز ایسا واقعہ بھی ہوتا رہتا ہے کہ فلاں شخص اپنی منکوحہ سے بے پرواہ ہو گیا غیر عورت سے ناجائز تعلق کر لیا نہ تو نان نفقہ کی کفالت

کرتا ہے نہ طلاق دیتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس بہت سے واقعات ہیں کہ جس سے دل دکھتا ہے اس لئے ضرورت بھی ہوئی کہ اس مسئلہ سے آگاہ کیا جائے وہ یہ ہے کہ اگر نکاح کے وقت عورت شوہر سے یہ شرط کرے (خواہ بذریعہ وکیل یا خود) کہ میں نکاح اس شرط پر کرتی ہوں کہ جب میں طلاق چاہوں گی طلاق لے لوں گی اور مرد قبول کرلے تو نکاح بھی صحیح ہو جائیگا اور عورت کو بھی یہ حق حاصل رہے گا کہ جب اس قسم کی کوئی ایذا رسانی کا سامان بہم پہنچایا جائے اور بجز علیحدگی کوئی صورت مفر باقی نہ رہے تو جب چاہے طلاق لے سکتی ہے اور یہ مسئلہ تمام کتب فقہ میں موجود ہے۔ بحرالرائق میں ہے، ولو بدأت المرأة فقالت: زوجت نفسي منك على أني طالق أو على أن أمري بيدي أطلق نفسي كلما أريد فقال الزوج: قبلت وقع الطلاق وصار الأمر بيدها (فصل في الأمر باليد۔ قاضی خان جلد اول) وإن ابتدأت فقالت زوجت نفسي منك على أني طالق أو على أن يكون الأمر بيدي أطلق نفسي كلما شئت فقال الزوج: قبلت جاز النكاح ويقع الطلاق ويكون الأمر بيدها۔

(فصل في النكاح على الشرط) عالمگیری الباب الثاني فيما ينعقد به النكاح وما لا ينعقد وإن ابتدأت المرأة فقالت زوجت نفسي منك على أني طالق أو على أن يكون الأمر بيدي أطلق نفسي كلما شئت فقال الزوج: قبلت جاز النكاح ويقع الطلاق ويكون الأمر بيدها۔ انتهى كلام زيد

اور بکر کہتا ہے کہ افسوس ہے کہ زید نے تحقیق نہیں کی یہ قول جو اس نے نقل کیا ہے نہ تو امام اعظمؒ کا قول ہے نہ امام محمدؒ کا بلکہ یہ فقیہ ابو لیث ہی کا ہے۔

قاضی خان میں ہے: تزوج امرأة على أنها طالق أو على أن أمرها بيدها ذكر محمد في الجامع أنه يجوز النكاح والطلاق باطل ولا يكون الأمر بيدها وذكر في المنتقى عن حسن بن زياد إذا تزوج امرأة على أنها طالق إلى عشرة أيام أو على أن يكون الأمر بيدها بعد عشرة أيام أن النكاح جائز والطلاق باطل ولا تملك أمرها۔

عالمگیری میں ہے: رجل تزوج امرأة على أنها طالق أو على أن أمرها في الطلاق بيدها ذكر محمد في الجامع أنه يجوز النكاح والطلاق باطل۔

بحرالرائق میں ہے: تزوج امرأة على أنها طالق أو على أن أمرها بيدها تطلق نفسها كلما تريد لا يقع الطلاق ولا يصير الأمر بيدها۔

تمام کتب فقہ میں ہے کہ عقد میں وہ شرط لگانا جو منافی عقد نکاح ہو وہ شرط قابل قبول نہیں لہٰذا زید نے جو نقل کی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ بکر کے قول کی مصلحت یہ ہے کہ اگر زید کے قول کو صحیح مانا جائے تو اس میں ایک فساد برپا ہو جائے گا وہ یہ کہ عموماً عورتوں میں آزادی کا مادہ آجکل موجود ہے بس وہ ذرا ذرا سی بات پر طلاق لے لیا کریں گی اور شوہر بیوی میں جو تعلقات رہنا چاہیے وہ نہ رہ سکیں گے نیز نیا جہرہ جو عورتوں کی آزادی کا خواہاں ہے ان کو اور تقویت ہو جائیگی نیز وہ عورتیں جن کا نکاح بالشرط نہیں ہوا ہے وہ بھی طلاق لے لیا کریں گی اگرچہ ان کا طلاق لینا زید کے قول پہ صحیح نہ ہوگا مگر غلط فہمی سے شوہر بیوی میں جھگڑا پڑ جائیگا۔ علیٰ ھذا القیاس اور بہت سے فساد پیدا ہوں گے۔ غرض یہ کہ عورتیں آزاد ہو جائیں گی اور وہ مرد جو عورتوں پر ظلم کرتے ہیں ان کے لئے قاضی مقرر ہو جو ان کا فیصلہ کر دیا کرے تو کوئی فساد نہ رہے۔ انتہی کلام بکر۔

سائل عرض کرتا ہے کہ اس مسئلہ میں یہاں دونوں طرف سے مضمون شائع ہوگئے ہیں کوئی امر محقق طے نہیں ہوتا ہے عوام سخت خلجان میں ہیں ایک کا معتقد دوسرے کی بدگوئی کرتا ہے اس لئے احقر نے جناب والا کو یہ تمام تحریر نقل کر کے تحقیق اصل مسئلہ کی چاہی ہے حضرت کے نزدیک جو امر محقق اور مفتیٰ بہ ہو مع حوالہ کتب تحریر فرمائیے تاکہ یہاں الٰہ آباد میں جو جناب کے خدام ہیں ان کو خصوصاً اور دوسرے لوگوں کو عموماً اطمینان حاصل ہو اللہ تعالیٰ جناب کو اجر عظیم عطا فرماوے۔ السائل: عبدالودود

رانی منڈی الٰہ آباد فاسٹ کمپنی - درزی کی دکان

الجواب

بکر نے مسئلہ میں غور نہیں کیا اور قاضی خان وغیرہ کی ادھوری عبارتیں نقل کر کے خواہ مخواہ لوگوں کو مغالطہ میں ڈالا۔ دراصل جس صورت میں طلاق اور تفویض کو باطل کہا گیا ہے۔ یہ وہ صورت ہے جبکہ مرد ابتداءً یوں کہے کہ میں تجھ سے نکاح کرتا ہوں اس شرط پر کہ تجھے اپنی ذات کے معاملہ میں اختیار ہوگا اور عورت بعد میں یوں کہے کہ میں نے قبول کیا تو اس صورت میں نکاح صحیح اور تفویض باطل ہے اور اگر عورت کی طرف سے ابتداءً ہو کہ عورت ابتداءً یوں کہے کہ میں تجھ سے نکاح کرتی ہوں اس شرط پر کہ مجھے

اپنے معاملہ کا اختیار ہوگا کہ جب چاہوں طلاق لے لوں تو اس صورت میں جب مرد اس کو بعد نکاح قبول کریگا تو نکاح اور شرط دونوں صحیح ہیں بکر کا یہ کہنا کہ یہ قول صرف فقیہ ابو اللیث کی اپنی رائے ہے بالکل غلط ہے یہ محض اگر ابو اللیث کی رائے ہے اور مذہب ابو حنیفہؒ و محمدؒ و ابو یوسفؒ اس کے خلاف ہے تو وہ اس صورت فی مرہیں جبکہ شرط کی ابتداء عورت کی طرف سے ہو اور مرد بعد میں قبول کرے کوئی جزئیہ دکھلا دے جس میں تصریح ہو کہ نکاح اور شرط دونوں باطل یا صرف شرط باطل ہے اور نکاح صحیح ہے مگر وہ ہرگز اس کی جرأت نہیں کر سکتا اور جتنے جزئیات بکر نے پیش کئے ہیں وہ اس صورت میں ہیں جبکہ بداءت بالشرط مرد کی طرف سے ہو اور زید نے جس صورت کا اعلان کیا ہے وہ وہ ہے جس میں بداءت بالشرط عورت کی طرف سے ہے۔ چنانچہ زید نے اپنے رسالہ میں جو عبارات فقہیہ بعبارت عربیہ نقل کی ہیں ان میں بداءت بالشرط من الرجل و بداءت بالشرط من المرأۃ کے احکام مختلف ہونے پر اشارہ موجود ہے البتہ اتنی کمی رہ گئی کہ زید نے اردو میں اس فرق پر تنبیہ نہیں کی تاکہ ناقص الاستعداد بھی فرق کو سمجھ جائے۔

خلاصۃ الفتاوی میں ہے: لو بدأت المرأۃ فقالت: زوجت نفسي منك على أني طالق أو على أن الأمر بيدي أطلق نفسي كلما أريد فقال الزوج: قبلت وقع الطلاق وصار الأمر بيدها ومطلقة الثلاث ينبغي أن تقول هكذا حتى يتخلص عن المحلل اھ ص۱۱ ج۲

قاضی خان میں ہے: وعن هذا قالوا: مطلقة الثلاث إذا أرادت أن تتزوج المحلل وخافت أن لا يطلقها فالحيلة لها في ذلك أن تقول زوجت نفسي منك على أن أمري بيدي أطلق نفسي كلما أريد ثم يقبل الزوج فيكون الأمر بيدها بعد النكاح تطلق نفسها متى شاءت اھ (ص۵۵۰ ج۱) خلاصہ میں ابتداء تعلیق من المرأۃ کی صورت کو بدون ذکر اختلاف بیان کیا ہے اسی طرح خلاصہ میں اور قاضی خان میں مطلقۃ الثلاث کے مسئلہ کو جزماً بدون ذکر خلاف بلکہ سب فقہاء و مشائخ کی طرف منسوب کرکے ذکر کیا ہے پس اس کو صرف فقیہ ابو اللیث کی رائے بتلانا غلط ہے اور بکر نے جو یہ قاعدہ کلیہ بیان کیا ہے کہ عقد میں زیادہ شرط لگانا جو منافی عقد ہو قابل قبول نہیں بلکہ حق أرید بها الباطل کا مصداق ہے۔ نکاح میں اصل یہ ہے کہ نکاح کو معلق

بالشرط کرنا تو باطل ہے اور مقرون بالشرط کرنا جائز ہے۔ معلق بالشرط تو بالکل باطل ہے کہ اس صورت میں نکاح ہی نہ ہوگا جیسے یوں کہے کہ میں نکاح کرتا ہوں اگر میرا باپ راضی ہو یا عورت یوں کہے کہ میں قبول کرتی ہوں اگر میرا باپ راضی ہو مثلاً۔ اور مقرون بالشرط کا حکم یہ ہے کہ شرط صحیح کے ساتھ نکاح مقرون ہو تو نکاح بھی صحیح اور شرط بھی، اور شرط فاسد کے ساتھ مقرون ہو تو نکاح صحیح اور شرط لغو ہے۔ مثلاً یوں کہے کہ میں اس شرط سے نکاح کرتا ہوں کہ عورت کے لئے مہر نہ ہوگا تو نکاح صحیح اور شرط باطل ہے اور شوہر کے ذمہ مہر مثل ہوگا گو عورت نے عدم مہر کی شرط کو قبول بھی کر لیا ہو کیونکہ نکاح بلا مہر امت کے لئے مشروع نہیں اب اگر بکر کے نزدیک نکاح بشرط التفویض طلاق میں اس لئے شرط باطل ہے کہ وہ اس شرط کو فاسد سمجھتے ہیں تو اس کے فساد کی دلیل بیان کرنے کیا اس کے نزدیک نکاح کے اندر طلاق مشروع نہیں یا تفویض الی المرأۃ جائز نہیں یقیناً ہر شخص جانتا ہے کہ شریعت اسلامیہ میں جس طرح نکاح مشروع ہے طلاق بھی مشروع ہے اور جس طرح بعض اوقات نکاح واجب ہو جاتا ہے اسی طرح بعض دفعہ طلاق بھی واجب ہو جاتی ہے جبکہ مرد حقوق ادا کرنے سے عاجز ہو جائے اور عورت صبر نہ کرنا چاہے۔ جب یہ ہے تو وہ اس شرط کو کس دلیل سے فاسد کہتے ہیں اور کیا اس کے نزدیک بیع بشرط الخیار[1] صحیح نہیں اور کیا شرط خیار سے من لہ الخیار کو بیع کے بعد فسخ کا اختیار حاصل نہیں ہوتا اگر بیع میں شرط خیار جائز اور من لہ الخیار کو اس سے ابتداءً فسخ عقد کا اختیار حاصل ہو جاتا ہے تو نکاح میں اگر عورت یہ شرط کرے کہ مجھے اختیار ہوگا جب چاہوں اپنے اوپر طلاق واقع کر لوں تو اس کے باطل کرنے کی کیا وجہ ہے۔ نیز وہ بتلائے کہ نکاح سے پہلے اجنبیہ کی طلاق کو معلق بالنکاح کرنا صحیح ہے یا نہیں مثلاً ان تزوجتک فانت طالق۔ پھر اس میں اور صورت متنازعہ میں کیا فرق ہے اگر شرط طلاق نکاح سے جمع نہیں ہو سکتی تو یہ تعلیق باطل ہونا چاہئے آخر میں ہم بکر کو بتلانا چاہتے ہیں کہ نکاح بشرط تفویض الی المرأۃ جبکہ ابتداءً بالشرط عورت کی طرف سے ہو صرف فقیہ ابو اللیث کا

---

[1] اس تمثیل سے یہ مقصود نہیں کہ جو احکام بیع بشرط خیار کے ہیں بعینہٖ وہی احکام نکاح میں جاری ہیں بلکہ صرف یہ مقصود ہے کہ بکر کا نکاح بشرط التفویض مشروط بشرط منافی کہنا غلط ہے کیونکہ یہ نظیر بیع بشرط خیار کی ہے اور اس کو کسی نے مشروط فاسد یا شرط منافی نہیں کہا۔ منہ

قول نہیں بلکہ فقیہ نے صرف بداءت من المرأۃ وبداءت من الزوج کے فرق کو ظاہر کیا ہے ورنہ نفس مسئلہ کہ اگر بداءت من المرأۃ ہو تو نکاح وشرط دونوں صحیح اور بداءت من الزوج ہو تو نکاح صحیح اور شرط لغو ہے، مسلم بین الفقہاء ہے۔ فقیہ نے ان دونوں صورتوں میں فرق کو واضح کردیا ہے۔ ملاحظہ ہو عالمگیری۔

وفي الهندية: كتاب الحيل (ص[illegible]) وحيلة أخرى في أصل المسئلة أن تقول المرأة للمحلل زوّجتُ نفسي منك على أن أمري بيدي أطلق نفسي كلما أريد ثم يقبل الزوج فيصير الأمر بيدها تطلق نفسها كلما أرادت ولو بدأ المحلل فقال تزوّجتك على أن أمرك بيدك تطلق نفسك كلما تريدين فقبلت صح النكاح ولا يصير الأمر بيدها وحيلة أخرى أن يقول المحلل للمرأة تزوجتك على أن أمرك بيدك بعد ما تزوّجتك وطلّقي نفسك كلما تريدين فقالت المرأة قبلت يصير الأمر بيدها أيضًا اهـ

كتاب الحيل میں زوجۂ المحلل کے لئے یہ حیلہ بلا ذکر خلاف مذکور ہے جس کو فقیہ ابو اللیث کے ساتھ خاص کرنا کسی طرح درست نہیں۔ اب فقیہ نے بداءت من المرأۃ وبداءت من الزوج کے حکم میں اختلاف کی یہ وجہ بیان کی ہے:

لأن البداءة إذا كانت من الرجل كان الطلاق والتفويض قبل النكاح فلا يصح أما إذا كانت من المرأة يصير التفويض بعد النكاح لأن الزوج لما قال بعد كلام المرأة قبلت والجواب يتضمن إعادة ما في السوال صار كأنه قال قبلت على أنك طالق أو على أن يكون الأمر بيدك فيصير مفوضًا بعد النكاح اهـ قاضي خان (ص[illegible]) وشی (ص[illegible]) قلت، ولذا ان قال الزوج ابتداءً تزوجتك على أن أمرك بيدك بعد ما تزوّجتك وقبلت يصير الأمر بيدها أيضًا لكونه علق التفويض على النكاح فيكون مفوضًا بعده لا قبله فافهم.

رہا کہنا کا یہ کہنا کہ اس مسئلہ کو صحیح مان لیا جائے تو فساد برپا ہو جائیگا کیونکہ عورتوں میں آزادی کا مادہ آجکل موجود ہے اور نئے حربے کی اس سے تائید ہوگی جو آزادی نسواں کے خواہاں ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ یہ فساد اس مسئلہ کی صورت پر متفرع نہیں کیونکہ یہ مسئلہ تو کتب میں بہت عرصہ سے موجود ہے اور اب تک اس سے کوئی فساد نہیں ہوا فساد کا اصلی

سبب عورتوں کی اصلاح وتعلیم کا اہتمام نہ کرنا ہے۔ نیز مردوں کا دین سے آزاد ہونا اور بہت سے بہت اگر اس مسئلہ کی وجہ سے کچھ فساد ہوگا بھی تو کیا ہوگا اس سے زیادہ تو نہ ہوگا کہ عورت جب چاہے گی طلاق لے لیگی تو طلاق لے لینا کچھ فساد نہیں اور اس سے زیادہ فساد یہ ہو سکتا ہے کہ طلاق کی کثرت ہو جائے گی تو نکاح وطلاق کی کثرت بھی فساد نہیں بلکہ کثرت زنا فساد ہے اور اس مسئلہ کی اشاعت سے زنا کا انسداد ہو جائے گا کیونکہ جو عورت مرد سے راضی نہ ہوگی یا مرد اس کو تنگ کریگا یا نفقہ نہ دیگا وہ ان صورتوں میں بسہولت اس کے نکاح سے آزاد ہو کر دوسرا نکاح کر سکے گی یہ تو نہ ہوگا کہ عورت مفقود وزوجۃ العنین وزوجۃ الظالم خواہش نفس سے مجبور ہو کر دوسرے شخص سے ناجائز تعلق کر لیتی ہے اس کی کیا وجہ کہ بکر کو مردوں کی اس بے رحمی پر غصہ نہیں آتا اور عورتوں کی مظلومیت دور ہونے سے وہ ناخوش ہے اور جو صورت بکر نے عورتوں کے لئے بیان کی ہے کہ ہندوستان میں قاضی مقرر کیا جائے سو اول تو یہ علماء کے ہاتھ میں نہیں برسوں سے علماء حکومت کو اس طرف متوجہ کر رہے ہیں مگر حکومت توجہ نہیں کرتی اور قاضی مقرر ہو جانے کے بعد بھی عورتوں کی تکالیف کا بالکلیہ انسداد نہیں ہو سکتا گو ایک حد تک کم ہو جائیں گے کیونکہ قضاۃ وحکام کا مرتشی نہ ہونا یہ بکر کے ہاتھ میں نہیں اور کسی کے بھی قبضہ میں نہیں۔ پس اگر قاضی مرتشی ہوا اور اس نے مرد سے رشوت لے کر عورت کی فریاد پر توجہ نہ کی تو کیا سبیل ہوگی اس لئے بہتر صورت یہی ہے جو زید نے بیان کی ہے اور اگر ہم تسلیم کرلیں کہ زید نے جس مسئلہ کو ظاہر کیا ہے اس سے فساد بھی برپا ہوں گے تو یہ فساد نفس مسئلہ کی صحت کا نتیجہ نہیں بلکہ اس مسئلہ کی اشاعت کا نتیجہ ہوگا۔ پس بکر کو لازم تھا کہ نفس مسئلہ کا ابطال نہ کرتا بلکہ زید سے یوں کہتا کہ مسئلہ تو صحیح ہے مگر یہ زمانہ اس کی اشاعت کا نہیں کیونکہ اس پر یہ فسادات متفرع ہوں گے مگر اس کے بعد بکر کو ان فسادات کا بھی کوئی حسن انتظام بتلانا چاہئے جو مردوں کے ظلم اور بے پروائی سے عورتوں میں رونما ہو رہے ہیں کہ تمام مدارس کے مفتی عورتوں کی فریاد سنتے سنتے تھک گئے۔ واللہ المستعان فقط

ظفر احمد عفا عنہ۔ از تھانہ بھون
۲ ذی قعدہ سنہ ۴۴ھ

الجواب صحیح
اشرف علی
۲۲ ذی قعدہ سنہ ۴۴ھ

واپسی مفقود کی ایک عورت کا حکم

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مساۃ کلثوم حنفی المذہب کا شوہر سولہ برس سے مفقود الخبر رہا اور مفقود الخبری سے سات برس بعد اس نے فتویٰ لے کر اپنے شوہر کے حقیقی چھوٹے بھائی سے نکاح کر لیا اور اس شوہر کے نطفہ سے دو بچے موجود ہیں۔ پہلا شوہر اب آیا اور عورت کو اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہے اور عورت اس کے ساتھ رہنے پر رضامند ہے تو اب عورت کو اس کے ساتھ رہنا چاہیئے یا نہیں اگر رہنا چاہیئے تو کیا اس کے ساتھ دوبارہ نکاح کرنے کی ضرورت ہے یا وہی اول نکاح کافی ہے ؟

واضح رہے کہ عورت اپنے پہلے شوہر کے ساتھ دو چار مرتبہ رہی۔ جواب باصواب عنایت فرمائیں۔ سائل : اللہ دین سبزی فروش محلہ حیدر گنج صدر

ضلع سلطانپور اودھ

الجواب

یہ عورت اپنے پہلے شوہر کے ساتھ ہی رہے دوسرے شوہر سے الگ ہو جائے پہلے شوہر کے پاس رہنے کے واسطے دوبارہ نکاح کی ضرورت نہیں بلکہ پہلا نکاح باقی ہے لیکن اس عورت کو دوسرے شوہر سے الگ ہو کر عدت گزارنا ضروری ہے بیدون عدت گزارے ہوئے پہلے شوہر کے پاس نہ جائے اور عدت اس کی تین حیض ہے اگر حمل نہ ہو اور حمل ہو تو عدت وضع حمل ہے اور دوسرے نکاح کے بعد جو اولاد ہوئی ہیں وہ دوسرے شوہر کی اولاد ہیں اور حلالی ہیں جو دوسرے شوہر کی وارث شرعی ہیں۔ فقط

ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

۲۹ ربیع الثانی ۱۳۴۸ھ

حکم زوجہ مجنون

سوال : ایک دوست کی سالی ہے اور اس کے شوہر کو عرصہ گیارہ بارہ سال کا ہوا پاگل ہو گیا ہے کبھی تو گفتگو ہوشیاروں کی سی کرتا ہے کبھی بالکل پاگلوں کی سی۔ مساۃ علیحدہ ہیں اور کئی بچے بھی ہیں، مساۃ کی عمر ۲۵ سال ہے۔ کیا اس کی علیحدگی کی کوئی شرعی صورت ہو سکتی ہے؟ ایک صاحب کہتے ہیں کہ عدالت سے تو علیحدگی ہو گی وہ ہندو کی عدالت ہے یا انگریز کی مسلمان کی نہیں

کیا کوئی صورت ایسی ہو سکتی ہے کہ شرعی علیحدگی تو یہاں ہو جائے اور عدالتی ولایت میں مستفتاۃ واقعی بہت پریشان ہیں اکثر ملاقات کے وقت وہ دوست تذکرہ کرتے ہیں اور پریشانی بیان کرتے ہیں۔ آپ غور کریں اگر کوئی صورت سمجھ میں آجائے تو اس سے مطلع فرمادیں۔

المرسل: محمد عثمان دریبہ کلاں دہلی

الجواب

اگر مجنون ایک مرتبہ بھی ہم بستری کر چکا ہو خواہ جنون سے قبل یا جنون کے بعد تو پھر اس عورت کو تفریق کا حق نہیں رہتا۔ پس صورت مسئولہ میں جب وہ صاحب اولاد ہے تو تفریق کا حق حاصل نہیں، نہ غیر مسلم حاکم کر سکتا ہے نہ مسلم حاکم۔ اور غیر مسلم حاکم کی کسی صورت میں بھی تفریق معتبر نہیں۔ اور یہ صورت بھی کافی نہیں کہ شرعی فیصلہ عالم کر دے اور تفریق غیر مسلم حاکم کر دے الا آنکہ وہ حاکم کسی عالم کو اختیار فیصلہ کا باقاعدہ دیدے۔

فقط والسلام۔ احقر عبدالکریم عفی عنہ
از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
۱۲ رجب ۶۰ھ

ایضاً ایضاً سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید ہندہ سے نکاح کرنے کے پندرہ سولہ روز کے بعد سفر کو چلا گیا ایک سال کے بعد وہ سفر سے مجنون ہو کر گھر واپس آیا اور اسی حالت میں اس کو متواتر پانچ سال گزر گئے ہیں کہ اس کو اپنی زوجہ سے کسی قسم کا تعلق زوجیت نہیں ہے لہذا ہندہ اپنے مجنون زوج کے زیر نکاح رہنے میں اس کے مجنون ہونے کے بعد ہی سے لے کر اس وقت تک برابر ناراضگی ظاہر کرتی ہے۔ حتی کہ اولیاء جب زوج کے مکان پر جانے کے لئے مجبور کرتے ہیں اس وقت جواب دیتی ہے کہ میں خودکشی کر لوں گی مگر اس زوج کے مکان پر ہرگز نہیں جاؤں گی اور ہمیشہ یہ چاہتی ہے کہ کسی طرح اس زوج سے نکاح فسخ ہو جائے۔ اب استفتاء اس امر کا ہے کہ مطابق مذہب حنفی کے اس زوجہ سے نکاح فسخ ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اگر ہو سکتا ہے تو اس کو مفصلاً دلائل و براہین کے ساتھ تحریر فرمایا جائے۔ بینوا

توجروا ۔ المستفتی : محمد عنبر علی عفی عنہ

الجواب وھوالموفق للصواب

امام ابوحنیفہ و امام ابو یوسف علیہما الرحمۃ کے نزدیک تو مجنون کی زوجہ کا نکاح جنون کی وجہ سے فسخ نہیں ہو سکتا اور عموماً کتب فقہ میں انہیں کے مذہب کو لیا ہے۔

فتح القدیر نے اس کی ادلہ اور اس کے خلاف کی ادلہ کا جواب نہایت بسط سے دیا ہے۔ شامی نے بھی اس کو پسند کیا ہے۔ غرض حنفیہ کا قوی و راجح مذہب یہی ہے کہ جنون موجب فسخ و تفریق نہیں ہے۔ البتہ امام محمدؒ کے نزدیک جنون کی وجہ سے تفریق ہو سکتی ہے اور بعض فقہاء نے اس پر فتویٰ بھی دیا ہے۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے:

قال محمد: إن كان الجنون حادثاً يؤجله سنة كالعنة ثم تخير المرأة بعد الحول إذا لم يبرأ وان كان مطبقاً فهو كالجب، وبه نأخذ كذا في الحاوي القدسي (ص ۱۵۷ / ج ۲)

اس لئے اس قول کو لینے کی بھی گنجائش ہے اور تفریق کا طریقہ یہ ہے کہ عورت قاضی کے پاس درخواست دے، قاضی مجنون کو ایک سال مہلت علاج کے واسطے دے دے۔ بعد ایک سال گزر جانے کے دیکھا جائے اگر تندرست ہو جائے تو فبہا ورنہ عورت اگر چاہے تو تفریق کر دی جائے اور تفریق کے بعد عدت گزار کر کسی شخص سے نکاح ہو سکتا ہے اور گو اس ملک میں بقاعدہ شرعیہ قاضی نہیں ہیں لیکن جو مسلمان حاکم ایسے امور کا فیصلہ کرنے کے واسطے سرکار کی طرف سے اختیار رکھتے ہیں وہ بھی مثل قاضی کے ہیں اس واسطے ایسے جج وغیرہ کے ہاں درخواست دی جائے۔ اور اگر اس جگہ کوئی مسلمان حاکم ایسا نہ ہو جو شریعت کے موافق فیصلہ کر سکے تو پھر اس صورت میں فقہ حنفی کی رو سے تو کوئی صورت تفریق کی معلوم نہیں ہوتی البتہ مالکیہ کے نزدیک ایسی صورت میں دیندار مسلمانوں کی پنچایت جس میں کوئی معاملہ فہم عالم بھی ہوں ایسے امور کا فیصلہ کر سکتی ہے۔

كما قال الخليل في مختصره: ولزوجة المفقود الرفع للقاضي والوالي ووالي الماء والا لجماعة المسلمين اهـ (از فتویٰ سعید صدیق مدنی)

اور ضرورت کے موقع پر دوسرے ائمہ کے مذہب پر فتویٰ ہو سکتا ہے جبکہ اپنے مذہب میں کوئی گنجائش نہ نکل سکے اس واسطے اگر اس علاقہ میں مسلمان حاکم ان امور میں اختیار رکھنے والا نہ ہو تو

محلہ یا شہر کی پنچایت میں معاملہ پیش کر دیا جائے وہ باقاعدہ تحقیقات کرکے ایک سال کی میعاد مقرر کر دیں اور سال گزرنے پر پھر جمع ہو کر زوج کے حال کی تفتیش کی جائے اگر اس کا جنون زائل نہ ہوا ہو تو عورت کو اس کے نکاح سے الگ کر دیا جائے اور اس تمام کارروائی میں کم از کم ایک عالم ہم عام پنچایت کے ہمراہ ضرور رہو۔ فقط واللہ اعلم۔

تنبیہ ضروری: امام محمدؒ کے قول میں جس کو لیکر یہ فتویٰ دیا گیا ہے جنون حادث و مطبق کا حکم جداگانہ لکھا ہوا ہے مگر ہم نے مطلقاً ایک سال کی مہلت لکھی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جنون مطبق کی تفسیر نماز روزہ اور زکوٰۃ وغیرہ کے بارہ میں تو موجود ہے مگر زوجۃ المجنون کے بارے میں جنون مطبق کی تفسیر کہیں نہیں ملی اور قیاس کی جرأت نہیں ہے خاص کر جب مطبق کو حادث کا مقابل گردان کر کہیں تفسیر نہ ہو اور محض مطبق کی تفسیر سے یہ لازم نہیں آتا کہ حادث کے مقابلہ میں جب مطبق ہو تب بھی اس کی تفسیر یہی ہے پس احتیاط اس میں ہے کہ مطلقاً تاجیل پر عمل کیا جائے خصوصاً جبکہ پنچایت فیصلہ کرنے والی ہو کیونکہ پنچایت کا فیصلہ معتبر ہونا فقہ حنفی میں تو ہے نہیں فقہ مالکی سے اس کا فتویٰ دیا گیا ہے اور مالکیہ کے مذہب میں جنون مطبق و غیر مطبق میں کوئی تفصیل نہیں بلکہ صاحب تحفہ نے لکھا ہے: معو

معنی قول خلیل و جنونہما وان مرۃ فی الشہر قبل الدخول وبعدہ الخ

(از فتویٰ صالح تونسی مدرس مسجد نبوی) فقط واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبدالکریم از خانقاہ امدادیہ
تھانہ بھون۔ مورخہ ۱۰ جمادی الثانی ۵۰ھ

فصل فی احکام الحرمۃ المصاہرۃ

سوتیلی ماں کے مس کرنے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی پہلی بیوی مسماۃ زینب ایک لڑکا مسمی خالد کو چھوڑ کر مر گئی تو زید نے اپنا نکاح ثانی ہندہ سے کیا اور کچھ دنوں کے بعد زید اپنے بیٹا خالد جس کی عمر ۲۵ سال ہے اور بیوی ثانی ہندہ کو چھوڑ کر پردیس چلا گیا تو بارہا دیکھا گیا کہ خالد اپنی سوتیلی ماں ہندہ کی چارپائی پر راتوں کو سوتا رہا ہے اور اکثر مکان خلوت میں دونوں رہا کئے یہاں تک کہ غلبہ نیند سے صبح ہو گئی اور دونوں ایک ہی

چارپائی پر دونوں بیٹھ گئے۔ اس حرکت سے خالد پر زنا کا جرم عائد ہوتا ہے یا کس گناہ کا مرتکب ہوگا اور ہندہ اپنے شوہر زید کیلئے حلال ہے یا حرام ہوگئی؟

سائل: مخلص حسین مدرس مدرسۂ اسلامیہ
قصبہ جلال پور ضلع فیض آباد

الجواب

صورت مسئولہ میں خالد پر زنا کی تہمت بلا ثبوت شرعی کے نہیں لگائی جاسکتی۔ اور ہندہ اپنے شوہر پر جب حرام ہوگی جبکہ چند باتوں میں سے کوئی بات ثابت ہوجائے

۱۔ یہ کہ خالد نے ہندہ کو یا ہندہ نے خالد کو شہوت کے ساتھ چھوا تھا اور جس حصہ جسم کو چھوا تھا وہ موٹے کپڑے سے مستور نہ تھا

۲۔ یا یہ کہ خالد نے ہندہ سے معانقہ کیا تھا اور معانقہ کے وقت اس کے عضو میں انتشار تھا۔

۳۔ یا ایک نے دوسرے کا بوسہ لیا تھا۔

۴۔ یا خالد نے ہندہ کے پستان چھوئے تھے۔

قال في العالمگيرية (ص ۲۷۵ ج ۱) ولا تثبت بالنظر إلى سائر الأعضاء إلا بشهوة ولا بمس سائر الأعضاء إلا عن شهوة بلا خلاف كذا في البدائع

وفيه أيضا: ثم لا فرق في ثبوت الحرمة بالمس بين كونه عامدا أو ناسيا أو مكرها أو مخطئا. كذا في فتح القدير. أو نائما كذا في معراج الدراية. وإذا قبلها ثم قال لم يكن عن شهوة أو لمس أو نظر إلى فرجها ثم قال لم يكن بشهوة فقد ذكر الصدر الشهيد في التقبيل يفتى بثبوت الحرمة ما لم يتبين أنه قبل بغير شهوة وفي المس والنظر لا يفتى بالحرمة إلا إذا تبين أنه فعل بشهوة لأن الأصل في التقبيل الشهوة بخلاف المس والنظر. كذا في المحيط ولو أخذ ثديها وقال: ما كان عن شهوة لا يصدق لأن الغالب خلافه. وفي الخانية ويصدق إذا أنكر الشهوة في المس إلا أن يقوم وآلته منتشرة فيعانقها - كذا في المحيط اھ

پس اگر ان میں باتوں میں سے ایک کا بھی ثبوت ہوگیا تو ہندہ زید پر حرام ہوگی

اور اگر یہ باتیں ثابت نہ ہوں اور نہ ہندہ و خالد نے اقرار کیا تو زید کو اپنے وجدان سے اگر ظن غالب یہ ہو کہ ہندہ و خالد بہ نیت فاسد ایک پلنگ پر لیٹے تھے تو اس کو ہندہ کو طلاق دیدینا چاہئے۔ اور اگر ایسا گمان نہ ہو تو نکاح باقی ہے۔ واللہ اعلم

ظفر احمد

خسر کے اپنی بہو سے زنا کر لینے سے فسخ نکاح کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ چھکن کا نکاح بزمانہ نابالغی ہمراہ مسمی عمر پسر عبد الغنی سے ہوا تھا۔ اس وقت مسماۃ چھکن بعمر سولہ سال ہے اور وہ بالغ ہو گئی اور مسمی عمر بعمر ۱۲ سال نابالغ ہے۔ مسماۃ چھکن سے اس کا خسر زنا کرتا ہے اور جس کے زنا کرنے کی تصدیق زوجہ خسر و دادا خسر و دیگر معتبر مردہا سے ہوئی تو کیا از روئے شریعت مسماۃ چھکن کا نکاح ہمراہ عمر اس کے شوہر کے رہا یا نہیں؟ ازطرف مسماۃ سوئی۔ پانی پت محلہ مخدوم زادگان

الجواب

قال فی الدر: وبحرمة المصاهرة لا یرتفع النکاح حتی لا یحل لها التزوج بآخر إلا بعد المتارکة وانقضاء العدة اھ

وفی الشامیة: (قوله إلا بعد المتارکة) أی وإن مضی علیها سنون کما فی البزازیة وعبارة الحاوی إلا بعد تفریق القاضی أو بعد المتارکة اھ (ص ۴۰۲ ج ۲)

وفی الشامیة أیضا: قال شمس الأئمة السرخسی زعم بعض مشایخنا أن هذا الحکم (أی الطلاق) غیر مشروع أصلا فی حق الصبی حتی أن امرأته لا تکون محلا للطلاق وهذا وهم عندی فإن الطلاق یملك بملك النکاح إذ لا ضرر فی إثبات أصل الملك بل الضرر فی الإیقاع حتی إذا تحققت الحاجة أی صحة إیقاع الطلاق من جهته لدفع الضرر کان صحیحا[1] فإذا أسلمت زوجته وأبی فرق بینهما وکان طلاقا عند أبی حنیفة ومحمد وإذا ارتد والعیاذ بالله وقعت البینونة وکان طلاقا فی قول محمد وإذا وجدته مجبوبا فخاصمت فرق بینهما وکان طلاقا عند بعض المشایخ اھ۔ قلت: حاصله أنه کالبالغ فی وقوع الطلاق منه

---

[1] قلت: ولا شك فی تحقق الحاجة إلیه فی الصورة المسئول لدفع الضرر عنه ۱۲ منه

بهذه الأسباب إلا أنه لا يصح إيقاعه منه ابتداءً لضرره عليه ومثله المجنون اهـ

(ص ۴۳۹ ـ ج ۲)

وفي الدر: وجوزه (أي طلاق الصبي) الإمام أحمد قال الشامي أي إذا كان مميزاً يعقل بأن يعلم أن زوجته تبين منه كما هو مقرر في متون مذهبه فافهم الخ

(ص ۷۰۰ ـ ج ۲)

صورت مسئولہ میں مساۃ چھکن اپنے شوہر عمر پر حرام ہوگئی اب زندگی بھر وہ اس کے لئے حلال نہیں ہوسکتی لیکن اس حرمت سے نکاح نہیں ٹوٹا عمر کا نکاح چھکن سے ابھی باقی ہے اس لئے جب تک عمر بالغ ہوکر طلاق نہ دے یا کوئی قاضی شرع ان دونوں میں تفریق نہ کردے چھکن کا نکاح کسی دوسرے سے نہیں ہوسکتا۔ اگر کوئی مسلمان حاکم جس کو اس مقدمہ کے فیصلہ کا اختیار دیا گیا ہو (گو وہ انگریزی حکومت ہی کی طرف سے ہو) زوجین کے درمیان تفریق کرے اور یہ فیصلہ کردے کہ میں نے اس نکاح کو توڑ دیا تو شوہر کی نابالغی میں بھی مساۃ چھکن پر طلاق پڑجائے گی پھر وہ دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے۔

تتمة الجواب

قال الشامي: وقد علمت أن النكاح لا يرتفع بل يفسد وقد صرحوا في النكاح الفاسد بأن المتاركة لا تتحقق إلا بالقول إن كانت مدخولاً بها كتركتك أو خليت سبيلك وأما غير المدخول بها فقيل تكون بالقول وبالترك على قصد عدم العود إليها وقيل لا تكون إلا بالقول فيها الخ (ص ۲۴۳ ـ ج ۲)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر مساۃ چھکن کا شوہر اس سے ہم بستر نہ ہوا ہو اور بلوغ کے بعد بھی ہم بستر نہ ہوا اور اس کو چھوڑ رکھے اور زبان سے اتنا کہہ دے کہ میں اس سے تعلق رکھنا اور اس کے پاس جانا نہیں چاہتا تب بھی یہ نکاح بلوغ کے بعد ٹوٹ جائیگا گو بالغ ہوکر شوہر طلاق نہ بھی دے پس اگر نابالغی کے زمانہ میں کسی حاکم مسلم نے اس نکاح کو فسخ بھی نہ کیا اور عمر کو بالغ ہونے کے بعد سمجھا دیا جائے کہ یہ لڑکی تجھ پر حلال نہیں رہی اور باتوں باتوں میں وہ اتنا کہہ دے کہ میں اس سے ہم بستر ہونے اور تعلق رکھنے کا ارادہ نہیں رکھتا تو اتنا کہہ دینے سے بھی مساۃ چھکن اس کے نکاح سے نکل جائے گی واللہ اعلم حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۱۴ صفر سنہ

حرمت مصاہرت میں منتہی شہوت کی تحقیق اور لمس باشہوت کا حکم

سوال: زید نے اپنی خوشدامن سے کچھ چاول نمونہ (دیکھنے) کے لیے مانگے اس نے چاول لے کر زید کے ہاتھ پر رکھ دیئے زید کے دل میں یہ خیال تھا کہ اگر اس سے یعنی خوشدامن کے ساتھ ذرا بھی مس باشہوت ہو جائے تو زوجہ حرام ہو جاتی ہے اس لیے وہ بہت احتیاط کرتا تھا لیکن اس وقت جب خوشدامن نے اس کے ہاتھ پر چاول رکھے تو اسے معاً یہ خیال آیا کہ یہی مس باشہوت باعث حرمت ہو جاتا ہے کہیں ایسا نہ ہو جائے اس خیال کے آتے ہی اس کے آلۂ تناسل میں خفیف سا احساس پیدا ہوا مگر یہ احساس قیام آلہ کی حد تک نہیں پہنچا صرف خفیف سا احساس تھا اور میلان قلب الی المباشرۃ بھی ہرگز ہرگز نہ تھا صرف تصور سے یہ احساس پیدا ہوا۔ زید نے ٹٹولا تو آلہ سست اور ماندہ تھا مگر کچھ قلیل سی حس تھی جس کے قوی ہونے سے قیام اور انتشار ہو جاتا ہے ممکن ہے کہ اس حس سے پہلے کی نسبت کچھ تغیر پیدا ہوا ہو مگر قیام کی صورت نہ تھی صرف ضعیف سا احساس تھا۔ کتب فقہ میں حد شہوت یہ لکھی ہے "وحد الشہوۃ انتشار الآلۃ او ان ازدیادہ ان کانت منتشرۃ" عالمگیری ملخصاً وحد الشہوۃ تحرک الآلۃ او ازدیادہ (در مختار) زید یہ فیصلہ نہیں کر سکتا کہ انتشار آلہ کے کیا معنی ہیں اور کیا حد ہے۔ آیا ذرا سا احساس اور تغیر بھی اس میں آ جاتا ہے یا نہیں؟ قاموس میں لکھا ہے: "انتشر الرجل انعظ" اور انعاظ کے معنوں میں لکھا ہے: "انعظ ذکرہ قام، وانعظ الرجل والمرأۃ علاھما الشبق۔ شبق: اشتدت غلمته۔" اور غلم میں لکھا ہے: غلم واغتلم: غلب شہوۃ۔ غلم البعیر: ہاج۔ اس عبارت سے تو معلوم ہوا کہ انتشار کے معنی سخت شہوت کے ہیں معمولی خیال یا احساس اس میں داخل نہیں لیکن یہ معلوم نہیں کہ فقہاء رحمہم اللہ نے یہی معنی مراد لیے ہیں یا نہیں؟ اور صورت مذکورہ میں حرمت مصاہرہ ثابت ہوتی ہے یا نہیں۔ نیز زید کو یہ قلیل احساس اس سے پیدا نہیں ہوا کہ وہ خوشدامن کی طرف مائل ہو گیا تھا۔ حاشا وکلا، یہ خیال اسے عمر بھر کبھی نہیں گزرا بلکہ اس تصور سے کہ مساس ایسا فعل باعث حرمت ہے۔ اسی تصور سے یہ احساس پیدا ہو گیا۔ از راہ عنایت دونوں باتوں کا جواب دیں کہ انتشار اور تحرک آلہ کے معنی قیام آلہ اور غلبۂ شہوت کے ہیں جیسا کہ قاموس سے سمجھا جاتا ہے یا کچھ اور ہیں تو وہ کیا ہیں اور صورت مذکورہ میں زید کی زوجہ کے متعلق کیا حکم ہے؟ والسلام

الجواب

اس صورت میں حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہے اور خفیف سا احساس حدِ شہوت میں داخل نہیں ہے جبکہ میلانِ قلب بھی نہ تھا اور بظاہر چاول ہاتھ میں رکھنے کے وقت بھی نہ تھا بلکہ بعد میں خیال مذکور آ کر خفیف احساس سا ہوا جو کہ حدِ شہوت میں داخل نہیں ہے

قال فی الدر المختار ، والعبرۃ للشہوۃ عند المس والنظر لا بعدھا ۔ قال فی الشامی : فیفید اشتراط الشہوۃ حال المس فلو مس بغیر شہوۃ ثم اشتہی عن ذلک لا تحرم علیہ ردالمحتار ص ۲۸۰ ۔ ج ۲ ۔ فقط واللہ اعلم

کتبہٗ عزیز الرحمٰن عفی عنہ

مفتی دار العلوم دیوبند

۲۰ ربیع الاول ۳۵ھ

تنقیح

۱ یہ شخص جوان ہے یا بوڑھا ؟

۲ سوال میں یہ مذکور نہیں کہ خوشدامن سے چاول لیتے ہوئے اس کا ہاتھ اس کے ہاتھ سے مس ہوا یا نہیں ؟ اس کی تشریح کی جائے ۔

۳ سوال میں یہ بھی مذکور نہیں کہ آلۂ تناسل میں خفیف سا اثر چاول لیتے وقت ہوا یا اس کے بعد میں ؟ اس کو بھی واضح کیا جائے

۴ سوال میں یہ تو مذکور ہے کہ میلان الی المباشرت ہرگز نہ تھا مگر کیا چاول لیتے ہوئے اس کو التذاذ اور شہوت بھی بالکل نہیں ہوئی کیونکہ التذاذ بدون میلان الی المباشرت کے بھی ہو سکتا ہے ۔ ان تنقیحات کے جواب کے بعد حکم بتلایا جائیگا ۔ یہ پرچہ بھی واپس کیا جائے ۔ فقط ظفر احمد از تھانہ بھون

جناب مولانا صاحب !

صاحب واقعہ کے مستفسرہ حالات یہ ہیں :

۱ یہ شخص جوان ، قادر علی المباشرت ہے اور بوقت شہوت اچھی طرح سے انتشار

ہوتا ہے۔

ع۲ چاول لیتے وقت تھوڑا سا مس بلا حائل خوشدامن کے ہاتھ سے ہوا۔

ع۳ اس کے متعلق یقین نہیں کہ یہ خفیف سا اثر کب پیدا ہوا۔ خیال راجح یہ ہے کہ پہلے تصور کی وجہ سے طبیعت میں کچھ ذرا سا اثر تھا اور مس ید کے وقت یقین نہیں کہ اس اثر میں اضافہ ہوا یا نہیں۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ اس شخص نے اپنی بیوی سے جو اس ہی چارپائی پر پڑی تھی اور یہ شخص اس کے پاس دوسرے چارپائی پہ بیٹھا تھا چاول دیکھنے کے لئے مانگے۔ بیوی نے اپنی والدہ کو کہہ دیا کہ چاول لا دے اس شخص کو فوراً یہ تصور آیا کہ ساس سے مس بالشہوت ہونے سے (یا مباشرت کا وقوع ہونے سے) عورت حرام ہو جاتی ہے۔ اس نے بہتیرا ادھر اُدھر دیکھا کہ چاول کسی شے پہ رکھوا لوں مگر اور کوئی چیز نہ تھی ناچار اس نے ہاتھ پھیلایا اور ساس نے چاول رکھ دیے اس وقت طبیعت میں خفیف سا اثر تھا اور غالباً پہلے سے پیدا ہوا تھا اور یہ معلوم نہیں کہ مس کے وقت اضافہ ہوا یا نہیں؟

ع۴ التذاذ کے متعلق بھی کچھ یقینی یاد نہیں کہ واقع ہوا یا نہیں؟ صرف تصور سے کچھ التذاذ قلب بھی ہوا ہو تو بعید نہیں یقینی امر اتنا ہے کہ خفیف سا احساس تھا فقط جو کچھ یاد تھا اور یاد آیا وہ سب لکھ دیا ہے۔ شاید بے اختیاری سے کچھ ذرا سا التذاذ ہوا ہو مگر یقین اس کے متعلق نہیں۔ والسلام

الجواب من جامع امداد الاحکام

صورت مسئولہ میں حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوئی۔ کیونکہ مس کے وقت اضافہ شہوت کا یقین نہیں۔

قال فی الدر المختار: وفی المس لا تحرم ما لم تعلم الشہوۃ لأن الأصل فی التقبیل الشہوۃ بخلاف المس (ص ۳۹۳ - ج ۲)

اور شہوت کے معنی باب مصاہرت میں تحرک آلہ ہے یا ازدیاد تحرک۔ اگر پہلے سے تحرک موجود ہو۔ اور یہی مراد انتشار سے ہے۔ نہ لغوظ قوی یا قیام کامل مراد نہیں جیسا کہ

ع اس مسئلہ کی مزید تفصیل جلد سابع کے تحت [illegible] ماہ ذیقعدہ [illegible] میں موجود ہے۔ وہاں ملاحظہ کیا جائے۔ ظفر احمد

سائل نے سمجھا ہے کہ خفت شہوت مراد ہے۔

قال الشامی: من الفتح وفرع علیه لو انتشر وطلب امرأته فأولج بین فخذی بنتها خطأً لا تحرم أمها ما لم یزدد الانتشار اھ (ص ۲۵۹ ج ۲)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر عمداً فرجِ بنت میں ایلاج ہو تو زیادتِ انتشار کی ضرورت نہ تھی یا پہلے سے منتشر نہ ہوتا اور خطأً فرجِ بنت میں ایلاج ہو کر انتشار ہو تب بھی زیادتِ انتشار کی ضرورت نہ ہوتی والمراد بالإیلاج ما کان بدون المس بالید بلا حائل والا فهو کاف للحرمة۔ واللہ أعلم۔

ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون خانقاہ اشرفیہ

۱۶ر جمادی الاولیٰ ۱۳۴۵ھ

بیٹی سے زنا کیا تو بیوی حرام ہو جائے گی

سوال: مکرم جناب مولوی صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ایک شخص پوچھتا ہے کہ عرصہ دس سال کا ہوا کہ مجھ سے بیٹی کے ساتھ زنا کا گناہ ہو گیا اور اب تک اس کی ماں میرے پاس ہے اور اولاد بھی ہو رہی ہے۔ میں اس گناہ کا اقرار کرتا ہوں اور جو سزا میری ہو اس کے لئے تیار ہوں۔ اس کی ماں کو الگ کروں تو گھر بار اجڑنے کے لئے ہی ممکن ہے کہ میں اس سے بالکل علیحدہ رہوں لیکن وہ گھر میں رہے اور وہ بال بچوں کی پرورش کرے اور اس کو خرچ دیتا رہوں میں اس سے پردہ کروں یا اس کو طلاق دے کر بالکل کوئی تعلق نہ رکھوں؟

الجواب: خانقاہ امدادیہ ۲۰ر جمادی الاولیٰ ۱۳۴۵ھ

بیٹی کے ساتھ زنا کرنے سے اس کی ماں مرد پر حرام ہو گئی۔ اب اس سے وطی اور جماع جائز نہیں۔ باقی نکاح بدون فسخ قاضی یا متارکت احد الزوجین کے نہیں ٹوٹتا اور متارکت کے معنی یہ ہیں کہ طلاق دیدے یا مرد و عورت میں سے کوئی یہ کہدے کہ میں تجھ سے علاقہ نہیں رکھنا چاہتا۔ سو جب تک تفریق قاضی یا متارکت کا تحقق نہ ہو نکاح نہیں ٹوٹتا پس یہ شخص اپنی بیوی کو اس طرح گھر میں رکھ سکتا ہے کہ اس کے پاس نہ جائے اور نان ونفقہ دیتا رہے بشرطیکہ اس صورت میں یہ اندیشہ نہ ہو کہ کسی وقت مبتلائے جماع ہو جائیگا اور بیوی سے ترک جماع کرکے بدون نکاح رہنے میں اس کی عفت پر بھی اندیشہ نہ ہو اور بیوی

کی عفت پر بھی اندیشہ نہ ہو۔ والسلام

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

حرمتِ مصاہرہ کی ایک صورت کے متعلق مدرسہ سہارنپور و خانقاہ امدادیہ کے دو مختلف فتویٰ

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اور مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شریر لڑکا جو سن بلوغت کو نہ پہنچا تھا، عادتِ شرارت اکثر جوان لڑکیوں میں کھیلا کرتا تھا بطور کھیل کے لڑکیوں سے زنا کی نقل کیا کرتا تھا۔ ایک روز اپنی سوتیلی چچی کے پاس جو جوان تھی لیٹ گیا، رات کا وقت تھا اور چچی اس کی بالکل برہنہ ہوتی تھی اس سے حسبِ عادتِ شرارت ہاتھ کی انگلی سے زنا کیا۔ اگر یہ بالغ ہوتا یا اس کو تندی ہوتی تو اصلی زنا کرنے میں اس کے کوئی شک نہ تھی۔ اور عمر کا حال اس عرصہ کا پورے طور سے معلوم نہیں کہ عمر دس برس کی تھی یا کچھ کم و بیش۔ چونکہ اس بات کو اس وقت عرصہ ۴۴ سال بلکہ زیادہ گزر چکا ہے۔ بالغ نہ ہونے کا تو پتہ خوب یاد ہے نہ تو اس عرصہ میں کبھی احتلام ہوتا تھا نہ انزال ہوتا تھا بلکہ تندی بھی شاید نہ ہوتی ہو اگر تندی ہوا کرتی تو ضرور اس وقت بھی ہوتی جس وقت یہ امر انگلی سے ہوا حالانکہ اس وقت اس لڑکے کی چچی کی جب آنکھ کھلی اس نے یہ معاملہ دیکھ کر اس لڑکے کو اپنے پیٹ پر سے ہٹا لیا تب بھی اس کو تندی نہیں ہوئی۔ اس معاملہ کے دس بارہ برس بعد اس کی چچی کی لڑکی پیدا ہوئی۔ جوان ہونے پر اس کی شادی کر دی اب وہ لڑکی بیوہ ہے اس لڑکی سے اس شخص کا جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے حسب قانونِ شریعت نکاح درست ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

حامداً و مصلیاً و مسلماً

اقل مدتِ بلوغ لڑکے کی بارہ سال ہے اس سے پیشتر لڑکا بالغ نہیں ہوتا۔ بارہ برس کے بعد جو زمانہ ہوگا وہ زمانہ مراہقت کا ہوگا جو وطی وغیرہ کے بارہ میں بالغ کا حکم رکھتا ہے۔ چونکہ لڑکے کی عمر اس وقت بارہ برس سے کم تھی اس لئے اس کے اس فعل سے حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوگی۔ اس کا نکاح اس عورت کی لڑکی سے شرعاً جائز ہے۔

فی الشامی تحت قولہ: فلو جامع غیر مراھق زوجۃ ابیہ لم تحرم (فتح)

فتحصل من هذا أنه لابد في كل منهما من سن المراهقة واقله للأنثى تسع وللذكر اثناعشر لأن ذلك أقل مدة يمكن فيه البلوغ اهـ واللہ أعلم

رقمہ ضیاء احمد عفی عنہ

مورخہ ۷ جمادی الاولیٰ ۵۳ھ

صحیح

عبد اللطیف عفا اللہ عنہ — الجواب صحیح

مدرس مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور — خلیل احمد عفی عنہ

سوال مکرر از سائل بالا

جناب مولانا صاحب، دام ظلکم۔ بعد سلام مسنون کے عرض پرداز ہوں۔ چونکہ اس واردات کو عرصہ ۴۲ سال سے زیادہ گزر چکا ہے اس لئے عمر کا حال پورے طور سے معلوم نہیں۔ آیا عمر لڑکے کی بارہ سال سے کم تھی یا کچھ زیادہ تھی عمر کی نسبت احتمال ہے۔ البتہ نابالغ ہونے کا اطمینان پورے طور سے ہے۔ چونکہ بالغ ہونے کا ثبوت انزال ہونے پر منحصر ہے اس عرصہ میں انزال مطلق نہ ہوتا تھا یہ خوب یاد ہے اور عمر کی نسبت اس لئے احتمال ہے کہ اکثر ہم لوگوں میں لڑکے پندرہ سال سے بھی زیادہ عمروں میں بالغ ہوتے ہیں۔ بارہ تیرہ برس کی عمر میں اکثر شہوت اور انتشار بھی نہیں ہوتا اس لئے قیاساً یہ احتمال ہے کہ شاید عمر ۱۲ سال کی ہو گئی ہو یا اس سے زیادہ یا کم ہو۔ اس صورت میں علماء دین اور مفتیان شرع متین کی نکاح کر لینے کی نسبت کیا رائے ہے۔ اگر قانون شریعت کے موافق کوئی صورت نکاح درست ہونے کی ہو تو کر لیا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً ومسلماً

جیسا کہ بلوغ کی اقل مدت بارہ سال ہے ایسا ہی مراہقت کی بھی اقل مدت بارہ سال ہے۔ مراہق اسی کو کہتے ہیں جو قریب البلوغ ہو۔ اور ثبوت حرمت کی اصلی علت وجود شہوت ہے۔ چونکہ در صورت مسئولہ عمر شخص مذکور کی متعین نہیں اور عدم شہوت متیقن ہے اس لئے اس سے حرمت ثابت نہ ہوگی پس زید کا نکاح اس عورت کی لڑکی سے شرعاً جائز ہوگا۔ رقمہ ضیاء احمد عفی عنہ۔ مورخہ ۷ جمادی الاولیٰ ۵۳ھ

صحیح

عبداللطیف

مدرس مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور

صحیح

خلیل احمد عفی عنہ

الجواب من الخانقاہ الامدادیہ

صورت مسئولہ میں جب عمر کا حال مشکوک ہے کہ بارہ برس سے زیادہ تھی یا بارہ برس تھی یا اس سے کم تھی تو اس شخص کا عمر کے اعتبار سے تو مراہق ہونا مشکوک ہے مگر اس کے افعال سے مراہق ہونا غالب ہے کیونکہ چچی کے ساتھ یہ حرکت بدون شہوت کے عادۃً نہیں ہو سکتی ایسی شرارت اپنے ہم عمروں کے ساتھ ہوا کرتی ہے وہ بھی جاگتے ہوئے اور بڑے کے ساتھ سوتے ہوئے اس کا منشا محض شرارت نہیں بلکہ شہوت کو بھی دخل ہے اور مراہقیت مشکوک بھی اور موجب بھی باب فروج میں احتیاط لازم ہے ۔

قال فی الشامیۃ: مس المراهق کالبالغ ۔

وفی البزازیۃ: المراهق کالبالغ لو جامع او لمس بشهوة تثبت حرمة المصاهرة اھ (ص ۲۶۱)

وفی الاشباه: إذا کان مراهقاً تتحرک آلته ویشتهی النساء اھ (۳۲۹)

قال الحموی: الظاهر أن تحرک الآلة یستلزم الاشتهاء فالاشتهاء علة التحرک فی نفس الامر والتحرک علة العلم بالاشتهاء اھ

اس سے معلوم ہوا کہ مراہق ہونے کے لئے عورتوں کی طرف خواہش ہونا اصل ہے اور تحرک آلہ مطلق ہے اسمیں تشدد ہونا ضروری نہیں ۔

وفی الشامیۃ: ولو شك الطلاق واحدة أم أكثر بنى على الأقل اھ وعن الإمام الثانی إذا کان لا یدری أثلاث أم أقل یتحرى وان استویا عمل بأشد ذلك علیه اشباه قال ط: وعلى قول الثانی اقتصر قاضی خان ولعله لأنه یعمل بالاحتیاط خصوصاً فی باب الفروج اھ ـ قلت: ویمکن حمل الأول على القضاء والثانی على الديانة ویؤیده مسئلة المتون فی باب التعلیق لو قال: إن ولدت ذكراً فأنت طالق واحدة وان ولدت أنثى فأنت طالق ثنتین فولدتهما ولم یدر الأول تطلق

واحدة قضاءً وثنتين تنزهاً أي ديانةً اھ (ص ۲۴۵ - ج ۲)

پس صورت مسئولہ میں یہ شخص خوب سوچے کہ اس وقت اس کی عمر بارہ سال تھی یا نہیں؟ اور بچی کے ساتھ یہ حرکت کرتے ہوئے شہوت تھی یا نہیں؟ اگر غالب گمان یہ ہو کہ عمر بارہ سال سے کم تھی اور اس فعل کے وقت شہوت نہ تھی تب تو اس کی لڑکی سے قضاءً و دیانۃً نکاح درست ہے اور اگر کسی ایک طرف گمان غالب نہ ہو بلکہ بارہ سال یا زیادہ یا کم سب کی طرف برابر خیال ہو۔ اسی طرح شہوت وعدم شہوت کا خیال بھی برابر ہو تو اس صورت میں دیانۃً اس لڑکی سے نکاح درست نہیں اور اگر غلبہ خیال کا بارہ سال اور شہوت کے وجود کی طرف ہو تب تو کسی طرح بھی نکاح درست نہیں هكذا ينبغي التفصيل في المقام والحمد لله الملك المنعام۔

حررہ ظفر احمد عفا عنہ۔ از تھانہ بھون

۲۹ر جمادی الثانی ۴۴ھ

شوہر اس اقرار کے بعد کہ اس کے باپ نے اس کی بیوی سے زنا کیا ہے انکار کرے اور عورت بھی مدعیہ زنا ہو جبکہ خسر انکار کرتا ہے تو اس صورت میں حرمت مصاہرت ثابت ہوگی یا نہیں۔

خلاصۂ سوال: اگر زوج اپنی عورت کے متعلق اس امر کا اقرار کر چکا ہو کہ میرے باپ نے اس سے زنا کیا ہے اور بعد میں انکار کر دے اور عورت بھی دعویٰ زنا کا کرتی ہو اور اس کا خسر منکر ہو تو حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب

في العالمگیریة: (ص ۹ ج ۲) ولو أقر بحرمة المصاهرة يؤاخذ به ويفرق بينهما (إلى أن قال) والإصرار على هذا الإقرار ليس بشرط حتى لو رجع عن ذلك وقال كذبت فالقاضي لا يصدقه اھ

اس سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں مسماۃ غلام لبابی شیخ غلام پر حرام ہوگئی لہٰذا اس سے الگ کرا دی جائے یعنی قاضی تفریق کر دے یا زوج خود طلاق دیدے یا بدون طلاق ہی یہ ظاہر کر دے کہ میں نے اس کو ترک کر دیا ہے۔

كما في الدر مع الشامي: (ص ۴۲۳ - ج ۲) وبحرمة المصاهرة لا يرتفع النكاح حتى لا يحل لها التزوج بآخر إلا بعد المتاركة۔ قال الشامي تحت قوله (إلا بعد المتاركة)

أي وإن مضى عليها سنون كما في البزازية وعبارة الحاوي الا بعد تفريق القاضي أو بعد المتاركة اھ. وقد علمت أن النكاح لا يرتفع بل يفسد وقال صاحب الدر (ص ۴۰۲) (وبالمتاركة) أي اظهار العزم من الزوج (على ترك وطئها) بأن يقول بلسانه تركتك بلا وطئ ونحوه ومنه الطلاق وانكار النكاح لو بحضرتها والا لا، لا بمجرد العزم لو مدخولة اور چونکہ خلوۃ بمنزلہ وطی ہوتا ہے اس لئے اگر زوج خود جدا نہ کرے تو حکم کے ذمہ بعد ثبوت شرعی تفریق واجب ہے۔

كما في الدر المختار: بل يجب على القاضي التفريق بينهما۔

وقال الشامي تحت قوله (على القاضي) أي ان لم يتفرقا (ص ۴۰۳) واللہ اعلم

كتبه الاحقر عبد الكريم عفی عنہ

۲۶ محرم ۸۲ھ

خسر نے شہوت کے ساتھ بہو کا ہاتھ پکڑا تو عورت خاوند پر حرام ہو جائے گی

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ باپ نے اپنے بیٹے کی عورت کا ہاتھ شہوت سے پکڑا، عورت ہاتھ چھڑا کر بغرض بچانے عزت کے پڑوس کے مکان میں چلی گئی۔ حالت مذکورہ میں عورت اپنے شوہر پر حلال ہے یا نہیں؟ اور نکاح قائم ہے یا نہیں؟

تنقیح: ہاتھ پر کپڑا تو نہ تھا؟

جواب تنقیح: ہاتھ پر کپڑا نہ تھا۔

الجواب

اگر خسر شہوت کے ساتھ بدون کپڑے کے ہاتھ پکڑ لے تو عورت خاوند پر حرام ہو جاتی ہے لیکن جب تک حاکم اسلام علیحدہ نہ کرے یا زوج طلاق وغیرہ سے جدا نہ کرے اور اس کے بعد عدت نہ گزرے اس وقت تک اور کسی سے نکاح جائز نہیں۔

في العالمگيرية (ص ۵ ج ۲) وكذا تحرم المزني بها على آباء الزاني وأجداده وإن علوا وأبنائه وإن سفلوا. كذا في فتح القدير۔

وفيه بعد أسطر: وكما تثبت هذه الحرمة بالوطي تثبت بالمس والتقبيل

؎ ليس في سائر النسخ ولعله غلط ما قاله شيخنا

والنظر إلى الفرج بشهوة كذا في الذخيرة سواء كان بنكاح أو ملك أو فجور عندنا كذا في المحيط.

وفي الدر المختار: وبحرمة المصاهرة لا يرتفع النكاح حتى لا يحل لها التزوج بآخر إلا بعد المتاركة وانقضاء العدة. والله أعلم

احقر عبد الحکیم عفی عنہ

ا ر جمادی الاول ۹۲ھ

جواب میں تفصیل کی ضرورت ہے وہ یہ کہ بیٹے کی عورت شہوت سے پکڑنے کا دعویٰ کرتی ہے اب خسر سے پوچھا جائے اگر شہوت سے انکار کردے تو قسم کے ساتھ اس کا قول معتبر ہے۔

قال الشامي نقلاً عن الجوهرة للحداوي: لو مس أو قبل وقال لم اشتهِ صدق إلا إذا كان المس على الفرج والتقبيل في الفم اهـ (ص ۳۶۲ ج ۲)

اور اگر شوہر کا باپ خود سرے سے واقعہ ہی کا انکار کرے تو اب یا تو عورت کے پاس بینہ ہے (یعنی دو گواہ) یا نہیں؟ اگر بینہ ہے تو اس کے متعلق سوال دوبارہ کیا جائے۔ اور بینہ نہیں ہے تو اس عورت کا خاوند اگر عورت کو سچا سمجھے اور اس کا دل گواہی دے کہ اس کا قول سچا ہے تب تو یہ اس پر حرام ہو جائے گی اور اگر اس کا دل واقعہ کی تصدیق نہ کرے یا باپ کے متعلق عورت کے ادعاءِ شہوت کو دل قبول نہ کرے تو حرمت نہ ہوگی۔ کذا یظهر من الشامية (ص ۴۵۷ ج ۲) والله أعلم۔

فقط سعید احمد عفا اللہ عنہ

۱۳ ر جمادی الاول ۹۲ھ

حرمتِ مصاہرہ کے متعلق ایک استفتاء

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمیٰ زید نے اپنے والد عمر کی منکوحہ ہندہ سے حسب ذیل واقعات کیا جن کی تفصیل یہ ہے کہ زید عمر کا لڑکا ہے جو کہ پہلی منکوحہ سے ہے جب زید کی عمر تقریباً سات سال یا اس سے کچھ کم و بیش ہوئی اس وقت عمر نے دوسرا نکاح ہندہ سے کیا جب ہندہ اپنے خاوند کے گھر آئی تو زید چونکہ چھوٹی عمر کا لڑکا تھا اس لئے ہندہ اس کو اپنے لڑکے کی طرح محبت کرنے لگی اور زید کو بھی ان سے غایت

اُنسیت ہوگئی اور چونکہ ھندہ نہایت حسینہ جمیلہ نوجوان تھی اس وجہ سے بھی زید کو اس کی طرف طبعی میلان تھا اور بہت ممکن ہے کہ اس میں کچھ کچھ بدنگاہی کا بھی آمیزش ہو۔ غرض جبکہ زید ہمیشہ ھندہ کے پاس بیٹھنے رہنے لگا اور عمر کی زیادتی کی وجہ سے کچھ کچھ شہوت بھی زیادتی ہونے لگی اور پھر زید بعض لڑکوں کے ساتھ رہکر (جو کہ اس سے عمر میں بڑے تھے اور بعض اس میں بالغ یا قریب البلوغ بھی تھے) بری بری باتیں سیکھنے لگا اور دن بدن زید میں بھی ان لڑکوں کی صحبت کی وجہ سے خباثت کی باتیں پیدا ہونے لگیں جب اس نے اپنے باپ کی منکوحہ ھندہ کو بھی بدنگاہی سے دیکھنے لگا اور جتنا اشتہا بڑھتا گیا اتنا ہی اس مرض میں زیادتی ہونے لگی چنانچہ انہی اثناء میں جبکہ اس کی عمر نو یا دس برس کی ہوگی ھندہ نے ایک دفعہ زید کو بوجہ تنہا ہونے کے رات کو اپنے پاس لیا تھا کیونکہ اس وقت زید سے عورتیں نہیں شرمائی تھیں اور ھندہ کو بھی زید کو اپنی طرف میلان بد کا اندیشہ تھا پس زید نے اس کے پاس لیٹ کر غالباً ایک دفعہ سو جانے کے بعد جب آنکھ کھلی تو ھندہ کو سوتی ہوئی پایا تو یہ شرارت کی کہ اپنے رخسار کو ھندہ کے رخسار کے ساتھ اور غالباً اپنے ہونٹ اس کے ہونٹ یا رخسار کے ساتھ اشتہا کے ساتھ ملایا اور ہاتھ سے بھی دیگر اعضاء کے ساتھ مس کیا علاوہ فرج کے اور غالباً پستان کو بھی بوجہ خوف بیدار ہونے کے مس نہیں کیا مگر اس واقعہ کے وقت زید کو انزال تو بالکل نہیں ہوتا کیونکہ منی اس وقت پیدا نہ ہوا تھا البتہ اتنی بات تھی کہ پہلے سے لڑکوں کو دیکھا دیکھی جلق کرنے لگا تھا اول اول تو زید کا کچھ بھی خارج نہ ہوتا تھا مگر شاید اس واقعہ کے وقت ایک دو قطرہ مذی کی طرح رقیق یا اس سے کچھ کم و بیش نکلنے لگا تھا۔ کچھ اچھی طرح زید کو یاد نہیں۔ ہاں اس وقت عورت سے وطی کرنے کو جی چاہتا تھا! اور غالباً اس واقعہ کے بعد (گو اس کو بعدیت میں ایک گونہ تردد ہے مگر اغلب یہی یاد آتا ہے کہ یہ واقعات پہلے مذکورہ واقعہ کے بعد میں ہوئے اور ممکن ہے کہ بعض دفعہ قبل ہو اور بعض دفعہ بعد میں ایسا ہوا ہو بلکہ اغلباً یہی صورت معلوم ہوتی ہے) بعض بعض دفعہ گھر کے کاموں میں کہ جس میں دو آدمی کی ضرورت ہوتی ہے زید ھندہ کے ساتھ ملکر کام کرتا تھا اور اس میں زید کو حظ (؟) تھا اور اگر موقع پاتا تو اپنے بدن کو ھندہ کے بدن کے ساتھ لگا دیتا گو اغلب یہ ہے کہ کپڑے کے اوپر سے ہوتا تھا اور یاد آتا ہے کہ غالباً ھندہ کے ہاتھ کی چوڑیاں دیکھنے کے بہانے سے اپنے ہاتھ سے بلا حائل کپڑا وغیرہ کے اس کے ہاتھ سے مس کیا تھا لیکن مس کرنے ہی

جب اپنے اندر کچھ اشتہا کی زیادتی دیکھا تو فوراً ہاتھ کو علیحدہ کر لیا تھا اور غالب ظن یہی ہے کہ ان تمام واقعات کے وقت زید کی عمر دس یا گیارہ سال سے متجاوز نہ تھی اور برس چھ مہینے کی زیادتی کمی کا بھی احتمال ہے گو احتمال کمی کا زیادہ ہے شاید تحقیق کرنے کی کوشش کرنے سے کچھ صحیح اندازہ لگ جائے ان واقعات کے بعد جب زید میں آثار بلوغ ظاہر ہونے لگے اور غالباً ھندہ کو بھی اس امر کا احساس ہو گیا کہ زید کو میری طرف بڑی میلان اور بدنگاہی ہے ، تب وہ زید سے بہت احتیاط کرنے لگی اور زید بد صحبت لڑکوں کے ساتھ رہ کر رات دن شہوت رانی کے قصوں میں مبتلا ہو گیا چونکہ زید کو مع اس کے ہم مشربوں کے ھندہ پر پہلے سے نگاہ بد جم چکی تھی لیکن اپنی خواہش پوری نہ کر سکی اور تو کوئی صورت قابو میں نہ تھی آخر میں یہ بات طے کی کہ کسی طرح ھندہ کی فرج کو دیکھ کر اس پر تصور کر کے جلق وغیرہ کیا جائے۔ چنانچہ ایک دفعہ جب کہ ھندہ کے خاوند مکان پر نہ تھا اور رمضان شریف کا زمانہ تھا زید مع اپنے ایک ہم مشرب کے ھندہ کے پاس ارادہ مذکورہ سے جانے کا قصد کر کے چلا۔ لیکن دوسرا بوجہ خوف وغیرہ کے پیچھے رہ گیا اور زید ھندہ کے پاس پہنچا تو دیکھتا ہے کہ ھندہ جلتی چراغ چھوڑ کر سو رہی ہے اور چونکہ ھندہ کے وضع حمل کا زمانہ نہایت قریب تھا غالباً اس واقعہ کے پندرہ بیس روز بعد ہی ولادت ہوئی شاید اس لئے بھی بہت غافل ہو کر پڑی رہی اور زید نے اس کے پاس آ بستر سے بیٹھ کر مقام مخصوص سے کپڑا اٹھا کر خود تھوڑے تھوڑے فرج خارج کو دیکھا اور دوسرے اعضاء کو بھی شہوت کے ساتھ مس کرتا رہا یہاں تک کہ جب ان امور سے ہیجان بہت زیادہ ہو گیا اور خود انزال ہونے کا خوف ہو گیا تو زید وہاں سے بالکل چلے آنے کے ارادہ سے اٹھا لیکن ابھی تک ھندہ کے بستر سے علیحدہ ہونے نہ پایا تھا از خود انزال ہو گیا اور انزال کے وقت ھندہ زید کی ملموس بھا اور منظور الیہا نہ تھی۔ اس کے بعد جب ہیجان کم ہو گیا تو پھر دیکھنے کے ارادہ سے عود کیا کیونکہ مقصود تو صرف فرج کو دیکھنا تھا لیکن دوبارہ جا کر نہ تو ابھی تک کسی عضو کو ہاتھ وغیرہ سے مس کیا اور نہ فرج کو دیکھا اتنے میں ھندہ کو خبر ہو گئی اور ممکن ہے کہ جب وہاں سے جانے لگا تھا اسی وقت خبر ہو گئی ہو۔ غرض جاتے ہی جب اس نے زید کو دیکھا دھمکایا تو زید وہاں سے بھاگ گیا اس واقعہ کے بعد کوئی ایسی بات نہیں کی کہ جس سے حرمت مصاہرۃ کا شبہ ہو پس ان واقعات مذکورہ سے زید کا ھندہ سے موافق مذہب حنفیہ حرمت مصاہرۃ ثابت ہو گئی یا نہ؟ بر تقدیر اول عمرو جو کہ زید کا والد ہے اس سے ھندہ کی تفریق واجب ہو گی یا نہیں؟ اور

زید ان گناہوں سے توبۃ النصوح کیونکر حاصل کر سکتا ہے۔ بینوا توجروا

الجواب

زید کے جو واقعات دس یا گیارہ سال کی عمر کے لکھے ہیں ان سے تو حرمت مصاہرت ثابت نہیں کیونکہ بارہ سال سے پہلے شرعاً لڑکا مراہق نہیں مانا گیا لانہ لا یتصور منہ الاحبال وھو الاصل فی حرمۃ المصاہرۃ اور جو ایک واقعہ بلوغ کے زمانہ میں نظر الی الفرج اور مساس کا لکھا ہے اس سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی بوجہ مساس کے نہ بوجہ نظر الی الفرج کے کیونکہ نظر الی الفرج الخارج موجب حرمت نہیں فی الاصح اگر زید کو بعد مساس کے انزال نہ ہو جاتا مگر چونکہ اس کو مساس کے بعد انزال ہو گیا اس لئے اس سے بھی حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوئی۔

قال فی الشامیۃ: لا بد فی کل منہما من سن المراہقۃ وأقلہ للأنثی تسع وللذکر اثنا عشر لأن ذلک أقل مدۃ یمکن فیہا البلوغ کما صرحوا بہ فی باب بلوغ الغلام وھذا یوافق ما مر من أن العلۃ ھی الوطء الذی یکون سببا للولد أو المس الذی یکون سببا لھذا الوطء ولا یخفی أن غیر المراہق منہما لا یتأتی منہ الولد اھ (ص ۳۱ ج ۲)

وفی الدر: ھذا إذا لم ینزل فلو أنزل مع مس أو نظر فلا حرمۃ، بہ یفتی ابن کمال وغیرہ اھ

قال الشامی: لأنہ بالانزال تبین أنہ غیر مفض إلی الوطء (ھدایہ)

قال فی العنایۃ: ومعنی قولہم ھذا أن الحرمۃ عند ابتداء المس بشہوۃ کان حکمہا موقوفاً إلی أن یتبین بالانزال فإن أنزل لم تثبت وإلا ثبتت اھ (ص ۴۵۹ - ج ۲)

وفی التحریر المختار: قول الشارح: ھذا إذا لم ینزل ثم أطلق فی الانزال فشمل ما إذا أنزل بمجرد المس أو بعدہ، ولو بجماع فی زوجتہ الأخری اھ (سندی عن غایۃ البیان ص [illegible]) قلت: فیہ تصریح بأن مقارنۃ الانزال (أی قبل سکون شہوۃ حادثۃ بالمس) بالمس غیر مشروط ویؤیدہ ما فی فتح القدیر تحت قول الھدایۃ: ولو مس فأنزل فقد قیل أنہ یوجب الحرمۃ والصحیح أنہ لا یوجبہا الا ما نقلہ ثم شرط الحرمۃ بالنظر أو المس أن لا ینزل فإن أنزل فالمختار لا تثبت کقول المصنف وشمس الأئمۃ والبزدوی بناءً علی أن الأمر موقوف حال المس إلی ظہور عاقبتہ إن

ظهر انه لم ينزل حرمت والا لا اهـ (مجتبیٰ)۔ قلت: ومعاقبة الشيء ما يعقبه لا ما يقارنه فظهر أن مقارنة الانزال بالمس ونحوه ليس بشرط بل الشرط معاقبته ولعله مراد ما ذكره السندي عن غاية البيان۔ وأيضاً فقد صرحوا بأن الافضاء والاتيان في الدبر لا يوجبان حرمة المصاهرة ولم يقيدوها بأن لا يكون قبلهما مس ولا نظر وإن كان شيء منهما فلا ينفصل جسمه عن جسمها حتى ينزل وإن انفصل جسمه عن جسمها بعد المس ولو لحل اللباس ثم جامعها وأفضاها أو أتاها في دبرها حرمت حيث سكتوا عن كل ذلك تبين أن المقارنة بين المس والانزال وبين المس والافضاء وبين المس والاتيان في الدبر ليس بشرط بل تكفي تعقب شيء منها من المس والنظر لنفي الحرمة المتصلة التي ذكرها في العناية۔

تتمہ: یہ تو معلوم ہو گیا کہ انزال مس کے بعد بھی مسقط حرمت ہے اور مقارنت شرط نہیں لیکن کیا اس بعدیت کی کوئی حد بھی ہے یا نہیں تو قواعد سے مفہوم ہوتا ہے کہ جب تک اس شہوت کو سکون نہ ہو جو مس و نظر سے پیدا ہوئی ہے اس مدت میں اگر انزال ہو گیا تو مسقط حرمت ہے ورنہ مسقط حرمت نہیں کیونکہ انزال کو عاقبۃ المس جب ہی کہہ سکتے ہیں جبکہ مس کو انزال میں دخل ہو اور سکون شہوت کے بعد جو انزال ہوگا وہ اس مس کی عاقبت نہیں بلکہ کسی دوسرے فعل کی عاقبت ہے اور غالباً درمختار کی عبارت میں مع مس او نظرہ بلفظ معیت اسی کی طرف اشارہ کرنے کے واسطے اطلاق کیا گیا ہو ولم ارہ صریحاً۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
۱۲ شوال س۴۲ھ

مصاہرت کی ایک خاص صورت کا حکم

سوال: ایک شخص نے اپنے لڑکے کی عورت سے فعل بد کرنے کی نیت سے اپنے دل کا راز بیان کیا اور کسی وقت موقع پا کر اس عورت سے جو اس کے بیٹے کی زوجہ ہے اس کا ہاتھ پکڑا لیکن دل کی مراد پوری نہ کر سکا اور کتنی راتوں کو اس عورت کے بستر کو خالی پا کر اس کے بستر پر جا کر سویا اور اس کے بدن پر ہاتھ رکھا لیکن جب عورت مذکور نیند سے بیدار ہوئی فوراً اٹھ کر بھاگ گئی اور اپنی عصمت و عزت کو بچائی کسی وقت وہ مرد اس کو اپنے قابو میں نہ لا سکا اور ایک بار اس عورت کو ان کے والد کے مکان سے لاتے وقت اسی مرد مذکور نے یعنی اس عورت کے خاوند کے والد نے راستہ

میں اکیلا پاکر اس دن بھی اپنے دل کی باتیں بیان کیں اور بعض بعض دفعہ ہاتھ پکڑا لیکن عورت نے اپنی عزت کو بچایا اور مرد مذکور اس معاملہ کا انکار کرتے ہوئے قرآن شریف کی قسم کھانے کا وعدہ کرتا ہے۔ اب اس عورت کے بارے میں شریعت محمدیہ کا کیا حکم ہے؟ یعنی اس عورت کو رکھنا اس مرد کے لڑکے کے لئے جائز ہے یا نہیں اگر رکھے تو اس کے واسطے نکاح دوبارہ کرنا ہوگا یا نہیں۔ نیز اس عورت پر طلاق ہوئی ہے یا نہیں؟ براہ مہربانی ان ساری باتوں کا جواب عنایت فرمائیں۔

عرض گزار: خادم، غلام، محمد منصور علی
ساکن مرزاپور ڈاکخانہ قیتوش ضلع شیرہ

تنقیح

۱۔ مندرجہ بالا تینوں واقعات میں عورت کے ہاتھ اور بدن پر کپڑا تھا یا نہیں؟ اور کپڑا باریک تھا یا موٹا؟

۲۔ یہ عورت بالغہ ہے اور یہ جو بیان لکھا ہے تمام عورت کی زبان سے سنا ہے ان سب باتوں کا کوئی گواہ نہیں؟

۳۔ اس عورت نے اپنے شوہر سے بھی یہ قصہ بیان کیا یا نہیں اور اس شوہر نے کیا جواب دیا اس کو سچا سمجھا یا جھوٹا؟

جواب تنقیح

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ عورت مذکورہ نے یہ تمام قصہ اپنے شوہر سے بیان کیا تھا اور عورت کی باتوں سے شبہ ہونے کے سبب سے اس عورت مذکورہ کے شوہر نے اپنے والد سے یہ تمام قصہ دریافت کیا تھا اسی سبب سے اس لڑکے کے والد نے ان تمام باتوں سے انکار کرکے قرآن شریف کی قسم کھانے کا وعدہ کیا اور یہ واقعہ جب ہوا تھا ان ایام میں عورت مذکورہ کے پہناوے میں (لباس میں) ہمارے اس ملک کے جولاہے کا بنا ہوا موٹا کپڑا تھا اور عورت مذکورہ کے بدن میں کپڑا لپٹا تھا اور یہ جو واقعہ عورت نے بیان کیا حضور کے علاوہ کے اس قصہ کو قریب ایک برس سات ماہ گزر گئے اور ۳ کے قصے کو بھی ایک برس دو ماہ گزر گئے اور یہ عورت اتنی مدت تک اپنے شوہر کی خدمت میں تھی اور شوہر نے اپنی عورت کی تمام باتوں کو جھوٹا جانا اس وجہ سے شوہر نے اس عورت کو اپنی خدمت میں رکھا تھا۔

عورت کے ہاتھ میں کپڑا تھا یا نہیں اس کو عورت بھی نہیں کہہ سکتی اُسے یاد نہیں ہے۔ یہ عورت مذکورہ اور مرد مذکور ایک دوسرے پر جھوٹ بات بیان کرتے ہیں۔ اب حضور مہربانی فرما کر شریعت کے موافق جواب تحریر فرما کر دل خوش کیجیے

الجواب

تنقیح: عورت صرف چھونے اور ہاتھ پکڑنے کی مدعی ہے یا تقبیل و اخذ ثدی و مس فرج، و معانقہ با انتشار آلہ بلا حائل کی بھی مدعی ہے

اگر صرف چھونے اور ہاتھ پکڑنے کی مدعی ہے اور خسر شہوت کا منکر ہے تو خسر کا قول مع الیمین معتبر ہے عورت کا قول معتبر نہیں بلکہ اس پر بینہ ہے۔ اور اگر تقبیل و اخذ ثدی و مس فرج و معانقہ بلا حائل کی بھی مدعی ہے یا ان میں سے کسی ایک کی مدعی ہے تو اب یہ دیکھنا چاہیے کہ خسر ان افعال کا اقرار کرکے شہوت کا منکر ہے یا ان افعال ہی کا منکر ہے اگر ان افعال کا اقرار کرکے شہوت کا منکر ہے تو عورت کا قول معتبر ہے اور اگر ان افعال ہی کا منکر ہے تو خسر کا قول مع الیمین معتبر ہے اور عورت کے ذمہ بینہ ہے پس صورت واقعہ مفصل لکھ کر سوال کیا جائے۔

قال في الدر: وإن ادعت الشهوة في تقبيله أو تقبيلها ابنه وأنكرها الرجل فهو مصدق لاهي (لأنه ينكر ثبوت الحرمة والقول للمنكر شامي) إلا أن يقوم إليها منتشرا آلته فعانقها أو يأخذ ثديها أو مس فرجها أو يقبلها على الفم والحق بكان الخدين بالفم اهـ ([illegible]) والله أعلم

ظفر احمد

تتمة الجواب

قال في البحر عن فتح القدير: وثبوت الحرمة بلمسها مشروط بأن يصدقها ويقع في أكبر رأيه صدقها وعلى هذا ينبغي أن يقال: إن في مسه إياها لا تحرم على أبيه وابنه إلا أن يصدقاها أو يغلب على ظنهما صدقها ثم رأيت عن أبي يوسف ما يفيد ذلك اهـ ([illegible])

قلت: ولما كان ثبوت الحرمة مشروطا بالتصديق وإذا فات الشرط

فات الشروط فلا تثبت الحرمة بدون التصديق وإذا لم تثبت يحل للمرأة المقام مع زوجها لكن يحتمل أن يكون المراد الثبوت قضاءً ويؤيده ما في الفتح بعد كلامه المذكور ثم رأيت أبا يوسف أنه ذكر في الأمالي قال امرأة قبلت ابن زوجها وقالت كان عن شهوة ان كذبها الزوج لا يفرق بينهما ولو صدقها وقعت الفرقة اھ (ج ۲ ص ۱۳) وأما ديانةً فينبغي أن تفتي المرأة بحرمة تمكينها إياه على نفسها فلا تمكنه بالرضاء وتسعى في الامتناع منه بالهرب أو بالخلع كما إذا طلقها ثلاثاً وأنكر تطليقه إياها ولا بينة لها فإنه لا يفرق بينهما قضاءً ويفتى في حق المرأة بالتحريم ووجوب الامتناع منه ۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ ۔ از تھانہ بھون

۱۷ ذی الحجہ ۴۶ھ

خلاصہ یہ کہ صورت مسئولہ میں اگر عورت کو خسر کے متعلق شہوت و بدنیتی کا دعویٰ ہے کہ اس نے شہوت سے اس کو مس کیا ہے اور عورت کے پاس بینہ نہیں ہے اور خسر اور شوہر دونوں عورت کی تکذیب کرتے ہیں تو قضاءً اس صورت میں حرمت ثابت نہیں ہوتی اور ظاہر میں نکاح صحیح ہے لیکن چونکہ عورت کو اپنا سچا ہونا معلوم ہے اس لئے اس کو اپنے حق میں اس نکاح کو فاسد سمجھنا چاہیے اور اگر ممکن ہو تو شوہر سے علیحدہ ہو جائے اور اپنی رضا سے شوہر کو اپنے اوپر قابو نہ دے بشرطیکہ ایسا کرنے پر وہ قادر ہو اور ضرر عظیم کا اندیشہ نہ ہو اگر ضرر عظیم اور تکلیف کا اندیشہ ہو تو وہ معذور ہے اسلئے تحمل ضرر عظیم کی وہ مکلف نہیں

واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۱۷ ذی الحجہ سنہ ۴۶ھ

حدیث سے حرمت مصاہرت بالزنا کا ثبوت سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی بہو یعنی اپنے بیٹے کی بیوی سے جبراً زنا کیا تو کیا وہ بیٹے پر حرام ہو جاتی ہے یا نہ؟ اب بیٹے کو اپنی بیوی سے جماع کرنا جائز ہے یا نہیں؟ کسی صورت سے اس عورت کو خاوند کے گھر میں رہنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں ہے تو اس کا نکاح فسخ سمجھا جائیگا یا ضرورت طلاق کی ہوگی؟ بینوا توجروا۔

عہ أفتينا بذلك أخذاً بقول الشافعي دفعاً للحرج ۔ ظفر

الجواب

حنفیہ کے نزدیک زنا سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے اس لئے صورت مسئولہ میں بیٹے کی بیوی بیٹے پر حرام ہوگئی اور اس کو اس سے جماع و مقدمات جماع سب حرام ہوگئے لیکن نکاح فسخ نہیں ہوا بلکہ فاسد ہوا جس کا طلاق یا متارکت سے قطع کر دینا بیٹے پر واجب ہے اگر اس کی زوجہ دوسرے شخص سے نکاح کرنا چاہتی ہو اور اگر وہ بخوشی اس کے گھر رہنا چاہے اور دونوں احتیاط عن المقاربت و عن مقدماتہا پر قادر ہوں اور بے احتیاطی متعلق ستر عورت و خلوت وغیرہا کا اندیشہ نہ ہو اور گھر میں اس کو رکھنے کی سخت ضرورت ہو مثلاً وہ صاحب اولاد ہے جن کی پرورش کے لئے اس کا رہنا ضروری ہے کیونکہ شوہر پرورش اولاد کا کوئی دوسرا سامان نہیں کر سکتا۔ یا کر سکتا ہے مگر خود عورت کو دوسرے سامان پر اطمینان نہیں تو ان قیود کے ساتھ یہ بھی جائز ہے کہ بیٹا اپنی بیوی کو طلاق و متارکت سے الگ نہ کرے بلکہ اپنے ہی گھر میں رکھے اور دونوں باہم پوری احتیاط رکھیں۔ عورت وجہ و کفین کے سوا باقی جسم کو شوہر سے ہمیشہ مستور رکھے اور کبھی خلوت کا بھی موقع نہ دے بلکہ ہمیشہ کسی معتبر عورت کے ساتھ گھر میں رہے اور جن لوگوں کو واقعہ زنا کی اطلاع ہو چکی ہو ان کو اس سے بھی اطلاع کر دیا جائے کہ اب اس عورت کو اس صورت سے گھر میں رکھا گیا ہے۔ بیوی بنا کر نہیں رکھا گیا۔

وهذا مما يعرف ولا يعرف وإنما ذكرناه توسعة على المضطرين في قيام المرأة في بيت الزوج بعد حرمتها عليه إلا مثل ما في قيام المستأجرة لخدمة البيت في بيت المستأجر الأعزب إلا أن يقال فرق بينهما وهو أن الرجل يحتشم من غير منكوحته وكذا تحتشم هي منه بخلاف ما إذا كانا زوجين قد اختلطا زماناً قلنا فلأجل ذلك قيدناه بالقدرة على التوقي والاحتياط والاضطرار إلى ذلك وإلا فلا يجوز ويمكن الاستيناس بقوله تعالى: فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ. الآية - حيث أباح الاسترضاع من المطلقات بعد انقضاء عدتهن فافهم۔ والأصل في ثبوت حرمة المصاهرة بالزنا قوله صلى الله عليه وسلم لسودة في ولد جارية زمعة: واحتجبي منه يا سودة! الحديث، وهو متفق عليه

لأنه صلى الله عليه وسلم لما رأى الشبه بعتبة علم أنه من مائه فأجراه في الاحتياط مجرى النسب. قال ابن حزم وهو قول الثوري. وفي المعالم للخطابي وهو مذهب أصحاب الرأي والأوزاعي وأحمد. قاله في قوله صلى الله عليه وسلم: احتجبي منه يا سودة، حجة لهم. كذا في الجوهر النقي (ص ۱۶۹- ج ۷)

وفيه أيضاً قبله (ص ۱۶۸- ج ۷) قال ابن حزم: وروينا عن ابن عباس أنه فرق بين رجل وامرأته بعد أن ولدت له سبعة رجال كلهم صار رجلاً يحمل السلاح لأنه كان أصاب من أمها ما لا يحل. وروى عبد الرزاق في مصنفه عن عثمان بن سعيد عن قتادة عن عمران بن حصين في الذي يزني بأم امرأته قال حرمتا عليه جميعاً اهـ. إسناده حسن وهذا أن صحابيين قد صرحا بما دل عليه الحديث المرفوع وأقوال الصحابة عندنا حجة وقد رواه ابن حزم عن سعيد بن المسيب وأبي سلمة بن عبد الرحمن وعروة بن الزبير (وهؤلاء كبار التابعين) ورواه ابن أبي شيبة بسند صحيح عن ابن المسيب والحسن وعبد الرزاق وعن عطاء وطاؤس وابن أبي شيبة عن قتادة وأبي هاشم في الرجل يقبل أم امرأته أو ابنتها قال حرمت عليه ابنته. وعن ابن مغفل (وهو عبد الله صحابي) وعن عكرمة مثله كذا في الجوهر النقي ملخصاً صححه والحسن كما ذكرنا في مقدمة إعلاء السنن، نقلاً عن الحافظ ابن حجر في الفتح والتلخيص. والله تعالى أعلم.

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
ازتھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
۲۹؍ محرم سنہ ۴۸ھ

جب تک مس بالشہوت نہ ہو مطلق مس موجب حرمت نہیں

سوال: ایک شخص مسمی سومر بیان کرتا ہے کہ میری ساس یعنی میری منکوحہ کی ماں ایک شب کو جبکہ میں نیند میں تھا میرے اوپر آکر چارپائی کے نزدیک کھڑے ہو کر ایک ہاتھ میرے سینے کے اوپر رکھا اور منہ اپنا میرے منہ سے ملایا اس وقت میں بیدار ہو گیا اور مجھ کو کہا کہ میں تیرے ساتھ سوتی ہوں میں نے ان کو کہا کہ یہ کام مجھ سے نہ ہوگا۔ پھر وہ چلی گئی۔ مجھ کو اس وقت شہوت کا انتشار وغیرہ کچھ نہ تھا اس کے بعد ایسے ہی زبانی میرے ساتھ محبت بہت کرتی

ہے اور دیگر لوگوں میں ان دونوں کی آپس میں ظاہری محبت دیکھ کر بری محبت کی شہرت ہو گئی ہے عورت سے پوچھا گیا کہ تو اپنے داماد کے ساتھ منہ ملایا اور ہاتھ سینے کے اوپر رکھا کر دو ایسا کہتا ہے۔ عورت نے کہا کہ میں نے کچھ بھی نہیں کیا وہ میرا داماد ہے مجھ کو اسی کی وجہ سے اس سے محبت ہے، میں نے ہاتھ یا منہ اس پر نہیں لگایا، وہ جھوٹ کہتا ہے اب چونکہ سوہر خود اس بات کا مدعی ہے کہ میرا منہ لگایا اور سونے کے واسطے خواہش کی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کو شہوت تھی۔ کیا سوہر پہ منکوحہ کی حرمت ثابت ہوئی یا نہیں؟

بندہ فخر الدین۔ گھوٹکی ضلع سکھر (سندھ)

الجواب

صورت مسئولہ میں مرد تقبیل کا مدعی نہیں بلکہ صرف اس کا مدعی ہے کہ عورت نے میرے منہ سے منہ لگایا اور یہ تقبیل نہیں بلکہ صرف مس ہے اور مس میں اس وقت تک حرمت نہیں ہوتی جب تک مس با شہوت نہ ہو اور جب عورت شہوت کی منکر ہے تو اس سے قسم لے لی جائے اگر وہ قسم کھائے تو حرمت نہ ہوگی

منہ یا رخسار پر بوسہ لیا تو انکار شہوت معتبر نہیں

سوال: اگر عورت یا مرد ہاتھ لگانے یا بوسہ دینے کا اقرار کرے اور شہوت کا انکار کرے تو فقط اس کا قول کافی ہے یا قسم پر اس کی شہوت کا انکار قبول ہوگا؟

① اگر دو شاہد گواہی دیں مس اور بوسہ کی مرد اور عورت پر۔ اور وہ عورت یا مرد شہوت کا انکار کریں تو حرمت ثابت ہوگی یا نہیں؟ کیونکہ مرد کا انتشار بھی شاہدوں کو دیکھنا مشکل ہے اور عورت کی شہوت تو ان کو دیکھنا ناممکن ہے شاید بظاہر مس یا بوسہ کی گواہی دیں گے پھر شہوت کا اقرار یا انکار تو عورت یا مرد پر منحصر رہا اس صورت میں گواہی پر حرمت ثابت ہوگی یا ان کے انکار پر حلت بدستور قائم رہیگی؟

بندہ فخر الدین۔ گھوٹکی ضلع سکھر (سندھ)

الجواب

① بوسہ اگر منہ یا رخسار پر لیا ہو تو صحیح یہ ہے کہ انکار شہوت معتبر نہیں اور بوسہ کے معنی منہ چومنا یا رخسار چومنا ہے صرف منہ سے منہ ملانا یا رخسار پہ منہ لگانا بوسہ نہیں اور ہاتھ لگانے میں انکار شہوت معتبر ہے مع الیمین۔ بدون یمین کے منکر کا قول معتبر نہیں۔

(۴) شاہدین کو شہادت علی المس میں مرد کے انتشار اور عورت کی حرکات کا مشاہدہ ضروری ہے اگر وہ مس کی شہادت بدون انتشار کے بیان کریں تو مرد کا انکار معتبر ہوگا مع الیمین

مساحقت موجب حرمت مصاہرت ہے یا نہیں؟

سوال: زید کی بیوی نے اس کی لڑکی بالغہ یا نابالغہ سے چپٹی کی یعنی جس طرح صحبت کرتے ہیں اسی طرح اس نے بھی کسی طریقہ اس کے ساتھ ایسا فعل کیا اور اس کے جسم کو دیکھنے سے اس فعل کا یقین ہے تو کیا لڑکی کا حکم بھی مثل لڑکے کے ہے یعنی جس طرح ابن الزوج کے ساتھ ایسا فعل کرنے سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے اس صورت میں بھی ہوگی یا نہیں بحوالہ کتب تحریر فرمائیں۔

الجواب

اس صورت میں یعنی مساحقت میں حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہو سکتی۔

قال فی الدر: أما غیرها أی غیر المشتهاة المزنیة فلا تثبت الحرمة بها اصلاً کوطی دبر مطلقاً أی سواء کان بصبی او امرأة اتی رجل رجلاً له ان یتزوج بابنته لأن هذا الفعل لو کان فی الاناث لا یوجب حرمة المصاهرة ففی الذکر أولی۔ قال الشامی: ان العلة هی الوطء السبب للولد ولم یتحقق فی الصورتین اهـ (ص ۶ ج ۲)

قلت: وکذا لم یتحقق الوطء السبب للولد فی المساحقة اصلاً فلا حرمة بها۔

واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

۳ ذی قعدہ سنہ ۴۲ھ

هل یجوز للحنفی الافتاء بقول الشافعی فی مسئلة المصاهرة ام لا؟

سوال: عقب اهداء السلام والتحیة اللائقة بالمقام فیا سیدی! قد جاءنا سوال بواقعة تحیرنا فیها ان افتینا فیها بحرمة المصاهرة تخشی الفتن وان لم نفت بها لم نجد لها مساغاً فی المذهب حسب فهمنا فرفعنا الامر الی علومکم لکی تطمئن الخواطر فهل یجوز لنا ان نفتی فیها بقول الامام الشافعی رحمه الله تعالی؟ فالمرجو من مکارم اخلاقکم البهیة أن تفیدونا بما أراکم الله تعالی لا زلتم محلاً للمعاقد داعیکم حسین احمد غفر له من دیوبند

الجواب: الحمد لله وسلام علی عباده الذین اصطفی۔ ثم السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

وبعد فانا لا نجيز العمل بقول سيدنا الشافعي رحمه الله في مسئلة حرمة المصاهرة بوجوه:

الاول: عدم الحاجة إليه فانه لا ضرر ولا حرج في طلاق امرأة بينها والمفارقة منها والتزوج بغيرها۔

والثاني: كثرة المفاسد وتفاقم الفتن في ترك قول الامام في المسئلة فان العوام إذا علموا بجواز العمل بقول غيره فيها تهوروا على المساس والنظر بشهوة إلى أمهات أزواجهم ونحوهن وعلى ارتكاب الزنا ومقدماته بحلائلهم او بأزواج آبائهم ونحوهما وإذن يرتدعون من ذلك مخافة فوات النكاح۔

والثالث: قوة قول الامام في المسئلة فقد أجمع الصحابة على حرمة الوطي بامة قد وطيت امها أو بنتها قبلها وما ذلك إلا لحرمة المصاهرة وبسط الدلائل في الجوهر النقي فليراجع۔ والله تعالى أعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۱۸؍ ذی قعدہ سنہ ۴۴ھ

عورت دعوی کرے کہ خسر نے اس کے ساتھ بارہا زنا کیا ہے اور شوہر اس کی تصدیق نہ کرے تو کیا دو گواہوں کی شہادت سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی۔

سوال: یہ ہے کہ ایک عورت نے دعوی و نالش کی کہ عورت کے زوج کے باپ نے اس سے بارہا جبراً زنا کیا جس کے دو گواہ بھی موقع کے ہیں۔ اس سے زنا تو ثابت نہیں ہوا مگر حرمت مصاہرت یعنی وہ عورت اس شخص کے بیٹے پر حرام ہوگی یا نہیں؟ جبکہ اس عورت کا شوہر عورت کے بیان کو بالکل تصدیق نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ میرے کسی دشمن نے یہ جھوٹی تہمت میرے باپ پر کرنے کو میری زوجہ کو تعلیم دی ہے تاکہ وہ مجھ پر حرام ہو جائے اور وہ دشمن خود اس سے نکاح کر سکے اس حالت میں جبکہ شوہر عورت کے بیان کی تصدیق نہیں کرتا حرمت مصاہرت ثابت ہوگی یا نہیں؟ اور اس عورت کو زوج سے تفریق کی جائیگی

ہ فان من العوام من لا يخاف الله تعالى ولا يتقيه حق تقاته ولكن اكثرهم يهابون من فساد انكحتهم او انكحة أقربائهم من الآباء والابناء

یا نہیں؟ جواب سے سرفراز فرمایا جائے۔

سائل: ظہور الحق

سب رجسٹرار و قاضی پوسٹ قاضی پور

الجواب

صورت مسئولہ میں قضاءً حرمت مصاہرت کا ثبوت نہیں کیونکہ یہ دو گواہ زنا کے شاہد ہیں اور زنا کے گواہوں کے لئے چار گواہوں سے کم کافی نہیں اس لئے یہ گواہ شرعاً حد کے قابل ہیں۔ اگر قاضی اسلام ہوتا تو ان پر حد جاری کرتا پس ان کی گواہی سے نہ زنا کا ثبوت ہوا نہ حرمت مصاہرت کا۔ البتہ چونکہ صورت مسئولہ میں عورت خود مدعی ہے اس لئے دیانۃً عورت کو یہ فتویٰ دیا جائیگا کہ اگر وہ اپنے بیان میں سچی ہے تو اس کو اپنے شوہر سے الگ ہو جانا واجب ہے مگر دوسرے شخص سے نکاح کرنا اس کو جائز نہیں جب تک زوج اس کو طلاق نہ دے یا متارکت کے الفاظ استعمال نہ کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون۔ ۱۹ ربیع الثانی ۵۳ھ

بیوی کی سوتیلی ماں سے زنا کیا تو بیوی حرام نہیں ہوگی

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین متین و مفتیان شرع مبین اس مسئلہ میں کہ زید کی شادی بکر کی لڑکی زبیدہ کے ساتھ ہوئی ہے کچھ دنوں کے بعد زبیدہ کی ماں کا انتقال ہو جاتا ہے اور بکر دوسری شادی کرتا ہے پھر زید اپنی اہلیہ کی سوتیلی ماں سے مرتکب زنا کا ہوتا ہے یا اس کو شہوت کے زور سے ہاتھ لگاتا ہے تو ان دونوں صورتوں میں زبیدہ اپنے خاوند زید پر حرام ہوتی ہے یا نہیں اگر حرام ہوگئی ہے تو حرام ہو جانے کے بعد اگر زید اپنی بیوی زبیدہ سے صحبت کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ عرض کہ ان صور کے متعلق فقہ حنفیہ کی رو سے مفصل جوابات مع حوالہ تحریر فرمائیے۔

سائل: عبد الغنی عفا عنہ

الجواب

بیوی کی سوتیلی ماں سے زنا اور مس بالشہوت کرنے سے بیوی شوہر پر حرام نہیں ہوتی مگر زید کو سخت گناہ ہوا جلد اس گناہ سے توبہ کرے ورنہ وبال دنیا و آخرت کے لئے تیار رہے۔ فقط واللہ اعلم

ظفر احمد عفا عنہ ۹ ربیع الثانی ۵۳ھ

وطی ربیبہ سے بیوی کا حرام ہونا

سوال : اگر کوئی شخص پہلے ایک عورت سے نکاح کرے اور وطی کرتا رہے پھر اس عورت کی پہلے خاوند کی لڑکی سے یعنی ربیبہ سے نکاح جہالتاً کرے اور وطی کرے تو دونوں حرام ہوں گی یا نہیں ؟ احمد علی ۔ از ہوشیار پور محلہ سنہری مدرسہ سبیل الرحمة

الجواب

جس شخص نے اپنی ربیبہ عورت سے ہم بستری وغیرہ کی ہے اس پر اس کی بیوی بھی حرام ہوگئی جیسا کہ پہلے سے ربیبہ حرام ہے

کما فی العالمگیریہ : وتثبت (أی حرمة المصاهرة) بالوطی حلالاً کان أو عن شبهة أو زنا کذا فی فتاوی قاضی خان ، فمن زنا بامرأة حرمت علیه أمها وإن علت وابنتها وإن سفلت (ص ۲۷۴)

البتہ اگر وطی اور اس کے دواعی میں سے کوئی امر واقع نہ ہوتا تو محض نکاح بنت الزوجہ سے زوجہ حرام نہ ہوتی ۔

کما فی العالمگیریة ایضاً : وتثبت حرمة المصاهرة بالنکاح الصحیح دون الفاسد کذا فی محیط السرخسی ۔ فلو تزوجها نکاحاً فاسداً لا تحرم علیه أمها بمجرد العقد بل بالوطی هکذا فی البحر الرائق

وفیه بعد أسطر : وکما تثبت هذه الحرمة بالوطی تثبت بالمس والتقبیل والنظر إلی الفرج بشهوة ۔ کذا فی الذخیرة سواء کان بنکاح أو ملك أو فجور عندنا کذا فی الملتقط

قال أصحابنا : الربیبة وغیرها فی ذلك سواء ۔ هکذا فی الذخیرة ۔ واللہ اعلم

احقر عبد الکریم عفی عنہ

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ ضلع مظفر نگر تھانہ بھون

۱۵ / صفر ۵۹ھ

حرمت مصاہرت کے متعلق چند سوالوں پر مشتمل ایک استفتاء

سوال : ایک غلطی یہ سرزد ہوئی کہ ایک مرتبہ زید کے سینہ میں درد ہونے لگا زید کی پھوپھی جو (زید کی بیوہ بھاوج کی ماں تھیں) از راہ شفقت فرمایا کہ لاؤ میں تمہارے سینہ میں دوا یا تیل کی مالش کردوں تاکہ درد موقوف ہو جائے چنانچہ زید چت لیٹ گیا اور زید کی پھوپھی

نے زید کے کمر کی دونوں طرف اپنے دونوں پیروں کو ڈال کر جھکے ہوئے زید کے سینہ پر دو مالش کرنا شروع کردی اس ہیئت کذائیہ سے مالش ہونے کی وجہ سے زید کے عضو مخصوص میں خود بخود ایک خفیف سا انتشار پیدا ہوگیا یعنی عضو میں خفیف ایستادگی پیدا ہوگئی اور مالش برابر ہوتی رہی اس وقت زید اپنی طبیعت اور اپنے خیال کو دفع کرنے اور دوسری طرف متوجہ کرنے کی برابر کوشش کرتا رہا اس مالش ہونے کے وقت نہ زید کی کوئی نیت خراب تھی اور نہ زید کی پھوپھی کی اور نہ اس قسم کا خیال طرفین میں کبھی پیدا ہوا۔ اور نہ ایسا ہوسکتا تھا اس لئے کہ زید ہمیشہ سے اپنی پھوپھی کو بزرگوں کی طرح سمجھتا ہے مگر اس مالش کے دوران میں محض پیروں کے حائل کردینے اور اس خاص صورت سے ایک عورت ذات کے ہاتھ سے مالش ہونے کی وجہ سے خود بخود زید کے دل میں کسی خفیف خیال کے گذرنے سے یہ کیفیت پیدا ہوگئی تھی۔

دوسری غلطی یہ ہوئی کہ زید کی پھوپھی غسل کر رہی تھیں پاخانہ میں تھیں زید نے بے احتیاطی سے بغیر آواز دیئے ہوئے اندر مکان کے چلا آیا۔ یا بغیر کھانسے ہوئے پاخانہ کے اندر چلا گیا ایسی حالت میں زید نے اپنی پھوپھی کو برہنہ دیکھ لیا مگر زید نے اپنی نگاہ کو جمنے نہیں دیا۔ بلکہ فوراً نظر ہٹا لیا اور الٹے پیروں فوراً واپس ہوا جبکہ زید کو یہ معلوم ہوگیا کہ پاخانہ کے اندر کوئی شخص موجود ہے زید کی نظر خاص حصہ جسم یعنی شرمگاہ پر نہیں پڑی بلکہ دیگر حصہ جسم برہنہ پر پڑی۔

تیسری غلطی یہ ہوئی کہ ایک مرتبہ زید کی پھوپھی کو اپنے پیروں یا ہاتھوں کے کڑے اتروانا مقصود تھا چونکہ کڑے کسی قدر سخت تھے لہذا زید سے یہ کہا کہ بھیا! میرے یہ کڑے اپنے ہاتھ سے ذرا ڈھیلا دو تاکہ آسانی سے اتر جائیں زید نے اس کی تعمیل کی مگر کڑے اتارتے وقت زید نے اپنی پھوپھی کی پنڈلی کھلی ہوئی دیکھی۔ مگر کوئی شہوانی خیال طرفین میں قطعی نہیں تھا اور نہ اس کا گمان ہوسکتا ہے لہذا زید ان مذکورہ بالا وجوہات کے واقع ہوجانے سے یہ خیال کرتا ہے کہ شاید سسرالی رشتہ قائم ہوگیا ہو اور اب اپنی پھوپھی کی اولاد یعنی بہن جلی سے نکاح کرنا ناجائز ہو۔ لہذا حضور والا از راہِ کرم اس مسئلہ پر توجہ فرمائیں اور مفصل جواب جلد ارسال فرمائیں تاکہ زید اس پر کاربند ہوئے اور اگر خدانخواستہ اب اس کے لئے یہ نکاح از روئے مذہب حنفیہ ناجائز ہے تو مذہب شافعیہ سے اجازت مل سکتی ہے یا نہیں؟

اور کوئی حنفی امام ، امام شافعیؒ کے کسی مسئلہ پر عامل ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب

① اس واقعہ میں چونکہ اس شخص کا خیال اس عورت کی جانب نہ تھا بلکہ محض خیال کی وجہ سے شہوت ہوئی اس لئے اس واقعہ سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوئی ۔

لما فی الشامیۃ : (ص ۴۵۹ ۔ ج ۲) قلت : ویشترط وقوع الشھوۃ علیہا لا علی غیرھا لما فی الفیض لو نظر إلی فرج ابنتہ بلاشھوۃ فتمنی جاریۃ مثلھا فوقعت لہ الشھوۃ علی البنت تثبت الحرمۃ وان وقعت علی من تمناھا فلا ۔

البتہ اگر وہ عورت کہتی ہو کہ اس کو اس وقت شہوت تھی تو مفصل بات لکھ کر دوبارہ سوال کریں اور یہ بھی لکھیں کہ زید کو اس عورت کا قول صحیح معلوم ہوتا ہے یا نہیں ؟

② اس واقعہ میں نہ شہوت ہوئی نہ نظر جسم خاص کی طرف اور یہ دونوں شرط ہیں پس کوئی وجہ حرمت مصاہرت کی نہیں ۔

③ اس میں بھی بس بلا شہوت ہونے کی وجہ سے حرمت مصاہرہ کا احتمال نہیں ہے غرض ان ہر سہ واقعات میں کوئی واقعہ ایسا نہیں جس سے حرمت مصاہرہ ثابت ہوتی ہو ۔ پس زید اس عورت کی لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے ۔

احقر عبد الکریم عفی عنہ از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۱۲ شوال سنہ [illegible]ھ

الجواب صحیح

و إن ادعت المرأۃ الشھوۃ لما فی الدر المختار : وإن ادعت الشھوۃ فی تقبیلہ أو تقبیلھا ابنہ (وانکر الرجل فھو مصدق) لا ھی الخ

وفی الشامی (ص ۴۶۳ ۔ ج ۲) (قولہ فھو مصدق) لانہ ینکر الحرمۃ ، والقول للمنکر وھٰکذا ذکرہ فی الذخیرۃ . فی المس لا فی التقبیل کما فعل الشارح وذلک مخالف لما مشی علیہ المصنف اولاً من أنہ فی التقبیل یفتی بالحرمۃ ما لم یظھر عدم الشھوۃ وقدمنا عن الذخیرۃ نقل الخلاف فی ذلک فما ھنا مبنی علیٰ ما فی بیوع العیون اھ

ظفر احمد عفا عنہ

مسئلہ مصاہرت | **سوال** : واقعہ یہ ہے کہ ایک مشکوحہ نے بوجوہ متعددہ کہا ایسا

خانہ داری اپنے شوہر کے مکان سے جاکر اپنے سسر پر تہمت لگا دی کہ اس کے سسر نے اس کے ساتھ زنا کیا منکوحہ مذکورہ کا خاوند بغرض تحصیل علم دین غیر ملک گیا تھا جب وہ پردیس سے مکان میں آیا منکوحہ کے عم حقیقی نے داماد سے کہا کہ لڑکی قرآن مجید پکڑ کر حلف کرتی ہے کہ اس کے سسر نے اس سے زنا کیا لڑکی کی زبان بندی میرے نزدیک درست ہوئی اگر تم کو باور نہ ہو لڑکی سے دریافت کرو۔ تب داماد نے جواب دیا کہ میں بسواس کرتا ہوں کہ آپ نے میری زوجہ کی زبان بندی لی ہے لیکن میں اس وقت کچھ نہیں پوچھوں گا۔ چچا نے کہا یہ لڑکی تمہارے لئے قطعی حرام ہوئی کیونکہ کوئی شک نہیں تم جاسوس کی طرح گواہ تلاش کرو۔ الغرض لڑکی کے چچا نے داماد کو حکم دیا کہ تمہاری بیوی ہے کہ تم لے جاؤ۔ لیکن لڑکی کے سوتیلے باپ نے نہیں دیا۔ پھر چچا نے ایک کاغذ بطور زبان بندی کے اپنے ہاتھ سے لکھ کر اس پر داماد کا نام جعلی دستخط کرکے ایک مولوی صاحب کے پاس بھیجا اور اس کاغذ میں لکھا ہوا تھا کہ داماد نے واقعہ زنا کی تصدیق کی ہے۔ مولوی صاحب مذکور نے لڑکی اور اس کے سسر یعنی مدعیہ و مدعا علیہ سے کچھ بھی دریافت نہ کیا اور ان کی زبان بندی بھی نہیں لی بلکہ داماد کو بلا کر کہا کہ اس نوشتہ ہذا کے معلوم ہوتا ہے کہ تم نے واقعہ زنا کی تصدیق کی۔ داماد نے جواب دیا نہیں صاحب! میں نے ہرگز واقعہ زنا کی تصدیق نہیں کی بلکہ اپنے چچا سسر کو فقط اتنا بولا ہوں کہ "میں بسواس کرتا ہوں آپ نے میری زوجہ کی زبان بندی لی ہے۔ پس مولوی صاحب مذکور نے اس کاغذ پر اعتماد کرکے زنا کے دعوی پر ثبوت حرمت مصاہرت کا ایک فتوی لکھ دیا۔ اس مولوی صاحب کے فتوی لکھنے سے پیشتر دیگر دو مولوی صاحبان یہ حکم دے چکے کہ صورت مسئولہ میں حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوئی۔

پس استفتاء یہ ہے کہ صورت مرقومۃ الصدر میں جو ثبوت زنا فقط لڑکی کے چچا کے نوشتہ پر محتمل ہو کر حرمت مصاہرہ کا فتوی دینا صحیح ہے یا نہیں؟ در نفس الامر میں بھی صورت مرقومہ میں حرمت ثابت ہوئی یا نہیں؟ جبکہ دو مولوی صاحبان نے عدم ثبوت حرمت کا حکم دیدیا پھر دوسرے مولوی صاحب کو اس کی تردید کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

یہ سوالات زائد ہیں اصل واقعہ کا حکم یہ ہے کہ اس قاضی یا مسلمان حاکم کے پاس

مقدمہ پیش کیا جائے جس کو اس قسم کے معاملات میں فیصلہ کرنیکا حکومت کی طرف سے اختیار دیا گیا ہو اگر حاکم مسلم اور قاضی نہ ہو تو کسی کو باہمی طرفین سے حکم بنالیا جائے جس کے پاس مقدمہ پیش ہو وہ عورت کا دعویٰ سنے اور گواہ طلب کرے اگر اس کے پاس گواہ نہ ہوں تو مدعا علیہ یعنی خاوند[عہ] اور خسر سے حلف لیا جائے اگر گواہوں سے حرمت مصاہرہ ثابت ہو جائے یا خسر اور خاوند یمین سے انکار کردیں تو قاضی حاکم یا حکم تفریق کردے اور تفریق کے بعد عدت گزار کر عورت دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے بدون تفریق دوسری جگہ نکاح کرنا حرام ہے الا آنکہ خاوند کی طرف سے متارکت ہو جائے۔

كما قال صاحب الدر : لا يحل لها التزوج بآخر إلا بعد المتاركة ۔

وفي الشامي عن الحاوي : إلا بعد المتاركة أو تفريق القاضي اهـ (ص ۲۶۳ ج ۲)

اور اگر مدعا علیہما حلف کرلیں تو نکاح قائم رہنے کا حکم دیدیا جائے لیکن نکاح قائم رہنے کا حکم دینے سے صرف قضاءً حلت کا فتویٰ دیا جائے گا مگر دیانۃً حلال ہونے میں تفصیل ہے یعنی جس کو حرمت مصاہرت کا علم ہو اس کے لئے تعلق ازدواج رکھنا حلال نہ ہوگا۔ اور جس کو علم نہیں وہ دیانۃً بھی معذور ہے پس واقعہ مسئولہ میں اگر خاوند درحقیقت عورت کی تصدیق کرچکا ہو تو قضاء قاضی کے بعد بھی اس کے لئے حلال نہیں ہوسکتی۔

اسی طرح اگر کوئی امر موجب حرمت مصاہرت کا خسر سے سرزد ہوگیا ہے تو اس کو اخفاء جائز نہیں اور چونکہ عورت ایسے واقعہ کی مدعیہ ہے جس سے یقیناً حرمت مصاہرت ہو جاتی ہے اس لئے اس کے واسطے کسی حال میں تمکین جائز نہیں لیکن اگر کوئی صورت ایسی ہوتی جس میں احتمال ہوتا تو قضاء قاضی کے بعد اس کو تمکین جائز ہو جاتی مثلاً خسر کی جانب سے تقبیل واقع ہوتی اور عورت شہوت ہونے کا دعویٰ کرتی اور خسر حلف سے کہدیتا کہ شہوت سے ہرگز نہ تھا تو تمکین حلال رہتی۔

والمسئلة مصرحة في البدائع : حيث قال بعد نقل الاختلاف بين الإمام و صاحبيه في نفاذ القضاء باطناً بشهادة الزور فيما هو له ولاية الإنشاء في الجملة وأجمعوا على أنه لو ادعى نكاح امرأة وهي تنكر وتقول أنا أختك من الرضاع أو أنا في

[عہ] خسر سے تو اس بات پر حلف لیا جائے کہ اس نے کوئی فعل موجب حرمت مصاہرہ کا نہیں کیا اور خاوند سے اس پر لیا جائے کہ مجھ کو عورت کی بات پر یقین نہیں آیا۔ منہ

مدة من زوج آخر فشهد بالنكاح شاهدان وقضى القاضي بشهادتهما والمرأة تعلم أنها كما أخبرت لا يحل لها التمكين (ص ۱۵ ج ۴)

كتبه الاحقر عبد الكريم عفي عنه
از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
مورخہ یکم ذی قعدہ ۶۲ھ

حسن المحاضرة فی تحقیق بعض شرائط حرمة المصاهرة

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی ایک رشتہ کی پھوپھی جو کہ عمر میں ادھیڑ اور زید سے بہت زیادہ عمر میں بڑی ہیں۔ زید اپنی ان پھوپھی کی اپنی ماں کے برابر عزت کرتا ہے اور اسی طرح سے پھوپھی بھی زید کو اپنے لڑکے کی طرح سمجھتی ہیں زید کی پھوپھی کی ایک لڑکی کا زید کے ایک سگے بڑے بھائی کے ساتھ نکاح ہوا تھا مگر عرصہ تین چار سال کا ہوا کہ زید کے بڑے بھائی کا انتقال ہوگیا اب زید کی یہ بھاوج بیوہ ہیں اور زید کے بھائی مرحوم کی اولاد زید کی نگرانی و زیر پرورش ہیں۔ زید اور زید کی یہ بھاوج اور اس کی اولاد وغیرہ ایک ہی گھر میں رہتے سہتے ہیں اور سبھوں کا ایک گھر میں کھانا پینا ہے زید کے دوست و احباب عزیز و اقارب کی یہ دلی خواہش ہے اور بہت کوشاں ہیں کہ زید کا نکاح زید کی اس بھاوج بیوہ کے ساتھ ہوجائے تاکہ یہ بیوہ زید کے گھر کی ہی رہے اور گھر کا شیرازہ نہ بکھرنے پائے اور زید کے بھائی مرحوم کی اولاد جو اس بیوہ سے پیدا ہو ہیں ان کو کوئی تکلیف نہ پہنچے اور بدستور زید کی زیر نگرانی رہیں۔ اعزہ کا یہ خیال ہے کہ اس بیوہ کا نکاح اگر کسی غیر جگہ ہوگا تو گھر کا یہ سارا انتظام منتشر ہوجائیگا اور بچوں کو بھی تکلیف ہوگی نیز بیوہ کا ایسی صورتوں میں کسی دوسری جگہ نکاح ہونا بھی ایک امر محال سمجھا جاتا ہے۔ اگر اس بیوہ کا نکاح زید کے ساتھ نہ ہوا تو عمر بھر بیوہ ہمیشہ کے لئے نکاح کرنے سے محروم رہے گی اور ساری زندگی اس کی یوں ہی گذر جائے گی۔ بیوہ بیچاری ابھی نوجوان ہے اور انداز سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بھی یہ خواہش ہے کہ گھر ہی میں نکاح زید (دیور) کے ساتھ ہوجائے تو بہتر ہے۔ عزیز و اقارب، دوست و احباب کے مجبور کرنے پر زید بھی راضی ہوگیا ہے کہ وہ اپنی اس بیوہ بھاوج کے ساتھ جو کہ کسی غیر جگہ مذکورہ بالا وجوہات کی بناء پر نکاح کرنے سے مجبور ہوا ہی ہے نکاح کرکے خدا تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرے مگر افسوس ہے کہ زید چند خاص وجوہات و مشکلات کی بناء پر جو کہ اس سے نادانستگی

اور غلطی سے عرصہ ہوا سرزد ہوگئی تھیں کہ جس کے باعث اس نکاح سے تامل کر رہا ہے تاوقتیکہ کوئی شرعی حکم صادر نہ ہو اور اطمینان نہ ہو جائے ۔

پہلی غلطی یہ سرزد ہوئی کہ ایک مرتبہ زید کے سینہ میں درد ہونے لگا زید کی پھوپھی مذکورہ نے جو (زید کی بیوہ بھاوج کی ماں ہیں) از راہ شفقت فرمایا کہ لاؤ میں تمہارے سینہ میں دوا یا تیل مالش کردوں تاکہ درد موقوف ہو جائے ۔ چنانچہ زید چت لیٹ گیا اور زید کی پھوپھی نے زید کے کمر کی دونوں طرف اپنے دونوں پیروں کو ڈالکر جھکے ہوئے زید کے سینہ پر مالش شروع کردی ۔ اس ہیئت کذائی میں مالش ہونے کی وجہ سے زید کے عضو مخصوص میں خود بخود ایک خفیف سا انتشار پیدا ہوگیا یعنی عضو میں خفیف ایستادگی پیدا ہوگئی اور مالش برابر ہوتی رہی ۔ اس وقت زید اپنی طبیعت اور اپنے خیال کو دفع کرنے اور دوسری طرف متوجہ کرنے کی برابر کوشش کرتا رہا ۔ اس مالش ہونے کے وقت نہ زید کی کوئی نیت خراب تھی اور نہ زید کی پھوپھی کی ۔ اور نہ اس قسم کا خیال طرفین میں کہیں پیدا ہوا اور نہ ایسا ہو سکتا تھا اس لئے کہ زید ہمیشہ سے اپنی پھوپھی کو بزرگوں کی طرح سمجھتا ہے ۔ مگر اس مالش کے دوران محض کمر میں پیروں کے حائل کردینے اور اس خاص صورت سے ایک عورت ذات کے ہاتھ سے مالش ہونے کی وجہ سے خود بخود زید کے دل میں کسی خفیف خیال کے گزرنے سے یہ کیفیت پیدا ہوگئی تھی ۔

دوسری غلطی یہ ہوئی کہ زید کی پھوپھی غسل کر رہی تھیں یا پاخانہ میں تھیں زید بے احتیاطی سے بغیر آواز دئے ہوئے اندر مکان کے چلا آیا یا بغیر کھانسے ہوئے پاخانہ کے اندر چلا گیا ۔ ایسی حالت میں زید نے اپنی پھوپھی کو برہنہ دیکھ لیا مگر زید نے اپنی نگاہ کو جمنے نہیں دیا بلکہ فوراً نظر ہٹا لیا اور الٹے پیروں فوراً واپس ہوا جبکہ زید کو یہ معلوم ہوگیا کہ پاخانہ کے اندر کوئی شخص موجود ہے زید کی نگاہ خاص حصۂ جسم یعنی شرمگاہ پر نہیں پڑی بلکہ دیگر حصۂ جسم برہنہ پر پڑی ۔

تیسری غلطی یہ ہوئی ۔ ایک مرتبہ زید کی پھوپھی کو اپنے پیروں یا ہاتھوں کے کڑے اتارنا مقصود تھا چونکہ کڑے کسی قدر سخت تھے لہذا زید سے یہ کہا کہ بھیا ! میرے یہ کڑے اپنے

ہاتھ سے ذرا پھیلا دو تاکہ آسانی سے اُتر جائیں۔ زید نے اس کی تعمیل کی مگر کپڑے اتارتے وقت زید نے اپنی پھوپھی کی پنڈلی کھلی ہوئی دیکھی مگر کوئی شہوانی خیال طرفین میں قطعی نہیں تھا ورنہ اس کا گمان ہو سکتا ہے لہٰذا زید ان مذکورہ بالا وجوہات کے واقع ہو جانے سے یہ خیال کرتا ہے کہ شاید سسرالی رشتہ قائم ہو گیا ہو اب اپنی ان پھوپھی کی اولاد یعنی بیوہ بھاوج سے نکاح کرنا ناجائز ہو لہٰذا حضور والا از راہ کرم اس مسئلہ پر توجہ فرمائیں اور مفصل جواب جلد ارشاد فرمائیں تاکہ زید اس پر کاربند ہو جائے۔ اور اگر خدانخواستہ اب اس کے لئے یہ نکاح ازروئے مذہب حنفیہ ناجائز ہے تو مذہب شافعیہ سے اجازت مل سکتی ہے یا نہیں۔ اور کوئی حنفی امام شافعی کے کسی مسئلہ پر عامل ہو سکتا ہے یا نہیں؟

فقط والسلام۔ خادم فضل حق صدیقی

متعلم گورنمنٹ ہائی اسکول بہرائچ (اودھ) درجہ نہم سکشن (ب)

تنقیحات

① پاؤں کس جگہ رکھے اور زید کے بدن سے اس عورت کا کون کون جسم لگا ہوا تھا؟

② آخر کچھ نہ کچھ خیال تو دل میں اس وقت ہو گا خواہ اس عورت کا یا کسی اور عورت کا؟

③ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاً خود بخود اسی کی طرف خیال ہوا تھا بعد میں دوسری طرف متوجہ کیا ہے جو واقعہ ہو مفصل لکھا جائے۔

④ کیا یہ اندازے سے لکھا ہے یا اس سے دریافت کر کے لکھا ہے؟

⑤ اس خیال کی تشریح کی جائے جب مسئلہ لکھا جا سکتا ہے۔

جواب تنقیح

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مسئلہ دریافت طلب میں جو خاص باتیں دریافت فرمائی گئی ہیں اس کے متعلق عرض ہے:

① زید اپنے سینہ پر مالش کرانے کے لئے زمین پر ایک چٹائی پر پیر سیدھا کر کے چت لیٹ گیا اور زید کی پھوپھی نے اپنا ایک پاؤں زید کے ایک کولے کے قریب اور دوسرا پاؤں دوسرے کولے کے قریب رکھا اور گھٹنے اور سرین اٹھائے ہوئے کمر سے خمیدہ ہو کر جس طرح زمین پر سے کوئی چیز جھک کر اٹھاتے ہیں زید کے سینہ پر ہاتھوں سے مالش کرنے لگیں یعنی زید عورت کے دونوں پیروں کے درمیان لیٹا ہوا تھا اور عورت کے دونوں

پاؤں زمین پر تھے صرف دونوں ہاتھ زید کے سینہ پر مالش کر رہے تھے اس کے سوا کوئی اور حصہ جسم زید کے بدن سے نہیں لگا ہوا تھا۔

(۲) چونکہ اس واقعہ کو ہوئے بہت عرصہ ہو چکا ہے تاہم زید اپنی یادداشت اور ذہن پر زور دیکر یقین کے ساتھ کہتا ہے کہ اسوقت دل میں کسی عورت کا خیال نہیں ہوا تھا نہ اس عورت کا اور نہ کسی دوسری عورت کا لیکن جسطرح کسی شہوت انگیز خیال سے کسی حیوان یا انسان کی شہوت انگیز کوئی حرکت کی طرف دیکھنے سے یا عضو مخصوص پر کسی کا ہاتھ لگ جانے سے از خود یہ کیفیت پیدا ہو جایا کرتی ہے حالانکہ اس وقت دیکھنے والے کی یہ نیت نہیں ہوتی کہ جس کی طرف دیکھا ہے یا عضو میں جس کا ہاتھ چھو گیا ہے اس سے کوئی ناجائز فعل کرے اگر عورت زید کے سرہانے بیٹھ کر سینہ پر مالش کرتی تو یہ کیفیت ہرگز پیدا نہ ہوتی لیکن چونکہ عورت اس خاص شکل سے زید کے جسم کے مقابل کھڑی ہو گئی اس لئے زید نے اسوقت اپنے دل میں یہ محسوس کیا کہ جسطرح ایک عورت ایک مرد کے اوپر آتی ہے اسی طرح مرد بھی عورت کے جسم کے اوپر آیا کرتا ہے بس ان محسوسات نے زید کے خیال کو منتشر کر دیا اور اسی وجہ سے زید میں یہ کیفیت خود بخود پیدا ہوئی اور اسی پیدا شدہ خیال کو دفع کرنے کی کوشش کرتا رہا مگر جو باتیں خاص جوش و شہوت کی حالت میں پیدا ہوا کرتی ہیں جیسے کامل ایستادگی یا بے خودی وغیرہ وہ قطعی نہیں تھیں۔ زید شروع سے آخر تک بے حس و حرکت زمین پر لیٹا رہا چونکہ زید کی پھوپھی ایک دیندار اور پابند صوم و صلوٰۃ عورت ہیں حج بھی کر چکی ہیں سن رسیدہ ہیں اور گھر میں مثل بزرگوں کے سمجھی جاتی ہیں۔ مگر جاہل ہیں۔ انہوں نے محض اپنی سادہ لوحی سے اور زید کو اپنا چھوٹا بیٹا خیال کر کے اس کے سینہ پر اس طرح بے احتیاطی سے مالش کرنے لگیں۔ بتقاضائے سن اور ان کی خدا ترسی کی وجہ سے ان کی نیت وارادہ پر کسی طرح شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ ان کے دل میں ذرہ برابر بھی کوئی بُرا خیال پیدا ہوا ہو اور نہ ہی اس قسم کی کوئی حرکت ان سے ظہور میں آئی اس لئے ان کا خیال دریافت کر کے نہیں لکھا گیا۔ بلکہ یقینی طور پر اندازہ کر کے لکھا گیا۔ زید اپنی پھوپھی سے اس قسم کی شرمناک بات کو بسبب ان کی بزرگی کے دریافت بھی نہیں کرسکتا ہے۔ فقط والسلام۔

خادم فضل حق صدیقی

الجواب

صورت مسئولہ میں حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوئی۔

بدلیل ما فی الشامیۃ : فمن جاریۃ مثلہا فوقعت الشہوۃ علی من تمنّاها فلذا اھ (ص۵۹ ج۲)

پس سائل کو اس پھوپھی کی لڑکی سے نکاح جائز ہے۔ اور سوال اول کے واقعہ ۲ و ۳ سے بھی حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوئی

وأیضاً فان حدّ الشہوۃ فی حق الشاب ان ینتشر عضوہ أو یزید انتشارہ ومعنی الانتشار الانتفاخ کما فی القاموس ونفظ ذکرہ أی قام وانعظ الرجل علاہ الشبق ولم یوجد فی الصورۃ المسئول عنہا الانتشار وانما وجدت حرکۃ خفیفۃ من غیر شبق و قیام فقط

وفی قاضی خان ، و دلیل الشہوۃ علی قول أبی الحسن القمی انتشار الآلۃ عند ذلک ان لم یکن منتشراً قبل ذلک وان کانت منتشرۃ قبل ذلک فعلامۃ الشہوۃ زیادۃ الانتشار والشدۃ ثم ذکر معنی الشہوۃ فی حق الشیخ والعنین ثم قال ، وقال عامۃ العلماء ، الشہوۃ أن یمیل قلبہ إلیہا ویشتہی أن یواقعہا اھ (ص ج) واللہ تعالیٰ أعلم

ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

۵ ذیقعدہ ۴۳ھ

تنبیہ : جواب مذکور لکھنے کے بعد حضرت حکیم الامت دام مجدہم کی خدمت میں بغرض ملاحظہ پیش کیا گیا تو فرمایا کہ جواب کا مدار دو باتوں پر ہے :

ایک یہ کہ شہوت محرمہ میں انتشار بمعنی نفوظ تام شرط ہے مجھے اس میں کلام ہے۔

دوسرے یہ کہ : انتشار کے ساتھ عورت ملموسہ یا منظورہ الی فرجہا کی طرف رغبت جماع و خواہش مواقعت شرط ہے۔ مجھے اس میں بھی کلام ہے بلکہ صرف لمس ونظر سے دل میں ہیجان ہو جانا اور عضو میں حرکت پیدا ہو جانا شہوت محرمہ کے لئے کافی ہے گو ملموسہ و منظورہ کے جماع سے ذہن خالی ہو۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ یہ ہیجان

غیر ملموسہ و غیر منظورہ کی طرف منصرف نہ ہوا ہو اگر لمس ہوا اور خواہش جماع غیر ملموسہ سے ہوئی تو حرمت نہ ہوگی اور اگر کسی سے بھی خواہش جماع نہ ہوئی مگر لمس سے دل میں ہیجان اور عضو میں حرکت پیدا ہوئی تو حرمت ہو جائیگی، احقر نے عرض کیا کہ قاضی خان کی عبارت اس باب میں صریح ہے کہ ملموسہ و منظورہ کے ساتھ شہوت جماع شرط ہے فرمایا ممکن ہے کہ تشقیقی ان ہوا تھا، بطور تمثیل کے لکھ دیا ہو۔ اس کے بعد رائے ہوئی کہ اس سوال کو دوسرے علماء کے پاس بھیجا جائے تو یہ سوال بعبارت ذیل مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے علماء کے پاس بھیجا گیا جو مع ان کے جوابات کے درج کیا جاتا ہے۔

سوال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ کیا فرماتے ہیں حضرات علماء دین اس مسئلہ میں کہ حرمت مصاہرت کیلئے جو مس بالشہوۃ حنفیہ کے نزدیک کافی ہے اس میں شہوت کی حقیقت کیا ہے۔ یعنی جن علماء نے صرف اشتہاء قلب و میلان قلب کو کافی نہیں سمجھا بلکہ انتشار عضو یا زیادت انتشار عضو کو شرط قرار دیا ہے ان کے نزدیک انتشار سے کیا مراد ہے؟ آیا عضو میں کسی قدر حرکت پیدا ہو جانا جو پہلے نہ تھی کافی ہے یا پوری طرح عضو کا قائم ہو جانا شرط ہے اور ازدیاد انتشار کے یہ معنی ہیں کہ حرکت سابقہ کے بعد عضو کو قیام ہو جائے یہ مراد ہے کہ قیام کے بعد عضو میں شدت آجائے۔

دوسری بات قابل تحقیق یہ ہے کہ کیا شہوت کے یہ معنی ہیں کہ جس عورت کو چھوا ہے اس کی طرف میلان ہوا اور اس سے مجامعت کی خواہش ہو؟ یا چھونے کے بعد گو یہ خیال پیدا نہ ہوا ہو مگر اس سے لذت حاصل ہوئی اور اس سے عضو میں انتشار پیدا ہوگیا۔ یہ بھی حرمت کے لئے کافی ہے؟ کیونکہ بعض دفعہ مس کرنے والے کو ممسوسہ کی طرف کسی قسم کا خیال نہیں ہوتا مگر جوانی کی وجہ سے خود مس کی لذت سے عضو میں انتشار ہو جاتا ہے جیسا کہ دو جانوروں کو مجامعت کرتے ہوئے دیکھ کر جوان کو انتشار ہو جاتا ہے حالانکہ ان میں کسی کے ساتھ مجامعت کا خیال اس کو نہیں ہوتا۔ عبارات فقہیہ اس باب میں مختلف ہیں اس لئے تردد ہوگیا۔

عالمگیری میں ہے: وحد الشہوۃ انتشار الآلۃ او ازدیادہ ان کانت منتشرۃ

قاضی خان میں ہے: ودلیل الشہوۃ انتشار الآلۃ عند ذلک ان لم تکن منتشرا وان کانت منتشرۃ فعلامۃ الشہوۃ زیادۃ الانتشار والشدۃ ([illegible])

اور قاموس میں ہے انتشر الرجل انعظ ذکرہ اور نعوظ کے معنی لکھا ہے نعظ ذکرہ

قام و انتشر الرجل و المرأة علاها الشبق . شبق اشتدت غلمته۔ اور غلمہ میں لکھا ہے:

غلم و اغتلم غلب شهوته. غلم البعير هاج -

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شہوت کی تفسیر انتشار ہے اور انتشار لغت میں قیامِ ذکر کو کہتے ہیں اور قاضی خان نے ازدیادِ انتشار کی تفسیر شدت سے کی ہے۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ اگر مس بانشہوۃ ہو مگر عضو میں قیام پورا نہ ہو بلکہ کسی قدر حرکت ہو تو حرمت مصاہرہ نہ ہوگی۔ مگر درمختار میں ہے: الشهوة تحرك الآلة او ازدياده۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عضو میں حرکت پیدا ہو جانا شہوت محرمہ کے لئے کافی ہے۔

اب دریافت طلب یہ ہے کہ درمختار کی عبارت میں تحرک سے مراد انتشار کا درجہ مذکورہ ہے یا عالمگیری و قاضی خان کی عبارت میں انتشار سے مراد تحرک ہے۔ نیز یہ کہ فقہاء کی عبارت میں انتشار سے وہی مراد ہے جو لغت میں مذکور ہے۔ یا ان کے نزدیک انتشار کلی مشکک ہے کہ قیامِ کامل سے کم درجہ پر بھی صادق آسکتا ہے۔

نیز شامی میں ہے: قلت: ويشترط وقوع الشهوة عليها لا على غيرها لما في الفيض: لو نظر الى فرج ابنته بلا شهوة فتمنى جارية مثلها فوقعت له الشهوة على البنت ثبتت الحرمة و ان وقعت على من تمناها (مع بقاء النظر الى فرج البنت كما في قاضي خان) فلا اه ([illegible]) و قاضی خان ص ۱۶۸/۲ میں ہے: وقال عامة العلماء: الشهوة ان يميل قلبه اليها ويشتهي ان يواقعها اھ۔ قاضی خان کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ شہوت محرمہ میں عورت ملموسہ کی طرف قصد جماع کے ساتھ میلان ضروری ہے۔ شامی کی عبارت بھی بظاہر اس کی مؤید ہے۔ مگر شامی کی عبارت میں یہ احتمال جاری ہو سکتا ہے کہ وقوع الشہوۃ علیہا اس وقت شرط ہے جبکہ خلو ذہن نہ ہو بلکہ دوسری طرف ذہن کو منتقل کرنے کی کوشش کی گئی ہو۔ اگر مس و نظر سے شہوت پیدا ہونے کے وقت ذہن خالی ہو کہ نہ منظورہ و ملموسہ سے مجامعت کا خیال ہو نہ غیر سے مگر مس و نظر سے شہوت پیدا ہوگئی، اس کے حکم سے عبارت شامیہ ساکت ہے۔ امید ہے کہ ہر دو سوال مراجعت کتب کے بعد واضح طور سے حل کئے جائیں کہ اس میں خلجان ہے۔ فقط

المستفتی: ظفر احمد عفا عنہ خادم دار الافتاء

بالخانقاہ الامدادیہ تھانہ بھون ۹ رذی قعدہ ۵۳ھ

الجواب

حامداً و مصلیاً و مسلماً۔ مس اور نظر میں شہوت کی حد جو کہ درمختار میں لکھی ہے "وحدها فیهما تحرك آلته أو زیادته به یفتی" علامہ شامی اس کے تحت لکھتے ہیں "قوله أو زیادته أي زیادة التحرك إن كان موجوداً قبلهما على هذه" عالمگیری کی عبارت "وحد الشهوة انتشار الآلة أو ازدیاده إن كانت منتشرة" اور اس کے بعد قاضی خان کی عبارت ہے "ودلیل الشهوة انتشار الآلة عند ذلك إن لم یكن منتشراً وإن كان منتشراً فعلامة الشهوة زیادة الانتشار والشدة" ہر سہ کتب مذکورہ بالا کی عبارات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اگر پہلے شہوت بالکل نہ ہو تو ابتدائے حد شہوت یہ ہوگی کہ انتشار پیدا ہو جائے۔ چنانچہ عالمگیری و قاضی خان کی عبارتوں میں صریح انتشار کا لفظ واقع ہے۔ صاحب درمختار نے انتشار کی بجائے "تحرك الآلة" اور "زیادته" بولا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انتشار سے اس موقع میں تحرک الآلۃ ہی مراد ہے اور چونکہ تحرک الآلۃ کے بعد دو درجہ اور باقی ہیں ایک قیام ذکر دوسرا شدت پس تحرک الآلۃ کے بعد زیادۃ التحرک یا زیادۃ انتشار سے یقیناً قیام ذکر مراد ہوگا یعنی اگر تحرک آلہ پہلے سے ہو تو حرمت کے تحقق کے لئے یہ ضروری ہوگا کہ نظر اور مس کی وجہ سے قیام ذکر ہو جائے اور اگر قیام ذکر پہلے سے موجود ہے تو اب تحقق حرمت کے لئے شدت ضروری ہوگی۔ گویا مطلب یہ ہوا کہ مس اور نظر سے پہلے جو حالت تھی اگر بعد المس والنظر وہی حالت رہی تو حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوگی اور اگر اس میں تغیر ہو کر ترقی ہوگئی تو حرمت ثابت ہو جائے گی اور وجہ اس کی یہ ہے کہ انتشار عرف میں عام ہے شہوت کی تینوں حالتوں پر انتشار کا اطلاق ہوتا ہے اس لئے فقہاء کے کلام میں دوسری مرتبہ کو زیادۃ الانتشار کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے اگر انتشار ایک حالت کے ساتھ مخصوص ہوتا تو اس اعلیٰ مرتبہ کو زیادۃ الانتشار کے ساتھ تعبیر نہ کرتے بلکہ شدت یا کسی اور لفظ سے تعبیر کرتے دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر انتشار کو قیام ذکر کے ساتھ خاص کیا جائے اور زیادت انتشار سے شدت مراد لی جائے تو انتشار کے اول مرتبہ یعنی تحرک آلہ کا کوئی حکم نہیں نکلتا اس وجہ سے کہ شہوت معتبرہ کے مقابل جو قول ذکر کیا ہے وہ یہ ہے

فی الشامی: وقیل حده أن یشتهی بقلبه إن لم یكن مشتهیاً أو یزداد إن كان مشتهیاً ولا یشترط تحرك الآلة (شامی)

پس جبکہ شہوت غیر معتبرہ کی تعریف میں صرف اشتہاء قلب کو لیا گیا ہے اگر شہوت معتبرہ میں تحرک آلہ معتبر نہ ہوتا تو وہ یقیناً غیر معتبرہ میں داخل کیا جاتا۔ پس شہوت غیر معتبرہ میں اس کو داخل نہ کرنا خود اس امر کا قرینہ ہے کہ ابتدائی مرتبہ شہوت معتبرہ کا تحرک آلہ ہے۔ اس توجیہ پر یہ شبہ البتہ ہوتا ہے کہ فقہاء کی عبارات سے شہوت معتبرہ کے دو درجے معلوم ہوتے ہیں تحرک آلہ یا زیادت تحرک۔ یا یہ کہا جائے کہ انتشار اور زیادت انتشار اور مذکورہ بالا توجیہ کی بناء پر تین درجے ہو گئے ہیں۔ سو اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ تحقق حرمت کے لیے چونکہ ایک جبکہ پہلے سے شہوت نہ ہو یا شہوت قلبی ہو یا دونوں کا وجود (اس صورت میں جبکہ پہلے سے تحرک آلہ یا قیام ذکر ہو) کافی ہے۔ اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں ہے اسی لئے صرف دو لفظوں پر اکتفا کیا گیا ہے۔ اور چونکہ پھر دوسری حالت پہلی حالت سے اور کچھ زیادتی پر مشتمل ہوتی ہے اس لئے فقہاء کے کلام میں زیادہ کے ساتھ دوسری حالت کو تعبیر کیا گیا ہے پس اگر پہلے سے تحرک نہ ہو تو زیادت سے مراد قیام ہوگا اور اگر پہلے سے قیام ہو تو زیادت سے مراد شدت ہوگی جیسا کہ قاضی خان کی عبارت سے واضح ہے۔

امر ثانی کے متعلق درمختار کا یہ قول: "والعبرة للشهوة عند المس والنظر لا بعد" کافی ہے۔ علامہ شامی اس کے تحت لکھتے ہیں:

عن الفتح: وقوله بشهوة في موضع الحال ليفيد اشتراط الشهوة حال المس ولو مس بغير شهوة ثم اشتهى عن ذلك المس لا تحرم عليه اهـ وكذا في النظر كما في البحر، فلو اشتهى بعد ما غض بصره لا تحرم قلت: ويشترط وقوع الشهوة عليها الخ

پس اگر ابتداءً شہوت بالکل نہ ہو اور مس اور نظر کے وقت شہوت پیدا ہوئی، یعنی حالت مس اور حالت نظر موجود ہے اور اسی سے تحرک آلہ پیدا ہو گیا تو حرمت ثابت ہو جائے گی اور اگر مس کے بعد ہاتھ علیحدہ کر دیا یا نظر دوسری طرف کر لی اور پھر تحرک آلہ ہوا تو اب حرمت ثابت نہیں ہوگی۔ نیز یہ بھی ضروری ہے کہ جس عورت کو ہاتھ لگایا ہے میلان اسی کی طرف ہو اگر دوسرے کی طرف ہوگا تو حرمت ثابت نہ ہوگی جیسا کہ شامی کی مندرجہ بالا عبارت سے واضح ہے۔ پس ثبوت حرمت کے لئے دو شرطوں کا وجود ضروری ہے ایک شہوت معتبرہ کا وجود عند اللمس اور عند النظر دو ملموسہ اور منظورہ کی طرف

میلان اور مجامعت کی خواہش دونوں میں سے اگر کوئی شرط فوت ہو جائے گی حرمت ثابت نہ ہوگی اور مثال کا مقصود اس جزئیہ کے ذکر کرنے سے " ویشترط وقوع الشهوة علیهما لا علی غیرهما " کا اثبات ہے جو عام ہے کہ خلو ذہن ہو یا نہ ہو جیسا کہ مثال سے ظاہر ہے کیونکہ نظر الی فرج البنت مطلقاً موجب حرمت نہیں جب تک خاص اسی کی طرف میلان نہ ہو اگر میلان دوسری طرف ہو تو حرمت نہ یہاں ثابت ہوگی اور نہ اس کے حق میں جس کی طرف میلان ہے کیونکہ جس کی طرف نظر ہے اس کی طرف میلان نہیں اور جس کی طرف میلان ہے اس کی طرف نظر نہیں۔ پس اگر مس اور نظر سے شہوت پیدا ہونے کے وقت ذہن خالی ہو اور حالت مس اور نظر کی بقاء کے وقت ہی ملموسہ اور منظورہ سے مجامعت کا خیال پیدا ہو جائے تو حرمت ثابت ہو جائے گی اور اگر ملموسہ اور منظورہ سے مجامعت کا خیال نہیں ہو خواہ غیر کا ہوا ہو یا نہ ہوا ہو تو حسب تصریح " وقوع الشهوة علیهما " اس شرط کے فوت ہونے کی وجہ سے حرمت ثابت نہ ہوگی۔ کما هو الظاهر۔ واللہ اعلم

رقمہ ضیاء احمد عفی عنہ

۱۵؍ ذی قعدہ ۸۳ھ

الجواب الثانی

از مولانا عبد الرحمن صاحب صدر المدرسین مظاہر العلوم سہارنپور

① بظاہر فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے کلمات سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی خان کی عبارت میں انتشار سے مراد تحرک عضو ہے۔ چنانچہ بدائع الصنائع (ص ۲۶۰ ج ۲) کی عبارت میں انتشار کو بطور عطف تفسیر کے ذکر کیا ہے " وتحرک الآلة وانتشارها هل هو شرط تحقق الشهوة اختلف المشائخ فیه الخ " صاحب بحر کے کلام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے (ص ۱۰۸ ج ۳) ولم یذکر المصنف حد الشهوة للاختلاف فقیل لابد أن تنتشر آلته إذا لم تکن منتشرة أو تزداد انتشارًا إن کانت منتشرة۔ و قیل حدها أن یشتهی بقلبه إن لم یکن مشتهیاً أو یزداد إن کان مشتهیاً ولا یشترط تحرک الآلة وصححه فی المحیط الخ ہر دو قولین کے تقابل سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے قول میں انتشار سے مراد تحرک ہے ورنہ دوسرے قول میں بمقتضائے تقابل ولا یشترط انتشار الآلة کہنا چاہیے تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ فقہاءؒ کے کلام میں

انتشار سے مراد تحرک ہے جو کلی مشکک ہے استرخاء عضو کے بعد شدت قیام تک اس کے جتنے مراتب ہیں سب پر صادق ہے یعنی استرخاء کے بعد تشنج تو اس کے ابعاض کے سب مراتب تحرک کے افراد ہوں گے۔ اور جمیع مراتب پر انفراداً اور اجتماعاً حرمت مصاہرت مرتب ہوگی اور انتشار کا فرد وہ نہیں جو لغویین نے لکھا ہے ۔ یعنی قیام العضو ۔

۲ شامی اور قاضی خان دونوں اشتراط وقوع الشہوۃ علیہما لا علی غیرہا میں متفق اللسان ہیں۔ بلکہ لا علی غیرہا سے نفی وقوع الشہوۃ علی الغیر کی طرف قاضی خان نے تعرض نہیں کیا جس سے قاضی خان کی عبارت مشعر عموم ہو گئی "ای یمیل قلبہ الیہا ویشتہی ان یواقعہا اھ اعم من ان یکون قلبہ فی تلک الحالۃ مائلا الی غیرہا ام لا" شامی کی عبارت میں صرف ایک ہی احتمال ہے "یمیل قلبہ الیہا ولا یمیل الی غیرہا" البتہ شامی نے جو استدلال میں فیض کی عبارت پیش کی ہے اس عبارت میں وہ احتمال جاری ہو سکتا ہے جس کے متعلق مولانا ظفر احمد صاحب فرماتے ہیں مگر علامہ شامی کا عبارت فیض کے نقل کرنے کے بعد قید عدم خلو الذہن عند حدوث الشہوۃ کی طرف تعرض نہ کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ علامہ شامی کے نزدیک اس قید کا اعتبار نہیں (کما ھو دابہٗ فی أمثال ھذہ العبارۃ من ذکر مفاھیم العبارات) ورنہ نقل عبارت کے بعد اس کی طرف حسب عادت تعرض فرماتے۔ نیز شامی کا "قلت: ویشترط الخ" در مختار کی اس عبارت کے ذیل میں "والعبرۃ للشہوۃ عند المس الخ" لکھنا بظاہر اسی غرض کے لئے ہے کہ مصنف کی عبارت میں شہوت کا لفظ عام تھا یعنی شہوت منظورہ و ملموسہ وغیرہا دونوں کو شامل تھا شامی نے اس اطلاق کی تقیید کے لئے "قلت الخ" فرمایا ہے جس سے بظاہر مقصود صرف عموم کا ابطال ہے اور تقیید ہے۔ باقی عدم خلو الذہن عند حدوث الشہوۃ او عدمہ اس کی طرف در مختار کی عبارت میں اشارہ نہ شامی کا مقصود ہے بلکہ اس کے لحاظ سے تعمیم ہی شامی کا مقصود ہے کما مر واللہ اعلم

نوٹ: اس کے بعد یہ سب تحریرات مولوی حبیب احمد صاحب کیرانوی کو دی گئیں کہ وہ بھی ان کو دیکھ کر اپنی رائے لکھیں۔ انہوں نے جو کچھ تحریر فرمایا وہ بھی درج کیا جاتا ہے ۔ ظفر احمد عفا عنہ

الجواب الثالث: من مولانا حبیب احمد کیرانوی

تحقیق متعلق بہ حرمت مصاہرہ بالمس والنظر:

خواہش جماع کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے خواہش اکل اور شہوت کی مثال ایسی ہے

جیسے بھوک۔ پس جس طرح کبھی کسی شے کو بے بھوک کھانا چاہتا ہے یوں ہی کبھی آدمی بلا شہوت جماع کی خواہش کرتا ہے پس شہوت نام ہے جماع تقاضائے طبعی کا۔ جیسے بھوک نام ہے خواہش غذا کی تقاضائے طبعی کا۔ اور خواہش جماع نام ہے تقاضائے نفس اور اس کی رغبت الی الجماع کا اور شہوت کے لئے رغبت الی الجماع لازم ہے اور نہ رغبت جماع کیلئے شہوت ضروری ہے۔ کبھی یہ دونوں جمع ہوتے ہیں اور کبھی ایک دوسرے سے منفک۔ پھر چونکہ جماع ایک ایسا فعل ہے جو کہ طرفین کے ساتھ قائم ہے اس لئے رغبت جماع میں خیال طرف آخر ضروری ہے اور یہ خیال کبھی علی وجہ التعیین ہوتا ہے جیسے یوں کہ فلاں عورت کے ساتھ میں ایسا کروں اور کبھی لا علی وجہ التعیین۔ مثلاً یوں کہ اسوقت کوئی عورت ہو جس سے میں ایسا کروں۔ جب یہ تفصیل معلوم ہو گئی تو اب سمجھنا چاہئے کہ اگر مس ونظر فی حال الشہوۃ ہے تو اس کی چار صورتیں ہیں:

ایک یہ کہ وہ نری شہوت کے ساتھ رغبت جماع نہ ہو۔

دوسرے یہ کہ رغبت جماع ہو مگر طرف آخر متعین نہ ہو۔

تیسرے یہ کہ طرف آخر متعین ہو مگر ملموسہ و منظورہ نہ ہو۔ بلکہ غیر ملموسہ و منظورہ ہو۔

چوتھے یہ کہ وہ خاص ملموسہ و منظورہ ہو۔ پہلی تین صورتوں میں بالاتفاق حرمت مصاہرت ثابت نہ ہوگی اور چوتھی صورت میں بالاتفاق حرمت مصاہرت ثابت ہوگی کیونکہ یہاں شہوت و رغبت دونوں جمع ہیں "و تحرک الآلۃ لا تنفک عن الشہوۃ فی حال صحۃ للمزاج و فی حال فساد المزاج کالعنین أو عدم الآلۃ کالمرأۃ والمجبوب" ہو غیر قرینہ اور اگر مس فی حال الرغبۃ الی الجماع بلا شہوت ہے تو اس میں اختلاف ہے بعض فقہاء کے نزدیک تو اصلاً حرمت نہ ہوگی کیونکہ ان کے نزدیک رغبت کے ساتھ شہوت شرط ہے اور بعض کے نزدیک اس میں تفصیل مذکور ہے۔ یعنی اگر خاص ملموسہ و منظورہ سے جماع کی خواہش ہو اور اسی حالت میں مس و نظر ہو تو حرمت ثابت ہوگی ورنہ نہیں۔ قائلین بالشہوۃ والانتشار کا قول: "و یشترط وقوع الشہوۃ علیہا" اور قائلین بالرغبۃ کا قول: "و حد الشہوۃ أن یمیل قلبہ إلیہا و یشتہی جماعہا" اس کی کافی دلیل ہیں۔ خلاصہ یہ کہ لمس و نظر عن شہوۃ میں ملموسہ و منظورہ کا متعین للجماع ہونا بالاتفاق ضروری ہے اور اختلاف صرف تفسیر شہوت میں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ شہوت صرف خواہش جماع کا نام ہے خواہ

تحرک آلہ یا تحرک قلب یا ازدیاد تحرک آلہ یا قلب پایا جائے یا نہ پایا جائے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ شہوت میں میلانِ قلب و رغبتِ نفس کافی نہیں ہے بلکہ شہوت ایسی میلان و رغبتِ جماع کا نام ہے جس کے ساتھ ہیجان و جوش ہو جس کے لئے بحالت موجودگی آلہ و صحتِ مزاج تحرک آلہ اور بحالت عدم احد الشیئین تحرک قلب ضروری ہے۔ یہ دو مشہور قول ہیں۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ شہوت معتبرہ اس خواہش جماع کا نام ہے جس کے ساتھ تحرک آلہ ہو اور تحرک قلب اس کے لئے کافی نہیں۔

ذهب إليه محمد بن مقاتل الرازي وقال في العناية هو أقرب إلى الفقه والظاهر أنه ليس بقول ثالث بل هو داخل في القول الثاني لأن عدم تحرك الآلة إما أن يكون بسبب انعدامها كما في المجبوب والمرأة أو يكون بسبب فساد مزاج الآلة مع صحة مزاج المرء كما في الحلوق أو يكون بسبب فساد مزاج المرء كما في الشيخ الكبير والعنين الأصلي والذي صار مثله لغلبة المرض وهو يقول بانتفاء الحرمة في الصورة الثالثة فقط لا في الصورتين الأوليين فيكون قوله مثل قول الآخرين لا غيره ثم أقول ومن جملة ما يدل على اشتراط وقوع الشهوة عليها أنه صرح في فتح القدير بأنه لو استيقظ فطلب امرأته فأدخل يده بين فخذي بنتها خطأ لا تحرم عليه الأم ما لم يزداد الانتشار اهـ لأن هذه الشهوة لم تكن واقعة عليها وبالازدياد الانتشار بالإيلاج وقع الشهوة عليها وإن كان مخطئاً في ظنه أنها امرأته وقال أيضاً لو أيقظ زوجته ليجامعها فوصلت يده إلى بنت منها فقرصها بشهوة وهي ممن تشتهى بظن أنها امرأته حرمت عليه الأم حرمة مؤبدة ومعناه أنه إن كان الشهوة موجودة قبل وقوع اليد فلا تحرم له بمجرد وقوع اليد لأن الشهوة لم تكن عليها حينئذ بل تحرم بالقرص بالشهوة بوقوع الشهوة عليها إذ ذاك وإن لم تكن الشهوة موجودة إذ ذاك فعدم الحرمة بوقوع اليد والحرمة بالقرص ظاهر بوقوع الشهوة عليها حين القرص لا قبلها۔

(۱) قال في البدائع: وتثبت باللمس فيهما عن شهوة وبالنظر إلى فرجها عن شهوة ولا تثبت بالنظر إلى سائر الأعضاء بشهوة ولا بمس سائر الأعضاء إلا عن شهوة بلا خلاف۔ وتفسير الشهوة هي أن يشتهي بقلبه ويعرف ذلك بإقراره

لانہ باطن لا یوقف علیہ لغیرہ وتحرک الآلة وانتشارها هل هو شرط تحقق الشهوة اختلف المشائخ فيه قال بعضهم: شرط، وقال بعضهم: ليس بشرط هو الصحيح لأن المس والنظر عن شهوة يتحقق بدون ذلك كالعنين والمجبوب ونحو ذلك اھ وقال أيضاً: لأن الحرمة انما تثبت عن النكاح لكونه سبباً داعياً الى الجماع اقامة للسبب مقام المسبب في موضع الاحتياط والقبلة والمباشرة أولى بالتسبب والدعوة من النكاح فكان أولى باثبات الحرمة اھ

ان عبارتوں میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نظر و مس وہی موجب حرمت ہیں جو کہ مسبب عن الشہوۃ ہوں، "واللمس في حال الشهوة سبب عن الشهوة" نہیں ويدل عليه قول اللمس عن شهوة والنظر عن شهوة فان معناه كون اللمس سبباً عن شهوة والنظر سبباً عن شهوة قوله: "والقبلة والمباشرة في التسبب والدعوة أبلغ من النكاح۔ پھر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قبلہ ومس جو محرم ہیں تو وہ اس لئے محرم ہیں کہ وہ داعی الی الجماع ہیں اور لمس فی حال الشہوۃ من غیر میلان القلب الی الملموسۃ داعی الی جماع الملموسۃ نہیں لہذا وہ محرم ملموسہ بھی نہیں۔ اور عبارت شامی: "ويشترط وقوع الشهوة عليها لا على غيرها" میرے نزدیک اس باب میں نص ہے اور یہ احتمال ہے کہ یہ اس وقت شرط ہے جبکہ حدوث شہوت کے وقت خلو ذہن نہ ہو بلکہ دوسری طرف ذہن کے منتقل کرنے کی کوشش کی گئی ہو اور اگر مس و نظر سے شہوت پیدا ہونے کے وقت ذہن خالی ہو تو منظورہ وملموسہ سے مجامعت کا خیال ہو نہ غیر سے اس میں خلجان ہے اھ صحیح نہیں کیونکہ اس صورت میں اگر شہوت علی غیرھا متحقق نہیں تو شہوت علیہا بھی تو متحقق نہیں ویشترط وقوع الشهوة عليها مصرح ہے ولا فرق بين ان يكون متعلق الشهوة غيرها أو لم يكن هناك متعلق الشهوة اصلا بعد ان لم يكن متعلق الشهوة هي الملموسة او المنظورة لانه لا دخل لتعلق الشهوة بغير الملموسة والمنظورة وعدمه في حرمة الملموسة والمنظورة كما لا يخفى۔

(٢) قال في رد المحتار: أما الشيخ والعنين فحدهما تحرك قلبه أو زيادته ان كان متحركاً لا مجرد ميلان النفس فانه يوجد فيمن لا شهوة له أصلاً كالشيخ الفاني اھ

اس سے معلوم ہوا کہ شہوت اور میلان نفس میں فرق ہے اور مدار حرمت شہوت ہے نہ کہ میلان قلب اور چونکہ عادۃً شہوت تحرک آلہ سے منفک نہیں ہو سکتی اسلئے انہوں نے شہوت اور میلان قلب میں امتیاز کے لئے تحرک آلہ کی شرط لگائی ہے اور کہا ہے کہ اگر تحرک آلہ ہو تو سمجھا جائیگا کہ شہوت ہے ورنہ کہا جائیگا کہ شہوت نہیں بلکہ صرف میلان نفس ہے جو کہ بلا شہوت کے بھی ہوتا ہے۔ جب یہ حقیقت معلوم ہو گئی تو معلوم ہوا کہ قیام شرط نہیں بلکہ تحرک کافی ہے

وقال في خلاصة الفتاوى: قال في المحيط: إن كان شيخًا أو عنينًا فحد الشهوة أن يتحرك قلبه بالاشتهاء إن لم يتحرك وإن تحرك يزداد الاشتهاء وإن كان شابًا أن ينتشر آلته ويزداد إن كان متحركًا حكاه القمي عن أصحابنا. وإليه مال الإمام خواهر زاده والإمام السرخسي وكثير من أصحابنا وهم يشترطون الانتشار وجعلوا الحد أن يشتهي جماعها اهـ (ج-٢ ص٨) والظاهر من قوله: أن المشترطين للانتشار جعلوا حد الاشتهاء أن يشتهي جماعها وقال في فتح القدير وما ذكر في حد الشهوة من أن الصحيح أن تنتشر الآلة أو تزداد الانتشار هو قول السرخسي وشيخ الإسلام وكثير من المشايخ لم يشترطوا سوى أن يميل قلبه إليها ويشتهي جماعها اهـ وهذه العبارة أن ما وقع في الخلاصة عن قوله: وكثير من المشايخ وهم يشترطون الخ من خطأ الكاتب والصحيح أن كثيرًا من المشايخ لا يشترطون الانتشار وجعلوا الحد أن يشتهي جماعها وبالجملة ظهر من عبارة فتح القدير أن المشايخ متفقون على أنه يشترط أن يميل قلبه إليها ويشتهي جماعها وإنما الاختلاف في اشتراط الانتشار وعدمه ويظهر منه أمران: أحدهما: اشتراط وقوع الشهوة على الملموسة والمنظورة، والثاني عدم اشتراط النعوظ التام لأن اشتراط الانتشار إنما هو للتمييز من ميلان القلب وتمني الجماع والشهوة ۔ والله أعلم

وقوله، ما قال ابن همام: أنه فرع عليه ما لو انتشر وطلب امرأته فأولج بين فخذي بنتها خطأ لا تحرم أمها ما لم يزداد الانتشار اهـ فلا يصح عندي هذا التفريع على مذهب من المذهبين لأنه إذا أولج بين فخذيها بالشهوة ظانًا أنها أمها فقد وقع الشهوة على البنت حقيقة ولا يؤثر الخطأ في الظن لأنه قصد جماعها مع وجود الشهوة والانتشار فينبغي أن تحرم أمها على كلا القولين،

والذين شرطوا زيادة الشهوة عند اللمس والنظر وقت وجود الشهوة قبلهما فمقصودهم انه يشترط ذلك إذا لم تكن الملموسة والمنظورة مقصودة بالجماع إذ ذاك وإن كانت هي المقصودة بالجماع كما في مسئلة البنت فلا يشترط فيه الزيادة بل الشهوة الموجودة عند اللمس والنظر كاف في التحريم لوقوع الشهوة عليها في الواقع بعد ما كانت واقعة على غيرها في الخيال وح ينبغي أن يقيد المسئلة الذي طلب امرأته للجماع فوقع يده على بنته فقرصها بالشهوة بانه لم يكن مشتهيا عند الطلب وإلا تحرم عليها أمها بمجرد وقوع اليد عليها لوجود وقوع الشهوة عليها في الواقع وان كانت واقعة على أمها في الخيال أو يقال هذا إذا كان يعلم أنها بنته لم يكن قصد لمسها ولكن وقع يده عليها خطأ فانه لا تحرم عليه أمها بمجرد وقوع اليد لعدم وقوع الشهوة على البنت لا في الواقع ولا في الخيال والظن لكن لما قرصها بالشهوة وقع الشهوة عليها حقيقة فح تحرم عليه أمها. فتدبر فيه.

ويعلم أنه إذا هيجت مرأة نفس رجل بحسنها أو كلامها أو بوجه من الوجوه بحيث انتشر آلته وظهرت فيه آثار الشهوة ثم دعاه ذلك الهيجان إلى تقبيلها فقبلها تثبت الحرمة سواء أراد الجماع أولا لأن قصد الجماع وارادته ليس بشرط في الحرمة وإنما الشرط هو الانبعاث الطبعي إلى جماعها وقد وجد ذلك لانه لا شك في أنه وجد ههنا شهوة لوجود آثارها ولا شك أيضا في أن معنى الشهوة هو الاقتضاء الطبعي للجماع وايضا في ان هذه الشهوة عليها لا على غيرها ولا شك أيضا في أن هذه الشهوة دعته إلى التقبيل فلا شك في ثبوت الحرمة لتحقق سببها وهو اللمس بالشهوة ولا تلتفت إلى قوله أني لم أشته جماعها وانما اشتهيت تقبيلها فقط لأنه إن اراد انه لم يشته جماعها طبعا فوجود الشهوة عليها مكذب له لأن الشهوة إنما هو الاقتضاء الطبعي للجماع وهي لا تنفك عن اقتضاء الجماع كما لا ينفك الجوع عن اقتضاء الغذاء وان أراد أنه لم يرده اختيارا ولم يعص بذلك الاقتضاء الطبعي فلا يفيده هذا شيئا لأنه ليس من شرط الحرمة إرادته وقصده للجماع ولا شعوره بالاقتضاء الطبعي. نعم إن كانت الشهوة وقعت على

غيرها ثم قبلها من غير ان تدعوه هذه الشهوة الى التقبيل لا تثبت الحرمة بهذا التقبيل لان هذا التقبيل ليست بالشهوة بل في حالة التشهي ومع الشهوة وفرق بينهما فاحفظه ينفعك ان شاء الله تعالى ۔ انتهى

خلاصہ یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوئی صرف علت میں گفتگو ہے۔ احقر نے دو علتیں بیان کی تھیں ایک نعوظ تام نہ ہونا۔ دوسرے صورت لامسہ پر شہوت واقع نہ ہونا۔ علماء ثلاثہ نے پہلی علت کو تسلیم نہیں کیا دوسری علت کو تسلیم کیا۔ احقر بھی اس معاملہ میں ان کے ساتھ اتفاق کر کے پہلی علت سے رجوع کرتا ہے اور پہلے میں بھی نعوظ تام کو شرط نہ سمجھتا تھا جیسا احقر کا فتویٰ مندرجہ امداد الاحکام جلد ۲ ص ۲۸۱ سے ظاہر ہے جس میں مفتی صاحب دیوبند کے اس امر کو رد کیا گیا ہے کہ حرمت مصاہرت کے لئے شہوت میں نعوظ تام شرط ہے مگر بعد میں مجھے مفتی صاحب دیوبند کی رائے کی طرف میلان ہو گیا تھا مگر اب علماء ثلاثہ کے بیان سے اپنی پہلی رائے کی صحت وپختگی واضح ہو گئی فالحمد للہ علی ذلک

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۳۰ ر ذیقعدہ سنہ ۱۳[illegible]ھ

(امور تنقیح طلب در حرمت مصاہرت)

۱۔ شہوت مس سے پہلے ہوئی یا مس کے سبب تھی یا مس کے بعد؟

۲۔ اگر شہوت مس سے پہلے تھی تو مس سے حالت اولیٰ پر رہی یا زیادہ ہو گئی؟

۳۔ عضو میں شہوت سے حرکت ہوئی یا نہیں؟

۴۔ شہوت ملموسہ یا لامسہ پر واقع ہوئی یا نہیں یا اس سے جماع کی خواہش ہوئی یا نہیں یا اس کو چھوڑ کر کسی دوسری عورت سے خواہش جماع ہوئی؟

۵۔ مجلس میں انزال تو نہیں ہوا یا مجلس کے بعد سکون شہوت سے پہلے تو انزال نہیں ہوا

۶۔ لمس ومس کن مواقع پر ہوا کیونکہ بعض مواقع کے مس میں دعویٰ عدم شہوت قضاءً مسموع نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۰ ر ذی قعدہ سنہ ۱۳[illegible]ھ

حکم حرمت مصاہرت از تقبیل خسر بہو اقر سوال: ایک عورت دعویٰ کرتی ہے کہ اس کے خسر نے اس کے لب کا بوسہ لیا اور سینہ سے لگایا اور ایک مرتبہ مٹھائی بھی اس کے قبل زبردستی وبار سینہ سے لپٹا کر کھلائی تھی جو اس نے باہر تھوک سے اگل دی۔ عورت ان واقعات کو شہوت نفسانیہ سے جتلاتی ہے اور خسر ان کا منشا محبت وشفقت پدری بتلاتا ہے جو خسر کی ایک تحریر جو خفیہ طور سے بہو کے نام آئی ہے یہ جتلاتی ہے کہ ان واقعات کا منشا شہوت نفسانیہ ہے۔ پس صورت مسئولہ میں حرمت مصاہرت ثابت ہوئی یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

۱- قال فی الدر: تزوج بکرًا فوجدها ثیبًا وقالت ابوک فضنی ان صدقہا بانت بلا مہر اھ ([illegible]) والعبرۃ للشہوۃ عند المس والنظر لا بعدھما وحدھا فیہما تحرک آلتہ او زیادتہ بہ یفتی اھ ([illegible])

۲- قبل ام امرأتہ فی ای موضع کان علی الصحیح جوہرۃ حرمت علیہ امرأتہ ما لم یظہر عدم الشہوۃ ولو علی الفم کما فہمہ فی الذخیرۃ وفی المس لا تحرم ما لم تعلم الشہوۃ لان الاصل فی التقبیل الشہوۃ بخلاف المس والمعانقۃ کالتقبیل وکذا القرص والعض بشہوۃ ([illegible])

قال الشامی: وفی بیوع العیون خلاف ہذا اذا اشتری جاریۃ علی انہ بالخیار وقبلہا او نظر الی فرجہا ثم قال لم یکن عن شہوۃ واراد ردہا صدق ولو کانت مباشرۃ لم یصدق ولو قبلہا ولم تنتشر آلتہ وقال کان عن غیر شہوۃ یصدق وقیل لا یصدق ولو قبلہا علی فمہا وبہ یفتی۔ فہذا کما تری صحح فیہ ترجیح التفصیل واما تصحیح الاطلاق الذی ذکرہ الشارح فلم ارہ لغیرہ ثم ذکر الشامی عن القہستانی ما یدل علی ترجیحہ فی التقبیل مطلقا واستواء الفم والخد والذقن والرأس وقیل ان قبل الفم یفتی بہا وان قبل غیرہ لا یفتی بہا الا اذا ثبتت الشہوۃ اھ

قال الشامی: وظاہرہ ترجیح الاطلاق فی التقبیل لکن علمت التصریح بترجیح التفصیل تأمل اھ ([illegible])

قولی وباللہ التوفیق: صورت مسئولہ میں احقر کے نزدیک حرمت مصاہرت اس وقت ثابت ہوگی جبکہ عورت یہ دعویٰ بھی کرے کہ جس وقت خسر نے اس کا بوسہ لیا

یا گلے سے لگایا یا سینہ سے لپٹا کر مٹھائی کھلائی اس وقت خسر کے عضو خاص میں انتشار پیدا ہو گیا تھا یا اگر پہلے سے انتشار تھا تو بوسہ لینے اور لپٹانے اور گلے لگانے کے وقت انتشار زیادہ ہو گیا تھا اگر عورت یہ دعویٰ نہیں کرتی تو حرمتِ مصاہرت ثابت نہ ہوگی۔ اگر وہ انتشار یا زیادتِ انتشار کا دعویٰ کرے اور شوہر کا دل قبول کرے کہ یہ سچی ہے تو شوہر پر یہ عورت حرام ہو گئی۔ الجزئیۃ الاولیٰ۔ اور اگر وہ یہ سب دعویٰ کرے اور شوہر کا دل اس کے صدق کو قبول نہ کرے تو مرد پر یہ عورت حرام نہیں۔ مگر اس صورت میں خود عورت کو شوہر سے علیحدگی واجب ہوگی کہ اپنی خوشی سے شوہر کو اپنے اوپر قابو نہ دے۔ لان المرأۃ کالقاضی لا یسع لہا الا الحکم بعلمہا اور گو بعض فقہاء نے تقبیل و معانقہ میں مطلقاً فتویٰ حرمت کا دیا ہے مگر واقعات پر نظر کرنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ گو بعض وقت تقبیل و معانقہ بالمحارم کا داعیہ شہوت سے پیدا ہوتا ہے مگر بعض دفعہ وقت تقبیل و معانقہ کے شہوت باقی نہیں رہتی بوجہ حیا و خوف وغیرہ کے۔ اور شرط حرمت شہوت عند المس والتقبیل ہے نہ شہوت سابقہ فلا تغفل ولہذا قید حد الشہوۃ بزیادۃ الانتشار اذا کان منتشراً قبل المس (جزئیہ ثانیہ) واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور اس صورت میں بیٹے کو واجب ہے کہ اپنی بیوی کا باپ سے پردہ کرا دے اور خلوت کا کبھی موقع نہ دے اور جس گھر میں بیٹا اور اس کی بیوی رہتے ہیں وہ گھر اگر باپ کی ملک ہے تو اس گھر میں آنے سے باپ کو روکنے کا حق نہیں بلکہ بیٹے پر واجب ہے کہ دوسرا مکان کرایہ پر لے کر رہے یا بیوی کو اس کے باپ کے یہاں رکھے۔ نیز بیٹے کو باپ کا ادب و تعظیم لازم ہے اس میں کوتاہی عملاً نہ کرے گو دل کو نفرت ہو کہ طبعی نفرت معاف ہے۔ واللہ اعلم۔

ظفر احمد عفا اللہ عنہ
از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
۱۵؍ ذی قعدہ ۴۹ھ

فصل فی ارتداد الزوجین او احدہما

عورت کا "من شریعت تو نخواہم" کہنے کا حکم، نیز زوجین کے بت پرستی کرنے اور تین طلاقوں کے بعد ارتداد کا حکم

سوال: چہ می فرمایند علماء دین و مفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ زوجۂ زید مسماۃ زبیدہ ہمیشہ تماشائی بیند باپ زید اورا از آں منع نمود و گفت تو تماشہ مبین زیرا کہ تماشہ در شریعت ما ناشروع است زوجہ گفت من تماشا دیدم و آئندہ نیز بینم، شریعت تو نخواہم حق کہ زبیدہ بتقریب تماشا نیروز کفار ہمراہ دو زن از شوہر خود پنہان گشتہ بتماشا گاہ شامل گردیدہ علانیہ تماشہ بدید و دریں اثناء زید وطن اقامتش کہ ملک برہما است فروختہ بوطن اصلی خود کہ ملک بنگالہ است برفت۔ و بوقت نکاح ثانی اقرار واقف داد کہ زید زوجۂ اولی را کہ مسماۃ زبیدہ است سہ طلاق داد اما گاہے او انکار کند و گاہے اقرار حالانکہ بشاہدے بر آں طلاق یافتہ نشود بعد ازاں بملک برہما آمدہ بزبیدہ زناشوئی آغاز نمود و داخل عسکر گرفت نمودند زید بتعلیم کرام جاہل بمصاحبت زبیدہ بیت خانہ برما رفتہ پیش بت سجدہ نمودند و بعد توبہ ہر دو تجدید نکاح ساختہ زناشوئی می نمایند و بعد مرور ایام بتحریر سوالات سہ گانہ آئندہ نزدیک مفتی بنگالہ خط نوشت۔

۱- استخفاف وانکار شریعت زبیدہ۔

۲- بت پرستی زوجین۔

۳- سہ طلاق دادن زید زبیدہ را۔ و مفتی سوال اول را باطل ترک ساختہ سوال دوم و سوم تحریر نمودہ جواب داد کہ بسہ طلاق یک طلاق رجعی واقع گردد فقط ومفتی ثانی ہر سہ سوال تحریر ساختہ جواب داد کہ شریک شدن زبیدہ بتماشا نیروز کفار وانکار شریعت ہر دو کفر اند۔ وبمجرد وقوع این افعال نکاح ایشان باطل گردید و بعد ازاں بر تقدیر راستی طلاق زید بزبیدہ واقع نشود و دلیلش قول رد المحتار است ومحلہ المنکوحۃ ای ولو معتدۃ عن طلاق رجعی او بائن غیر ثلاث فی حرۃ وثنتین فی امۃ او عن فسخ بتفریق لاباء احدہما عن الاسلام او بارتداد احدہما الخ وزبیدہ انکار شریعت وتماشہ بینی خود را اقرار کند و گواہ نیز موجود است اما بعضے از مخالفان

باعث عدم شمول سوال اول در فتویٰ اول سوال اول را دروغ میگویند را دلیل شان ہیچ نیست اکنون بر زید مذکور چہ حکم مترتب شود۔ بینوا بالدلیل۔

الجواب

اگر زبیدہ کی حالت مجموعی بے پابندی شریعت ظاہر ہوتی ہے اور غالب گمان یہ ہو کہ اس کے قلب میں شریعت کا استخفاف و بے حرمتی نہیں ہے تو اس کے قول "شریعت تو نخواہم" کا مطلب یہ ہوگا کہ زبیدہ کو شوہر کے قول پر اطمینان اور کامل وثوق نہیں ہوا کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے یہی حکم شرعی ہے اس لئے اس نے جواب دیا کہ میں تیری شریعت کو نہیں جانتی اصل شریعت کی تحقیر مراد نہیں اور اگر پہلے سے اس کے افعال سے شریعت کے ساتھ لاپرواہی اور بے اعتنائی آشکارا ہو تو سوال دوبارہ کیا جائے اور یہود کے حیلہ کی شرکت سے کافر ہونا تغلیظاً فقہاء نے لکھا ہے پس جو لوگ اس کو کفر جانتے ہیں پھر ایسا کرتے ہوں وہ کافر ہیں اور جو جاہل ایسا کرتے ہیں ان کو کافر کہنے میں جلدی نہ کی جائے۔

۲ جب زید کے تین طلاق دینے پر گواہ نہیں ہیں تو اس کے اقرار پر بھی گواہ ہیں یا نہیں۔ اگر اس کے اقرار پر دو گواہ ہوں تو ان گواہوں کو زید کی زوجہ کو مطلع کردینا واجب ہے کہ زید نے ہمارے سامنے تین طلاق کا اقرار کیا ہے اس صورت میں زبیدہ پر تینوں طلاقیں واقع ہوجائیں گی۔ جو شخص تین طلاق سے واحدہ رجعی کا وقوع بتلاتا ہے وہ غیر مقلد گمراہ ہے اور اگر اقرار پر بھی دو گواہ نہ ہوں اور اقرار زبیدہ کے سامنے بھی نہیں ہوا تو اس صورت میں زبیدہ پر تین طلاق واقع ہونے کا کوئی ثبوت نہیں زبیدہ کو زید کے پاس رہنا جائز ہے۔ لیکن اگر زید نے واقع میں تین طلاق دی ہیں تو اس کو زبیدہ کے ساتھ شوہر کی طرح رہنا حرام ہے

۳ اس کے بعد جو زید اور زبیدہ نے بت کے سامنے سجدہ کیا ہے اس سے دونوں مرتد ہوگئے ان پر توبہ و استغفار و تجدید ایمان لازم ہے۔ وفقہما اللہ لہ و ثبتنا علیہ الی یوم الممات۔ آمین۔ اس صورت میں حکم یہ ہے کہ اگر تین طلاق کا ثبوت پہلے ہوچکا ہے یعنی اقرار زید پر کم از کم دو گواہ موجود ہوں تو اس ارتداد سے علاوہ سا شہوگا حلالہ بھی کرنا پڑے گا بدون حلالہ کے تین طلاق کے بعد کسی حال میں نکاح نہیں ہوسکتا

قال فی الدر: او حرۃ بعد ثلاث وردۃ اھ

قال الشامی: ای لو طلقها ثنتین وھی امۃ ثم ملکھا او ثلاثا وھی حرۃ فارتدت ولحقت بدار الحرب ثم سبیت، وملکھا لا یحل لہ وطؤھا بملک الیمین حتی یزوجھا فیدخل بھا الزوج فیطلقھا اھ (ص۸۸ ج۱)

ظفر احمد عفا عنہ

حکم نکاح مرتدہ کہ بعد ازاں اسلام آوردہ اور اس سے متعلق مزید چند سوالات

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ زید مسلمان نے ہمراہ مسماۃ زینب مسلمہ نکاح کیا چند سال کے بعد زینب نے رابطہ ناجائز دوستی کا ہمراہ خالد مسلمان پیدا کر لیا اور زینب خالد کے گھر بلا دریغ آنے جانے لگی ایک دن زید نے زینب کو کہا کہ چونکہ خالد تمہارا نامحرم ہے اس کے گھر مت جایا کرو اس پر زینب نے اس کو جواب دیا کہ میں جایا کروں گی اور ہرگز خالد سے باز نہ آؤں گی اس بات کو سن کر خالد کو بھی غصہ آیا اس لئے خالد نے زینب کو کہا کہ تو مذہب نصرانیت (عیسائیت) اختیار کر لے پھر مذہب عیسائیت اختیار کر لینے کے بعد حکام وقت کے محکمہ میں دعویٰ منسوخی نکاح کا کر لینا جب تمہارا نکاح کو حکام وقت توڑ دیں گے تو بعدہٗ پھر تم مسلمان ہو جانا پھر تو (یعنی زینب) اور میں (یعنی خالد) آپس میں نکاح شرعی کر لیں گے۔ الغرض خالد نے یہ حیلہ مسماۃ زینب کو سکھلایا بعدہٗ زینب نے خالد کے کہنے پر مذہب عیسائیوں کے گرجا گھر میں جا کر مذہب عیسائیت اختیار کر لیا اور بعدہٗ حکام وقت کی عدالت میں بایں مضمون دعویٰ دائر کر دیا کہ میں نے مذہب عیسائیت اختیار کر لیا ہے میرا نکاح زید سے قانوناً توڑ دیا جائے۔ اب التماس ہے کہ براہ نوازش و کرم مندرجہ ذیل مسائل کے جواب سے مشکور و ممنون فرمایا جائے۔

۱ جبکہ زینب نے مذہب عیسائیت اختیار کر لیا ہے کیا بروئے شرع محمدی کے زید اور زینب کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے یا نہ؟ فقہاء تو فرماتے ہیں کہ اب کس کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے اور مرتدہ کا نکاح نہیں ٹوٹتا بطور مفتیٰ بہ کے۔

۲ جبکہ خالد نے مسماۃ زینب کو مذہب عیسائیت اختیار کرنے کے لئے کہا اور اس کے کہنے پر زینب نے مذہب عیسائیت اختیار کر لیا تو خالد بروئے شرع محمدی کے کافر ہو جاتا ہے یا نہ؟ اگر نہیں ہوتا تو رضا بالکفر کفر کا مطلب کیا ہے؟

۳ صورت متذکرہ میں علاوہ خالد کے جو شخص مسلمان مسماۃ زینب کی امداد دربارۂ فسخ نکاح کے کر رہے ہیں ان کے لئے کیا حکم ہے کیا ان کو مسماۃ زینب کی امداد کرنی چاہئے یا کرنہ ؟

۴ اگر حکام وقت زید اور زینب کے نکاح کو توڑ دیں اور بعدہ پھر زینب مسلمان ہو جائے تو کیا زینب بروئے شرع محمدی کے خالد ترغیب دہندہ متذکرہ کے نکاح میں آسکے گی یا نہ ؟

۵ کیا اگر زینب کسی وقت مذہب عیسائیت سے تائب ہو کر مسلمان ہو جائے تو کیا اس کی توبہ منظور ہوگی یا نہ ؟ اور بصورت توبہ منظور ہونے کے اگر زینب پھر زید کو نکاح کرنا چاہے تو تجدید نکاح کی جائے گی یا کہ نہ ؟

۶ اگر بالفرض زینب نے ظاہراً تو مذہب عیسائیت اختیار کر لیا ہو لیکن اس کا اعتقاد مذہب اسلام کا ہو تو پھر زینب کے بارے میں کیا حکم ہوگا؟ فقہاء تو فرماتے ہیں کہ اعتقاد کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا کما فی البحر۔ من تکلم بکلمۃ الکفر ھازلاً او لاعباً کفر عند الکل ولا اعتبار باعتقادہ الخ بینوا بالصحیحۃ وبالکتاب توجروا۔

الجواب

۱ نکاح تو ٹوٹ گیا مگر زینب کو زید کے سوا کسی دوسرے کے ساتھ نکاح کرنے کا حق نہیں بلکہ زید جبر و قہر سے اس کو اپنے قبضہ میں باندی بنا کر رکھے مگر اس سے مقاربت نہ کرے کیونکہ اس میں روایات مختلف ہیں اس لئے احتیاط کے خلاف ہے اور اس عورت کو مجبور کیا جائے کہ مذہب اسلام کی طرف رجوع کرے اگر وہ اسلام کی طرف رجوع کرے تو پھر زید اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح کرے۔ والمسئلۃ فی الدر مع الشامیۃ صہ ۴۱۱ ج ۲ والعالمگیریۃ (صہ ۱۵۴ ج ۲)

۲ خالد صورت مسئولہ میں کافر ہو گیا۔ تلقین کفر کفر ہے صرح بہ فی العالمگیریۃ (ج ۲)

۳ نکاح تو فسخ ہو گیا لیکن جو لوگ زینب کو زید سے الگ کرنے کی سعی کر رہے ہیں وہ گنہگار ہیں اور اگر وہ زینب کے کفر سے راضی ہیں تو ان کا بھی وہی حکم ہے جو خالد کا اوپر گزرا۔

۴ زینب کو زید کے سوا کسی سے بھی نکاح کرنے کا حق نہیں اس کو زید ہی کے پاس

رہنے پر مجبور کیا جائیگا۔ اگر وہ مرتدہ ہوتی بلکہ طلاق یا خلع سے الگ ہوتی تو پھر کسی دوسرے سے نکاح کرنے کا حق تھا اب یہ حق ہرگز نہیں۔

۵ ہاں۔ توبہ ہر وقت قبول ہے اور وہ زید سے نکاح کرنا چاہے تو نکاح کر دیا جائے بلکہ زینب کو اسی پر مجبور کیا جائے

۶ زبان کا اعتبار اکراہ میں نہیں ہوتا اور جو شخص بدون اکراہ کے محض نفس کی خواہش یا لعب کے طور پر زبان سے کلمۂ کفر نکالے وہ کافر ہے اس وقت اعتقاد کا اعتبار نہ ہوگا۔ کیونکہ دین کے ساتھ لعب اور کھیل کرنا خود کفر ہے واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفی عنہ از تھانہ بھون۔ ۲۹ ربیع الثانی ۴۳ھ

عورتوں کے مرتد ہونے سے نکاح فسخ نہیں ہوتا سوال: ایک عورت کافرہ کو ایک مجمع عام میں مسلمان بنایا گیا بعد از مسلمان بنانے کے ایک شخص زید اہل اسلام سے اسی مجمع میں نکاح کر دیا گیا یہ عورت بحالت کفر کافر کے نکاح میں تھی یعنی شادی شدہ تھی مگر اسلام سے قبل چھ ماہ اس عورت کی باقاعدہ ان کی جماعت میں فارغ خطی یعنی ان کے قواعد کے موجب طلاق ہو گئی تھی عین وقت اسلام وہ کسی کے نکاح میں نہ تھی اسلام سے مشرف کر کے اسی مجمع میں نکاح شرعی باقاعدہ پڑھایا گیا یہ عورت تخمیناً ۳ سال شوہر اسلامی کے ہمراہ رہی اولاد بھی ہوئیں۔ گردش زمن سے ایک مسلمان نے اس سے ناجائز تعلق پیدا کرنے کی غرض سے اس کی بہن کافرہ کو ورغلایا اس نو مسلمہ کو اس کی بہن کافرہ کی معرفت دوسرے ملت سے بہکا ورغلا کر نکلوایا۔ زید ناکح نو مسلمہ نے اس شخص پر بھگا کر لیجانے کا مقدمہ دائر کیا اور ناجائز تعلق کرنے کا عورت کو ملزم چھوٹے بچوں کی وجہ سے نہیں بنایا صرف گواہی کے لئے بچا لیا تھا۔ بھگا کر لیجانے والے کو سخت جرم کی سزا میں مبتلا کر دیا جاتا مگر عورت نے اس کو بچانے کی خاطر عین وقت دیکھ کر کورٹ میں کہدیا کہ مجھے یہ بھگا کر نہیں لے گیا۔ مجھ سے بد فعلی نہیں کی۔ اور میں تو اس کے نکاح میں نہیں ہوں اور نہ ہی مسلمان ہوئی ہوں اس کے اسلام کا کورٹ کو ثبوت پہنچایا گیا مگر چونکہ مقدمہ دوسرے پر تھا اس کے بھگانے سے انکار پر اس کو رہا کر دیا۔ اس شخص نے موقع پا کر چند اشخاص کے ہمراہ اس عورت کو نائب قاضی کے پاس لیکر پہنچا کہا کہ اس کو مسلمان کر کے نکاح پڑھا دیجئے۔ نائب قاضی نے دریافت کیا عورت سے تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا میرا نام سکینہ ہے قاضی کو شبہ ہوا کہ یہ تو پہلے مسلمان کر کے

نکاح کرنے کو کہتے تھے اور یہ نومسلمان معلوم ہوتی ہے۔ نائب قاضی نے نکاح سے انکار کر دیا وہ لوگ قاضی شہر کے پاس گئے وہاں سے رقعہ لکھوا کر لائے کہ ان کا سردست نکاح پڑھا دو تب قاضی نے نکاح پڑھایا۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ دوسرا نکاح شرعاً صحیح ہوگا یا نہیں؟

② اگر کوئی عورت مسلمان یا نومسلم کسی یا دو مسلمان سے نکاح کرنا چاہے اور خاوند چھوڑے نومسلمان عورت مندر میں چلی جائے یا کفر کا کام کرلے اسی طرح نومسلمہ اپنے اسلام کا انکار کرے آیا یہ عورتیں اپنے یار بھگانے والے سے شرعاً نکاح کر سکتی ہیں یا نہیں؟ اور کسی طرح اسلام سے انکار کرنے سے ان کی مراد پوری ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

① اس عورت کا پہلا نکاح تو صحیح ہوگیا کیونکہ وہ اسلام لانے سے پہلے کافر مرد کے نکاح سے علیحدہ ہو چکی تھی اور دوسرا نکاح صحیح نہیں ہوا بلکہ یہ عورت بدستور زید کے نکاح میں ہے بوجہین الاول التردد فی ارتدادها[1] بقولها ع اور میں مسلمان ہوتی ہوں ء فان الظاهر انما قصدت منها الاسلام كاذبة مصلحة ولا تريد بذلك الخروج من الاسلام۔ والثانی ما فی رد المحتار[2] (ص۳۹۶ ج۲) من فتوى الدبوسي والصفار وغيرهما بعدم وقوع الفرقة بارتداد الزوجة عن زوجها والله تعالى اعلم۔ غرض دوسرے شخص سے اس کا نکاح باقی نہیں رکھا جا سکتا مگر احتیاط یہ ہے کہ دوسرے خاوند سے جبراً طلاق لیکر بعد عدت کے زید سے دوبارہ نکاح کر دیا جائے بشرطیکہ وہ اس عورت کو اب بھی رکھنا چاہتا ہو اور اگر نہ رکھنا چاہتا ہو تو سوال دوبارہ لکھا جائے وهذا كله بالقواعد ولم اره صريحاً۔

② جو عورت اپنے خاوند سے علیحدہ ہونے کے لئے مرتد ہو اس کا نکاح دوسرے شخص سے نہیں ہو سکتا بلکہ اس کو جبر کر کے پہلے ہی خاوند سے نکاح کرنے پر مجبور کیا جائیگا وافق الدبوسي والصفار بعدم وقوع الفرقة رداً عليها بارادته كما تقدم۔

والله اعلم

ظفر احمد عفا عنه۔ از تھانہ بھون
خانقاہ امدادیہ

---

[1] هدایہ باب الاکراہ اور عالمگیریہ میں اخبار عن الکفر کاذباً سے مرتد ہو جانے کی تصریح موجود ہے۔

[2] انما ذكرنا هذا القول تأييداً او اعتضاداً للتردد في ارتدادها ولا نفتي به فيما اذا ثبت الارتداد قطعاً۔ ظفر

فصل فی الظہار والایلاء واللعان

شوہر نے کہا " اگر تیرے ساتھ جینا کروں تو تیرے پیٹ سے پیدا ہوئے سے رینا کرے "

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ ایک شخص اپنی عورت سے جھگڑا کرتے ہوئے عین جھگڑے میں یہ کہا کہ " اگر میں تیرے ساتھ جینا کروں تو تیرے پیٹ سے پیدا ہوئے سے رینا کرے " یہ قول اس کا کیسا ہے ؟ اس قول سے نکاح فاسد ہوتا ہے یا طلاق واقع ہوتی ہے یا ظہار واقع ہوتا ہے یا لغو ہے ؟ بینوا توجروا

تھاور کمیل واسل کوچہ عطاران متصل مسجد
مدرس حافظ محمد عبد الجبار علاقہ مدراس

الجواب

یہ قول لغو ہے مگر ایسا کہنا مکروہ ہے اس سے گناہ ہوتا ہے باقی ظہار یا طلاق کچھ نہیں ہوا۔

قال في الهندية : لو قال : ان وطئتك وطئت امك فلا شيء عليه اهـ

(ص ۱۳۳ ج ۲)

" تمہارے گھر جاؤں تو ماں کے گھر جاؤں " نہ طلاق ہے نہ ظہار

سوال : عرض یہ ہے کہ ایک آدمی نے غصہ کی حالت میں اپنی بیوی کو کہا کہ میں اگر تمہارے گھر میں جاؤں تو اپنی ماں کے گھر جاؤں۔ اور مخفی نہ رہے کہ بیوی نے بھی اس کے جواب میں کہا کہ میں اگر تم کو بلاؤں تو اپنے باپ کو بلاؤں۔ اس مسئلہ میں شریعت کا کیا حکم ہے۔ امید ہے کہ با توضیح ومدلل بیان کرنے سے نہایت درجہ کی مسرت ہوگی۔

سائل : محمد عبد الباری
۵ گوراچاند لین مسجد کلکتہ

الجواب

اس لفظ سے کچھ نہیں ہوا نہ ظہار نہ طلاق کیونکہ عورت کے گھر کو ماں کے گھر سے تشبیہ

دیانۃً الفاظِ ظہار سے ہے نہ الفاظِ طلاق سے۔

قال فی الدر: وان نوی بانت علی مثل امی او کامی وکذا لو حذف علی خانیۃ برًا او ظہارًا او طلاقًا صحت نیتہ ووقع مانواہ لانہ کنایۃ والا ینو شیئًا او حذف الکاف (بان قال: انت امی) یدل علیہ ما ذکرہ عن الفتح من انہ لا بد من التصریح بالاداۃ (شامی) لغا ویکرہ قولہ: انت امی یا ابنتی ویا اختی ونحوہ اھ (صفحہ ۲-۳) قلت: وقولہ: ان دخلت بیتک دخلت بیت امی اھون من قولہ: انت امی فلما لغا ھذا لعدم اداۃ التشبیہ فلغا ذلک اولیٰ والسر فیہ ان حذف اداۃ التشبیہ لا یفید اللفظ معنی التحریم شرعًا وھو المدار لحرمۃ الظہار والطلاق۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ۔ از تھانہ بھون

۱۷ رجب ۱۳۴۳ھ

بَابُ العِدَّۃ

نومسلمہ کی عدت کا حکم

سوال: ایک ہندو عورت مسلمان ہوئی اور وہ کسی شخص سے نکاح کرنا چاہتی ہے اور وہ پہلے سے بیاہی جب مسلمان ہوئی تو اس کا نکاح پڑھایا جائے یا نہیں؟ اور اگر پڑھایا جائے تو کب؟ کیا اس کے لئے بھی عدت ہے۔ جو حکم ہو اطلاع بخشیں۔ فقط

محمد حسین عفی عنہ بھاٹا پاڑہ

الجواب

جب کوئی ہندو عورت مسلمان ہو جائے تو اگر وہ پہلے سے کسی ہندو کے نکاح میں نہ تھی تب تو مسلمان ہوتے ہی اس کا نکاح ہو سکتا ہے اور اگر کسی ہندو کے نکاح میں تھی تو تین حیض گزرنے کے بعد اس کا نکاح پہلے شوہر سے ٹوٹیگا اس سے پہلے وہ اسی کافر کے نکاح میں ہے لہذا اس مدت میں اس کا نکاح کسی مسلمان سے بالکل درست نہ ہوگا۔ پھر تین حیض گزرنے کے بعد جب نکاح ٹوٹ گیا تو اگر کافر نے اس سے صحبت نہ کی تھی صرف نکاح ہی ہوا تھا تو اب دوسری عدت کی ضرورت نہیں اور

اگر صحبت بھی کی تھی تو صاحبینؒ کے نزدیک دوسری عدت کی اور ضرورت ہے اور امام صاحبؒ کے نزدیک ضرورت نہیں۔

قال فی العالمگیریۃ: واذا اسلم احد الزوجین فی دار الحرب[1] ولم یکونا من اہل الکتاب اوکانا والمرأۃ ہی التی[2] اسلمت فانہ یتوقف انقطاع النکاح بینہما علی مضی ثلاث حیض سواء دخل بہا او لم یدخل بہا کذا فی الکافی۔

(الی ان قال) وہذہ الحیض لاتکون عدۃ ولہذا یستوی فیہا المدخول بہا وغیر المدخول بہا ثم اذا وقعت الفرقۃ قبل الدخول بذلک فلا عدۃ علیہا وان کان بعد الدخول والمرأۃ حربیۃ فکذلک وان کانت ہی المسلمۃ فکذلک الجواب عند ابی حنیفۃ رح اھ

ظفر احمد

۱۶ جمادی الاولیٰ سنہ ۴۶ھ

حاملہ کی عدت مطلقاً وضع حمل ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ ہندہ کی بدفعلی دیکھ کر عرصہ تین سال کا ہوا چھوڑ کر پردیس چلا گیا۔ معلوم ہوا کہ اپنے ملک سے تھوڑے فاصلہ پر ہی ہندہ کے رشتہ دار وہاں جاکر زید کو لے آئے ہندہ نے اپنا مہر جو زید نے دیا تھا بخش کر خلع کرلیا۔ ہندہ مذکورہ فعل زنا سے حاملہ بھی ہے آیا اب پہلے شوہر کی عدت کے اندر جب سے وہ زنا کے سبب حاملہ ہوئی ہے اس کے ساتھ نکاح کر دینا جائز ہے۔ یا بعد گزرنے عدت کے؟ اس کا جواب بحوالہ کتب جلد از جلد عنایت فرمائیں

راقم بیشر امام عبدالحفیظ عفی عنہ گلبندہ
پوسٹ ضلع شمالی ارکاٹ

الجواب

صورت مسئولہ میں وضع حمل سے پہلے اس عورت کا نکاح کسی سے نہیں ہوسکتا کیونکہ

---

[1] قولہ فی دار الحرب وکذلک فی دار الاسلام فالقید اتفاقی

[2] قولہ والمرأۃ ہی التی اسلمت الخ اما اذا اسلم الزوج فقط لاینقطع النکاح بعد مضی ثلاث حیض ایضا لصحۃ النکاح بالکتابیۃ بخلاف المشرکۃ فان زوجہا اذا اسلم یقع بینہما فرقۃ بعد ثلاث حیض

وضع حمل سے پہلے وہ عدت کے اندر ہے اور عدت میں شوہر سابق کا نکاح مرتفع نہیں ہوتا

قال فی الدر: والحامل مطلقًا ولو امة او کتابیة او من زنا تعتد بالوضع اھ

قال الشامی عن الحاوی الزاهدی: اذا حبلت المعتدة وولدت تنقضی به العدة سواء کان من المطلق او من زنا اھ (ص ۹۰۳ ج ۲)

اور اس حمل کو حمل زنا اور اس کے پیدا ہونے کے بعد بچہ کو ولد الزنا نہیں کہہ سکتے۔ اگر شوہر اول اس کو حمل زنا نہیں کہتا جب تو ظاہر ہے اور اگر وہ اس کو حمل زنا کہتا ہے تو اس کا حکم لعان ہے۔ قاضی شرعی کے سامنے لعان ہو کر جب تفریق ہو جائے اس وقت یہ حمل اور ولد زوج اول سے منقطع النسب ہوگا ورنہ بدون اس کے شوہر اول ہی کا شمار ہوگا۔

فی الحدیث المشهور: الولد للفراش وللعاهر الحجر۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۱۸ر محرم ۴۵ھ

عنین کی زوجہ مطلقہ غیر مدخولہ پر خلوت صحیحہ کی وجہ سے عدت لازم ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کا نکاح اس کے ماں باپ نے ایک مادرزاد نامرد کے ساتھ کر دیا اس نے کئی سال تک اس کے ساتھ نباہ کیا۔ خواہش نے مجبور کیا۔ طلاق لے لی۔ اب اس عورت کو نکاح ثانی کی بہت عجلت ہے اور خواہش نے مجبور کر رکھا ہے۔ وہ عدت پوری کرنے کو نہیں مانتی، وہ کہتی ہے کہ جب میں اس کے ساتھ کبھی ہم بستر نہیں ہوئی تو پھر عدت کو کیوں پورا کروں

کاندھلہ ضلع مظفر نگر شمشیر جنگ

الجواب

قال فی الدر: والخلوة بلا مانع حسی وطبعی وشرعی کالوطء ولو کان الزوج مجبوبًا او عنینًا او خصیًا او خنثى ان ظهر حاله فی ثبوت النسب وتاکد المهر والنفقة والسکنى والعدة اھ (ص ۵۵۹ ج ۲)

اس سے معلوم ہوا کہ عنین کی بیوی پر بھی عدت واجب ہے جبکہ وہ تنہا مکان میں ایک بار شوہر کے پاس رہ چکی ہو گو ہم بستری نہ ہوئی ہو۔

حررہ الاحقر ظفر احمد۔

۱۴ر صفر ۴۵ھ

مسئلہ ممتدۃ الطہر سوال : کسی نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی پس اس حالت میں ایک سال گزرا حیض نہیں آیا عمر اس کی ۲۵ سال ہے اب اس عورت نے دوسرے سے نکاح کرلیا۔ نکاح کرنے کے بعد اس مرد کے گھر میں دو حیض آئے اور ایک قبل نکاح کے آیا تھا پھر حیض نہ آنے لگا اب اس نے بھی طلاق دیدی پس اس حالت میں چھ یا سات ماہ گزرا حیض نہیں آیا اب اس عورت سے مرد اول نے نکاح کرلیا۔ نکاح اس کا صحیح ہوا یا نہیں؟ حکم صادر فرمائیں۔

تنقیح : اس سوال میں امور ذیل دریافت طلب ہیں ان کا مفصل جواب آنے پر جواب دیا جائیگا۔

① مرد اول نے کتنی طلاق دی ایک یا دو یا تین؟

② اس عورت کو حیض طلاق دینے سے قبل کبھی آیا تھا یا نہیں؟

③ طلاق کے کتنے روز بعد وہ حیض آیا جو نکاح ثانی سے قبل لکھا ہے۔

نوٹ : اول تو یہ لکھا ہے کہ ایک سال گزرا حیض نہیں آیا اب دوسرے نے نکاح کرلیا پھر لکھا کہ ایک حیض قبل نکاح کے آیا۔ اس میں صریح تعارض ہے۔ لہذا صاف طور پر صحیح واقعہ لکھنا لازم ہے۔

عبد الکریم عفی عنہ۔ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
۱۵ر جمادی الاولیٰ ۱۳۴۴ھ

جواب تنقیح

① مرد اول نے تین طلاق دی۔

② اس عورت کو حیض طلاق دینے کے قبل کبھی نہیں آیا۔

③ طلاق کے ایک سال بعد ایک حیض آیا پس دوسرے نے نکاح کرلیا پھر نکاح کے بعد اور دو حیض آئے۔ اب مرد ثانی نے تین طلاق دی پس اس طلاق کے بعد چھ ماہ گزرا بدون حیض کے مرد اول نے نکاح کرلیا۔

الجواب

مرد اول نے جو نکاح کیا ہے وہ صحیح نہیں ہوا کیونکہ زوج ثانی کی طلاق کے بعد عدت (یعنی تین حیض) پوری نہیں ہوئی حالانکہ اس عورت کی عدت تین حیض ہے۔

کما فی الدر المختار، (او بلغت بالسن) وخرج بقولہ (ولم تحض) الشابۃ الممتدۃ

بالطهر بان حاضت ثم امتد طهرها فتعتد بالحیض الی ان تبلغ سن الایاس۔ جوهرة وقال الشامی: (قوله: بلغت بالسن) ای خمسة عشر سنة عن العنایة ومثلها لو بلغت بالانزال قبل هذه المدة۔

یہ توجیہ ہے کہ زوج ثانی کا نکاح صحیح ہوگیا ہو ورنہ اس کی طلاق کے بعد تین حیض گزر جانے پر بھی زوج اول سے نکاح جائز نہیں کیونکہ تحلیل کے لئے نکاح صحیح ہونا شرط ہے۔

کما فی الدر المختار مع الشامی [illegible] (لا مطلقة بها) بالثلاث (لو حرة وثنتین لو امة حتی یطأها غیره ولو مراهقا بنکاح) نافذ خرج الفاسد والموقوف۔

اور نکاح زوج ثانی کی صحت اور بطلان کی تحقیق کی ضرورت پڑے تو امور ذیل مفصل لکھ کر سوال کیا جائے۔

① جب زوج اول نے طلاق دی تو عورت کی کیا عمر تھی؟
② اگر عمر ۱۵ سال سے کم تھی تو کوئی نشان بلوغ پایا گیا تھا یا نہیں؟
③ جو حیض طلاق سے سال بھر بعد آیا اس سے قبل کیا عمر بھر کبھی حیض نہیں آیا؟ فقط

واللہ اعلم

احقر عبد الکریم عفی عنہ
۱۹ رجمادی الثانی [illegible]

الجواب صحیح
ظفر احمد عفا عنہ
۱۹ رجمادی الثانی [illegible]

مرضعہ کی عدت کس طرح شمار ہوگی جبکہ بوجہ رضاع حیض بند رہتا ہے

سوال: مرضعہ (جس کو بوجہ رضاعت حیض بند رہتا ہے) کی عدت کس طرح شمار ہوگی بوجہ ارضاع ولد جو عورت طاہر ہو اس طہر مستمر میں وطی کے بعد طلاق دیجائے تو کوئی گناہ تو نہیں۔ آیا یہ طلاق سنی ہوسکتی ہے؟

محمد امام مددی مددگار مدرس مدرسہ اسلامیہ
قصبہ مدور تعلقہ چریال ضلع نلگنڈہ حیدرآباد دکن

الجواب

مرضعہ مطلقہ کی عدت تین حیض ہے چاہے وہ تین حیض تین سال میں آئیں لان ذوات الحیض عدتهن ثلاثة قروء۔ اور مرضعہ کو طلاق دینا طلاق فی الطہر ہے۔ پس اگر مرضعہ سے حالت

ارضاع میں وطی نہ کی ہو تو یہ طلاق سنت ہوگی ورنہ نہیں لان طلاق السنة ما كان فی الطهر لا وطی فیہ ولا یبعد قیاسه علی الحمل فان حبل الحامل لا یتصور ولا کذلک المرضعة۔ ولهذا استثنی الفقهاء الآیسة والصغیرة والحامل فقط حیث قالوا بجواز طلاقهن عقب الوطی لفقد توهم الحبل ولم یستثنوا المرضع کما یظهر من الدر والشامی ص ۵۸۶ ج ۲

واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

خانقاہ اشرفیہ - ۲۰ شعبان [illegible]ھ

خلع کی عدت ایک حیض ہے یا تین حیض

سوال: خلع کی عدت کتنی ہے؟ تین حیض ہے یا ایک حیض؟ زید کہتا ہے کہ خلع کی عدت ایک حیض ہے اور نیل الاوطار کے ص ۱۴۲ و ۱۴۳ کا حوالہ بھی دیا ہے۔ عمرو کہتا ہے کہ خلع کی عدت تین حیض ہوگی کیونکہ خلع سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے حکم شرعی کس کے قول کے موافق ہے؟ مع حوالہ کتب حدیث جواب عنایت فرمائیں

الجواب

خلع کی عدت طلاق کی طرح تین حیض ہے جس کی دلیل مؤطا امام مالک کی یہ روایت ہے

مالک عن نافع ان ربیعة بنت معوذ بن عفراء جاءت هی وعمتها الی عبد الله بن عمر فاخبرته انها اختلعت من زوجها فی زمن عثمان فبلغ ذلک عثمان بن عفان فلم ینکره قال عبد الله بن عمر: عدتها عدة المطلقة۔ مالک انه بلغه ان سعید بن المسیب وسلیمان بن یسار وابن شهاب کانوا یقولون عدة المختلعة مثل عدة المطلقة ثلاثة قروء اھ (ص ۲۱۵)

اور جن لوگوں نے خلع کی عدت ایک حیض بتلائی ہے وہ ابن ماجہ کی ایک روایت سے استدلال کرتے ہیں مگر اس کی سند ضعیف ہے۔ اس میں محمد بن اسحاق عبادۃ بن الولید بن عبادۃ بن الصامت سے راوی ہے اور وہ مجہول ہیں۔ دوسرے اس میں یہ مذکور ہے کہ حضرت عثمان نے ربیعہ بنت معوذ بن عفراء کو ایک حیض کی عدت بتلائی اور ان کا یہ فیصلہ ثابت بن قیس کی بیوی کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے موافق تھا اور ثابت بن قیس کے متعلق بخاری میں یہ الفاظ ہیں: "قال له: اقبل الحدیقة وطلقها تطلیقة" جس سے خلع کا بحکم طلاق ہونا صاف ظاہر ہے۔ واللہ اعلم۔ حررہ ظفر احمد عفا عنہ

۲۰ ربیع الثانی [illegible]ھ

وجوب عدت ثبوتِ نسب کے تابع ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے نکاح کیا اور ایک لڑکی بھی پیدا ہوئی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ صغر سنی میں اس کا نکاح دوسرے شخص سے ہو چکا تھا اور دخول نہ ہوا تھا بلکہ مساس بھی نہیں ہوا پس شوہر اول کو کچھ مال دے کر طلاق حاصل کی گئی اب زید جو اس سے نکاح کی تجدید کرے تو با انقضاء عدت کا انتظار واجب ہے یا نہیں؟ اور عدت واجب ہے یا نہیں؟ شبہ اس سے ہوا کہ لڑکی کا پیدا ہونا محل موطوئۃ الاول ہونے کی علامت ہے یا نہیں؟ والسلام۔

الجواب

صورتِ مسئولہ میں چونکہ نکاح اول کے بعد زوجین میں مقاربت نہیں ہوئی بلکہ اصلاً مساس نہیں ہوا اور اس کے بعد دوسرے شخص سے نکاح لاعلمی میں ہوا اور لڑکی نکاح ثانی سے چھ ماہ بلکہ مدت زائدہ کے بعد پیدا ہوئی جو قولِ مفتیٰ بہ کے موافق زوجِ ثانی سے ثابت النسب ہے تو اس لڑکی کا تولد وطی زوجِ اول کی دلیل نہ ہوگی اور طلاق زوج اول کے بعد عدت بھی واجب نہ ہوگی کیونکہ وجوب عدت ثبوتِ نسب کے تابع ہے جب اول سے ثبوتِ نسب نہیں تو عدت بھی واجب نہیں۔

قال فی الدر: غاب عن امرأته فتزوجت بآخر وولدت اولاداً فالاولاد للثانی علی المذهب (ان اتت بهم لاکثر من ستة اشهر من عقد الثانی۔ شامی) وعلله ابن الملک بانه المستفرش حقیقة فالولد للفراش الحقیقی وان کان فاسداً اھ (ص ۶۳۸ ج ۲)

وفی البحر عن الفتح: واذا لم یثبت النسب لم تجب العدة اھ۔ ([illegible])

قلت: واذا لم تجب العدة لم تجعل موطوءة للزوج الاول۔ واللہ اعلم

حررہ ظفر احمد عفا عنہ

۲۸ ربیع الثانی ۱۳۴۸ھ

مطلقہ ثلاث بعد انقضائے عدت نکاح ثانی اور صحبت کرانے کے مرتد ہو گئی مسلمان ہونے کے بعد زوج اول کے ساتھ بدون عدت پوری کئے نکاح جائز ہے یا نہیں؟

سوال: تین طلاق والی عورت نے عدت گزار کر دوسرے خاوند سے نکاح کیا اور دوسرے شوہر سے صحبت کرانے کے بعد یہ عورت کافرہ ہو گئی تو پہلے شوہر سے جس نے تین طلاقیں دی ہیں اب بلا عدت پوری کئے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: عدت پوری کئے بغیر پہلے شوہر سے نکاح نہیں کر سکتی۔

فی الدر المختار عن کافی الحاکم: وان لحقت المرتدة بدار الحرب کان لزوجها ان یتزوج اختها قبل ان تنقضی عدتها وان عادت مسلمة کان لها ان تتزوج من ساعتها اھ (ص ۸۳۳ ج ۲) قلت: فقید اللحاق یشعر بانها لا تتزوج من ساعتها بدون اللحاق وتباین۔ واللہ اعلم۔ ظفر احمد عفا عنہ

۱۴ر۱۱ر۴۸

زنا کی عدت نہیں ہے

سوال: بے شوہر والی عورت نے زنا کیا کرنے والے کے سوا اور مرد سے بلا عدت پوری کئے نکاح کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب

بدون عدت کے نکاح کرسکتی ہے کیونکہ زنا کی کوئی عدت نہیں مگر زنا کے بعد ایک حیض آنے تک شوہر اس کے ساتھ جماع نہ کرے (صرح بہ فی الدر)۔ اور اگر اس کو زنا کا حمل رہ گیا ہو تو جماع وضع حمل تک جائز نہیں۔ واللہ اعلم

حررہ ظفر احمد عفا عنہ

۱۴ ذی الحجہ ۴۸ھ

فصل فی الحداد

بغرض دفع غم معتدۂ وفات کا گھر سے باہر نکلنا درست ہے یا نہیں؟

سوال: معتدہ وفات جس کو شوہر کی وفات کا بہت صدمہ ہے، تخفیف غم اور دل بہلانے کے لئے صبح سے شام تک کے واسطے اپنے والدین کے مکان پر جا سکتی ہے یا نہیں؟ شب کے وقت شوہر کے مکان پر رہے گی۔ نیز دن میں کسی رشتہ دار بیمار کو دیکھنے یا اس کی تجہیز و تکفین میں شرکت کے لئے جا سکتی ہے یا نہیں؟

محمد کفایت اللہ عفی عنہ

الجواب

قال فی الدر: وتعتدان ای معتدة طلاق وموت فی بیت وجبت فیہ ولا یخرجان منہ الا ان تخرج او ینہدم المنزل او تخاف انہدامہ او تلف مالہا او لا تجد کراء البیت ونحو ذلک من الضرورات فتخرج لاقرب موضع الیہ اھ

وفیہ ایضا قبلہ: ومعتدۃ موت تخرج فی الجدیدین وتبیت اکثر اللیل فی منزلہا لان نفقتہا علیہا فتحتاج للخروج حتی لو کان عندھا کفایتہا صارت کالمطلقۃ فلا یحل لہا الخروج "فتح" اھ (ص۱۱۲ ج ۲)

صورت مسئولہ میں اگر طبیب حاذق مسلم یہ تجویز کردے کہ اس بیوہ کو تخفیف غم کے لئے اس گھر سے نکلنا اور دوسرے گھر میں جا کر دل بہلانا ضروری ہے ورنہ یہ بیمار ہو جائے گی یا ہلاکت کا اندیشہ ہے تو خروج من البیت جائز ہے۔ پھر اگر دن ہی میں نکلنا کافی ہو تو رات کو مکان پر آنا واجب ہوگا ورنہ جب تک ضرورت ہو اس وقت تک رات اور دن بھی دوسرے مکان میں رہ سکتی ہے کیونکہ ضرورت شدیدہ اور حاجت کے وقت خروج جائز ہے۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

۲۵ر شوال سنہ ۱۳۴۳ھ

حکم خروج معتدۂ وفات از خوف ضرر بعذر

سوال: کیا فرماتے علماء دین اس مسئلہ میں عرصہ دو ماہ کا ہوا کہ زید کا انتقال ہوگیا۔ ایک زوجہ اور دو خوردسال بچے اور کچھ اثاثہ چھوڑا زوجۂ زید عدت میں ہے بچے اس کے پاس ہیں جو کچھ اثاثہ تھا وہ سب زید کے بہن بھائیوں نے اپنے قبضہ میں کر لیا زید کی زوجہ اس وقت ہر طرح سے تنگ ہے اور زید کے بھائی اس کو ہر طرح کی تکلیف پہنچا رہے ہیں۔ زید دوسرے شہر میں رہتا تھا چونکہ زید کی زوجہ کے والدین دوسرے شہر میں سکونت پذیر ہیں اس لئے وہ غیر شہر میں کسی طرح سے بھی اپنی دختر (زوجۂ زید) کی امداد نہیں کر سکتے۔ اور زوجۂ زید کے والدین کے رشتہ داروں میں وہاں کوئی ایسا نہیں کہ عدت تمام ہونے تک زوجۂ زید اور اس کے بچوں کی خورد و نوش اور ضروری اخراجات کی خبرگیری کر سکے۔ زوجۂ زید کے والدین اب یہ چاہتے ہیں کہ ہم اپنی دختر (زوجۂ زید) کو اپنے شہر میں لا کر اس کی اور اس کے بچوں کی خبرگیری کریں۔ از روئے شریعت شریف ایسی حالت میں زوجۂ زید اور اس کے بچوں کو وہاں سے اپنے شہر میں لانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

قال فی الدر: وتعتدان ای معتدۃ طلاق وموت فی بیت وجبت فیہ ولا یخرجان منہ الا ان تخرج او ینہدم المنزل او تخاف انہدامہ او تلف مالہا او لا تجد کراء البیت ونحو ذلک من الضرورات فتخرج الی اقرب موضع الیہ

(وحکم ما انتقلت الیہ حکم المسکن الاصلی فلا تخرج منہ شامی صہ ج۲)

صورتِ مسئولہ میں زوجۂ زید اپنے والدین کے شہر میں جا سکتی ہے کیونکہ مجبوری کی حالت ہے مگر اس کو چاہئے کہ والدین کے گھر پہنچ کر عدت پوری کرے اور اس گھر سے قبل اتمام عدت بلا ضرورت دن کو بھی نہ نکلے اور رات کو نکلنا تو ضرورت سے بھی نہ چاہئے لیکن اضطرار کی حالت مثل خوف ہدم وغیرہ ہر حال میں مستثنیٰ ہے۔ فقط

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۱۰ محرم سنہ ۱۳۴۵ھ

ضرورتِ نفقہ کے علاوہ معتدہ وفات دوسری ضروریات کے لئے گھر سے نکل سکتی ہے یا نہیں

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک عورت عدتِ موت گزار رہی ہے اس کا لڑکا اور بہن بیمار رہیں اور علاج وغیرہ کے لئے کوئی مرد وغیرہ گھر میں سے نہیں تو وہ حکیم کو مریضوں کی اطلاع کے لئے اور دوا کے لئے جا سکتی ہے یا نہیں؟ فقط والسلام

حافظ ولی محمد قنوجی

الجواب

ضرورتِ نفقہ کے علاوہ نکلنے میں اختلاف ہے اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ صورتِ مذکورہ میں مکان سے باہر نہ جائے لیکن جب دوا وغیرہ کا انتظام کوئی اور نہ کرے اور دوا نہ کرنے سے مرض بڑھنے کا اندیشہ ہو یا خود اس عورت کو بدون علاج کے پریشانی ہو تو دوسرے قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔ سخت ضرورت کی مقدار چلی جایا کرے

فی البحر الرائق (ص۱۵۳ ج۴) بعد نقل کلام فتح القدیر (حتی لو کان عندھا کفایتھا صارت کالمطلقۃ فلا یحل لھا ان تخرج لزیارۃ ولا لغیرھا لیلاً ولا نھاراً) فالظاھر من کلامھم جواز خروج المعتدۃ عن وفاۃ نھاراً ولو کانت قادرۃ علی النفقۃ الخ واللہ اعلم

احقر عبد الکریم عفی عنہ

۱۱ شوال سنہ ۴۴ھ

دو بیویاں ہیں ایک کے مکان پر شوہر کا انتقال ہو جاتا ہے اگر دوسری بیوی بغرض عیادت وہیں مقیم ہو تو وہ عدت کہاں پوری کرے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس صورت میں کہ

محمد اللہ خان مرحوم کی دو بیویاں ہیں اور دونوں بیویوں کو ان کے شوہر محمد اللہ خان نے دو مکانات ان کی سکونت کے واسطے علیحدہ علیحدہ بنا دیئے ہیں جن میں وہ رہتی ہیں اور دونوں مکانات میں فاصلہ تقریباً دو سو قدم کا ہے۔ ایک بیوی مرض الموت محمد اللہ خان میں دوسری بیوی کے مکان میں جس میں محمد اللہ خان فوت ہوئے تیمارداری کے واسطے گئی تھی کہ محمد اللہ خان فوت ہو گئے اور دونوں بیویوں میں موافقت بھی نہیں ہے۔ اب جو بیوی دوسری کے مکان میں اپنے مکان سے گئی ہوئی ہیں ان کو اپنے مکانِ سکونت میں آکر عدت پوری کرنی جائز ہے یا نہیں؟ یا اسی مکان میں جس میں محمد اللہ خان کی فوتی ہوئی عدت پوری کرنی چاہیئے۔ بینوا توجروا۔ فقط

سائل: احسان اللہ ولد محمد اللہ خان مرحوم
از گڑھی عبد اللہ خان ضلع مظفر نگر

الجواب

صورت مسئولہ میں اس بیوی کو اپنے مکان میں چلا جانا جائز ہے[1]۔

قال فی الدر: طلقت او مات وھی زائرۃ فی غیر مسکنھا عادت الیہ فوراً لوجوبہ علیھا وتعتدان ای مطلقۃ او معتدۃ الموت فی بیت وجبت فیہ ولا یخرجان منہ الا ان تخرج الخ

قال الشامی: (قولہ فی بیت وجبت فیہ) وما یضاف الیھما بالسکنی قبل الفرقۃ فیہ ایضاً، قبل ذلک تحت قولہ (ولا تخرج من بیتھا الخ) ما نصہ والمراد ما یضاف الیھا بالسکنی حال وقوع الفرقۃ والموت (ھدایہ [illegible]) واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

۴ رجمادی الاول [illegible]

---

[1] بلکہ واجب ہے۔ اشرف علی

باب ثبوت النسب ومدة الحمل

حکم نکاح زن مطلقہ کہ حاملہ شدہ و بیان نسب ولدِ آں کہ از زوج باشد یا نہ در صورت اقرار و انکار او۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین بابت مسئلہ صورت ذیل کے وہ یہ کہ زید ہندہ کو جو کہ باقر کی منکوحہ ہے باقر کے گھر سے پوشیدہ نکلوا کر بھگا لایا۔ غالباً عرصہ دو سال سے زید ہی کے پاس ہے اور باقر کو بھی پتہ چل گیا۔ جھگڑا آپس میں یا شاید قانونی چارہ جوئی کی ہوگی، عرصہ سے چلا آ رہا ہے آخر نتیجہ یہ نکلا کہ زید کی جانب سے باقر کو کچھ روپیہ دے کر اس سے طلاق لے لی ہے۔ اس عرصہ میں (یعنی بحالت نزاع) ہندہ کو حمل رہا اور ساقط بھی ہو گیا جو کہ نہ معلوم باقر سے تھا یا زید سے وہ تو کہتی ہے کہ زید سے تھا اب وہ دوبارہ پھر حاملہ ہے بظاہر تو یہی خیال گزرتا ہے کہ یہ حمل ثانی تو ضرور زید ہی سے ہوگا اور چونکہ خود بھی اقرار کرتی ہے اور نیز دوسرے باقر کا رہنا دور دوسرے شہر میں ہے اور زید کے گھر میں بلا تکلیف آنا بھی مشکل ہے اب ہندہ اور زید چاہتا ہے کہ ہم دونوں کا نکاح ہو جائے۔ لہٰذا الغرض یہ ہے کہ اس ہندہ کی عدت کیا ہوگی تین حیض یا وضع حمل اور اس صورت میں یہ حمل ثانی زید کا قرار دیا جائیگا یا باقر کا۔ اور چونکہ ثبوت نسب میں احتیاط مزید ہے جیسا کہ حضرت مولانا نے ایک دفعہ رسالہ "الامداد" میں تشریح کی تھی کہ میاں کو پردیس میں برسیں گزر گئیں اور گھر میں بچہ پیدا ہو گیا تو اسی کا کہلائیگا اس طرح یہاں بھی یہ احتمال ہو سکتا ہے یا نہیں؟ کہ عجب نہیں ہندہ کا خاوند کسی طریق سے اس سے ہم بستر ہو گیا ہو اور وہاں ہندہ کے اس قول کا اعتبار ہوگا یا نہیں کہ یہ موجودہ حمل زید کا ہے۔ یا باقر سے معلوم کرنے کے بعد باقر کے قول کا اعتبار ہوگا۔ اگر باقر کا قول معتبر ہوگا تو انکار کی صورت میں تہمت کی وجہ سے لعان تو نہ ہوگا اول تو یہی وجہ کہ چونکہ پیشتر اس تحقیق کے طلاق وہ دے چکا غرضیکہ باقر سے تحقیق کی ضرورت ہے یا محض زید اور ہندہ کے قول کا اعتبار ہوگا۔ امید کہ ان کے نکاح و عدت وغیرہ کے متعلق بالتشریح مطلع فرمائیں گے اور اگر حضرت مولانا مدظلہم اللہ تعالیٰ کے دستخط بھی کرا دیں تو عوام کے لیے بھی مزید باعث اطمینان ہوگا اور اگر اتفاق سے حضرت سفر میں ہوں تو آں جناب ہی جواب باصواب سے جلد مشرف فرمائیں۔ اور ہاں کیا طلاق میں طلاق نامہ تحریر

شدہ مع ثبت انگوٹھا مہر دستخطوں کے ہو تو محض تحریر کا اعتبار کر لیا جائیگا یا نہیں؟
بینوا توجروا۔ فقط

الجواب

صورت مسئولہ میں اس عورت کی عدت وضع حمل ہے قبل وضع حمل زید کو اس سے نکاح کرنا جائز نہیں اور اگر وقت طلاق سے چھ ماہ سے کم میں بچہ پیدا ہوا تو وہ باقر ہی سے ثابت النسب ہوگا خواہ وہ اقرار کرے یا انکار کرے اور اگر وقت طلاق سے چھ ماہ کامل یا زیادہ میں پیدا ہوا مگر دو سال کے اندر اندر ہی پیدا ہو گیا اور اس عرصہ میں عورت نے اپنی عدت تمام ہونے کا بھی دعویٰ نہ کیا تھا تو اس صورت میں بھی لڑکا باقر ہی کا ہوگا خواہ یہ مطلقہ رجعی ہو یا مطلقہ بائنہ۔ اور اگر وقت طلاق سے دو سال پورے یا زیادہ میں پیدا ہوا تو مطلقہ بائنہ ہونے کی صورت میں بدون اقرار باقر ثبوت نسب نہ ہوگا اور مطلقہ رجعیہ ہونے کی صورت میں اس وقت بھی نسب زوج سے ثابت ہوگا۔ اور اگر عورت وضع حمل سے پہلے انقضاء عدت کا دعویٰ کر دے دراں حالیکہ یہ دعویٰ طلاق سے ساٹھ دن یا زیادہ گزر جانے کے بعد ہو تو اگر اس دعویٰ کے بعد چھ ماہ سے کم میں بچہ پیدا ہوا تب بھی شوہر اول ہی سے ثابت النسب ہوگا اور اگر دعویٰ انقضاء عدت کے بعد چھ ماہ کامل یا زیادہ میں بچہ پیدا ہوا تو بلا اقرار ثبوت نسب نہ ہوگا۔ باقی اس صورت میں ہندہ اور زید کے اس قول کا اعتبار نہ ہوگا کہ یہ حمل باقر کا نہیں بلکہ زید کا ہے اور باقر سے پوچھنے کی بھی ضرورت نہیں بلکہ وضع حمل سے پہلے ہندہ کا نکاح کسی طرح زید سے درست نہیں۔ اور جن صورتوں میں ثبوت نسب کا حکم دیا گیا ہے ان میں اگر باقر اس حمل کو اپنے سے نفی کرے تو مطلقہ رجعیہ ہونے کی صورت میں لعان کا حکم ہے اور مطلقہ بائنہ کی صورت میں لعان بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ لعان کے لئے بقاء زوجیت شرط ہے۔ بلکہ ہندوستان میں مطلقہ رجعیہ سے بھی لعان نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کے لئے دار الاسلام اور قاضی شرط ہے وھو منتفیان ھھنا۔ اور جب لعان نہ ہو سکے تو ولد زوج اول سے ہی ثابت النسب ہوتا ہے اب اس کی نفی کسی طرح نہیں ہو سکتی۔ البتہ جن صورتوں میں ثبوت النسب من الباقر کا حکم دیا گیا ہے اگر ولادت کے بعد باقر ولادت ہی کا انکار کر دے اور یہ کہہ دے کہ اس عورت نے بچہ نہیں جنا یہ جھوٹ کہتی ہے کہ میں نے بچہ جنا ہے تو ثبوت نسب کے لئے اس میں یہ شرط ہے کہ یا تو طلاق کے وقت حمل ظاہر ہو یا ظاہر نہ ہو مگر زوج نے حمل کا اقرار کر لیا ہو یا اقرار نہ کیا ہو مگر مدت کے اندر ولادت واقع ہونے پر شہادت قائم ہو جائے جس میں صرف دایہ کی شہادت کافی نہیں بلکہ

دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ضروری ہیں اور جب وہ حملًا یا مدت کے اندر ولادت کا اقرار کرے تو پھر اس کا یہ کہنا کہ یہ بچہ میرا نہیں یا حمل مجھ سے نہ تھا معتبر نہ ہوگا بلکہ لعان کی ضرورت ہوگی مطلقہ رجعیہ میں اور مطلقہ بائنہ میں اس کی بھی ضرورت نہیں اور ہم کہہ چکے ہیں کہ ہندوستان میں لعان نہیں ہوسکتا۔ اس لئے نفی ولد کی کوئی صورت نہیں۔

الدلائل

قال في الدر: فيثبت نسب ولد معتدة الرجعي ولو بالاشهر لإياسها وان ولدت لاكثر من سنتين ما لم تقر بمضي العدة والمدة تحتمله (اى تحتمل المضي بان تكون ستين يوما على قول الامام وتسعة وثلاثين على قولهما ثم جاءت بولد لا يثبت نسبه إلا اذا جاءت به لاقل من ستة اشهر من وقت الاقرار فانه يثبت نسبه للتيقن بقيام الحمل وقت الاقرار فيظهر كذبها وكذا الحكم في المطلقة البائنة والمتوفى عنها اذا ادعت انقضاء عدتها ثم جاءت بولد لتمام ستة اشهر لا يثبت نسبه ولو لاقل يثبت اهـ شامي) كما يثبت بلا دعوة احتياطا في مبتوتة جاءت به لاقل منهما من وقت الطلاق لجواز وجوده وقته ولم تقر بمضيها كما مر ولو لتمامهما لا الا بدعوة لانه التزمه وان لم تصدقه المرأة لا في رواية (اى فان الولد منه اهـ شامي) وهى الاوجه اهـ

(ص ۱۰۲۶ تا ۱۰۲۸-ج۲)

وفيه ايضا: ويثبت نسب ولد المعتدة بموت او طلاق ان جحدت ولادتها بحجة تامة واكتفيا بالقابلة قيل وبرجل او حبل ظاهر وهل تكفي الشهادة بكونه كان ظاهرا في البحر بحثا نعم او اقرار الزوج به اى بالحبل ولو انكر تعيينه تكفي شهادة القابلة اجماعا اهـ

(ص ۱۰۳۰-ج۲)

وفيه ايضا: وسيجيء في الاستيلاد ان الفراش على اربع مراتب (ضعيف، وهو فراش الامة لا يثبت النسب فيه الا بالدعوة. ومتوسط، وهو فراش ام الولد فانه يثبت فيه بلا دعوة لكنه ينتفي بالنفي. وقوي، وهو فراش المنكوحة ومعتدة الرجعي فانه فيه لا ينتفي الا باللعان. واقوى، كفراش معتدة البائن فان الولد لا ينتفي فيه اصلا لان نفيه متوقف على اللعان وشرط اللعان الزوجية اهـ شامي (ص ۶۴۶ ج-۲)

وفي الدر: فمن قذف في دار الاسلام زوجته (اخرج دار الحرب لانقطاع الولاية اھ شامی) العفيفة عن فعل الزنا وتهمته. او من نفى الولد وطالبته به لاعن اھ. ويسقط اللعان بطلاق البائن ثم لا يعود وكذا يسقط بزناها ووطيها بشبهة اھ

وفي الدر ايضاً: ومتى سقط اللعان بوجه ما (كعدم صلاح احدهما للشهادة او عدم الاحصان شامی) لم يحد فيه ابداً اھ (ص ۹۰۲ ج ۲ باب اللعان)

هذا والله اعلم وعلمه اتم واحكم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۔ از تھانہ بھون

۱۰ رجب ۴۳ھ

مدت حمل حنفیہ کے نزدیک زیادہ سے زیادہ دوسال ہے اس پر شبہ اور اس کا جواب

سوال: عرض اینکہ درمیان زنان مشہور است کہ حمل زن گاہے خشک شود، بعضے سہ سال خشک باشد، بعضے چار سال بعضے زیادہ (زنان ہم خشک باشد) باز در شکم تازہ شود و بچہ تولد شود این سخن درست است یا نہ چنانکہ در کتب مسطور است کہ "اکثر مدۃ الحمل سنتان" و این ہم مشہور است کہ تا زمانیکہ حمل خشک باشد زن را حیض ہم میشود این سخن ہم راست است یا نہ؟ مع آنکہ در کتب مذکور است کہ ما رأته الحامل من الدم فھو استحاضۃ ۔ بینوا توجروا ۔

السائل: رسول شاہ ۔ ڈاکخانہ وضلع کوہاٹ
موضع ڈھوڈھ

الجواب

قال الزيلعي: واخرج الدارقطني ومن جهته البيهقي عن الوليد بن مسلم قال: قلت لمالك بن انس اني حدثت عن عائشة انها قالت لا تزيد المرأة في حملها على سنتين قدر ظل المغزل فقال: سبحان الله من يقول هذا هذه جارتنا امرأة محمد بن عجلان امرأة صدق وزوجها رجل صدق حملت ثلاثة ابطن في اثني عشرة سنة كل بطن في اربع سنين اھ (ص ۱۵ ج ۲ نصب الراية)

اس سے معلوم ہوا کہ دوسال سے زیادہ مدت تک حمل کا بطن میں رہنا امام مالکؒ

کے نزدیک بھی ممکن ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ عورتوں میں جو حمل کے خشک ہو جانے کا قصہ مشہور ہے یہ بھی کسی درجہ میں اصل رکھتا ہو۔ مگر حنفیہ نے حضرت عائشہؓ کے اثر کی وجہ سے مدت حمل کو دو سال سے زائد نہیں مانا۔

اخرج البیہقی ثم البیہقی فی سننہا من طریق ابن المبارک عن داؤد بن عبدالرحمٰن عن ابن جریج عن جمیلۃ بنت سعد عن عائشۃؓ قلت: ما تزید المرأۃ فی الحمل علی سنتین قدر ما یتحول ظل عود المغزل اھ (زیلعی ص ۱۰۵ ج ۲) قلتُ: سندہ صحیح رجالہ رجال الصحیح وجمیلۃ بنت سعد صحابیۃ استشہد ابوہا یوم احد وھی حمل تزوجت زید بن ثابت الامام ذکرھا الحافظ فی الاصابۃ فی القسم الاول (ص ۲۴۰ ج ۸) ـ وفی حاشیۃ الھدایۃ والظاہر ان عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالتہ سماعاً لان العقل لا یہتدی الی معرفۃ المقادیر اھ (ص ۴۱۳ ج ۲)

پس جس صورت میں عورتیں یہ دعویٰ کریں کہ حمل خشک ہو گیا تھا حنفیہ وہاں یہ کہیں گے کہ خشک ہونے سے پہلے جس کو تم نے حمل سمجھا تھا وہ حمل ہی نہیں تھا بلکہ نفخ یا پانی ہوگا جس کو غلطی سے حمل سمجھ لیا گیا پھر اس کو خشک مان کر خواہ مخواہ مدت حمل دو سال سے بڑھا دی کیونکہ حمل میں نفخ کا احتمال بھی کچھ بعید نہیں۔

قال فی الفتح: اذ یحتمل کونہ نفخاً او ماءً وقد اخبرنی بعض اہلی عن بعض خواصہا انہ ظہر بہا حمل واستمر الی تسعۃ اشہر ولم یشک فیہ حتی تہیأت لہ بتہیئۃ ثیاب المولود ثم اصابہا طلق وجلست الدایۃ تحتہا فلم تزل تعصر العصرۃ بعد العصرۃ وفی کل عصرۃ تصب الماء حتی قامت فارغۃ من غیر ولد اھ (شامی ص ۸۶۵ ج ۲) ـ قلتُ: وھذا ھو جوابنا عن واقعۃ امرأۃ محمد بن عجلان وھو ظاہر من التقریر۔ واللہ اعلم

اگر مدت حمل کے بعد اور نکاح ثانی سے اقل مدت حمل کے اندر بچہ پیدا ہوا تو اس کا نسب شوہر متوفی سے ثابت ہوگا یا ناکح ثانی سے؟

سوال: ہمارے اطراف میں ایک منکوحہ کا حمل چھ یا سات مہینہ کی مدت کے بعد سوکھ گیا اور تین مہینے کے بعد اس کے شوہر کا انتقال ہو گیا پھر تین برس کے بعد جس کے اندر مہینہ دو مہینہ کے فاصلے پر کبھی کبھی خون بھی نکلا ہے ہوا دوسرا ایک مرد سے بغیر اطلاع دیئے صورت

صورہ کے ایک قاضی صاحب اور دو گواہ کے مقابل میں نکاح کیا اور نکاح ثانی سے دو مہینہ بعد ہی اسکا حمل ظاہر ہو خوب احتمال ہے کہ چھ مہینے کے اندر ہی وضع حمل ہوگی۔ اب بموجب شرع شریف کے اس منکوحہ اور زوج ثانی پر کیا حکم ہے اور وہ ولد جو کہ عدت مذکورہ میں پیدا ہوئے ثابت النسب کس سے ہے اور حالت مذکورہ میں نکاح منعقد ہوا یا نہیں اگر نہیں ہوا تو قاضی صاحب پر کیا حکم ہے؟ للوجہ اللہ جواب عنایت فرما کر ممنون فرمائیں توجروا عند اللہ العزیز۔ زیادہ آفتاب ہدایت بر سر عالمیان تابان و درخشان باد۔ بالنون والصاد۔

الجواب

اگر نکاح ثانی کے بعد چھ ماہ سے قبل بچہ پیدا ہوا تو زوج ثانی کا نہیں ہو سکتا۔ اور چونکہ زوج اول کی وفات سے دو سال بعد اس کی پیدائش ہے اس لئے اس کی طرف بھی منسوب نہیں ہو سکتا۔

فی الدر: (واقلہا ستۃ اشہر اجماعاً مثلاً) (و) یثبت نسب ولد معتدۃ (الموت لاقل منہما من وقتہ) ای الموت وقال الشامی تحت قولہ لاقل منہما: ای من سنتین ص ۹۲۹ ج ۲۔

اور جب عدت وفات ختم ہو چکی کیونکہ تین سال گزر چکے وفات زوج کو اور دو سال سے زائد زوج اول کا حمل نہیں رہ سکتا تو اس کا نکاح ثانی جائز ہوگیا مگر چونکہ محض روایات اس کے خلاف بھی ملی ہیں اس لئے احتیاطاً اس عورت کا نکاح بعد وضع حمل کے دوبارہ پڑھ لینا ضروری ہے اگر وضع حمل زوج ثانی کے دخول سے ۶ ماہ سے پہلے ہو۔ اور یہ جواب قواعد سے دیا گیا ہے جزئیہ نہیں ملا لہٰذا دوسرے علماء سے بھی دریافت کر لیا جائے۔ واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ
۱۲؍ محرم سنہ ۶۳ھ

الجواب صحیح
ظفر احمد عفا عنہ۔ ۱۲؍ محرم سنہ ۶۳ھ

تفصیل الجواب

قال فی البحر: (ص ۱۴۳ ج ۱) وان کان (الوضع) لاکثر من سنتین منذ طلقہا الاول ولاقل من ستۃ اشہر منذ دخل الثانی لم یلتحق بالاول

ولا الثاني في ما لو جاءت به لاقل من سنتين من طلاق الاول وستة اشهر من دخول الثاني وينبغي الحاقه بالاول اهـ

وفي العالمگیریة: عدة الحامل ان تضع حملها كذا في الكافي سواء كانت حاملا وقت وجوب العدة او حبلت بعد الوجوب كذا في قاضي خان وسواء كانت عن طلاق او وفاة او متاركة او وطء بشبهة كذا في النهر۔ وسواء كان الحمل ثابت النسب ام لا۔ ويتصور ذلك فيمن تزوج حاملا من الزنا كذا في السراج الوهاج اهـ (ص ۵۰۹ ـ ج ۱)

اس سے معلوم ہوا کہ ۱ زوج اول کی طلاق یا موت سے دو سال بعد اور زوج ثانی کے دخول سے ۶ ماہ پہلے اگر بچہ پیدا ہو تو وہ کسی سے ثابت النسب نہ ہوگا ۲ انقضاء عدت حاملہ کے لئے وضع حمل شرط ہے خواہ حمل ثابت النسب ہو یا نہ ہو۔ اب رہا یہ کہ نکاح ثانی صحیح ہوا یا نہیں تو چونکہ قبل موت زوج اول یہ عورت حاملہ تھی جو خشک ہو گیا تھا اس لئے اس کی عدت وضع حمل کے سوا کچھ نہ تھی اور اس کا نکاح ثانی عدت میں ہوا اس لئے صحیح نہیں۔ رہا یہ کہ حنفیہ کے یہاں تو اکثر مدت حمل دو سال ہے تو اس صورت مسئولہ میں تین سال تک اس کو حاملہ من الاول کیسے مانا جائیگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مدت لزوم نسب کے لئے ہے کہ اس سے زائد میں نسب زوج پر لازم نہ ہوگا باقی انقضاء عدت کے لئے نص سے وضع حمل معین ہے پس خشک حمل کے وضع کے بغیر مقتضاء نص یہ ہے کہ عدت تمام نہ ہوگی

قال ابن عابدين في حاشية البحر: قال في النهر: فرع لو مات الحمل في بطنها او مكث مدة بما لا تنقضي عدتها لم ار المسئلة وينبغي ان تبقى معتدة الى ان ينزل او تبلغ مدة الاياس اهـ ـ قال بعض الفضلاء قوله او تبلغ مدة الاياس فيه انه مناف الآية فتأمل اهـ

وفي حاشية الرملي نقلا عن كتب الشافعية لا تنقضي مع وجوده بعموم الآية قال: ولا مبالاة بتضررها بذلك كما في شرح المنهاج للرملي۔

وفي حاشية المنهج لابن قاسم: قال شيخنا الطبلاوي رحمه الله: افتى جماعة عصرنا بتوقف انقضاء عدتها على خروجه والذي اقول عدم التوقف اذا يئس من خروجه لتضررها بمنعها من التزوج اهـ ولا شيء من قواعد مذهبنا يدفع ما قالوه فاعلم ذلك اهـ ملخصا (ص ۱۳۳ ـ ج ۴)

اس سے معلوم ہوا کہ وجود حمل خواہ میت ہی مانع انقضاء عدت ہے اور یہ کہ انقضاء عدت میں دو سال کی مدت معتبر نہیں اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ حمل میت حمل ہی نہیں کیونکہ جماعت فقہاء نے اس کو عموم آیت ﴿حَتّٰی یَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ کے تحت میں داخل کرکے مانع انقضاء کہا ہے پس حمل خشک بھی اسی کے مثل ہے بلکہ اس کا حمل ہونا بہ نسبت میت کے اظہر ہے اور جب وہ بوجہ حمل ہونے کے مانع ہے تو اس کا مانع ہونا اولیٰ ہے۔ اور علامہ خیر الدین نے فتاویٰ شافعیہ کو نقل کرکے کہا ہے کہ یہ ہمارے قواعد کے خلاف نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ انقضاء عدت کا دو سال سے زائد مدت پر موقوف ہونا ہمارے قواعد کے خلاف نہیں اس سے اس تاویل کی تائید ہوتی ہے جو اوپر اول میں لکھی ہے کہ تخصیص مدت لزوم نسب کے لئے ہے۔

وقال فی رد المحتار بعد ذکرہ الاقوال المذکورۃ وبه ظهر ان المراد من قوله او تبلغ حد الایاس هو الایاس من خروجه فيحصل المراد منه غاية مدة الحمل وهو اربع سنين عند الشافعية وسنتان عندنا او اعم من ذلك محتمل والذي ينبغي العمل به ما قاله الجماعة لموافقته صريح الآية اھ (ص [illegible] ج ۲)

اس سے بھی ظاہر ہوا کہ علامہ شامی کے نزدیک راجح یہی ہے کہ صورت مذکورہ میں انقضاء عدت وضع حمل و خروج ما فی البطن پر مطلقاً موقوف ہوا اس میں نہایت مدت حمل کا اعتبار نہ ہوگا کیونکہ صریح آیت یہی ہے کہ عدت حاملہ وضع حمل ہے

وقد ذکرنا عن العالمگیریة : ان کون الحمل ثابت النسب غیر ضروری قلت : وهذا هو الراجح عندی ای ما قاله العلامة الشافعی ۔ البتہ بحر میں خانیہ سے ایک جزئیہ نقل کیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دو سال جو مدت حمل مقرر ہے وہ لزوم نسب کے لئے بھی ہے اور انقضاء عدت کے لئے بھی

ونصه فی الخانیة : المتوفی عنها زوجها اذا ولدت لاکثر من سنتين من وقت الموت يحكم بانقضاء عدتها قبل الولادة بستة اشهر وزيادة فتجعل كأنها تزوجت بزوج آخر بعد انقضاء عدتها وحبلت من الثاني اھ (ص [illegible] ج ۳) ای لا نسيء الظن بها بان نجعلها متزوجة سرًا كمسئلة الشرقي مع المغربية ولا نجعلها حاملا اكثر من سنتين وهذا اوسع والاول احوط۔

اس روایت کا مقتضاء یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں مسماۃ مذکورہ کا نکاح ثانی صحیح

ہو گیا۔ بہرحال صحت نکاح ثانی مختلف فیہ ہے لہٰذا دوبارہ نکاح پڑھ لینا خروج عن الخلاف کے لئے ضروری ہے باقی نکاح خواں کو تو کسی صورت میں بھی گناہ نہیں ہوا کیونکہ اس کو صورت حال کی اطلاع ہی نہ تھی۔ والذی قلنا من صحۃ النکاح وعدمہ کلہ من القواعد ولم نجد جزئیۃ صریحۃ فیہ فلیتحقق ولیحرر من غیرنا ایضاً۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ۔

از تھانہ بھون۔ ۲۵ محرم ۵۳ھ

حکم نفی نسب بتہمت زنا و بیان احکام نسب

سوال: زید نے اپنی بیوی ہندہ حاملہ کو یہ کہہ کر طلاق دیدی کہ یہ حمل حرام کا ہے میرا نہیں۔ ہندہ اپنے میکہ چلی آئی اور وہاں اس کی لڑکی پیدا ہوئی۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ لڑکی زید سے ثابت النسب ہوگی یا نہیں؟ زید اور زید کی والدہ اور اس کے دیگر اعزہ سے بطور وراثت کے کچھ پائے گی یا نہیں؟ قول مفتی بہ تحریر فرمائیں۔

الجواب

صورت مسئولہ میں زید پر لعان واجب ہوتا۔ اگر یہ جگہ دار الاسلام میں ہوتی اور یہاں قاضی اسلام موجود ہوتا جب۔ بوجہ دار الحرب اور قاضی اسلام نہ ہونے کے لعان نہیں ہو سکتا بلکہ اب تو چونکہ زوجہ طلاق کی عدت پوری ہونے سے مطلقہ بائنہ ہو چکی ہے تو دار الاسلام میں بھی لعان نہیں ہو سکتا۔ تو شوہر کے نفی کرنے سے حمل یا ولد منتفی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ لڑکی زید ہی کی لڑکی ہے اور شرعاً وہ زید سے اور زید کے خاندان سے حق وراثت پانے کی کامل مستحق ہے۔

قال فی الدر: الفراش علی اربع مراتب، (الی ان قال) وقوی وھو فراش المنکوحۃ ومعتدۃ الرجعی فانہ فیہ لا ینتفی الا باللعان واقوی کفراش المعتدۃ البائن فان الولد لا ینتفی فیہ اصلاً لان نفیہ متوقف علی اللعان ومن شرائط اللعان الزوجیۃ اھ (ص ۱۰۲۰ ج ۲)

وفیہ ایضاً، متی سقط اللعان بوجہ ما (کعدم صلاح احدھما للشہادۃ او عدم الاحصان) لم ینتف نسبہ ابداً اھ (ص ۹۰۳ ج ۲، باب اللعان مع الشامی)

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

۲۷ رجب ۵۳ھ

ثبوت نسب کی ایک صورت کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنے وطن سے پردیس چلا گیا وہ کہتا ہے کہ قبل روانگی میری، میری

اہلیہ ۵۔۶ یوم پیشتر حیض سے فارغ ہوئی بعد فراغت مواصلت ہوتی رہی بعد ازاں ۵ ذی الحجہ کو میں پردیس چلا گیا۔ بعد میرے جانے کے ماہ محرم الحرام میں میری زوجہ کو گم ہیضہ ہوگیا زندگی کی امید باقی نہ رہی تین مرتبہ دم رک گئی لیکن بفضلہ تعالیٰ چھ یوم کے بعد رو بصحت ہوئی مگر صحت کلی نہ ہوئی کبھی حالت اچھی اور کبھی طبیعت ناساز ہو جایا کرتی رہی علاج ابتداء سے ہوتا رہا یعنی قریب و جوار کے حکماء و اطباء کا علاج نہایت سعی و کوشش کے ساتھ ہوتا رہا۔ یہ کیفیت مسلسل ایک سال چھ ماہ تک رہی مرض دم بدم ترقی پذیر ہوا۔ میری زوجہ جب بالکل عاجز ہوگئی اور نشست و برخاست سے مجبور ہوگئی تو مجھے مطلع کیا اور میری طلبی کے خطوط روانہ کئے۔ میں پردیس سے پورے ایک سال پانچ ماہ ۲۰ یوم کے بعد اپنے وطن پہنچا اور گرد و نواح کے حکماء سے دوبارہ علاج مریضہ مذکورہ و مشورہ کیا مگر چونکہ وہ حضرات علاج کرکے پہلے ہی سے مایوس ہو چکے تھے اس لئے ان لوگوں نے مجبوری ظاہر کی مگر ایک صاحب نے جو کہ فی الحال شہر جونپور کے شفاخانہ میں سول سرجن ہیں اور ان کا نام ڈاکٹر محمد حفیظ اللہ ہے مجھے یہ مشورہ دیا کہ تم مریضہ کو اعظم گڈھ کے زنانہ شفاخانہ میں داخل کردو کیونکہ وہاں ایک تجربہ کار لیڈی ڈاکٹر اس وقت موجود ہے علاج معقول ہو جائیگا ساتھ انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ اگر خدانخواستہ وہاں صحت یاب نہ ہو تو پھر جونپور کے شفاخانہ میں کہ جہاں میں خود موجود ہوں لیکر آنا میں وہاں کے زنانہ اسپتال میں داخل کردوں گا ڈاکٹر موصوف کے مشورہ پر میں نے عمل کیا اور مریضہ کو لیجا کر زنانہ اسپتال شہر اعظم گڈھ میں داخل کردیا اور بحکم لیڈی ڈاکٹر چند ایام وہیں مریضہ کے قیام کا انتظام کردیا اور علاج ہونا شروع ہوگیا بعد چند روز کے لیڈی ڈاکٹر نے کہا کہ اب مریضہ کو مکان میں لیجاؤ اور ہر چوتھے روز یہاں سے دوا لیجایا کرو میں نے کچھ مدت تک ایسا ہی کیا اس طرح مریضہ کو رفتہ رفتہ صحت معلوم ہوتی رہی اسی اثناء میں پہلی لیڈی ڈاکٹر کا تبادلہ کسی دوسرے مقام پر ہوگیا اور ان کے قائم مقام دوسری لیڈی ڈاکٹر آئی۔ میں نے مناسب سمجھا کہ مریضہ کو لاکر اس کو بھی معائنہ کرا دینا چاہئے۔ چنانچہ پھر دوبارہ چند ایام وہیں قیام کرکے علاج کیا تو بظاہر کافی صحت معلوم ہونے لگی۔ ایک دن جدید لیڈی ڈاکٹر نے کہا کہ وہ بیماری یعنی ورم جگر تو جاتا رہا مگر ابھی اور بیماریاں باقی ہیں اور ان بیماریوں کا علاج بھی ممکن ہے مگر چونکہ مریضہ حمل سے ہے اسلئے تا وضع حمل علاج میں ترددات ہیں۔ ورنہ بچہ ضائع ہونے کا اندیشہ ہے اس وجہ سے میری اہلیہ سے کہا کہ ابھی علاج تا وضع حمل ملتوی رکھا جائے

یہ سوچ کر اہلیہ کو مکان میں لایا اور پھر پردیس چلا گیا۔ اس عرصہ میں ہی محبت لگی ہے ہوئی اور میرے پردیس جانے کے ۳۰۵ یوم کے بعد دختر تولد ہوئی میں نے ہر طرح حساب کیا تو میرے سفر کو ایک برس گیارہ ماہ کئی دن ہوئے ہیں اور دوسری مرتبہ مکان جانے پر صرف پانچ ماہ اٹھارہ یوم قیام رہا۔ اب عرض یہ ہے کہ یہ لڑکی حرامی ہے یا حلالی؟ مفصل و مستند طریقے سے ساتھ دلیل کے ارسال فرمایا جائے۔ کیونکہ اس کا جھگڑا و فساد کی حالت روز بروز خطرناک ہوتی جا رہی ہے اس لئے دلیل طلب ہے اگر کوئی رسالے اس کے متعلق ہوں تو بذریعہ وی۔ پی ارسال فرمائیں ورنہ اس کا نام بھی تحریر میں لایا جائے ممکن ہے کہ فریقین میں صلح قائم ہو جائے لہذا نہایت ادب کے ساتھ عرض خدمت بابرکت ہوں کہ گستاخی معاف فرما کر جواب باصواب میں بہت عجلت فرمائی جائے۔ واجب تھا عرض کیا۔ عورت سے اس کے شوہر کو خاطری ہے کہ یہ عورت فرماں بردار اور پارسا ہے۔

المرقوم ۱۵ر جنوری ۲۹ء

الجواب: اس لڑکی کے حرامی ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ حنفیہ کے یہاں اکثر مدت حمل دو سال ہے۔ ایک حمل دو سال تک پیٹ میں رہ سکتا ہے اور اس کی بہت سی نظائر موجود ہیں اور یہ لڑکی شوہر کی مواصلت سے دو سال کے اندر اندر پیدا ہوئی ہے پس اس کی حلالی ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ محض مدت کے زیادہ ہونے سے بلا وجہ شبہ کرنا جائز نہیں چونکہ زوجہ بعد قیام حمل کے سخت بیمار ہو گئی اور اس کی بیماری مسلسل رہی اس لئے بچہ رحم میں جلدی پرورش نہ ہو سکا، دیر میں پرورش ہوئی اس لئے دیر سے پیدا ہوا اور امام شافعیؒ امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک تو چار سال تک بھی حمل پیٹ میں رہ سکتا ہے پس جو لوگ دیر میں بچہ ہونے سے عورتوں پر شبہ کرنے لگتے ہیں اور ان کی اولاد کو حرامی سمجھنے لگتے ہیں وہ سخت جرم و گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔

قال اللہ تعالیٰ: وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ وقال: إِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِأَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ۝

وفی الدر المختار ورد المحتار والعالمگیریۃ وغیرہا من کتب الفقہ: اکثر مدۃ الحمل سنتان لخبر عائشۃ رضی اللہ عنہا (ما تزید المرأۃ فی الحمل علی سنتین)

وعند الائمة الثلاثة اربع سنين (ص ۱۰۲۵ ج ۲) واللہ اعلم

تحریرہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

خانقاہ امدادیہ

۱۰ شعبان ؁۴۶ھ

بدون لعان کے نسب منتفی نہیں ہو سکتا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین رحمکم اللہ تعالیٰ اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی منکوحہ کو طلاق دیدی بعد ایک سال دو ماہ کے اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا لیکن اس نے ایک شخص کو بوقت حمل تہمت زنا کی لگائی تھی وہ قسم کھا کر بری ہو گیا ہے اب نسب اس لڑکے کا اس کے شوہر سے ثابت ہوگا یا نہیں بینوا توجروا

المستفتی: محمد عبد الغفور۔ مقام خنڈل بہار باڑہ
پوسٹ آفس خنڈل نیا باڑہ ضلع اکیاب ملک برما

الجواب

صورت مسئولہ میں لڑکے کا نسب اس طلاق دینے والے سے ثابت ہے کیونکہ بدون لعان کے نسب منتفی نہیں ہو سکتا اور واقعہ مذکورہ میں لعان ہوا نہیں بلکہ ان دیار میں بوجہ قاضی نہ ہونے کے لعان ہوتا ہی نہیں (گو حکام مسلم جو انگریزوں کے مقرر کئے ہوئے ہیں وہ قاضی کے حکم میں ہیں مگر جہاں تک مجھ کو معلوم ہے گورنمنٹ نے حکام کو لعان کا حکم نہیں دیا تاہم اگر لعان ہوا ہو تو سوال دوبارہ بھیجا جائے)

فی العالمگیریہ (ص ۱۵۳ ج ۲) وکذلک اذا کان من اہل اللعان فلم یتلاعنا فانہ لاینتفی النسب کذا فی شرح الطحاوی۔

علاوہ ازیں جو علماء کرام اس ملک کو دار الحرب کہتے ہیں ان کے نزدیک نفی ولد کی کوئی صورت ممکن نہیں کیونکہ دار الحرب میں لعان نہیں ہے۔ واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

مورخہ ۱۲ ربیع الثانی۔

غیر منکوحہ (داشتہ) کی اولاد کا ثابت النسب ہونا عورت اور اس کی اولاد کا میراث سے محروم ہونا

سوال: زید متوفی کے ایک لڑکا اور لڑکی تو اصلی منکوحہ سے ہیں اور تین لڑکے

ایک زید کی عورت داشتہ غیر منکوحہ (بغیر نکاح والی) سے ہیں۔ عورت غیر داشتہ اپنے اصل خاوند سے جبراً طلاق لے کر اور کسی جگہ غیر مردوں سے حرام کر کے ڈھائی تین ماہ کا حمل لیکر زید متوفی کے گھر میں رہی اور عورت داشتہ کو جو غیر حرام کا حمل تھا وہ زید متوفی کے یہاں رہ کر ایک حرام کا لڑکا جنا۔ اور اس عورت داشتہ نے زید متوفی کے یہاں رہ کر دو لڑکے اور ایک لڑکی زید متوفی کے نطفہ سے جنا۔ یہ تین لڑکے اور ایک لڑکی زید متوفی کے گھر میں موجود ہیں اور عورت داشتہ کو زید متوفی کے یہاں رہتے ہوئے عرصہ ۲۵ سال کے قریب ہو گیا اور اس عرصہ تک یہ عورت داشتہ زید متوفی کے یہاں بغیر نکاح کے رہی اور اب زید متوفی کا انتقال ہوئے چند ماہ گزر گئے بعد انتقال متوفی کے اس کی اولاد حقیقی اور اولاد عورت داشتہ میں جھگڑا ہوا وراثت پر یہاں تک کہ جھگڑا عدالت میں چلا گیا۔ یہاں پر نکاح خوانی کا یہ قاعدہ ہے، جتنے بھی جے پور میں نکاح ہوتے وہ سب شہر قاضی کے رجسٹر میں درج ہوتے ہیں جیف عدالت سے نکاح کا رجسٹر طلب کیا تو عورت داشتہ کا مرحوم زید متوفی سے کہیں نکاح ثابت نہیں ہوا۔ اب انصاف عدالت میں یہ ہے کہ شرع محمدی ایک کتاب ہے انگریزی میں، اردو میں اس کا ترجمہ ہے کہ اگر کوئی عورت ۳۰ یا ۲۵ سال بغیر نکاح کے رہے تو اس کا نکاح سمجھا جائیگا اور وہ اور اس کی اولاد ورثہ کی مالک ہوگی۔ اب آپ سے دست بستہ گزارش ہے کہ بحوالہ کتب مع نام کتب اور صفحہ کے ارشاد فرمائیں کہ ایسا نکاح جائز سمجھا جائے گا یا نا جائز؟ ورنہ ورثہ کا مالک کون کون ہو سکتا ہے۔ زید متوفی کے ذمہ ایک مہاجن کا کچھ روپیہ قرض تھا۔ زید متوفی نے بوجہ قبضہ جائیداد مہاجن کے اپنے مکانوں کو اس عورت داشتہ کے مہر میں مصنوعی طور پر لکھ دیا کہ مہاجن قبضہ نہ کر سکے اب جس وقت اولاد زید متوفی میں جھگڑا ہوا تو صرف اس سند مصنوعی کے علاوہ اور کوئی نکاح کا ثبوت نہیں۔

السائل: محمد بخش بوہرہ۔ جے پور

الجواب: خدا کی پناہ! کس قدر تحریف ہے جو فقرہ کتاب "شرع محمدی" کا درج سوال ہے اسی کو دیکھتے ہوئے وہ کتاب "برعکس نہند نام زنگی کافور" کی مصداق ہے۔ یہ قانون صراحۃً شریعت مقدسہ کے خلاف ہے۔ جب تک شرائط کے موافق نکاح نہ ہوا اس وقت تک وہ حرام کاری رہے گی، ہرگز نسب اور نکاح

ثابت نہ ہوگا زیادہ زمانہ گزرنے سے جرم اشد ہوجائیگا نہ کہ اس میں تخفیف۔ یہ بات تو عقل کے بھی بالکل خلاف ہے۔ اس قانون کا خلاف شرع ہونا ایسا بدیہی ہے کہ اس کے لئے کسی حوالہ کی ضرورت نہیں۔ جملہ اہل اسلام کے نزدیک یہ مسئلہ غلط ہے اور ہر کتاب میں اس کے خلاف مسئلہ موجود ہے۔ حتی کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے: وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِکُمْ مُّحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ۔ غرض یہ کہ یہ عورت اور اس کی اولاد ہرگز وارث نہیں ہوسکتی۔ باقی رہا دوسرا معاملہ یعنی قرضی طور پر تحریر میں جائیداد دیدینا سو اس کے متعلق مفصل واقعہ لکھا جائے تو حکم شرعی بتلایا جائیگا۔ یعنی اس کاغذ کی نقل اور اس تحریر کا واقعہ مفصل لکھا جائے تب اس کاغذ کے معتبر ہونے نہ ہونے کا مسئلہ بتلایا جائے گا۔ البتہ اتنا ظاہر ہے کہ جب تک نکاح ثابت نہ ہوجائے اس وقت تک مہر کا ثبوت ممکن نہیں۔ فقط واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ از خانقاہ امدادیہ، تھانہ بھون

۴ ربیع الاول ۵۱ھ

تین طلاق ملنے کے بعد ایک عورت نے نکاح ثانی کیا۔ زوج نے قبل دخول طلاق دیدی پھر تیسرے شخص سے نکاح کیا۔ اس نے دخول کے بعد طلاق دی اور انقضاء عدت سے قبل زوج اول نے اس کے ساتھ وطی کیا اور عورت حاملہ ہوگئی تو یہ حمل کس سے تصور ہوگا۔

سوال: ما قولکم رحمکم اللہ تعالیٰ اندرینکہ شخصے زوجۂ خود را سہ طلاق دادہ اندر بارۂ نکاح خود بکرو لہذا نکاح ثانی دادہ اند باز دخول نیافت طلاق دادہ است چنانچہ موافق مذہب ابوحنیفہ درست شد لہذا نکاح ثالث دادہ اند باز دخول یافت شد و آن ناکح ثالث طلاق داد بعد انقضاء یک حیض زوج اول مطلق وطی نمود نطفہ قرار گرفت و عدت زوج ثالث تمام نیافت و آن حمل آیا آن زوج اول باشد یا زوج ثالث بینوا بدلیل الکتاب وتوجروا عند اللہ الملک الوہاب

الجواب

درصورت مسئولہ چونکہ عدت زوج ثالث تمام نشدہ کہ درمیان عدت آثار حمل ظاہر گشت لہذا عدت این مطلقہ وضع حمل است قبل از وضع حمل نکاح زوج اول با این مطلقہ صحیح نخواہد شد و این حمل از زوج ثالث باشد لان الولد للفراش وللعاہر الحجر۔ واللہ اعلم

تحررہ الاحقر ظفر احمد از تھانہ بھون۔ ۲۶ ذیقعدہ ۵۰ھ

کتابُ الرّضاع

مسئلہ رضاعت کی ایک صورت **سوال** : زینب اور رقیہ دو عورتیں ہیں زینب کا ایک لڑکا بعمر دو سال اور رقیہ کی تین لڑکیاں ہیں اور ایک لڑکا ہے۔ رقیہ کے لڑکے نے زینب کا دودھ پیا اب زینب کے لڑکے کا نکاح رقیہ کی لڑکی سے درست ہے یا نہیں؟

الجواب

رقیہ کے جس لڑکے نے زینب کا دودھ پیا ہے وہ تو زینب کی کسی لڑکی سے نکاح نہیں کر سکتا لیکن زینب کا لڑکا رقیہ کی لڑکیوں سے جس سے چاہے نکاح کر سکتا ہے کیونکہ اس نے رقیہ کا دودھ نہیں پیا۔

اگر ایک لڑکے نے دودھ پیا ہے تو جس نے دودھ پیا ہے وہی حرام ہوگا یا سب؟ **سوال** : اگر ایک لڑکے نے دودھ پیا ہے تو جس نے دودھ پیا ہے وہی حرام ہوگا یا سب حرام ہوں گے؟

الجواب

جو لڑکا کسی عورت کا دودھ پیتا ہے اس کی اولاد پر وہی حرام ہوتا ہے اس لڑکے کا دوسرا بھائی جس نے دودھ نہیں پیا اس دودھ پلانے والی کی لڑکیوں پر حرام نہ ہوگا۔

رضاعت کی ایک صورت اور اس کا حکم **سوال** : مسماۃ احمدیہ اور مسماۃ کلثوم دو عورتیں ہیں، مسماۃ احمدیہ کا ایک لڑکا بنام محمد حسین اور مسماۃ کلثوم کا ایک لڑکا بنام محمد صدیق اور تین لڑکیاں عظیمہ، کلیمہ، خیرہ مسماۃ کلثوم نے اپنے بیٹے محمد صدیق کو مسماۃ احمدیہ کا دودھ پلایا اس حال میں کہ محمد حسین کی عمر دو ڈھائی سال کی تھی اور محمد صدیق کی عمر چار یا چھ ماہ کی تھی اس صورت میں نکاح محمد حسین کا مسماۃ کلثوم کی کسی لڑکی سے بلا تفصیل ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

محمد حسین کا نکاح مسماۃ کلثوم کی کسی ایک لڑکی سے جس کو وہ چاہے جائز ہے کیونکہ محمد حسین نے مسماۃ کلثوم کا دودھ نہیں پیا ہے اس کے لئے مسماۃ کلثوم کی اولاد حرام نہیں

ایضاً، ایضاً، ایضاً **سوال** : مسماۃ فاطمہ کی ایک لڑکی بنام عائشہ اور مسماۃ ناظرہ

کا ایک لڑکا بنام عین الحق ہے۔ فاطمہ نے عین الحق کو دودھ پلایا اس حال میں کہ عمر عین الحق کی ۵ ماہ کی تھی اور عمر لڑکی فاطمہ کی چھ سال کی تھی اور ایک لڑکا فاخرہ بعمر دس سال ہے۔ علاوہ عین الحق کے اب نکاح دختر فاطمہ اور زید کا فاخرہ جو کہ علاوہ عین الحق کے ہے، درست ہے یا نہیں؟ اس لڑکی سے جس کی عمر ۶ سال کی تھی۔ بینوا بسند الکتاب توجروا عند اللہ الوھاب۔

عبدالعزیز مدرس مدرسہ اسلامیہ بیوا
بسم اللہ خان، ضلع بستی۔ ڈاکخانہ بھنڈریا بازار

الجواب

فاخرہ کا جو لڑکا عین الحق کے علاوہ جس نے فاطمہ کا دودھ نہیں پیا اس کا نکاح فاطمہ کی جس لڑکی سے چاہے درست ہے اور عین الحق کا نکاح فاطمہ کی کسی لڑکی سے جائز نہیں۔

قال فی الدر: و تحل اخت اخیہ رضاعاً یصح اتصالہ بالمضاف کان یکون لہ اخ نسبی لہ اخت رضاعیۃ و بالمضاف الیہ کان یکون لاخیہ رضاعاً اخت نسباً و بہما وھو ظاھر اھ (ص ۲۶۹ ج ۱)

۱۳؍ شعبان ۱۳۹۱ھ

رضاعی خالہ سے نکاح حرام ہے

سوال: بسمہ تعالیٰ، نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔ اما بعد کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے خالدہ کا جھوٹا دودھ پیا خالدہ بقضائے الٰہی فوت ہو گئی اس کے ۳ سال بعد مادر خالدہ سے دوسری لڑکی آسیہ خولہ ہوئی پس آسیہ سے زید کا عقد ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اور خالدہ مرحومہ سے ایک بڑی بہن ہے اس سے زید کا عقد ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

جب زید نے خالدہ کا دودھ پیا تو خالدہ کی ماں اس کی جدہ رضاعیہ اور خالدہ کی بہنیں اس کی رضاعی خالہ ہو گئیں لہٰذا زید کا نکاح خالدہ کی کسی بہن سے نہیں ہو سکتا نہ چھوٹی سے نہ بڑی سے۔ "لانہ یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب"

تنہا مرضعہ کی شہادت سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی

سوال: نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس صورت مسئلہ میں کہ زید کی دو خالہ زاد بہنیں ہیں ایک چھوٹی خالہ سے جس کا نام زکیہ ہے اور دوسری بڑی خالہ سے جس کا نام علیمہ

ہے اول زید کی نسبت شادی کا خیال اس کے بزرگوں نے "زکیہ" سے کیا مگر والدۂ زید رضامند نہ ہوئی اس زمانہ میں زید کی بڑی خالہ نے زید کی پھوپھی سے کہا کہ میں نے ہر چند والدۂ زید کو سمجھایا کہ وہ زید کی شادی "زکیہ" سے کردیں مگر اس کی حماقت ہے وہ کسی طرح راضی نہیں ہوئی اس کے بعد بزرگان زید نے اس کی دوسری خالہ زاد بہن "علیہ" سے اس کی شادی کرنا چاہا مگر اس کی پھوپھی کو شبہ تھا کہ ایک بار "والدۂ علیہ" نے زید کو شیر خوارگی کی حالت میں گود میں لیکر اوپر سے آنچل ڈھک لیا تھا تو شاید دودھ پلادیا ہو "والدۂ علیہ" سے اس شبہ کو ظاہر کیا تو اس نے صاف انکار کیا کہ میں نے زید کو دودھ نہیں پلایا اور اس وقت میری لڑکی کی عمر ساڑھے تین سال تھی اور میرے پستان میں دودھ مطلق نہ تھا اس بیان کے گواہ تین عورتیں اور ایک مرد ہے اب زید کی والدہ "زکیہ" ہی سے زید کی شادی پر رضامند ہیں۔ اس پر زید کی بڑی خالہ یعنی "والدۂ علیہ" نے یہ کہا کہ میں نے زید اور زکیہ دونوں کو دودھ پلایا ہے دونوں کی شادی کیسے ہوسکتی ہے؟

اب سوال یہ ہے کہ آیا اس صورت میں "والدۂ علیہ" پہلے زید اور زکیہ کی شادی میں ساعی تھی اور نیز اپنی لڑکی کے ساتھ شادی کرنے کے لئے وہ زید کو دودھ پلانے سے صراحۃً انکار کرچکی تھی اب ان کا یہ دعویٰ کہ میں نے زید اور زکیہ دونوں کو دودھ پلایا ہے شرعاً معتبر ہوگا حالانکہ زید کو دودھ پلانے کا دعویٰ نہ اس سے پہلے انہوں نے کبھی کیا اور نہ کوئی اس کا گواہ ہے بلکہ خود مدعیہ اس کے خلاف پہلے صاف صاف کہہ چکی ہے۔ بینوا توجروا

شریف الحسن عفی عنہ۔ مقیم میرٹھ

مسمیاً وحامداً ومصلیاً

صورت مسئولہ میں زید کا نکاح مسماۃ "زکیہ" سے بلاشبہ درست ہے۔

قال فی البحر عن الخانیۃ: وکما لا یفرق بینهما بعد النکاح ولا تثبت الحرمۃ بشهادتهن وکذلک قبل النکاح اذا اراد الرجل ان یخطب امرأۃ فشهدت امرأۃ قبل النکاح انها ارضعتهما کان فی سعۃ من تکذیبها کما لو شهدت بعد النکاح اھ (ص ۲۲۲ ج ۳) (الی ان قال) فی (ص ۲۲۳ ج ۳) والحاصل ان الروایۃ قد اختلفت فی اخبار الواحدۃ قبل النکاح وظاهر المتون انه لا یعمل به وکذا الاخبار برضاع طارئ فیکون هو المعتمد فی المذہب اھ

وفي تنقيح الفتاوى الحامدية من التنوير والبحر وغيرهما عن القنية: امرأة كانت تعطي ثديها صبية واشتهر ذلك بينهم ثم تقول لم يكن في ثديي لبن حين ألقمتها ثديي ولا يعلم ذلك إلا من جهتها جاز لابنها أن يتزوج بهذه الصبية اهـ

وفيه أيضاً: حجة الرضاع حجة المال وهو شهادة عدلين أو عدل وعدلتين ولا تثبت بشهادة النساء وحدهن لكن إن وقع في قلبه صدق المخبر ترك قبل العقد أو بعده كما في البزازية۔ قال المنقح الشامي: أي ترك احتياطاً اهـ (ص۲۵ ج۱)

قلت: ولا احتياط في الصورة المسئولة لظهور كذبها وغلبة الظن بعدم وقوع التناقض في أقوالها فقد اقدمت أولاً على نكاح زيد بهذه الصبية وسعت ثم اقدمت على نكاحه ببنتها، وأنكرت صريحاً أن تكون أرضعته، ثم ادعت الإرضاع بعد مدة فلا يقبل قولها والحال هذه لأنها أقرت بعدم إرضاعها زيداً ثم ادعت رجوعاً عن الإقرار والرجوع بعد الإقرار في المعاملات لا يصح وسل ام قصن كما في حاشية الهداية (ص۲۲۳ ج۲)

وفي الدر من باب الإقرار: إذا أقر بشيء ثم ادعى الخطأ لم يقبل إلا في مسئلة وهي: إذا أقر بالطلاق بناء على إفتاء المفتي ثم تبين عدم الوقوع لم يقع ديانة اهـ (ص۲۳ ج۴) لكونها لا بينات الرضاع الا من غيرها وليست المرضعة كذلك فإن الإرضاع فعلها لا تعلم من غيرها فرجوعها عن إقرارها الأول لا يصح ولا يوجب ايضاً۔ وفي عدة ارباب الفتوى في نظير هذه المسئلة أن امرأة ادعت الإرضاع ثم أنكرت ثم أقرت ما نصه: لا يعمل بالإقرار بعد رجوعها عنه كما في شرح التنوير للعلائي لأنه لا رأي له في الإقدام والاجتناب ولا يجب على الحاكم الشرعي منعه بل لو قضى بالتفريق بشهادة امرأتين في الرضاع لم ينفذ قضاؤه كذا في شرح التنوير اهـ (ص۲۲۴ ج۱)

حاصل تمام عبارات کا یہ ہے کہ ایک عورت یا چند عورتوں کے قول سے ثبوت رضاعت نہیں ہو سکتی۔ پس اگر کوئی شخص کسی لڑکی کو پیغام نکاح دے اور ایک عورت یہ دعویٰ کرے کہ میں نے ان دونوں کو دودھ پلایا ہے تو مرد کو حق ہے کہ اسے جھوٹا سمجھے

بحر الرائق نے لکھا ہے کہ حاصل یہ ہے کہ ایک عورت کا قول باب رضاع میں ظاہر روایت کے موافق معتبر نہیں، یہی معتمد ہے مذہب میں۔ فتاویٰ حامدیہ، بحر اور تنویر وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ ایک عورت کسی لڑکی کے منہ میں اپنی پستان دیتی ہو اور یہ بات مشہور ہو جائے پھر وہ یہ کہے کہ میری پستان میں دودھ نہ تھا تو اس عورت کے لڑکے کو اس لڑکی سے نکاح جائز ہے۔ فتاویٰ حامدیہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ رضاع کا ثبوت دو عادل (نیک) مرد و زن یا ایک عادل مرد اور دو عادل عورتوں سے ہو سکتا ہے۔ فقط عورتوں کے قول سے نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر مرد کے دل میں مخبر واحد کا صحیح ہونا غالب ہو تو احتیاط یہ ہے کہ نکاح نہ کرے۔ میں کہتا ہوں کہ صورت مسئولہ میں احتیاط کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ جو عورت اب دعویٰ ارضاع کرتی ہے وہ اس سے پہلے خود زید اور زکیہ کے نکاح میں ساعی تھی اور والدۂ زید کو اس پر آمادہ کرتی تھی۔ نیز یہی عورت اپنی لڑکی کے ساتھ زید کے نکاح پر راضی اور آمادہ تھیں اور اس وقت یہ کہہ چکی تھی کہ میں نے زید کو دودھ نہیں پلایا اور جب اسے گود میں لیکر آنچل ڈھکا لیا اس وقت میری پستان میں مطلق دودھ نہ تھا کیونکہ اس وقت میرے لڑکی کی عمر ساڑھے تین سال تھی۔ پس جب پہلے صراحۃً ارضاعِ زید سے انکار کر چکی ہے تو اب اس کا یہ قول جو پہلے قول کے صریح مناقض ہے، قابلِ قبول نہیں، نہ اس سے کچھ شبہ جوازِ نکاح میں ہو سکتا ہے جیسا کہ درمختار میں ہے۔ واللہ اعلم

ظفر احمد عفا عنہ
۲۰ ربیع الاول سنہ ۴۳ھ

نعم الجواب وھو عین الصواب
اشرف علی
۲۰ ربیع الاول سنہ ۴۳ھ

رضاعت کی ایک صورت سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید اور ہندہ کا نکاح ہوا سات سال کا عرصہ ہو چکا اب چند ماہ سے یہ ظاہر ہوا کہ زید اور ہندہ کو حامدہ نے جو ہندہ کی بھاوج ہے اور زید کے چچا زاد بھائی کی بیوی ہے ان دونوں کو ایامِ رضاعت کے اندر دودھ پلایا حامدہ کا بحلف شرعی بیان ہے کہ میں نے ان دونوں کو متواتر دودھ پلایا جبکہ ان دونوں کی عمریں ایک سال کے اندر تھیں۔ ہندہ کے والدین کے حکم سے اور اس حالت میں کہ مجھے

دودھ کی سخت تکلیف تھی اس کے بعد اپنے شوہر کو بھی دودھ پلانے کی اطلاع دے کر ان سے اجازت حاصل کرلی تھی والدہ زید کا بحلف شرعی بیان ہے کہ حامدہ کا زید کو ایک بار دودھ پلانا بذریعہ اس کی کہلائی مجھے معلوم ہے مگر ہندہ کے دودھ پینے کی بابت مجھ کو کوئی علم نہیں۔ نہ میں نے کسی سے سنا۔ شوہر حامدہ کا بحلف بیان ہے کہ حامدہ کا ہندہ کو دودھ پلانا مجھے معلوم ہوا تھا اور مجھ سے اجازت بھی لی گئی تھی لیکن زید کے دودھ پینے کے متعلق مجھے کوئی علم نہیں ہوا۔ اس کے علاوہ اور کوئی شہادت اس رضاعت کے متعلق موجود نہیں ہے پس اس صورت میں رضاعت کے ثبوت یا عدم ثبوت اور اس نکاح کے جواز یا عدم جواز کے متعلق کیا حکم ہے؟ اور چونکہ یہ مسئلہ حلت وحرمت کا ہے لہٰذا جلد از جلد جواب عنایت فرمائیں۔

المکور۔ دوسرے روز ہندہ نے ایک عورت مساۃ ظہورن ملازمہ حامدہ کو پیش کیا کہ زید کو ایک بار اور ہندہ کو متعدد بار حامدہ کا دودھ پیتے ہوئے میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا ہے اور اس زمانہ میں بھی میں حامدہ کی ملازمہ تھی۔

الجواب

ثبوت رضاعت کے لئے ایک مرد عادل (نیک پابند شرع) اور دو عورتیں عادل (نیک پابند شرع) یا دو مرد عادل ہونے چاہئیں۔ صورت مسئولہ میں حامدہ کے ہندہ اور زید دونوں کو دودھ پلانے پر شرعی شہادت موجود نہیں لہٰذا زید اور ہندہ کا نکاح فتوی شرعی سے جائز ہے اور ان دونوں کو تعلق زوجیت بھی رکھنا جائز ہے لیکن احتیاط اسی میں ہے کہ زید حالت موجودہ میں ہندہ کو طلاق دیکر الگ کردے۔ یہ احتیاط استحباب کا درجہ ہے زید پر ایسا کرنا واجب ولازم نہیں بشرطیکہ زید وہندہ حامدہ کے قول کی تصدیق نہ کرتے ہوں اور اگر دونوں یا فقط زید حامدہ کے قول کی تصدیق کرتا ہو تو نکاح فاسد ہو جائیگا۔ اگر دونوں تکذیب کرتے ہوں یا صرف زید تکذیب کرتا ہو تو اس صورت میں وہ حکم ہے جو مذکور ہوا کہ نکاح بحالہ باقی ہے گو احتیاطاً پھر بھی علیحدگی بہتر ہے اور اگر ہندہ تصدیق کرے اور زید تکذیب کرے تب بھی نکاح جائز ہے لیکن اس صورت میں ہندہ زید سے قسم لیگی یہ قسم کھاکر کہے کہ حامدہ نے ہم دونوں کو دودھ نہیں پلایا اگر وہ اس صورت میں قسم کھانے سے انکار کرے تو قاضی شرع ان میں تفریق کردے۔ اگر قاضی شرع نہ ہو تو مسلمان زید کو طلاق دینے پر مجبور کریں۔ واللہ اعلم

اور اگر وہ قسم کھالے تو پھر اس صورت میں ہندہ کو زید کے پاس رہنا ضروری ہوگا۔ فقط

قال فی الدر: و حجتہ حجۃ المال وھی شھادۃ عدلین او عدل و عدلتین لکن لا تقع الفرقۃ الا بتفریق القاضی (ای ان لم توجد المتارکۃ۔ شامی)

قال فی رد المحتار عن الھندیۃ: تزوج امرأۃ فقالت امرأۃ ارضعتکما فھو علی اربعۃ اوجہ: ان صدقاھا فسد النکاح وان کذباھا وھی عدلۃ فالتنزہ المفارقۃ ویسعہ المقام معھا وکذا لو شھد غیر عدول او امرأتان او رجل وامرأۃ وان صدقھا الرجل وکذبتھا فسد النکاح وان بالعکس لا یفسد ولھا ان تحلفہ ویفرق۔ ذکر اھ (ص ۱۶۸ ج ۲) واللہ اعلم

حررہ ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

۴ ربیع الثانی ۱۳۴۳ھ

تحقیق اختلاف روایات درباب ثبوت رضاع

سوال: ایک عورت مسماۃ زینب کہتی ہے کہ میں نے مسماۃ کریمہ کو بحالت صغیری اپنا دودھ پلایا ہے اور ایک عورت دوسری بھی گواہی دیتی ہے کہ ہم نے زینب کو کریمہ کو دودھ پلاتے ہوئے دیکھا تھا دوسرا کوئی گواہ نہیں اب اس زینب کے قول اور دوسری عورت کی گواہی سے ابن زینب کو کریمہ کے ساتھ نکاح کرنا درست ہے یا نہیں؟ اور رضاعت ثابت ہے یا نہیں اگر نہیں تو ذیل کی عبارت کا کیا مقصد ہے

ففی الفتاوی الھندیۃ والمصریۃ: و اذا قالت ھذا ابنی رضاعا و اصرت علیہ جاز لہ ان یتزوجھا لان الحرمۃ لیست الیھا قالوا و بہ یفتی فی جمیع الوجوہ کذا فی البحر الرائق (ص ۳۴۰ ج ۱)

اور فتاوی قاضیخان میں ہے: وان اراد الرجل ان یخطب امرأۃ فشھدت امرأۃ قبل النکاح انھا ارضعتھما کان فی سعۃ من تکذیبھا کما لو شھدت بعد النکاح

اور فتاوی بزازیہ میں ہے: ولا تثبت بشہادۃ الواحدۃ سواء کانت اجنبیۃ او ام احد الزوجین۔ انتھی۔

اگر درست ہے تو ذیل کی عبارتوں کا کیا مقصد ہے؟:

فی البزازیۃ: صغیر و صغیرۃ بینھما شبھۃ الرضاع ولا یعلم ذلک حقیقۃ

لا باس بالنکاح بینهما اذا لم یخبر به واحد فان اخبره واحد عدل ثقة یؤخذ بقوله ولا یجوز النکاح بینهما وان اخبر بعد النکاح فالاحوط ان یفارقها الخ

اور رد المحتار میں ہے: لو شهدت به امرأة قبل النکاح فهو فی سعة من تکذیبها لکن فی محرمات الخانیة ان کان قبله والمخبر عدل ثقة لا یجوز النکاح وان بعده وهما کبیران فالاحوط التنزه انتهی بینوا توجروا

احقر غلام محمد ملک۔ قریہ قادر بخش سندھ

الجواب

اصل یہ ہے کہ ثبوت رضاع میں روایات مختلف ہیں۔ بعض روایات سے شہادت عادل واحدہ کا کافی ہونا بھی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ اخیری عبارات سے مفہوم ہوتا ہے: و ظاہر روایت جو متون میں مذکور ہے اس کا مقتضا یہ ہے کہ بدون دو عادل مرد یا ایک عادل مرد اور دو عادل عورتوں کے ثبوت رضاع نہیں ہو سکتا اور مذہب میں معتمد یہی ہے۔

قال فی الدر: وحجته حجة المال وهی شهادة عدلین او عدل وعدلتین اھ

قال الشامی: افاد انه لا یثبت بخبر الواحد امرأة کان او رجلا قبل العقد او بعده وبه صرح فی الکافی والنهایة تبعا لما فی رضاع الخانیة الی ان قال بعد نقل الروایات المفیدة لثبوته بخبر الواحد لکن قال فی البحر بعده وذلک ان ظاهر المتون انه لا یعمل به مطلقا فلیکن هو المعتمد فی المذهب۔ قلت: وایضا هو ظاهر کلام الحاکم الذی جمع کتب ظاهر الروایة وفرق بینه وبین قبول خبر الواحد بنجاسة الماء واللحم، فراجعه من کتاب الاستحسان اھ (ص ۴۰۸ ج ۲)

پس صورت مسئولہ میں فتویٰ کی رو سے ان دونوں میں نکاح درست ہے لیکن تقویٰ اور ورع یہ ہے کہ نکاح نہ کیا جائے اور ہو گیا ہے تو مفارقت کر لی جائے

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

۲۳ ذی الحجہ سنہ [illegible]

مدت رضاعت کے بعد دودھ پلانے سے رضاعت کا معتبر نہ ہونا

سوال: تین برس کی لڑکی اگر نکاح کے بعد داماد کی ماں یعنی نابالغہ بیوی کے شوہر کی ماں

کی پستان میں منہ میں ڈالا بشرطیکہ اس پستان میں مطلقاً دودھ نہیں اب فقط عورت مذکورہ کی پستان میں منہ دینے سے رضاعی بہن ہوگئی یا نہ اور حرام ہوگی یا نہیں؟

الجواب

صورت مسئولہ میں رضاع متحقق نہیں ہوا کیونکہ رضاع مدت رضاع میں دودھ پینے کو کہتے ہیں اور یہاں نہ دودھ پیا گیا ورنہ وہ بچی اتنی عمر کی ہے جو رضاع کے لئے شرط ہے

وفی تنویر الابصار: حولان ونصف عندہ وحولان عندھما وھو الاصح (شامی ج ۲)

وایضاً فیہ: ویثبت التحریم فی المدة وقال الشامی تحت قولہ فی المدة فقط اما بعدھا فانہ لا یوجب التحریم۔ بحر (ص ۲۶۲ ج ۲)

وقال الشامی تحت قول الدر: (فلو التقم الخ) وفی القنیة امرأة کانت تعطی ثدیھا صبیة واشتھر ذلک بینھم ثم تقول لم یکن فی ثدیی لبن حین القمتھا فی ثدیی ولم یعلم ذلک الا من جھتھا جاز لابنھا ان یتزوج بھذہ الصبیة اھ (ص ۲۶۳ ج ۲) واللہ اعلم

الاجوبة صحیحة

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۶ ذی قعدہ ۴۳ھ

مسئلہ رضاعت | **سوال:** کیا رضاعت کے ثبوت کے لئے شہادت اس قدر کافی ہے کہ بچہ کو ایک عرصہ تک گود میں لیئے پستان منہ میں لیتے دیکھا ہے یا دودھ کا معاینہ ضروری ہے اگر معاینہ ضروری نہیں تو بعض کا کہنا کہ پستان دوھنے سے پتلی سا پانی نکلتا تھا دودھ نہیں تھا اور بعض کا کہنا ہے کہ کچھ بھی نہیں نکلتا تھا مخل فی الشہادۃ ہے یا نہیں مرضعہ کا انتقال ہوگیا ہے

الجواب

اگر رضاع کا دعوی دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں کرتی ہیں (جن میں ایک دایہ بھی ہو سکتی ہے) تو ان کا بیان لکھا جائے کہ وہ کیا کہتی ہیں پھر جواب دیا جائیگا

احقر عبدالکریم عفا اللہ عنہ
۸ ربیع الثانی ۴۴ھ

الاجوبة صحیحة
ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۸ ربیع الثانی ۴۴ھ

بیٹے کی اخت رضاعیہ سے نکاح جائز ہے

سوال: ایک عورت ایک شیرخوار لڑکا چھوڑ کر مرگئی وہ لڑکا اپنی حقیقی نانی کا دودھ پیا اور لڑکے کی ایک نابالغہ خالہ ہے اس خالہ کے ساتھ لڑکے کے باپ نے نکاح کیا ہے۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟

محمد یسین خان
موضع الکریہ پوسٹ بوگیہ ضلع جسر

الجواب

في الدر: (فيحرم منه ما يحرم من النسب الا ام اخيه واخته واخت ابنه وبنته الخ)۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ شخص اپنی سالی سے نکاح کر سکتا ہے

صحیح

احقر عبدالکریم — ظفر احمد عفا عنہ
۵ ذی قعدہ ۴۴ھ

آٹا گوندھتے وقت پستان سے دودھ گر کر آٹے میں مل گیا تو اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں شوہر کس کو کھا سکتا ہے

سوال: ایک عورت آٹا گوندھ رہی تھی اور اس کی پستان سے دودھ نکل کر آٹے میں گر کر مل گیا اب وہ اس گھر کا آٹا کھا سکتی ہے یا نہیں اور کون کون کھا سکتا ہے۔ سنا ہے کہ خاوند کو حرام ہے اور عورت کو مکروہ ہے اور بچوں کو جائز ہے۔ اس مسئلہ سے تفصیل کے ساتھ مطلع کریں۔ فقط

زیادہ حد ادب۔ پٹیالہ خادم فتح محمد

الجواب

آٹے میں دودھ گرنے سے اس آٹے کا کھانا موجب حرمت نکاح نہ ہوگا لانہ ليس في معنى الرضاع لاسيما بعد اقترانه بالخبز ورنہ اس سے رضاع ثابت ہوگا البتہ دودھ جزو انسان ہے جس کا استعمال قصداً جائز نہیں چاہے کھانے ہی میں ہو پس اس سے احتراز اولیٰ ہے لیکن چونکہ وہ پکنے میں جل جائیگا اور نیز قلیل ہے اس لئے احتراز واجب نہیں اس کی روٹی سب کو کھانا جائز ہے۔ لما فيه من الحرج وهو مرفوع عن الامة۔ واللہ اعلم

ظفر احمد از تھانہ بھون
۱۹ شعبان ۴۵ھ

رضاع کے متعلق ایک مفصل فتویٰ سوال: بخدمت اقدس حضرت مخدومی و معتمدی جناب مولانا اشرف علی صاحب ادام اللہ بقاءکم و رزقنا اللہ لقاءکم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ مرجو کہ عنایت مرہیات فرمودہ از ارسال اجوبہ اسئلہ بندہ را مفتخر و ممتاز فرمایند۔ امید کہ در ارسال اجوبہ دیر نہ فرمایند۔ اجوبہ مدلل و مؤید بعبارات فقہیہ ارشاد فرمایند کہ جمیع علماء در مسئلہ ذیل رجوع بآں حضرت بابرکت نمودہ اند صرف بہ آمدن اجوبہ از آں حضرت نزاع و تخاصم دینی ایشاں مدفوع و مرفوع خواہد شد۔

حقیقت ہمیں طور است کہ درمیان ولی محمد نامی و مسماۃ حوا رضاع مشتہر شدہ بود ازیکی مولوی صاحب پرسیدند مولوی صاحب تفحص نمود نزد مولوی صاحب مادر ولی محمد و خواہر صغیر گفتند کہ مارا مسماۃ خواہر صغیر ولی کہ اکنون فوت شدہ است گفتہ بود کہ من ولی محمد را شیر خود در مدت رضاع دادہ ام مولوی صاحب گفت چونکہ شہادت بداں دیگر نیستند لہذا ولی محمد را میرسد کہ با خواہر حوا کہ ہم حوا نام دارد نکاح می تواند کرد ہمیں تحریر را ولی محمد نزد مولوی صاحب دیگر برد، مولوی صاحب دیگر ولی محمد را گفت تو دریں بارہ چہ میگوئی ولی محمد قرآن شریف بسر برداشتہ ہمیں اقرار و تصدیق نمود

اقرار و تصدیق ولی محمد وھو ھذا

مرا مسماۃ بانو کہ زن برادر من است گفتہ کہ تو طفل شیر خوارہ بودی و گریہ میکردی برائے تسلی تو ترا پیش خواہر خود کہ مسماۃ حوا بود می بردم و حوا را می گفتم کہ ولی محمد را پستانہائے خود بدہ پس مرا جواب گفت کہ اکنون ولی محمد را شیر خود نوشانیدم یعنی پستانہائے خود دادم او را زیر دارد مرا عام مردمان دیگر ہمسایگان و خویشان ما ہستند ہم گفتہ کہ تو در صغر (مدت رضاع) پستانہائی حوا با خان محمد کہ پسر حوا بود نوشیدۂ اکنون آں مردمان مردہ اند۔ اکنون من میگویم کہ آن کسان را کہ مرا گفتہ کہ تو پستانہائے مسماۃ حوا نوشیدۂ حکایت و شہادت ایشاں صدق است تا ھنوز نکاح من با حوا ثانیہ (خواہر حوا صغیر) نشدہ است باقی نامزدگی ہست نشانِ انگشت چپ ولی محمد پس مولوی صاحب دیگر گفت رضاع ثابت است ولی محمد را نمی رسد کہ با خواہر مسماۃ حوا کہ ہم حوا نام دارد نکاح کند حوا ثانیہ خالہ رضاعیہ ولی محمد می شود و ولی محمد اقرار مع الشہادت و تصدیق شرعیہ نمودہ است۔

در میں اثناء بر گفتہ مولوی صاحب اول اعتماد نمودہ و از گفتہ مولوی صاحب دیگر بی اعتنائی

کرده ولی محمد بخواهش خویش که خواهر رضیعهٔ اوست نکاح نمود. آخر الامر ولی محمد دیده خواهانیه برائے فیصله شرعیه محکم گرفته شد محکم اولاً از ولی محمد پرسید که قرار این اقرار و تصدیق نزد مولوی صاحب فلان از دیگر کرده و محکم آن اقرار و تصدیق خواند ولی محمد گفت هرچه درین بیان مرقوم می باشد همه آنچه نی شود کرده‌ام بیان است یا نه باقی نشان انگشت من نیست محکم از حافظ عبد الله که شریک همراه اقرار و تصدیق او بود پرسید حافظ عبد الله دست بر قرآن شریف داشته گفت من شاهد بے سبب هم که پیش من ولی محمد نزد مولوی صاحب دیگر همین اقرار ..... نموده است و در اقرار خود ولی محمد گفته که قسم صدق است و دستخط بر شهادت قرار من است بعده محکم از مولوی شفیع محمد پرسید آن گفت که من شاهد می دهم بقسم که نزد من ولی محمد تحریر مولوی صاحب اول جا ورد و تکرار دادن تحریر بیان ولی محمد مرقوم نه بود از و پرسیدم او قرآن شریف بسر داشته اقرار و تصدیق نوشته ... الخ جیسنه نمودیم محکم صاحب خدای داند که این دلیل حکم بجز نکاح نمود هرچند که گفته شد محکم صاحب تحصیل در حکم نباید تفتیش نموده و باعتماء دیگر رضاعی کرده حکم باید کرد مگر محکم صاحب رضاعی و تفتیش منظور کرده ورنه از حکم خود باز ماند. از ذوات مسعود ہمیں هم مرهون منت فرمایند.

سوال اول: در فتاوای عالمگیریه است در باب رضاع و لو جحد الاقرار فشهدت علی الاقرار فرق بینهما. مراد این اقرار مطلق اقرار است یا اقرار مع الاثبات است؟ اگر فقط مفهوم عند انکار الاقرار مطلق اقرار است یا در اقرار مع الاثبات؟ اگر اقرار رضاع بدون ثبات کرده پس در انکار این اقرار هم قاضی را میرسد که بوجهی گواهی شرعی گرفته تفریق نماید یا اقرار مع الثبات شرط؟ اگر فقط مفهوم منعقد از انکار است و بدون اقرار مع الاثبات در صورت انکار اقرار مطلق شهود نمی توان گرفت.

سوال دوم: در رجوع عن اقرار رضاع و خروج عن الاقرار فرق است یا نه؟

سوال سوم: چنانچه تصدیق زوج مرضعه را نکاح را فاسد میگردانند کذلک تصدیق زوج مر شهود رضاع الاکل را فاسد میگرداند.

سوال چهارم: اگر زوج زوجه خود را گفت هذه اختی و بعده بالقرآن نفس گفت و هو صادق اقرار مع الثبات خواهد شد یا نه یا در اقرار مع الثبات

درمیان کلام " ھذہ اختی " ومیان کلام " ھو صدق " مع انقطاع نفس وتاخیر۔ مجلس دیگر شرط وضروری است ۔

سوال پنجم : ثبات چنانچہ بالفاظ " ھو حق او صدق او کما قلت ونحوہ " متحقق می شود یا نہ؟ ۔۔ در اشباہ است در باب شہادات " وھذا مشروط بما اذا لم یثبت علی اقرارہ بان قال ھو حق او صدق او کما قلت او شھد^عہ^ علیہ بذلک شہود الخ "

السائل : بندہ شفیع محمد مسعودی یوسف قاضی محمد عارف
تعلقہ میہڑ ضلع لاڑکانہ سندھ بمعرفت قاضی عبدالکریم

الجواب

صورت مسئولہ میں چونکہ ولی محمد نے ایک عالم کے سامنے قرآن سر پر رکھ کر اقرار رضاعت کیا ہے اور یوں کہا ہے کہ : " من میگویم کہ آن کسان کہ مرا گفتہ اند کہ تو پستان مسماۃ حوا نوشیدۂ حکایت وشہادت ایشان صدق است الخ ۔ اور اس اقرار پر دو گواہ موجود ہیں ۔ تو اگر یہ دونوں گواہ عادل ہوں تو مستفتی ولی محمد کا نکاح حوا ثانیہ سے درست نہیں ہوا دونوں کو ایک دوسرے سے متارکت وتفریق واجب ہے

قال فی البحر : وینبغی ان یکون الفساد فی الرضاع الطاری علی النکاح اما لو تزوج امرأۃ فشھد عدلان انھا اختہ ارتفع النکاح بالکلیۃ حتی لو وطئھا یحد ویجوز لھا التزوج بعد العدۃ من غیر المتارکۃ (ص ۱۳۱ ج ۳)

وقال فی رد المحتار : بخلاف ما اذا شھد علی اقرارہ او قال ھو حق او نحوہ فانہ یدل علی حملہ بصدق الخبر وانہ جازم بہ فلا یقبل رجوعہ بعد الخ (ص ۴۴۶ ج ۲)

سوالات زائدہ کا جواب حسب ذیل ہے

۱ عبارت عالمگیریہ میں اقرار سے مطلق اقرار مراد ہے اگر کوئی شخص اقرار رضاع کا منکر ہو جائے تو مطلق اقرار پر شہادت قبول کی جائیگی مگر مشہود علیہ رجوع کر سکتا ہے

عہ عطف علی قولہ قال ھو حق تحت قولہ بان ۔ ناظم

اقرار مع الثبات پر شہادت لینے کی ضرورت نہیں اگر شہود علیہ رجوع نہ کرے اگر مطلق اقرار پر شہادت عادلہ قائم ہوگئی تو قاضی تفریق کرسکتا ہے کیونکہ حجیت اقرار کے لئے ثبات شرط نہیں اگر مقر نے رجوع نہ کیا ہو بلکہ ثبات کی شرط صرف عدم صحت رجوع کے لئے ہے۔ کما یظہر من الدر والشامیۃ وغیرہما من المتون والشروح۔

۲ جحود عن الاقرار اور رجوع عن الاقرار میں فرق ظاہر ہے۔ جحود کے یہ معنی ہیں کہ یوں کہے کہ میں نے اقرار ہی نہیں کیا اور رجوع عن الاقرار میں اقرار کو تسلیم کرکے اس اقرار کی تکذیب و تغلیط کرتا ہے کہ میں نے اس اقرار میں غلطی کی اور صحت رجوع عن الاقرار میں یہ شرط ہے کہ اقرار سابق مع الثبات نہ ہوا ہو اور اگر شہادت عادلہ سے اقرار سابق کا مع الثبات والاصرار ہونا ثابت ہو جائے تو رجوع معتبر نہ ہوگا۔

۳ ہاں تصدیق مرضعہ و تصدیق شہود رضاع دونوں موجب اقرار رضاع و مستلزم فساد نکاح ہیں لافادتہما اقرار الرضاع والثبات۔ واللہ اعلم۔

۴ جب اقرار رضاع کے بعد ہو صدق او حق او ھو کما قلت ونحو من الالفاظ الموکدۃ استعمال کئے جائیں خواہ متصلاً یا منفصلاً تو یہ اقرار مع الثبات ہوگا

کما فی الدر: ولو ثبت علیہ بان قال بعدہ ھو حق کما قلت ونحوہ اھ (ص [illegible] ج ۲)

وقولہ بعدہ یعم المتصل والمنفصل عنہما وانما لم یشترط اتحاد المجلس لان التاکید من بیان المقرر وبیان التفسیر والتقریر یجوز موصولاً ومفصولاً کما حققہ الاصولیون (نور الانوار)

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۱۹ ربیع الثانی سنہ ۴۶ھ

ضمیمہ متعلق سوال بالا

سوال: در حق شخصے ولی محمد نسبت رضاع از حوا مشہور بود و ولی محمد از جہت تحقیق نسبت یک مولوی محمد ملوک نامی را گرفتہ آورد کہ شرعی تحقیق کردہ حکم نماید اگر رضاع ثابت تفریق شرعیہ شود فیہا والا ہمشیرہ حوا را نکاح کند مولوی محمد ملوک آمدہ تحقیق کرد و خوب تفتیش نمود معلوم شد کہ مستاۃ حوا قائل نہ خبر است قائل را طلب سید آں گفت کہ من ولی محمد را در خوردگی نزد حوا بردم کہ ذرا حفاظت کند بعدہ وقتیکہ از جہت برداشتن می آمدم حوا گفت کہ من او را پستان دادہ ام من ہیچ خود گاہے ولی محمد را شیر نوشاندہ از حوا ندیدم بنا بر خبر حوا حکایت رضاع مشہور کردم و بجز قائل ہیچ

شاہد پیدا نشد کہ از رضاع خبر دہد و شہادت ادا کند مولوی صاحب حکم کرد رضاع ثابت نیست و ولی محمد را امیر سید کہ ہمشیرۂ خود را نکاح کند و تحریر نوشتہ داد کہ از مولوی صاحب شفیع محمد تحقیق کنانیدہ آید مولوی شفیع محمد ولی محمد را گفت کہ من ترا حلف دادہ می پرسم کہ تو چہ میگوئی؟ بعدہ مولوی صاحب او را بہ مسجد شریف بردہ کلام اللہ شریف بر سرش دادہ پرسید کہ چہ حال است۔ در جواب مولوی صاحب الفاظ فیصلہ مولوی صاحب در اقرار نامہ نوشتہ از و نشانی قبولیت گرفت اقرار نامہ بعینہ در زیر ثبت است بنابرین اقرار مولوی محمد شفیع تحریر کرد کہ رضاع ولی محمد از خواہر ثابت است کہ نزدم تصدیق مخبران کردہ و تصدیق اقرار بعدہ ولی محمد بر آن اقرار مستقیم نماند و اصرار نکرد بلکہ گفت کہ من اقرار نکردہ ام مرا نسبت رضاع ہیچ خبر نیست مولوی صاحب بر سرم قرآن شریف در مسجد داد از ہیبت کلام اللہ شریف پریشان شدم و ندانستم کہ چہ گفتم بعدہ از اقرار بہ جحود کردہ ہمشیرۂ خود را نکاح کرد از جہت تصفیہ این فیصلہ یک حکمے مقرر کردند حکم از ولی محمد پرسید کہ تو نزد مولوی شفیع محمد تصدیق کردۂ گفت نہ، مولوی شفیع محمد شہادت داد کہ ولی محمد نزدم تصدیق کردہ و دیگر یک شاہد حافظ عبد اللطیف نامی گفت کہ من یاد ندارم کہ اقرار رضاع و تصدیق کردہ باشد؟ بعدہ چون اقرار نامہ شنید گفت ہاں این چنین در جواب مولوی شفیع محمد گفت محکم حکم کرد کہ رضاع ثابت نیست آیا درین صورت حکم محکم صحیح است یا نہ؟ و رضاع ولی محمد از خواہر ثابت می گردد یا نہ و اقرار و تصدیق کہ ولی محمد کردہ بدون اصرار و دوام مثبت رضاع و قابل شہادت میشود یا نہ؟ بلکہ از جہت عدم اصرار اثبات حجت نیست و اخذ شہادت بے سود۔ بینوا توجروا

الجواب

درصورت مسئولہ خود اقرار ولی محمد مثبت حکم حرمت رضاع و مفید تحریم نیست فضلاً من التصدیق لاثباتہ علیہ، زیرا کہ ولی محمد بزبان خود نگفتہ است کہ من شیر خواہر نوشیدہ ام یا خواہر خود خالہ رضاعیہ ام می باشد بلکہ غایۃ الامر آن است کہ تصدیق گواہان یعنی مولوی شفیع محمد نمودہ و آن نیز اگرچہ بموجب تقریرہ بما لا یتحقق کلامی بود کہ قائل از حقیقت آن آگاہ نبود اما اگر تنزل از آن کردہ تسلیم تصدیق او کنیم تاہم اقرار رضاع بدان ثابت نمی گردد چہ اقرار بر تصدیق آن شہود ثبوت نمی پذیرد کہ شہادت ایشان نیز مثبت رضاع باشد و درصورت مسئولہ شہادت ایشان کہ حسب سماع است و فقط بر اشاعت ناقل خبر بہ اسماع آنان رسیدہ و خود ناقل نیز مقر بروئیت خود نیست بلکہ خبر سماع از خواہر خود میکند

چنانکہ فیصلہ مولوی محمد ملوک صاحب وبیان ولی محمد بران دلالت می دارد لہذا بتصدیق بعین شہود اقرار برضاع ثابت نخواهد شد وگر ازان ہم تنزل نمائیم وفرض کنیم کہ این تصدیق شہود بیانی است وتصدیق شہود اقرار است چنانکہ صاحب ردالمحتار تصدیق شہود را اقرار گفتہ است ۔

حیث قال فی کتاب الشهادة واما قوله صدقوا او هم عدول صدقة فانه اعتراف بالحق فیقضی باقراره انتهی (ص۳۸۱ جلد رابع رد المحتار مطبع مصری)

تاہم مفید مقصود محرم نیست زیرا کہ بعد اقرار ثبات مقر بر اقرار نیز شرط برائے تفریق بین الزوجین است وآن درین صورت مفقود است ۔

قال فی الدر المختار (ص ۲۲۰ جلد ثانی رد المحتار مطبع مصری) فی باب الرضاع قال لزوجته هذه رضیعتی ثم رجع عن قوله صدق لان الرضاع مما یخفی فلا یمنع التناقض فیه ولو ثبت علیه بان قال بعده هو حق کما قلت ونحوه هكذا فسر الثبات فی الهدایة وغیرها فرق بینهما انتهی

وولی محمد را کہ مولوی شفیع محمد اقرار بہ اجرائے کلام کنانیده است ودران فقط اقرار است کہ رجعت ازان صحیح است وثبات بر اقرار کہ بعد از اقرار باشد چنانکہ لفظ بعده در عبارت مذکوره بران دلالت می دارد یافتہ نمی شود پس حکم مولوی شفیع محمد بحرمت رضاع باوجود انکار ولی محمد وگفتن او مرا جبرے از سخن او مستفاده کہ چہ گفتہ من لفظ الفاظ را حسب گفتنی او گفتم خلاف شریعت است

والحاصل ان الثبات على الاقرار هو ان یقول بعد الاقرار انه حق او هو کما قلت او ما یفید ذلك المعنى كما تبین من عبارة الدر المختار التی نقلناها سابقا وكما صرح به فی فتح المعین حاشیة المسكین شرح الكنز حیث قال: قال لزوجته هی امی او اختی او بنتی من الرضاع و اصر على ذلك بان قال بعده هو حق كما قلت فرق بینهما ولم یصر بل قال اخطأت او نسیت لم یفرق انتهى فالبعدیة المصرح بها فی هاتین العبارتین تستلزم ان یكون الاقرار سابقا على الثبات ومن المعلوم ان غایة ما ثبت فیما نحن فیه من كلام ولی محمد هو تصدیق الشهود فان ولی محمد قال (ان شهادة الشهود صادقة) فلو جعلتم هذا التصدیق اقرارا كما تشهد به عبارة الدر فی كتاب الشهادة فاین اللفظ الدال على الثبات الذی یكون بعد الاقرار

وان جعلتموه ثابتا عن الاقرار فان الاقرار السابق على الثبوت فعلم انه ليس هٰهنا الا الاقرار المرئی عن الثبوت. فلذلك لا يجوز الرجوع عنه. هذا ما ظهر لی فی هذا الباب والله اعلم بالصواب.

حرره الفقير محمد ابراهيم الياسينی تجاوز الله عنه.

هذا هو الحق الصريح والجواب الصحيح وانا المصدق

الفقير محمد قاسم المتوطن فی گڑھی یاسین

نشان مہر

بمہر کوثر محمد قاسم است

نقل اقرار نامہ ولی محمد

مرا مسماۃ باتل کہ زن برادر من است خبر کردہ بود کہ ترا از جہت نظرواری نزد ہمشیرہ خود مسماۃ حوا می بردم و تو را می گفتم کہ ولی محمد را پستان بدہ بعدہ مرا می گفت کہ الحال پستان او را دادہ ام و شیر نوشانیدہ ام با خود برداشتہ بیرون مرا و دیگر آدمیان از جوار و اقربا نیز عام می گفتند کہ تو از حوا بمعہ جان محمد در صغارت پستان نوشیدہ الحال آن آدمیان مردہ اند درین وقت میگویم کہ آن آدمیان کہ مرا گفتند کہ تو از حوا شیر نوشیدہ حکایت اوشان و شاہدے نا صحت است؛ من تا ہنوز بہ دختر صغیرہ (ہمشیرہ حوا کلان کہ از نسبت رضاع مشہور بود) نکاح نکردہ ام باقی نامزدگی شدہ است۔

الجواب من جامع امداد الاحکام

اس سوال میں اور پہلے سوال میں جو مولوی شیخ محمد صاحب نے بھیجا تھا کچھ تخالف ہے۔ پہلے سوال میں مسماۃ باتل کو لکھا ہے کہ مر گئی ہے۔ اب زندہ نہیں اور اس سوال میں مسماۃ باتل کو زندہ ظاہر کیا ہے اور یہ کہ اس کو طلب کر کے اس سے بیان لیا گیا لیکن بہرحال قاعدہ فقہیہ یہ ہے کہ "المرء یؤخذ باقرارہ" مسمی ولی محمد نے مسماۃ باتل کا جو بیان اپنے اقرار میں ظاہر کیا ہے اور اس پر قسم کھائی ہے وہی اس پر حجت ہے۔ بینہ اور شہادت کی ضرورت تو وہاں ہو جہاں مقر کا اقرار موجود نہ ہو۔ پھر مسمی ولی محمد نے اپنے اقرار میں صرف مسماۃ باتل پر مدار نہیں رکھا بلکہ دوسروں سے بھی سماع رضاع بیان کیا ہے کہ مرا دیگر آدمیان از جوار و اقربا نیز عام می گفتند کہ تو از حوا بمعہ جان محمد در صغارت پستان نوشیدہ الحال آن آدمیان مردہ اند اور مسمی ولی محمد اگر اسی بیان پر اکتفا کرتا تو اس سے اقرار رضاع بخوبی ثابت ہو جاتا کیونکہ ولی محمد نے

یہ سب بیان حلف کے ساتھ دیا ہے مگر اس کے بعد وہ کہتا ہے " دریں وقت من میگویم کہ آں آدمیاں کہ مرا گفتہ اند کہ تو از جواشیر نوشیدہ حکایت او شاں و شاہدے راست است" اور یہ ثبات ہے مجیب کا اسی کو اقرار سمجھنا اور یہ کہنا کہ اس کے بعد ثبات کہاں ہے نہایت عجیب ہے۔ اور اگر بالفرض مان لیا جائے کہ یہی اقرار ہے تو ہم کہتے ہیں کہ یہ اقرار مع الثبات ہے اور اس نے جو درمختار کے قول " ولو ثبت علیہ بان قال بعدہ الخ" سے یہ سمجھا ہے کہ ثبات کے لئے اقرار کے بعد ہونا ضروری ہے، صحیح نہیں بلکہ بعدہٗ کی قید محض تمثیل و توضیح ہے ورنہ ثبات مع الاقرار بھی ہو سکتا ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیۂ ابن عابدین علی البحر (صـ۲۴۳ ج ۳)

صریح ہذہ النقول ومنطوقہا مع العلم بوقوع العطف التفسیری فی الکلام الفصیح شاہد بان المراد بالثبات والدوام والاصرار واحد۔ وبان الثبات علیہ لا یحصل الا بالقول بان یشہد علی نفسہ بذلک او یقول ہو حق او کما قلت او فی معناہ کقولہ ہو صدق او صواب او صحیح او لا شک فیہ عندی ولا ریب ان قولہ ہو صدق آکد من قولہ ہو کما قلت اھ

اس میں صاف بتلایا گیا ہے کہ شہادت علی الرضاع یعنی قسم اور شہادت کے لفظ سے رضاع کا اقرار بھی ثبات میں داخل ہے اور ظاہر ہے کہ قسم و شہادت مقسم بہ سے مقدم ہوتی ہے نہ مؤخر اور بحر و درر وغیرہ میں کسی نے " بعدہ " کی قید بیان نہیں کی پس ہمارے نزدیک تفسیر ثبات کی یہی ہے کہ اقرار مؤکد ہو چنانچہ عبارت بحر میں " ہو صدق " کو " ہو کما قلت " سے مؤکد ہونے ہی کی وجہ سے ثبات میں داخل کیا ہے۔ پس اگر اقرار مؤکد ہوگا خواہ یمین سے خواہ اس قول کے ساتھ کہ یہ بیان صحیح ہے تو ثبات کا تحقق ہو جاوے گا اور رجوع قبول نہ ہوگا کیونکہ ثبات تاکید ہے اور تاکید مفید جزم ہے۔

قال الشامی: بخلاف ما اذا شہد علی اقرارہ او قال ہو حق او نحوہ فانہ یدل علی علمہ بصدق المخبر وانہ جازم بہ فلا یقبل رجوعہ بعدہ الخ (صـ۳ جـ)

اس سے صاف معلوم ہوا کہ ثبات کے بعد اس لئے رجوع صحیح نہیں کہ وہ علم بصدق مخبر اور جزم پر دال ہے اور یہ فائدہ ہر اس کلام سے حاصل ہو سکتا ہے جس میں تاکید موجود ہو خواہ اقرار کے ساتھ تاکید ہو یا اقرار سے منفصل ہو۔ پس صورت مسئولہ میں اقرار ولی محمد مع الثبات متحقق ہے۔ اب اس کا اس بیان سے رجوع کرنا اور یہ کہنا کہ میں نے قرآن کی دہشت

یہ کہا تھا اور بے خبری میں کہا تھا سب لغو ہے ۔ واللہ اعلم

ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

۹ جمادی الاولیٰ سنہ [illegible]

مسئلہ رضاعت | **سوال** : اگر کسے در حق او البتہ نسبت رضاع مشہور بود از و پرسیدہ شد کہ تو چہ می گوئی ؟ او قرآن شریف بر سر داشتہ گفت کہ مرا ایک زن خبر کردہ کہ رضاع ہست تصدیق این قول نہ کردہ نہ تکذیب این را اقرار بہ رضاع گفتہ شود یا نہ ؟ بلکہ جہت اقرار تصدیق ضرور است ؟

الجواب

اس صورت میں محض اخبار رضاع ہے اقرار ثبوت رضاع نہیں ۔ کیونکہ قائل نے نہیں کہا کہ میں اس کے قول کی تصدیق کرتا ہوں اور محض ایک عورت کا بیان ثبوت رضاع میں حجت نہیں اور قرآن سر پر رکھنا بدون لفظ قسم کے قسم نہیں اور یہ بھی تو اس سے محض خبر مرأۃ پر جزم کا اظہار ہوا اس کی تصدیق پر تو جزم نہیں ہوا ۔ ھذا ما علمت واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۸ شعبان سنہ [illegible]

رضاعی بھتیجی سے نکاح حرام ہے | **سوال** : کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید و عمرو آپس میں ایک دوسرے کے علی الترتیب حقیقی ماموں بھانجے ہیں عمرو نے ایام طفولیت میں زید کی والدہ یعنی اپنی حقیقی نانی کا دودھ پیا ہے اس وقت نانی کی عمر ۴۵ سال کی تھی اور جس زمانے میں عمرو نے اپنی حقیقی نانی کا دودھ پیا اس زمانہ میں زید کی عمر دو سال کی تھی اب تجویز ہے کہ زید کی جو ایک ہندہ نامی لڑکی ہے اس کو عمرو کی زوجیت میں دیا جائے لہٰذا اس مسئلہ کا جواب باصواب مع حوالہ کتب مستند تحریر فرما کر ارسال کریں فقط بینوا توجروا ۔ المستفتی : محمد حشمت اللہ [illegible]

الجواب

عمرو کا نکاح زید کی کسی لڑکی سے بھی جائز نہیں کیونکہ زید و عمرو رضاعی بھائی ہو گئے پس زید کی لڑکی عمرو کی بھتیجی ہوئی اور بھتیجی سے نکاح حرام ہے ۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم : یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب ۔ متفق علیہ

فالمسئلۃ مصرحۃ فی سائر کتب الفقہ   واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۳ شوال

تنہا مرضعہ کی شہادت ثبوت رضاعت کے لئے کافی نہیں ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کے ہاں دختر تولد ہوئی. ولادت کے وقت اس لڑکی کے منہ میں دانت بھی دو عدد موجود تھے ایسے بچے کو عام طور پر منحوس خیال کیا جاتا ہے اس لڑکی کے ماموں مسمی زید کی منشا اپنے بیٹے کے ساتھ اس لڑکی کو منسوب کرنے کی تھی ہندہ بھی رضامند تھی مگر عام طور پر یہ مشہور ہوگیا کہ زید کی بیوی نے ہندہ کی بیٹی کو دودھ اپنا پلا دیا ہے۔ ہندہ فوت ہوگئی ہے اور اس کا خاوند بھی فوت ہوگیا گویا عام خیال کے مطابق اس لڑکی کا منحوس ہونا بھی مسلم ہوگیا مگر زید اپنے خیال پر قائم ہے اور ان خیالات کو لغو تصور کرتا ہے چنانچہ اپنے لڑکے کے ساتھ ہندہ کی لڑکی کا عقد کرنے کا سب انتظام زید نے درست کرلیا۔ برات آموجود ہوئی مگر چونکہ سب میں یہ بات مشہور ہوچکی تھی کہ اس لڑکی کو زید کی بیوی نے دودھ پلایا ہے۔ پیش نماز نے عدم جواز کا فتویٰ دیکر نکاح پڑھانے سے انکار کردیا۔ زید اور دیگر معتبر اشخاص کہتے تھے کہ درحقیقت دودھ نہیں پلایا گیا ہے۔ صرف اس لڑکی کی نحوست سے بچنے کے لئے زنانہ وہم کی بناء پر ایک چال کی گئی لوگ کہتے تھے کہ خود زید کی عورت کہہ چکی ہے کہ میں نے دودھ پلایا ہے۔ آخر زید کی بیوی سے دریافت کیا گیا۔ پہلے تو وہ کچھ ہچکچائی پھر اس نے بھری مجلس میں بایں الفاظ اقرار کیا کہ ہندہ کی اس لڑکی کو جبکہ وہ بیس یوم کی تھی ضرور گود میں لیکر اپنی چھاتی اس کے منہ میں دی تھی صرف اس بناء پر کہ یہ منحوس لڑکی میرے بیٹے سے منسوب نہ ہوسکے اور میں نے یہ بات اس غرض سے عام لوگوں میں مشہور کردی تھی لیکن درحقیقت نہ اس لڑکی نے میری چھاتی دبائی نہ کوئی گھونٹ دودھ کا اس نے پیا۔ فوراً ہی میں نے گود سے ہٹا کر الگ لٹا دیا بعد ازاں ہرگز ہرگز کبھی چھاتی بھی اس کے منہ میں نہیں دی۔

زید کی بیوی نے حلفیہ برسر مجلس مذکورہ بیان دیا جب اس کو عذاب الٰہی سے ڈرایا گیا اور ایمان جاتے رہنے کا خوف دلایا گیا جب بھی اس نے مذکورہ بیان ہی کی تائید کی اور یہ بھی کہا کہ یہ بیان میرا اگر غلط ہو تو میرا منہ کالا ہو اور جہنم نصیب ہو۔ اس پر پیش نماز نے ہندہ کی لڑکی کا نکاح زید کے بیٹے کے ساتھ پڑھا دیا کہ ازروئے فقہ تین گھونٹ دودھ کے پی لینے

سے بھی مانع نکاح نہیں ہے جیسا کہ مرضعہ کے قول کے موافق مطلق کوئی گھونٹ دودھ کا پیا ہی نہیں۔ اگر یہ جھوٹ کہتی ہے تو اس کا وبال اس کی گردن پر ہوگا۔ ہم نے حجت تمام کردی بس کیا یہ نکاح صحیح ہوگیا یا نہیں؟ نیز کیا یہ بات ٹھیک ہے کہ تین گھونٹ تک ممانعت یا حرمت نکاح ثابت نہیں؟

الجواب

یہ نکاح صحیح ہوگیا کیونکہ ثبوت رضاع کے لئے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت ضروری ہے اور صورت مسئولہ میں صرف ہندہ کی شہادت بیان کی جاتی ہے جو ناکافی ہے پھر ہندہ نے بھی صرف چھاتی کا منہ میں دینا بیان کیا ہے، دبانے اور دودھ نکلنے کا اور بچی کے دودھ پینے سے وہ حلف کے ساتھ منکر ہے لہذا رضاع کا ثبوت کسی درجہ میں نہیں ہوا اور افواہی شہرت قابل اعتبار نہیں۔ اسی طرح اس لڑکی کو منحوس سمجھنا بھی جائز نہیں۔ شریعت میں اس نحوست کی کوئی اصل نہیں اور جو لوگ ایسی بے اصل باتوں کے معتقد ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کبھی بطور سزا کے دنیا میں ان پر کوئی وبال واقع کردیتے ہیں پس اس عقیدے سے توبہ کرنا چاہیئے۔

حضرات تابعین وتبع تابعین میں بعضے بچے ماں کے پیٹ سے دانت نکالے ہوئے پیدا ہوئے اور بڑے درجہ کے عالم ہوئے جن سے آج تک برکتیں پھیل رہی ہیں (منھم الضحاک الراوی عن ابن عباس روی عنہ التفسیر والحدیث والقرآن) نیز ناکح کا یہ قول بھی غلط ہے کہ تین گھونٹ سے حرمت رضاع نہیں ہوتی حنفیہ اس کے قائل نہیں۔ ہمارے مذہب میں ایک گھونٹ سے بھی حرمت رضاع ثابت ہوجاتی ہے۔ جبکہ بینہ سے ثبوت ہوجائے۔ والمسئلۃ مشہورۃ فی الفقہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

۲ار محرم الحرام ۴۶ھ

رضاعت کا ایک مسئلہ | **سوال**: دو سگی بہنیں ہیں جن دونوں کا نکاح دو سگے بھائیوں سے ہوا ان میں سے ایک کا لڑکا ہے اور دوسری کی ایک لڑکی ہے ان کا ارادہ تھا کہ آپس میں ہی اپنی اولاد کی شادی کریں ان کی نند ہے جس کے تعلقات دونوں بھاوجوں سے کشیدہ ہیں۔ وہ گوارا نہیں کرتی کہ ان کی آپس میں رشتہ داری ہو کر اتحاد بڑھے ایک روز لڑکا والی عورت (بڑی بہن) اپنے بچہ کو سوتا چھوڑ کر کسی کے یہاں چلی گئی بعد میں لڑکا جاگ اٹھا چھوٹی

بہن اور ہندہ مذکورہ اس کے پاس تھی۔ ہندہ نے باصرار اِدھر اُدھر کی باتیں ملا کر لڑکے کو اس کی خالہ سے (جو لڑکی کی ماں ہے) دودھ پلوا دیا جو اپنی لڑکی اس لڑکے کے نکاح میں دینا چاہتی تھی۔ دودھ پلاتے وقت اس کو بالکل یاد نہ رہا کہ مجھے تو اس لڑکے یا اس کے بھائی سے اپنی لڑکی کا رشتہ کرنا ہے۔ بعد میں دوسری بہن نے آکر یاد دلایا، مگر لڑکا دودھ پی چکا ہے اور ہندہ اپنا کام کر چکی تھی۔ اب یہ تو بھول چوک ہے کہ جیسے روزہ میں بھولے سے کھانا کھانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا کیا یہ بھول شرعاً معاف ہو کر اب بھی ان دونوں بہنوں کے بچوں کا آپس میں نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟ والسلام

السائل: عبدالمتین۔ از تھانیسر ضلع کرنال

الجواب

صورتِ مسئولہ میں حرمتِ رضاع ثابت ہوگئی۔ اب اس لڑکے کا اس خالہ کی کسی لڑکی سے نکاح جائز نہیں، قطعاً حرام ہے۔ بھول چوک کا اول تو اس قصہ میں کچھ لگاؤ ہی نہیں ہے بلکہ قصداً پلایا ہے۔ بھول چوک تو اس کو کہتے ہیں کہ مثلاً اپنا بچہ سمجھ کر اندھیرے وغیرہ کی وجہ سے دوسرے بچے کو دودھ پلا دیا جاوے۔ دوسرے اس بارے میں بھول چوک معاف نہیں ہوتی۔ البتہ جس لڑکے نے دودھ پیا ہے اس کے بھائی کا اس لڑکی سے نکاح جائز ہے۔

واللہ اعلم۔ کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ

۲۴ جمادی الاولیٰ ۵۳ھ

الجواب صحیح

وما نقلتہ عن کلام السائل من ان الحرام لا یباح الا لعذر ولیس بمسلم فان المفطر فی رمضان حرام ومع ذلک فیباح [illegible]۔ کذا فی فتح الباری (ص ۱۹۱ ج ۱) فکذلک ما نحن فیہ ما قالہ فانا قد یغتفر ضمناً ما لا یغتفر قصداً (الاشباہ ص ۔) واللہ اعلم

ظفر احمد عفا عنہ

۲۶ جمادی الاولیٰ ۵۳ھ

مسئلہ رضاعت **سوال:** کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین اس بارے میں کہ ہندہ اور صابرہ دونوں حقیقی بہنیں ہیں اور رشید و قادر دو حقیقی برادر۔ صابرہ نے قادر

کی والدہ کا دودھ پیا جبکہ اس کی والدہ بیمار تھی یہاں پر قادر کو صابرہ کی ماں کا دودھ انہیں ایام میں جبکہ اس کا سینہ پکا ہوا تھا کھینچانے کی غرض سے ایک دن دیا گیا کہ قادر ہوشیار ہو گیا تھا طاقت دودھ نکالنے کی رکھتا تھا ممکن ہے کہ پیا بھی ہو لیکن دوسرے دن علیحدہ کر لیا گیا ۱ کیا یہ دونوں (صابرہ و قادر) بھائی بہن ہوئے جبکہ صورت شک کی ہے ۲ اور نیز کیا ہندہ اور رشید بھی رضاعی بھائی بہن ہوئے جنہوں نے دودھ بالکل ایک دوسرے کی ماں کا نہیں پیا ؟ صورت مسئولہ میں عقد ہندہ و رشید کا ہو چکا ہے ایک بچی بھی موجود ہے یہ عقد جائز ہوا یا نہیں اولاد کا کیا حکم ہے ؟ اگر یہ دونوں رضاعی بھائی بہن ہوئے تو کیا اب طلاق کی ضرورت بھی ہوگی ؟ بینوا توجروا۔ خادم محمد نور عفی عنہ

الجواب

ہندہ سے رشید کا نکاح جائز ہے گو قادر کا دودھ پینا متیقن یا مظنون بھی ہو۔

کما فی الشامی (ص ۴۱۹ ج ۲) فرع فی البحر عن آخر المبسوط لو کانت ام البنات ارضعت احد البنین وام البنین ارضعت احدی البنات لم یکن للابن الذی ارتضع من ام البنات ان یتزوج واحدۃ منہن وکان لاخوتہ ان یتزوجوا بنات الاخری الا الابنۃ التی ارضعتہا امہم وحدھا لانہا اختہم من الرضاعۃ فقط واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر

۲۹ ربیع الثانی [illegible]

دو برس سے زائد عمر کے بچہ کو دودھ پلانے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ولیا اور رسول بخش دونوں حقیقی بہن و بھائی ہیں مسماۃ ولیا کا ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام شمس الحق رکھا گیا جب شمس الحق کی عمر تین سال کی ہوئی اس وقت شمس الحق کی ماں کا انتقال ہو گیا۔ اسی دوران رسول بخش کی بیوی سے ایک لڑکا پیدا ہوا اور ضائع ہو گیا اس وقت رسول بخش کی بیوی نے شمس الحق کو دودھ پلایا جس وقت رسول بخش کی بیوی نے دودھ پلایا اس وقت شمس الحق کی عمر تین سال کی تھی بعد ازاں رسول بخش کی بیوی کے دو تین لڑکے پیدا ہو کر ضائع ہو گئے اس کے بعد رسول بخش کی بیوی سے لڑکی پیدا ہوئی۔ اب دونوں میں عقد شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ فقط رسول بخش

۲۱ ذیقعدہ [illegible]

الجواب

اگر یہ بات صحیح ہے کہ رسول بخش کی بیوی نے جس وقت شمس الحق کو دودھ پلایا تھا اس وقت شمس الحق کی عمر تین سال کی تھی تو اس صورت میں شمس الحق کا نکاح رسول بخش کی لڑکی سے درست ہے کیونکہ دو برس سے زائد کی بچہ کو دودھ پلانا جائز نہیں اور نہ اس سے حرمت رضاع ثابت ہوتی ہے ـــــ فانہ لا ارضاع بعد الحولین و انما الرضاعۃ من المجاعۃ صرح بہ اصحاب المتون من اہل المذہب۔ واللہ اعلم

ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۶، ذی قعدہ ۵۱ھ

باب الحضانۃ

نابالغ کے حق حضانت وولایت مال میں دادی، ہمشیرہ اور پھوپی زاد بھائی میں کون مقدم ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ محمد اختر نابالغ پسر منظور حق مرحوم کے عزیز حسب ذیل ہیں:

۱ مسماۃ شمس النساء حقیقی دادی۔ ۲ مسماۃ حسینہ۔ حقیقی ہمشیرہ۔ ۳ انوار احمد حقیقی بہنوئی اور محمد اختر کا پھوپی زاد بھائی۔ ان میں شرعاً محمد اختر کا ولی فی النکاح یا ولی فی المال کون ہے اور اس ولی کو کیا کیا اختیارات حاصل ہیں۔ ولی فی النکاح اور ولی فی المال دونوں کے متعلق شرعاً جو کچھ حکم ہو مفصل بیان فرمائیں۔

الجواب

صورت مسئولہ میں محمد اختر کا ولی فی النکاح اس کی حقیقی دادی ہے۔

قال فی الدر: فان لم یکن عصبۃ فالولایۃ للام ثم لام الاب وفی القنیۃ عکسہ اھ (ص ۵۱۳ ج ۲)

اور ولی فی النکاح کے اختیارات یہ ہیں کہ بلوغ سے پہلے بدون اس کی اجازت کے بچہ کا نکاح صحیح نہیں ہو سکتا اور ولی فی المال ان ورثاء مذکورین میں سے کوئی نہیں۔

قال فی الشامی: فان الولی فیہ الاب ووصیہ والجد ووصیہ والقاضی و نائبہ فقط اھ (ص ۵۰۹ ج ۲)

پس اگر نابالغ کے باپ نے کسی شخص کو وصی بنایا ہو خواہ انہی ورثہ میں سے یا کسی اور کو وہ ولی فی المال ہوگا ورنہ پھر ولایت مال اسی کو ہوگی جس کو حق حضانت حاصل ہو اور صورت مسئولہ میں حق حضانت بھی دادی ہی کو حاصل ہے۔

لما فی الدر: ثم ای بعد الام ام الام ثم ام الاب اھ (ص ۱۵۰ ج-۲)

وقال فی الکفایة: وان لم یکن احد من ھؤلاء الاربعة (ای الأب ووصیه والجد ووصیه) جاز قبض من کان الصبی فی عیاله وحجره ولم یجز قبض من لم یکن فی عیاله لانه اذا کان فی عیاله فله علیه ضرب ولایة الخ (ص ۳۹۳ ج-۷- مع الفتح)

وفی الھدایة: ونوع آخر ما کان من ضرورة حال الصغار وھو شراء ما لابد للصغیر منه وبیعه واجارة الاظآر وذلک جائز ممن یعوله وینفق علیه کالاخ والعم والام والملتقط اذا کان فی حجرھم (ج ۲ ص ۳۰۲)

وفی الحامدیة: قولھم: ان عائل الیتیم یملک بیع ما لابد منه خاص بغیر العقار من نحو المنقولات اما العقار فلیس له بیعه اھ (ص ۲۹۶ ج ۲)

ولی فی المال کے اختیارات ہیں کہ یتیم کو کوئی شخص کچھ ہبہ کرے تو اس پر قبضہ کرے اس کی حفاظت کرے یتیم کی جائیداد وغیرہ کی حفاظت کرے۔ خود یا بواسطہ وکیل کے اور جس چیز کی اس کے لئے خریدنے کی ضرورت ہو خریدے اور اس کی اشیاء منقولہ میں سے جس چیز کا بیع کرنا مصلحت ہو اس کی بیع کر دے لیکن جائیداد و مکانات غیر منقولہ کی بیع نہیں کر سکتا واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون
۱۴ر محرم الحرام ۵۳ھ

اس صورت میں حق حضانت حقیقی نانا کو اور ولایت نکاح نانا حقیقی کو حاصل ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسلم سنی حنفی نے تین نابالغ لڑکیاں (۱۰ سال، ۸ سال، ۵ سال) اور ایک نابالغ لڑکا (۶ سال) بوقت انتقال چھوڑا۔ اور پھر شخص مذکور کی موت کے پیچھے اولاً ان کی اہلیہ یعنی ان چار بچوں کی ماں بھی گذر گئیں۔ فی الحال ان نابالغ بچوں کے قرابت داروں میں ایک حقیقی پھوپھی، نانا حقیقی ایک حقیقی خالہ ہیں۔ حقیقی نانا کے بہت سے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ بچوں کی حقیقی نانی ۲۵ سال قبل گذر گئیں سوتیلی نانی موجود ہیں اور سوتیلی نانی ہی کے سارے بچے حقیقی نانا کے ساتھ ہیں۔ نانا حقیقی

کے شوہر جو پیشہ سرکاری ملازمت میں ہیں شہر بشہر بدلتے رہتے ہیں ایک شہر میں دو تین سال بھی مستقل طور پر قیام نہیں کر سکتا۔ پھوپھی نابالغ بچوں کے ساتھ ہمیشہ بیوہ ہو کر رہ رہی ہیں اور ہمیشہ اپنے بھائی مرحوم (بچوں کے والد) کے ساتھ رہی ہیں اور ایک شہر ہی میں مستقل رہنے والی ہیں، لاولد ہیں فقد کے بچے متعدد چھوٹے چھوٹے ہیں ہٰذا صورت مذکورہ بالا میں بچوں کا ولی شرعاً کون مقرر ہو سکتا ہے اور حق ولایت اور حق حضانت کس کو حاصل ہے ؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر خالہ حقیقی کے شوہر ان لڑکیوں کے محرم ہوں اور خالہ حقیقی باوجود ایسی ملازمت کے بھی حضانت پر راضی ہو تو خالہ حقیقی حق حضانت میں مقدم ہے ورنہ پھوپھی کو حق حضانت حاصل ہوگا۔

قال فی الدر: ثم الخالات کذلک ای لابوین ثم لام ثم لاب ثم العمات کذلک اھ
(ص ۱۰۵۰ ج ۲ مع الشامی)

وفیہ: والحاضنۃ یسقط حقها بنکاح غیر محرمہ ای الصغیر وکذا بسکناها عند المبغضین له اھ (ص ۱۰۵۲ ج ۲)

اور حق ولایت نکاح نانا حقیقی کو ہے۔

قال الشامی بعد کلام طویل عن فتح القدیر وقیاس ما صحح فی الجد والاخ من تقدم الجد تقدم الجد الفاسد علی الاخ اھ فثبت بهذا ان المذهب ان الجد الفاسد بعد الام قبل الاخ اھ کلام البحر (ج ۲ ص ۳۱۵) باب الولی

واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

۱۶ محرم سنہ ۵۴ھ

احکام حضانت اور یتیم کے مال وزمین میں حاضنہ کے تصرف کا حکم

سوال

محمد اسمٰعیل

زوجہ۔ ابنتین صغیرتین۔ عم و صہر عم۔ ابن العم

عبدالمجید شفاعت اللہ عبدالغفور

اب سوال یہ ہے کہ محمد اسمٰعیل مرحوم کی زوجہ ان کے نابالغ دونوں لڑکوں کی ماں ہے اب ان دونوں لڑکوں کی پرورش کے ولی صورت مرقومہ بالا میں سے کون ہوں گے اور نکاح کے کون اور مال وجائیداد کے انتظام وحفاظت

کے ولی کون ہوں گے تحریر فرما کر عند اللہ ثواب حاصل فرمائیں۔

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

من بعض علماء بنگال

محمد اسماعیل مرحوم کے نابالغ دونوں لڑکوں کی پرورش کے ولی لڑکوں کی ماں ہے۔ کذا فی کتاب الحضانۃ۔ اور نکاح کے واسطے مرحوم کے دونوں چچے شفاعت اللہ و عبد المجید ولی ہیں مگر عبد المجید ذوالقرابتین ہونے کی وجہ سے اقرب ہے۔

درمختار باب الولی میں ہے: الولی فی النکاح العصبۃ بنفسہ وھو من یتصل بالمیت بلا توسط انثی علی ترتیب الارث والحجب۔

اور مال و جائیداد کے انتظام و حفاظت کے بارے میں رد المحتار باب الولی میں مذکور ہے:

الولی فیہ الاب ووصیہ والجد ووصیہ والقاضی ونائبہ وقال الطحطاوی فی باب الولی تحت قول صاحب درالمختار (لا المال) اما الولی فیہ فالاب ووصیہ و وصی وصیہ والجد کذلک والقاضی ووصیہ کما ذکرہ المصنف متنا کما سیأتی۔

پس صورت مسئولہ میں بوجہ فقدان وصی اب و جد کے مال کے انتظام و حفاظت قاضی یا نائب قاضی کے ساتھ متعلق رہیگا۔

اب دوسرا سوال یہ ہے کہ محمد اسماعیل مرحوم کی اولاد صغار ریاست ٹپرہ غیر مسلم راجہ کے عملداری میں رہنے والے ہیں اور یہاں مسلمان حاکم یا قاضی وغیرہ کچھ نہیں ہیں اب مرحوم کے ترکہ کس کے حوالہ کیا جائے۔

الجواب

مرحوم کے کنبہ والے و محلہ دار سب ملکر کسی کو حکم مقرر کر کے ترکہ کو حکم کی ذمہ داری میں رکھیں کیونکہ حکم اموال کے بارے میں مثل قاضی کے ہے۔ درمختار باب التحکیم میں ہے:

والحاصل انہ کالقاضی الا فی مسائل۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ عبد المجید محمد اسماعیل مرحوم کے چچا اور خسر ذوالقرابتین ہے اور کنبہ اور محلہ کے معتمد لوگوں میں سے بھی ہے لہذا ان کو نابالغوں کے مال و جائیداد کی حفاظت و انتظام کے لئے حکم بنانے میں کوئی حرج ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر عبد المجید واقعی اوصاف مذکورہ فی السوال کے ساتھ متصف ہے

تو محلہ والوں کے مشورہ سے مرحوم کی اولادِ صغار عاقل بالغ ہونے تک ان کے مال وجائیداد کی حفاظت و انتظام کے لئے عبدالمجید کو حَکَم بنانے میں کوئی حرج نہیں بلکہ افضل معلوم ہوتا ہے

واللہ اعلم

راقم سید واجد علی عفا اللہ عنہ ساکن اسلام آباد
ڈاکخانہ کھولی ضلع تپرہ اسٹیٹ

۳۰ ر ۱ ر سنہ ۵۳ھ

تفصيل الجواب من جامع امداد الاحكام

قال في الهداية ، و اذا وهب لليتيم هبة فقبضها وليه وهو الاب او وصي الاب او جد اليتيم او وصيه جاز لان لهؤلاء ولاية عليه لقيامهم مقام الاب. وان كان في حجر امه فقبضها له جائز لان لها الولاية فيما يرجع الى حفظه وحفظ ماله وهذا من بابه لانه لا يبقى الا بالمال فلا بد من ولاية التحصيل. و قال صاحب الكفاية تحت قوله " لان لهؤلاء " الخ " وان لم يكن من هؤلاء الاربعة جاز قبض من كان الصبي في حجره وعياله ولم يجز قبض من لم يكن في عياله لانه اذا كان في عياله فله عليه ضرب ولاية الخ (مع فتح القدير ص ۴۹۳ ج ۷)

وفي الهداية ايضاً ، ونوع آخر ما كان من ضرورة حال الصغار وهو شراء ما لا بد للصغير منه وبيعه واجارة الاظآر و ذلك جائز ممن يعوله وينفق عليه كالاخ والعم والام والملتقط اذا كان في حجرهم و اذا ملك الملتقط هذا النوع فالولي اولى به الا انه لا يشترط في الولي ان يكون الصبي في حجره (ص ۲۹۲ ج ۳)

وفي الفتاوى الحامدية ، ثم ويجوز شراء ما لا بد للطفل منه وبيعه لاخيه وعمه وامه وملتقطه ان هو في حجرهم دفعاً للضرورة وتؤجره امه فقط وكذا ملتقطه على الاصح (الى ان قال) وجاز ايضاً شراء ما لا بد للصغير منه كالنفقة والكسوة واستئجار الظئر ونحو ذلك وبيعه اي بيع ما لا بد منه ايضاً للصغير لاخ وعم وام هو اي الصغير في حجرهم دفعاً للضرورة اهـ (ص ۲۹۵ ج ۲)

وفيه ايضاً ، ثم ان ما مر من ان ملتقط اليتيم يملك بيع ما لا بد منه خاص بغير العقار من نحو المنقولات فليس له بيعه ولو مع وجود المسوغات لما في الدر المختار

وهذا اي بيع العقار للمسوغ لو البائع وصيا لا من قبل اب او جد فانهما لا يملكان بيع العقار مطلقا ولا شراء غير طعام وكسوة الخ (ص ۲۹۲ ج ۵)

مجیب اول کا یہ جواب تو بالکل صحیح ہے کہ ان صغیرین غیر بالغین کا حق حضانت ماں کو حاصل ہے البتہ اس میں اتنی تفصیل ہے کہ اگر یہ صغیرین دونوں لڑکے ہیں تو ان کو حق حضانت سات برس کی عمر تک ہے۔ جب یہ لڑکے سات سال کے ہو جائیں اس کے بعد حق حضانت ولی اقرب عصبہ کو ہے اور اگر ان میں سے کوئی لڑکی بھی ہے تو حق حضانت لڑکی کے بالغ ہونے تک ہے

قال في الدر: والحاضنة اما او غيرها احق به اي بالغلام حتى يستغني عن النساء وقدر بسبع وبه يفتى والام والجدة احق بها اي بالصغيرة حتى تحيض اي تبلغ في ظاهر الرواية اه (ص ۵۴۳، ج ۲)

نیز مجیب اول کا یہ جواب بھی صحیح ہے کہ ولایت نکاح صغیرین میت کے دونوں چچا کو حاصل ہے مگر مجیب نے ایک چچا کو بوجہ ذو القرابتین ہونے کے جو ترجیح دی ہے اس ترجیح کی کوئی دلیل بیان نہیں کی اور تو اصل یہ ترجیح صحیح نہیں کیونکہ علاقہ مصاہرت کو ولایت نکاح میں کچھ دخل نہیں اسکی وجہ سے ایک عصبہ کو دوسرے عصبہ پر کوئی ترجیح ہو سکتی بلکہ صحیح یہ ہے کہ ان صغیرین کا ولی ہر دو چچا بدرجہ مساوی ہے ان میں سے جو بھی صغیرین کا نکاح اول کرے گا نافذ و معتبر ہوگا بشرطیکہ کفو سے کرے اگر یہ صغیر لڑکی ہو اور صغار ذکور میں رعایت کفاءت مختلف فیہ ہے۔

قال في الدر: ولو زوجها وليان مستويان (كاخوين شقيقين) قدم السابق فان لم يدر او وقعا معا بطلا اه (ص ۵۱۵ ج ۲)

قال الشامي تحت قول الدر ان كان المزوج غيرهما لا يصح النكاح من غير كفو مثل قول الكنز ولو زوج طفله غير كفو او بغبن فاحش صح ولم يجز ذلك لغير الاب والجد ومقتضاه ان الاخ لو زوج اخاه الصغير امرأة ادنى منه لا يصح وفيه ما مر عن الشرنبلالي من ان الكفاءة لا تعتبر للزوج اه (ص ۵۰۰ ج ۲)

اور مجیب اول نے ولایت مال و حفظ جائیداد کے متعلق جو تکلف کیا ہے اس کی کچھ ضرورت نہیں بلکہ بر تقدیر فقدان اب وجد و وصی ایشان ولایت حفظ مال و انتظام جائیداد اس ولی کو حاصل ہے جس کو حق حضانت حاصل ہے جیسا کہ جزئیات مذکورہ سے

مستفاد ہوتا ہے پس صورت مسئولہ میں ولایت حفظ مال و انتظام جائیداد بھی صغیرین کی ماں کو حاصل ہے جب تک کہ اس کو حق حضانت حاصل ہے جس کی حد اوپر مذکور ہوچکی خواہ وہ خود انتظام کرے یا کسی معتبر شخص کو وکیل بنا کر اس کے ذریعہ انتظام کرائے البتہ ماں کو صغیرین کی جائیداد کی بیع کا حق حاصل نہیں اور منقولات میں سے بھی بلا ضرورت شدیدہ کسی شئی کو بیع نہیں کرسکتی۔ فقط واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ۔

۸؍ صفر ۷۵ھ

بچے کے غیر محرم سے حاضنہ کا نکاح مسقط حق حضانت ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین رحمکم اللہ اس مسئلہ میں کہ دو لڑکیاں نابالغ یتیم ہیں ماں باپ کا انتقال ہوگیا ہے نانی، دادی بھی زندہ نہیں ہیں لیکن خالائیں اور پھوپھیاں، تین چچا بھی ہیں اور ماموں بھی ابتداء سے ان لڑکیوں کی مجھلی خالہ نے ان کو پالا ہے ان کی والدہ مرحومہ کی زندگی میں بھی اور ڈھائی تین مہینہ تک بعد انتقال کے بھی۔ مرتے وقت ان کی والدہ نے اسی خالہ کے حوالے بھی ان کو کیا تھا۔ یہ مجھلی خالہ ان لڑکیوں کی والدہ مرحومہ سے عمر میں بھی بڑی ہے اور شادی بھی مرحومہ کی شادی سے ۵/۶ سال قبل ہوئی ہے۔ اس خالہ کی کوئی اولاد نہیں ہے، لا ولد ہے۔ اب ان لڑکیوں کو ان کی والدہ مرحومہ کے انتقال کے ڈھائی تین مہینہ کے بعد ان کی پھوپھیوں نے اپنے یہاں بلا کر روک لیا ہے اور خالہ کے پاس بالکل آنے نہیں دیتیں خالہ ان کے فراق میں بہت بے قرار ہے۔ اس نے مثل اولاد کے بچپن سے اب تک پالا ہے محبت کے باعث آب دیدہ رہا کرتی ہے۔ یہ لڑکیاں اپنی والدہ مرحومہ کے ساتھ اور خالائیں سب ایک ہی مکان میں جو ان کے نانا کا ہے اب تک رہتی تھیں اور خالائیں اب بھی اس مکان میں بدستور ہیں، خالہ دعویدار ہے کہ میرا حق سب سے زیادہ ہے یہ لڑکیاں مجھ کو بغرض پرورش ملنی چاہئیں ایک پھوپھی جس کی ابھی شادی نہیں ہوئی ہے اور دوسری پھوپھیوں سے چھوٹی ہے اس کے پاس یہ لڑکیاں اب ہیں وہ پھوپھی بھی اب دعویدار ہوئی ہے کہ لڑکیوں کی پرورش میں کروں گی میرا سب سے زیادہ حق ہے اس واسطے کہ جو خالہ دعویدار ہے و نیز دیگر خالہ پھوپھیاں سب شادی شدہ ہیں اور سب کے شوہر لڑکیوں کے غیر محرم ہیں لہٰذا سب کے حقوق جاتے رہے صرف اب میں حقدار ہوں جو خالہ دعویدار ہے اس نے بھی شادی کرلی ہے اس کا شوہر بھی لڑکیوں کا محرم نہیں ہے۔ خالہ یہ جواب

ہے کہ میں نے اب دوسرا شوہر نہیں کیا۔ میری شادی کو سولہ برس ہو چکے ہیں پہلے شوہر ہونے سے گو وہ لڑکیوں کا نامحرم ہی ہو حق پرورش نہیں جا سکتا کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی کو ان کی خالہ کے سپرد فرمایا تھا جو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں پیشتر سے تھیں۔ اور فرمایا تھا کہ خالہ بمنزلہ ماں کے ہے۔ اگر پہلے کے شوہر غیر محرم ہونے سے حق جاتا رہتا تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیسے اس خالہ کو دلا دیتے حالانکہ حضرت جعفر حمزہ رضی کی صاحبزادی کے غیر محرم اور چچیرے بھائی تھے۔ حضرت شاہ اہل اللہ صاحب برادر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے بھی کنز الدقائق کے ترجمے میں جس کا نام احسن المسائل کامل ترجمہ کنز الدقائق ہے اور جو مطبع مجتبائی کانپور میں ۱۳۱۹ھ کو چھپی ہے اس بات کو خوب صاف فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں: پھر اسی (سگی سوتیلی کے) ترتیب خالائیں۔ اگر خالائیں بھی نہ ہوں تو اس ترتیب سے پھوپھیاں اور جو عورت بچے کے غیر محرم سے نکاح کرے تو اس کا حق جاتا رہے گا۔ (ف) یعنی جس سے اب اس عورت نے دوسرا نکاح کیا ہے وہ اس بچے کا قریبی رشتہ دار نہیں ہے تو اب اس بچے کی پرورش کرنے میں اس عورت کا حق نہ رہا۔ ص ۱۴۶

تو سوال یہ ہے کہ مذکورہ بالا صورت میں لڑکیاں کس کو بغرض پرورش ملنی چاہئیں۔ کس کا حق ہے؟ اور خالہ اور پھوپھی میں کس کی بات صحیح اور شرع کے موافق ہے؟ جواب مدلل، مشرح اور مفصل درکار ہے۔ بینوا توجروا

حسین محمد صالح انٹو مین پوسٹ بکس ۱۱

الجواب

چھوٹی پھوپھی کا یہ قول صحیح ہے کہ خالہ کا شوہر چونکہ یتیم لڑکیوں کا محرم نہیں ہے اس لئے خالہ کا حق حضانت ساقط ہو گیا۔

قال فی الدر: تثبت للام الا ان تکون مرتدۃ أو فاجرۃ او متزوجۃ بغیر محرم الصغیر اھ

قال فی الشامی: ومثلہ (فی سقوط حق الحضانۃ) لو تزوجت باجنبی وصارت الحضانۃ لغیرھا کالاخت فانہ لا یلزمھا ان تربیہ او ترضعہ عند الام (ص ۶۴۴ ج ۲)

اور خالہ نے جو دلیل بیان کی ہے اس کی صحت اس پر موقوف ہے کہ اول یہ ثابت کر دے کہ بنت حمزہ کی کوئی پھوپھی بغیر نکاح کے اس وقت موجود تھی اور جب خالہ اور پھوپھی

سب کے سب صغیر یتیم کے نامحرم کے نکاح میں ہوں تو اس صورت میں خالہ مقدم ہوگی پس بصورتِ موجودہ چھوٹی پھوپھی ان یتیم لڑکیوں کی پرورش کا زیادہ حق رکھتی ہے بشرطیکہ وہ بالغ ہو اور پرورش کے قابل ہو اگر اس چھوٹی پھوپھی نے کسی وقت ان یتیم لڑکیوں کے نامحرم سے نکاح کر لیا تو حقِ حضانت پھر چچا کی طرف عود کریگا اگر اس وقت بھی یہ لڑکیاں نابالغ ہوں۔

قال فی الدر: ثم الخالات ثم العمات ثم العصبات بترتیب الارث الخ (۱۰۵ ج۲)

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
۱۰ رجب ۱۳۴۷ھ

لڑکا سات سال کا ہو تو ماں کو اس کی پرورش کا حق نہیں بلکہ ولی عصبہ کو ہے

سوال: عبد الغفور ایک شخص ہے جو اپنے حقیقی چچا کے پاس رہتا تھا بعد انتقال چچا کے عبد الغفور کی چچی نے دوسرے شخص سے شادی کر لی جو کہ عبد الغفور کی مرضی کے خلاف ہوئی۔ لیکن یہ مقتدر ہونے پر کیا کر سکتا تھا چچا کے صرف دو لڑکے ہیں جو نابالغ ہیں ایک کی عمر دس برس ہے اور دوسرے کی عمر بارہ یا تیرہ برس ہے۔ اب عبد الغفور لڑکوں کی پرورش خود کرنا چاہتا ہے اور جس شخص سے عبد الغفور کی چچی نے عقد کیا ہے اس کے ذریعے سے وہ پرورش کرانا نہیں چاہتا اور یہ ہی عدالت میں عبد الغفور کو بھتیجا قرار دیا گیا ہے سوائے اس ایک بھتیجے کے اور کوئی حقیقی رشتہ دار نہیں ہے۔ اب عدالت نے فتویٰ طلب کیا ہے کہ تم فتویٰ پیش کرو کہ آیا تم اپنے چچا کے لڑکوں کے اور کل مال جائداد وغیرہ کے شرعی حقدار ہو یا نہیں؟ لہٰذا براہ کرم جواب فوراً مطلع فرمائیں کہ یہ شخص یعنی عبد الغفور اپنے چچا کے لڑکوں کو شرعاً ان کی والدہ سے لیکر خود پرورش کر سکتا ہے یا نہیں؟ عبد الغفور کے چچا کو مرے ہوئے تین برس ہوگئے ہیں اور لڑکے دونوں اپنی والدہ کے پاس ہیں بعد انتقال والد ان کی پرورش آج تک ان کی والدہ ہی نے کی ہے اور جو کچھ مال اسباب جائداد چچا کا ہے اس کا مالک کون ہے، اور کس کے تحت میں وہ ہے جب تک لڑکے بالغ نہ ہوں۔

عبد الغفور تھانوی بیرون جالوری دروازہ محلہ جوشی

ابنا ماسس جی۔ جودھ پور

الجواب

قال فی الدر: والحاضنۃ اما او غیرھا احق بہ ای بالغلام حتی یستغنی عن النساء وقدر بسبع وبہ یفتی لانہ الغالب اھ

قال الشامي: وفي شرح المجمع، وإذا استغنى الغلام عن الخدمة الأب او الوصي او الولي على أخذه لانه أقدر على تأديبه وتعليمه اهـ وفي الخلاصة وغيرها، وإذا استغنى الغلام وبلغت الجارية فالعصبة اولى يقدم الاقرب فالاقرب اهـ (ص ٦٥٣ ج ٢)

ان نصوص سے معلوم ہوا کہ صورت موجودہ میں جب نابالغ بچوں کی عمر ۷ سال سے زیادہ ہے تو اب ماں کو ان کی پرورش کا حق نہیں بلکہ ان بچوں کے ولی عصبہ یعنی میت کے بھتیجے عبدالغفور کو ان کی پرورش کا حق ہے اور وہی میت کی جائیداد کی حفاظت وانتظام کا حقدار ہے باقی ملکیت کا اس جائیداد میں اس کو کوئی حق نہیں کیونکہ جب میت کے لڑکے موجود ہیں تو ان کے سامنے بھتیجے کو میراث کچھ نہیں مل سکتی۔ ہاں وہ ان کے بلوغ تک جائیداد وغیرہ کا انتظام کر سکتا ہے اور اس انتظام کا معاوضہ حاکم کی رائے میں جتنا مناسب ہو وہ پا سکتا ہے اس سے زیادہ اس کو اور کچھ حق نہیں سب میت کے لڑکوں کا ہے جو فرائض شرعی سے معلوم ہو سکتا ہے۔

از خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون

۱۳ شعبان [illegible]ھ

بالغ ہونے تک لڑکیوں کی پرورش کا حق ماں کو ہے

سوال: جناب مولانا صاحب السلام علیکم

طلاق دی ہوئی عورت کے پاس لڑکیاں جن میں ایک کی عمر ۷ سال اور دو کی عمر تین سال ہے رکھنا جائز ہے یا ناجائز؟ اور طلاق دی ہوئی عورت اپنے میکے یعنی اپنی ماں کے گھر رہتی ہے مرد کے مکان سے کوئی نسبت نہیں اور نہ کبھی آئندہ رہ سکتی ہے دونوں لڑکیوں کی نانی وغیرہ کہتی ہیں کہ ابھی بالکل بچہ ہے یہیں رہیں گی۔ مرد اس وجہ سے دریافت کرنا چاہتا ہے کہ طلاق دی ہوئی عورت کی بڑی بہن جن کی بیوہ ہوئے کہ آٹھ دس برس ہوا ہے ابھی تک دوسرا نکاح نہیں کیا اس وجہ سے اس کی ساس وسسر بہت کرتے ہیں اور محبت سے بیٹی کی طرح رکھ رہے ہیں اسی وجہ سے وہ دوسرا نکاح کرلیتی ہے اسی خیال سے اگر مرد لڑکیوں کو طلاق دی ہوئی عورت کے پاس رکھے اور وہ با غرض جیسے تو غرض کی بدولت اور بچوں کی محبت کی وجہ سے دوسرا نکاح نہ کرے تو اس کا کیا حکم ہے لڑکیوں کو طلاق دی ہوئی عورت کے پاس رکھے یا اپنے ماں باپ یعنی لڑکیوں کے دادا، دادی کے گھر رکھے اور مرد کو پورا یقین ہے کہ اگرچہ طلاق دی

ہوئی عورت کے پاس گھر جائیگا بچوں کے واسطے تو وہ ہرگز ہرگز دوسرا نکاح نہیں کرسکتی ہے فقط۔ خاکسار محمد عزیز خطوط نویس الہ آباد سٹی پوسٹ آفس الہ آباد

۱۶/ اپریل سنہ ۱۹۳۰ء یوم چہارشنبہ

الجواب

جب تک زوجۂ مطلقہ دوسرا نکاح نہ کرے اس وقت تک وہ ان لڑکیوں کے بالغ ہونے تک ان کی پرورش کا حق رکھتی ہے۔ باپ کو لازم ہے کہ اس سے لڑکیوں کو بلا وجہ تنگ نہ کرے بلکہ لڑکیوں کا خرچ ان کی ماں ہی کے پاس بھیجتا رہے اور جو وجہ شبہ کی سائل نے بیان کی ہے اس سے ماں کا حق پرورش باطل نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ اپنی اولاد کی محبت اور پرورش کی وجہ سے دوسرا نکاح نہ کرے تو اس میں حرج کیا ہے بلکہ اس کو صبر کا اجر ملیگا نکاح ثانی اس عورت پر لازم ہے جو رسم و رواج کی وجہ سے اس سے رکی ہو حالانکہ اس کو اپنی عفت محفوظ رہنے کا خطرہ ہو اور جس کو یہ خطرہ نہ ہو بلکہ اپنی اولاد کی پرورش کرنے کے لئے اپنے کو خانگی میں مقید رکھے اس پر نکاح ثانی لازم نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۱۹/ ذی قعدہ سنہ ۱۳۴۸ھ

باپ، ماں کی خالہ، دادا، دادی میں کون احق بالحضانت ہے؟

سوال: ایک عورت سات برس کی لڑکی چھوڑ کر اور اس کو اپنی خالہ کے سپرد کر کے مرگئی اور اس لڑکی کے حسب ذیل اقارب ہیں: ایک ماں کی خالہ مذکورہ جو لڑکی کو خوشی سے پرورش کر رہی ہے اور باپ جو اسی مذکورہ کی پرورش پر راضی ہے اور دادا، دادی جو کہ لڑکی کو اس مذکورہ پرورش کنندہ سے لینا چاہتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا صورت مذکورہ میں دادا، دادی اس لڑکی کو جبراً اس مذکورہ پرورش کنندہ سے شرعاً لے سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

فی الدر: فی باب الحضانۃ ثم بعد الام ام الام ثم ام الاب وان علت ثم الاخت ثم الخالات ثم العمات ثم خالۃ الام ثم خالۃ الاب ثم عمات الامہات والآباء ثم العصبات بترتیب الارث اھ (ص ۱۰۵ ج ۲)

پس صورت مسئولہ میں اس لڑکی کا حق حضانت دادی کو ہے ماں کی خالہ اور باپ کو نہیں

ہے وہ اگر بچہ کی پرورش کرنا چاہیں تو دادی کی اجازت سے کر سکتے ہیں بدون اس کے نہیں فان لمن لہ حق الحضانۃ لہ اسقاط ھٰذا الحق ایضاً۔ واللہ اعلم

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۲۳ر ذی قعدہ ۵۳ھ

حاضنہ ایام حضانت میں بچے پر صرف کی ہوئی رقم بچے کے مال سے اس کی ملک میں اگر مال ہو لے سکتی ہے ورنہ باپ کے ذمہ ایام حضانت کا خرچ لازم ہوگا

سوال: فاطمہ مرحومہ کے تعلقات آخر میں خراب ہوگئے تھے کیونکہ اس کا شوہر باوجود بلانے کے نہیں آیا تھا۔ چنانچہ مرتے وقت فاطمہ مرحومہ نے اپنی والدہ کو یہ وصیت کی تھی کہ میرا تمام سامان اور روپیہ پیسہ اور میرا لڑکا ان سب کو اپنے پاس رکھنا اپنے شوہر کے متعلق یہ کہا تھا کہ اس کو کچھ نہ دینا جب لڑکا جوان ہوجائے تو سب کچھ اس لڑکے کو دیدینا۔ مرحومہ کی ماں یعنی بچہ کی نانی نے پرورش کرتے وقت یہ نیت کی تھی کہ اگر لڑکے کے باپ نے مجھ سے اچھے تعلقات نہ رکھے تو میں اس سے پرورش کا پورا صرفہ لونگی۔ چنانچہ بچے کے باپ نے تعلقات خراب کرلئے، ملنا جلنا ترک کردیا۔ بچے کو جب دس سال کا ہوگیا تو زبردستی بذریعہ عدالت بچے کی نانی سے لے لیا بچے کی نانی نے صرفہ پرورش کا مطالبہ بچے کے باپ سے کیا تو بچے کے باپ نے انکار کردیا۔ بچہ کی نانی نے پرورش میں اور تعلیم میں اور عقیقہ و ختنہ کی تقریب میں کافی رقم صرف کی اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ بچے کی نانی مہر اور مرحومہ کے دیگر ترکہ سے مذکورہ بالا رقم لے سکتی ہے یا نہیں؟

خادم عبدالمجید

الجواب

چونکہ نانی کو اس صورت میں حق حضانت حاصل تھا اس لئے اس نے جسقدر رقم بچے کے کھانے کپڑے میں اور تعلیم میں صرف کی ہو وہ بچہ کے حصہ میں سے جو اس کو اپنی ماں کے ترکہ میں سے ملا ہو لے سکتی ہے اور جو رقم تقریبات میں خرچ کی ہے وہ نہیں لے سکتی اور شوہر کے حصے میں سے اس وقت لے سکتی ہے جبکہ بچہ کا حصہ نفقہ کے لئے کافی نہ ہو۔

والمسئلۃ فی الشامیۃ ص۱۲۵ ج۲۔ واللہ اعلم ۔ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۶ر محرم ۵۴ھ

باپ حاجتمند اپنے مالدار صغیر بیٹے کا کھانا اپنے ایندھن سے پکائے تو ایندھن کے عوض اس میں سے باپ کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟

سوال: ایک شخص اپنے صغیر لڑکے کا حاجتمند ہے اور صغیر مالدار ہے اور صغیر کے مال سے صغیر کے لئے باپ اپنا ایندھن لکڑی وغیرہ جلاکر کھانا پکاتا ہے تو کیا باپ کے لئے جائز ہے کہ اس کھانے میں سے اپنی مؤنت اور ایندھن کے عوض میں کچھ کھالیا کرے یا نہیں؟

الجواب

وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ

اگر باپ غنی ہے تو اس کو صغیر کے مال میں سے نہ کھانا چاہئے ہاں ایندھن کا عوض نقد لے سکتا ہے جبکہ ایندھن کی مقدار معین صغیر کے لئے جلانے سے پہلے الگ کردی جائے باقی مؤنت کے عوض نہیں لے سکتا لعدم تحقق الاجارۃ۔ اور فقیر ہے تو مؤنت کا عوض بھی لے سکتا ہے لا لکونہ اجرۃ بل لکون الاب محتاجا الی مالہ۔ اور بدون مؤنت کے بھی حاجت کے وقت بقدر ضرورت کھا سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۷ ذی الحجہ سنہ ۴۹ھ

کتاب النفقات

فصل فی نفقۃ الزوجۃ وسکناھا

زوجہ شوہر کی اجازت کے بغیر اس کا مال خرچ نہیں کر سکتی۔

سوال: ہندہ زوجۂ زید ہے اور زید پچاس روپیہ ماہوار پیدا کرتا ہے تو کیا پورا پچاس روپیہ ماہوار ہندہ کا نفقہ زید کے ذمہ واجب ہیں یا کس قدر؟ اور اگر اس کی پوری آمدنی پچاس روپیہ کی ہندہ کے پاس امانت رہتی ہو تو کیا وہ ان سب کے صرف کر دینے کی بلا رضامندی شوہر خود ملک رکھتا ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر ہندہ کو سب رقم خرچ کرنے کی زید نے اجازت دیدی ہو تو وہ سب صرف کر سکتی ہے ورنہ نہیں اور اجازت دینے کی صورت میں زید کو اپنے باپ کی حق تلفی کا گناہ ہوگا اور اگر ہندہ زید کو اغوا کرتی ہے کہ تو اپنے باپ کی خدمت نہ کر تو اس کو بھی گناہ ہوگا اور بھائی بہن اگر اپاہج نہیں ہیں تو زید کے ذمہ ان کا نفقہ نہیں ہے واللہ اعلم

۲۷ ربیع الثانی

عورت کے ناشزہ ہونے کی صورت میں اس کا نان نفقہ اور مہر کا مطالبہ کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے نکاح کیا بعد چار پانچ ماہ کے ہندہ نے اپنے والدین کے گھر جانے کی غرض سے زید سے دو روز کی مہلت چاہی زید نے دو روز کے بعد آنے کے اقرار پر ہندہ کو اس کے والدین کے گھر روانہ کیا۔ ہندہ اپنے ماں باپ کے گھر جاتے وقت زیورات وغیرہ جو نکاح کے وقت ڈالے گئے تھے ہمراہ لے کر گئی لیکن ہندہ اپنے اقرار کے موافق دو روز کے بعد نہیں آئی۔ یہاں تک کہ چار پانچ مہینہ تک آئی نہیں۔ زید بھی ہندہ کے اقرار پر نہ آنے کی وجہ سے خفا ہو کر خاموش ہو گیا بعد دو چار ماہ کے زید نے کسی کو بلا کہلا بھیجا کہ اس وقت تیری مرضی کیا ہے کہ اس طرح اپنے والدین کے گھر بیٹھی ہوئی ہے تو اس کے جواب میں ہندہ بول گئی

ہے کہ میں زید سے ناراض ہوں ، میرا اس کے پاس آنا نہ ہو سکے گا ، مجھے نان نفقہ اور مہر ادا کرنا چاہیے اور زیورات وغیرہ جو بوقت روانگی ہمراہ لے گئی تھی اس سے انکار کرتی ہے کہ میں کچھ نہیں لایا تمام زیورات وغیرہ زید کے گھر میں ہیں وہ بھی مجھے دینا چاہیے ۔ تو زید کہتا ہے کہ ہندہ تو اپنے اقرار پر ثابت نہیں ہی کر دو روز کے بعد آنے کے اقرار پر ماں باپ کے گھر بیٹھ گئی ۔ دوسرے بلوانے پر بے باکانہ طور پر نان ونفقہ اور مہر چاہا ۔ زیورات وغیرہ ہمراہ لیجا کر اس سے انکار کرنا اور پھر زیورات کا چاہنا ہے لہذا یہ نان ونفقہ اور مہر کی حقدار نہیں اور کوئی حق اس کا میرے پاس ثابت نہیں ہے پس دریں صورت زید کا قول صحیح ہے یا ہندہ کا؟

بینوا بالتفصیل توجروا بالآخرۃ ۔

الجواب

اگر مہر کل مؤجل ہے تب تو عورت کو قبل از موت زوج یا طلاق مطالبہ مہر کا کوئی حق نہیں اور اگر بعض معجل ہے تو مہر معجل کے مطالبہ کا ہندہ کو حق حاصل ہے ۔ اور نفقہ کا حکم یہ ہے کہ اگر مہر کل مؤجل ہے تو اس کے وصول کرنے کے لئے ہندہ کو زوج سے رکنے کا حق نہیں اس صورت میں وہ ناشزہ ہے جس کے لئے نفقہ نہیں ۔ اور اگر کل مہر یا بعض معجل ہے اور ہنوز ہندہ کو وصول نہیں ہوا تو اس کے وصول کرنے کے لئے شوہر سے رکنے کا اسے حق حاصل ہے اس صورت میں وہ ناشزہ نہ ہوگی اس کو نفقہ بھی ملیگا ۔ اور اگر مہر معجل اس کو مل چکا ہے تو اب اس کو رکنے کا حق حاصل نہیں ہے وہ ناشزہ ہے جس کے لئے نفقہ نہیں ۔

قال فی الخلاصۃ : ولو کان المهر الی اجل لیس لها ان تمنع نفسها لاستیفائه لا قبل حلول الاجل ولا بعدہ وکذا لو کان البعض عاجلا والبعض آجلا فاستوفت العاجل (ص ۳۲ ج ۲) واللہ اعلم

۱۸ ر جمادی الاولیٰ [illegible] ھ

اگر عورت شوہر کے ساتھ سفر میں جانے سے انکار کردے تب بھی اس کے لئے نفقہ واجب ہے

سوال : زید ”گیا“ کا رہنے والا ہے ۔ اب اس کو تھانہ بھون میں مدت طویل قیام کرنے کا ارادہ ہے ۔ اس نے اپنی زوجہ کو بھی ساتھ لانا چاہا اس نے انکار کر دیا اور ساتھ نہیں آئی ۔ اس صورت میں زوجہ کے لئے نفقہ ہے یا نہیں؟

سائل ۔ اکرام الحق بہاری

الجواب

صورت مسئولہ میں زوجہ کے لئے نفقہ ہے۔

قال في الدر : ويسافر بها بعد أداء كله مؤجلاً ومعجلاً إذا كان مأموناً عليها وإلا لا يؤد كله أو لم يكن مأموناً لا يسافر بها وبه يفتى كما في شرح المجمع واختاره في ملتقى الابحر ومجمع الفتاوى واعتمده المصنف وبه أفتى شيخنا الرملي لكن في النهر والذي عليه العمل في ديارنا انه لا يسافر بها جبراً عليها وجزم به البزازي وغيره وفي المختار وعليه الفتوى اهـ

قال في الشامية وقيده في الابحر : ذكر اولاً انه اذا اوفاها المعجل فالفتوى على انه يسافر بها كما في جامع الفصولين — وفي الخانية : وفي الولوالجية انه ظاهر الرواية. ثم ذكر عن الفقيهين ابي القاسم الصفار وابي الليث انه ليس له السفر مطلقاً بلا رضاها لفساد الزمان لانها لا تأمن على نفسها في منزلها فكيف اذا خرجت وانه صرح في المختار بان عليه الفتوى - وفي المحيط : انه المختار - وفي الولوالجية : ان جواب ظاهر الرواية كان في زمانهم اما في زماننا فلا وقال فجعله من باب اختلاف الحكم باختلاف العصر والزمان ثم قال فقد اختلف الافتاء والاحسن الافتاء بقول الفقيهين من غير تفصيل واختاره كثير من مشايخنا كما في ح وعليه عمل القضاة في زماننا . كما في انفع الوسائل اهـ فلا يقال انه اذا اختلف الافتاء لا يعدل عن ظاهر الرواية لان ذلك في ما لا يكون مبنياً على اختلاف الزمان . كما افاده كلام الولوالجية . وقول البحر فجعله اهـ

وفيه : وبعد ايفاء المهر اذا اراد ان يخرجها الى بلاد الغربة يمنع من ذلك لان الغريب يؤذى ويتضرر لفساد الزمان .

؎ ما اذل الغريب ما اشقاه * كل يوم يهينه من يراه

كذا اختاره الفقيه وبه يفتى . قال القاضي : قول الله تعالى : أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ من قول الفقيه . قيل : قوله تعالى : وَلَا تُضَارُّوهُنَّ في آخره دليل قول الفقيه لانا قد علمنا من عادة زماننا مضارة قطعية في الاغتراب بها اهـ (ص ۵۹۰ و ۵۹۱ - ج ۲)

وفی الدر فی باب النفقة: بخلاف ما اذا خرجت من بیت الغصب او ابت الذهاب الیہ او السفر معه او مع اجنبی بعثه لینقلها فلها النفقة الخ

قال الشامی: قوله: او السفر معه ای بناء علی المفتی به من انه لیس له السفر بها لفساد الزمان فامتناعها بحق قوله او مع اجنبی الخ هذا مفهوم بالاولی لانها اذا استحقت النفقة عند امتناعها عن السفر معه فمع الاجنبی بالاولی الخ ۱۲م

(ص ۱۰۶۵ ج ۲)

۲۶ر صفر سنہ ۷۱ھ

ناشزہ مطلقہ کے نان ونفقہ کا شوہر کے ذمہ واجب نہ ہونا

سوال: بکر نے اپنی زوجہ ہندہ کو اپنے گھر سے اپنی خوشی سے اپنے حقیقی بھائی بڑے زید کے گھر بھیجا۔ جب بکر لینے گیا تو ہندہ نے بکر کے ساتھ چلنے سے انکار کیا اور ہندہ خلاف مرضی بکر اپنے شوہر کے، زید کے ساتھ جو ہندہ کا نامحرم ہے اور پردہ ضروری ہے رہنا چاہتی ہے بکر نے حسب حکم شرعی ہندہ کو بذریعہ نوٹس اطلاع دیدی کہ زید تیرا نامحرم ہے، پردہ کیا جائیگا اور ہندہ کا زید کے ساتھ رہنا ناجائز ہے اور جب تک ہندہ زید کے گھر رہیگی خلاف مرضی شوہر ہے اور شرعاً ناجائز ہے، نان ونفقہ نہیں دیا جائیگا اس نوٹس بکر کی ہندہ نے کچھ پرواہ نہ کی اور نہ حکم شرعی کی تعمیل میں پردہ کیا بدستور زید کے ساتھ ہندہ رہتی ہے اور زید اس کو رکھتا ہے جواب لائے نہیں دیتا۔ بکر سے جھگڑا کرنے کو تیار ہے حالانکہ شرعاً زید کو ہندہ کے رکھنے کا کوئی حق نہیں ہے اور جس کی اطلاع زید کو دی گئی ہے مگر زید حکم شرعی کی کچھ پرواہ نہیں کرتا یہ گمان غالب ہے کہ زید اور ہندہ کا ناجائز تعلق ہوگیا ہے اسی وجہ سے ہندہ خلاف مرضی شوہر وخلاف حکم شرعی نامحرم کے ساتھ رہنا چاہتی ہے تو ایسی صورت میں اگر بکر ہندہ کو طلاق دیدے تو ایام عدت طلاق کا نان ونفقہ دینا ہوگا یا نہیں؟

سید محمد عابد حسین - از آگرہ

الجواب

نفقہ واجب نہ ہوگا البتہ اگر وہ طلاق کے بعد شوہر کے گھر میں چلی آئے تو پھر عدت کا بھی واجب ہوگا۔

قال فی الدر: بخلاف حرة نشزت فطلقت فعادت۔

وفی رد المحتار: ای ان المرأۃ اذا نشزت فطلقها زوجها فلها النفقۃ والسکنی اذا عادت الی بیت زوجها (الی ان قال) ونکاح المرتدۃ حال لطلاق سبب لوجوب النفقۃ الا انہا فوتت بالنشوز فاذا عادت وجبت اھ (ص ۱۰۹۰ ج ۱) واللہ اعلم

۱۸؍جمادی الاولیٰ سنہ [illegible]ھ

زوجہ اور والدین میں نااتفاقی کی صورت میں اگر زوجہ علیحدہ گھر کا مطالبہ کرے

سوال: والدین اور زوجہ کے درمیان نااتفاقی کی صورت میں کیا شوہر اس امر کا مجاز رکھتا ہے کہ والدین سے علیحدگی اختیار کرے؟

الجواب

قال فی الدر، وفی البحر عن الخانیۃ: یشترط ان لایکون احد من احماء الزوج یوذیہا اھ — قال الشامی وذکر الخصاف ان لہا ان تقول لا اسکن مع والدیک واقربائک فی الدار فافرد لی دارا۔ قال صاحب الملتقط ہذہ الروایۃ محمولۃ علی الموسرۃ الشریفۃ وما ذکرنا قبلہ ان افراد بیت فی الدار کاف انما ہو فی المرأۃ الوسط اعتبارا فی السکنی بالمعروف اھ (ص ۱۰۶۲ ج ۲)

اگر زوجہ متمول اور شریف ہے اور وہ والدین زوج کے ساتھ رہنا پسند نہیں کرتی ان سے الگ رہنا چاہتی ہے تو شوہر کے ذمہ واجب ہے کہ اس کو الگ مکان میں رکھے اور اگر زوجہ متوسط الحال ہے تو شوہر پر اس کو جدا گھر میں رکھنا واجب نہیں۔ لیکن اگر وہ اپنی راحت کے لئے جدا رہنا چاہے تو جائز ہے بلکہ اگر ساتھ رہنے میں والدین کے حقوق تعظیم وغیرہ ضائع ہونیکا اندیشہ ہو یا تنازعات کی وجہ سے قطع رحم کا خوف ہو تو الگ رہنا ضروری ہے

واللہ اعلم

۸؍شعبان سنہ [illegible]ھ

حکم نفقہ زوجہ ناشزہ اور کن امور میں زوج کی اطاعت زوجہ پر واجب ہے،

سوال: کوئی امر خواہ بروئے شریعت ہو یا خلاف شریعت وہ قولی عملی ہو، جو کچھ شوہر بیوی کو حکم کرے وہ حکم بیوی کو مزید اس پر حق بجانب عمل کرنا چاہئے ورنہ اس کی حکم عدولی پر شوہر کو حق ہے کہ وہ اس عورت کا نان و نفقہ ضرور بند کردے۔

اس لئے بہ امید طلب جواب شافی درین امور مرقومہ بالا استدعی خدمت عالی

ہوں کہ تردید فتویٰ اس کے متعلق دستخط مع حوالہ آیت قرآنی و حدیث صحیح و قول علماء سے ضرور جلد مرحمت فرما کر احقر کو مشکور فرمائیں گے ۔

الجواب

عورت کو شوہر کی اطاعت انہی امور میں واجب ہے جو شرعاً مباح ہوں اور اگر وہ نافرمانی کرے تو صرف بدزبانی اور بدعملی سے شوہر کو نان و نفقہ بند کرنے کا حق نہیں ہے بلکہ جب وہ بلا اجازت شوہر کے اس کے گھر سے چلی جائے جب ناشزہ ہوگی ۔

قال العلامة عبد الحی فی فتاواہ ناقلاً عن شرعة الاسلام وعلیها ان تطیعها فی الامور الشرعیة ولو امر ان تنقل الحجر من جبل و ان لا تخرج من بیته الا باذنه (ص ۲۳ ج ۲ مع الخلاصة

قلت : ولکن لو خرجت الی ابویها او الی محارمها فی المدة التی لها الخروج فیها وقد ذکرناها فی الجواب الثانی فلا تکون ناشزة فی الاثم نعم لا تکون لها نفقة حینئذ واللہ اعلم

یکم رجب ۸۸ھ

سال بھر میں زوجہ کے والدین اور عزیز و اقارب سے ملنے کی مدت اور اس عرصہ کے نفقہ کا حکم

سوال : اور یہ بھی تحریر فرمائیں گے کہ شوہر کی نارضامندی پر عورت اپنے خویش و اقارب خصوصاً اپنی خالہ کے یہاں اور اپنے حقیقی بھائی کے یہاں جاسکتی ہے یا وہ لوگ مرقوم بالا اس کے یہاں آمد و رفت کرسکتے ہیں یا نہیں یا خط و کتابت کرسکتے ہیں یا نہیں ؟ اور اگر وہ لوگ طرفین میں سے یہ تعلقات بروئے شریعت رکھ سکتے ہیں تو آمد و رفت کتنے کتنے عرصہ پر کرسکتے ہیں سال بھر میں ایک بار یا دو بار یا مہینہ میں ایک بار یا ہر ہفتہ میں ۔ امید کہ شافی جواب سے مطلع فرمائیں گے ۔

فقیر حاجی محمد عبد اللطیف القادری عفا عنہ

از کلکتہ ۔ از ضمیمہ ۵۳

الجواب

والدین سے ایک شہر میں ہفتہ میں ایک بار اور شہر سے باہر ہر مہینہ میں ایک بار عورت کو ملنے کا حق ہے اگر والدین نہ آسکیں تو وہ خود جاسکتی ہے اور وہ آسکیں تو ہر ہفتہ خود وہی کر

مل جائیں ہاں سال میں دو چار دفعہ جس طرح عرف و دستور ہے خود بھی جاسکتی ہے اور محارم غیر والدین سے شہر کے اندر اور شہر سے باہر سال بھر میں ایک بار ملنے کا عورت کو حق ہے اور محارم کو خط و کتابت کا بھی حق ہے اور وہ عورت کے پاس خود بھی آسکتے ہیں اور شوہر کو یہ حق البتہ ہے کہ ان کو اپنے گھر کے اندر آنے سے روک دے پس وہ اگر اس سے مل لیں اور بات چیت کرلیں اور کچھ دیر بات کرکے واپس چلے جائیں اگر رات کو بھی رہنا چاہیں تو زوج سے اجازت لینے کی ضرورت ہے ۔

قال فی الدر ولا یمنعها من الخروج الی الوالدین فی کل جمعة ان لم یقدرا علی اتیانها علی ما اختاره فی الاختیار ولو کان ابوها زمناً فاحتاجها فعلیها تعاهده ولو کافراً وان ابی الزوج اھ

قال الشامی وهل لها نفقة الظاهر لا وان کانت خارجة من بیته بحق کما لو خرجت لفرض الحج اھ (ص ۱۰۹۳ ج ۲)

وقال الشامی: مطلب المختار مقابلة العرف بالشهر فی دخول المحارم کما افاده فی الدر والفتح الی ان قال بعد کلام طویل عن البحر ان الصحیح المفتی به من انها تخرج للوالدین فی کل جمعة باذنه وبدونه وللمحارم فی کل سنة مرة باذنه وبدونه اھ ۔ وقال قبل ذلک وقد اختار بعض المشائخ منعها من الخروج الیهما واشار الی نقله فی شرح المختار والحق الاخذ بقول ابی یوسف اذا کان الابوان بالصفة التی ذکرت (ای لا یقدران علی اتیانها) ولا ینبغی ان یاذن لهما فی زیارتها فی الحین بعد الحین علی قدر متعارف اما فی کل جمعة فهو بعید اھ (ص ۱۰۹۳ ج ۲) وجمعت بین روایتی الشهر والجمعة بکونهما فی بلد الزوج او خارجه ولعله جمع حسن ۔

لیکن اگر عورت بلا اذن زوج کے جائے گی تو ظاہر یہ ہے کہ نفقہ کی مستحق

عـه قال فی الدر ولا یمنعهما من الدخول علیها فی کل جمعة وفی غیرهما من المحارم فی کل سنة ۔ (قلت: صححه الشامی خلافاً لمن قال له المنع من الدخول) لها الخروج ولهم الدخول زیلعی ویمنعهم من الکینونة وفی نسخة من البیتوتة ولفظ مسکین من القرار ۔

نہ ہوگی اگرچہ وہ حق جانے کا رکھتی ہے۔ واللہ اعلم

از تھانہ بھون ۲۹ر جمادی الثانی سـہ

ایسی دو بیویوں کے نفقہ کا حکم جن میں ایک کی اولاد زیادہ ہو

سوالـــہ : فیض گنج فیض رساں حضرت مولانا صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ احقر کی دو زوجہ ہیں ایک زوجہ سے ایک لڑکی ہوئی اور دوسری زوجہ سے پانچ لڑکے اور ایک لڑکی ہے پانچوں لڑکوں میں بڑا لڑکا تقریباً ۱۴ سال ہے اور سب اس سے چھوٹے ہیں۔ میں یہ دریافت کرتا ہوں کہ میری جو کمائی ہے اس میں سے دونوں زوجہ کو کس طرح سے دوں اور دونوں زوجہ علیحدہ علیحدہ مکان میں رہتی ہیں اور جو لڑکے لڑکیاں ہیں ان کے رشتہ وشادی وغیرہ کا جو خرچ ہوئے دونو گھروں میں سے کیا جائے یا کہ جس بیوی کی اولاد ہو اس گھر سے خرچ کیا جائے اور زمینداروں میں عام رواج ہے کہ کپاس وغیرہ کھیتوں میں سے چن کر لاتی ہیں دونوں زوجہ اپنی چنی ہوئی علیحدہ علیحدہ رکھیں یا کس طرح تقسیم کیا جائے۔ تحریر فرمائیں۔ فقط والسلام

مرسلہ احقر میاں چٹن الدین از مقام موضع ڈھیوڈر
جھلا چوہدری محمد حیات خاں صاحب ضلع گجرات

الجواب

جس شخص کی دو بیبیاں ہوں اور دونوں صاحب کی اولاد ہوں ان کو زوجیت میں مساوات اس طرح کرنا چاہئے کہ ہر زوجہ کا نفقہ الگ مقرر کرے اور اس میں دونوں بیویوں کو برابر رکھے اور اولاد کا نفقہ علیحدہ مقرر کرے اور دونوں کی اولاد کو فرداً فرداً حاجت کے لحاظ سے برابر رکھے یعنی ایک کی ضروریات دس روپے میں مہیا ہو سکتی ہوں اس کے دس روپیہ اور ایک کی ضروریات پانچ روپیہ میں مہیا ہوں اس کے پانچ روپیہ مہیا کرے گو مجموعہ ایک کی طرف زیادہ ہو مثلاً ہر بیوی کا ماہوار پندرہ روپیہ مقرر کر دے اور ہر لڑکے لڑکی کا دس روپیہ ماہوار۔ اس

عـہ لہذا اگر عورت شوہر کی اجازت سے جائے یا بے کہیں جائے تو ظاہر ہے کہ عورت مستحق نفقہ ہے مگر یہ کہ شوہر منع کرے کہ میں نفقہ نہ دوں گا۔ قال فی العالمگیریۃ: الکبیرۃ اذا طلبت النفقۃ وهی لم تزف الی بیت الزوج فلها ذالک اذا لم یطالبها الزوج بالنقلۃ فان کان الزوج طالبها بالنقلۃ فان لم تمتنع عن الانتقال۔

صورت میں زیادہ اولاد والی کی طرف جو زیادہ رقم جائے گی وہ بیوی ہی کے نفقہ میں زیادتی نہیں بلکہ یہ زیادتی اولاد کی وجہ سے ہے اس پر دوسری بیوی اگر اعتراض کرے تو لغو ہے اور متفرق اخراجات شادی وغیرہ کے اس ضابطہ سے علیحدہ ہیں جن میں یہ شخص مختار ہے ۔ اس جواب سے سائل کے سب سوالات کا جواب نکل آیا ۔ واللہ اعلم

از تھانہ بھون ۔ خانقاہ امدادیہ اشرفیہ
۳ رجب ۶۴ھ

فصل فی نفقۃ الأولاد والآباء والأمھات

دوسرے شوہر پر بیوی کی پہلی اولاد کا نفقہ شرعاً واجب نہیں۔

(سوال) بندہ کہتی ہے کہ زوجہ کی اولاد جو دوسرے خاوند رافضی سے ہے وہ شوہر ثانی اہل سنت کی اولاد ہے اور شوہر اہل سنت کو مثل اولاد خود زوجہ کی خدمت واجب ہے۔

الجواب: دوسرے شوہر پر بیوی کی پہلی اولاد کی خدمت شرعاً واجب نہیں واللہ اعلم

۲۸ ربیع الثانی

باپ اگر حاجتمند ہو تو اس کا نفقہ اولاد غنی کے ذمہ واجب ہے

(سوال) شوہر کے باپ بھائی اہل سنت جو زوجہ کی اولاد دختری بالغہ منکوحہ والدہ مسماۃ طیبہ سے ہیں عرصہ زیادہ حاجتمند ہیں یا غیر مستحق بتلاتی ہے۔

الجواب: جب ماں باپ حاجتمند ہوں تو اس کا نفقہ غنی اولاد کے ذمہ واجب ہے واللہ اعلم

۲۸ ربیع الثانی

مسئلہ حدیث اعدلوا بین اولادکم یعنی اولاد میں برابری اور مساوات کی تحقیق

(سوال) (۱) اولاد کے ساتھ برابری کن کن امور میں اور کس حد تک شرعاً ضروری ہے اور کس درجہ تک ضروری ہے؟ اگر نابالغ اور بالغ لڑکی اور لڑکے کے حکم میں فرق ہو تو اس کو بھی ظاہر فرمایا جائے۔ نیز آیا یہ برابری ماں کے ذمہ بھی یا صرف باپ کے ذمہ ہے؟ اور صرف اولاد کے حق میں ہے یا دیگر وارثان شرعی کے حق میں بھی ہے؟

(۲) تبرعات اور نفقات میں برابری کے احکام جداجدا تحریر فرمائے جائیں۔

(۳) اس قسم کی برابری بوجہ اولاد کے مختلف الحال ہونے کے لحاظ سے بہت دشوار ہے۔ مثلاً ایک کی کم عمر ہے، ایک کی زیادہ عمر ہے، ایک بیٹے کے پاس ہے ایک دور ہے، ایک غنی ہے، ایک محتاج ہے، ایک کی ضروریات زیادہ ہیں، مثلاً کالج میں پڑھتا ہے، ایک کی کم ہیں، مثلاً مکتب میں پڑھتا ہے، ایک کی شادی میں کم خرچ ہوتا ہے، ایک کی شادی میں زیادہ، ایک لڑکی ہے جس کو جہیز دو

زیور کی ضرورت پڑتی ہے ایک لڑکا ہے جسکی شادی میں ان اخراجات کی ضرورت نہیں، ایک کی شادی آج ہے ایک کی دس برس یا کم و بیش مدت کے بعد ہے غرض حاجات اور حالات اسقدر مختلف ہوتے ہیں کہ عطا میں برابری کرنا نہایت دشوار ہے۔ اگر واجب ہو تو اسکی سہل صورت تجویز فرمائی جائے اگر ایک بچہ کو اسکی ضرورت پر ایک پیسہ یا چیز دی تو کیا سب بچوں کو خواہ حاضر ہوں یا غائب یک ایک پیسہ تقسیم کیا جائے؟

(۴) نانی نانا یا دادی، دادا وغیرہ کے ذمہ تو اس قسم کی برابری ضروری نہیں؟

(۵) اوپر تو صرف چند جزئیات کو حوالہ ہے۔ دیگر صدہا جزئیات اس معاملہ میں ہو سکتی ہیں علاوہ جواب کلی کے جہاں تک ممکن ہو ایسے جزئیات کے متعلق بھی احکام تحریر فرمائے جائیں تاکہ عمل کے وقت دشواری یا غلطی نہ ہو چونکہ اس معاملہ میں عام طور پر غفلت ہے اسلئے مفصل اور اگر ضرورت ہو تو مدلل احکام تعین فرما دیجئے کہ بظاہر ضرورت معلوم ہوتی ہے تاکہ عام مسلمین کو اس طرف توجہ ہو اور عاملین کو ادائے حقوق میں سہولت ہو۔ بینوا توجروا۔

السائل: خواجہ عزیز الحسن صاحب اسسٹنٹ انسپکٹر
مدارس اسلامیہ لکھنؤ فرنگی محل۔

الجواب: قال فی الدر عن الخانیۃ: ولا بأس بتفضیل بعض الاولاد فی المحبۃ لانہا عمل القلب وکذا فی العطایا ان لم یقصد بہ الاضرار وان قصدہ یسوی بینہم یعطی البنت کالابن عند الثانی وعلیہ الفتوی ولو وہب فی صحتہ کل المال للولد جاز واثم (ص ۵۷۰ ج ۴)

وفی البدائع: وینبغی للرجل ان یعدل بین اولادہ فی النحلی لقولہ سبحانہ وتعالی: إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ۔ ولما روی ان بشیرا ابا النعمان اتی بالنعمان الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الحدیث وہذا اشارۃ الی العدل بین الاولاد فی النحلۃ وہو التسویۃ بینہم ولان فی التسویۃ تالیف القلوب والتفضیل یورث الوحشۃ بینہم فکانت التسویۃ اولی ولو نحل بعضا وحرم بعضا جاز من طریق الحکم لانہ تصرف فی خالص ملکہ لاحق لاحد فیہ الا انہ لا یکون عدلا سواء کان المحروم فقیہا تقیا او جاہلا فاسقا علی قول المتقدمین من مشائخنا واما علی قول المتأخرین

منهم لا بأس ان يعطي المتأدبين والمتفقهين دون الفسقة الفجرة اهـ (ص ٢١٠ ج ٦)

وفي البحر: يكره تفضيل بعض الاولاد على البعض في الهبة حالة الصحة الا لزيادة فضل له في الدين وان وهب ماله كله لواحد جاز قضاء وهو آثم كذا في المحيط، وفي الخلاصة: المختار التسوية بين الذكر والانثى في الهبة ولو كان ولده فاسقا فاراد ان يصرف ماله الى وجوه الخير ويحرمه عن الميراث هذا خير من تركه لان فيه اعانة على المعصية ولو كان ولده فاسقا لا يعطي له اكثر من قوت يومه ولو اتخذ لولده ثيابا ثم اراد ان يدفع الى آخر ليس له ذالك الا ان يبين وقت الاتخاذ انه عارية اهـ وقال محشيه: قال الرملي: وفي الحاوي الزاهدي دفع لولده الصغير ثوبا فاكل نصفه ثم اخذه منه ودفعه لآخر يضمنه اذا كان دفعه لولده على وجه التمليك واذا دفعه على وجه الاباحة لا يضمن قال عرف به ان مجرد الدفع من الاب الى الصغير لا يكون تمليكا وانه حسن اهـ (ص ٢٨٨ - ج ٧)

وفي الخلاصة: رجل له ابن وبنت اراد ان يهب لهما شيئا فالافضل ان يجعل للذكر مثل حظ الانثيين عند محمد وعند ابي يوسف بينهما سواء هو المختار لورود الآثار ولو اعطى بعض ولده شيئا دون البعض لزيادة رشده لا بأس به وان كانا سواء لا ينبغي ان يفضل اهـ (ص ٤٠٠ ج ٤ كتاب الهبة)

قلت: ويلحق بالرشد فقره ايضا كما لا يخفى۔

وقال العيني في شرح البخاري: وقال المهلب: وفي الحديث دلالة على انه لا تلزم المعدلة فيما يهبه غير الاب لولد غيره اهـ (ص ١٤١ - ج ٦)

وفيه ايضا: احتج به اي بحديث النعمان بن بشير من اوجب التسوية في عطية الاولاد وبه صرح البخاري وهو قول طاؤس والثوري واحمد و اسحاق وقال به بعض المالكية ثم المشهور عن هؤلاء انها باطلة وعن احمد يصح ويجب عليه ان يرجع وعنه يجوز التفاضل ان كان له سبب كاحتياج الولد لزمانته او دينه او نحو ذالك وقال ابو يوسف: تجب التسوية ان قصد بالتفضيل الاضرار وذهب الجمهور الى ان التسوية مستحبة

فان فضل بعضا صح وكره وحملوا الامر على الندب والنهي على التنزيه واجابوا عن حديث النعمان من حمل الامر بالتسوية على الندب بوجوه ذكرها بالتفصيل الى ان قال الخامس ان عمل الخليفتين ابي بكر وعمر رضي الله عنهما بعد النبي صلى الله عليه وسلم على عدم التسوية قرينة ظاهرة في ان الامر للندب اما اثر ابي بكر فاخرجه الطحاوي (بسند صحيح) عن عائشة زوج النبي صلى الله عليه وسلم ان ابا بكر الصديق نحلها جاد عشرين وسقا من ماله بالغابة فلما حضرته الوفاة قال: والله يا بنية ما من احد من الناس احب الى غنى بعدي منك ولا اعز على فقرا بعدي منك واني كنت نحلتك جاد عشرين وسقا فلو كنت جددتيه واحرزتيه كان لك وانما هو اليوم مال الوارث الحديث قال الشافعي وفضل عمر رضي الله تعالى عنه عاصما بشيء وفضل ابن عوف ولد ام كلثوم اما اثر عمر فذكره الطحاوي ايضا كما ذكره البيهقي عن الشافعي واخرج عبد الله بن وهب في مسنده قال بلغني عن عمرو بن دينار ان عبد الرحمن بن عوف نحل ابنته من ام كلثوم بنت عقبة اربعة آلاف درهم وله ولد من غيرها اھ (ص ۲۴۵، ۲۴۶ ج ۲)

ان نصوص سے امور ذیل مستفاد ہوئے

(۱) تسویہ بین الاولاد عطایا اور ھبات میں ہے نفقات میں نہیں کیونکہ احادیث و اقوال فقہاء لفظ عطیہ وھبہ سے مقید ہیں نفقات میں کسی نے وجوب یا استحباب مساوات کی تصریح نہیں کی و قیود اتفاقا احترازیہ تسویۃ فی النفقۃ زوجات میں واجب ہے اولاد کے متعلق اسکی کوئی تصریح نہیں ملی باوجود تتبع کثیر کے۔

(۲) تسویہ بین الاولاد عطایا میں بھی حنفیہ وجمہور ائمہ کے نزدیک واجب نہیں بلکہ مستحب ہے اور ترک تسویہ مکروہ تنزیہی ہے اور اگر قصد اضرار ہو تو مکروہ تحریمی ہے وعلیہ یحمل قول المحیط اثم فیجتمع مع قول العینی وحمل النہی علی التنزیہ۔

(۳) اگر ایک لڑکے یا لڑکی کو کسی خاص وجہ سے ھبہ کیا جائے یا زیادہ دیا جائے اور دوسروں کو کم کیا جائے اور اضرار آخرین کا قصد نہ ہو تو جائز ہے۔

(۴) اگر ایک لڑکے یا لڑکی کو اسکی دینداری یا طلب علم دین وغیرہ کی وجہ سے زیادہ

دیا جائے تو مضائقہ نہیں اسی طرح ایک کو بوجہ فقر کے زیادہ دیا جائے تو یہ بھی جائز ہے۔

(د) فاسق اولاد کو صالح کے برابر دینا لازم نہیں بلکہ فاسق کو قوت سے زیادہ نہ دینا چاہئے

اب سوالات کے جوابات معروض ہیں

(۱) اولاد کے ساتھ برابری کرنا ان عطایا و ہبات میں مستحب ہے جو ان کی ملک کر دئے جاتے ہیں باقی نفقہ یعنی ماکول و مشروب و ملبوس میں بقدر حاجت متفق علیہ کر کے مقدار واجب نفقہ کی ہے تسویہ واجب و مستحب نہیں اگرچہ تملیک ہو اور مقدار واجب قدر کفایت ہے جو کہ مختلف باختلاف الاشخاص ہے اور قدر واجب سے زائد نفقہ میں بھی اگر وہ بطور ہبہ کے نہ ہو بلکہ بطریق اباحت و عاریت کے ہو تو تسویہ نہ لازم ہے نہ مستحب بلکہ باپ کو اختیار ہے کہ جس کو جیسا چاہے کھلائے اور جیسا چاہے پہنائے البتہ اگر بطور ہبہ کے قدر واجب سے زائد نفقہ دیا جائے تو رعایت تسویہ مستحب ہے ورنہ قدر واجب سے زائد نفقہ کی اباحت و عاریت میں بھی اگر تفضیل سے اولاد میں وحشت و کراہت کا اندیشہ ہو تو اس میں بھی تسویہ مستحب ہوگا۔ "لان علۃ التسویۃ فی العطایا ھی الاحتراز عن الوحشۃ فیستوی الحکم یدور مع علتہ"

اور یہ تسویہ ماں باپ دونوں کے حق میں ہے دیگر رشتہ داروں کے حق میں نہیں۔ دوسروں کو بلا کراہت جائز ہے کہ ایک شخص کے ایک لڑکے کو دیں یا زائد دیں اور دوسروں کو نہ دیں۔

(۲) اس کا جواب نمبر ایک کے جواب سے معلوم ہو گیا۔

(۳) اس سوال میں نفقات و تبرعات کو خلط کیا گیا ہے سو اوپر گذر چکا کہ نفقات میں تسویہ ضروری نہیں نہ وجوباً نہ استحباباً پس اگر ایک لڑکا گھر پر ہے دوسرا باہر ہے تو ان دونوں میں نفقہ واجبہ کے اندر کمی و زیادتی بلا کراہت جائز ہے اسی طرح ایک اپنے پاس ہے ایک دور ہے ان میں بھی نفقہ واجبہ کے اندر کمی زیادتی جائز ہے کیونکہ نفقہ واجبہ ہر ایک کی قدر کفایت سے مقدر ہے اور اس صورت میں قدر کفایت ہر ایک کی جدا ہے پس رعایت تسویہ ضروری نہیں نہ مستحب۔ رہا یہ کہ ایک غنی ہے ایک محتاج ہے تو نفقہ واجبہ میں تو تسویہ ضروری نہیں جبکہ نفقہ واجبہ ہر ایک کا متفاوت ہوتا ہو اگر نفقہ واجبہ متفاوت نہ ہو تو جب بھی محتاج کو نفقہ واجبہ سے زائد دینا جائز ہے جبکہ مقصود اس کو نفع پہنچانا ہے نہ دوسرے کا ضرر مقصود نہیں اور اگر ایک کالج میں پڑھتا ہے اور ایک مکتب میں تو اگر ان دونوں کا نفقہ واجبہ متفاوت ہو تو اس میں کمی زیادتی کا مضائقہ نہیں اور اگر نفقہ واجبہ متفاوت نہ ہو تو کالج میں پڑھنا

زیادت استحقاق کا سبب نہیں کیونکہ یہ طلب دین یا رشد و احتیاج سے خارج ہے اس صورت میں مستحب ہے کہ دونوں کو نفقۂ واجبہ سے زائد میں برابر رکھا جائے جسکی سہل صورت یہ ہے کہ جتنی رقم کالج والے کو زائد دی جاتی ہے اسی کے برابر دوسرے کیلئے بعد تملیک کے رقم جمع کر دی جائے یا اسکو محفوظ رکھکر آئندہ برابری کا قصد رکھا جائے اور شادی بیاہ جو خرچ ہوتا ہے وہ محض تبرع و ہبہ ہے اسمیں اولیٰ یہ ہے کہ اسکی رعایت رکھی جائے کہ ایک لڑکے کی شادی بیاہ میں جتنا خرچ ہوا اتنا ہی دوسرے لڑکے کی شادی میں کیا جائے اور جتنا ایک لڑکی کو جہیز دیا جائے اُتنا ہی دوسری کو دیا جائے یعنی ذکور کو ذکور کے برابر اور اناث کو اناث کے برابر رکھا جائے اور یہ رعایت اس خرچ میں مستحب ہے جو والد اپنے اختیار سے کرتا ہے اضطراری میں نہیں، مثلاً ایک کی شادی قریب جگہ ہوئی۔ دوسرے کی دور جگہ ہوئی جسکی وجہ سے کرایہ آمد و رفت میں تفاوت ہوگیا باقی اس کا مضائقہ نہیں کہ لڑکی کی شادی میں بوجہ جہیز دینے کے لڑکے کی شادی سے زیادہ خرچ ہو جائے کیونکہ یہ تفاوت بھی مثل اضطراری کے ہے لڑکیوں کو بوجہ اُنکی احتیاج کے کہ وہ کسب سے عاجز ہیں جہیز دیا جاتا ہے اور لڑکوں کو اسکی ضرورت نہیں ہوتی اور عموماً لڑکوں کو اس سے اعتراض بھی نہیں پیدا ہوتا البتہ اگر کسی جگہ لڑکوں کو اسپر اعتراض ہوتا ہو وہاں مستحب ہے کہ ذکور و اناث کی شادی میں بھی تسویہ کیا جائے، بہرحال مدار تسویہ خوف وحشت و عدم خوف پر ہے اگر کہیں زیادت سے باہم وحشت کا خطرہ ہو وہاں تسویہ مستحب ہے ورنہ زیادت بلا کراہت تنزیہیہ جائز ہے جبکہ قصد اضرار نہ ہو اور ایک کو کسی خاص وجہ سے جو شرعاً وجہ معتبر ہو مثلاً رشد و علم و تقویٰ و احتیاج وغیرہ ہو، زیادہ دیا جائے پس اگر ایک بچہ کو اسکی ضد پر پیسہ دیا جائے تو دوسرے چھوٹے بچوں کو بھی دیا جائے جو حاضر ہوں باقی بڑوں کو دینا یا صف رضاعین کو دینا ضروری نہیں کیونکہ ان کو نہ دینے سے توحش وغیرہ کا خطرہ نہیں۔

(۴) نانا، نانی، یا دادا، دادی کے ذمہ باپ کی موجودگی میں یہ تسویہ ضروری نہیں اور باپ کی عدم موجودگی میں جنکی پرورش میں یہ لڑکے ہوں وہ بمنزلہ باپ کے ہے اُسکو تسویہ مستحب ہے بالتفصیل الذی تقدم اور جن کی پرورش میں نہ ہوں ان پر تسویہ لازم نہیں، وھذا بالقیاس ولم ارہ صریحاً لان العائل کالاب فی کثیر من

الاحکام۔ البتہ اگر نانا، نانی، یا دادا، دادی ایک لڑکی یا لڑکے کی اولاد کو زائد دیں دوسرے کی اولاد کو کم یا دوسرے کی اولاد کو بالکل نہ دیں اور اس تفضیل سے باہم خود نانا نانی، یا دادا، دادی کی اولاد میں توحش و نفرت پیدا ہوجانیکا اندیشہ ہو تو قیاس کا مقتضی یہ ہے کہ رعایت تسویہ ان پر بھی لازم ہے یعنی استحباباً اسلئے کہ عرفاً نواسوں اور پوتوں کو دینا اپنی بیٹی یا بیٹے کو دینا شمار ہوتا ہے فرجع الی تفضیل بعض ولدہ علی الآخر۔

(۵) چونکہ یہ تسویہ حنفیہ کے نزدیک مستحب ہے جبکہ قصد اضرار نہ ہو اسلئے جتنی سہولت سے رعایت ہوسکے کی جائے، اور زیادہ کاوش کی ضرورت نہیں۔ واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ اشرفیہ
۷ ربیع الثانی سنہ ۵۲ھ

فصل فی نفقۃ ذوی الارحام

بہن کا نفقہ اور اس کے مصارف نکاح بھائی کے ذمہ ہیں یا نہیں

(سوال) ہندہ کا شوہر تقریباً بیس روپیہ ماہوار پیدا کرتا ہے اور سوائے اسکی زوجہ اور زوجہ کی اولاد کے باپ بھائی حاجتمندوں کو کچھ نہیں دیتا۔ اب شوہر ہندہ نے اپنی بہن کی شادی اپنے باپ اور اپنی رائے سے بلاشرکت دیگر برادران مفلوک کردیا ہے۔ اب وہ اس شادی کا صرف باپ بھائی سے لینا چاہتا ہے تو کیا باپ بھائی اسکے ذمہ دار ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر اس نے یہ کہکر خرچ کیا تھا کہ میں باپ اور بھائیوں سے یہ رقم وصول کرلونگا اور انہوں نے بھی اسکو قبول کرلیا تھا تب تو ان سے لینے کا حقدار ہے ورنہ کچھ بھی نہیں۔ واللہ اعلم

چچا کے ذمہ بھتیجے کے نفقہ کا حکم

(سوال) زید کی بیوی کا قاسم جو اسکا باپ باپ رافضی ہے اور جسکو بعد پرورش ہونے کے وہ ماں باپ اپنے پاس رکھیں گے

اور زید کے برادر زادہ حقیقی ہے تو زید کی بیوی اپنے نواسہ کو متبنیٰ بناکر اپنے شوہر کی آمدنی سے اس کی تعلیم دلاتی ہے اور اگر اہل سنت زید کا بھائی چاہے کہ میرے بچہ کو بھی تعلیم دی جائے تو زوجۂ زید حارج ومانع ہے تو کیا ایسی صورت میں زید کی زوجہ کا نواسہ، زید کی آمدنی سے تعلیم پانیکا مستحق ہے؟ یا برادر زادہ زید مستحق ہے؟ یا دونوں نہیں؟ بینوا توجروا

المستفتی: ظہور الحق نمبیری ڈاکخانہ ترون ضلع سہارنپور

الجواب:- زید کے ذمہ اسکی بیوی کے نواسہ کا کوئی حق نہیں اور اگر برادر زادہ کا باپ زندہ ہے تو اس کا بھی کچھ حق نہیں اور اگر اس کا باپ زندہ نہیں اور اس کی خبر لینے والا زید کے سوا کوئی نہیں تو زید کے ذمہ اپنے برادر زادہ کی خبرگیری لازم ہوگی واللہ اعلم

۲۴ ربیع الاول

یتیم کے مال سے اس کے معلم کو تنخواہ اور ضیافت کرنا جائز ہے یا نہیں۔

سوال غرض یہ ہے کہ مسئلہ ذیل کے حکم سے واقف فرماکر مسرور فرماویں وہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں محلہ کے سب لوگ ملکر بچوں کی تعلیم کیلئے معلم رکھتے ہیں اس میں یتامیٰ بھی شامل رہتے ہیں اس میں دریافت یہ ہے کہ جو یتیم کا مال علیحدہ ہے اس سے اس کے وارث بالغ چچا یا بھائی کیلئے اس یتیم کے مال سے معلم کی تنخواہ ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور جو یتیم اپنے بھائی یا چچا کے ساتھ مخلوط ہیں وہ بھائی یا چچا کیلئے یتیم کے مال مخلوط سے معلم کی تنخواہ اور خورد ونوش دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- قال فی الدر: له ان ينفق فی تعليم القرآن والأدب ان تأهل لذلك والا فلينفق عليه بقدر ما يتعلم القراءة الواجبة فی الصلاة مجتبىٰ اهـ

قال الشامی: وفی الخلاصة وغيرها: ان كان صالحا لذلك جاز وصار الوصی ماجوراً والا فعليه ان يتكلف فی تعليم قدر ما يقرأ فی صلاته فلم يقيده بالقراءة الواجبة تامل۔

وفی القنية: ولا يضمن ما انفق فی المصاهرات بين اليتيم واليتيمة وغيرها فی خلع الخاطب او الخطيبة وفی الضيافات المعتادة والهدايا

المعهودة، وفي الاعياد ان كان له منه بد وفي اتخاذ ضيافة لختمه للاقار
والجيران ما لم يسرف فيه وكذا المؤدب ومن عنده من الصبيان وكذا
العبيد في وقال بعضهم: في ضيافة المؤدب والعبيد بأمره (ص ۱۰۱ ج ۵)

اگر یتیم لڑکا تعلیم قرآن وادب کے قابل ہو یعنی جو پڑھایا جاتا ہے اسکو پڑھ سکتا ہو یا پڑھ سکنے کی امید بظن غالب ہو تو اسکی تعلیم میں اس کے مال سے معلم کی تنخواہ دینا ولی کو جائز ہے اور معلم کو تنخواہ لینا بھی جائز ہے اور اگر اس میں تعلیم حاصل کرنے کی قابلیت نہ ہو تو صرف اتنی مقدار کی تعلیم دی جائے جس سے اسکو نماز پڑھنا آجائے اور اس مقدار میں اس کے مال سے ولی کو تنخواہ دینا جائز اور معلم کو لینا جائز ہے اسکے بعد جائز نہیں اور اس میں یتیم مختلط وغیر مختلط دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔ واللہ اعلم

۲۹ ربیع الثانی سنہ ۵۲ھ

حکم نفقہ ذوی الارحام | **سوال**) میری ایک اخیافی بہن گیارہ بارہ برس کی ہے اسکے والد کا انتقال ہو گیا ہے۔ شادی ہو گئی ہے خاوند چھوٹا ہے اور لڑکی بھی بالغ نہیں ہوئی اور اس کے چار بھائی حقیقی ہیں بڑا بھائی میں ہوں اور حقیقی بھائی میں سے جو بڑا ہے اسکی شادی ابھی ہوئی ہے معمولی کاروبار کرکے بچوں کا گذارہ کرتا ہے۔ اور بہن اسکے ہمراہ رہتی ہے مگر بھابی سے جنگ وجدال ہوتی ہے اور بھابی مارتی پیٹتی ہے اور خدمت بھی زیادہ لیتی ہے اس لئے بہن پریشان وغمگین رہا کرتی ہے اور احقر کو یاد کرتی رہتی ہے اور حقیقی بھائی میں سے دوسرا بھائی ڈرابسیل نارمل وغیرہ پڑھتا ہے بیس برس کی عمر ہے اور اس سے چھوٹا ملازمت کرتا ہے اور فضول خرچی کرتا ہے ان صورتوں میں ہر ایک پر اس کا نان ونفقہ وغیرہا اور نگرانی وغیرہ ضروری اور فرض ہے یا کسی پر زیادہ ہے؟ اور میں آئندہ سال تعلیم وغیرہ کی غرض سے رہنا چاہتا ہوں اور اسی طرح دوسرا بھائی جو ڈرابسیل پڑھتا ہے تعلیم کیلئے رہے تو بہن کا کوئی حق آپکی وجہ سے گنہگار تو نہ ہونگے۔ بینوا توجروا

عبدالرحمن انادادی غفر لہ مدرسہ امینیہ دہلی ۹ رجب

الجواب: ومن النفقة لكل ذي رحم محرم (الى قوله) ويجب ذلك على مقدار الميراث (هدايه ج ۲)

مسئلہ ۲۴ مسئلہ ۵

أخ لهما	أخ لهما	أخ لهما	أخ لهما	أخت لام
۵	۵	۵	۵	۴

صورت مسئولہ میں اس بہن کے نان و نفقہ کے چھ سہام بنائے پانچ حصے اسکے حقیقی بھائیوں کے ذمہ ہیں اور ایک حصہ اسکے اخیافی بھائی کے ذمہ ہے یعنی جو ان میں سے غنی ہو یا غنی نہ ہو لیکن کمانے والا ہو اگر کوئی حقیقی بھائی اس کا نان و نفقہ نہ دے تو پھر وہ کالعدم قرار پاکر باقی بھائیوں پر اسی نسبت سے نفقہ ہوگا اگر حقیقی بھائی سب کے سب نفقہ نہ دیں تو پھر اخیافی بھائی کے ذمہ کل نفقہ ہوگا جبکہ وہ غنی یا کمانے والا ہو اور سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بہن کو اس کا حقیقی بھائی ساتھ رکھتا ہے اور نان نفقہ دیتا ہے تو اگر وہ تنہا اسکے کل نفقہ کا خوشی سے متحمل ہے تو باقی بھائیوں پر وجوب نفقہ نہیں اور اگر وہ تنہا کل نفقہ دینے پر راضی نہ ہو تو بقیہ حقیقی بھائیوں پر چھ سہام میں سے پانچ سہام میں علی السویہ اسکے نفقہ میں شرکت واجب ہے اور اخیافی بھائی پر چھٹے حصہ کی شرکت واجب ہے نیز سب بھائیوں پر اس بہن کو بھاوج کے عذاب سے بچانا واجب ہے اور اس میں حقیقی اور اخیافی بھائی سب برابر ہیں انکو چاہیئے کہ بڑے بھائی کو سمجھائیں کہ اپنی بیوی کو ان افعال سے روکے اور کوشش کے ساتھ اس کا انتظام کریں کہ اگر اس میں کامیاب نہ ہو تو بہن کو کسی اور معتبر عورت کے پاس رکھیں اور سب بھائی حقیقی چھ سہام میں سے پانچ سہام میں شرکت کرکے علی السواء اس کا نفقہ دیتے رہیں اور اخیافی بھائی چھٹا حصہ نفقہ کا ادا کرے بشرطیکہ ان میں سے کوئی معسر معذور نہ ہو اور اس وقت غنی ہو یا کمانے پر قدرت رکھتا ہو اور جب تک حقیقی بھائی نفقہ میں کوتاہی کریں اخیافی بھائی پر کل نفقہ کا وجوب نہ ہوگا۔ واللہ اعلم

قال فی الحامدیۃ بعد التفصیل فی نفقات الاقارب والقسم السابع ذلك فی الحواشی فقط (وهو المراد بالحواشی من ليس اصلا ولا فرعا) يعتبر فيه الارث اي اهليته وحقيقته (اذ لا يتحقق الا بعد الموت) وعند الاستواء فی المحرمية واهلية الارث يترجح الوارث حقيقة ففی خال وابن عم على الخال لانه رحم محرم اهل للارث عند عدم ابن العم ولا شيء على ابن العم وان كان الميراث كله له لانه غير محرم ولا تجب نفقة على غير محرم اصلا اھ (ص۸۸ ج-۱)

قلت: وفی الصورة المسئولة الاخوة كلهم سواء فی المحرمية

واهلية الارث فالنفقة على كلهم على قدر ميراثهم من الاخت كما قال في الحامدية في العمة والخالة ان النفقة عليهما اثلاثا كارثهما اه (صفحہ مذکورہ) والله اعلم۔

(تنبیہ) واعلم ان الفقهاء جعلوا المعسر العاجز عن الكسب كالعدم ولم يجعلوا الموسر الممتنع عن اداء النفقة ولا العاجز المكسوب كذالك كالعدم لان القاضي يجبرهما عليها ولكن ببلادنا لا قاضي فيها ولا يمكن اجبار الممتنع عليهما اصلاً فجعلنا الممتنع ايضاً كالعدم واوجبنا كل النفقة على الباقين بقدر ارثهم و هذا هو الظاهر عندي ولعل الله يحدث بعد ذالك امراً والله اعلم

۱۱ رجب [illegible]

اِمدادُ الاحکام

امداد الفتاوی کا تکملہ جو ۱۳۳۰ھ کے بعد کے فتاوی پر مشتمل ہے

تالیف

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

زیرِ نگرانی

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ